جلد اول

جلد دوم



THE MOHAMMEDAN SOCIAL REFORMER

تہذیب الاخلاق

[illegible]] یکم شوال سنہ ۱۲۸۷ ہجری یوم المبارک عید الفطر [نمبر ۱

[illegible]م اللہ الرحمن الرحیم

اطلاع

[illegible] بابت اس پرچہ کے بطور چندہ خواہ بطور قیمت [illegible] خاص شخص کی ملکیت نہوگا بلکہ اس پرچہ کے [illegible] صرف کیا جاویگا *

[illegible] سے جو شخص ساتھہ روپیہ سالانہ پیشگی بطور [illegible] پرچہ کے متعلق معاملات میں ممبر متصور ہوگا *

[illegible] جو شخص کچھہ روپیہ بطور ڈونیشن دے وہ بشکر [illegible] *

[illegible] مہینے میں ایک بار یا دو بار جیساکہ مقتضاے [illegible] کریگا قیمت فی پرچہ دو آنہ اور مع محصول [illegible] خریداروں کو کم سے کم تین روپیہ قیمت اور ایکروپیہ [illegible] چار روپیہ آٹھہ آنہ پیشگی بھیجنے ہونگے *

[illegible] کوئی خاص پرچہ خریدنا چاہے گا اُس کو فی پرچہ [illegible] ایک آنہ محصول دینا ہوگا *

[illegible] قیمت یہہ پرچہ ملیگا اور اُن کو اُس کے تقسیم کا [illegible] جنکو وہ چاہیں اختیار ہوگا *

اِس پرچہ میں بجز مضامین متعلق تہذیب اخلاق و حسن معاشرت کے جہاں تک کہ وہ مسلمانوں سے متعلق ہیں اور کچھہ مندرج نہوگا *

مضمون نمبر ۱

تمہید

اِس پرچہ کے اجرا سے مقصد یہہ ہی کہ ہندوستان کے مسلمانوں کو کامل درجہ کی سولیزیشن یعنی تہذیب اختیار کرنے پر راغب کیا جاوے تاکہ جس حقارت سے سولیزڈ یعنی مہذب قومیں اُنکو دیکھتی ہیں وہ رفع ہو اور وہ بھی دنیا میں معزز و مہذب قوم کہلاویں *

سولیزیشن انگریزی لفظ ہی جس کا تہذیب ہمنے ترجمہ کیا ہی مگر اِس کے معنی نہایت وسیع ہیں اُس سے مراد ہی انسان کے تمام افعال ارادی اور اخلاق اور معاملات اور معاشرت تمدن اور طریقہ تمدن اور صرف اوقات اور علوم اور ہر قسم کے فنون و ہنر کو اعلیٰ درجہ کی عمدگی پر پہونچانا اور اُسکو نہایت خوبی اور خوش اسلوبی سے برتنا جس سے اصلی خوشی اور جسمانی خوبی ہوتی ہی اور تمکن اور وقار اور قدر و منزلت حاصل کی جاتی ہی اور وحشیانہ پن اور انسانیت میں تمیز نظر آتی ہی *

تمہید

یہہ بات نہایت سچ ہی کہ کسی قوم کے مہذب ہونے میں اُس قوم کے مذہب کو بھی بڑا دخل ہی بیشک بعضے مذہب ایسے ہیں کہ وہ تہذیب قومی کے بڑے مانع ہیں پس اب دیکھنا چاہیئے کہ کیا مسلمانی مذہب بھی ایسا ہی ہی *

اِس باب میں مختلف رائیں ہیں ایک عیسائی متعصب مورخ نے ترکی یعنی روم کی سیر کی بعد اپنے سفرنامہ میں لکھا ہی کہ ترک جب تک مذہب اسلام کو نچھوڑینگے مہذب نہونگے کیونکہ مذہب اسلام انسان کی تہذیب کا مانع قوی ہی *

سلطان عبدالعزیز خاں سلطان روم کو جو بالفعل بادشاہ ہی اِسبات کی تحقیقات منظور ہوئی کہ در حقیقت مذہب اسلام مانع تہذیب ہی یا نہیں اور چند علما اور عقلا اور وزرا کی کونسل اِس امر کی نسبت راے لکھنے کو مقرر کی جس کا امیر فواد پاشا تھا اُس کونسل نے جو رپورٹ لکھی اُس کے دو فقروں کا ترجمہ اِس مقام پر لکھا جاتا ہی *

،، اسلام میں وہ سب سچی باتیں ہیں جو کہ دنیا کی ترقی کو حاصل کرنے والی اور انسانیت اور تہذیب اور رحم دلی کو کمال کے درجہ پر پہونچانے والی ہیں مگر ہمکو اپنی بہت سی رسوم و عادات کو جو اگلے زمانہ میں مفید تہیں مگر حال کے زمانہ میں نہایت مضر ہوگئی ہیں چھوڑنا چاہیئے ،، *

اب دونوں رایوں میں سے کسی ایک راے کا سچ کر کر دکھا دینا مسلمانوں کے اختیار میں ہی اگر وہ اپنے عملی کاموں سے مثل اور دنیا کی مہذب قوموں کے اپنے تئیں بھی مہذب کر دکھلاوینگے تو فواد پاشا کی راے کی تصدیق کرینگے ورنہ از خود اُس پہلی راے کی تصدیق ہوگی *

ایک اَور انگریزی مورخ ہندوستان کے مسلمانوں کی موجودہ حالت کی نسبت یہہ لکھتا ہی کہ ،، ہندوستان کے مسلمان ذلیل ترین امت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے ہیں اور قران کے مسئلوں اور ہندوستان کی بت پرستی سے ملی ملاکر اُن کا مذہب ایک عجیب مجموعہ ہوگیا ہی ،، *

ہماری سمجھہ میں فواد پاشا کی راے اور اِس پچھلے انگریزی مورخ کا بیان بالکل درست ہی ہم مسلمانوں میں بہت سے پرانے قصہ یہودیوں کے اور بہت سی باتوں اور خیالات اور اعتقادات رومن کیتھلک کے جو ایک قدیم عیسائی فرقہ ہی اور جو مدت سے عرب میں بھی موجود تھا اور بے انتہا رسمیں اور عادتیں ہندوؤں کی مل گئی ہیں اور مزیدے براں بہت سی باتیں خود ہماری طبیعتوں یا ہماری غلط فہمیوں نے پیدا کی ہیں جو در حقیقت مذہب اسلام میں نہیں ہیں اور اسی سبب سے مسلمانوں کی عجیب حالت ہوگئی ہی اور یہی باعث ہی کہ غیر قومیں ہماری اِس ہیئت مجموعی پر مجموعہ کو مذہب اسلام قرار دیتی ہیں اور اُسکی نسبت کی راے دیتی ہیں جیسیکہ ایک انگریزی مورخ نے لکھی ہی *

،، عیسائیت اُس بڑی سے بڑی خوشی کے جو قادر کو دی ہی صرف موافق اور مطابق ہی نہیں ہی بلکہ دینے والی ہی اور برخلاف اِس کے اسلام اُسکو خراب کر میں ڈالنے والا ہی ،، † *

پس اب کیا یہہ غیرت کی بات نہیں ہی کہ ہم غیر حقارت کے الفاظ اپنی نسبت اور اپنے روشن اور سچے سنیں اور اپنی تہذیب و تربیت اور شایستگی کی طرف

یہہ جب ہی ہوسکتا ہی جبکہ ہم فواد پاشا کی بڑے عقلا اور علماء کے اتفاق سے لکھی گئی ہی اختیار ہوشیار ہوکر نیک دلی اور غور سے اپنی حالت پر رسوم و عادات اب ہم میں موجود ہیں اور جو مانع دیکھیں کہ وہ کہاں سے آئیں اور کیونکر ہم میں مل خود ہم میں پیدا ہوگئیں اور اُن میں سے جون جو خراب اور مانع تہذیب ہوں اُنکو ترک کریں اور جو ان کی اصلاح کریں اور ہر ایک بات کو اپنے مذہبی مقابلہ کرتے جاویں کہ وہ ترک یا اصلاح موافق احکا ہی یا نہیں تاکہ ہم اور ہمارا مذہب دونوں غیر قوم ان کی نظروں کی ذلت سے بچے کہ اِس سے زیادہ ثواب زمانہ میں نہیں ہی *

یہی ہمارا مطلب اپنے ہندوستان کے مسلمان بھ اسی مقصد کے لیئے یہہ پرچہ جاری کرتے ہیں تاکہ کے جہاں تک ہم سے ہوسکے اُن کے دین دنیا کی کریں اور جو نقصان ہم میں ہیں گو ہمکو نہ دکھائ غیر قومیں اُن کو بخوبی دیکھتی ہیں اُن سے اُن کو عمدہ باتیں اُن میں ہیں اُن میں ترقی کرنے کی او واللہ ولی التوفیق *

السعی منی والاتمام من اللہ تعالی اللہم آمین

---

† یہہ مت سمجھو کہ اِس مصنف کا صرف ہی بلکہ حالات اور اطوار و عادات موجودہ اہل اسلا بھی ہی اور جب اُن سب کو لکھا جاوے تو بجز چارہ نہیں — اپنی ڈانک کھولیئے اور آپ ہی الجھ

مضمون نمبر ۲

رسم و رواج

جو لوگ کہ حسن معاشرت اور تہذیب اخلاق و شایستگی عادات پر بحث کرتے ہیں اُن کے لیئے کسی ملک یا قوم کے کسی رسم و رواج کو اچھا اور کسی کو برا ٹھہرانا نہایت مشکل کام ہی ہر ایک قوم اپنے ملک کے رسم و رواج کو پسند کرتی ہی اور اُسی میں خوش رہتی ہی کیونکہ جن باتوں کی چھٹپن سے عادت اور موانست ہوجاتی ہی وہی دل کو بھلی معلوم ہوتی ہیں لیکن اگر ہم اسی پر اکتفا کریں تو اِس کے معنی یہہ ہو جاوینگے کہ بھلائی اور برائی حقیقت میں کوئی چیز نہیں ہی بلکہ صرف عادت پر موقوف ہی جس چیز کا رواج ہوگیا عادت پڑگئی وہی اچھی ہی اور جس کا رواج نہوا اور عادت نہ پڑی وہی بری ہی *

مگر یہہ بات صحیح نہیں بھلائی اور برائی فی نفسہ مستقل چیز ہی رسم و رواج سے البتہ یہہ بات ضرور ہوتی ہی کہ کوئی اُسکے کرنے پر نام نہیں دھرتا عیب نہیں لگاتا کیونکہ سب کے سب اس کو کرتے ہیں مگر ایسا کرنے سے وہ چیز اگر فی نفسہ بری ہی تو اچھی نہیں ہوجاتی پس ہمکو صرف اپنے ملک یا اپنی قوم کی رسومات کے اچھے ہونے پر بھروسہ کرلینا نہ چاہیئے بلکہ نہایت آزادی اور نیک دلی سے اُمور کی اصلیت کا امتحان کرنا چاہیئے تاکہ اگر ہم میں کوئی ایسی بات ہو جو حقیقت میں بد ہو اور بسبب رسم و رواج کے ہمکو [illegible] خیال میں نہ آتی ہو تو معلوم ہو جاوے اور وہ [illegible] ہمارے ملک یا قوم سے جاتی رہے *

[illegible] درست ہوگا کہ ہرگاہ معیوب اور غیر معیوب ہونا [illegible] تو اُس کے رواج و عدم رواج پر منحصر ہوگیا ہی [illegible] کسی امر کے رسم و رواج کو اچھا یا برا قرار [illegible] شبہہ یہہ بات کسیقدر مشکل ہی مگر جبکہ یہہ [illegible] کہ بھلائی یا برائی فی نفسہ بھی کوئی چیز ہی کی فی الحقیقت بھلائی یا برائی قرار دینے کے لیئے طریقہ ہوگا پس ہمکو اُس طریقہ کے تلاش کرنے اور اپنی رسوم و عادات کی بھلائی یا برائی قرار دینے کی [illegible] *

[illegible] اور سب سے ضروری امر اس کام کے لیئے یہہ ہی [illegible] تعصبات سے اور اُن تاریک خیالوں سے جو انسان کو [illegible] اور کرنے سے روکتے ہیں خالی کریں اور اُس دلی [illegible] تعالی نے انسان کے دل میں رکھی ہی ہر ایک [illegible] بھلائی دریافت کرنے پر متوجہہ ہوں *

یہہ بات ہمکو اپنی قوم اور اپنے ملک اور دوسری قوم اور دوسرے ملک دونوں کے رسم و رواج کے ساتھہ برتنی چاہیئے تاکہ جو رسم و عادت ہم میں بھلی ہی اُس پر مستحکم رہیں اور جو ہم میں بری ہی اُس کے چھوڑنے پر کوشش کریں اور جو رسم و عادت دوسروں میں اچھی ہی اُس کو بلا تعصب اختیار کریں اور جو اُن میں بری ہی اُس کے اختیار کرنے سے بچتے رہیں *

جب کہ ہم غور کرتے ہیں کہ تمام دنیا کی قوموں میں جو رسوم و عادات مروج ہیں اُنہوں نے کس طرح اُن قوموں میں رواج پایا ہی تو باوجود مختلف ہونے ان رسومات و عادات کے اُن کا مبدأ اور منشأ متحد معلوم ہوتا ہی *

کچھہ شبہہ نہیں ہی کہ جو عادتیں اور رسمیں قوموں میں مروج ہیں اُن کا رواج یا تو ملک کی آب و ہوا کی خاصیت سے ہوا ہی یا اُن اتفاقیہ اُمور سے جن کی ضرورت وقتاً فوقتاً بضرورت تمدن و معاشرت کے پیش آتی گئی ہی یا دوسری قوم کی تقلید و اختلاط سے مروج ہو گئی ہیں یا انسان کی حالت ترقی یا تنزل نے اُس کو پیدا کردیا ہی پس ظاہرا یہی چار سبب ہر ایک قوم اور ہر ایک ملک میں رسوم و عادات کے مروج ہونے کا مبدأ و منشأ معلوم ہوتے ہیں *

جو رسوم و عادات کہ بمقتضاے آب و ہوا کسی ملک میں رائج ہوئی ہیں اُن کے صحیح اور درست ہونے میں کچھہ شبہہ نہیں کیونکہ وہ عادتیں قدرتؔ اور فطرت نے اُن کو سکھلائی ہیں جس کے سچ ہونے میں کچھہ شبہہ نہیں مگر صرف اُن کے برتاؤ کا طریقہ غور طلب باقی رہتا ہی *

مثلاً ہم یہہ بات دیکھتے ہیں کہ کشمیر میں اور لندن میں سردی کے سبب انسان کو آگ سے گرم ہونے کی ضرورت ہی پس آگ کا استعمال ایک نہایت سچی اور صحیح عادت دونوں ملکوں کی قوموں میں ہی مگر اب ہمکو یہہ دیکھنا ہی کہ آگ کے استعمال کے لیئے یہہ بات بہتر ہی کہ مکانات میں ہندسی قواعد سے آتش خانہ بنا کر آگ کی گرمی سے فائدہ اُٹھاویں یا مٹی کی کانگڑیوں میں آگ جلاکر گردن میں لٹکائے پھریں جس سے گورا گورا پیٹ اور سینہ کالا اور بھونڈا ہو جاوے *

طریق تمدن و معاشرت روز بروز انسانوں میں ترقی پاتا جاتا ہی اور اسؔ لیئے ضرور ہی کہ ہماری رسمیں و عادتیں جو بضرورت تمدن و معاشرت مروج ہوئیں تھیں اُن میں بھی روز بروز ترقی ہوتی جاوے اور اگر ہم اپنی اُن پہلی ہی رسموں اور عادتوں کے پابند رہیں اور کچھہ ترقی نکریں تو بلا شبہہ بمقابل اُن قوموں کے

رسم و رواج

جنہوں نے ترقي کي ہی ہم ذلیل اور خوار ہونگے اور مثل جانوروں کے خیال کیئے جاوینگے پھر خواہ اس نام سے ہم برا مانیں یا نمانیں انصاف کا مقام ہی کہ جب ہم اپنے سے کمتر اور نا تربیت یافتہ قوموں کو ذلیل و حقیر مثل جانوروں کے خیال کرتے ہیں تو جو قومیں کہ ہم سے زیادہ شایستہ و تربیت یافتہ ہیں اگر وہ بھي ہم کو اسي طرح حقیر اور ذلیل مثل جانوروں کے سمجھیں تو ہم کو کیا مقام شکایت ہی ہاں اگر ہم کو غیرت ہی تو ہمکو اس حالت سے نکلنا اور اپني قوم کو نکالنا چاہیئے *

دوسري قوموں کي رسومات کا اختیار کرنا اگرچہ بے تعصبي اور دانائي کي دلیل ہی مگر جب وہ رسمیں اندھےپنے سے صرف تقلیدا بغیر سمجھے بوجھے اختیار کي جاتي ہیں تو کافي ثبوت نادانی اور حماقت کا ہوتي ہیں دوسري قوموں کي رسومات اختیار کرنے میں اگر ہم دانائي اور ہوشیاري سے کام کریں تو اس قوم سے زیادہ فائدہ اٹھا سکتے ہیں اس لیئے کہ ہمکو اس رسم سے کچھ موانست نہیں ہوتي اور اس سبب سے اس کي حقیقي بھلائي یا برائي پر غور کرنیکا بشرطیکہ ہم تعصب کو کام میں نہ لاویں بہت اچھا موقع ملتا ہی اس قوم کے حالات دیکھنے سے جس میں وہ رسم جاري ہی ہمکو بہت عمدہ مثالیں سینکڑوں برس کے تجربہ کي ملتي ہیں جو اس رسم کے اچھے یا برے ہونے کا قطعي تصفیہ کردیتي ہیں *

مگر یہہ بات اکثر جگہہ موجود ہی کہ ایک قوم کي رسمیں دوسري قوم میں بسبب اختلاط اور ملاپ کے اور بغیر قصد و ارادہ کے اور انکي بھلائي اور برائي پر غور و فکر کرنے کے بغیر داخل ہوگئي ہیں جیسیکہ ہندوستان کے مسلمانوں کا بالتخصیص حال ہی کہ تمام معاملات زندگي بلکہ بعض امورات مذہبي میں بھي ہزاروں رسمیں غیر قوموں کي بلا غور و فکر اختیار کرلي ہیں یا کوئي نئي رسم مشابہ اس قوم کي رسم کے ایجاد کرلي ہی مگر جب ہم چاہتے ہیں کہ ہم اپنے طریق معاشرت اور تمدن کو اعلی درجہ کي تہذیب پر پہونچاویں تاکہ جو قومیں ہمسے زیادہ مہذب ہیں وہ ہمکو بنظر حقارت نہ دیکھیں تو ہمارا فرض ہی کہ ہم اپني تمام رسوم و عادات کو بنظر تحقیق دیکھیں اور جو بري ہوں انکو چھوڑیں اور جو قابل اصلاح ہوں ان میں اصلاح کریں *

جو رسومات کہ بسبب حالت ترقي یا تنزل کسي قوم کے پیدا ہوتي ہیں وہ رسمیں ٹھیک ٹھیک اس قوم کي ترقي اور تنزل یا عزت اور ذلت کي نشاني ہوتي ہیں *

* اس مقام پر ہمنے لفظ ترقي یا تنزل کو نہایت وسیع معنوں میں استعمال کیا ہی اور تمام قسم کے حالات ترقي و تنزل مراد لیئے ہیں خواہ وہ ترقي و تنزل اخلاق سے متعلق ہو خواہ علوم معاشرت و تمدن سے اور خواہ ملک و دولت و جاہ و [illegible]

بلا شبہہ یہہ بات تسلیم کرنے کے قابل ہی کہ دنیا میں [illegible] نہیں نکلنے کي جسکي تمام رسمیں اور عادتیں عیب [illegible] ہوں مگر اتنا فرق بے شک ہی کہ بعضي قوموں میں عادات جو در حقیقت نفس الامر میں بري ہوں کم ہی [illegible] زیادہ اور اسي وجہہ سے وہ پہلي قوم پچھلي قوم سے [illegible] اور بعضي ایسي بھي قومیں ہیں جنہوں نے انسان [illegible] نہایت اعلی درجہ تک پہونچایا ہی اور اس حالت [illegible] انکے نقصانوں کو چھپا لیا ہی جیسے ایک نہایت عم[illegible] دریا تھوڑے سے گدلے اور کھاري پاني کو چھپا لیتا [illegible] لطیف شربت کا بھرا ہوا پیالہ نیبو کي کھٹي [illegible] لطیف اور خوشگوار ہو جاتا ہی اور یہي قومیں ہیں سویلیزڈ یعني مہذب گني جاتي ہیں اور درحقیقت [illegible] بھي ہیں *

میري دلسوزي اپنے ہم مذہب بھائیوں کے سات[illegible] ہی کہ میري دانست میں ہم مسلمانوں میں بہت [illegible] در حقیقت نفس الامر میں بري ہیں مروج ہوگئي [illegible] ہزاروں ہمارے پاک مذہب کے بھي برخلاف ہیں [illegible] مخالف ہیں اور تہذیب و تربیت و شایستگي کے بھي [illegible] اس لیئے میں ضرور سمجھتا ہوں کہ ہم سب لوگ [illegible] نفسانیت کو چھوڑ کر ان بري رسموں اور بد عادتوں [illegible] ہوں اور جیسا کہ انکا پاک اور روشن ہزاروں [illegible] مذہب ہی اسي طرح اپني رسومات معاشرت و تمد[illegible] پاک و صاف کریں اور جو کچھہ نقصانات اس میں [illegible] وجہہ سے ہوں انکو دور کریں *

اس تحریر سے یہہ نہ سمجھا جاوے کہ میں [illegible] عادتوں سے پاک و مبرا سمجھتا ہوں یا اپنے تئیں [illegible] جتاتا ہوں یا خود ان امور میں مقتدا بننا چاہتا [illegible] میں بھي ایک فرد انہیں افراد میں سے ہوں جنکي [illegible] ہی بلکہ میرا مقصد صرف متوجہہ کرنا اپنے بھائیوں پر ہی اور خدا سے امید ہی کہ جو لوگ اصلاح حال [illegible] سب سے اول انکا چیلہ اور انکي پیروي کرنے والا میں [illegible] مشغول کے خواب حالت میں چلا جانا اور روز بروز بد[illegible] جانا اور نہ اپني عزت کا اور نہ قومي عزت کا خیال [illegible] جھوٹي شیخي اور بیجا غرور میں پڑے رہنا سمجھکر [illegible]

ہماري قوم کے نیک اور مقدس لوگوں کو کبھي کبھي یہہ غلط خیال آتا هی که تہذیب اور حسن معاشرت و تمدن صرف دنیاوي امور هیں جو صرف چندروزہ هیں اگر اُن میں ناقص هوئے تو کیا اور کامل هوئے تو کیا اور اُس میں عزت حاصل کي تو کیا اور ذلیل رهے تو کیا مگر اُنکي اس راے میں قصور هی اور اُنکي نیک دلي اور سادہ مزاجي اور تقدس نے اُنکو اس عام فریب غلطي میں ڈالا هی جو اُنکے خیالات هیں اُنکي صحت اور اصلیت میں کچھہ شبہہ نہیں مگر انسان امور متعلق تمدن و معاشرت سے کسي طرح علحدہ نہیں هوسکتا اور نه شارع کا مقصود اُن تمام امور کو چھوڑنے کا تها کیونکه قواعد قدرت سے یہہ امر غیر ممکن هی پس اگر هماري حالت تمدن و معاشرت ذلیل اور معیوب حالت پر هوگي تو اُس سے مسلمانوں کي قوم پر عیب اور ذلت عاید هوگي اور وہ ذلت صرف اُن افراد اور اشخاص پر منحصر نہیں رهتي بلکه اُنکے مذهب پر منجر هوتي هی کیونکه یہہ بات کہي جاتي هی که مسلمان یعني وہ گروہ جو مذهب اسلام کا پیرو هی نہایت ذلیل و خوار هی پس اس میں در حقیقت همارے افعال و عادات قبیحه سے اسلام کو اور مسلماني کو ذلت هوتي هی پس هماري دانست میں مسلمانوں کي حسن معاشرت اور خوبي تمدن اور تہذیب اخلاق اور تربیت و شایستگي میں کوشش کرنا حقیقت میں ایک ایسا کام هی جو دنیاوي امور سے جسقدر متعلق هی اُس سے بہت زیادہ معاد سے علاقه رکھتا هی اور جسقدر فائدہ کي اُس سے همکو اس دنیا میں توقع هی اُس سے بہت بڑہ کر اُس دنیا میں هی جسکو کبهي فنا نہیں *

راقم
سید احمد

نمبر ۳

تعصب

انسان کي بد ترین خصلتوں میں سے تعصب بهي ایک بدترین خصلت هی یہہ ایسي بد خصلت هی که انسان کي تمام نیکیوں اور اُس کي تمام خوبیوں کو غارت اور برباد کرتي هی متعصب گو اپني زبان سے نکہے مگر اُس کا طریقه یہہ بات جتلاتا هی که عدل و انصاف کي خصلت جو عمدہ ترین خصایل انساني سے هی اُس میں نہیں هی متعصب اگر کسي غلطي میں پڑتا هی تو اپنے تعصب کے سبب اُس سے نکل نہیں سکتا کیونکه اُس کا تعصب اُس کے برخلاف بات سمجهنے اور اُس پر غور کرنے کي اجازت نہیں هوتا اور اگر وہ غلطي میں نہیں هی بلکه سچي اور سیدهي راہ پر هی تو اُس کا تعصب اور اُس کي نیکي کو پهیلنے اور عام هونے نہیں دیتا کیونکه اُسکے مخالفوں کو اپني غلطي پر متنبه هونے کا موقع نہیں ملتا *

تعصب انسان کو هزار طرح کي نیکیوں کے حاصل کرنے سے باز رکهتا هی اکثر دفعه ایسا هوتا هی که انسان کسي کام کو نہایت عمدہ اور مفید سمجهتا هی مگر صرف تعصب سے اُس کو اختیار نہیں کرتا اور دیدہ و دانسته برائي میں گرفتار اور بهلائي سے بیزار رهتا هی *

مذهبي تعصبات کي نسبت بهي هم کچهه تهوڑا سا بیان کرینگے مگر اول امور تمدن و معاشرت میں جو نقصان تعصب سے پیدا هوتے هیں اُن کا ذکر کرتے هیں *

انسان قواعد قدرت کے مطابق مدني الطبع پیدا هوا هی وہ تنہا اپني حوائج ضروري کو مہیا نہیں کرسکتا اس کو همیشه مدد گاروں اور معاونوں کي جو دوستي اور محبت سے هاتهه آتے هیں ضرورت هوتي هی مگر متعصب بسبب اپنے تعصب کے تمام لوگوں سے منحرف اور بیزار رهتا هی اور کسیکي دوستي اور محبت کي طرف بجز اُن چند لوگوں کے جو اُس کے هم راے هیں مائل نہیں هوتا *

عقل اور قواعد قدرت کا مقتضا یہہ معلوم هوتا هی که امور متعلق تمدن و معاشرت میں جو باتیں زیادہ منفعت اور زیادہ آرام اور زیادہ لیاقت اور زیادہ عزت کي هیں اُن کو انسان اختیار کرے مگر متعصب اُن سب نعمتوں سے محروم رهتا هی *

هنر اور فن اور علم ایسي عمدہ چیزیں هیں که اِن میں سے هر ایک چیز کو نہایت اعلی درجه تک حاصل کرنا چاهیئے مگر متعصب اپني بد خصلت سے هر ایک هنر اور فن اور علم کے اعلی درجه تک پہونچنے سے محروم رهتا هی *

وہ اُن تمام دلچسپ اور مفید باتوں سے جو نئي تحقیقات سے اور نئے علوم اور فنون سے حاصل هوتي هیں محض جاهل اور ناواقف رهتا هی اُس کي عقل اور اُس کے دماغ کي قوت محض بیکار هو جاتي هی اور جو کچهه اُس میں سمائي هوئي هی اُس کے سوا اَور کسي بات کے سمجهنے کي اُس میں طاقت اور قوت نہیں رهتي وہ ایک ایسے جانور کي مانند هو جاتا هی که اُس کو جو کچهه بالطبع آتا هی اُس کے سوا اَور کسي چیز کي تعلیم و تربیت کے قابل نہیں هوتا *

بہت سي قومیں هیں جو اپنے تعصب کے باعث سے تمام باتوں میں کیا اخلاق میں اور کیا علم و هنر میں اور کیا فضل و دانش میں اور کیا تہذیب و شایستگي میں اور کیا جاہ و حشمت اور مال و دولت میں اعلی درجه سے نہایت پست درجه مذلت اور خواري کو پہونچ گئیں هیں اور بہت سي قومیں هیں جنہوں نے اپني بےتعصبي سے هر جگهه

اور هر قوم سے اچھي اچھي باتيں اخذ كيں اور ادنى درجه سے ترقي كے اعلى سے اعلى درجه پر پهونچ گئيں *

مجهكو اپنے ملك كے بهائيوں پر اسبات كي بدگماني هى كه وه بهي تعصب كي بد خصلت ميں گرفتار هيں اور اِس سبب سے هزاروں قسم كي بهلائيوں كے حاصل كرنے سے اور دنيا ميں اپنے تئيں ايك معزز قوم كو دكهانے سے محروم اور ذلت اور خواري اور بےعلمي اور بےهنري كي مصيبت ميں گرفتار هيں اور اسي ليئے ميري خواهش هى كه وه اِس بد خصلت سے نكليں اور علم و فضل اور هنر و كمال كے اعلى درجه كي عزت تك پهونچيں *

هم مسلمانوں ميں ايك غلطي يهه پڑي هى كه بعضي دفعه ايك عالم نما نيكي كے جذبه سے تعصب كو اچها سمجهتے هيں اور جو شخص اپنے مذهب ميں بڑا متعصب هو اور تمام شخصوں كو جو اُس مذهب كے نهيں هيں اور تمام اُن علوم اور فنون كو جو اُس مذهب كے لوگوں ميں نهيں هيں نهايت حقارت سے ديكهے اور برا سمجهے اُس شخص كو نهايت قابل تعريف اور توصيف كے اور بڑا پختة اور پكا اپنے مذهب ميں سمجهتے هيں مگر ايسا سمجهنا سب سے بڑي غلطي هى جس نے حقيقت ميں مسلمانوں كو برباد كرديا هى *

همارا مذهب اور مذهبي علوم اور دنيا اور دنياوي علوم بالكل عليحده عليحده چيزيں هيں پس بڑي نادانى هى جو دنياوي علوم اور فنون كے سيكهنے ميں كسي قسم كے تعصب مذهبي كو كام ميں لاويں *

اگر يهه خيال هو كه اُن دنياوي علوم كے سيكهنے سے همارے عقايد مذهبي ميں سستي آتي هى كيونكه مذهبي مسائل اُن دنياوي علوم كے پڑهنے سے مشتبهه يا غلط معلوم هوتے هيں تو نهايت هي افسوس كا مقام هى كه مسلمان اپنے ايسے روشن اور مستحكم سچے مذهب كو ايسا ضعيف اور كم زور سمجهتے هيں كه دنياوي علوم كي ترقي سے اُس كي برهمي كا خيال كرتے هيں نعوذ بالله منها مذهب اسلام ايسا مستحكم اور سچا مذهب هى كه جس قدر ديني اور دنياوي علوم كي ترقي هوتي جاويگي اُسيقدر اُسكي سچائي زيادة تر ثابت هوگي *

اب هم يهه بات بتاتے هيں كه اپنے مذهب ميں پختة هونا جدا بات هى اور يهه ايك نهايت عمدة صفت هى جو كسي اهل مذهب كے ليئے هوسكتي هى اور تعصب كو كه وه مذهبي باتوں ميں كيوں نهو نهايت برا اور خود مذهب كو بغايت نقصان پهونچانے والا هى *

غير متعصب مگر اپنے مذهب ميں پختة هميشة سچا دانا دوست اپنے مذهب كا هوتا هى اُس كي خوبيوں اور نيكيوں كو پهيلاتا هى اُس كے اصول كو دلايل و براهين سے ثابت كرتا هى مخالفوں اور معترضوں اور برا كهنے والوں كي باتوں كو ٹهنڈے دل سے اور خود بهي اُس كے دفعيه پر مستعد هوتا هى اور اَوْر لوگوں اُس كے دفعيه كا موقع ديتا هى *

برخلاف اس كے متعصب نادان دوست اپنے مذهب كا وه سراسر اپني نادانى سے اپنے مذهب كو نقصان پهونچاتا هـ بسم الله ايسي بد خصلت اختيار كرنے سے جو هر عقلمند كے نفرت كے قابل هى اپنے مذهب كے حسن اخلاق اور اُس كے نتـ خوبي پر داغ لگاتا هى اپنے مذهب كي خوبيوں كے پهيلانے اور اس كي طرف راغب كرنے كے بدلے الٹا اُس كا حارج كري هوتا تعصب كے سبب بد اخلاق اور مغرور اور متقشف سخت دل هى اور ٹهيك ٹهيك اس آيته كريمة ان كنت فظا غليظالقلب من حولك سے مخالفت صريح كرتا هى *

مذهب ميں متعصب شخص دوسروں كے اعتراضوں كو مذهب پر هيں سننا يا مشهور هونا پسند نهيں كرتا اور اس ضمنا وه اس بات كا باعث هوتا هى كه مخالفوں كے بلا تحقيقات كيئے اور بلا جواب ديئے باقي رة جاويں نادانى سے تمام دنيا پر گويا يهه بات ظاهر كرتا هى كه اُسكے مخالفوں كے اعتراضوں سے نهايت انديشه اور اسكے برهم خوف هى پس يهه تمام باتيں مذهب كي دوستي كي نهيں مخالفوں كي فتح يابي اور ميدان جيت لينے كي هيں *

غرضكه تعصب خواة ديني باتوں ميں هو يا دنياوي نهايت برا اور بهت سي خرابيوں كا پيدا كرنے والا هى *

مغرور و متكبر هو جانا اور اپنے همجنسوں كو سوا نهايت حقير و ذليل سمجهنا متعصب كا خاصة هوتا هى *

اُسكے اصول كا مقتضا يهه هوتا هى كه تمام دنيا كے سوائے چند كے كنارة كزين هو مگر ايسا كرنهيں سكتا هرايك سے ملتا هى اور اوپري دل سے اُنكا ادب اور نيازمندي بهي ظاهر كرتا هى اور ايسا كرنے سے ايك اَوْر بد اور كذب اور دغابازي اور فريب و مكاري كي اپنے ميں پيد

دنيا ميں كوئي قوم ايسي نهيں هى جسنے خودهي اور تمام خوبياں اور خوشياں حاصل كي هوں بلكه هميشه دوسري قوم سے فائدة اوٹهايا هى مگر متعصب شخص بد نصيب رهتا هى *

علم ميں اُسكو ترقي نهيں هوتي هنر و فن ميں اُسكو هوتي دنيا كے حالات سے وة ناواقف رهتا هى معاملات قد

سے محروم ہوتا ہی حصول معاش اور دنیاوی عزت اور تمول مثل تجارت وغیرہ کے وسیلے جاتے رہتے ہیں اور رفتہ رفتہ تمام دنیا کے انسانوں میں روز بروز ذلیل اور خوار اور حقیر و ناچیز ہوتا جاتا ہی *

اُسکی مثال ایک ایسے جانور کی ہوتی ہی جو اپنے ریوڑ میں ملا رہتا ہی اور نہیں جانتا کہ اُسکے اور ہمجنس کیا کر رہے ہیں بلبل کیا چہچہاتی ہی اور قمری کیا غل مچاتی ہی بیا کیا بن رہا ہی اور مکھی کیا چن رہی ہی *

وہ بجز کوڑے پر کی گھانس چرنے کے اور کچھہ نہیں جانتا کہ باغ کیوں بنا ہی اور پھول کیوں کھلا ہی نرگس کیا دیکھتی ہی اور انگور کی تاک کیا تاکتی ہی *

تعصب میں سب سے بڑا نقصان یہہ ہی کہ جب تک وہ نہیں جاتا کوئی ہنر و کمال اُس میں نہیں آتا تربیت و شایستگی تہذیب و انسانیت کا مطلق نشان نہیں پایا جاتا اور جبکہ وہ مذہبی غلط نما نیکی کے پردہ میں ظہور کرتا ہی تو اور بھی سم قاتل ہوتا ہی کیونکہ مذہب سے اور تعصب سے کچھہ تعلق نہیں ہی انسان کے خراب و برباد کرنے کے لیئے شیطان کا سب سے بڑا داؤں تعصب کو مذہبی رنگت سے دل میں ڈالنا اور اس تاریکی کے فرشتہ کو روشنی کا فرشتہ کرکو دکھلانا ہی *

پس میری التجا اپنے بھائیوں سے یہہ ہی کہ ہمارا خدا نہایت مہربان اور بہت بڑا منصف ہی اور سچا سچائی کا پسند کرنے والا ہی وہ ہمارے دلوں کے بھید جانتا ہی وہ ہماری نیتوں کو پہچانتا ہی پس ہمکو اپنے مذہب میں نہایت سچائی سے پختہ رہنا مگر تعصب کو جو ایک بری خصلت ہی چھوڑنا چاہیئے تمام بنی نوع انسان ہمارے بھائی ہیں ہم کو سب سے محبت اور سچا معاملہ رکھنا اور سب سے سچی دوستی اور سب کی سچی خیرخواہی کرنا ہمارا قدرتی فرض ہی پس اسیکی ہمکو پیروی چاہیئے *

راقم
سید احمد

نمبر ۳

تکمیل

ایک فارسی مثل مشہور ہی کہ ,, ہر کمالے را زوالے " مگر اُسکے معنی اور اُسکی وجہ بخوبی سمجھہ میں نہیں آئی تھی ایک اور بڑے حکیم نے اسی مطلب کو نہایت عمدگی اور وضاحت سے بیان کیا ہی اُس کا یہہ قول ہی کہ ,, ہمکو اپنے تئیں درجہ کمال پر پہونچا ہوا سمجھنا ہی زوال کی نشانی ہی " اور بلا شبہہ ایسا ہی ہوتا ہی اس لیئے کہ جب کوئی شخص یا قوم کسی بات میں اپنے تئیں کامل سمجھہ لیتی ہی تو اُس میں سعی اور کوشش اور زیادہ تحقیقات اور نئی نئی باتوں کے ایجاد سے باز رہتی ہی اور رفتہ رفتہ اُس چیز میں جس کو کامل سمجھا تھا زوال اجاتا ہی *

کامل مطلق بجز ذات باری کے اور کوئی نہیں ہی پس جو کچھہ کہ خدا نے کیا یا کہا وہ تو اپنی قسم میں کامل ہی اور اُسکے سوا اور کوئی چیز جو انسان نے کی ہو یا کہی ہو کامل نہیں ہی کیونکہ قابل سہو خطا ہونا انسان کی شان سے ہی اگر یہہ بات اسطرح پر نہوتی تو انبیاء علیہم الصلواۃ والسلام پر وحی نازل ہونے کی ضرورت نرہتی پس ان تمام چیزوں کو جو انسان سے ایجاد ہوئی ہیں یا نتائج عقل انسانی ہیں اُن کو کامل سمجھہ لینا ہماری ٹھیک غلطی اور ہمارے تنزل و ادبار کی ٹھیک نشانی ہی *

کسی شخص یا کسی قوم کو کسی چیز میں کامل سمجھہ لینا بہت سی خرابیوں اور نقصانوں کا باعث ہوتا ہی *

جو چیز کہ حقیقت میں کامل نہیں ہی ہم اُس کو غلطی سے کامل سمجھہ لیتے ہیں *

ہم میں ایک استغنا پیدا ہوتا ہی جس سے سوائے اُسکے اور کسی بات یا تحقیقات کو حقارت سے دیکھتے ہیں اور اُس بات کے فائدہ سے محروم رہتے ہیں *

لوگوں کے اعتراضوں کے سننے کو گوارا نہیں کرتے اور اِس سبب سے اپنی غلطیوں پر متنبہہ نہیں ہوتے اور جہل مرکب میں پھنسے رہتے ہیں کوشش سے جو ایک ترقی کا فائدہ ہی اُس کو ہاتھہ سے کہو بیٹھتے ہیں *

خدا نے جو ہمکو عقل دی ہی اور جس کا یہہ فائدہ ہی کہ جہاں تک ہوسکے ہم اُس کو کام میں لاویں اوروں پر بھروسا کرکو اُس کو بیکار کردیتے ہیں *

ایسا کرنے میں ہم صرف اپنا ہی نقصان نہیں کرتے بلکہ آیندہ نسلوں کو بھی بہت بڑا نقصان پہونچاتے ہیں کیونکہ ہماری اور ہماری آیندہ نسلوں کی عقل اور جودت طبع اور تیزی ذہن اور طاقت انتقال

ہتھی اور فرقہ ایجاد سب مفقود جاتی ہی اور صرف اوروں کی تقلید پر ہماری چال رہ جاتی ہی اور ہم ٹھیک اِس مثل کے مصداق ہوجاتے ہیں — چارپایہ برو کتابے چند *

ہم مسلمانوں نے اپنے میں اِس نقص کو نہایت درجہ پر پہونچا دیا ہی اور جو نقصان دینی اور دنیوی اُس سے ہم نے اُٹھائے ہیں اُنکی کچھہ انتہا نہیں بہلا دینی باتوں کو اِس وقت رہنے دو اور صرف اِسبات پر غور کرو کہ دنیوی علوم اور دنیوی کار و بار اور دنیا کی باہمی معاشرت اور مجالست اور رسوم و عادات اور طریقہ تعلیم اور تربیت اور ترقی علم مجلس میں کیوں ہم نہ کوشش کریں اور جس طرح اور قوموں نے اِن باتوں میں ترقی کی ہی ہم بھی اُسیطرح کیوں نہ ترقی کریں *

ارسطو کچھہ ہمارا مذہبی پیشوا نہ تھا جو ہم اُس کے علوم اور اُس کے فلسفہ اور اُس کے الہیات کو ناقابل غلطی کے سمجھیں بوعلی کچھہ صاحب وحی نتھا کہ اُسکی طب کے سوا اور کسیکو نہ مانیں جو علوم دنیوی ہم مدت دراز سے پڑھتے آتے تھے اور جو اپنے زمانہ میں ایسے تھے کہ اپنا نظیر نہیں رکھتے تھے اُنہی پر پابند رہنے کے لیئے ہم پر کوئی خدا کا حکم نہیں آیا تھا پھر کیوں ہم اپنی آنکھہ نکھولیں اور نئے نئے علوم اور نئی نئی چیزیں جو خدا تعالی کی عجائب قدرت کے نمونے ہیں اور جو روز بروز انسان پر ظاہر ہوتی جاتی ہیں اُنکو کیوں ندیکھیں *

یہہ جو کچھہ ہمنے کہا یہہ صرف خیالی ہی باتیں نہیں ہیں بلکہ اِس وقت دنیا میں ہمارے سامنے اِس کی مثالیں بھی موجود ہیں *

ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا میں دو قسم کی قومیں ہیں جن میں سے ایک نے اپنے باپ دادا کو درجہ کمال پر پہونچا ہوا اور ناقابل سہو و خطا سمجھہ کر اُن کے علوم و فنون اور طریق معاشرت کو کامل سمجھا اور اُسی کی پیروی پر جمتے رہے اور اُسکی ترقی اور بہتری پر اور نئی چیزوں کے اخذ ایجادپر کچھہ کوشش نہیں کی اور دوسرے نے کسیکو کامل نہیں سمجھا اور ہمیشہ ترقی میں اور نئے نئے علوم و فنون و طریقہ معاشرت کے ایجاد میں کوشش کرتے رہے اب دیکھہ لو کہ ان دو نوں میں کیا فرق ہی اور کون تنزل اور کون ترقی کی حالت میں ہی *

ہندو اور مسلمان دو قومیں ہیں جو پچھلی لکیر کو کا
اُسی کو پیٹتی آتے ہیں انگریز فرانچ اور جرمن ایسی قومیں
ہمیشہ ترقی کی کوشش میں ہیں ایک زمانہ تھا کہ وہ
علم و ہنر و تربیت و شایستگی میں اپنے دور میں اپنی ہم
سے مقدم اور اعلی تھیں اور شاید مسلمانوں کو یہہ بھی فخ
وہ یورپ کی بعض قوموں کے لیئے بمنزلہ اُستاد کے گنے جا
اُسی عیب نے جو اُن قوموں میں تھا اور اب بھی ہی اور
نے جو پچھلی قوموں میں تھی اور اب بھی ہی ٹھیک تھ
بالعکس کردیا ہی اب یورپ کی قومیں ایشیا کی قوموں سے
تربیت و شایستگی میں اعلی ہیں پس میرا مطلب صرف
ہماری قوم کو بھی چاہیئے کہ اپنے دماغ کو اُن بیہودہ اور
سے جاہلوں نے اُن کی عقل اور سمجھہ کو بالکل خراب کر ر
اور اُن ہی تمام خرابیوں کو خیالات فاسد کے کیچڑ میں لتھڑ
ہی خالی کریں اور علوم اور فنون اور تہذیب و شایستگی
کرنے کی کوشش کریں اور انصاف سے دیکھیں کہ اُنکی
شایستگی میں نقصان ہونے کے سبب سے اُن کی قوم کی کیس
ہی اور اُن عمدہ اخلاق اور قواعد کو جو خدا تعالی نے مذ
کی بدولت اُن کو دیئے تھے بری طرح سے استعمال میں لا
بد صورت کردینے سے غیر قومیں اسلام کو ہماری نالایقی کی بد
حقارت اور نفرت سے دیکھتی ہیں کیسے خندہ زن اشارات
اُسپر کرتی ہیں اور ہماری شامت اعمال کو نتیجہ مذہب اس
ہیں اُن کا ایسا کہنا اور خیال کرنا کچھہ بیجا نہیں ہی
مٹی کا پتلا نہیں ہی جس کو کوئی دیکھہ سکے مسلمانوں کی
اُن کی چال چلن سے اسلام کی صورت دکھائی دیتی ہی سو
اُس کو ایسا بد صورت بنا دیا ہی کہ جو کوئی نفرت کرے کچھ
نہیں پس اب میری یہہ خواہش ہی کہ مسلمان اپنے
تہذیب و شایستگی کی درستی میں کوشش کر کر اور اپنے حال
چلن کو درست اور عمدہ کر کر اسلام کی جو اصلی صورت ہ
کو دکھاویں *

بمقام علیگڈہ — مطبع علیگڈہ انسٹیٹیوٹ میں چھپا اور باہتمام
منشی محمد مشتاق حسین شایع ہوا

THE MOHAMMEDAN SOCIAL REFORMER

تہذیب الاخلاق

جلد اول] ۱۵ شوال سنہ ۱۲۸۷ ھجري [نمبر ۲.

بسم‌الله الرحمن الرحيم

اطلاع

جسقدر روپيه بابت اِس پرچه کے بطور چندہ خواہ بطور قيمت وصول هو وہ کسي خاص شخص کي ملکيت نهوگا بلکه اِس پرچه کے اجرا و ترقي ميں صرف کيا جاويگا *

مسلمانوں ميں سے جو شخص ساتهه روپيه سالانه پيشگي بطور چندہ دے وہ اس پرچه کے متعلق معاملات ميں ممبر متصور هوگا *

علاوہ اِس کے جو شخص کچهه روپيه بطور ڈونيشن دے وہ بشکر گذاري تمام ليا جاويگا *

يهه پرچه هر مهينے ميں ايک بار يا دو بار جيسا که مقتضاے مضامين هوگا چهپا کريگا قيمت في پرچه چهه آنه اور مع محصول نو آنه هوگي مگر خريداروں کو کم سے کم تين روپيه قيمت اور ايکروپيه آٹهه آنه محصول جمله چار روپيه آٹهه آنه پيشگي بهيجنے هونگے *

اگر کوئي شخص کوئي خاص پرچه خريدنا چاهے گا اُس کو في پرچه چار آنه قيمت اور ايک آنه محصول دينا هوگا *

ممبروں کو بلا قيمت يهه پرچه مليگا اور اُن کو اُس کے تقسيم کا بهي بلا قيمت جسکو وہ چاهيں اختيار هوگا *

اِس پرچه ميں بجز مضامين متعلق تهذيب اخلاق و حسن معاشرت کے جهاں تک که وہ مسلمانوں سے متعلق هيں اور کچهه مندرج نهوگا *

مضمون نمبر ۶

مذهب اور عام تعليم

تعليم کا عام رواج بلا شمول مذهبي تعليم کے غير ممکن هی

انسان کے خيالات جو آينده زندگي کي نسبت هيں جس کو معاد يا آخرت کے نام سے تعبير کرتے هيں اور جو مذهبي يقين سے پيدا هوتے هيں انسان کي ترقي کے اکثر هارج هيں بلاشبهه سچا مذهب جو در حقيقت خدا کي طرف سے ديا گيا هو وہ انسان کي کسي قسم کي ترقي کا مانع نهيں هوسکتا کيونکه انسان کا تنزل لوازم انسانيت سے خدا کا مقصد نهيں هي ورنه انسان کو انسان بنانے کي کيا ضرورت هوتي مگر جب اُس سچے مذهب ميں بهي لغو خيالات اور بد تعصبات مل جاتے هيں تو وہ ويسا هي انسان کي ترقي کا هارج هو جاتا هی اور جب که لغو اور مهمل رسومات ملکي اور قومي کا اُس ميں خلط

مذہب اور عام تعلیم

مذہب اور عام تعلیم

ہو جاتا ہی جیسا کہ اب مسلمانوں کا حال ہی تب تو وہ سم قاتل ہو تا ہی *

اس مقام پر ہم کو اس امر سے زیادہ بحث کرنی منظور نہیں ہی بلکہ صرف اِسی قدر ظاہر کرنا منظور تھا کہ مذہبی خیالات انسان کی ترقی پر فی‌الواقع کس قدر اثر رکھتے ہیں اور جس مطلب سے یہہ بیان ہوا ہی وہ ابھی چند سطروں کے بعد ظاہر ہو جاویگا *

یہہ مذہبی خیالات گو کیسے ہی مارج ترقی انسان کے ہوں مگر کوئی قوم اور کوئی ملک ایسا نہیں پانے جس میں اس قسم کے خیالات نہوں مگر بلا شبہہ یہہ بھی پاتے ہیں کہ جس ملک میں مذہبی تعصبات نا واجب اور جہالت آمیز اور توہمات و خیالات احمقانہ اور وحشیانہ کم ہیں وہاں اُسی قدر انسانیت کی ترقی ہی *

اس حرج کے رفع کرنے کے لیئے اور تعلیم کو عموماً پھیلانے کے لیئے بعض شایستہ اور تربیت یافتہ قوموں اور ملکوں میں دو طرح پر کوشش ہوئی ایک گروہ تو اس بات پر مستعد ہوا کہ مذہبی تعلیم بالکل موقوف کی جاوے جو باہمی اختلاف اور تباین کا باعث ہی اور سب لوگ متفق ہوکر اس قسم کی تعلیم میں کوشش کریں جو بلا اختلاف سب اور فائدہ مند ہی اگرچہ اس گروہ میں بہت بڑے بڑے عاقل اور فاضل اور لایق آدمی شامل تھے مگر اُن کی کوششوں کی کامیابی کی کچھہ بھی توقع نہوئی اور نہوگی اس لیئے کہ مذہبی خیالات کو تمام انسانوں کے دلوں میں سے نکال ڈالنا جن کی تعلیم میں کوشش مقصود ہی ایک ایسا امر ہی جس کے ہونے کی ابھی سینکڑوں برس تک توقع نہیں ہی *

دوسرے گروہ کی کوششوں کا اصلی مقصد تعلیم مذہبی پر کوشش کرنا تھا اور اَور علوم کی تعلیم اُس کے ساتھہ بطور ضمنی تعلیم کے تھی ہم دیکھتے ہیں کہ اس گروہ نے نہایت کامیابی حاصل کی اور اُس کے سبب سے بے انتہا علوم و فنون نے ترقی پائی اور نہ اپنی قوم اور ملک کو فائدہ دیا بلکہ دور دور کی قوموں اور دور دور کے ملکوں کو ہر قسم کی خوبیوں اور فائدوں سے اپنا احسان مند بنایا اور آیندہ نسلوں کی تعلیم کے لیئے کروروں روپیہ جمع کر جانے اور کتب خانوں اور مدرسوں اور کالجوں کے بنانے اور یونیورسٹیو کے قایم کر جانے سے جس میں کروروں اور پدموں روپیہ خرچ ہوگیا تمام علوم و فنون کا دروازہ کھولا اگر اس طریقہ سے تعلیم میں کوشش کرنے کا اصلی مقصد وہ مذہبی خیال نہوتا تو اُس کا ہزارواں حصہ بھی اسباب رواج تعلیم کو مدد نہ پہونچتی بلکہ اُس زمانہ میں جسمیں کہ یہہ سب سامان جمع ہوا ایک شخص بھی اُس کی تائید نکرتا *

اس طریقہ کی سعی میں جو نقصان تھا وہ صرف یہہ تھا کہ [illegible] تعصبات مذہبی کی ترقی کا اندیشہ تھا مگر تعلیم نے خود اُس نقص کو مٹا دیا اور ضرورت تمدن و معاشرت نے بالکل معاملہ برعکس کردیا یعنی جو تعلیم اُس زمانہ میں اصلی مقصد ٹھہرائی گئی تھی وہ تو ضمنی ہو گئی اور جو ضمنی ٹھہرائی تھی وہ اصلی ہوگئی تعصبات بہت گھٹ گئے متعصبانہ بہت سی رسمیں موقوف ہوگئیں اور جو دو چار باقی ہیں اُمید ہی کہ وہ بھی دور ہوجاوینگی اور جو انسان کی انسانیت کا مقتضی ہی وہ پورا ہوگا *

اب مسلمانوں کے حالات پر غور کرو کہ وہ لوگ تمام علوم میں تعلیم پاتے تھے فلسفہ کے بڑے درست تھے طب و ریاضی سے محبت رکھتے تھے شعر وشاعری اور علم ادب کے عاشق تھے اور اُن سب کے ساتھہ مذہبی علوم کی بھی تعلیم تھی اور اسی پچھلے خیال کے سبب اُن مدرسوں اور دارالعلوموں کے لیئے روپیہ کی ہر طرف سے مدد پہونچتی تھی جس کے سبب سے وہ تعلیم قایم تھی حالانکہ اُنہی مدرسوں میں سے ایسے لوگ بھی پیدا ہوتے تھے جو لامذہب بلکہ مذہبی خیالات کے دشمن ہوتے تھے مگر اُن تمام چیزوں کے لیئے مدد اور سامان بہم پہونچنے کی کچھہ مشکل نہوتی تھی *

اس بات کی تصدیق کے لیئے پچھلے حالات شاہد ہیں اور ہماری دو نامی یونیورسٹیاں قرطبہ اور بغداد کی گو مرگئی ہیں مگر پھر بھی اس واقعہ کی سچائی پر گواہی دے رہی ہیں بھلا اُن پچھلی باتوں کو جانے دو کل کی بات ہی کہ دہلی میں شاہ عبدالعزیز صاحب کا مدرسہ عزیزیہ انہیں اسباب اور وجوہات سے قایم تھا جس کے پڑھے ہوئے اب بھی چند لوگ زندہ موجود ہونگے غرض ہماری ان سب باتوں سے یہہ ہی کہ جو لوگ ہندوستان میں مسلمانوں کی عام تعلیم پر کوشش کرتے ہیں اُن کو یہہ بات معلوم ہونی چاہیئے کہ عام تعلیم کا رواج کسی قوم کے زن و مرد میں بغیر شمول تعلیم مذہبی کے نہوا ہی نہوگا اور نہ دنیا میں کوئی ملک اور کوئی قوم ایسی موجود ہی جس میں عام تعلیم کا رواج بلا شمول مذہبی تعلیم کے ہوا ہو *

زمانہ حال میں جس قدر وسیلے تعلیم کے موجود ہیں اُن میں وہی نقص ہی جس کے سبب ہندوستان میں اور خصوصاً مسلمانوں میں اسباب تعلیم مجتمع نہیں ہوتے اور عموماً تعلیم کا رواج باوصف بے انتہا کوشش اور سعی گورنمنٹ کے نہیں ہوتا ہی *

مگر ہمکو نہایت انصاف سے اسبات پر غور کرنی چاہیئے کہ کیا گورنمنٹ کا اس میں کچھہ قصور ہی ہم نہایت سچے دل سے اسبات کو تسلیم کرتے ہیں کہ گورنمنٹ ہر قسم کے الزام سے اس باب میں پاک ہی

 مذہب اور عام تعلیم

پڑی ہی ہندوستان میں گورنمنٹ کی رعایا مختلف مذاہب کی ہی اور وہ خود اُن سب سے مختلف مذہب رکھتی ہی اور اس سبب سے وہ کسی قسم کی مذہبی تعلیم کو شامل نہیں کرسکتی تھی ہم نہایت سچے دل سے کہتے ہیں کہ گورنمنٹ نے جسقدر ناطرفدار طریقہ تعلیم کا اور مذہبی خیالات سے بالکل بچا ہوا اور اچھوتا اختیار کیا ہی اور جسقدر سعی اور کوشش ہندوستان کی تعلیم میں گورنمنٹ نے کی ہی وہ دونوں بے مثل اور بے نظیر ہیں اور غالباً اس وقت دنیا کے پردہ پر اسکا نظیر موجود نہیں ہی مگر اسپر بھی جو امر عام تعلیم کی ترقی کا مانع ہی اُسکا رفع کرنا گورنمنٹ کی قدرت سے باہر ہی وہ یہہ کرسکتی تھی کہ اپنے تئیں مذہبی تعلیم سے بالکل علحدہ رکھے مگر یہہ نہیں کرسکتی تھی کہ تمام مذاہب ہندوستان کی یا کسی خاص مذہب یا مذہبوں کی تعلیم اختیار کرے *

پس مسلمانوں میں ترقی تعلیم پر کوشش کرنے والوں کو دو باتوں سے تو نا اُمید ہونا چاہیئے ایک عام تعلیم کے رواج اور قیام سے بغیر شمول تعلیم مذہبی کے دوسرے گورنمنٹ کی جانب سے کسی مذہبی تعلیم کے شروع ہونے میں اور اِن دونوں باتوں سے نا امید ہوکر غور کرنا چاہیئے کہ اب اور کیا تدبیر ہی جس سے مسلمانوں کی بہتری اور بہبودی ہو اور اُن میں عموماً تعلیم کا رواج ہو اور اعلی اعلی اور ہر قسم کے مفید علموں کی خواہ وہ مذہبی ہوں یا دنیاوی بنیاد قایم ہو ہر شخص اسکا جواب دے سکیگا کہ صرف ایک ہی تدبیر باقی ہی اور وہ یہہ ہی کہ ہم خود آپ اپنی تعلیم و تربیت پر مستعد و آمادہ ہوں اور یہہ جو ہندی مثل مشہور ہی کہ جیٹھہ کے بھروسے پیٹ اُسکی عار نہ اوٹھاویں بلکہ آپ کام مہا کام کی نصیحت حکیمانہ سے نصیحت پکڑیں *

یہہ بات کہنی کہ مسلمانوں کو اس کام کے انجام دینے کا مقدور نہیں رہا بالکل غلط ہی البتہ یہہ بات صحیح ہی کہ کرنے والے اور اسی پر محنت اوٹھانے والے نہیں ہیں اور ہاں بےشک ہمت بھی کم ہوگئی ہی جو پھر تحریک میں آسکتی ہی *

سلطنت اسلامیہ میں بھی یہہ کام بالکلیہ گورنمنٹ کے ذمہ نہ تھا شاید دو ایک مدرسہ ایسے ہونگے جنکا خرچ گورنمنٹ دیتی تھی ورنہ تمام مدرسے صرف رعایا کی مدد سے قایم تھے جو اُنکے مدرسوں یا بانیوں کو بطور نذر و نیاز کے اُنکے قایم رکھنے کو روپیہ دیتی تھی کیا شاہ عبدالعزیز صاحب کا مدرسہ اور شاہ غلام علی صاحب کی خانقاہ بغیر لوگوں کی نذر و نیاز دینے کے جسکو حال کی زبان میں چندہ یا سبکرپشن یا ڈونیشن کہتے ہیں قایم رہ سکتی تھی پس ہر مقام میں مسلمانوں کو مستعد ہوکر ترقی تعلیم کے لیئے سعی کرنی چاہیئے اور پھر وہی وسیلے رواج تعلیم کے خود اپنے آپس میں قایم کرنے چاہیئیں اس طرح پر گو البتہ ترقی تعلیم اور بہبودی مسلمانوں کی عموماً توقع ہی اور بغیر اسکے کچھہ توقع نہیں ہی *

ہم یہہ نہیں کہتے کہ مسلمان اس تدبیر سے بالکل غافل ہیں کیونکہ ہم جونپور و علیگڈہ و دیوبند و دہلی و کانپور کے مدرسوں کو بھول نہیں گئے ہیں مگر جس طرز پر وہ قایم ہوئے اور جس طرح پر اُنکی کارروائی ہوتی ہی وہ کچھہ مفید نہیں اور اُس سے مسلمانوں کی بھلائی کی کچھہ توقع نہیں ہم اس بات سے خوش نہیں ہوسکتے کہ کسی جگہہ چالیس طالب علم پشاور ادہر اودہر پورب پچھم کے جمع ہوگئے اور صدرا و شمس بازغہ پڑھنے لگے کیونکہ سلسلہ وار تعلیم کی اور اُن نوعمر بچوں کے سلسلہ تعلیم کے قایم کرنے کی ضرورت ہی جو ہونہار ہونے کو ہیں اور جس سے ہمارے ملک کی ترقی اور ہماری قوم کی عزت متصور ہی *

مسلمانوں کی تعلیم کے لیئے یہہ کافی نہیں ہی کہ دو چار ملا کسی جگہہ پڑھانے کو مقرر کردیئے جاویں اور وہ وہی پرانی کڑھائی کتابیں دو چار دس پانچ آدمیوں کی پڑھانے لگیں بلکہ سب سے بڑی ضرورت اس بات کی ہی کہ اول فہمیدہ فہمیدہ ذی علم اور ذی عقل لوگ جمع ہوں اور بعد بحث و گفتگو کے یہہ بات قرار دیں کہ اب سلسلہ تعلیم بنظر حالات زمانہ اور بلحاظ علوم و فنون جدیدہ کے کسطرح پر قایم ہونا چاہیئے اور ہماری پرانی دقیانوسی تعلیم کے سلسلہ میں کیا کیا تبدیل اور ترمیم کرنی چاہیئے ہمارا سلسلہ تعلیم کا بلحاظ مقاصد مذہبی کسطرح پر قایم ہو اور بلحاظ مطالب دنیوی کے کسطرح جاری کیا جاوے اور جب کوئی طریقہ تجویز ہولے اُسوقت اُسکے اجرا پر ہرضلع کے لوگ اپنے اپنے ضلع میں سعی و کوشش کریں *

ہر ضلع میں کم سے کم ایسا ایک مدرسہ قایم کرنا چاہیئے جس سے ہر قسم کے مطالب اور مقاصد پورے ہوں کیونکہ تمام لوگوں کے ایک ہی سے مقاصد نہیں ہوتے اگر کوئی شخص مولوی محدث و فقیہ بننا چاہے تو مولوی بننے کا بھی اُس میں موقع موجود ہو اگر کوئی شخص بڑا ریاضی‌داں بننا چاہے تو وہ بھی اپنا مقصد اُس میں حاصل کرسکے اور اگر کوئی شخص علوم و زبان انگریزی میں تحصیل کامل کرنا اور عہدہاے جلیلہ گورنمنٹ کو حاصل کرنا چاہے وہ بھی کرسکے جب ایسا انتظام اور سلسلہ قایم ہوجاویگا تب مسلمانوں کی تربیت اور دینی و دنیوی ترقی کی توقع ہوتی ہی *

اس طرح کے سلسلہ تعلیم قایم کرنے میں اگرچہ بہت سا روپیہ چاہیئے لیکن روپیہ جمع ہونا کچھہ مشکل نہیں ہی لوگوں کا دل اور ارادہ اور ہمت چاہیئے ہر ضلع میں جسقدر مسلمان آباد ہیں اگر

ہر ایک شخص تھوڑا تھوڑا روپیہ بھی دو دو ایک ایک بلکہ آٹھ آنہ تک دے تو ہر ضلع میں اسقدر روپیہ جمع ہو جاتا ہی کہ ان تمام مطالب کے لیئے ایک نہایت عمدہ مستقل مدرسہ قایم ہوسکتا ہی صرف لوگوں کا ارادہ کرنا اور اسکام کے انجام کرنے پر دل سے کوشش کرنا ہوتا ہی *

والسلام

سید احمد

نمبر ۶ *

انسان کے خیالات

جہاں اور بہت سے عجائبات قدرت الہی ہیں اُنہی میں سے انسان کے خیالات بھی نہایت عجیب ہیں ہم دیکھتے ہیں کہ ایک قسم کی مخلوقات ایک ہی سا خیال رکھتی ہی جانوروں کی وہ حرکات اور افعال جو جاندار ہونے کے سبب سے ہیں اور وہ چیز جو محرک اُن افعال یا حرکات کی بواسطہ یا بلا واسطہ ہی اُس کا کچھہ ہی نام رکھو مگر وہ وہی چیز ہی جسکو انسانی حالت میں خیال کہتے ہیں *

تمام افعال اور حرکات جانوروں کی بلاشبہہ ارادی ہیں اور کچھہ شک نہیں کہ وہ متحرک بالارادہ ہیں اُن کی تمام حرکتوں کا باعث بواسطہ یا بلاواسطہ ایک خیال جلب منفعت مادی جیسے غذا اور مسکن وغیرہ یا غیر مادی جیسے فرحت و انبساط اور بشاشت یا خیال دفع مضرت مادی وغیر مادی کا ہوتا ہی ہم نہیں پاتے کہ انسان میں اور کوئی چیز اِس سے زیادہ ہی بلاشبہہ اتنا فرق پاتے ہیں کہ جانور میں وہ خیالات محدود اور انسان میں نا محدود ہیں *

مگر تعجب تو ہمکو اسبات سے ہوتا ہی کہ ہرگاہ ایک قسم کے جانداروں میں ایک ہی سے خیالات ہیں اور اُن پر وہ سب ایک ہی سا یقین کامل رکھتے ہیں تو تمام انسان بھی باوجودیکہ ایک قسم کے جاندار ہیں ایک ہی سے خیالات اور ایک ہی سا یقین کیوں نہیں رکھتے ہیں *

کبھی یہہ سمجھہ میں آتا ہی کہ جانوروں کے خیالات محدود ہونے کے سبب متفق ہیں اور انسان کے خیالات میں نامحدود ہونے کے سبب وہ صفت نہیں ہی مگر یہہ بات تسلیم نہیں کی جاسکتی اِس لیئے کہ نامحدود ہونے کے لیئے مختلف ہونا ضرور نہیں ہی پس انسانوں کے خیالات سے جہاں تک ہمکو واقفیت ہو اُسیقدر عجائبات قدرت الہی سے ہمکو زیادہ واقفیت ہوتی ہی اور اُن خیالات کا صحیح ہونا یا غیر صحیح ہونا ہمارے اِس فائدہ میں کچھہ نقصان نہیں پہونچاتا بلکہ درصورت مختلف ہونے کے اور بھی زیادہ فائدہ دیتا ہی

اِس لیئے ہم اپنے اِس آرٹکل میں ایک انسان کے خیالات بیان کرتے ہیں جنکو وہ اِس طرح پر کہتا ہی *

مجھکو خیال آیا کہ جسقدر اور جانداروں کو کرنا ہی اُتنا ہی مجھکو بھی کرنا ہی یا اُس سے زیادہ *

مگر میرے خیال میں یہہ آیا کہ انسان کے سوا تمام جاندار مخلوقات کے لیئے جن چیزوں کی ضرورت ہی اُن کے بنانے والے کاریگر نے سب کچھہ اُنکے ساتھہ بنادی ہیں اُنکو ان چیزوں کے بہم پہونچانے یا پیدا کرنے کی حاجت نہیں ہی تمام جانوروں کی خوراک بغیر اُنکی سعی و تدبیر کے پیدا ہوتی ہی سرد ملک کے جانوروں کے لیئے نہایت عمدہ پشمینہ کا گرم لباس اُن کے بدنوں پر پیدا کیا ہی پرند جانوروں کے لیئے مینھہ سے بچنے کا باران کوٹ اُنہی کے بدنوں پر سیا ہی گرم ملک کے جانوروں کے لیئے اُسی آب و ہوا کے مناسب ان کا جامہ تیار کیا ہی مگر انسان کے لیئے کچھہ نہیں کیا جس سے معلوم ہوتا ہی کہ اُس کو یہہ سب کچھہ خود کرنا ہی *

پھر میںنے خیال کیا کہ حیوان اپنے کاموں کے کرنے کے لیئے کسی سے کچھہ سیکھنے یا تعلیم پانے کے محتاج نہیں ہوتے خود سیکھے سکھائے ہی پیدا ہوتے ہیں شہد کی مکھی کو رس چوسنے کے لیئے عمدہ قسم کے معدنوں کی شناخت کوئی نہیں بتاتا اور اپنے گھروں کو ایسی عمدہ تقسیم سے نکالنا جس میں ایک بڑا مہندس بھی حیران ہوجاوے کوئی نہیں پڑھاتا بئے کو ایسا عمدہ اور محفوظ کاشانہ بنانا کوئی نہیں سکھاتا مگر انسان کو بغیر سیکھے کچھہ بھی نہیں آتا *

پھر میںنے خیال کیا کہ حیوان کے کام خواہ وہ افعال جوارح سے ہوں یا دوسری قسم سے اور وہ از خود اُن کو آتے ہوں یا تعلیم سے نہایت محدود ہیں مگر انسان کے ہر قسم کے کام نا محدود ہیں ان سب باتوں سے میں نے خیال کیا کہ انسان کو اور جانوروں سے کچھہ زیادہ کرنا ہی *

پھر میں نے خیال کیا کہ ایسے بڑے کاریگر نے جو انسان کو اور جانوروں سے بھی زیادہ درماندہ بنایا ہی اور طرح طرح کی مشکلات میں ڈالا ہی تو کیا چیز اسکو دی ہی جس سے وہ یہہ سب چیزیں کرسکتا ہی اور تمام مشکلوں پر فتح پا سکتا ہی اتنے میں میرا دل بول اُٹھا کہ عقل *

میں یہہ بات سنکر سوچ میں گیا کہ کیا یہہ بات سچ ہی مگر میں نے خیال کیا کہ عقل سے تو یہہ کام نہیں نکل سکتا نہ تو وہ خود یہہ کام نکال سکتی ہی اور نہ اُس کے بغیر یہہ مشکل حل ہوسکتی ہی یہہ تو اسی دوسری چیز کے حاصل کرنے کو بطور آلہ کے ہی جیسے سونا چاندی ہماری بھوک نہیں بجھا سکتا مگر اُس چیز کو بہم پہونچا دیتا ہی جو ہماری بھوک کھو دیتی ہی *

بہت سي تلاش اور جستجو میں نے کي اور خیال دوڑایا که وہ کیا چیز هی جسکے حاصل کرنے کے لیئے عقل بھي صرف آله هی تو خیال میں آیا نه وہ چیز علم هی جسکے معني دانستن هیں تب میں سمجھا که مجھکو اور جانوروں سے زیادہ جو کچھه کرنا هی وہ صرف تمام باتوں کي اصلیت دریافت کرنا هی ٭

میں نے خیال کیا که علم اور یقین یہه دونوں آپسمیں لازم و ملزوم هیں جس چیز کا مجھکو علم هوگا بیشک اُس کا یقین بھي هوگا اور جسکا یقین هوگا اُس کا علم بھي هوگا پس میں نے خیال کیا که یقین بغیر علم کے اور علم بغیر یقین کے سچا اور پورا نہیں هی ٭

میں نے اِس بات کو بالکل سچ سمجھا اور خیال کیا که مثلاً مجھکو اعداد کے حساب میں تین کا اور دس کا علم هی اور اِسیلیئے یقین هی که دس به نسبت تین کے زیادہ هوتے هیں تو اگر کوئي شخص اِس کے برخلاف کہے اور اپنے بیان کے ثبوت کے لیئے یہه بات کہے که میں اِس لکڑي کو سانپ بنا دیتا هوں اور وہ اِس کو سانپ بنا بھي دے تو کچھه عجب نہیں که اُس کا ایسا کرنا مجھکو حیرت میں ڈال دے مگر کسیطرح اِس بات کے یقین میں که دس به نسبت تین کے زیادہ هوتے هیں شک نہیں لانے کا ٭

میں نے یہه خیال کیا که مسلمانوں کے مذهب کا یہه ایماني مسئله که اقرار باللسان و تصدیق بالقلب بے شک سچا مسئله هی اُس کا پہلا جزو تو دنیاوي باتوں سے متعلق هی مگر جو اصل مطلب هی وہ دوسرے جزو میں هی تصدیق قلبي اور یقین اگرچه ایک هي چیز هی مگر الفاظ تصدیق قلبي زیادہ شان دار اور مطلب کو زیادہتر دل پر نقش کرنے والے هیں اِس لیئے میں نے خیال کیا که ایمان بے یقین کے اور یقین بغیر علم کے نہیں هوسکتا ٭

میں نے یہه بھي خیال کیا که علم یا یقین جسکے بغیر ایمان نہیں حاصل هوسکتا ایسا هي هونا چاهیئے جیسیکه دس اور تین کي زیادتي و کمي کا یقین هی تاکه کسیطرح زایل نہوسکے کیونکه اگر وہ کسیطرح زایل هوگیا تو وہ حقیقت میں علم یا یقین نه تھا بلکه محض ایک دھوکا تھا ٭

ان تمام خیالات نے مجھکو گھبرا لیا اور میں چاروں طرف ڈھونڈنے لگا که علم یا یقین بلکه یوں کہو که ایمان حاصل کرنے کا کیا طریقه هی ٭

میں نے دیکھا که هزاروں لاکھوں کروڑوں آدمي بہت سي باتوں پر [illegible] هیں اور اُن کو کچھه بھي مشکل نہیں هوتي میں کیوں [illegible] مشکلات میں پڑا هوں بہتر هی که اُن لوگوں سے پوچھوں که تمنے اُن سب باتوں پر کس طرح سے یقین حاصل کیا ٭

یہودي نے کہا که مجھے اِس بات پر یقین کامل هي که خدا ایک هی اِس لیئے که موسی نے کہا هی ٭

عیسائي بولا که ملط خدا تین هیں اور مجھکو اسپر کامل یقین هی اِس لیئے که یوحنا نے یوں هي بتایا هی ٭

ایسے اختلاف سے میں اور بھي گھبرایا میں نے خیال کیا که ایک هی کے علم یا یقین میں اختلاف هی تو وہ یقین هي نہیں پھر کیونکر اُن کو ایسا مختلف یقین هوا جب میں نے غور کیا تو سمجھا که اُنکو تو نه خدا کے ایک هونے پر یقین هی نه خدا کے تین هونے پر بلکه اُنکو تو اِس بات پر یقین هی که موسی اور یوحنا نے ایسا کہا هی ٭

یہودي بولا که موسی نے خدا سے باتیں کیں لکڑي کو سانپ بنایا پھر اُس نے جو کہا اُس میں کیا شک هی ٭

عیسائي بولا که عیسی نے مردوں کو جلایا مارنے سے بھي نه مرا بلکه قبر میں سے اُٹھکر آسمان پر چلا گیا پھر اُس کے خدا هونے میں کیا شک هی ٭

پہلے تو میں شک میں پڑا که دلیلیں تو اچھي هیں مگر پھر مجھے خیال هوا که اُن کو تو خدا سے موسی کے باتیں کرنے پر اور لکڑي کو سانپ بنانے پر اور عیسی کے مردوں کے جلانے پر اور خود جي اُٹھنے پر یقین هی خدا کے ایک یا تین هونے پر یقین نہیں ٭

ان سب مباحثوں کے بعد میں نے یقین کیا که علم یا یقین یا ایمان حاصل کرنے کا وسیله صرف عقل هی جو اُن چیزوں کے حاصل کرنے کے لیئے آله اور نہایت عمدہ رهنما هی ٭

پھر میں نے خیال کیا که عقل پر غلطي سے محفوظ رهنے کا کیونکر یقین هو میں نے اقرار کیا که حقیقت میں اُس پر یقین نہیں هوسکتا مگر جب عقل همیشه کام میں لائي جاتي هی تو ایک شخص کي عقل کي غلطي دوسرے شخص کي عقل سے اور ایک زمانه کي عقلوں کي غلطي دوسرے زمانه کي عقلوں سے صحیح هوجاتي هی مگر جب که علم یا یقین یا ایمان کا مدار عقل پر نرکھا جاوے تو اُس کا حاصل هونا کسي زمانه اور کسي وقت میں بھي ممکن نہیں ٭

میرے دل میں شبہه اُٹھا که عقلہيکو جو میں نے سب سے بڑا رهنما سمجھا کیوں سمجھا کیا یہه ممکن نہیں هی که عقل سے بڑا کوئي اور رهنما هو جو عقل کو بھي شکست دیدے همکو اُس سے واقفیت نہوني اُس کے معدوم هونے کي دلیل نہیں هی ٭

مگر میں نے خیال کیا که ایسے رهنما کے موجود هونے کے احتمال سے همارا کام نہیں چلتا اُس کے موجود هونے کا همکو علم اور یقین چاهیئے جب یہه نہیں هی تو عقل کے سوا اور کوئي رهنما بھي نہیں هی ٭

مجھے خواب کا خیال آیا میں نے اپنے دل میں کہا کہ سونے کے وقت ہم خواب دیکھتے ہیں اور اُس حالت میں ہم اس کو واقعي اور اصلي سمجھتے ہیں اور اُس کے سچے ہونے میں ہمکو کچھ شبہہ بھي نہیں ہوتا مگر جب جاگتے ہیں تو جانتے ہیں کہ وہ اصلي نتھا بلکہ صرف خواب و خیال تھا تو کس وجہہ سے ہمکو یقین ہی کہ جو کچھہ ہم حالت بیداري میں جانتے اور سمجھتے ہیں وہ در اصل صحیح اور واقعي ہی ممکن ہی کہ یہہ سب کچھہ ہمارے اس وقت کي حالت کے مطابق صحیح ہو مگر ایک دوسري حالت پیش آوے جو ہماري بیداري کي حالت کے ساتھہ ایسي ہي مناسبت رکھتي ہو جیسیکہ ہماري بیداري کي حالت خواب کے ساتھہ ہی اور اُس وقت ہمکو معلوم ہو کہ ہماري حالت بیداري کي در حقیقت خواب کي حالت تھي *

مگر پھر مجھے خیال آیا کہ ایسي حالت کا احتمال ہمارے یقین کو کافي نہیں ہمکو یقین ہونا چاہیئے کہ درحقیقت ایسي بھي کوئي حالت ہی اور احتمال اور یقین میں بڑا فرق ہی پھر عقل کے سوا کوئي ذریعہ نہیں رہا *

میں نے خیال کیا کہ ممکن ہی کہ وراے عقل کے اور کوئي ذریعہ بھي ہو جس سے صورت یا کیفیت روح کي تبدیل ہوجاوے اور وہي تبدل یا ترقي آلہ حصول علم یا یقین یا ایمان کي ہو اور اِس کیفیت میں اور اُس سے پہلي کیفیت میں ایساہي فرق ہو جیسا کہ ایک تندرست شخص میں اور اُس شخص میں جو صرف تندرستي کے حال سے واقف ہو فرق ہی *

پھر مجھکو خیال آیا کہ تندرستي کے حال سے واقف ہونا بغیر تندرست رہے ممکن نہیں اور صورت یا کیفیت روح کي تبدل کي حالت میں اِس بات کي تمیز کرنے کے لیئے کہ دونوں حالتوں میں سے بیماري کي حالت کون سي ہی کیا چیز ہی وہي تبدل صورت یا کیفیت روح تو اُس کي ممیز ہو نہیں سکتي لامحالہ دوسري چیز چاہیئے اور وہ دوسري چیز بجز عقل کے اور کوئي نہیں ہی اسلیئے کسي طرف جاؤ اور کہیں سے پھیر کھاکر آؤ علم یا یقین یا ایمان کا مدار صرف عقل ہي پر رہتا ہی *

ان تمام خیالوں نے مجھے یہہ ہدایت کي کہ عام لوگوں میں جو یہہ مسئلہ ہی کہ ایمان اور مذہب کو عقل سے کچھہ علاقہ نہیں ہی یقیني غلط ہی اور جب میں نے مذہب اسلام کو بالکل عقل کے مطابق پایا تو اُسکي سچائي پر اور اُس مسئلہ کي غلطي پر اور بھي کامل یقین ہوا *

راقـــــــم

سید احمد

نمبر ۷

ذکر ترکي یعني روم کي مجلسوں کا

مسٹر ولیم ہورڈ رسل صاحب کے روز نامچہ میں سے کچھہ تھوڑا سا حال پرنس آف ویلز یعني ولیعہد سلطنت انگلستان اور پرنسس آف ویلز یعني ولیعہد بیگم سلطنت انگلستان کے روم میں جانے اور سلطان روم سے ملاقاتیں ہونے کا لکھتے ہیں *

یہہ دونوں شاہي خاندان انگلستان کے نگین تاج سنہ ۱۸۶۸ ع میں دارالسلطنت قسطنطنیہ میں گئے تھے اور کئي روز تک سلطان عبدالعزیز خاں سلطان روم کے ہاں مہمان رہے اُنھي مہمانیوں کے جلسوں میں سے دو جلسوں کا حال لکھتے ہیں *

ایک رات سلطان نے پرنس اور پرنسس آف ویلز اور اُن کے ساتھہ کے امراء کو اپنے ساتھہ کھانا کھلانے کي دعوت کي ڈالما بغشي محل جو بڑا عمدہ اور نہایت نامي محل ہی جلسہ دعوت کے لیئے تجویز ہوا قریب سات بجے کے پرنس اور پرنسس آف ویلز اُس محل میں تشریف لائے علي پاشا وزیر اعظم سلطان روم نے استقبال کیا اور ملاقات کے بڑے کمرے میں لیگیا جہاں اور وزراے سلطنت روم بھي حاضر تھے چلد لمحہ نہ گذرے تھے کہ سلطان عبدالعزیز خاں سلطان روم بھي وہاں تسریف لائے اور پرنسس آف ویلز کا ہاتھہ اپنے ہاتھہ میں ڈالکر کھانا کھانے کے کمرے میں لیگئے اور انکے پیچھے اَور تمام مہمان درجہ بدرجہ اُس کمرہ میں آئے میز جس پر کھانا تناول فرمایا مستطیل تھي اور ایک سرا اُس کا گول تھا اُس گول سرے کي طرف بیچمیں سلطان اور ایک طرف پرنس آف ویلز اور ایک طرف پرنسس آف ویلز رونق افروز ہوئے *

پرنسس آف ویلز کے بعد علي پاشا وزیر اعظم سلطنت روم اور اُن کے بعد مسس الیٹ اور اُن کے بعد جنرل اگناٹیف اور مسٹر الیٹ اور اُن کے بعد دیگر وزراے سلطنت روم کرسیوں پر میز کے پاس بیٹھے اور پرنس آف ویلز کے بعد میڈم اگناٹیف اور اُن کے بعد بہبوري اور اُس کے بعد مسس گرے اور اُن کے بعد اور وزراء اور امراے سلطنت روم میز کے پاس کرسیوں پر بیٹھے *

سلطان کے سامنے سواے وزیر اعظم کے اور کوئي وزیر بیٹھتا نہیں تھا یہہ پہلا جلسہ ہی جس میں سلطان نے اپنے اَور وزیروں کو بھي اپنے ساتھہ بٹھلایا *

میز پر مسلمان اور عیسائي سب چوبیس آدمي تھے اور میز عمدہ برتنوں اور نفیس گلدستوں سے خوب سجي ہوئي تھي اور ڈالما بغشي محل کا کھانا کھانے کا کمرہ اپني عمدگي اور آراستگي میں اور نہایت عمدہ بلوري جہاڑ و فانوس میں مشہور ہي *

سلطاني کهانے کا طرز نہایت عجیب تها اور فرنچ اور ترکش یعني دونوں قسم کے کهانے تهے کهانا کهانے میں سلطان نے پهلے پرنسس آف ویلز سے باتیں کي اور علي پاشا (جو انگریزي خوب جانتا هی) اُن دونوں میں مترجم هوا *

اُس کے بعد سلطان نے پرنس آف ویلز سے باتیں کیں اور موفي بي جو سلطان کي کرسي کے پیچهے کهڑا تها اُن میں مترجم هوا وه اسي واسطے سلطان کي کرسي کے پاس کهڑا تها که جب سلطان اور پرنس آف ویلز آپس میں باتیں کریں تو وه ترجمان هوں *

سلطان کا ایک خاص باجا نہایت نفیس پاس کے کمرے میں بج رها تها سب نے نہایت خوشي اور خوبي سے کهانا کهایا اور جب میز پر سے اُٹهے تو سلطان پرنسس آف ویلز کا هاتهه اپنے هاتهه میں ڈالکر زنانه خانه میں لیگیا اور اَوَر لیڈیاں بهي اندر گئیں والدي سلطانه یعني سلطان بیگم نے اُٹهه کر استقبال کیا اور پرنسس آف ویلز سے باتیں کرنے لگیں اور میڈم مهرن اُن میں ترجمان هوئیں اور پرنس آف ویلز اور اَوَر اُمراء و رؤساء چرت پینے کے کمرے میں تشریف لیگئے تهوڑي دیر بعد سلطان بهي زنانه خانه سے باهر آئے اور ملاقاتي چهوٹے کمرہ میں پرنس آف ویلز کے ساتهه بیٹهکر باتیں کرنے لگے جب پرنسس آف ویلز اور اَوَر لیڈیاں بیگمات سے ملاقات اور بات چیت کرکر فارغ هوئیں اور باهر تشریف لائیں اُس وقت سب مهمان سلطان سے رخصت هوئے اور جلسه ختم هوا *

دوسرا جلسه برٹش امباسڈر کے هاں یعني سفیر سلطنت انگلستان کے هاں هوا جو روم میں رهتا هی سفیر سلطنت انگلستان نے پرنس اور پرنسس آف ویلز کے لیئے برٹش امباسٹي میں یعني اُس مکان میں جهاں سفیر انگلستان رهتے هیں بهت عالیشان شاهانه بال دینا چاها اور اظهار اپنے نہایت خوشي اور خاطر اور تواضع ایسے عالیشان مهمانوں کے سلطان نے برٹش امباسڈر کے هاں اُس بال میں تشریف لانا منظور کیا تمام بادشاهتوں کے امباسڈر اور وزرا اُس بال میں حاضر تهے اور چهه سو چٹهیاں بلا وے کي اُمراء و رؤساء اور افسران فوجي اور ملکي کو تقسیم هوئي تهیں تمام لوگ وقت پر آ حاضر هوئے هر ایک شخص نہایت عمدہ اور نفیس پوشاک پہنے هوئے تها نو بجے کے بعد پرنس اور پرنسس آف ویلز وهاں رونق افروز هوئے برٹش امباسڈر اور مسس ایلیٹ نے استقبال کیا امباسٹي کے پهاٹک میں سمندري فوجي لوگ کهڑے تهے اُنهوں نے سرخ اور نیلے رنگ کي مهتابیاں روشن کرنے سے خوشي اور تعظیم دونوں کا اظهار کیا وه بڑا کمرا جس میں بال تها نہایت عمده اراسته تها اور کارڈ آف انر کا پهرا موجود تها اور اندر و باهر کمرے کے انواع انوع اقسام کے پهول وگلدستے سجے هوئے تهے *

تهوڑي دیر بعد سلطان عبدالعزیز خاں بهي تشریف لائے اور بهت سے وزرا و اراکین سلطنت اُن کے ساتهه تهے پرنس آف ویلز اور برٹش امباسڈر نے استقبال کیا اور سمندري فوج نے سرخ اور نیلے رنگ کي مهتابیاں روشن کرنے سے تعظیم اور خوشي کا اظهار کیا پرنسس آف ویلز اور مسس ایلیٹ پهلي سیڑهي پر استقبال کو کهڑي تهیں سب مهمان اور میزبان بخوشي و خورمي اُس بڑے هال میں جهاں بال تها داخل هوئے اور سلطان نے اپني کرسي پر تشریف رکهي اور اُس کي بغل میں ادهر اُدهر پرنس اور پرنسس آف ویلز اپني اپني کرسیوں پر تشریف فرما هوئے معمولي بال شروع هوا آدهي رات کے بعد سلطان وهاں سے رخصت هوئے مگر وهاں وه جلسه صبح تک رها *

سلطان کا لندن میں آنا اور ملکه معظمه سے ملنا اور ولیعهد سلطنت انگلستان کا اور ولیعهد بیگم کا وهاں جانا ایک نہایت عمده تاریخي واقعات سے هی اور تمام دنیا کي آنکهوں میں اُس محبت اور دوستي کا جو روم اور انگلستان یا یوں کهو که ایک مسلمان اور عیسائي سلطنت میں هی بڑا ثبوت هی *

جب سلطان لندن میں تشریف لائے تهے اور انڈیا آفس میں اُنکي دعوت هوئي تهي تو اُس بڑے هال میں بطور یادگاري محبت اور دوستي عیسائي اور مسلمان سلطنت کے نقش کرسنٹ اور کراس کا ملاکر کهودا گیا هی *

کرسنٹ کهتے هیں پهلي تاریخ کے چاند کو اور یهه هلال کي صورت چاند کا نشان مسلماني سلطنت کا هی اور کراس کهتے هیں صلیب کو جو عیسائي مذهب میں مقدس نشان هی انڈیا آفس کے هال میں هلال اور اُس کے بیچ میں صلیب کا نقش کهودا هی جو عیسائي اور مسلماني سلطنت کي دوستي اور محبت پر دلالت کرتا هی *

همکو اُمید هی که هندوستان کے لوگ بهي اِن حالات اور واقعات سے عمدہ نصیحت پکڑینگے اور اپنے حالات پر غور کر کر تهذیب اخلاق اور حسن معاشرت کي ترقي میں کوشش کرینگے *

راقـــــــم
سید احمد

اشتهار

از طرف

صدر کمیٹي خواستگار ترقي تعلیم مسلمانان هندوستان

اِس کمیٹي کو یهه مطلوب هی که جهاں تک ممکن هو اِسبات کے وجوه و اسباب کو کمایٔنبغي دریافت کرے که سرکاري کالجوں اور اسکولوں اور تحصیلي اور حلقه بندي مکتبوں میں مسلمان طالب علم

کملیٹی کہایت کم پڑھتے ہیں اور نیز عموماً مسلمانوں میں تحصیل علوم قدیمہ کیوں گھٹ گئی ہی اور تحصیل علوم جدیدہ نے کیوں نہیں رواج پایا *

اور یہہ بھی امیٹی کی خواہش ہی کہ جو وجوہ امور مذکورہ بالا کے تجویز ہوں اُن میں سے ہرایک کے رفع کرنے اور اصلاح کرنے کی تدبیریں بھی دریافت کرے اور اُنکے عمل درآمد ہونے پر کوشش کرے تاکہ موانع ترقی تعلیم مسلمانان مرتفع ہوجاویں *

اِس لیئے ہرایک مسلمان شخص سے جو امور مذکورہ بالا پر تحریری راے دینی چاہے کمیٹی کی یہہ درخواست ہی کہ وہ ایک رسالہ مضمون مذکورہ بالا پر مطابق ہدایات اور شرایط مندرجہ ذیل کے لکھکر سکرٹری کمیٹی کے پاس بھیجدے اور تمام رسالے جو اسطرح پر سکرٹری کے پاس پہنچینگے روبرو ممبران سلیکٹ کمیٹی کے پیش ہونگے اور ممبران سلیکٹ کمیٹی اُن رسالوں کو خوب امتحان کرکر اور حسب دلخواہ جانچ کر اس کے مصنفوں میں سے اُس مصنف کو جس نے سلیکٹ کمیٹی کی راے میں سب سے عمدہ رسالہ لکھا ہوگا انعام اول تعدادی پانچ سو روپیہ کا اور اس مصنف کو جسکا رسالہ اس سب سے عمدہ رسالہ کے بعد درجہ رکھتا ہوگا انعام دوم تعدادی تین سو روپیہ کا اور اس مصنف کو جسکا رسالہ اس دوسرے رسالہ کے بعد درجہ رکھتا ہوگا انعام سوم تعدادی ڈیرہ سو روپیہ کا مستحق قرار دینگے اور یہہ کمیٹی انعام مجوزہ ان مصنفوں کو عطا فرماویگی اس لیئے اشتہار دیا جاتا ہی کہ جس مسلمان شخص کو ایسا رسالہ لکھنے کی خواہش ہو لکھہ کر بھیجدے *

ہدایات اور شرایط جن کے مطابق وہ رسالہ لکھا جاویگا یہہ ہیں

۱ ضرور ہی کہ مصنف رسالہ کا مسلمان ہو *

۲ ضرور ہی کہ وہ رسالہ اُردو زبان اور صاف خط میں لکھا جاوے *

۳ تقطیع اُس کاغذ کی جس پر رسالہ لکھا جاوے بقدر تقطیع فلس کیپ کاغذ کے ہو اور اُسکا داہنا حاشیہ یعنی پشتی ایک انچھہ سے اور اوپر اور نیچے کا اور بایاں حاشیہ ڈیڑہ ڈیڑ انچھہ سے زیادہ نچھوڑا جاوے اور فی صفحہ اکیس سطر سے کم نہو اور کتابی قلم سے تحریر کیا جاوے اور مقدار رسالہ کی سو صفحہ یعنی پچاس ورق سے کم نہو *

۴ اُس رسالہ کے چار حصے ہونے چاہیئیں پہلے حصہ میں گورنمنٹ کالجوں اور اسکولوں کے متعلق بحث ہو جہاں تعلیم علوم وزبان انگریزی ہوتی ہی اور نیز دوسری زبان اُردو فارسی عربی سنسکرت بھی سکھائی جاتی ہی دوسرے حصہ میں تحصیلی اور حلقہ بندی مکاتب کی بحث ہو جنمیں غالبا بذریعہ اُردو یا ہندی زبان کے تعلیم ہوتی ہی حصہ تیسرے میں مسلمانوں میں عموما تحصیل علوم قدیمہ کے گھٹ جانے سے اور چوتھے حصہ میں تحصیل علوم جدیدہ کے نہ رواج پانے سے بحث کی جاوے اور ہر بحث کے متعلق جو موانع ترقی تعلیم مسلمانان ہیں اور جو اُنکے علاج ہیں سلسلہوار ایک نہایت عمدہ ترتیب سے جس طرح کہ مصنف کی راے اقتضا کرے تحریر کی جاویں *

۵ ہر ورق پر مصنف کو اپنا دستخط اور خاتمہ پر اپنا پورا نام و لقب صاف خط میں معہ قید مقام پرگنہ و ضلع یعنی جس پتہ سے کہ اسکو جواب پہونچ سکے تحریر کرنا چاہیئے اگر کوئی شخص بلا تحریر نام و نشان کوئی رسالہ بھیجے گا وہ بھی کمیٹی میں پیش ہوگا اور اُسکے وجوہات پر بھی لحاظ کیا جاویگا الا مصنف کسی حالت میں مستحق انعام نہوگا *

۶ ہر مصنف کو لازم ہوگا کہ اپنے رسالہ کو لفافہ مستحکم میں بند کرکے اور کل محصول ادا کرکے سکرٹری کمیٹی کے نام اسطرح پر روانہ کرے کہ یکم جولائی سنہ ۱۸۷۱ ع تک یا اُسکے قبل سکرٹری کے پاس پہونچ جاوے *

۷ اگر کوئی مصنف شرایط مذکورہ بالا کی تعمیل میں قاصر ہوگا تو وہ مستحق انعام تصور نکیا جاویگا *

۸ جو لوگ ممبران سلیکٹ کمیٹی ہوں اُن میں سے کوئی ممبر رسالہ مذکورہ بالا نہ لکھے گا اور نہ کسی مصنف کو اپنی راے نسبت مراتب مذکورہ بتلاوے گا اور نہ کوئی مصنف جس نے مذکورہ بالا رسالہ لکھا ہو سلیکٹ کمیٹی کا ممبر ہوسکیگا الا اُسکے سوا اور کسی کو بھی رسالہ مذکورہ لکھنے سے امتناع نہیں ہی *

۹ سلیکٹ کمیٹی کے ممبر بھی اگر بلا تنبیہ نام کہ جس کے سبب وہ مستحق انعام نرہینگے رسالہ لکھکر پیش کرنا چاہیں تو اِس سے ممتنع نہیں ہیں *

۱۰ رسالہ ہاے انعامی کے حق تصنیف کی مالک کمیٹی ہوگی اور اُس کو اُنکے چھپوانے کا یا اور کسی طرح پر مشتہر کرنیکا اور اُس سے فائدہ اُٹھانے کا جسطرح کہ وہ چاہے بالکلیہ اختیار ہوگا *

دستخط سید احمد خان بہادر سی ایس آئی

سکرٹری کمیٹی خواستگار ترقی تعلیم مسلمانان ہندوستان

مقام بنارس مرقوم ۲۶ دسمبر سنہ ۱۸۶۹ ع

بمقام علیگدہ —— مطبع علیگدہ انسٹیٹیوٹ میں چھپا اور باہتمام
منشی محمد مشتاق حسین شایع ہوا

THE MOHAMMEDAN SOCIAL REFORMER

تهذيب الاخلاق

جلد اول] يكم ذيقعده سنه ۱۲۸۷ هجري [نمبر ۳

بسم الله الرحمن الرحيم

اطلاع

جسقدر روپيه بابت اِس پرچه کے بطور چنده خواه بطور قيمت وصول هو وه کسي خاص شخص کي ملکيت نهوگا بلکه اِس پرچه کے اجرا و ترقي ميں صرف کيا جاويگا *

مسلمانوں ميں سے جو شخص ساٹهه روپيه سالانه پيشگي بطور چنده دے وه اس پرچه کے متعلق معاملات ميں ممبر متصور هوگا *

علاوه اِس کے جو شخص کچهه روپيه بطور ڈونيشن دے وه بشکر گذاري تمام ليا جاويگا *

يهه پرچه هر مهينے ميں ايک بار يا دو بار جيسا که مقتضاے مضامين هوگا چهپا کريگا قيمت في پرچه دو آنه اور مع محصول تين آنه هوگي مگر خريداروں کو کم سے کم تين روپيه قيمت اور ايکروپيه آٹهه آنه محصول جمله چار روپيه آٹهه آنه پيشگي بهيجنے هونگے *

اگر کوئي شخص کوئي خاص پرچه خريدنا چاهے کا اُس کو في پرچه چار آنه قيمت اور ايک آنه محصول دينا هوگا *

ممبروں کو بلا قيمت يهه پرچه مليگا اور اُن کو اُس کے تقسيم کا بهي بلا قيمت جسکو وه چاهيں اختيار هوگا *

اِس پرچه ميں بجز مضامين متعلق تهذيب اخلاق و حسن معاشرت کے جهاں تک که وه مسلمانوں سے متعلق هيں اور کچهه مندرج نهوگا *

مضمون نمبر ۸

همدردي

هر کوئي اپني آپ همدردي کرتا هی

کيا دهوکه کي چيز هی ' کيا بهلاوے ميں پڑے هيں ' جو سمجهتے هيں که دوسروں کي مصيبت ميں مدد کرنا همدردي هی ' کيا قدرت کا کوئي کام بيفايده هی ؟ نهيں ' گو هم بهتوں کے سمجهنے سے عاجز هيں ' کيا هم اُس فائدے ميں شريک نهيں ؟ نهيں . بيشک واسطه يا بلا واسطه يا واسطه در واسطه شريک هيں ' پهر دوسرے کي مدد کرنا کهاں رها ' بلکه اپني آسايش کے کسي وسيله سے اپني آپ مدد کرنا هوا ' اِس ليئے جو لوگ همدردي کرتے هيں وه حقيقت ميں اپنے آپ مدد کرتے هيں اور جو نهيں کرتے وه خود اپني آسايش کے وسيله کو نقصان پهنچاتے هيں *

همدردي کا لفظ همارے خيال کو ايسي امداد کي طرف ليجاتا هی جو رنج و مصيبت کي حالت ميں هو ليکن اگر هم مصيبت کے لفظ کے اصلي مراد پر غور نکريں تو ضرور غلطي ميں پڑيں *

عام مفہوم مصیبت کا جو اس لفظ سے ہماري سمجھہ میں آتاھی کوئي مستقل مفہوم نہیں ھی بلکہ ایک نسبتي مفہوم معلوم ھوتا ھی جو چیز کہ ایک کے لیئے مصیبت ھو ممکن ھی کہ دوسرے کے لیئے نہو وہ عادت اور استعمال سے ایسي مختلف ھوجاتي ھی کہ مصیبت نہیں معلوم ھوتي وہ کسي جوش کے سبب سے ایسي بدل جاتي ھی کہ بالکل راحت سمجھہ میں آتي ھی بیشک یہہ تمام مفہوم نسبتي ھیں اور جو اصلي مفہوم ھی وہ ایسي حالت کا ھونا یا واقع ھونا ھی جو قدرتي فرحت اور راحت کے برخلاف ھو *

اُس حالت کا ھونا غیر اختیاري حالتوں کا ھوتا ھی اور واقع ھونا اختیاري حالتوں کا مگر پچھلي حالت اگر نتیجہ کي لاعلمي یا نقصانات غیر متعدي کے سبب سے ھی تو مجازاً وہ پہلي ھي سي ھی ورنہ حقیقت میں وہ مصیبت نہیں بلکہ سزا ھی اور اس لیئے اس میں ھمدردي نہیں پس اولي یا اصلي سے مصیبت میں کسي کي مدد کرنا البتہ سچي ھمدردي ھی *

رحم اور موانست اور ھمدردي شاید نتیجہ میں متحد ھوں مگر ھرایک کا منشا مختلف ھی رحم ایک فطرتي نیکي ھی جو ھمجنس اور غیر ھمجنس دونوں کے ساتھہ برتي جاتي ھی موانست کا اثر صرف ھمجنسوں ھي میں پایا جاتا ھی ھمدردي جو عقل کے نتیجوں میں سے ھی ذي عقل ھي میں ھوسکتي ھی اور اِس لیئے صرف اِنسان ھي میں منحصر ھی پس جسمیں ھمدردي نہیں اُس کي اِنسانیت میں نقصان ھی *

قدرتي قاعدے کے مطابق ھمدردي کے بقدر تفاوت اپني آسایش کے وسیلوں کے متفاوت درجے ھیں جسطرح کہ باپ بھائي جورو بچے پھر اور درجہ بدرجہ کے رشتہ مند پھر اپنے ملک کے پھر اپنے ھمسایہ ملک کے پھر اُس سے دور کے ملک کے باشندے درجہ بدرجہ ھماري آسایش کے وسیلے ھیں اسیطرح اُس قادر مطلق کي کامل قدرت نے ھمدردي کے رشتہ کي مضبوطي اور استواري کو بھي درجہ بدرجہ بنایا ھی باپ کو بیٹے سے جو جوش ھمدردي ھی وہ پوتے سے نہیں اور جو پوتے سے ھی وہ پڑپوتے سے نہیں اسیطرح یہہ رشتہ جتنا کہ بڑھتا جاتا ھی اُتنا ھي گھٹتا جاتا ھی اور جب وہ اپنے ملک یا اپنے ھمسایہ ملک یا اُس سے دور کے ملک تک پہنچتا ھی تو اور بھي پتلا ھوجاتا ھی *

بعضے کہتے ھیں کہ "یہہ ایک دھوکہ ھی اور اگر یہہ دھوکہ نہیں ھی اور یہہ متفاوت درجہ قدرتي ھیں تو انجان بیٹے اور ان پہچان باپ میں کیوں وہ ھمدردي نہیں حقیقت میں یہہ صرف ایک خیال ھی جس سے موانست پیدا ھوتي ھی اور وھي باعث ھمدردي ھی نفرت جو اُسکي ضد ھی اِسکا بخوبي ثبوت کرتي ھی کہ جب وہ پیدا ھوتي ھی تو باوجود موجود ھونے قدرتي رشتہ کے کچھہ بھي ھمدردي نہیں رھتي" *

بیشک ایسا یا ایسا سا ھوتا ھی مگر اس میں کچھہ غلطي بھي ھی قریب رشتہ والا بہ نسبت دور کے رشتہ والے کے بالشبہ ھمسے زیادہ تر جزئیت رکھتا ھی اور اسیطرح بعید بہ نسبت ابعد کے پھر اگر وہ جزئیت قدرتي ھی تو وہ ھمدردي بھي قدرتي ھی ھاں موانست اُسکو نہایت تیز کردیتي ھی اور کبھي ایسي جو قدرتي سي معلوم ھوتي ھی نفرت اسکي تیزي کو دباتي ھی اور کبھي ایسا کردیتي ھی جو بجھي ھوئي سي معلوم ھوتي ھی انجان بیٹے اور ان پہچان باپ میں جو وہ چمکتي نہیں نہ اسلیئے کہ وہ نہیں ھی بلکہ اسلیئے کہ اُن میں انسانیت کا ایک بڑا جزو جو علم یعني دانستگي ھی وہ نہیں ھی مگر تعجب یہہ ھی کہ جو ھمدردي اعلی ھی وہ منفعت میں اعلی اور صفت میں ادنی ھی اور جو ادنی ھی وہ منفعت میں ادني اور صفت میں اعلی ھی اسلیئے کہ ایک میں کھونا قدرتي صفت کا اور دوسري میں متصف ھونا قدرتي صفت میں ھی *

فریبوں سے ھمدردي کرني نہایت بد خصلت قابل سخت سزا کے ھی اسلیئے کہ قدرت کے نہایت مستحکم قاعدہ کو توڑتا ھی اور کوئي کچھہ بڑي صفت نہیں کیونکہ قدرت نے اُسکے کرنے پر مجبور کر رکھا ھی بعیدوں سے ویسي نہ کرني کچھہ سخت منقصت نہیں اسلیئے کہ قدرت کے کسي مستحکم قاعدہ کي برخلافي نہیں اور کرني نہایت عمدہ صفت ھی کیونکہ قدرت کے منشاء کو بدرجہ اتم کامل کرنا ھی *

افسوس ھی کہ یہہ عمدہ صفت کبھي دھوکہ کھاکر معیوب بھي کردي جاتي ھی جبکہ پہلے کو ادنی صفت سمجھکر چھوڑتے ھیں اور دوسرے کو اعلی صفت سمجھہ کو پکڑتے ھیں مگر پہلے کے چھوڑنے کي برائي دوسرے کي بھلائي کو بھي لے ڈوبتي ھی پس سچي ھمدردي وھي ھی جو قدرت کے قانون کے مطابق اور قدرت کے منشاء کي تکمیل کے لیئے ھو *

کیا عمدہ اور سہل طور پر عام عمل درآمد کے لایق کردیا ھی اِسا مضمون کو بڑي قدرت والے اور معاشرت و تمدن کے زبردست قانون جاننے والے نے جبکہ ھم سے یوں کہا † لیس البر ان تولوا وجوھکم

---

† نیکي یہي نہیں کہ منھہ کرو اپنے مشرق کي طرف یا مغرب کي طرف لیکن نیکي وہ ھی جو کوئي ایمان لاوے اللہ پر اور پچھلے دن پر اور فرشتوں پر اور کتاب پر اور نبیوں پر اور دیوے مال اُس کي محبت پر قرابت والوں کو اور یتیموں کو اور محتاجوں کو اور [illegible] کے مسافر کو اور مانگنے والوں کو اور گردنیں چھڑانے میں

قبل المشرق و المغرب ولٰکن البر من امن باللہ و الیوم الاخر والملائکۃ والکتاب والنبیین واتی المال علی حبہ ذوی القربی والیتامی والمساکین و ابن السبیل و السائلین و فی الرقاب" جو عمدہ ترتیب ھمدردي کي اسمیں بتائي ھی وہ بالکل قانون قدرت کے مطابق ھی جس سے یقین ھوتا ھی کہ جس نے قدرت کے قانون کو بنایا ھی اُسي نے یہہ عملي قانون ھمکو دیا ھی بیشک دونوں کا باني ایک ھي ھی جسکے فعل اور قول دونوں کا ایک ھي مقصد ھی *

راقــــــم
سید احمد

نمبر ۹

رسم و رواج کي پابندي کے نقصانات

ھم اپنے اس آرٹیکل کو بعض بڑے بڑے حکیموں کي تحریروں سے اخذ کرکر لکھتے ھیں کیا عمدہ قول ایک بڑے دانا کا ھی کہ " انسان کي زندگي کا منشاء یہہ ھی کہ اُسکے تمام قوا اور جذبات نہایت روشن اور شگفتہ ھوں اور اُن میں باھم نامناسبت اور تناقض واقع نہو بلکہ سب کا ملکر ایک کامل اور نہایت متناسب مجموعہ ھو " مگر جس قوم میں کہ پوراني رسم و رواج کي پابندي ھوتي ھی یعني اُن رسموں پر نہ چلنے والا مطعون اور حقیر سمجھا جاتا ھی وھاں زندگي کا منشاء معدوم ھو جاتا ھی *

ایک اَور بڑے دانا شخص کي راے کا یہہ نتیجہ ھی کہ آزادي اور اپني خوشي پر چلنا جہاں تک کہ دوسروں کو ضرر نہ پہونچے ھر انسان کي خوشي اور اُسکا حق ھی پس جہاں کہیں معاشرت کا قاعدہ جسپر کوئي چلتا ھی خاص اُسکي خصلت پر مبني نہیں ھی بلکہ اگلي روایتوں پر یا پوراني رسم و رواج پر مبني ھی تو وھاں انسانوں کي خوشحالي کا ایک بڑا جزو موجود نہیں ھی اور جو کہ خوشحالي ھر فرد بشر کي نیز کل لوگوں کي ترقي کا بہت بڑا جزو ھی تو اُس ملک میں جہاں رسموں کي پابندي ھی وہ جزو بھي ناپید ھوتا ھی *

کسي شخص کي یہہ راے نہوگي کہ آدمیوں کو بجز ایک دوسرے کي تقلید کے اور کچھہ مطلق نکرنا چاھیئے اور نکوئي شخص یہہ کہیگا کہ آدمیوں کو اپني اوقات بسري کے طریقے اور اپنے کاربار کي کاروائي میں اپني خوشي اور اپني راے کے مطابق کوئي بات بھي کرني نچاھیئے سیدھا طریقہ یہہ ھی کہ آدمي کو اُسکي جواني میں اسطرح سے تعلیم ھوني چاھیئے کہ اَور لوگوں کے تجربوں سے جو نتیجے تحقیق ھوچکے ھیں اُنکے فوائد سے مستفید ھو اور پھر جب اُسکي عقل پختگي کو پہونچے تو خود اُنکي بھلائي اور برائي کو جانچے *

بے سونچے اور بے سمجھے رسومات کي پابندي کرنے سے گو وہ رسمیں اچھي ھي کیوں نہوں آدمي کي اُن صفتوں کي ترقي اور شگفتگي نہیں ھوتي جو خدا تعالی نے ھر آدمي کو جدا جدا عنایت کي ھیں' ان قوتوں کا برتاو جو کسي چیز کي بھلائي برائي دریافت کرنے اور کسي بات پر راے دینے اور دو باتوں میں امتیاز کرنے اور عقل و فہم کو تیز رکھنے بلکہ اخلاقي باتوں کي بھلائي اور برائي تجویز کرنے میں مستعمل ھوتي ھیں صرف ایسي ھي صورت میں ممکن ھی جبکہ ھمکو ھر بات کے پسند یا ناپسند کرنے کا اختیار حاصل ھو جو شخص کوئي بات رسم کي پابندي سے اختیار کرتا ھی وہ شخص اُس بات کو پسند یا ناپسند نہیں کرتا اور نہ ایسے شخص کو اُس بات کي تمیز یا خواھش میں کچھہ تجربہ حاصل ھوتا ھی اخلاقي اور عقلي قوتوں کي ترقي اُس صورت میں حاصل ھوتي ھی جب کہ وہ استعمال میں لائي جاویں اُن قوتوں کو اوروں کي تقلید کرنے سے کسي بات کي مشق حاصل نہیں ھوتي بلکہ ایسے شخص کے لیئے بجز ایسي قوت تقلید کے جو بندر میں ھوتي ھی اور کسي قوت کي حاجت نہیں *

البتہ جو شخص اپنا طریقہ خود پسند کرتا ھی وہ اپني تمام قوتوں سے کام لیتا ھی زمانہ حال پر نظر کرنے کے لیئے اُسکو قوت تحقیق درکار ھوتي ھی اور انجام کار پر غور کرنے کے لیئے قوت تجویز اور اُسکا تصفیہ کرنے کو قوت استقراء اور بھلا برا ٹھہرانے کو قوت امتیاز اور سب باتوں کے تصفیہ کے بعد اُس پر قایم رھنے کے لیئے قوت استقلال اور یھي سب کام ھیں جو انسان کے کرنے کے لایق ھیں آدمي مثل ایک کل کے نہیں ھی کہ جو اُسکے واسطے مقرر کردیا ھی اُسیکو انجام دیا کرے بلکہ وہ ایک ایسا درخت ھی جو اُن اندروني قوتوں سے جو خدا نے اُس میں رکھي ھیں اور جنکے سبب سے وہ زندہ مخلوق کہلاتا ھی ھر چہار طرف پھیلے اور بڑھے پھولے اور پھلے *

جو امر کہ پسندیدہ اور تسلیم کے قابل ھی وہ یہہ ھی کہ لوگ اپني فہم اور اپني عقل سے کام لیں اور رسم و رواج کي پابندي بھي ایک معقول طور پر رکھیں یعني جو عمدہ و مفید ھیں اُن کو اختیار کریں جو قابل اصلاح ھوں اُن میں ترمیم کریں اور جو بري اور خراب ھوں اُن کي پابندي چھوڑ دیں نہ یہہ کہ اندھوں کي طرح یا ایک کل کي مانند ھمیشہ اُسي سے لپٹے رھیں *

یہہ بات خیال کي جاتي ھی کہ رسومات کي پابندي نکرنے سے آدمي خراب کاموں اور بري باتوں میں مبتلا ھوجاتا ھی مگر یہہ بات صحیح نہیں ھی اس لیئے کہ انسان کي ذات میں جیسیکہ خراب کام کرنے کي قوتیں اور جذبے ھیں ویسے ھي اُن کے روکنے کي بھي قوتیں اور جذبے ھیں مثلاً ایمان یا نیکي جو ھر انسان کے دل

ميں هی پس خراب کام هونے کا يهه باعث نهيں هی که اُس نے رسومات کي پابندي نهيں کي بلکه يهه باعث هی که اُس نے ايک قسم کي قوتوں اور جذبوں کو شگفته اور شاداب اور قوي کيا هی اور دوسري قسم کي قوتوں اور جذبوں کو پژمردة اور ضعيف اگر رسومات کي پابندي نرکهنے کے ساتهه انسان کا ايمان ضعيف نهو يا وہ دلي نيکي جو هر انسان کے دل ميں هی پژمردة نهو تو بجز عمدة اور پسنديدة باتوں کے اور کسي بات کا ارتکاب نهو *

همارے زمانه ميں هر شخص اعلى سے ليکر ادنى تک رسم و رواج کا ايسا پابند هی جيسے کوئي شخص ايک بڑے زبردست حاکم کے نيچے اپني زندگي بسر کرتا هو کوئي شخص يا کوئي خاندان اپنے دل سے يهه بات نهيں پوچهتا نه همکو کيا کرنا چاهيئے اور همارے مناسب يا هماري پسند اور هماري پسند کے لايق کيا بات هی يا جو عمدة صفتيں مجهه ميں هيں اُن کا ظهور نهايت عمدگي سے کس طرح پر ممکن هی اور کونسي بات اُن کي ترقي اور شگفتگي کي معاون هی بلکه وہ اپنے دل سے يهه پوچهتے هيں که ميري حالت اور رتبه کے کونسي چيز مناسب هی ميرے رتبه اور مقدور کے آدمي کس رسم و رواج کے مطابق کام کرتے هيں اور اگر کوئي اس سے بهي زيادة بيوقوف هوا تو وہ اپنے دل سے اس سے بهي زيادة بد تر سوال کرتا هی اور يوں پوچهتا هی که جو لوگ مجهه سے برتر هيں اور رتبه اور مقدور ميں زيادة هيں وہ کن رسموں کو بجا لاتے هيں تاکه يهه شخص بهي ويسا هي کرکر اُنهي کي سي شان ميں شامل هو *

اس بات سے يهه نه سمجهنا چاهيئے که جو لوگ اس طرح پر رسومات کو بجا لاتے هيں وہ اپني خواهش اور مرضي سے اُن رسومات کو اور چيزوں پر ترجيح ديتے هيں اور ترجيح ديکر پسند کرتے هيں نهيں بلکه حقيقت يهه هی که اُن لوگوں کو بجز ايسي بات کے جو رسمي هوتي هی اَوْر کسي بات کي خواهش کرنے کا موقع يا اتفاق نهيں هوتا اور اس ليئے طبيعت خود متحمل اور مطيع رسموں کي پابندي کي هو جاتي هی يهاں تک که جو باتيں دل کي خوشي کي کوئي هوتي هيں اُن ميں بهي اوروں کے مطابق کام کرنے کا خيال اول دل ميں آتا هی غرض که اُن کي پسند وهي هوتي هی جو بهت سے لوگوں کي هی وہ صرف ايسي باتوں کے پسند کرنے پر راغب هوتے هيں جو عام پسند هوں اور مذاق اور اصلي سليقه جو رسم و رواج کے مطابق نهو اُس سے ايسي هي گريز کي جاتي هی جيسيکه جرموں سے يهاں تک که اپني خاص طبيعت کي پيروي نکرتے نکرتے اُن ميں اپني طبيعت هي باقي نهيں رهتي که جس کي پيروي کريں اور اُن کي ذاتي قوتيں بالکل پژمردة اور بيکار رهنے کے سبب بالکليه ضايع هو جاتي هيں اور وہ شخص اپني دلي خواهش کرنے اور ذاتي خوشي اُٹهانے کے قابل نهيں رهتے اور عموما ايسي طبع زاد رائيں يا خيالات نهيں رکهتے جو خاص اُن کي اصلي خوشي سے مخصوص هوں اب غور کرنا چاهيئے که انسان کي ايسي حالت پسنديدة هوسکتي هی يا نهيں *

رسومات جو مقرر هوئي هيں غالبا اُس زمانه ميں جب که وہ مقرر هوئيں مفيد تصور کي گئيں هوں مگر اس بات پر بهروسه کرنا که وہ حقيقت وہ ايسي هي هيں محض غلطي هی ممکن هی که جن لوگوں نے اُن کو مقرر کيا اُن کي راے ميں غلطي هو اُن کا تجربه صحيح نهو يا اُن کا تجربه نهايت محدود اور صرف چند اشخاص سے متعلق هو يا اُس تجربه کا حال صحيح صحيح بيان نهوا هو يا وہ رسم اُس وقت اور اُس زمانه ميں مفيد هو الا حال کے زمانه ميں مفيد نهو بلکه مضر هو يا وہ رسم جن حالات پر قايم کي گئي تهي اب وہ حالت نهو غرض که رسموں کي پابندي سب ميں رهنا هر طرح پر نقصان کا باعث هی اگر کوئي نقصان نهو تو يهه نقصان تو ضرور هی که آدميوں کي عقل اور دانش اور جودت طبع اور قوت ايجاد باطل هوجاتي هی *

يهه بات بے شک هی که کسي عمدة بات کي ايجاد کي لياقت هر ايک شخص کو نهيں هوتي بلکه چند دانا شخصوں کو هوتي هی جنکي پيروي اَوْر سب لوگ کرتے هيں ليکن رسم کي پابندي اور اس قسم کي پيروي ميں بهت بڑا فرق هی رسومات کي پابندي ميں اُسکي بهلائي و برائي و مفيد و غير مفيد و مناسب حال و مطابق طبع هونے يا نهونے کا مطلق خيال نهيں کيا جاتا اور بغير سوچے سمجهے اُسکي پابندي کي جاتي هی اور دوسري حالت ميں بوجه پسنديدة هونے کے اطاعت [illegible] دوسري حالت ميں جو قوتيں ترقي کي انسان ميں هيں وہ مفقود نهيں هوتيں الا پهلي حالت ميں معدوم و نابود هيں *

رسم کي پابندي هر جگهه انسان کي ترقي کي مانع و مزاحم هی چنانچه وہ پابندي ايسي قوت طبعي کے جسکے ذريعه سے به نسبت معمولي باتوں کے کوئي بهتر بات کرنے کا قصد کيا جاوے برابر مخالف رهتي هی اور انسان کي تنزل حالت کا اصلي باعث هوتي هی *

اب اس راے کو دنيا کي موجود قوموں کے حال سے مقابله کرو تمام مشرقي يا ايشيائي ملکوں کا حال ديکهو که اُن ملکوں ميں تمام باتوں کے تصفيه کا مدار رسم و رواج پر هی اُن ملکوں ميں مذهب اور استحقاق اور انصاف کے لفظوں سے رسموں کي پابندي مراد هوتي هی پس اب ديکهه لو که مشرقي يا ايشيائي قوموں کا جن ميں مسلمان بهي داخل هيں کيسا ابتر اور خراب اور ذليل حال هی *

ان مشرقي يا ايشيائي قوموں ميں بهي كسي زمانه ميں قوت عقل اور جودت طبع اور مادة ايجاد ضرور موجود هوگا جسكي بدولت وه باتيں ايجاد هوئيں جو اب رسميں هيں اسليئے كه أنكے بزرگ حال كے پيوست سے تربيت يافته اور حسن معاشرت كے فنون سے واقف پيدا نهيں هوئے تهے بلكه يهه سب باتيں انهوں نے اپني محنت اور علم اور عقل اور جودت طبع سے ايجاد كي تهيں اور اِنهي وجوهات سے دنيا كي نهايت بڑي اور قوي اور مشهور قوموں سے هوگئے تهے مگر اب اُن كا حال ديكهو كه كيا هى إسي رسومات كي پابندي سے أنكا مآل يهه هوا هى كه اب وه ايسي قوموں كے محكوم هيں اور ايسے لوگوں كي آنكهوں ميں ذليل هيں جنكے ابا و اجداد أس وقت جنگلوں ميں آوارة پڑے پهرتے تهے جسوقت أن قوموں كے ابا و اجداد عالي شان محلوں ميں رهتے تهے اور بڑے بڑے عبادت خانے اور مكانات شاهي اور شهنشاهي محل بنواتے تهے إسكا سبب يهي تها كه أس زمانه ميں أن قوموں ميں رسم كي پابندي قطعي نه تهي اور جو كسيقدر تهي تو أس كے ساتهه هي آزادي اور ترقي كا جوش أنميں قايم تها *

تواريخ سے ثابت هى كه ايك قوم كسيقدر عرصه تك ترقي كي حالت پر رهتي هى اور أسكے بعد ترقي مسدود هوجاتي هى مگر يهه ديكهنا چاهيئے كه يهه ترقي كب مسدود هوتي هى يهه أسيوقت مسدود هوتي هى بسبب كه أس قوم ميں سے وه قوت أٹهه جاتي هى جسكے سبب سے نئي نئي باتيں پيدا هوتي هيں اور ٹهيك ٹهيك مسلمانوں كا إس زمانه ميں بهي حال هى بلكه ميں نے فاشي كي كيونكه ترقي مسدود هونے كا زمانه بهي گذر گيا اور تنزل اور ذلت و خواري كا زمانه بهي انتها درجه كو پهونچ گيا هى *

ممكن هى كه كوئي شخص يهه بات كهے كه يورپ كي قوموں ميں بهي جو إس زمانه ميں هر قسم كي ترقي كي حالت ميں شمار هوتي هيں بهت سي رسميں هيں اور أن رسموں كي نهايت درجه پر پابندي هى تو وه قوميں كيوں ترقي پر هيں *

يهه اعتراض سچ هى اور درحقيقت يورپ ميں رسموں كي پابندي كا نهايت نقصان هى اور اگر أس كي اصلاح نهوتي رهيگي جيسيكه ابتك هوتي رهي هى تو أنكو بهي بد نصيبي كا دن پيش آويگا مگر يورپ ميں اور مشرقي ملكوں كي پابندي رسومات ميں ايك بڑا فرق هى يورپ ميں رسومات كي پابندي ايك عجيب اور نئي بات هونے كو تو مانع هى مگر رسومات كي تبديلي كا كوئي مانع نهيں اگر كوئي شخص عمدة رسم نكالے اور سب لوگ پسند كريں في الفور پراني رسم چهوڑدي جاويگي اور نئي رسم اختيار كرلي جاويگي اور إس سبب سے أن لوگوں كے قواے عقلي اور طاقت تميز اور قوت ايجاد ضايع نهيں هوئي *

تم ديكهو كه يهه پوشاك جو اب انگريزوں كي هى أن كے باپ دادا كي نهيں هى بالكل اپني پوشاك بدل دي هى هر درجه كے لوگوں كا جو مختلف لباس تها أس رسم كو چهوڑ ديا گيا هى اور ضرور سمجها گيا هى كه هر شخص ايك سا مثل اوروں كي لباس پهنے إس وقت كوئي رسم يورپ ميں ايسے درجه پر نهيں هى كه اگر كوئي شخص كوئي رسم أسكے برخلاف مگر أس سے عمدة ايجاد كرے اور لوگ أسپر إتفاق كريں أسيوقت تبديل نهوسكے اور اسي تبديلي كے ساتهه ان كي ترقي بهي هوتي جاتي هى چنانچه نئي نئي كليں هميشه ايجاد هوتي رهتي هيں اور تاوقتيكه أن كي جگهه بهتر كليں ايجاد نهو جاويں وه بدستور رهتي هيں ملكي معاملات اور تعليم ميں بلكه اخلاق ميں بلكه مذهب ميں هميشه ترقي كے خواهاں هيں پس يهه تصور كرنا كه يورپ بهي مثل همارے مگر دوسري قسم كي رسموں ميں مبتلا هى محض ناداني اور ناواقفيت كا سبب هى *

البته يورپ ميں اور بالتخصيص انگريزوں ميں جو بات نهايت عمدة اور قابل تعريف اور لايق خواهش كے هى اور در حقيقت بغير اس كے كوئي قوم مهذب اور تربيت يافته نهيں هوسكتي وهي بات أسكي تنزل كا باعث هوگي بشرطيكه اس كي اصلاح نهوتي رهيگي اور وه يهه هى كه تمام انگريز جو حب وطن ميں نامي هيں إس بات پر نهايت كوشش اور جانفشاني كر رهے هيں كه كل قوم كے لوگ يكساں هوجاويں اور سب اپنے خيالات اور طريقے يكساں مسايل اور قواعد كے تحت مخصوص كرديں اور ان كوششوں كا نتيجه انگلستان ميں روز بروز ظاهر هوتا ١
جاتا هى جو حالات كه اب خاص خاص لوگوں اور فرقوں كے پائے جاتے هيں اور جنكے سبب ان كي خاص خاص عادتيں قايم هوئي هيں وه اب روز بروز ايك دوسرے كے مشابهه هوتي جاتي هيں انگلستان ميں إس زمانه سے پهلے مختلف درجوں كے لوگ اور مختلف همسايوں كے لوگ اور مختلف پيشه والے گويا جدي جدي دنيا ميں رهتے تهے يعني سب كا طريقه اور عادت جدا جدا تهي اب وه سب طريقے اور عادتيں هرايك كي ايسي مشابهه هوگئي هيں كه گويا سب كے سب ايك محله كے رهنے والے هيں انگلستان ميں به نسبت سابق كے اب بهت زيادة رواج هوگيا هى كه لوگ ايك هي قسم كي تصنيفات كو پڑهتے هيں اور ايك هي سي باتيں سنتے هيں اور ايك هي سي چيزيں ديكهتے هيں اور ايك هي سے مقاموں ميں جاتے هيں اور يكساں باتوں كي خواهش ركهتے هيں اور يكساں هي چيزوں كا خوف كرتے هيں اور ايك هي سے حقوق اور آزادي سب كو حاصل هى اور أن حقوق اور آزاديوں كے قايم ركهنے كے ذريعے بهي يكساں هيں اور يهه مشابهت اور مساوات روز بروز ترقي پاتي جاتي هى اور تعليم و تربيت كي مشابهت اور مساوات سے اس كو أور زيادة وسعت هوتي هى تعليم كے اثر سے تمام لوگ عام خيالات كے

اور غلبه راے کے پابند هوتے جاتے هيں اور جو عام ذخيرة حقايق اور مسايل اور رايوں کا موجود هی اس پر سب کو رسائي هوتي هی آمد و رفت کے ذريعوں کي ترقي سے مختلف مقاموں کے لوگ مجتمع اور شامل هوتے هيں اور ايک جگهه سے دوسري جگهه چلے جاتے هيں اور اس سبب سے بهي مشابهت مذکور ترقي پاتي هی کارخانوں اور تجارت کي ترقي سے آسايش اور آرام کے وسيلے اور فائدے زيادة شايع هوتے هيں اور هر قسم کي عالي همتي بلکه بڑي سے بڑي اولوالعزمي کے کام ايسي حالت کو پهونچ گئے هيں که هر شخص ان کے کرنے کو موجود و مستعد هوتا هی کسي خاص شخص يا گروة پر منحصر نهيں رها هی بلکه اولوالعزمي تمام لوگوں کي خاصيت هوتي جاتي هی اور ان سب پر آزادي اور عام راے کا غلبه بڑهتا جاتا هی اور يهه تمام امور ايسے هيں جيسے انگلستان کے تمام لوگوں کي رائيں اور عادتيں اور طريق زندگي اور قواعد معاشرت اور امورات رنج و راحت يکساں هوتے جاتے هيں اور بلا شبهه ملک اور قوم کے مهذب هونے کا اور ترقي پر پهونچنے کا يهي نتيجه هی اور ايسا عمدة نتيجه هی که اُس سے عمدة نهيں هوسکتا *

مگر باوصف اس کے هم اس نتيجه کو بشرطيکه اُس کي اصلاح نهوتي رهے باعث تنزل قرار ديتے هيں تو ضرور همکو کهنا پڑيگا که کيوں يهه عمدة نتيجه باعث تنزل هوتا سبب اِس کا يهه هی که جب سب لوگ ايک سي طبيعت اور عادت اور خيال کے هو جاتے هيں تو اُن کي طبيعتوں ميں سے وة قوتيں جو نئي باتوں کے ايجاد کرنے اور عمدة عمدة خيالات کے پيدا کرنے اور قواعد حسن معاشرت کو ترقي دينے کي هيں زايل اور کمزور هو جاتي هيں اور ايک زمانه ايسا آتا هی که ترقي ٹهر جاتي هی اور پهر ايسا زمانه هوتا هی که تنزل شروع هو جاتا هی *

اس معاملة ميں هم کو ملک چين کے حالات پر غور کرنے سے عبرت هوتي هی چيني بهت لئيق آدمي هيں بلکه اگر بعض باتوں پر لحاظ کيا جاوے تو عقلمند بهي هيں اور اُس کا سبب يهه هی که انکی خوش قسمتي سے ابتدا هي ميں انکي قوم ميں بهت اچهي اچهي رسميں قايم هوگئيں اور يهه کام اُن لوگوں کا تها جو اس قوم ميں نهايت دانا اور بڑے حکيم تهے *

چين کے لوگ اس باب ميں مشهور و معروف هيں که جو عمدة سے عمدة دانش اور عقل کي باتيں اُنکو حاصل هيں اُنکو هر شخص کي طبيعت پر بخوبي منقش کرنے کے واسطے اور اس بات کے ليئے که جن شخصوں کو وة دانشمندي کي باتيں حاصل هيں اُن کو بڑے بڑے عهدے مليں نهايت عمدة طريقے اُنميں رائج هيں اور وة طريقے حقيقت ميں بهت هي عمدة هيں بےشک جن لوگوں نے اپنا ايسا دستور قايم رکها اُنهوں نے انسان کي ترقي کے اسرار کو پاليا اور اِس ليئے چاهيئے تها که وة قوم تمام دنيا ميں هميشه افضل رهتي مگر برخلاف اِسکے اُنکي حالت سکون پذير هوگئي هی اور هزاروں برس سے ساکن هی اور اگر اُن کي کچهه اَور ترقي هوگي تو بےشک غير ملکوں کے لوگوں کي بدولت هوگي اِس خرابي کا سبب يهي هوا که اس تمام قوم کي حالت يکساں اور مشابه هوگئي اور سب کے خيالات اور طريق معاشرت ايک سے هوگئے اور سب کے سب يکساں قواعد اور مسائل کي پابندي ميں پڑگئے اور اِس سبب سے وة قوتيں جنسے انسان کو روز بروز ترقي هوتي هی اُن ميں سے معدوم هوگئيں *

پس جبکه هم مسلمان هندوستان کے رهنے والے جنکي رسومات بهي عمدة اصول و قواعد پر مبني نهيں هيں بلکه کوئي رسم اتفاقيه اور کوئي رسم بلاخيال اور قوموں کے اختلاط سے آگئي هی جس ميں هزاروں نقص اور برائياں هيں اور پهر هم اُن رسموں کے پابند هوں اور نه اُنکي بهلائي برائي پر غور کريں اور نه خود کچهه اصلاح اور درستي کي فکر ميں هوں بلکه اندها دهوندي سے اُنهي کي پيروي کرتے چلے جاويں تو سمجهنا چاهيئے که همارا حال کيا هوگيا هی اور آيندة کيا هونيوالا هی *

هماري قديم جهالتوں کے حال سے بهي رسومات کي پابندي کے سبب بدتر هوگئي هی اور اب هم ميں خود اتني طاقت نهيں رهي که هم اپني ترقي کرسکيں اِسليئے بجز اِسکے که دوسري قوم هماري ترقي اور همارے قواے عقلي کي تحريک کا باعث هو اور کچهه چارة نهيں بعد اِسکے که همارے قواے عقليه تحريک ميں آجاويں اور پهر قوت ايجاد هم ميں شگفته هو تب هم پهر اِس قابل هونگے که خود اپني ترقي کے ليئے کچهه کرسکيں *

مگر جبکه هم دوسري قوموں سے از راة تعصب نفرت رکهيں اور کوئي نيا طريقه زندگي کا گو وة کيسا هي بےعيب هو اختيار کرنا صرف بسبب اپنے تعصب يا رسم و رواج کي پابندي کے معيوب سمجهيں تو پهر همکو اپني بهلائي اور اپني ترقي کي کيا توقع هی *

مگر جو که هم لوگ مسلمان هيں اور ايک مذهب رکهتے هيں جسکو هم دل سے سچ جانتے هيں اِس ليئے همکو مذهبي پابندي ضرور هی اور وة اسي قدر هی که جو بات معاشرت اور تمدن اور زندگي بسر کرنے اور دنياوي ترقي کي اختيار کرتے هيں اُسکي نسبت اتنا ديکهه لير که وة مباحات شرعيه ميں سے هی يا محرمات شرعيه ميں سے در صورت ثاني بلاشبهه همکو احتراز کرنا چاهيئے اور هرصورت اول بلا لحاظ پابندي رسوم کے اور بلالحاظ اِسبات کے که لوگ همکو برا کهتے هيں يا بد اُسکو اختيار کرنا ضرور بلکه واسطے ترقي قومي کے فرض هی *

خدا همه مسلمانان را براے کار خير توفيق دهاد آمين *

سيد احمد

نمبر ۴۰

ہیئت جدیدہ

ہیئت جدیدہ اور معجزہ قرآني

جسوقت ماہیت موجودات سے بحث کي جاتي ہی اُسوقت میں یہہ کہنا بالکل فضول ہوتا ہی کہ متقدمین نے اُسکي نسبت ایسا اور ایسا کہا ہی خواہ اُن متقدمین میں کوئي بڑے سے بڑا حکیم اور نہایت سے نہایت دانا ہي آدمي کیوں نہو علی‌ہذاالقیاس ایسے مقام پر نہ کسي مفسر کا قول معتبر ہوسکتا ہی نہ کسي محدث کا اور جب تک علم مناظر اور مرایا ہي کے ذریعہ سے اشیاے موجودہ کي حقیقت کو ثابت یا باطل نکردیں تب تک لب ہلانے کا موقع بھي نہیں ملتا اور یہہ ایک ایسا مسلمہ اصول ہی کہ متقدمین اور متاخرین اہل اسلام رضی‌اللہ تعالی عنہم اجمعین کا عمل درآمد برابر اسي پر چلا آیا یہاں تک کہ اگر بعض آیات قران شریف اور احادیث کے ظاہري اور لغوي معني بادي‌النظر میں اُنکو صور محسوسات اور موجودات کے خلاف معلوم ہوئے تو اُنھوں نے اُن آیات اور احادیث کي تاویل ہي کي اور یہہ نہ کہا کہ نہیں جناب باري نے یوں فرمایا اور حدیث میں یہہ آیا ہی اِس لیئے کہ ایسا کہنے میں اُن لوگوں کي نظروں میں جو موجودات کي ماہیت کو اچھي طرح تحقیق کرنا چاہتے ہیں مذاہب اسلام کا ضعف ثابت ہوتا اور چونکہ اعمال کا ثمرہ نیت پر منحصر ہی اور اُن تاویل کرنے والے مصنفوں کي نیت نہایت نیک تھي اِس لیئے خدا سے اُمید ہی کہ اگر کوئي غلطي بھي اُن سے کسي تاویل میں ہوئي تو اُسپر ان سے مواخذہ نہوگا ٭

لیکن چند روزوں سے ہندوستان میں ہمارے مسلمان بھائیوں کا ایسا حال ہوگیا ہی کہ جو بات کسي مفسر یا محدث یا فقیہ نے خود اپني راے اور اپنے قیاس سے کسي کتاب میں لکھدي گو وہ کیسي ہي ضعیف کیوں نہو اور گو زمانہ حال کي تحقیقاتوں کے لحاظ سے وہ کیسي ہي خلاف قیاس کیوں نہو اور گو اور مفسرین اور محدثین وغیرہ نے اُس سے اختلاف ہي کیوں نہ کیا ہو مگر مسلمانوں کي یہہ جرات نہیں ہوتي کہ کسي موٹي کتاب کي لکھي ہوئي بات کے خلاف کچھہ کہہ سکیں اور رفتہ رفتہ اُنکي اِس احتیاط نے یہاں تک اُنکو مجبور کیا کہ مولود شریف وغیرہ کتابوں کا لکھا ہوا بھي اُنکے ایمان اور اعتقاد کا ایک جزو ہوگیا کسي کي یہہ ہمت نہیں ہوتي کہ اُسکے خلاف پر کچھہ کہہ سکے اور اگر کسي نے ایسا ارادہ کیا تو بے تکلف کفر اور الحاد کے فتوے اُس سے منسوب ہوتے ہیں ٭

ہم دیکھتے ہیں کہ الہیات کے علاوہ بہت ایسے علم ہیں کہ اُنکي تحقیقات اور تلاش اور صحت اور تکمیل کو خدا تعالی نے بالکل انسان کي کوششوں پر ملتوي رکھا ہی مثلاً ہیئت اور طبعیات وغیرہ سدہا علم اسي قسم کے ہیں جنکے واسطے نہ آج تک کوئي نبي اُنکي تعلیم کے واسطے مبعوث ہوا نہ کوئي کتاب اِس فن خاص میں خدا تعالی نے آج تک کسي نبي پر نازل کي قران شریف میں یا حدیث میں ہیئت یا طبعیات کے متعلق کہیں کسي چیز کا نام آگیا ہوئیں برسبیل تذکرہ اور کہیں عام لوگوں کے فہم کے لایق کسي چیز کا کوئي مختصر بیان ہو گیا کہیں کوئي مجمل اشارہ کسي چیز کي طرف ہوا مگر حاشا کہ کسي مقام پر بھي اُن بیانات سے یہہ بات مقصود بالذات مد نظر نہیں ہوئي کہ اُس کے ذریعہ سے عامہ خلایق کو ہیئت اور طبعیات کے علم کي تعلیم دیجاوے کماقال اللہ تبارک و تعالی ویسئلونک عن الاھلہ یعني اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) لوگ تجھسے مہینوں کي حقیقت دریافت کرتے ہیں اور پھر فرمایا کہ قل ہی مواقیت للناس یعني کہدے کہ مہینوں کے ذریعہ سے لوگ اپنے وقتوں کا حساب ٹھیک کرلیتے ہیں آج کسي ادنی ہیئت‌داں سے اہلہ کي کیفیت دریافت کیجیئے پھر دیکھیئے کہ وہ کیسے زمین اور آسمان کے قلابے ملاتا ہی — حساب کے معاملہ میں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے یہہ فرمایا اور اُسوقت میں اسپر فخر کیا کہ ہم گنتي کو انگلیوں پر ٹھیک کرلیتے ہیں حاصل یہہ ہی کہ اُسوقت میں حساب ریاضي اور طبعیات وغیرہ کي طرف کسي کو مطلق التفات بھي نہ تھا ٭

پس مسلمانوں کو مناسب ہی کہ اِس نکتہ پر اچھي طرح غور کریں اور قران و حدیث کو ہیئت و ہندسہ اور طبعیات کے واسطے میدان مناظرہ نہ قراردیں اور حقیقت موجودات کو گذشتہ منقولات سے باطل کرنے کے خیال خام میں نہ پڑیں اور جو تاویلات مفسرین اور محدثین نے حقیقت موجودات کے باب میں وقت کي ضرورت سے کي تھیں اُنکو ہر وقت کي ضرورت کے لحاظ سے غور کي نگاہ سے دیکھیں اور جیسا اسمیں شبہہ نہیں کہ قران خدا کا کلام ہی ویسا ہي اِسمیں بھي شبہہ نہیں کہ اللہ کا کلام کسي حقیقت نفس‌الامر کے خلاف بھي نہیں ہوسکتا اور بےشک مسلمان اگر تحقیق کو کام فرماویں تو اُنکو اِس بات پر نظر کرنے کا موقع ملسکتا ہی کہ خدا تعالی نے اپنے نبي کے ذریعہ سے اُن پر کیسا کلام معجز نظام نازل کیا جسکا معجزہ ہر وقت میں تازہ ہی مندرجہ ذیل مثال سے اِس دعوے کي بخوبي تصدیق حاصل ہوتي ہی ٭

جسوقت میں کلام اللہ نازل ہوا تمام دنیا میں یونانیوں کي ہیئت کے یہہ مسئلے جاري تھے کہ ستارے آسمانوں میں جڑے ہوئے ہیں اور آسمانوں کي حرکت کے ساتھہ ستاروں کو بھي گردش رہتي ہی چنانچہ ابتک بھي مسلمانوں کي عربي تعلیم میں وہي موقي کي ایک ٹانگ پڑھائي جاتي ہی اور اُسي ستاروں کي حرکت تابع حرکت آسمان ہونے کے باب میں سیکڑوں لچر اور پوچ دلیلیں لائي جاتي ہیں اور جب کوئي نئي چال کا ستارہ نیا دریافت ہوتا ہی اُسکے لیئے ایک بڑا مجسم

فلک بغیر دیکھے بھالے اور سمجھے بوجھے ماننا پڑتا هی اور چونکه زمانه نزول قران میں کوئی شخص اس بات کا قائل نه تھا اور نه لوگ اِس بات کو جانتے تھے که ستارے معلق هیں اور هر ایک اُن میں سے جدا جدا دورہ طی کرتا هی اِسی واسطے قرآن شریف میں جهاں کهیں ستاروں کی گردش کا کوئی اتفاقیه ذکر آگیا مفسرین نے اُسکی تاویل اُسی مروجه هیئت کی آنکهیں کی نظر سے کی اور بمجبوری اسبات کو تسلیم کیا که ستاروں کی حرکت اِس موقع پر ذاتی حرکت مراد نهیں بلکه اُنکی حرکت آسمانوں کی حرکت کے تابع هی *

لیکن خدا غریق رحمت کرے مولوی عبدالقادر صاحب دهلوی کو اُنهوں نے جب کلام الله کا ترجمه لکھا اور اِس مقام پر پہونچے وکلٌ في فلک یسبحون † تو یهه لفظی ترجمه تحریر فرمایا که هر کوئی ایک ایک گهیرے میں پهرتے هیں اور حاشیه پر صاف صاف یهه لکھا *

"ستارہ ایک ایک گهیرا رکھتا هی اُسی راہ پر تیرتا هی معلوم هوا که ستارے آپ چلتے هیں۔ یهه نهیں که آسمانوں میں گڑے هیں اور آسمان چلتا هی نهیں تو پهرنا نه فرماتے" *

اور اِسطرح پر تمام تصویروں کو بالاے طاق رکھدیا اور یونانیوں کی هیئت کے ایک بڑے حصه کو اپنے خدا کے سچے کلام کے سامنے پس پشت ڈالدیا اور اُن تمام مباحثوں کو بهی حتم کردیا جو اِس مقام پر ایک بیجا تاویل کے سبب سے استادوں اور طالب علموں میں پیش آتی هیں اور اِس بات کی هرگز پروا نه کی که مسلمان مجهکو اَوْر مفسرین سے اختلاف کرنے کے باب میں کیا کهینگے *

اب اِس بات سے قطع نظر کرو که بطلمیوس نے کیا کها تھا فیثا غورث کسطرف گیا بلکه جناب باری کے کلام پر بغیر کسی تاویل کے نظر ڈالو تو کچهه شک نهیں رهتا که مولوی عبدالقادر صاحب رحمت الله علیه نے جو معنی اور مطلب اِس مقام پر بیان کیا وہ آیت سے کیسی کچهه مناسبت رکھتا هی بلکه درحقیقت اسکے سوا اَوْر کچهه معنی اِس آیت کے هو نهیں سکتے اور یهه بات ظاهر هی که یهه جدید هیئت که تمام ستارے ایک ایک مرکز کے گرد گردش کرتے هیں اور اپنا دائرہ پورا کرتے هیں اور اُنکی حرکت کسی فرضی آسمان کے تابع نهیں هی نزول قران سے بہت صدیوں بعد شائع هوئی هی تو یهه بات بہت صفائی اور استحکام کے ساتهه قایم هوتی هی که جو بات آج هزاروں طرح کی دقتیں اُٹهاکر اور مشکلات حل کرکے رصد گاهیں بناکر آلات درست کرکر بڑی بڑی جانکاهیوں کے بعد اِنسان کو تحقیق هوئی وہ ایک مدت دراز هوئی جو خدا نے اپنے نبی برحق سے اور اُنکے واسطه سے تمام مسلمانوں سے صاف صاف ارشاد فرمادی تهی اور جسکی صحت اور اصلیت سے یونانیوں کی مغالطه دهی کے سبب سے هم ناواقف رهے پس یهه ایک بڑی سند اس بات کی هی که جس خالق نے ستاروں کو اور اُنکی گردشوں کو پیدا کیا اُسی کا یهه پاک کلام هی جو اُسکے نبی پر نازل هوا اور بےشک خدا کا کام اور خدا کا کلام مخالف نهیں هوسکتا اب هم دریافت کرتے هیں که یهه قران شریف کا ایسا معجزہ هی جس سے مسلمان درکنار کسی مذهب کا اِنصاف دوست آدمی بهی اِنکار نهیں کرسکتا *

جس غرض سے همنے اِس مضمون کا لکھنا شروع کیا تها اُسکو هم بالفعل اسی پر ختم کرتے هیں لیکن ایک اَوْر نهایت عمدہ نصیحت جو همکو اِس مضمون کے لکھنے سے حاصل هوتی هی اسکے ظاهر کرنے سے بهی هم باز نهیں رہ سکتے *

جب هم یهه دیکھتے هیں که اِس زمانه میں جسمیں هم موجود هیں لوگ تفسیر وغیرہ کے ایک فقرہ سے بهی تجاوز کرنے کو معصیت یا قریب معصیت سمجهتے هیں اور پهر هم یهه دیکھتے هیں که مولوی عبدالقادر صاحب نے خدا انکو اپنے جوار رحمت میں جگهه عنایت کرے اتنا بڑا اختلاف کیا اور ایک ایسے مسئله کو توڑا جو بہت سی صدیوں سے مسلم اور متفق علیه چلاآتا تها اور با اینهمه میاں صاحب مرحوم کا کسی کو شاکی نه پایا تو ان نیک نیت مسلمانوں کی کوششوں کی ناکامیابی پر افسوس هوتا هی جو زمانه حال کی تحقیقاتوں کے لحاظ سے اسی قسم کے اور خیالات رکھتے هیں اور لوگوں پر اصل حقیقت کا منکشف کرنا چاهتے هیں پس هر طرح کی فکر اور غور کے بعد همکو کچهه کچهه هر ایک فریق کی کارروائی میں قصور معلوم هوتا هی همارا کام تو حقیقت میں یهه هونا چاهیئے که جو بات هم کسی سے سنیں اُسکو اِنصاف کی نظر سے دیکھیں اور تعصب اور پابندی رسوم دنیا کے لحاظ سے اُس سے متنفر نهوں *

مرد باید که گیرد اندر گوش * ور نوشتست پند بر دیوار

لیکن اِسمیں بهی شبهه نهیں اور درحقیقت ایک قدرتی بات سی هوگئی هی که ناصح کے چال و چلن کو بهی نصیحت کے موثر غیر موثر هونے میں بڑا دخل هی پس ان لوگوں کو بهی جو صدق دل سے مسلمانوں کو راہ صواب پر لانا چاهتے هیں اور هروقت انکی اصلاح اور فلاح میں مستغرق رهتے هیں یهه بات نهایت ضرور بلکه فرض هی که اپنا برتاو بهی وہ ایسا سنجیدہ رکھیں جس سے عوام متنفر نهوں اور خواص کو محل شکایت نرهے اور یهه بات ایک مسلمان ناصح کو اِس طرح پر نصیب هوسکتی هی که جوباتیں خداتعالی نے اسپر مثل نماز و روزہ وغیرہ کے فرض کردی هیں اور جو عمدہ اصول مذهب اسلام میں انکے واسطے هزاروں لاکهوں مصلحتوں کے لحاظ مثل جمعه اور جماعت وغیرہ کے قایم هوئے هیں انکے ادا کرنے میں کاهلی کو کام نفرماویں اور جو کچهه کریں صدق دل سے بغیر ریاکاری کے کریں تاکه خود بهی معصیت سے بچیں اور جن عمدہ باتوں پر وہ اپنی قوم کو متوجه کرنا چاهتے هیں اُس میں بهی کامیاب هوں *

راقم
مشتاق حسین

† پارہ ۲۳ – رکوع ۲ – سورہ یس

بمقام علیگڈہ —— مطبع علیگڈہ انسٹیٹیوٹ میں چهپا اور باهتمام
منشی محمد مشتاق حسین شایع هوا

THE MOHAMMEDAN SOCIAL REFORMER

تہذیب الاخلاق

جلد اول] ۱۰ ذیقعدہ سنہ ۱۲۸۷ ہجری [نمبر ۴

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اطلاع

جسقدر روپیہ بابت اِس پرچہ کے بطور چندہ خواہ بطور قیمت وصول ہو وہ کسی خاص شخص کی ملکیت نہوگا بلکہ اِس پرچہ کے اجرا و ترقی میں صرف کیا جاویگا *

مسلمانوں میں سے جو شخص ساٹھہ روپیہ سالانہ پیشگی بطور چندہ دے وہ اس پرچہ کے متعلق معاملات میں ممبر متصور ہوگا *

علاوہ اِس کے جو شخص کچھہ روپیہ بطور ڈونیشن دے وہ بشکر گذاری قبول کیا جاویگا *

یہہ پرچہ ہر مہینے میں ایک بار یا دو بار یا تین بار جیسا کہ مقتضاے مضامین ہوگا چھپا کریگا قیمت فی پرچہ دو آنہ اور مع محصول تین آنہ ہوگی مگر خریداروں کو کم سے کم تین روپیہ قیمت اور ایکروپیہ آٹھہ آنہ محصول جملہ چار روپیہ آٹھہ آنہ پیشگی بھیجنے ہونگے *

اگر کوئی شخص کوئی خاص پرچہ خریدنا چاہے گا اُس کو فی پرچہ چار آنہ قیمت اور ایک آنہ محصول دینا ہوگا *

ممبروں کو بلا قیمت یہہ پرچہ ملیگا اور اُن کو اُس کے تقسیم کا بھی بلا قیمت جسکو وہ چاہیں اختیار ہوگا *

اِس پرچہ میں بجز مضامین متعلق تہذیب اخلاق و حسن معاشرت کے جہاں تک کہ وہ مسلمانوں سے متعلق ہیں اور کچھہ مندرج نہوگا *

مضمون نمبر ۱۱

اسلام

تمام متکلمین اور حکماء کا قول ہے کہ حقائق الاشیاء ثابتۃ یعنی ہر چیز کی بذاتہ ایک حقیقت اور ماہیت ہے اور اُنہوں کا یہہ مقولہ ہے کہ انقلاب الماہیۃ محال یعنی ماہیت کا بدل جانا عقلاً محال ہے اور جو شے عقلاً محال ہو اُسکا واقع بھی ہونا غیر ممکن *

پس اگر ہم کسی شے کی حقیقت کو جانتے ہوں لیکن اُسکو اُسکی ماہیت سے بدلا ہوا پاویں یعنی جو اُسکی ذاتی حقیقت اور اصلی حالت تھی اُسمیں فرق دیکھیں تو ہمکو لازم ہے کہ ہم اُسکا سبب دریافت کریں اور اُن عوارض خارجی اور اسباب عارضی کی تحقیقات پر متوجہ ہوں جنکے سبب سے اُس شے کی ماہیت ہماری نظروں میں بدلی ہوئی معلوم ہوتی ہے *

ہر شے کی ماہیت ثابت اور قائم رہنے کے لیئے ضرور ہے کہ وہ اپنی اصلی حالت پر باقی رہے اور کوئی دوسری شے اُس میں نملے ورنہ

جہاں ترکیب اور اختلاط نے راہ پائی اور اشیاء مختلفہ ایک دوسرے سے ملیں تو پھر اُن اشیاء مختلفہ کی ماہیت کا دریافت کرنا مشکل ہوجاتا ہی اور اختلاط سے جسنے اُن چیزوں کی حالت اصلی کو بدل دیا شبہہ تقلیب ماہیت کا ہوتا ہی *

ہر شی فی نفسہ اپنی ماہیت اور حقیقت میں جدا جدا ہی اور کسی دو چیز کی ایک ماہیت نہیں ہی اِس لیئے کہ جب تک ماہیت دوسری نہوگی تب تک وہ شی دوسری نہ کہلائیگی پس جب دو چیزیں کہ لامحالہ فی ذاتہ جداگانہ ماہیت رکھتی ہونگی باہم ملینگی تو اُنکے اختلاط سے دونوں کی ماہیت ایک نہوجائیگی گو اُنکی ترکیب باہمی سے اُن اشیاء مختلفہ مختلطہ کا نام ایک رکھدیا جاے اصل میں دونوں چیزیں اپنی جداگانہ ماہیت پر باقی رہینگی اور اِس ترکیب سے اُنکی حقیقت میں کچھہ فرق نہ آئیگا *

لیکن ترکیب اور اختلاط کے سبب سے اُن اشیاء مختلفہ کی حیثیت ظاہری ایسی بدل جاویگی کہ اُنکے ہر اجزاء منفردہ یعنی ہر شی جداگانہ کی حقیقت کا دریافت کرنا نہایت دشوار اور قریب بہ محال ہوگا اور پھر جب تک کہ وہ ترکیب کسی عمدہ تدبیر سے دور نہ کیجاوے اور ہر شی اپنی اصلی حالت پر نہ لائی جاوے تب تک ماہیت کا دریافت کرنا حیطۂ امکان سے خارج ہوگا *

پس اگر ہم کسی شی کی حقیقت دریافت کرنے پر مستعد ہوں تو پہلا کام ہمارا یہہ ہی کہ ہم اُسکی حالت موجودہ پر نظر کریں کہ آیا وہ اپنی اصلی حالت تجرد پر باقی ہی یا کہ اور چیزیں بھی اُسمیں ملی ہوئی ہیں اگر ہم اَوْر چیزوں کا میل اُنمیں پاویں تو دوسرا کام ہمارا یہہ ہوگا کہ اُن چیزوں کو جدا کرکے اُس شی کو اُن سے علحدہ کرکے اُسکی اصلی حالت پر لے آنیکا قصد کریں اور جبکہ ہم اُس شی کے اَوْر چیزوں سے جدا کرنیکا قصد کریں تو تیسرا کام ہمارا یہہ ہوگا کہ ہم اُس آلہ اور ذریعہ کو پیداکریں جس سے وہ اختلاط کما ہو حقہ دور ہوسکے اگر ہم اپنے ان تینوں کاموں میں غلطی نکرینگے تو ضرور اُس شی کی حقیقت دریافت کرسکینگے *

جب ہم کسی چیز کے حسن و قبح کی تحقیقات پر آمادہ ہوں تو ہمکو لازم ہی کہ پہلے ہم اُس شی کی حقیقت جسطرح اوپر ہمنے بیان کی ثابت کرلیں بعد اُسکے اپنی راے اُس شی کی برائی بھلائی کے نسبت قائم کریں ورنہ اگر ہم بغیر دریافت کرنے اُسکی حقیقت کے کسی مرکب شی کو جوہر مجرد سمجھکر اُس پر اپنی راے قایم کریں تو ہم غلطی اور دھوکہ میں رہینگے اور وہ راے ہماری نسبت اُس شی کے نہوگی بلکہ نسبت اُن اشیاء مختلفہ کے ہوگی جنکو اختلاط نے ظاہر میں ایک کردیا ہی *

جب ہم موجودات خارجی میں سے کسی کو دیکھتے ہیں تو سرسری نظر میں ہمکو ہر شی بسیط معلوم ہوتی ہی اور ہماری پہلی نگاہ اُسکی ترکیب اور اختلاط پر نہیں جاتی لیکن جسقدر ہم غور کرتے جاتے ہیں اُسیقدر ہمکو اُسکے اجزاء مرکبہ کی کیفیت معلوم ہوتی جاتی ہی یہاں تک کہ آخر ہمکو یقین ہوجاتا ہی کہ کوئی شی اُنمیں سے جوہر بسیط اور مجرد محض نہیں ہی اور سبمیں اشیاء متضاد ملی ہوئی ہیں آخر ہمکو اُس آلہ اور ذریعہ سے کام لینا پڑتا ہی جس سے اُس ترکیب کو باطل کرکے ہر شی کو جدا جدا کریں *

جو کیفیت ہمنے اعیان موجودات کی بیان کی وہی حال ہماری مدرکات اور معلومات اور معتقدات کا ہی کہ جو کچھہ ہم سمجھتے ہیں اور جو کچھہ ہم جانتے ہیں اور جو کچھہ ہم مانتے ہیں اُسکی نسبت صحت اور سچائی کا یقین نہیں کرسکتے اور اُسکو غلطی اور خطا اور وہم اور شک کی آمیزش سے خالی نہیں کہہ سکتے جب تک کہ ہم اُسکو کسی سچے ذریعہ اور کارآمد آلہ سے جانچ نہ کرلیں اور اُسکے اجزاء مرکبہ کو علحدہ علحدہ کرکے نہ دیکھہ لیں پس جسطرح موجودات خارجی میں سے کسی شی کی حقیقت کے جاننے کا دعوی کرنا بغیر اِسکے کہ اُسکو اپنی اصلی حالت پر لاکر امتحان کرلیں نادانی ہی اسیطرح ہمکو اپنے معتقدات میں سے کسی اعتقاد کی صحت پر یقین کرنا قبل اِسکے کہ ہم اُسکو توہمات اور خیالات سے جدا کردیں بڑی غلطی ہی *

جیساکہ ہمکو کسی موجودات کی حقیقت معلوم کرنے پر یقین نہیں ہوسکتا جب تک کہ ہمنے خود اُسکو مذکورہ تدبیروں سے نہ جانچا ہو اسیطرح ہمکو اپنے معتقدات کی صحت پر اعتقاد کامل نہیں ہوسکتا جب تک کہ ہمنے بذاتہ اُسکو اُسیطرح دریافت نہ کیا ہو اور اگر ہم نے ایسا کرلیا ہو تو پھر ہمارا اعتقاد بھی صحیح ہوگا اور اُس پر ہمکو یقین بھی ایسا ہوگا کہ اگر ساری دنیا ہماری مخالف ہو اور تمام جہان ہمکو مجنون اور دیوانہ بتاوے مگر ہمارے اُس یقین اور اعتقاد میں کچھہ خلل نہوگا *

بغیر اپنی ذاتی تحقیقات اور جانچ کے جو کچھہ ہم سمجھیں اور جو کچھہ اعتقاد کریں وہ صرف سنا ہوا ہوگا اور کبھی غلطی کے احتمال سے محفوظ نرہیگا اور اطمینان قلبی جس شی کا نام ہی وہ کبھی حاصل نہوگی ہماری مثال ٹھیک ٹھیک ایک اندھے کی ہوگی جسکو کوئی ہاتھہ پکڑے لیئے جاتا ہو کہ اگر قسمت سے راہ بتانیوالا اچھا ملگیا خیریت گذری ورنہ کسی گڑھے غار میں گرکر مٹی خراب ہوگی *

تحقیق کرنے والے کو ہر چیز کی تحقیقات کے لیئے ضرور ہی کہ جو کچھہ لوگوں سے اُسکی حقیقت کی نسبت سنا ہو یا جو کچھہ اُسنے پڑھہ

سمجھہ رکھا هو اُس سے اول اپنے دماغ کو خالي کرے اور کسي کي حقیقت اور صحت پر پہلے سے یقین نکرے اِس لیئے کہ اگر وہ ایسا کریگا تو یا تحقیقات کرنے پر اُسکو توجہہ نہوگي اِسلیئے کہ وہ اپنے خیالات کو یقینیات سمجھہ کر اپنے آپکو مستغني سمجھیگا یا تحقیقات کرتے وقت اُسکو توهمات اور خطرات ایسے پیدا هونگے کہ وہ اُسکي تحقیق میں سنگ ڈالینگے *

ایسي تحقیقات کرنے والے کو چاهیئے کہ وہ اُن سب باتوں کو جو لوگوں سے سني هوں یا جو کچھہ اُسکے دل میں گذري هوں پیش نظر رکھے اور بغیر پیدا کرنے یقین کے کسي پر وہ اُنکي تحقیق بذریعہ اُس آلہ اور ذریعہ کے جو اُسکے امتحان کے لیئے هو درے تا کہ اُسکو خود معلوم هووے کہ حق کیا هی اور باطل کیا *

تمثیلاً هم بیان کرتے هیں کہ حکماء یونان کا قول تھا کہ عناصر چار هیں جنکا نام اُنکي اصطلاح میں اسطقسات اربعہ تھا اور اِن کے جوهر بسیط هونے پر هزار ها آدمي معتقد تھے اور هزاروں برس سے ابتک معتقد هیں اور اب حکماء یورپ کا قول هی کہ وہ مرکب هیں پس هم حسکي بات کو بغیر امتحان اور جانچ کے مانینگے گو وہ في نفسہ صحیح هو مگر همارا بے جانچے مان لینا هي هماري غلطي هی اِس لیئے همکو لازم هی کہ هم دونوں کے دلایل سنیں اور جو ذریعے اور آلات اُنکے حقایق دریافت کرنے کے دونوں کے پاس هوں لیکر خود امتحان کریں تب هم خود یقین کرلینگے کہ کون سچا هی اور کون جھوٹا اور اگر هم ایک کے قول کو پہلے هي صحیح مان لیں اور دوسرے کي بات تک نہ سنیں تو هم در حقیقت جاهل بلکہ جہل مرکب میں گرفتار سمجھے جاوینگے اور گو وہ قول جسکو همنے بے سوچے سمجھے مانا هی درست هي هو لیکن هم غلطي اور دهوکہ میں پڑے هونے سے عقلا کے نزدیک بري نہونگے *

اِن مقدمات کي ترتیب و تمهید سے مطلب همارا اپني قوم کي موجودہ حالت پر غور کرنا اور اُسکي حقیقت اور ماهیت دریافت کرنا هی پس هم اُس حالت موجودہ کو ایک شی قرار دیتے هیں جو نام سے اسلام کے متعارف هی اور سرسري نظر میں شی واحد سمجھي جاتي هی اور همارے تمام عقاید اور اعمال اور حرکات و سکنات اور چال و چلن پر مسلماني کا لفظ اطلاق کیا جاتا هی لیکن غور کرنے سے ثابت هوتا هی کہ وہ هزاروں اجزاء سے مرکب اور بیشمار چیزوں سے مختلط هی اور وہ جوهر نوراني جسکا نام اسلام هی اور جو في ذاتہ هر برائي سے پاک اور هر تیرگي سے صاف هی اجزاء کثیفہ کے مل جانے سے مکدر اور تاریک هو رہا هی اور اُسکا اصلي نور اُس تکدر کے سبب سے چھپ گیا هی *

هر ملک میں عرب سے لیکر هند تک اور هر قوم میں سادات و شیوخ سے لیکر مغلوں پٹھانوں تک اور هر مذهب میں اهل سنت سے لیکر معتزلہ تک اور هر فریق میں علماء سے لیکر جہلا تک اُس نوراني جوهر کا جداگانہ جلوہ دکھلائي دیتا هی اور اُس کلي طبعي کا مضمون هر فرد میں ایک علحدہ طور سے نظر آتا هی پس جو شخص سرسري نگاہ سے دیکھتا هی وہ اُن سب کو ایک هي شی جانکر اُسکو اسلام سے تعبیر کرتا هی اور همارے عقائد اور رسمیات کو اصل اسلام سمجھکر اُنکے حسن و قبح سے بحث کرتا هی *

پس اگر هم اُس مجموعہ کو معہ جمیع افرادها اسلام کہیں تو یہہ کہنا همارا محض غلط هی اور اگر اُس سے قلبۃً انکار کریں تو بھي اِنکار همارا نادرست هی اِس لیئے همکو سوا اِسکے کچھہ چارہ نہیں کہ هم اُنہیں اصول موضوعہ کو جو اوپر بیان کیئے پیش نظر رکھکر اُسکي ترکیب اور اختلاط کے دور کرنے کي فکر کریں اور کسي نہایت سچے ذریعہ اور مفید تدبیر سے هر هر جزو کو علحدہ علحدہ کرکے اسلام جس شی کا نام هی اُسکو الگ کرلیں تب اُسکي حقیقت معلوم هونے پر یقین کرکے اُن آراے مختلفہ کو جو اُس مجموعہ مرکب کے حسن و قبح کي نسبت هی دیکھیں تاکہ همکو معلوم هو جاوے کہ اُن اجزاء مختلفہ کا تعلق کسقدر اصل اسلام سے هی اور کسقدر اُن اشیاء خارجي سے جو اسلام میں مختلط هوگئي هیں *

سو کہ اِس کام کے لیئے همکو کوئي سچا اور کار آمد آلہ درکار هی جو کہ اُس ترکیب کو دور کرے اور وہ سچا اور کار آمد آلہ کیا هی رسول صلعم کي ذات هی جنکا لقب احمد مجتبی اور جنکا نام محمد مصطفی هی صلی الله علیه و آلہ وسلم *

کوئي یہہ نہ خیال کرے کہ وہ آلہ همارے پاس نہیں هی بلکہ بالکل صحیح و سالم همارے پاس ابتک موجود هی اور قیامت تک موجود رهیگا هاں اُسکے اجزاء کا سمجھنا اور اُس سے کام لینے کا طریقہ جاننا ضرور هی *

اُس آلہ سے مراد وہ صورت شخصي نہیں هی جسمیں اَور لوگ بھي مشابہت صوري رکھتے تھے بلکہ خاص وہ منصب مراد هی جسمیں کوئي کچھہ مناسبت نہیں رکھتا یعني نبوت اور هدایت کہ اُسکے دو جزو هیں ایک ایسا سچا کہ کسي طرح کا اُسمیں شک اور شبہہ نہیں دوسرا ایسا کہ جسکي سچائي پر کسیقدر صحت اور سند اور تحقیقات کي حاجت هی پہلے جزو سے مراد کتاب الله هی دوسرے جزو سے مراد حدیث هی پس جسکے پاس یہہ دونوں جزو موجود هوں اُسکے پاس هر وقت اور هر ساعت وہ آلہ گویا بذاتہ اور بنفسہ موجود هی مشرق میں هو خواہ مغرب میں شمال میں هو خواہ جنوب میں *

شاخ گل هرجا کہ روید هم گل است * خم مل هرجا کہ جوشد هم مل است
گر ز مغرب بر زند خورشید سر * عین خورشید است نے چیزے دگر

پس ہمکو اپنے تمام حالات کا دینی ہوں یا دنیاوی اصولی ہوں یا فروعی حقوق اللہ سے متعلق ہوں یا حقوق العباد سے امتحان کرنا لازم ہی اور امتحان کا طریق یہہ ہی کہ اُسکی تطبیق کتاب اللہ اور سنت سے کریں جسکو اُسکے مطابق پاویں اُسکو اسلام سمجھیں اور جسکو مخالف پاویں اُسکو اسلام سے خارج جانیں *

اسلام کو ہماری ذات سے دو قسم کا تعلق ہی ایک متعلق عقاید کے جسکو حکماء حکمت بالغہ یا کمال علمی کہتے ہیں دوسرا متعلق اعمال کے جسکو عقلا قدرت فاضلہ اور کمال عملی سے تعبیر کرتے ہیں پہلے امر کو جو درحقیقت اصول ہی کتاب و سنت نے ایسا صاف کردیا ہی کہ اب کسی دوسرے سے پوچھنے بتلانے کی ضرورت باقی نہیں رہی مراتب توحید اور نبوت اور معاد کی کامل تشریح کردی ہی دوسرے امر کو جو درحقیقت فروع ہی اُسکے اصول بھی تصریح کے ساتھہ بیان کردیئے ہیں اسلیئے ہمکو اپنی دونوں باتوں کو کتاب و سنت سے ملانا چاہیئے تب معلوم ہوگا کہ کتنی باتیں ہم میں اسلام کی ہیں اور کتنی اُس سے خارج اور کون کونسا عمل ہمارا موافق اُسکے ہی اور کونسا مخالف *

ہمارے حالات دنیوی بھی مذہب کے تعلقات سے آزاد نہیں ہیں بلکہ ہر معاملہ میں خواہ وہ سیاست مدن سے متعلق ہو خواہ اُسکو حکمت منزلی سے علاقہ ہو ہمکو شریعت کی پابندی ہی ہمارا تمدن اور معاشرت اور برتاؤ آزادانہ یعنی بلا قید شریعت کے نہیں ہوسکتا جو برتاؤ دنیاوی ہمارا ہوگا وہ بھی مذہبی ہوگا اور ہماری ہر بات اور ہر چال اور ہر فعل اور ہر عمل میں جلوہ اسلام کا چمکیگا اگر وہ برتاؤ مطابق شریعت کے ہی تو وہ نور اسلام ہی اور اگر مخالف ہی تو وہ داغ اسلام *

شریعت نے ہمکو رہبانیت کی تعلیم نہیں کی جوگی ہونے کی اجازت نہیں دی بلکہ فرمایا ہی کلوا من الطیبات واعملوا صالحا اسلیئے اگر دل بایار اور دست بکار ہو تو عین صواب ہی شریعت نے دائرہ معیشت کو تنگ نہیں کیا زینت دنیا سے ممنوع نہیں گردانا ہم سب مسلمان محرمات سے بچکر اپنی زندگی کو نہایت آرام سے بسر کرسکتے ہیں اور اپنی اوقات کو اور اپنے مال کو اگر اپنے بھائیوں کی بھلائی میں صرف کریں تو کسی عبادت میں اس سے زیادہ ثواب کے مستحق نہیں ہوسکتے لیکن ہمنے اپنی بدبختی سے دین کو شرک و بدعت کے عقیدوں سے خراب اور دنیا کو غفلت اور جہالت کے سبب سے برباد کر رکھا ہی نہ دین کے ہوئے نہ دنیا کے

بیت

گئے دونوں جہاں سے ہم نہ ادھر کے ہوئے نہ اودھر کے ہوئے
نہ خداہی ملا نہ وصال صنم نہ اِدھر کے ہوئے نہ اودھر کے ہوئے

جب ہم خلفاء راشدین کے اصول سیاست اور طریق معاشرت اور اخلاق اور عادات اور چال و چلن اور برتاؤ کو دیکھتے ہیں تو ہماری آنکھوں کے سامنے بہت سی عجیب و غریب چیزیں پھر جاتی ہیں اور بہت سے عقدے ہمارے حل ہوجاتے ہیں اسلیئے ہم کچھہ مختصر سا حال خلفاء راشدین کی خلافت کا لکھتے ہیں لیکن صرف اُن باتوں کو جو کہ متعلق سیاست اور معاشرت کے ہیں تا کہ اُس سے فواید ذیل حاصل ہوں *

اول معلوم ہونا اُنکے اصول سیاست کا کہ وہ کیسے تھے اور کن قواعد پر مبنی تھے *

دوسرے ظاہر کرنا اُنکے اخلاق و عادات کا کہ وہ کیسی صفائی اور سچائی اور راستی ہر معاملہ میں رکھتے تھے اور غیر مذہب والوں سے کس طور سے پیش آتے تھے *

تیسرے ظاہر کرنا اُنکے مختلف قواعد انتظامیہ کا جس سے ثابت ہوتا ہی کہ موافق ضرورت وقت اور حال زمانہ کے اصول سیاست اور تمدن اور معاشرت کے مقرر کرنا اور وقتاً فوقتاً اُن میں اصلاح کرنا اور نئے نئے ضابطے جو پہلے جاری نہ تھے منضبط کرنا اور امور مفید عام کے اجراء میں کوشش کرنا (بشرطیکہ کوئی نص کتاب و سنت سے اُسکے منع اور حرمت پر نہو) اُنکے نزدیک بدعت نہ تھا *

چوتھے مخالفت اُن سلاطین اسلامیہ کی شریعت سے جنہوں نے اپنی حرکات ظالمانہ اور اعمال جابرانہ سے اپنے بیجا تعصب اور خانگی غضب کو سلطنت کے کاموں میں دخل دیا اور ناجایز طور سے اپنے اختیارات شاہی کو برتا اور اسلام کو بٹہ لگایا *

پانچویں واقف کرنا اپنے بھائی مسلمانوں کو اُنکے پیشواؤں کے اخلاق اور عادات سے اور اُن کے قواعد انتظامیہ اور قوانین حکمیہ سے تاکہ اُن کو معلوم ہووے کہ وہ امورات انتظام سلطنت میں کیسی استعداد رکھتے تھے اور وہ تہذیب اور شایستگی کی ترویج میں سعی بلیغ کرتے تھے *

خلفاء راشدین کے اصول سیاست اور احکام اور اخلاق اور عادات کا بیان

میں خلفاء راشدین میں سے صرف حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کے † حالات لکھتا ہوں اِس لیئے کہ اُن کا زمانہ کمال کا زمانہ تھا اور

† ان حالات کو ہم نے ان کتابوں سے منتخب کیا ہی
۱ تاریخ یافعی ۲ تاریخ الخلفاء سیوطی ۳ ازالۃ الخفا ۴ طبری

اُن کی ذات سے اصول سیاست کا اختراع ہوا اور اُن کے وقت میں کچھہ فتنہ و فساد بھی پیدا نہیں ہوا *

پہلا اصول جسپر بناء خلافت تھی اجماع تھا — یعنی امام اور خلیفہ کا مقرر ہونا تمام اُمت اور رعیت کی مرضی پر موقوف تھا قرابت اور رشتہ اور ارث کو اُس میں کچھہ دخل نہ تھا چنانچہ جب وقت وفات حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قریب ہوا تو لوگوں نے کہا کہ آپ اپنے بیٹے عبداللہ کو اپنا جا نشین کرجایئے حضرت نے فرمایا کہ اُس کا کچھہ حق نہیں ہی *

در حقیقت اُس وقت کی خلافت کو سلطنت جمہوری سمجھنا چاہیئے جس کی خوبی اور عمدگی پر آج تمام شایستہ قوم یورپ کو اتفاق ہی *

دوسرا اصول خلیفہ کو آزادی اور خود مختاری کا حاصل نہونا — امام اور خلیفہ اجراء احکام اور انتظام امورات سلطنت میں آزاد اور خود مختار نہ تھا اور اپنی خواہشات اور ارادوں کو بلا قید شریعت کے پورا کرنا کیسا ظاہر بھی نکرسکتا تھا کتاب اور سنت کا پابند ہوتا تھا چنانچہ حضرت صدیق اکبر نے جب کہ وہ خلیفہ مقرر ہوئے جو پہلا خطبہ پڑھا وہ یہہ تھا ور اے مسلمانو میں آدمی ویسا ہی ہوں جیسے کہ تم ہو نہ خطاؤں سے معصوم ہوں نہ غلطیوں سے محفوظ نہ تم سب سے بہتر اور اچھا ہوں اس لیئے تم میری خبرداری رکھنا جو باتیں میری خدا اور اُس کے رسول کے احکام کے موافق ہوں اُن میں میری تبعیت کرنا اور جن میں مجھے لغزش کرتے ہوئے دیکھنا سنبھالنا ،، *

یہہ دوسرا اصول در حقیقت پہلے اصول کا نتیجہ ہی بلکہ دونوں لازم و ملزوم ہیں بعد خلافت راشدہ کے پہلا اصول قایم نہ رہا اور سلطنت حق موروثی ہوگیا اسی واسطے دوسرا اصول بھی ٹوٹ گیا اور بادشاہ اپنی مرضی کے مطابق کام کرنے لگے اور بغیر پابندی قوانین شریعت اور لحاظ ضوابط اسامت کے اپنی خواہشات کو پورا کرنے لگے *

تیسرا اصول رعایا کو آزادی حاصل ہونا — سوا ے شریعت کے احکام کے رعایا کو کسی قسم کی امام اور خلیفہ کی طرف سے پابندی نہ تھی اور خلیفہ کو کسی پر کچھہ اختیار سوا ے اُس کے جو قانون شریعت سے جایز تھا حاصل نہ تھا بلکہ ذاتی معاملات میں خلیفہ خود مدعی اور خود مدعی علیہ ہوتا تھا اور کوئی عامل اور صوبہ اسی اصول کی پابندی سے اپنے اختیارات کو نا جائز طور سے استعمال میں نہیں لا سکتا تھا *

ایک مرتبہ کا ذکر ہی کہ ایک شخص نے دعوی کیا کہ فلاں حاکم نے مجھے بے قصور شرعی سو کوڑے مارے ہیں حضرت عمرنے بعد ثبوت کے اُس حاکم کو سو کوڑے مارنے کا حکم دیا عمر و ابن عاص نے سفارش کی تب جواب دیا کہ جب پیغمبر خدا علیہ التحیۃ والثناء اپنی ذات کو قصاص اور احکام شرعی سے مستثنی نہیں سمجھتے تھے تو پھر میں یا یہہ کون ہیں *

کوئی شخص اپنی عزت اور جان اور مال میں کسی کا خایف نہ تھا اور سوا ے اُن فریضوں کے جو شرعاً جایز ہیں کسی سے خلیفہ وقت کچھہ مزاحمت نہیں کر سکتا تھا بلکہ جو امور مصلحت وقت سے خلیفہ جاری کرنا چاہتا اور کوئی اُس کی اباحت ثابت کرکے اُس سے انکار کرتا تو خلیفہ کو سوا ے سکوت کے کچھہ چارہ نہوتا ایک مرتبہ حضرت عمر نے مہر کے زیادہ باندھنے کی ممانعت پر خطبہ پڑھا کہ ایک بوڑھیا عورت نے آیۃ قنطارا مقنطرۃ پڑھکر کہا کہ جس چیز کو خدا جائز اور مباح کرے تم کیونکر منع کرتے ہو حضرت عمر نے اِنصاف کیا اور فرمایا کہ کل الناس افقہ من عمر حتی المخدرات *

آزادی کا درجہ یہاں تک پہونچا تھا کہ اگر خلیفہ کسی شخص کو شرعی جرم میں ماخوذ کرتے لیکن بغیر ضابطہ معین کے تو مجرم عذر کرتا اور اپنے آپکو بچا لیتا چنانچہ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ رات کو مدینہ کا گشت کرتے کرتے ایک ایسے گھر کے پاس پہونچے کہ وہاں سے آواز گانے کی آتی تھی وہ اُس گھر کے اندر دیوار کی راہ سے گھس گئے وہاں ایک عورت کو دیکھا کہ شراب رکھی ہوئی ہی اور وہ گاتی ہی حضرت عمر نے اُسکو پکڑا اُس عورت نے کہا کہ میں نے اگر ایک جرم کیا ہی تو تم نے تین جرم کیئے ہیں *

اول — خدا نے فرمایا ہی کہ لاتجسسوا کہ تم تجسس نہ کرتے پھرو سو تم نے تجسس کیا *

دوسرے — خدا نے فرمایا ہی لیس البر بان تاتوا البیوت من ظہورہا کہ دیوار کے پیچھے سے کسی مکان میں گھسنا اچھا نہیں ہی اور تم دروازہ بند پاکر پشت مکان سے داخل ہوئے *

تیسرے — خدا فرماتا ہی لاتدخلوا بیوتا غیر بیوتکم کہ اپنے گھر کے سوا دوسرے کے گھر میں نہ جاؤ اور تم بغیر میری اِجازت کے چلے آئے چنانچہ حضرت عمر نے اُسکو چھوڑ دیا *

حضرت عمر باوجود اپنے زہد اور ورع کے کہ جس سے زیادہ خیال میں نہیں آسکتا عام لوگوں کو مباحات سے منع نہ کرتے تھے اور کھانے پینے آرام کرنے میں وہ آزاد مطلق تھے چنانچہ جب حضرت ابو عبیدہ جراح نے انطاکیہ شہر کو فتح کیا اور بہ سبب پاک صاف ہونے اُس شہر کے اور پانی عمدہ چیزوں کے مسلمانوں نے وہاں چند روز ٹھہرنے کا

قصد کیا تو اُنھوں نے حضرت عمر کو خط لکھا کہ میں اِس شہر میں ٹھہرنا پسند نہیں کرتا ایسا نہو کہ مسلمانوں کو اُسکي آب و ہوا پسند آوے اور محبت دنیا کي اُنپر غالب ھوجاوے بجواب اُسکے حضرت عمر نے لکھا کہ خدا نے پاک چیزوں کو حرام نہیں کیا ھی تم کیوں حرام کرتے ھو * ;

چوتھا اصول شوری — اسکي اصل قران مجید سے ھی کہ خداے عالم نے فرمایا ھی کہ شاورھم في الامر فاذا عزمت فتوکل علی الله کہ جو کام پیش آوے اُسمیں صلاح و مشورہ کرنا اور پھر جب عزم مصمم ھوجاوے تو خدا پر بھروسہ کرکے اسکو شروع کرنا *

حضرت عمر رضی الله تعالی عنہ نے اس اصول کا ھمیشہ لحاظ رکھا اور نہایت خوبي سے اُسکي پابندي کي جب وہ کوئي کام کرتے تو سب سے مشورہ اور صلاح کرتے اور پھر سب کو میزان عقل میں تولتے اور بعدہ ایک راے پر نہایت استقلال سے قایم ھوجاتے اسیواسطے تدبیر مملکت میں اُنھوں نے دھوکھہ نہ پایا اور اُنکي سب تدبیریں مفید پڑیں *

حضرت عمر کو اِس اصول کا یہاں تک لحاظ تھا کہ اگر کسي فروعي مسئلہ میں بھي وہ نص صریح کتاب و سنت کي نہ پاتے تو وہ مشورہ کرتے چنانچہ لکھا ھی کہ ایک مرتبہ اُنھوں نے اپني آنکھہ سے ایک شخص کو زنا کرتے ھوئے دیکھا تو باھم مشورہ کیا کہ خلیفہ کو اپني رویت پر تعزیر کرنے کا اختیار ھی یا نہیں حضرت علي نے کہا کہ جب نص صریح موجود ھی کہ چار گواہ ھونے چاھیئیں تو کیونکر صرف اپني رویت پر اختیار تعزیر کا ھوگا *

یہہ چوتھا اصول بھي دوسرے اصول کا ثمرہ ھی اِس لیئے کہ جب بادشاہ کو آزادي اور خود مختاري نہوگي تو لامحالہ وہ صرف اپني مرضي سے کام نہ کرسکیگا اور اُسکو ضرورت اُن لوگوں سے پوچھنے کي ھوگي جو کہ صاحب الراے ھوں *

یہہ اُصول وھي ھی جو کہ اب تربیت یافتہ قوموں میں یورپ کي جاري ھی جسکو باختلاف لغت اور زبان کے کونسل کہتے ھیں *

پانچواں اصول خلیفہ کو ملک کي آمدني کا سواے حق معین کے اپنے صرف میں نہ لانا — ملک کي آمدني خواہ وہ جزیہ کي ھوتي یا خراج کي یا عشر کي وہ سب بیت المال میں جمع ھوتي خلیفہ کو کسي قسم کا اختیار اُس پر نہ تھا صرف روزینہ یا تنخواہ مقرري کے سوا وہ کچھہ نہ لے سکتے تھے ابتداے عہد خلافت میں حضرت صدیق اکبر کو صرف کھانا کپڑا ملتا تھا اور جب آمدني زیادہ ھوئي تب دو ھزار پانچ سو درم ملنے لگے اور حضرت عمر بھي اپني ذات کے واسطے صرف اُسیقدر لیتے جسقدر اَور مہاجرین و انصار کو دیتے تھے *

جو آمدني ملک کي ھوتي وہ خزانہ میں جمع ھوتي تھي و سرداروں † اور سپاھیوں اور مہاجرین و انصار کو اس سے مشاھرہ مقرري اور فقراء اور مساکین کو آذوقہ کافي دیا جاتا اور بوقت ضرورت عام رفاہ کے کاموں میں صرف کي جاتي جسطرح پر کوفہ اور بصرہ وغیرہ شہروں کي آبادي اور عمارت میں یا وقت ایام قحط مدینہ کے جسکا نام قحط رمادہ ھی غلہ کے باھر سے منگانے میں صرف کي گئي *

ملک کي آمدني سے جسطرح مسلمان فقراء و مساکین کو حصہ دیا جاتا اُسي طرح پر اھل کتاب وغیرہ کو کچھہ تخصیص مسلمانوں کي نہ تھي ایک مرتبہ کا ذکر ھی کہ حضرت عمر نے ایک بڈھے اندھے یہودي کو ایک جگہہ سوال کرتے دیکھا اور وقت استفسار کے معلوم ھوا کہ جزیہ کے مطالبہ کے واسطے وہ سوال کرتا ھی اُسیوقت اُس کا ھاتھہ پکڑ کر نہایت اخلاق سے اپنے گھر لائے اور کچھہ اُس کو دیا اور جزیہ کے تحصیل کرنے والوں کو حکم دیا کہ اِس کا اور اس قسم کے لوگوں کا خیال رکھنا یہہ کون انصاف ھی کہ اُس کي جواني کي کمائي تو ھم کھاویں اور بڑھاپے میں اُس کو ذلیل کریں اور اس کي کچھہ بھي خبر نہ لیں اِس لیئے آیندہ سے ایسے لوگوں سے مطالبہ نہ کرو اور اُن کو جزیہ سے معاف جانو اور بیت المال کے داروغہ کو حکم دیا کہ خدا نے فرمایا ھی کہ انما الصدقات للفقراء والمساکین اور یہہ بھي مساکین اھل کتاب سے ھیں اس لیئے اِن لوگوں کو بھي دینا چاھیئے *

چھٹا اصول وقت لشکر کشي کے کسي ملک پر مراعات اور حسن سلوک کا لحاظ رکھنا اور کسي پر بیجا زیادتي نہ کرنا اور جہانتک ممکن ھو نرمي سے پیش آنا *

جب کسي ملک کے فتح کرنے کے لیئے لشکر بھیجا جاتا تھا تو اُس لشکر کے سردار کو جو احکام دیئے جاتے تھے اُن میں امور مفصلہ ذیل پر نہایت تاکید کي جاتي تھي *

اول کوئي عورت اور لڑکا اور بڈھا اور ضعیف نہ مارا جاوے *
دوسرے کسي کا ناک کان نہ کاٹا جاوے *
تیسرے عبادت کرنے والے گوشہ نشین قتل نہ کیئے جاویں اور اُنکے عبادت خانے نہ کھودے جاویں *
چوتھے کوئي درخت پھلدار نہ کاٹا جاوے کوئي کھیت نہ جلایا جاوے *
پانچویں کوئي عمارت اور آبادي ویران نہ کیجاوے *
چھٹے کسي جانور بکري اونٹ وغیرہ کي کونچیں نہ کاٹي جاویں *
ساتویں کوئي کام بغیر صلاح و مشورہ کے نہووے *
آٹھویں ھرایک کے ساتھہ طریقہ انصاف اور عدل کا برتا جاوے کسیو پر ظلم اور جبر نہ کیا جاوے *

† عاملوں کي تنخواہ بارہ ھزار دینار سالیانہ تک ھوتي تھي اور اھل بدر کو پانچ ھزار درم ماھواري مقرر تھے *

نویں جو عہد و پیمان غیر مذہب والوں سے کیا جاوے اُسمیں بیوفائی نہ کیجاوے اور وہ ٹھیک ٹھیک وفا کیا جاوے *

دسویں جولوگ اطاعت قبول کریں اور جزیہ دیں اُن کی جان و مال مسلمانوں کی جان و مال کی برابر سمجھی جاویں اور اُن کے دشمنوں سے اُن کی حفاظت کی جاوے اور تمام معاملات میں اُن کے احکام مثل مسلمانوں کے تصور کیئے جاویں *

گیارھویں جب تک کہ اسلام کے قبول کرنے کی دعوت نہ کی گئی ہو دفعتاً لڑنا نہ چاہیئے *

ان احکام پر غور کرنے سے ثابت ہوتا ہی کہ مقابلہ اور لشکر کشی کے وقت کیسی نیکی اور رحم اور نرمی کی رعایت کی جاتی تھی اور غدر اور فریب اور بد عہدی پر کسقدر تہدید ہوتی تھی کوئی بادشاہ کیسا ہی نیک اور رحیم سا رحیم کیوں نہو لشکر کشی کے وقت اس سے زیادہ نرمی نہیں کرسکتا *

ساتواں اصول امورات ریاست اور انتظام سلطنت کے عمدہ انصرام کے لیئے لایق عہدہ داروں اور اھلکاروں کا منتخب کرنا اور اُن کو وقت تقرر کے ھدایات خاص کرنا اور ھمیشہ اُن کی نگرانی رکھنا *

جس عامل کو حضرت عمر رضي الله تعالى عنه مقرر کرتے اُس کو احکام ذیل سناتے اور اُس کی تعمیل کی تاکید کرتے *

اول چوبدار اور حاجب نہ رکھنا کسی مستغیث کو آنے کی روک ٹوک کا ذریعہ پیدا نہ کرنا گویا یہہ حکم تھا کہ در عدالت کو ہر وقت کھلا رکھنا *

دوسرے جب کوئی استغاثہ کرے اُس کو سننا اور مدعی سے گواہ طلب اور منکر سے قسم لیکر اُس کو فیصلہ کرنا *

جس شخص پر حد شرعی جاری نہوئی ہو یا جھوٹی شہادت میں مشہور نہو یا اُس پر معصیت اور وراثت کی تہمت نہو وہ عادل سمجھا جاویگا *

اگر گواہوں کی حاضری کے واسطے مہلت مانگی جاوے تو مہلت دینا *

تیسرے مقدمات جلد فیصلہ کرنا تاکہ ایسا نہو کہ مدعی دیر کے سبب سے اپنا دعوی چھوڑ بیٹھے *

چوتھے باہم مصالحہ اور رضامندی کو منظور کرنا بشرطیکہ اُس سے تحلیل حرام اور تحریم حلال نہو *

پانچویں متخاصمین پر سختی اور درشتی اور غصہ نکرنا *

چھٹے رعب قایم رکھنا مگر نہ اتنا کہ وہ منجر بہ جبر ہو اور خلق و نرمی کرنا مگر نہ اس قدر کہ حکومت میں سستی اور دبی ہو *

ساتویں ھمیشہ عدل اور انصاف کرنا اور حق بحقدار پہونچانا *

عدل اور انصاف پر یہاں تک حضرت عمر رضي الله تعالى عنه کو عمل رہتا تھا کہ وہ مسلمان اور کافر میں کچھہ تفرقہ نہ کرتے تھے چنانچہ سعید بن مسیب سے منقول ہی کہ ایک مرتبہ حضرت عمر رضي الله تعالى کے سامنے ایک یہودی اور ایک مسلمان مخاصمہ کرتے ہوئے آئے اور اُن کے نزدیک حق یہودی کا ثابت ہوا اُسی کے حق میں فیصلہ کیا وہ یہودی اس عدل کو دیکھہ کر نہایت مدح و ثنا کرنے لگا *

حضرت عمر رضي الله تعالى عنه کے فیصلے اُن کے عاملوں کے واسطے بطور نظیر کے ہوتے تھے اور اکثر اُن میں نرمی اور رحم شامل ہوتا تھا چنانچہ اکثر بجاے جسمانی تعزیر کے مالی تعزیر کا حکم دیتے تھے جیسا کہ عبدالرحمان ابن حاطب سے منقول ہی کہ ایک شخص نے ایک کا ناقہ چورایا اول حضرت عمر رضي الله تعالى عنه نے تجویز ھاتھہ کاٹنے کی کی آخر مدعی سے پوچھا کہ کیا قیمت ہی اُس نے چار سو درم بتلائے چنانچہ حضرت عمر رضي الله تعالى عنه نے آٹھہ سو درم کا جرمانہ مجرم پر کرکے مدعی کو دلایا اور مجرم کو رہا کردیا *

حضرت عمر رضي الله تعالى عنه جس عدل پر اپنے عاملوں کو تاکید کرتے تھے اُسی طرح پر رعایا کو بھی آگاہ کردیا کرتے تھے کہ سواے شریعت کے احکام کے کسی اعلی سے اعلی حاکم کو ادنی سے ادنی رعیت پر کچھہ اختیار نہیں ہی اگر کوئی عامل کچھہ کسی پر جبر و زیادتی کرے میں اُس کو اُسی طرح پر مجرم سمجھونگا جیسا کہ ادنی رعیت کو سمجھتا ہوں اور اُس کو سزا دونگا سب اپنی عزت اور جان اور مال میں سواے احکام شرعی کے آزاد اور خود مختار ہیں اور حاکم اور رعیت سب برابر *

حضرت عمر رضي الله تعالى عنه اپنے عاملوں کو خود مختار اور آزاد نہونے دیتے تھے اُن کی نگرانی رکھتے ھمیشہ اُن کی تبدیلی کیا کرتے اُن سے اگر خطا ہو جاتی تو معزول کردیا کرتے جوابدھی کے لیئے دارالخلافت میں طلب کرتے بعض قصوروں میں اُن پر جرمانہ کرتے *

حضرت عمر رضي الله تعالى عنه کے عاملوں کی تنخواہ زیادہ سے زیادہ بارہ هزار دینار سالیانہ تک تھی جو یزید ابن ابی سفیان امیر شام پاتے تھے *

حضرت عمر رضي الله تعالى عنه کے زمانہ کے سے لایق اور نیک اور کارگذار عہدہ دار پھر دوسری خلافت میں نہیں ہوئے *

آٹھواں اصول امور مملکت کے انتظام کی نظر سے قوانین اور ضوابط جدید کا جاری کرنا اور وقتاً فوقتاً موقع اور مصلحت وقت دیکھکر اُس کی اصلاح و ترمیم کرنا بشرطیکہ کوئی نص صریح اُس کی حرمت پر کتاب و سنت کی موجود نہو ہم جب حضرت عمر رضي الله عنه

کے عہد خلافت کو غور کرتے ہیں تو اُس کو ہزاروں عمدہ قواعد اور مفید ضوابط سے بھرا ہوا پاتے ہیں در حقیقت اُن کي راے نہایت عمدہ اور اُن کے کام نہایت عجیب و غریب ہوتے تھے جو کچھہ اُنہوں نے سلطنت کے قاعدے اور ضابطے مقرر کیئے اُنکو دیکھکر حیرت ہوتي ہی *

آج کل کے زمانہ میں جہاں کسي نے کوئي نئي بات کي گو اُسکو ثواب اور عذاب سے علاقہ نہو لوگ بدعت کہنے لگتے ہیں اور اُسکو حرام اور منع بتلاتے ہیں اور یہہ نہیں جانتے کہ جس بات کو شرع نے حرام کردیا ہی اُسکو چھوڑکر سب چیزیں مباح ہیں اِسلیئے کہ الاصل فی الاشیاء الاباحۃ اور یہہ نہیں سوچتے کہ اُن امور میں جو کہ متعلق سیاست مدن اور معاشرت کے ہیں ہمیشہ اختلاف زمانہ سے اختلاف ہوتا رہتا ہی اور اُنکا ترمیم کرنا اور اُنمیں اصلاح دینا ضروري ہوجاتا ہی انمیں اُسي قاعدہ کا لحاظ کرنا چاہیئے جسکا حضرت عمر رضي اللہ تعالی عنہ نے اپني خلافت میں کیا یعني مقررات منصوصہ کو چھوڑ کر اُن باتوں کو اختیار کرنے میں جو کہ اُنکے زمانہ کے مناسب حال تہیں کچھہ ذرا سا بھي تامل نہ کیا اور کسیئے اُسکو بدعت نہ کہا *

امام غزالي رحمۃاللہ علیہ نے اپني کتاب احیاء میں دیا عمدہ معني بدعت کے لکھے ہیں جنکا نقل کرنا ہم اِس موقع پر مناسب سمجھتے ہیں *

قیل اربع احدثت بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم الموائد والمناخل والاشنان والشبع و اعلم انا و ان قلنا الاکل علی السفرۃ اولی فلسنا نقول الاکل علی المائدۃ منهي عنہ نهي کراهۃ او تحریم اذ لم یثبت فیہ نهي و ما یقال انہ ابدع بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم فلیس کل ما ابدع منهیا بل المنهي بدعۃ تضاد سنۃ ثابتۃ و ترفع امرا من الشرع مع بقاء علتہ بل الابداع قد یجب في بعض الاحوال اذا تغیرت الاسباب و لیس فی المائدۃ الا رفع الطعام من الارض لتیسیر الاکل و امثال ذلک مما لا کراهۃ فیہ —

(لوگ کہتے ہیں کہ بعد پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ و سلم کے یہہ چار چیزیں جاري ہوئیں *

۱ خوان پر رکھکر کہانا کہانا ۲ میدہ اور چھنے ہوئے آٹے کي روٹي ۳ اشنان ۴ پیٹ بھر کے کہانا *

لیکن اگرچہ ہم بھي کہتے ہیں کہ کہانا سفرہ پر بہتر ہی لیکن یہہ ہمارا قول نہیں ہی کہ کہانا خوان پر حرام ہی یا مکروہ ہی اِس لیئے کہ کوئي نہي صریح اِسباب میں نہیں ہی اور جو لوگ کہ اُسکو بدعت کہتے ہیں سو یہہ غلط ہی اس لیئے کہ جو بعد حضرت کے ہوئي ہو وہ بدعت نہیں ہی نہ وہ ممنوع ہی بلکہ بدعت وہ ہی جو کہ ضد اور مخالف کسي سنت ثابتہ کے ہو اور جس سے کوئي حکم شرعي با وجود موجود ہونے اُس کي علت کے مرتفع ہووے بلکہ بعض حالتوں میں اور بعض ضرورت کے سبب سے ایسي نئي بات کا کرنا جو کہ حضرت کے وقت میں نہ تھي واجب ہوجاتا ہی اور خوان میں سوا ے اُس کے اَور کچھہ نہیں ہی کہ کہانا بنظر آساني کے زمین سے بلند کرکے اُس پر رکھا جاتا ہی اور یہہ بات اور مثل اس کے وہ چیزیں ہیں جنمیں کچھہ کراھیت شرعي نہیں ہی) *

اس سے صاف معلوم ہوتا ہی کہ وہ امور جو دینیات سے نہیں ہیں اور جن پر شارع نے عذاب اور ثواب مقرر نہیں کیا ہی وہ سب مباحات میں ہیں اُن پر اطلاق بدعت کا کرنا نادانی ہی اور اس کا ثبوت حضرت عمر رضي اللہ تعالی عنہ کے حالات سے ہوتا ہی کہ اُنہوں نے امور انتظام مملکت میں کیسي کیسي اختراعات کیں کہ اُس کو ہم بیان کرتے ہیں *

پہلا نیا کام جو حضرت عمر رضي اللہ تعالی عنہ نے کیا وہ دفتر اور کچہري کا مقرر کرنا اور لشکریوں اور ملازموں اور روزینہ والوں کا نام لکھا جانا اور ان کي تنخواہیں مقرر کرنا ہی قبل حضرت عمر رضي اللہ تعالی عنہ کے جو مال غنیمت کا آتا تہا وہ ویساہي تقسیم کردیا جاتا تہا نہ نام پانے والے کا نہ تعداد اُس مال کي لکھي جاتي تہي مگر جبکہ حضرت عمر رضي اللہ تعالی عنہ کو اس قاعدہ میں ترمیم کي حاجت معلوم ہوئي تب مشورہ کیا ولید ابن ہشام نے کہا کہ میں نے بادشاہان شام کے ہاں دیکھا ہی کہ وہ دفتر رکھتے ہیں اور اُس میں سب حساب کتاب تحریري رہتا ہی حضرت عمر رضي اللہ تعالی عنہ نے اس کو پسند کیا اور عقیل ابن ابي طالب اور مخرمۃ بن نوفل اور جبیر بن مطعم کو بطور منشي کے مقرر کیا اور سب کے نام لکھنے کا اُن کو حکم دیا اور یہہ کام حضرت عمر رضي اللہ تعالی عنہ نے سنہ ۲۰ ہجري کے محرم مہینے میں کیا *

دوسرا کام جو اُنہوں نے کیا وہ تاریخ ہجري کا جاري کرنا ہی کہ اس کے پہلے اُس کا رواج نہ تہا *

تیسرا کام ان کا خزانہ کا مقرر کرنا ہی جسکو ہماري اصطلاح شرعي میں بیت المال کہتے ہیں *

چوتھا کام اُن کا تقسیم اختیارات اور عہدوں کا ہی اس سے پہلے جو کام ہوتا تہا وہ ایک ہي شخص کرتا تہا مگر بخیال اس کے کہ اس میں چند قباحتیں نظر آئیں اس کو بدل دیا اور تین قسم کے تین عہدہ دار مقرر کیئے — ایک امیر جس کے تعلق انتظام کل امور ریاست کا ہوتا تہا اور جس کے اختیار میں فوج رہتي تہي — دوسرا قاضي جسکا کام انفصال خصومات اور تصفیہ حقوق تہا — تیسرا تحویلدار جسکي سپردگي میں خزانہ رہتا تہا اور ایک کو دوسرے کے کام سے کچھہ تعلق نہ تہا *

پانچواں کام اُن کا جو سننے والے کو متعجب کرتا ہی مقرر کرنا قواعد خراج اور محصول کا تھا *

محصول لینے کے چند طریقے رایج کئے تھے ایک جزیہ اگر وہ پرضامندی دینے والے کے تہوڑا تو اُس میں کمی بیشی ہوتی ورنہ بشرح مختلف لیا جاتا مگر چار درم ماہواری سے زیادہ نہیں *

دوسرا محصول مال تجارتی پر جسکی شرح یہ تھی ذمیوں سے پانچ روپیہ سیکڑا اور حربیوں سے دس روپیہ سیکڑا لیکن یہہ محصول سالانہ ہوتا تھا اگر وہ مال سال بہر میں چند مرتبہ آوے تو پہر کبہی اُس سے نہ لیا جاتا تھا اور اگر کوئی تحصیل کنندہ غلطی سے لیتا تو وہ واپس کردیا جاتا جیسا کہ ایک عیسائی تاجر کو پہیر دیا گیا *

تیسرا محصول زمین کا اِس محصول کے اُس وقت باقاعدہ مقرر ہونے پر لوگوں کو تعجب ہوگا کہ وہ فی جریب شرح مقرر پر بعد پیمایش اراضی کے اکثر حکہہ لیا جاتا تھا چنانچہ جب ملک عراق کا فتح ہوا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے حکم دیا کہ اُس زمین کی پیمایش کی جاے چنانچہ عثمان ابن حنیف اور حذیفہ ابن یمان اِس کام پر مقرر ہوئے بعد پیمایش کے معلوم ہوا کہ کل اراضی تین کرور ساٹھہ لاکھہ جریب ہی اُسپر موافق حیثیت پیداوار اراضی کے شرح مقرر کی گئی عامر شعبی لکھتے ہیں کہ وہ شرح یہہ تھی *

اراضی قابل زراعت پر فی جریب ...	ایک درم سالیانہ
ترکاری کی زمین پر فی جریب ...	پانچ درم سالیانہ
انگور اور چہوہارے کی زمین پر فی جریب	دس درم سالیانہ

اور یہہ صرف عراق میں جاری نہیں ہوا بلکہ شام اور دیگر جزائر میں بہی اِسی طور پر کیا گیا یعنی سب ملک مقبوضہ میں اِسکا رواج نہیں ہونے پایا محصول کے تحصیل کرنے میں نہایت آسانی کا حکم تھا اور تکلیف جسمانی دینے کی سخت ممانعت تہی چنانچہ ایک مرتبہ خود حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے وقت مراجعت سفر شام کے دیکھا کہ ایک قوم کی قوم کو تحصیل کرنے والے محصول کے ستاتے ہیں آپ نے اُنکو چہوڑا دیا اور فرمایا کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا اِرشاد ہی کہ جو لوگ دنیا میں عذاب دیتے ہیں وہ قیامت میں عذاب کیئے جاوینگے *

جو ملک فتح کیا جاتا اور مصالحہ کیا جاتا تو یہہ شرطیں عہدنامہ میں داخل ہوتیں *

اولے خراج کی تفصیل *

دوسرے جو مسلمان اُنکے ملک میں گذرے اُسکی تین † روز تک مہمانی کرنا *

تیسرے راہ بتلانا *

چوتہے دشمنوں سے سازش نہ کرنا *

پانچویں مجرم کو پناہ نہ دینا *

چھٹا کام اُنکا زمین کی آبادی میں سعی کرنا حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے عام حکم دیا تہا کہ جو زمین بنجر کو مزروعہ کرے وہ زمین اُسیکی ہو جاویگی عرض اِس حکم سے یہہ تھی کہ لوگ زراعت کرنے لگیں *

ساتواں کام اُنکا شہروں کی آبادی چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے اُس جگہہ پر جہاں اب بصرہ شہر آباد ہی بنیاد آباد کرنے کی ڈالی اور بصرہ کو آباد کیا اِس لیئے کہ یہ مقام ایسا تھا کہ جہاں جہاز اور کشتیاں عجم اور ہند کی لنگر کرتی تہیں بنظر حفاظت ملک کے دشمنوں سے اور بنظر فائدہ تجارت کے اِس شہر کو آباد کیا اور وہاں ایک فوج کی چہاونی مقرر کی *

دوسرا کوفہ بہی آباد کیا ہوا اُنکا ہی اُسکے آباد کرنے کا یہہ سبب ہی کہ جب مسلمان شہر مداین میں بہت سے ہوگئے تو وہاں کی آب و ہوا بگڑگئی اور لوگ بیمار ہوگئے تب سعد ابن وقاص کو عمدہ جگہہ تلاش کرنے پر مقرر کیا اور شہر کوفہ آباد کرایا اِس شہر میں اول کچی اینٹ کی عمارت اور پہونس کے چہپر کا حکم دیا لیکن پہر اُسمیں پختہ عمارت بنانیکی بہی اِجازت دی *

علاوہ اِن شہروں کے شام اور مصر اور چند جزائر میں شہر آباد کیئے *

آٹھواں کام اُنکا تجارت کی آزادی ہی تمام لوگوں کو بلا عذر مذہب اور دین کے تجارت کرنے کی اِجازت تہی بلکہ حربیوں کو حکم عام تھا کہ وہ مجاز ہیں کہ دارالاسلام میں آویں اور مسلمانوں سے خرید فروخت کریں منبج شہر کے حربیوں نے درخواست کی کہ ہمکو عشر لیکر آنیکی اِجازت ہو چنانچہ اُنکو اِجازت دی گئی *

یہہ امور جنکو ہمنے بیان کیا وہ بطور نمونہ کے ہیں اگر حالات تفصیلی لکہے جاویں تو ایک بڑی کتاب ہوجاوے لیکن ہم مسلمانوں کو چاہئیے کہ اسکو غور سے دیکہیں اور ان اصول اور ضوابط کے علل اور وجوہ پر نظر کریں کہ بلحاظ ضرورت اور مناسبت حال زمانہ کے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے متورع اور زاہد اور تارک دنیا نے کیسے کیسے کام کیئے بلکہ استیعاب میں لکہا ہی کہ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے معاویہ امیر شام کو جو دس ہزار دینار ماہواری پاتے تہے اور ملک شام کی حکومت اُنکے متعلق تہی دیکہا کہ نہایت شان و شوکت اُنکے لشکر میں پائی جاتی ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اُسکا سبب پوچہا امیر شام نے جواب دیا کہ میں ایسے ملک میں ہوں جہاں دشمن کے جاسوس آتے جاتے ہیں اگر اِس طرح نہ رہوں تو اُنکی آنکہوں

† معلوم نہیں کہ مسلمان اُن لوگوں کے ہاں کا یا اُنکے ساتھہ کہانا کہاتے تہے یا خشک سیدھا لیا کرتے تہے —

میں عزت نہووے آپ نے جواب دیا کہ خیر تو میں منع کرتا ہوں نہ اسکی اجازت دیتا ہوں امیر شام نے کہا کہ صاف حکم دینا چاہیئے تب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ کیا کہوں ایسا جواب تمنے دیا کہ میں بند ہو گیا گویا ایک زبردست کے پنجہ میں گرفتار ہو گیا *

ہم اگر اِن اُصول اور احکام پر غور کریں تو ہزاروں نتیجے اُس سے حاصل ہوتے ہیں تعجب ہی مسلمانوں پر کہ اپنے پیشواؤں کے حالات پر غور نہیں کرتے اور اُن سے واقفیت پیدا نہیں کرتے اور دینی اور دنیاوی ذلت میں رہنا پسند کرتے ہیں *

اگر ہم ایسی باتوں سے واقفیت حاصل کریں تو ہمکو اپنے دین و مذہب کی حقیقت معلوم ہوجاوے اور تمام عزتیں دینی اور دنیاوی ہمکو نصیب ہوسکیں لیکن افسوس ہی کہ ادبار نے ہمکو عاجز کردیا اور غفلت نے ہمکو ذلت کی حالت پر پہونچا دیا حقیقت میں ہمارے اِس ادبار کا کوئی سبب نہیں ہی مگر غفلت مگر غفلت مگر غفلت *

اینہمہ مستی و بیہوشی نہ حد بادہ بود

باحریفاں ہرچہ کرد آن نرگس مستانہ کرد

لیکن ہمکو صرف اِس کہنے پر قناعت نہ کرنی چاہیئے اُس غفلت کا علاج اور اِس ادبار سے نکلنے کی تدبیر کرنی لازم ہی تاکہ ہم خود ادبار کی حالت سے نکلیں اور اپنے بھائیوں کو زبردستی اُس سے نکالیں *

کر نیاید بخوشی موے کشانش آرید

اِس ادبار سے نکلنے کی کوئی تدبیر اِس سے بہتر نہیں ہی کہ اول ہم اِس امر کی تنقیح کریں کہ کونسے کام دنیاکی ہمکو ممانعت شرعی ہی اور کس کی اجازت اور کس قسم کی پابندی ہمارے پیشواؤں نے جائز رکھی ہی اور کس میں آزادی ہی بعدہ ہم کوئی عملی تدبیر کریں کہ اُس علم سے فائدہ اُٹھاویں *

افسوس ہی کہ بعض ہمارے دوست ہماری اِن باتوں اور اِن تدبیروں کو لغو محض جانتے ہیں بلکہ اُسکو مصلحۃ اور جنون سمجھتے ہیں اور ایسے مضمون کے لکھنے والوں اور تدبیروں کے بتانے والوں کو آرٹکلیہ کہتے ہیں اگر ہم اُنکی ان باتوں کو سنیں اور خاموش ہو جاویں تو سوائے اِسکے اور کچھہ نتیجہ نہ نکلے کہ جو تحریک ایسی تحریروں اور تقریروں سے ہوتی ہی وہ بھی نہووے پس سب کے سب ہاتھہ منھہ پر رکھے ہوئے بیٹھے رہیں اور اپنی قوم کے ادبار و ذلت کا تماشا دیکھتے رہیں اگر ہمارے دوست ہمکو غلطی پر بھولا ہوا جانتے ہیں وہی کوئی تدبیر مفید ہمکو بتاویں لیکن افسوس ہی کہ نہ وہ کچھہ کرتے ہیں نہ کچھہ کہتے ہیں نہ بتاتے ہیں بجز اِسکے کہ ہمکو مجنون اور دیوانہ اور آرٹکلیہ کہکر اپنا دل خوش کرتے ہیں اور ہمارا دل جلاتے ہیں *

اِس بات کا تو کوئی اِنکار نہیں کرتا کہ ہماری قوم روز بروز ہر بات میں تنزل کرتی جاتی ہی اور ہر لحظہ اور ہر ساعت ادبار اور جہالت میں ترقی کرتی جاتی ہی پھر بھی اُن لوگوں کی خاموشی کو جو کچھہ کرسکتے ہیں ہم کس بات پر محمول کریں اگر ہم دیوانے اور مجنون ہیں خیر ہوں لیکن اُنکی خاموشی اور سکوت کا کیا سبب ہی *

گویم کہ وقت ذبح طپیدن گناہ من

دانستہ دشنہ تیر نہ کردن گناہ کیست

خدا ہمکو اور ہمارے بھائیوں کو اِس خواب غفلت سے جگاوے اور کچھہ کرنے پر متوجہہ کرے وہوولی التوفیق و ماتوفیقی الاباللہ *

آثم — مہدی علی تحصیلدار مرزاپور

نمبر ١٢

انظرالی ماقال ولا تنظرالی من قال

جب کوئی شخص کوئی بات کہتا ہی تو اکثر لوگ خصوص فرقہ مسلمانوں میں سب سے پہلے اِسبات پر نظر کرتے ہیں کہ کہنے والا اُس بات کا کس مذہب اور کس قوم اور نسل کا آدمی ہی اور اُسکی تحقیق یا تلاش میں طبیعت کو بہت کاوش پر پہنچاتے ہیں اور فکر اُسمیں بہت بڑھاتے ہیں اگر اُس کی قوم اور نسل اور مذہب مشہور اُسکا اُنکی مرضی کے موافق ہوتا ہی لیکن جو بات بیان کی گئی ہی وہ اُن کی مرضی کے خلاف ہوتی ہی تو پوری توجہہ اس طرف صرف کرتے ہیں کہ اُس کے مذہبی اعتقاد میں کچھہ نقص نکالا جاوے اور اُس کے خیالات مذہبی پر کچھہ اعتراض کیئے جاویں اور جب کوئی عیب یا نقصان اُس پر اپنے خیالات کے موافق قایم کرلیتے ہیں گو وہ درحقیقت صحیح نہوں تو اس کی بات نہ ماننے کی عمدہ دلیل قرار دیتے ہیں *

جو لوگ ایسا کرتے ہیں حقیقت میں ایسا کرنا خود اُن کا ہی موجب عیب ہی اس وقت مجھکو کچھہ گفتگو خاص مذہبی معاملات سے اور دینی خیالات سے نہیں ہی اِنسان ذرا فکر کرنے سے دریافت کرسکتا ہی کہ بہت باتیں (اگر بہت سے کوئی اِنکار کرے تو تھوڑے سے اِنکار نہیں ہوسکتا ہی) طیور اور بہایم میں گو وہ بمقتضاے خلقت کے ہوں اور حکیم مطلق نے اُن کی وضع میں اس کو خلق کیا ہو ایسی پائی گئیں کہ جسکو اِنسان نے جو اشرف المخلوقات کہلاتا ہی سیکھا اور حاصل کیا نظیریں اس کی ادنی تامل سے بہت مل سکتی ہیں مگر میں صرف طرف ایک ہی مثال کے اشارہ کرنا کافی جانتا ہوں *

انظر الی ما قال ولا تنظر الی من قال ١٠ ذیقعدہ سنہ ١٢٨٧ ہجری

قصہ حضرت آدم علیہ السلام کے دو فرزندوں ہابیل اور قابیل کا کہ جسکا ذکر قرآن مجید میں موجود ہی جب ایک نے دوسرے کو قتل کیا تو اُس کی لاش چھپانے کے لیئے حیران تھا دیکھا اُس نے ایک غراب یعنی کوے کو کہ وہ ہڈی مٹی میں چھپاتا ہی اِنسان نے مردوں کو دفن کرنا حقیقت میں اُسی واقعہ سے سیکھا ہی *

بڑے افسوس کی بات ہی کہ اِنسان جب کوئی اچھی بات حیوان سے حاصل کرے تو اُس وقت نگاہ اُس بات کے حسن پر ہووے اور جب اِنسانوں میں سے کوئی بات کوئی شخص بھلائی کی کہے تو اُس پر فاسد خیالات کے باعث عیب لگاویں اور انواع اور اقسام سے نکتہ چینیاں کریں *

زمانہ سلف کے حالات اور تواریخ سے یہہ امر ظاہر ہی کہ جب کسی شخص نے کوئی بات جو اُس وقت کے جمہور یا اکثر کے خلاف تھی (اکثر سے مراد اُس وقت کے عقلا اور حکما سے ہی) بیان کی تو اُس کے خلاف پر کیسی ایسی کوششیں نہیں ہوئیں اور اُس کے ابطال پر کیا کیا کچھہ نہیں کیا گیا اور کس کس الفاظ سے اس کو نسبت نہیں دی گئی لیکن حقیقت میں جو کہ وہ بات بنفسہ مضبوط اور سچی ہوتی تھی تو اُسکی خود مضبوطی اور سچائی نے اسکے مخالفوں کو قائل کردیا اور وہ سب مخالف اپنے خلاف پر مستعد اور آمادہ ہوگئے ہیں *

جب کوئی بات نصیحت یا حکمت کی کہی جاتی ہی تو اُسکی ایسی مثال ہی کہ جیسے کوئی تخم بونے والا کسی زمین میں تخم بکھیرے بعض دانے اُس کے کنارہ راہ پر جا پڑیں اور بعض دانوں کو جانور چگ جائیں اور بعض دانے ایسی سخت اور پتھریلی زمین پر پڑیں کہ دانہ اوگے ہی نہیں اور اگر اوگے تو جڑ اُس کی جب پتھر پر پہنچے خشک ہوجاوے اور بعض دانے ایسی زمین پر پڑیں جہاں خار خسک بھی جمے ہوئے ہوں اور اُس دانہ کے درخت کو خراب کردیں یا اُسپر پھل نہ لانے دیں اور بعض ایسی جگہہ پڑتے ہیں جسکا درخت بارآور ہوتا ہی مثال اُس دانے کی جو کنارہ راہ پر پڑے مثال اُس شخص کی ہی کہ جو بات کان سے سن لے اور دل سے توجہہ اسپر نکرے اور مثال اُس دانے کی جسکی جڑ کو پتھر خشک کردے مثال اُس شخص کی ہی کہ جو شخص کسی بات کو سنے اور اُس کے دل کو اچھی معلوم ہو مگر اُسبات کو ضبط نکرے اور دل سے بھلا دے اور مثال اُس دانے کی کہ جسکی روئیدگی کو خار خاشاک خراب کردے مثال اُس شخص کی ہی کہ جو شخص کسی بات کو سنکر سمجھہ لے اور اُس کو ضبط بھی رکھے لیکن جب اُس پر عمل کرنے کا وقت ہو تب بسبب خیالات فاسد کے اُس بات کو باطل ٹھہراوے اور مثال اُس دانے کی جو پھل لاوے مثال اُس شخص کی ہی کہ جو کسی بات کو اچھا سمجھکر اُس کو یاد رکھے اور جب وقت آوے اُس پر عمل کرے *

پس آدمی کو لازم ہی کہ جب کوئی بات سنے تو دل سے توجہہ اُس پر کرکے اُسکو ضبط کرے اور خیالات فاسد کو دل سے دور کرے اور اُس وقت اسکے حسن وقبح پر غور کرے جب کوئی قباحت اُس میں نہ پائی جاوے تب لازم ہی کہ اسپر عمل کرے *

العبـــــد الحقیر
مرزا عابد علی عفی اللہ عنہ

نمبر ١٣

توکل

جن باتوں سے کسی قوم پر ادبار آتا ہی اور تمام عمدتیں پست اور قوتیں سست ہو جاتی ہیں اُن میں جہاں عام رسم و رواج کی پابندی اور جاہلانہ تقلید اور اپنے آپ کو ہمہ‌داں اور سب سے برتر سمجھنا اور تعصب بیجا اور اور اسی قسم کی خرابیاں شامل ہیں اُن میں ایک حضرت توکل بھی ہیں جن سے خدا پناہ میں رکھے آج کل یہ صرف مرض جسکا نام توکل ہی وہ ایک ایسی بیماری ہی جسکا مریض کبھی اچھا ہی نہیں ہوسکتا اور یہہ وہ زہریلا اژدہا ہی جسکا کاٹا پانی نہ مانگے اچھا خاصا صحیح و سالم اور تندرست انسان جسکو خدا نے اشرف المخلوقات بنایا ہی توکل کی شامت سے دن بدن ایسا زار و نحیف ہوتا چلا جاتا ہی کہ پھر اُسکی اصلاح ناممکن ہوجاتی ہی ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے ہندوستان کے مسلمان بھائی بھی اس آفت میں مبتلا ہیں *

ہندوستان میں ہزاروں مسلمان ہر شہر اور گانو میں ایسے ہیں کہ جب اُن سے مسلمانوں کی اصلاح اطوار و اوضاع میں اس غرض اور نیت سے گفتگو کی جاتی ہی کہ یہاں کے موجودہ مسلمان بھی کیوں اپنی ترقی کی طرف متوجہہ نہیں ہوتے اور کیوں ایسی کوششیں نہیں کرتے جیسے اُنکے اگلوں نے کی تھیں اور جو اب بھی اُنکے بھائی مصر اور ترکی بلاد اسلام میں کر رہے ہیں اور جو خراب رسم و رواج ہندوستان کی قدیمی قوموں کی شامت اعمال سے اُن میں مل جل گئے کیوں اُنسے کنارہ‌کش نہیں ہوتے تاکہ وہ بھی دنیا میں ایک مہذب قوم کہلاویں اور مرنے کے بعد اپنا مقدس اور پاک اور خالص مذہب اپنے ساتھہ لیجاویں اور دونوں جہان کی بھلائی حاصل کریں تو اِن

سب تقریروں کا جواب یہی ملتا ہی کہ "میاں یہہ سب کہنے کی باتیں ہیں کسی کے کیئے سے کچھہ نہیں ہوتا خدا کو اگر منظور ہی کہ مسلمانوں کی عزت ہو تو ہر حال میں اُنکی عزت ہوگی اور اگر اُسکو اُنکا ذلیل ہی کرنا منظور ہی تو لاکھہ کوئی پیروی کرے مگر کیا ہوتا ہی اپنا تو خدا پر توکل ہی" *

اس میں شک نہیں کہ جیسا اُنہوں نے خیال کیا ہی ہوگا وہی

بے رضاے تو یکی برگ نہ جنبد ز درخت

لیکن چونکہ انجام کا حال کسی کو معلوم نہیں اور یہہ بات بھی انسان پر فرض ہوگئی ہی کہ اپنے حال کی اصلاح میں جہاں تک ممکن ہو کوشش سے دریغ نکرے اسلیئے اُن متوکلوں کا یہہ گمان اس بات کے لیئے کافی حجت نہیں ہوسکتا کہ وہ اپنی اور اپنے اور بھائیوں کی اصلاح حال میں بھی کوشش نکریں اسلیئے کہ اسکا نام توکل نہیں ہی بالکل یہہ محض ایک دھوکہ ہی دھوکہ ہی مسلمانوں کے مذہب میں ایسے توکل کی کہیں اصل پائی نہیں جاتی اور نہ خدا نے مسلمانوں کو ایسے لغو توکل کی اجازت دی توکل جو مسلمانوں کے مذہب میں ہی وہ یہہ ہی کہ انسان اپنی عقل اور طاقت کے موافق اپنے کاموں کی تدبیر کرے اور یہہ یقین کرلے کہ یہہ تمام تدبیریں کارگر اُسی وقت میں ہونگی جب کہ خدا چاہیگا *

بر توکل زانوے اشتر بہ بند

انسان عالم اسباب میں پیدا کیا گیا ہی جہاں تمام کارخانہ اول سے آخر تک بالکل اسباب پر قایم ہی اور باوجود اسکے کہ خدا تعالی جس کام کو چاہے بغیر اسباب کے موجود کردیوے اُسکی عادت اس عالم میں اکثر اسی طرح جاری ہی کہ تمام کاموں کے واسطے جو اُسکو کرنے منظور ہوتے ہیں مختلف اسباب پیدا کردیتا ہی جسکی بے انتہا مثالیں ہر لحظہ اور ہر ساعت ہماری نظروں کے سامنے سے گذرتی چلی جاتی ہیں پس یہہ تمام نظام عالم ہمکو اسباب پر مائل کرتا ہی کہ اس عالم میں ہمکو بھی جو کام کرنا ہو اول ہم اُسکے اسباب درست کرنے کی فکر کریں اور پھر اُسکے نتیجے کو خدا پر منحصر کریں آدمی کے تمام قوے اور ترکیب اعضا اور حواس اور دل اور دماغ وغیرہ جس طرف خیال کیجیئے سب اسباب پر شاہد ہیں کہ بے شک وہ کچھہ آدمی کو اپنے ہر کام کا سامان خود درست کرنا چاہیئے اور ایسا نکرنے میں تمام وہ قوتیں عقلی اور جسمانی جو خدا نے انسان کو عطا فرمائی ہیں محض باطل اور لغو ہوئی جاتی ہیں جس سے خدا کی صاف ناشکری نکلتی ہی پس بلا لحاظ اسباب کے کہ کل کو خدا کیا کریگا آج ہمکو اپنے کاموں کے واسطے سامان درست کرنا چاہیئے *

دیکھو باوجود اسبات کے کہ خدا نے اپنے سچے نبی کی زبان پر اسبات کا وعدہ فرمادیا تھا کہ لوگ کیسے ہی مزاحم کیوں نہ ہوں لیکن یہہ مذہب اسلام مشارق اور مغارب میں روشن ہوکر رہیگا چنانچہ وہی آخر کار ہوا لیکن با این ہمہ رسول خدا اور صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسکے پھیلانے میں کیسی کیسی کوششیں اور عرق ریزیاں کیں اور کیسی کیسی کٹھن مصیبتیں اور تکلیفیں جھیلیں جنکا بیان نہیں ہوسکتا اور جو تمام مسلمانوں پر بخوبی روشن ہیں پھر کیا کوئی مسلمان یہہ کہہ سکتا ہی کہ اُن بزرگواروں میں توکل نہ تھا یا اُنکی یہہ کوشش توکل کے منافی تھی نہیں ہرگز نہیں پس ہماری آرزو اور خواہش اپنے ہندوستان کے مسلمان بھائیوں سے یہہ ہی کہ وہ اُس لغو توکل کو دل سے دور کردیں جسکو شیطان نے لوگوں میں اُنکی ہمتوں اور قوتیں پست کردینے کی غرض سے پھیلا دیا ہی اور سچا توکل اختیار کریں اور جو بات اُنکو اپنی دنیا اور دین کی بھلائی کی معلوم ہو اُس میں حتی الامکان جان و دل سے کوشش کریں اور تمام تو اپنی ہمتوں اور مالی و بدنی کوششوں کو اُسی طرف مصروف کریں جس سے مسلمانوں کی قوم اور اُنکے مذہب کا تمام لوگوں کی نظروں میں ایک اعتبار اور وقعت پیدا ہو جاوے اور اسلام کی سچی خوبیوں سے تمام ہندوستان منور ہو جاوے اور جس طرح اُنکے بھائی ترکی میں اور مصر میں قومی ترقی اور قومی نفع اور قومی عزت اور امتیاز حاصل کرنے میں کوشش کر رہے ہیں وہ بھی اُس سے غافل نرہیں [illegible]

و علی اللہ فلیتوکل المتوکلون ربنا آتنا فی الدنیا حسنۃ و فی الآخرۃ [illegible]

و قنا عذاب النار آمین ثم آمین الٰہی آمین

راقم

مشتاق حسین

بمقام علیگڈہ — مطبع علیگڈہ انسٹیٹیوٹ میں چھپا اور باہتمام
منشی محمد مشتاق حسین شایع ہوا

THE MOHAMMEDAN SOCIAL REFORMER

تهذيب الاخلاق

جلد اول] ۲۰ ذيقعدہ سنہ ۱۲۸۷ هجري [نمبر ۵

بسم الله الرحمن الرحيم

اطلاع

جسقدر روپيہ بابت إس پرچہ كے بطور چندہ خواہ بطور قيمت وصول هو وہ كسي خاص شخص كي ملكيت نهوگا بلكہ إس پرچہ كے ...د ترقي ميں صرف كيا جاويگا *

مسلمانوں ميں سے جو شخص ساٹهہ روپيہ سالانہ پيشگي بطور دا دے وہ اس پرچہ كے متعلق معاملات ميں ممبر متصور هوگا *

علاوہ إس كے جو شخص كچهہ روپيہ بطور ڈونيشن دے وہ بشكر ري تمام ليا جاويگا *

يهہ پرچہ هر مهينے ميں ايک بار يا دو بار يا تين بار جيسا كہ مقتضاے امين هوگا چهپا كريگا قيمت في پرچہ دو آنہ اور مع محصول . آنہ هوگي مگر خريداروں كو كم سے كم تين روپيہ قيمت اور ايكروپيہ . آنہ محصول جملہ چار روپيہ آٹهہ آنہ پيشگي بهيجني هونگے *

اگر كوئي شخص كوئي خاص پرچہ خريدنا چاهے گا اُس كو في پرچہ چار آنہ قيمت اور ايک آنہ محصول دينا هوگا *

ممبروں كو بلا قيمت يهہ پرچہ مليگا اور اُن كو اُس كے تقسيم كا بهي بلا قيمت جسكو وہ چاهيں اختيار هوگا *

إس پرچہ ميں بجز مضامين متعلق تهذيب اخلاق و حسن معاشرت كے جهاں تک كہ وہ مسلمانوں سے متعلق هيں اور كچهہ مندرج نهوگا *

مضمون نمبر ۱۴

آزادي راے

هم اپنے إس آرٹكل كو ايک بڑے لايق اور قابل زمانہ حال كے فيلسوف كي تحرير سے اخذ كرتے هيں – راے كي آزادي ايک ايسي چيز هي كہ هر ايک انسان اُسپر پورا پورا حق ركهتا هي درض كرو كہ تمام آدمي بجز ايک شخص كے كسي بات پر متفق الراے هيں مگر صرف وهي ايک شخص اُنكے برخلاف راے ركهتا هي تو اُن تمام آدميوں كو اُس ايک شخص كي راے كو غلط ٹهرانے كے ليئے اُس سے زيادہ كچهہ استحقاق نهيں هي جتنا كہ اُس ايک شخص كو اُن تمام آدميوں كي راے كے غلط ثابت كرنے كا (اگر وہ ثابت كرسكے) استحقاق حاصل هي كوئي وجهہ إسبات كي نهيں هي كہ پانچ آدميوں كو تو بمقابلہ پانچ آدميوں كي راؤں كے غلط ٹهرانے كا استحقاق هو اور ايک آدمي كو بمقابلہ نو آدميوں كے يهہ استحقاق نهو راے كي غلطي آدميوں كي تعداد كي كمي بيشي پر منحصر نهيں هي بلكہ قوت استدلال پر منحصر هي جيسيكہ يهہ بات ممكن هي كہ نو آدميوں كي راے بمقابلہ ايک شخص كے صحيح هو

آزادي راے

وجهه سے يهه بهي ممكن هى كه ايك شخص كي راے بمقابل نو كے صحيح هو *

رايوں كا بند رهنا خواه بسبب كسي مذهبي خوف كے اور خواه بسبب انديشه برادري و قوم كے اور خواه بدنامي كے ڈر سے اور يا گورنمنٹ كے ظلم سے نهايت هي بري چيز هى — اگر راے إس قسم كي كوئي چيز هوتي جسكي قدر و قيمت صرف أس راے والے كي ذات هي سے متعلق اور أسي ميں محصور هوتي تو رايوں كے بند رهنے سے ايك خاص شخص كا يا معدودے چند كا نقصان متصور هوتا مگر رايوں كے بند رهنے سے تمام انسانوں كي حق تلفي هوتي هى اور كل انسانوں كو نقصان پهونچتا هى اور نه صرف موجودة انسانوں كو بلكه أنكو بهي جو آيندة پيدا هونگے *

اگرچه رسم و رواج بهي أسكے برخلاف رايوں كے اظهار كے ليئے ايك بهت قوي مزاحم كار گنا جاتا هى ليكن مذهبي خيالات مخالف مذهب راے كے اظهار اور مشتهر هونيكے ليئے نهايت اقوے مزاحم كار هوتے هيں إس قسم كے لوگ صرف اسي پر اكتفا نهيں كرتے كه أس مخالف راے كا ظاهر هونا أنكو ناپسند هوا هى بلكه أسي كے ساتهه جوش مذهبي اومنڈ آتا هى اور عقل كو سليم نهيں ركهتا اور أس حالت ميں أنسے ايسے افعال و اقوال سرزد هوتے هيں جو أنهيں كے مذهب كو جسكے وه طرفدار هيں مضرت پهونچاتے هيں وه خود إسبات كے باعث هوتے هيں كه مخالفوں كے اعتراض لا معلوم رهيں — وه خود اسبات كے باعث هوتے هيں كه بسبب پوشيدة رهنے أن اعتراضوں كے أنهيں كے مذهب كے لوگ أنكے حل پر متوجهه نهوں اور مخالفوں كے اعتراض بلاتحقيق كيئے اور بلا دفع كيئے باقي رهجاويں — وه خود اسبات كے باعث هوتے هيں كه أنكي آيندة نسليں بسبب نا تحقيق باقي رهجانے أن اعتراضوں كے جسوقت أن اعتراضوں سے واقف هوں أسيوقت مذهب سے منحرف هوجاويں — وه خود إسبات كے باعث هوتے هيں كه وه اپني ناداني سے تمام دنيا پر گويا يهه بات ظاهر كرتے هيں كه أس مذهب كو جس كے وه پيرو هيں مخالفوں كے اعتراضوں سے نهايت هي انديشه هى اگر أنهي كے مذهب كا كوئي شخص بغرض حصول اغراض مذكورة أنكا پهيلانا چاهيئے تو خود أسكو معترض كي جگهه تصور كرتے هيں اور اپني ناداني سے دوست كو دشمن قرار ديتے هيں *

كيا عمدة راے أس فيلسوف كي هى كه " كسي راے كے حاميوں كا أس راے كے برخلاف راے كے مشتهر هونے ميں مزاحمت كرنے سے خود أن حاميوں كا به نسبت أنكے مخالفوں كے زيادة تر نقصان هى اسليئے كه اگر وه راے صحيح و درست هو تو أسكي مزاحمت سے غلطي كے بدلے صحيح بات حاصل كرنے كا موقع أنكے هاتهه سے جاتا هى اور اگر وه غلط هى تو اسبات كا موقع باقي نهيں رهتا كه غلطي اور صحت كے مقابلة سے جو صحت كو زيادة استحكام اور أسكي سچائي زيادة تر دلوں پر موثر هوتي هى اور أسكي روشني دلوں ميں بيٹهه جاتي هى أس نتيجه كو حاصل كريں جو في الحقيقت نهايت عمدة فائدة هى "*

كچهه شبهه نهيں هى كه عموماً مخالف اور موافق رايوں كا پهيلنا اور منتشر هونا خواه وه ديني معامله سے علاقه ركهتي هوں يا دنيوي معامله سے نهايت هي عمدة اور مفيد هى دونوں قسم كي رايوں پر جدا جدا غور كرنے كا موقع ملتا هى كه أن ميں سے كونسي بهتر هى يا أن دونوں كي تائيد ايسے دلايل سے هوتي هى جو جداگانه هر ايك كے مناسب هيں همكو اسبات كا كبهي يقين كامل نهيں هوسكتا كه جس راے كي مزاحمت ميں يا بند رهنے ميں هم كوشش كرتے هيں وه غلط هي هى اور اگر يقين بهي هو كه وه غلط هى تو بهي أسكي مزاحمت ليز أسكا انسداد برائي سے خالي نهيں *

فرض كرو كه جس راے كا بند كرنا هم چاهتے هيں حقيقت ميں وه راے صحيح و درست هى اور جو لوگ أسكا انسداد چاهتے هيں وه أسكي درستي اور صحت سے منكر هيں مگر غور كرنا چاهيئے كه وه لوگ يعني أس راے كے بند كرنے والے ايسے نهيں هيں جنسے غلطي اور خطا هوني ممكن نهو تو أنكو اسبات كا حق نهيں هى كه وه أس خاص معامله كو تمام انسانوں كے ليئے خود فيصل كرليں اور اور شخصوں كو اپني راے كام ميں لانے سے محروم كرديں كسي مخالف راے كي سماعت سے اس وجهه سے انكار كرنا كه همكو أسكے غلط هونے كا يقين هى گويا يهه كها هى كه همارا يقين يقين كامل كا رتبه ركهتا هى اور أسپر بحث گفتگو كي ممانعت كرنا انبيا سے بهي بڑه كر اپنا رتبه ٹهراتا هى اور اپ تئيں ايسا سمجهنا هى كه هم سے سهو و خطا كا هونا ناممكن هى *

انسانوں كي سمجهه پر بڑا افسوس هى كه جسقدر كه وه اپنے خيال و قياس ميں اپنے سے اس مشهور مقوله كي سند پر كه " الانسان مركب من الخطاء والنسيان " سهو و خطا كا هونا ممكن سمجهتے هيں أسقدر اپني رايوں اور اپني باتوں كے عمل در آمد ميں نهيں سمجهتے أنكے عملي باتوں سے أسكي قدر و منزلت نهايت هي خفيف معلوم هوتي هى گو خيالي و قياس ميں أسكي كيسي هي بڑي قدر و منزلت سمجهتے هوں — اگرچه سب اسبات كا اقرار كرتے هيں كه هم سے سهو و خطا هو ممكن هى مگر بهت هي كم آدمي ايسے هونگے جو أسكا خيال ركهيں اور از روے عمل كے بهي أسكي احتياط كرنا ضرور سمجهتے هوں اور صرف طور پر اسبات كو تسليم كرتے هوں كه جس راے كي صحت كا أنكو خوب يقين هى شايد وه أسي سهو و خطا كي مثال هو جسكا هونا اپنے سے ممكن سمجهتے هيں *

آزادی راے

آزادی راے

جو لوگ کہ دولت یا منصب اور حکومت یا علم کے سبب غیر محدود تعظیم و ادب کے عادی ہوتے ہیں وہ تمام معاملات میں اپنی رایوں کے صحیح ہونے پر یقین کامل رکھتے ہیں اور اپنے میں سہو و خطا ہونے کا احتمال بھی نہیں کرتے اور جو لوگ اُن سے کسیقدر زیادہ خوش نصیب ہیں یعنی وہ کبھی کبھی اپنی رایوں پر اعتراض اور حجت اور تکرار ہوتے ہوئے سنتے ہیں اور کچھہ کچھہ اِسبات کے عادی ہوتے ہیں کہ جب غلطی پر ہوں تو متنبہہ ہونے پر اُسکو چھوڑ دیں اور درست بات کو مان لیں اگرچہ اُن کو اپنی ہرایک راے کی درستی پر یقین کامل تو نہیں ہوتا مگر اُن رایوں کی درستی پر ضرور یقین ہوتا ہی جنکو وہ لوگ جو اُن کے گرد گرد رہتے ہیں یا ایسے لوگ جنکی بات کو وہ نہایت ادب و تعظیم کے قابل سمجھتے ہیں اُن رایوں کو تسلیم کرتے ہیں — یہہ ایک قاعدہ کلیہ ہی کہ جو شخص جسقدر اپنی ذاتی راے پر اعتماد نہیں رکھتا وہ شخص اُسیقدر اُنہا کی راے پر عموماً زیادہ تر اعتماد رکھتا ہی جسکو بعضی اصطلاحوں ان جمہور کی راے یا جمہور کا مذہب کہا جاتا ہی *

مگر یہہ بات سمجھنی چاہیئے کہ ایسے لوگوں کے نزدیک دنیا سے جمہور سے کیا مراد ہوتی ہی ہر ایسے شخص کے نزدیک دنیا سے اور جمہور سے وہ چند اشخاص محدود مراد ہوتے ہیں جنسے وہ اعتقاد رکھتا ہی یا جنسے وہ ملتا جلتا ہی مثلاً اُسکے دوستوں یا ہم رایوں کا فرقہ یا اُسکی ذات برادری کے لوگ یا اُس کے درجہ و رتبہ کے لوگ پس اُسکے نزدیک تمام دنیا اور جمہور کے معنی اُنہی میں ختم ہوجاتے ہیں اور اِس لیئے وہ شخص اس راے کو دنیا کی یا جمہور کی راے سمجھکر اُس کی درستی پر زیادہ تر یقین کرتا ہی — اِس ہیئت مجموعی راے پر جو اعتماد اور یقین اُس کو زیادہ ہوتا ہی اور ذرا بھی اُس میں لغزش نہیں آتی اُس کا سبب یہہ ہی ہوتا ہی کہ وہ اِسبات سے واقف نہیں ہوتا کہ اُس کے زمانہ سے پہلے اور زمانوں کے اور ملکوں کے اور فرقوں کے اور مذہبوں کے لوگ اُس میں کیا راے رکھتے تھے اور اب بھی اور ملکوں اور فرقوں اور مذہبوں کے لوگ کیا راے رکھتے ہیں ایسے شخص کا یہہ حال ہوتا ہی کہ وہ اِسبات کی جوابدہی کو کہ درحقیقت وہ راہ راست پر چلتا ہی اپنی فرضی دنیا یا جمہور کے ذمہ ڈالتا ہی پس جو کچھہ اُس کی راے یا اُس کا حال ہو کچھہ بھی اعتبار اور یقین کے لایق نہیں ہی اِسلیئے کہ جن وجوہات سے وہ شخص بسبب مسلمان خاندان میں پیدا ہونے کے اِسقدر بڑا مقدس مسلمان ہی اُنہی وجوہات سے اگر وہ عیسائی خاندان یا ملک یا بت پرست خاندان یا ملک میں پیدا ہوتا تو وہ پکا عیسائی یا بت پرست ہوتا وہ مطلق اِسبات کا خیال نہیں کرتا کہ جسطرح کسی خاص شخص کا خطا میں پڑنا ممکن ہی اُسیطرح اُسکی فرضی دنیا اور خیالی جمہور کی تو کیا حقیقت ہی زمانہ کے زمانہ کا اور اُس سے بھی بہت بڑی دنیا کا خطا میں پڑنا ممکن ہی تاریخ سے اور علوم موجودہ سے بخوبی ظاہر ہی کہ ہر زمانہ میں ایسی ایسی رائیں قایم ہوئیں اور مسلم قرار پائیں جو اُسکے بعد کے زمانہ میں صرف غلط ہی نہیں بلکہ سراسر لغو و مہمل سمجھی گئیں اور یقینا اِس زمانہ میں بھی بہت سی ایسی رائیں مروج ہونگی جو کسی آیندہ زمانہ میں اسیطرح مردود اور نامعقول ٹھہرینگی جیسیکہ بہت سی وہ رائیں جو اگلے زمانہ میں عام طور پر مروج تھیں اور اب مردود ہوگئی ہیں *

اِس تقریر پر یہہ اعتراض ہوسکتا ہی کہ جو لوگ مخالف راے کو غلط اور مضر سمجھکر اُسکی مزاحمت کرتے ہیں اُس سے اُن کا مطلب اِسبات کا دعوی کرنا کہ وہ غلطی سے آزاد و بری ہیں نہیں ہوتا بلکہ اُس سے اُس فرض کا ادا کرنا مقصود ہوتا ہی جو اُن پر باوصف قابل سہو و خطا ہونے کے اپنے ایمان اور اپنے یقین کے مطابق عمل کرنے کا ہی اگر لوگ اس وجہہ سے اپنی رایوں کے موافق کاربند نہوں کہ شاید وہ غلط ہوں تو کوئی شخص اپنا کوئی کام بھی نہیں کر سکتا — لوگوں کا یہہ فرض ہی کہ حتی المقدور اپنی نہایت درست رائیں قایم کریں اور بغور اُن کو قرار دیں اور جب اُنکی درستی کا بخوبی یقین ہو جاوے تو اُس کے مخالف رایوں کے بند کرنے اور مزاحمت کرنے میں کوشش کریں — آدمیوں کو اپنی استعداد و قابلیت کو نہایت عمدہ طور سے برتنا چاہیئے یقین کامل کسی امر میں نہیں ہو سکتا مگر ایسا یقین ہو سکتا ہی جو انسان کے مطالب کے لیئے کافی ہو — انسان اپنی کارروائی کے لیئے اپنی راے کو درست و صحیح سمجھہ سکتے ہیں اور اُن کو ایسا ہی سمجھنا چاہیئے اور وہ اِس سے زیادہ اَور کوئی بات اُس صورت میں اختیار نہیں کرتے جب کہ وہ خراب آدمیوں کو ممانعت کرتے ہیں کہ ایسی رایوں کے شایع کرنے سے جو اُن کے نزدیک فاسد اور مضر ہیں لوگوں کو خراب یا بد اخلاق یا بد مذہب نکریں *

مگر مخالف راے کے بند کرنے میں صرف اتنا ہی نہیں ہوتا کہ اُنہوں نے اپنے تئیں قابل سہو و خطا سمجھہ کر اپنے ایمان اور اپنے یقین کے موافق عمل کیا ہی بلکہ اُس سے بہت زیادہ کیا جاتا ہی اس بات میں کہ ایک راے کو اس وجہہ سے صحیح سمجھا جاوے کہ اُس پر اعتراض و حجت کرنے کا ہر طرح پر لوگوں کو موقع دیا گیا اور اُس کی تردید نہو سکی اور اس بات میں کہ ایک راے کو اس وجہہ سے صحیح مان لیا گیا کہ اُس کی تردید کی کسی کو اجازت نہیں ہوگی زمین اور آسمان کا فرق ہی پس مخالف رایوں کی

آزادی راے

آزادی راے

مزاحمت کرنے والے اپنی راے کو اس وجہہ سے صحیح نہیں سمجھتے کہ اُسکی تردید نہیں ہو سکی بلکہ اس لیئے صحیح ٹھہراتے ہیں کہ اُسکی تردید کی اجازت نہیں ہوئی حالانکہ جس غرض سے ہم بطور جائز اپنی راے کو عمل درآمد ہونے کے لیئے درست قرار دے سکتے ہیں وہ صرف یہی ہی کہ لوگوں کو اس بات کی کامل آزادی ہو کہ وہ اُس راے کے برخلاف کہیں اور اُس کو غلط ثابت کریں اس کے سوا اور کوئی صورت نہیں ہی کہ انسان جس کے قواے عقلی اور اَور قوی کامل نہیں ہیں اپنے آپ کو راہ راست ہونے کا یقین کر سکے اہل مذاہب جو صرف اپنے معتقد فیہ کی پیروی ہی کو راہ راست سمجھتے ہیں جب تک کہ وہ بھی اس بات پر مباحثہ اور اظہار راے کی اجازت نہ دیں کہ جس طرح پر اُن کا عمل در آمد اور چال چلن یا اعتقاد اور خیال ہی وہ صحیح طور سے اُن کے معتقد فیہ کی پیروی ہی یا نہیں اُس وقت تک وہ بھی اپنے آپ کو راہ راست پر ہونے کا یقین نہیں کر سکتے *

انسان کی پچھلی حالتوں کو موجودہ حالتوں سے مقابلہ کرنے پر معلوم ہوتا ہی کہ ہر زمانہ میں انسانوں کا یہی حال ہی کہ سو میں سے ایک ہی شخص اس قابل ہوتا ہی کہ کسی دقیق معاملہ پر راے دے اور ننانوے شخص اُس میں راے دینے کی لیاقت نہیں رکھتے مگر اُس ایک آدمی کی راے کی عمدگی بھی صرف اضافی ہوتی ہی اس لیئے کہ اگلے زمانہ کے لوگوں میں اکثر آدمی جو سمجھہ بوجھہ اور لیاقت میں مشہور تھے ایسی رائیں رکھتے تھے کہ جن کی غلطی اب بخوبی روشن ہو گئی ہی بہت سی ایسی باتیں اُنکو پسندیدہ اور اُنکے عمل در آمد تھیں جنکو اب کوئی بھی ٹھیک اور درست نہیں سمجھتا اور اِس سے ثابت ہوتا ہی کہ اِنسانوں میں ہمیشہ معقول رایوں اور پسندیدہ رایوں کو غلبہ رہتا ہی مگر اسکا سبب بجز اِنسان کی عقل و فہم کی ایک عمدہ صفت کے جو نہایت ہی پسندیدہ ہی اور کوئی نہیں اور وہ صفت یہہ ہی کہ اِنسان کی غلطیاں اصلاح کی صلاحیت رکھتی ہیں یعنی اِنسان اپنی غلطیوں کو مباحثہ اور تجربہ کے ذریعہ سے درست کرلینے کی قابلیت رکھتا ہی پس انسان کی راے کی بتمامہ قوت اور قدر و منزلت کا حصر اِس ایک بات پر ہی کہ جب وہ غلط ہو تو صحیح کی جاسکتی ہی مگر اُسپر اعتماد اُسیوقت کیا جاسکتا ہی جبکہ اُسکے صحیح کرنے کے ذریعے ہمیشہ برتاؤ میں رکھے جاویں — خیال کرنا چاہیئے کہ جس آدمی کی راے حقیقت میں اعتماد کے قابل ہی اُسکی وہ راے اِس قدر و منزلت کو کس وجہہ سے پہونچی ہی — اِسی وجہہ سے پہونچی ہی کہ اُس نے ہمیشہ اپنی طبیعت پر اِس بات کو گوارا رکھا ہی کہ اُسکی راے پر نکتہ چینیاں کی جاویں اور اُس نے اپنا طریقہ یہہ ٹھہرایا ہی کہ اپنے مخالف کی راے کو ٹھنڈے دل سے سنا اور اُسمیں جو کچھہ درست اور واجب تھا اُس سے خود مستفید ہوتا اور جو کچھہ اُسمیں غلط اور ناواجب تھا اُسکو سمجھہ لینا اور موقع پر اُس غلطی سے اَوروں کو بھی آگاہ کردینا ایسا شخص گویا اِس بات کو عملی طور پر تسلیم کرتا ہی کہ جس طریقہ سے اِنسان کسی معاملہ کے کل مدارج کو جان سکتا ہی وہ صرف یہہ ہی کہ اُسکی بابت ہر قسم کی راے کے لوگوں کی گفتگو کو سنے اور جن جن طریقوں سے عقل سمجھہ اور طریقہ اور طبیعت کے آدمی اُس معاملہ پر نظر کریں اُن سب طریقوں کو سوچے اور سمجھے کسی دانا آدمی نے اپنی دانائی بجز اِس طریقہ کے اَور کسی طرح پر حاصل نہیں کی — اِنسان کی عقل و فہم کا خاصہ یہی ہی کہ وہ اِس طور کے سوا اَور کسی طور سے مہذب اور معقول ہو ہی نہیں سکتی اور صرف اِس بات کی مستقل عادت کے سوا کہ اپنی راے کو اَوروں کی رایوں سے مقابلہ کرکے اُسکی اصلاح و تکمیل کیا کرے اور کوئی بات اُس پر اعتماد کرنے کی وجہہ متصور نہیں ہوسکتی اِس لیئے کہ اِس صورت میں اُس شخص نے لوگوں کی اُن تمام باتوں کو جو اُسکے برخلاف کہہ سکتے تھے بخوبی سنا اور تمام معترضوں کے سامنے اپنی راے کو ڈالا اور بعوض اسکے کہ مشکلاتوں اور اعتراضوں کو چھپارے خود اُسنے جستجو کی اور ہر طرف سے جو کچھہ روشنی پہونچی اُسکو بند نہیں کیا تو ایسا شخص البتہ اِس بات کے خیال کرنے کا استحقاق رکھتا ہی کہ میری راے ایسے شخص یا اشخاص سے جنھوں نے اپنی راے کو اِس طرح پر پختہ نہیں کیا بہتر و فایق ہی *

جس شخص کو اپنی راے پر کسیقدر بھروسا کرنے کی خواہش ہو یا یہہ خواہش رکھتا ہو کہ عام لوگ بھی اُسکو تسلیم کریں اُسکا طریقہ بجز اسکے اَور کچھہ نہیں ہی کہ وہ اپنی راے کو عام مباحثہ اور ہر قسم کے لوگوں کے اعتراضوں کے لیئے حاضر کرے اگر نیوٹن صاحب کی حکمت اور ہیئت اور مسئلہ ثقل پر اعتراض اور حجت کرنیکی اِجازت نہوتی تو دنیا اُسکی صحت اور صداقت پر ایسا پختہ یقین نہ کرسکتی جیسا کہ اب کرتی ہی کیا کچھہ مخالفت ہی جو لوگوں نے اُس دانا حکیم کے ساتھہ نہیں کی اور کونسی مذہبی لعن و طعن ہی جو اُس سچے اور سچی راے رکھنے والے حکیم کو نہیں دی گئی مگر غور کرنا چاہیئے کہ اُسکا نتیجہ کیا ہوا — یہہ ہوا کہ آج تمام دنیا کیا دانا اور کیا نادان کیا حکیم اور کیا متعصب اہل مذہب سب اُسیکو تسلیم کرتے ہیں اور اُسیکو سچ جانتے ہیں اور مذہبی عقائد سے بھی زیادہ اُسکی سچائی دلوں میں بیٹھی ہی بغیر ازادی راے کے کسی چیز کی سچائی جہاں تک کہ اُسکی سچائی دریافت ہونی ممکن ہی دریافت نہیں ہوسکتی

جن اعتقادوں کو ہم نہایت جایز و درست سمجھتے ہیں اُنکے جواز و درستي کي اور کوئي سند اور بنیاد بجز اِسکے نہیں ہوسکتي کہ تمام دنیا کو اختیار دیا جاوے کہ وہ اُنکو بےبنیاد ثابت کریں اگر وہ لوگ ایسا قصد نکریں یا کریں اور کامیاب نہوں تو بھي ہم اُنپر یقین کامل رکھنے کے مجاز نہیں ہیں البتہ ایسي اجازت دینے سے ہمنے ایک ایسا نہایت عمدہ ثبوت اُنکي صحت کا حاصل کیا ہی جو انسانوں کي عقل کي حالت موجودہ سے ممکن تھا کیونکہ ایسي حالت میں ہملے کسي ایسي بات سے غفلت نہیں کي جس سے صحیح صحیح بات ہم تک نہ پہونچ سکتي ہو اور اگر امر مذکورہ پر مباحثہ کي اجازت جاري رہے تو ہم اُمید کرسکتے ہیں کہ اگر کوئي بات اُس سے بہتر اور سچ اور صحیح ہی تو وہ اُسوقت ہمکو حاصل ہوجاویگي جبکہ انسانوں کي عقل و فہم اُسکے دریافت کرنے کے قابل ہوگي اور اس اثناء میں ہم اِسبات کا یقین کرسکتے ہیں کہ ہم راستي اور صداقت کے اسقدر قریب پہونچ گئے ہیں جسقدر کہ ہمارے زمانہ میں ممکن تھا غرضکہ ایک خطاوار وجود جسکو انسان کہتے ہیں اگر کسي امر کي نسبت کسیقدر یقین حاصل کرسکتا ہی تو اُسکا یہي طریقہ ہی جو بیان ہوا اور مسلماني مذہب کا جو ایک مشہور مسئلہ ہی کہ الحق یعلو ولا یعلی یہہ اُسکي ایک ادنی تفسیر ہی *

مگر ایک بہت بڑا دھوکہ ہی جو انسانوں کو اور بعضي دفعہ نیک گورنمنٹوں کو بھي ازادي راے کے بند کرنے پر مائل کرتا ہی اور وہ مسئلہ سود مندي کا ہی جسکو غلط اور جھوٹا نام مصلحت عام کا دیا گیا ہی و للہ در من قال * برعکس نہند نام زنگي کافور * اور وہ مسئلہ یہہ ہی کہ کسي راے یا مسئلہ یا عقیدہ کي سچائي اور صحت پر بحث کرنے سے اِس لیئے ممانعت کي جاتي ہی کہ گو وہ فی نفسہ کیسا ہي ہو مگر اُس سے عام لوگوں کا پابند رہنا نہایت مفید اور باعث صلاح و فلاح عام لوگوں کا ہی اور فی زماننا ہندوستان میں اور خصوصاً مسلمانوں میں یہہ راے بکثرت رائج ہی بلکہ اس گناہ کے کام کو ایک نیک کام تصور کیا جاتا ہی اِس راے کا نتیجہ یہہ ہی کہ مباحثہ اور رایوں کي ازادي کا بند کرنا اُس مسئلہ یا عقیدہ کي صحت اور سچائي پر منحصر نہیں ہی بلکہ زیادہ تر مفید عام ہونے پر منحصر ہی مگر افسوس ہی کہ ایسي راے رکھنے والے یہہ نہیں سمجھتے کہ کوئي دعواے سابق بھلي اپنے آپکو ناقابل سہو و خطا سمجھنے کا جس سے اُنہوں نے بچنے کي تھي پھر پھراکر پھر قائم ہوجاتا ہی صرف اتنا فرق ہوتا ہی کہ پہلے وہ دعوی ایک بات پر تھا اب وہي دعوی دوسري بات پر ہی یعني پہلے اُس اصل مسئلہ یا عقیدہ کے سچ ہونے پر تھا اور اب اُسکے مفید عام ہونے پر ہی حالانکہ یہہبات بھي کہ وہ مسئلہ یا عقیدہ مفید عام ہی اِسیقدر بحث و مباحثہ کا محتاج ہی جسقدر کہ وہ اصل مسئلہ یا عقیدہ محتاج ہي *

ایسي راے رکھنے والے اس غلطي پر ایک اَور دوسري غلطي یہہ کرتے ہیں جبکہ وہ یہہ کہتے ہیں کہ ہمنے صرف اُسکي اصلیت اور سچائي پر بحث کي ممانعت کي ہی اُسکے مفید عام ہونے کي بحث پر ممانعت نہیں کي اور یہہ نہیں سمجھتے کہ راے کي صداقت خود اُسکے مفید عام ہونے کا ایک جزو ہی ممکن نہیں کہ ہم کسي راے کے مفید عام ہونے پر بغیر اُسکي صحت اور سچائي ابت کیئے بحث کرسکیں اگر ہم یہہ بات جاننی چاہتے ہیں کہ ایا فلاں بات لوگوں کے حق میں مفید ہی یا نہیں تو کیا یہہ ممکن ہی کہ اِس بات پر توجہ نکریں کہ ایا وہ بات سچ اور صحیح و درست بھي ہی یا نہیں ادنی اور اعلی سب اِسبات کو قبول کرینگے کہ کوئي راے یا مسئلہ یا اعتقاد جو صداقت اور راستي کے برخلاف ہی دراصل کسیکے لیئے مفید نہیں ہوسکتا *

یہہ تمام مباحثہ جو ہمنے کیا ایسي صورت سے متعلق تھا کہ راے مروجہ اور تسلیم شدہ کو ہمنے غلط اور اُسکے برخلاف راے کو جسکا بند رکھنا لوگ چاہتے تھے صحیح و درست فرض کیا تھا اب اسکے برخلاف شق کو اختیار کرتے ہیں یعني یہہ فرض کرتے ہیں کہ راے مروجہ اور تسلیم شدہ صحیح ہی اور اُسکے برخلاف راے جسکا بند کرنا چاہتے ہیں غلط اور نادرست ہی اور اِس بات کو ثابت کرتے ہیں کہ اُس غلط راے کا بھي بند کرنا خالي برائي اور نقصان سے نہیں *

ہر ایک شخص کو گو اُسکي راے کیسي ہي زبردست اور مضبوط ہو اور وہ کیسي ہي مشکل اور ناراضمندي سے اپني راے کے غلط ہونے کے احتمال کو تسلیم کرے یہہ بات خوب یاد رکھني چاہیئے کہ اگر اُس راے پر بخوبي تمام اور نہایت بیباکي سے بے دھڑک مباحثہ نہیں ہوسکتا تو وہ ایک مردہ اور مردار راے قرار دي جاویگي نہ ایک زندہ اور سچي حقیقت اور وہ کبھي ایسي حق اور سچ بات قرار نہیں پاسکتي جسکا اثر ہمیشہ لوگوں کي طبیعتوں پ رہے *

گذشتہ اور حال کے زمانہ کي تاریخ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہی کہ بعضي دفعہ ظالم گورنمنٹوں نے بھي نہایت سچي اور صحیح بات کي رواج پر کوشش کي اِلا اُنکے ظلم نے اُسپر آزادي سے مباحثہ کي اِجازت نہیں دي اور بہت سي ایسي مثالیں بھي موجود ہیں کہ نیک اور تربیت یافتہ گورنمنٹ نے نہایت سچي اور صحیح بات کا رواج دینا چاہا اَور لوگوں نے یا تو اِس خیال سے کہ ہمارے مباحثہ اور دلایل کو اُس راے میں کچھہ مداخلت نہیں ہی یا کوئي التفات نہیں کرتا از خود مباحثہ کو نہیں اُٹھایا یا اپنے وہمي خوف سے یا اراکین

آزادي راے

گورنمنٹ کي بدمزاجي کے ڈر سے يا انکي خلاف راے کے کوئي بات کہ اپني مصلحت وقت سمجھہ کر يا يہہ خيال کرکر کہ گورنمنٹ کے يا کسي کے برخلاف بحث کرنا خيرخواهي نہيں هے مباحثہ کو ترک کرديا تو اسکا نتيجہ بجز اسکے اؤر کچھہ نہيں هوا کہ اُس تجويز نے کسي کے دلوں ميں مطلق اثر نہيں کيا اور ايک مردہ راے سے زيادہ اور کچھہ رتبہ لوگوں کے دلوں ميں نہيں پايا *

يہہ بات کہ سچي اور درست راے بے مباحثہ و دليل کے بھي طبيعتوں ميں بيٹھہ جاتي هے اور گھر کرليتي هے ايک خوش ايند مگر غلط اواز هے دنيا کو ديکھو کہ گروہ کے گروہ ايک دوسرے کي متناقض راے پر جمے هوئے هيں اور وہ متناقض رائيں اُنکے دلوں ميں گھر کيئے هوئے هيں پھر کيا وہ دونوں متناقض رائيں سچي اور صحيح هيں هاں اِسميں کچھہ شک نہيں کہ بہت سي باتيں بے سمجھے اور بغير دليل کے اور بغير مباحثہ کے لوگوں کے دلوں ميں گھر کر جاتي هيں مگر اُن کا صحيح و درست هونا ضرور نہيں سچ ميں کوئي ايسي اعجازي کرامات نہيں هے کہ وہ از خود دلوں ميں بيٹھہ جاوے اُس ميں جو کچھہ کرامات هے وہ صرف اسيقدر هے کہ مباحثہ کا اُس کو خوف نہيں — سچ راے بھي اگر بلا دليل و مباحثہ دلميں گھر کرلے تو وہ سچي راے نہيں کہلاويگي بلکہ تعصب اور جہل مرکب اُس کا مناسب نام هوگا مگر ايسا طريقہ حق اور سچ بات کے قبول کرنے کا ايک ذي عقل مخلوق کے ليئے جيسا کہ اِنسان هے شايان نہيں اور نہ يہہ طريقہ راستي و حق کے پہچاننے کا هے بلکہ جو حق بات اِسطرح پر قبول کي جاتي هے وہ ايک خيال فاسد اور باطل هے اور جو باتوں کو حق فرض کرليا هے اُن کا اتفاقيہ قبول کرلينا هے *

نہايت سچ اور بالکل سچ تو يہہ بات هے کہ جس شخص نے جو راے يا مذهب اختيار کيا هے وهي شخص اُس کا جوابدہ هے اُس راے کے موجد يا اُس مذهب کے پيشوا اور معلم اور مجتہد کچھہ اُسکے ذمہ دار نہيں هيں مگر مسلمانوں نے اس آفتاب سے بھي زيادہ روشن مسئلہ سے آنکھہ بند کرلي هے اور رومن کيتھلک يعني بت پرست عيسائيوں کا مسئلہ اختيار کيا هے رومن کيتھلک مذهب ميں اُن لوگوں کي جو اُس مذهب پر ايمان رکھتے هيں دو فرقے قرار ديئے گئے هيں ايک تو وہ جو اُمر مذهب کے مسايل کو بعد دليل و ثبوت کے قبول کرنے کے مجاز هيں اور دوسرے وہ جنکو صرف اعتماد اور بھروسہ يعني تقليد سے اُن کا قبول کرلينا چاهيئے — اسي قاعدہ کي پيروي سے مسلمانوں نے بھي اپنے مذهب ميں دو فريق قايم کيئے هيں ايک وہ جنھوں نے مسئلہ مسامحہ کو بعد ثبوت و تحقيقات اور اقامت دليل تسليم کيا هے اور اُنکا نام بہ اختلاف درجات مجتہد مطلق اور مجتہد في المذهب اور مرجع قرار ديا هے دوسرا وہ جنکو بے سمجھے بوجھے آنکھہ بند کرکر اُنکي پيروي کرني چاهيئے اور اُنکا نام مقلد اور اُس فعل کا نام تقليد قرار ديا هے اور اِس عيب سے مخالف راے کي مزاحمت مسلمانوں ميں بہت زيادہ پھيل گئي هے اور وہ اسکي نسبت ايک نہايت عمدہ مگر ابلہ فريب تقرير کرتے هيں اور وہ يہہ کہتے هيں کہ تمام اِنسانوں کو اُن تمام باتوں کا جاننا نہ ضرور هے اور نہ ممکن هے جنکو بڑے بڑے حکيم يا اهل معرفت اور عالم علوم دين جانتے اور سمجھتے هيں اور نہ يہہ هوسکتا هے کہ هرايک عام آدمي ايک ذکي اور دانشمند مخالف کي تمام غلط بحثوں کو جانے اور اُن کو غلط ثابت کرے يا ترديد کرنے اور غلط ثابت کرنے کے قابل هو بلکہ صرف اتنا سمجھہ لينا کافي هے کہ اُن کے جواب دينے کے لايق هميشہ کوئي نہ کوئي موجود هونگے جنکي بدولت مخالف کي کوئي بات بھي بلا ترديد باقي نہ رهي هوگي بس سيدھي سادھي عقل کے آدميوں کے ليئے يہي کافي هے کہ اُن باتوں کي اصليت سکھلادي جاوے اور باقي وجوهات کي بابت وہ اوروں کي سند پر بھروسا کريں اور جب کہ وہ خود اِسبات سے واقف هيں کہ هم اُن تمام مشکلات کے رفع دفع کرنے کے واسطے کافي علم اور پوري لياقت نہيں رکھتے هيں تو اِسبات کا يقين کرکر مطمئن هوسکتے هيں کہ جو جو مشکلات اور اعتراض برپا کيئے گئے هيں وہ لوگ اُن سب کا جواب دے چکے هيں يا آيندہ دينگے جو بڑے بڑے عالم هيں *

اِس تقرير کو تسليم کرنے کے بعد بھي راے کي آزادي اور مخالف راے کي مزاحمت سے جو نقصان هيں اُس ميں کچھہ نقصان نہيں لازم آتا کيونکہ اس تقرير کے بموجب بھي يہہ بات قرار پاتي هے کہ آدميوں کو اس بات کا معقول يقين هونا چاهيئے کہ تمام اعتراضوں کا جواب حسب اطمينان ديا گيا هے اور يہہ يقين جب هي هوسکتا هے جبکہ اُس پر بحث و مباحثہ کرنے کي آزادي هو اور مخالفوں کو اجازت هو کہ تمام اپني وجوهات کو جو اُس کے مخالف رکھتے هوں بيان کريں اور اُس مسئلہ کو غلط ثابت کرنے ميں کوئي کوشش باقي نہ چھوڑيں *

اگر تقليد کي گرم بازاري کا جيسيکہ آج کل هے اور آزادانہ مباحثہ کي مزاحمت و عدم موجودگي کا نقصان اور بد اثر در صورتيکہ تسليم شدہ مسئلہ يا قرار دادہ رائيں صحيح هوں اسيقدر هوتا کہ اُس مسئلہ يا اُن رايوں کي وجوهات معلوم نہيں هيں تو يہہ خيال کيا جا سکتا کہ گو وہ مزاحمت عقل و فہم کے حق ميں مضر هے مگر اخلاق کو تو اُس سے کچھہ مضرت نہيں پہونچتي اور نہ اُس مسئلہ کي يا رايوں کي اُس قدر و منزلت ميں کہ اُن سے نہايت عمدہ اثر لوگوں کي خصلتوں پر هوتا هے کچھہ نقصان هے مگر يہہ بات نہيں هے بلکہ اُس سے بہت بڑا کر نقصان هوتا هے حقيقت يہہ هے کہ مباحثہ اور آزادي راے کي عدم موجودگي ميں صرف مسئلہ يا رايوں کي وجوهات

آزادي راے

ھي کو لوگ نہیں بھول جاتے بلکہ اکثر اس مسئلہ یا راے کے معني اور مقصود کو بھي بھول جاتے ہیں چنانچہ جن لفظوں میں وہ مسئلہ یا راے بیان کي گئي ھی اُن سے کسي راے یا خیال کا قایم دل تک موثر ھو جاتا ھی یا جو جو باتیں اُن لفظوں سے ابتدا میں مراد رکھي گئیں تھیں اُن میں سے بہت تھوڑي ھي معلوم رھجاتي ھیں اور بعوض اس کے کہ اُس مسئلہ یا راے کا اعتقاد ھر دم تر و تازہ اور زندہ یعني موثر رھے اُس کے صرف چند ادھورے کلمے حافظہ کي بدولت باقي رھجاتے ھیں اور اگر اُس کي مراد اور معني بھي کچھہ باقي رھتے ھیں تو صرف اُن کا پوست ھي پوست باقي رھتا ھی اور مغز و اصلیت نابود ھو جاتي ھی اب ذرا انصاف سے مسلمانوں کو اپنا حال دیکھنا چاھیئے کہ تمام علوم معقول و منقول میں اسي مزاحمت راے یا تقلید کي بدولت اُن کا در حقیقت ایسا ھي حال ھو گیا ھی یا نہیں *

اس زمانہ تک جس قدر کہ انسان کو تمام مذھبي عقاید اور اخلاقي امور اور علمي مسائل میں تجربہ ھوا ھی اُس سے امر مذکورۂ بالا کي صحت ثابت ھوتي ھی چنانچہ ھم دیکھتے ھیں کہ جو لوگ کسي مذھب یا علم یا راے کے موجد تھے اُن کے زمانہ میں اور اُن کے خاص مریدوں یا شاگردوں کے دلوں میں تو وہ عقاید یا مسائل طرح طرح کے معنیوں اور مرادوں اور خوبیوں سے بھر پور تھے اور اُن کا اثر بے کم و کاست اُن کے دلوں میں تھا اور اُس کا سبب یہي تھا کہ اُن میں اور اُن کے مخالف راے والوں میں اس غرض سے بحث حجت رھتي تھي کہ ایک کو دوسرے کے عقیدہ اور مسئلہ پر غلبہ اور فوقیت حاصل ھو مگر جب اُس کو کامیابي ھوئي اور بہت لوگوں نے اُس کو مان لیا اور بحث اور حجت بند ھوگئي تو اُس کي ترقي بھي ٹھہر گئي اور وہ اثر جو دلوں میں تھا اُس میں بھي جان یعني حرکت اور جنبش نہیں رھي ایسي حالت میں خود اُس کے حامیوں کا یہہ حال ھوتا ھی کہ مثل سابق کے اپنے مخالفوں کے مقابلہ پر آمادہ نہیں رھتے اور جیسیکہ اُس عقیدہ یا مسئلہ کي پہلے حفاظت کرتے تھے ویسي اب نہیں کرتے بلکہ نہایت جھوٹے غرور اور بیجا استغنا سے سکوت اختیار کرتے ھیں اور حتی الامکان اُس عقیدہ اور مسئلہ کے برخلاف کوئي دلیل نہیں سنتے اور اپنے گروہ کے لوگوں کو بھي کفر کے فتووں کے ڈراوے سے اور جہنم میں جانے کي جھوٹي دھمکي دکھانے سے سننے سے اور اُسپر بحث کرنے سے جہاں تک ھو سکتا ھی باز رکھتے ھیں اور یہہ نہیں سمجھتے کہ کہیں علموں کي روشني جو آفتاب کي روشني کي طرح پھیلتي ھی اور اعتراضوں کي ھوا اگر وہ صحیح ھوں تو کیا اُنکے روکے رک سکتي ھی اور جب یہہ نوبت پہونچ جاتي ھی تو اُس عقیدہ یا مسئلہ کا جنکو انکے پیشواؤں نے نہایت محنتوں سے قایم کیا تھا زوال شروع ھوتا ھی اُسوقت تمام معلم اور مقدس لوگ جو اُس کمبخت زمانہ کے پیشوا گنے جاتے ھیں اسبات کي شکایت کرتے ھیں کہ معتقدوں کے دلوں میں اُن عقیدوں کا جنکو اُنھوں نے براے نام قبول کیا ھی کچھہ بھي اثر نہیں پاتے اور باوجودیکہ وہ ظاھر میں اُن عقیدوں اور مسئلوں کو قبول کرتے ھیں مگر اُنکا ایسا اثر کہ اُن کے معتقدوں کا چال چلن اور اخلاق اور عادت اور معاشرت بھي اُن عقیدوں اور مسئلوں کے مطابق ھو مطلق نہیں پاتے مگر افسوس اور نہایت افسوس کہ وہ معلم اور مقدس لوگ اتنا خیال نہیں فرماتے کہ یہہ حال جو ھوا ھی جسکي وہ شکایت کرتے ھیں اُنھي کي عنایت و مہرباني کا تو نتیجہ ھی اب میں صاف کہتا ھوں اور نہایت بےدھڑک کہتا ھوں کہ یہہ جو کچھہ میں نے بیان کیا اس زمانہ کے مسلمانوں کے حال کا ٹھیک ٹھیک آئینہ ھی *

اب اس حالت کے برخلاف حالت کو خیال کرو یعني جبکہ آزادي راے کي قایم رھتي ھی جسکے ساتھہ مباحثہ کا بھي قایم رھنا لازم و ملزوم ھوتا ھی اور ھر ایک حامي کسي عقیدہ یا علمي مسئلہ کا اپنے عقیدہ یا مسئلہ کي وجوہ کو قایم اور غالب رکھنے پر محنت کرتا رھتا ھی تو اُسوقت عام لوگ بھي اور سست عقیدہ والے بھي اسبات کو خوب جانتے اور سمجھتے ھیں کہ ھم کس بات پر لڑ بھڑ رھے ھیں اور ھمارے عقیدہ اور مسئلہ میں اور دوسروں کے عقیدہ اور مسئلہ میں کیا تفاوت ھی اور ایسي حالت میں ھزاروں ایسے آدمي پاے جاوینگے جنھوں نے اُس عقیدہ یا مسئلہ کے اصول کو بخوبي خیال کیا ھوگا اور ھر ڈھنگ و طریقہ سے اُسکو خوب سمجھہ بوجھہ لیا ھوگا اور اُسکے عمدہ عمدہ پہلوؤں کو بخوبي جانچ اور تول لیا ھوگا اور اُنکے اخلاق اور اُنکي عادت اور حصلت پر اُسکا ایسا پورا پورا اثر ھوگا کہ جیسا کہ ایسے شخص کي طبیعت پر ھونا ممکن ھی جس میں وہ عقیدہ یا مسئلہ بخوبي رچ بس گیا ھو ــــ مگر جبکہ وہ عقیدہ ایک موروثي اعتقاد ھو جاتا ھی اور لوگ باپ دادا یا اُستاد پیر کي رسم متبرک کے طور پر قبول کرتے ھیں تو وہ تصدیق قلبي نہیں ھوتي طبیعت اُسکو مردہ دلي سے قبول کرتي ھی اور اسلیئے طبیعت کا میلان اس عقیدہ اور مسئلہ کے بھلا دینے پر ھوتا ھی یہاں تک کہ وہ عقیدہ یا مسئلہ انسان کے باطن سے بے تعلق ھوجاتا ھی اور صرف اوپر ھي اوپر رہ جاتا ھی اور تمام اخلاق اور عادات اُسکے برخلاف ھوتے ھیں اور ایسے ایسے حالات پیش آتے ھیں جیسے کہ اِس زمانہ میں اکثر پیش ھوتے رھتے ھیں جنسے ظاھر ھوتا ھی کہ وہ عقیدہ یا مسئلہ طبیعت کے باھر باھر رھتا ھی اور بجاے اسکے کہ وہ دلمیں گھر کرے باھر ھي باھر ایسے خراب

آزادي راے

آزادي راے

اور کانٹےدار پوست کي مانند اپنا ھرا ھی جسکے سبب وہ باتیں ظہور میں نہیں آتیں جو اِنسان کے عمدہ عمدہ اوصاف دروني سے تعلق رکھتي ھیں بلکہ اُس سے اِس قسم کي لوت ظاھر ھوتي ھی جیسے کانٹےدار تھوڑ کے درخت کي باڑ سے ھوتي ھی کہ وہ نہ خود اُس گھیري ھوئي زمین کو کچھہ فائدہ دیتا ھی اور نہ اَوروں کو گل پھول لیجاکر اُسمیں لگانے دیتا ھی اور بجز اسکے کہ دل کي زمین کو ھمیشہ خالي اور ویران اور بیکار پڑا رھنے دے اور کچھہ نہیں کرتا *

جو بات بیان ھوئي اُس کي صحت ھرایک مذھب والا اپنے حال پر غور کرنے سے بخوبي جان سکتا ھی ھرایک مذھب والا اپنے مذھب میں کسي نہ کسي کتاب کو مقدس سمجھتا ھی اور بطور قانون مذھب کے تسلیم کرتا ھی مگر بااینہمہ یہہ بات کہني کچھہ مبالغہ نہیں ھی کہ شاید ھزاروں میں سے ایک اپني چال چلن کي جانچ اور اس کے برے یا بھلے ھونے کي آزمایش اُس مقدس تسلیم شدہ قانون کے بموجب کرتا ھو بلکہ جس چیز کي سند اور پابندي پر وہ کام کرتے ھیں وہ صرف اپني قوم یا فرقے یا مذھبي گروہ کا رسم و رواج ھوتا ھی لہ اور کچھہ پس حقیقت میں یہہ حال ھوتا ھی کہ ایک طرف تو وہ اخلاقي مسایل کا مجموعہ ھوتا ھی جسکي نسبت وہ اعتقاد رکھتے ھیں کہ اُن کي زندگي کے عمل درآمد کے لیئے خدانے بتایاھی یا کم سے کم کسي نہایت نیک اور دانا عاقل نا قابل سہو و خطا شخص نے بنایا ھی اور دوسري طرف اُن رسم و رواج اور متعدد رایوں کا مجموعہ ھوتا ھی جو اُس قوم یا فرقہ یا گروہ میں مروج ھوتي ھیں اور اِس پچھلے مجموعہ کي بعض باتیں اُس پہلے مجموعہ کے بالکل مطابق ھوتي ھیں اور بعض کچھہ مطابق اور بعض بالکل برخلاف اور مذھب پر اعتقاد رکھنے والے اُس پہلے مجموعہ کي زباني تصدیق تو بلا شبہہ کرتے ھیں الا اعلي اطاعت اور رفاقت اور پابندي اُس پچھلے مجموعہ کي کرتے ھیں جسپر روز مرہ اُنکا عمل ھوتا ھی اور جسکا ترک کرنا یا اُسکے برخلاف کوئي کام کرنا نہایت ننگ و عار جانتے ھیں پس یہہ بیقدري جو اُس پہلے مجموعہ کے مسایل کي ھوگئي جسکو وہ خدا کا بتایا ھوا جانتے تھے اسي بات سے ھوگئي کہ اُسکے مسایل اور اصول پر مباحثہ بند ھوگیا اور اس سبب سے انسان کے باطن سے بےتعلق ھوگیا اور بجاے زندہ عقیدہ کے صرف بطور مردہ عقیدہ کے لوگوں کے خیال میں رہ گیا *

اس تقریر پر جو بہت بڑا اور نہایت سخت اعتراض وارد ھوسکتا ھی وہ یہہ ھی کہ صحیح اور درست علم یا تجربہ حاصل کرنے کے لیئے کیا یہہ بات ضرور ھی کہ کبھي رایوں میں اتفاق نہو بلکہ ضرور ھی کہ چند آدمي غلطي پر مصر رھیں تاکہ مباحثہ قایم رھے اور اَور لوگ اُنکي بدولت حق بات حاصل کرسکیں کیا دنیا میں غلطیوں کا موجود رھنا صحیح رایوں کے حاصل کرنے کے لیئے لابد ھی جبکہ کسي عقیدہ یا عامي مسئلہ کو عموماً تسلیم کرلیا جاوے تو کیا اُسکي حقیقت بدل جاتي ھی اور اُسکي تاثیر جاتي رھتي ھی اور کیا کسي مسئلہ یا عقیدہ کا اُسوقت تک اثر نہیں ھوتا یا لوگ اُسکو بخوبي نہیں سمجھتے جب تک کہ کوئي اُسپر شبہہ نکرتا رھے جبکہ انسان کسي حق بات کو بالاتفاق قبول کرلیتے ھیں تو کیا اُسکي حقانیت معدوم ھوجاتي ھی ابتک یہہ خیال کیا گیا ھی کہ علم اور عقل کي ترقي کا عمدہ مقصد اور اعلی نتیجہ یہہ ھی کہ تمام انسان اچھي اچھي اور عمدہ عمدہ باتوں میں متفق‌الراے ھوویں اور وہ اتفاق راے روز بروز زیادہ بڑھتا جاوے پھر کیا علم اور عقل اُسوقت تک باقي رھتي ھی جب تک کہ اُسکا مقصد اور اُسکا نتیجہ حاصل نہو یہہ تو سنا گیا تھا کہ ھر بات کا کمال اُسکے مقصد اور نتیجہ کا حاصل ھونا ھی مگر یہہ نہیں سنا تھا کہ مقصد اور نتیجہ کا حاصل ھوتا ھي اُسکا زوال ھی *

مگر میرا مقصد یہہ نہیں ھی جو اس اعتراض میں بیان ھوا میں قبول کرتا ھوں کہ بلاشبہہ جسقدر انسانوں کي ترقي اور تہذیب ھوگي اُسیقدر مختلف فیہ رائیں اور مسئلے اور عقیدے گھٹتے جاوینگے بلکہ آدمیوں کي بہبودي اور بھلائي کا اندازہ بالتخصیص اُنھي حقایق کي تعداد اور مقدار سے ھوسکتا ھی جو غیر متنازعہ فیہ یا حقایق محققہ کے مرتبہ کو پہونچ جاتي ھیں اور اُسکے استحکام کے لیئے انسانوں کي رایوں کا اجتماع اور اتفاق ضروري شرطوں میں سے ھی اور وہ اجتماع اور اتفاق جیسا کہ غلط راے پر ھونا نہایت مضر ھی ویسا ھي صحیح راے پر ھونا نہایت مفید ھی مگر جبکہ ھمکو غلط رایوں پر اجتماع اور اتفاق ھوجانے کا اندیشہ ھی تو ھمکو اُس سے بچنے کي فکر و تدبیر سے غافل رھنا نہیں چاھیئے اور وہ تدبیر یہي ھی کہ آزادي راے اور مباحثہ جاري رھے اگر اس تدبیر کے قایم رھنے کا بسبب عموماً تسلیم ھو جانے اُس مسئلہ یا عقیدہ کے موقع نرھے تو ھمکو اُسکي جگہہ کوئي اور تدبیر قایم کرني چاھیئے سقراط نے اسي تدبیر کے لیئے فرضي مباحثہ کا طریقہ ایجاد کیا تھا جسکو افلاطون نے نہایت خوبي سے اپنے سوال و جواب میں بیان کیا ھی *

مگر افسوس اور ھزار افسوس کہ اس زمانہ کے مسلمانوں نے بجاے اسکے کہ اُس تدبیر کے قایم رکھنے کا کوئي طریقہ ایجاد کریں اَن تدبیروں کو بھي ضایع کردیا جو سابق میں ایجاد ھوئي تھیں مسلمانوں میں ھر ایک علم کي تحصیل کا مدت سے یہہ حال رھگیا ھی کہ سب کے سب کیا قصہ اور کہاني کي کتابوں کو اور کیا تاریخ اور واقعات گذشتہ کے روزنامچوں کو اور کیا ٹوٹے پھوٹے اگلے زمانہ کے جغرافیہ کو اور کیا لولي لنجي انسان کے بدن کي تشریح کو اور کیا دقیانوسي بطلیموسي ھیئت

آزادي راے

اور قديم رياضي کو اور کيا انسانوں کے اجتہادي مسايل ديني کو جسکو علم فقہ کہاجاتا هي اور کيا علم حديث اور تفسير کو اس ارادہ سے مطلق نہيں پڑھتے کہ همکو اُسکي اصليت اور حقيقت معلوم هو بلکہ صرف يہہ ارادہ هوتا هي کہ جو کچھہ اُس کتاب ميں لکھا هي خواہ غلط خواہ صحيح وہ هم جان ليں اگر مباحثہ کيا جاوے تو نہ اسبات پر کہ وہ اصول جو اُس کتاب ميں لکھے هيں صحيح هيں يا غلط بلکہ اسبات پر کہ اس کتاب ميں يہي بات لکھي هي يا نہيں — اس طريقہ اور عادت نے آزادي راے کو کھوديا اور اُس سپر کو جس سے غلطي ميں پڑنے سے حفاظت تھي توڑديا اُنکے تمام علم و فضل غارت هوگئے اُنکے باپ دادا کي کمائي جس سے توقع تھي کہ اُنکي اولاد فائدہ اوٹھاويگي سب ڈوب گئي اب جو بڑے بڑے عالم اور فقيہ اور دانا رہ گئے هيں اُنکا يہہ حال هي کہ کسي چيز کي حقيقت سے کيا مسايل علمي اور کيا عقايد مذهبي ميں کچھہ بھي واقفيت نہيں رکھتے جس شخص سے کسي بات کي حقيقت پوچھو اگر وہ بڑاهي عالم هي تو بجز اِس کے کہ فلاں شخص نے يہہ لکھا هي اور کچھہ نہيں بتا سکتا تمام علوم کا مزہ اور تمام عقيدوں کا اثر دل سے جاتا رها پس آزادي راے کے قايم نرهنے کے يہہ عمدہ اثر هيں جنکو هم اپني آنکھوں سے ديکھتے هيں ٭

آزادي راے کے غير مفيد هونے کے ثبوت ميں يہہ بات اکثر پيش کي جاتي هي کہ ازادي راے سے جسکے ساتھہ مباحثہ لازم و ملزوم هي کسي راے کے حق يا سچ هونے کا فيصلہ ممکن نہيں بلکہ هر ايک فريق کو اپني اپني راے پر اور زيادہ پختگي اور اصرار هوجاتا هي ميں بھي اِسبات کا اقرار کرتا هوں اور اِسبات کو تسليم کرتا هوں کہ درحقيقت تمام رايوں کا يہہ خاصہ هي کہ وہ خاص خاص فرقوں کي رائيں هوجاتي هيں بحث و مباحثہ کي کمال ازادي سے بھي اُس کا کچھہ تدارک نہيں هوسکتا بلکہ اُس سے اور زيادتي هوتي جاتي هي اور حق کي يہہ کيفيت هوجاتي هي کہ بعوض اِس کے کہ لوگ اُسکو سمجھيں اور بوجھيں اِس وجہہ سے اُس کو نہيں سونچتے سمجھتے بلکہ بے سوچے اور سمجھے نہايت زور شور سے رد کرتے هيں کہ وہ ايسے لوگوں کا قول هي جنکو وہ اپنا مخالف جانتے هيں يا اُن سے نفرت رکھتے هيں مگر يہہ بھي خوب جان لينا چاهيئے کہ آپس ميں رايوں کے اختلاف اور مباحثہ سے اُنھي متعصب گروهوں کو جنکے باهم بحث هوتي هي چنداں فائدہ نہيں هوتا بلکہ اُسکا عمدہ اور مفيد اثر اُن لوگوں پر هوتا هي جو اُس کے ديکھنے سننے والے هيں اور جن کي طبيعتوں ميں وہ جذبہ و حرارت اور خود غرضي اور طرفداري نہيں هوتي جيسيکہ اُن مخالف فرقوں کے حاميوں ميں هوتي هي اور جبکہ رفتہ رفتہ اُن متعصبوں کي بھي حرارت کم هوجاتي هي تو جو حق بات هي وہ اُسکے صحيح هونے کا اقرار اپنے دل ميں يا اپنے خاص دوستوں ميں چپکے چپکے کرنے لگتے هيں گو کہ علانيہ کبھي اُس کا اقرار نکريں ٭

سچ بات پر سخت سے سخت نزاع کا هونا کچھہ برائي يا نقصان کي بات نہيں هي بلکہ اُس کا انسداد بہت بڑے نقصان کي بات هي جبکہ لوگ طرفين کے دلايل سننے پر مجبور هوتے هيں تو هميشہ انصاف کي اُميد هوتي هي مگر جبکہ وہ صرف يکطرفہ بات سنتے هيں تو اُس صورت ميں غلطياں سختي پکڑکر تعصب بن جاتي هيں اور سچ ميں بھي سچ کا اثر اس ليئے باقي نہيں رهتا کہ اُس ميں مبالغہ هوتے هوتے وہ خود ايک جھوٹ بنجاتا هي — انصاف کي قوت جو انسان ميں هي وہ اُسيوقت بخوبي کام ميں آتي هي کہ هر ايک معاملہ کے دونوں پہلوؤں کے حامي اور معاون تصفيہ کے وقت روبرو موجود هوں اور وہ دونوں ايسے زبردست هوں کہ اپنے دلائل اور وجوهات کي سماعت پر لوگوں کو گويا مجبور کرديں اور سواے اِسکے اور کوئي صورت حق کے حاصل کرنے کي نہيں هي ٭

راے کي ازادي پر ايک اور چيز جسکو لوگ سند کہتے هيں کبھي کبھي مزاحمت پہونچاتي هي يہہ اکثر هوتا هي کہ بحث کرنے والے اپني اپني تقرير کي تائيد ميں کسي مشهور شخص کے قول کي سند لاتے هيں حالانکہ کسي شخص کي سند پر اپني راے کو منحصر رکھنا خود ازادي راے کے برخلاف چلنا هي اگر هم کسي کے قول کو صحيح اور سچ سمجھتے هيں تو اُسکے قول کو پيش کرنا کچھہ مفيد نہيں هي بلکہ همکو وہ دليليں پيش کرني چاهيئيں جنسے اُس قول کو همنے صحيح مانا هي اگر سقراط و بقراط نے کوئي ايسي بات کہي هي جو درحقيقت صحيح نہيں هي تو وہ اُنکے کہنے سے صحيح نہيں هوجانے کي اور اگر کسي جاهل نے کوئي صحيح بات کہي هي تو وہ اِسليئے کہ جاهل نے کہي هي غلط نہيں هوجانے کي کيا عمدہ مسئلہ هي جسپر هر انسان کو عمل کرنا چاهيئے مگر افسوس کہ اُسپر نہايت کم عمل هوتا هي اور وہ مسئلہ يہہ هي ٭

فانظر الی ما قال ولا تنظر الی من قال
و للہ در من قال

مرد بايد کہ گيرد اندر گوش
ور نوشتہ است پند بر ديوار

راقـــــــــم
سيد احمد

نمبر ۱۵

خیر دایم

غالباً تمام دنیا اِسبات کو تسلیم کرتي هی کہ نیکي بلاشبہہ نیک هی اور اِسلیئے اِسبات کا ماننا بهي لازم آتا هی کہ همیشہ رهنے والي نیکي سب نیکیوں سے افضل اور اعلے نیکي هو *

انسانوں میں نیک وهي هوگا جسنے بہت سي نیکیاں کي هونگي مگر سب سے زیادہ نیک وهي هوگا جس نے ایسي نیکیاں کي هوں جو سب نیکیوں سے افضل اور اعلے هوں *

مسلمانوں کے عقائد کے مطابق انبیاء علیهم‌الصلوٰة والسلام نیک ترین بندگان خدا هیں اور اِس لیئے ضرور هی کہ وہ ایسي نیکیوں کے منبع یا مخزن هوں جو تمام نیکیوں سے اعلی اور افضل هوں ورنہ ترجیح بلا مرجح هوگي اِس لیئے هر ایک انسان کو ایسي نیکي کي جو همیشہ رهنے والي هی تلاش اور تجسس لازم هی *

بعضوں نے پل اور مسجد چاہ و مہماں سراے چند روزہ رهنے والي چیزوں کو خیر دایم سمجها اور بہت بڑي غلطي کي کیونکہ یہہ تمام چیزیں ادنی حوادث سے فنا اور معدوم هونے والي هیں اب کہاں هی وہ چاہ یوسف اور کہاں هی وہ مسجد اقصی سب معدوم هوگئیں اور اسیطرح هزاروں بنینگي اور معدوم هونگي *

نہایت فہمیدہ اور دقیقہ رس لوگوں نے خیر و خیرات زهد و تقوی اور عبادت کو خیر دایم خیال کیا مگر اِسکي صحت بهي مشتبہہ هی تمام اعمال حسنہ آنکهہ موندي اور منقطع هوئے جبکہ اِنسان موت کي خواب راحت میں استراحت فرماتا هی تو تمام اعمال حسنہ کا انقطاع هوجاتا هی زاهد کي تسبیح هر ہر دانہ اشک بنکر روتي هی کہ وہ کیا هوا جو مجهکو شمار وظائف سے زندہ رکهتا تها مصلی محراب مسجد میں چپ پڑا هاے هاے کرتا هی کہ وہ کہاں هی جو اپني پیشاني سے سجدہ میں جان تازہ بخشتا تها منبر فراق واعظ سے دل شکستہ هی کہ میرا واعظ کہاں هی ملائکہ مقربین جو اُسکے ذکر و شغل کي مجلس کي خیر و برکت لینے کو آتے تهے اُسکي تلاش میں سرگرداں هیں اور یہہ یکمشت خاک هزاروں من مٹي کے نیچے دبے پڑے هیں نہ اپني کچهہ کہتے هیں اور نہ کسیکي سنتے هیں صرف زبان حال اُن میں باقي هی سو وہ یہہ کہتي هی کہ جو هونا تها سو هولیا اور جو کرنا تها سو کرلیا *

غرضکہ هر ایک قسم کي نیکي کو جب خیال کروگے تو وہ اُسي شخص کي ذات پر منحصر هوگي اور اُسکي فنا کے ساتهہ هي منقطع هوگي اِس لیئے زهد و تقوی عبادت و سخاوت خیر دایم نہیں هوسکتي *

اگر غور سے دیکها جاوے اور ٹهیک ٹهیک سمجها جاوے تو بجز رفاہ عام اور انسان کي بهلائي چاهنے کے اور کوئي نیکي خیر دایم نہیں هی انسان کي بهلائي نہ نیکي کرنے والے کي موت سے ختم هوتي هی اور نہ اُس زمانہ کے انسانوں کے فنا هونے سے فنا هوتي هی بلکہ نسل درنسل اور پشت درپشت آیندہ انسانوں میں چلي آتي هی اور قیام دنیا تک دایم رهتي هی اور اِس لیئے صرف وهي ایک نیکي هی جسکو خیر دایم کہہ سکتے هیں *

یہي نکتہ تها جسکے سبب خدا تعالی نے انسان کي بهلائي چاهنے کي خدمت انبیاء علیهم‌الصلوٰة والسلام کو دي تاکہ برترین بندگان خدا نیک ترین نیکیوں کے منبع اور مخزن هوں اور خیر دایم اُن سے باقي رهے پس انسان کي بهلائي میں سعي کرنا انبیا کا ورثہ لینا هی اور تمام نیکیوں میں سے افضل اور اعلی نیکي کا اختیار کرنا پس نفع عام کے کاموں کو عبادات دیني میں سے نہ سمجهنا اور صرف نوافل اور مندوبات اور تسبیح اور تہلیل هي کو عبادت سمجهنا بہت بڑي غلطي هی *

یہہ خیر دایم جسکا میں نے ابهي ذکر کیا اور بهي زیادہ نیک تر اُسوقت هوجاتي هی جبکہ اُسکي ضرورت هو اور میں سمجهتا هوں کہ موجودہ زمانہ میں اور بالتخصیص مسلمانوں کے لیئے اِسکي بہت ضرورت هی اور اِس لیئے میري خواهش مسلمانوں سے یہہ هی کہ وہ صرف تسبیح و تہلیل و زهد و تقوے هي پر تکیہ نفرماویں اور صرف اداے زکوٰة و قضاے دیون هي پر اقتصار نکریں بلکہ تهوڑاسا رقعہ اور دو چار درم رفاہ و فلاح حال مسلمانان کے لیئے بهي نکالیں اور خیر دایم کي نیکي کو بهي حاصل کریں کہ صرف یہي ایک نیکي هی جو همیشہ رهیگي *

والسلام
سید احمد

نمبر ۱۶

آپ کام مہا کام

اپنے کرنے کے کام کو گورنمنٹ پر ڈالنا خوب نہیں

بلاشبہہ هر ایک منصف گورنمنٹ کا یہہ فرض هی کہ اپني رعایا کے کاموں میں جہاں تک اُس سے ممکن هو مدد کرے لیکن یہہ ناممکن هی نہ رعایا خود اپني بهلائي کے کاموں میں مطابق کوشش نہ کرے اور

آپ کام مہاکام

شریک نہو اور وہ تمام ذمہداری گورنمنٹ کے ذمہ رہے اور گورنمنٹ اُسکا سرانجام کرسکے یہہ بات کچھہ ہندوستان ہي کي گورنمنٹ پر منحصر نہیں بلکہ تمام دنیا کي گورنمنٹوں کا یہي حال ہی اور در حقیقت خداوند تعالی نے گورنمنٹ اور رعایا کو دنیا کے قدرتي اِنتظام کے پرداز کے واسطے مثل دو ہاتھوں کے بنایا ہی جس ملک کي رعایا ہر طرح پر شایستہ اور تربیت یافتہ اور اپني عادل گورنمنٹ کي خیر خواہ ہی جو صرف اپني ہي خیر خواہي اور اپني ہي آزادي اور آرام کي حفاظت ہی اُس ملک کي رعایا کي نسبت اِنصاف سے یہہ کہا جاسکتا ہی کہ وہ ملکي اِنتظام کا داہنا ہاتھہ ہی اور جہاں یہہ بات نہیں ہی اور رعایا کو وہ لیاقت حاصل نہیں وہاں جسقدر ترجیح گورنمنٹ کو دیجاوے وہ سب بجا اور حق بجانب ہی چنانچہ ہندوستان کا حال بھي آج کل ایسا ہي ہورہا ہی اور یہاں لوگوں کي طبیعتیں اسقدر پست اور ہمتیں اِسقدر سست ہورہي ہیں کہ خود اپني بھلائي کے کاموں میں نہایت کم شریک ہوتے ہیں اور ہر قسم کے کام کا دار و مدار بالکل گورنمنٹ پر ہی تعلیم کاسا نازک معاملہ اور اہم مقدمہ لوگوں نے بالکل گورنمنٹ پر منحصر کر رکھا ہی لکھنا سکھاوے تو گورنمنٹ سکھاوے پڑھنا سکھاوے تو گورنمنٹ سکھاوے شفاخانے گورنمنٹ قایم کرے زراعت کي ترقي کے وسیلوں کو صرف یہي نہیں کہ گورنمنٹ موجود اور مہیا ہي کردے بلکہ یہہ امید کي جاتي ہی کہ گورنمنٹ اپنے آدمیوں کي معرفت ہي ہل بھي چلواوے تخم ریزي بھي وہي کراوے آبپاشي بھي وہي کرے غلہ کو بھي گورنمنٹ ہي کاٹے وہي صاف کرے یہاں تک کہ وہي پیسے اور پکاوے اور نوالہ بنا بناکر مونہہ میں دیتي جاوے یہي حال علیٰہذاالقیاس اور دستکاریوں اور ہنر و فنون کا ہو رہا ہی اگر کسي کو یہہ ولولہ ہوتا ہی کہ اس ملک کے باشندے بھي اور ملکوں کي سي دستکاریاں سیکھیں تو ساتھہ ہي دل میں یہہ خواہش اور گورنمنٹ کي طرف سے ذہن میں یہہ شکایت پیدا ہوتي ہی کہ گورنمنٹ ہماري تعلیم کے لیئے ایسے مدرسے اور کارخانے کیوں قایم نہیں کرتي جن میں اس قسم کي تعلیم ہو ــــ چھاپہخانوں کي ترقي اور انکا استحکام اب اسي پر رہ گیا ہی کہ گورنمنٹ ہي کتابیں خرید کرے اور گورنمنٹ ہي ... مول لے غرض کہ ہندوستان میں ہمہ اوست و ہمہ ازوست کا ... لوگوں نے ٹھیک ٹھیک اور بلا تشبیہہ گورنمنٹ کو قرار دے رکھا ... اور گو ہم بشکر گذاري تمام تسلیم کرتے ہیں کہ گورنمنٹ نے جہاں ... ممکن ہوا ان کاموں کو مدد دي ہی اور حتی‌الامکان اپنے فرض کو ... کیا ہی لیکن پھر آخر کہانتک گورنمنٹ کي آمدني محدود ہی اسلیئے ... بہ مجبوري اُسي قدر ذمہداري کرسکتي ہی جہاں تک اُس سے ممکن ہی نہ اُس سے زیادہ *

اِس بات کو بخوبي سمجھہ لینے کے واسطے کیسي عمدہ ایک مثال حال ہي کے زمانہ کي موجود ہی کہ ایک سال گورنمنٹ نے یہہ سمجھکر کہ اہل ہند کا انگلستان میں جانا اور تعلیم پانا نہایت عمدہ بات ہی اور اہل ہند کے لیئے جو خود اپني بھلائي کے کاموں سے بیخبر ہیں نہایت نافع ہی پچاس ہزار روپیہ سالانہ اِس غرض سے منظور کیا کہ اُس صرف سے نو آدمي ہرسال مختلف علاقہ ہاے ہندوستان سے انگلستان کو تعلیم کے لیئے جاویں چنانچہ ایسا ہي ہوا اور جو عمدہ نتیجہ اُس سے ظاہر ہوا وہ ظاہر ہی اور کاش اگر چند برس بھي یہہ قاعدہ اور جاري رہتا تو ہر ادنے اور اعلی اُس کے فائدوں کي قدر کو بخوبي پہچاننے لگتا لیکن گورنمنٹ اپنے مقدور سے زیادہ کام نہیں کرسکتي آیندہ برس میں اُسکي آمدني نے اس خرچ کے لئے کفایت نہ کي اور لاچار اس نے چند روز کے لیئے یہہ قاعدہ توڑ دیا *

علاوہ اُس کے یہہ بھي دیکھنا چاہیئے کہ گو گورنمنٹ نے ہرطرح رعایا کي بہبودي کے کاموں کے قایم کرنے میں کوشش کي لیکن چونکہ رعایا اُسمیں خاطر خواہ شریک نہیں ہوئي اسلیئے یہہ کہنا کچھہ نامناسب نہوگا کہ گورنمنٹ کو ان کاموں میں جیسي چاہیئے تھي ویسي کامیابي حاصل نہیں ہوئي گورنمنٹ نے مدرسے بنایے شفاخانہ قائم کیئے ٹیکہ کا محکمہ گورنمنٹ نے قایم کیا لیکن لوگوں کي کوشش اور رعایا کي مدد اُس کي طرف کافي نہوئي علیٰہذاالقیاس اُنہیں باتوں پر اور باتوں کو قیاس کرلینا چاہیئے شاید یہہ کہا جاسکتا ہی کہ ان کاموں کا کامل طور پر نافع نہونا رعایا کي نا فہمي اور تعصب اور جہالت وغیرہ کا سبب ہوا لیکن یہہ بھي ظاہر ہی کہ یہہ جہالت اور تعصب بھي رعایا میں اسیواسطے پیدا ہوا اور ترقي پکڑ گیا کہ ان کاموں کے شروع ہونے میں رعایا کي شرکت اور مشورت نہ تھي اور کچھہ شبہہ نہیں ہی کہ اگر رعایا ان سب کاموں میں شریک و مشورہ کار ہوتي یا خود اُن کاموں کو شروع کرتي اور اُسکا ولولہ بھي ان کاموں کي طرف لگا رہتا تو یہہ تعصب وغیرہ جو اب پیدا ہوا ہرگز نہ پیدا ہوتا پس غور کرنا چاہیئے کہ ایک کام جو نہایت عمدہ سمجھکر گورنمنٹ نے بلا شرکت رعایا کے شروع کیا اُسمیں صرف یہي ناکامیابي نہ ہوئي کہ زر کثیر صرف ہو گیا اور بڑي بڑي کوششیں بیکار ہوگئیں بلکہ اہل ہند کي تربیت کا زمانہ دراز ہاتھہ سے جاتا رہا اُن تمام واقعات سے ایک بہت اچھي نصیحت ہمارے واسطے یہہ پیدا ہوتي ہی کہ جو کام ہم کو اَوروں کي بھلائي کے واسطے شروع کرنا ہو ضرور اُسمیں اُن لوگوں کو بھي جسطرح ہوسکے شریک کر لینا چاہیئے جن کے نفع کے واسطے وہ کام شروع کیا جاوے *

اس مقام پر ہمارا یہہ مقصد نہیں ہی کہ ہم اس نا کامیابی کے الزام کو گورنمنٹ کی طرف منسوب کریں بلکہ ہماری فرض اپنے اہل وطن سے یہہ ہی کہ اگر وہ خود اپنی فلاح کے کاموں میں توجہہ نکرینگے اور سارا دار و مدار اپنا گورنمنٹ ہی پر رکھیں گے اور گو گورنمنٹ نہایت نیک نیتی سے حتی‌الامکان اُن کی بھلائی میں کوشش بھی کرے لیکن اُنکی پوری بھلائی اُسکے ذریعہ سے نا ممکن ہوگی *

جب ہم یہہ بات اوپر ثابت کرچکے کہ ہر گورنمنٹ اُسی قدر توجہہ کی متحمل ہوسکتی ہی جس قدر بوجھہ اُٹھانے کی اُس میں طاقت ہی تو یہہ بات بھی ضرور ہی کہ جب نئے نئے بوجھہ جس میں کا بہت سا حصہ خود رعایا کو اپنے اوپر اُٹھانا چاہیئے تھا صرف گورنمنٹ پر ڈالے جاوینگے تو بلا شبہہ گورنمنٹ کو بھی اُسی قدر اپنی طاقت بڑھانے کی فکر ہوگی مثلاً اگر اپنی تعلیم کا بندوبست ہندوستان کی رعایا خود آپ نہ کرتی تو گورنمنٹ ہرگز اُن سے تعلیم کا چندہ طلب نہ کرتی گورنمنٹ کوئی سونے کی کان نہیں ہی کہ جتنا سونا اُس میں سے چاہو کھود لو اور اُس میں کمی ہی واقع نہو وہاں تو کئی ہوئی پوتیاں اور نپا شوربا ہی روز کا کنواں کھودنا اور روز کا پانی پینا ایک سال کی آمدنی دوسرے سال کے لیئے بھی پس انداز نہیں ہوتی بلکہ جس قدر آمدنی میں کمی رہ جاتی ہی وہ کسی نہ کسی سبیل سے رعایا ہی سے وصول کی جاتی ہی اور انہیں تلوں میں سے تیل نکالا جاتا ہی ایک نہایت مدبر کا قول ہی کہ اگر شاہی خزانہ پر کچھہ خرچ ڈالنا چاہتے ہو تو پہلے تم اُس روپیہ کو خزانہ میں رکھلو پس اِن حالات کے لحاظ سے بھی یہہ کون خوبی کی بات ہی کہ جو کام خود ہمارے کرنے کے ہیں اُن کو ہم خود نہ کریں اور گورنمنٹ سے اُس کے انجام دینے کی درخواست کریں روپیہ کا روپیہ اپناہی صرف ہو اور تربیت یافتہ قوموں کے نزدیک نالایق ٹھہریں یکے نقصان مایہ و دیگرے شماتت ہمسایہ اور قطع نظر اس کے جب کوئی ایسا کام گورنمنٹ کی معرفت انجام ہوتا جو ہمکو خود کرنا تھا تو ضرور ہمارے اختیارات اُس میں کم ہو جاوینگے اور اس وقت ہم کو اَور ایک قسم کی مشکل پیدا ہوگی غرض جس پہلو پر دیکھئے ہمیشہ ہمکو اپنے کرنے کے کام اَوروں پر ڈالنے سے سوائے ناکامیابی اور رنج اور رسوائی کے کوئی اَور نتیجہ پیدا نہ ہوگا اور اس میں بھی شبہہ نہیں کہ جس کام کو ہم خود کرسکتے ہیں اور خود ہم کو کرنا چاہیئے اُس کو دوسروں پر ڈالتے رہنے سے ہماری ہمتیں بھی پست اور سست ہوتی جاتی ہیں اور مہذب قوموں کے نزدیک ہم اپنے ایسے ہی اعمال سے دن بدن ذلیل ہوتے جاتے ہیں *

دیکھو جب ہم بازاروں میں یا عام گذرگاہوں اور سڑکوں پر گنوتے ہیں اور موٹے مستنڈے فقیر ہمکو لپٹتے ہیں تو ہمکو اُن کی یہہ نالایق حرکت کیسی بری معلوم ہوتی ہی اور ہم اُن کو کس حقارت سے دیکھتے ہیں یہی حال اپنی گورنمنٹ اور اُس کے مہذب عہدہ‌داروں اور تربیت یافتہ قوموں کے نزدیک ہمارا سمجھنا چاہیئے کہ باوجود خود ہر قسم کی مقدرت رکھنے کے پھر ہر کام کا مدار گورنمنٹ ہی پر رکھتے ہیں *

بلاشبہہ ہندوستان میں روز بروز اب لوگوں میں آپس کے اتفاق سے کام کرنے کا ولولہ پیدا ہوتا جاتا ہی اور اس آخر قرن میں جو موجودہ زمانہ پر منتہی ہوتا ہی بہ نسبت اس صدی کے اَور پچھلے قرنوں کے اس ولولہ کو بہت ترقی ہوئی ہی جا بجا سوسئیٹیاں اور انجمنیں قایم ہوتی جاتی ہیں لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ یہہ تمام کام جس ولولہ سے شروع ہوتے ہیں اُس ولولہ کے ساتھہ اکثر غلطیوں میں مبتلا ہو جانے کے سبب سے انجام کو نہیں پہونچتے اور وہ غلطیاں اگرچہ اُن میں ایک یا دو قسم کی ہوتی ہیں لیکن اُن کے سبب سے رفتہ رفتہ اور دن بدن بہت سی غلطیاں پیدا ہو جاتی ہیں *

وہ غلطی جو اکثر ان کاموں میں اول ہی اول واقع ہوتی ہی یہہ ہی کہ جو لوگ اُس کام میں شریک ہوتے ہیں وہ اُس کام کے بڑوں کی رعایت و مروت یا دنیا کی شرم و حیا سے شریک ہو جاتے ہیں اپنے خاص شوق سے شریک نہیں ہوتے اور اسی لیئے چند عرصہ کے بعد لوگوں کو اُس کام میں مدد کرنا وبال جان معلوم ہونے لگتا ہی روپیہ کے وصول میں دقت پیش آتی ہی لوگ توجہہ کم کرنے لگتے ہیں کام سست ہوجاتا ہی اور اُس کام کے بانیوں کی ہمتیں بمجبوری پست ہوجاتی ہیں لیکن بجاے اِسکے کہ استقلال کے ساتھہ کوئی اور تدبیر معقول اُسکے استحکام کی عمل میں لائی جاوے ایک اور غلطی اُسکے سبب سے پیدا ہوجاتی ہی جسکے سبب سے اِس توجہہ کار روائی میں اُس کام کی بانیوں کی طبیعت گورنمنٹ کی طرف مائل ہوتی ہی اور جس غیرت اور حمیت کے ساتھہ وہ کام بلا استعانت گورنمنٹ شروع کیا گیا تھا وہ سب بالاے طاق دھرے رہ جاتی ہی اور تیسرے فاقہ پر مردار بھی حلال سمجھکر بمجبوری گورنمنٹ کے آگے بےتکلف ہاتھہ پھیلانے پڑتے ہیں اگر گورنمنٹ نے اپنی معمولی رحمدلی سے اُسوقت ایک دو قطرہ آب سے اُس نیم بسمل کام کی کچھہ مدد کی تو کوئی دن کی زندگی اور نکل آئی ورنہ انا للہ و انا الیہ راجعون — فاتحہ خیر پڑھکر اُسکے بانیوں نے بھی اُس کام سے ہاتھہ کھینچا — لیکن جو جان تازہ اُسوقت میں گورنمنٹ سے کسی کام کو عنایت ہوتی ہی ایک دائم‌المریض آدمی کی مانند محض بےحلاوت ہوتی ہی نہ اُسطرف لوگوں کی اُمنگ اور نہ اُسمیں کچھہ ترقی کی اُمید ہوتی ہی *

راقم مشتاق حسین

بمقام علیگڈہ —— مطبع علیگڈہ انسٹیٹیوٹ میں چھپا اور باہتمام
منشی محمد مشتاق حسین شایع ہوا

THE MOHAMMEDAN SOCIAL REFORMER.

تهذيب الاخلاق

جلد اول] يكم ذيحجه سنه ۱۲۸۷ هجري | نمبر ٦

بسم الله الرحمن الرحيم

اطلاع

جسقدر روپيه بابت اِس پرچه كے بطور چندة بخواه بطور قيمت وصول هو وه كسي خاص شخص كي ملكيت نهوگا بلكه اِس پرچه كے اجرا و ترقي ميں صرف كيا جاويگا *

مسلمانوں ميں سے جو شخص ساتهه روپيه سالانه پيشگي بطور چندة دے وه اس پرچه كے متعلق معاملات ميں ممبر متصور هوگا *

علاوة اِس كے جو شخص كچهه روپيه بطور ڈونيشن دے وه بشكر گذاري تمام ليا جاويگا *

يهه پرچه هر مهينے ميں ايک بار يا دو بار يا تين بار جيسا كه مقتضاے وقت ميں هوگا چهپا كريگا قيمت في پرچه دو آنه اور مع محصول تين آنه هوگي مگر خريداروں كو كم سے كم تين روپيه قيمت اور ايكروپيه آتهه آنه محصول جمله چار روپيه آتهه آنه پيشگي بهيجنے هونگے *

اگر كوئي شخص كوئي خاص پرچه خريدنا چاهے تو اُس كو في پرچه چار آنه قيمت اور ايک آنه محصول دينا هوگا *

ممبروں كو بلا قيمت يهه پرچه مليگا اور اُن كو اُس كے تقسيم كا يعني بلا قيمت جسكو وه چاهيں اختيار هوگا *

اِس پرچه ميں بجز مضامين متعلق تهذيب اخلاق و حسن معاشرت كے جهاں تک كه وه مسلمانوں سے متعلق هيں اور كچهه مندرج نهوگا *

مضمون نمبر ۱۷

ديباچه

خطابات الاحمديه على العرب والسيرة المحمديه

بسم الله الرحمن الرحيم

عجائبات دنيا ميں سب سے زيادة عجيب وه خيال هے جسكو لوگ مذهب كهتے هيں مذهب اُس امتياز كا نام هے جو انسانوں كے اعمال سے علاقه ركهتا هے اور جسكے سبب انسانوں كے اعمال اچهے يا برے يا نه اچهے نه برے خيال كيئے جاتے هيں كيونكه اگر انسان كے اعمال ميں يهه تميز نه ٹهرائي جاوے تو كسي مذهب كا وجود باقي نهيں رهتا *

تمام خيالات جو انسان ميں پيدا هوتے هيں اور تمام يقين جو انسان كسي چيز پر ركهتا هے اُسكا منشاء اُن خيالات اور يقين كے سوا كچهه اور چيزيں هوتي هيں جو اُن خيالات اور يقين كے اسباب سمجهي جاتي هيں مگر تعجب يهه هے كه وه خيال جسكو مذهب كهتے هيں بغير كسي خارجي اسباب كے اور بغير تجربه اور امتحان كے اور بغير

کفی تطاول ثبوت کے یکایک دل سے اوٹھتا ہی اور اسلیئے وہی اُسکا مقتضی سمجھا جاتا ہی اور پھر اُسپر ایسا یقین ہوتا ہی کہ کسی آنکھہ دیکھی چیز پر بھی نہیں *

اس تعجب پر اور تعجب یہہ ہی کہ اُس بن دیکھی چیز اور اَن سمجھی بات اور بےدلیل خیال کا لوگوں کی طبیعت پر ایسا سخت اثر ہوتا ہی کہ وہ اثر انسان کے تمام افعال پر اور قدرتی جذبات پر جو انسان میں خدانے پیدا کیئے ہیں غالب ہو جاتا ہی اور جو جوش اور ولولہ اُس از خود پیدا ہوئے خیال سے انسانوں کی طبیعتوں پر ہوتا ہی کسی دوسری چیز سے نہیں ہوتا گو کہ اُس دوسری چیز کے صحیح اور یقینی ہونے کے لیئے کیسی ہی عمدہ عمدہ دلیلیں اور کیسے ہی قطعی ثبوت موجود ہوں *

اگر وہ خیال تمام انسانوں میں مختلف نہوتا تو شاید یہہ کہا جاسکتا کہ تمام عالم کا اُسپر یقین رکھنا ہی اُسکی سچائی کا ثبوت ہی مگر تعجب تو یہہ ہی کہ ہر زمانہ اور ہر قوم اور ہر ملک اور ہر فرقہ بلکہ ہر فردبشر میں وہ خیال ایسا مختلف رہا ہی کہ کسی ایک پر بھی یقین کرنے کی کوئی وجہہ نہیں اور اس پر تعجب یہہ ہی کہ ہر شخص کو یہی یقین ہی کہ میرا ہی خیال اَوَر سب کے خیالوں سے بالکل صحیح اور بالکل سچا ہی' ہم دیکھتے ہیں کہ جس طرح یونانی اپنے خدا اور دیوتا پر اور مسلمان و یہودی اپنے ایک خدا پر اعتقاد اور یقین کامل رکھتے ہیں اسیطرح ہندو اور مصری اپنے تینتیس کرور دیوتاؤں پر اعتقاد اور یقین کامل رکھتے ہیں *

کیا یہہ مسئلہ کہ تمام چیزیں ایک ہی کل کے جزو یا اُسکے عین یا وہ بمنزلہ جان اور یہہ بمنزلہ جسم کے ہیں صحیح ہی کیا یہہ سب مختلف چیزیں جو ہمکو دکھائی دیتی ہیں سب ایک ہیں کیا نور و ظلمت اور کالا اور سفید دونوں یکساں ہیں جیسا کہ ایک عارف باللہ کہتا ہی

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جان شدی
تا کس نگوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

یا یہہ مسئلہ صحیح ہی کہ تمام چیزوں کا اُسی سے ظہور ہی وہی ظلمت کا باعث اور وہی نور کے ظہور کا سبب ہی وہی اسمانوں پر کڑکاتا ہی اور وہی زمینوں پر برساتا ہی وہی ستاروں کو چمکاتا ہی اور وہی پھولوں کی کلیوں کو کھلاتا ہی اُسیکا جلوہ بہشتوں کی کہاوت اور اُسیکا پردہ دوزخوں کی آتش ہی غمگین دل کا غم اور شادان دلکی شادی اُسی سے ہی وہ کسی جگہہ نہیں اور سب جگہہ ہی وہ کسی میں نہیں اور سب میں ہی عابد کے نورانی سینے اور فاسق کے بریان دل اور معشوق کی عاشق کش ابرو اور عاشق کی گریاں چشم سب میں اُسکی

یکساں جگہہ ہی جس طرح کہ وہ آسمانوں اور زمینوں میں ہی اُسی طرح وہ باریک سے باریک بال میں بھی ہی وہ سب کو دیکھتا ہی اور ہر چیز کو جانتا ہی مگر اُسکا جاننا یا علم ہم سے کچھ مشابہ نہیں ہی کیونکہ وہاں ماضی اور استقبال نہیں ہی پھر حال اُس بن دیکھی جناب اور اَن سمجھی ذات کو جو کہو سو کہو مگر اِن تمام مشکلوں پر ہمکو یہہ مسلمانی مسئلہ کہ انا عند ظن عبدی بی اَوَر ہی مشکل میں ڈالتا ہی *

ربي انت عند ظني رحيم وارحم علي

پھر ہمکو اور زیادہ تعجب اِسبات پر ہوتا ہی کہ یہہ تمام مختلف خیالات جو لوگوں کے دلوں میں ہیں اور جو مذہب کہلاتے ہیں وہ ایک ہی مخرج سے یعنی دل سے نکلے ہیں اور دلہی کے اُس عمل کا جس سے یہہ خیالات پیدا ہوتے ہیں اعتقاد نام رکھا جاتا ہی پس اگر مدار مذہب کا اعتقاد ہو تو ایک کو صحیح اور دوسرے کو غلط ٹھہرانے کی کوئی وجہہ نہیں ہوسکتی *

کیا وجہہ تمیز کی ہی اُس سچی دلی پرستش میں جو ابراہیم کے باپ نے ایک بت کی کی اور اُس سچے دلکے خیال میں جس سے ابراہیم نے اپنے باپ کے اُس بت کو توڑا *

ایک ہی واقعہ حضرت مسیح کے قتل کا ہی جو کالوری کی پہاڑی میں بیت‌المقدس کے پاس گذرا اُن بےرحم قاتلوں نے اپنی دانست میں جو کچھہ کیا مذہبی نہایت سچے اور مستحکم اعتقاد اور دلکے کہکپا دینے والے ایمانی جوش سے کیا پس اُن دو گروہوں میں سے جو نہایت سچے دل سے اُس کو نہایت ہی نیک کام سمجھتے ہیں اور جو نہایت پاک دلی سے اُسکو نہایت ہی بد کام جانتے ہیں کونسی چیز تفرقہ کرنے والی ہی *

کیا وجہہ تمیز کی ہی سینٹ پال کی اُس حالت میں جبکہ وہ دلی اعتقاد اور ایمان کے جوش سے اُن لوگوں کا ساتھی تھا جنہوں نے سینٹ اسٹیفن شہید کو سنگسار کیا اور اُس حالت میں جبکہ اُسنے اپنے سچے دلی اعتقاد سے حضرت مسیح کو مانا *

کیا چیز ہی جس سے ہم عمر کی اُس حالت میں تمیز کریں جبکہ اُس نے لات و منات پر سچا دلی اعتقاد رکھہ کر اُمّی عرب کے قتل پر کمر باندھی اور اُس حالت میں جبکہ اُس نے نہایت سچی دلی تصدیق سے کہا کہ اشہد ان محمدالرسول اللہ *

یہہ وہی عجیب خیال ہی جو دونو طرف برابر نسبت رکھتا ہی اور جسکو لوگ مذہب کہتے ہیں پس ایسی فرضی چیز کی جو ضدین میں برابر نسبت رکھتی ہو کسی جہت پر یقین کرنے کی کوئی وجہہ نہیں البتہ اِن تمام خیالوں میں سچا خیال یا تمام مذہبوں

میں سچا مذہب وہی ہوسکتا ہی جو ضدین میں برابر نسبت رکھنے کے نقص سے پاک ہو *

مذہب کیا چیز ہی ؟ وہ ایک ایسا سچا اصول ہی کہ جب تک انسان اپنے قواے جسمانی اور عقلی پر قادر ہی اُس کے تمام اعمال ارادی جوارح نفسانی و روحانی کا اُسی اصول کے مطابق ہونا چاہیئے پھر اگر وہ اصول ایسے ہیں کہ صرف کسی قسم کے اعتقاد پر مبنی ہیں تو اگر متعدد لوگوں کا متضاد اصولوں پر کسی وجہہ سے اعتقاد ہی تو ایک کو سچا یا صحیح اور دوسرے کو جھوٹا یا غلط کہنے کی بجز تحکم کے اور کوئی وجہہ نہیں سچا مذہب وہی ہوسکتا ہی جس کی سچائی نہ کسی اعتقاد پر بلکہ حقیقی سچائی پر مبنی ہو کیونکہ مذہب اعتقاد کی قوم نہیں ہی بلکہ سچائی مذہب کی اصل یعنی عین مذہب ہی اور اعتقاد اُس کی فرع ہی پس جب کہ ہم مختلف مذہبوں میں سے سچے مذہب کو پرکھنا چاہیں تو دیکھیں کہ وہ سچے اصول کے مطابق ہی یا نہیں *

سچا اصول کیا ہی ؟ کہ جہاں تک کہ انسان اپنی قواے عقلی سے جان سکتا ہی وہ بجز قدرت یا قانون قدرت کے اور کچھہ نہیں جس کی نسبت اسلام کے بانی نے یہہ فرمایا ”ما ترٰی فی خلق الرحمٰن من تفاوت فارجع البصر هل ترٰی من فطور ثم ارجع البصر کرتین ینقلب الیک البصر خاسئاً و هو حسیر *

قدرت یا قانون قدرت کیا ہی وہ وہ ہی جس کے بموجب اُن تمام چیزوں مادی یا غیر مادی کا جو ہمارے گرد ہیں ایک ترتیب سلسلہ انتظام سے وجود ہی اور ہمیشہ اُنہی کی ذات میں پایا جاتا ہی اور کبھی اُن سے جدا نہیں ہوتا قدرت نے جسطرح پر جسکا ہونا بنا دیا ہی بغیر خطا کے اُسی طرح پر ہوتا ہی اور اُسیطرح پر ہونا بس وہی سچ ہی اور جو اصول اُس کے مطابق ہیں وہی سچے اصول ہیں نہ وہ جنکی بنا ایک فانی قابل سہو و خطا وجود یعنی انسان کے اعتقاد پر منحصر ہو *

قدرت ہمکو صرف اپنے وجود اور اپنے سلسلہ انتظام اور اپنے تعلقات ہی کی جو بے انتہا مخلوق میں پایا جاتا ہی سچائی نہیں دکھلاتی بلکہ اُس سے ایسے بھی اصول پائے جاتے ہیں جس سے ہم اپنے افعال ارادی جسمانی اور روحانی کی بھلائی اور برائی بھی جان سکتے ہیں اور چونکہ قدرت سچی اور کامل ہی تو ضرور ہی کہ وہ اصول بھی سچا اور کامل ہو اور یہی سچا اور کامل اصول یا یوں کہو کہ وہ مذہب جس کے اصول اُس کے مطابق ہیں وہی سچا مذہب ہونے کے مستحق ہی *

یہہ مت سمجھو کہ ہم قدرت یا قانون قدرت ہی کو مسبب یا اخیر سبب اس تمام کارخانہ کا سمجھتے ہیں جس کا کوئی خالق نہو جیسے کہ دہریوں کا مذہب ہی نعوذباللہ منہا بلکہ قدرت کو تو ہم ایک قانون کہتے ہیں جس کا کوئی بنانے والا ہی اور اسی لیئے ہم یقین کرتے ہیں کہ یہہ تمام سلسلہ ایک ہی مسبب اور ایک ہی اخیر سبب پر ختم ہوتا ہی جس پر تمام چیزوں کی ہستی منحصر ہی اور جس کی اُن پہچان ذات کو ہزاروں لاکھوں کروروں نامونسے لوگ پکارتے ہیں اُو میرے پیارے خدا تم پردے میں تو ہو پر سب پر ظاہر ہو ایسی جھوٹ موٹ کے پردہ سے کیا فایدہ *

رشک آیدم وگرنہ نقابت کشودمے * دست ترا گرفتہ بعالم نمودمے

معاذاللہ توبہ توبہ میں نے کیا کہا کہیں کافر تو نہیں ہوگیا الہی انت عبدی و انا ربک استغفراللہ استغفراللہ انت ربی و انا عبدک پس آدمی کو چاہیئے کہ اس کارخانہ قدرت سے اُس کے بنانے والے کو اور اُس کی راہ کو یا اُس کی راہ بتانے کو تلاش کرے کہ وہی سیدھی سڑک سیدھا راستہ جانے کا ہی *

مذہب کی تمثیل میں علماء اسلام رحمۃ اللہ علیہم اجمعین نے کیسی کیسی غلطیاں کی ہیں اور کیا کیا ٹھوکریں کھائی ہیں بعضوں نے مالک اور غلام کی تمثیل دی ہی اور فرمایا ہی کہ مذہب اور شریعت کو مصالح قدرت اور اعمال کو اُس کے بدلہ یعنی جزا اور سزا سے کچھہ مناسبت نہیں اور اُس کے اوامر و نواہی میں بجز اس کے کہ مالک کا حکم بجا لانا ہی اور کچھہ فائدہ نہیں شاید اُن لوگوں کا خدا ایسا ہو جو لغو کام کرنے کو کہے میرا تو خدا ایسا نہیں وہ تو نہایت دانا اور سب سے بڑا حکیم مطلق ہی اُس کی تو کوئی بات بھی حکمت اور منفعت سے خالی نہیں *

اس راے کو تو شاہ ولی اللہ صاحب نے بھی غلط ٹھہرایا ہی چنانچہ حجۃ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں کہ ”قد یظن ان الاحکام الشرعیۃ غیر متضمنۃ لشئ من المصالح و انہ لیس بین الاعمال و بین ما جعل اللہ جزاء لہا مناسبۃ و ان مثل التکلیف بالشرایع کمثل سید اراد ان یختبر طاعۃ عبدہ فامرہ برفع حجر اولمس شجر مما لا فایدۃ فیہ غیرالاختبار فلما اطاع اوعصی جوزی بعملہ و ہذا ظن فاسد تکذبہ السنۃ و اجماع القرون المشہود لہا بالخیر *

بعض عالموں نے مالک اور بیمار غلام سے مذہب کی تمثیل دی ہی جسپر مالک نے اُس کے علاج کے لیئے اپنا مصاحب مقرر کیا ہو اور اُس مصاحب کے حکم کو ماننا باعث نجات اور نہ ماننا باعث ہلاکت ٹھہرایا ہی *

شاہ ولی اللہ صاحب بھی حجۃ اللہ البالغہ میں اسی راے کو صحیح قرار دیتے ہیں چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ ”و ظہر مصداق کونہا ان الحق

في التكليف بالشرايع ان مثلہ کمثل سید مرض عبیدہ فساط علیہم رجلا من خاصتہ ليسقیہم دواء فان اطاعوا اطاعوا السيد و رضي عنهم سيد هم و اثابہم خیرا و نجوا من المرض و ان عصوہ عصوا السيد و احاط بهم غضبہ و جازهم اسوء الجزاء و هلكوا من المرض ”*

مگر میں اس کو نہیں مانتا اور پوچھتا ہوں کہ دوا کا کرنا باعث نجات کا تھا یا مصاحب کے حکم کا ماننا تھا اگر بے حکم مصاحب کے بھی وہ دوا کرتا تو نجات پاتا یا نہیں ضرور پاتا اس لیئے کہ اُس دوا سے نجات پانا قدرت کا قانون تھا جو کسی طرح بدل نہیں سکتا *

بعضے عالموں نے مذہب کی تمثیل ایسے طبیب سے دی ہی جو نہ تو خود کسی چیز کو اصرت بناتا ہو اور نہ کسیکو ہلاک ٹھہراتا ہو بلکہ ہر چیز میں قدرت نے جو اثر رکھا ہی اُسی کو بتاتا ہو تاکہ جو لوگ صحیح ہیں اپنے حفظ صحت کے اصول جانیں اور جو بیمار ہیں وہ حصول صحت کی دوا کو پہچانیں اور مذہب بہ نسبت اس کے کہ صرف بیمار غلاموں ہی کے لیئے ہو سب کے لیئے عام ہوجا وے *

افسوس کہ شاہ ولی اللہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ میں اس رائے کو نہیں مانتے چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ ” و انہ ليس الامر على ما ظن من ان حسن الاعمال و قبحها بمعنى استحقاق العامل الثواب والعقاب عقليان من كل وجه وان الشرع وظيفتہ الاخبار عن خواص الاعمال على ما هي عليہ دون انشاء الايجاب و التحريم بمنزلة طبيب يصف خواص الادوية وانواع المرض فانہ هذا فاسد تمجہ السنة بادي الراے “ *

مگر میں اِسی کو مانتا ہوں اور اِسی کو سچا اصول سمجھتا ہوں جو قانون قدرت کے بالکل مطابق ہی اور کتاب و سنت دونوں کو اسی کا مؤید پاتا ہوں جو علم مذہب اسلام کی بنیاد ہیں پس جہاں تک کہ سچے مذہب کی میں تحقیق کرسکا میں نے اسلام ہی کو سچا مذہب پایا اور امید ہی کہ جو لوگ سچائی کو دوست رکھتے ہیں وہ ہمیشہ صفائی اور سچائی سے اسلام کی سچائی کی تحقیقات کرینگے *

مگر ایک مشکل یہہ پیش ہی کہ جب اسلام کا نام لیا جاتا ہی تو لوگ اُس مجموعہ احکام کو جو اب احکام مذہبی سمجھے جاتے ہیں مذہب اسلام خیال کرتے ہیں ہاں مجازا تو اُنپر مذہب اسلام کا اطلاق ہوسکتا ہی مگر حقیقتاً وہ مجموع من حیث المجموع بمعنی حقیقی مذہب اسلام کہلانے کا مستحق نہیں ہی موجودہ مسایل مذہب اسلام میں دو قسم کے اصول و احکام شامل ہیں ایک وہ جنکو خود شارع نے صاف صاف بیان کیا ہی جو احکام منصوصہ کہلاتے ہیں اور ایک وہ جنکو عالموں اور مجتہدوں نے اپنے ذہن کی خوبی اور اپنے علم کی روشنی سے باستدلال دلالۃ النص یا اشارۃ النص یا قیاس کے قایم کیا ہی جو اجتہادیات کہلاتے ہیں اور جو بجز ایک قابل سہو و خطا وجود کی راے کے اور کچھہ زیادہ رتبہ نہیں رکھتے پس اِن دونوں قسم کے مسایل میں تمیز نکرنے سے آدمی طرح طرح کی سخت غلطیوں میں پڑ جاتے ہیں اور یہہ وہی فرق امتیاز ہی کہ جب مسلمان اُسکو اختیار کرتے ہیں تو اُسکا نام تقلید رکھتے ہیں اور جب غیر مذہب کے لوگ اُسکو اختیار کرتے ہیں تو اُسکو ایک حقیر نام تعصب یا جہل مرکب یا ضلالت سے موسوم کرتے ہیں فاعتبروا یا اولی الابصار *

پہلی قسم کے احکام بھی جنکا نام احکام منصوصہ ہی دو قسم کے احکام ہیں ایک وہ جو اصلی احکام ہیں اور بلا شبہہ وہ بالکل قانون قدرت کے مطابق بلکہ اُسکی جان ہیں اور دوسرے وہ جو اُن اصلی احکام کی حفاظت اور اُنکے بقاء اور قیام کے لیئے ہیں پس جو کوئی مذہب اسلام کی سچائی اُن سچے قدرتی اصولوں سے پرکھنی چاہے تو اُسکو ان دونوں قسم کے احکام کی اور اُنمیں سے ہر ایک کے درجہ اور رتبہ کی تمیز کرنی لازم ہی *

علاوہ مذکورہ بالا دوقسموں کے ایک تیسری قسم بھی احکام مذہب اسلام میں ہی جو غیر معلوم عبارتوں یا ناکامل سند یا مشتبہہ سندوں سے قایم ہوئے ہیں انمیں سے پہلی قسم تو اجتہادیات میں داخل ہی اور دوسری قسم مذہب اسلام میں کچھہ وقعت اور اعتبار نہیں رکھتی گو اُسپر اِس وجہہ سے کہ اُسمیں کچھہ نقصان نہیں ہی عمل ہوتا ہو *

پس یہہ سچا مذہب اور وہ شخص جسکی معرفت ہمکو اُسکی تعلیم ہوئی ہمارے بے اِنتہا ادب اور نامحدود ثنا و صفت کی مستحق ہی اور بلاشبہہ اِسی خطاب کے لایق ہی کہ ” انت احب الي يا رسول الله من نفسي التي بين جنبي “ چنانچہ ہمکو بہت بڑی خوشی اور مبارکی اِسی بات کی ہی کہ ہمنے اُسکو نہ خدا سمجھا اور نہ خدا کا بیٹا نہ کوئی فرشتہ بلکہ ایک وحی بھیجا ہوا اِنسان جانا مگر اپنی جانوں سے زیادہ عزیز جانا بابي انت وامي يا رسول الله *

دل و جانم فدایت یا محمد * سرمن خاک پایت یا محمد

يا ايها الذين امنوا صلوا عليہ وسلموا تسليما *

آنحضرت کی زندگی کے حالات جنکو مسلمان سیر اور انگریز لیف کہتے ہیں صرف دیندار مسلمان عالموں ہی نے نہیں لکھے بلکہ غیر مذہب کے علماء اور مورخین نے بھی بہت کچھہ لکھا ہی مگر نہایت افسوس ہی کہ وہ دونوں افراط و تفریط میں پڑگئے پہلوں کی آنکھوں میں تو کمال روشنی کے سبب چکا چوند آگئی اور پچھلوں کی آنکھیں بجلی کی چمک سے بند ہوگئیں پہلے تو شراب محبت کی سرشاری سے راہ سے بھٹک گئے اور پچھلے اُس رستہ کی ناواقفی سے منزل تک

نہ پہونچے پہلے تو یہہ بھولے وہ کسکا بیان کرتے ہیں اور پچھلوں نے اُسکو نہ جانا جسکا وہ ذکر کرتے ہیں *

کسی مشہور محدث نے بجز ایک کے جسکا ہم ابھی ذکر کرینگے کوئی خاص کتاب آنحضرت کی زندگی کے حالات میں نہیں لکھی لیکن تمام محدثین نے جنکی سعی اور کوشش کا دنیا پر بہت بڑا احسان ہے اپنی اپنی کتابوں میں اُن حدیثوں کو بھی بیان کیا ہے جو آنحضرت کی زندگی کے حالات سے متعلق ہیں پس وہی حدیث کی کتابیں ہیں جنسے کم و بیش آنحضرت کی زندگی کے حالات صحیح صحیح دریافت ہوسکتے ہیں اور جنکو معقول طرح پر ترتیب دینے سے اور صحیح کو غلط سے تمیز کرنے سے ایک معتبر تذکرہ آپ کی زندگی کا جمع ہوسکتا ہے *

ابو عیسی ترمذی نے جو سنہ ہجری مطابق سنہ ۸۲۴ع عیسوی میں پیدا ہوا اور سنہ ہجری مطابق سنہ ۸۹۴ عیسوی میں انتقال کیا اپنی مشہور کتاب جامع ترمذی کے سوا ایک اور کتاب بھی آنحضرت کے حالات میں لکھی ہے جو شمایل ترمذی کے نام سے مشہور ہے مگر اُس میں آپ کی زندگی کے تمام حالات مندرج نہیں ہیں بلکہ وہ خاص خاص باتیں اور عادتیں جو بالتخصیص نفس نفیس آنحضرت سے متعلق تھیں مذکور ہیں با این ہمہ جسقدر حدیثیں آنحضرت کے حالات کے متعلق اِن مشہور حدیث کی کتابوں میں مندرج ہیں وہ اس قابل نہیں ہیں کہ جنکو ہم مثل کتاب اللہ کے بے غور اور بلا تحقیقات اندھا دھوندی سے مان لیں بلکہ ہمپر واجب ہے کہ اُن تمام حدیثوں کو خواہ وہ بخاری کی ہوں یا مسلم کی اور جامع ترمذی کی ہوں یا شمایل ترمذی کی قبل اُن کے سچا قبول کرنے کے اُن کی سچائی اور صحت کی تحقیقات اُن اصول و قواعد کے ساتھہ کرلیں جو اسکے لیئے مقرر ہیں اور جنکو ہمنے ایک جداگانہ خطبہ میں بیان کیا ہے اور اگر ہم ایسا نکرینگے تو سخت غلطیوں میں پڑینگے کیونکہ بے سند حدیث مسلمانوں کے مذہب میں کوئی وقعت اور اعتبار نہیں رکھتی شاہ عبدالعزیز صاحب اپنی کتاب تحفہ میں ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ "حدیث بے سند گوز شتر است" مگر افسوس ہے کہ بہت ہی کم مصنف ہیں جنہوں نے اس ضروری اور نہایت ضروری اصول کی پیروی کی ہو *

اِن حدیث کی کتابوں کے سوا جنکا ابھی ذکر ہوا اَور بہت سی کتابیں ہیں جو خاص آنحضرت کے حالات کے لیئے لکھی گئی ہیں اور بعض ایسی ہیں جسمیں اُس کے سوا اور بھی حالات ہیں اور یہہ تمام کتابیں عموماً کتب سیر کے نام سے موسوم ہیں اور جنمیں سے کتب مفصلہ ذیل زیادہ مشہور ہیں *

ابن اسحاق   ابن ہشام   طبقات کبیر المشہور بواقدی   طبری   سیرت شامی   ابوالفدا   مسعودی   مواہب لدنیہ   اِن کے سوا عربی اور فارسی زبان میں اور بھی کتابیں ہیں جو اِنہی سے بنائی گئی ہیں اِن کتابوں میں سے پہلی چار کتابیں بہت قدیم ہیں اور باقی بہت پچھلی *

یہہ سب کتابیں تمام سچی اور جھوٹی روایتوں اور صحیح و موضوع حدیثوں کا مختلط مجموعہ ہے جسمیں صحیح اور غلط مشتبہہ اور درست اور جھوٹی اور سچی کسیکا کچھہ امتیاز نہیں اور جو کتابیں زیادہ قدیم ہیں اُن میں اِس قسم کا اختلاط اور زیادہ ہے قدیم مصنفوں اور اگلے زمانہ کے مورخوں کو تصنیفات سے زیادہ غرض یہہ تھی کہ ہرایک قسم کی روایتوں اور افواہوں کو جو اُن کے زمانہ میں پھیل رہی تھیں ایک جگہہ جمع کرلیں اور اِسبات کی تحقیقات اور تصحیح کہ کون سی اُنمیں کی بالکل صحیح ہے اور کون سی غلط اور کس میں زیادتی یا کمی ہوئی ہے اور کس میں مضمون کے سمجھنے یا واقعہ کے بیان میں غلط فہمی ہوئی ہے آیندہ وقت یا آیندہ نسلوں پر منحصر رکھیں مگر افسوس یہہ ہے کہ پچھلی نسلوں نے بعوض اسکے کہ تحقیقات مطلوبہ کرنے سے اپنے بزرگوں کے مقاصد کی تکمیل کرتے اُنہی کتابوں کو اپنی تصنیفات جدید کا ماخذ ٹھہرایا اور اِسلیئے اِن پچھلے مصنفوں کی تصنیفوں میں بھی وہی نقص پیدا ہوا جو اُن قدیم مصنفوں کی تصنیفوں میں تھا غرض کہ اب فن سیر کی تمام کتابیں کیا قدیم و کیا جدید مثل ایسے غلہ کے انبار کے ہیں جسمیں سے کنکر پتھر کوڑا کرکٹ کچھہ چنا نہیں گیا اور اُن میں تمام صحیح و موضوع جھوٹی اور سچی سند اور بے سند ضعیف و قوی مشکوک و مشتبہہ روایتیں مخلوط اور گڈ مڈ ہیں *

سر ولیم میور صاحب ارقام فرماتے ہیں کہ " آنحضرت کے حالات زندگی کی تین کتابیں ہشامی واقدی طبری ایسی ہیں کہ جو شخص دانشمندی سے آنحضرت کے حالات لکھیگا تو اپنی تحریر کے لیئے اُنہیں کتابوں کو سند گردانے گا " مگر صاحب ممدوح نے اِسبات کو بیان نہیں فرمایا کہ اُن کتابوں میں کسقدر ایسی روایتیں ہیں جنسے آنحضرت کو کچھہ بھی علاقہ نہیں اور کس قدر ایسی ہیں جن کے راویوں کا سلسلہ ٹوٹا ہوا ہے اور کسقدر ایسی ہیں جنکے راویوں کی خصلت نہ کسی مذہبی مسئلہ کے سبب بلکہ اخلاقی نقصانوں کے سبب مشتبہہ اور اُن کی راست بیانی مشکوک یا مطعون ہے اور کسقدر ایسی ہیں جنکے بیان کرنے والے بالکل لا معلوم شخص ہیں اور کسقدر ایسی ہیں جنکی تحقیق یا تصدیق نہیں ہے *

ڈاکٹر اسپرنگر صاحب نے نہایت گرمجوشی سے واقدی کی قدر و منزلت کو اُس کی اصلی حقیقت سے بہت بڑھا دیا ہی جس کی نسبت سر ولیم میور صاحب یہہ ارقام فرماتے ہیں کہ " ڈاکٹر اسپرنگر نے اس کتاب کی تعریف اُس کی حد سے زیادہ کی ہی " مگر افسوس ہی کہ باوجود اسکے صاحب ممدوح نے بھی واقدی کی کچھہ کم قدر نہیں کی اور اوروں پر ترجیح دینے میں کچھہ کوتاہی نہیں کی اسلیئے کہ اُنہوں نے بھی آنحضرت کی زندگی کے تمام حالات کو اُسی کتاب سے لکھا ہی اور اُسی کی سند پر مذہب اسلام کے برخلاف تمام رایوں کو قایم کیا ہی *

واقدی کچھہ بڑا معتبر شخص نہیں ہی وہ تو حاطب اللیل یعنی اندھیری رات میں لکڑیاں چننے والا ہی اُسکی غلط روایتوں اور جھوٹے قصہ اور کہانیوں اور بے سند باتوں سے تمام علماء نے اُسکو نامعتبر ٹھہرایا ہی محمد بن عبدالباقی الزرقانی نے شرح مواہب لدنیہ میں میزان سے واقدی کی نسبت یہہ جملہ نقل کیا ہی ”الواقدی محمد بن عمر بن الواقدی السامی المدنی الذی استقرالاجماع علی وھنہ (کمافی المیزان) *

کسیکے کہنے اور سننے پر کیا موقوف ہی خود اُسکی کتابیں موجود ہیں جو کچھہ بھی قدر و قیمت کے لایق نہیں بجز اِس کے کہ جو افواہاً اُسنے سنا اور جو آواز چڑیا کی خواہ کوے کی اُس کے کان میں آئی وہ اُسنے لکھدی کوئی طریقہ تحقیق کا اور کوئی رستہ تنقید کا اُسنے اختیار نہیں کیا پس کیا وہ کتابیں ایسی ہیں جو مذہب اسلام کی بنیاد سمجھی جاسکتی ہیں اور کیا کوئی مخالف مذہب اسلام کا اُن کتابوں کی سند پر مذہب اسلام یا اُسکے واعظ میں عیب نکال کر اور اپنے آپکو عقلمند سمجھکر خوش ہوسکیگا اِن ھذا لشی عجاب *

البتہ ابوالفدا کی کتاب کسیقدر اچھی ہی اور جہاں تک ہوسکے اعتبار کے لایق ہی اُسنے اپنی کتاب احتیاط سے لکھی ہی اگرچہ تحقیق و تنقید کے رستہ کو اُسنے اختیار نہیں کیا الا اسبات پر کوشش کی ہی کہ کوئی موضوع یا مشتبہہ یا لغو روایت اُسمیں نہ داخل ہونے پاوے مگر باینہمہ یہہ کہنا کہ اُسکی کوششیں کامیاب ہوئیں اور اُس میں کوئی روایت موضوع یا مشتبہہ نہیں ہی حد اعتدال سے آگے بڑہ جانا ہی *

مسلمان مورخوں کے سوا جن کا اوپر ذکر ہوا عیسائی مورخوں نے بھی مذہب اسلام اور اُسکے واعظ کی نسبت بہت سی کتابیں لکھیں مگر افسوس ہی کہ ابتدا زمانہ کی تصنیف شدہ کتابیں مثل کتب مصنفہ ڈینیل لوتھر مالک تھن سیپال ھیم دی ھربی لاٹ مجھکو دستیاب نہیں ہوئیں مگر جو کچھہ اور کتابوں سے اُنکا حال معلوم ہوا وہ اسیقدر ہی کہ اُن کتابوں میں بجز سخت کلامی اور بد زبانی کے اور کچھہ نہیں ہی *

اِن مصنفوں کے سوا مراکشی صاحب کا ذکر نہایت حیرت انگیز ہی وہ ایک ایسا سخت متعصب مصنف ہی کہ اُسکا دل اپنے بغض و کینہ کے اظہار اور نفرت انگیز جھوٹے طعن و تشنیع اور بد زبانی سے کبھی نہیں بھرا مگر مجھکو جو حیرت ہوئی وہ اِسبات سے ہوئی کہ کوارٹرلے رویو کے ایک آرٹکل کے مصنف نے اُسکی نسبت یہہ لکھا ہی کہ " مراکشی پر جو یہہ الزام لگایا گیا تھا کہ وہ باطن میں اسلام کا معتقد ہوگیا تھا وہ الزام کچھہ بے وجہہ نہ تھا " کیا مراکشی باوصف اسقدر تعصب کے مثل پر ھوخورد صاحب کے آخر کو مسلمان ہوگیا تھا اگر ایسا ہوا ہو تو میں ذمہدار ہوں کہ اُس سے پہلے جو کچھہ اُسنے اسلام اور واعظ اسلام کی نسبت کہا سنا سب نسیاً منسیا ہوگیا لان الاسلام یھدم ماکان قبلہ من معصیۃ اللہ *

ڈین پریڈو صاحب بھی اُنھی مورخوں میں سے ہیں جن پر مذہب اسلام نہایت شاق گذرتا تھا جب کوئی مسلمان اتفاقاً اُن صاحب کی کتاب کو پڑھتا ہی تو مذہب اسلام سے اُنکی ناواقفیت پر جو اُنکی کتاب کے ہر ورق سے ٹپکتی ہی بن ہنسے رہ نہیں سکتا *

اِن مورخوں کے سوا ھاٹنجرگیگیزری لنڈاوکالی صاحب نے بھی مذہب اسلام اور آنحضرت کے حالات میں کتابیں لکھی ہیں مگر افسوس ہی کہ میں اُنکی مصنفوں سے مستفید نہوسکا *

گرتھہ صاحب اور اماری صاحب اور نالڈانک صاحب اور ھوارمی صاحب نے جو کتابیں اس مضمون پر لکھی ہیں اُنکی نسبت مذہب اسلام کے آرٹکل کا مصنف جو کوارٹرلے رویو میں چھپا ہی یہہ لکھتا ہی کہ " اِن مورخوں نے بہت سی دنیا کو یہہ بات سکھلادی کہ مذہب اسلام ایک شگفتہ اور تروتازہ چیز ہی اور ہزاروں ثمر و جوھروں سے بھر پور ہی اور محمد (صلعم) نے گو اُنکی خصلت کو کیساہی سمجھا جاوے انسانیت کی منتہای کتاب میں اپنے لیئے جگہہ حاصل کی ہی " *

نہایت مشہور عیسائی مورخوں میں جنھوں نے آنحضرت کے حالات لکھے ہیں ڈاکٹر اسپرنگر صاحب ہیں اُنکی کتاب انگریزی زبان میں بمقام الہ آباد سنہ ۱۸٥۱ ع میں چھپی ہی مگر وہ کتاب بسبب غلطیوں کے جو اُسکے مضمون کی صحت میں ہیں کچھہ اعتبار کے لایق نہیں نہ ہی علاوہ اِسکے ایک اور خرابی اُنہوں نے اِس کتاب میں یہہ کی ہی کہ اُسکا طرز بیان نہایت مبالغہ امیز اختیار کیا ہی اُنکی طبیعت پہلے ہی سے ایسے تعصبات اور یکطرفہ راے سے بھری ہوئی معلوم ہوتی ہی جو کسی قسم کے مصنف کو اور بالتخصیص ایک مورخ کو کسی طرح زیبا نہیں ہی — اپنے اس کلام کی تصدیق کے لیئے اُن کی کتاب میں سے ایک

فقرہ نقل کرتا ہوں جس سے اُن کے تعصب کے علاوہ یہہ بات بھی ظاہر ہوتی ہی کہ جس فن میں اُنہوں نے کتاب لکھی ہی اُس سے بھی ماشاءاللہ وہ بہت ہی خوب واقف تہے — وہ لکھتے ہیں کہ "دین اسلام محمد (ص) کا ایجاد نہیں ہی وہ ایسے مکار کا نکالا ہوا مذہب نہیں ہوسکتا مگر اس میں کچھہ شک نہیں کہ اُس مکار نے اپنی بد اخلاقی اور طبیعت کی برائی سے اُس کو بگاڑا اور جو بہت سے مسائل اُس میں قابل اعتراض ہیں وہ اُسی کی ایجاد ہیں" نعوذ باللہ من هذہ الاقاویل — کبرت کلمۃ تخرج من افواههم إن یقولون الا کذبا *

اسی کتاب کی نسبت سرولیم میور صاحب یہہ لکھتے ہیں کہ "ڈاکٹر اسپرنگر صاحب کی کتاب ایسے وقت میں میرے پاس پہونچی جب کہ میں اسی مضمون کی تحصیل اور تلاش کر رہا تھا اور جیسا کہ میں نے اپنی کتاب کے بعض مقامات میں ثابت کیا ہی اُس کے مضامین کی بنیاد غلطی پر معلوم ہوتی ہی چنانچہ اُنہوں نے محمد (ص) کے ماقبل زمانہ کے عرب کا اور خاص محمد کا اور اُن کی خصلت کا جو حال لکھا ہی وہ سب غلط رایوں پر مبنی ہی" *

ڈاکٹر اسپرنگر صاحب نے ایک اور کتاب جرمنی زبان میں آنحضرت کے حالات میں لکھی ہی جو چھہ جلدوں میں ہی مگر افسوس ہی کہ جرمنی زبان نجاننے کے سبب اُس کتاب سے جس قدر قدرے قابل فائدہ حاصل کرسکتا اُس سے بھی محروم رہا صرف اس قدر ہوا کہ میرے ایک جرمن دوست نے مجھکو اطلاع دی کہ اُس کے مصنف نے ابن اسحٰق اور واقدی سے زیادہ تر مطالب اخذ کیئے ہیں اور جو کہ میں اُن مصنفوں کی کتابوں سے واقف ہوں جنسے کہ ڈاکٹر صاحب نے اپنی کتاب میں مطالب اخذ کیئے اس لیئے مجھے یقین ہی کہ وہ کتاب بھی مثل اَوْر کتابوں کے جن کو عیسائی مورخوں نے تصنیف کیا ہی اُس تحقیق اور تلاش سے معرا ہوگی جو صفائی دل سے کی جاتی ہی اس لیئے کہ ڈاکٹر صاحب نے اپنی کتاب اُنہی کتابوں سے لکھی ہی جن میں صحیح اور غلط اور مشتبہہ اور لغو رواتیں سب گڈ مڈ ہیں *

مگر کوارٹرلے رویو کے آرٹکل کا مصنف جو غالباً جرمن ہی اس کتاب کی نسبت یہہ راے لکھتا ہی کہ "جن لوگوں نے اسلام کی نسبت لکھا ہی اُن میں سے ڈاکٹر اسپرنگر کی کتاب کو جو مصنفوں میں اول درجہ رکھتا ہی ہم نے اس لیئے سب سے افضل قرار دیا ہی کہ وہ بہ نسبت اَوْر سب کے نہایت جامع ہی اور بڑی قابلیت سے لکھی گئی ہی اس لیئے کہ اس کتاب میں وہ تمام مطالب ناظرین کے سامنے موجود کر دیئے گئے ہیں جن سے پڑھنے والا اپنی راے آپ قایم کر سکے" *

عیسائی مصنفوں کی کتابوں میں سب سے زیادہ عمدہ وہ کتاب ہی جو سرولیم میور صاحب نے نہایت لیاقت اور قابلیت اور کمال خوبی کے ساتھہ لکھی ہی یہہ کتاب چار موٹی موٹی جلدوں میں ہی اور بہت خوبصورت ٹیپ اور خوش وضع تقطیع میں چھپی ہی اِس لائق اور فائق مصنف کو مثل مغربی علوم کے مشرقی علموں میں بھی بڑی واقفیت حاصل ہی اور اِس لیئے اُنکی یہہ کتاب تمام تربیت یافتہ یوروپ کے ملکوں میں بڑی قدر و منزلت کی ہی جو اسی قدر و منزلت کے لائق ہی اور یوروپ کے عالموں اور عالموں کی مجلسوں نے بھی اِس کتاب کے سبب اُنکی ایسی قدر کی ہی جسکے در حقیقت وہ مستحق تھے مگر قطع نظر اِس نقص کے جو اُس کتاب میں ہی کہ اُسکی بنیاد گویا بالکل واقدی پر ہی جو مسلمانوں میں درجہ اعتبار نہیں رکھتا اور اُسکی روایتیں زیادہ معتبر اور ایسی محقق نہیں ہیں کہ مسلمان اُنپر یقین لاویں جیسا کہ ہم ابھی بیان کرچکے ہیں ایک اور بڑا نقص یہہ ہی کہ جس منشاء اور مطلب سے سرولیم میور صاحب نے یہہ کتاب لکھی وہ اِس لیئے پسندیدہ نہیں ہی کہ وہ منشاء اُس کتاب میں نقصان رہ جانے کا اور واقعات کا اصلی تحقیقات تک نہ پہونچنے کا بہت بڑا سبب ہوا ہی چنانچہ سرولیم میور صاحب خود ارقام فرماتے ہیں کہ "اِس کتاب کا لکھنا اور مسلمانی مذہب کی سند کی کتابوں کی تحصیل اول اِس غرض سے اختیار کی گئی کہ پادری پی فنڈر صاحب نے جو اِس بات میں مشہور ہیں کہ اُنہوں نے مسلمانوں سے مباحثہ میں عیسائی مذہب کی بہت حمایت کی اس بات پر اصرار کیا کہ اسلام کے پیغمبر کے حالات میں ایک کتاب جو اُسکے پیرووں کے پڑھنے کے لیئے مناسب ہو ایسے قدیم ماخذوں سے ہندوستانی زبان میں تالیف کی جاوے جسکو خود مسلمان صحیح اور معتبر مانتے ہوں چنانچہ اِسی منشاء سے مسلمانی مذہب کی سند کی کتابوں کو پڑھا اور اِس کتاب کو لکھا" *

لیکن میں نہایت افسوس سے یہہ بات کہتا ہوں کہ باوجودیکہ سرولیم میور صاحب نہایت نیک طبیعت ہیں اور بڑی قابل توصیف لیاقتیں رکھتے ہیں اس پر بھی اُنکی طبیعت پر اُس غرض اور منشاء کا جس سے وہ کتاب لکھنی شروع کی ایسا اثر پیدا ہوا جیسا کہ ایسی حالت میں اَوْروں کی طبیعت پر پیدا ہونا قیاس کا مقتضا ہی اور اِسی سبب سے اسلام کی دلچسپ اور سیدھی سادی عمدہ باتیں بھی اُنکو بری اور بھونڈی اور نفرت انگیز معلوم ہوئیں اور یہہ اثر اُنکی طبیعت کا ایسا تھا کہ اُسکے سبب سے اُنکی کتاب پڑھنے والے اپنے ذہن میں اُنکی تحریر کو ایک زیادتی سمجھتے تھے لیکن جیسا اکثر ہوتا ہی

ویساہی اِسمیں بھی ہوا کہ اُس حد اعتدال سے متجاوز تحریر نے خود اپنے مقصود کو کھودیا اور وہ مطلب حاصل نہوا جسکے لیئے پادری پی فنڈر صاحب نے سر ولیم میور صاحب سے اِس کتاب کے لکھنے کی خواہش کی تھی بلکہ برعکس اُسکے یہہ نتیجہ ہوا کہ جس شخص کو پادری پی فنڈر صاحب نے تاریکی کا فرشتہ بنانا چاہا تھا وہ روشنی کا فرشتہ نکل آیا *

جب کہ یہہ کتاب چھپی اور ہندوستان میں پہنچی تو لوگوں نے اُس کو نہایت شوق و ذوق سے پڑھا مگر جب اُن کو یہہ بات دریافت ہوئی کہ اسلام کی اور آنحضرت کے حالات کی نہایت سیدھی سادی اور صاف باتوں کو بھی توڑ مروڑ کر اس وضع پر ڈھالا ہی جس سے یہہ معلوم ہوتا تھا کہ پہلے ہی سے اِس کتاب کا اِس طرح پر لکھنا مقصود اور مرکوز خاطر تھا تو اُنکا وہ شوق بالکل ٹھنڈا ہوگیا مگر جو نوجوان مسلمان طالب علم انگریزی علم کی تحصیل کرتے تھے اور اپنی دینیات اور الہیات سے محض ناواقف تھے اُن میں اِس بات کا چرچا پیدا ہوا کہ اگر سر ولیم میور صاحب نے سیدھی سادی اور صاف باتوں کو بھی بُرے پہلو پر لیجاکر لکھا ہی تو فی الواقع اُن کی اصلیت کیا ہی *

میرے دل پر جو اِس کتاب سے اثر پیدا ہوا وہ یہہ تھا کہ اُسی زمانہ میں میں نے ارادہ کیا کہ آنحضرت کے متعلق حالات میں ایک کتاب اُسطرحپر لکھی جاوے کہ جو جو باتیں صحیح اور اصلی اور واقعی اور منقح ہیں اور معتبر روایتوں اور صحیح صحیح سندوں سے بخوبی ثابت ہیں اُن کو بخوبی چھان بین کر اور امتحان کرکر ترتیب سے لکھا جاوے اور جو حالات مشتبہہ اور مشکوک ہیں اور ان کا ثبوت معتبر یا کافی نہیں ہی اُن کو جداگانہ اسی ترتیب سے جمع کیا جاوے اور جو محض جھوٹ اور افترا و بہتان یا خود غرض یا احمق واعظوں اور حمقا کو دام تزویر میں پھسانے والے لوگوں یا احمق خدا پرست اور جھوٹی نیکی پھیلانے والوں کی بنائی ہوئی باتیں ہیں اُن کو علحدہ بہ ترتیب لکھا جاوے اور اُنھی کے ساتھہ اُنکے غلط اور اُنکے نامعتبر ہونیکا ثبوت اور ان کے موضوع ہونے کی وجوہات بھی بیان کی جاویں مگر میں اپنے اس ارادہ کو بہت سے موانعات کے سبب سے جنمیں سب سے بڑا اپنی فکر معاش میں مبتلا رہنا اور اس سے بھی بڑا کسی کا میرے ارادہ کے ممد و معاون نہونا تھا پورا نکرسکا اور علاوہ اس کے اس کام کے لیئے بہت سی پرانی کتابیں جنکو قدیم مصنفوں نے تصنیف کیا ہی درکار تھیں جو مجھکو بسبب برباد ہوجانے قدیم کتب خانوں کے دستیاب نہوسکیں اور یہہ بھی ایک قوی سبب اس ارادہ کے پورا نہونے کا ہوا مگر اس، پر بھی مختلف اوقات میں مختصر طور سے مختلف مضامین اور مسایل مذہب اسلام اور آنحضرت کے حالات پر کچھہ کچھہ لکھتا رہا چنانچہ انہیں تحریروں میں یہہ بارہ مضمون ہیں جو بعنوان بارہ خطبوں کے لکھے گئے ہیں اور جنکو اس ایک جلد میں جمع کردیا ہی اور انشا اللہ تعالی باقی مضامین اور جلدوں میں جمع کیئے جاوینگے *

اگرچہ میں نے اس دیباچہ میں چند عیسائی ایسے مورخوں کا ذکر کیا ہی جنہوں نے انحضرت کے حالات اور اصول مذہب اسلام کا انصاف سے فیصلہ نہیں کیا مگر اُن لایق اور قابل اور عالم واجب التعظیم عیسائی مورخوں کا ذکر کیئے بغیر بھی نہیں رہ سکتا جنہوں نے نہایت انصاف سے اور بالکل بغیر تعصب کے آنحضرت کے حالات اور مذہب اسلام کی نسبت ٹھیک ٹھیک اپنی راے لکھی ہی بلکہ متعصب اور تنگ حوصلہ مخالفوں کے مقابلہ میں مذہب اسلام کی حمایت کی ہی اگرچہ بعض مقامات میں اُنہوں نے بھی کچھہ کچھہ سقم اور نقصان بیان کیئے ہیں لیکن صاف معلوم ہوتا ہی کہ وہ اُن کا بیان کسی تعصب پر مبنی نہیں ہی بلکہ اُس مسئلہ کی حقیقت وہ نہیں سمجھے یا غلط سمجھہ گئے پس یہہ ایک غلطی سمجھہ کی تو ہی الا وہ عیب جو تعصب اور تنگ حوصلہ ہونے کے سبب سے ہوتا ہی* وہ نہیں ہی بہر حال یہہ قابل ادب شخص ایڈورڈ گبن قدیم روم کی سلطنت کا مشہور مورخ اور گاڈفری هیگنز رحمہما اللہ تعالی اور تامس کارلیل اور جان ڈیون پورٹ سلمہما اللہ تعالی ہیں جنکے علم اور لیاقتوں کی تعظیم و قدر ہمیشہ ہوتی رہیگی اب میں اُن صاحبوں میں سے تین صاحبوں کی راے جو اُنہوں نے انحضرت اور مذہب اسلام کی نسبت لکھی ہی اپنے اس دیباچہ میں لکھتا ہوں اور گاڈفری هیگنز کی راے خطبات میں متعدد جگہہ لکھی گئی ہی *

مسٹر جان ڈیون پورٹ لکھتے ہیں " کیا یہہ بات خیال میں آسکتی ہی کہ جس شخص نے اس نہایت ناپسند اور حقیر بت پرستی کے بدلہ جسمیں اُسکے ہموطن (یعنی اہل عرب) مدت سے ڈوبے ہوئے تھے خداے واحد برحق کی پرستش قائم کرنے سے بڑی بڑی دایم الاثر اصلاحیں کیں مثلاً اولاد کشی کو موقوف کیا نشے کی چیزوں کے استعمال کو اور قمار بازی کو جس سے اخلاق کو بہت نقصان پہونچتا ہی منع کیا بہتایت سے کثرت ازدواج کا اُس وقت میں رواج تھا اُسکو بہت کچھہ گھٹاکر محدود کیا فرض کہ ایسے بڑے اور سرگرم مصلح کو ہم فریبی ٹھہراسکتے ہیں اور یہہ کہہ سکتے ہیں کہ ایسے شخص کی تمام کارروائی مکر پر مبنی تھی — نہیں ایسا نہیں کہہ سکتے — بےشک محمد (ص) بجز دلی نیک نیتی اور ایمانداری کے اور کسی سبب سے ایسے استقلال کے ساتھہ اپنی کارروائی پر ابتداء نزول وحی سے جو خدیجہ سے بیان کی اخیر دم تک جبکہ عایشہ کی گود میں شدت مرض میں وفات پائی مستعد نہیں رہ سکتے تھے — جو

لوگ ہر وقت اُنکے پاس رہتے تھے اور جو اُن سے بہت ربط و ضبط رکھتے تھے اُنکو بھی کبھی اُنکی ریا کاری میں شبہہ نہیں ہوا اور کبھی اُنھوں نے اپنے نیک برتاؤ سے تجاوز نہیں کیا *

بیشک ایک نیک اور صادق طبیعت شخص جسکو اپنے خالق پر بھروسا ہو اور جو ایمان اور رسم و رواج میں بہت بڑی اصلاح کرے حقیقت میں صاف صاف خدا کا ایک الہ ہوتا ہی اُسکو ہم کہہ سکتے ہیں کہ خدا کا پیغمبر ہی — جس طرح خدا تعالی کے اور وفادار خادم گذرے ہیں اگرچہ اُنکی خدمتیں کامل نہ تھیں اُسیطرح محمد کو بھی ہم خدا کا ایسا سچا خادم کیوں نہ سمجھیں جسنے خدا تعالی کی خدمت ایسی ہی وفاداری سے کی جیسی اَوْروں نے جو مثل اَوْروں کی خدمت کے پوری اور کامل نہ تھی — اِس بات پر کیوں یقین نہ کیا جاوے کہ اُسکو زمانہ اور اپنے ملک میں اپنی قوم کو خدا کی وحدانیت اور تعظیم سکھلانے کے لیئے اور اُن کی حالت کے مناسب اُن کو ملکی اور اخلاقی اُمور میں نصیحت کرنے کے لیئے خدا نے بھیجا تھا اور وہ راست بازی اور نیک کرداری کا واعظ تھا *

ایڈورڈ گبن صاحب لکھتے ہیں کہ ,, محمد کا مذہب شکوک اور شبہات سے پاک صاف ہی قران خدا کی وحدانیت پر ایک عمدہ شہادت ہی مکہ کے پیغمبر نے بتوں کی انسانوں کی ستاروں اور سیاروں کی پرستش کو اس معقول دلیل سے رد کیا کہ جو شے طلوع ہوتی ہی غروب ہو جاتی ہی اور جو حادث ہی وہ فانی ہوتی ہی اور جو قابل زوال ہی وہ معدوم ہوجاتی ہی — اُس نے اپنی معقول سرگرمی سے کائنات کے بانی کو ایک ایسا وجود تسلیم کیا جس کی نہ ابتدا ہی نہ انتہا نہ وہ کسی شکل میں محدود نہ کسی مکان میں اور نہ کوئی اُس کا ثانی موجود ہی جس سے اُس کو تشبیہہ دے سکیں — وہ ہمارے نہایت خفیہ ارادوں پر بھی آگاہ رہتا ہی — بغیر کسی اسباب کے موجود ہی — اخلاق اور عقل کا کمال جو اُس کو حاصل ہی وہ اُس کو اپنی ہی ذات سے حاصل ہی — اُن بڑے بڑے حقایق کو پیغمبر نے مشہور کیا اور اُس کے پیرووں نے اُن کو نہایت مستحکم طور سے قبول کیا اور قران کے مفسروں نے معقولات کے ذریعہ سے بہت درستی کے ساتھہ اُن کی تشریح اور تصریح کی — ایک حکیم جو خدا تعالی کے وجود اور اُس کی صفات پر اعتقاد رکھتا ہو مسلمانوں کے مذکورہ بالا عقیدہ کی نسبت یہہ کہہ سکتا ہی کہ وہ ایسا عقیدہ ہی جو ہمارے موجودہ ادراک اور قواے عقلی سے بہت بڑھکر ہی اس لیئے کہ جب ہمنے اُس نا معلوم چیز (یعنی خدا) کو زمان اور مکان اور حرکت اور مادہ اور حس اور تفکر کے اوصاف سے مبرا کر دیا تو پھر ہمارے خیال کرنے اور سمجھنے کے لیئے کیا چیز باقی رہی وہ اصل اول (یعنی ذات باری تعالی) جس کی بنا عقل اور وحی پر ہی محمد کی شہادت سے استحکام کو پہونچی چنانچہ اُسکے معتقد ہندوستان سے لیکر مراکو تک موحد کے لقب سے ممتاز ہیں اور بتوں کو ممنوع سمجھنے سے بت پرستی کا خطرہ مٹا دیا گیا ہی *

مسٹر تامس کارلیل صاحب لکھتے ہیں کہ ,, ہم لوگوں (یعنی عیسائیوں) میں جو یہہ بات مشہور ہی کہ محمد ایک پر فن اور فطرتی شخص اور گویا جھوٹ کے اوتار تھے اور اُن کا مذہب دیوانگی اور خام خیالی کا ایک تودہ ہی اب یہہ سب باتیں لوگوں کے نزدیک غلط ٹھہرتی جاتی ہیں جو جو جھوٹ باتیں دوراندیش اور مذہبی سرگرمی رکھنے والے آدمیوں (یعنی عیسائیوں) نے اُس انسان (یعنی محمد صلعم) کی نسبت قایم کی تھیں اب وہ الزام قطعاً ہماری روسیاہی کی باعث ہیں چنانچہ ایک یہہ بات مشہور ہی کہ پاکوک صاحب نے جب گروٹیس صاحب سے پوچھا کہ یہہ قصہ جو تمنے لکھا ہی کہ محمد نے ایک کبوتر کو تعلیم کیا تھا کہ وہ اُنکے کان میں سے میل نکالا کرتا تھا اور مشہور کیا تھا کہ وہ فرشتہ ہی جو اُن کے پاس وحی لایا کرتا ہی تو اس قصہ کی کیا سند ہی تو اُنھوں نے جواب دیا کہ ,, اس قصہ کی کوئی سند اور کچھہ ثبوت نہیں ,, حقیقت یہہ ہی کہ اب وہ وقت آگیا ہی کہ ایسے ایسے قصوں کو بالکل چھوڑ دیا جاوے — جو جو باتیں اس انسان (یعنی محمد صلعم) نے اپنی زبان سے نکالیں بارہ سو برس سے اٹھارہ کرور آدمیوں کے لیئے بمنزلہ ہدایت کے قایم ہیں ان اٹھارہ کرور آدمیوں کو بھی اُسی طرح خدا نے پیدا کیا ہی جس طرح ہم کو پیدا کیا اس وقت جتنے آدمی محمد کے کلام پر اعتقاد رکھتے ہیں اُس سے بڑھکر اَوْر کسی کے کلام پر اس زمانہ کے لوگ یقین نہیں رکھتے پھر کیا ہم یہہ خیال کر سکتے ہیں کہ جس کلام پر خداے قادر مطلق کی اسقدر مخلوق زندگی بسر کر گئی اور اُسی پر مرگئی کیا وہ ایسا جھوٹا کھیل ہی جیسا ایک بازی گر کا ہوتا ہی میں اپنے نزدیک ہرگز ایسا خیال نہیں کر سکتا بلکہ میں بہ نسبت اَوْر چیزوں کے اُس پر جلد یقین کرتا ہوں اگر جھوٹی اور فریب کی باتیں دنیا میں اس قدر زور اور ہوں رواج پکڑ جاویں اور مسلم ٹھہر جاویں تو پھر اس دنیا کی نسبت کوئی کیا سمجھیگا — اس قسم کے خیالات جو بہت پہلے ہوئے ہیں بہت ہی افسوس کے قابل ہیں اگر ہم کو خدا کی سچی مخلوقات کا علم کچھہ حاصل کرنا منظور ہو تو ہم کو ایسی باتوں پر یقین کرنا ہرگز نہیں چاہیئے — وہ باتیں ایسے زمانہ میں پھیلی تھیں جب کہ توہمات کو بہت دخل تھا اور اُنھی توہمات کے سبب خیال تھا کہ آدمی کی روحیں غمگین خرابی میں پڑی ہوئی ہیں جو اُن کی ہلاکت کا سبب

هی — میرے نزدیک اس خیال سے که ایک جهوٹی آدمي نے ایک مذهب قایم کیا اَوْر کوئی اس سے زیادہ بد اور نا خدا پرست خیال دنیا میں نهیں پهیلا — بهلا یهه کب هو سکتا هی که ایک جهوٹا آدمي جو چونه اور اینٹ اور اَوْر مصالح کي حقیقت کو سمجھ نه جانے اور پخته مکان بنالے وه پخته مکان، کاهیکو هوگا بلکه خاک کا ایک ڈهیر هوگا — بارہ سو برس تک اُس کو کب قیام هو سکتا هی اور اٹهارہ کرور آدمي اُس میں کب رہ سکتے هیں بلکه اب تک وه مکان کبهي کا سر کے بل گر پڑا هوتا ضرور هی که ایک آدمي اپنے طریقوں کو قانون قدرت کے مطابق کرے اور قدرت کے سامانوں کي حقیقت کو سمجهے اور اُس پر عمل کرے ورنه قدرت سے اُس کو یهه جواب ملیگا که نهیں یهه هرگز نهیں هوسکتا جو جو قانون اور قاعدے خاص هیں وه خاص هي رهتے هیں عام نهیں هو جاتے افسوس هی که کوئی شخص مثل کاگ لسترو یا اَوْر ایسي هي بهت سي دنیا کے سر بر آورده لوگوں کے چند روز کے لیئے اپنے فند فطرت سے کامیاب هو جاتے هیں مگر اُن کي کامیابي ایک جعلي هنڈوي کي مانند هوتي هی جس کو وه اپنے نالایق هاتوں سے جاري کرتے هیں اور خود الگ تهلگ رهتے هیں اور اَوْروں کو اُس کے سبب سے نقصان پهونچاتے هیں مگر قدرت آگ کے شعلوں اور فرانسیسي هنگاموں اور اسي قسم کے اَوْر غضبناک ظهور سے ظاهر هوکر یهه بات بهت غضب اور قهر سے دنیا پر ظاهر کر دیتي هی که جعلي هنڈویاں جعلي هي هیں *

راقـــــــــم
سید احمد

بمقام لندن محله میکلن برگ اسکوئیر مکان نمبر ۲۱

نمبر ۱۸

کن کن چیزوں میں تہذیب چاهیئے

جب که هم کسي قوم کو تہذیب کي طرف مایل کرتے هیں تو همکو ضرور هی که هم یهه بهي بتادیں که اُس قوم کو کن کن چیزوں میں تہذیب کرني چاهیئے هندوستان کے مسلمانوں کے جو حالات هیں اُنکے لحاظ سے همارے خیال میں اتا هی که مفصله ذیل چیزیں هیں جنکي تہذیب پر اُنکو متوجهه هونا چاهیئے *

اول آزادي راے — مسلمانوں کي راے اور اُنکے خیالات هر ایک امر میں تقلید کرتے کرتے اور رسومات کے پابند رهتے رهتے ایسے پست اور پامال هوگئے هیں جسکے سبب کسي قسم کي ترقي کي تحریک اُن میں نهیں هوتي پس جب تک که راے کي آزادي اُن میں پیدا نهوگي اُسوقت تک اُن میں تہذیب نهیں آنے کي *

دوم درستي عقاید مذهبي — هندوستان کے مسلمانوں کے عقاید مذهبي جو اُنکي کتابوں میں لکهے هیں وه اور هیں اور جو اُنکے دلوں میں هیں اور جنکا اُنکو یقین بیٹها هوا هی وه اور هیں هزاروں عقاید شرکیه اُنکے دلوں میں هیں پس اُنکي تہذیب کرنا اور اپنے عقاید کو هیئت اسلام کے مطابق کرنا اور اسي پر یقین رکهنا تہذیب و شایستگي حاصل کرنے کي اصل جز هی *

سویم خیالات و افعال مذهبي — هندوستان کے مسلمانوں میں صدها خیال اور توهمات ایسے موجود هیں جنکو وه عمدہ افعال مذهبي سمجهکر ادا کرتے هیں حالانکه اُنکو مذهب اسلام سے کچهه علاقه نهیں هی یا تو وه خود بدعت هیں یا رسومات و خیالات کفر و شرک هیں جو باعث همارے ناممذب هونے کے هیں پس همکو مهذب هونے کے لیئے اُنکي تہذیب درکار هی *

چهارم تدقیق بعض مسایل مذهبي — همارے مذهب کے بعض صحیح اور اصلي مسایل ایسے هیں جنکي پوري پوري تحقیق و تدقیق ابتک نهیں هوئي اور اگرچه وه مسایل في نفسه صحیح و درست هیں الا بیان واضح اور تحقیق کامل نهونے کے سبب علوم عقلیه کے برخلاف اور تہذیب و شایستگي کے مخالف معلوم هوتے هیں پس همکو اُنکي تشریح و تفسیر میں تہذیب کرني چاهیئے *

پنجم تصحیح بعض مسایل مذهبي — هم کچهه شک نهیں کرتے که بعض مسایل ایسے بهي هیں یا یوں کهو که بعض ایسے مسایل کا هونا ممکن هی جن میں متقدمین نے غلطي کي هو پس اُنکو بحث میں لانا اور ایک امر منقح ٹهرانا همارے لیئے ضرور هی *

ان تمام چیزوں کو جو مذهب سے متعلق هیں همنے تہذیب و شایستگي میں اسلیئے داخل کیا هی که قوم کے مهذب هونے پر مذهب کا بڑا اثر هوتا هی پس جسقدر جس قوم کے مذهب میں نقص هی اُسقدر هي اُسکي پوري تہذیب میں نقصان هی *

ششم تعلیم اطفال — مذهب کے بعد جو چیز سب سے زیاده ضروري هی وه تعلیم هی همکو زمانه گذشته اور حال پر نظر کرکو ایک ایسا طریقه تعلیم معین کرنا چاهیئے جس سے علوم دیني اور دنیوي دونوں قسم کي تعلیم کا اعلی درجه تک همکو ثمره ملے *

هفتم سامان تعلیم — همارے لیئے صرف طریقه تعلیم معین کرنا هي کافي نهوگا بلکه آپس کي مدد اور مجموعي همت اور نیاکي سے اُسکا سامان بهي مهیا کردینا ضرور هوگا *

هشتم عورتوں کي تعلیم — کچهه شبهه نهیں هی که قومي تہذیب و شایستگي کے لیئے عورتوں کا تعلیم یافته هونا ضرور هی

کن کن چیزونمیں تہذیب چاہیئے

یکم ذیحجہ سنہ ۱۲۸۷ ہجری

کن کن چیزونمیں تہذیب چاہیئے

پس ہمکو لڑکیوں کی تعلیم کے لیئے اور اُنکو دستکاری سکھلانے کے لیئے کوئی عمدہ بندوبست کرنا چاہیئے *

نہم ہنر و فن و حرفہ — اپنی قوم میں ہر قسم کے ہنر اور صنعت اور فن و حرفہ کو پھیلانا و ترقی دینا قومی تہذیب کے لیئے ایک بہت بڑا جزو ہی *

یہہ تمام باتیں وہ تھیں جو مجموعاً و منفرداً ہر شخص سے اور کل قوم سے علاقہ رکھتی تھیں اب اُن باتوں کا ذکر کرتے ہیں جو ہر ایک شخص کی ذات سے علاقہ رکھتی ہیں مگر اُن کا اثر کل قوم پر ہوتا ہی اور ہر ایک میں اُن باتوں کے ہونے سے قومی تہذیب و شایستگی قرار پاتی ہی *

دہم خود غرضی — سب سے بڑا عیب ہم میں خود غرضی کا ہی اور یہی مقدم سبب قومی ذلت اور نا مہذب ہونے کا ہی ہم میں سے ہر ایک کو ضرور ہی کہ رفاہ عام کا جوش دل میں پیدا کریں اور یقین جانیں کہ خود غرضی سے تمام قوم کی اور اُسکے ساتھہ اپنی بھی بربادی ہوگی *

اِس مقام پر ہمکو ایک کہانی یاد آئی — انسان کے اعضا میں تکرار ہوئی اور ہر ایک عضو نے خود غرضی اختیار کی تھوڑی دیر بعد معدہ بھوک کے مارے بےچین ہوا پاؤں نے کہا کہ میں کیوں چلکر غذا بہم پہونچاؤں ہاتھوں نے کہا کہ ہم کیوں غذا کو مونہہ تک پہونچاویں آنکھوں نے کہا کہ ہم اُس میں کی بال مکھی کیوں دیکھیں ناک نے کہا کہ غذا کا سڑا بسا بساندا ہونا میں کیوں سونگھوں مونہہ نے کہا کہ میں کیوں چبا کر حلق میں نگلوں سب آپ آپ چپکے ہورہے دو ایک دن تو جوں توں گذر گئے پھر تو پاؤں لڑکھڑانے لگے ہاتھہ کانپنے لگے مونہہ ہلانے کی طاقت نرہی آنکھوں میں اندھیرا آنے لگا تب تو سب گھبرائے کہ یہہ کیا ہوا اُس وقت عقل کے پاس گئے اُس نے کہا کہ خود غرضی نے تمہارا یہہ حال کیا ہی تم نے جانا کہ دوسرے کے کام سے ہمکو کیا مطلب ہی حالانکہ حقیقت میں وہ تمہارا ہی کام تھا اور اُس کا نقصان تمہارا ہی نقصان تھا پس جس قوم کے لوگوں میں خود غرضی ہوتی ہی جیسیکہ ہندوستان کے مسلمانوں میں ہی تو وہ آپ اپنے تئیں برباد کرتی ہی *

یاز دہم عزت اور غیرت — غیرت اور عزت یہہ دونوں آپسمیں ایسی ملی ہوئی ہیں کہ کبھی جدا نہیں ہوتیں جس کو عزت ہی اُس کو غیرت ہی جس کو غیرت ہی اُسکو عزت ہی اب مسلمانوں میں اِن دونوں چیزوں کی کمی کیا بلکہ وہ معدوم ہوگئی ہیں — اگرچہ میری اِسبات سے لوگ متعجب ہونگے کہ مسلمان کیونکر ایسے ہیں اگر ابھی اُنکو کوئی گالی دے جان نکال لیں مرجائیں پر اپنی شان نجانے دیں شادی مہمانی میں ہرگز ناک کٹائی نہونے دیں روپیہ قرض لیں اور شادی دھوم سے کریں اگر باوا مرگیا ہی تو اُسکی فاتحہ اور چہلم کی تورہبندی میں کبھی دریغ نکریں پھر کیونکر اُنکو اپنی عزت یا غیرت کا خیال نہیں ہی *

یہہ سب باتیں سچ ہیں مگر یہہ سب شیطانی اور جھوٹی عزت اور غیرت ہی جو اصلی اور اخلاقی عزت ہی ہم اُس کا ذکر کرتے ہیں کس کو اِسبات کی غیرت ہی کہ ہمکو کوئی جھوٹا خیال نکرے کسکو اِسبات کا خیال ہی کہ ہم آپس میں اور معمولی باتونمیں بھی سچ کی عزت پر بٹہ نہ لگائیں کون ہی جو بلحاظ اپنی اخلاقی عزت کے کسی برائی کے فعل سے بشرطیکہ اُسمیں سزاے دنیاوی کا اندیشہ نہو بچ کر اپنے تئیں معزز رکھنا چاہتا ہی ہم یہہ نہیں کہتے کہ اور قوموں میں یہہ نقص نہیں ہیں مگر بلاشبہہ اتنا کہتے ہیں کہ مہذب و شایستہ قوموں میں نہ خدا کے ڈر سے بلکہ اپنی عزت کے ڈرسے اِن باتوں کا بہت خیال ہی *

دوازدہم ضبط اوقات — ہماری قومی تہذیب و شایستگی میں اوقات کے منضبط نہونے سے بڑا نقصان پہونچتا ہی ہر ایک کو اپنے خاص کاموں میں اپنی خاص اوقات کا اور جو کام عام قوم سے متعلق ہیں اُنمیں تمام قوم کو یکساں اوقات کا منضبط کرنا چاہیئے کہ یہہ بھی ایک اصل اصول قومی تہذیب و شایستگی کا ہی *

سیزدہم اخلاق — بالفعل مدار اخلاق ہم لوگوں میں اِتنے پر رہ گیا ہی کہ جس کسی سے ملے کچھہ ہنس کر سلام کیا کچھہ محبت کی جھوٹی باتیں بنائیں دو چار میٹھی میٹھی باتیں سنائیں کچھہ اپنی جھوٹی نیازمندی کا اظہار کیا کچھہ اُنکی جھوٹی تعریف کی آڑ بھگت کی اور دلمیں کہا کہ خوب اُلو بنایا جب وہ چلا گیا تو یا تو برا کہنے لگے یا جو باتیں کی تھیں اُنکا نقش بر آب کا سا بھی نشان نہ تھا *

یہہ سب باتیں اِنسان کے دلکو اور اُسکے اخلاق کو خراب کردیتی ہیں بلاشبہہ ہمکو سب سے جھک کر اور خندہ پیشانی سے ملنا چاہیئے مگر وہیں تک جہاں تک کہ اِنسانیت کا مقتضا ہی مگر اُسکو مکاری کی حد تک نہ پہونچانا چاہیئے *

چہاردہم صدق مقال — یہہ تو وہ صفت ہی کہ جو اِنسان کو قطب و ابدال کے درجہ سے بھی بڑھادیتی ہی مگر یہاں ہمارا مطلب دنیاوی باتوں میں سچے پن کا ہی ضرور ہی کہ سب لوگ سچ میں عزت سمجھیں ایک شخص دوسرے کی بات کو سچ سمجھے تاکہ قایل کو قبل کلام اِس بات کی غیرت ہو کہ سامع میرے اِس قول کو جھوٹ

یکم ذیقعدہ سنہ ۱۲۸۷ ہجری

کن کن چیزوں میں تہذیب چاہیئے

کن کن چیزوں میں تہذیب چاہیئے

نہ سمجھے ہم دیکھتے ہیں کہ ہم اپنے لڑکوں سے خوش طبعی میں کہتے ہیں کہ کیوں جھوٹ بولتا ہے آپسمیں ایک دوست دوسرے کو کہتا ہے کہ میاں کیوں جھوٹ بولتے ہو اِن باتوں سے جھوٹ کے عیب اور جھوٹ کے عادت کی غیرت دل سے جاتی رہتی ہے جو بڑا سبب ذلت قومی اور نامہذب اور ناشایستہ ہونے قوم کا ہوتی ہے *

پانزدہم دوستوں سے راہ و رسم — ہماری راہ و رسم جو دوستوں سے ہے اُسمیں بھی نہایت نقص ہیں ہم آپسمیں اِس طرح پر نہیں ملتے جیسے انسان انسان سے ملتے ہیں بلکہ اِس طرح پر ملتے ہیں جیسے حیوان آپسمیں ملتے ہیں اُن تمام طریقوں اور قاعدوں میں تہذیب کرنی ایک بڑا امر ضروری ہے *

شانزدہم — کلام طرز گفتگو اور سیاق کلام بھی جزو اعظم تہذیب و شایستگی کا ہے جسکی ہم میں بہت کسر ہے ہمارے کلام میں وہ الفاظ جو مہذبانہ گفتگو میں ہوتے ہیں نہایت کم مستعمل ہیں اور اِس لیئے اُسکی اصلاح کی بہت ضرورت ہے *

ہفتدہم لہجہ — اِسکو بھی تہذیب میں بڑا دخل ہے اکھڑلہجہ یا اِس قسم کی آواز جس سے شبہہ ہو کہ آدمی بولتے ہیں یا جانور لڑتے ہیں ناشایستہ ہونے کی نشانی ہے کسیقدر اِسپر بھی ہمکو توجہہ درکار ہے *

ہیژدہم طریق زندگی — یہہ تو ہمارا ایسا ابتر و خراب ہے کہ ہم بے مبالغہ کہہسکتے ہیں کہ بہت سے جانور ایسے ہیں جنکا طریق زندگی ہمارے طریقہ زندگی سے نہایت عمدہ اور اچھا ہے *

نوزدہم صفائی — بدن اور گھر اور لباس سب کی صفائی تہذیب میں داخل ہے انگریزی مثل ہے کہ خدا اور خدا کے بعد صفائی مسلمانوں کے ہاں بھی حدیث ہے کہ ”الطہور شطرالایمان“ مگر ہم مسلمان بہت کم اِس کی طرف متوجہہ ہیں صورت دیکھو تو واہ واہ گھر دیکھو تو سبحان اللہ اِسلیئے ہمکو صفائی پر توجہہ کرنے کی بھی بڑی ضرورت ہے *

بستم طرز لباس — لباس کی قطع اور وضع درست ہونی بہت بڑی نشانی تربیت یافتہ ہونے کی ہے دیکھہ لو کہ تمام دنیا میں جسقدر وحشیانہ پن کم ہوتا گیا اُسی قدر لباس کی درستی ہوتی گئی پس ہمکو اپنے لباس کی طرف متوجہہ ہوکر دیکھنا چاہیئے کہ کس قسم کی ترمیم کے لایق ہے *

بست و یکم طریق اکل و شرب — اگر ہم تعصب نکریں اور اِنصاف سے دیکھیں تو ہمارا طریقہ اکل و شرب ایسا ہے کہ جو قومیں ہم سے زیادہ صفائی سے کھاتی ہیں جب وہ ہمکو کھاتے ہوئے دیکھتی ہیں تو اُن کو گھن آتی ہے *

بست و دوم تدبیر منزل — ہماری تدبیر منزل یعنی انتظام خانہ داری ایسا ابتر و خراب ہے جسمیں نہایت درجہ کی اصلاح و ترقی کی حاجت ہے *

بست سوم راہ عورتوں کی حالت میں — غیر قوموں نے ہمارا برتاؤ عورتوں کے ساتھہ جیسا کچھہ خیال کیا ہے اور لکھا ہے اُسمیں یقینی بہت سی غلطیاں اور غلط فہمیاں ہیں مگر جو اصلی حالت عورتوں کی ہے بلاشبہہ ترقی کے لایق ہے اور ہمارا برتاؤ عورتوں کے ساتھہ بہت سی اصلاح اور تہذیب کا محتاج ہے *

بست و چہارم کثرت از دواج — اگرچہ ہندوستان کے مسلمانوں میں کم ہے مگر پھر بھی زیادہ ہے اور نہایت نالایقی سے اور خدا و خدا کے رسول کے حکم کے برخلاف برتا جاتا ہے یہہ ایسی بد خصلت مسلمانوں میں جاری ہے جس کی بدولت اسلام کو شرمندگی و بدنامی ہے *

بست و پنجم غلامی — اگرچہ ہندوستان میں انگریزوں کی بدولت غلامی کی بد رسم موقوف ہوگئی ہے مگر ہمارے مہذب و شایستہ ہونے کے لیئے صرف اُس کا موقوف ہونا ہی کافی نہیں ہے بلکہ ہمارے دل میں اِس بات کا یقین ہونا چاہیئے کہ درحقیقت یہہ رسم خلاف مسلمانی مذہب کی تھی اور فی نفسہ خراب و نالایق تھی اِسلیئے ہمکو اُس پر توجہہ کرنے کی ضرورت باقی ہے *

بست و ششم رسومات شادی — جو رسومات شادی کی ہم مسلمانوں میں رائج ہیں ایک بھی اُن میں سے مذہب اسلام کی رسم نہیں ہے اور جیسی نالایق اور نا مہذب وہ رسمیں ہیں شاید ہی اور کوئی رسم اُس سے زیادہ ناشایستہ اور نا مہذب ہوگی *

بست ہفتم رسومات غمی — اسیطرح رسومات غمی کا حال ہے کہ برخلاف مذہب اسلام کے ہم نے نا مہذب و ناشایستہ رسمیں اختیار کرلی ہیں *

خدا رحمت کرے مولوی اسمعیل پر جنکی بدولت بہت سی نامہذب و ناشایستہ رسمیں شادی و غمی کی ہم میں سے چھوٹ گئی ہیں مگر اِس پر بھی بہت کچھہ باقی ہیں جنکی تہذیب پر ہم کو متوجہہ ہونا چاہیئے *

بست و ہشتم ترقی زراعت — زراعت کی ترقی اور کاشتکاروں کے حالت کی بہتری قومی ترقی اور تہذیب میں بڑا اثر رکھتی ہے اور اُس میں ہمکو بہت کچھہ کرنا ہے *

بست و نہم تجارت — یہہ سب سے آخر جزو ہے قومی ترقی اور تہذیب و شایستگی حاصل کرنے کا اور ہم مسلمانوں میں سے یہہ امر بالکل متروک ہوگیا ہے پس ہمکو اپنی قوم میں اُس کا رواج دینا اور عمدہ اصول پر اُس کو قایم کرنا ایک بہت بڑا امر واسطے تہذیب و شایستگی حاصل کرنے کے ہوگا *

یہہ خیال نکرنا چاہیئے کہ یہہ تمام دنیا کی چیزوں کی ترقی ہمسے کیونکر ہوسکتی ہے اِس لیئے کہ اگر ہم متوجہہ ہونگے اور تہذیب و شایستگی حاصل کرنے پر دل لگاوینگے تو سب کچھہ ہم سے ہوسکیگا یہہ باتیں ظاہر میں بہت سی معلوم ہوتی ہیں لیکن آپسمیں ایک دوسرے سے ایسا علاقہ رکھتی ہیں کہ جب ایک بات میں ترقی شروع ہوتی ہے تو ہرایک بات میں از خود ترقی ہوتی جاتی ہے پر کوشش شرط ہے السعی منی والا تمام من اللہ تعالی *

والسلام

سید احمد

بمقام علیگڈہ — مطبع علیگڈہ انسٹیٹیوٹ میں چھپا اور باہتمام
منشی محمد مشتاق حسین شایع ہوا

THE
MOHAMMEDAN
SOCIAL REFORMER
تہذیب الاخلاق

جلد اول] ۱۵ ذیحجہ سنہ ۱۲۸۷ ہجری [نمبر ۷

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اطلاع

جسقدر روپیہ بابت اِس پرچہ کے بطور چندہ خواہ بطور قیمت وصول ہو وہ کسی خاص شخص کی ملکیت نہوگا بلکہ اِس پرچہ کے چھپوا و ترقی میں صرف کیا جاویگا *

مسلمانوں میں سے جو شخص ساٹھہ روپیہ سالانہ پیشگی بطور چندہ دے وہ اس پرچہ کے متعلق معاملات میں ممبر متصور ہوگا *

علاوہ اِس کے جو شخص کچھہ روپیہ بطور ڈونیشن دے وہ بشکر گذاری تمام لیا جاویگا *

یہہ پرچہ ہر مہینے میں ایک بار یا دو بار یا تین بار جیسا کہ مقتضاے مضامین ہوگا چھپا کریگا قیمت فی پرچہ دو آنہ اور مع محصول تین آنہ ہوگی مگر خریداروں کو کم سے کم تین روپیہ قیمت اور ایکروپیہ آٹھ آنہ محصول جملہ چار روپیہ آٹھہ آنہ پیشگی بھیجنے ہونگے *

اگر کوئی شخص کوئی خاص پرچہ خریدنا چاہے تو اُس کو فی پرچہ چار آنہ قیمت اور ایک آنہ محصول دینا ہوگا *

ممبروں کو بلا قیمت یہہ پرچہ ملیگا اور اُن کو اُس کے تقسیم کا بھی بلا قیمت جسکو وہ چاہیں اختیار ہوگا *

اس پرچہ میں بجز مضامین متعلق تہذیب اخلاق و حسن معاشرت کے جہاں تک کہ وہ مسلمانوں سے متعلق ہیں اور کچھہ مندرج نہوگا *

مضمون نمبر ۱۹

مصر اور اُس کی تہذیب

مشہور ہی کہ مسلمانی ریاستوں میں سے مصر نے تہذیب و شایستگی میں بہت ترقی کی ہی اس لیئے ہم اُس کا کچھہ حال جو ہماری آنکھہ کا دیکھا ہی لکھتے ہیں *

مصر کی تہذیب و شایستگی کا حال بیان کرنے کے لیئے وہاں کے باشندوں کو چار فرقوں میں تقسیم کرنا چاہیئے *

اول یورپین یعنی فرنچ اور اٹالین اور گریک اور کچھہ انگریز جو بطور رعایا یا تجار وہاں بسے ہوئے ہیں *

دوم مسلمان امرا و رؤسا و عہدہ دار جو اُس ملک میں رہتے ہیں یعنی اعلی درجہ کے مسلمان باشندے مصر کے *

سوم عیسائی مصری یعنی مصر کے رہنے والے جنہوں نے قدیم یا حال کے زمانہ میں مذہب عیسائی اختیار کیا ہی اور جو اکثر قبطی نسل کے ہیں *

چهارم متوسط درجه اور اعلی درجه کے مسلمان باشندے مصر کے *

یورپ کي قومیں جو مصر میں هیں اگرچه وه به نسبت أن یوروپین قوموں کے جو خاص یورپ میں رهتي هیں تهذیب و شایستگي میں گهٹي هوئي هیں لیکن پهر بهي نهایت مهذب اور شایسته اور تربیت یافته هیں أن کے مکان نهایت صاف اور بطوري بقدر اپنے اپنے مقدور کے آراسته پهولوں اور پهلدار درختوں اور بیلوں کو جا بجا مکان پر چڑهانے سے پیراسته هیں هر ایک یوروپین کا مکان اسي طرح پر بقدر اپنے مقدور کے آراسته هی الا بهت مفلس یوروپین جو قدیم شهر کے اندر عام لوگوں سے ملے هوئے رهتے هیں اور جن میں سے ایک شخص کریک کے گهر میں میں خود گیا تها مثل عام مصریوں کے گهروں کے خراب هیں *

یوروپین کي عورتیں بهي نهایت خوبي اور صفائي سے رهتي هیں نفیس نفیس لباس پهنے هوئے پهرتي هیں بات چیت نهایت تهذیب اور شایستگي سے کرتي هیں اور یوروپین مرد عموماً صاف اور درست معمولي لباس کوٹ پتلون پهنے هوئے رهتے هیں الا یورپ کي ٹوپي سو میں دو چار پهنتے هونگے ورنه سب کے سب ترکي لال ٹوپي پهندنے دار پهنتے هیں أن کا لباس اور بدن اور کهانا اور کهانے کے برتن پاک صاف أجلے اور درست رهتے هیں یوروپین زن و مرد اپني یورپ کي زبان بهي بولتے هیں اور عربي بهي خوب بولتے هیں جو بالفعل تمام مصریوں کي زبان هی بات چیت ان لوگوں کي نهایت شایسته اور مهذب اور لهجه گفتگو مثل مهذب آدمیوں کے لهجه کے هی *

مسلمان امرا و رؤسا و عهده داران نے بالکل اپنا قدیم طریقه اور قدیم لباس اور پورانا طرز زندگي چهوڑ دیا هی سب کے سب کوٹ پتلون پهنتے هیں اور لال پهندنے دار ترکي ٹوپي اوڑهتے هیں مثل یوروپین کے اپنے مکانات کو صاف اور پهولوں اور پهولدار درختوں سے آراسته رکهتے هیں میز و کرسي پر بیٹهتے هیں چهري کانٹے سے کهانا کهاتے هیں اکثر فرانچ اور عربي اور ترکي تینوں زبانیں جانتے هیں أن کي نسبت مجهکو کهنا چاهیئے که اگر بالکل یوروپین کي مانند مهذب نهیں هوگئے هیں تو أن کي پوري پوري نقل تو ضرور کي هی *

عیسائي مصري بهي تهذیب و شایستگي میں کم نهیں أنهوں نے اپنے هم مذهب یوروپین بهائیوں کا سا برتاؤ اور طریقه اختیار کیا هی میں هر ایک عیسائي مصریوں سے ملا اور أنکو تهذیب و شایستگي میں آراسته پایا وه سب قبطي نسل کے تهے اور أن میں سے ایک شخص باوجودیکه بجز عربي زبان کے اور کوئي زبان نهیں جانتا تها مگر هر بات اور عادت اور بات چیت میں مثل یوروپین جنٹلمین کے مهذب تها مصري عیسائي لڑکیوں کے پڑهانے کے لیئے مشنریوں نے اسکول بهي بنائے هیں اور أن لڑکیوں کو عربي زبان میں تعلیم هوتي هی اور انجیل اور أور دعاؤں کي کتابیں عربي زبان میں پڑهائي جاتي هیں *

متوسط درجه اور ادنی درجه کے مسلمان مصري جو بهت کثرت سے هیں نهایت خراب اور ابتر حالت میں هیں میلے اور نهایت میلے اور لباس نهایت خراب اکثر نیلا کرتا جس کا گریبان کهلا هوا هی پهنے هوئے هیں اور ٹانگوں میں کوئي چیز نهیں بالکل ننگي اور کپڑا ایسا میلا که شاید پهننے کے بعد کبهي دهونے کي نوبت نهیں آتي هوگي پاس بٹهانے کو دل نهیں چاهتا بدن و کپڑوں میں سے بري بو آتي هی *

متوسط درجه کي عورتوں کي حالت به نسبت مردوں کے اچهي معلوم هوتي هی مگر ادنی درجه کي عورت و مرد کي نهایت خراب حالت معلوم هوتي هی اور جو که یهي لوگ سب سے زیاده کثرت سے هیں اِس لیئے مصر باعتبار خلقت کے آنکهه میں نهایت برا اور خراب معلوم هوتا هی اگر مصر کے بازاروں میں جاؤ اور عام طور پر وهاں کي خلقت پر نظر ڈالو تو ایسا معلوم هوتا هی جیسیکه هندوستان میں قحط کے دنوں میں بهتنیر کي طرف کے لوگ عورت و مرد نیلے کرتے پهنے هوئے اور تباه حالت میں چلے آتے هیں تمام یوروپین کیا مرد اور کیا عورت أن لوگوں میں ایسے معلوم هوتے هیں جیسے اندهیري رات میں تارے یا کوڑے میں موتي *

اِس درجه کے لوگوں کا لهجه گفتگو ایسا نا شایسته اور خراب هی که أنکي نامهذب آواز کي دل پر چوٹ لگتي هی بهت بلند اور حلق میں سے نکلنے والي اور نهایت درشت آواز سے جس میں گردن کي رگیں تن جاتي هیں باتیں کرتے هیں یهه معلوم هوتا هی که دو جانور آپس میں لڑتے هیں اور باوجودیکه وهاں مسلمان گورنمنٹ هی تب بهي اِس فرقه کے لوگ یوروپین کے سامنے بسبب اپنے ناشایسته نامهذب هونے کے نهایت ذلیل هیں اور جانوروں سے بدتر أن کا حـ هی سلطنت اسلام هی الا اسلام صرف اِن مسلمانوں کے ناشایسته نا تربیت یافته هونے سے غیر قوموں کي آنکهه میں ذلیل هی *

پهلے پهل جب میںنے مصریوں کو آپس میں بات چیت کرتے دیکهـ تو میںنے خیال کیا که بسبب عربي زبان هونے کے جس میں حر حلقي زیاده هیں أن کا لهجه ایسا خراب هی مگر میں نے جب قبـ عیسائیوں کو دیکها جو تربیت یافته تهے أن کا لهجه نهایت سبک آواز نرم اور آهسته بات کرنا سب کچهه عمده تها أن کے مولهه

 مصر اور اُسكي تهذيب

لفظ پيارے معلوم هوتے تهے اور عورتوں كے مونهه سے تو وه عربي لفظ نهيں نكلتے تهے بلكه پهول جهڑتے تهے *

مجهه پر ميري مصر ميں ايك زمانه ايسا گذرا كه تهوڑي دير كے ليئے ميں نے خيال كيا كه شايد جين مذهب حق هى جبكه ميں نے تمام چيزوں كو آنسه ميں اور جينيوں كے مندر كو اس ميں ديكها اور مصر كي سير ميں مجهه پر ايك زمانه ايسا گذرا كه تهوڑي دير كے ليئے ميں نے خيال كيا كه شايد عيسائي مذهب حق هى كيونكه هر مقام پر جو خوبي اور عزت اور بركت خدا نے عيسائيوں كو دي هى وه اور كسيكو نهيں دي پس كيا شرم كي بات هى كه مسلمان اپنے نا مهذب اور ناشايسته هونے سے اسلام كو داغ لگائيں اور اُس كو حميت اسلامي كے برخلاف نه سمجهيں *

معلوم هوتا هى كه مصر كي عورتوں ميں باهر نكلنے كا عام رواج هى غريب عورتيں پياده پهرتي هيں اور ذيمقدور خاندان كي عورتيں بروم اور فٹن اور چوٹ پر سوار هوكر پهرتي هيں مگر باهر پهرنے كا ايك خاص قسم كا لباس هى كه اُس ميں بجز آنكهوں كے اور كچهه نهيں معلوم هوتا آنكهوں كے نيچے ناك پر سياه رنگ كا لنبا هاتي كي سونڈ كيطرح ايك كپڑا لٹكاتي هيں جس سے نهايت هيبت ناك صورت هو جاتي هى اُن كي هيئت مجموعي ايسي معلوم هوتي هى كه گويا ممي قبر ميں سے نكلكر پهرتي هى *

امير عورتوں كے باهر نكلنے كا لباس اُن سے كسيقدر بهتر هى خديو مصر كي بيگمات جو حرم كهلاتي هيں ايك دفعه سواري ميں مجهكو مليں نهايت عمده بروم ميں كهلے ميدان سوار تهيں چار گهوڑے جتے هوئے تهے اور گورے نوجوان انگريزي وردي پهنے هوئے پشتيو گهوڑوں كو هانكتے تهے ايك يورپين فوجي افسر گهوڑے پر سوار آگے آگے تها اور چار سوار مصري فوجي پيچهے تهے اور ايك حبشي خواجه سرا گهوڑے پر سوار ساتهه ساتهه تها *

يهه بات خيال كرني كه مصري گورنمنٹ نے اپنے ملك كو مهذب اور شايسته كرنے ميں كسقدر كاميابي حاصل كي هى ايك نهايت مشكل كام هى كيونكه اس بات كا فيصله كرنے كے ليئے اُس ملك كے حالات سے نهايت واقفيت هوني چاهيئے تا هم باوجوديكه عام لوگ ايسي خراب اور ذليل و ناشايسته حالت ميں هيں اس پر بهي تهذيب و شايستگي كي بهت ترقي معلوم هوتي هى شهر جو كه نهايت ميلا اور خراب اور بد وضع مردوں كے ركهنے كي بدبو دار تهه خانوں كي مانند تها نهايت عمده هوتا جاتا هى شهر كے غربي جانب بلاق تك ايسا عمده شهر آراسته هوا هى كه ديكهنے سے تعلق هى نهايت نفيس سڑكيں اور جا بجا حوض و فواره اور چوكوں ميں خوبصورت خوبصورت پهولوں كے باغچے طيار هوگئے هيں تمام دوكانيں اور بالكل مكانات اور هوٹليں انگريزي طور پر طيار هيں ۔ مصر كا شهر غربي جانب كا بلاق تك هرگز افريقه كا شهر نهيں معلوم هوتا بلكه يورپ كا عمده و نفيس شهر معلوم هوتا هى صرف دو نقص عظيم پائے جاتے هيں ايك تو يهه كه يهه خوبي جس قدر هوئي گورنمنٹ كي طرف سے هوئي رعايا ايسي مهذب نهيں هى كه وه خود يهه سب كام كرے دوسرے يهه كه شهر كي اس نفيس طرف جسقدر آبادي هى وه اكثر يورپين كي هى اور وهي رهتے هيں اور عيش و آرام كرتے هيں اور فرحت اور خوش حالي سے زندگي بسر كرتے هيں اور مسلمان اب تك اكثر اُسي مريشي خانه ميں بندهتے هيں اور ذلت اور نكبت سے نهيں نكلے *

مصر ميں اُس كي گورنمنٹ كي كوشش سے تهذيب و شايستگي پهيلانے كا ايك اور بڑا نشان يهه هى كه تعليم كے قواعد كسي قدر رائج هوتے جاتے هيں مصر كے مدرسه كو جو خديو كا مدرسه كهلاتا هى ميں نے ديكها نهايت عمده هى اور وهاں صرف تعليم هي نهيں هوتي بلكه لڑكوں كو تهذيب و شايستگي بهي سكهائي جاتي هى تمام لڑكے نو عمر نهايت عمده اور خوبصورت وردي پهنے هوئے تهے انگريزي بوٹ اور كوٹ پتلون اور سرخ تركي ٹوپي پهندنے دار پهنے هوئے اور ميز و كرسي پر اپني اپني جماعتوں ميں بيٹهے هوئے نهايت خوبصورت دكهائي ديتے تهے هر ايك علم پڑهنے والوں كي وردي كي رنگت ميں يا كسي خاص وضع كے تغمے كا فرق تها تمام علوم و فنون عربي زبان ميں جو اُن كے ملك كي زبان هى پڑهائے جاتے هيں علاوه اس كے انگريزي اور فرنچ اور جرمن زبان سكهلائي جاتي هى اور انجام كار لايق لڑكوں كو تكميل علم كے ليئے جرمن و فرانس اور لندن ميں بهيجا جاتا هى *

هر قسم كا هنر مصريوں ميں ترقي پر هى تمام كام ريل كے چلانے كا مصري خود آپ كرتے هيں دهوئيں كي كل سے كام ليتے هيں دهوئيں كا پمپ اور دهوئيں كا هل كنوار دهقانوں كو چلاتے ميں نے ديكها كاغذ بنانے كي كل جو دهوئيں سے چلتي هى مصري چلاتے هيں اور كاغذ بناتے هيں دهوئيں كي كل سے مصري چهاپے خانے كا كام كرتے هيں يهه سب باتيں ايسي هيں جن كے سبب مصريوں كو هندوستان كے مسلمانوں سے باوجوديكه هندوستان كے مسلمان اُن سے بهت زياده خوشحال هيں فوقيت ديتے هيں *

ميوزيم مصر كا يعني عجايب خانه ايسا عمده هى كه مصر كي پراني چيزوں كے ليئے اپنا نظير نهيں ركهتا پراني لاشيں جو ممي كهلاتي هيں اور پراني صنايع مصر كي نهايت خوبصورتي اور عمدگي سے آراسته هيں اور بهت فائده بخش عبرت انگيز اور حيرت خيز هيں *

• ولیم ہورڈ رسل صاحب نے جو ایک مشہور نامي گرامي قابل شخص ہیں اپنے روزنامچہ میں مصر کي گورنمنٹ کي نسبت ایک راے لکھي ہی جو کہ نہایت دلچسپ رہی ہم اُس کو اِس مقام پر لکھتے ہیں اور وہ یہہ ہی *

وہ اِس بات کي نسبت راے دیتي کہ نہ مصر ترقي کي حالت میں ہی یا تنزل کي اُس وقت ہوسکتي ہی جب نہ اُس ملک کے حالات کا ایک خاص علم ہو نامي لوگ جو مصر میں جاتے ہیں اُن کے ساتھہ مدارات کرنے میں اسمعیل پاشا کو یورپ کي شایستہ اور مہذب قوموں سے کچھہ سیکھنا نہیں ہی ممکن ہی کہ یہہ بات لوگوں کي حیثیت کے لیئے کسوٹي نہو اور نہ میں اُس کے کسوٹي ہونے پر استدلال کرتا ہوں مگر اِس سے یہہ مقصود ہی کہ انگلستان کے لوگ بے تمیزي سے اُس کي نکتہ چیني نکریں بلکہ اُس قوم کي جس کي عزت اُس کے بادشاہ کي ذات میں ہی شکر گزاري کریں *

میں تمام ہندوستان میں پھرا ہوں اور میں جانتا ہوں کہ اگر کوئي اجنبي شخص گو کہ وہ مہیم ہو لیکن ہندوستان کے حالات سے نا واقف ہو صرف رعایا اور دہقاني اور قصباتي بازاریوں سے ظاہري صورت دیکھہ کر انتظام انگریزي کي نسبت اتہام لگائے اور اپني راے قایم کرے تو کیسي مشکل کي بات ہی کلکتہ میں گورنر جنرل یا کسي صوبہ میں چیف کمشنر یا کوئي کلکٹر یا جج بلکہ اور ادنی عہدہدار کو معہ اُسکے ملازمین اور چپراسیوں اردلي اور جلوس سواري کے رعایا کي حیثیت سے مقابلہ کرو اور غور کرو کہ محل کے رہنے والوں کي کیا کیفیت دکھائي دیتي ہی خیال کرو کہ ہمنے ہندوستان کے لوگوں سے تونٹنگ اِسٹریٹ میں سلطان کے بال کا ایک گرانہ معہ خرچ دلایا ہی غور کرو کہ اُس عملداري میں جو دنیا میں نہایت عمدہ ہی (یعني انگریزي عملداري میں) کیا کیا ہوتا ہی تب مسلمان حکمران (یعني خدیو مصر) پر پتھر پھینکو جو في الحقیقت اپني رعایا کو اُسي حال میں رکھنا چاہتا ہی جس حال میں اُن کے باپ دادا رہتے تھے اور باوصف اِس کے اُس نے اپنے ملک کو ضروري باتوں میں کامیابي بخشي ہی اور ترقي دي ہی اُس نے سڑکیں اور پاني کے جھرنے بنوائے دارالسلطنت یعني شہر قاہرہ کو آراستہ کیا ہنر اور صنعت کو بڑھایا اور جہاں تک اُس سے ہوسکا اُس نے اُس زنجیر کو توڑ ڈالا جو مسلمانوں کو عیسائیوں سے جدا کرتي ہی *

فرض کرو کہ اگر اسمعیل پاشا ہر آدمي کو جو اُس کے ملک میں رہتے ہیں اُن کے گھر سے اور اُن کے پیشہ سے چھوڑا کر چند سال کے لیئے سرکاري خدمت پر مجبور کرے تو اُس حالت میں اُس کے اطوار کي نسبت کیا کچھہ نہ کہا جاویگا *

فرض کرو کہ اگر اِسمعیل پاشا کروڑوں اپني رعایا سے کہے کہ تم کو محصول دینا پڑیگا اور جو میں حکم دونگا وہي کرنا ہوگا لیکن تمکو کوئي جلیل عہدہ سلطنت میں نصیب نہوگا اور فوجي اور جہازي اور سول کے کاموں میں بجز ادنی کاموں کے اور کوئي کام تمکو نہ ملیگا تو ہم لوگ کسقدر اُس کو لعنت ملامت کرینگے " *

مسٹر رسل کي یہہ راے در حقیقت نہایت عمدہ اور منصفانہ ہی اور جس عالي رتبہ اور دیانت طبیعت کے وہ ہیں اُسي رتبہ کي یہہ راے ہی مگر نا مہذب گورنمنٹ اور نامہذب قوم کو اُس کو پڑھکر پھولنا اور خوش ہونا نہیں چاہیئے مہذب اور تربیت یافتہ گورنمنٹ میں اگر کوئي نقص ہوتا ہی تو ہزاروں بھلائیاں بھي ہوتي ہیں جیسیکہ اُن گورنمنٹوں میں جنکي طرف مسٹر رسل صاحب نے اشارہ کیا ہی مگر نامہذب اور نا تربیت یافتہ گورنمنٹ میں یہہ ہوتا ہی کہ اُس میں برائي ہي برائي دکھائي دیتي ہی اور بھلائي ایسي قلیل ہوتي ہی جو خیال میں نہیں آتي اگر یہہ بات سچ ہو جیساکہ مسٹر رسل نے خیال کیا ہی کہ مسلمان حاکم یعني خدیو مصر اپني رعایا کو اُسي حالت میں رکھنا چاہتا ہی جس حالت میں اُن کے باپ دادا تھے تو حقیقت میں وہ حاکم کافر اور ظالم فرعون سے کچھہ اور زیادہ درجہ نہیں رکھتا ہی اور جو بھلائي کہ اُسنے کي ہو اُس بھلائي سے زیادہ نہیں ہی جو فراعنہ مصر رعایا کو ظالم سے بیگار میں پکڑ کر کام لیتے تھے اور پیاز اور سوکھي روٹي کھانے کو دیکر اُن کے ساتھہ بڑي نیکي کرتے تھے جو گورنمنٹ کہ اپني رعایا کي ترقي کي دل سے خواہاں نہیں وہ حقیقت میں گورنمنٹ نہیں ہی بلکہ رعایا کي دشمن ہی *

مہذب قوم اور نا مہذب قوم میں بھي بڑا فرق ہوتا ہی یہہ ہرگز نہیں ہوتا کہ مہذب قوم میں کوئي نقص یا عیب یا برائي نہو مگر البتہ یہہ ہوتا ہی کہ اُن برائیوں کے ساتھہ لاکھوں کروڑوں بھلائیاں بھي ہوتي ہیں مگر نامہذب قوم میں بجز برائیوں کے اور کچھہ نہیں دکھائي دیتا نامہذب قومیں گناہ کو ایسے برے طور سے اِستعمال کرتي ہیں جس سے اُس گناہ کي بدیاں بہت زیادہ عام اور تمام قوم کو خراب کرنے والي ہوجاتي ہیں مہذب قومیں اگرچہ وہي یا اُسي قسم کا گناہ کرتي ہیں مگر وہ اِس طرح پر وقوع میں آتا ہی کہ اُس کي بدي عام ہونے نہیں پاتي قوم کي قوم کو غارت و تباہ نہیں کرتي سچ ہی

شرط سلیقہ ہی ہرایک کام میں * عیب بھي کرنے کو ہنر چاہیئے

نامہذب قوم نیکي بھي ایسي بري طرح کرتي ہی کہ یا تو وہ نیکي نیکي نہیں رہتي یا غیر مفید اور بے محل ہوجاتي ہی مہذب قوم جو نیکي کرتي ہی وہ ایسے سلیقہ اور خوبي سے کرتي ہی کہ وہ نیکي زیادہ عمدہ اور بہت مفید اور بر محل ہوتي ہی *

نامہذب قوموں میں اعتدال نہیں ہوتا نیکی کی طرف اگر متوجہ ہوتی ہیں تو اُس کو اتنا کھینچتی ہیں کہ ٹوٹ جاتی ہی بدی کی طرف متوجہ ہوتی ہیں تو اُس کو اِتنا بڑھاتی ہیں کہ شیطان کے بھی کان کاٹتی ہیں *

اِس زمانہ میں ہمارے بھائی بلکہ مسلمان صاحبوں کا یہہ حال ہی کہ اگر کسی مہذب قوم کا ذکر اُن کے سامنے کرو تو اُس قوم کی برائیوں اور عیبوں کا ذکر کرتے ہیں ای صاحب یہہ کون کہتا ہی کہ مہذب قوموں میں کوئی عیب نہیں ہوتا مگر یہہ تو دیکھو کہ اُن میں اُن عیبوں کے ساتھہ بہت سی بھلائیاں اور خوبیاں بھی ہیں ہم اُن کے عیبوں کو کیا تکیں جبکہ ہم میں عیب ہی عیب بھرے ہیں مثل مشہور ہی کہ " چھاج بولے تو بولے چھلنی کیا بولے جسمیں نو سو بہتر چھید " *

راقم
سید احمد

نمبر ۴۰

تربیت اطفال

اگر ہم اِس بات پر خیال کریں کہ اِنسانوں کے عیوب مثل کالے بادلوں کے جمع ہوکر ہم ہی پر برستے ہیں تو دنیا سے اِنسانوں کے عیوب بہت ہی کم ہوجاویں اور اگر ہم مرے ہوئے لوگوں کی آواز پر کان دھریں اور سمجھیں کہ وہ قبروں میں پڑے ہوئے زبان حال سے کیا کہہ رہے ہیں تو شاید ایک بھی برائی دنیا میں نرہے مگر افسوس کہ ہماری آنکھیں اندھی اور ہمارے کان بہرے ہیں *

اکثر دیکھا جاتا ہی کہ جب وقت گذر جاتا ہی تو بہت سی باتوں کا پچھتاوا آتا ہی کہ افسوس ہمنے یہہ نہ کیا اور وہ نہ کیا اُسوقت پچھتانے سے کیا ہوتا ہی کیونکہ گیا وقت پھر ہاتھہ نہیں آتا لاعلاج رنج کا نہایت ہی جانکاہ رنج ہوتا ہی پس اگر ہم ایسے رنج سے بچنا چاہیں تو اُسکا علاج صرف یہی ہی کہ موجودہ وقت کو غنیمت جانیں — غنیمت داں ہمیں دم را کہ حالست *

یہہ بات جو ہمنے کہی ٹھیک ٹھیک اِنسان کی طفولیت کی حالت سے نہایت ہی مناسبت رکھتی ہی اِس لیئے کہ جو عمر اور وقت اُس کا ہی جب وہ گذر جاتا ہی تو بجز لاعلاج رنج رہجانے کے کچھہ نہیں ہوتا اور پھر اُنکا ناتربیت یافتہ رہنا مثل کالی گھٹا کے امنڈ کر گرجتا ہی اور ہم پر برستا ہی اور کسی کے گھر کو بہادیتا ہی کسی کے خانمان کو جلا دیتا ہی *

ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا کی تمام چیزوں میں قدرتی تبادلہ ہوتا رہتا ہی اور بجز اِنسان کے ایسی اَور کوئی چیز نہیں ہی جسکو اُس تبادلہ میں کچھہ دخل ہو اگرچہ اِنسان کو کسی چیز کے پیدا کرنے کی طاقت نہیں ہی مگر اُسمیں اِتنی قدرت ہی کہ بہت سی چیزوں کو اپنے اختیار اور قابو میں کرکر اُس قدرتی تبادلہ میں شریک ہو اِنسان ہی ایک ایسا وجود ہی جو تھوڑا بہت کارخانہ قدرت کے بگاڑنے یا سنوار نے میں دخل رکھتا ہی وہی ایسا ذی عقل اور ذی شعور مخلوق ہی کہ دنیا کی آیندہ کی رفتار کو روک سکتا ہی یا ترقی کرسکتا ہی یا ابتر و خراب حالت میں ڈال سکتا ہی *

یہہ اِقتدار اِس ناکامل اور فانی وجود کا جیسا کہ لڑکوں کے تربیت یا ناتربیت رکھنے سے ظاہر ہوتا ہی ایسا اَور کسی چیز سے ظاہر نہیں ہوتا جبکہ ہم لڑکوں کی حالت پر غور کرتے ہیں اور اُنکی بھولی بھالی اور سیدھی سادی طبیعتوں کو ہر ایک قسم کے گناہ سے پاک پاتے ہیں اور ہر قسم کی تربیت کی استعداد اُنمیں دیکھتے ہیں تو ہمکو خدا کی کامل قدرت کا نمونہ دکھائی دیتا ہی اور یقین ہوتا ہی کہ وہ اُس ذات کامل کی دلی بخشش کی ہوئی چیزیں ہیں اُسکے بعد ایک زمانہ تک وہ ہمارے ساتھہ رہتی ہیں ہمارے سامنے اُنکی عقل و فہم کی ترقی ہوتی ہی اور ہماری تعلیم اور تربیت اُنمیں اثر کرتی ہی اور یا تو اچھی اچھی مثالوں کے دیکھنے سے اُنمیں عمدہ عمدہ عادتیں اور خصلتیں بیٹھہ جاتی ہیں اور یا بری بری نظیروں کے دیکھنے سے شروع ہی سے اُنمیں بد عادتیں اور خراب خصلتیں پڑجاتی ہیں بہر حال لڑکپن کا موسم نکل جاتا ہی اور جو کچھہ کہ لڑکوں نے ہماری صحبت اور تربیت سے نیک یا بد حاصل کیا ہو اُسکا اثر دنیا میں رہ جاتا ہی *

لڑکپن کے زمانہ میں جو عمر کہ سات برس سے پندرہ برس تک ہی رہی ایسا زمانہ زندگی کا ہی جسمیں آیندہ کی بہبودی کے لیئے زیادہ تر کوشش ہوسکتی ہی اُس زمانہ میں لڑکوں کا دل ہرچیز کا متلاشی رہتا ہی حافظہ تیز ہوتا ہی قوت غور مضبوط ہوتی ہی اچھی عادتوں کا دیکھنا اور عمدہ عمدہ نظیروں سے تربیت پانا جسکو عموماً نیک صحبت کہتے ہیں نہایت ہی موثر ہوتا ہی یہہ زمانہ لڑکوں کے لیئے ذہنی و عقلی اور اخلاقی تخم ریزی کا ہوتا ہی کیونکہ اِسوقت تعلیم کو دل نہایت جلد قبول کرتا ہی اور اُس کے تخم کو جسمیں آیندہ نہایت عمدہ عمدہ پھل پھول پیدا ہونگے بہت جلد اوگا دیتا ہی لیکن اگر اُس زمانہ میں تربیت نہیں ہوتی تو پھر بہت ہی کم فائدہ ہوتا ہی کیونکہ جوں جوں دن گذرتے جاتے ہیں عادت میں مضبوطی آتی جاتی ہی یہاں تک کہ آخر کار عادت طبیعت سے مل جاتی ہی اور طبیعت ثانی کہلاتی ہی جسکا بدلنا نہایت ہی دشوار ہوتا ہی *

تربیت اطفال

تربیت اطفال

ایک نہایت لایق شخص کا حکیمانہ قول ہی کہ ” لڑکپن کی طبیعت کتنی لڑنے امر اہم کی چیز ہی کہ آیندہ کی بھلائی یا برائی اُسیکی احتیاط و غیر احتیاط پر منحصر ہی جو لڑکوں کے مربیوں کی طرف سے ہوتی ہی “ بس جو لوگ کہ قومی تربیت یا قومی ترقی کے خواہاں ہیں اُنکا سب سے بڑا کام یہی ہی کہ لڑکوں کی تربیت کے لیئے عمدہ اِنتظام کریں جنسے ہمکو آیندہ کی بہبودی کی توقع ہی ورنہ ہم پر یہی مثل صادق آویگی کہ میں نہیں بوڑھے طوطے بھی پڑھے ہیں *

ہم دیکھتے ہیں کہ مسلمانوں میں تربیت اطفال کا کوئی ذریعہ موجود نہیں ہی اور بڑا سبب اُنکی حالت کے تباہ ہونے اور اولاد کے نالایق رہنے یا آوارہ ہو جانے کا یہی ہی ہم اُن حالتوں کا ذکر نہیں کرتے جنمیں اطفال آوارہ اور خراب ہوجاتے ہیں کیونکہ اُسکو تو سب برا جانتے ہیں بلکہ ہم اُس حالت کا ذکر کرتے ہیں جس میں غلطی سے لوگ سمجھتے ہیں کہ ہماری اولاد نے خوب تربیت پائی ہی غلطی اسلیئے ہی کہ حقیقت میں وہ تربیت عمدہ تربیت نہیں ہی اور یہی سبب ہی کہ اُنکو کچھہ لیاقت نہیں آتی اور اُنکے دل میں اخلاقی فیاضی اور طبیعت کی آزادگی اور دل کی کشادگی نہیں ہوتی تمام قوا جو اُن میں خدا تعالی نے رکھے ہیں سب پژمردہ اور ناکارہ رہجاتے ہیں اور رفتہ رفتہ اُن میں وہ قوا جن سے انسان اپنے کسی زمانہ عمر میں نام آور اور دل چلا اور عالی حوصلہ غیرت والا ہوتا ہی باقی نہیں رہتے *

مسلمانوں میں اگر کسی شخص کی اولاد عوام‌الناس کے لونڈوں میں کھیل کود سے بچے اور اپنے ہی ہم جولیوں میں رہے اور اپنے یا اپنے ہمسر خاندان کی صحبت اوٹھائے اور دوزانو بیٹھنا اور جھککر سلام کرنا یا میں کو ٹھیک اُسکے مخرج سے نکالکر سلام و علیک کرنا اور ہاتھہ جوڑ کر مزاج شریف پوچھنا سیکھہ جاوے تو نہایت سعادتمند اور تربیت یافتہ گنا جاتا ہی اور جب اُسکے ساتھہ اُسکو کچھہ لکھنا پڑھنا بھی آتا ہو اور کسی میانجی یا ملا سے پڑھتا بھی ہو تو وہ تو تربیت کے کنگورہ پر پہونچا ہوا سمجھا جاتا ہی اور اگر بخت و اتفاق سے اُسنے دو چار کتابیں زیادہ پڑھلیں اور صدرہ شمس بازغہ پڑھنے لگے تو پھر تو بارا جان پہوانہ بھی نہیں سماتے اور لڑکے کا میاں مولوی اور میاں فاضل محمد کے سوا اور کوئی نام ہی نہیں لیتے اور اگر ایسا اتفاق ہوا کہ چند تعصبات مذہبی نے اُنکا گلا گھونٹا اور نماز پڑہ پڑہ کر ماتھے پر سیاہ گٹا ڈال لیا اور دو چار فقہ حدیث کی کتابیں پڑہ لیں اور مسئلہ مسایل بگھارنے لگے پھر تو وہ عرش سے بھی آگے بڑہ گئے اور شبلی و جنید کو بھی ترہانے لگے *

مگر صرف اتنا ہی جتنا کہ بیان ہوا کافی نہیں ہی بلکہ مفید تربیت ہونے کے لیئے اُوپر بہت کچھہ ہونا چاہیئے پس اگر غور سے دیکھا جاوے اور انصاف کیا جاوے تو یہہ تربیت کچھہ تربیت نہیں ہی ایسی تربیت کا نتیجہ یہہ ہوتا ہی کہ لڑکوں کے خیالات مثل جانوروں کے خیالات کے محدود ہو جاتے ہیں اور کسی قسم کی ترقی کا مادہ اُنمیں نہیں رہتا اُنکی حرکات مؤدبانہ صرف ایسے بندر کی سی حرکات ہوتی ہیں جسکو سلام کرنا اور ادب سے بیٹھنا اور کھڑے رہنا سکھایا ہو اُس حرکات میں اُن اخلاقی اوصاف کا جن سے از خود حرکات انسانی بلا تصنع قدرتی ادب و اخلاق کے مقتضی پر ہوتی ہیں کچھہ بھی اثر نہیں پایا جاتا بلکہ انسان میں جو ایک مہذب دلیری اور مودب بہادری اور معدوم خود داری ہونی چاہیئے جسکو مختصر لفظ غیرت سے تعبیر کیا جاتا ہی ایسے ادب سکھانے سے باقی نہیں رہتی اُسکی طبیعت بعوض اسکے کہ بلند ہونے پر مایل ہو پست ہونے پر رجوع کرتی ہی جسکا بد اثر اُسکی آیندہ عمر میں ظاہر ہوتا ہی پڑھنا لکھنا آجانے سے اور منطقی یا فلسفی ہوجانے سے کامل تربیت خیال نکرلینی چاہیئے قطع نظر اسکے کہ علوم غیر مفیدہ کچھہ بھی مفید نہیں ہوسکتے صرف پڑہ لکھہ لینے سے تربیت کامل نہیں ہو جاتی بہت سے پڑھے لکھے ایسے موجود ہیں جو بلحاظ تربیت کے محض ایک کندہ ناتراش ہونے سے کچھہ زیادہ رتبہ نہیں رکھتے پس تربیت کامل کے لیئے جیسا کہ علوم مفیدہ کا پڑھنا شرط ہی ویساہی اُسکے ساتھہ لڑکے کی زندگی کا ایسے طور پر اور ایسی حالت پر بسر ہونا ضرور ہی جس سے روز بروز اُسکے خیالات کو وسعت ہوتی جاوے اُسکی اومنگ بڑھتی جاوے اُسکے قوا شگفتہ و شاداب رہیں غیرت جو ایک بڑا جوہر انسان کا ہی اور برائیوں سے بچانے کے لیئے نہایت عمدہ اور سچا محافظ ہی ہمیشہ ترقی پر رہے ظاہری اخلاق اور مودبانہ حرکات اوپر اوپر مثل روغن قا[illegible] کے نہ لگائے جاویں بلکہ مثل چشمہ شیریں کے خود اندر سے نکلیں نما[illegible] و روزہ اور کتب مذہبی کا پڑھنا فی نفسہ نہایت عمدہ چیز ہی مگ[illegible] جب اُسکی تعلیم ایسے بد طریقہ سے ہوتی ہی جیسے کہ اب مسلمانوں میں مروج ہی اُس سے بجز اسکے کہ بد تعصبات بڑہ جاویں اور ہم[illegible] نیکی اور نیک دلی کے صفات ذمیمہ ترقی پکڑیں اور مثل کانٹے سخت پوست کے دل کو گھیر لیں جس میں نیکی اور رحم اور رقت همدردی سچائی اور راست بازی مطلق اثر کرنے نہ پائے اور کچھہ نتیجہ نہیں ہوتا ایسا تربیت یافتہ شخص بجاے اسکے کہ فخراسلام ہ[illegible] ننگ اسلام ہوتا ہی اسلیئے مسلمانوں کو جہاں اپنی اولاد کی تعلیم فکر ہونی چاہیئے اُسی کے ساتھہ اسبات کی بھی بہت بڑی فکر لازم کہ زمانہ تربیت اور تحصیل علم میں لڑکوں کی زندگی بسر کرنے ک[illegible]

کیا تدبیر کرنی چاہیئے جس سے مقاصد مذکورہ بخوبی کریں وجوہ حاصل ہوں *

کچھہ خفا ہونے کی بات نہیں ہی ٹھنڈے دل سے سمجھنا چاہیئے کہ مذہبی تعلیم اور پند ونصایح کا اثر صرف دل پر ہوتا ہی یہہ ضرور نہیں ہی کہ خواہش پر بھی اُسکا اثر ہو اور اسلیئے راست باز اور متدین اور پرہیزگار عالی ہمت مستقل مزاج اور رنج و مصیبت میں ثابت قدم ہونے کے لیئے یہہ بات ضرور ہی کہ لڑکوں کا دل اور اُنکی طبیعت ان صفات پر بخوبی حاوی ہوجاوے ورنہ تمام پند و نصایح اور نماز و روزہ نقش بر آب ہوتا ہی اور نہایت جلد سب میں فتور آجاتا ہی اور تمام زندگی کی امیدیں اور بہبودیاں جاتی رہتی ہیں اور اِسکا سبب صرف یہی ہی کہ اُنسے کہا گیا پر سمجھنے نہیں دیا نہ دلائی چیز درحقیقت عمدہ ہی اور ہر چیز کی قدر صرف اُسکی عمدگی ہی پر منحصر ہی *

اگرچہ لڑکوں کی تعلیم کا فرض مقدم اُنکے ما باپ پر ہی مگر جیسی تعلیم کہ مطلوب ہی وہ بغیر اسکے کہ تمام قوم آپس میں متفق ہوکر اُسکو قایم نکرے ممکن نہیں ہی اور اسلیئے وہ فرض تمام قوم سے متعلق ہوتا ہی اور کچھہ شک نہیں ہی کہ ایسے سامان تعلیم کے موجود نہونے سے تمام قوم گنہگار اور شرمسار ہی اور اسلیئے میں امید کرتا ہوں کہ اب لوگ ہوشیار ہونگے اور اس فرض کفایہ کے پورا کرنے پر جو بسبب ضرورت و حاجت شدید کے رتبہ میں فرض عین سے زیادہ بڑہ گیا ہی توجہہ فرماوینگے والله ولی التوفیق ، هو حسبی و نعم الرفیق *

راقـــــــــم
سید احمد

نمبر ٢١

نظامیۂ سلسلۂ تعلیم

ہم مختصر طور پر اُس سلسلۂ تعلیم کا ذکر کرتے ہیں جو بالفعل ہندوستان کے مسلمانوں میں رایج ہی اور جو سلسلہ نظامیہ کہلاتا ہی مقصود ہمارا اسکے بیان سے صرف اتنا ہی کہ لوگ اسبات پر غور کریں کہ بلحاظ حالات اور علوم مروجہ زمانہ حال کے آیا یہہ سلسلہ اور طریقہ حقیقت کافی اور مفید ہی یا واقعی اس میں کچھہ تغیر و تبدیل کی ضرورت ہی *

ہم اس آرٹکل میں اسپر کچھہ بحث کرنی نہیں چاہتے اور صرف ان علوم اور اُنکی کتابوں کا ذکر کرتے ہیں جو بالفعل درس میں داخل ہیں تاکہ جو لوگ اُسپر بحث کرنے پر آمادہ ہوں اُنکو کسیقدر امداد ملے *

علم صرف — اس میں مفصلہ ذیل کتابیں پڑھائی جاتی ہیں میزان منشعب پنج گنج زبدہ صرف میر فصول اکبری شافیہ نقودالصرف دستورالمبتدی *

علم نحو — اِس میں مفصلہ ذیل کتابیں درس میں ہیں مائۃ عامل شرح مائۃ عامل نحومیر ہدایۃالنحو کافیہ شرح ملا *

علم معانی و بیان و بدیع — اس میں یہہ کتابیں پڑھتے ہیں مختصرمعانی تمام مطول تابحث ماانافلت ملازادہ مختصر *

علم ادب — اس میں یہہ کتابیں پڑھائی جاتی ہیں مقامات حریری چند مقامہ دیوان متنبی چند صفحہ سبعہ معلقہ حماسۃالعرب نفحۃالیمن العجب العجاب *

علم منطق — اس میں مفصلہ ذیل کتابیں درس میں ہیں ایساغوجی قال اقول میر ایساغوجی شرح تہذیب ملایزدی بدیع المیزان قطبی میر قطبی تصورات شرح سلم ملاحسن تصدیقات شرح سلم ملاحمدالله تصورات شرح سلم قاضی مبارک میر زاہد رسالہ غلام یحیی حاشیہ بحرالعلوم برمیر زاہد رسالہ ملا جلال میر زاہد ملاجلال *

علم طبعی و الہی — اس میں تین کتابیں پڑھائی جاتی ہیں میبذی تمام صدرا تافلکیات شمس بازغہ تمام *

علم حساب — اس میں ایک کتاب پڑھتے ہیں خلاصۃالحساب *

علم ہندسہ — اس میں تحریر اقلیدس کا صرف پہلا مقالہ داخل درس ہی اور بعض طلبہ چار مقالے اور بعض چار سے بھی زیادہ پڑھتے ہیں *

علم ہیئت — اس میں یہہ کتابیں داخل ہیں تشریح الافلاک یا منہیات (اور بعضے تصریح شرح تشریح الافلاک بجاے تشریح الافلاک یا منہیات کے پڑھتے ہیں) قوشجیہ سبعہ شداد شرح چغمینی *

علم کلام — اس میں یہہ کتابیں پڑھائی جاتی ہیں شرح عقاید نسفی خیالی شرح مواقف میر زاہد امورعامہ شرح عقاید جلالی عقیدہ حافظ حاشیہ فاضل قراباغی بر شرح عقاید جلالی *

علم فقہ — اس میں یہہ کتابیں پڑھاتے ہیں عبادات شرح وقایہ معاملات ہدایہ کنزالدقایق تمام مختصر وقایہ و قدوری *

علم اصول — اس میں یہہ کتابیں داخل درس ہیں شاشی نورالانوار توضیح تلویح مسلم الثبوت دایرالاصول حسامی *

علم تفسیر — اس میں یہہ کتابیں پڑھاتے ہیں جلالین بیضاوی چند جزو کشاف مدارک *

علم فرایض — اس میں صرف ایک کتاب پڑھتے ہیں فرایض شریفی *

علم مناظرہ — اس میں بھی ایک کتاب پڑھتے ہیں رشیدیہ *

علم وضع آلفاظ — اِس میں بھی ایک کتاب پڑھتے ہیں رسالہ استعارات مسمی بست بابی محقق طوسی *

اصول علم حدیث — اِس میں ایک کتاب نخبۃ الفکر پڑھتے ہیں اور بعضے اُس کی شرح بھی پڑھتے ہیں *

علم حدیث — اِس میں مفصلہ ذیل کتابیں ہیں مشکوٰۃ المصابیح موطا صحاح ستہ مگر انکو صرف تیمنًا و تبرکًا تھوڑا تھوڑا پڑھکر سند لے لیتے ہیں اور بعضے سب کتابیں کامل پڑھتے ہیں صحاح ستہ یہہ ہیں صحیح بخاری صحیح مسلم جامع ترمذی صحیح نسائی سنن ابی داؤد سنن ابن ماجہ *

علم لغت میں — قاموس *

علم طب میں — قانونچہ موجز کلیات نفیسی معالجات سدیدی شرح اسباب حمیات شیخ *

سنی اور شیعہ کی تعلیم میں کچھہ فرق نہیں فقط اتنا تفاوت ہی کہ مذہبی کتابیں جو فہرست مذکورہ بالا میں مندرج ہیں سنیونکی ہیں شیعہ مذہبی کتابوں مندرجہ بالا کی جگہہ اور کتابیں پڑھتے ہیں اور مذکورہ بالا کتابوں میں سے بھی بعض کتابیں پڑھتے ہیں مثل مسلم الثبوت و شرح عقاید نسفی و میر زاہد امور عامہ اور بعض مشکوٰۃ شریف یا صحیح بخاری اور بیضاوی و کشاف میں سے بھی کچھہ کچھہ پڑھتے ہیں اور خاص کتابیں اپنے مذہب کے لحاظ سے بتفصیل ذیل اُن کے درس میں ہیں *

علم فقہ میں — حدیقۃ المتقین جامع عباسی مختصر نافع شرح صغیر شرح لمعہ دمشقی شرایع الاسلام جواہرالکلام فی شرح شرایع الاسلام *

علم اصول فقہ میں — معالم الاصول اساس الاصول زبدۃ الاصول قوانین *

علم کلام میں — تجرید شرح تجرید علامہ حلی کشف الحق شرح کشف الحق قاضی نوراللہ شرح باب حادی عشر *

علم حدیث میں — اصول کافی من لایحضرہ الفقیہ تہذیب استبصار *

تفسیر میں — مجمع البیان *

یہہ سلسلہ جو ہملے بیان کیا سلسلہ تعلیم تھی اِس سے فراغ کے بعد جو کتابیں بڑے بڑے علماء کے استعمال میں رہتی ہیں اور جنکی پڑھنے پڑھانے پر وہ نہایت ناز اور فخر کرتے ہیں یہہ ہیں کتب فارابی فصوص الحکم جمع بین الرائیین رسالہ تحقیق عقل کتب شیخ الرئیس شفا اشارات عیون الحکمۃ کتب شیخ مقتول حکمۃ الاشراق تلویحات ہیاکل النور شرح ابن کمونہ بر ہیاکل النور شرح علامہ شیرازی بر ہیاکل کتب میر باقر افق المبین ایماضات قبسات تقدیسات وغیرہ کتب محقق طوسی تحریر مجسطی تذکرہ وغیرہ اور علی ہذا القیاس اسی قسم کی کتابیں ہیں جو باعث شوق اور رغبت پڑھنے میں آتی ہیں — اب میری یہہ خواہش ہی کہ ذی عقل اور دانشمند لوگ غور کرکر اسبات کی تعلیم فرماویں کہ آیا یہہ سلسلہ کافی ہی یا تبدیل کی اِس میں ضرورت ہی *

راقم
سید احمد

نمبر ۲۲

لندن میں عیدالفطر کی نماز

اب کی مرتبہ لندن میں بھی عیدالفطر کی نماز ہوئی امام اور مقتدی سب دس آدمی تھے حافظ احمد حسن صاحب سفیر جناب نواب صاحب بہادر سابق والی ٹونک نے نماز پڑھائی مقتدیوں میں سید محمد محمود صاحب مولوی سید احمد خاں صاحب بہادر کے صاحب زادہ اور مرزا خدا داد بیگ صاحب جو تحصیل علم کے واسطے لندن میں وارد ہیں اور اَور لوگ شامل تھے پس یہہ ایک ایسی خبر ہی جس سے مسلمانوں کو نہایت خوش ہونا چاہیئے *

جو خام اعتقاد مسلمان لندن جانے ہی کو خلاف شان اسلام سمجھتے ہیں وہ اب خیال فرمالیں کہ مذہب اسلام نہ مکہ جانے پر موقوف ہی اور نہ لندن جانے پر نیت صحیح اور قلب استوار ہر مقام پر شرط ہی اب یہہ وقت ہی کہ ہندوستان کے رؤساء مسلمان ان تعصبات کو جو بعض غلط فہمیوں کے سبب سے اُن میں چلے آتے ہیں چھوڑ دیں اور اپنی اولاد کو اعلی درجہ کی تعلیم حاصل کرنے کے واسطے بے تکلف انگلستان کو بھیجیں جیسا ترکی اور مصر کے مسلمان کر رہے ہاں اطلبوا العلم ولوکان بصین *

راقم
مشتاق حسین

بمقام علیگڈہ — مطبع علیگڈہ انسٹیٹیوٹ میں چھپا اور باہتمام
منشی محمد مشتاق حسین شایع ہوا

THE MOHAMMEDAN SOCIAL REFORMER

تهذيب الاخلاق

جلد دوم] يكم محرم سنة ۱۲۸۸ هجري [نمبر ۱

بسم الله الرحمن الرحيم

اطلاع

جسقدر روپيه بابت اِس پرچه كے بطور چندة خواة بطور قيمت وصول هو وة كسي خاص شخص كي ملكيت نهوگا بلكه اِس پرچه كے اجرا و ترقي ميں صرف كيا جاويگا *

مسلمانوں ميں سے جو شخص ساتهه روپيه سالانه پيشگي بطور چندة دے وة اس پرچه كے متعلق معاملات ميں ممبر متصور هوگا *

علاوة اِس كے جو شخص كچهه روپيه بطور ڈونيشن دے وة بشكر گذاري كام ليا جاويگا *

يهه پرچه هر مهينے ميں ايک بار يا دو بار يا تين بار جيسا كه مقتضاے مضامين هوگا چهپا كريگا قيمت في پرچه دو آنه اور مع محصول آنه هوگي مگر خريداروں كو كم سے كم تين روپيه قيمت اور ايكروپيه آنه محصول جمله چار روپيه آٹهه آنه پيشگي بهيجنے هونگے *

اگر كوئي شخص كوئي خاص پرچه خريدنا چاهے كا اُس كو في پرچه آنه قيمت اور ايک آنه محصول دينا هوگا *

ممبروں كو بلا قيمت يهه پرچه مليگا اور اُن كو اُس كے تقسيم كا بلا قيمت جسكو وة چاهيں اختيار هوگا *

اِس پرچه ميں بجز مضامين متعلق تهذيب اخلاق و حسن معاشرت كے جهاں تک كه وة مسلمانوں سے متعلق هيں اور كچهه مندرج نهوگا *

مضمون نمبر ۲۳

دين اور دنيا كا رشته

نجات ابدي جو نتيجه سچے مذهب يا سچے دين كا هى وة دنيا كے ساتهه لازم و ملزوم نهيں هى ايک شخص جسنے تمام عمر عسرت و تنگي ميں بسر كي هو اور لباس برهنگي كے سوا اور كوئي لباس زيب تن نه كيا هو اور بناس پتي كے سوا جو كے بن چهنے آٹے كي روٹي بهي نصيب نهوئي هو وة بهي سچے مذهب كي بدولت نجات ابدي حاصل كرسكتا هى اور جس شخص نے لاكهوں كروڑوں روپيه بطور جايز پيدا اور خرچ كيئے هوں اور مصنوعي و تن زيب زيب تن كيا هو اور محلوں ميں سويا هو اور باغوں كي ٹهنڈي هوا ميں پهرا هو پري تمثال عربي گهوڑوں پر چڑها هو وة بهي سچے دين ومذهب كي بدولت نجات ابدي پاسكتا هى — هم دنيا ميں بے انتها مذاهب مختلفه كے لوگ ديكهتے هيں جنميں بلاشبهه كوئي سچے اصول پر اور كوئي غلط بنياد اور جهوٹے اصول پر مبني هوگا اور هر مذهب كے لوگوں ميں تنگي و فراخي دولت

دین اور دنیا کا رشتہ

دین اور دنیا کا رشتہ

و مفلسی کو پاتے ہیں اِسلیئے یقین کرتے ہیں کہ دنیا کسی کے ساتھہ لازم و ملزوم نہیں ہی مسلمانوں کو اِس مضمون پر یقین کرنے کے لیئے حضرت ابوذر غفاری رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کا حال جاننا کافی ہی جو علانیہ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کے سے فقیہہ کے مقابلہ میں فرماتے تھے کہ " و اللہ صاحب المال کافر " مگر دنیا اور دین سے ایسا مستحکم رشتہ ہی جو کسیطرح ٹوٹ نہیں سکتا جسطرح کہ بد بختی سے کبھی دنیا دین کو غارت بھی کردیتی ہی اُسیطرح خوش قسمتی سے دنیا دین کو سنوار بھی دیتی ہی مشہور مقولہ ہی— پراگندہ روزی پراگندہ دل *

اب ان عقلی باتوں کو جانے دو اِس پر تو یقینی سب مسلمان یقین کرتے ہونگے کہ کسی بندہ پر خدا کا غضب دنیاوی امور کے سبب نہیں ہوتا بلکہ دینی قصور اور نافرمانی اور گناہ و معصیت کے سبب ہوتا ہی اور یہہ بھی ظاہر ہی کہ دنیا دار جزا نہیں ہی اور جو گناہ اور معصیت بندوں کی ہی اُس کی سزا کے لیئے دنیا نہیں بالیں ہمہ ہم قرآن مجید میں دیکھتے ہیں کہ خدا تعالی نے دینی تقصیرات پر یہودیوں کے ساتھہ دنیا میں کیا معاملہ کیا کیونکہ خدا تعالی قرآن مجید میں یہہ فرماتا ہی " و ضربت علیہم الذلۃ والمسکنۃ وباؤا بغضب من اللہ ذلک بانہم کانوا یکفرون بآیات اللہ و یقتلون النبیین بغیر الحق ذلک بما عصو و کانوا یعتدون " پس اگر دنیا کو دین کے ساتھہ کوئی مستحکم رشتہ نہ تھا تو خدا تعالی نے بیچارے یہودیوں کو دنیا میں ذلیل اور مسکین کیوں کیا *

اب دوسری طرح پر غور کرو اور ایک خیالی دنیا بناؤ اور یہہ تصور کرو کہ ہندوستان میں تمام مسلمانوں کے پاس دولت و حکومت اور منصب نرہے سب مفلس اور نان شبینہ کو محتاج ہوں (جیساکہ انشاء اللہ تعالی اُن بد عقلیوں اور بد فہمیوں اور بد نصیبیوں کے سبب جو زمانہ حال میں اُن کے خطوط پیشانی سے پڑھی جاتی ہیں عنقریب ہونے والا ہی) اور در بدر بھیک مانگتے پھریں ان کی اولاد جاہل اور نالایق چور اور بد معاش ہو واعظین کو جو محض ریاکاری اور مکاری سے دنیا کماتے پڑے پھرتے ہیں کوئی ٹکا دینے والا یا حرام کا لقمہ تر کھلانے والا نرہے جناب حضرت پیر جی صاحب جو لوگوں کو مرید کرکو اپنا لشکر بناتے پھرتے ہیں اور سالانہ ٹیکس یا جزیہ اُنپر مقرر کرتے ہیں اور ہرسال اُسکی تحصیل میں مصروف ہیں اُنکو کوئی دینے والا نرہے یا جناب مولوی صاحب قبلہ جو حدیث و تفسیر یا صدرا و شمس بازغہ طالبعلموں کو پڑھاتے ہیں اُنکو کوئی چار پیسے کو نوکر رکھنے والا نرہے جیسا کہ اب بھی یہی حال موجود ہی کہ اچھے اچھے مولوی ٹکے ٹکے کو مارے پھرتے ہیں اور کوئی نہیں پوچھتا تو اُسوقت دین کا کیا حال ہوگا *

مگر اسکے ساتھہ یہہ بھی تصور کرنا چاہیئے کہ پیٹ ایسی چیز ہی کہ دین رہے یا جاوے' خدا ملے یا نہ ملے اُسکو بھرنا چاہیئے تو ایسی حالت میں مسلمانوں کو پیٹ بھرنے کی تو کچھہ فکر کرنی چاہیئے کی اور؛ فکر کیا ہوگی اُسکا خیال بڑے دینداروں کی نسبت تو یہہ ہوسکتا ہی کہ کسی کے گھر جھوٹی ڈھو رہے ہیں کسی جنگل میں گھانس چھیل رہے ہوں کسی پہاڑ پر لکڑیاں چن رہے ہونگے کسیکا گھوڑا مل رہے ہوں اور جو ایسے پکے دیندار نہیں ہیں اُنکی نسبت کچھہ خیال نہیں ہوسکتا کہ وہ کیا کیا کرینگے معلوم نہیں کہ اُن سے جیلخانے اور جزائر نو آباد؛ بھرینگے یا یتیم خانے اور کلیسیا رونق پاوینگے پس ایسی حالت میں خیال کرنا چاہیئے کہ دین اسلام کی کیا شان ہوگی اور اُسوقت ہم سلام کرینگے اور پوچھیں گے کہ کیوں جناب قبلہ و کعبہ ہم جو مسلمانوں میں دنیوی ترقی و تہذیب تربیت و شایستگی میں کوشش کرتے تھے وہ ہمارا امر معاش میں منہمک ہونا اور ترغیب دینا اور امر معاد کی طرف سے بالکل ذہول اور غفلت کا پردہ ڈالنا تھا یا یہہ کام خاص خدا کا اور بالکل دین کا اور سرتاسر معاد کا تھا *

خدا تعالی نے مذہب اسلام کو عین حکمت بنایا ہی اُسکی بھلائی چاہنے والے کو ضرور ہی کہ وہ بھی حکیم ہو نہ مکار اور دغاباز اور حکیم کا یہہ کام ہی کہ جو مرض دیکھتا ہی اُسکی دوا کرتا ہی اِسوقت ہندوستان کے مسلمانوں کا یہہ حال ہی کہ امور معاش و تمدن و حسن معاشرت اور علم کی ابتری و خرابی کے سبب روز بروز خراب و ذلیل و حقیر و برباد ہوتے جاتے ہیں اور یہہ واعظ و مولوی اور پیر جی خدا و رسول کے دشمن اُنکو روز بروز برباد و تباہ کرتے جاتے ہیں پس ایسی حالت میں کہ ہم بخوبی یقین کرتے ہیں کہ وہ یعنی مسلمان یقینی اپنے مذہب پر پختہ ہیں خدا کو ایک جانتے ہیں رسول کو بر حق سمجھتے ہیں نماز روزہ حج زکواۃ فرض جانتے ہیں ایک ایک جولاہا بھی ضروری نماز روزے کے مسئلے جانتا ہی یا ہر طرح پر اُسکے جاننے کا سامان یا موقع موجود ہی مذہب اسلام کے دوستدار کا یہہ کام ہی کہ اپنے تئیں پیرجی یا حضرت صاحب یا مولوی صاحب کہلانے اور دغابازی سے دنیا کمانے کے لیئے اُنہی باتوں جنکی ضرورت نہیں ہی بیٹھا ہوا وعظ کہا کرے یا جنکی ضرورت درحقیقت مسلمانوں کو اور خود اسلام کو ہی اُسکی تدبیر اور کوشش کرے *

افسوس خدا ہاتھ نہیں آتا جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں موجود نہیں ہیں ورنہ ایک ایک کا ہاتھ پکڑ کر اُنکے سامنے لیجاتا اور کہتا او خدا اور اے جناب رسول خدا تم مجھہ میں اور اِنمیں محاکمہ کرو اور بتاؤ کہ کون تمہارا دوستدار ہے میں گنہگار یا یہہ دیندار اور اِنشاءاللہ تعالی اگر خدا سچ ہے اور قیامت درست ہے تو یہہ معرکہ ہونا ہے لیکن بالفعل اگر کوئی مباہلہ پر آمادہ ہو تو میں مباہلہ کو موجود ہوں *

تعجب کی بات ہے کہ اِسبات پر کوشش کرنا کہ مسلمانوں میں قومی ترقی ہو علوم دینی قایم رہیں علوم دنیاوی جو مفید و بکار آمد ہیں اُنکا رواج اور ترقی ہو لوگ معاش سے فارغ البال ہوں اکل حلال پیدا کرنے کے وسیلے ہاتھہ آویں حسن معاشرت میں جو نقص ہیں وہ رفع ہوں جن بدرسموں اور خراب عادتوں سے غیر قومیں مسلمانوں کو اور اسلام کو حقیر و ذلیل سمجھتی ہیں وہ موقوف کی جاویں جو خلاف شرع تعصبات و توہمات ہیں اور ہر طرح کی ترقی کے مانع ہیں وہ دور کیئے جاویں اِن تمام باتوں کو محض دینداری اور حب قومی سے نہ سمجھنا اور انہماک دنیا کا الزام دینا کس طرح خدا کے نزدیک درست ہوگا *

باقی رہا اختلاف بعض مسائل میں وہ ایک جدابات ہے میں جس مسئلہ کو حق اور سچ سمجھتا ہوں بلا خوف اُسکو کرتا ہوں بقول شخصے — از خدا شرم دار و شرم مدار * اُن مسائل میں سے جب کوئی مسئلہ کسی صاحب کی تحریر یا تقریر سے غلط ثابت ہوگا مجھکو اُسکا اقرار کرنے اور توبہ کرنے میں ایک لمحہ کی بھی خدا نے چاہا تو دیر نہوگی واللہ ولی التوفیق *

یہہ امور جو میں نے لکھے مجھکو لکھنے زیبا نہ تھے مگر بمجبوری جو کچھہ اپنی نیت اور اپنا ارادہ اور قصد ہے اُسکا عام طرح پر ظاہر کرنا ضرور تھا اِس لیئے دوچار حرف اُسی سختی سے جو میرے دامیں ہی لکھے گئے ہیں تاکہ میرے مخالف اور موافق سب اُسپر غور کریں *

راقـــــــم
سید احمد

۰ م
نمبر ۴۳

دوستی

خدا نے اِنسان کو مدنی الطبع پیدا کیا ہے اور اِس لیئے اُس کو صحبت اور جلسہ کی حاجت ہے اور صحبت و مجالست نہیں ہوسکتی بغیر کسیقدر ہونے اُس طبیعت کے جو کہ ارکان مجلس کے درمیان اِتحاد پیدا کرتی ہے اور جسکو لوگ لفظ دوستی سے تعبیر کرتے ہیں اِس لیئے صاف ظاہر ہے کہ اِنسان کی حظ زندگی کے لیئے دوستی ضرور ہے لیکن دوستی کی حقیقت قرار واقعی دریافت کرنی البتہ دشوار ہے بعض اُس کو وہ طبیعت ہمدردی قرار دیتے ہیں جو کہ بنی نوع انسان میں بسبب مختلف وجوہات کے اکثر بسبب بہت سے ارتباط کے پیدا ہوجاتی ہے مگر ایک نوع کی دوستی اشخاص متفق الراے یا متفق الحال کے درمیان بھی ہوتی ہے گو وہ آپسمیں ایک دوسرے سے واقف نہوں اِس قسم کی دوستی سب سے زیادہ ہم مذہبوں میں ہوتی ہے اور ایسی جگہہ جہاں کہ اُن کے ساتھی کم ہوں سب سے زیادہ نمایاں ہوتی ہے اِس ہی طرح ایک خاص قسم کی دوستی کسی بڑے نامی گرامی اُستاد اور اُسکے مداحوں میں بلکہ خود مداحوں میں آپسمیں بھی ہوتی ہے گو وہ اُستاد اپنے مداحوں اور مداح آپسمیں ایک دوسرے سے ناواقف ہو غرض کہ کسیطرح دوستی پیدا ہوتی ہو اِس میں کچھہ کلام نہیں کہ اِنسان کی آسایش و راحت کے لیئے لازم ہے *

اِنسان گویا ہزار ہا خواہشوں اور جذبات کا مجموعہ ہے اور اُن میں سے ہزاروں خواہشیں اور جذبات ایسے ہیں کہ بغیر دوست کے ہرگز نہیں سیر ہوسکتے اور لارڈ بیکن† سچ کہتا ہے کہ "سب سے بڑا فائدہ دوستی کا وہ فرحت قلبی اور اظہار جوش دلی ہے جو کہ ہر قسم کی خواہشیں اور ولولہ پیدا کرتا ہے" ہر زمانہ کے حکماء اور عقلا اور بڑے امیر و کبیر ایسے دوست کی جسکو وہ اپنے رنج و خوشی کا ہمدم اور صلاح و مشورہ میں محرم بناسکیں نہایت قدر کرتے آئے ہیں اور سلاطین جو کہ تمام خلایق کی نسبت عالی مرتبہ ہونے کے سبب دوستی کے اِس مقدم فائدہ سے محروم رہ جاتے اُس فائدہ سے بہرہ اندوز ہونے کے لیئے اپنی رعایا میں سے ادنی درجہ کے لوگوں کو مراتب عالی عطا فرماکر اُن کو اپنا "رفیق رنج و راحت" کرلیتے تھے اِس کی متعدد مثالیں ہیں منجملہ اُن کے ایک شاہ جولیس سیزر کی ہے جس نے بروطس کو مرتبہ عالی عطا کرکے اپنا دوست بنایا تھا اور دوسرے شاہ اگسطس کی ہے جس نے اگریپا پر اِسی غرض سے عنایت و نوازش فرمائی تھی *

علاوہ فوائد مذکورہ بالا اَور بھی ایسے فائدے ہیں جو بغیر دوست حقیقی کے حاصل نہیں ہوسکتے کیونکہ وہ سچی دوستی کے ثمرہ ہوتے ہیں مثلاً وہ فوائد جو کہ اِنسان کو صلاح و مشورہ سے حاصل ہوتے ہیں پھر کے خیالات کی اصل قدر (یعنی اُن کی صحت و غلطی یا حسن و عیب) بغیر بیان کرنے کے نہیں معلوم ہوسکتی بلکہ بیکن نے تو یہانتک

† یہہ بڑا فلسفی انگریز گذرا ہے اور اُس سے بڑھ کر آج تک کوئی اِنگلستان میں نہیں ہوا *

کہا هی که " إنسان کا اپنے خیالات کو ایک بت یا تصویر کے سامنے بیان کرنا اُنکو اپنے دل هي دل میں گھونٹ رکھنے سے بدرجہا بہتر هی " اور في الحقيقت نہایت دانشمند تھا وہ مذہبي حکیم جو اپنے مسائل علمي کي صحت پتھروں دریافت کرنے کے لیئے اُن کو اپنے بکرے کے روبرو بیان کیا کرتا تھا *

صلاح و مشورے سچے دوست کے سب سے بہتر هوتے هیں خود اپني راے سے بھي بڑھکر کیونکه اپني راے اپني هي بابت مثل خوشامدي کي راے کے هوتي هی " کیونکه کوئي اپنے سے زیادہ اپنا خوشامدي نہیں هوتا " † إنسان کي سمجھه اکثر اُس کي راے کے صرف حسن دکھاتي هی اور اُس کے عیب دریافت کرنے کے لیئے دوسرے کي راے ضرور هی چنانچه عربي شاعر نہایت خوبصورتي سے کہتا هی *

اقرن برائک راے غیرک واستشر * فا الراے لایخفي علی الاثنون
فالمرء مرآة تریه و جهه * ویرای قفاه بجمع مراتین

علاوہ اِن سب باتوں کے دنیا دارالاسباب هی اور إنسان کے کاروبار زندگي پیہم در پیہم هیں اِس لیئے مدد اور سہارے کے بغیر کام نہیں چل سکتا اور مدد اور سہارے کا همیشه دستیاب هوجانا بغیر سچي دوستي کے تحقق نہیں هوتا نظر بریں دنیا میں إنسان کے کاروبار اور ضروریات بے انتہا هیں اور اُس کا وسیله و قدرت کیا مکاناً اور کیا زماناً محدود پس بہت سے ایسے کاروبار هیں اور بہت سي ایسي ضرورتیں هیں که جنکا قرار واقعي انجام دینا همارے بس میں نہیں لیکن همارے دوست کي حد قدرت میں هی اور اِس لیئے بدون اُس کي سعي اور مدد کے اُن کا پورا اور مہیا کرنا ممکن نہیں اِس قسم کے کاروبار وہ هوتے هیں جو که آدمي ایسے مکان و زمان میں جہاں اور جب وہ موجود نہیں هوسکتا کرنے چاهتا هی مثلاً ایسے کام جو که کوئي شخص ایسي جگہه جہاں که وہ جا نہیں سکتا کرنے چاهتا هو یا ایسے وقت میں جب که وہ زندہ نہوگا پس ایک بڑے فلسفي نے کیا خوب کہا هی کا " دوست خود هم سے زیادہ هوتا هی " *

اِن سب باتوں سے صاف ثابت هی که اِس عالم فاني میں به عیش و خوشي زندگي بسر کرنے کے لیئے دوستي فرض هی یہه وہ جوش محبت هی جو که قدرت سے صرف إنسان هي میں نہیں بلکه حیوانات مطلق میں بھي اسیقدر پایا جاتا هی اور اگر کوئي شخص دوست نه رکھتا هو اور نه دوستي کرسکتا هو تو بہتر که وہ دنیا سے سفر کرجارے *
راقمه

محمد مقصود عفي عنه

از کرپسٹ کالج کیمبرج
۳ فروري سنه ۱۸۷۱ع

† یہه قول هی ایک نہایت بڑے عالم فلسفي کا

نمبر ۲۵

تقليد مروجه کي مضرت

تقلید کے معني لغوي قلادہ گردن میں ڈالنا هی اور اصطلاح میں اِس لفظ سے یہه مراد هی که کسي شخص کا قول اُسکي معنیت سے بلا نظر و فکر قبول کیا جاوے اور جب تعصب اور عناد سے جو فلاح دارین کے همیشه سنگ راہ هوتے هیں قطع تعلق کیا جاوے تو خانه‌برانداز مصالح دیني و دنیوي اِس کي تفسیر بالالزام بہت ٹھیک هی همنے جو یہه لزوم پیدا کیا اِس کي تسلیم میں شاید بعض ناظرین بلکه اکثر کو تامل هوگا لہذا همکو اسمقام پر اسقدر مجملاً لکھنا ضرور هی که هم جمله اقسام تقلید کو بیہودگي و فلاح کے مضر نہیں بتاتے بلکه همکو صرف اُس تقلید پر اعتراض هی جو بالفعل رائج اور مسلمانوں کي ترقیات علمي و اخلاقي کي مزاحم هی اور جب هم صفحه خاطر پر جو حقیقت اشیاء کا جلوہ گاہ هی نظر ڈالتے هیں تو جمله صفات ذمیمه مثلاً اپنے منعم کا حق نه پہچاننا نفاق و اختلاف کا شعله بھڑکانا اپني ترقیات میں ساعي نہونا هٹ دهرمي کو ایمان جاننا هر ایک کا منشاء یہي تقلید مروجه هی اور سب کا سلسله یکساں اسي تقلید تک پہونچتا هی *

هر چند اکثر اقوام ایشیائي تقلید کي ظلمت میں گھرے اور اسي ایک سلسله میں سب کے سب بندھے هیں مگر انصاف یہه هی که هندوستان کے مسلمانوں پر یہه ظلمت زیادہ تر چھائي هی اور چونکه اهل اسلام کے اسلاف ایسي تقلید سے همیشه متنفر تھے اور اُس کو اپني ترقیات روز افزوں کي مانع تصور کرکے کنارہ کش تھے لہذا اب اِس زمانه کے مدعیان اسلام کا ابتلا اِس امر مذموم میں کون کہه سکتا هی که زیادہ تر بدنما نہیں هی هر شخص جانتا هی که خوبصورت شکل میں اندک عیب زیادہ معلوم هوتا هی اور سفید برف کے تودہ میں میلا داغ صاف دیکھائي دیتا هی ویسا هي هوگاہ مذهب اسلام خوبیوں سے آراسته هی لہذا اُس پر پابندي رسم و رواج و تقلید بیہودہ کا دهبه جو حال کے پیروان اسلام نے لگایا هی دوست دشمن دونوں کي نظروں میں بدنما دیکھائي دیتا هی پس اِن خیالات کي بنیاد پر اگر کوئي مخالف همارے اصول مذهبي پر جو في نفسه عیوب سے مبرا هی معترض هو یا همکو حقارت کي نظر سے دیکھے تو همکو انصافاً سوا سکوت کے چارہ نہیں هی هاں جب هم اُس آفتاب عالمتاب کو اپنے خیالات خارجي کے کسوف سے نکالیں اُس وقت جو شخص اُس کے انوار کے چھپانے کا ارادہ کرے وہ ارباب عقول کے نزدیک امر محال میں متصور هوگا *

تقلید مروجہ کي مضرت

تقلید مروجہ کي مضرت

ہمارے علماے صاحب الراے کا قول مسلم ہی کہ مدار تکلیف عقل پر ہی ایسے بےسمجھ و مجہول لایعقل پر احکام شرعیہ متوجہہ نہیں ہیں اور ظاہر ہی کہ ہر چند سب نعمتیں جو ہمکو مبدأ فیاض سے عطا ہوگئیں اپني خوبیوں میں بےبہا ہیں مگر یہہ جوہر لطیف عقل و درایت کا اِن سب میں یکتا ہی کہ اُسیکي بدولت ہم دوسرے حیوانات پر دعوے شرافت کرتے ہیں پس انسان پر واجب ہی کہ مجرد تقلید پر اپنے کام کا مدار نہ کرے بلکہ اُس قوت کو بھي جو مایہ افتخار انساني ہی اچھے و برے کے پہچاننے میں آزما رے مثلاً جب دو قوتوں میں تعارض ہو یا جب کوئي نعل ہمارا پہلے سے چلا آیا ہو اور اب زمانہ مابعد میں کوئي شخص اُس کے مخالف راے دیوے تو ایسي حالتوں میں بےدست و پا ہوکے ہمیں دوسروں کا منہہ تکنا یا ہٹ دھرمي کے ساتھہ اپنے عمل قدیم پر ثابت قدم رہنا بیہودہ بات ہی اور انا وجدنا اباءنا علی امۃ وانا علی اثارھم مہتدون کے معاد کي جسکي مذمت فرقان پاک میں مذکور ہی پیروي کرني ہی دیکھو صناع ازل نے بمقتضاے صنعت کاملہ واسطے کفایت اِن مہمات کے عقل و درائت کي ایک نعمت بےبہا ایسي بخشي ہی کہ اگر ہم تعصب اور عناد کے لگاؤ کو چھوڑ کے ثابت قدمي کے ساتھہ تامل کریں تو نیک و بد میں بخوبي تمیز کرسکتے ہیں *

ہمارے زمانہ کے مدعیان اسلام قوت عقلیہ کو کام میں لانا اور اچھے و برے کو باعانت انوار عقلیہ دریافت کرنا کفر جانتے ہیں حالانکہ ایسے جوہر پاکیزہ کي قدر نہ جاننا اور اپني مہمات دارین میں اِس مرشد کامل کو رہنما نہ بنانا عین خطا اور کفران نعمت بلکہ لایعقلون شیأ و لایہتدون کا مصداق بننا ہی بعضے اہل اسلام جو تھوڑے بہت حرف آشنا ہیں دو چار بیتیں مثنوي اور دیوان کي پڑہ کے مہمات دیني میں استدلال کو بیکار بتاتے ہیں اور یہہ نہیں جانتے کہ وہ نتائیں جنسے اِس مضمون کا استخراج کیا گیا ہمارے عقائد کي کتابوں میں شمار نہیں کي گئي ہیں مزیدبرآں اُن ابیات کا منشاء یہي ہی کہ صرف قوت علمي و اِدراکي سے تکملہ ایمان ممکن نہیں بلکہ مومن کامل ہونے کے لیئے اپنے مفاد علمي پر بصدق نیت عمل کرنا ضرور ہی نہ یہہ کہ استدلال محض بے سود اور اندھوں کي مانند بن دیکھے [illegible] مقتضي الی المطلوب ہی *

جب یہہ گوہر گرانمایہ ہمارے بھائیوں کي نظروں میں محض [illegible] نظر آیا تو اب اپنے مصالح و منافع دارین کے دریافت کرنے کي [illegible] سبیل دوسري سواے اسکے باقي نہیں رہي کہ بعض اشخاص کو دلیل عارف باللہ و شریعت کا حامي قرار دیویں اور اُن کے فرمانے کو بے سمجھے بوجھے کالوحي من السماء معتبر تصور کرکے اپني عمر عزیز کو وحشیانہ خیالات میں رایگاں کریں *

کوئي مذہب ہو اُسمیں بہت ایسے پیشوا و ہادي بنتے ہیں جنکي کوششوں کي اصلي غایت اشاعت دین نہیں بلکہ اُنکا منشاء اِس پیرایہ میں مال و دولت کا حاصل کرنا ہوتا ہی ہاں ہمکو اِس امر سے انکار نہیں ہی کہ بعضے حضرات اپني دلي توجہہ سے اپني قوم و ملت کي ترقي اور اپني شریعت کے اشاعت کے خواستگار ہوتے ہیں اور ریا و نمایش کو اُنکي کوششوں میں مداخلت نہیں ہوتي پس ہمکو اِن دونوں فرقوں میں تمیز کرنے کے لیئے اُسي عقل کے آلہ سے جو اِنہیں دنوں کے لیئے ایجاد کیا گیا ہی کام لینا چاہیئے تاکہ صاف ظاہر ہو جاوے کہ اِن مدعیوں میں کون ہمارا دل سے ہوا خواہ اور کون اِس پیرایہ میں اپني خاص منفعت کا طالب ہی اور اِس مطلب کے لیئے صرف رتبہ قایل پر نظر عقل کو مقتصر کرنا کافي نہیں بلکہ اُس کے اقوال پر بحث کرنا اور دلایل پر نظر کرنا واجبات سے ہی تاکہ ہر قول کا علم الیقین حاصل ہوجاوے اور پھر تشکیک مشکک کے لیئے کوئي موقع و گنجایش باقي نرہے *

اکثر ایسا بھي دیکھا جاتا ہی کہ بعضے بزرگ زادے عابد و خداترس پیشوائي کا عمامہ اپنے سرپر رکھتے ہیں اور اپني عمر اِس پیشہ میں جو ہدایت کے نام سے مشہور ہی بسر کرتے ہیں ہم کہہ سکتے ہیں کہ اُنکي نیت میں ہوا خواہي اسلام بےشبہہ جاگزین ہی مگر اِصابت میں گفتگو ہی کہ نقطہ فی الدین اور ادراک صحیح مصالح دنیوي میں اُن کو حاصل ہی یا نہیں پس بسا اوقات اُن کي تقلید آفت جان ہوتي ہی اِس لیئے کہ وے لوگ تو خود اُس راہ سے جسکي رہبري پر کمر چست باندھے ہوئے خلایق کو اپني طرف بلاتے ہیں نا آشنا ہیں بقول مشہور * او خویشتن گم است کرا رہبري کند * اُن کي پیروي میں سواے خطر کے دوسري کیا اُمید ہی *

جب ہم دریافت کیا چاہیں کہ کیا وجہہ ہی کہ ہندوستاني مسلمان مثل اپنے ہموطنوں کي شایستگي اور ترقیات روز افزوں کے حاصل کرنے میں ساعي نہیں ہوتے اور اپنے میں اُن خصایل پسندیدہ سے جو تہذیب نفس کے لیئے ضروري ہیں مجلے نہیں کرتے تو اِس کي وجہہ سواے اِس تقلید بےمحل کے جس کے وہ عادي ہو رہے ہیں اور ضعیف و بیکار کردینے قوت عقلیہ کے دوسري معلوم نہیں ہوتي اور کیونکر یہہ سب خرابیاں باعث انتشار خاطر و تفرق جماعت اسلامي کے نہوں کہ زمانہ حال کے پیشوایان اسلام کا یہہ حال پہونچا ہی کہ اگر کوئي ناصح مشفق اہل اسلام کي ترقي میں بحث کرے اور اُنکي اصلاح حال کي تدبیر مناسب بتاوے تو اُس کي بات ابھي تمام بھي

نہیں ہونے پاتی کہ یہہ حضرات بدون سپاس نہایت خشونت کے ساتھہ جدل و خلاف کے لیئے آمادہ ہوجاتے ہیں اور حکم کفروارتداد کا جو اُنکی پندار میں عامۃالورود ہی اُس بیچارہ کے حق میں صادر فرماتے ہیں ہم یہہ کب کہتے ہیں کہ کسی امر میں مناظرانہ بحث کرنا بیجا ہی البتہ ہمکو اُن کی ترش روئی اور مجادلہ ناملایم کی شکایت ہی اور جسقدر اِس شکایت کا سلسلہ دراز کیا جاوے بجا ہی *

پس جبتک ہمارے مسلمان بھائی تقلید مروجہ و پابندی رسم و رواج کو نچھوڑیں اور اپنے ہوا خواہ و بدخواہ کو بقوت عقلیہ نہ پہچانیں کوئی تدبیر کو کیسی ہی عمدہ ہو اُن کی اصلاح حال کے لیئے مفید نہیں ہوسکتی اور نہ اُنکی ترقیات کا ستارہ جو خانہ پستی میں آگیا ہی بلندی اقبال پر چمک سکتا ہی و باللہ التوفیق و ما علینا الا البلاغ *

الراقم
محمد عبدالغفور
مقام محمدآباد ضلع اعظم گڈہ

نمبر ۲۶

طلب علم

صانع حقیقی نے ایک نہایت عمدہ اور قیمتی گوہر طینت انسانی میں سپرد کیا ہی اور ایک نہایت لطیف اور صاف آئینہ کہ جس سے تمام ممکنات کو دیکھہ سکے بشر کو عطا فرمایا ہی کبھی اُس سے ساتھہ دل کے تعبیر کیجاتی ہی اور کبھی ساتھہ عقل کے لیکن جیسے کہ گوہر اور آئینہ چرک اور بخارات سے مکدر اور بے اب ہو جاتا ہی ویسے ہی عقل اور دل خیالات فاسد اور اوصاف ذمیمہ کے باعث کہ جب وہ ہجوم کرکے گھیر لیتے ہیں اپنی آب و تاب اور روشنی دکھانے میں معطل و بیکار ہو جاتے ہیں *

یہہ بات کسیطرح تسلیم نہیں ہوسکتی کہ اخلاق حمیدہ اور اوصاف ذمیمہ ایک جگہہ جمع ہوں حقیقت میں یہہ دو جنس بیگانہ ہیں وہ آپس میں کیسے مل سکتی ہیں اور کیسے ہوسکتا ہی کہ ایک ظرف میں آگ و پانی جمع ہوسکیں ان دونوں میں ایسا بعد ہی جیسے مشرق اور مغرب میں جب کوئی ایک طرف سے دوسری طرف کو چلے تو ضرور ہوگا کہ ایک سے قرب دوسرے سے بعد ہوتا جاویگا جب تک طبیعت انسان میں وجود خیالات فاسد کا باقی رہیگا تب تک اوصاف حمیدہ اُسکو کسی طرح پسند اور مرغوب نہونگے — دیکھو بیمار کی حالت کو کہ جب مرض طبیعت کو بگاڑ دیتا ہی اور خراب کردیتا ہی تو عمدہ سے عمدہ خوشگوار غذا جسکی خوبی پر جمہور کا اتفاق ہو اُس مریض کو تلخ اور بدمزہ معلوم ہوتی ہی *

یہہ تلخی اور ناگواری کچھہ اس سبب سے نہیں ہی کہ وہ غذا بمجرد اسکے کہ جب اُس پر قوت ذائقہ اپنا عمل و تصرف کرتی ہی تب وہ غذا بنفسہ تلخ اور ناگوار ہوجاتی ہی بلکہ یہہ بات ہی کہ وہ قوت ذائقہ خودھی ناقص ہوتی ہی اور اُس میں وہ لیاقت بسبب مرض کے باقی نہیں رہتی ہی کہ جس سے وہ اصلی مزہ غذا کو دریافت اور اُسکی تمیز کرسکے *

پس آدمی کو لازم ہی کہ وہ تدبیر کرے جس سے روشن ضمیری اور ادراک عقلی اُسکا ترقی پاوے اور قبایح اور خیالات فاسد کی آلودگی زایل ہوجاوے اور تلاش اور طلب اُس آلہ کی کرے جس سے اُنکی کدورت و آلایش دور ہو جاوے اسبات سے کوئی شخص انکار نہیں کرسکتا ہی کہ وہ آلہ اُنکے صاف اور صیقل اور صحیح کرنے کے لیئے علم ہی اور بغیر علم کے کسی طرح ممکن نہیں ہی کہ وہ صاف اور شفاف اور صحیح ہوسکیں — علم اشرف سعادات اور افضل کمالات سے ہی اور اُسکی تحصیل اور طلب کی بابت بہت اخبار اور احادیث وارد ہوئی ہیں اور طرح طرح پر اُسکے اجر اور ثواب مذکور ہوئے ہیں بعض احادیث میں لفظ علم عام ہی اور بعض احادیث میں لفظ دین کے ساتھہ خاص کیا گیا ہی اور بعض جگہہ مثل علم ادیان باطلہ اور علم سحر اور علم کہانت اور مثل اُسکے سیکھنے کی ممانعت بھی ہی — بہر حال سواے اُس علم کے کہ جسکی بتصریح ممانعت ہوئی ہی (یہہ امر بھی تحقیق طلب ہی کہ کس کس علم کی تحصیل کی ممانعت ہی اور کون کون شعبہ اُس میں داخل ہوسکتے ہیں) باقی علم عام ہو یا خاص علم دین ہو اس میں کسی بات کو طول سے لکھنا ضرور نہیں ہی اسلیئے کہ مسلمانوں میں علم دین کے ادراک کے واسطے علوم متعارفہ مثل علم ہیئت اور علم طبیعات اور ریاضی یا اُنکے شعبہ کا حاصل کرنا ضروریات سے سمجھا گیا ہی اور جب تک ان علوم میں آدمی کو کچھہ دستگاہ نہو تب تک اُسکا علم دین بھی ناقص سمجھا جاتا ہی غور کرو کہ خاص قران شریف اور عام مسائل شرع کے لیئے کیا علم ہیئت کی ضرورت نہیں ہی کیا علم انتظام مدن اور حسن معاشرت کی حاجت نہیں ہی کیا علم جغرافیہ درکار نہیں ہی کیا علم ہندسہ کی ضرورت نہ [illegible] کیا علم طب کا حاصل کرنا ضرور نہیں ہی کیا علم تواریخ کی [illegible] بیکار ہوگی وہ کون سا رطب اور یابس ہی جو قران مجید میں [illegible] ہی اور جب تک مفصل پر عبور نہو مجمل کا ادراک بہت اشکال [illegible] حقیقت میں یہہ علوم ایک جہت سے متعلق علم دین سے ہیں اور [illegible] جہت سے انتظام مدن اور حسن معاشرت سے تعلق رکھتے ہیں [illegible] عرف عام میں لوگ دنیا بتاتے ہیں لیکن حقیقت میں شریعت مسلمانوں [illegible] میں سواے اُن بعض امور کے جنکی بالتصریح ممانعت ہوئی ہی [illegible]

سب امور داخل دينيات هيں — اب همكو اسبات پر غور كرنا چاهيئے كه مسلمانوں ميں باهم اُن علوم كے جسقدر كه متقدمين نے تحقيق كركے اپني كتابيں تاليف كي هيں اُسي پر اكتفا كرني چاهيئے يا جو كچهه كه اُن علوم كو كسي اور مصنفوں اور كوششوں اور عمده عمده وسيله اور ذريعوں سے نئي نئي تحقيقاتيں اور تجربه هوكر جو كچهه ترقي هوئي هو اُسكو بهي هم لوگ تحصيل كريں — ظاهر هى كه محض متقدمين كي تحقيقات تك علم بهم پهونچانا اور كسي دوسري ترقي كي طلب نه كرنا ايك بيهوده اور لغو بات هى — قران شريف ميں يا حديث ميں ايسے امور كے ليئے كوئي حد معين نهيں كي گئي اور عقل بهي كسي طرح ايسے امر كو پسند نهيں كرتي هى جو مانع ترقي كي هو خصوص اُس حالت ميں كه جب كوئي ممانعت شرعي اُس ميں نهيں هى — نهيں همكو يهه كهنا چاهيئے كه جو كچهه نئي ترقي علوم كو هوئي هى اُسكا همكو حاصل كرنا ضرور اور لازم هى كيونكه يهه مسئله مسلم هى كه اصول دين كي تقويت اور استحكام كے ليئے اُن علوم متعارفه كا استعمال ضروري اور ايك ركن اركان امور دين سے هى اور وه علوم متعارفه جب اپني ايك حالت سے دوسري حالت اعلى پر پهونچتے هيں تو حالت اول ناقص متصور هوتي هى بمقابله حالت ثاني كے اور هم مسلمان لوگ جب اول هي حالت كو پكڑے رهينگے جو ناقص هى تو همارے امور ديني ميں بهي نقصان ضرور لازم آويگا اور جب هم حالت ثاني پر جو ترقي كي حالت هى پهونچ جاوينگے تو ضرور هى كه همارے امور ديني بهي ترقي پاوينگے ترقي امور ديني سے مراد ميري اِس جگهه يهه نهيں هى كه جو اصلي امور ديني معين و محدود هيں اُنميں كچهه بڑه جاويگا بلكه مقصود ميرا اُسكے استحكام سے هى مثلاً فرض كرو كه علوم متعارفه كي تحقيقات كي بنا پر جو كوئي ثبوت يا دليل استحكام كسي امر ديني كے ليئے قايم كي گئي هى اور اب وه بناء غلط ثابت هوجاوے تو اِس سے اُس امر ديني همارے ميں بهي غلطي يا ضعف سمجها جاويگا ليكن جب هم اُس حالت ترقي پر پهونچے هوئے هونگے تو نئي تحقيقاتوں كي بناء پر هم دوسرا ثبوت يا دليل قايم كرلينگے اور اُسكي اصلاح كرسكينگے اور اِسي طرح همارے امور ديني زياده تر مستحكم اور مضبوط هوتے جاوينگے مسلمانوں كو يهه بات تسليم هى كه قران شريف قول هى صانع حقيقي كا اور تمام اشياے موجوده جو قدرتي كهلاتي هيں وه اُسكي مصنوعات سے هيں يعني اُسكے فعل سے ظهور ميں آئيں هيں پس ضرور هى كه صانع كا قول اور فعل مطابق هووے اب فرض كرو كه مسلمانوں ميں جو حقيقت اشياء كي بعد تحقيقات كے دريافت هوچكي هى اُسكو جس جگهه ضرورت هوئي هى قول سے مطابق ليا گيا هى تا كه قول اور فعل ميں اختلاف واقع نهووے ليكن جبكه اُنهيں اشياء كي حقيقت كي تحقيقات كي ترقي كي جاوے اور اس تحقيقات ميں كوئي بات لايق يقين كے ايسي ثابت هوجاوے جو پچهلي تحقيقات كے سراسر مخالف هووے تو جب تک كه همكو ان تحقيقات جديد پر جس سے ترقي مهارت هى عبور اور انكے تمامي حالات بلكه ماهيت دريافت نهووے تب تک ضرور هى كه قول اور فعل صانع كا مختلف سمجها جاويگا اور جبكه قول اور فعل ميں اختلاف پايا گيا تو ضرور هوا كه ايک كو اُنميں سے صحيح اور دوسرے كو غلط قرار ديں اور فعل كي صحت پر يقين كرچكے هيں تو پهر قول كو كسطرح سے صحيح مان سكينگے هاں جب ان تحقيقات جديده كا همكو علم حاصل هوگا اور هم اُسكے حالات سے بخوبي ماهر هونگے تو همكو بهت آسان هوگا كه يا تو كسي دوسرے وسيله سے ايسي تحقيقات كريں كه جس سے غلطي اُس تحقيقات درمياني كي واضح هوجاوے يا ايسي دليل پيش كريں يا ايسي عمده تاويل كريں كه اُس تحقيقات كي حالت ترقي سے بهي قول مطابق هو جاوے اس فرضي صورت پر يهه اعتراض هوسكتا هى كه جب هم قول كي صحت كو بقيني جان چكے هيں تو پهر كسطرح ترقي تحقيقات كے باعث جو خلاف تحقيقات مرتبه اول كے هى اور جو اب قول كے مخالف ظاهرا معلوم هوتي هى يقين كرسكينگے ليكن ميرا مقصود يهه نهيں هى كه قول كي صحت جسكو يقيني جان ليا گيا هى مستلزم صحت تحقيقات اشياء هى بلكه مراد يهه هى كه ان دونوں كو باهم مطابق ٹهرايا هى پس جبكه كوئي تحقيقات غلط ثابت هو جاوے تو اُس قول كي غلطي خواه مخواه لازم نهيں آويگي بلكه قول سے پهر مطابق كرنے كے ليئے موقع اور قوت باقي هوگي الا يهه قوت اور موقع تب هي باقي رهيگا كه جب اِس ترقي تحقيقات پر همكو كامل مهارت هو ورنه گو زبان سے نه كهه‌سكيں مگر دل ميں شبهه ضرور رهيگا اور مراد جو استحكامي دين سے هى اُس ميں بڑا خلل پڑيگا پهر همكو يهه بهي ديكهنا چاهيئے كه آيا جو نئي ترقي هوئي هو اُسكا علم همكو حاصل كرنا اُسي حالت ميں چاهيئے كه جب هم ميں سے كسي كے باعث وه ترقي هوئي هو يا كسي دوسري قوم اور فرقه نے وه ترقي حاصل كي هى تو بهي اُسكے حاصل كرنے كے ليئے كوئي امر همكو مانع هى يا نهيں تو عقلاً يا نقلاً كوئي امر اُسكا مانع نهيں نكليگا بلكه اسي بات كي تائيد نكليگي كه علم كے حاصل كرنے كے ليئے لازم هى كه اُسكے حصول كا حصر كسي خاص وسيله سے يا كسي خاص مقام سے نه كيا جاوے بلكه جس وسيله سے اور جس مقام سے

چین ہو یا انگلستان روم ہو یا ایران ہند ہو یا روس جسطور سے ممکن ہو حاصل کرے — اطلبوا العلم ولو کان فی الصین *

العبد الحقیر

میرزا عابد علی عفی اللہ عنہ

مقام ماٹھورس ضلع علیگڈھ

نمبر ۲۷

تدبیر فلاح

ہم اِن چند سطروں کو نہایت افسوس کے ساتھہ تحریر کرتے ہیں کہ جب ادبار آتا ہی تو آدمی کی عقل بالکل سلب ہوجاتی ہی بھلے بُرے کی تمیز باقی نہیں رہتی اگر کوئی شخص اُس کے حال تاسف عبیر پر رحم کرکے کوئی فکر اُس کی فلاح کی کرتا ہی تو اُس کو برعکس سمجھتے ہیں یہی زمانہ بعینہٖ یہی حالت ہم مسلمانان ہند کی ہی کہ باوجودیکہ اِس حالت تنزل میں ہیں لیکن کوئی فکر اپنی بہبودی کی نہیں کرتے تحصیل علم کو جو کہ ذریعہ فلاح دارین ہی بالکل ترک کردیا ہی علم کی روز بروز کمی ہوتی جاتی ہی اور اسی سبب سے اُن لوگوں کی نظروں میں جو روز بروز ہر قسم کے علوم اور فنون میں ترقی کرتے جاتے ہیں حقیر اور ذلیل معلوم ہوتے ہیں اب ہمکو لازم ہی کہ خواب غفلت سے بیدار ہوں، اور فکر حصول بہبودی دنیا ونجات آخرت کی کریں علم کے رواج دینے میں جان اور مال سے کوشش کریں تاکہ ہماری اور ہماری آیندہ نسل کی عزت اور بہتری کی کوئی صورت نکلے علوم اور فنون حاصل کریں اور اُن تعلیم یافتہ لوگوں میں جو کہ فی الحال ہملوگوں کو بسبب ادبار کے (جسنے کہ ہماری عقلوں کو اِس قدر زایل کردیا ہی کہ ہم لوگ نہیں سمجھتے کہ ہم کس حالت میں ہیں اور کون سی تدبیر عزت حاصل کرنے کے واسطے کریں) حقیر سمجھتے ہیں عزت حاصل کریں اور بے شک جہالت ایک بہت بڑا ادبار ہی کہ جسکے سبب سے آدمی نہ دین کا رہتا ہی نہ دنیا کا اور صرف بوجہہ کمی علم کے ہم لوگ اِس حالت کو پہونچے ہیں کہ تعلیم یافتہ لوگوں کے سامنے حقیر معلوم ہوتے ہیں اگر ہم لوگ علم کو حاصل کریں اور فنون کو ترقی دیں تو ضرور اگر خدا نے چاہا تو ہم لوگ وہی عزت حاصل کرینگے جو اب تعلیم یافتہ لوگوں کو حاصل ہی وہ لوگ جو کہ اِس زمانہ میں ہر قسم کے علوم اور فنون میں کامل ہیں علم اور ہنر لیکر پیدا نہیں ہوئے یہہ صرف ثمرہ اُن کی کوشش کا ہی کہ اِس درجہ ترقی کو پہونچے ہیں ہم بھی آدمی ہیں حیوان مطلق نہیں اگر کوشش کریں تو کیوں نہ علوم اور فنون میں کامل ہوں ہم لوگوں کو پست ہمت ہونا نچاہیئے خود حتی الامکان سعی اور کوشش کریں اور اپنے ہم مذہبوں کو جو کہ سب کے سب ایک ہی حالت میں ہیں مستعد کریں کہ وہ لوگ حصول عزت و رفع ذلت کی تدبیر کریں تمام مسلمانان ہند کو لازم بلکہ فرض ہی کہ وہ ذریعہ جو کہ دافع ذلت اور باعث عزت ہو پیدا کریں اور وہ ذریعہ کیا ہی علم ہی جب تک آدمی علم حاصل نہیں کرتا ہی تب تک سبکی نظروں میں حقیر معلوم ہوتا ہی عزت جس کا نام ہی صرف ایک اِن عمدہ نتیجوں میں سے ہی کہ جو علم سے حاصل ہوتے ہیں ہر مسلمان کو بقدر امکان کے چندہ دینا چاہیئے تاکہ ہر ضلع میں مدارس اسلامیہ قایم ہوں اور ہر طرح کے علوم مثلاً عربی فارسی ہندی انگریزی پڑھائے جاویں تاکہ ہر شخص جو علم چاہے بخوشی و آسانی تمام حاصل کرے سو پھر دیکھیں کہ کون ہم پر ہنستا ہی اور کون ہم سے زائد شایستگی حاصل کرتا ہی ایسی حالت میں یہہ بھی ضرور ہی کہ اگر کوئی شخص ذی رتبہ جس کی کوششیں عمدہ ہوں کوئی صورت ہماری فلاح کی نکالے اور ہمارے حال پر رحم کرکے ہماری دستگیری کیا چاہے تو بوجہہ زایل ہوجانے عقل کے جو اکثر حالت ادبار میں ہوتا ہی اگر ہم اُس کی نیت کو نہ سمجھیں تو بے سمجھے بوجھے اُس پر اعتراض نکریں پہلے غور کرکے دیکھیں اور معلوم کریں کہ اسکی اصل غرض کیا ہی نہ کہ بلا تامل اُس کی راے کو غلط ٹھہرانے لگیں ایسی حالت میں اگر کوئی ایسا شخص مددگار ملے تو نہایت خوشی کے ساتھہ اور خوبی تقدیر سمجھکر اُس کی پیروی کریں اور جو تدبیر وہ ہماری بہتری کے واسطے نکالے اُس کو خوب سمجھکر اُس پر عمل کریں اب غرض ہمارے اِس لکھنے سے صرف یہی ہی کہ جسقدر ممکن ہو اپنے ہم مذہبوں کی مدد کریں اور اعتراضات وغیرہ جو اِس حالت میں نہایت مضر ہیں چھوڑ دیں ایسے وقت میں جب کہ گورنمنٹ بھی ہر طرح سے اپنی رعایا کی فلاح کے واسطے کوشش کر رہی ہی اِس کی تدبیر بہت جلد ممکن ہی ورنہ جس قدر عرصہ ہوتا جائیگا تدبیر مشکل ہوتی جائیگی جتنا عارضہ پرانا ہوتا ہی وتنا ہی علاج دشوار ہی آیندہ اختیار *

محمد عنایت الرحمن

از مقام بنارس

بمقام علیگڈھ — مطبع علیگڈھ انسٹیٹیوٹ میں چھپا اور باہتمام
منشی محمد مشتاق حسین شایع ہوا

THE
MOHAMMEDAN
SOCIAL REFORMER
تهذيب الاخلاق

جلد دوم] ۱۵ محرم سنة ۱۲۸۸ هجري [نمبر ۲

بسم‌الله الرحمن الرحيم

اطلاع

جسقدر روپيه بابت اِس پرچه کے بطور چندہ خواہ بطور قيمت وصول هو وہ کسي خاص شخص کي ملکيت نہوگا بلکه اِس پرچه کے اجرا و ترقي ميں صرف کيا جاويگا *

مسلمانوں ميں سے جو شخص ساتهہ روپيه سالانه پيشگي بطور چندہ دے وہ اس پرچه کے متعلق معاملات ميں ممبر متصور هوگا *

علاوہ اِس کے جو شخص کچهه روپيه بطور ڈونيشن دے وہ بشکر گذاري تمام ليا جاويگا *

يهه پرچه هر مهينے ميں ايک بار يا دو بار يا تين بار جيسا که مقتضاے وقت هوگا چهپا کريگا قيمت في پرچه دو آنه اور مع محصول ... آنه هوگي مگر خريداروں کو کم سے کم تين روپيه قيمت اور ايکروپيه ... آنه محصول جمله چار روپيه آتهه آنه پيشگي بهيجنے هونگے *

اگر کوئي شخص کوئي خاص پرچه خريدنا چاهے کا اُس کو في پرچه ... آنه قيمت اور ايک آنه محصول دينا هوگا *

ممبروں کو بلا قيمت يهه پرچه مليگا اور اُنؐ کو اُس کے تقسيم کا ... بلا قيمت جسکو وہ چاهيں اختيار هوگا *

اِس پرچه ميں بجز مضامين متعلق تهذيب اخلاق و حسن معاشرت کے جهاں تک که وہ مسلمانوں سے متعلق هيں اور کچهه مندرج نہوگا *

۱

مضمون نمبر ۲۸

طبقات علوم الدين

هم خيال کرتے هيں که اِس زمانه ميں جو مسلمان بعض مسائل مذهبي کي تدقيقات کو ديکهه کر متعجب هوتے هيں اور اِس تدقيق کو خلاف جمهور اور خرق اجماع سمجهتے هيں غالباً اُسکا سبب يهه هي که وہ علوم دين کے طبقات سے واقف نهيں هيں اِس لئيے مناسب هي که کچهه اُنکا ذکر کيا جاوے *

شاہ ولي الله صاحب نے اپني کتاب حجة‌الله‌البالغه ميں طبقات علوم‌الدين کي تفصيل اِس طرح پر بيان کي هى *

طبقه اول — حديثوں کے پهچاننے کا علم که کونسي صحيح هى اور کونسي ضعيف اور کونسي معتبر هى اور کونسي نامعتبر چنانچه اِس کام کو علماء محدثين رحمه‌الله عليهم اجمعين نے اختيار کيا اور حديث کي کتابيں اُسميں تاليف کيں *

طبقه دوم — کلام الهي اور اُن حديثوں کے معني بيان کرنے کا کام که مطابق محاورہ اور استعمال زبان عرب کے اِس کے کيا معني هيں چنانچه اِس کام کو علماء علم ادب نے اختيار کيا *

طبقهٔ سوم — كلام الهي اور حديثوں كے معنوں كو بطور اصطلاحات شرعيه قرار دينے اور اُن سے احكام شرعيه كے نكالنے اور ايک حكم سے دوسرے پر قياس كرنے اور اشارات و كنايات عبارت سے حكم نكالنے اور ناسخ منسوخ قرار دينے اور راجح مرجوح ٹهرانے كا علم چنانچه اِس كام كو فقها نے اختيار كيا *

طبقهٔ چهارم — مذهب اسلام كے اسرار جاننے كا علم اور يهه وه علم هى جسميں مذهب اسلام ميں جو كچهه هى اُسكي حقيقت اور اصليت اور جو حكمت كه شارع نے اُسميں ركهي هى وه بيان كي جاتي هى *

شاه صاحب فرماتے هيں كه يهي علم هى جس سے آدمي پكا مسلمان هوتا هى اور اُسكا ايمان مثل ايسے شخص كے كامل يقين كے پخته هوجاتا هى جسكو كسي نهايت سچے شخص نے يهه بات كهي هو كه سنكهيا زهر قاتل هى اُسكے كهانے سے آدمي مرجاتا هى اور اُس شخص نے بسبب اُس قايل كي سچائي اور معتبري كے اُسكي تصديق كي اور پهر قواعد علم حكمت سے يهه بات بهي جاني كه زهر ميں حرارت اور يبوست بے انتها هى اور وه دونوں خاصيتيں انسان كے مزاج كے برخلاف هيں اور اِس ليئے اُسكو مارڈالتي هيں اور اِس بات كے جانے سے اُسكا يقين اُس قايل پر اور اُسكي بات پر اَور زياده پخته هوجاتا هى پس اسراردين كے علم كا يهي نتيجه هى كه وه انسان كے ايمان كو ايسا پخته كرديتا هى كه كسي طرح دگمگا نهي نهيں سكتا *

شاه صاحب يهه بهي لكهتے هيں كه اگرچه عام عالموں نے فقه كو لب لباب علوم دين كا سمجها هى مگر اُن كے نزديک علم اسراردين هي سب كا سرتاج هى پهر وه تسميه بيان كرتے هيں كه يهي علم اِس لايق هى كه بعد اداے فرائض كے آدمي اسي علم ميں اپني تمام اوقات عزيز صرف كرے اور ذخيرهٔ آخرت ليجاوے *

شاه صاحب يهه بهي فرماتے هيں كه جبكه اِس قسم كے مطالب پر لوگ غور كرتے آئے هيں اور مسائل اور مطالب نكالتے رهے هيں تو اب علم اسراردين پر گفتگو كرنا اور بحث كرنا خرق اجماع هي نهيں رها ميں كهتا هوں كه خرق اجماع كيسا اب اسپر بحث كرنا فرض عين هوگيا هى *

حال يهه هى كه جو حالات كه انسان كي روح سے متعلق هيں اور جو انكشافات كه انسان كي روح پر هوتے هيں اور اعمال صالح اور غير صالح سے جو كيفيت انسان كي روح ميں پيدا هوتي هى اور جو حالات كه اُسپر بعد موت كے طاري هوتے هيں جسكو معاد كهتے هيں وه بدون تمثيل كے انسان كے خيال ميں نهيں آسكتے كيونكه جو چيز كه همارى آنكهه سے دكهائي نهيں ديتي نه هم اُسكو چهوسكتے هيں تو اُسكا خيال همارے دل ميں بجز ايسي چيزوں كي تمثيل كے جنكو هم جانتے هيں اَور ديكهتے هيں اور كسي طرح پر نهيں آسكتا مثلاً اگر عذاب قبر ميں گنهگاروں كي نسبت سانپوں كا چمٹنا اور كاٹنا بيان كيا جاوے تو اُسكا يهه مطلب نهيں هوتا كه درحقيقت سچ مچ كے يهه سانپ جنكو هم دنيا ميں ديكهتے هيں مردے كو چمٹ جاتے هيں بلكه جو كيفيت كه گناهوں سے روح كو حاصل هوتي هى اسكا حال اِنسانوں ميں اُس رنج و تكليف و مايوسي كي مثال سے پيدا كيا جاتا هى جو دنيا ميں سانپوں كے كاٹنے سے اِنسان كو هوتي هى عام لوگ اور كٹھملّا اُسكو واقعي سانپ سمجهتے هيں اور عارف بالله اُسكي حقيقت اور اصليت پر پے ليجاتے هيں اور اسي اصليت كے جاننے اور اور بيان كرنے كو علم اسراردين كهتے هيں اور يهه وهي علم هى جس سے اِنسان كا ايمان تصديق كے درجه سے بهي بڑه كر علم اليقين اور حق اليقين بلكه عين اليقين كے درجه تک پهونچ جاتا هى *

اگلے زمانه ميں علماء كي يهه راے تهي كه علم اسرارالدين كو عام لوگوں ميں پهيلانے سے جو اُنكي سمجهه سے باهر هى كچهه فائده نهيں بلكه اُنكي تصديق كو تشكيک ميں ڈالتا هى مگر اب وه زمانه نهيں رها حال كے زمانه ميں هر چهار طرف علوم كي ترقي بهت زياده هوگئي اور اُسكي شعاعيں تمام دنيا ميں پهيل گئيں اور پهيلتي جاتي هيں اور پهيلتي جاويںگي بعض ملكوں ميں تو عام و عوام اور خاص و خواص سب كے خيالات كو وسعت هوگئي اور بعض ملكوں ميں شايد ابهي عوام كے خيالات كو وسعت نهوئي هو الا عام كے خيالات كو تو ضرور وسعت هوگئي هى اور اِس ليئے اب دين كي تمثيلي باتوں كا بيان كرنا كافي نهيں رها بلكه اسراردين كے علانيه بيان كرنے كا وقت هى اور جو بات كه اگلے زمانه ميں كسي عالم كے دو چار شاگرد رشيد جانتے تهے اُسكو عموماً هر ايک كو بتلانا چاهيئے تاكه حقايق مسايل اور اسرار دين سے لوگ واقف هوكر اپنے مذهب كي سچائي پر مطمئن هوں اور كٹھملاؤں كے اس فتوي كفر سے كه عذاب قبر سے اِنكار كيا اس معراج سے منكر هوئے اور شيطان كے وجود كو حيز جداگانه ميں نه ماننے سے نص قراني كا انكار كيا كچهه ڈرنا نهيں چاهيئے اگلے لوگوں ميں سب كے سرتاج امام حجة الاسلام غزالي هيں اور سب كے آخر شاه ولي الله صاحب هيں اُنكي نسبت بهي ان كٹھملاؤں نے اسرار كے بيان كرنے كے سبب سے بهت سے كفر كے فتوے ديئے هيں اُن فتوؤں سے اُنكا تو كچهه نهيں بگڑا مگر ان كٹھملاؤں كي هنڈيا ميں جو تها وهي اُنكے چمچوں ميں نكل آيا *

عبادت

اِس علم یعنی علم اسرار دین میں احیاء العلوم امام حجۃ الاسلام غزالی کی اور حجۃ اللہ البالغہ شاہ ولی اللہ صاحب کی نہایت عمدہ کتابیں ہیں مگر زمانہ حال کے مطابق اُنکو بھی کامل نہ سمجھنا چاہیئے اِس لیئے کہ اِس زمانہ میں بہت سی چیزیں اب معلوم یا مروج ہوئی ہیں جو اُس زمانہ میں نہ تھیں اور یہہ کہ طرز تحریر و طریق تقریر اور مناط استدلال اور طریقہ ایراد اِس زمانہ میں نئے طور پر شروع ہوا ہی جو اُن زمانوں میں نہ تھا اور یہہ کہ حال کے زمانہ کے لوگوں کے خیالات کو بہ نسبت اُس زمانہ کے بہت زیادہ وسعت ہوگئی ہی اور یہہ کہ اُن کتابوں میں بہت باتوں کو بنیاد امورات مسلمہ مذہبی بیان کی گئی ہیں جو صرف معتقدین اسلام کے لیئے بلاشبہہ مفید ہیں مگر بلحاظ شان و قدر و منزلت اُس علم کے اُس کے بیان کا ایسا طرز ہونا چاہیئے جو معتقدین اور غیر معتقدین سب کے لیئے مفید اور برابر موثر ہو پس وہ مطالب اس لایق ہیں کہ اُنکو حال کے پیرایہ تحریر کے موافق از سر نو بیان کیا جاوے مگر یہہ کام اُسی سے ہوسکتا ہی جسپر خدا کی مہربانی ہوئی ہو اور اُس کے دل کو نور ایمان سے منور کیا ہو اور کچھہ حصہ علم لدنی سے عطا فرمایا ہو و ان من اعظم نعم اللہ علی ان اتانی منہ حظا و جعل لی منہ نصیبا و ما انفک اعترف بتقصیری و ابرئ و ما ابرئ نفسی ان النفس لامارۃ بالسوء *

راقم
سید احمد

نمبر ۲۹

عبادت

تمام نیکیاں اور عبادتیں جو قانون قدرت کے برخلاف ہیں پوری نیکیاں اور عبادتیں نہیں ہیں مگر افسوس ہی کہ بہت سے لوگ اِس کا خیال نہیں کرتے اگر صرف اس کا خیال ہی نہ کیا جاتا تو چنداں مشکل نہ تھی دقت یہہ ہی کہ قانون قدرت کے مطابق جو نیکیاں اور عبادتیں ہیں اُن کو نیکیاں اور عبادتیں ہی نہیں سمجھتے *

اِس مطلب کے ثابت کرنے کو ہمارے لیئے اِرشاد رسول خدا صلی اللہ علیہ و سلم کا کافی اور وافی ہی اور اُس کے بعد کسی دوسرے کے قول و فعل کی سند کی حاجت نہیں *

عن انس قال جاء ثلثة رهط الى ازواج النبي صلعم يسألون عن عبادة النبي فلما اخبروا بها كانهم تقالوها فقالوا اين نحن من النبي صلي الله عليه و سلم وقد غفر الله ما تقدم من ذنبه و ما تاخر فقال احدهم اما انا فاصلي الليل ابدا و قال الاخر انا اصوم النهار ابدا و لا افطر و قال الاخر انا اعتزل النساء فلا اتزوج ابدا فجاء النبي صلعم اليهم فقال انتم الذين قلتم كذا و كذا و الله اني لاخشاكم لله و اتقاكم له لكنني اصوم و افطر و اصلي و ارقد و اتزوج النساء فمن رغب عن سنتي فليس مني متفق عليه *

بخاری و مسلم نے حضرت انس سے یہہ حدیث نقل کی ہی کہ عرب کی تین قوموں کے کچھہ لوگ پیغمبر خدا صلعم کی ازواج مطہرات کے پاس آنحضرت صلعم کی عبادت کا حال دریافت کرنے کو آئے جب اُن کو بتایا گیا تو اُنہوں نے اُس کو بہت کم سمجھا اور آپسمیں کہنے لگے کہ کہاں ہم اور کہاں پیغمبر صاحب اُن کو تو بہت سی عبادت کرنے کی ضرورت نہیں ہی اُن کو تو اللہ تعالی نے اگلے پچھلے گناہوں سے پاک کردیا ہی پھر اُن میں سے ایک نے کہا کہ ہم تو ہمیشہ تمام رات نماز پڑھا کرینگے اور دوسروں نے کہا کہ ہم ہمیشہ دن کو روزہ رکھا کرینگے اور کبھی روزہ نہ چھوڑینگے اوروں نے کہا کہ ہم عورتوں کے پاس نہ جاوینگے اور کبھی جورو نکرینگے اتنے میں جناب پیغمبر خدا صلعم تشریف لے آئے اور فرمایا کہ تم نے ایسی ایسی باتیں کہیں ہیں حالانکہ خدا کی قسم میں تم سے زیادہ خدا سے ڈرتا ہوں اور تم سے زیادہ اُسکے حضور میں پاک رہنا چاہتا ہوں لیکن میں تو روزہ رکھتا بھی ہوں اور نہیں بھی رکھتا اور نماز بھی پڑھتا ہوں اور سو بھی رہتا ہوں اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں پھر جو کوئی میرے طریقہ کو پسند نکرے وہ میرے ساتھیوں میں سے نہیں *

یہہ حدیث ہم مسلمانوں کے لیئے بہت بڑی سند اِس بات کی ہی کہ اصلی اور سچی عبادت وہی ہی جو قانون قدرت کے اصول کے مطابق ہی تمام قوی جو خدا تعالی نے اِنسان میں پیدا کیئے ہیں وہ اِسلیئے پیدا نہیں کیئے کہ وہ بیکار کردیئے جاویں بلکہ اِس لیئے پیدا ہوئے ہیں کہ سب کام میں لائے جاویں شریعت حقہ مصطفویہ علی صاحبہا الصلوۃ والسلام نے کوئی نئی بات نہیں پیدا کی بلکہ صرف اُن قوی کے کام میں لانے کے طریقہ کو بتایا ہی جس سے جملہ قوی اعتدال پر اور شگفتہ و شاداب رہیں اور ایک کے غلبہ سے دوسرا بیکار اور پژمردہ نہوجاوے مگر بہت ہی کم لوگ ہیں جو اِس نکتہ کو سمجھتے ہیں بلکہ اُس طریقہ کو جسکو ہمارے پیغمبر خدا صلعم نے رہبانیت قرار دیا ہی اور جسکو ہندی زبان میں جوگی یا جوگ کہتے ہیں اعلی عبادت اور منتہاے زہد و تقوی قرار دیتے ہیں *

فرایض جو مذہب اسلام میں ہیں اُن کا ادا کرنا بلاشبہہ باعث نجات ابدی ہی عن ابي هريرة قال اتي اعرابي النبي صلعم فقال دلني علي عمل اذا عملته دخلت الجنة قال تعبد الله ولا تشرك به شيئا و تقيم الصلوة المكتوبة و تؤدي الزكوة المفروضة و تصوم رمضان قال والذي

نفسی بیدہ لا ازید علی ھذا شیئاً و لا انقص منہ فلما ولی قال النبی صلعم من سرہ ان ینظر الی رجل من اھل الجنۃ فلینظر الی ھذا متفق علیہ *

بخاري و مسلم نے حضرت ابوهريرہ سے یہہ حدیث نقل کی هی که ایک دهقاني عرب پیغمبر خدا صلعم پاس آیا اور کہا که مجهکو ایسي بات بتائیئے که اگر میں اُسکو کیا کروں تو بہشت میں جاؤں آپنے فرمایا که خدا هي کي عبادت کیا کر اور کسي دوسرے کو اُسکي عبادت میں مت ملا اور فرض نمازیں پڑهاکر اور زکوۃ دیا کر اور رمضان کے روزے رکہا کر اُسنے کہا که خدا کي قسم نه تو میں اسمیں کچهہ بڑهاونگا اور نه گهٹاؤنگا جب وہ پیٹهہ پهیر کر چلا تو آنحضرت صلعم نے فرمایا که جو شخص جنتي آدمي کو دیکهنا چاهے تو اس شخص کو دیکهہ لے *

غرضکه اداے فرایض بلاشبہہ اصلي عبادت هی جسکا ادا کرنا هر شخص مکلف پر فرض هی مگر هم اِس مقام پر فرایض کے سوا جو اور عبادتیں هیں اُنسے بحث کرني چاهتے هیں اور اُنمیں بهي اسبات سے بحث کرنا مقصود نہیں هی که وہ عبادتیں عبادتیں نہیں هیں بلکه اِسبات سے بحث منظور هی که عبادت کو اُنهي میں منحصر سمجهنا غلط هی اور یہہ که بعضي دفعه بسبب تبدل حالت کے ادنی درجه کي عبادت اعلی درجه کي عبادت هوجاتي هی اور اعلی درجه کي عبادت اِس درجه کي نہیں رهتي اور شریعت محمدیه علی صاحبها الصلوۃ والسلام میں بهي ایک حکمت بالغه هی جس سے تمام قوانین قدرت قایم رهتے هیں الا افسوس هی که اِس زمانه میں اکثر لوگوں کو اِس حکمت بالغه پر خیال نہیں هی *

همارے زمانه کے مسلمان بهائیوں نے سواے فرایض کے باقي عبادتوں کو صرف نماز روزہ و تلاوت قران مجید اور خیالي ترک دنیا اور درس تدریس علوم دینیه اور اوراد ماثورہ یا وظایف مقررہ پیران هي میں منحصر کر رکہا هی حالانکه اُنهي پر اُن کا انحصار محض غلط هی بلکه اُن میں سے بعض ایسے درجه پر پہونچ گئي هیں جو قانون قدرت کے برخلاف هیں اور اس لیئے مقصود شارع نہیں هیں اور بہت سي ایسي متروک هیں جو بسبب تغیر و تبدیل حالت کے اُن سے بهي مقدم اور اعلی هیں اب هم اپنے اس مطلب کو چند مثالوں کے بیان کرنے سے زیادہ وضاحت سے بیان کرتے هیں *

علم — مسلمانوں کے دلوں میں یہہ بات سمائي هی که تمامي عبادت صرف علوم دینیه هي کے پڑهنے پر منحصر هی اور اُس کے سوا کسي علم کا پڑهنا یا پڑهانا یا اُس پر روپیه خرچ کرنا داخل عبادت نہیں اور اسي لیئے ثواب بهي نہیں اُن میں یہہ مثل مشہور چلي آتي هی که * علم دین فقه است و تفسیر و حدیث * هرکه خواند غیر ازین گردد خبیث * مگر یہہ خیال اُن کا محض غلط هی اور اسي سبب سے مسلمانوں میں روز بروز علم کا تنزل هی اور جس کے ساتهہ خود علم دین بهي معدوم هوتا جاتا هی *

جاننا چاهیئے که علم کے معنی دانستن کے هیں علوم دینیه کا صرف جاننا نه کچهہ عبادت هی اور نه کچهہ ثواب البته وہ اُس وقت عبادت یا ثواب هو سکتا هی جب که اُس کو امور دیني کے کام میں لانے کي نیت سے پڑها جاوے پس مدار عبادت اور ثواب تحصیل علوم دینیه کا نیت پر منحصر رها نه نفس علم پر — یہي حال تمام باقي علوم کا هی تمام علوم جن کو علوم دنیوي کہتے هیں واسطے ترقي اور استحکام اور تعلي علوم دیني کے ضروري هیں گو اُن کا پڑهنا في نفسه عبادت نہو جیسا که علوم دینیه کا پڑهنا بهي في نفسه عبادت نه تها مگر جب که وہ اس نیت سے پڑهے جاویں یا پڑهائے جاویں که علوم دینیه کے لیئے مثل آله کے هیں تو اُن کا بهي پڑهنا یا پڑهانا ویسا هي عبادت هی جیسا که علوم دینیه کا تها پس ایک کو عبادت سمجهنا اور دوسرے کو نه سمجهنا کیسي غلطي هی *

علاوہ اس کے وہ علوم بهي جن کو هم علوم دنیوي کہتے هیں اگر اُن کي تعلیم نیک طرح پر هو تو باعث ترقي ایمان اور سبب محبت اور ترقي معرفت ذات باریتعالی جل شانه کے هوتے هیں امام غزالي صاحب احیاءالعلوم میں جہاں خدا تعالی کي محبت کے اسباب کو بیان فرماتے هیں لکہتے هیں که قوت معرفت سبب قوت محبت هی اور یہہ بات خدا تعالی کي صفات اور ملکوت سموات و ارض پر دهیان لگانے سے هوتي هی اس لیئے که کوئي ذرہ آسمان و زمین سے ایسا نہیں هی جو اُس کي حکمتوں اور عجیب نشانیوں سے خالي هو جس ذرہ پر نظر کي جاوے وہ اُس کي قدرت کامله پر شہادت دیتا هی اور جس برگ درخت پر نظر کي جاوے اُس کي حکمت بالغه پر دلالت کرتا هی کوئي دانه زمین سے نہیں اُگتا که اپنے اُگانے والے کي توحید پر هزار زبان سے اقرار نه کرتا هو اور اُس کي قدرت کامله پر هزار طرح سے شہادت نه دیتا هو جس درخت پر نظر کي جاوے هر ورق اُسکا الله جل شانه کي وحدانیت کا مقر هی اور جس ورق پر غور سے خیال کیا جاوے اُس کي معرفت کا دفتر هی اور اِن سب باتوں کا علم باعث ایمان کامل اُس قادر مطلق پر هی جس کي عبادت کرنا عین مسلمانوں کا ایمان هی پس تمام علوم دنیوي اس اعتبار سے علوم دینیه سے کم نہیں هیں *

جس وقت که هم علم ریاضي پڑہ کر خدا تعالی کي اُس قدرت کامله سے واقف هوتے هیں جو خلق آسمان و زمین و کواکب سیارہ

فصاحت اور بلاغت بلکه هر قسم کے صنائع اور بدائع جو انسان کے کے بڑے بڑے رکن هیں اور جن کے سبب سے آدمي بڑا قابل اور بڑا ع اور ادیب یا ایک بہت بڑا شاعر مشہور هو سکتا هی/ ان سب کا علاوه اکثر اوقات صرف زباني مدح و ثنا سے کافي طور پر ادا جاتا هی لیکن وه کلام جس سے انسان کسیقدر کچھه کام نکال سکتا اور دوسروں کو اُس کے ذریعه سے اپني طرف متوجهه کر سکتا هی در حقیقت اُس قسم کا کلام هوتا هی جس میں شیریني هو میٹھا نا دشمنوں کو بھي دوست بنا لیتا هی اور برخلاف اُس کے تلخي سے ے بھي بیگانے هوجاتے هیں اور بہت سے کیئے کرائے کام ملیا میٹ اور کئے کرے هو جاتے هیں ٭

زباني شیریں انسان کي وه ذاتي صفت هی جو اُس کو هر موقع پر توجه کے لوگوں کے ساتھه چھوٹا هو یا بڑا اعلی هو یا ادنے هم قوم ر یا غیر قوم هم مذهب هو یا غیر مذهب دوست هو یا دشمن امیر و یا فقیر سب سے یکساں برتني چاهیئے عمده ترین انسانوں میں ه اسلی هی که جو لوگ اُس کو برا کهیں اُن سے بھي وه نہایت نرمي ر ملائمت سے کلام کرے اور دوسروں کي جہالت اور نا شایستگي کے مقابله پر اپني تهذیب کو هاتھه سے نه جانے دے لیکن هم دیکھتے هیں ه بڑے بڑے حلیم الطبع آدمي بعض اوقات اس انساني حد سے آگے کو دم بڑها جاتے هیں چنانچه همارے بعض مسلمان بھائیوں نے اسي پر مذهب والے یا کسي خاص فرقه کے مقابله پر جو کتابیں تحریر فرمائیں اُن میں بھي ان صاحبوں نے اس عمده صفت کو اکثر فروگذاشت کیا هی یهه سچ هی که بعض اوقات کسي غیرت یا غصه یا جوش میں آدمي کو اس بات کا خیال نہیں رهتا لیکن اس میں بھي شبهه نہیں نه کسي قدر بلکه اکثر اُسکا یهه بھي سبب هوا هی که اُن بزرگواروں نے کسي فضول اور غیر مهذب شخص کے مقابله پر ویسي هي فضولي سے پیش آنے کو معیوب خیال نہیں کیا ورنه یهه ممکن نه تها که وه عارضي غصه یا جوش کتابوں کي صورت پکڑکر ایک قوم کے اخلاق کا ر جاتا ٭

عمده غرض اور اعلی مقصد ان تصنیفات کا یهه هونا چاهیئے تها لوگوں کے سمجھانے اور قائل کرنے کي غرض سے وه کتابیں تحریر هیں وه اُنکو انصاف کي نظروں سے دیکھتے مگر یهه جب هي هوتا کتابیں نامناسب الفاظ سے پاک و صاف هوتیں اور طرز بیان نہایت شیریني اور لطافت کے ساتھه هوتا حالانکه اب اُن کتابوں سوائے اس کے اور کوئي فائده بظاهر مترتب نہیں هوسکتا که خود وه ب یا اُن کے اَور چند هم مذهب آپس هي میں اُن تصنیفات دیکھه کر خوش هوں اور باهم ایک دوسرے کو واه واه اور مرحبا کهه لیں پس کس قدر افسوس کي بات هی که همارے ان معزز بھائي مسلمان مصنفوں نے اپني نہایت عمده محنتوں اور تصنیفاتوں کو تلخي اور سختي کلام سے فقط داغ هي نہیں لگایا بلکه اُن محنتوں کو بالکل بیکار کردیا اور اِس سے بھي بڑا کر جو نقصان مسلمانوں کو ان تصنیفات سے هوا وه یهه هی که همارا اخلاق بھي غیر قوموں کے نزدیک ایسا هي معیوب سمجھا گیا جیسا همارے نزدیک اُن نا مهذب لوگوں کا اخلاق تها جن کے جواب میں بلکه در حقیقت اُن کے جهڑنے کے واسطے هم نے یهه کتابیں لکھیں ٭

بھلا اِن اهل تصنیفات سے جو یهه غلطي هوئي اُس کو نا سمجھي سے یهه کہا جا سکتا هی که ان تصنیفات کا حال جواب ترکي به ترکي هی حالانکه هم کبھي اس جواب کو تسلیم نکرینگے لیکن هم دیکھتے هیں که بعض وه با همت مسلمان جو اس بات کا بیڑا اُٹھاتے هیں که هم اپنے مسلمان بھائیوں کي اصلاح میں جهانتک ممکن هوگا کوشش کرینگے اور اس لیئے اُن پر فرض هی که جو حرف اُن کے منهه سے نکلے اور جو لفظ اُن کے قلم سے لکھا جاوے اُس کے هر ایک پہلو پر خوب غور کر لیں که اس سے کوئي ناحق کي نا رضامندي تو مسلمانوں کو نہوگي اُن صاحبوں کا بعض اوقات یهه حال هوتا هی که وه بھي جاده اعتدال سے تجاوز کر جاتے هیں اور فرط محبت اور جوش هوا خواهي میں آکر بعض دفعه ایسے نامناسب لفظ اُن کي زبان اور قلم سے سرزد هو جاتے هیں جن پر عام لوگ بے نہیں لیجا سکتے اور اُن عوام کے سامنے خواص کا تاویلیں کرتے کرتے ناک میں دم آجاتا هی هم یهه تسلیم کرتے هیں که ناصح جتنا دلسوز هوگا اُسي قدر اُس کي نصیحت کے فقرے تلخ هونگے لیکن ایک دانا ناصح یقیناً اپنے جوشوں کو ضبط هي کریگا اور بلا شبهه وه جس مطلب کو اچھے لفظوں میں بیان کر سکتا هی اُن کو برے لفظوں میں بیان نه کریگا ٭

هم مسلمانوں کے اعتقاد کے بموجب ابتداے آفرینش سے آج تک اس دنیا میں کوئي ایسا دانا اور دلسوز ناصح پیدا نہیں هوا اور نه آینده هونے کي اُمید هی جیسے همارے رسول خدا صلی الله علیه و سلم هوئے پھر دیکھو که اُس خدا نے جو بڑي حکمتوں والا اور تمام مخلوق کے قلوب پر حاوي اور متصرف هی اپنے رسول سے اس معامله میں جسپر هم یهه گفتگو کر رهے هیں کیا ارشاد فرمایا هی † قال تبارک و تعالی ادع الی سبیل ربک بالحکمة والموعظة الحسنة وجادلهم بالتي هي احسن — یعني جن لوگوں کي اصلاح مد نظر هی اگر فی الواقع اُن میں کوئي

---

† اے محمد (صلی الله علیه وسلم) بولا لوگوں کو اپنے رب کي راه پر پکي باتیں سمجھا کر اور اچھي طرح نصیحت کر کر اور الزام دے اُن کو جس طرح بہتر هو — رکوع اخیر پاره ۱۴

الزام کی بات ہی گو اُس کے بیان کرنے کا مضائقہ نہیں لیکن طرز بیان ایسا ہونا چاہیئے کہ اُس سے لوگوں کو آزردگی نہو چنانچہ کچھہ شبہہ نہیں کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ و سلم نے اس ارشاد کی تعمیل نہایت خوبی اور خوش اسلوبی سے کی تمام حدیث کی کتابیں اس کی شاہد حال ہیں کہ جو مطالب اُن میں بیان کیے گئے ہیں کیسے معتدل اور ملایم اور شیریں لفظوں میں بیان ہوئے اور گو یہہ صحیح ہی کہ جن لوگوں کی قسمت میں ہدایت نہ تھی اُن کو ہدایت نصیب نہ ہوئی لیکن یہہ الزام شاید رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر کسی نے نہیں لگایا کہ معاذاللہ وہ مغلوب الغضب تھے یا اپنے جوش میں آکر ایسے سخت لفظ کہہ جاتے تھے کہ سامعین کو ناگوار خاطر ہوتے تھے اور اس لیئے وہ لوگ اُن کے ذریعہ سے ہدایت پانے سے باز رہے پس ہمارے مسلمان بھائیوں کو مناسب ہی کہ جو نہایت سچا اور عمدہ راستہ اُن کے نبی نے خود اختیار کیا اور اَوروں کو بھی اُسی پر چلنے کی نصیحت کی اُسی راستہ پر قایم رہیں *

اس بات پر بھی اچھی طرح غور کرنا چاہیئے کہ خدا نے یہہ مذکورہ بالا نصیحت اپنے ایسے نبی کو فرمائی تھی جس کو شر شیطان سے ہر طرح محفوظ رکھا تھا وائے بر حال ہم گنہگاروں کے کہ کیسی بری طرح سے اُس کے پھندے میں پھنسے ہوئے ہیں یہہ اُسی شیطان کا فریب ہی کہ ہمکو کسی غیر مذہب یا ہم مذہب کے اسی نامہذب شخص کے مقابلہ میں لاکر ہم سے بھی ویسی ہی حرکتیں کرانے لگتا ہی جیسی اُس غیر مہذب شخص میں تھیں اور پھر اُس کا نام ہمارے جوش کرنے کی غرض سے کبھی جو اب ترکی بہ ترکی ٹھیراتا ہی کبھی اُس کو جواب دنداں شکن کے نام سے تعبیر کراتا ہی کبھی ہمکو ہماری اِن بیجا حرکتوں پر ثواب کا اُمیدوار کرتا ہی اور کبھی اُن غیر معتدل بلکہ نامناسب الفاظ کو جو ہم سے تقریر یا تحریر میں ناسمجھی کی راہ سے سرزد ہوتے ہیں اپنی قوم کی فرط محبت سے منسوب کرتا ہی اور پھر خود ہی وہ آتش روزگار دوسروں کے دلوں میں اُن الفاظ اور فقرات کے سبب سے ایک رنج پیدا کردیتا ہی اور اس حیلہ و نیرنگ سے باہم عداوت کرادیتا ہی بڑے بڑے اتفاقوں اور محبتوں کو طرفۃالعین میں درہم برہم کردیتا ہی اور بڑے بڑے عالی ارادوں کو جو عام کے فائدہ کے واسطے کیئے جاتے ہیں بالکل پریشان کردیتا ہی *

علم اخلاق میں یہہ بات عقلاً اور نقلاً ہر طرح سے ثابت ہو چکی ہی کہ تعلیم اور فہمایش ہمیشہ نرم لفظوں میں چاہیئے اور اس کے برخلاف کبھی وہ کارگر نہ ہوگی اور تمام عقلاء روزگار اور انبیاء علیہم السلام کا عمل در آمد اسی پر رہا لیکن اکثر اوقات انسان اپنے جوش یا غصہ سے مجبور ہو جاتا ہی اور زور تحریر یا زور تقریر تمام مصلحت پر غالب آجاتا ہی چنانچہ ان شیطانی وسوسوں اور آفتوں سے محفوظ رہنے کے واسطے خدا تعالی نے اپنے کلام پاک میں اپنے نبی کی معرفت ہم کو یہہ ارشاد فرمایا ہی *

† " قل لعبادي يقولوا التي هي احسن ان الشيطان ينزغ بينهم ان الشيطان كان للانسان عدوا مبينا ربكم اعلم بكم ان يشا يرحمكم او ان يشا يعذبكم " *

کبھی کبھی یہہ بھی ہوتا ہی کہ ایک شخص کے ذہن میں یہہ بات جم جاتی ہی کہ میں نے جو کچھہ سمجھا ہی سب سچ سمجھا ہی اور جو کچھہ میں کہہ رہا ہوں اور کر رہا ہوں وہی بالکل سچ ہی اور اس لیئے وہ اَور آدمیوں کو جو اُس کی رائے سے نا راضی یا برخلاف ہوتے ہیں خواہ مخواہ حقارت سے دیکھنے لگتا ہی اور اسی حقارت کی نظر سے کوئی نہ کوئی سخت اور نامناسب لفظ بھی ان لوگوں کی نسبت اُسکی زبان یا قلم سے نکل جاتا ہی اور یہہ عمل درآمد باہم باہمی نزاع اور برہمی کا سبب ہو جاتا ہی پس خدا تعالی نے اپنے اس کلام پاک میں اس قسم کے خیالات کی بھی روک تھام کرنے کو ارشاد کیا کہ ان باتوں کو تمہارا پروردگار ہی خوب جانتا ہی جسکا علم ہر طرح پر کامل ہی تم اپنے خیالات کے لحاظ سے ایک دوسرے کی نسبت ایسے نامناسب الفاظ نہ کہو جو باہمی رنجش کا سبب ہو جاویں اور شیطان کو جو ہمیشہ اسی فکر میں رہتا ہی اپنا سب ہاتھہ آوے اعمال کی بھلائی اور برائی پر جزا اور سزا دینا یہہ خدا ہی کا کام ہی چنانچہ اَور ایک مقام پر بھی خدا تعالی نے اس کی تصریح فرمائی ہی *

‡ " قل كل يعمل على شاكلته * فربكم اعلم بمن هو اهدى سبيلا " *

پس میری عرض اور میرا التماس عموماً اپنے تمام مسلمان بھائیوں سے اور خصوصاً اُن اہل علم سے جو علم کلام کے لوگ ہیں اور جو اپنی قوم کو اپنی عمدہ نصیحتوں سے مہذب بنانا چاہتے ہیں یہہ ہی کہ اپنے کلام کو دوست سے ہو یا دشمن سے اعلی سے ہو یا ادنی سے نہایت شیرینی اور لطافت اور نرمی سے استعمال میں لاویں اور سخت اور درشت الفاظ سے جس قدر ہوسکے کنارہ کریں اور جو قانون کارخانہ قدرت کے بنانے والے نے ہمارے لیئے مقرر کردیا اُس کو اپنے کسی جوش و خروش کا تابع نہ کریں اور جو عمدہ اور نہایت عمدہ مذہب اُن کو خوش قسمتی سے نصیب ہوا ہی اُس پر بہت سچائی اور نیک نیتی سے قایم رہیں کہ یہی سچی شایستگی ہی اور یہی سچی تہذیب ہی اور دونوں جہان کی ہر قسم کی خوبیاں سب اس میں موجود ہیں

راقم

مشتاق حسین

† یعنی اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہدے میرے بندوں کو کہ بات وہی کہیں جو بہتر ہو بےشک شیطان جھگڑا کرادیتا ہی آپس میں بے شک شیطان انسان کا دشمن صریح ہی تمہارا رب بہت جانتا ہی تمکو اگر چاہے تم پر رحم کرے اور اگر چاہے تم پر عذاب کرے (پارہ ۱۵ رکوع ۵)

‡ کہدے اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہر کوئی اپنی اپنی وضع پر عمل کرتا ہی سو یہہ بات کہ کسنے اچھی راہ اختیار کی تیرا رب ہی خوب جانتا ہی (پارہ ۱۵ رکوع ۸)

بمقام علیگڑہ ـــ مطبع علیگڑہ انسٹیٹیوٹ میں چھپا اور باہتمام
منشی محمد مشتاق حسین شایع ہوا

THE MOHAMMEDAN SOCIAL REFORMER

تہذیب الاخلاق

جلد دوم] یکم صفر سنہ ۱۲۸۸ ہجری [نمبر ۳

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اطلاع

جسقدر روپیہ بابت اِس پرچہ کے بطور چندہ خواہ بطور قیمت وصول ہو وہ کسی خاص شخص کی ملکیت نہوگا بلکہ اِس پرچہ کے اجرا و ترقی میں صرف کیا جاویگا *

مسلمانوں میں سے جو شخص ساتھہ روپیہ سالانہ پیشگی بطور چندہ دے وہ اس پرچہ کے متعلق معاملات میں ممبر متصور ہوگا *

علاوہ اِس کے جو شخص کچھہ روپیہ بطور ڈونیشن دے وہ بشکر ری تمام لیا جاویگا *

یہہ پرچہ ہر مہینے میں ایک بار یا دو بار یا تین بار جیسا کہ مقتضاے امین ہوگا چھپا کریگا قیمت فی پرچہ دو آنہ اور مع محصول آنہ ہوگی مگر خریداروں کو کم سے کم تین روپیہ قیمت اور ایکروپیہ آنہ محصول جملہ چار روپیہ آٹھہ آنہ پیشگی بھیجنے ہونگے *

اگر کوئی شخص کوئی خاص پرچہ خریدنا چاہے تو اُس کو فی پرچہ آنہ قیمت اور ایک آنہ محصول دینا ہوگا *

ممبروں کو بلا قیمت یہہ پرچہ ملیگا اور اُن کو اُس کے تقسیم کا ہی بلا قیمت جسکو وہ چاہیں اختیار ہوگا *

اِس پرچہ میں بجز مضامین متعلق تہذیب اخلاق و حسن معاشرت کے جہاں تک کہ وہ مسلمانوں سے متعلق ہیں اور کچھہ مندرج نہوگا *

مضمون نمبر ۳۱

امام حجۃالاسلام غزالی

منجملہ اُن مشہور شخصوں کے جو کہ مسلمانوں میں ہوئے ہیں امام غزالی ہیں ہماری قوم میں سے کیا عالم کیا جاہل چند ہی ایسے لوگ ہونگے جو اُن کے نام سے واقف اور اُن کے کمالات سے آگاہ نہوں مگر اکثر لوگ اُن کے ذاتی حالات سے اِطلاع نہیں رکھتے اِسلیئے ہم اُنکا مختصر حال لکھتے ہیں *

انکا نام زین‌الدین ابو حامد محمد بن محمد بن محمد بن احمد ہی اور غزالہ کے رہنے والے ہیں جو کہ ایک قصبہ طوس کے قصبات سے ہی اِسی واسطے اُنکو غزالی کہتے ہیں شہر طوس میں سنہ ۴۵۰ ہجری میں پیدا ہوئے اور ۵۵ برس کے ہوکر سنہ ۵۰۵ ہجری میں رحلت کی اُنہوں نے اول طوس میں احمد رازکانی سے تعلیم پائی بعدہ نیشاپور میں آئے اور امام الحرمین ابوالمعالی جوینی سے علم حاصل کیا چونکہ ذہن اور عقل اُن کو خدا نے اعلی درجہ کی ہی تھی اِسلیئے تھوڑے ہی عرصہ میں علوم معقول و منقول کے جامع اور اپنے اُستاد کے

 امام حجةالاسلام غزالي

جوتے جو مشهور اور نامور هوگئے اور کتابوں کا تاليف بلکه تصنيف کرنا شروع کيا جب اُن کے اُستاد ابوالمعالي نے اِنتقال کيا تب وہ نيشاپور سے چلے اور وزير نظامالملک سے ملے اُس نے اُن کي نهايت هي تعظيم و تکريم کي اور اُس کي مجلسوں ميں اکثر علماء و محدثين سے نوبت مناظرہ کي پهنچي جب اُن کے علم و کمالات کي شهرت هوگئي تب وزير نے اُن کي قابليت اور اِستعداد ديکهکر مدرسه عاليه نظاميه کو جو بغداد ميں تها اُن کے تعلق کيا چنانچه سنه ۴۸۴ هجري ميں اُنهوں نے اِنتظام اور تدريس اُس مدرسه کي اپنے ذمه لي اور تمام اهل عراق اُن کي طرف رجوع دنے اور اُن سے علوم معقول و منقول تحصيل کرنے لگے چار برس تک وہ خدمت اُنهوں نے اپنے تعلق رکهي اِسنه ۴۸۸ هجري ميں اپنے بهائي احمد غزالي کو اپنا قايم مقام کرکے اُس سے دست کش هوئے اور زهد اختيار کرکے بيتالمقدس کو چلے گئے بعد اُس کے شام اور دمشق اور مصر اور اسکندريه کي سياحت کي اور بسواري جهاز کے ديار مغرب کي طرف گئے اور حج کرکے اپنے وطن طوس کو لوٹ آئے ✱

اُن کي تاليفات و تصنيفات چار سو سے زيادہ هيں منجمله اُن کے مشهور کتابيں يهه هيں فقه ميں وسيط بسيط و جيز اصول فقه ميں مستصفي منخول منخل علم کلام ميں تهافةالفلسفه محکالنظر معيارالعلم مقاصد مضنون به علي غير اهله مشکوةالانوار منقذ منالضلال تفسير ميں ياقوتالتاويل جس کي چاليس جلديں هيں علم اخلاق و تصوف ميں احياءالعلوم اسرار علمالدين منهاج العابدين در فاخرہ في کشف علوم الاخرة انيس في الوحدت کتاب القربة الي الله اخلاق الابرار ونجات من الاشرار بداية الهداية جواهرالقران اربعين في اصول الدين المقصد الاسني في شرح اسماء الله الحسني ميزان العمل القسطاس المستقيم التفرقة بين الاسلام و الزندقة کتاب الذريعة الي مکارم الشريعة کتاب المبادي و الغايات کيمياء سعادت تدليس ابليس نصيحةالملوک کتاب الاقتصاد في الاعتقاد شفاءالعليل في القياس والتعليل اساس القياس کتاب المقاصد کتاب الجام العوام عن علم الکلام کتاب الانتصار کتاب الماخذ القول الجميل في الرد علي من غيرالانجيل کتاب المستظهري کتاب الاماني کتاب في علم اعداد الوفق وحدودہ کتاب مقصد الخلاف اور ايک چهوٹا رساله في الرد علي المنکرين في بعض الفاظ احياء علوم الدين ✱

تمام علماء کا اِتفاق هے که منجمله مؤلفات امام غزالي کے احياء العلوم کيا باعتبار فصاحت و بلاغت کے اور کيا بلحاظ مضامين اور معاني کے عمدہ ترين کتابوں سے هے جسميں اُنهوں نے تمام علوم نقلي کو نهايت خوبي سے بيان کيا هے اور دلايل عقلي سے مسايل شرعي کو مدلل کيا هے اور منقول کو معقول سے ملايا هے يهه طور جديد اُنهيںکے جاري هوا اور اسرارونکات مسائل شرعيه کے بيان کرنا اُنهوں کي ذات سے شروع هوا اس کتاب کو اُنهوں نے نيشاپور ميں ايک هزار پانسو پچيس دن ميں تاليف کيا چونکه اُنهوں نے احياءالعلوم ميں نيا طريقه اختيار کيا يعني تقليد کو چهوڑا اور تحقيق پر مستعد هوتے اور الفاظ کے معني اور مطالب اصلي بيان کيئے اور بخلاف اُس وقت کے فقهاء کے دقايق و حقايق ظاهر کرنے پر آمادہ هوئے نظر برين بهت سے متعصبين و مقلدين نے اُن کي کتاب کو ناپسند کيا اور اُس کے الفاظ و عبارت کو خلاف اپنے طريقه کے جانکر اُنپر الحاد کا الزام لگايا بلکه فقهاء جبال نے اُن کے کفر کا فتوي ديا اور اُن کي کتاب احياء العلوم کے ديکهنے کو حرام بتلايا اور اُس کے جلا دينے کا حکم ديا اور اِس امر کے استفتاء تحريري علماء و فضلاء کے پاس آنے لگے چنانچه شيخ کبير عارف بالله ابوالعباس نے يهه فرمايا که انا نشهدله بالصديقية العظمي که هم امام غزالي کي صديقيت پر شهادت ديتے هيں اور شيخ ابوالحسن شاذلي رحمت الله عليه نے جو اپنے وقت کے قطب تهے يهه کہا که من کانت له الي الله تعالي حاجة فليتوسل به اليه بالامام احمد غزالي اور ابوالفداء اِسماعيل بن محمد حضرمي کے پاس فقهاء جبال نے ايک استفتاء مشعر طعن و قدح امام غزالي کے بهيجا جسميں اُنهوں نے يهه لکها تها هل يجوز قراة کتب الغزالي که آيا پڑهنا غزالي کي کتابوں کا جايز هے اُنهوں نے يهه جواب لکها که انالله و انا اليه راجعون الغزالي سيد المصنفين علاوہ ان مختصر جوابوں کے اُسوقت کے علماء نے منکرين امام غزالي کے اعتراضات کے تفصيلي جواب لکهے اور اُن کے تعصبات کو رد کيا بلکه خود امام غزالي نے اُن اعتراضات کو جو الفاظ و عبارات پر احياء العلوم کے فقها نے کيئے تهے ايک علحدہ رساله لکهکر رد کيا مگر با اين همه لوگ اُن پر اعتراض کرنے سے باز نه ائے چنانچه علي بن يوسف مؤلف کتاب مغرب نے جو نهايت ديندار اور متشرع مشهور تها اور جو بلے سرے کا عابد تها اور جسکے پاس اکثر سوائے علماء اور فضلاء کے اور کوئي نهوتا تها سنه ۵۳۷ هجري ميں يهه فتوي ديا که کتاب احياءالعلوم کا نام و نشان نرهے اور بالکل جلا دي جاوے تاکه مسلمانوں کے عقايد ميں اُس سے کچهه خلل نه آوے ✱

يهه حال چند هي روز رها اور نيا طريقه ديکهکر لوگوں کو جو اول اول تنفر هوا آخر وہ امام غزالي کي مولفات ديکهه ديکهکر جاتا رها اور لوگوں نے احياء العلوم کے خلاصه کرنا شروع کيئے چنانچه ابو ذکريا يحيي نے جو سنه ۵۵۸ ميں مرے اور امام احمد برادر امام حجة الاسلام نے جنهوں نے سنه ۵۲۰ ميں وفات پائي احياء العلوم کو مختصر کيا بعدہ اور لوگوں نے بهي اُس سے فائدے حاصل کيئے اور هزاروں

عالموں نے اُس کتاب کي تعريف میں اشعار اور قصیدے کہے اور منکرین امام غزالي پر اعتراضات کيئے چنانچہ شيخ الاسلام قطب الدين محمد ابن الشيخ الامام ابي العباس قسطلاني نے ايک بڑي کتاب معترضين امام غزالي کے رد میں تصنيف کي اور اُس میں معترضوں کے اعتراضات کو بيان کرکے بخوبي باطل کيا اور ابي الذہيم شہم فقيہ نے امام غزالي کي نہايت تعريفيں لکھي اور اُن کي کتابوں کو بہ سبب تطبيق معقول و منقول کے بہترين کتب سے تصور کيا ٭

امام غزالي هي پہلے وہ شخص هيں جنہوں نے نيا طريقہ تطبيق بين المعقول و المنقول کا نکالا اور عقايد اور اعمال کے اسرار و حقايق کو بيان کيا اِس طريقہ کے اختيار کرنے اور اسرار و حقايق کے بيان کرنے میں جو کچھہ اُن پر اعتراضات هوئے اُس کو اُنہوں نے جابجا اپني تاليف میں ذکر کيا هي اور اُن متعصبين و متقشفين فقہاء پر جو منقول میں عقل کو دخل دينا حرام جانتے هيں بہت ملامت کي هي اور جنہوں نے شريعت کو صرف ظاهر پر محمول کيا هي اور اُس کے اسرار و حقايق سے انکار کيا هي اُن پر نہايت افسوس فرمايا هي چنانچہ وہ ايک مقام پر لکھتے هيں † کہ علوم شرعي کے ظاهر و باطن پر منقسم هونے سے کوئي صاحب بصيرت انکار نہيں کرسکتا سوائے اُن کوتاہ فہموں کے جنہوں نے لڑکائي میں کوئي چيز سن لي اور اُس پر جم گئے اور مقامات عاليہ پر نہ پہنچے حالانکہ خود حضرت صلي الله عليه و سلم نے فرمايا هي کہ قرآن ظاهر و باطن کا جامع هي اور حضرت ابن عباس رضي الله تعالى عنہ نے اُس آيۃ کي تفسير میں جسمیں ذکر سات آسمانوں و زمين کا هي يہہ فرمايا هي کہ اگر میں اُس کي تفسير کروں تو لوگ مجھے سنگسار کرديں يا کافر کہنے لگيں ٭

امام غزالي نے اپني تاليفات میں قبل بيان کرنے اسرار و حقايق شريعت کے ايک نہايت عمدہ بيان نسبت اختلاف شريعت کے ظاهر اور باطن کے کيا هي وہ لکھتے هيں کہ جو لوگ نا سمجھہ هيں وہ جب شريعت کے حقايق سنتے هيں تو حيران هوکر پوچھتے هيں کہ اگر حقيقت خلاف شريعت هي تو کفر هي اور اگر موافق اُس کے هي تو پھر اُس میں کيا فرق هي حالانکہ وہ نہيں جانتے کہ ظاهر اور باطن شريعت کے اختلاف کے چند سبب هيں اور اُسکي اُنہوں نے پانچ قسمیں کي هيں ٭

پہلي قسم کہ شي في نفسہ ايسي دقيق هو کہ اکثر لوگ اُس کے سمجھنے سے عاجز هوں اور اُس حقيقت کے بيان کرنے سے اُن کو تو هماتِ لغو پيدا هوں تو ايسي شي کي حقيقت بيان کرنے سے شارع نے احتراز کيا هي اور اُس کو ظاهر نہيں کيا مثل حقيقت روح کے ٭

دوسري قسم کہ اگرچہ وہ شي في نفسہ ايسي دقيق نہو کہ اکثر لوگ اُس کو سمجھہ نہ سکيں ليکن عام سننے والوں کے حق میں اُسکے سننے سے انديشہ ضرر پيدا هونے کا هو اِس واسطے اُس شي کي حقيقت کو شارع نے ظاهر نہيں کيا مثل مسئلۂ جبر و قدر کے ٭]

تيسري قسم اگرچہ اُس شي کي حقيقت ظاهر کرنے سے احتمال ضرر پيدا هونے کا بھي نہو ليکن استعارہ اور رمز میں بيان کرنے سے اُسکي وقعت عام لوگوں کے دلوں میں زيادہ هو جيسا کہ حضرت صلي الله عليه و سلم نے فرمايا هي اما يخشي الذي يرفع راسہ قبل الامام ان يحول الله راسہ راس حمار کہ جو شخص امام سے پہلے اپنا سر اُٹھاتا هي کيا وہ اس سے نہيں ڈرتا کہ خدا اُسکا سر گدھے کا سا کردے پس باعتبار صورت کے آدمي کا سر گدھے کا سا هوجانا نہ هوا هي نہوگا ليکن مقصود اس سے صورت گدھے کي نہيں هي بلکہ خاصيت اُسکي هي يعني حماقت يا حضرت نے فرمايا هي کہ قلب المومن بين اصبعين من اصابع الرحمن کہ مومن کا دل خدا دو اُنگليوں پر ليٹے هوئے هي يہہ کلام بھي باعتبار ظاهر کے نہيں هي اِسليئے کہ اگر کسي کے دل کو ٹکڑے ٹکڑے کرکے کوئي ديکھے تو ايک اُنگلي کا نشان بھي نہ مليگا تو يہاں بھي اُنگليوں سے مراد قدرت هي ٭

چوتھي قسم کہ کسي شي کي ماهيت اجمالاً بيان کردي جاوے اور اُس کي حقيقت کي تفصيل اهل ذوق کي طبيعتوں پر چھوڑ دي جاوے کہ وہ اجمال بمنزلہ ظاهر کے اور وہ تفصيل بمنزلہ باطن کے هوگي ٭

پانچويں قسم کہ کسي شي کا بيان بزبان حال کيا جاوے اور اُس سے ظاهري نطق و بيان مراد نہو بلکہ اُسکي کيفيت اور حقيقت مقصود هو جيسا کہ خدا فرماتا هي ثم استوى الى السماء وهي دخان فقال لها وللارض ائتيا طوعاً اوكرها قالتا اتينا طائعين کہ خدا نے آسمان و زمين سے کہا کہ تم دونوں خوشي سے چلے آؤ اُنہوں نے کہا کہ هم خوشي سے حاضر هوتے هيں' تو اس سے مراد باهم خدا اور زمين و آسمان کے گفتگو هونا نہيں هي بلکہ اُن کي تسخير اور اطاعت مراد هي' اور اِسي قبيل سے هي خدا کا يہہ فرمانا کہ ان من شئ الا يسبح بحمدہ کہ کوئي چيز نہيں هي جو خدا کي تسبيح نہ کرتي ہو" تو اِس سے يہہ

---

† واعلم ان انقسام هذه العلوم الى خفية و جلية لا ينكرها ذو بصيرة وانما ينكرها القاصرون الذين تلقفوا في اوايل الصبى شيئاً و جمدوا عليه فلم يكن لهم ترقي الى شيئاً و العلاء و مقامات العلماء والاولياء و ذلك ظاهر من ادلة الشرع قال صلى الله عليه و سلم ان للقران ظاهراً و باطناً و حداً و مطلعاً و قال ابن عباس في قوله عزوجل الله الذي خلق سبع سموات و من الارض مثلهن لوذكرت تفسيره لرجمتموني وفي لفظ آخر لقلتم انه كافر —

وہ کہتے ہیں کہ جو لوگ تعصب کو دینداری سمجھتے ہیں وہ احمق ہیں اس لیئے کہ احمق اُسی کو کہتے ہیں جس کی غرض تو صحیح ہو مگر اُس کے حصول کا طریق غلط ہو اور جس راہ سے اُس مقصود تک پہونچنا ممکن ہو اُس سے وہ منحرف ہووے ٭

یہی حال متعصب کا ہی کہ وہ جانتا ہی کہ میں اپنے دین میں کامل اور اپنے مذہب میں مضبوط اور شریعت پر قایم ہوں اور اس سے وہ درجۂ عزت کا جو خدا نے کاملوں کے لیئے مقرر کیا ہی مجھے ملیگا حالانکہ جس طور سے وہ دین اور مذہب پر چلتا ہی اور جس طرح سے وہ شریعت کو لیتا ہی اُس میں وہ غلطی پر ہی متعصب ہمیشہ اَوروں کو ذلت اور حقارت کی نظر سے دیکھتا ہی اور لوگوں سے بغض ور عداوت رکھتا ہی جو کچھہ اُس کے توہمات اور خیالات ہیں اُنہیں کو یقینیات سمجھتا ہی جو جھوٹے تخیلات دینی خود اُس کے دل میں پیدا ہوتے ہیں وہ تعصب کے سبب سے اُس کی آنکھوں کو سچے عقائد کی صورت پر دکھلائی دیتے ہیں اور جو بیہودہ وسوسے اور واہمی مذہبی اُس کی سمجھہ کی غلطی سے اُس کی خاطر میں گذرتے ہیں وہ اُس کو خدا کے بتلائے ہوئے اور نبی کے فرمائے ہوئے مسئلہ معلوم ہوتے ہیں تعصب اُس کے دل کو غرور اور تکبر سے ایسا گھیر لیتا ہی کہ انصاف اور سوچ اور سمجھہ کی رسائی بھی اُس تک نہیں ہوتی نصیحت یا ملامت کسی کی اُس کے دل کے کنارہ تک پہونچنے نہیں پاتی اُس کی آنکھوں کے سامنے تعصب مثل ایک سیاہ کثیف غبار کے ہر وقت چھایا رہتا ہی جس سے وہ کسی چیز کی برائی بھلائی کو دیکھہ نہیں سکتا وہ کسی شی کی حقیقت سے واقف نہیں ہوسکتا وہ ہمیشہ لوگوں کو برا اور احمق اور فاسق سمجھتا رہتا ہی اور جس کو اپنا سا سخت اور متعصب نہیں جانتا اُس کو دین میں ضعیف اور سست جانتا ہی اور چونکہ غرور اور تکبر انسان کی جبلی عادت ہی اس لیئے وہ اپنے غرور کے سبب سے اَور بھی احمق ہو جاتا ہی اور یہہ سمجھہ کر کہ اصل دینداری یہی ہی جو مجھہ میں ہی وہ شیطان کا کھیل ہو جاتا ہی شیطان اُس کے دل میں یہہ وہم پیدا کر دیتا ہی کہ جو میں جانتا ہوں اور جو میں سمجھتا ہوں وہی اصل دین اور عین مذہب ہی اور اس سے اُس کے دل میں ایک حلاوت اور چاشنی پہونچتی ہی اور جس کو وہ کبھی کسی کے کہنے سے چھوڑ نہیں سکتا اور اپنی اس حماقت پر نہایت خوش رہتا ہی کما قال رحمہ فاذا خیل الیہ الشیطان ان ذلک ہو الحق و کان موافقا لطبعہ ظہر حلاوتہ علی قلبہ فاشتغل بہ بکل ہمۃ و ہو بذالک فرحان مسرور و یظن انہ یسعی فی الدین و ہو ساع فی اتباع الشیاطین برخلاف اس کے جو شخص سچا دیندار ہوگا وہ کبھی کسی کو ذلت سے نہ دیکھیگا کسی کی حقارت نہ کریگا ہمیشہ اپنے دل کو لوگوں کی باتوں کے سننے کے لیئے کھلا رکھیگا ہر ایک کی بات پر غور کریگا ہر چیز کی حقیقت اور ماہیت دریافت کرنے کی فکر میں رہیگا ہر شے کی وجوہات اور اسباب کی تحقیق کریگا انصاف اور سچائی اور راستی اور محبت کو ہمیشہ اپنی آنکھوں کے سامنے رکھیگا وہ اصول شریعت میں خاص خدا اور اُس کے رسول کے قولوں پر متمسک ہوگا اور اُس کے حقایق اور اسرار کو دریافت کریگا وہ کبھی اپنے آپ کو برائیوں سے پاک اور عیبوں سے صاف نہ سمجھیگا وہ مذہب اور شریعت کو اپنے مطالب کی تحصیل کا ذریعہ نہ گردانیگا وہ جاہ و عزت کا مذہب کے حیلہ سے خواہاں نہوگا وہ اپنے آپ کو کامل نہ جانیگا وہ سب کو شفقت کی نظر سے دیکھیگا وہ ہمیشہ اپنے دل کے پاک کرنے اور اپنے نفس کے مہذب کرنے پر متوجہہ رہیگا ٭

وہ کہتے ہیں کہ تعصب سے لوگوں نے اپنے سچے دین اور اصلی مذہب کی خوبیوں کو چھپا دیا ہی اور برائیوں کو بھلائی اور بھلائیوں کو برائی سمجھہ رکھا ہی اگر کسی متعصب کے سامنے کوئی شریعت کے اسرار اور مصالح بیان کرے وہ اُسکے دشمن ہوجاتے ہیں اور اُسکو ملحد اور زندیق سمجھتے ہیں اُنکے نزدیک شریعت میں نہ کوئی خوبی ہی نہ اُس میں کوئی مصلحت ہی جتنے احکام شریعت کے ہیں وہ سب جبری ہیں اور خدا نے بلا کسی حکمت اور سبب کے اپنے بندوں کو اپنے احکام کا مقید کردیا ہی اُنکے نزدیک خدا مثل ایسے جابر بادشاہ کے ہی جو بلا سبب اپنے نوکروں کو کسی بیہودہ کام کے کرنیکا حکم دے اور اُس سے صرف اُسکی اطاعت کا امتحان اُسے منظور ہووے حالانکہ یہہ بڑی تہمت خدا پر ہی کوئی حکم اور کوئی مسئلہ شریعت کا علت اور سبب اور مصلحت سے خالی نہیں ہی ہاں وہ مسئلے اور وہ باتیں جو لوگوں کی ایجاد اور اختراع ہیں اور جنکا کچھہ نشان شریعت میں نہیں ہی وہ بیشک بیفائدہ ہیں اور جب کہ تعصب سے وہ اپنی نکالی ہوئی باتوں یا اپنے بزرگوں کے سنے ہوئے مسئلوں کو خدا کی طرف منسوب کرتے ہیں اور اُسکو بیفائدہ اور لغو جانتے ہیں تو اسی سے اُنکو یہہ وہم پیدا ہوتا ہی کہ سب احکام خدا کے ایسے نہیں ہیں ورنہ اگر وہ آنکھہ کھولکر دیکھیں اور تعصب کے پردہ کو اپنی بصیرت قلبی سے اوٹھاویں اور اپنے مسئلوں اور خدا کے حکموں کو جدا جدا کرکے اُسکی حقیقت کے دریافت کرنے پر متوجہ ہوں تب اُنکو اُسکی ماہیت معلوم ہوجاوے ٭

اکثر متعصب اپنے تعصب پر قایم رہنے کے لیئے یہہ بیان کرتے ہیں کہ ہمارے دین و مذہب کا مدار تعصب پر ہی اگر تعصب کو ہم برا جانیں تو ہم ملحد اور لامذہب ہوجاویں اور اپنے عقاید دینی میں شک کرنے لگیں اگر تعصب منع ہوتا تو اصحاب رسول کیوں اپنے دین

نہیں سمجھتے اُنکا یہہ کہنا تعصب و دینداري میں اور یقین اور شک میں مابہ الامتیاز نہ سمجھنے سے ہی اسلیئے ہم اُنکی حقیقت بیان کرتے ہیں *

جو تصور اور خیال دل میں آوے خواہ وہ خود اُسی کے دل میں پیدا ہوا ہو خواہ وہ کسي سے سنا ہو اُسکي تین حالتیں ہیں *

اول یہہ کہ اُسکي صحت اور غلطي دل میں ایک سی ہو نہ اُسکي تصدیق کو غلبہ نہ تکذیب کو رجحان ہووے تو اس حالت کا نام شک ہی *

دوسرے یہہ کہ اُسکي صحت اور غلطي میں سے کسیکا دل پر غلبہ ہووے اور ایک کو دوسرے پر رجحان ہووے لیکن اُسکي ضد و نقیض کے امکان سے انکار نہو اس حالت کو ظن کہتے ہیں *

تیسرے یہہ کہ اُسکي صحت اور غلطي میں سے کسي جانب کا دل پر ایسا غلبہ ہووے کہ اُسکي ضد اور نقیض کے امکان سے بھي انکار ہو اس حالت کو یقین کہتے ہیں *

پھر یقین کي دو حالتیں ہیں ایک یہہ کہ اگرچہ اُسکے خلاف کو دل قبول نہ کرے لیکن اُسکا یقین کسي اصل صحیح پر مبني نہو بلکہ وہ اسباب جسنے اُسکے دل میں اُس تصور اور خیال کو مضبوط کردیا ہی اور اُسکو صحیح ٹہرا دیا ہی غلط ہوں *

دوسرے یہہ کہ وہ یقین کسي اصل صحیح پر مبني ہو اور وہ امور جسنے اُسکي صحت پر دل کو قوي کردیا ہی وہ بالکل صحیح اور سچے ہوں *

پس جو خیالات دیني کسي شخص کے دل میں پیدا ہوں اگر وہ اول قسم کے ہیں یعني وہ شخص نہ اُنکي تصدیق کرے نہ تکذیب تو اُسپر اطلاق اعتقاد کا نہوگا نہ وہ خیال کرنے والا خود اپنے آپ کو اُسکا معتقد جانیگا اور اگر وہ دوسري قسم کے ہیں یعني گو اُسکو اُن کي صحت پر گمان غالب ہووے مگر اُسکے خلاف کے ہونے سے منکر نہووے تو اُسکا اعتقاد ظني کہلایا جاویگا اور اگر وہ تیسري قسم کے ہیں یعني اُن خیالات کے صحیح ہونے پر وہ دل سے یقین رکھے مگر اُسکي بناء اصول صحیحہ پر نہو تو اُس کا اعتقاد تو پکا اور مضبوط کہلایا جاویگا لیکن غلط اور غیر صحیح* اور چوتھي قسم وہ ہی کہ اُن خیالات کي بناء اصول صحیحہ پر ہو تو اُسکے اعتقاد کو مضبوط اور کامل بھي کہینگے اور صحیح اور درست بھي *

پس تعصب اُس حالت کا نام ہی جو تیسري قسم میں مذکور ہی یعني اُن خیالات کي صحت پر یقین ہونا جس کي بناء غلط اصول پر ہی اور دینداري اُس حالت کو کہتے ہیں جس کا ذکر چوتھي قسم میں ہوا یعني اُن خیالات کي صحت پر یقین ہونا جسکي بناء صحیح اصول پر ہی *

متعصب اپنے خیالات کي صحت پر گو یقین رکھتا ہی مگر اُسکا یقین مثل ایک دیندار کے یقین کے نہیں ہوتا اِس لیئے کہ متعصب کے خیالات کي بناء صحیح نہیں ہوتي اِس لیئے ممکن ہی کہ کبھي وہ اپنے خیالات کي بناء کے غلط ہونے پر آگاہ ہوجاوے اور تب وہ اپنے خیالات کے غلط ہونے پر متنبہ ہووے اور دیندار کے خیالات کي بناء ہمیشہ اُن مضبوط اور صحیح دلیلوں پر ہوتي ہی جن میں احتمال بھي غلطي کا نہیں ہوتا اور شک اور وہم کا اُس میں دخل نہیں ہوتا اِس لیئے کبھي وہ اپنے یقین سے پھر نہیں سکتا *

متعصب جس طرح پر اول اپني سمجھ کي غلطي سے اپنے خیالات کو غلط اصول پر قایم کرلیتا ہی اِس طرح پر اخیر تک اُسي غلطي میں گرفتار رہتا ہی یعني وہ کبھي اپنے خیالات پر غور و تامل نہیں کرتا جو لوگ اُس کي غلطي بیان کرتے ہیں اُن کے سننے کا متحمل نہیں ہوتا اپنے مخالفوں کي آواز مخالفت اپنے کان میں آنے نہیں دیتا اور اسي سبب سے اُسکو کبھي موقع اُس غلطي سے نکلنے اور اُس بلا سے چھوٹنے کا نہیں ملتا بخلاف ایک دیندار کے کہ وہ اول ہي اپنے خیالات کي بناء صحیح اصول پر قایم کرتا ہی اور اخیر تک اُس پر عمل کرتا ہی جو کوئي اسکے مخالف بات کہتا ہی اُس کو سنتا ہی اور سوچتا ہی جو کوئي اُس کے یقین میں شکوک پیدا کریں اور اُسکي غلطي بیان کریں وہ اُن سے نفرت نہیں کرتا بلکہ اُن کو اپنے دل میں جگہہ دیتا ہی اور تامل کرتا ہی اور جبکہ اُن شکوک اور اعتراضات کو بالکل غلط پاتا ہی تو وہ اپنے یقین کي صحت پر اور بھي زیادہ خوش ہوتا ہی اور اُن غلط خیال کرنے والوں کو ذریعہ اپنے یقین کے اصول پر مطلع کرنے کا پیدا کرتا ہی *

پس جو لوگ تعصب اور دینداري میں فرق نہیں کرتے اور اپنے تعصب کو دین سمجھتے ہیں اور اپني حالت کو ظاہري حالت سے صحابہ کي ملاتے ہیں یہہ غلطي اُن کي ناواقفیت اور جہالت کي ہی وہ بےشک اپني دھرتي دینداري پر مضبوط ہونے میں صحابہ کي سچي صلابت في الدین سے مشابہت پیدا کرتے ہوں مگر وہ مشابہت جھوٹے موتي کي سچے موتي سے ہی کہ جو صرف صورت ظاہري میں ہی نہ حقیقت باطني میں *

تعصب ایک ایسي بري خصلت ہی کہ جس سے صرف متعصب ہي کي ذات کو نقصان نہیں پہونچتا بلکہ اُسکا بد اثر دوسروں کي طبیعت پر پہونچتا ہی اور سادي سچي طبیعتوں کو بھي بگاڑتا ہی تعصب ایک زہر آمیز خمیر ہی کہ وہ اچھے صاف میدے کو بھي تھوڑي ہي دیر میں اپنا سا کرلیتا ہی اور اُس ہی کو جو باعث زندگي انسان ہی

اُس کی موت کا سبب کردیتا هی دین و مذهب انسان کی اُس روحانی زندگی اور چین کا ذریعه هی جو بعد اِس جسمانی حیات کے ملنے والی هی اور تعصب اُسی زندگی کا مٹانے والا هی اور اُسی چین کا کھودینے والا هی *

اِس لیئے که اُس نے باطل کو حق اور غلط کو صحیح سمجھه رکھا هی اُس کی سختی اور درشتی کسی مخالف کو موقع اُن باتوں کے ظاهر کرنیکا نهیں دیتی جو اُنکے دلوں میں هی اور جسکے ظاهر هونے سے اگر وہ غلط هوں اُن کی اصلاح ممکن هی متعصب کی یهه حالت دیکھکر اُس کا مخالف بهی متعصب هوجاتا هی اور وہ بهی اپنے خیالات کو صحیح سمجھه کر اُن کی حقیقت کا اعتقاد کرنے لگتا هی چنانچه تعصب هی تمام مذاهب باطله کی بناء اور تمام عقائد فاسدہ کی جڑ هی اور ایک جهان اسی مرض میں مبتلا اور اسی بیماری میں گرفتار هی اسی لیئے خدانے اور شارع نے اور تمام دیندار عالموں اور دانشمند حکیموں نے اُسکی برائی بیان کی هی *

راقـــــــم
سید مهدی علی
تحصیلدار مرزا پور

نمبر ۳۲

تقوی

وخیرالزادالتقوی

همارے اخبار یکم ذیحجه میں ایک مختصر فهرست اُن مراتب کے چهپی تهی جن میں مسلمانوں کو تهذیب کرنا چاهیئے لیکن میری دانست میں اُس میں ایک بڑا امر فروگذاشت هوا یعنی تقوی جو مسلمانوں کی موروثی ملک هی اور اب هندوستان کے مسلمانوں میں پهلے زمانه کی به نسبت اُسکی نهایت کمی هی اس زمانه میں اکثر تقوی اتنی بات پر ختم هوتا هی که پیجامه ٹخنوں سے نیچا نرهے اور ناچ رنگ وغیرہ کی مجلس میں شریک نه هوں اور بس (خیر خدا اسکو بهی باقی اور قایم رکھے) *

کسب حلال جسکی نسبت یهه کهنا بجا هی که وہ ایک زمانه میں مسلمانوں کا خمیر تها اب اُسکی طرف سے ایسی غفلت برتی جاتی هی که خدا محفوظ رکھے — سود سی شی جسکے لینے والوں کی نسبت خدا یوں ارشاد فرماتا هے که " فاذنو بحرب من الله و رسوله " یعنی اوٹهه کهڑے هو خدا اور اُسکے رسول سے لڑنے کے واسطے اب وہ هندوستان کے مسلمانوں میں هماری شامت اعمال سے ایسا عام هوگیا که کهاتے پیتے مسلمان شاید فیصدی دس بهی اس بلاے عالمگیر سے محفوظ نه هونگے اور روپیه سیکڑہ کے سود سے فایدہ عدالت میں کرنا یهه تو اب کچهه عیب هی نهیں رها دو وقت کی نماز قضا هونے کا کبهی اتنا ملال نه هو جتنا ایک سوہ کی نالش ڈسمس هونے کا بڑے بڑے موٹے موٹے حافظ اور چهوٹی چهوٹی داڑهیوں والے مولوی جو وهابیت میں بهی ماشاءالله دم بهرتے هیں اس لقمه حرام کی چاٹ اور مال و دولت کی طمع خام میں مبتلا هیں *

رونا تو اس بات پر آتا هی که اهلی ان حرکات کے سبب سے کبهی ماتهے پر پسینا نه آوے مگر جب کسی مسلمان کو کسی اهل کتاب کے ساتهه هم طعام دیکهیں تو حمیت اسلامی جوش میں آجاوے اور بغیر نعوذبالله اور توبه توبه کے اُس مسلمان کمبخت کا نام نه لیں فاعتبروا یا اولی الابصار *

معاش کے اَوْر ذریعوں کا بهی یهی حال هو رها هی — نوکروں میں چوری اور رشوت — زمینداروں میں زیادہ ستانی و شوق سیاست سوداگروں میں دغابازی اور حرفت دن بدن ترقی پر هیں و علی هذاالقیاس لیکن میرے نزدیک جب تک مسلمانوں میں سے یهه خرابیاں رفع نه هونگی تبتک کبهی اُنکی قوم کو سچی ترقی اور عزت نصیب نهوگی کیسے هی پهولوں اور پهولدار درختوں سے اپنے گهروں کو رشک گلزار ارم کیوں نه بناویں اور جاکٹ پتلون کیوں نه پهنیں اور میز و کرسی پر چهری کانٹے سے طلائی تاروالی نهایت شفاف اور چلادار برتنوں میں کیوں نه کهاویں اور کیسا هی اپنے طریق زندگی کو آج کل کی مهذب اور روشن ضمیر قوموں کی مانند اعلی اور عمدہ کیوں نه بناویں — پس مسلمانوں کو چاهیئے که اول اپنا تقوی درست کریں اُسکے بعد قومی ترقی کا نام لیں ورنه ٹهیک اس آیت کے مصداق هونگے —

قل هل ننبئکم بالاخسرین اعمالا الذین ضل سعیهم فی الحیوۃالدنیا وهم یحسبون انهم یحسنون صنعا *

راقـــــــم
مشتاق حسین

بمقام علیگڈہ — مطبع علیگڈہ انسٹیٹیوٹ میں چهپا اور باهتمام
منشی محمد مشتاق حسین شایع هوا

THE MOHAMMEDAN SOCIAL REFORMER

تہذیب الاخلاق

جلد دوم] ۱۵ صفر سنہ ۱۲۸۸ هجري [نمبر ۳

بسم‌الله الرحمن الرحیم

اطلاع

جسقدر روپیہ بابت اِس پرچہ کے بطور چندہ خواہ بطور قیمت وصول هو وہ کسي خاص شخص کي ملکیت نهوگا بلکہ اِس پرچہ کے اجرا و ترقي میں صرف کیا جاویگا *

مسلمانوں میں سے جو شخص ساٹھہ روپیہ سالانہ پیشگي بطور چندہ دے وہ اس پرچہ کے متعلق معاملات میں ممبر متصور هوگا *

علاوہ اِس کے جو شخص کچھہ روپیہ بطور ڈونیشن دے وہ بشکر گذاري تمام لیا جاویگا *

یہہ پرچہ هر مهینے میں ایک بار یا دو بار یا تین بار جیسا کہ مقتضاے مضامین هوگا چھپا کریگا خریداروں کو تین روپیہ قیمت اور ایکروپیہ آٹھہ آنہ محصول جملہ چار روپیہ آٹھہ آنہ پیشگي بهیجنے هونگے *

اگر کوئي شخص کوئي خاص پرچہ خریدنا چاہے کا اُس کو فی پرچہ چار آنہ قیمت اور ایک آنہ محصول دینا هوگا *

ممبروں کو بلا قیمت یہہ پرچہ ملیگا۔ اور اُن کو اُس کے کلسیم کا بهي بلا قیمت جسکو وہ چاهیں اختیار هوگا *

اِس پرچہ میں بجز مضامین متعلق تہذیب اخلاق و حسن معاشرت کے جهاں تک کہ وہ مسلمانوں سے متعلق هیں اور کچھہ مندرج نهوگا *

مضمون نمبر ۳۳

امیرالامرا جناب سید خیرالدین صاحب بهادر وزیر مملکت تونس

چند روز سے هماري خواهش اپنے هم قوموں سے یہہ هی کہ وہ تہذیب و شایستگي میں ترقي کریں اور تعصب کو جسکا منشاء جهالت مرکب هی چهوڑیں اور اچهي باتوں کو گو وہ کسي قوم کي هوں اور جو شریعت اسلامیہ میں بهي مباح هوں اختیار کریں۔تاکہ مهذب قوموں کي نگاہ میں ذلیل و خوار نهوں همکو اسبات کے بیان کرنے سے نهایت خوشي هی کہ صرف هماري هي یہہ راے یا یہہ خواهش نهیں هی بلکہ جو بڑے بڑے عالم اور مدبر بلاد اسلامیہ کے هیں اُن کي بهي یهي راے هی چنانچہ هم اِس دعوي کي سند پر جناب امیرالامرا سید خیرالدین صاحب بهادر وزیر مملکت تونس کي راے کا خلاصہ اِس مقام پر مندرج کرتے هیں *

تونس کنارہ افریقہ پر ایک چهوٹي سي خود مختار اسلامي سلطنت هی وهاں کا بادشاہ بي آف تونس کهلاتا هی اُس کے وزیر سید خیرالدین

صاحب نے نہایت عمدہ اور فصیح عربي زبان میں ایک کتاب یورپ کي سلطنتوں کے حال میں لکھي هی اور اُسکا نام اقوم المسالک في احوال الممالک رکھا هی وہ کتاب ٹونس میں چھپي هی اور اُسکي ایک جلد همارے پاس موجود هی اُس کتاب کے مصنف نے اُسکے دیباچہ اور مقدمہ میں سبب اُس کتاب کي تالیف کا بیان کیا هی جو آگے لکھا جاتا هی اور جس سے اُس بڑے مدبر اور عالم کي راے واضح هوتي هی ✽

راقـــــــم

سید احمد

و هو هذا

خطبة كتاب اقوم المسالك

اما بعد فيقول جامع هذه الورقات ارشده الله تعالى الى اقوم الطرقات اني بعد ان تأملت تاملا طويلا في اسباب تقدم الامم و تأخرها جيلا فجيلا مستندا في ذلك لما امكن تصفحه من التواريخ الاسلامية و الافرنجية مع ماحرره المؤلفون من الفريقين فيما كانت عليه و آلت اليه الامة الاسلامية و ما سيؤل اليه امرها في المستقبل بمقتضى شواهد التي قضت التجربة بان تقبل التجاءت الى الجزم بما لا اظن عاقلا من رجال الاسلام يناقضه اوينهض له دليل يعارضه من انا اذا اعتبرنا تسابق الامم في ميادين التمدن و تحزب عزائمهم على فعل ماهو اعود نفعا واجدى لايتهيأ لنا ان نميز ما يليق بنا على قاعدة محكمة البنا الا بمعرفة احوال من ليس من حزبنا لا سيما من حف بنا وحل بقربنا ثم اذا اعتبرنا ما حدث في هذه الازمان من الوسائط التي قربت تواصل الابدان و الاذهان ثم نتوقف ان نتصور الدنيا بصورة بلدة متحدة تسكنها امم متعددة حاجة بعضهم لبعض متأكدة و كل منهم وان كان في مساعيه الخصوصية غريم نفسه فهو بالنظر الى ماينجر بها من الفوائد العمومية مطلوب لسائر بني جنسه فمن لاحظ هذين الاعتبارين اللذين لا تبقي المشاهدة في صحتهما ادنى ريب و كان بمقتضى ديانته من الدارين ان الشريعة الاسلامية كافلة بمصالح الدارين ضرورة ان التنظيم الدنيوي اساس متين لاستقامة نظام الدين يسوءه ان يرى بعض علماء الاسلام المو كول لامانتهم مراعاة احوال الوقت في تنزيل الاحكام معرضين عن استكشاف الحوادث الداخلية و اذهانهم من معرفة الخارجية خلية ولا يخفى ان ذلك من اعظم العوائق عن معرفة ما يجب اعتباره على الوجه اللائق انيحسن مواساة الامة الجهل باعراضها او صرف الهمة الى اقتناء جواهر العلوم مجردة عن اعراضها كما انه يسوءنا الجهل بذلك من بعض رجال السياسة والتجاهل من بعضهم رغبة في اطلاق الرياسة فلذلک هجس ببالي ما اعتقدته لاجله دي الي من اني لوجمعت بعض ما استنبطته ملتمسين باعمال الفكر والروية مع ماشاهدته اثناء اسفاري للبلدان الا وروباوية التي ارسلني الى بعض دولها الفخام المولى الوريع الاسمى والكهف المنيع الاحمى جناب ولي النعم وزكي الاخلاق والشيم من لم تزل عزائمه كاسمه صادقة والسنة الانام بالثناء عليه ناطقة لم يخل سعيي من فايدة خصوصا اذا صادف افئدة على حماية بيضية الاسلام متعاضدة واهم تلک الفوائد عندي التي في هذا التاليف مناط قصدي تذكير العلماء الاعلام بما يعينهم على معرفة ما يجب اعتباره من حوادث الايام وايقاظ الغافلين من رجال السياسة و سائر الخواص والعوام ببيان ماينبغي ان تكون عليه التصرفات الداخلية والخارجية و ذكر ماتتأكد معرفته من احوال الامم الافرنجية خصوصا من لهم بنا مزيد اختلاط و شديد علقة و ارتباط مع ماارتقوا به من صرف الهمم الى استيعاب احوال سائر الامم واستسهل لهم ذالک بطي مسافات الكرة التي ألحق شاسعها بالامم فيجمعها ما تيسر بعون الله من مستحدثاتهم المتعلقة بسياستي الاقتصاد والتنظيم مع الاشارة الى ماكانوا عليه في العهد القديم و بيان الوسائل التي توفروا بها في سياسة العباد الى غاية القصوى من عمران البلاد كما اشرت الى ما كانت عليه أمة الاسلام المشهود لها حتى من مورخي اوروبا الاعيان بسابقية التقدم في مضامير العرفان والعمران وقت تمسكها بالشريعة في احوالها و نسج سائر التصرفات بمنوالها والغرض من ذكر الوسائل التي اوصلت الممالک الا وروباوية الى ماهي عليه من المنعة والسلطنة الدنيوية ان نتخير منها مايكون بحالنا لا يقاوالنصوص شريعتنا مساعدا وموافقا عسى ان نسترجع منها ما اخذ من ايدينا ونخرج باستعماله من ورطات التفريط الموجود فينا الى غير ذالک مما تتشوق اليه نفس الناظر في هذا الموضوع المحتوي من الملاحظات النقلية والعقلية على ماتنشرح بطي فصوله بضروع و سميته اقوم المسالک في معرفة احوال الممالک مرتبا له على مقدمة و كتابين يشتمل كل منهما على ابواب و بهداية الله نستوضح منا هج الرشد والصواب والجري في هذا المجال و ان كان دون طاقتي لكن اغضاء الفضلاء مامول في جنب ناقتي و صدق النية كافل انشاء الله تعالى ببلوغ الامنية ✽

المقدمة

لما كان المحب العامل على الشي متقدما عليه طبعا ناسب ان نقدمه وضعا ولم نكتف بالايماء في الخطبة الى ما دعانا لجمع هذا التاليف بل راينا من المهم ان نعود الى ايضاحه ههنا ولنبني عليه ما

لوطا ايراده في المقدمة فنقول ان الباعث الاصلي على ذلك امران آيلان الى مقصد واحد احدهما اغراء ذوي الغيرة والحزم من رجال السياسة والعلم بالتماس ما يمكنهم من الوسائل الموصلة الى حسن حال الامة الاسلامية و تنمية اسباب تمدنها بمثل توسيع دوائر العلوم والعرفان و تمهيد طرق الثروة من الزراعة والتجارة و ترويج سائر الصناعات و نفي اسباب البطالة و اساس جميع ذلك حسن الامارة المتولد منه الامن المتولد منه الامل المتولد منه اتقان العمل المشاهد في الممالك الاوروباوية بالعيان و ليس بعده بيان ثانيهما تحذير ذوي الغفلات من عوام المسلمين من تماديهم في الاعراض عما يحمد من سيرة غير الموافقة لشرعنا بمجرد ما انتقش في عقولهم من ان جميع ما عليه غير المسلم من السير والتراتيب ينبغي ان يهجروا تآليفهم في ذلك يجب ان تنبذ ولا تذكر حتى انهم يشددون الانكار على من يستحسن شيئا منها وهذا على اطلاقه خطأ محض فان الامر اذا كان صادرا من غيرنا وكان صوابا موافقا للادلة لاسيما اذا كنا عليه واخذ من ايدينا فلا وجه لانكاره واهماله بل الواجب الحرص على استرجاعه و استعماله و كل متمسك بديانته و ان كان يرى غيره ضالا في ديانته فذلك لايمنعه من الاقتداء به فيما يستحسن في نفسه من اعماله المتعلقة بالمصالح الدنيوية كما تفعله الامة الافرنجية فانهم ما زالوا يقتدون بغيرهم في كل ما يرونه حسنا من اعماله حتى بلغوا في استقامة نظام دنياهم الى ما هو مشاهد و شان الناقد البصير تمييز الحق بمسبار النظر في الشيء المعروض عليه قولا كان او فعلا فان وجده صوابا قبله واتبعه سواء كان صاحبه من اهل الحق او من غيرهم فليس بالرجال يعرف الحق بل بالحق تعرف الرجال والحكمة ضالة المؤمن يأخذها حيث وجدها *

ولما اشار سلمان الفارسي رضي الله عنه على رسول الله صلى الله عليه وسلم بان عادة الفرس ان يطوقوا مدنهم بخندق حين يحاصرهم العدو اتقاء من هجومه عليهم اخذ رسول الله صلى الله عليه و سلم برايه وحفر خندقا للمدينة في غزوة الاحزاب عمل فيه بنفسه ترغيبا للمسلمين و قال سيدنا علي كرم الله وجهه لاتنظر الى من قال وانظر الى ما قال و اذا ساغ للسلف الصالح اخذ مثل المنطق من غير اهل ملتهم و ترجمته من لغة اليونان لما راوه من الالات النافعة حتى قال الغزالي رحمه الله من لامعرفة له بالمنطق لايوثق بعلمه فاي مانع لنا اليوم من اخذ بعض المعارف التي نرى انفسنا محتاجين اليها غاية الاحتياج في دفع المكائد و جلب الفوائد و في سنن المهتدين للعلامة الشيخ المواق المالكي ما نصه ان ما نهينا عنه من اعمال غيرنا هو ما كان على خلاف مقتضى شرعنا اما ما فعلوه على وفق الندب او الايجاب اوالاباحة فانا لانتركه لاجل تعاطيهم اياه لان الشرع لم ينه عن التشبه بمن يفعل ما اذن الله فيه و في حاشية الدر المختار العلامة الشيخ محمد بن عابدين الحنفي ما نصه ان صورة المشابهة فيما تعلق به صلاح العباد لاتضر

على انا اذا تاملنا في حالة هؤلاء المنكرين لما يستحسن من اعمال الافرنج نجدهم يمتنعون من مجاراتهم فيما ينفع من التنظيمات و نتائجها ولا يمتنعون فيما يضرهم و ذلك انا نراهم يتنافسون في الملابس و اثاث المساكن و نحوها من الضروريات وكذا الاسلحة و سائر اللوازم الحربية والحال ان جميع ذلك من اعمال الافرنج ولايخفى ما يلحق الامة بذلك من الغبن والخلل في العمران و في السياسة اما الغبن فبالاحتياج للغير في غالب الضروريات الدال على تاخر الامة في المعارف واما خلل العمران فبعدم انتفاع صناع البلاد باصطناع نتائجها الذي هو اصل مهم من اصول المكاسب و مصداق ذلك ما نشاهده من ان صاحب الغنم منا و مستولد الحرير و زارع القطن مثلا يقتحم تعب ذلك سنة كاملة و يبيع ما ينتجه عمله للافرنجي بثمن يسير ثم يشتريه منه بعد اصطناعه في مدة يسيرة باضعاف ما باعه به و بالجملة فليس لنا الان من نتائج ارضنا الا قيمة موادها المجودة دون التطورات العامية التي هي منشأ توفر الرغبات منا و من غيرنا ثم اذا نظرنا الى مجموع ما يخرج من المملكة وقايسناه بما يدخلها فان وجدناهما متقاربين خف الضرر و اما اذا زادت قيمة الداخل على قيمة الخارج فحينئذ يتوقع الخراب لامحالة *

ترجمه خطبه کا

حمد و نعت کے بعد کہتا هی مولف اِس کتاب کا الله اُسکو سیدهي راه بتاوے که جب میں نے دنیا کي مختلف قوموں کي ترقي اور تنزل کے اسباب کو نهایت فکر و تامل کے ساتهه دیکها اور مسلمانوں اور انگریزوں کي تواریخ سے جهاں تک ممکن تها ڈهونڈ ڈهونڈ کر اُن کو نکالا اور جو کیفیت مسلمان لوگوں کے اُن حالات کي جو اُن پر ابتداے زمانه میں طاري تهے اور جو في زماننا طاري هیں اور جو آینده تجربه کي رو سے اُن پر طاري هونے والے هیں انگریز اور مسلمان مورخوں نے لکهي هی اُسکو بهي میںنے دیکها تو خواه مخواه مجهکو یهه یقین هو گیا (اور میرے اِس یقین کا شاید کوئي سوه مسلمان مخالف نهوگا اور نه اُسکي مخالفت کے واسطے وجهه نکلیگي) که جب هم ایک قوم کي ترقي اور انتظام مملکت کي خوبي کا خیال کریں اور اُسکي همت کو بهلائي اور نفع کي باتوں پر حد سے زیاده مائل پاویں تو اِس صورت میں همکو اپني بهلائي کي باتوں کے اچهي طرح پر سمجهنے اور جانچنے کے لیئے بجز اِسکے اور کوئي طریقه نهیں هی که هم ایک ایسي قوم کے حالات کو نظر تامل سے دیکهیں جو همارے گروه کي نهیں هی اور اُسکي ترقي کے اسباب کو دریافت کریں خصوصاً اُس قوم کے حالات کو جو همارے قرب و جوار میں هي رهتي هو اور پهر هم اُن جدید هنرمندیوں اور کمالات کو خیال کریں جو في زماننا علم و

میل کے موافق ہونے سے پیدا کی گئی ہیں اور ان باتوں کا لحاظ کرکے ہم تمام دنیا کو یہہ سمجھیں کہ گویا ساری دنیا بمنزلہ ایک شہر کے ہی جسمیں مختلف قومیں اِس قسم کی رہتی ہیں جنکی ضرورتیں باہم ملی جلی ہیں اور ایک دوسری پر موقوف ہی اور یہہ خیال کریں کہ گو ہرایک فرقہ اپنی خاص ضرورتوں میں اپنے ہی نفس کا محتاج ہی مگر بلحاظ اُن فوائد کے جو سب کی نسبت عام ہیں سب قومیں ایک دوسرے کی محتاج ہیں پس جو شخص ان سب باتوں پر غور کریگا جو ہمارے تجربہ کی رو سے بلاشبہہ صحیح ہیں اور یہہ بھی اپنی دیانت کی رو سے جانتا ہوگا کہ شریعۃ اسلامیہ دین و دنیا دونوں کی مصلحتوں پر مشتمل ہی کیونکہ دنیوی معاملات کی اصلاح امور دینیہ کے استحکام کی بنیاد ہی اُس شخص کو یہہ بات نہایت بری معلوم ہوگی کہ وہ ایسے علماء اسلام کو جو بسبب اپنی امانت اور دیانت کے اِسبات کے ذمہ دار ہیں کہ احکام شرعیہ کے جاری کرنے میں مصلحت وقت کا بھی ضرور لحاظ رکھیں غوامض اور دقایق شرعیہ کے کھولنے اور مصالحہ دینیہ کی حقیقت بیان کرنے سے پہلو تہی کرتا دیکھے اور دانستہ اغماض کرتا پاوے یا ایسے علماء کی عقلیں ظاہری اور باطنی مصلحتوں کے سمجھنے سے قاصر ہوں اور اُن کے ذہن اُنسے خالی رہیں کیونکہ یہہ بات سب جانتے ہیں کہ ایسے خاص لوگوں کا ایسا ہونا عوام‌الناس کو بہتری اور ترقی کی اُن باتوں کے دریافت کرنے سے محروم رکھتا ہی جو اُن کے لیئے ضرور ہیں پہلا انصاف کرو کیا یہہ بات کچھہ اچھی ہی کہ طبیب ہی مریضوں کے حال سے غافل ہو یا یہہ بات کسیکو زیبا ہی کہ وہ صرف ایک چیز کی اصلیت کو دریافت کرلے اور اُس کے لوازم اور عوارض سے جاہل رہے اور جیسی یہہ بات بری معلوم ہوتی ہی اِسی طرح یہہ بات بھی بری معلوم ہوتی ہی کہ جو لوگ صاحب سیاست ہیں وہ سیاست کے طریقوں سے جاہل ہوں یا اپنی ریاست کی باگ چھوڑ دینے کے واسطے دانستہ تجاہل کریں پس جب مجھکو اِس بات کا یقین ہوگیا کہ ترقی کے سامان بغیر دریافت کرنے کسی ترقی یافتہ قوم حالات کے ہرگز ہم کو میسر نہیں آسکتے تو میرے دل میں یہہ خیال آیا کہ اگر میں اُن سب باتوں کو بطور کتاب کے جمع کر کے لکھوں جو میئنے برسوں کی فکر اور تجربہ سے حاصل کی ہیں اور جن کو میئنے اپنی آنکھہ سے یورپ کے اُس سفر میں دیکھا ہی جس پر مجھکو میرے ایسے آقاے نامدار نےمامور کیا تھا جو نہایت معظم اور معظم اور بلند رتبہ پاکیزہ اخلاق پسندیدہ خصلت ہی اور جس کے ارادے ہمیشہ اُس کے نام کی مثل صادق ہوتے رہتے ہیں اور جس کی تعریف میں تمام دنیا رطب‌اللسان ہی تو شاید میری یہہ محنت رایگاں نہ جاویگی خصوصاً اُس حالت میں جب کہ بہت سے لوگ یکدل ہوکر شریعت غراے

اسلام کی حمایت کرنے پر مستعد ہوں گے اور سب سے بڑا کام اس کتاب کے تالیف کرنے سے میئنے اپنے دل میں یہہ ٹھہرایا تھا کہ میں اُس کے ذریعہ سے بڑے بڑے نامی علماء کو اُن باتوں سے آگاہ کروں جن کی اطلاع سے اُن لوگوں کو ایسی باتوں کے دریافت کرنے میں مدد ملیگی جنکی حسب مقتضاے زمانہ اور مصلحت وقت ہم کو نہایت بڑی ضرورت ہی اور اُن باتوں کا ذکر کروں جن پر فی زماننا انسان کے جملہ معاملات ظاہری اور باطنی کا مدار ہونا چاہیئے تاکہ جو اہل سیاست بلکہ علی‌العموم جو لوگ خواب غفلت میں ہیں وہ سب بیدار ہو جاویں اور یہہ بھی ارادہ کیا کہ کچھہ حالات انگریزی قوم کے خصوصاً اُن لوگوں کے جن کے ساتھہ ہم کو زیادہ خصوصیت اور ربط و ضبط اور سخت تعلق ہی بیان کروں اور اُن کے حالات کے ساتھہ انگریزی قوم کی اُن عالی ہمتیوں کا بھی ذکر کروں جن کی بدولت اُنہوں نے تمام دنیا کی قوموں کے حالات مفصل دریافت کر لیئے ہیں اور اس کام کو اُنہوں نے اپنی سیر و سیاحت اور تمام عالم کے سفر سے اپنے اُوپر آسان کیا ہی پس میں نے اپنے ارادہ کے موافق اس کتاب میں اُن سب باتوں کو جمع کیا جو انگریزی قوم نے تدابیر ملکیہ سے متعلق نظم و نسق کی غرض سے ایجاد کی ہیں جہاں تک کہ خدا نے مجھہ پر آسان کیا اور ان جدید باتوں کے ضمن میں میئنے اُن باتوں پر بھی ایما کردیا جو زمانہ سابق یعنی عہد قدیم میں انگریزوں کے ہاں رائج تھیں اور اُن طریقوں کو بھی بیان کیا جن کی بدولت انگریزی قوم نے سیاست مدن میں ایسی ترقی حاصل کی ہی جس کے سبب سے وہ ترقی ملک کی حد پر پہونچ گئی ہیں اور اسی طرح میں نے اس کتاب میں اُمۃ اسلامیہ کے اُن قدیمی حالات کو بیان کیا ہی جن سے اس قوم کے کمالات اور فضائل کی وہ کیفیت معلوم ہوتی ہی جو اُس زمانہ میں تھی جب کہ احکام شریعہ اپنے اپنے موقع پر جاری تھے اور جملہ معاملات اپنے اپنے طریقہ سے برتے جاتے تھے اور انگریزی قوم کے تمام معاملات نظم و نسق اور طریقہ سیاست اور تمدن کو میں نے اس غرض سے بیان کیا ہی کہ مسلمان لوگ بھی اُن میں سے جن باتوں کو اپنے حسب حال اور اپنے حق میں بہتر دیکھیں اُن کو اختیار کرلیں اور جو باتیں ہماری شریعت کے مخالف نہیں ہیں بلکہ مساعد ہیں اُن کو اپنے برتاؤ میں داخل کریں تاکہ وہ شاید اس تدبیر سے پھر اپنے اُن کمالات کو حاصل کرلیں جو کسی زمانہ میں ہمارے ہاتھوں سے نکل گئے ہیں اور شاید ہم اس ذریعہ سے اپنے ہاں کی اس تفریط کے گرداب سے نجات پاویں جو آج کل ہم لوگوں میں پھیل رہی ہی اور علاوہ ان باتوں کے اَور بہت سی عقلی اور نقلی باتیں اس کتاب میں ایسی ہیں

جن کو دیکھنے والا نہایت غور سے دیکھیگا اور اس کتاب کا نام اقوم المسالک في معرفة احوال الممالک رکھا ھی (یعني نہایت سیدھي راہ مملکتوں کا حال دریافت کرنے کے باب میں) اور اس کتاب کو میني ایک مقدمہ اور دو حصوں پر منقسم کیا ھی اور اُسکے ھر ایک حصہ میں متعدد باب ھیں اور اللہ کي ھدایت سے مجھکو توقع ھی کہ وہ سیدھے راستے مجھہ پر کھول دیگا اور چونکہ ایسے مشکل کام کا سرانجام میري بساط سے بڑھکر تھا اِس لیئے مجھکو خدا اور خلق سے اِس بات کي اُمید ھی کہ وہ میري خطا سے چشم پوشي فرماوینگے اور اِسمیں کچھہ شبہہ نہیں ھی کہ جو کام صدق نیت اور خلوص قلب سے کیا جاتا ھی اُسمیں کامیابي عطا کرنے کا خود اللہ ھي کفیل ھوجاتا ھی * ،

ترجمۂ مقدمۂ کتاب کا

جب ھر چیز کا اصلي سبب اُسکے وجود پر مقدم ھوتا ھی تو اُس سبب کو کتاب میں بھي بیان کرنا زیبا معلوم ھوتا ھی اور مجھکو یہہ بات منظور نہیں ھی کہ میں اِس کتاب کے سبب تالیف کا اظہار صرف اُسیقدر کافي سمجھوں جسقدر کہ میںنے خطبہ میں ایماءً بیان کردیا بلکہ میں اسکي تصریح اِس موقع پر بھي ضروري سمجھتا ھوں کیونکہ جو بات مجھکو اِس مقدمہ میں بیان کرني منظور ھی اُسکي بنا بھي سبب تالیف ھی چنانچہ کہتا ھوں میں کہ اِس کتاب کے تالیف کرنے اور اسمیں مطالب مذکورۂ بالا کے بیان کرنے کي ضرورت مجھکو دو وجہہ سے معلوم ھوئي اگرچہ اُن دونوں وجھوں کا مآل واحد ھي ھی ایک تو انمیں سے غیرت دلانا برانگیختہ کرنا غیرت‌دار عقلمند عالم صاحب ثروت اھل سیاست مسلمانوں کا اسبات پر کہ وہ ذرا ھوشیار ھوکر اُن وسیلوں کو دریافت کریں جنکے سبب سے مسلمانوں کي یہہ حالت آیندہ اصلاح پذیر ھو اور جنکے سبب سے اُنکے علم و فضل اور طریق تمدن وغیرہ میں ترقي ھو اور جنکي بدولت اُنکي ثروت اور عزت کے سامان مہیا ھوں مثلاً تجارت یا زراعت یا صناعي اور دستکاري کے کام رونق پکڑیں اور ان سب کاموں کے اسباب اُنکے لیئے پیدا ھوجاویں اور جن باتوں سے اُن پر ذلت اور افلاس چھا رھا ھی وہ سب دفع ھوجاویں اور ایسي بیہودي کي باتوں کي جڑ حقیقت میں اِنتظام ملکي اور طرق سیاست کي اصلاح ھی کہ اُس اصلاح سے امن پیدا ھوتي ھی اور امن سے دلوں کي آرزوئیں بڑھتي ھیں اور آرزو پیدا ھونے سے کام مضبوط ھوتا ھی جیسا کہ ھم سب لوگ ممالک یوروپ میں آنکھوں سے مشاھدہ کرتے ھیں اور جسکا بیان ھم نہیں کرسکتے اور دوسري بات جو اِس تالیف کا باعث ھی اُن غافل لوگوں کا ھوشیار کرنا اور متنبہ کرنا ھی جو ایک اچھي بات کو بھي صرف اِس خیال سے نہیں اختیار کرتے کہ وہ ظاھرا اُنکي شریعت میں نہیں ھی اور اِس غلط خیال کا منشاء یہہ ھی کہ وہ دوسرے مذھب کے لوگوں کي جملہ باتوں کو اِسي قابل سمجھتے ھیں کہ اُنکو ترک کیا جاوے خواہ وہ باتیں کسي قوم کي عادات میں سے ھوں خواہ تدبیر ملکیہ سے متعلق ھوں اور وہ غافل لوگ غیر مذھب والے کي تالیفات کو پڑھنا بھي برا سمجھتے ھیں یہاں تک کہ اگر کوئي شخص اُنکے سامنے غیر مذھب کي تالیفات یا عمدہ باتوں کي تعریف کرے تو وہ اُس شخص کو بھي برا بھلا کہنے پر مستعد ھوجاتے ھیں حالانکہ یہہ بات بالکل حماقت کي ھی اور سراسر خطا ھی اِس لیئے کہ جو کام فينفسہ اچھا ھو اور ھماري عقل بھي اُسکو تسلیم کرے خصوصاً وہ کام جسکو کبھي ھم لوگ ھي کیا کرتے تھے اور غیروں نے اُسکو ھم سے ھي اڑا لیا ھی تو ایسے کام سے انکار کرنے اور یا اُسکو چھوڑ دینے کي کوئي وجہہ نہیں ھی بلکہ جب وہ کام کسي زمانہ میں ھماري ھي قوم کے عمل در آمد میں تھا تو ھمکو ایسے کام کے پھر حاصل کرنے میں نہایت شوق اور تمنا ظاھر کرني چاھیئے اور گو یہہ بات مسلم ھی کہ ھر اھل مذھب اپنے مذھب کے سامنے دوسرے کے مذھب کو ضلالت خیال کیا کرتا ھی لیکن اِس سے یہہ بات لازم نہیں آتي کہ غیر مذھب والے کي دنیوي باتیں بھي بري ھوجاویں یا جو کام مصلحت ملکي کے لحاظ سے اُسنے کیا ھی وہ بھي ضلالت ھوجاوے اور ھمکو اُن کاموں میں غیر مذھب والي قوم کا اتباع ممنوع ھو دیکھو انگریزوں کا ھمیشہ سے یہہ دستور ھی کہ جب وہ کسي قوم کا کوئي کام اچھا دیکھتے ھیں فوراً اُسکے کرنے پر مستعد ھوجاتے ھیں چنانچہ وہ اپني ایسي ھي باتوں کے سبب سے آج اپني ترقي اور بلندي کے اُس رتبہ پر ھیں جسکو سب لوگ آنکھوں سے دیکھتے ھیں اور حقیقت [illegible] دانشمند کا کام بھي یہي ھی کہ جو بات اُسکے سامنے پیش آوے خواہ وہ کسیکا قول ھو یا فعل ھو اُس کو نظر امتیاز سے تازکر جانچے اور اگر اُس کو اچھا دیکھے تو فوراً اخذ کرلے اور دل سے اُس کو بہتر سمجھے گو اُسکا موجد دین کے لحاظ سے سچا ھو یا جھوٹا اِس لیئے کہ حق بات کچھہ لوگوں سے نہیں پہچاني جاتي بلکہ لوگ حق بات سے پہچانے جاتے ھیں اور حکمت مسلمان کے لیئے بمنزلہ ایک گم شدہ چیز کے ھی کہ جہاں کہیں اُسکو پاوے فوراً لیلے * ،

ایک مرتبہ حضرت سلمان فارسي رضي اللہ تعالی نے جناب رسول خدا صلی‌اللہ علیہ و آلہ و سلم کي خدمت میں بطور مشورہ عرض کیا کہ یا رسول اللہ اھل فارس محاربہ کے وقت اپنے شھروں کے گرد خندقیں کھود لیتے ھیں تاکہ دشمن کے مقابلہ اور حملہ سے محفوظ رھیں حضرت رسول خدا صلی‌اللہ علیہ و آلہ و سلم نے اِس راے کو پسند فرماکر غزوۂ احزاب میں مدینہ کے گرد خود خندق کھودي تاکہ اور مسلمان بھي اِس تدبیر پر عمل کیا کریں اور حضرت علي کرم اللہ وجہہ نے ارشاد فرمایا ھی کہ قول کي خوبي کي طرف دیکھو قایل کے حال کي طرف مت دیکھو اور جبکہ ھمارے متقدمین نے غیر ملت کے لوگوں سے علوم منطقیہ کو نفع کي چیز سمجھہ کر اپني زبان میں ترجمہ کرلیا اور اُسکے رواج کو مستحسن جانا یہاں تک کہ امام غزالي علیہ‌الرحمۃ نے لکھا ھی کہ جو شخص منطق نہ جانتا ھو گویا اُسکا علم کچا ھی تو ھمکو کس چیز نے منع کردیا ھی کہ ھم بھي اس زمانہ میں غیر ملت قوم کي جن باتوں کو اپنے حق میں نافع اور کار آمد دیکھیں اُنکو نہ کریں اور جن باتوں کي طرف ھمکو مکائد اعداء سے محفوظ رھنے اور منفعتوں کے حاصل کرنے میں نہایت حاجت ھو اُنکو اختیار نہ کریں کتاب سنن‌المہتدین میں شیخ المواق المالکي نے

صاف لکھا ہی کہ غیر قوم کے ساتھہ جن باتوں میں مشابہت ممنوع ہی وہ صرف وہی باتیں ہیں جو ہماری شریعت کے خلاف ہیں ورنہ جن باتوں کو غیر ملت کے لوگ موافق طریقہ مندوبہ یا مباح یا واجب کے کرتے ہوں اُنکو ہم صرف اِس خیال سے نہیں چھوڑسکتے کہ غیر ملت کے لوگوں کا بھی اُن پر عمل در آمد ہی اِسواسطے کہ ہماری شریعت نے ہمکو غیر قوم کے ساتھہ اُن باتوں میں مشابہ ہونے سے منع نہیں کیا جنکو وہ قوم بھی کارخانہ قدرت کی اجازت سے کرتی ہو اور حاشیہ در مختار میں علامہ شیخ محمد بن عابد بن الحنفی نے تو یہاں تک بہ تصریح لکھا ہی کہ جن باتوں میں مخلوق خدا کی بہتری اور ترقی ہو اگر اُنکے کرنے میں ہم کسی غیر ملت قوم کے ساتھہ بھی مشابہ ہوجاویں تو کچھہ خرابی نہیں۔ ہی اور بڑے تعجب کی بات یہہ ہی کہ جو لوگ انگریزی قوم کی باتوں کے اتباع سے سخت انکار کرتے ہیں وہ اپنی بھلائی کی باتوں میں تو انکار کرتے ہیں اور جو باتیں اُن کے حق میں مضر ہیں اُن میں کچھہ اُن کو انکار نہیں ہی کیونکہ وہ لوگ انگریزی بنا ہوا کپڑا پہنکر خوش ہوتے ہیں اور انگریزی اسباب گھروں میں رکھتے ہیں اور انگریزی ہتیار اور اَور ضرورت کی چیزیں اِستعمال میں لاتے ہیں مگر اُن چیزوں کو انگریزی تدبیر سے کام میں لانے میں بڑا پرہیز کرتے ہیں حالانکہ اِن باتوں سے اُن کے ملکی اِنتظام اور ملکی ترقی میں بڑا نقصان اور خرابی پڑتی ہی اور وہ خرابی کچھہ پوشیدہ نہیں بلکہ ظاہر ہی اور گویا اِس سبب سے اِن میں ایک عیب رہتا ہی اِسلیئے کہ جب وہ اپنی ذاتی ضرورتوں کے سامان میں دوسری قوم کے محتاج ہیں تو گویا علم میں وہ اُس قوم سے پست درجہ ہیں اور اُن کی ملکی ترقی میں یہہ نقصان رہتا ہی کہ وہ اپنے ملک کی پیداوار وغیرہ کے ثمرہ سے نفع نہیں اُٹھا سکتے حالانکہ ترقی ملک کی یہی علامت اور اُس سے یہی مقصود ہی اور تصدیق اِس کی ہمارے اس مشاہدہ سے ہوتی ہی کہ ہماری قوم کے صناع لوگ اپنی صنعت اور دستکاری سے کچھہ فائدہ حاصل نہیں کرتے مثلاً جو لوگ روئی بوتے ہیں یا بکریوں کی اُون تراشکر درست کرتے ہیں اور سال بھر اُس پر جان مارتے ہیں وہ اپنی سال بھر کی محنت کی پیداوار یعنی روئی اور اُون وغیرہ کو تھوڑی سی قیمت پر انگریزی قوم کے ہاتھہ بیچ ڈالتے ہیں اور جب اُسی روئی اور اُون سے انگریز لوگ تھوڑے عرصہ میں اپنی صناعی کی بدولت طرح طرح کے کپڑے بن کر لاتے ہیں تو پھر وہی ہماری قوم کے لوگ جنھوں نے اُس کو روئی ہی تھی انگریزوں کو چوگنی قیمت دیکر کپڑا خریدتے ہیں غرض کہ ہم کو اپنے ملک کی صرف اصلی پیداوار کی قیمت ملجاتی ہی اور کسی قسم کی ہنر مادی یا صناعی سے ہم اُس سے فائدہ نہیں اُٹھا سکتے پس جب ہم یہہ بات دیکھیں کہ ہمارے ملک میں سے یہہ چیز جاتی ہی اور یہہ چیز آتی ہی اور اس بات کا اندازہ کریں کہ آنے والی چیز کا خرچ اور جانے والی چیز کی آمدنی مساوی ہی تو یہاں تک گویا غنیمت ہی تھوڑا ہی سا ضرر ہی اور جب ہم کو جانے والی چیز کی قیمت کم ملے اور آنے والی چیز کی قیمت چہار چند دینی پڑے تو یقین کرلو کہ ایسا ملک آج نہ تباہ ہوا کل تباہ ہوگا ٭

نمبر ۳۴

تعلیم قومی

فی زماننا شاید کوئی ایسا ملک ہوگا کہ جہاں تعلیم قومی کی کرید اور چھیڑ چھاڑ نہوتی ہوگی یورپ اور ایشیا دونوں پر اعظموں میں آجکل اِس کا ہی چرچا ہی انگلستان میں فرانس میں روس میں گورنمنٹ وقت کا اور کل اُمیق اور دانشمند لوگوں کا خیال اِسی طرف ہی ہندوستان اور ترکی کا علی ہذالقیاس یہی نقشہ ہی اَور ملکوں سے ہمیں کیا کام اپنا مطلب تو ہندوستان سے ہی پس ایسی حالت میں جبکہ گورنمنٹ ہندوستان کی اور کل قوم کی توجہہ اِس جانب ہی میری دانست میں ایک مختصر تاریخ تعلیم قومی کی بے محل اور نامناسب نہوگی ٭

تعلیم قومی کا خیال درحقیقت ایک حال کی ایجاد ہی لیکن یہہ خیال پیدا ہوتے ہی اِسقدر جلد تمام دنیا میں پھیل گیا اور اسکے طرفداروں اور مددگاروں نے اپنے مدعا کے حصول کے واسطے اسقدر جانفشانی اور دلدہی سے سعی و کوشش کی ہی کہ نظر اول میں یہی معلوم ہوتا ہی کہ تعلیم قومی کا خیال نہایت قدیم اور عام ہی سب لوگ یہہ بالکل بھول جاتے ہیں کہ اسکی چھیڑ چھاڑ کل سے شروع ہوئی اور ایسے مدعاے مشکل و دشوار کے حصول کماحقہ کے واسطے خواہ مخواہ بہت عرصہ درکار ہی ٭

تعلیم فی نفسہ تو بیشک نہایت قدیم زمانہ سے مروج ہی کل اہل یورپ اور ایشیا تعلیم کی ضرورت کو وقتاً فوقتاً تسلیم کرتے آئے ہیں اور اُسکے حصول کے واسطے بہت سی قابل تعریف اور تحسین کوششیں اور تدبیریں بھی کی ہیں لیکن کبھی تعلیم قومی نہ حاصل ہوئی ایک محدود فرقہ تعلیم یافتہ ہوجاتا تھا جس زمانہ میں کہ مغربی یورپ وحشیوں سے آباد تھا یونان اور روم اور مصر و عرب میں تعلیم کا بکثرت چرچا تھا اگرچہ خود یورپ میں بھی ادنی مدرسے اور اعلی یونیورسٹیاں کسیقدر قدیم زمانہ سے جاری ہیں لیکن ہمکو ہمیشہ یاد رکھنا چاہیئے کہ اِنسے صرف چند اشخاص مستفید ہوتے تھے کل قوم کی قوم کو مدرسہ میں بھیجنا کبھی متقدمین کے خواب و خیال میں بھی نہ گذرا ہوگا ٭

ملک ایشیا میں تو کبھی تعلیم قومی کا کسیکو خیال بھی نگذرا اگرچہ بادشاہان اسلام کے عہد میں تعلیم نے نہایت رونق پائی کل اعلی درجہ کے باشندے اور اکثر متوسط درجہ کے لوگ اور بیشتر عوام الناس تعلیم یافتہ ہوتے تھے اور اگرچہ شایستگی اور سولیزیشن بھی اُس زمانہ میں خاصی تھی لیکن تاہم عام خیالات کی اِسقدر ترقی ہرگز نہ تھی کہ کل قوم کی تعلیم کا اُن لوگوں کو خیال گذرتا ٭

یورپ میں فرنچ رولیوشن سے قبل تعلیم قومی کے خیال کا بھی سان و گمان نہ تھا خود تعلیم قومی کا فی الحقیقت موجود ہونا تو چیز دیگر ہی لیکن فرنچ رولیوشن نے ہر ایک چیز کو یکمشت بدل دیا کہ انتظام تمدن جوکہ اُس سے پیشتر مروج تھا بالکل برباد ہوگیا پیشتر لوگ اس خیال ناقص میں گرفتار تھے کہ حکومت و اختیار اور تعلیم و تربیت صرف اعلی درجہ کے حقوق ہیں عوام الناس کو اِن نعمتوں

سے کچھہ سروکار نہیں لیکن بعد فرنچ رولیوشن کے لوگوں کی آنکھیں کھلیں سب نے اپنی غلطی کو قبول کیا اور تسلیم کیا کہ اعلی و ادنی درجہ کے حقوق برابر ہیں کسیطرح ایک کو دوسری پر فوقیت اور برتری نہیں — صرف یہہ خیال تعلیم قومی کی اصل جز ہی ملک فرانس میں تو یہہ شروع ہوا مگر چند عرصہ میں تمام روے دنیا پر پہیل گیا #

یورپ کی قوموں میں تعلیم قومی کے امر میں جرمنی کا سب میں اول درجہ ہی ۔ محاربہ سنہ ۱۸۱۵ ع کے اختتام کے بعد کل قوم کا یہہ ارادہ ہوا کہ اب امن چین سے بیٹہکر اپنے گہر کے بندوبست میں مصروف ہو جہئے سنہ ۱۸۱۸ ع میں گورنمنٹ وقت نے تعلیم قومی کے واسطے ایک قانون بنایا صرف اس مکمل قانون کا فیض ہی کہ آج جرمنی ترقی خیالات عوام الناس اور کثرت علوم و فنون حال و ماضیہ اور بندوبست و انتظام جنگی اور حسن و معاشرت میں یورپ کی کل قوموں سے اول اور افضل ہی دلی خوشی اور خواهش سے اہل جرمن نے اپنے ملک میں قومی تعلیم کی قلم لگائی تہی آج اُس کے ثمرہ سے حظ اُٹھا رہے ہیں اس جگہہ ہمکو جرمنی کے سررشتہ تعلیم کو بطور اختصار بیان کرنا فرض ہی #

جرمنی میں دس قسم کے مدرسہ ہیں (۱) ابتدائی مدرسے یہہ مدرسے کل قصبات اور دیہات میں ہیں (۲) تجارتی مدرسے ان میں فن تجارت کی تعلیم ہوتی ہی (۳) وہ مدرسے جہاں زبان اور علوم و فنون حال و ماضیہ کی تعلیم ہوتی ہی (۴) وہ مدرسے جہاں ابتدائی مدرسوں کے واسطے معلم تیار کئے جاتے ہیں (۵) کالج (۶) وہ مدرسہ جنمیں کل اقسام کا حرفہ اور کسب سکہایا جاتا ہی (۷) وہ مدرسہ جہاں فن عمارت سکہایا جاتا ہی (۸) وہ مدرسہ جہاں معدنیات وغیرہ کی تعلیم ہوتی ہی (۹) وہ مدرسہ جہاں علم فلاحت کی تعلیم ہوتی ہی (۱۰) یونیورسٹی — ابتدائی مدرسوں میں تعلیم جبراً دی جاتی ہی کل والدین کو قانوناً فرض ہی وہ اپنی اولاد کو ابتدائی مدرسوں میں داخل کریں خواہ اُنہیں خرچ تعلیم ادا کرنے کا مقدور ہو یا نہو تجارتی مدرسوں میں لاطینی اور علم ہندسہ پڑہایا جاتا ہی کوئی طالبعلم یونیورسٹی میں نہیں داخل ہوسکتا تاوقتیکہ وہ کالج کے آخری امتحان میں حکام کالج کے حسب دلخواہ کامیاب نہو جاوے علی هذالقیاس کوئی شخص مدرسہ حرفہ میں نہیں داخل ہو سکتا یا عہدہ ہاے گورنمنٹ پر نہیں معمور ہوسکتا جب تک کہ وہ امتحان مذکورہ بالا میں بخوبی کامیاب نہو جاوے جو لوگ صرف بنظر طالبعلمی تحصیل علم میں مصروف ہوتے ہیں اُن کو فرض ہی کہ یونیورسٹی کی بہی تعلیم پاویں ورنہ اُن کو تمغہ طالب علمی نہ ملیگا #

یونیورسٹی میں چار برس تک تعلیم ہوتی ہی اور یہہ انتہائی تعلیم ہی #

یونیورسٹی میں کل علوم و فنون جدیدہ و ماضیہ میں درس ہوتا ہی یونیورسٹی کی تعلیم میں قریب ڈیڑہ سو روپیہ کے خرچ ہوتا ہی کیا عمدہ قاعدہ مقرر کیا ہی کہ غریب طلباء کو جو بسبب افلاس کے خود اخراجات تعلیم یونیورسٹی ادا نہیں کر سکتے زر یونیورسٹی سے اس شرط پر قرض ملجاتا ہی کہ جب کبھی وہ اپنی تصنیف سے فائدہ اُٹہاویں زر قرضہ ادا کریں کل معلموں کا قبل نوکری کے امتحان ہوتا ہی اور صرف وہی چیدہ اشخاص نوکر ہو سکتے ہیں جن کو بعد امتحان کے سند معلمی ملجاتی ہی #

برعکس جرمنی کے ملک فرانس جہاں سے تعلیم قومی کے خیال نے اصل نشو و نما پائی صرف خیال ہی خیال میں مبتلا رہا ابہی اُس خیال کو عمل میں لاکر تعلیم قومی سے مستفید نہیں ہوا اگرچہ اسقدر اُس ملک میں بہی ہوا کہ اعلے اور ادنے درجوں میں جو تمیز و فرق قدیم زمانہ سے مروج تہا موقوف ہوگیا اور کل باشندوں کے حقوق برابر تصور کئے گئے مگر اس میں اور تعلیم قومی میں زمین آسمان کا تفاوت ہی تعلیم قومی میں فرانس آج تک کامیاب نہوا فرانس میں تعلیم قومی کا سب سے زیادہ جوش و ولولہ سنہ ۱۸۳۲ ع میں ہوا تہا ہر ایک اسی طرف متوجہہ تہا جس جگہہ دیکہو یہیکا چرچا تہا گورنمنٹ وقت نے بہی تعلیم قومی کی ضرورت کو تسلیم کیا اور اس مدعا کے حصول کے واسطے ایک نہایت عمدہ قانون بنایا اگر وہ قانون آج تک جاری رہتا تو اس وقت فرانس میں ہر کہ و مہ مرد و زن عالم ہوتا لیکن وہ زمانہ شاہ لوئی فلپ کا تہا وہ سن رسیدہ اور آزمودہ کار بادشاہ خود عالم تہا علم دوست تہا اور تعلیم قومی کو بدل مربی رہتا تہا لیکن ملک فرانس کی یہہ بد بختی ہی کہ کوئی گورنمنٹ عرصہ دراز تک قایم نہیں رہتی کوئی حکومت پائدار نہیں ہوتی لوئی فلپ کی بہی بادشاہت غارت ہوگئی اور اُس کے ساتہہ وہ قانون اور تعلیم قومی کا انتظام برباد ہوگیا بعد اُس لایق بادشاہ کے شاہ نیپولین کے دور دورے ہوئے اُن کے عہد میں تعلیم قومی اور اصل ترقی و بہبودی قومی کی طرف کچہہ توجہہ نہوئی سب لوگ ظاہری دہوم دہام اور کروفر میں مبتلا ہوگئے نتیجہ اِس غفلت کا یہہ ہوا کہ دیہات کے قریباً کل باشندے اور شہروں کے بیشتر آج تک جاہل مطلق اور نیم تعلیم یافتہ ہیں اپنے کردار کے اعمال سخت کو بہگت رہے ہیں #

تعلیم قومی کے بارہ میں انگلستان یورپ کی کل قوموں سے ہمیشہ پیچہے رہا ہی وجہہ اِسکی یہی ہی کہ اِس ملک میں رعیت کو منظور نہ تہا اور اب بہی منظور نہیں ہی کہ امور تمدن اور کاروبار معاشرت میں گورنمنٹ کسی نوع کی مداخلت کرے اِس قسم کے امور سے گورنمنٹ کو کچہہ سروکار نہیں ہوتا خود باشندے ہر ایک چیز کا انتظام کرتے ہیں انگلستان میں علی العموم تعلیم کی قلت کو متعدد اشخاص تسلیم کرتے آئے ہیں اور اِس کمی کے دور کرنے کے واسطے اکثر لوگوں نے متفق ہوکر بہت تدبیریں اور کوششیں بہی کی ہیں — حال ہی کی صدی کے ابتدا میں بل اور لانکاسٹر نے تعلیم کی طرف توجہہ کی اور اُس کے انجام کے واسطے ہر طرح کی سعی اور کوشش کی اُن کی تحریک سے فایدہ تو بیشک ہوا لیکن جسے تعلیم قومی کہتے ہیں اُس کے حاصل کرنے میں مطلق کامیاب نہوئے اب بہی متعدد ایسی عمارتیں موجود ہیں کہ شروع صدی رواں میں تعلیمی مقصد سے تعمیر کی گئی تہیں اور اُس زمانہ کے لوگوں کی تعلیم قومی کے جوش و ولولے کی مصداق اور گواہ ہیں #

تعلیم قومی

ایک عمارت اِس قسم کی شہر مانچسٹر میں ہی جو کہ خود مشہور و معروف جوزف لانکاسٹر کے تحت انتظام میں تعمیر ہوئی تھی یہہ مدرسہ ایسا کامیاب ہوا کہ اب اس میں ایک ہزار طالبعلم کی روز مرہ اوسط حاضری ہوتی ہی متعدد جلسے اور انجمن تعلیمی اِس غرض سے قائم کیئے گئے *

اِس زمانہ کے کل مدرسہ اور تعلیم گاہ پادریوں اور مذہبی شخصوں کی امداد سے جاری ہوتے تھے مفصل کے جس دیہہ اور قصبہ میں پادری چالاک اور ہوشیار ہوتا تھا فوراً اہل مذہب کو جمع کر چندہ عام سے ایک مختصر عمارت بناکر تعلیم ابتدائی شروع کردیتا تھا اسی طریقہ سے مفصل میں ابتدائی تعلیم جاری ہوگئی بڑے بڑے شہروں میں بھی یہی حال تھا متعدد امدادی مدرسے اور تعلیم گاہیں مختلف جلسوں اور انجمنوں کے تحت انتظام میں لوگوں کو علم کا فیض پہنچانے لگیں رفتہ رفتہ تمام ملک میں اِس قسم کے مدرسہ اور تعلیم گاہیں اِسقدر کثرت سے ہوگئیں کہ ادنی درجہ کے قریباً کل باشندے تعلیم یافتہ ہونے لگے اِس قسم کی تعلیم من ابتداے سنہ ۱۸۱۲ع لغایت ۱۸۲۴ع متواتر جاری رہی —— اگرچہ یہہ تعلیم کسی طرح تعلیم قومی تو نہیں کہی جاسکتی مگر تاہم ایک نوع کی تعلیم تھی اور نہونے سے ہزار درجہ بہتر تھی *

یہاں تک تو تعلیم کے حق میں گورنمنٹ ملک نے مطلق کچھہ نہ کیا جو کچھہ ہوا باشندوں کی ذاتی سعی اور کوشش سے ہوا لیکن سنہ ۱۸۳۲ع میں حکام وقت کی تعلیم قومی کی طرف توجہہ ہوئی لیکن گورنمنٹ کی اِس توجہہ سے کچھہ بہت فائدہ نہوا جو اشخاص اُس زمانہ میں تعلیم کے کاروبار کا سرانجام کرتے تھے ان سے گورنمنٹ نے عہد و پیمان کیا کہ در صورت مکتفی نہونے زر چندہ کے خزانہ شاہی سے بقدر ضرورت زر مدد بنظر امداد حسب درخواست بلا شرایط ملجایا کریگا گرچہ گورنمنٹ کی مداخلت اور شرکت سے نہایت قلیل فائدہ ہوا لیکن یہہ معلوم ہوجاتا ہی کہ حکام وقت کی بھی توجہہ اِس جانب تھی اور انکو بھی تعلیم کا عمدہ انتظام بدل منظور تھا کیونکہ دس برس بعد پارلیمنٹ نے فیکٹری ایکٹ یعنی قانون کارخانہاے سرکاری جاری کیا اِس قانون سے تیرہ برس سے کم عمر لڑکوں پر جو سرکاری کارخانوں میں مختلف کاموں پر نوکر تھے ابتدائی تعلیم فرض کی گئی اگرچہ گورنمنٹ کی جبراً مداخلت سے اکثر اشخاص اول اول خوب ناراض ہوئے لیکن کچھہ مدت گذرنے کے بعد سب نے اُسکی ضرورت اور فائدہ کو تسلیم کیا اِسکے بعد سنہ ۱۸۴۶ع میں پھر گورنمنٹ اِس طرف متوجہہ ہوئی اور ایک تعلیمی قانون جاری کیا سال آیندہ میں سرجیمز کے شٹلورتھہ اور اُن کے ساتھیوں کی سعی و کوشش سے پرائیوی کونسل میں ایک سررشتہ تعلیم بھی مقرر ہوا —— اِس قانون سے فی الحقیقت انجمن اور جلسہاے موجودہ کو نہایت مدد ملی اِس زمانہ سے انگلستان میں بھی تعلیم قومی کا جوش و ولولہ شروع ہوا ذی لیاقت اور ذی رتبہ شخصوں کی اِس طرف توجہہ ہوئی گورنمنٹ وقت اور رعیت نے اِس مدعا کے حصول کے لیئے متفق کوشش کرنی شروع کی متمول لوگوں نے اپنا مال اور اہل لیاقت نے اپنی لیاقت اس طرف دلی خوشی سے صرف کی بہت تھوڑے عرصہ میں چاروں طرف مدرسہ ہی مدرسہ ہوگئے اور اس خوبی اور حسن انتظامی سے تعلیم ہوئی کہ چند مدت میں قریبا کل اعلی درجہ کے لوگ اور اکثر متوسط درجہ کے اشخاص اور کسیقدر عوام الناس تعلیم یافتہ ہوگئے *

روز بروز اِس بندوبست کو ترقی ہوتی گئی جگہہ بجگہہ نئے مدرسہ اور مکتب جاری ہوتے گئے باوجود اِس حسن انتظامی اور ترقی کے ایک نقص باقی رہ گیا یعنی رعیت کے ذاتی چندہ اور امداد سرکاری میں کچھہ ایسی بےربطی رہی کہ بعض مقام میں تو تعلیم گاہیں بخوبی جاری ہوگئیں اور حسب دلخواہ کام چلنے لگا اور بعض جگہہ مدرسوں کی قلت رہی اور کام بھی ناقص انجام ہوا بعض جگہہ تو ضرورت سے زیادہ مدرسے قایم ہوگئے اور بےفائدہ اخراجات زائد ہوگئے اور بعض مقام پر بالکل مدرسے نہ بن سکے اور لوگوں کو تعلیم نہوسکی *

چنانچہ فی الحال بکثرت ایسے اضلاع ہیں کہ جہاں کوئی مدرسہ نہیں ہی اور وہاں کے باشندے مطلق تعلیم نہیں پاتے اور متعدد ایسے شہر ہیں کہ جہاں بسبب کثرت آبادی کے زر چندہ اور امداد سرکاری دونوں کافی نہوئے لہذا کل باشندوں کو تعلیم نہوسکی قطع نظر کمی و بیشی روپیہ کے سب سے بڑا نقص یہہ تھا کہ سب لوگ بطور خود تعلیم سے مستفید نہوتے تھے بکثرت ایسے اشخاص تھے کہ وہ اپنی اولاد کو مدرسہ میں نہ داخل کرتے تھے اور کوئی ایسا قانون اُس زمانہ تک جاری نہوا تھا جس سے اولاد کا مدرسوں میں داخل کرنا والدین پر فرض ہوتا یہہ سب موانع اور اُنکے سوا اور بہت جنکا بیان کرنا ناحق طول عمل ہوگا تعلیم قومی کے حصول کی راہ میں حارج آتے تھے اِن سب کے رفع دفع کرنے کی غرض سے سن گذشتہ میں گورنمنٹ نے ایک مکمل تعلیمی قانون جاری کیا جو ملک جرمنی میں سنہ ۱۸۱۸ع میں ظہور میں آیا تھا وہ انگلستان میں آج ہوا *

حال مذکورہ بالا سے معلوم ہوگا کہ تعلیم قومی کا خیال فی الحقیقت حال کی ایجاد ہی لیکن تاہم سب قومیں اِسکے حصول میں بدل و جان کوشش کر رہی ہیں *

ہمیں خوف ہی کہ اگر باشندگان ہندوستان بھی اِس مہم عظیم کے نتیجہ کے حاصل کرنے کے لیئے بدل و جان سعی اور کوشش نکرینگے اور گورنمنٹ ہندوستان رعیت کی سعی اور کوشش کی کامیابی کے لیئے بہ نیک نیتی اور بصدق دلی امداد نکریگی تو ہندوستان یقناً اِس نعمت عظمی سے محروم رہ جاویگا *

راقم
خداداد

بمقام علیگڈہ —— مطابع علیگڈہ انسٹیٹیوٹ میں چھپا اور باہتمام
منشی محمد مشتاق حسین شایع ہوا

THE MOHAMMEDAN SOCIAL REFORMER

تهذيب الاخلاق

جلد دوم] يكم ربيع‌الاول سنة ۱۲۸۸ هجري [نمبر ۵

بسم‌الله الرحمن الرحيم

اطلاع

جسقدر روپيه بابت اِس پرچه كے بطور چندة خواة بطور قيمت وصول هو وة كسي خاص شخص كي ملكيت نهوگا بلكه اِس پرچه كے اجرا و ترقي ميں صرف كيا جاويگا *

مسلمانوں ميں سے جو شخص ساتهه روپيه سالانه پيشگي بطور چندة دے وة اس پرچه كے متعلق معاملات ميں ممبر متصور هوگا *

علاوة اِس كے جو شخص كچهه روپيه بطور ڈونيشن دے وة بشكر گذاري قبول ليا جاويگا *

يهه پرچه هر مهينے ميں ايک بار يا دوبار يا تين بار جيسا كه مقتضاے مضامين هوگا چهپا كريگا خريداروں كو تين روپيه قيمت اور ايكروپيه آتهه آنه محصول جمله چار روپيه آتهه آنه پيشگي بهيجنے هونگے *

اگر كوئي شخص كوئي خاص پرچه خريدنا چاهے گا اُس كو في پرچه چار آنه قيمت اور ايک آنه محصول دينا هوگا *

ممبروں كو بلا قيمت يهه پرچه مليگا اور اُن كو اُس كے تقسيم كا بلا قيمت جسكو وة چاهيں اختيار هوگا *

اِس پرچه ميں بجز مضامين متعلق تهذيب اخلاق و حسن معاشرت كے جهاں تک كه وة مسلمانوں سے متعلق هيں اور كچهه مندرج نهوگا *

مضمون نمبر ۳۵

حكايت

ايک نادان خدا پرست اور دانا دنيادار كي

كيا عجيب بات هى اَن هوئي اور اَن سني —— دو شخص پچهلي رات كو جنگل ميں چلے جاتے تهے صبح هونے هي كو تهي كه اُنكے سامنے روشني كا ايک شعله نمودار هوا اُنهوں نے كها كه يهه كيا هى شعله ميں سے آواز آئي كه ميں خدا هوں ميرے سوا كوئي خدا نهيں تب تو يهه دونوں گهبرائے اور ننگے پاؤں هوكر آگے بڑهے قدموں كو هاتهه لگايا اور هاتوں كو چوما اور كها كه اے پيارے خدا هم تو تجهكو ملكوں ملكوں ميں ڈهونڈتے پهرے مگر تو تو همارے پاس هي نكلا اب هم پر مهرباني كر *

شعله ميں سے آواز آئي كه تمهاري دعا قبول هوئي كل صبح كو نور كے تڑكے تم دونوں ميں سے ايک اِس پهاڑ پر اور دوسرا اِس دوسرے پهاڑ پر جو دكهائي ديتے هيں آ حاضر هو جو تمهاري تمنا هوگي دي جاويگي *

حكايت

سارا دن اور ساري رات دونوں كو بيقراري ميں گذرا اور هر ايک اپنے دلميں مشوربے كرتا رها كه كيا مانگوں كيا مانگوں اتنے ميں وقت آپهونچا اور يهه دونوں اپنے اپنے پهاڑوں پر جا حاضر هوگئے اتنے ميں جهاڑي چمكنے لگي اور خدا كي آواز آئي دونوں لبيک لبيک كهه كر چلا اٹهے جهاڑي ميں سے آواز آئي جو مانگنا هو مانگو خدا پرست نے كها كه مجهكو اپني محبت اور چند روزه دنيا كي مزخرفات سے نفرت دے دنيادار نے كها كه مجهكو نيک كاموں كے ليئے دنيا دے خدا كے هاں كس بات كي كمي اور كاهيكي دير تهي جو اُنهوں نے كها وهي هوگيا وه دونوں پهاڑ پر سے اپنے اپنے گهر آئے ايک خدا كي محبت سے نهال اور دوسرا دنيا كي جاه و حشمت سے مالا مال *

خدا پرست خدا كي محبت ميں چور تها اور اپنے دوست دنيادار كے حال پر افسوس كرتا تها كه كس طرح دنيا كے كاموں ميں مصروف هى اور اسكو خدا كي عبادت اور زهد و تقوي كے سوا اور كچهه كام نه تها مگر دنيا كي طرف سے نهايت عاجز اور ذليل كبهي كبهي ركراه دينے كا جو ثواب هى اُسكے حاصل كرنے كي خواهش هوتي تهي مگر مقدور نه تها كه اُس دولت كو حاصل كرے حج كرنے كا شوق دلميں اُٹهتا تها الا بےاستطاعتي كے سبب سے مجبور تها اپني قوم كو خدا پرست هونے كي راه بتاتا تها مگر بےاستطاعت اور بےمقدور قوم كيا كرے ـــ پراگنده روزي پراگنده دل ـ كسي سے كچهه بن نهيں آتا تها *

اِن بيچاره كا يهه حال كه نان شبينه كو محتاج كپڑا بدن پر نهيں جس سے ستر ڈهانكيں روٹي كهانے كو نهيں كه بدن ميں عبادت كي طاقت آوے چار ناچار شهر چهوڑنا پڑا لوگوں سے كناره گزيں هونے پر مجبور هوا جنگل ميں جا بسيرا كيا وحوش و طيور سے جا صحبت كو گرم كيا دنيا اور دنيا كے كاموں سے نفرت كي اور خدا اور خدا كي محبت سے الفت كي *

فاقے پر فاقے هوتے تهے مگر يهه شير خدا كي محبت سے سير تهے مگر جب تين تين دن كے فاقے گذرنے لگے تو مردار كهانے يا ايک ٹكڑا روٹي كا مانگنے پر مستعد هوئے لكڑي ٹيكتے ٹيكتے پاؤں لڑكهڑاتے كسي گانوں گنوئيں ميں جاتے هيئت مبارک ديكهكر گانوں كے كتے پيچهے پڑتے يهه بيچارے خدا پرست كتوں سے بچتے بچاتے هشت هشت كرتے كسي كے دروازه تک پهونچتے كسي نے ديا تو لےليا ورنه دوسرا دروازه جا ديكها جب قوت لايموت جهولي ميں آيا پهر اُس سے زياده سوال كرنا حرام سمجها كسي كنوئيں كے كناره پر بيٹهے سوكهے بهيک كے ٹكڑے چبائے كسي چلتے كنوئيں پر جا كهڑے هوئے پاني كے دو چلو پي ليئے خدا كے نور كے شعلے سينه ميں بهڑكتے تهے مگر نكل نه سكتے تهے جس سے دنيا روشن هو *

رفته رفته اُنكي بزرگي كا شهره پهيلا دور و نزديک كے لوگوں نے زيارت كا قصد كيا لوگ جمع هونے لگے منتيں ماننے لگے هر ايک نے اپنے مطلب كي دعا منگواني چاهي كسي نے بيٹے كي خواهش كي كسي نے دولت چاهي كسي نے روزگار كي تمنا كي كسي نے تجارت كي ترقي كي آرزو كي اِن كو تو دنيا كي باتوں سے نفرت تهي لاٹهي لے سامنے هوئے لوگوں كو سمجهانے لگے دنيا چند روز هى اُسكے ليئے كيوں واويلا كرتے هو واويلا كے لايق تو دين كي باتيں هيں دنيا كو چهوڑو اور دين كي باتيں پكڑو *

عقلمند اور نيک بخت آدمي اُنكو بهت بزرگ سمجهتے تهے مگر اُنكي نصيحتوں سے متعجب هوتے تهے كه اگر سچ مچ ديندارى يهي هى تو دنيا كا كيا حال هوگا اور دنيا كا كيونكر كام چليگا پيغمبر كا بهي زمانه گذرا صحابيوں كا بهي زمانه گذرا كسي نے دنيا كو نهيں چهوڑا مگر دنيا كو دين كے ليئے برتا وه احكام شرعي كو بجالاتے تهے كينه و بغض و حسد سے دلكو صاف ركهتے تهے دغا و فريب اور جهوٹ سے بچتے تهے اور اچهے خاصے دنيادار تهے مولوي روم نے بهي يهي كها هى

چيست دنيا از خدا غافل بودن
نے قماش و نقره و فرزند و زن

طوطي كي طرح الله الله جپنا اور ياهو كبوتر كي مانند غٹر غوں غٹر غوں كرنا الله كي ياد نهيں هى بلكه اُس نے جو چيزيں همكو مرحمت كي هيں اُنكو اُسي كے كام ميں صرف كرنا خدا كي ياد هى عقل همكو خدا نے اِس ليئے دي هى كه اُسكي صنايع و بدايع پر غور كريں اُسكي عجائب قدرت كو ديكهيں اور اُسكے وجود ازلي و ابدي بےضد و ند پر يقين كريں آنكهه ناک حس وحركت اِس ليئے بخشي هى كه همارى عقل كے مصاحب اور مددگار هوں نطق همكو اِس ليئے ديا هى كه هم اَوروں كو اپنے خيالات كا فائده پهونچاويں مال و متاع اِس ليئے همارے ليئے مهيا كيا هى كه هم خود بهي اُس سے فائده اُٹهاويں اور اَوروں كو بهي فائده پهونچاويں يهه كيسا وحشيانه طريقه هى جسميں اپني ذاتي غرض كے سوا اور كچهه مد نظر هي نهيں *

گر ان گليم خويش بروں مي برد زموج
من سعي ميكنم كه بر آرم غريق را

بهتيے دس پانچ سو پچاس آدمي جو اُنهي سے بيوقوف تهے خدا پرست صاحب كے گرد هوئے دنيا كو اپنے خيال كے موافق چهوڑ چهاڑ دهوني رما مسلمان جوگي جي كے ساتهه هوليئے اور دنيا كے عيش

آرام اور اُسکے کار و بار کو ترک کرکر بیھدا کی خیالی محبت میں سرشار ہوگئے *

اب خیال کرو ان بزرگواروں سے اِسلام نے کیا عزت پائی اور اُنکے حال سے اسلام کی صورت کیسی دیکھائی دی — اسلام ایسا دکھائی دیا جیسے ایک ضعیف پیر مرد بزرگ پر کرکھایا ہوا میلا بدن ٹوٹے دانت ھتی پر چمڑا چمٹا ہوا کنپٹیاں بیٹھی ہوئیں پیٹ پیٹھہ سے ملا ہوا کمر کبھڑی ٹانگیں ٹیڑی ہاتھہ پاؤں کانپتے ہوئے لڑکھڑا لڑکھڑا لاٹھی ٹیک ٹیک ایک قدم آگے دھرا اور کپکپا کر دو قدم پیچھے ھٹ گیا پھٹی گدڑی پڑی ہوئی ادھر سے ران کھلی ادھر سے چوتڑ کھلے جدھر گئے اودھر ہزاروں مکھیاں چمٹ گئیں اودھر کتے بھوں بھوں کرکر پیچھے پڑگئے جس قوم کے سامنے سے نکلے اُس نے نفرت کی ہر طرف سے دور دور ہٹے ہٹے کی آواز سنی اور ذلت کے لیئے مسلمان دنیا میں ضرب المثل ٹھہرے سبحان اللہ ان نادان خدا پرست نے خوب اسلام کی صورت دیکھائی اور نہایت اُسکی عزت بنائی *

اب دنیا دار صاحب کا حال سنیئے جب وہ گھر آئے دوست آشنا بھائی بند جمع ہوئے لعنت ملامت کرنے لگے کہ دنیا کا لالچی دنیا کا کتا ایمان اسلام سے بے بہرہ دنیا کے عیش و آرام میں غرق اور اُسی کا طالب دین کے بدلے دنیا لیکر آیا ہی *

یہہ بیچارہ جب اُن جاھلوں سے کیا کہے اپنے دل میں کہتا ھی کہ میں نے تو نیک کاموں کے لیئے دنیا لی ھی اگر دنیا کو نیک کاموں کے لیئے برتا جاوے تو وہ تو ہزاروں زھد و تقوی اور جنگل میں بیٹھنے اور مالا جپنے سے بہتر ھی *

خدا نے جو کچھہ ھم پر فرض کیا ھی وہ بہت تھوڑا ھی اگر ھم " واللہ لازید ولاانقص " کے مضمون پر یقین کریں تو صرف فرایض کے ادا کرنے سے قطعی بہشتی ہیں باقی رہی اوپر کی نیکی وہ نادان خدا پرست بننے سے حاصل نہیں ہوتی ھمکو دینداری کے لیئے دنیا کے کاموں میں مصروف ہونا چاہیئے محرمات شرعیہ سے بچنا اور مباحات شرعیہ کے مزے اڑانا اور دنیا کو نیک کاموں میں برتنا یہی سب سے بڑی نیکی اور اصلی خدا کی عبادت ھی *

پھر وہ اس سوچ میں گیا کہ اسی قوم پر خدا کی خفگی اور خدا کی لعنت ہونے کی کیا نشانی ھی ہرچند سوچتا تھا کچھہ سمجھہ میں نہ آتا تھا لوگوں سے پوچھتا تھا پر تشفی نہ پاتا تھا آخر ایک دن قران مجید پڑھتے پڑھتے یہودیوں کے حال میں یہہ آیت اُس نے پڑھی " و ضربت علیھم الذلۃ والمسکنۃ و باؤابغضب من اللہ " یہہ پڑھتے ھی وہ چلا اوٹھا کہ پالیا پالیا بےشک دنیا میں قومی ذلت خدا کے غضب کی نشانی ھی دنیا میں غریب مسکین محتاج ہر قوم میں ہوتے ھیں مگر جب قومی ذلت اور قومی مسکنت دنیا میں ہو جاتی ھی تو وہ ٹھیک نشانی خدا کے غضب اور خدا کے لعنت کی ہوتی ھی *

اب تو اسکا دل ھیر ہوا اور ڈھارس بندھی اور کہا کہ بےشک میں نے اُس نادان خداپرست سے اچھا کام کیا ھی میں نے تو نیک کاموں کے لیئے دنیا کو اختیار کیا ھی آخر میں دنیا ھی سے دین کو لے لونگا اور ایسے ایسے لنگڑے لولے بوڑھے ٹھیڑے نادان خداپرستوں کو کوڑی کوڑی پر خرید کر پھینک دونگا پر اے خدا جیسے کہ تونے میری دعا قبول کی ھی میرے ساتھہ رہ اور نیک کاموں میں دنیا کو برتنے دے *

اب وہ اس سوچ میں گیا کہ اس دنیا کو کیونکر نیک کاموں میں برتوں سب سے پہلے یہہ خیال کیا کہ بھوکوں کو روٹی اور ننگوں کو کپڑا دو پھر اپنے دل میں کہا کہ بات تو اچھی ھی کرنی تو چاھیئے پر اس سے قومی ذلت تو نہیں جاتی جو خدا کے غضب کی نشانی ھی *

پھر سوچا کہ حافظ نوکر رکھکر قرآن بہت سے پڑھواؤ لوگوں سے چلہ کھنچواؤ ختم خواجگاں کرواؤ بخاری شریف کی منزلیں پڑھواؤ پھر ہنسا کہ اس سے کیا فائدہ ایک کا کھایا دوسرے کے پیٹ میں کب آتا ھی *

پھر سوچا کہ سب سے عمدہ یہہ بات ھی کہ مسجدیں بنواؤ اور ٹوٹی مسجدوں کی جو خدا کے گھر ھیں مرمت کے لیئے روپیہ اکھٹا کرو اور جھاڑ فانوس روشن کرو پھر ہنسا اور کہا کہ زندہ خدا کے زندہ گھر یعنی قوم کے دل ٹوٹے پڑے ھیں دل کی آنکھوں کے پھوٹ جانے سے بے نور ہو رہے ھیں مسجد کس کے لیئے بناؤں اور چراغ کس کے لیئے جلاؤں *

پھر سوچا کہ مکہ شریف روپیہ بھیجدو وہاں کے غریبوں پر بانٹو ایک ایک کے لاکھہ لاکھہ ملینگے روپیہ بھیجکر حاجیوں کے لیئے رباطیں بنواؤ اور خیر جاری کا ثواب کماؤ پھر ہنسنے لگا کہ کیا بیوقوفی کی بات ھی جہاں شدید ضرورت ھی وہیں روپیہ خرچ کرنے سے زیادہ ثواب ھی دیکھنا چاھیئے کہ جو ضرورت مکہ میں پہلے تھی وہ اب بھی ھی یا نہیں ہمارے ملک اور ہماری قوم میں جو ضرورت ھی وہ اُس سے زیادہ ھی رباطیں بنوانے اور متولیوں کی آمدنی کردینی بری نہ سہی مگر جب ہماری قوم کے گھروں پر چھپر نہیں ھیں تو مکہ میں رباطیں بنوانے سے کیا منفعت ھی *

ایک صاحب اوٹھے کہ اجی سب سے عمدہ یہہ بات ھی کہ غریبوں کو جہاز کرایہ کردو اور مکہ حج کو بھیجدو اُس نے کہا کہ ہاں اپنی

تو بڑي نيك‌نامي هى مگر خدا كے نزديك تو پشيماني هى خدا نے جسپر جو بات فرض نهيں كي ميں أسپر فرض كرنے والا كوں *

بڑے خيرخواه اور عقلمند جو تهے وه أٹهے كه مياں عربي كا مدرسه قايم كرو قال‌الله وقال‌الرسول كا ڈهر ڈهگو حديث تفسير فقه پڑهاو همارے هاں كي معقول منطق حكمت فلسفه ڈهوبي جاتي هى أسكو بلي لگاو مگر يهه شخص سونچا كه علوم دينيه قوم كے زيور هيں مگر جب قوم هي نهيں تو وه زيور كون پهنے گا پراني حكمت اور فلسفه كو اب كوڑي كو بهي كوئي نهيں پوچهتا أس سے قومي ترقي اور قومي عزت كي كيا توقع هى *

غرضكه سب كي باتيں أسنے سنيں اور كها كه يهه سب مكر كي باتيں يا شيطان كا نيكي كي صورت ميں جلوه افروز هوكر دهوكے ميں ڈالنا هى اِن سب كو چهوڑو اور نيك نيت سے خدا پر بهروسا كركے قومي عزت اور قومي ترقي كي فكر كرو اور اصلي نيك كام ميں دنيا كو برتو *

أس نے سمجها كه پهلا سب سے بڑا سبب قومي ذلت كا آپسميں همدردي كا نهونا هى ميري قوم خودغرضي كي بيماري ميں مبتلا هى اپنے فائدے كے ليئے هزاروں محنتيں كرتے هيں اور اچها كپڑا پهنے اور چين سے سونے اور هنس هنس كر ميٹهي ميٹهي باتيں بنا دينے كو تمام اخلاق اور لياقت كا منتها سمجهتے هيں قوم كي بهلائي اور رفاه عام كي طرف مطلق توجهه نهيں هى أس نے اِس بيماري كو كهونا چاها اور فرض پنجگانه ادا كرنے كے بعد قران كي تلاوت اور اوراد مندوبه اور اعمال مشايخ كے بدلے اپني قوت لساني اور مراقبه قلبي كو اِس طرف متوجهه كيا خلوت ميں اسباب كي فكر كي كه يهه بيماري كيونكر جاوے جلوت ميں پند و نصائح تقرير بيان سے اسي بات كا چرچا اگرچه بهت سي نااُميدياں أسكو پيش آتي گئيں الا اپنے اراده ميں مستحكم اور ثابت قدم رها اور يهه سمجها كه اِس كام ميں جتنا ميرا وقت صرف هوتا هى وه أس مندوب عبادت سے جسكو لوگ عبادت سمجهتے هيں كچهه كمتر عبادت ميں صرف نهيں هوتا *

أسنے بقدر اپني طاقت كے مسائل شرعيه اور حقائق و معارف قران و حديث پر غور كيا أسنے ديكها كه علماے سابق نے اپنے زمانه كے علم كے موافق بهت سي باتيں ايسي كهي هيں جو زمانه حال ميں يقيني غلط اور جهوٹي ثابت هوئي هيں اور تمام مسلمانوں نے أن علما كے غلط اقوال كو مثل احكام شارع سمجهه ركها هى اور اِس سبب سے اسلام كو يهه مضرت پهونچي هى كه جو لوگ زمانه حال كے علوم سے واقف هوتے هيں وه مذهب اسلام كو غلط سمجهتے هيں حالانكه مذهب اسلام ميں غلطي نهيں هى بلكه أن علماء كے اقوال ميں غلطي هى چند روز تك تو أس نے أن علماء كا بڑا ادب كيا پهر وه سمجها كه علماء كے اقوال كا غلط هونا مذهب اسلام ميں كچهه نقص نهيں لاتا اگر بالفرض ابو بكر و عمر نے كسي بات ميں غلطي كي هو تو بهي مذهب اسلام پر كچهه داغ نهيں لگتا پهر اور بيچارے مولوي ملا كس شمار قطار ميں هيں تب أسنے علماء وقت كي خدمت ميں رجوع كي اور هرايك كے آگے هاتهه جوڑے ناك رگڑي كه خدا كے واسطے آپ اِن غلطيوں كے رفع كرنے پر مستعد هوجيئے يهه بيچاره خود جاهل صرف دو چار لفظ سے آشنا تها خود كيا كرسكتا تها مگر جب كوئي متوجهه نهيں هوا تب أسنے كها كه جو عقل خدا نے مجهكو دي هى أسكو كام ميں لانا اور اپنے خيالات كو دوسروں تك پهيلانا خاص ميري عبادت هى أسنے ملامت كرنے والوں كي ملامت كا ڈر نكيا اور اسلام كي محبت كو ابو حنيفه و شافعي مالك و حنبل كي محبت سے زياده سمجها اور نيك نيتي اور صرف اسلام كي محبت سے جو كيا سو كيا اور أس كے عوض اپنے هم مذهبوں سے جو سنا أسكو بكشاده پيشاني گوارا كيا *

أس نے بهادرانه طور سے مذهب كو عقل كے سامنے ڈالديا كه جس طرح چاهو جانچو سچا سچاهي هى أس نے مذهب كو حقائق موجودات سے موازنه كيا اور دنيا كو يهه دكهلانا چاها كه خدا كا قول يعني مذهب اور خدا كا فعل يعني فطرت موجودات دونوں ايك هيں جس سے ثابت هوتا هى كه دونوں كا مبداء ايك هي هى *

أس نے اپني قوم سے تعصبات اور پابندي رسومات اور اوهام مذهبي كے جو حقيقت ميں مذهب سے متعلق نه تهے چهوڑانے پر كوشش كي تاكه لغو خيالات سے لوگوں كے دل پاك هوں أسنے لوگوں كو اس بات پر رغبت دلائي كه اچهي باتيں جس ميں هوں أن كو لو اور بري باتيں جس ميں هوں أنسے پرهيز كرو جو علوم غير قوم اور غير مذهب كے لوگوں نے پيدا كيئے هيں بلا تعصب سيكهو جس زبان كے ذريعه سے وه علم آسكتے هوں خواه وه انگريزي هو يا فرانسيسي يوناني هو يا لاطني سب كو سيكهو اور اپني قوم ميں پهيلاؤ تاكه أن كو عجائبات قدرت الهي زياده تر معلوم هوں اور دنيا حاصل كرنے كي بهي لياقت هو *

صنايع و بدائع هر قسم كے جو كسي قوم ميں هوں أن كو اپني قوم ميں لانے كي كوشش كي تجارت كے اصول جو غير قوموں نے عمده طور پر قايم كيئے هيں أن كي اپني قوم ميں مروج هونے كي خواهش كي اور ان تمام باتوں سے يهه مقصود تها كه قوم كي مسكنت اور أسكے باعث سے جو ذلت هى وه رفع هو اور قوم آسوده حال هو اور اپني قوم كے لوگوں كو سنبهالے اور شعار اسلامي كو بچا لا سكے جس سے اسلام كو رونق هو *

اُس نے خیال کیا نہ طریقہ تمدن و معاشرت اگر خراب هی تو وہ بھی ذلت قومی کا باعث هی اُس نے اپنی قوم کے طریقہ معاشرت و تمدن کو ادنی ذلیل درجہ سے اعلی درجہ پر تبدیل هونے کی کوشش کی تا کہ اسلام پر سے یہہ دھبہ چھوٹنا دھبہ کہ خرابی معاشرت و تمدن کا باعث اسلام هی مٹ جاوے *

قوم کا معزز اور ذلیل نظر آنا اُن کے طریقہ لباس اور اکل و شرب اور چال و چلن اخلاق اور عادات پر بہت زیادہ منحصر هی اُسنے اُنکی درستی پر کوشش کی اور طہارت اور صفائی اور اوجلاپن اور لباس اور اکل و شرب کے طریقہ کو بہت اعلی اور عمدہ درجہ پر پہونچانا چاہا جس کے سبب سے اور قوموں کی نظر حقارت جو اسلامی قوم کے سے تھہ تھی وہ دور ھی اُس نے خوب غور کیا تھا کہ اسلام ایک مٹی کا پتلا بنکر دنیا کے سامنے نہیں آسکتا وہ اُس کے پیرووں کی خصلت اور افعال سے دکھائی دیتا هی پس اُن کا طریقہ زندگی ایسا عمدہ و پاک صاف کیا جاوے جس سے اسلام کی جو اصلی صورت هی دنیا کو نظر آوے *

فرض کرو کہ یہہ سب خواهشیں پوری هو گئیں تو انکی بدولت اسلام کی کیسی صورت دکھائی دی — ایسی دکھائی دی جیسے ایک نورانی فرشتہ جس نے رحمت کے پر پھیلا کر تمام عالم کو اپنی رحمت سے ڈھانپا هی پس بڑی نادانی اور کم سمجھی کی بات هی جو دنیا دار کے ان کاموں کو دنیا کے کام سمجھے اور دین خدا کی عبادت نہ جانے *

راقـــــــم
سید احمد

نمبر ۳۶

دين كي تحريف

ابتداے پیدایش آدم علیہ السلام سے شیوع اسلام تک جتنے دین جاری هوئے اور جتنی شریعتیں قایم هوئیں اور جنکا علم همکو هی اُنکی نسبت یہہ سمجھنا کہ هر ایک دین اور هر ایک شریعت ایک زمانہ معین تک جاری اور قایم رهی اور جب اُسمیں تحریف نے راہ پائی اور اُس دین کے قبول کرنے والوں نے اُسکو اپنی اصلی حالت پر نرکھا تب خدا نے بذریعہ دوسرے پیغمبر کے دوسری شریعت قایم کی بہت آسان هی لیکن اُن اسباب کا سوچنا جنسے دین میں تحریف هوئی اور اُن وجوہ کو سمجھنا جنسے شریعت اپنی اصلی حالت پر نہ رهی نہایت هی مشکل هی اور اُن سب باتوں سے واقف هوجانا اِنسان کی قدرت سے باهر هی اِسیواسطے بہت هی تھوڑے لوگ گذرے هیں جنھوں نے اِس طرف توجہہ کی هو یا اُن وجوہوں اور علتوں کو لکھا هو بلکہ بعضوں نے تو ایسے اسرار اور حکمتوں میں غور کرنے هی کو برا جانا هی اور بعضوں نے اُسکو قدرت بشری سے خارج سمجھکر لغو محض تصور کیا هی اور بعضوں نے پچھلے بزرگوں کو ایسی باتوں پر متوجہہ نہ دیکھکر اُسکو بدعت خیال کیا هی لیکن حقیقت میں نہ اُن باتوں پر غور کرنا برا هی اور نہ لغو اور عبث هی اور نہ بدعت هی بلکہ وہ چیز جس سے حکیم مطلق کی کامل حکمت کا دلپر یقین هووے اور خدا کے احکام کے معلل بالمصالح هونے پر اعتقاد هووے وہ یہی هی کہ اُسکے احکام اور افعال پر جہاں تک انسان کی طاقت هو غور کرے اور اُس کے اسرار اور وجوہ کو سوچے اِس لیئے هم اپنے مذهب کے ایک بڑے نامی محقق کے کلام سے اس مضمون کو کہ ادیان سابقہ اور شرایع گذشتہ میں کیونکر تحریف هوئی اور کس ضرورت سے بجاے اُسکے دوسری شریعت قایم هوئی اخذ کرکے لکھتے هیں *

جب هم کسی دین اور کسی مذهب پر خیال کریں اور اُسکی ترقی اور تنزل اور زوال کے تاریخی حال پر غور کریں تو همکو معلوم هوگا کہ جب کسی پیغمبر کے ذریعہ سے خدا نے کوئی دین اور مذهب جاری کیا اور لوگوں کو اُسکا تابع بنایا تو وہ طبقہ جو خاص اُس پیغمبر سے تعلیم پاتا هی اور جو اپنے کانوں سے اُسکی باتیں سنتا هی اور اپنے دل میں بے واسطہ اور بغیر علاقہ دوسرے کے اُسکے احکام اور مسائل کو جگہہ دیتا هی تو وہ هر طرح پر اشاعت دین میں ساعی هوتا هی اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں ٹھیک ٹھیک اپنے * نبی کے قدم پر چلتا هی اور یہہ پہلا طبقہ هر برائی سے پاک اور هر عیب سے صاف هوتا هی اُس طبقہ کے تھوڑے هی لوگ ایسے هوتے هیں جنکو عادت اور سیرت میں اپنے نبی سے مشابہت اور اخلاق اور اعمال میں اپنے پیغمبر سے مناسبت نہو بعد اُسکے دوسرے طبقہ کا زمانہ آتا هی جنھوں نے نہ اپنی آنکھوں سے پیغمبر کو دیکھا نہ اپنے کانوں سے اُسکی وعظ و نصیحت کو سنا نہ بلاواسطہ خود اُنکو تعلیم اُس پیغمبر کی نصیب هوئی بلکہ طبقہ اولی کو اُنھوں نے دیکھا اور اُنکی باتوں کو سنا اور اُن سے دین میں تعلیم پائی تو اگرچہ یہہ کل طبقہ دین میں کامل اور مذهب میں مضبوط ایسا نہیں هوتا جیسا کہ پہلا طبقہ تھا لیکن تب بھی بہ سبب اِسکے کہ صرف ایک هی واسطہ بیچ میں هوتا هی اور طبقہ اولی کی تعلیم اور هدایت میں بھی ایک کامل تاثیر هوتی هی اِس لیئے یہہ دوسرا طبقہ بھی اچھی حالت پر رهتا هی لیکن جسقدر نئے لوگ بڑھتے گئے اور اُمت کثرت سے هوتی گئی اور اغراض اور خواهشیں دنیاوی پیدا هونے لگیں اور امتداد مدت اور اختلاف طبایع سے اتفاق میں خلل هونے لگا اُتناهی

وہ مذہبی جوش اور دینی ولولہ جو سب کو ایک ہی بات پر یعنی اشاعت دین پر متوجہ رکھتا ہی کم ہونے لگتا ہی اور دلوں کی وہ پاکی اور نیتوں کی وہ صفائی جو طبقہ اولی کے اکثر افراد میں ہوتی ہی وہ اِس طبقہ ثانیہ کے تھوڑے ہی شخصوں میں پائی جاتی ہی *

بعد اسکے جو زمانہ آتا جاتا ہی اور جسمیں ایسے لوگ ہوتے ہیں جنھوں نے خود نہ بانی مذہب کو نہ اُسکے دیکھنے والوں کو دیکھا اور نہ اپنی سعی اور اپنے شوق سے اُس دین و مذہب کو اختیار کیا بلکہ اپنے باپ دادا کی میراث میں جہاں اور چیزیں پائیں منجملہ اُنکے دین و مذہب کو بھی پایا اور اُنکے اور صاحب شریعت اور بانی مذہب کے بیچ میں واسطے اور علاقے بھی بہت ہوگئے تو سواے تھوڑے آدمیوں کے اکثر تو ایسے ہی ہوتے ہیں کہ وہ اُس دین اور مذہب کی خود قدر نہیں جانتے اور سواے محبت نسبی کے اصلی دینی محبت سے بے بہرہ ہوتے ہیں اُن کے دل اصلی روشنی سے اور اُن کے سینے حقیقی نور سے مذہب کے خالی ہوتے ہیں اور اُن پر مضمون خلف اضاعوا الصلوۃ و اتبعوالشہوات کا ٹھیک ٹھیک بلا کم و کاست صادق ہوتا ہی اس طبقہ میں بہت ہی کم ایسے ہوتے ہیں کہ اُس دین اور مذہب کو جس کے وہ پابند ہیں تحقیق کرکے اور سمجھہ بوجھہ کر اختیار کرتے ہوں بلکہ اپنے باپ دادا کا طریقہ سمجھہ کر اُس کی حقیت کے معتقد ہوتے ہیں اور بجاے تحقیق اور تلاش کے بل نتبع ما الفینا علیہ آباءنا پر قانع ہوتے ہیں اور جس طرح طبقہ اولی کے ایمان والے اصلی اور سچی باتوں پر دین کی مضبوطی سے اعتقاد رکھنے اور عمل کرنے پر دیندار کہلاتے اور قابل تعریف سمجھے جاتے ہیں اُسی طرح اِس طبقہ کے لوگ میراثی اور جھوٹی باتوں پر تقلید کے سبب سے یقین رکھنے اور اُس کی پابندی کرنے پر متعصب اور جاہل اور لایق مذمت تصور کیئے جاتے ہیں اور جس قدر نبوت کا زمانہ دور ہوتا جاتا ہی اُسی قدر دین و مذہب میں پیغمبر سے علاقہ چھوٹتا اور اوروں کا واسطہ بڑھتا جاتا ہی یہاں تک کہ جتنا زمانہ گذرتا گیا اور غرضیں بڑھتی گئیں اور خواہشیں زیادہ ہوتی گئیں اور طبیعتوں میں خودپسندی اور نفسانیت کا غلبہ ہوتا گیا اُسی قدر ہر شخص موافق اپنی حالت اور ضرورت اور حاجت اور خواہش کے اُس دین میں تحریف اور تبدیل کرنے لگتا ہی اور خدا کے کلام اور نبی کے اقوال کو اپنی خواہشوں کا عرضہ بنا لیتا ہی اُس کے لفظوں اور عبارت کو بدلنا یا اپنی طرف سے بنا کر اُس کی طرف منسوب کر دینا اگر ممکن ہوا تو اُس میں بھی دریغ نہیں ہوتا ورنہ اُس کے معنی اور مطلب کو اپنی سمجھہ اور اپنی غرض کے مطابق پھیر دینے میں تو کچھہ تامل ہی نہیں ہوتا اور جب تک یعنی جتنے عرصہ تک خدا کو اپنے نزدیک اُس دین کا قایم رکھنا منظور ہوتا ہی تب تک ایسے تغیر اور تحریف سے کم و بیش خدا اپنے علم اور ارادہ کے موافق بچاتا ہی اور اخیر پر تو اِس تحریف اور تغیر سے اُس دین کی یہہ حالت ہوجاتی ہی کہ اپنی اصلی حالت پر کچھہ بھی باقی نہیں رہتا اور اگر کوئی اُس کے اول حال سے آخر حال کو ملاوے تو زمین و آسمان کا فرق دکھلائی دیتا ہی پیغمبر کی کتاب جسپر مذہب کا دار مدار ہی وہ تو براے نام قسم کھانے کے لیئے اور عزت سے طاق میں رکھنے کے لیئے ہوتی ہی کوئی اُس سے اپنے دینی عقاید اور مذہبی مسائل کو نہیں ملاتا اپنے بزرگوں یا اپنے پیروں کے اقوال اور افعال کو مستند سمجھکر اپنے مذہبی سلسلہ کو اُسی پر ختم کردیتے ہیں اور اُنہیں کو معصوم اور مثل نبی کے سمجھکر اپنا پیشوا اور ہادی اور شفیع اور نجات دہندہ سمجھنے لگتے ہیں جب طبقہ اولی کا زمانہ ہوتا ہی اُسوقت رسم اور رواج پر عمل کرنے کا کچھہ ذکر نہیں ہوتا بلکہ وہ لوگ اُسکے جانی دشمن ہوتے ہیں اِس لیئے کہ وہ اپنی پرانی رسموں اور خاندانی چال چلن کو صرف پیغمبر کی ہدایت سے چھوڑکر اُسکے دین میں آتے ہیں اور اُن کے بھائی بند یار دوست رسموں ہی کے چھوڑ نے پر اُنکو برادری سے خارج کردیتے ہیں اور اُنکو اپنا دشمن سمجھتے ہیں تو پھر کیونکر ممکن ہی کہ وہی طبقہ جس نے ایک خدا کے خوف سے رسموں کو چھوڑا اور اپنے بھائیوں سے علاقہ نہ رکھا اور صرف اپنی نجات کی اُمید پر پیغمبر کا تابع ہوا ہو وہ خود رسموں پر عمل کریگا یا اُس طبقہ میں سواے خدا اور رسول کے حکم کے کسی دوسری بات کو دخل ہوگا لیکن جتنا زمانہ گذرتا جاویگا اُتنی ہی امیزش اَوْر چیزوں کی ہوتی جاویگی کچھہ باتیں دنیا کی دین میں داخل ہوجاوینگی کچھہ چیزیں غیر قوموں کی اُس میں خلط ملط ہوجاوینگی اور اُس سب مجموعہ پر دین کا اطلاق ہوگا اور چونکہ ظاہر ہی کہ جب دین میراثی اور آبائی ہوگا تو دل میں وہ دینی ولولہ جو کہ پہلے طبقہ کو ہوتا ہی نہ رہیگا اور وہ مذہبی جوش جو خاص پیغمبر سے تعلیم پانے والوں کو ہوتا ہی ٹھنڈا پڑجاویگا تو پھر ایسی حالت میں ہر شخص جسکو خدا نے عقل سلیم دی ہی سمجھہ سکتا ہی کہ لامحالہ رسم و رواج ہی پر مدار مذہب کا آرہیگا اور قومی چال چلن اور خاندانی طریقہ ہی دین سمجھا جاویگا چنانچہ جتنے پہلے دین گذر گئے اُن سب کا یہی حال ہوا کہ لوگوں نے پیغمبر کی کتاب کو چھوڑ دیا اور رسم و رواج پر مدار مذہب کا ٹھہرا لیا اور اناوجدنا علیہ اباءنا اور بل نتبع ما الفینا علیہ اباءنا کہکر تحقیق سے ہاتھہ اُٹھا لیا عقیدہ اُسی کو سمجھنے لگے جو آبا و اجداد سے سنا عمل اُسی پر کرنے لگے

جو بھائي پندرنکو کرتا ہوا دیکھا خاندانی طریق پر چلنے کو سنت اور اُسکو چھوڑ کر اصلي دین کي باتوں کي تحقیق کرنے کو بدعت کہنے لگے *

چنانچہ جب کل یا اکثر آدمي کسي دین و مذہب کے ایسے ہوگئے اور اُنھوں نے دین میں ایسي تحریف اور تغیر کردي تو جو خوبي اُس مذہب کي تھي وہ جاتي رہي اور غفلت اور پابندي رسم و رواج اور تقلید آبا و اجداد کي بدولت اُس دین کي اصلي حالت باقي نرہي تب خدا نے اُسکي اصلاح کرنے کے لیئے دوسرا پیغمبر مبعوث کیا جسنے اُن خرابیوں کو دور کیا اور جو تحریف و تغیر اُس دین کے لوگوں نے اپني غفلت اور تقلید کے سبب سے کي تھي اُسکو ظاہر کیا اور رسم و رواج پر چلنے والوں کو متنبہ اور باپ دادہ کے چال چلن پر سند پکڑنے والوں کو ہوشیار کیا اور لوگوں کو غفلت سے نکالا اور اُن سے تقلید کو چھوڑوایا لیکن غفلت اور تقلید ایسي بري اور اونچي برائي میں ایسي کامل ہی کہ تمام انبیا کو اپني نبوت کے زمانہ میں لوگوں کے دلوں سے رسم و رواج کي پابندي کي مستحکم زنجیر اور غفلت اور تقلید کي مضبوط قید کے توڑنے سے زیادہ کوئي مصیبت اور دقت نہیں ہوئي *

کیسي ہي محبت سے اپني قوم کو سمجھایا اور کیسے ہي نرم اور ملائم لفظوں سے اُنکو نصیحت کي اور اُن کے دلوں کي صفائي کرني چاہي لیکن اُس قوم کے کانوں کو کوئي اور سخت اور ہولناک اور مہیب آواز ایسي معلوم نہوتي تھي جیسي کہ نبي کے پاک مونھہ سے رسم و رواج کي برائي کي آواز اور اُن کے پتھر سے زیادہ سخت دلوں پر کسي اور چیز کا اتنا صدمہ نہوتا تھا جتنا کہ اپنے باپ دادا کے چال چلن چھوڑنے کا اسي کمبخت رسم و رواج کي پابندي نے اُن کو ایمان سے محروم رکھا اور جان بوجھہ کر اُنھوں نے اپنے آپ کو دوزخ کا کندہ بنایا اختروالنار علی العار کہتے لیکن اپنے پرانے طریقوں کے چھوڑنے پر جرات نہ کرسکتے اور اپني گردنوں کو تقلید کي رسي سے باہر نہ نکالتے حقیقت میں اگر رسم و رواج کي پابندي کو ایسا کامل اثر نہوتا اور اُسکا چھوڑنا دوزخ میں جانے سے زیادہ سخت نہوتا تو کبھي کسي پیغمبر کو ہدایت کرنے میں کچھہ تکلیف نہوتي بلکہ اتنے پیغمبروں کي بعثت کي حاجت ہي نہوتي ایک لاکھہ اسي ہزار یا جسقدر پیغمبر آئے اور جو کچھہ اُنھوں نے مصیبتیں اور تکلیفیں پائیں وہ اسي رسم و رواج کي بدولت *

تمام اولوالعزم پیغمبروں کے حالات پر غور کرنے سے ہمارے اِس قول کي تصدیق ہوتي ہی اِس لیئے کہ جب ہم کسي پیغمبر کي کتاب کو دیکھتے ہیں تو یہي معلوم ہوتا ہی کہ جو نبي آیا اُس نے اول پہلے دین کي اصلاح کي اور جو تحریف اور تغیر لوگوں نے اُس دین میں کي تھي اُسے بیان کیا اور جسقدر باتیں رسم و رواج کي لوگوں نے دین میں شامل کردي تھیں اُنکو علحدہ کیا بعدہ اُن جدید احکام کو جو خدانے اُس وقت کے مناسب دیکھے جاري کیا پس بڑا سبب دین اور مذہب کے زوال کا حقیقت میں غفلت اور تقلید ہي ہوتي ہی *

یہہ کیفیت جو دین میں خلل آنے اور مذہب کے خراب ہونے کي ہونے بیان کي یہہ ایسي کھلي ہوئي اور صاف ہی کہ کوئي اُسکا انکار نہیں کرسکتا اور جو کوئي دین کي کتاب اُٹھاکر دیکھے وہ اُسکي تصدیق کرسکتا ہی لیکن وہ بہت سے سبب جن سے یہہ خرابیاں پیدا ہوتي ہیں اور جنکو دین کے خلل اور مذہب کے زوال کا مادہ کہنا چاہیئے وہ ایسي اور اتني ہیں کہ ہر شخص اُنکو سمجھہ نہیں سکتا اِسلیئے اب ہم اُنکو بیان کرتے ہیں † *

پہلا سبب — باني ملت اور صاحب شریعت کے اعمال اور اقوال سے چشم پوشي کرنا اور اپنے عقائد اور اعمال میں اُسکے عقائد اور اعمال سے مخالفت کرنا *

دوسرا سبب — اغراض فاسدہ کا پیش آنا اور اُن کے حاصل کرنے کے لیئے اصل باني مذہب کے کلام میں تاویل باطل کرنا *

تیسرا سبب — تعمق یعني تکلف بیجا کرنا کوئي شخص شارع کي کسي امر و نہي کي علت پر غور کرے اور بعض وجوہ کو اُس کے کسي دوسري شی پر اپنے نزدیک مطابق کرکے اپني طرف سے مثل شارع کے اُس شی کي امر و نہي کا حکم قایم کرے یا نبي کے تمام اعمال اور افعال کو عبادت سمجھہ کر جو کچھہ اُنھوں نے عادتاً بھي کیا ہو اُس کو بھي فرایض و واجبات میں داخل کرے *

چوتھا سبب — تشدد یعني اُن عبادات شاقہ کا اختیار کرنا جسکا شارع نے حکم نہ کیا ہو یا سنن اور اداب کا مثل فرایض و واجبات کے التزام کرنا اور یہي وہ بیماري ہی جس میں یہود اور نصراني گرفتار ہو گئے تھے اور جن کو رہبان کہتے تھے *

پانچواں سبب — اجماع کا اتباع کرنا یعني اگر کسي بات پر بہت سے عالم اور مولوي متفق ہو جاویں اُن کے اتفاق ہي کو اُس امر کے ثبوت کي دلیل قاطع سمجھنا *

یہہ بات یاد رہے کہ اجماع کي دو صورتیں ہیں ایک وہ اجماع جس کا مستند کتاب و سنت ہو یہہ اجماع واجب الاتباع ہی دوسرا وہ اجماع کہ جس کا مستند کتاب و سنت نہو بلکہ رسم و رواج نے بہت لوگوں کو ایک بات پر جمع کردیا ہو اس اجماع سے مخالفت کرنا بعض حالات میں واجب اور بعض صورتوں میں جایز ہی اور وہ اجماع جس کي برائي جابجا خدا نے اپني کتاب میں بیان فرمائي ہی اور جس کے اتباع سے لوگوں نے دین اسلام کو قبول نہیں کیا اور جس کے التزام کو بل نتبع ماالفینا علیہ آباءنا کہکر اپنے اوپر واجب جانا یہي

† یہہ اسباب شاہ ولي اللہ صاحب محدث نے حجۃاللہ البالغہ میں لکھے ہیں —

دین کي تحریف

دین کي تحریف

دوسري قسم کا اجماع تہا ہندوستان میں ہمارے ہم مذہب اجماع کي ان دونوں قسموں میں کچھہ فرق نہیں کرتے اور بلا تمیز ایک کا اطلاق دوسرے پر کرتے ہیں اپنے بزرگوں کي رسموں اور اپني خانداني عادتوں کو جن کے وے پابند ہو رہے ہیں اجماع کي دلیل سے واجب العمل جانتے ہیں اور اُن باتوں کو جو صریح مخالف کتاب و سنت کے ہیں مخالفت اجماع کے ڈر سے ترک نہیں کرتے *

چھٹواں سبب — غیر معصوم کي تقلید کرنا † یعني کسي مجتہد کي یہہ سمجھہ کر کہ تمام مسائل میں اُس کا اجتہاد صحیح اور درست ہی اور جو کچھہ اُس نے کتاب و سنت سے استنباط کیا ہی وہ خطا اور غلطي سے معصوم ہی ایسي تقلید کرنا کہ اگر کسي مسئلہ میں جس کا اُس نے استخراج کیا ہو اُس کي غلطي ثابت ہو اور کوئي حدیث صحیح صریح مخالف اُس کے موجود ہو اُس حدیث کو چہوڑ کر اُس کے اجتہاد پر عمل کرنا *

یہہ تقلید وہ نہیں ہی جس پر امت کا اجماع ہی یعني اکثر علماء نے اس پر اتفاق کیا ہی کہ مجتہدین کي تقلید جایز ہی اور اُن کے استخراجي مسایل پر عمل کرنا درست ہی بلکہ اکثر حالات میں نہایت مفید اور بعض صورتوں میں نہایت ضرور ہی مگر دو شرطوں کے ساتھہ اول یہہ سمجہنا کہ مجتہد اپنے اجتہاد میں خطا بہي کرتا ہی اور صواب بہي دوسرے منصوصات نبوي پر اُس کو مقدم نہ کرنا یعني اگر کسي مسئلہ میں حدیث صحیح مخالف اُس مجتہد کے اجتہاد کے مل جاوے تو حدیث کا اتباع کرنا اور تقلید کا ترک کردینا *

بغیر ان شرایط کے غیر معصوم کي تقلید کرنا نہایت ہي نقصان دین کا سبب ہی اور اگلے اہل کتاب ایسي ہي تقلید کرتے تہے جسکي برائي خدا نے اپني کتاب میں بیان فرمائي ہی حیث قال تبارک و تعالی اتخذو احبارھم و رھبانھم اربابا من دون اللہ کہ اہل کتاب نے اپنے عالموں اور پیروں کو اپنا رب ٹہرالیا ہی اور خدا کو چہوڑ دیا ہی حالانکہ کوئي اہل کتاب اپنے عالموں اور پیروں کي عبادت نہ کرتا تہا مگر اُن کو ایسا معصوم سمجھہ لیا تہا کہ جس کو وہ حلال کہدیتے تہے اُسي کو حلال جانتے تہے جس کو وہ حرام کردیتے تہے اُسي کي حرمت کے معتقد ہو جاتے تہے اور اپنے نبي کے اقوال اور احکام پر بمقابلہ اُن کے قولوں اور حکموں کے عمل نہ کرتے تہے *

ساتواں سبب — ایک ملت کا دوسري میں خلط کرنا یعني کسي دوسرے دین کي باتوں کو پسند کرکے کسي ضعیف وجہہ یا موضوع سند سے اُس کا جواز ثابت کرکے اپنے مذہب میں اس طرح داخل کرلینا کہ پہر کچھہ تمیز نہ رہے کہ یہہ باتیں کس مذہب کي ہیں بلکہ وہ باتیں اسلام ہي کي معلوم ہوں جس طرح بني اسرائیل کے علوم اور یونان کي حکمت وغیرہ کو مسلمانوں نے اپنے دین و مذہب میں داخل کر لیا ہی اور اپني تفسیروں اور علم کي کتابوں کو اُنہیں روایات اور مسائل سے بہردیا ہی *

یہہ اسباب دین میں نقصان اور خلل پیدا کرنے کے جو ہم نے بیان کیئے وہ ہیں جنہوں نے پرانے دینوں کو خراب کردیا تہا اور جن کے سبب سے بہت سے اولوالعزم پیغمبر یکے بعد دیگرے بہیجے گئے قطع نظر ملت حضرت نوح اور حضرت ابراهیم کي ملت کے کہ جس کا اب کوئي فرقہ بالتخصیص پابند نہیں ہی دین موسوي کو انہیں باتوں نے بگاڑا اور انہیں باتوں سے احبار یہود نے اپني کتاب میں تحریف کي اور اپنے دین کو تغیر اور تبدیل کردیا اور دین عیسوي میں بہي انہیں وجوہ سے نقصان آیا اور رہبانوں نے انہیں باتوں سے اپنے دین کو اصلي حالت پر نہ رہنے دیا اب اگر کوئي پوچہے کہ کیا ایسي تحریف اسلام میں بہي ہوئي ہی تو اُسے خود اسلام کي حالت پر غور کرنا چاہیئے کہ جو نور ایمان کا طبقہ اول کے ہر شخص کي پیشاني پر چمکتا تہا وہ نور دوسرے طبقہ میں نہ رہا لیکن اُس کا عکس دوسرے طبقہ کے اکثر آدمیوں کے دل پر پڑا اور اُس طبقہ کے اکثر آدمیوں نے اپنے عقاید اور اعمال کو صحابہ کے مطابق رکہا اُس کے بعد تیسرے طبقہ میں بہي کچھہ کچھہ رونق اسلام کي رہي بلکہ بعض شخصوں نے اسلام کے قایم رہنے کے لیئے احادیث کے جمع کرنے اور اقوال رسول کے اکٹہا کردینے سے سب پر پیغمبر صاحب کے اس قول کي کہ یہہ دین ہمیشہ قایم رہیگا تصدیق کرادي مگر بعد اُس کے جس قدر زمانے آتے گئے اُن میں فساد ہي بڑھتا گیا اور جدال اور جہل کا زور ہي ہوتا گیا مگر جس طرح پر خداے جل شانہ نے حضرت موسی کے دین کو رسولوں اور پیغمبروں کو اُن کے بعد بہیجکر ایک عرصہ تک قایم رکہا اسي طرحپر دین محمدي کو علماء رباني کے پیدا کردینے سے تحریف سے بچایا یعني جب کبہي لوگوں نے کچھہ تحریفیں کیں اور کچھہ فتنہ پیدا کیا خدا نے کسي نہ کسي عالم کو جس کے حق میں علماء امتي کانبیاء بني اسرائیل صادق ہی کہڑا کر دیا اور اُس نے محرفین کي تحریفات اور جہلاء کي جہالتوں کو ظاہر کیا اور اصل راستہ شریعت اور دین محمدي کا کہول دیا *

اس بات کا بیان کرنا کہ وہ تحریفات کیا ہیں جو اسلام میں لوگوں نے کیں ہم نہایت ضروري سمجہتے ہیں اور اس مضمون کو بطور مقدمہ کے لکہتے ہیں آیندہ اُس کي تصریحات کرینگے شاید خدا ہمکو اور ہمارے زمانہ کے لوگوں کو توفیق دے اور سنت کي سیدہي راہ پر چلاوے و ما توفیقي الا باللہ *

راقم مہدي علي تحصیلدار
مرزاپور

† اس پر ہمنے ایک بہت تفصیلي مضمون لکہا ہی جو بہت جلد چہپیگا — منہ

THE MOHAMMEDAN SOCIAL REFORMER

تهذيب الاخلاق

جلد دوم] يكم ربيع الثاني سنة ١٢٨٨ هجري [نمبر ٩

بسم الله الرحمن الرحيم

تقليد اور عمل بالحديث

تهوڑے دن هوئے كه ميني اپنے مذهب كے ايك بڑے محقق كے كلام سے اخذ كركے ايك مضمون دين ميں تحريف هونے كا لكها تها اور وه ايك پرچه ميں تهذيب الاخلاق كے چهپا هى اُسميں جهاں ذكر تقليد كا تها وهاں مينے وعده كيا تها كه اسكو آينده به تفصيل لكهوں گا چنانچه اب اُسكو لكهتا هوں *

اِس مضمون ميں سات تذكرے هيں

اول مذاهب اربعه كے جاري هونے سے پهلے زمانه كا حال هى *

دوسرے مذاهب اربعه كي بنياد پڑنے كا زمانه اور اُسكا سبب *

تيسرے ان چاروں مذهب كي پابندي كامل طرح سے كب هوئي *

چوتهے ان چاروں مذهبوں ميں اختلاف هونے كا باعث *

پانچويں اجتهاد اور عمل بالحديث ميں كيا فرق هى *

چهٹے تقليد اور عمل بالحديث پر مقلد اور غير مقلد كا مباحثه *

ساتويں قول فيصل به نسبت تقليد اور عمل بالحديث كے *

مذاهب اربعه كے جاري هونے سے پهلے زمانه كا حال

پيغمبر خدا عليه التحية والثناء كے عهد كرامت مهد ميں سوائے قران مجيد كے مسائل شريعت اور احاديث اور احكام كے جمع كرنے كا كسي كتاب يا نسخه ميں رواج نه تها پس اُسوقت ميں نه كسي نے كوئي حديث كي كتاب لكهي نه فقهي مسائل يا شرعي احكام كو كسي صحابي نے جمع كيا نه كسي علم كے اصول و قواعد اُسوقت مقرر هوئے اُس زمانه ميں عمل كي يهه صورت تهي كه اصحاب نبوي جيسا حضرت صلى الله عليه وسلم كو كرتا هوا ديكهتے ويساهي خود كرتے اركان اور آداب اور تدقيقات فقهي پر كچهه توجهه نكرتے اور اُنكي تعليم كي يهه كيفيت تهي كه جو كچهه سرور كائنات عليه التحيات و الصلوات فرماتے يا كسي معامله ميں فتوى يا كسي سوال كا جواب ديتے تو اُسے حضرت كے اصحاب سنتے اور ياد ركهتے اور چونكه آنحضرت عادات اور مباحات اور سنن عبادات ميں اكثر ايك هي امر كے پابند نرهتے اور مثل فرايض كے اُنكا التزام نه ركهتے اور نيز هروقت اور هر حال ميں سب اصحاب بهي خدمت ميں برابر حاضر نرهتے اِس ليئے جس نے جو حضرت كو كرتے هوئے ديكها اُسے ياد كيا يا جو كچهه ارشاد فرماتے سنا اُسكي كوئي وجهه اور علت اپنے نزديك سمجهه لي اور صرف اطمينان قلبي پر نه استدلال كے طريقوں پر بهروسه كركے اُسے ذهن نشين كيا

 تقليد اور عمل بالحديث

پس جو شخص صحابه میں سے اُن باتوں کے یاد رکھنے اور اُسپر غور کرنے کا زیادہ شایق تھا وهي اُنمیں زیادہ فقیهه هوا یا جس نے پیغمبر خدا کي صحبت میں رهکر ان باتوں کي زیادہ تعلیم پائي وہ به نسبت اَوروں کے زیادہ واقف هوا *

جب آنحضرت کا زمانه گذرا اور اصحاب کا زمانه آیا تب اُنهوں نے اپني دیکھي سني هوئي باتوں پر خود عمل کیا اور اگر کوئي بات جدید پیش آئي تو اَوروں سے پوچھه لیا اگر کسي بات میں کوئي حکم صریح کتاب و سنت سے نه ملا تو منصوصات کتاب و سنت پر غور کیا اور اُسکي علت کو دریافت کرکے اُسي پر پیش آئے هوئے معامله کو قیاس کیا اور اگر کوئي مسئله مشکل هوا تو اپنے آپس میں صلاح و مشورہ کرکے اُسکو طی کرلیا *

صحابه کے زمانه میں جو لوگ نئے پیدا هوئے یا نئے ایمان لائے اُنهوں نے صحابه سے اُسي طور پر علم دین حاصل کیا جس طرح پر صحابه نے آنحضرت سے سیکھا تھا یعني جس نے جس صحابي کو پایا اور اُسے فقیهه جانا اُس سے مسائل شریعت کو اخذ کیا اور احادیث نبوي کو سیکھا اور چونکه بعد آنحضرت کے صحابه دور دور ملکوں میں پھیل گئے تھے اور بجاے ایک مکه یا مدینه کے صدها کوس کے فاصله پر چلے گئے تھے اور ایک دوسرے سے جدا هوکر منتشر اور متفرق شهروں میں جا رہے تھے اِس لیئے اُس زمانه کے لوگوں نے اپنے هي شهر اور اپنے هي ملک بلکه اپنے هي محله کے رهنے والے صحابي سے امور دیني کي تحقیق کي اور اُنهوں سے احادیث نبوي اور مسائل شرعي کو سیکھا اور چونکه اکثر اصحاب نبوي فقیهه تھے اور نامي گرامي اصحاب بھي بڑے بڑے شهروں میں موجود تھے اور ضروري مسائل بھي اُنکو یاد تھے اور جھگڑے قصے کي باتیں بھي اُسوقت تک شروع نه تھیں اور نئي نئي تدقیقات اور جدید جدید مصطلحات کا بھي رواج نهوا تھا اور علم بھي الفاظ غریبه کي دقت اور اصطلاحات عجیبه کي وحشت سے پاک تھا اور فقیهه هونا بھي دلایل منطقي کے جاننے اور اصول فلسفي سے واقف هونے پر منحصر نه تھا اِس لیئے اُس زمانه کے سیدھے سادھے پاک اور نیک لوگوں کي روز مرہ کي کار روائي اور حاجت براري کے لیئے هر شهر میں ایک عالم موجود تھا اور به سبب نه رایج هونے مناظرہ اور مجادله اور کلام کے کوئي کسي پر کسي طرح کا الزام بھي نه دیتا تھا اور به سبب صفائي طینت اور پاکي نفس کے فضیلت اور تفقه کا بھي اظهار کسیکو منظور نه تھا اِس لیئے تابعین میں سے جو لوگ عوام تھے وہ وقت پیش آنے ضرورت کے اپنے شهر کے نامي مشهور صحابي سے مسئله پوچھه لیا کرتے اور جو کچھه وہ کهه دیتے اُسپر عمل کرتے اور جو لوگ علم دین کے شایق تھے وہ اُنهیں سے علم دین کو تحصیل اور مسائل شریعت کي تحقیق کرتے پس جبکه صحابه کا زمانه نرها تو وهي لوگ اپنے اپنے شهر کے عالم اور محدث هوگئے اور وهي مفتي اور فقیهه مشهور هوئے *

بعد تابعین کے جو زمانه تبع تابعین کا آیا اُنهوں نے بھي اسي طور سے اپنے اپنے شهر کے مشهور اور نامي فقیهه سے جو تابعین میں سے تھے تعلیم پائي اور فقه حدیث کو سیکھا پس اُسوقت میں هر شهر کا ایک علحدہ امام اور هر مقام کا ایک خاص عالم اور فقیهه تھا جو لوگ اُس کي باتوں کو مانتے یا اُسکے فتووں پر عمل کرتے یا اُسکي سند سے احادیث کو روایت کرتے وہ اُسکي طرف منسوب هوتے اور اُس عالم کے مذهب پر چلنے والے کهلاتے *

تابعین کے وقت تک مذهب سے صرف لغوي معنے مراد لیئے جاتے تھے نه اصطلاحي معنے جو آجکل لوگوں کے ذهنوں میں هیں اُس کي تخصیص بھي کسي خاص فرقے اور گروہ پر نه تھي بلکه هر شخص پر موافق اُس کي راے اور طریقه کے اِس لفظ کا اطلاق هوتا تھا چنانچه مذهب فلاں هکذا بجاے قوله یا عمله هکذا کے بولا جاتا اور جو عالم نامي گرامي هوتا وہ فقیهه اور امام کهلایا جاتا بایں اعتبار اُسوقت میں مذهب بھي بهت سے تھے اور امام صاحب مذهب بھي بهت سے اُس وقت کے مذهبوں اور اماموں کا حال بعینه اپنے زمانه کے مولویوں اور اُن کے عقائد اور اعمال کے حال پر قیاس کرنا چاهیئے که جو جس شهر میں مشهور مولوي هی اُسي سے لوگ استفتاء کرتے هیں اُسي سے علم سیکھتے هیں اُس کي باتوں پر عمل کرتے هیں اور اُسي کے فتووں پر چلتے هیں اور جس طرحپر آج کل ایک ملک کے لوگ ایک هي شهر کے مولوي یا ایک هي عالم کے پابند نهیں هیں بلکه اپنے اپنے شهر کے مولویوں کي راہ پر چلتے هیں اسیطرح پر اُس زمانه میں تمام عرب عجم کے لوگ کسي ایک یا چند معین فقیهوں کے پابند نه تھے بلکه هر شهر کے آدمي اپنے اپنے فقیهه اور مفتي اور محدث کے قول پر عمل کرتے اور اُس سے فتوی لیتے اور علم سیکھتے فرض که جس طرح پر آج کل لکھنؤ کے مولوي الگ هیں اور دهلي کے علحدہ اور جونپور کے جدے اسیطرح اُسوقت بھي مکه اور مدینه اور بصرہ اور کوفه کے فقیهوں کي صورت تھي چنانچه اُس زمانه میں مدینه منورہ کے فقیهه اور صاحب مذهب سعید بن مسیب اور سالم بن عبدالله بن عمر تھے اور بعد اُن کے زهري اور قاضي یحیی بن سعید اور ربیعه بن عبدالرحمن هوئے اور مکه میں عطاء ابن ابي رباح اور کوفه میں ابراهیم نخعي اور شعبي اور بصرہ میں حسن بصري اور یحیی ابن

طاؤس بن کیسان اور شام میں مکحول امام اور مجتہد تھے یہہ صورت دوسری صدی کے اوسط تک یعنی سنہ ۱۴۳ ہجری تک قایم رہی اور لوگوں نے مسایل شریعت میں کسی شخص معین کی کامل پابندی نکی مگر بعد اُس کے وہ زمانہ شروع ہوا جس میں ان مذہب اربعہ کی بنیاد پڑی اور جس سے مذہب کے وہ اصطلاحی معنے قرار پائے جیسے مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب نے اپنی † بعض تالیفات میں لکھا ہی کہ مذہب نام را ہیست کہ بعض اُمتیان را در فہم شریعت افادہ شود و بعقل خود چند قاعدہ قرار دہد کہ موافق آن قواعد استنباط مسائل شرعیہ از ماخذ آن نماید *

مذاہب اربعہ کی بنیاد پڑنے کا زمانہ اور اُسکے رایج ہونے کا سبب

گوہ تابعین کے زمانہ میں حدیث وفقہ کی تعلیم و تعلم کی صورت تو وہی تھی جو تابعین کی تھی لیکن اُسوقت میں بسبب کثرت مسلمانوں کے اور شروع ہونے جھگڑے اور فساد کے اور جاہل ہوجانے مدافعہ رفتہ کے اور شایع ہونے جھوٹھہ اور افترا کے اور واقع ہونے اختلاف کے خدانے لوگوں کو مسایل کے جمع کرنے اور اصول و قواعد کے منضبط کرنے اور ارکان اور اداب عبادات کی تشریح کرنے اور اجتہاد اور استنباط اور استخراج کے قاعدے ترتیب دینے پر راغب کیا اور اُسوقت کے نیک اور پاک لوگوں کو حدیث اور فقہ کی تدوین کا شوق دیا چنانچہ دوسری صدی کے اوسط سے جس شہر میں جو نامی فقیہہ اور عالم تھا اُس میں بعض نے حدیث کی تالیف پر اور فقہ کی تدوین پر کمر باندھی اور مسایل کا جمع کرنا شروع کیا چنانچہ مکہ میں ابن جریج اور ابن عیینہ نے اور مدینہ میں امام مالک اور محمد بن عبدالرحمن ابن ابی ذئب نے اور کوفہ میں ثوری نے اور بصرہ میں ربیع ابن صبیح نے اول اول حدیث میں تالیف اور امام ابو حنیفہ اور امام مالک وغیرہ نے فقہ کی تدوین شروع کی *

سب سے پہلے حنفی مذہب کی بنیاد پڑی اس لیئے کہ امام ابو حنیفہ رحمۃاللہ علیہ کو خدا نے اجتہاد اور استنباط مسائل اور استخراج فروعات کی ایک خاص قسم کی استعداد دی تھی اور وہ زہد اور ورع میں بھی کامل تھے پس اُنہوں نے اپنے شہر کے امام و فقیہہ ابراہیم نخعی کی احادیث اور اقوال اور روایات پر اپنے مذہب کی بنا قایم کی اور اُنہیں کے اصول پر استخراج کرنا جزئیات مسائل کا شروع کیا چنانچہ یہہ امر بخوبی اُس شخص پر ظاہر ہی جس نے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب الآثار اور جامع عبدالرزاق اور مصنف ابی‌بکر ابن شیبہ کو دیکھا ہی اور پھر ابراہیم نخعی کے اقوال کو امام ابو حنیفہ کے مذہب سے ملایا ہی *

غرض کہ جب امام ابو حنیفہ نے اس طور پر فقہ کی تدوین شروع کی تب لوگوں نے اُن کی طرف رغبت کی اور اُن کے اصول و فروع کو پسند کر کے اُسے سیکھا اور فقہاے کوفہ نے اُن کے اجتہاد کو قبول اور اُن کے استخراجی مسائل پر عمل کیا اور جب قاضی ابویوسف اور امام محمد رحمۃاللہ علیہما سے دو شاگرد اُن کے ہوگئے تب پہلے شاگرد کی عمارت اور قضا کے سبب سے اور دوسرے شاگرد کے علم اور تالیف کی برکت سے امام کا مذہب سارے عراق اور خراسان اور ماوراءالنہر میں پھیل گیا *

حنفی مذہب کے بعد بنیاد مالکی مذہب کی پڑی کہ امام مالک حدیث اور فقہ اور زہد اور پرہیز گاری میں بڑے مشہور تھے اور اُنکو احادیث نبوی بہت سی یاد تھیں اور وہ اُس کے ضعف اور قوت سے بھی بخوبی واقف تھے چنانچہ اُنہوں نے نہایت عمدہ اور صحیح اور جامع کتاب حدیث کی لکھی جس کا نام موطا ہی اُس کی قبولیت اعلی درجہ پر پہونچی اور ہزاروں آدمیوں نے اُس وقت کے اُس کی سند امام مالک سے حاصل کی پس امام مالک کی اس کتاب کی برکت سے ایسا فائدہ لوگوں نے پایا کہ جس کا کچھہ بیان نہیں ہوسکتا پس جہاں جہاں اُن کے اصحاب اور شاگرد پہونچے اور اُن کی کتاب کو لوگوں نے دیکھا اُن کے مذہب پر عمل کرنا شروع کیا پھر تو اُن کے بعد اُن کے شاگردوں نے اُن کے مذہب کے اصول اور دلایل کو ترتیب دیا اور اُن کی کتاب کے حاشیے کیئے اور اُن کے کلام اور فتووں کی شرح کی یہاں تک کہ آخر اُن کا بھی ایک جدا مذہب قرار پایا اور نواح مغرب کی طرف جہاں اُن کے تلامذہ زیادہ ہوئے مالکی مذہب پھیل گیا *

ان دونوں مذہبوں کی بنیاد پڑچکی تھی کہ امام شافعی رحمۃاللہ علیہ پیدا ہوئے اُنہوں نے دونوں مذہب کے اصول و فروع کو دیکھہ کر اور اُن کے کلیات و جزئیات پر نظر کر کے اُن باتوں کو جو اُن مذہبوں میں ناقص تھیں پورا کیا اور نئی طرز سے اصول اور قواعد کو ترتیب دیا *

امام شافعی نے سب سے اول ایک کتاب اصول کی تالیف کی اور اُس میں احادیث مختلف کے جمع کرنے کے قاعدے مرتب کیئے اور احادیث مرسل اور منقطع پر استناد کرنے کا بغیر پائے جانے اُس کی شرایط کے التزام ترک کیا چنانچہ جو کچھہ اُنہوں نے حنفی اور مالکی مذہب سے اختلاف کیا اکثر ان باتوں میں تھا *

† تحفہ اثنا عشریہ —

اول احادیث مرسل اور منقطع پر استناد نه کرنا — امام شافعي نے حنفي اور مالکي مذهب والوں کو بعض احادیث مرسل اور منقطع پر استناد کرتے هوئے دیکهه کر یهه اصول قایم کیا که ایسي احادیث پر جب تک اُس کي شرایط پائي نه جاویں سند نه کي جاوے اس لیئے که طرق حدیث کے جمع کرنے سے بخوبي ظاهر هوا که بعض احادیث مرسل محض بے اصل هیں اور بعض مسند کے مخالف هیں *

دوسرے احادیث مختلفه کے جمع کرنے کے اصول قایم کرنا — امام شافعي سے پہلے احادیث کي وه کثرت نه تهي جو اُن کے زمانه میں هوئي اس لیئے که هر شهر کے رهنے والے اپنے هي شهر کے عالموں اور اماموں سے احادیث کو اخذ کرتے اور اُسي کو روایت کرتے مگر جب اس علم کي تدوین شروع هوئي اور لوگوں نے ایک شهر کے دوسرے شهر میں جاکر احادیث کو سیکها اور متفرق متفرق لوگوں کو جو کچهه حدیثیں یاد تهیں اُن سے ملا تو احادیث کي کثرت هوگئي اور پهر اُن میں اختلاف بهي معلوم هوا تو ضرور هوا که اُس اختلاف کے رفع کرنے اور احادیث مختلفه کے جمع کرنے کے قاعدے مقرر کیئے جاویں چنانچه اسي واسطے امام شافعي نے ایک اصول کي کتاب تالیف کي *

تیسرے احادیث صحیحه کے ترک کرنے سے پرهیز کرنا — پچهلے لوگوں نے جن جن بزرگوں سے فقه کو حاصل کیا اور جن کے اقوال پر اپنے مذهب کي بنا قایم کي اُن کو اُس وقت تک بعض احادیث صحیحه نهیں پهونچیں اور اُن کو بسبب نه معلوم هونے اُن احادیث کے جتنے مسائل به تصریح نکلتے تهے قیاس سے کام لینا پڑا پس جب که امام شافعي نے دیکها که بعض احادیث صحیحه پر عمل کرنا پچهلے مذهبوں میں بمجبوري رهگیا هی تو امام شافعي نے اس امر کو صاف بیان کیا که وقت مل جانے حدیث صحیح کے قیاس کو چهوڑ دینا اور حدیث صحیح پر عمل کرنا ضرور هی اور اُنهوں نے ثابت کیا که یهي طریقه صحابه اور تابعین کا تها که وے همیشه احادیث کي جستجو کرتے جب کوئي حدیث نه ملتي تب استدلال اور قیاس سے کام لیتے اور اگر پیچهے اُن کو حدیث پهونچ جاتي تو اُسي وقت قیاس کو چهوڑ دیتے اور عمل بالحدیث کرنے لگتے *

اس بات سے که امام ابوحنیفه یا امام مالک وغیره کو سب احادیث پر اطلاع نهیں هوئي در حقیقت اُن کي پاکي اور بزرگي اور علم میں کچهه الزام نهیں آتا اس لیئے که اُس وقت تک وه مادة احادیث کا نه تها جو پیچهے کرکے امام شافعي کو ملا اور اس کا عذر علماء محققین حنفیه نے خود کیا هی چنانچه امام شعراوي لکهتے هیں که

ان عذر ابي حنیفة في کثرة القیاس عدم بلوغ الاحادیث الصحیحة الیه في زمنه یعني امام ابو حنیفه کا عذر کثرت قیاس میں یهه هی که سب احادیث صحیحه اُن کو اُن کے وقت میں نه پهونچیں تهیں اور علامه احمد بن عبدالسلام اپني کتاب رفع الملام عن الائمة الاعلام میں لکهتے هیں که بهت سي حدیثیں ایسي هیں جو که خود خلفاء اربعه رضي الله تعالی عنهم کو نهیں پهونچیں اور علاوه اُن کے اَوْر اصحاب اُن سے واقف هوئے پس اگر بعد اُن کے کسي امام کو احادیث صحیحه پر اطلاع نهیں هوئي تو کچهه جاے تعجب نهیں اور اس مضمون کو لکهه کر علامه موصوف لکهتے هیں که فمن اعتقد ان کل حدیث صحیح قد بلغ کل واحد من الائمة او اماما معینا فهو مخطي خطاءً فاحشاً قبیحاً یعني جس نے یهه اعتقاد کیا که ساري صحیح حدیثیں هر ایک امام کو پهونچ گئیں یا کوئي خاص امام اُن سب سے مطلع هوا تو ایسا اعتقاد کرنے والا کهلي هوئي نهایت قبیح خطا پر هی اور یهه بهي وه لکهتے هیں که اگر کوئي کهے که کیونکر سب احادیث نبوي پر اطلاع نهیں هوسکتي تهي جب که احادیث کي تدوین هو چکي تهي تو یهه بهي بڑي غلطي هی لان هذه الدواوین المشهورة في السنن انما جمعت بعد انقراض الائمة المتبوعین اس لیئے که یهه کتابیں مشهور بعد گذرنے اُن اماموں کے مدون هوئي هیں جن کي لوگ تقلید کرتے هیں اور یهه کهنا مقلدین کا که هر مسئله میں همارے امام کے پاس ایک حدیث تهي اور ایک خاص دلیل وان لم نعرفه و نعتقده یعني گو هم اُس کو نهیں جانتے حقیقت میں ایسا جواب هی جس کو سفاهت محض اور جهالت قبیح کے سوا کچهه نهیں کهه سکتے *

اور مقدمه منهج کے باب تبري الائمة من اقوالهم اذا خالف الشریعة میں امام شعراوي نے صاف لکهدیا هی که لو عاش ابو حنیفة الی تصحیح الاحادیث لترک القیاس یعني اگر امام ابو حنیفه اتني زندگي پاتے که تصحیح حدیث کرسکتے تو ضرور وه قیاس کو چهوڑ دیتے *

غرض که امام شافعي رحمة الله علیه نے اُن مسایل میں قیاس کو چهوڑا جن میں به سبب نه پانے حدیث کے اگلے اماموں نے اجتهاد کیا تها اور صرف حدیث پر عمل کیا *

چوتهے اقوال صحابه پر بوجهه مخالفت حدیث کے استدلال نکرنا — امام شافعي رحمة الله علیه کے وقت میں صحابه کے اقوال بهي لوگوں نے جمع کرلیئے تهے اور وه باهم مختلف تهے اور بعض بعض احادیث صحیح کے مخالف تهے اسلیئے امام شافعي نے اُنکے اقوال پر بعد پانے حدیث صحیح کے استدلال کرنے کو ترک کیا اور صاف کهدیا که

ہم رجال و نحن رجال کہ وہ بھی آدمی تھے اور ہم بھی آدمی ہیں اُن سے غلطی ہوسکتی تھی پس بعد پانے حدیث کے اُنکے اجتہاد پر عمل کرنا ضرور نہیں بلکہ اُسکا ترک کرنا اور حدیث پر عمل کرنا ضرور اور لازم ہی کما قال شارح سفرالسعادۃ ابو حنیفہ تقلید صحابی را در آنچہ صحابی باختیار خود گوید واجب داند و شافعی گوید ہم رجال و نحن رجال ما وایشان در اجتہاد برابریم و ہمہ مجتہدانیم مجتہد را تقلید مجتہد دیگر نرسد *

پانچویں رائے اور قیاس میں تمیز کرنا امام شافعی کے وقت میں اکثر لوگ ایسے تھے جو اجتہاد میں رائے کو دخل دیتے اور اُسیکو وہ قیاس سمجھتے جو شرعاً جایز ہی حالانکہ قیاس جو شرعا جائز ہی اور جو صحابہ اور تابعین میں جاری تھا وہ صرف یہہ ہی کہ کسی حکم منصوص سے اُسکی علت نکالنا اور جس میں وہ علت پائی جاوے اُسپر اُسی حکم کو قایم کرنا مثلاً خدا کی کتاب میں شراب کی حرمت مذکور ہی نہ کسی اور مسکرات کی تو حرمت شراب کی حکم منصوص ہی اور سکر اُسکی حرمت کی علت † ہی پس جس چیز میں وہ علت پائی جاوے یعنی سکر اُسپر حرمت کا حکم قایم کرنا حقیقت میں قیاس ہی اور رائے یہہ ہی کہ کسی تراشی ہوئی بات کو اصول میں قایم کرنا اور اُسیکو باعث حرمت و حلت کی بنانا مثلاً مظنہ حرج یا مصلحت عام کو کسی حکم کی علت ٹہرانا پس ایسے قیاس کو جو کہ درحقیقت رائے ہی امام شافعی نے ترک کیا اور صاف کہدیا کہ من استحسن فانہ اراد ان یکون شارعا کہ جو قیاس استحسان کو شریعت میں دخل دیتا ہی وہ دراصل اپنے آپ کو صاحب شریعت بنایا چاہتا ہی *

غرضکہ یہہ چند کھلی ہوئی اور صاف باتیں ہیں جس سے امام شافعی نے اپنے پچھلے ائمہ سے اختلاف کیا اور بیچ کے ذریعے اور واسطے چھوڑ کر اصل ماخذ سے فقہ کو لیا اور کتاب و سنت ہی پر مدار اپنے مذہب کا رکھا اور کسی خاص شہر کے عالم یا کسی معین قوم کے فقیہہ کے اقوال و اصول پر اپنے اجتہاد کی بنا قایم نہ کی اور حقیقت میں یہہ طریقہ اُنکا نہایت ہی اچھا تھا لوگوں کو حد سے زیادہ پسند ہوا اور بڑے بڑے فقہا اور محدثین نے اُنکے مذہب کی خوبی پر اقرار کیا اور اُسکو اختیار فرمایا اور اس طور سے بعد چندے مذہب شافعی رائج ہوا *

جو کیفیت حنفی اور مالکی اور شافعی مذہب کی بنیاد کی ہوئی قریب قریب اُسی کے امام احمد بن حنبل کے مذہب کی بنیاد پڑنے کی ہی *

اس مسلسل مختصر بیان سے سمجھنے والے کو نہ صرف یہہ بات معلوم ہوسکتی ہی کہ بنیاد ان چاروں مذہب کی کب اور کیونکر پڑی بلکہ یہہ بھی ثابت ہوسکتا ہی کہ کسی نے ماجملہ ان چاروں امام کے اپنے مذہب کو لوگوں کی تقلید کے لیئے نہیں بنایا اور اپنے آپ کو صاحب مذہب کہلانے کے لیئے اجتہاد اور استنباط نہیں کیا بلکہ اُنہوں نے صرف اپنی ذات کے لیئے اجتہاد کیا اور اپنے دین کے شوق میں فقہ کو تدوین کیا کسی نے اُن میں سے یہہ نیت نہیں کی کہ ہم مقتدا بنیں اور ہم کوئی خاص مذہب کھڑا کریں اور لوگوں کو اُسپر راغب کرکے کچھہ شہرت یا عزت حاصل کریں اُن بزرگوں کی نیت ایسی کدورتوں سے بالکل پاک اور اُنکے دل ایسے خطرات سے بالکل صاف تھے اُنکو سوائے اپنے ذاتی فائدہ کے کوئی دوسری غرض نہ تھی اسی واسطے اپنی تقلید سے منع کرتے رہتے اور جب کوئی خلیفہ اور بادشاہ اُنکی تالیفات کو لوگوں کے عمل کرنے کے لیئے مشتہر کرنا چاہتا وہ منع کردیتے چنانچہ لوائح الانوار القدسیہ میں لکھا ہی کہ واعلم ان ماعملہ المجتہدون من الکتاب والسنۃ انما کان لانفسہم لا للخلق ای لا ان کل مجتہد یوجب تقلید نفسہ علی کل فرد من افراد العالم بل من الائمۃ من نہی عن تقلید نفسہ وامر بتحصیل رتبۃ النظر *

پس وہ اثر جو اُن بزرگوں کی نیک طبیعت اور پاک نیت کا * ہمارے دلوں پر ہوتا ہی وہ یہی ہی کہ وہ خود متورع اور صاحب شریعت بننے کا قصد نرکھتے تھے اور اپنے اجتہاد اور استنباط کو سارے جہان کے لوگوں سے قبول کرانے کا شوق نرکھتے تھے بلکہ جہاں تک اُن سے اپنی ذات کی بھلائی اور لوگوں کے نفع کے واسطے ہوسکتا تھا وہ احادیث نبوی یا اقوال فقہا سے مسایل کو استخراج کرتے اور لوگوں کی ضرورت اور حاجت کو رفع کرتے اور صاف صاف کہدیا کرتے کہ اگر کوئی مسئلہ اور کوئی جزئیہ ہمارا حدیث کے خلاف پاؤ یا اسی قیاس اور رائے کو ہماری کتاب و سنت کے برخلاف دیکھو اُسے ہرگز نمانیو اور اُسپر عمل کرنے کو حرام سمجھو *

مگر خدا نے اپنے قانون قدرت میں یہہ قاعدہ رکھدیا ہی کہ ہر شی آہستہ آہستہ شروع ہوتی ہی اور تھوڑی تھوڑی بڑھتی ہی جب اُسکی ترقی پورے درجہ پر اور اپنی معین حد پر پہونچ جاتی ہی تب اُسکی ترقی رک جاتی ہی اور گھٹنے لگتی ہی اور پھر درجہ بدرجہ اُسمیں خرابی آتی جاتی ہی یہاں تک کہ آخر سوائے لفظوں

† لیکن ضرور ہی کہ اُس علت کا علت ہونا بھی نص سے ثابت ہوا ہو نہ کسی انسان کی عقل سے —

کے کچھہ حقیقت اُس ہی کی باقی نہیں رہتی اور بجز نام کے کوئی چیز اُسمیں باقی نہیں جاتی پس اِسی قاعدہ کا اثر ان مذاہب پر ہوا کہ اول تو آہستہ آہستہ ائمہ دین نے فقہ اور حدیث کو جمع کیا اور اجتہاد اور استخراج کو درجہ بدرجہ کمال پر پہونچایا اور اپنی نیتوں کو پاک اور اپنے ارادوں کو ٹھیک رکھا اور پھر آخر لوگوں نے تحقیق اور تنقیح کو چھوڑ دیا اور جس امر کا دعوی اُن اماموں نے خود نہیں کیا اُسے اُنکی طرف منسوب کیا اور اُنکو مثل صاحب الشریعت کے صاحب مذہب بنادیا اور اُنکو معصوم اور محفوظ عن الخطا سمجھہ کر اُنکی باتوں کے سامنے اصل صاحب الوحی کے قولوں پر تمسک کرنا چھوڑدیا یہاں تک کہ آخر اپنے آپ کو پیغمبر سے نسبت کرنا بھی زمانہ سے اُٹھہ گیا اور بجاے محمدی اور احمدی کے حنفی اور شافعی کہنے پر مذہب کا مدار آگیا اور پھر جیسا زمانہ گذرتا گیا اور دین میں تبدل ہوتا گیا اُتنی ہی یہہ خرابی بڑھتی اور دین و مذہب کی حقیقت چھوٹتی گئی یہاں تک کہ اب جس زمانہ میں ہمکو خدا نے پیدا کیا ہی اور جسمیں شاد ناشاد زندگی کے دن کاٹتے ہیں کسی امام کے مذہب کو ترک کرنا یا کسی اُسکے قول کو نہ ماننا اسلام سے پھرنا اور نبی کے کلام کا انکار کرنا سمجھا جاتا ہی اور تحقیق کا نام لینے والا اور کتاب و سنت پر عمل کرنے والا بدعتی اور فاسق اور دشمن اسلام کا تصور کیا جاتا ہی *

جو کہ ہم اجتہاد کی ترقی کے زمانہ کو بیان کرچکے اور مذاہب اربعہ کی بنیاد پڑنے کے زمانہ اور سبب کو بھی لکھہ چکے اِس لئے اب ہم اُسکے تنزل کے زمانہ کو اور اُسکے وجوہ کو لکھتے ہیں *

چاروں مذہب کی پابندی کامل طرح سے جاری ہونے اور اجتہاد ترک کرنے کے زمانہ اور سبب کا بیان

تواریخ اور کتابوں کے دیکھنے سے یہہ بات بخوبی ظاہر ہوتی ہی کہ اگرچہ تقلید کی بنیاد دوسری صدی کے اوسط سے شروع ہوئی لیکن تیسری صدی تک پوری پوری جاری نہوئی اور چوتھی صدی سے پہلے کسی ایک معین مذہب پر کامل تقلید لوگوں نے اختیار نہ کی چنانچہ ابو طالب مکی نے قوت القلوب میں لکھا ہی کہ چوتھی صدی سے پہلے مذاہب اربعہ کی تقلید کا کامل طرح سے رواج نہ تھا اور حنفی شافعی کہلائے جانے کا بہت زور شور نہ تھا *

اِس موقع پر یہہ سوال پیدا ہوتا ہی کہ پھر لوگ مسایل شرعی کسطرح تحصیل کرتے تھے اور فقہ کو کسطرح سیکھتے اور اُسپر کیونکر عمل کرتے تھے اِسلیئے ہم اُسکا جواب دیتے ہیں کہ اُسوقت تک جو لوگ تھے وہ دو حال سے خالی نہ تھے یا ذی علم تھے یا جاہل پس جو لوگ جاہل تھے وہ اپنے گھر میں روزہ نماز وغیرہ عبادت کے مسئلے سیکھتے اور اُسپر عمل کرتے اگر ضرورت کسی مسئلہ کے پوچھنے یا فتوی کے لینے کی ہوتی تو جس عالم کو وہ افضل اور بہتر جانتے اُسی سے پوچھہ لیتے اور اُس کی بات پر عمل کرتے بلا لحاظ اس کے کہ وہ عالم حنفی ہوتا یا شافعی یا مجتہد اور جو لوگ خود ذی علم تھے اُن کی دو صورتیں تھیں بعضے اہل حدیث تھے بعضے صاحب اجتہاد جو اہل حدیث تھے اُن کا طریقہ یہہ تھا کہ وہ کتاب الہی اور احادیث نبوی اور آثار صحابہ پر عمل کرتے اور اگر کسی مسئلہ میں ضرورت ہوتی تو کسی فقیہہ کے کلام پر رجوع کرتے خواہ وہ فقیہہ مدنی ہوتا یا مکی کوفی ہوتا یا بصری اور جو صاحب اجتہاد تھے وہ اجتہاد اور تخریج کرتے اور اصول اور قواعد کلیہ کو پیش نظر رکھکر اُسی سے فروعات کا استنباط کرتے پس اگر وہ اصول پہلے سے کسی خاص امام یا اُس کے فرقہ کے ساتھہ مخصوص ہوتے تو لوگ اُس مجتہد کو بھی اُسی امام کی طرف منسوب کرتے اور اُس مجتہد کو بھی اُن اصول کا پابند پاکر شافعی یا حنفی سمجھتے *

یہہ صورت تیسری صدی کے اخیر تک قایم رہی اُسوقت تک نہ عمل بالحدیث پر کوئی طعنہ کرتا نہ اجتہاد پر الزام دیتا مگر جب جہالت کا زور ہوا اور اختلاف اُمت میں پڑگیا اور طبیعتوں سے تحقیق کا مزہ جاتا رہا اور صاحب شریعت تک واسطے در واسطے ہوگئے تب چوتھی صدی میں لوگوں نے سیدھا رستہ چھوڑدیا اور داہنی باتیں چلنا شروع کیا اور سلاطین کے سامنے مناظرہ اور مجادلہ میں اپنے ہمسروں پر غالب ہونے کا شوق پیدا ہوا علم کو دنیا کی تحصیل کا ذریعہ گردنا اپنی ناموری اور عزت اور شہرت کے لیئے اُن مسائل کو جنمیں نہایت نیک نیتی کے سبب سے باہم ائمہ اربعہ کے اختلاف ہوا تھا ذریعہ بحث کا بنایا اور اپنے اپنے اماموں کے اقوال کو نہ صرف اِس وجہہ سے کہ حقیقت میں وہ اُنہیں کو صحیح اور دوسرے کو غلط جانتے تھے مثل کتاب و سنت کے مستند گردانا بلکہ اس لحاظ سے کہ وہ خود اُس مذہب سے منسوب تھے اور اُس امام کے مقلد کہلائے جاتے تھے اُن اقوال کے اثبات کو اپنی غزارت علم کے اظہار کا سبب تصور کیا تاکہ لوگوں کو یہہ معلوم ہو کہ یہہ اچھے بڑے مولوی اور فقیہہ ہیں کہ جن باتوں پر یہہ عمل کرتے ہیں اور جن قولوں کو یہہ واجب العمل جانتے ہیں وہی صحیح اور درست ہیں اور اُن کے پاس بہت سی دلیلیں اُسکے اثبات پر موجود ہیں اور اس سے اُنکے علم اور تفقہ

کی شہرت ہو اور جب ایسے لوگوں نے اپنی اپنی تقریر اور تحریر کے زور سے اور اپنی فصاحت اور بلاغت کے بھروسہ پر ایک چیز کا التزام کرلیا اور اپنے ہمعصروں سے اُن باتوں میں مباحثہ اور مناظرہ شروع کردیا اور بڑے بادشاہوں اور امیروں کی مجلسوں میں اُس کی بحثیں ہونے لگیں تو تعصب نے اُنکی آنکھوں کو اندھا کردیا اور غرور نے اُنکے دلوں سے نیک نیتی اور صفاء طینت کو نکال لیا اپنے دل میں اپنے قول اور اپنے عقیدہ کی سخافت پر قایل ہوجاتے مگر زبان سے اقرار نکرتے اور اُس سے پھرنے کو اپنی ہتک سمجھتے اور جان بوجھہ کر کتاب اور سنت کو چھوڑ کر اپنی بات پر قایم رہتے اور بوچ دلیلوں اور بیہودہ اور خرافات باتوں اور ضعیف سندوں سے اُسی کے ثابت کرنے پر قایم رہتے اور اسیکو استقلال اور صلابت فی الدین اور غزارت علم سمجھکر ابطال حق اور احقاق باطل کرکے بہ مقتضاے اخترت النار علی العار دنیا کی شرم کو عاقبت کی شرم پر اختیار کرتے چنانچہ اِسیوقت میں ایک ایک عقیدہ پر سو سو ورق کی کتابیں تالیف ہوگئیں اور ایک ایک فقہی مسئلہ پر ہزار ہزار صفحے سیاہ ہوگئے فقہ اور حکمت اور علم کی اصلی حقیقت تو جاتی رہی اُس کے ناموں پر مدار دین کا آگیا اور مباحثات اور مناظرات کا نام استنباط دقایق شرع رکھا گیا تالیفات اور تحریرات کی وہ کثرت ہوئی کہ ہر جاہل صاحب تالیف اور ہر عامی صاحب تصنیف بنگیا اور ایک ایک دنیا طلب مولوی اپنے آپ کو عالم ربانی سمجھنے لگا فقہ کے مسئلوں اور علم کلام کے فرضی عقیدوں کے اُنہیں کا نام اعلاء کلمۃ اللہ ہوگیا یہانتک نوبت پہونچی کہ جو بڑا بکنے والا ہوتا اُسیکو لوگ بڑا مولوی سمجھتے جو سب سے زیادہ خوش گپ ہوتا اُسی کو لوگ عمدہ واعظ جانتے جو لڑنے جھگڑنے میں خوب مشاق ہوتا وہی محقق کہلایا جاتا جو نہایت فضول اور لغو ہوتا وہی جامع منقول سمجھا جاتا جیساکہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ احیاء میں فرماتے ہیں فصار یسمی المجادل المتکلم عالماً والقاص المزخرف کلامہ بالعبارات المسجعۃ عالماً ہکذا ضعف الدین فی قرون سالفۃ فکیف الظن بزمانک ہذا و قد انتہی الامر الی ان مظہر الانکار یستہدف لنسبۃ الی الجنون فالاولی ان یشتغل الانسان بنفسہ و یسکت یعنی جو شخص جھگڑنے والا بڑی بات چیت کرنے والا ہوتا اُسی کو لوگ عالم جانتے اور جو بیہودہ قصے کہنے والا اور مزخرفات بکنے والا ہوتا اُسی کو سب مولوی سمجھتے پس جبکہ پچھلے زمانوں میں دین ایسا ضعیف ہوگیا تو اب اس زمانہ کا حال کیا بیان کیا جاوے کہ اب تو وہ زمانہ آگیا ہی کہ جو ان مولویوں اور عالموں کی باتوں کو نہ مانے وہی کُفر ملحد کا نشانہ ہوتا ہی اور جو حق بات زبان پر لاوے وہی مجنون اور دیوانہ ٹہرتا ہی پس انسان سواے اس کے کیا کرے کہ اپنا کام کرے اور چپ چاپ رہے ٭

غرض کہ اسی زمانہ میں تقلید کی جڑ مضبوط ہوگئی اگرچہ وہ چیونٹی کی سی چال تقلید کی جو لوگوں کے دلوں میں دوسری صدی سے شروع ہوئی تھی چوتھی صدی مَیں پوری ہوگئی اور سواے چند علماء ربانی کے سب کے دلوں میں کامل طور سے اُس نے جگہہ کرلی ٭

ہمارے اس بیان سے غور کرنے والے کو تقلید پر پورے طور پر عمل کرنے کا سبب تو بخوبی ظاہر ہو سکتا ہی لیکن ہم اس امر کو کہ تقلید نے کتاب و سنت پر استناد کرنے کا طرز پسندیدہ کیوں متروک کرا دیا اور بجاے قال اللہ اور قال الرسول کے قال زید و قال عمرو کیوں رائج کیا چند لفظوں میں بیان کرتے ہیں سبب اس کا یہہ ہی کہ جب علما اور فقہا باہم بحث کرنے لگے اور اپنی سخن پروری اور نفسانیت کے سبب سے اَوروں پر حق ناحق غلبہ پانے کے شایق ہوئے اور ایک دوسرے کو حسد کی نظر سے دیکھنے لگے اور لوگ اُسی سے رجوع کرنے کے عادی ہوگئے جو کہ وقت مباحثہ کے غالب رہتا اور اپنی طرف مقابل کو ہرا دیتا تو اُس وقت مباحثہ اور مناظرہ کی کثرت ہوئی اور سواے شاذ نادر نیک پاک لوگوں کے ایک نے دوسرے کے کلام کی تردید شروع کی یہاں تک کہ ایک عالم دوسرے کے فتوے کو رد کرتا اور ایک فقیہہ دوسرے کی بات کو کاٹ دیتا اور چونکہ اسکے لیئے ضرورت کسی دلیل و برہان کی ہوتی پس فقہ اور دین میں سواے نقل کے صرف عقلی دلیل کافی نہ تھی اور بغیر کسی سند اور قول کے بات نہ بنتی تھی پس دلایل و براہین کی جستجو کرنی پڑی اور اپنی اپنی باتوں پر سند لانے کی حاجت ہوئی جب ان لوگوں نے کتاب و سنت پر توجہہ کی تو کوئی دلیل ایسی کہ جو صرف اُن کی بات کو ثابت اور دوسرے کے قول کو رد کرے نہ ملی تو اپنے اپنے بزرگوں اور فقیہوں اور شیوخ کے قولوں ہی کو سند لانا شروع کیا اور صرف اپنے اپنے فرقہ کے نامی نامی عالموں کے اقوال و اعمال کو حجت گردانا پس جب کسی ایک فریق نے کتاب و سنت کو چھوڑ کر غیر معصوم کے کلام یا عمل کو دلیل میں پیش کیا تو دوسرے فریق نے بھی یہی طرز اُڑایا اور مضمون الکیل بالکیل اور کماتدین و تدان کا ادا کیا اُس نے بھی اپنے قول کی سند میں عالموں اور مولویوں کی باتوں ہی کو پیش کیا پس اِس طرز جدید کے شروع ہونے ہی کی دیر تھی کہ مثل تیز باروت کے جسمیں آگ لگنے ہی کی دیر ہوتی ہی نہ اُڑنے اور اُڑانے کی اُسکا اثر ساری طبیعتوں پرہوگیا اور تھوڑے ہی عرصہ میں از شرق تا غرب یہہ طریقہ جاری ہوگیا اِس دین و مذہب کے خراب

تقلید اور عمل بالحدیث

یکم ربیع الثانی سنہ ۱۲۸۸ ہجری

تقلید اور عمل بالحدیث

و یہہ تمام کرنے والے طریقہ کا صرف یہی بد اثر نہیں ہوا کہ لوگوں نے علما و فقہا کے اقوال کو مستند گردانا بلکہ چند ہی روز میں اُسکا یہہ برا نتیجہ ظاہر ہوا کہ لوگوں نے اگلے علما و فقہا پر تہمت کرنا شروع کیا اور جو بات اُنہوں نے اپنی زبان سے نہیں نکالی اور جو چیز اُنکے دلمیں بھی نہیں آئی اُسکو اُنکی طرف منسوب کردیا اور اپنی بات قایم رکھنے اور حریف پر عیاری اور فریب سے غالب ہونے پر اقاویل باطلہ اور اسناد کاذبہ کا نقل کرنا شروع کیا *

چنانچہ ایک مجلس میں امام احمد حنبل گئے وہاں دیکھا کہ ایک شخص بہ قید اسناد ایک امر کو اُن کی طرف منسوب کر رہا ہی اور عن فلان عن فلان کہکر حاتمہ اُسکا اُن تک کر رہا ہی وہ یہہ سنکر غرق حیرت ہوئے اور خاموش رہ گئے آخرش اُن سے نہ رہا گیا اور اُس شخص سے کہا کہ میں احمد حنبل ہوں میںنے یہہ بات نہیں کہی اُس عیار کی چالاکی قابل آفرین کے ہی کہ اُسیوقت اپنی بات قایم رکھنے اور جھہ ٹہہ چھوڑنے کے لیئے کہا کہ تم بڑے احمق ہو کیا تمہی اکیلے احمد حنبل ہو دوسرا اِس نام کا نہیں ہی وہ احمد حنبل جس سے میں روایت کرتا ہوں دوسرے ہیں *

پس جس طرح سے اُس زمانہ میں جبکہ حدیث پر لوگوں کی نہایت توجہہ اور اُسی کی سند اور دلیل لائی جاتی تھی بدباطنوں اور خبیث طبیعتوں نے جھوٹی حدیثیں بنالیں اور موضوع احادیث کو صاحب الشریعت کی طرف منسوب کیا اِسیطرح سے اس زمانہ میں جب علماء اور فقہا کے اقوال سند میں پیش ہونے لگے اُن عالموں اور فقیہوں کی طرف جھوٹی جھوٹی باتوں کو منسوب کیا اور تاکہ اُس قول کی وقعت اور عزت زیادہ ہو بقید اسناد اُسکا سلسلہ عن فلان عن فلان کہکر صاحب قول تک پہونچا دیا مگر احادیث وضعی کو اِس سبب سے کہ احادیث حقیقت میں قابل استناد کے ہیں اور مدار شریعت کا اُن پر ہی پڑتاہے محققین نے اصلی حدیثوں سے علحدہ کردیں اور موضوعات کے رسالے لکھکر اُن کی غلطی اور موضوعیت کو بیان کرکے قوی کو ضعیف سے اور موضوع کو صحیح سے جدا کردیا مگر علما اور فقہا کے اقوال موضوعہ کو اُن کے اقوال صحیحہ سے جدا کرنے پر اُسطرح کسی نے توجہہ نکی اس لیئے نہ اُنکو علحدہ کرنا محض فضول تھا اسلیئے نہ بالفرض اگر وہ کلام اُنہیں کا ہوتا تو وہ کسی پر حجت نہیں ہوسکتا تھا اور یہ سبب نہ معلوم ہونے اُن کے اُس کی غلطی پر فقط غلط کہدینا ہی اُس کا اور نہ ماننا اُس کا کافی تھا لیکن بدولت چند محققین کے ایسی نقل اور سند سے عوام کو بڑا نقصان پہونچا اور دین میں بڑا رخنہ پڑگیا لوگوں کی طبیعتیں ایسی اعتقاد اور استناد کی ایسی عادی ہو گئیں کہ بغیر کسی مولوی [illegible] اور بغیر کسی عالم کی سند کے کتاب و سنت کی باتوں کا ماننا ہی جاتا رہا اور بجائے قال اللہ اور قال الرسول کے قال زید و قال عمرو پر مدار دین و مذہب کا آ گیا *

اس خرابی نے اس سے زیادہ اَور بھی ترقی پائی کہ جو لوگ حقیقت میں لایق استناد نہ تھے بلکہ جن کے اقوال و اعمال لایق اجتناب کے تھے وہ بھی قابل استناد کے ٹہر گئے اور اہل بدعت اور منافق اور جاہل صاحب سند ہو گئے اور اگر کسی شہر یا کسی فرقہ یا کسی خاندان میں کوئی مشہور ہوا اور اُس کو کچھہ لکھنا پڑھنا بھی آگیا اور کچھہ تالیف اور تصنیف کرنے سے اُس کی عزت بھی بڑہ گئی تو اُس شہر کے رہنے والوں اور اُس فرقہ اور خاندان کے آدمیوں نے اپنے شہر اور اپنے خاندان کی عزت اسی میں جانی کہ اُسی کی بات کو مانیں اور اُسی کے کہنے پر چلیں پس اُن کے دلوں میں یہہ بات ایسی جم گئی کہ اُس کے قول سے پھرنا گویا خدا کے قول سے پھرنا ہی اس لیئے وہ اُسی کی باتوں کے مقلد ہوگئے اور قدم بقدم اُس کے طریقہ پر چلنے لگے اور اسی طرح سے جب اُس کے مقلد اور تابع زیادہ ہو گئے اور وہ مقتدا اور متبوع کسی فرقہ اور گروہ کا ہوگیا تو پس وہ صاحب الکتاب ٹہرایا گیا اگر اُس سے کوئی صریح غلطی ہوجاتی یا اُس سے کوئی فعل مخالف کتاب و سنت کے ہو جاتا تو اُس کے مقلدین و اصحاب اُس کی توجیہات کرتے اور اُسکی تاویلات کرتے یہاں تک کہ آخر اُسکے حالات اور سیر میں کتابیں لکھی جاتیں اور اُس کے معجزے اور کرامتیں اور زہد اَور پرہیزگاری کی حالتیں دفتر کے دفتر سیاہ کیئے جاتے اور جو کچھہ جھوٹھہ خرافات اُسمیں ہوتا اُس کو اُسکے معتقدین اور مقلدین نص قرآنی کی طرح واجب الاذعان جانتے ہیں اور خدا کی کتاب رسول کے کلام کو چھوڑ کر اُسیکو حرز جان بناتے اور ہر مسئلہ اور ہر عقیدہ کے لیئے اپنی لال کتاب کو دیکھتے پس بجاے اِس کے کہ جو کچھہ اُن کے حضرت نے فرمایا ہی اور جو کچھہ اُن کے پیر و مرشد نے ارشاد کیا ہی یا جو کچھہ اُن کے شیخ و بزرگ نے عمل کیا ہی اُسکو کتاب و سنت پر عرض کرتے اور خدا اور رسول کی کتاب کو معیار صحت بناتے اُن بدبختوں نے برعکس اس کے ساری شریعت اور تمام مذہب کو اپنے ہی پیر و مرشد کی تالیفات اور اپنے حضرت کے ملفوظات و مکتوبات پر عرض کرنا شروع کیا پس جو کچھہ اُس کے مطابق پاتے اُسپر عمل کرتے ویسا ہی عقیدہ رکھتے جو کچھہ اُس کے برخلاف دیکھتے اُسے چھوڑ دیتے اور کتاب و سنت کے امتحان کے لیئے اُسکو کسوٹی بناتے پس ایسی حالت

تقلید اور عمل بالحدیث یکم ربیع الثانی سنہ ۱۲۸۸ ہجری تقلید اور عمل بالحدیث

میں جو کچھہ دین کی خرابی ہوسکتی ہی وہ ہوگئی اور جو کچھہ [illegible] جیسی ان باتوں سے خلل پیدا ہوسکتا ہی ہوا اِن چیزوں نے [illegible] دلوں پر اثر کیا کہ اُس کے برخلاف کوئی کلمہ زبان پر لانا کفر کے قریب سمجھا جاتا اور اُن باتوں کا منکر خارق اجماع اور بدعتی اور فاسق ٹھہرتا پس کیا زمانہ نے انقلاب پایا کہ کتاب و سنت کو لوگوں نے پس پشت ڈال دیا اور اپنے بزرگوں کے صحیفوں کو سماوی کرلیا اور پھر جسنے کتاب و سنت کا نام لیا اور اُس پر چلنے کا قصد کیا وہ فعل اُسکا بدعت ٹھہرا اور جس نے اُن صحیفوں کو واجب العمل جانا اور اُس پر عمل کیا [illegible] فعل اُس کا سنت قرار پایا — فاصبح کل واحد منهم بحاجل حظه مشغوفاً نصار یری المعروف منکراً والمنکر معروفاً اِس خرابی کا باعث ایک بہت ہی بڑا غلط خیال ہوا جس کو شیطان نے لوگوں کے دلوں میں ڈالا اور جس کو مقلدین نے عقل و ایمان کی مدد سے نہ نکالا یعنی وہ لوگ جنکی باتوں پر لوگوں نے عمل کیا نیک اور پاک تھے اور علم اور فقہ میں کامل تھے پس اُنکے مقلدین کے دل میں یہہ خیال سمایا کہ بس جب ایسے نیک اور پاک اور امام اور عالم ایسا لکھہ گئے ہیں اور ایسا کرتے رہے ہیں تو ہم کہ نہ اُن کیسے نیک ہیں نہ ویسا علم رکھتے ہیں کیونکر اُسکے برخلاف چل سکتے ہیں حالانکہ وہ یہہ نہ سمجھے کہ وہ گو نیک اور پاک تھے مگر معصوم نہ تھے اور گو وہ عالم اور فقیہہ تھے مگر علم لدنی کے عالم نہ تھے جبرئیل اُن پر نازل نہیں ہوتے تھے خدا بے واسطہ اُس پر وحی نہ کرتا تھا وہ بھی آخر اپنی سمجھہ بوجھہ ہی سے کام لیتے تھے اور اپنی قدرت اور طاقت ہی کے موافق راہ حق پر چلتے تھے اُن سے غلطیوں کا ہونا نہ صرف ممکن تھا بلکہ یقینی اُن سے خطا ہونے کا نہ احتمال ہی احتمال تھا بلکہ ضروری تو پھر باوجود ایسی حالت کے اُن کی سب باتوں کو ماننا اور اُن کے کلام میں سے حق و باطل کو جدا نکرنا اور اُن کے اقوال و اعمال کے رطب و یابس میں تمیز نہ دینا اور سب کو تلقی بالقبول کرنا حقیقت میں اُن کو صاحب شریعت اور اپنے آپ کو اُس پر ایمان لانے والا بنانا ہی اگر یہہ غلط خیال دلوں میں نہ سماتا تو کبھی تقلید کی ایسی جڑ مضبوط نہوتی اور یہہ خرابی پیدا نہوتی اور جس کسیکو خدا نے توفیق دی اور وہ تحقیق پر متوجہہ ہوا اُسنے اول اسی غلط خیال کو دل سے نکالا اور تحقیق کے درجہ پر پہونچنے کے لیئے اول اسی زینہ پر قدم رکھا چنانچہ امام غزالی رحمۃاللہ علیہ اپنی احیاء کے شروع میں پہلے یہی لکھتے ہیں کہ میں نے اِس کتاب کے لکھنے کا واسطے زندہ کرنے علوم دین کے ارادہ کیا ہی اور میں نے اپنا عزم مصمم کرلیا ہی اور چونکہ وہ جانتے تھے کہ ایسی بات کو سنکر لوگ تعجب کرینگے اور مقلدین اور جہلا شور غل مچاوینگے اور ہمپر لعنت ملامت کرینگے اور تحقیق کو بدعت بتلاوینگے اور اسی تحقیق کو خارق اجماع دیکھینگے اس لیئے وہ اول ہی سے اُس متعجب اور ملامت کرنے والے کی طرف متوجہہ ہوکر کہتے ہیں کہ انتدب لقطع تعجبک راہا ایہا العاذل الغالی فی العذل من بین زمرۃ الجاحدین المسرف فی التقریع والانکار من بین طبقات المنکرین الغافلین فلقد حل عن لسانی عقدۃ الصمت و طوقنی عہدۃ الکلام و قلادۃ النطق ما انت مثابر علیہ من العمی عن جلیۃ الحق مع اللجاج فی نصرۃ الباطل و تحسین الجہل والتشغیب علی من آثر النزوع قلیلاً عن مراسم الخلق و مال میلاً یسیراً عن ملازمۃ الرسم الی العمل بمقتضی العلم طمعاً فی نیل ماتعبدہ اللہ تعالی بہ من تزکیۃ النفس و اصلاح القلب کہ اے ملامت کرنے والے منکرمیں تیرے تعجب کے قطع کرنے پر متوجہہ ہوتا ہوں اور اپنی زبان سے خاموشی کی گرہ کھولتا ہوں اور جس بات پر تو اپنے اندھے پن سے جما ہوا ہی اور باطل کی مدد کر رہا ہی اور جہل کو اچھا سمجھہ رہا ہی اُسکو رد کرتا ہوں اور تیرے اُس زور شور اور غل مچانے کو نہیں سنتا جو تو اُس پر کرتا ہی جو کہ ذرا رسم و رواج کی پابندی سے نکلتا اور بہائی بندوں کی رسمیات کو ترک کرکے خاص خدا کے لیئے عمل کرنا چاہتا ہی ٭

جب امام غزالی اپنے وقت میں پابندی رسم و رواج پر ایسی داد بیداد کرتے ہیں اور اُس سے نکلنے کو جہاد سمجھتے ہیں تو وائے برحال ہمارے زمانہ کے کہ اکثر بات بھی زبان سے نکالنا دشوار ہی اور بہائیوں کی رسموں میں سے کسی رسم کا چھوڑنا بھی مشکل نہیں وہی باتیں جو امام غزالی اور بڑے بڑے محققین کہہ گئے ہیں اگر ہم اُنہیں کو نقل کریں تو ابھی کافر ہوتے ہیں اور ساری برادری سے نکالے جاتے ہیں خیال کرنے کا مقام ہی کہ دین کی بنا کس چیز پر تھی اور کس چیز پر آگئی اور مذہب کی حقیقت کیا تھی اور اب اُس کی کیا صورت ہوگئی جب ہم کسی دوسرے دین پر افسوس کرتے ہیں تو ہمارا سب سے زیادہ افسوس اسی بات پر ہوتا ہی کہ اُس دین کے لوگ اپنے اپنے بانی مذہب کی بات پر عمل نہیں کرتے بلکہ بیچ کے واسطوں اور عالموں کے قولوں پر عمل کرتے ہیں اور اپنی اصلی کتاب کو نہیں دیکھتے بلکہ اپنی بیچ کی بنائی ہوئی کتابوں پر چلتے ہیں تو کیسے افسوس کی بات ہی کہ جب وہی خرابی ہم میں بھی موجود ہو اور وہی نقص ہمارے دین میں بھی پڑگیا ہو پس اگر ہم اپنے عیب کو نہ دیکھیں اور اپنے دین و مذہب کو اِس نقص سے پاک صاف نکریں تو ہمارا دوسروں پر طعنہ کرنا اور غیر دین والوں کو برا کہنا عقل اور انصاف کے خلاف ہی ٭

تقلید اور عمل بالحدیث

یکم ربیع الثانی سنہ ۱۲۸۸ ہجری

تقلید اور عمل بالحدیث

اِس زمانہ میں جب ہماری زبان سے کوئی بات خلاف کیسی مشہور عالم یا نامی محدث کے نکلے تو ہمپر ملامت کے تیروں کی بوچھاڑ ہوتی ہی اور ہمارا نام منکر علماء اور دشمن فقہاء مشہور ہوتا ہی کوئی یہہ خیال نہیں کرتا کہ ایک ہر عالم کی مخالفت کا کیا ذکر ہی اگر سارے عالم کے علماء سے مخالفت ہو لیکن ہمارا قول یا فعل کتاب و سنت کے موافق ہو تو ہم اُس ثواب کے مستحق ہیں جوکہ کتاب و سنت پر عمل کرنے والے کو ہوسکتا ہی پس ہمکو ہمیشہ خدا و رسول کی مخالفت کا خیال رکھنا لازم ہی نہ علماء فقہا کی مخالفت کا اور خدا کو قیامت کے دن اُسی کی مخالفت کا جواب دینا پڑیگا نہ زید و عمرو کی مخالفت کا ✽

ہاں یہہ اعتراض ہوسکتا ہی کہ سارے علماء اور کل فقہاء اُمت کا کسی ایسے امر پر اجماع کرنا جو بالکل مخالف کتاب و سنت کے ہو غیر ممکن سا معلوم ہوتا ہی چنانچہ ہم اسکو تسلیم کرتے ہیں اور جو کچھہ ہمنے اوپر بیان کیا وہ صرف فرضی صورت ہی لیکن ہم ایک بات بھی ایسی زبان پر نہ لاوینگے جسکی مخالفت کل علماء اور فقہاء سے ثابت ہو بلکہ وہی بات کہینگے جسکی سند اَوْر محققین کے قولوں سے ہوتی ہو مگر اس اصول کا ہمارے پاس کچھہ جواب نہیں ہی جسکو فقہاء نے راجح اور مرجوح سے تعبیر کیا ہی یعنی جسکو بہت سے مولویوں نے مانا وہ قول تو واجب العمل ہی اور جسکو چندہ محققین نے مانا وہ واجب الترک ہی گو وہ کیسا ہی عمدہ اور اچھا ہو چنانچہ اس امر کو ہم ایک علحدہ بحث میں بیان کرینگے ✽

اصل یہہ ہی کہ جب کسی امر کا دینی ہو یا دنیوی رسماً کامل طور پر رواج ہوجاتا ہی اور سب یا اکثر آدمی پابند اُسکے ہوجاتے ہیں تو در حقیقت اُس سے مخالفت کرنا نہایت ہی مشکل ہوتا ہی اور اُسکی تردید ہرگز وہ امر نہایت ہی صحیح اور درست ہو ہر شخص آمادہ ہوجاتا ہی اور اُس مخالف کی دلایل کو گو وہ کیسی ہی سچی اور اچھی ہوں نہایت ضعیف سندوں سے ہر متنفس باطل کرنے پر مستعد ہوتا ہی ✽

مثلاً ہم اگر تقلید کے التزام کو برا بتلاویں تو اول یہی اعتراض ہوگا کہ خلاف اجماع ہی جب اِس قول کو بھی ہم رد کردیں اور بڑے بڑے صوفیوں اور محققوں اور اماموں کی سند لاویں تو یہہ جواب ہوگا کہ فلاں بزرگ تو صوفی تھے اُنکی باتوں کو کون سمجھے اور فلاں صاحب بڑے محقق تھے اُن کی سی تحقیقات کسکو نصیب ہو اور فلاں شخص بڑے متورع اور پرہیزگار تھے اُنکا سا زہد کسے حاصل ہو اور سوائے نامی گرامی لوگوں کے اَوْر لوگ جو رہ جاویں اُنکی نسبت یہہ کہدیا جاوے کہ وہ بدعتی اور فاسق تھے ہمارے علماء نے اُنکے کلام کو رد کردیا ہی پس صوفی تو تصوف کی برکت سے اور محققین تحقیق کے سبب سے اور زاہد اور متورع اپنے زہد کے ذریعہ سے معذور رہے اور اُنکے اقوال پر عمل کرنا بسبب بہتوں کی مخالفت کے جائز نہ تھا پس اگر ہم ایسی حالت میں کتاب و سنت کو ہاتھہ پر نہ اُٹھالیں اور اپنے دل سے اِن سب باتوں کو نکالکر خدا اور رسول کے کلام پر رجوع نکریں تو حقیقت میں ہم دین کو شرع کے ہاتھہ پر بیچنے والے اور خدا کو پابندی رسم و رواج کے سبب سے چھوڑنے والے اور اپنے دل کو نور ایمان سے خالی کرنے والے ہونگے اسی حالت کو دیکھکر امام غزالی احیاء میں فرماتے ہیں کہ فلا یغرنک قول من یقول العلوی عماد الشرع ولا یعرف علته الا بعلم الخلاف و انما یشتغل به من یشتغل بطلب الصوت والجاه فکن من شیاطین الجن فی امان واحترز من شیاطین الانس فانهم اراحوا شیاطین الجن من الناس فی الاغواء والاضلال یعنی مت مغرور ہو اُس قول پر فقہاء کے کہ فتوی شرع کا ستون ہی اور اُس کی علتوں کا بغیر علم کلام کے جاننا دشوار ہی ایسی باتوں پر وہی متوجہہ ہوگا جس کو دنیا کی عزت اور شہرت منظور ہوگی پس ایسی شیطانوں کے ہوتے ہوئے اصل شیطانوں سے بیخوف ہو جاؤ اور اُن کا خوف نہ رکھو اس لیئے کہ ان شیاطین الانس نے اصل شیطانوں کو سلا دیا ہی اور اُن کی خدمت اپنے ذمہ لیکر لوگوں کو گمراہ کرکے اصل شیطانوں کو چین دیدیا ہی کہ وہ تو سوتے ہیں اور یہہ اُن کا کام کرتے ہیں اور مثل سیکے اَوْر محققین نے بھی فرمایا ہی جیسا کہ مولانا شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ حجۃ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں کہ فتنۃ هذا الجدال والخلاف والتعمق قریبة من الفتنة الاولی حین تشاجروا فی الملک و انتصر کل رجل لصاحبه فکما عاقبت تلک ملکا عضوضا فکذلک عاقبت هذه جهلا و اختلاطا و شکوکا و وهما ما لها من ارجاء فنشات بعدهم قرون علی التقلید الصرف لا یمیزون الحق من الباطل ولا الجدل من الاستنباط فالفقیه یومئذ هو الثرثار المتشدق الذی حفظ اقوال الفقهاء قویها و ضعیفها من غیر تمیز والمحدث من عد الاحادیث صحیحها و سقیمها و هذها کهذ الاسمار بقوة لحییه ولا اقول ذالک کلیا مطردا فان للہ طائفة من عباده لا یضرهم من خذلهم و هم حجة اللہ فی ارضه و ان قلوا ولم یات قرن بعد ذالک الا و هو اکثر فتنة و اوفر تقلیداً و اشد انتزاعاً للامانة من صدور الرجال حتی اطمأنوا بترک الخوض فی امر الدین بان یقولوا انا وجدنا اباءنا علی أمة و انا علی آثارهم مقتدون یعنی جو فتنہ علم جدال و کلام کے سبب سے علماء نے پیدا کیا اور جو فساد ان کے تکلفات سے دین میں پہیلا وہ اس فتنہ سے کم نہیں ہی جو کہ ملک و ریاست میں ہوا تھا جسطرح پر اس جھگڑے کا یہہ نتیجہ ہوا کہ بعد اس کے سلطنت ظلم و جبر کی

تقلید اور عمل بالحدیث

تقلید اور عمل بالحدیث

قایم ہوئی اسیطرح پر اس کلام و جدال کا یہہ نتیجہ ہوا کہ جہالت اور شکوک اور توہمات کی ایسی زیادتی ہوگئی جسکی کوئی حد نہیں اور پھر تو ایسا زمانہ آگیا جسمیں لوگ محض تقلید پر قانع ہوگئے اور حق کو باطل سے جدا نکرسکے فقیہہ وہ کہلانے لگا جو اقوال فقہا کو یاد کرکے بیہودہ بکے اور تکلف کی باتیں کرے محدث وہ ٹھہرنے لگا جو کہ احادیث صحیح اور غلط کو حفظ کرکے بے سمجھے بوجھے کہانیوں کیطرح نقل کرے اور سواے چند شاذ آدمیوں کے جو خاص خدا کے بندے تھے اور جو کسی کے ذلیل کرنے سے ذلیل نہیں ہوسکتے تھے بلکہ وہ خدا کی زمین میں اُس کی حجت تھے سب کے سب ایسے ہی ہوگئے اور پھر جو زمانہ آتا گیا اُس میں فتنہ بڑھتا ہی گیا اور تقلید کو زور شور ہی ہوتا گیا یہاں تک کہ آخرکار معاملات دینی میں تحقیق کرنے کی عادت ہی جاتی رہی اور بزرگوں کی رسموں ہی پر دینداری رہ گئی *

چونکہ میں اِس مقام پر تقلید کے کمال اور تحقیق اور اجتہاد کے ترک ہونے کا حال بیان کر رہا ہوں اِس لیئے وہ تنزلات جو علم اور تحقیق نے اِس تقلید کے سبب سے پائے اُنکو ایک بڑے فقیہہ کے قول سے ثابت کرتا ہوں *

محقق ابن کمال پاشا نے فقہا کے طبقات کو جسطور پر ذکر کیا ہی اُسے میں نقل کرتا ہوں تاکہ ثابت ہو کہ تقلید میں بھی کتنے درجے اُس فقیہہ نے قایم کیئے ہیں محقق موصوف نے فقہاء کے ساتھہ طبقے بیان کیئے ہیں *

پہلے طبقہ کا نام † مجتہدین فی الشرع ہی جسکا کام ہی استخراج کرنا مسائل کا کتاب و سنت سے اور قایم کرنا قواعد اور اصول کا واسطے استخراج مسائل کے *

اِس طبقہ میں امام ابو حنیفہ اور امام شافعی اور امام مالک اور امام احمد حنبل رضی اللہ تعالی عنہم داخل ہیں *

دوسرے طبقہ کو مجتہدین فی المذہب کہتے ہیں اِس طبقہ میں وہ لوگ داخل ہیں جو مجتہدین فی الشرع کے بنائے ہوئے اصول اور قواعد کی تقلید کرتے ہیں اور بہ تسلیم اُن قواعد اور اصول کے احکام اور مسائل کا استخراج کرتے ہیں اور گو کہ اس طبقہ کے لوگ مجتہدین فی الشرع سے بعض احکام فروعی میں مخالفت کرتے ہیں مگر وہ جس مجتہد اور امام کے اصول پر چلتے ہیں اُسی کے مذہب میں داخل سمجھے جاتے ہیں اور معارضین فی المذہب سے علحدہ سمجھے جاتے ہیں مثلاً قاضی ابو یوسف اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہما اور دیگر یاران امام ابو حنیفہ اِس طبقہ کے لوگ ہیں اِسلیئے کہ وہ اُنہیں اصول سے جو امام ابو حنیفہ کے قایم کیئے ہوئے ہیں استخراج مسائل کرتے ہیں اور مثل امام شافعی وغیرہ کے اُن سے اصول میں مخالفت نہیں کرتے مگر بلحاظ اصول مقررہ اُنکے احکام میں اُنسے مخالف ہوجاتے ہیں *

تیسرا طبقہ مجتہدین فی المسائل کہلایا جاتا ہی اِس طبقہ میں وہ لوگ داخل ہیں جو اپنے امام کی کسی شی میں مخالفت نہیں کرتے نہ اصول میں نہ فروع میں اُنکو استخراج مسائل کی قدرت نہیں ہوتی مگر جن مسائل کو صاحب مذہب نے صاف بیان نہیں کیا اُنکو اپنے امام کے مقرر کیئے ہوئے اصول اور قواعد کی پابندی سے استنباط کرسکتے ہیں اِس طبقہ میں داخل ہیں خصاف اور ابو جعفر طحاوی اور ابوالحسن کرخی اور شمس الائمہ حلوائی اور شمس الائمہ سرخسی اور فخرالاسلام بزدوی اور فخرالدین قاضی خاں وغیرہ *

چوتھا طبقہ اصحاب تخریج کہلایا جاتا ہی اِس طبقہ میں وہ مقلدین داخل ہیں جو کسی قسم کے اجتہاد کی قدرت نہیں رکھتے اصول اور قواعد کا بنانا اور مسائل کا استخراج کرنا اور پچھلے طبقہ سے مخالفت کرنا کیسا وہ کسیطرح پر اجتہاد کا نام ہی نہیں لیسکتے مگر بسبب ضبط رکھنے اصول اور قواعد کے اُن کو یہہ قدرت ہوتی ہی کہ وہ کسی قول مجمل ذوجہتین کی تفصیل اور کسی حکم مبہم محتمل امرین کی تشریح کردیں مگر وہی قول اور وہی حکم جو کہ صاحب مذہب سے یا اُن کے اصحاب سے منقول ہو اور اس میں اُن کو اپنے امام کے اصول پر نظر رکھنا اور اُسی قسم کی دوسری فروع پر قیاس کرنا اور دیگر نظائر اور امثال کا خیال رکھنا ضروریات سے ہی اِس طبقہ میں امام رازی اور مثل اُن کے اور شخص داخل ہیں اور جو ہدایہ میں لکھا ہی کہ کذافی تخریج الکرخی و تخریج الرازی وہ اِسی قبیل سے ہی *

پانچواں طبقہ اصحاب ترجیح کہلایا جاتا ہی یہہ وہ مقلدین ہیں جو بعض روایات کو بعض پر ترجیح دیتے ہیں مثل ابوالحسن قدوری اور صاحب ہدایہ وغیرہ کے جن کو اس کہنے کی قدرت ہی کہ ہذا اولی ہذا اصح ہذا اوفق الناس *

چھٹا طبقہ اُن مقلدین کا ہی جو نہ قوی اور ضعیف کی تمیز میں قدرت رکھتے ہیں اور اقوال مردودہ اور روایات ضعیفہ کی نقل نہیں کرتے مثل صاحب کنز اور صاحب مختار اور صاحب وقایہ اور صاحب مجمع وغیرہ اہل متون کے *

ساتواں طبقہ اُن مقلدین کا ہی جو اس کی بھی قدرت نہیں رکھتے اور موٹی دبلی میں کچھہ تمیز نہیں کرسکتے *

اب جو شخص ان طبقات فقہا پر غور کرے وہ خود سوچ سکتا ہی کہ تقلید کی ابتدا کیا تھی اور انتہا کیا ہوئی زیادہ تشریح کی کچھہ

---

† شامی حاشیہ در مختار

حاجت نہیں ہی اس بات پر خیال کر کے لوگوں نے تقلید کو اختیار کیا اور اجتہاد اور عمل بالحدیث [illegible] اُٹھا لیا کہ جب بڑے بڑے علما کہ جو امام اور شمس الائمہ کہلاتے ہیں اور بڑے بڑے مولف جن کی کتابوں کے پڑھنے سے [illegible] عالم اور فقیہہ ہو جاتے ہیں چوتھے طبقہ اور پانچویں طبقہ میں پڑے ہوئے ہیں تو پھر دوسرا کون ہی جو اجتہاد کر سکتا ہی یا کتاب و سنت سے مسائل کا استخراج کر سکتا ہی اور اس امر کو کہ یہہ قول اُن کا صحیح ہی یا غلط ہم پیچھے بیان کرتے ہیں *

جو کہ ہمارے اس بیان سے اجتہاد کے خاتمہ کا زمانہ اور تقلید محض پر عمل کرنے کا حال بخوبی معلوم ہوگیا اس لیئے اب ہم اس امر کو بیان کرتے ہیں کہ باہم ائمہ کے مسائل فقہی میں اختلاف کیوں ہوا اگرچہ جو مختصر کیفیت بناء مذاہب کی ہم نے اُوپر بیان کی اُس سے سبب اختلاف کا بھی معلوم ہوتا ہی لیکن چونکہ اس اختلاف کو دیکھہ کر لوگوں کو بہت سے شبہات پیدا ہوتے ہیں اور ایک دین اور ایک شریعت میں ایسی کثرت سے اختلاف ہونے پر ہر شخص کو حیرت ہوتی ہی کوئی پوچھتا ہی کہ جب قران و حدیث پر سب کا عمل ہی تو پھر کیا قران و حدیث میں باہم اختلاف ہی کوئی کہتا ہی کہ جب تبع تابعین کے مذہب کی بنا تابعین پر اور تابعین کی صحابہ پر ہی تو کیا صحابہ باہم مختلف تھے اگر تھے تو باوجودیکہ سب نے ایک ہی نبی کو دیکھا اور ایک ہی پیغمبر سے دین کو لیا تو پھر آپسمیں اُنکے اختلاف کیونکر ہوا اور باوجود اِس اختلاف کے جب لوگ یہہ سنتے ہیں کہ چاروں مذہب حق ہیں اور جو اختلاف اُنمیں ہی وہ رحمت ہی تو اَور بھی زیادہ تعجب ہوتا ہی اور دل میں اَور ہی کچھہ خیال کرکے ہر شخص شاکی ہوجاتا ہی اِس لیئے ہم اِس اختلاف کے اسباب کو ذرا تفصیل کے ساتھہ بیان کرتے ہیں تاکہ لوگوں کے دلوں سے شبہات دور ہوں اور وہ اِس اختلاف فروعی کو اصول کا اختلاف سمجھکر دل میں اپنے دین کی حقیت میں شک نہ کرنے لگیں *

یہہ بات تو اوپر ہم لکھہ چکے ہیں کہ تبع تابعین کے مذہب کی بنا تابعین پر اور اُنکی صحابہ پر ہی تو جو اختلاف باہم صحابہ کے ہوا وہی اختلاف تبع تابعین میں چلاآیا اور جب تبع تابعین نے مذہب کی بنیاد ڈالی تو اُنکے آپسمیں بھی وہی اختلاف رہا اِس لیئے ہم اول صحابہ میں باہم اختلاف ہونے کا سبب بیان کرتے ہیں *

پہلے اس امر کو ذہن نشین کرنا چاہیئے کہ اختلاف جو مسلمانوں میں بعد زمانۂ نبوت کے ہوا وہ دو قسم کا ہی ایک اختلاف عقائد اور اصول میں دوسرے اختلاف مسائل اور فروع میں اختلاف عقائد اور اصول کا وہ ہی جو کسی اصول دین میں ہو مثل توحید اور نبوت اور معاد اور فرضیت روزہ اور نماز اور حج اور [illegible] کے یا کسی عقیدہ میں عقاید دین کے ہو مثل خلافت اور حقیت [illegible] صحابہ اور وجوب محبت اہلبیت و اصحاب اور عدم تکفیر اہل قبلہ اور مرتکبان کبائر کی اور مثل اُسکے اَور عقائد جن پر [illegible] کہ نصوص صریح ضروری ہی پس جو شخص عقائد اور اصول میں مخالف ہی وہ بدعتی اور اہل سنت کے گروہ سے خارج ہی مثل معتزلہ اور قدریہ اور مرجیہ اور شیعہ اور خوارج کے اور نہ صحابہ میں [illegible] نہ تابعین میں اور نہ تبع تابعین میں نہ کسی امام میں آئمہ اربعہ میں ایسا اختلاف ہوا بلکہ سب اصول اور عقائد میں متفق ہیں [illegible] ایک امر میں بھی ضروریات دین سے اور ایک عقیدہ میں بھی اعتقاد اہل سنت سے باہم مختلف نہیں ہیں اِس لیئے چاروں مذہب اہل سنت ہی کے کہلائے جاتے ہیں *

دوسرا اختلاف مسائل اور فروع میں مسائل اور فروع سے فقہ کے مسائل مراد ہیں اور اُن میں چاروں مذہب البتہ باہم مخالف ہیں اور صحابہ بھی باہم مخالف تھے اِس لیئے اِس اختلاف کے اسباب بیان کرتے ہیں تاکہ معلوم ہو کہ صحابہ میں بعد زمانۂ نبوت کے کیوں اختلاف ہوا *

مدار صحابہ کے اقوال اور افعال اور احکام اور مسائل کا قران حدیث پر تھا اور چونکہ قران پیغمبر صاحب ہی کے سامنے جمع ہوگیا تھا اِس لیئے کسی ایسے مسئلہ میں جو قران میں صاف موجود ہی باہم اختلاف نہیں ہوا اور احادیث پیغمبر صاحب کے روبرو جمع نہوئی تھیں اِس لیئے جن مسائل کا استخراج حدیث پر موقوف تھا اور ہی اُنہیں میں اختلاف ہوا اور اُسکے کئی سبب ہیں † *

اول اختلاف سماعت یعنی ایک صحابی کا

کسی حدیث یا حکم نبوی کو سننا اور دوسریکا نہ سننا مثلاً پیغمبر صاحب نے کوئی حکم دیا یا کچھہ فرمایا یا کوئی فتوی دیا تو جو موجود تھا اُسنے سنا اور دیکھا اُسنے تو اُسپر عمل کیا دوسرے صحابی نے اُسے نہ سنا نہ دیکھا نہ جس صحابی نے سنا اور دیکھا تھا اُس سے اُس دوسرے صحابی کو روایت پہونچی تو اُس دوسرے صحابی نے جب ویسا ہی معاملہ پیش آیا خود اجتہاد کیا پس اگر اُس حدیث کے موافق ہوا تو دونوں صحابی متفق ہوئے اور اگر اجتہاد میں خطا ہوئی تو اُن میں اختلاف ہوا * .

† دیکھو حجۃاللہ البالغہ —

دوسرے ترک اجتهاد يعني صحابي کا اپنے اجتهاد سے پهر جانا مثلاً صحابي نے کسي امر ميں اجتهاد کيا اِس سبب سے که کوئي حديث اُس کو نه پهونچي تهي اور پهر اُسکو کسي سے وه حديث پهونچ گئي تو اُسنے اپنے اجتهاد کو ترک † کيا اور حديث پر عمل کيا ليکن جن لوگوں نے پهلے اجتهاد کو صحابي کے سنا اور اُس سے رجوع کرنے کي خبر اُنے تماي اُنلے صحابي کے پهلے هي قول پر عمل کيا *

تيسرے اشتباه في الحديث يعني حديث کي صحت ميں شک رهنا اور اُس پر کسي صحابي کا عمل نکرنا يهه تو کوئي صحابي نهيں کرسکتا تها که باوجود صحت کسي حديث کے اُسکو ترک کرتا اور اپنے اجتهاد پر عمل کرتا مگر جب راوي کسي حديث کا ضعيف اور قابل کامل اعتبار کے نهوتا تو صحابي اپنے اجتهاد پر قايم رهتے اور اُس حديث کو صحيح نه جانکر اُسپر عمل نه کرتے اور بعض حديث کا نام ملتے هي اُس پر عامل هوجاتے اور اُس کے ضعف اور قوت کو نه ديکهتے *

چوتهے سمجهه ميں اختلاف هونا يعني چند صحابيوں نے پيغمبر خدا کو ايک کام کرتا هوا ديکها کسي نے اُس کو عبادت پر کسي نے اُس کو عادت پر کسي نے اُس کو قربت پر کسي نے اُس کو اباحت پر محمول کيا اور اس سے باهم اختلاف هوا *

پانچويں سهو و نسيان يعني کسي صحابي نے گو خود پيغمبر صاحب سے کچهه سنا يا کچهه کرتے ديکها مگر اُسے ياد نرها اور بهول گيا *

چهٹے اختلاف ضبط يعني پيغمبر صاحب نے کسي امر ميں کچهه فرمايا يا حکم ديا اور کوئي صحابي اُس کا مطلب اَوْر هي کچهه سمجها جيسا که حضرت عمر يا حضرت ابن عمر رضي الله تعالى عنهما سے مروي هے که مردے کو اُس کے گهر والوں کے رونے سے عذاب هوتا هے که اس حديث کو سنکر حضرت عايشه نے کها که يهه صحيح نهيں هے اور راوي نے غلطي کي هے بلکه حقيقت اسکي يهه هے که پيغمبر صاحب ايک يهوديه کے جنازه پر گذرے که اُس کے گهر والے روتے تهے حضرت نے فرمايا که يهه تو روتے هيں اور وه قبر ميں عذاب ديجاتي هے پس مطلب يهه تها که يهه تو اُس کے ليئے روتے هيں اور وه اپنے عذاب ميں مبتلا هے نه وه مطلب هے جو راوي سمجها اور جس سے عذاب کو رونے کا معلول سمجهه کر هر مردے کي نسبت اس حکم کو عام تصور کيا *

ساتويں علت حکم ميں اختلاف هونا

يعني پيغمبر صاحب نے کوئي حکم ديا يا کوئي کام کيا اور ديکهنے والوں نے اپنے نزديک اُس کي علت ‡ اور وجه قايم کي اور اُس ميں اختلاف هوا مثلاً پيغمبر صاحب ايک جنازه کو ديکهه کر کهڑے هوگئے تو کسينے قيام کي علت تعظيم ملائکه خيال کي کسي نے هول موت اُس کي علت سمجهي اور اپني اپني سمجهه کے موافق اُس کي تعميم اور تخصيص پر راے قايم کي *

آٹهويں دو مختلف حديثوں کے جمع کرنے ميں اختلاف هونا جوکه عادات اور مباحات اور سنن ميں ايک هي امر کي پابندي حضرت کو نه تهي اور احکام ميں بهي تکميل اور اصلاح مناسب هوتي رهتي تهي اسليئے جو قول يا فعل يا حکم مختلف هوتا اُس کے توافق ميں صحابه ميں اختلاف هوتا کوئي اباحت کو به سبب ضرورت کے اور نهي کو بوجهه انقضاے ضرورت کے خيال کرتا کوئي ايک کو ناسخ اور دوسرے کو منسوخ سمجهتا اور جو صحابي صاحب فراست اور صاحب علم تهے وه عادات کو عبادات سے اور سنن کو واجبات سے جدا کرتے اور ايک کو دوسرے ميں نه ملاتے اور جو اس ميں تميز نه کرتے وه سب کو عبادات اور واجبات هي کهيال کرکے اختلاف عادات کو اختلاف في العبادت جانتے * جو که هم اختلاف مذاهب کا سبب بهي بيان کر چکے اس ليئے هم اُس فرق کو بيان کرتے هيں جو اجتهاد اور عمل بالحديث ميں هے *

عمل بالحديث اور اجتهاد ميں جو فرق هے اُس کا بيان

بهت سے لوگ ايسے هيں که جن کو عمل بالحديث اور اجتهاد ميں فرق نهيں معلوم هوتا بلکه جب وه سنتے هيں که جو لوگ حديث پر عمل کرتے هيں اور اصحاب حديث کهلائے جاتے هيں اُن مسائل کو جن کي تصريح حديث ميں نهيں هے اپنے قياس سے استخراج کرتے

† اور يهه بهي ممکن هے که خود اُس اجتهاد ميں کچهه نقص پايا اور اُسکو چهوڑديا —

‡ يهه خرابي اس ليئے پڑتي هے که علت کا علت هونا نص سے قرار نهيں ديا بلکه اپني سمجهه سے قرار ديا —

 تقلید اور عمل بالحدیث

ہیں اور جو لوگ اجتہاد کرتے ہیں اور اصحاب الرای کہلائے جاتے ہیں وہ بھي اُن مسایل میں جو بتصریح کتاب و سنت میں موجود ہیں اجتہاد نہیں کرتے اور اُسي پر عمل کرتے ہیں اور دونوں کا ماخذ کتاب و سنت ہی اور دونوں کو قیاس سے کام لینا پڑتا ہی تو یہہ دونوں میں ما بہ الامتیاز کیا ہی اس لیئے دونوں میں جو فرق ہی اُس کو میں بیان کرتا ہوں *

اگلے زمانہ میں یعني تابعین اور تبع التابعینؒ کے وقت میں دو قسم کے عالم تھے ایک تو وہ جو راے اور قیاس سے بہت بچتے تھے اور فتوی اور استخراج سے بہت ڈرتے تھے اور سواے اشد ضرورت کے استنباط کرنے کو پسند نہ کرتے تھے اُنکي ساري ہمت اس طرف مصروف رہتي تھي کہ احادیث نبوي کي روایت کریں اور جہاںتک ہوسکے تمام احکام اور مسایل کو اُنہیں سے ثابت کردیں اور وہ اسي واسطے احادیث کے جمع کرنے میں بہت سي محنت کرتے تھے چنانچہ جب اُنھوں نے احادیث کو جمع کرلیا اور ضعیف اور قوي کو علحدہ کرلیا تو اُنہوں نے کتاب و سنت ہي کو اصول استخراج مسایل کا ٹھہرایا اور اُسي کي تصحیح اور تنقیح کے لیئے قواعد مقرر کیئے تاکہ معلوم ہو جاوے کہ کونسي حدیث اصلي ہی اور کونسي بے اصل ہی *

پس اس طبقہ کے لوگوں کو جب ضرورت کسي مسئلہ کي ہوتي تو وہ قران سے رجوع کرتے اگر اُس سے بصراحت نکل آتا تو پھر کسي اَوْر طرف توجہہ نکرتے اگر اُس سے معلوم نہوتا یا اُسمیں اَوْر احتمالات ہوتے تو وہ سنت پر رجوع کرتے اور جو کچھہ حدیث میں پاتے اُسپر عمل کرتے اور حدیث پر عمل کرنے کے لیئے نہ وہ اسکا لحاظ کرتے کہ اَوْر فقہاء اسپر عمل کرتے ہیں یا نہیں اور سب لوگ اسپر چلتے ہیں یا نہیں اور مجتہدین کا اجتہاد اُسکے مطابق ہی یا نہیں بلکہ وہ اسکي بھي پرواہ نہ کرتے کہ صحابہ اور تابعین نے بھي اسپر عمل کیا ہی یا نہیں بلکہ اگر کوئي حدیث ایسي ہوتي کہ ایک ہي شہر کے لوگ اُس سے واقف ہوتے یا ایک ہي گھر کے لوگ اُسپر عامل ہوتے پس وہ اپنے عمل کي سند کے لیئے اُسے لےلیتے اور سواے اسکے کہ وہ حدیث کي صحت ثابت کرلیں اَوْر کسي طرف توجہہ نکرتے اور نہ کسي اصول اور کسي قاعدہ کي پابندي کرتے *

اگر حدیث سے اُسکا پتہ نہ چلتا تو وہ صحابہ اور تابعین کے اقوال پر نظر کرتے پس اگر اُس بات پر جمہور صحابہ اور تابعین کو متفق پاتے تو فبہا ورنہ بلالحاظ کسي قوم اور کسي شہر اور کسي فرقہ کے جسکو وہ اپنے نزدیک زیادہ عالم اور فقیہہ اور متقي جانتے اُسکے قول کو اختیار کرتے *

اگر اس سے بھي مطلب نہ نکلتا یعني اُس مسئلہ کا [illegible] و تابعین سے حال معلوم نہوتا تو وہ قیاس کرتے مگر اُنکا قیاس منطقي قیاس کي مانند نہوتا تھا اور اُسکے لیئے کچھہ دقیق اصول اور مشکل قواعد کي پابندي نہ تھي بلکہ اُنکا قیاس یہہ تھا کہ وہ عمومات کتاب و سنت اور اُسکے اشارات اور مقتضیات پر تامل کرتے اور صرف اپنے یقین اور اطمینان قلبي پر لحاظ کرتے اُسکي علت نکال لیتے اور جسمیں وہ علت پاتے اُسپر وہي حکم لگاتے اور اَوْر مسائل کي نظیریں اور مثالیں دیکھکر اپنا کام چلالیتے *

یہہ طریقہ اُنکا ٹھیک ٹھیک اصحاب رسول کا سا تھا اور یہي قاعدہ استخراج مسائل کا صحابہ میں جاري تھا اور اُسکے ثبوت میں ہزارہا اقوال صحابہ کے موجود ہیں جنمیں سے کچھہ کچھہ ہم آیندہ بیان کرینگے *

غرضکہ اِس طور پر مسائل کے استخراج کرنے والے اصحاب حدیث کہلائے گئے اور چونکہ وہ کسي اصول اور کسي قاعدہ کے پابند نہوئے اِس لیئے اُنکا قیاس بھي قیاس اور راے میں داخل نہوا چنانچہ اِسي گروہ میں سے ہوئے ہیں عبدالرحمن بن مہدي اور یحیي بن سعید اور یزید بن ہارون اور عبدالرزاق اور مسدد اور ہناد اور امام احمد بن حنبل اور اسحاق بن راہویہ اور فضل بن دکین اور علي مدني وغیرہ کہ یہہ سب اصحاب حدیث میں داخل ہیں *

اِس بات کے سننے سے بھي لوگوں کو تعجب ہوگا کہ اتني حدیثیں کہاں سے ملي ہونگي جن سے سب مسائل نکل آئے ہوں اور بغیر اُس قیاس اور راے کے جسے مجتہدین نے اختیار کیا اُنکا کام چلا ہو لیکن اُنکا تعجب اِس سے رفع ہوسکتا ہی کہ وہ اُنکي کتابوں کو دیکھیں اور جو کچھہ محنتیں اُنہوں نے احادیث کے جمع کرنے میں اپنے اوپر اُٹھائیں اُسپر خیال کریں تاکہ اُنکو معلوم ہو کہ جن لوگوں نے اِس قاعدہ پر فقہ کي تدوین کي ہی اُنکو کوئي ایسا مسئلہ جسکو اگلے لوگوں نے نکالا تھا یا اُنکے وقت میں مجتہدین نے قیاس سے استخراج کیا تھا ایسا نہ ملا جسمیں کوئي حدیث مرفوع یا متصل یا مرسل یا موقوف صحیح یا حسن یا لایق اعتبار نہ ملي ہو یا خلفاء راشدین کے آثار اور فقہاء نامي کے اقوال سے اُسکا ثبوت نہوتا ہو یا اُنکے عمومات اور اشارات سے اُسکا استنباط نہ ہوسکتا ہو بیشک اِس میں یہہ بڑي دقت تھي کہ بہت سي احادیث جمع کرني پڑتیں اور اُنکي تصحیح اور تنقیح کي محنت اُٹھاني پڑتي اور اُنکے ناسخ اور منسوخ کا لحاظ رہتا اور جو مختلف حدیثیں ہوتیں اُنکا اختلاف دور کرنا یا اُسکے وجوہات کا دریافت کرنا پڑتا *

جو کوئی اصحاب حدیث کی فقہ کی تدوین پر غور کرتا ہی اُسکی آنکھوں کے سامنے بہت سی عجیب غریب باتیں پھر جاتی ہیں اور اُسکے دل پر فنون احادیث پر تامل کرنے سے ایک اَوْر ہی قسم کی تاثیر ہوتی ہی *

افسوس ہی کہ جس مضمون کو ہمنے لکھنا شروع کیا ہی اُسکے لیئے دفتر کے دفتر چاہیئیں اور اگر مختصر طور پر بھی کچھہ کچھہ ہم لکھیں تو بھی ایک بڑی کتاب ہوجاے اور ہم چند صفحوں میں اُسے ختم کیا چاہتے ہیں اِس لیئے بہت ہی مختصر طور پر اب ہم اُس کو بھی بیان کرتے ہیں کہ اصحاب حدیث نے تدوین ... لیئے کیا طریقہ اختیار کیا اور پھر اُسکے کتنے درجے اور طبقے ہوگئے † پس پہلا طبقہ اہل حدیث کا وہ ہوا جسنے احادیث کو جمع کیا اور فقہی مسایل کا اُسپر مدار رکھا اِس طبقہ کے لوگوں کے نام اوپر ہم لکھہ چکے ہیں پھر دوسرا طبقہ وہ ہوا جس نے حدیث کے دوسرے فن پر توجہ کی یعنی اُن حدیثوں کو جنکی صحت پر بڑے بڑے اہل حدیث کا اجماع تھا منتخب کیا اور اُن حدیثوں کو جو متعلق فقہ کے تھیں جن پر شہروں کے فقیہہ اور قصبوں کے عالم اپنا مذہب چلاتے تھے جدا کرکے ہر حدیث کو باعتبار اُسکے اقسام کے ترتیب دیا اِس طبقہ میں امام محمد اسمعیل بخاری اور مسلم اور ابوداؤد اور عبد بن حمید اور دارمی اور ابن ماجہ اور ابو العلی اور ترمذی اور نسائی اور دار قطنی وغیرہ داخل ہیں *

تیسرے طبقہ میں وہ لوگ داخل ہیں جو بخاری اور مسلم کے پہلے تھے یا اُن کے زمانہ میں یا اُن کے بعد ہوئے اور جنہوں نے مسانید اور جوامع اور مصنفات کو تالیف کیا اُنہوں نے جو حدیث پائی اُسے جمع کردیا نہ اُسکو چھانٹا نہ اُس میں اقسام حدیث کو بیان کیا نہ اُسکی کچھہ ترتیب ایسی کی کہ جسپر عمل آسانی سے ہوسکے اور پھر پیچھے بھی محدثین نے اُس کی صحت اور سقم پر چنداں توجہ نکی چنانچہ اسی طبقہ میں ابو علی اور طیالسی اور بیہقی اور عبدالرزاق اور ابی بکر ابن شیبہ اور عبد بن حمید اور طحاوی اور طبرانی تھے *

چوتھے طبقہ میں وہ لوگ ہیں جنہوں نے بہت عرصہ کے بعد حدیث کی کتابوں کا لکھنا شروع کیا اور جو حدیثیں پہلے اور دوسرے طبقہ میں جمع نہوئیں اور مسانید اور جوامع میں چھپی ہوئی پڑی تھیں یا اُن واعظوں اور خوش گپ عالموں کو یاد تھیں جو ضعفاء میں داخل تھے اور جن کی حدیث کو محدثین محققین پایہ اعتبار سے ساقط جانتے تھے اُس کو اُنہوں نے جمع کردیا اور آثار صحابہ اور تابعین کو اور اخبار بنی اسرائیل کو اور کلام حکماء اور وعاظ کو بھی اُس میں شامل کردیا چنانچہ عمدہ حدیث اِس طبقہ کی وہ ہی جو کہ ضعیف محتمل ہو اور موضوعات کا تو کچھہ ذکر ہی نہیں ہی چنانچہ یہہ طبقہ مادہ ابن جوزی کی کتاب موضوعات کا ہی *

پانچویں طبقہ میں وہ لوگ داخل ہیں جنہوں نے اُن باتوں کو جو فقیہوں اور صوفیوں اور مورخوں کی زبانوں پر تھیں اور جن کی کچھہ اصل چاروں طبقات میں نہ تھی لیکر حدیث میں داخل کردیا اور انہیں احادیث پر اہل بدعت اور معتزلہ وغیرہ نے سند کرکے اہل سنت پر اعتراضات کرنا شروع کیا اور بہت سے عالموں نے دھوکا کھایا خصوصاً اُن حدیثوں میں جن کو ہوشیار دنیا طلب عالم نے قوی اسناد سے اُس میں داخل کردیا اور جنکو کلام بلیغ اور فصیح کے پیرایہ میں ادا کیا تو اِن احادیث سے سواے بڑے محقق محدث کے ہر شخص نے دھوکا پایا جیسا کہ شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں و منہا مادسہ الماجن فی دینہ العالم بلسانہ فاتی باسناد قوی لایمکن الجرح فیہ وکلام بلیغ لایبعد صدورہ منہ صلی اللہ علیہ وسلم فاثار فی الاسلام مصیبۃ عظیمۃ لکن الجہابذۃ من اہل الاحادیث یوردون مثل ذالک علی المتابعات والشواہد فتہتک الاستار و یظہر العوار غرضکہ سواے چوتھے اور پانچویں طبقہ کے باقی طبقات اہل حدیث کے ایسے ہیں کہ ہر وقت اور ہر زمانہ میں اُس پر عمل کرنے سے آدمی اہل حدیث ہوسکتا ہی اور اپنی فقہ اور مسائل کا مدار طبقہ اولی اور ثانیہ کی کتابوں پر کرسکتا ہی اور جو لوگ ابتک اصحاب حدیث ہوئے اور ہیں اُن کا اسی پر عمل تھا اور ہی *

یہہ کیفیت جو باختصار ہم نے اہل حدیث کی بیان کی سمجھنے والے کے لیئے اصحاب حدیث کے طریق تدوین فقہ کے لیئے کافی ہی اسلیئے اب ہم مجتہدین اور اصحاب الراے کے طریق اور اُنکے اصول کو بیان کرتے ہیں *

اوپر ہم بیان کرچکے ہیں کہ اگلے زمانہ میں دو قسم کے لوگ تھے ایک وہ جو راے اور قیاس سے بہت بچتے تھے اور فتوی استخراج سے بہت ڈرتے تھے اور حدیثوں ہی کو جمع کرکے اُنہیں سے مسائل نکالتے تھے اور اس فرقہ کو اصحاب حدیث کہتے تھے چنانچہ اسکا حال اوپر مذکور ہوچکا *

دوسری قسم میں وہ لوگ داخل تھے جو کہ فتوی اور استخراج ہی کو دین سمجھتے تھے اور راے اور قیاس سے مسائل کا استنباط کرنا ہی

† اِس کی تفصیل ہم نے ایک علحدہ مضمون میں جو بہ نسبت کتابوں کے لکھا ہی کی ہی وہ بھی عنقریب اِنشاءاللہ تعالی چھپیگا —

اچھا جانتے تھے اور فقہ کو دین کی بنا کہتے تھے اور اُسکے پھیلانے ہی کو دین کا پھیلانا سمجھتے تھے اور احادیث نبوی کا بہت احاطہ کرتے تھے اور اُس میں کمی بیشی ہوجانے سے بہت ڈرتے تھے اُنکا قول تھا کہ ہم پیغمبر صاحب تک اپنے مسائل کا سلسلہ نہیں پہونچاتے بلکہ اُنسے پیچھے ہی پر ختم کردینے کو پسند کرتے ہیں تاکہ جو کچھہ نقصان یا زیادتی ہو وہ اُنہیں لوگوں کی گردن پر رہے ہم مواخذہ سے محفوظ رہیں چنانچہ ابراہیم نخعی کا مقولہ تھا کہ قال عبداللہ و قال علقمة احب الینا کہ یہہ کہنا مجھے اچھا معلوم ہوتا ہی کہ کہا عبداللہ نے ایسا اور کہا علقمہ نے ویسا پس ان لوگوں کو جب ضرورت [illegible] ہوئی تو اُنکے پاس اتنی حدیثیں پیغمبر کی اور آثار [illegible] جس سے وہ اپنے مسائل کو اُن سے نکال سکیں اور شرائط اُنہیں چند آسان اصول کی پابندی سے جن سے اہل حدیث احکام نکال لیتے تھے اپنا کام چلا سکیں اُنکے دلوں نے اس بات کو بھی قبول یا پسند نکیا کہ وہ اپنے اپنے شہروں کے علماء اور فقہا کے قولوں کے پابند نہ رہیں اور اَور شہروں اور مقاموں کے فقہا اور علما کے اقوال کی تحقیق کرکے اُن سب کو ملاویں اور اُنسے بحث کرکے اپنا کام نکالیں بلکہ اُنہوں نے اپنے آپ کو براہ کسر نفسی اس لایق نہ جانا اور اپنے اماموں اور اُستادوں کو اعلی درجہ پر پہونچا ہوا سمجھکر اوروں کی طرف رجوع کرنا یا اُنکے اقوال کو تحقیق کرنا فعل عبث تصور کیا اور اپنی ہمت کو اپنے ہی شہروں کے علما اور اپنے ہی استادوں اور اماموں کے اقوال پر قناعت کرلینے پر ختم کردیا چنانچہ کسی نے کہا کہ عبداللہ سے زیادہ کوئی محقق نہیں ہی کسی نے کہا کہ علقمہ سے اچھا کوئی نہیں ہی غرض کہ ایسے لوگوں کے پاس مادۂ احادیث اور آثار کا بہت سا نہ تھا اور اُنکا علم چند شخصوں ہی کے علم پر محدود تھا پس جب ایسے لوگوں کو فقہ کی تدوین کی ضرورت ہوئی اور خدا نے اُنکو ذہن کی تیزی اور عقل کی چالاکی ایسی دی تھی کہ وہ اپنی فطانت اور فراست اور سرعت انتقال سے تخریج مسائل کی قدرت کامل رکھتے تھے اور جلد ہی اصول سے وہ بے انتہا جزئیات نکال سکتے تھے تو اُنہوں نے اپنے ہی اصحاب اور یاروں اور استادوں کے اقوال اور احادیث کو مدار فقہ کا بنایا اور اُسی تھوڑے سے سرمایہ سے فقہ کی دولت کو بڑھانا چاہا تو اُنہوں نے فقہ کو تخریج کے قاعدہ پر ترتیب دیا اور ہزاروں احادیث کے یاد کرنے اور خیال رکھنے سے اپنے تئیں بچایا *

تخریج کا قاعدہ کیا تھا یہہ تھا کہ اُنہوں نے اپنے اُستاد یا امام جسکو وہ قابل استناد سمجھے اُسکی کتاب اور اقوال کو پیش نظر رکھا اور مسائل کو اُنہیں سے استخراج کرنا شروع کیا اگر کوئی مسئلہ اُس میں بہ تصریح ہوتا تو خیر ورنہ اُنکے کلام کے عمومات پر لحاظ کرتے اور اُسی صورت پر اُس مسئلہ کو نکال لیتے یا اُنکے کلام کے اشارہ ضمنی پر خیال کرتے اور اُس سے استنباط کرتے پس اُنکے کلام کے یا اشارات اور مقتضیات ایسے ہوتے کہ اُس سے مطلب نکل آتا یا اُن میں ایسے مسائل بہ تصریح مذکور ہوتے کہ مثل اُسکے اور مسائل اُسی نظیر کے اُسپر محمول کر لیئے جاتے اگر اُنسے بھی کام نہ چلتا تو اُنکے کہولے ہوئے حکموں کی علت دریافت کرتے اور جن مسائل کی اُنہوں نے تصریح نہ کی تھی اُسی علت کے اتحاد سے اُسپر حکم قایم کرلیتے یا اُنکے بعض کلام ایسے ہوتے کہ اگر دو کو ملادیں تو بموجب قیاس اقترانی یا شرطی کے نتیجہ نکل آتا اور اُس سے مسئلہ معلوم ہوجاتا یا اُنکے کلام ایسے ہوتے کہ جنکا مطلب مثالوں ہی میں مذکور ہوتا اور کوئی حد جامع مانع اُسکی نہوتی تو ایسے کلام کی تحقیق کے لیئے اہل زبان کی طرف رجوع کرنا پڑتا اور تحصیل ذاتیات اور ترتیب مقدمات اور ضبط مبہمات اور تمیز مشکلات کے لیئے تکلفات علمی کرنا پڑتے یا اُنکا کلام دو وجہوں کا محتمل ہوتا تو ایک کی دوسرے پر ترجیح کرتے یا ایسا ہوتا کہ جسکی دلایل پوشیدہ ہوتیں اُسکو صاف بیان کرتے یہاں تک کہ ایسی تخریج کرنے والوں میں سے بعضے ایسے ہوئے ہیں کہ جنہوں نے اپنے اماموں ہی کے فعل اور سکوت سے مسائل میں استدلال کیا ہی اسی واسطے اُن کی کتابیں ایسے لفظوں سے بھری ہوئی ہیں جنسے ہمار اس قول کی تصدیق ہوتی ہی مثلاً القول المخرج لفلان کذا و یقال علی مذہب فلان اوعلی اصل فلان اوعلی قول فلان جواب المسئلة کذا و کذا پس جس طرح پر اصحاب حدیث اپنے مسئلوں کو احادیث ہی سے نکالنا پسند کرتے تھے اسی طرح پر اصحاب تخریج اپنے مسائل کو اپنے ہی ائمہ کے اقوال سے نکالتے تھے اور چونکہ اصحاب حدیث کی نظر بہت سی حدیثوں پر تھی اور انکو اکثر سب مسائل میں احادیث نبوی یا آثار صحابہ سے کوئی حدیث یا اثر ملجاتے تھے سلیئے اُنکو استخراج اور استنباط کے اصول اور قواعد بنانے اور رائے اور عقل سے کام لینے کی نوبت نہ آئی اور اصحاب تخریج چونکہ اپنے ہی ائمہ کے اقوال پر قناعت کرتے تھے اور اُسی سے سارے مسئلے نکالنا چاہتے تھے اسلیئے اُنکو اُس استخراج اور استنباط کے دقیق دقیق اصول اور باریک باریک قاعدے بنانے پڑے اور اُنمیں رائے اور عقل سے کام لینا پڑا *

پس شروع شروع زمانہ میں تو اصحاب تخریج بھی احادیث ہی پر سند کرتے تھے گو وہ حدیثیں وہی ہوں جو اُنکے استادوں اور پیشواؤں سے اُنہیں پہونچی تھیں اور اُسوقت میں وہ باریکیاں جو پیچھے کرکے نکلیں نہ نکلی تھیں لیکن پیچھے کرکے تو اصحاب تخریج نے

نهايت هي بيباكردي اور فقه كو يوناني حكمت اور فلسفه كا همسر بنايا لفظوں سے معني كا نكالنا اور عبارت سے مقصد سمجهنا بغير أن اصول مقررة كے غير ممكن هوگيا بلكه الفاظ بيك طرف حرفوں كي تبديل سے مطلب ميں فرق آنے لگا (ف) اور (و) پر استدلال اور كلمه كي تقديم اور تاخير سے مطلب اؤر كا اور هونے لگا اور پهر جسقدر زمانه بڑهتا گيا اور نبوت كا عهد دور اور فلسفه اور معقولات كا مسلمانوں ميں رواج هوتا گيا أسيقدر راے اور قياس كو زيادة دخل هوا اور منقولات ميں معقولات كا ايسا خلط هوگيا كه بغير منطق كے قواعد سيكهنے اور فلسفه كے پڑهنے كے فقه كي كتابوں كا سمجهنا مشكل هو گيا چنانچه ابتك همارے آپس ميں مشهور هى كه بغير منطق ميں كامل استعداد ركهنے كے كوئي هدايه نه سمجهه هي نهيں سكتا اور بلا واقف هونے محاورات جديدة جدليه كے كوئي مبسوط سرخسي اور تبيين كا مطلب دريافت نهيں كرسكتا پس حق يه هى كه اصحاب الرائے وهي هيں جو احاديث اور آثار كا تتبع نهيں كرتے اور متقدمين ميں سے كسيكے اصول پر مسائل كي تخريج كرتے هيں اور نظاير كو نظير هي پر محمول كرتے هيں اور يهه مطلب اهل راے سے نهيں هى كه جو سمجهه اور عقل كو دخل ديتے هيں اور قياس اور استنباط سے كام ليتے هيں اس ليئے كه اگر راے سے مراد نفس فهم اور عقل هو تو كوئي اهل حديث نهو اور سب كے سب صاحب الرائے كهلائے جاويں حالانكه ايسا نهيں هى امام احمد حنبل اور اسحاق بن راهويه بلكه امام شافعي بهي اصحاب الرائے سے خارج اور اهل حديث ميں داخل سمجهے جاتے هيں ليكن آخر وه بهي استنباط كرتے تهے اور قياس سے كام ليتے تهے *

غرضكه مابه الامتياز دونوں ميں يهه هى كه جو كتاب و سنت كو بلا پابندي كسي شخص كے اصول كے پيش نظر ركهكر أن سے مسايل كو لے يا استنباط كرے وه اهل حديث هى اور جو كتاب و سنت كے علم كو يهيں هي پر ختم سمجهے اور كسي شخص يا كسي فرقه كے اصول اور كلام هي پر مدار فقه كا ركهے اور أسي كے مقرر كيئے هوئے اصول اور بتلائے هوئے قاعدوں پر استخراج كرے وه صاحب الرائے هى *

چهٹے تقليد اور عمل بالحديث پر ايك مقلد اور غير مقلد كا مباحثه

مقلد سايل حضرت حنفي هيں كه شافعي *

غير مقلد مجيب ميں محمدي هوں نه حنفي نه شافعي اس ليئے كه ميں جس پيغمبر پر ايمان لايا اور جسكي نسبت كا معتقد هوا أسي ... ... آپ كو منسوب كرتا هوں *

مقلد — معلوم هوا كه آپ غير مقلد هيں اور تقليد كو آپ واجب نهيں جانتے هيں *

غير مقلد — بلاشك ميں تقليد كو واجب نهيں جانتا اس ليئے كه نه خدا كي كتاب سے أس كا وجوب ثابت هوتا هى نه رسول خدا كي كسي حديث سے *

مقلد — تقليد كا وجوب اجماع سے ثابت هى اور اجماع كا اتباع واجب هى اور أس كا منكر كافر هى *

غير مقلد — اجماع كي تعريف كيا هى *

مقلد — الاجماع هو في اللغة الاتفاق و في الشريعة اتفاق مجتهدين صالحين من امة محمد عليه الصلوة والسلام في عصر واحد على امر قولي او فعلي يعني لغت ميں تو إسكے معني هيں اتفاق كے اور شريعت كي اصطلاح ميں اتفاق كرنا نيك اور صلاحيت ركهنے والے مجتهدين كا امت محمدي سے كسي ايك زمانه ميں اوپر كسي امر قولي يا فعلي كے *

غير مقلد — مجتهدين اور صالحين كے قيود كي وجهه بيان كيجيئے *

مقلد — المراد بالمجتهدين جميع المجتهدين الكائنين في عصر من الاعصار و احترزبه عن اتفاق المعادين و احترزبقوله صالحين عن اتفاق مجتهدين ذوي هوى او فاسقين (حاشيه نورالانوار) و قيد بالمجتهدين اذلا عبرة باتفاق العوام و عرف بلام الاستغراق احترازا عن اتفاق بعض مجتهدي عصر (تلويح) و اهل الاجماع من كان مجتهدا صالحا الا لما يستغني عن الرأي (نورالانور) اسي سے معلوم هوا كه تمام أن مجتهدين كا اتفاق ضرور هى جو كه نيك هوں اور صلاحيت راے دينے كي ركهتے هوں اور فاسق اور بدعتي نهوں *

غير مقلد — اب آپ هي انصاف فرمائيئے كه بعد ائمه اربعه كے كتنے مجتهدين صالحين كا اجماع تقليد كے وجوب پر هوا هى اول تو تقليد كي بدولت كسي پر مجتهد كا اطلاق آپ كر هي نهيں سكتے دوسرے جو مجتهد هوئے هيں وه تقليد كے عدم وجوب كے معتقد رهے هيں خير اب يهه فرمائيئے كه اجتهاد كي تعريف كيا هى اور مجتهد هونے كے ليئے كيا شرط هى *

مقلد — والاجتہاد ھو فی اللغۃ تحمل الجھد الی المشقۃ و فی الاصطلاح استفراغ الفقیہ الوسع لتحصیل ظن بحکم شرعی و معنی استفراغ الوسع بذل تمام الطاقۃ بحیث یحس من نفسہ العجز عن المزید علیہ و شرط الاجتہاد ان یجمع العلم بامور ثلثۃ الاول الکتاب و المراد بالکتاب قدر ما یتعلق بمعرفۃ الاحکام الثانی السنۃ قدر ما یتعلق بالاحکام و وجوہ القیاس بشرائطھا و اقسامھا واحکامھا (تلویح) پس جو شخص کتاب اور سنت کو جسقدر کہ متعلق احکام کے ھو اور وجوہ قیاس کو جانے وہ مجتہد ھی *

غیر مقلد — اگر کسی بات پر ایک زمانہ کے مجتہدین نے اجماع کیا ھو اور دوسرے زمانہ کے مجتہدین کا اجماع برخلاف اُسکے ھو تو دوسرا اجماع بھی واجب الاتباع ھی یا نہیں *

مقلد — قیل یشترط للاجماع اللاحق عدم الاختلاف السابق عند ابی حنیفۃ رحمۃ اللہ علیہ ولیس کذلک فی الصحیح بل الصحیح انہ ینعقد عندہ اجماع متاخر و یرتفع الخلاف السابق من الاجماع اللاحق (نور الانوار) قولہ انہ ینعقد عندہ ای عند الامام الاعظم اجماع متاخرا اذ المعتبر انما ھو اتفاق مجتہدی العصر سواء تقدم الخلاف اولا و الدلایل الدالۃ علی حجۃ الاجماع لیست بمقیدۃ بعدم الاختلاف السابق قولہ ویرتفع الخلاف السابق لان دلیل السابقین المخالفین لم یبق دلیلاً یعتدبہ بعد ما انعقد الاجماع علی خلافہ کما اذا نزل نص بعد العمل بالقیاس (حاشیہ نور الانوار) یعنی دوسرا اجماع خلاف اجماع سابق کے جائز ھی اور پہلا اجماع مرتفع ھوکر دوسرے اجماع کا اتباع واجب ھی اس لیئے کہ دوسرے اجماع نے پہلے اجماع کو ایسا باطل کردیا جس طرح کہ نص کے مل جانے سے قیاس کا حکم باطل ھو جاتا ھی *

غیر مقلد — حضرت نسخ میں اور اسمیں کچھہ فرق ھی ولا نسخ بعد انقطاع الوحی *

مقلد — اجیب بجوازہ فیما یثبت بالاجتہاد علی معنی انہ لما انتہی ذلک الحکم لانتہاء المصلحۃ و فق اللہ المجتہدین للاتفاق علی القول الاخر و رفع الخلاف وان لم یعرفوا مدۃ الحکم وتبدل المصلحۃ (تلویح) کہ ایسا نسخ ان معنی کرکے جائز ھی کہ وہ حکم بسبب نہ رہنے مصلحت کے تمام ھوگیا تب خدا نے دوسرے زمانہ کے مجتہدین کو دوسرے قول پر متفق کردیا گو وہ مدت حکم کی اور مصلحت کی تبدیل کے سو سے واقف نہوں لیکن الامۃ اذا اختلفوا فی مسئلۃ فی ای عصر کان علی اقوال کان اجماعا منھم علی ان ما عداھا باطل و لایجوز لاحد بعدھم احداث قول آخر و قیل ھذا فی الصحابۃ خاصۃ و ھذا یسمی اجماعا مرکبا (نور الانوار) پس جب کسی مسئلہ میں کسی زمانہ کے لوگوں میں اختلاف ھوچکا ھو تو اُن قولوں کے سوا تیسرا قول باطل ھی اور پھر بعد اُنکے آنے والے لوگوں کو نئی بات کا نکالنا جائز نہیں ھی اور بعضوں نے یہہ کہا ھی کہ یہہ مخصوص ساتھہ صحابہ کے ھی *

غیر مقلد — اس اصول کے قایم کرنے سے غرض حضرات فقہا کی یہی ھی کہ انحصار مذاھب کا انہیں چار میں ھو جاوے لیکن اگر اختلاف سے مراد ایک ھی زمانہ کا اختلاف ھی تو وہ ان مذاھب میں بھی موجود ھی کہ امام مالک اور امام ابوحنیفہ دونوں ھمعصر تھے اور باھم مخالف اور اگر ایک زمانہ کے اختلاف کی خصوصیت نہیں ھی پس کیونکر ھمارا اختلاف معتبر نہوگا جس طرح کہ امام شافعی اور احمد حنبل کا اختلاف معتبر ھوا † اور موافق اصول ما عداھا باطل کے باطل نہ ٹھہرا *

مقلد — الجواب عنہ صعب (نور الانوار) بیشک یہہ ذرا مشکل بات ھی الا ان یقال الاختلاف المعتبر ھو الذی فی زمان واحد والشافعی وغیرہ اذا قالوا قولاً انما یقولون اذا جری بہ راے ابی یوسف و محمد مع ابی حنیفۃ او کان اختلاف بین الصحابۃ فاخذ ابوحنیفۃ رحمۃ اللہ بقول صحابی و مالک والشافعی بقول صحابی اخر (تفسیر احمدی) پس اختلاف معتبر وھی ھی جو ایک زمانہ میں ھو اور اس سے مذھب شافعی وغیرہ کا باطل نہیں ھوتا اسلیئے کہ جو کچھہ اُنھوں نے اختلاف کیا ھی یا تو وھی ھی جس میں پہلے سے امام ابوحنیفہ کے شاگرد اُن سے مخالف تھے یا وہ اختلاف صحابہ میں پہلے ھی ھوچکا تھا *

غیر مقلد — خدا کے لیئے انصاف کرو کہ یہہ کیسی بارد دلیل ھی اور اُسکا بیان کرنا عقلا کی شان سے کیسا بعید ھی کہ ایک زمانہ کا اجماع دوسرے زمانہ کے اجماع کو منسوخ کردے اور وہ لطف الہیٰ سمجھا جاوے اور ایک زمانہ کے دو مختلف قولوں کے بعد دوسرے زمانہ میں تیسرے قول کا نکالنا جایز ھی نہو بلکہ باطل ٹھہرے *

مقلد — کیا آپ اجماع کے منکر ھیں *

غیر مقلد — اجماع کی دو صورتیں ھیں ایک یہہ کہ مستند اُسکا کتاب و سنت ھو دوسرے یہہ کہ فقط علما اور فقہا کا اتفاق ھی اتفاق ھو خواہ کسی ضرورت سے خواہ کسی مصلحت سے پہلی صورت کا

† یہہ تقریر نور الانوار کی ھی —

اجماع واجب الاتباع هى اور در حقيقت وه كتاب و سنت كا اتباع هى اور دوسري قسم كا اتباع نهايت هي برا هى *

مقلد — هماري غرض بهي اجماع سے پهلا هي اجماع هى ليكن يهه ضرور نهيں هى كه هم هر اجماع كي نسبت ثابت كرسكيں كه مستند أسكا كتاب و سنت هى مگر چونكه بے ايسے استناد كے علما كا اجماع هونا محال هى اسليئے هر اجماع كو پهلي هي قسم كا اجماع سمجهنا چاهيئے *

غير مقلد — يهي آپ كي غلطي هى *

مقلد — دليل اس غلطي كي بيان كيجيئے *

غير مقلد — سنيئے خدا فرماتا هى كه اذا قيل لهم امنوا بما انزل الله قالوا بل نتبع ما الفينا عليه آباءنا كه جب أنسے كها جاتا هى كه ايمان لاؤ تو وه يهي كهتے هيں كه هم أسي كي پيروي كرتے هيں جو همنے اپنے باپ دادوں كو پايا پس وه بهي اپنے بزرگوں كے اجماع كو ايسے هي خيال سے واجب الاتباع جانتے تهے *

دوسري آيت ميں خدا فرماتا هى كه اتخذوا احبارهم و رهبانهم اربابا من دون الله كه يهوديوں و عيسائيوں نے اپنے احبار اور رهبانوں كو اپنا رب ٹهرا ليا هى حالانكه نه كوئي يهودي نه كوئي عيسائي كسي رهبان كو رب كهتا تها بلكه أنكي نسبت ايسا خوش عقيده ركهتے تهے كه جو وه حلال كهه ديتے أسكو حلال جانتے جو وه حرام كهه ديتے أسكو حرام سمجهتے † *

اگر خدا كي كتاب پر اطمينان نهو تو تهوڑا اور علما كے اقوال سنيئے

قال الشعبي ما حدثوك هؤلاء عن رسول الله صلى الله عليه وسلم فخذبه وما قالوه برائهم فالقه في الحشيش (ازالة الخفا) كه جو لوگ پيغمبر خدا كي طرف سے كهيں أسے تو لى لو اور جو اپني رائے سے كهيں أسے پاخانه ميں ڈال دو *

عن عبدالله ابن عباس وعطاء ومجاهد ومالك بن انس رضى الله عنهم انهم كانوا يقولون ما من احد الا وهو ماخوذ من كلامه و مردود عليه الا رسول الله صلى الله عليه وسلم عبدالله ابن عباس اور عطا اور مجاهد اور مالك ابن انس ان سب كا يهه قول تها كه كوئي شخص نهيں هى جسكو أس كا كلام ليا جاسكتا هى اور ترك بهي هوسكتا هى سوائے رسول مقبول صلى الله عليه وسلم كے *

† ديكهو ترمذي شريف

قال بعض السلف ماجاءنا عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قبلناه على الراس والعين و ماجاءنا عن الصحابة رضي الله عنهم فناخذ منه و نترك و ماجاءنا عن التابعين فهم رجال و نحن رجال كه جو كچهه پيغمبر خدا نے فرمايا هى وه تو همارے سر پر اور هماري آنكهوں پر اور جو كچهه صحابه نے كها اور كيا هى أس سے هم ليتے بهي هيں اور چهوڑتے بهي هيں اور جو كچهه تابعين نے كها اور كيا هى تو وه بهي آدمي تهے اور هم بهي آدمي هيں و منها ان يكون اعتماده في علومه على بصيرته وادراكه لصفاء قلبه لا على الصحف والكتب ولا على تقليد ما يسمعه من غيره وانما المقلد صاحب الشرع صلوات الله عليه وسلامه و من انكشف من قلبه الغطاء واستنار بنور الهداية صار في نفسه متبوعا مقلدا فلاينبغي ان يقلد غيره كه عالم كي صفات ميں سے ايك يهه هى كه وه اپنے علوم ميں اپني بصيرت اور ادراك پر زياده بهروسه كرے نه صحيفوں اور كتابوں پر اور نه دوسرے كي تقليد پر كيونكه وه شخص جسكي تقليد ضرور هى صرف صاحب شريعت هى پس جو شخص نور هدايت سے اپنے دل كو روشن كريگا وه خود متبوع هوگا نه كه مقلد تو كيونكر دوسروں كي تقليد كرنا زيبا هوگا *

و منها ان يكون شديد التوقي من محدثات الامور وان اتفق عليه الجمهور فلايغرنه اطباق الخلق على ما احدث بعد الصحابة رضي الله عنهم (احياء العلوم) يعني هميشه محدثات امور سے بچتا رهے گو سب كے سب أسپر متفق هوں اور هرگز اجماع خلايق پر بعد صحابه كے فريفته نهو اس ليئے كه يهه بڑا دهوكا هى فان الناس راؤ رايا فيما هم فيه لميل طباعهم اليه ولم تسمح نفوسهم بالاعتراف بان ذاك سبب الحرمان من الجنة فادعوا انه لا سبيل الى الجنة سواه غرضكه يهه اقوال اور مثل اس كے هزار قول اور هيں جن سے برائي أس اجماع كي ثابت هوتي هى جسكا مستند كتاب و سنت نهو *

مقلد — وجوب تقليد پر جو اجماع هى وه پهلي هي قسم كا هى كه أس كا مستند كتاب و سنت هى *

يهه آپ كي غلطي هى تقليد پر جو اجماع هى وه وه اجماع نهيں هى جس كا مستند كتاب و سنت هو *

مقلد — اسكو ثابت كيجيئے *

غير مقلد — سنيئے اجماع كو جو اهل اصول نے مثل كتاب و سنت كے شرعي حجت قرار ديا هى أس پر غور كرنا ضرور هى كه سبب اس كا كيا هى پس اگر يهه كها جاوے كه فقها أمت كا جمع هوجانا

تقلید اور عمل بالحدیث بکم ربیع الثانی سنہ ۱۲۸۸ ہجری تقلید اور عمل بالحدیث

اور سب لوگوں کا ایک بات پر اتفاق کرلینا ہی حجت شرعی مثل قران و حدیث کے ہی تو عقل سلیم اِس کو قبول نکریگی کہ اُن لوگوں کی رائے باوجود کہ غیر معصوم ہیں صرف اتفاق کے سبب سے ایک معصوم کے قول یا خدا کے کلام کی نہ صرف برابر ہووے بلکہ اُس کو منسوخ کردے جیسا کہ صاحب دراسات اللبیب فی الاسوۃ الحسنۃ بالحبیب اپنی کتاب کی دراست ثامنۃ میں لکہتے ہیں ان نفس الاجماع عبارۃ من اراء مجتمعۃ من علماء عصر واحد و اراء الرجال لیست من نسخ کلام المعصوم فی شیئی ولیس فی نفس اجماع الامۃ بمجردہ عندی مایوجب القطع یعنی اجماع عبارت ہی کسی زمانہ کے علماء کی رایوں کے جمع ہونے سے اور آدمیوں کی رایوں کو ایسی قدرت نہیں ہوسکتی کہ وہ کسی بات کو معصوم کی منسوخ کردے پس میرے نزدیک فقط اُمت کا اجماع دلائل ناطقہ میں سے نہیں ہی پس جب اِس قسم کا اجماع یعنی فقط اتفاق کرلینا ہی لوگوں کا قابل حجت نہ ٹہرا تو ضرور ہوا کہ اُس اجماع کی کوئی سند کتاب و سنت سے ہووے یعنی کسی آیت یا کسی حدیث کے سبب سے اُس اجماع کا ہونا پایا جاوے پس ایسے حال میں درحقیقت کتاب و سنت حجت شرعی ٹہرے نہ نفس اجماع بلکہ اجماع صرف اُس کے مطالب اور مراد کا ظاہر کرنے والا ٹہرا اور چونکہ ثبوت اجماع کے لیئے ضرور ہی کہ تمام حافظان حدیث اور مشایخ اور مجتہدین زمانہ کے اُس میں داخل ہوں اور اُن سب کا اِتفاق ہو تو ایسی حالت میں امۃ محمدی کا ضلالت پر اجماع کرنا † محال ہی اسلیئے کہ قطع نظر نقل کے عقل سلیم بھی قبول نہیں کرتی کہ سارے علما اور فقہا اور محدث ایسی بات پر اجماع کریں جو کہ کتاب و سنت کے مخالف ہو لیکن ایسا اجماع جسکا مستند کتاب و سنت ہو اور جسمیں تمام محدثین اور فقہا داخل ہوں نسبت تقلید کے نہیں ہی کہ اس کو ہم ثابت کرتے ہیں چند دلیلوں سے *

اولاً — خدا کی کتاب سے پہلی آیت اتبعوا ما انزل الیکم من ربکم ولا تتبعوا من دونہ اولیاء *

† اجماع کے معنی اتفاقیہ جمع ہوجانا لوگوں کا کسی بات پر نہیں ہی یعنی اگر کوئی بات ایسی ہو کہ اُس کو سب لوگ بغیر غور و فکر کے کہتے یا کرتے چلے آئے ہوں تو اُس پر اطلاق اجماع کا نہیں ہوسکتا بلکہ اجماع کے لیئے ضرور ہی کہ اُس پر بحث و تکرار ہوئی ہو اور دلایل موافق و مخالف بحث میں آئے ہوں اور بعد تمام مباحثہ کے کسی امر پر اجماع ہوگیا ہو پس اگر بعد اُس اجماع کے کوئی ایسی دلیل مخالف برآمد ہو جو اُس اجماع میں مباحثہ میں نہیں آئی تہی تو وہ اجماع حجت نہیں رہتا —

دوسری آیت فبشر عبادی الذین یستمعون القول فیتبعون احسنہ اولئک الذین ہداہم اللہ و اولئک ہم اولو الالباب *

تیسری آیت فان تنازعتم فی شیئی فردوہ الی اللہ و الرسول ان کنتم تؤمنون باللہ و الیوم الاخر *

ابن حزم جسکے کلام کو شاہ ولی اللہ صاحب نے اپنی کتاب حجۃ اللہ البالغہ میں نقل کیا ہی یہی آیتیں حرمت تقلید کے ثبوت میں بیان کرتا ہی حیث قال التقلید حرام ولایحل لاحد ان یاخذ قول احد غیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم بلابرہان کہ تقلید حرام ہی اور کسیکو جائز نہیں ہی کہ کسیکے قول کو سواے رسول مقبول صلی اللہ علیہ و سلم کے بغیر دلیل کے قبول کرے اور ابن حزم ان روایتوں کو نقل کرکے یہہ نتیجہ نکالتا ہی کہ فلم یبح اللہ تعالی الرد عند التنازع الی احد دون القران و السنۃ و حرم بذلک الرد عند التنازع الی قول قایل لانہ غیر القران و السنۃ یعنی نہیں مباح کیا ہی اللہ تعالی نے رجوع کرنا وقت تنازع کے کسی کی طرف سواے قران اور حدیث کے اور حرام کردیا ہی اِس سے رجوع کرنا کسی کہنے والے کی بات پر اِس لیئے کہ وہ قران و سنت نہیں ہی *

ثانیاً — احادیث نبوی باب الاعتصام بالکتاب و السنۃ احادیث صحاح کے ملاحظہ سے ثابت ہوتا ہی کہ پیغمبر خدا علیہ التحیۃ و الثناء نے ہمیشہ تاکید اپنی اور اپنی اصحاب کی کی پیروی کی اور نئی باتوں سے بچنے اور اپنی احادیث پر تمسک کرنیکی کی ہی اور تقلید سے سواے اپنے اپنے امام کے اقوال کی تبعیت کے کوئی نہ حدیث پر عمل کرنے کا مجاز ہی نہ اقوال و اعمال صحابہ پر تمسک کرسکتا ہی *

ثالثاً — اقوال صحابہ و تابعین و تبع تابعین عن ابن عباس اما تخافون ان تعذبوا و یخسف بکم ان تقولوا قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم و قال فلان کہ حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ کیا تم عذاب نازل ہونے سے نہیں ڈرتے ہو جو یہہ کہتے ہو کہ پیغمبر خدا نے فرمایا اور فلاں شخص نے یوں کہا ہی یعنی پیغمبر صاحب کے قول کے بعد دوسرے کے قول کو دیکھتے ہو قال ابن عمر لجابر ابن زید انک من فقہاء البصرۃ فلاتفت الا بقران ناطق اوسنۃ ماضیۃ فانک ان فعلت غیر ذلک ہلکت و اہلکت کہ حضرت ابن عمر نے جابر ابن زید سے کہا کہ تم بصرہ کے فقیہوں میں سے ہو اِس لیئے تم فتوی نہ دینا بجز قران ناطق اور حدیث صریح کے ورنہ خود ہلاک ہوگے اور اَوروں کو ہلاک کروگے *

[باقی پرچہ آیندہ] سید مہدی علی

بمقام علیگڈہ — مطبع علیگڈہ انسٹیٹیوٹ میں چھپا اور باہتمام منشی محمد مشتاق حسین شایع ہوا

THE MOHAMMEDAN SOCIAL REFORMER

تہذیب الاخلاق

جلد دوم] یکم جمادي الاول سنة ۱۲۸۸ هجري ۰ [نمبر ۷

بسم الله الرحمن الرحيم

بقیۃ مضمون پرچہ نمبر ۹

تقلید اور عمل بالحدیث

اخرج الترمذي عن ابي السائب قال كنا عند وكيع فقال الرجل ممن ينظر في الراے اشعر رسول الله صلى الله عليه و سلم و يقول ابو حنيفه هو مثلة فقال الرجل فانه قد روى عن ابراهيم النخعي انه قال الاشعار مثلة قال رايت وكيعا غضب غضبا شديدا وقال اقول قال رسول الله صلى الله عليه و سلم و تقول قال ابراهيم ما احقك بان تحبس ثم لاتخرج حتى تنزع عن قولك هذا ترمذي نے ابي سائب سے روایت کي هی کہ میں وکیع کے پاس بیٹھا هوا تھا کہ اُنہوں نے ایک آدمي سے جو کہ صاحب الراے تھا کہا کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ و سلم نے اشعار کیا هی اور ابو حنیفہ کہتے هیں کہ وہ مثلہ هی تو اُس آدمي نے کہا کہ ابراهیم نخعي سے ایسي هي روایت پہونچي هی یہہ سنکر وکیع کو نہایت غصہ هوا اور کہنے لگے کہ میں تو کہتا هوں کہ فرمایا هی پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اور تو کہتا هی کہ کہا هی ابراهیم نخعي نے پس تیري یہي سزا هی کہ تو قید کیا جاوے اور جب تک اپنے اِس قول سے نہ پھرے تب تک جیلخانہ میں رهے *

حدیث عبادة بن الصامت الانصاري النقيب صاحب رسول الله صلى الله عليه وسلم انه غزا مع معاوية ارض الروم الى قوله فقال عبادة احدثك عن رسول الله صلى الله عليه و سلم و تحدثني عن رائك ان اخرجني الله سبحانه لا اساكنك بارض لك علي فيها امرة (مراءاة) عبادة بن الصامت نے امیر معاویہ سے کہا کہ یہہ لوگ چاندي کے ٹکڑوں کو درهم سے اور سونے کے ٹکڑوں کو دینار سے فروخت کرتے هیں یہہ سود هی اِس لیئے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا هی کہ لاتبايعوا الذهب بالذهب الا مثلا بمثل امیر معاویہ نے کہا کہ میں اِسکو ربا نہیں جانتا تو وہ غصہ هوئے اور کہنے لگے کہ میں تو پیغمبر خدا علیہ التحیۃ والثنا کا قول بیان کرتا هوں اور تم اپني راے بیان کرتے هو اگر خدا نے مجھے اِس جگہہ سے نکالا تو کبھي میں وهاں نرهونگا جہاں تم امیر هو *

قال الهروي ورويناعن محمد الكرجي وكان من اسلم بمكان قال رايت الشافعي رحمة الله تعالى بمسئلة يفتي الناس الى قوله فقال الشافعي رحمة الله عليه ما احوجني يا اسحاق ان يكون غيرك في موضعك فكنت امرا لغيرك أذنيه اقول قال رسول الله صلى الله عليه وسلم و انت تقول عطاء و طاؤس و ابراهيم والحسن وهل لاحد مع رسول الله صلى الله عليه و سلم حجة كہ ایک جگہہ امام شافعي اور امام احمد اور

تقلید اور عمل بالحدیث یکم جمادی الاول سنه ۱۲۸۸ هجری تقلید اور عمل بالحدیث

اسحاق بن راهویه جمع تهے ایک مسئله پر امام شافعي نے حدیث نقل کي اسحاق بن راهویه نے بمقابل اُس کے حسن اور ابراهیم اور عطاء اور طاؤس کي راے اور قول کو مطابق اُس کے نقل کیا امام شافعي خفا هوئے اور کها که اے اسحاق افسوس هی بجاے تیرے دوسرا آدمي نهوا ورنه میں اُسکي گوشمالي کراتا که میں تو پیغمبر خدا صلی الله علیه وسلم کي حدیث نقل کرتا هوں اور تم عطاء اور طاؤس اور ابراهیم اور حسن کے قول کو نقل کرتے هو کسیکو پیغمبر خدا کے ساتهه کچهه حجت نهیں هی *

قال معنیي السنه وجاء رجل الی مالک فسئله عن مسئلة فقال له قال رسول الله صلی الله علیه وسلم کذا و کذا فقال الرجل ماراَیک فقال مالک فلیحذر الذین یخالفون عن امره ان یصیبهم فتنة او یصیبهم عذاب الیم الاتراه ان التعزیر الارادة علی مثل اسحاق رحمة الله علیه مع جلالة ودرة من الشافعي رحمة الله علیه لم یکن لي ازید من التفوه بقول الفقیه في مقابلة الحدیث که ایک شخص نے امام مالک سے آکر ایک مسئله پوچها اُنهوں نے کچهه جواب دیا که ایسا ایسا فرمایا هی پیغمبر خدا صلی الله علیه و سلم نے اُس شخص نے کها پهر تم کیا کهتے هو امام مالک خفا هوئے اور کها که تونے قدر پیغمبر خدا کي نه جاني اب تو سوچ که اسحاق بن راهویه سے جلیل القدر امام کو امام شافعي نے صرف اسي سبب سے قابل تعزیر جانا که اُنهوں نے مقابله میں حدیث کے فقیهه کے قول کو نقل کیا تها پس اِس قول سے امام مالک نے اُس شخص کو ڈرایا جو که بمقابله حدیث کے دوسري راے دریافت کرے *

قیل للشعبي الاتحضر المسجد فقال لقد ابغض الي هؤلاء هذا المسجد حتی صار ابغض الي من کناسة داري فقیل له من هؤلاء یا ابا عمرو فقال اصحاب الراے که شعبي رحمة الله علیه سے لوگوں نے کها که آپ مسجد میں نهیں آیا کرتے اُنهوں نے جواب دیا که لوگوں نے مجهه مسجد کا ایسا دشمن کردیا هی که میں اُسکو اپنے گهر کي بري سي بري جگهه سے بهي زیاده برا جانتا هوں لوگوں نے کها که وه کون سے لوگ هیں تب اُنهوں نے کها که اصحاب راے *

قالوا لاحمد مرة لم لاتصنع للناس في الفقه شیئاً فقال اولاحد کلام مع الله تعالی و رسوله صلی الله علیه و سلم که امام احمد حنبل سے کسینے کها که آپ فقه میں کوئي کتاب کیوں نهیں لکهتے جواب دیا که خدا اور رسول کے هوتے هوئے کسي کو مجال کلام کي نهیں هی *

غرض که مثل اِس کے اَور صدها اقوال صحابه و تابعین کے هیں جن سے ثابت هوتا هی که تقلید کسي کي سواے رسول مقبول صلی الله علیه و سلم کے نه چاهیئے لیکن هم قطع نظر ان اقوال کے خاص چاروں امام کے اقوال کو نقل کرتے هیں جن سے ثابت هوتا هی که اُنهوں نے اپني تقلید کامل کو جائز هي نهیں رکها *

براقیه و جواهر میں لکها هی که روي عن ابي حنیفة رح انه کان یقول لاینبغي لمن لایعرف دلیلي ان یفتي بکلامي † و کان رضی الله عنه اذا افتي یقول هذا راے النعمان ابن ثابت که امام ابو حنیفه فرماتے تهے که جو شخص میري دلیلوں کو نه جانے اُسے سزاوار نهیں هی که میرے کلام پر فتوی دے اور خود اُن کا یهه قاعده تها که جب وه کچهه فتوی دیتے تو صاف یهه کهدیتے که یهه راے نعمان ابن ثابت کي یعني میري هی *

روي الحاکم والبیهقي عن الشافعي رضي الله عنه انه کان یقول اذا صح الحدیث فهو مذهبي و في روایة اذا رایتم کلامي یخالف الحدیث فاعملوا بالحدیث و اضربوا بکلامي الحائط که حاکم اور بیهقي نے امام شافعي سے روایت کي هی که وه کها کرتے تهے که اگر حدیث کي صحت هوجاوے تو وهي مذهب میرا هی اور ایک روایت میں آیا هی که وه کهتے تهے که اگر کوئي کلام میرا حدیث کے مخالف هو تو حدیث پر عمل کرو اور میري بات کو دیوار سے پٹکو *

وقال یوما للمزني یا ابرهیم لا تقلدني في کل ما اقول وانظر في ذالک لنفسک فانه دین که امام شافعي اپنے شاگرد مزني سے کها کرتے که ای ابراهیم میري تقلید نه کرنا هرایک بات میں جو کهتا هوں بلکه تو اپني ذات سے بهي اُس پر نظر کرنا اِسلیئے که یهه دین هی اسمیں اعتماد اَور کسي کے قول پر نهیں چاهیئے *

و کان رضی الله عنه یقول لا حجة في قول احد دون رسول الله صلی الله علیه و سلم و ان کثروا لافي قیاس و لافي شئي که امام شافعي کها کرتے که کسیکا قول کسیکا قیاس اور کوئي چیز کسي امر میں کچهه حجت نهیں هی سواے رسول مقبول صلی الله علیه و سلم کے اگرچه اُس قول اور قیاس پر بهت سے شخص متفق هوں *

و کان الامام احمد رضی الله عنه یقول لیس لاحد مع الله و رسوله کلام که امام احمد حنبل فرماتے تهے که خدا اور رسول کے ساتهه کسیکو کلام نهیں هی *

و قال ایضاً لرجل لاتقلدني ولا تقلدن مالکا ولاالاوزاعي ولا النخعي و لاغیر هم و خذالاحکام من حیث اخذوا من الکتاب والسنة که امام احمد حنبل نے ایک شخص سے کها که تو نه میري تقلید کر اور نه امام مالک کي نه اوزاعي کي نه نخعي کي اور نه کسي اَور کي بلکه جهاں سے اُنهوں نے احکام نکالے هیں یعني کتاب وسنة سے وهیں سے تو بهي نکال *

† برخلاف اس کے مقلدین فرماتے هیں که به تحقیق علماء فرموده اند واجب است افتا بقول امام اعظم هرچند نه داند از کجا گفته چنانکه در فتاوي خیریه وغیره گفته - لوامع الالهام لدفع الاوهام

عن ابی یوسف و زفر رحمۃ اللہ علیہما انہم قالوا لا یحل لاحد ان یفتی بقولنا ما لم یعلم من این قلنا کہ امام ابو یوسف اور زفر رحمۃ اللہ علیہما نے کہا ہے کہ حلال نہیں ہے کسیکو یہہ کہ فتوی دے ہمارے قول پر جب تک وہ یہہ نہ جانے کہ کہاں سے ہمنے کہا ہے *

پس باوجود ایسی تصریحات کے جو اُن ائمہ اربعہ اور انکے خاص شاگردوں نے عدم تقلید پر کی ہیں اگر کوئی تقلید کو واجب اور عمل بالحدیث کو ناجائز کہے وہ حقیقت میں ان اماموں کا مقلد نہیں ہے بلکہ اپنی ہوا و ہوس اور رسم و رواج کی پابندی کا *

غرضکہ ان چند قولوں کے نقل کرنے سے ثابت ہوا کہ نہ † صحابہ کے زمانہ میں نہ تابعین کے زمانہ میں نہ تبع تابعین کے زمانہ میں تقلید جاری ہوئی نہ کسی نے اُن قرون ثلثہ میں اسکو واجب جانا بلکہ جس طرح پر آج کل لوگ عمل کرتے ہیں ایسا عمل کسی کے قول پر بھی نہیں کیا تو باوجود اسکے پھر یہہ دعوی کرنا کہ تقلید واجب ہے اور تارک اُسکا گنہگار اور واجب التعزیر حقیقت میں دوسری شریعت قایم کرنا اور نیا دین کھڑا کرنا ہے و نعوذباللہ منہ *

اگر ہم ان زمانوں پر بھی خیال نہ کریں اور آیندہ آنے والے زمانوں پر نظر کریں کہ پھر پیچھے تقلید پر اجماع ہو گیا ہو تو وہ بھی ہم نہیں پاتے اِس لیئے کہ بعد اُسکے جتنے لوگ ہوئے وہ یا محدث تھے یا اہل تصوف یا فقہا یا عوام پس اصلی محدث تو ہزاروں میں ایک ہی دو ایسے ہونگے جنہوں نے تقلید کی ہو ورنہ جو لوگ اصل حدیث کے جمع کرنے والے اور اُسکے جاری کرنے والے ہیں وہ تقلید کے نام سے بھاگتے تھے اور اُسکو بدعت جانتے تھے اور جو اہل تصوف تھے اُنکا بھی یہی حال ہے کہ ہمیشہ تقلید سے نفرت کیا کیئے اوٗر اُسکی برائی بیان کرتے رہے وہ کئی فقہا اور علما اُن میں سے بھی جو محقق تھے وہ غیر مقلد رہے اور جو تحقیق اور اجتہاد کے اعلی درجہ پر نہ تھے اُنہوں نے تقلید پر قناعت کی اور عوام تو کالانعام ہیں اُنکا کچھہ ذکر نہیں پس حقیقت میں اجماع جسکا نام ہے وہ کسی زمانہ میں نسبت وجوب تقلید کے نہیں ہوا ہاں اِسمیں شک نہیں ہے کہ چوتھی صدی سے ابتک اکثر لوگ تقلید کے پابند ہوگئے اور روز بروز اُسکی پابندی بڑہ گئی مگر بمقابلہ محدثین اور محققین کے اوٗر لوگوں کی کثرت کچھہ بھی لایق لحاظ کے نہیں ہے ورنہ صرف اکثرت پر اگر لحاظ کیا جاوے تو ساری بدعتیں اور تعزیہ پرستی اور قبرپرستی وغیرہ سب اِسی اجماع کی دلیل سے عبادت میں داخل ہوجاویں اور اُنکا ترک کرنا خرق اجماع کہلاوے ولم یقل بہ احد اور اجماع کی نسبت اہل اصول نے بھی یہی کہا ہے کہ اجماع مجتہدین صالحین کا اجماع ہے نہ اجماع مقلدین کا اور مطابق قول مقلدین کے مجتہد بعد ائمہ اربعہ کے کم ہوئے ہیں اور جو مجتہد ہوا ہے وہ مقلد نہیں ہوا پس جسقدر اور علماء اور فقہا تقلید کے وجوب کے معتقد ہیں اُنکا اجماع حقیقت میں مطابق اصول کے اجماع نہیں ہے *

مقلد — آپ کے روبرو جب ہمنے علما فقہا کے اقوال کو تقلید کے وجوب پر پیش کیا تب آپ نے اُنکو تسلیم نہ کیا اور پھر آپ اُنہیں کے اقوال کو اپنے دعوی عدم وجوب تقلید پر پیش کرتے ہیں *

غیر مقلد — در حقیقت ہم تو صرف کتاب و سنت ہی کو دلیل عدم وجوب تقلید کی جانتے ہیں مگر چونکہ آپ اور اس زمانہ کے اکثر لوگ عادی اِسکے ہوگئے ہیں کہ بغیر حوالہ کتاب اور سند علما کے اقوال کے وہ کسی بات کو نہیں مانتے اِس لیئے ہمنے آپ کے اور اس زمانہ کے لوگوں کے سمجھانے کے لیئے اُنکے قولوں کو نقل کیا اور نقل کرنے پر آمادہ ہیں ورنہ ہم اپنی ذات کے لیئے اُسکی کچھہ ضرورت نہیں سمجھتے ہمکو تو خدا اور رسول کے کلام پر تمسک ہے اور اسپر ایسا یقین ہے کہ بالفرض اگر ایک مولوی اور ایک عالم کا قول بھی ہمارے موافق نہوتا تب بھی ہمارے عقیدہ میں کچھہ خلل نہ آتا اور خدا کی کتاب اور رسول کے اقوال کو چھوڑ کر ہم کسی کی بات پر کان بھی نہ لگاتے علاوہ اسکے ان قولوں کے نقل کرنے سے ہماری غرض یہہ ہے کہ جو بار بار آپ کی زبان سے لفظ اجماع کا نکلتا ہے اُسکا بطلان ظاہر ہوجاوے اور ان بڑے بڑے محققین و علما اور ائمہ دین کے اقوال سے آپ کے دعوی وجوب تقلید کا غلط ہونا سب پر کھل جاوے ہمکو سخت حیرت ہوتی ہے کہ صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین اور محدثین اور مجتہدین اور محققین کا تقلید نہ کرنا اور اُس کو برا جاننا تو عدم وجوب تقلید کی دلیل نہ ٹھہری اور اُن کا ایک بات پر اتفاق کرنا اجماع نہ کہلاوے اور بعد قرون ثلثہ کے جو لوگ آویں اور جن کے مراتب ورع و تقوی اور مدارج علم و تحقیق اُن متقدمین کے برابر نہوں اور پھر وہ بھی سب کے سب ایک بات پر متفق نہوں اُن کا تقلید کو جائز کہدینا وجوب تقلید پر ایسی دلیل ہو جاوے کہ اُس کا منکر بدعتی اور فاسق اور واجب التعزیر ٹھہرے فاعتبروا یا اولی الالباب ان ہذا لشئی عجاب *

مقلد — جو لوگ کہ تقلید کا انکار کرتے ہیں وہ تھوڑے ہیں اُن کا قول مرجوح ہے اور جو لوگ اُس کو واجب اور جایز جانتے

† صحابہ کے زمانہ میں تقلید جاری نہونے سے یہہ غرض ہے کہ کوئی ایک شخص اُنمیں سے ایسا نہیں بتایا گیا کہ جسکے سارے اقوال اوٗروں نے مانے ہوں یا جسکی سب باتوں کو اوٗروں نے واجب التعمیل جانا ہو —

تقليد اور عمل بالحديث

يکم جمادي الاول سنه ۱۲۸۸ هجري

تقليد اور عمل بالحديث

هيں وه بهت هيں اور سواد اعظم وهي هی جس جانب بهت لوگ هوں اس ليئے آپ کا استناد چند هي علما کے اقوال پر هی اور همارا استناد هزاروں کے قول پر *

غير مقلد — يهه دونوں دعوی غلط هيں اول يهه کهنا که واجب العمل وه قول هی جس پر بهت لوگ متفق هوں اور اُس کو سواد اعظم جاننا دوسرے يهه سمجهنا که وجوب تقليد کي طرف اکثر لوگ هيں اور جس طرف بهت لوگ هوں اُس کي مخالفت اجماع کي مخالفت هی اول دعوی کي غلطي پر چند قول ميں نقل کرتا هوں که بعض مفسرين نے آية ان تطع اکثر من في الارض يضلوک کي تفسير ميں کها هی که في هذا دلالة علی انه لاعبرة في دين الله و معرفة الحق بالقلة والکثرة يجواز ان يکون الحق مع الاقل که يهه آيت دلالت کرتي هی اس پر که کچهه اعتبار نهيں هی خدا کے دين ميں اور حق کے پهچاننے ميں قلت اور کثرت پر اس ليئے که جائز هی که حق وهي هو جس طرف تهوڑے لوگ هيں *

ابن جوزي نے تلبيس ابليس ميں لکها هی که سفيان رحمة الله عليه نے يوسف ابن اسباط سے کها که اذا بلغک عن احد بالمشرق انه صاحب سنة فابعث اليه بالسلام و اذا بلغک عن آخر بالمغرب انه صاحب سنة فابعث اليه بالسلام فقد قل اهل سنة که اگر مشرق ميں ايک اور مغرب ميں دوسرا پابند سنة کا هو تو اُس کو سلام بهيجو اس ليئے که سنت پر چلنے والے بهت هي کم هيں *

امام فخرالدين رازي تفسير کبير ميں لکهتے هيں که سواد اعظم وهي هی جو تابع کتاب يعني قران اور سنت کا هو و ان ما سواها لايلتفت اليهم و ان استلاء العالم منهم که جو کتاب و سنت کے سوا هو اُس پر التفات نه کرنا چاهيئے اگرچه اُن سے جهان بهرا هو اور جماعت کے معني ميں ايک بزرگ نے کها هی که الجماعة دالة يجيا معه اهل الحق و ان قلوا که جماعت نام هی اهل حق کے جمع هونے کا ايک حق بات پر اگرچه وه بهت هي کم هوں *

سواد اعظم کے معني ميں ملا علي قاري شرح نخبة الفکر ميں لکهتے هيں که ان لهم من الصفات الموجبة للقبول ماتقوم مقام العدد الکثير من غيرهم ولذا سميت مثل هذاالامام امة قال الله تعالی ان ابراهيم کان امة لانه يجتمع فيه من الصفات مالا يوجد متفرقة الا في جماعة و لذا قال الشاعر ليس من الله بمستنکر * ان يجمع العالم في احد * و قد قيل في حديث المشهور عليکم بالسواد الاعظم اي الاورع العالم پس جب که ايک شخص پر اطلاق امت کا خدا کے کلام سے ثابت هوا اس ليئے که وه ايک اُن باتوں کا جامع تها جو که متفرق متعدد گروهوں ميں عليحده پائي جاتيں اور خدا کا ايک شخص کو بمنزله ايک جهان کے بنا دينا عجب نهيں اور سواد اعظم سے مراد زيادة پرهيزگار سے لي گئي هو تو پهر کثرت عوام کو کسي مسئله کي صحت پر دليل لانا بچوں کو بهسلانا اور عوام کو خوش کرنا هی دگر هيچ *

فاضل روز بهان کتاب ابطال الباطل ميں جهاں حديث لايزال طائفة من أمتي منصورين لايضرهم من خذلهم حتی تقوم الساعة کا ذکر تها هی لکهتے هيں محاصل الحديث لايزال طائفة قليلة من التي منصورين بالحجة والبرهان *

پس معلوم هوا که وه گروه جو هميشه غالب رهيگا وه وهي قليل آدميوں کا گروه هی جو که اپني حجت شرعي سے اَوروں پر غالب هوگا اور کوئي اُس کو مغلوب نه کرسکيگا اور يهه گروه وهي هی جو که تابع کتاب و سنت هی که نه اُس کے سامنے رسم و رواج کي سند پيش جاتي هی نه بدعتيوں کي پوچ اور بيهوده دليليں چل سکتي هيں نه علماء دنيا طلب کي چکني چکني باتوں کي دهنوت اثر کرتي هی نه قوموں کي کثرت اور عوام کي جمعيت اور تبعيت اُسکو ره کرسکتي هی خدا کي کتاب اور رسول کي حديث کے سامنے سب کو معلوبيت هوجاتي هی ديکهنا چاهيئے که اس کا مصداق کون هی وه فرقه جو تقليد کرتا هی يا وه فرقه جو تقليد کا تارک هی دونوں کي دليلوں کو ديکهو اور پهر خدا کي کتاب رسول کي احاديث سے ملاؤ اور تعصب کي آنکهه تهوڑي دير بند کرکے انصاف کرو *

صحيح بخاري کي کتاب الاعتصام بالسنة ميں لکها هی که لاتزال طائفة من التي ظاهرين علی الحق اور ابن حجر نے فتح الباري ميں لکها هی که هم اصحاب الحديث که وه لوگ اصحاب حديث هيں *

تفسير نيشا پوري ميں لکها هی که اگر مراد اِس طائفه سے اهل حديث نهو تو ميں نهيں جانتا که پهر کون لوگ اُس سے مراد هونگے *

امام غزالي رحمة الله عليه فرماتے هيں احياء العلوم ميں و منها ان يکون شديد التوقي من محدثات الامور و ان اتفق عليه الجمهور فلا يغرنه اطباق الخلق علی ما احدث بعد الصحابة *

غرض که کثرت اقوال پر مغرور هونا يا کثرت اشخاص پر فريفته هونا نهايت هي ناداني اور خلاف حکم شريعت هی هم مسلمانوں کو بجهت اسلام کے امور دين ميں صرف يهه ديکهنا چاهيئے که کتاب و سنت سے کيا ثابت هوتا هی نه اَور کچهه اور اُس کو چهوڑ کر لوگوں کيا

فتووں پر نظر کرنا اور خدا کے کلام و رسول کے قول کو اَور بندوں کی باتوں پر جانچنا اور اصل کو فرع پر عرض کرنا شانِ اسلام سے بعید ہی *

پادری مشرک یا اہل کتاب سن پاوے کہ مسلمانوں نے اپنے دین میں سوائے کتاب و سنت کے اَور لوگوں کی باتوں پر چلنا جائز رکھا ہی تو وہ اسلام کی بربادی کی نہایت عمدہ فال سمجھے اور اگر یہہ خبر پاوے کہ اُنہوں نے اس امر کو واجب سمجھہ لیا ہی اور اُسکے خلاف سمجھنے والے کو بدعتی یا فاسق یا دشمن اسلام کہتے ہیں تب تو مارے خوشی کے مر ہی جاوے اور اسلام کے خاتمہ پر شادیانے خوشی کے بجاوے اسلیئے کہ اگر خوبی اسلام کی اُسکی نظروں میں ہوتی تو اِسی سے ہوتی کہ اسلام کے بانی نے کامل توحید کو جاری کیا اور ساری قسم کے شرک کو خفی ہو یا جلی باطل کردیا اور تمام رسموں اور بنائی ہوئی باتوں کو توڑدیا اور ادیان سابقہ کی تحریف کرنے والوں کی تحریفات کو واجب الترک والانکار بتلایا پس جب کہ اُسی مذہب کے لوگ توحید سے پھر گئے اور مشرک فی صفة النبوة ہوگئے اور رسموں کی پابندی اور اپنے جیسے بندوں کی باتوں پر نہ ڈانغ بلکہ متمسک ہوگئے اور خدا کے کلام پر عمل کرنے کے لیئے لوگوں کے فتووں پر نظر کرنے لگے اور اپنے رسول کے قول پر چلنے کے لیئے عالموں کے حکم کے پابند ہوگئے کہ جب تک اُنکے مولوی نہ کہدیں وہ نہ خدا کی کتاب پر عمل کرسکتے ہیں نہ رسول کی حدیث پر تو پھر ایسی خرابی پر اسلام کی جو کچھہ وہ خوشی کریں وہ حق بجانب ہی اور جب وہ اِس بات سے واقف ہوں کہ یہہ قول اور عمل صرف عوام ہی کا نہیں ہی کہ وہ بمجبوری اُسکے قایل اور اُسپر عامل ہوئے ہوں بلکہ اچھے اچھے پڑھے لکھوں کا جنکا علامہ اور حضرت اور قبلہ اور کعبہ کے سوا کوئی نام نہیں لیتا یہی عقیدہ ہوگیا ہی اور گروہ کا گروہ اُس پر قایل ہو رہا ہی اور دین اسلام کا مدار ہی اُس پر آگیا ہی تو معلوم نہیں کہ اس فرحانہ میں مشرک اپنے بتوں پر کیا کچھہ چڑھاویں اور نصاری اپنے حضرت مسیح پر کیا کچھہ اپنے حال پر عنایت سمجھیں *

مقلد ـــ خیر یہہ زبان درازی چھوڑیئے اور دوسرے دعوے کو اپنے ثابت کیجیئے جو آپ نے کہا ہی کہ جس طرف بہت لوگ ہوں اُس سے مخالفت کرنا اجماع کی مخالفت نہیں ہی *

غیر مقلد ـــ سنیئے ابو محمد علی بن احمد بن سعید بن حزم بن غالب اُندلسی اپنی کتاب محلی کی کتاب الاشربة میں بہ نسبت دعوی اجماع کے لکھتا ہی هذا ای دعوى الاجماع قول في غاية الفساد لانه يبطل عليهم جمهور اقوالهم ويلزمهم ان لايلزموا زكوة الاحيث اوجبها الاجماع والفريضة حيث اوصلوة الاحيث صح الاجماع على وجوبها ولاسوالزنا الاحيث جمعت الامة انه زناء ومن الزم هذا المذهب خرج من دين الاسلام بلاشك بوجهين احدهما انه مذهب مفترى لم يامرالله تعالى قط بان لانتبع الا الاجماع وقال تعالى به قط ولرسوله و انما امرالله عزوجل باتباع القرآن وسنة النبي و اولى الامر باتباع الاجماع ولم يامرالله تعالى قط بان لانتبع الا الاجماع وقال تعالى قط ولرسوله لاتاخذوا بما اختلف فيه الا ما اجمع عليه ومن ادعى هذ افترى على الله الكذب واتى بدين مبتدع وبالضلال المبين انما قال تعالى اتبعو ماانزل اليكم من ربكم و قال تعالى وماآتكم الرسول فخذوه ومانهكم عنه فانتهوا وقال تعالى فان تنازعتم في شيء فردوه الى الله والرسول ان كنتم تؤمنون بالله واليوم الآخر ولم يقل تعالى فردوه الى الاجماع فمن ترد ماتنوزع فيه الى الاجماع لا الى نص القرآن والسنة فقد عصى الله تعالى و رسوله تنزع من الدين مالم ياذن به الله تعالى واما نحن فنتبع الاجماع فما صح انهم اجمعوا عليه ولا يخالفه اصلاً و نرد ماتنوزع فيه الى القرآن والسنة فناخذ مافيها وان لم يجمع على الاخذ به وبهذا امرالله تعالى و رسوله و عليه اجمع اهل اسلام ومانعلم احدا قط قال لا الزام في شيء من الدين الا ما اجمع الناس عليه فقد صاروا بهذا الاصل مخالفين للاجماع بلاشك والوجه الثاني انه مذهب يقتضي ان لايرجع الى القرآن والسنن اذا وجد الاختلاف في شيء من احكامها وليس من هذا من دين الاسلام في شيء مع انه في اكثرالامر كذب على انه قول بلا علم وايضا فانهم لايلزمون هذا الاصل الفاسد الا في مسائل قليلة جدا وهويبطل ساير مذاهبهم بهذا عليهم و باللّه التوفيق

کہ اجماع کا دعوی کرنا ایک ایسا قول ہی جسکا فساد ظاہر ہی اسلیئے کہ اس سے سارے اقوال باطل ہوتے ہیں اور ایسے دعوی کرنے والوں پر لازم آتا ہی کہ وہ نہ زکوة کو واجب جانیں نہ حج و نماز کی فرضیت کے قایل ہوں اور نہ زنا کی برائی پر اعتقاد رکھیں مگر اسی وجہہ سے کہ اُسپر اجماع ہی اور جو ایسا کرے وہ دین اسلام سے خارج ہی دو وجہ سے اول یہہ کہ یہہ بنایا ہوا مذہب ہی نہ خدا نے یہہ حکم دیا ہی کہ سوائے اجماع کے اور کسی کا اتباع نہ کرنا اور نہ رسول نے ایسا فرمایا ہی بلکہ خدا نے تو قرآن و سنت اور اولوالامر کے اتباع کا حکم دیا ہی یہہ بھی خدا نے نہیں کہا کہ جب کسی امر میں اختلاف ہو تو وہی بات ماننا جسپر اجماع ہو جو ایسا دعوی کرے وہ خدا پر تہمت کرتا ہی اور نیا دین بنایا چاہتا ہی اسلیئے کہ خدا نے صاف صاف کہدیا ہی کہ جو تمہارے رب نے بھیجا اُسکی اتباع کرو اور پھر فرما دیا ہی کہ جو رسول دے اُسے لو اور جس سے منع کرے اُسے چھوڑو اور نیز ارشاد فرماتا ہی کہ اگر کسی بات میں جھگڑا ہو تو خدا رسول سے رجوع کرو اس لیئے ہم اُس امر میں اجماع کا اتباع کرتے ہیں جس میں ہمکو ثابت ہو کہ سب کے سب اُسپر متفق ہیں اور

اُنکا اجماع کتاب و سنت کے مخالف نہیں ھی اور اگر آپس میں اختلاف ھو تو ھم قران و حدیث پر رجوع کرتے ھیں جسکو اُسکے مطابق پاتے ھیں اُس پر عمل کرتے ھیں گو اُس پر اجماع نہو اور بس یہی وہ طریقہ ھی جسکا حکم خدا و رسول نے دیا ھی دوسرے یہہ کہ اجماع کے دعوے سے ثابت ھوتا ھی کہ حالت اختلاف میں ھمکو قران و حدیث پر رجوع کرنا نچاھیئے بلکہ اجماع پر کہ بہتوں کی راے کیا ھی تو حقیقت میں یہہ بات دین اسلام کی نہیں ھی *

مقلد — سبحان اللہ آپ بڑے محقق کا کلام اپنے دعوے کی دلیل میں لائے ابن حزم تو بدعتی تھا اور اُسکو فقہا نے نکال دیا تھا کہ وہ جنگل میں مرگیا *

غیر مقلد — یہہ سچ ھی کہ فقہا نے بدعتی کہکر نکال دیا تھا مگر اسی قصور میں کہ اُسنے فقہا کے اقوال کو بالاے طاق رکھکر خدا کی کتاب اور رسول کی احادیث پر رجوع کی تھی لیکن شکر ھی کہ اُسکے کلام کی تصدیق اَور علما نے بھی کی ھی چنانچہ حجۃاللہالبالغہ میں شاہ ولیاللہ صاحب نے اجماع کی نسبت ایسا ھی کچھہ کہا ھی اور ابن حزم کے قول حرمت تقلید کو باطل نہیں گردانا بلکہ اُسکو اور پورا کردیا ھی چنانچہ وہ کہتے ھیں کہ یہہ قول ابن حزم کا کہ تقلید حرام ھی اور کسیکو حلال نہیں ھی کہ سواے رسول مقبول صلیاللہ علیہ وسلم کے بغیر دلیل کے اور کسی کی قول کو لے اِس لیئے کہ چند آیتوں میں اللہ جلشانہ نے اپنے ھی اور اپنی رسول ھی کی تبعیت کا حکم کیا ھی اور تمام صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین کا اول سے آخر تک اسی امر پر اجماع ھی کہ ایک انسان کو اپنے جیسے دوسرے انسان کے سب اقوال کا لینا منع ھی پس جو شخص سب اقوال کو امام ابو حنیفہ یا شافعی وغیرہ کے لیتا ھی اور خدا کی کتاب اور رسول کی سنت پر اعتماد نہیں کرتا وہ مخالف تینوں نیک زمانہ کے اجماع کا ھی اور جو ایسا ھو وہ اُس راہ پر چلتا ھی جو مسلمانوں کی نہیں ھی پس یہہ قول ابن حزم کا بھی پورا نہیں بلکہ ناقص ھی مگر اُس شخص کے حق میں جو کہ طاقت اجتہاد کے رکھتا ھو اگرچہ ایک ھی مسئلہ میں ھو اور یا اُسکو صاف ثابت ھوجاوے کہ پیغمبر صاحب نے ایسا فرمایا ھی یا اُس سے منع کیا ھی اور یہہ بھی اُسکو معلوم ھو کہ یہہ منسوخ نہیں ھی ایسی حالت میں حدیث سے مخالفت کرنے کا کوئی سبب بجز نفاق خفی یا حماقت جلی کے نہیں ھی *

مقلد — یہہ قول بھی اُس شخص کا ھی جس کو ھم غیر مقلد جانتے ھیں اور جسکے اقوال کو ھم نہیں مانتے وہ بھی تمہاری ھی طرح سے خلاف طریقہ اَور علما کے تقلید کا تارک تھا *

غیر مقلد — قطع نظر ان کے صدھا اقوال عدم وجوب تقلید پر ھمکو معلوم ھیں کہ بطور نمونہ کے چند اقوال ھم آپ کو سناتے ھیں

اول قال الشیخ عزالدین عبدالسلام و من العجب العجیب (اصل قول ازالۃالخفا میں منقول ھی) یعنی سب سے زیادہ عجیب یہہ ھی کہ فقہاء مقلدین اپنے امام کے قول کے ماخذ کے ضعیف ھونے سے واقف ھوجاتے ھیں اور کچھہ جواب اُس کے ضعف کا نہیں رکھتے اور با ایہمہ اپنے امام کے قول کی تقلید نہیں چھوڑتے بلکہ بسبب تقلید کے صریح حکم کتاب و سنت کو چھوڑ دیتے ھیں اور ظاھر کتاب و سنت کے ترک کرنے کے حیلے ڈھونڈتے ھیں اور تاویلات بعید اور باطل قران و حدیث میں کرتے ھیں حالانکہ اگلے لوگوں کا یہہ قاعدہ تھا کہ بغیر پابندی کسی مذھب کے جس عالم سے چاھتے مسئلہ پوچھہ لیتے مگر جب سے کہ یہہ مذھب ظاھر ھوئے اور مقلدین میں تعصب آیا تب سے یہہ حال ھوگیا ھی کہ اپنے ھی امام کی تقلید کرتے ھیں اور کچھہ دلیل و برھان کو نہیں دیکھتے اور اُسکو مثل نبی مرسل کے جانتے ھیں اور جو ایسا کرے وہ حق سے دور ھی *

دوسرے قال الامام ابو شامۃ ینبغی لمن اشتغل بالفقہ أن لا یقتصر علی مذھب امام و یعتقد فی کل مسئلۃ صحۃ ما کان اقرب الی دلالۃ الکتاب و السنۃ المحکمۃ یعنی امام ابوشامہ نے کہا ھی کہ اُس شخص کو جو فقہ میں مشغول ھو چاھیئے کہ کسی ایک امام کے مذھب پر حصر نکرے بلکہ ھر مسئلہ میں اُس چیز کی صحت کا معتقد ھو جو قریب تر ھو کتاب و سنت سے *

تیسرے عبدالوھاب شعرانی میزان میں لکھتے ھیں کہ امام ابو حنیفہ رحمۃاللہ علیہ کہا کرتے تھے حرام علی من لم یعرف دلیلی ان یفتی بکلامی کہ حرام ھی اُس شخص پر جو میری دلیل کو نہ پہچانے یہہ کہ فتوی دیوے میرے کلام پر اور شیخ تقیالدین نے ابن خزیمہ سے روایت کی ھی کہ وہ کہتے تھے کہ لیس لاحد مع النبی صلیاللہ علیہ وسلم قول اذا صح الخبر منہ کہ کسی کے قول کو کچھہ اعتبار نہیں ھی بمقابل رسول کے قول کے جبکہ صحت حدیث کی ثابت ھوجاوے *

چوتھے امام ابو حنیفہ رحمۃاللہ علیہ کا قول ھی اذا صح الحدیث فھو مذھبی جو حدیث ثابت ھوجاوے وھی میرا مذھب ھی *

پانچویں دراساۃ اللبیب میں لکھا ھی و قد صح منہ ایضا انہ قال اترکوا قولی بقول رسول اللہ صلیاللہ وسلم لانہ لم یدع ھو ولا احد غیرہ من المجتہدین الاحاطۃ بکل قول صح من الرسول صلیاللہ علیہ وسلم فی زمانہ فضلا عما بعد زمانہ یعنی امام ابوحنیفہ رحمۃاللہ علیہ کا قول ھی کہ میرے قول کو چھوڑ دو جبکہ قول رسول کا پاؤ اِس لیئے کہ امام موصوف یا اَور کسی مجتہد نے یہہ دعوی نہیں کیا کہ ساری

 تقلید اور عمل بالحدیث

حدیثیں اُن تک پہونچ گئیں اُنکے زمانہ میں جمع ہوئیں کہ وہ حدیثیں بعد اُنکے زمانہ کے معلوم ہوئیں *

چھٹے امام شعرانی نے منہج میں لکھا ہی کہ امام شافعی فرماتے ہیں کل شیئی خالف امر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سقط و لا یقوم معہ حجۃ ولا قیاس فان اللہ تعالی قد قطع العذر بقولہ صلی اللہ علیہ وسلم فلیس لاحد معہ حجۃ و قال ایضا اذا ثبت الخبر من النبی صلی اللہ علیہ وسلم لم یحل ترکہ لشیئی ابدا یعنی بمقابل قول رسول کے کسیکا کلام حجت نہیں ہی اور بعد ثبوت حدیث کے ترک کرنا حدیث کا جائز نہیں ہی *

ساتویں امام شعرانی منہج میں امام شافعی کے اقوال میں لکھتے ہیں کہ وہ فرماتے ہیں انظروا فی امور دینکم فان التقلید المحض مذموم و فیہ عمی للبصیرۃ و کان کثیرا مایذم التقلید و یقول قبیح علی من اعطی شمعۃ یستضئی بہا ان یطفئہا و یمشی فی الظلام کہ اپنے دین میں ہوشیار رہو تقلید محض پر قانع نہو اِس لیئے کہ وہ بصیرت کو اندھا کردیتی ہی اور نہایت بری ہی اور امام شافعی اکثر تقلید کی برائی کرتے اور کہتے کہ نہایت قبیح ہی حال اُس شخص کا کہ جسکو خدا شمع روشن عطا کرے تاکہ اُسکی روشنی پاوے اور وہ آپ بجھاوے اور تاریکی میں چلے *

آٹھویں کتاب لواقح الانوار القدسیہ میں لکھا ہی کہ و من شان الفقیہ المحقق ترک التعصب لامامہ اذا علم ضعف دلیلہ و علم صحۃ دلیل مذہب الغیر لان امامہ لم یقل لہ قلدنی فی کل ماقلتہ لعلمہ بعدم العصمۃ من الخطاء کہ شان فقیہہ محقق کی یہہ ہی، کہ وہ تعصب اپنے امام کا چھوڑ دے جبکہ اُسکو اُسکی دلیل کا ضعف معلوم ہوجاوے اِس لیئے کہ اُسکے امام نے یہہ نہیں کہا ہی کہ ہر بات میں جو میں کہتا ہوں میری تقلید کرنا اِس لیئے کہ وہ خود جانتے تھے کہ ہم خطا سے محفوظ نہیں ہیں *

نویں شیخ محی الدین عربی فتوحات مکیہ کے باب ۳۲۸ معرفت نسخ شریعت میں لکھتے ہیں ان الشیطان قد مکنہ اللہ تعالی علی حضرۃ الخیال و جعل لہ سلطانا فیہا فاذا رای الفقیہ یمیل الی ہوی الخ یعنی شیطان کو خدا نے خیال پر تسلط دیا ہی پس جب وہ دیکھتا ہی کہ کوئی فقیہہ خواہش کی طرف مائل ہی تو اُسکو بہکاتا ہی اور یہہ وسوسہ دیتا ہی کہ یہہ روایت خدا کی طرف سے ہی اور یوں سمجھاتا ہی کہ پچھلے نیک لوگ بھی بسبب راے کے خدا تک پہونچے ہیں اور احکام میں قیاس سے کام لیا ہی اور ایسی ایسی باتیں اُس فقیہہ کے دلمیں ڈال کر اُسکی خواہشات پوری کرنے کے لیئے اُسے ایک حیلہ شرعی بتلا دیتا ہی پس وہ فقیہہ احادیث نبویہ کو بالاے طاق رکھدیتا ہی اور اُسکے عدم قبول پر یہہ عذر کرتا ہی کہ اگر یہہ حدیث صحیح ہوتی یا اگر صحیح ہی تو کوئی دوسری حدیث معارض اور ناسخ اُسکی نہوتی تو ضرور امام شافعی اُسپر عمل کرتے یا امام ابو حنیفہ اُسپر عامل ہوتے غرض کہ جو فقیہہ جس امام کا مقلد ہی وہ ترک حدیث پر ایسے ہی عذر اور حیلے کرتا ہی اور حدیث پر عمل کرنے والے کو گمراہ جانتا ہی اور جو کچھہ اُن کے اماموں نے کہدیا اُسکی تقلید کو واجب جانتا ہی اگرچہ اُن کے اقوال احادیث کے معارض ہوں لیکن وہ کتاب و سنت کو چھوڑ کر اپنے ہی اماموں کیطرف رجوع کرتا ہی پس اگر ہم اُس سے کہیں کہ امام شافعی صاف کہہ گئے ہیں کہ اگر کوئی حدیث تمکو مخالف میرے قول کے ملے تو میرے قول کو دیوار سے پٹکو اور حدیث پر عمل کرو اِسلیئے کہ میرا مذہب وہی ہی جو حدیث سے ثابت ہو اور مثل اسی کے امام ابو حنیفہ نے فرمایا ہی اور یہہ قول اُنہیں کے مقلدین سے ثابت ہی پس ایسی باتوں کو سنکر مقلد چپ ہوجاتے ہیں اور کچھہ جواب معقول نہیں دیسکتے اور ایسے مباحثہ کا مجھے اکثر اتفاق ہوا غرض کہ خواہشات نفسانی کے سبب سے شریعت محمدی کو فقہا نے منسوخ کردیا کہ باوجودیکہ احادیث صحیح کتب صحاح میں موجود ہیں اور اُن کے راویوں کے نام بھی مذکور ہیں اور اُن کا جرح و تعدیل بھی منقول ہی اور اُن کی سندیں بلا تبدیل و تغیر کے بھی محفوظ ہیں لیکن باوجود ان سب باتوں کے مقلدین میں سے کوئی اُن پر عمل نہیں کرتا اور اپنے اگلوں کے فتووں ہی پر رجوع کرتے ہیں اور باوجود مخالفت اُن صحاح حدیث کے اپنے فقیہوں کے قول کو ترک نہیں کرتے تو کیا فرق ہی اُن احادیث کے ہونے اور نہونے میں اِس لیئے کہ جب اُن کا حکم ہی نرہا اور مقلدین کے نزدیک اُن پر رجوع کرنا جائز ہی نہ ٹہرا تو اُن کے نزدیک اُن احادیث کا وجود وعدم برابر ہی پس اس سے زیادہ نسخ شریعت کا اور کیا ہوگا انتہی *

دسویں نقل من المضمرات ان الخبر فی کونہ حجۃ فوق الاجتہاد فان خالف الروایۃ الحدیث الصحیح ترکت فالعمل بالحدیث اولی من الروایۃ پس جو روایت مخالف حدیث کے ہو وہ چھوڑ دی جاویگی *

گیارھویں امام شعرانی نے میزان میں لکھا ہی کہ فان قلت ما اصنع بالاحادیث التی صحت بعد موت امامی و لم یاخذ بہا فالجواب ینبغی لک ان تعمل بہا فان امامک لو ظفر بہا و صحت عندہ ربما کان امرک بہا فان الائمۃ اسری کلہم فی ید الشریعۃ و من فعل ذلک فقد حاز الخیر بکلتی یدیہ یعنی اگر تو پوچھے کہ پھر میں کیا کروں بہ نسبت اُن حدیثوں کے جنکی صحت بعد موت میرے امام کے ثابت ہوئی اور میرے امام نے اُنکو نہیں پایا اس کا جواب یہہ ہی کہ تجھے چاہیئے کہ تو اُس حدیث پر عمل کرے اِس لیئے کہ اگر تیرے

امام کو یہہ حدیث ملجاتی تو ضرور وہ اُس پر عمل کرتے اِس لیئے کہ کہ سارے امام شریعت کے ہاتھہ میں ہیں اور جو ایسا کرے وہ دونوں ہاتھہ سے نیکی جمع کریگا *

بارھویں شاہ ولی اللہ صاحب اپنی وصایا میں لکھتے ہیں در فروع پیروی علماء محدثین کہ جامع باشند میان فقہ و حدیث کردن و در انجا تفریعات فقہیہ بر کتاب و سنت عرض نمودن انچہ موافق باشد در حیز قبول آوردن والا کالای بد بریش خاوند دادن امت را ہیچ وقت از عرض مجتہدات بر کتاب و سنت استغنا حاصل نیست و سخن متقشفہ فقہارا کہ قول عالمی را دست آویز ساختہ تتبع سنت را ترک کردہ اند نہ شنیدن و بہ آن التفات نکردن و قرب خدا جستن بہ دوری اینان *

تیرھویں شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی فرماتے ہیں تفسیر میں کہ حدیث من لم یعرف امام زمانہ کے کہ فالمرادان من لم یعرف امام زمانہ من الکتب و لم یعرف نسخ الکتب السابقہ ولم یعرف ان کتب ائمۃ المذاهب لیست واجبۃ الاتباع کما یظنہ جملۃ المقلدین من کل مذهب مات میتۃ جاہلیۃ یعنی جو شخص نہ جانے کہ امام زمانہ کا قران مجید ہی اور نہ جانے اس امر کو کہ کتب سابقہ منسوخ ہوگئی ہیں اور نہ جانے اس بات کو کہ کتابیں مذهب کے اماموں کی واجب الاتباع نہیں ہیں جیسا کہ سب مقلدین اپنے اپنے مذهب کے اماموں کی کتابوں کی نسبت گمان کرتے ہیں تو اُس نہ جاننے والے کی موت جاہلیت کی موت ہی *

چودھویں صاحب لوامع الاہام نے مولوی شاہ عبدالعزیز صاحب کے ایک اَوْر قول کو اپنی کتاب میں نقل کیا ہی بدانکہ امام ابو حنیفہ گفتہ است کہ حلال نبود کسے را کہ بقول ما تمسک کند تا آنکہ نہ داند ماخذ آنرا از کتاب و سنت و اجماع امت و قیاس جلی و مجتہد گاہ خطا کند و گاہ بہ حق رسد چوں خطاء او ظاہر گردد تقلید او در خطا حرام بود *

پندرھویں ابن امیرالحاج نے تحبیر شرح تحریر میں لکھا ہی کہ اذا رای بقول المخالف لمذهب امامہ دلیلاً صحیحا من الحدیث و لم یجد فی مذهب امامہ جواباً قویا عنہ ولا معارضاً راجحاً علیہ اذا المکلف مامور باتباع النبی صلی اللہ علیہ وسلم فیما شرعہ فلا وجہ لمنعہ من تقلید من قال بذلک من المجتہدین محافظۃ علی مذهب التزم تقلیدہ *

سولھویں صاحب دراسات اللبیب نے لکھا ہی کہ حتی لو ترک مذهب امامہ بقول من سہل تتبعا للرخصۃ لم یکن ملاماً کہ اگر کوئی شخص اپنے امام کے مذهب کو ترک کردے اُس کے کہنے پر [illegible] بسبب مباح ہونے کے کسی امر میں آسانی پاوے ازروے [illegible] تو اُس پر کچھہ ملامت نہیں ہوسکتی *

پس اس سے باطل ہوا وہ قول مقلدین کا کہ تقلید کے چھوڑنے سے آدمی آزاد ہو جاتا ہی اور بہت حرام چیزوں کو مباح سمجھتا ہی ایسے کہنے والوں نے درحقیقت شریعت محمدی کو مشکل کر رکھا ہی اور جو آسانی خدا نے اُس میں رکھی ہی اُس پر عمل کرنے کو الحاد تصور کیا ہی حالانکہ حضرت ابن عباس سے سنن ابو داؤد میں ایک حدیث منقول ہی کہ عن ابن عباس قال کان اہل الجاہلیۃ یاکلون اشیاء و یترکون اشیاء تقذراً فبعث اللہ تعالی نبیہ صلی اللہ علیہ و سلم و انزل کتابہ واحل حلالہ و حرم حرامہ فما احل فہو حلال و ما حرم فہو حرام و ما سکت عنہ فہو عفو *

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ اہل جاہلیۃ بہت سی چیزیں کھاتے اور بہتوں کو ناپاک سمجھہ کر چھوڑ دیتے کہ خدا نے اپنا نبی بھیجا اور اپنی کتاب نازل کی اور حلال کو حلال اور حرام کو حرام بتلایا پس جس کو اُس نے حلال کردیا وہ حلال ہی اور جس کو اُسنے حرام کردیا وہ حرام ہی اور جس سے سکوت فرمایا وہ مباح ہی اور معاف *

ستروھویں ابن امیرالحاج شرح تحریر میں لکھتے ہیں کہ ولو التزم مذهبا معینا کابی حنیفۃ والشافعی قیل یلزم و قیل لایلزم قال الشارح و هوالاصح لان التزامہ غیر ملتزم اذلا واجب الاما اوجبہ اللہ تعالی و رسولہ و لم یوجب اللہ تعالی و رسولہ صلی اللہ علیہ و سلم علی احد من الناس ان یتمذهب بمذهب رجل من الامۃ فیقلدہ دینہ فی کل ما یاتی و هذا غیرہ کہ ایک مذهب معین کا التزام کرنا واجب نہیں ہی اس لیئے کہ واجب وہ ہی جس کو خدا اور رسول نے واجب کیا ہو پس نہ خدا نے نہ رسول نے بندوں پر یہہ واجب کیا ہی کہ وہ مذهب کسی آدمی کا اُس کی اُمت میں سے اختیار کریں اور خدا کے دین میں کسی کی ایسی تقلید کریں کہ اُسی کی باتوں کو مانے اور دوسروں کو چھوڑ دے *

اٹھارویں ابن عز نے حاشیہ ہدایہ میں لکھا ہی کہ [illegible] یتعصب لوا حد معین غیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ویری ان قولہ هوالصواب الذی یجب اتباعہ دون الائمۃ الاخرین فہو ضال جاہل کہ [illegible] شخص تعصب کرے کہ ایک ہی معین شخص کی تقلید لازم ہی [illegible] گمراہ جاہل ہی *

تقلید اور عمل بالحدیث یکم جمادی الاول سنہ ۱۲۸۸ ہجری تقلید اور عمل بالحدیث

اکیسویں صاحب دراسات نے لکھا ہی کہ العمل بدلیل مخالف للحدیث الصحیح حرام علی المقلد کالمجتہد کہ عمل کرنا ایسی دلیل پر جو کہ مخالف ہو حدیث صحیح کے حرام ہی مقلد پر بھی مثل مجتہد کے *

بائیسویں روی الخطیب باسنادہ ان الدراکی من الشافعیۃ کان یستفتی و ربما یفتی بغیر مذہب الشافعی و ابیحنیفۃ فقیل لہ ہذا مخالف قولیہما فیقول ویلکم حدث فلان عن فلان عن النبی صلی اللہ علیہ و سلم ہکذا فالاخذ بالحدیث اولی من الاخذ بقولہما اذا خالفاہ کہ دراکی فقہا شافعی سے کبھی فتوی مخالف مذہب امام شافعی اور امام ابی حنیفہ کے دیتے تو جب کوئی پوچھتا کہ یہہ قول آپکا مخالف اُن دونوں اماموں کے ہی تو وہ فرماتے کہ جب معلوم ہوگیا کہ یہہ قول پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ و سلم کا ہی تو پس اُس کا لینا چاہیئے نہ امام شافعی اور امام ابو حنیفہ کے قولوں کا جبکہ اُس سے مخالف ہوں *

تئیسویں ابن جوزی نے لکھا کہ اذا کان للعامی یسوغ کیف لا یسوغ بہ الاخذ بالحدیث فلو کانت سنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لایجوز العمل بہا و ہذہ من ابطل الباطل و قد اقام اللہ تعالی الحجۃ برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دون احاد الامۃ ولایفرض احتمال خطاء لمن عمل بالحدیث وافتی بہ بعد فہم ان اضعاف مضاعفۃ حاصل لمن افتی بتقلیدہ یعنی جبکہ عامی کو مفتی کے قول پر عمل کرنا جایز بلکہ واجب ٹھیرا باوجود احتمال مفتی کی خطا کے تو کیونکر اُس کو جائز نہوگا عمل کرنا حدیث پر پس اگر پیغمبر خدا ہی کی حدیث پر عمل کرنا جایز نہو تو پھر کسپر عمل کرنا جائز ہوگا حالانکہ خدا نے اپنی حجت صرف رسول صلی اللہ علیہ و سلم کو قرار دیا ہی نہ اور کسی آدمی کو اور یہہ سمجھنا کہ عمل بالحدیث میں غلطی کا احتمال ہی باوجود اقرار اِس امر کے کہ اُس سے درچند چہار چند زیادہ غلطیاں مفتی کے قول میں ہوتی ہیں جنکی تقلید واجب سمجھی جاتی ہی بڑی نادانی ہی *

چوبیسویں مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب قرائت خلف امام کے استفتا کے جواب میں فرماتے ہیں کہ خواندن سورۂ فاتحہ باقتداے امام مقتدی را نزد ابو حنیفہ ممنوع و نزد محمد ہر گاہکہ امام خفی بخواند جایز بلکہ اولی و نزد شافعی بدون خواندن فاتحہ عدم جواز صلوۃ و نزد فقیر ہم قول شافعی ارجح واولی چرا کہ بملاحظہ حدیث صحیح لاصلوۃ الا بفاتحۃ الکتاب بطلان نماز ثابت میشود و قول ابو حنیفہ نیز جایجا وارد است کہ جائیکہ مذہب صحیح وارد شود و قول من خلافش افتد قول ما را ترک باید نمود و برحدیث عمل باید کرد الی قولہ لہذا لازم است کہ ضم فاتحہ مقتدی بہ تبعیت امام نیز کردہ باشد تا داخل تابعان مفسرین و محدثین خواہد شد و درین معنی از ترک فاتحہ خلاف حدیث صحیح واقع خواہد شد وچہ عجب کہ صحت این حدیث بامام ابو حنیفہ نرسیدہ باشد ہر گاہ کہ اتصال از صدہا و ہزارہا مردم علماء محققین مثل امام بخاری و صاحب مسلم و غیر ہم رحمہم اللہ صحت این ثابت شد از ترکش ملم و مطعون خواہد شد *

پچیسویں مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب اپنی حالت رویا میں لکھتے ہیں کہ ناگاہ جناب حضرت امیر از جانب قبلہ نمایاں شدند الی قولہ بافقیر ہمکلام شدند فقیر آن وقت را غنیمت دانستہ در چند چیز کہ دران وقت در ذہن حاضر بود عرض نمودہ جواب باصواب یافتہ الی قولہ باز عرض نمود کہ از مذاہب فقہا کدام یک مختار و پسند جناب است فرمودند کہ ہیچ پسند ما نیست یا بطور ماںیست افراط و تفریط بعمل آوردہ اند یہہ اقوال صرف بطور نمونہ کے ہمنے نقل کیئے اور مثل اِس کے صدہا ہزارہا اقوال ہیں جن سے حدیث پر عمل کرنا واجب نکلتا ہی *

مقلد — آپ کی اِس تقریر سے ثابت ہوا کہ حدیث کا ترک کرنا جایز نہیں ہی اور بمقابل رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کے دوسرے کا قول لایق سند نہیں پس یہی ہم بھی کہتے ہیں اور ایسا ہی ہمارا عقیدہ ہی ہم بھی امام کو نبی نہیں جانتے اُنکو معصوم نہیں کہتے بلکہ ہمارا اول عقیدہ مجتہدین کی نسبت یہی ہی کہ المجتہد قد یخطی و قد یصیب کہ مجتہد خطا بھی کرتا ہی اور صواب بھی مگر ہم خوب جانتے ہیں کہ ہمارے مجتہدین اور فقہا نے اپنے ہرایک قول کو حدیث سے ثابت کیا ہی اور کسی میں مخالفت حدیث کی نہیں کی اور جو قول ظاہر میں مخالف حدیث کے معلوم ہوتے ہیں وہ در حقیقت مخالف نہیں ہیں بلکہ اَوْر احادیث صحیحہ سے اُنکا ثبوت ہوتا ہی اور امام ابو حنیفہ کے پاس صندوق کے صندوق حدیثوں کے تھے پس ہم اِسیواسطے اُنکی تقلید کرتے ہیں اور اُن کے اقوال کتاب و سنت سے ثابت ہیں اور مخالف حدیث کے نہیں ہیں *

غیر مقلد — بیشک آپ اپنی زبان سے امام کو نبی نہیں کہتے اور اُنکی معصومیت کا اقرار نہیں کرتے مگر جو برتاؤ تمہارا اُنکے ساتھ ہی اُس سے بخوبی ثابت ہوتا ہی کہ تم اُنکو معصوم جانتے ہو ورنہ خیال کرو کہ یہہ تمہارا کہنا کہ اُنکا کوئی قول حدیث سے معارض نہیں اور بعد اُنکے بھی کوئی حدیث صحیح نہیں ملی جس سے کسی مسئلہ میں اُنکا اجتہاد قابل ترک کے ہو یہہ کیا ایسا قول ہی کہ جسکی

غلطی ثابت کرنے کے لیئے کسی دلیل کی حاجت ہو اگر چاروں امام کے سب اقوال موافق حدیث کے ہوتے تو کیوں آپس میں اختلاف ہوتا پس یہہ اختلاف ہی عمدہ دلیل تمہارے قول کی غلطی کی ہی † *

مقلد — تو معلوم ہوا کہ آپ کے نزدیک اماموں نے اپنی اپنی راے سے کام لیا اور خلاف حدیث کے مسئلے اپنے ذہن سے تراش کر بنا لیئے اور جو ایسا کرے وہ دشمن اسلام کا ہی تو یہہ چاروں امام آپکے عقیدہ کے موافق دشمن اسلام کے ٹھہرے ونعوذ باللہ منہ *

غیر مقلد — ہمارا یہہ قول اور عقیدہ اُن پاک اماموں کی نسبت نہیں ہی بلکہ ہم تو اُن کو اس درجہ سے بھی بڑھا ہوا جانتے ہیں جس درجہ کا تم اُن کو سمجھتے ہو اور ہم اُن کی پاکی اور نیکی کے معتقد ہیں اور اُن کا ایک بڑا احسان اپنے اوپر جانتے ہیں کہ اُن کی مساعی جمیلہ سے راہ شریعت کی کشادہ ہوئی خداے تعالی اُن کے نیک کاموں کا نیک بدلا دے مگر یہہ سمجھتے ہیں کہ جہاں تک اُن کو احادیث پہنچیں اُس پر اُنہوں نے عمل کیا اور جن مسایل میں اُنکو حدیث نہ ملی وہاں اجتہاد کیا اور جہاں تک اُن سے ہو سکا اپنے آپ کو غلطی سے بچایا مگر وہ معصوم نہ تھے کہ اُن سے غلطی نہوتی علاوہ بریں پیچھے کو کے حدیث مل گئی سو اگر وہ زندہ رہتے تو ضرور اُس مسئلہ میں اپنے اجتہاد کو ترک کردیتے اور اِسی لیئے وہ ہمیشہ کہتے رہے کہ حدیث کے ملنے کے بعد ہمارے قول کو نمالنا اگر وہ امام اپنی راے کو دخل دیتے اور تم لوگوں کی طرح حدیث پاکر اور اُسکی صحت پر مطلع ہوکر چھوڑ دیتے تو بیشک اُنکی پاکی پر اعتراض ہوتا حقیقت میں تم اُنکے مقلد نہیں ہو ہم اُنکے مقلد ہیں کہ اُنکے قول پر چلتے ہیں کہ وہ صاف فرماگئے ہیں کہ حدیث پر عمل کرو اور کسیکے قول کو نہ دیکھو لیکن بعد اُن کے جو اَور لوگ ہوئے اور جنہوں نے تقلید میں تعصب کو دخل دیا اُن کو بیشک ہم اچھا نہیں جانتے اور اُن کی باتوں پر نہیں چلتے کو تمہارے نزدیک وہ محقق ہوں یا علامہ علاوہ اِس کے آپ تقلید صرف ائمہ اربعہ رضی اللہ تعالی عنہم ہی کی نہیں کرتے بلکہ اُن کے مقلدین کی تقلید کرتے ہو اِس لیئے کہ جتنے مسئلے اور احکام فقہ کی کتابوں اور فتاووں میں لکھے ہوئے ہیں یہہ بھی تو سب اُنہیں اماموں کے نکالے ہوئے نہیں ہیں بلکہ اُن کے بعد اَور عالموں اور فقیہوں نے اُن کے اصول پر نکالے ہیں اور تم سب کو مثل مسائل نکالے ہوئے اماموں کے مانتے ہو اِس وجہہ سے کہ وہ اُن کے اصول کے پابند ہیں پس اگر تم صرف اُنہیں اماموں کے نکالے ہوئے مسئلوں کی تقلید کرتے تب بھی خیر بلحاظ اُن کی بزرگی اور پاکی تمکو نامناسب نہوتا مگر جب کہ سارے مسئلے اُن کے نکالے ہوئے نہیں تو تعجب ہی کہ اُن کے اصول کی پابندی سے جو مسئلے پچھلے عالموں نے نکالے ہوں اور جسمیں اُنہوں نے غلطیاں بھی کی ہوں بلکہ خود اپنے اماموں کے اقوال سے بعضے حالت میں بوجہہ نا فہمی وغیرہ کے مخالفت کی ہو اور اُن کے بعضے فتوی اور مسئلے اماموں کے اصول کے مطابق بھی نہ رہے ہوں مگر با ایں ہمہ اُن کو تم مانوں اور جو کتاب و سنت کو اصول سمجھکر اُس کی پابندی سے مسئلے نکالے اور واسطہ در واسطہ کو چھوڑ کر اصل ماخذ سے شرع کے احکام لے اُسکو تم برا جانو حقیقت میں یہہ ایک نہایت تعجب کی بات ہی *

مقلد — کیا ہمارے پچھلے علماء نے دیدہ و دانستہ حدیث کی مخالفت کی ہی *

غیر مقلد — میں کیونکر اپنی زبان سے کہوں مگر میں تمہارے ہی علما کے اقوال کو تمثیلاً نقل کرتا ہوں ذرا کان لگا کر سنو اور تقلید کے نتیجوں پر افسوس کرو ملا علی قاری اپنے رسالہ میں جو اشارہ کی نسبت لکہا ہی فرماتے ہیں فالجاهل بالاخبار النبوية و الآثار المصطفوية الخ † کہ جو شخص اخبار نبوی و آثار مصطفوی کو نہیں جانتا ‡ جب اُسنے دیکھا کہ بعض تو بسبب مسنون ہونے کے اشارہ تشہد میں کرتے ہیں اور بعض یا جہل یا کسل کے سبب سے نہیں کرتے تو یہہ کہنے لگا کہ اُسکا ترک کرنا اولی ہی بعد اُسکے دوسرا شخص ہوا اور اُسنے یہہ زیادہ کیا کہ اشارہ کرنا مکروہ ہی مگر کراہت سے مراد اُسکی کراہت تنزیہی ہی پھر تیسرا شخص ہوا اُسنے کہا کہ جو اگلے لوگ کہہ گئے ہیں کہ مکروہ ہی مراد مکروہ سے مکروہ تحریمی ہی اسلیئے اُس نے فتوی دیا کہ اشارہ کرنا حرام ہی پس خیال کرو کہ بسبب جہالت اور غفلت کے سنت مشہورہ امور منہیہ میں داخل ہوگئی اور فعل پیغمبر خدا علیہ التحیۃ والثناء کا حرام ٹھہر گیا اور حرام کی تعریف یہی ہی

---

† یہاں اِس جواب کو ہمنے مختصر کردیا اِس لیئے کہ اِس مضمون کے تتمہ میں ہمنے نہایت تفصیل کے ساتھہ جواب اِس امر کا دیا ہی اور بہت سی روایات فقہیہ کی مخالفت حدیث سے ثابت کی ہی —

† دراساۃ کے حاشیہ پر یہہ اصل عبارت لکھی ہوئی ہی جو چاہے دیکھہ لے ہم نے بہ سبب طول کے چھوڑ دی ہی اور فقط ترجمہ پر قناعت کی —

‡ مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی نے بھی اشارہ کے جائز ہونے بلکہ مسنون ہونے کی نسبت بہت کچھہ فرمایا ہی چنانچہ لوامع الالہام نے اُنکے قول کو اس طرح نقل کیا ہی کہ چوں نرسید بعضے را سنت و نہ قول ائمہ منع کردند آنرا بقیاس نہ بکتاب و سنت و قیاس واجماع مخالف نص باطل باشد پس خطا کرد و تقلید او در خطا حرام بود الی قولہ و نقل اشارت بسیار است دریں مختصر نہ گنجد واے بر آنکہ ازیں فضل محروم باشد

کہ جسکی حرمت بدلایل قطعی کتاب و حدیث سے ثابت ہو اور یہہ قواعد مقررہ سے ثابت ہی کہ مباح کا حرام کرنا حرام ہی نہ کہ ایسی سنت کا جو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو پس جو علامہ کیدانی نے اُسکی حرمت کا فتوی دیا ہی اُسکی برائی پر یہی دلیل کافی ہی کہ اُسنے سارے اہل حدیث کی اہانت کی اور بعد اس قول کے ملاعلی قاری لکھتے ہیں ولولا حسن الظن بالکیدانی و تاویل کلامہ بسببہ لکان کفرہ صریحا و ارتدادہ صریحاً فہل یحل لمومن باللہ تعالی ان یحرم ماثبت بفعلہ صلی اللہ علیہ وسلم ماکاد نقلہ ان یکون متواترا کہ اگر علامہ کیدانی کے ساتھہ حسن ظن نہوتا اور اُسکے کلام کی تاویل نہوسکتی تو اُسکے کفر و ارتداد میں کچھہ شک نہ تھا کیا جایز ہی خدا پر ایمان لانیوالے کو کہ وہ حرام کردے اُس چیز کو جسکا کرنا ثابت ہوا ہو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے اور جسکی نقل قریب متواتر کے ہو † *

پس جبکہ تقلید سے یہہ نوبت پہونچ گئی ہو اور احادیث نبوی سے ایسے ایسے بڑے فقہا کی بیخبری کا یہہ حال ہو تو اُسی کو واجب جاننا اور عمل بالحدیث کو بدعت کہنا وہ دین و مذہب ہی جسکو کچھہ بھی تعلق اسلام سے نہیں ہی *

مقلد — ایک دو شخصوں نے اگر ایسی غلطی کی تو اس سے الزام سب پر عاید نہیں ہوتا تقلید کے فائدوں کو دیکھو اور جو آسانی مسائل کے معلوم کرنے کی فقہا نے پیدا کی ہی اُسپر انصاف کرو *

غیر مقلد — آپ کو شاید اپنے مذہب کے علما کے قولوں پر بھی اطلاع نہیں ہی حضرت یہی مسئلہ اشارہ کا ایسا ہی کہ جسپر صدہا عالموں نے مخالفت حدیث کی کی ہی اور صرف تقلید کے سبب سے اُسکو مکروہ اور حرام کہا ہی اور اس بیچارہ ملاعلی قاری کے رسالہ کا جواب لکھا ہی چنانچہ صاحب لوامع الالہام نے رسالہ اُسکے رد میں لکھا ہی وہ ملاعلی قاری کے اس قول کی نسبت لکھتے ہیں کہ انچہ علی قاری درجواز این فعل مذموم اصرار نمودہ سخنہا گفتہ کہ کسے کم گفتہ باشد و ارادہ ابطال مسئلہ اجتہاد و تقلید کردہ و ہر آئنہ این مخبر از فساد اعتقاد وے است پس معلوم ہوا کہ جو شخص ذرا بھی تقلید کو چھوڑے اور حدیث پر عمل کرے وہ فاسد الاعتقاد ہی سبحان اللہ یہہ عجیب دین و مذہب ہی کہ جسپر آدمی ایمان لایا ہو اُسکے قول کو ماننا اور اُسپر عمل کرنا دلیل فساد اعتقاد پر ہووے *

† بعضے علماء حنفیہ نے اسکا یہہ جواب دیا ہی کہ اشارہ کرنا نماز میں خلاف وقار و سکینہ کے ہی مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب اُسکے جواب میں فرماتے ہیں کہ ہرکہ گوید فعل پیغمبر را کہ این خلاف وقار و سکینہ است خصوصاً در نماز باتفاق جمیع مومنین کافر گردد —

چوبیس — تقلید کے فائدوں اور خوبیوں کو ہمارے علما کی کتابوں میں ملاحظہ کرو اور جو کچھہ آپ اعتراض کرتے ہیں اُن سب کا جواب دیکھو خصوصاً شرح سفرالسعادت اور تفسیر احمدی وغیرہ کو مطالعہ کرو تب آپ کے سب شبہات دور ہوجاویں *

غیر مقلد — ہمنے سب کو دیکھا اور خوب غور کیا پس بعضوں کی تحریر میں تو اُنکی سادگی طبیعت کا اثر پایا اور بعضوں کی تقریر پر مقولہ الحب یعمی ویصم یستر الخطأ کا یاد آیا اور اکثروں کی باتوں کو تو صرف تعصب سے بھرا ہوا پایا مگر یہہ ہم نہیں کہتے کہ سب علما اور فقہا نے دیدہ و دانستہ حدیث کی مخالفت کی ہی یا معاذاللہ وہ سب کے سب پابند ہوا و ہوس کے تھے بلکہ ہم اکثر علما کو نیک اور پاک جانتے ہیں اور اُنکی نہایت دل سے تعظیم اور بزرگی کرتے ہیں لیکن اُنکی دو قسمیں ہیں ایک تو وہ جنھوں نے اپنی نیکی اور پاکی کے ساتھہ تحقیق کو بھی دخل دیا اور کتاب و سنت پر تمسک کرکے فقہا سے اختلاف کیا اور اجتہاد کو تقلید سے بہتر جانا اور دوسرے وہ علما ہیں جنھوں نے باوجود نیکی اور پاکی کے صرف تقلید ہی کو اچھا جانا اور کتاب و سنت کو نہ یہہ سمجھکر کہ واجب الاتباع نہیں ہیں بلکہ یہہ خیال کرکے کہ جو کچھہ اگلے لوگ لکھہ گئے ہیں اور استخراج کرگئے ہیں وہ کافی ہی اور مطابق کتاب و سنت کے ہی اپنا متمسک نہ بنایا اور نہ تعصب سے بلکہ نیکی اور محبت اور مصلحت سے تقلید ہی کو اچھا جانا پس ان دونوں علما کی نسبت ہم نہ اپنے دل میں کچھہ برا خیال کرتے ہیں نہ اُنکی شان میں ہم کچھہ کہتے ہیں بلکہ ہم اُنکو تمسے بھی بڑھکر نیک اور پاک جانتے ہیں مگر ایسے علما کو چھوڑکر بہت سے علما ایسے ہوئے ہیں جنھوں نے تعصب ہی کو دخل دیا اور اپنے علم و فضل کے دکھلانے اور اپنی بات کی پیروی کرنے میں دیدہ و دانستہ حق کو چھوڑا اور نہ صرف نیکی سے اور نہ فقط محبت سے اور نہ محض مصلحت کے خیال سے بلکہ اپنی نفسانیت سے کھلی ہوئی حدیثوں کو پس پشت ڈالا اور تاویلات بیہودہ سے اُن پر خط نسخ کھینچا اور پوچ دلیلوں سے اپنے اقوال کو ثابت کیا ایسے علما کے اگر حالات اور مثالیں اور نام لکھے جاویں تو ایک دفتر کا دفتر ہوجاوے † لیکن یہہ کچھہ ضرور نہیں ہی کہ جو آدمی نیک اور اچھا ہو اُسکی سب باتیں واجب التسلیم ہوں اِس لیئے ہمنے مانا کہ بعضے عالم نیک اور بزرگ تقلید کو اچھا جانتے تھے یا فرض کیا کہ وہ اُسے واجب سمجھتے تھے مگر ہمارا اس قول کو اُنکے غلط جاننا اور اُنکی

† دیکھو احیاءالعلوم کی کتاب علم اور کتاب غرور کہ ایسے علما کی نسبت کیا لکھا ہی —

تقلید اور عمل بالحدیث

بکم جمادی الاول سنہ ۱۲۸۸ ہجری

تقلید اور عمل بالحدیث

اس راے کو نادرست سمجھنا اُنکی بزرگی پر الزام لگانا نہیں ہی یہی غلطی آپ کی سمجھہ کی ہی اور اسی سے سب کو مغالطہ ہوتا ہی کہ جو آدمی نیک اور بزرگ ہی اُسکی سب باتیں ماننے کے لایق ہیں حالانکہ یہہ حق کسی کا نہیں ہی سواے اسکے جو معصوم ہو اور جسکی نسبت اللہ جلشانہ نے فرما دیا ہو کہ

و ماینطق عن‌الھوی ان ھو الا وحی یوحی *

مقلد — نہایت تعجب کی بات ہی کہ آپ علما اور فقہا کے اقوال ماننے کو برا سمجھتے ہیں اور اُنکی باتوں کو خلاف حدیث کے جانتے ہیں آخر علما کی باتوں کو تو ہم اسی لیئے مانتے ہیں کہ وہ خدا اور رسول کی باتوں کو سمجھتے ہیں اور اُس سے واقف ہیں نہ اس وجہہ سے ہم اُنکی باتوں کو مانتے ہیں کہ وہ دیدہ و دانستہ خدا و رسول کے مخالف باتیں کرتے ہیں اور خدا کی اور اُسکے رسول کی باتوں کو سواے علما کے کون سمجھہ سکتا ہی پس جسپر بہت سے علما فقہا جمع ہوں اُسیکو ہم خدا و رسول کے حکم کے موافق سمجھتے ہیں اِس لیئے کہ حضرت صلی‌اللہ علیہ وسلم نے فرما دیا ہی کہ لایجتمع اُمتی‌علی‌الضلالۃ کہ میری اُمت ضلالت پر جمع نہوگی اور چونکہ آپ علما فقہا کے دشمن ہیں اِس لیئے ہم آپ کی باتوں کو خلاف خدا و رسول کے سمجھتے ہیں اور علما کی دشمنی کو ہم نشانی ضلالت کی سمجھتے ہیں *

غیر مقلد — ہم اس امر کو تسلیم کرتے ہیں کہ ہم تمام اُن لوگوں کو جو کہ علما اور فقہا کہلائے جاتے ہیں اور جنکہ علم اور مولویت کے آپ معتقد ہیں اپنا پیر و مرشد نہیں جانتے اور اُنکی سب باتوں کو نہیں مانتے مگر یہہ غلط ہی کہ ہم علما فقہا سے عداوت رکھتے ہیں اور اُن میں کچھہ تمیز نہیں کرتے اور سب کو برا سمجھتے ہیں یا اُن کے سارے قولوں کو غلط جانتے ہیں اِس لیئے ہم چند باتیں آپ سے بیان کرتے ہیں جس سے آپکے یہہ سارے شبہات دور ہوجاویں سب سے پہلے اِس امر کو سوچنا چاہیئے کہ علما سے محبت اور عداوت کی کیا وجہہ ہی اور اُن کے قولوں کا ماننا نہ ماننا کس اصول پر مبنی ہی پس اُن کے ساتھہ محبت اور عداوت کی وجہہ صرف یہی ہی کہ ہم جس معصوم پر ایمان لائے اور جس صاحب شریعت کے دین میں داخل ہوئے اُس سے ہمکو دینی محبت رکھنا فرض اور ایک امر ضروری ہی پس جو شخص ہمکو ہمارے اُس محبوب تک پہنچا دے اور اُس کی باتیں ہمکو سکھلادے اُس سے لامحالہ ہمکو محبت ہوگی اور رسول کا رسول سمجھکر ہم اُسکے ساتھہ خواہ مخواہ محبت رکھینگے پس جن عالموں کو ہم جانتے ہیں کہ وہ نیک اور پاک تھے یا ہیں اور سچی راہ ہمارے رسول کی ہمکو اور ساری اُمت کو بتلاتے تھے اور بتلاتے ہیں اور جنکی ذات سے دین کو بہت سا فائدہ ہوا ان سے ہم محبت رکھتے ہیں اور اپنی ساری جان اور دل سے اُن کی تعظیم کرتے ہیں اِس لیئے کہ علت محبت کی اُن میں موجود ہی اسیطرح پر جن مولویوں کو ہم جانتے ہیں کہ وہ متعصب اور جاہل تھے اور جنکے تعصب اور جہالت سے دین کو نقصان پہنچا اور جنہوں نے اپنی نفسانیت اور دنیا طلبی یا حماقت اور نادانی سے وہ طریقہ جاری کیا جس سے ہم اپنے محبوب تک نہ پہنچ سکیں اور بیچ ہی میں بھٹکتے رہ جاویں تو ضرور ہم اُن سے عداوت رکھتے ہیں اِس لیئے کہ وجہہ محبت کی اُن کی ذات سے مفقود اور علت عداوت کی موجود ہی پس فقط عالم ہونا یا فقیہہ ہوجانا کافی نہیں ہی بلکہ اس کے ساتھہ نیک اور پاک اور متقی اور مصداق لایخافون لومۃ لائم ہونا بھی ضرور ہی پس اگر ہم اُن لوگوں کے ساتھہ محبت رکھیں جو کہ رسم و رواج کے پابند تھے یا جنکے دل کو تعصب نے سیاہ کردیا تھا یا جنکی آنکھوں پر پردہ جہالت کا پڑگیا تھا اور جنہوں نے دیدہ و دانستہ امت کو اس کے پیغمبر سے چھوڑانا چاہا اور اپنی پوچ و لچر باتوں سے لوگوں کو بہکایا تو حقیقت میں یہہ دوستی رکھنا اسلام کے ساتھہ دشمنی کرنا ہی اگر ہم علما اور فقہا کے دشمن ہوتے تو ضرور چاروں امام اور انکے خاص تلامذہ کے دشمن ہوتے حالانکہ ہم اُن کو وارث انبیا سمجھتے ہیں اور علماء ربانی جانتے ہیں اور اپنے سارے دل و جان سے اُن کی تعظیم کرتے ہیں اور ان کا شکر ادا کرتے ہیں جیسا کہ اُن کے اُن تقلید کرنے والوں کو جنہوں حدیث پر عمل کرنے کو ناجایز کردیا اور تقلید کو واجب اور فرض ٹھہرا دیا برا اور متعصب جانتے ہیں باقی رہا یہہ امر کہ جن علماء کو ہم بھی نیک اور پاک جانتے ہیں اُن کی سب باتوں کو کیوں نہیں مانتے اُس کا یہہ سبب ہی اگر ہم اُن کو معصوم جانتے اور اُن کو صاحب الہام سمجھتے اور ہمارا یہہ عقیدہ ہوتا کہ جبرئیل اُن پر نازل ہوتے تھے اور وہ فقہ اور احکام مسائل اُنکو بتلا جاتے تھے تو ضرور ہم اُن کے قول اور فعل ہی کو واجب‌العمل جانتے مگر جبکہ ہم کسی بڑے سے بڑے مجتہد اور نیک سے نیک عالم اور فقیہہ اور امام کے اجتہاد اور امامت پر اعتقاد رکھینگے تو پہلا کلمہ طیب ہماری زبان سے یہہ نکلیگا کہ المجتہد قد یخطی و قد یصیب تو پھر کیونکر ہم اُس کے برخلاف اُنکو معصوم جانینگے اور معصومیت پر اعتقاد رکھنے یا نرکھنے کا ثبوت نہ صرف زبان کے اقرار و اِنکار سے ہوتا ہی بلکہ اُس برتاؤ سے جو ہم اُن کی باتوں کی نسبت کرتے ہیں پس جسنے اُن کی سب باتوں کو مانا اور باوجود غلطی کے یہہ سمجھکر کہ ضرور کچھہ نہ کچھہ سبب اس کا ہوگا اُسی پر عمل کیا بلاشک اُس نے اُنکو معصوم جانا گو ہزار

زبان سے انكار كرے اور جس نے اُنكي باتوں ميں اُن باتوں كو نمانا جو كه مخالف حديث كے هوئيں اُس نے اپنے دعوے كو پايه ثبوت پر پہنچايا *

ميں نہايت حيران هوں كه باوجوديكه مقلدين كا دعوے تو يهه هى كه المجتهد قد يخطي و قد يصيب اور پهر عمل يهه هى كه امام كے اجتهاد كے برخلاف كرنا كسي كو جايز هي نهيں هى اور اُسي كي تقليد واجب هى *

اب هم اِس امر پر غور كرتے هيں كه ائمه اربعه رضوان الله تعالى عليهم اجمعين كے سچے پيرو هم هيں يا كه اُن كے مقلدين تو هم بخوبي اپنے سچے دل سے يقين كرتے هيں نه سچے پيرو اُن كے هم هيں نه وه لوگ جو كه تقليد كا دعوى كرتے هيں اِس ليئے كه پيروي اُنكي وه جهوٹي محبت نهيں هى جس سے وه اُس درجه پر پهونچے هوئے سمجهے جاويں جس كے وه مستحق نهيں هيں بلكه اصل پيروي اُنكي وه هى كه جو كچهه اُنهوں نے كہا هو اُس پر عمل كيا جاوے پس اگر كوئي شخص مسلمان هوكر بڑا محب يهه عقيده ركهے كه آنحضرت صلى الله عليه وسلم خدا تهے و نعوذ بالله من ذالك تو اُسنے آنحضرت كو اُس درجه سے بڑها ديا جو كه خدا نے حضرت كو عنايت فرمايا اِس ليئے كه حضرت بنده تهے نه خدا اسيواسطے آپنے كلمه شهادت ميں اپني عبوديت كو داخل كرديا اور صاف صاف فرماديا كه يوں سمجهو اور يوں كهو كه محمداً عبده و رسوله پس جسنے اُس كے برخلاف كيا وه دشمن آنحضرت كا هى نه پيرو اسيطرح اگر كوئي شخص يهه سمجهے كه ائمه اربعه معصوم تهے تو اُسنے اُنكو اُنكے درجه سے بڑهاديا اِس ليئے كه وه مجتهد تهے نه معصوم اسيواسطے اُن امامون نے صاف فرماديا كه هم مجتهد هيں نه معصوم والمجتهد قد يخطي و قد يصيب پس باوجود اُنكے اِس كهدينے كے جسنے اُس كے برخلاف اُن كے سب قولوں كو خطا اور غلطي سے محفوظ جانا وه اُن كا دشمن هى نه پيرو *

كوئي خوف انحضرت كو اِس سے زياده نرهتا تها كه لوگ خدا نه سمجهنے لگيں اسيواسطے بار بار فرماتے تهے كه انا عبده و رسوله و انما انا بشر مثلكم اور جب كوئي ايسي بات آنحضرت صلى الله عليه و سلم سے كهتا جس سے شركت ساتهه خدا كے نكلتي اُسيوقت رنگ چهره كا متغير هوجاتا اور خفه هوجاتے اور فرماتے كه جعلتني لله ندا جعلتني لله ندا كه خدا كا مجهے شريك بناتا هى تا كه ايسا نهو كه خدا خفا هوجاوے كه تم ميري خدائي اور توحيد كو پهيلانے گئے تهے يا كه اپنے آپكو ميرا شريك بنانے كو پس بعينه اِن چاروں امامون كو بهي كوئي خوف اِس سے زياده اپنے اجتهاد ميں نه تها كه ايسا نهو كه لوگ اُنكو معصوم جاننے لگيں اور اُن كے قولوں كو مقابل احاديث كے واجب العمل جانكر حديث كو چهوڑ ديں اسي واسطے بار بار اُن كي پاك زبانوں سے يهي نكلتا رها كه المجتهد قد يخطي و قد يصيب چنانچه امام ابو حنيفه رحمة الله عليه برابر يهي كهتے رهے كه لاينبغي لمن لايعرف دليلي اَن يفتي بكلامي امام شافعي رحمة الله عليه كا تادم مرگ يهي قول رها كه اذا صح الحديث فهو مذهبي امام احمد حنبل رحمة الله عليه چلا چلا كر يهه كهتے رهے كه لاتقلدني ولاتقلدن مالكا اور يهه خوف اِن امامون كا اسيوجهه سے تها كه ايسا نهو كه پيغمبر صاحب هم سے خفه هوجاويں كه تم مجتهد اور امام ميري شريعت كے مسائل بتلانے كے ليئے هوئے تهے يا كه اُس كے باطل كرنے اور اپنے مذهب كے جاري كرنے كے ليئے تم عالم اور فقيهه ميري احاديث كے اوپر عمل كرانے كے ليئے هوئے تهے يا كه اُس پر عمل كو حرام كرنے كے ليئے پس اسيواسطے يهه بزرگ ڈرا كيئے اور لوگوں كو سمجهاتے رهے مگر جسطرح پر كه بعض لوگوں نے پيغمبروں كو باوجود اُن كي فهمايش كے خدا كا شريك كرديا اسيطرح اِن مقلدين متعصبين نے امامون كو باوجود اُنكي تاكيد اور ممانعت كے معصوم بناديا پس اگر وه فرقه اپنے پيغمبر كي ايسي جهوٹي محبت سے قابل تعريف كے هى تو ضرور مقلدين بهي لايق مدح و صفت كے هيں ورنه دشمني كا نام دوستي اور مخالفت كا نام اطاعت ركها هى *

پس جبكه خاص چاروں امام رضوان الله تعالى عليهم اجمعين كے سب اقوال كو نماننا اور اُس كي جانچ خدا و رسول كے كلام سے كرنا دليل ايمان اور توحيد في صفة النبوة كي هو تو پهر اور علما كا كيا ذكر هى اِس ليئے مسلمان كا كام هى كه وه خدا و رسول كے كلام كو مقدم ركهے جسكے كلام كو اُس كے مطابق پاوے اُسے صحيح جانے ورنه كالاے بد بريش خاوند اُس كو قبول نه كرے يهه كام مسلمان كا نهيں هى كه اندها بنجاوے اور اپني آنكهوں كو قران و حديث سے بند كرلے اور اپنے كانوں تك اُنكي آوازيں نه آنے دے بلكه اور لوگوں كے قولوں كو ڈهونڈهتا پهرے كه زيد نے كيا كہا هى عمرو نے كيا فرمايا هى اور بغير ملانے قران و حديث كے بغير جانچے اُس كے اُنكي باتوںكو مان لے اور نه صرف ماننا بلكه اُن كي سب باتوں پر ايسا يقين كرلے كه اُس ميں غلطي كا احتمال هي نهيں هى اور باوجوديكه خود بهي صريح حديث سے مخالفت اُن كے قول كي سمجهه لي مگر حديث ميں شبهه كرے ليكن اُن كے قول ميں شبهه نكرے حديث كو تو چهوڑ دے مگر اُنكي بات كو نه چهوڑے پس اگر يهه شرك في صفة النبوة نهيں هى تو كيا هى بلكه ميرے نزديك تو شرك في صفة النبوة سے بهي بڑهكر هى

إس لیئے که اگر نبي کو شریک اپنے امام کا رکھتے تو کبھي حدیث پر بھي عمل کرنا جایز سمجھتے حالانکه منجمله لاکھ مسئلوں کے ایک مسئله میں بھي مخالفت امام کي اور عمل حدیث پر جایز نهیں هی اور باوجود إس عقیدۂ اور ایسے برتاؤ کے کیا بھلا معلوم هوتا هی جب مقلدین کي زبان سے یهه بات نکلتي هی که هم کیا اپنے امام کو معصوم جانتے هیں معلوم نهیں که معصوم کے لفظ کے کیا معني هیں *

حقیقت یهه هی که مقلدین کا یهه کهنا که جو لوگ حدیث پر عمل کرتے هیں وہ دشمن علماء اور فقہاء کے هیں صرف ایک دهوکه اور مغالطه هی تا که عوام کو نفرت پیدا هو إس لیئے که یهه تو وه جانتے هیں که علماء انبیاء کے وارث هوتے هیں اور اُنهیں سے لوگ هدایت پاتے هیں تو جو لوگ اُن کے دشمن هونگے وہ ضرور دشمن اسلام کے هونگے حالانکه هم تو اُن علماء کے خاک پا هیں جو که ورثة الانبیا هیں اور اُن کي زیارت کو بھي عبادت جانتے هیں مگر اُن لوگوں کو جو که نام کے مولوي اور عالم هیں اور حقیقت میں دین کے خراب کرنے والے اُن کے هم دشمن هیں اور هم کیا همارے آخري امام مهدي بھي اُن کے دشمن هونگے جیسا که عارف بالله شیخ محي الدین ابن عربي نے فتوحات مکیه میں لکھا هی که اذا خرج الامام المهدي علیه السلام فلیس له عدو مبین الا الفقهاء خاصة فانهم لایبقی لهم ریاسة ولا تمیز عن العامة بل لایبقی لهم علم بحکم الا قلیلا و یرتفع الخلاف من العالم بوجود هذا الامام ولولا ان السیف بیدہ لافتی الفقهاء بقتله و یعتقدون فیه اذا حکم بغیر مذهبهم انه علی الضلالة فی ذالک الحکم لانهم یعتقدون إن اهل الاجتهاد و زمانه قد انقطع و مابقي مجتهد فی العالم و إن الله سبحانه لایوجد بعد ائمتهم احدا له درجة الاجتهاد جسوقت امام مهدي علیه السلام خروج کرینگے کوئي اُنکا ایسا کهلا هوا دشمن نهوگا جیسا که فقیهه اور مولوي هونگے إس لیئے که اُنکي ریاست جاتي رهیگي اور اُن میں اور عوام میں کچهه فرق و تمیز نه رهیگي اور اُنکا حکم باقي نرهیگا اور اگر إس امام کے پاس تلوار نهو وے تو ضرور اُسکے قتل کا فتویٰ فقها دیدیں اور مروا ڈالیں اور جب کبھي امام مهدي موافق إن چاروں اماموں کے مذهب کے فتوی ندینگے تو وہ فقها سمجهینگے که یهه گمراہ هی إس لیئے که اُن کے نزدیک اهل اجتهاد باقي هي نهیں رها اور اُس کا زمانه منقطع هوگیا اور دنیا میں کوئي مجتهد پایا نهیں جاتا گویا اُن کے نزدیک خدا نے بعد اُنکے اماموں کے ایسے آدمي کا پیدا کرنا بند کردیا جسکو اجتهاد کا درجه هو *

حقیقت میں مقلدین جسطرح پر هم آنحضرت صلی الله علیه و سلم کو خاتم الانبیا سمجھتے هیں اپنے اپنے اماموں کو خاتم الائمه جانتے هیں اور جب امام مهدي سے امام کو ترک تقلید سے کافر اور گمراہ جانینگے اور واجب القتل سمجهینگے تو پھر هم ایسے فرقه سے کیا شکایت کریں اور اپني نسبت گمراهي اور ضلالت کے فتوی سنکر کیوں رنجیدہ هوں حضرات کو اختیار هی جو چاهیں سو کریں دین کو خود برباد کریں اور کافر اور مستحق قتل همکو بتاریں کیا انصاف هی — تو مشق ناز کر خون دو عالم میري گردن پر *

اب میں اُن شبهات کو جو علما کي مخالفت کے سبب سے پیدا هوتے هیں صرف ایک محقق کے قول کو نقل کرکے دور کرتا هوں یعني ابن قیم جسنے نهایت خوبي سے إس شبهه کو رفع کیا اور سارے خطرات کو دور کردیا قال ابن قیم اذ جاءت هذه الی الخ † " یعني جب که کسي مسلمان کے نفس مطمئنه کو إس طرف رجحان هوتا هی که وہ خاص پیغمبر خدا علیه التحیة و الثناء کي خالص متابعت کرے تو نفس امارہ کي مزاحمت لوگوں کے قولوں اور رایوں سے اُس کے ارادہ کے ظهور کے لیئے هوتي هی پس نفس امارہ ایسے شبهات ڈالتا هی جس سے کمال متابعت پیغمبر خدا کي آدمي نه کرسکے وہ خدا کي قسم دلاتا هی که میري غرض سوائے نیکي اور احسان اور توفیق خیر کے اَور کچهه نهیں هی حالانکه خدا خوب جانتا هی که وہ جهوٹا هی اور اصلي غرض اُس کي یهه هی که وہ اپني خواهشات کو پورا کرے اور متابعت کے جیلخانه سے نه نکلنے دے اور نفس امارہ ایسے شخص کو دهوکه دیتا هی که خالص پیغمبر خدا صلی الله علیه و سلم کي تبعیت کا قصد کرنا اور آنحضرت کے قول کو سب علما کي رایوں پر مقدم سمجهنا گویا سارے عالموں اور تمام فقیهوں کي شان میں نقص لگانا هی اور اُن کے ساتهه بے ادبي کرنا هی که اُنمیں سے کسي نے پیغمبر صاحب کے قول پر عمل نه کیا اور سبهوں نے خود رائي کي اور یهه کیسي بدظني هی که حضرات مولوي اور فاضل اور بڑے بڑے جو هوئے وہ تو گنهگار رهے اور غلطي پر اور هم ثواب ڈهونڈتے هیں حالانکه یهه قدرت اور طاقت همکو کهاں هی که هم اُن بزرگوں کے قولوں کو رد کریں اور اُن کي غلطي اور خطا نکالیں پس ان باتوں کے خطرات دلمیں ڈالکر نفس امارہ قسم کهاتا هی که خدا شاهد هی که میري اور کچهه غرض سوائے احسان اور توفیق کے نهیں هی که اسي دهوکه میں بهت سے لوگ آجاتے هیں پس ایسي باتوں کو نماننا اور ایسے دهوکه میں نه آنا چاهیئے اولئک الذین یعلم الله مافي قلوبهم فاعرض عنهم و عظهم و قل لهم في انفسهم قولا بلیغا اور خالص متابعت کرنا پیغمبر خدا صلی الله علیه و سلم کي

† همنے بسبب طول هونے کے اصل عبارت کو نقل نهیں کیا صرف ترجمه پر قناعت کي هی اور اصل عبارت در اسالة کے صفحه ۱۴۳ میں منقول هي *

 تقلید اور عمل بالحدیث

یہہ ہی کہ جو کچھہ آنحضرت لائے ہیں اُس کے سامنے نہ کسی قول کو دیکہے نہ کسی کی راے پر لحاظ کرے کوئی کیوں نہو بلکہ اول صرف حدیث کی صحت کی تحقیق کرلے پہر اگر اُسے صحت ہوجاوے تو اُسکے معنے سمجہے جب معنے سمجہلے تو ہرگز اُس سے عدول نکرے گو تمام مشرق سے لیکر مغرب تک اُس سے مخالف ہوں اگرچہ ایسا کبہی ممکن نہیں ہی کہ نعوذ باللہ کوئی حدیث ایسی ہو کہ اُمت محمدی میں کوئی اُس کا قایل اور عامل نہو ہاں یہہ ممکن ہی کہ ہر کسیکو معلوم نہو کہ کون شخص اُس حدیث کا عامل ہوا ہی یا ہی پس نہ جاننا ایسے آدمی کا جو کہ اُس حدیث کا قایل اور اُسپر عامل ہو خدا کے نزدیک اُس شخص کے لیئے حجت نہیں ہوسکتی جو کہ حدیث کی صحت پر اطمینان کرکے اور اُس کے معنے سمجہکر حدیث کو چہوڑے اور اُس پر عامل نہو پس جب تو کسی نص کو پالے تو تجہے چاہیئے کہ اُسپر عمل کر اور یہہ سمجہہ لے کہ ضرور کوئی نہ کوئی اَور بہی اسکا قایل اور اُسپر عامل ہوگا تجہکو اُسکی خبر نہیں ہوئی اور اِس سے تو اَور علما کی محبت اور حفظ مراتب میں شبہہ نہ اس لیئے کہ مجتہدین اور علما سے خطا بہی ہوجاتی ہی اور اُسمیں بہی اگر وہ بدنیتی ہی نکریں مستحق ایک اجر کے ہوتے ہیں لیکن اِس سے یہہ لازم نہیں ہی کہ اُنکے غلط قول کی تبعیت کی جاوے اور صاحب شریعت کے کہلے احکام چہوڑ دیئے جاویں صرف یہہ خیال کرکے کہ جن علما اور فقہا نے اِس قول پر عمل نہیں کیا وہ ہم سے زیادہ عالم اور بزرگ تہے اور ہمکو اُن کا سا مرتبہ حاصل نہیں اِس لیئے کہ جن لوگوں نے اُس نص پر عمل کیا ہی وہ بہی تجہہ سے زیادہ عالم تہے تو تو نص پر عمل کرنے میں کیوں اُن سے موافقت نہیں کرتا اور یہہ تو ممکن بہی نہیں ہی کہ کوئی نص موجود ہو اور کسی نے اُسپر عمل نکیا ہو بہر حال نص پر عمل کرنے والا کبہی تنہا نہوگا اور ضرور اُسکے ساتھہ اَور لوگ ہونگے پس جو آدمی علما اور فقہا کے قولوں کو قرآن و حدیث سے ملاوے اور اُس سے مطابق کرے اور جنکو مخالف نصوص کے پاوے اُس سے مخالفت کرے تو ایسی مخالفت کرنے والے کی نسبت یہہ شبہہ کرنا کہ وہ اُنکا دشمن ہی یا کہ اُنکے حفظ مراتب پر خیال نہیں کرتا یا اُنکو برا جانتا ہی بڑی غلطی ہی اِس لیئے کہ حقیقت میں اُنکے کلام کو خدا و رسول کے کلام پر عرض کرنا اور جو مخالف اُسکے ہو اُسے نہ ماننا اصل پیروی اور اقتدا اُن عالموں کی ہی کیونکہ اُنہوں نے خود بہی کیا ہی اور ایسا ہی کرنے کو اَوروں کو نصیحت کی ہی نہ کسی نے معصومیت کا دعوی کیا نہ اپنے قول کو نصوص پر مقدم سمجہا پس اِس سے ثابت ہوا کہ ان دونوں میں کیا فرق ہی ایک ایسی تقلید کرنا کسی کی کہ اُسکی سب باتیں ماننا اور اُسکے قول کو نہ خدا کے کلام سے جانچنا نہ رسول کی احادیث سے ملانا بلکہ ایک معصوم کے قول کے موافق اُسی کو قبول کرلینا دوسرے اُسکے علم اور فہم اور تفقہ سے استعانت کرنا اور جو چراغ علم کا اُسنے روشن کیا اُس سے نور لینا پس جو مقلد ہی اور اول قسم میں داخل وہ اُس عالم کے قول کو بلاتامل قبول کرتا ہی نہ اُسمیں غور کرتا ہی نہ کتاب و سنت کی سند سے اُسکی صحت کی تحقیق کرتا ہی اور جو محقق ہی اور دوسری قسم میں داخل ہی وہ اُس عالم کے قول کو بمنزلہ دلیل کے سمجہتا ہی پس اگر پہلی دلیل اُسے مل گئی تو دوسرے استدلال کی کچھہ حاجت نہیں جس طرح پر کہ ستارہ قبلہ پر دلیل ہی مگر جبکہ آدمی خود قبلہ کو دیکہہ لے تو پہر ستارہ کی حاجت نہیں رہتی اِسی طرح پر جب ہمنے کسی فقیہہ یا مجتہد کے قول کو سنا تو ہمکو اُسپر عمل کرنے کی ابتدائی حجت کافی ہی مگر جب ہمکو کوئی حدیث صحیح اُسکے موافق ملجاوے تو اُس عالم یا فقیہہ کے قول پر ہمکو کامل اطمینان ہوگا اور سننے سے مرتبہ دیکہنے کا ہمکو حاصل ہوگا اور اگر اُسکا قول مطابق حدیث کے نہوا یا اس سبب سے کہ وہ حدیث اُسے نہ ملی یا اس وجہہ سے کہ اُس نے اجتہاد میں غلطی کی تو ہمکو اُسکے چہوڑ دینے میں کچھہ تامل نہوگا پس یہہ اعتراض جو مقلدین کیا کرتے ہیں کہ جو لوگ تقلید کو واجب نہیں جانتے آخر وہ بہی فقہا اور علما ہی کے قولوں پر عمل کرتے ہیں باطل ہوا اِس لیئے کہ واجب اور جائز میں بڑا فرق ہی پس ہمارا یہہ قول نہیں ہی کہ علما فقہا کی باتوں کا ماننا یا اُنکے نکالے ہوئے مسئلوں پر عمل کرنا جائز نہیں ہاں ہمارا یہہ عقیدہ ہی کہ وہ واجب نہیں بلکہ جسکو معلوم ہوجاوے کہ خدا کا فلاں امر میں یہہ حکم ہی یا اُسکے رسول نے فلاں معاملہ کی نسبت ایسا فرمایا ہی تو بمقابل اُسکے دوسرے کا اتباع جائز نہیں اِس لیئے کہ خدا و رسول کے حکم کے سامنے دوسرے کا کچھہ حکم نہیں علاوہ بریں اُن مجتہدین اور ائمہ نے جنکے قول کے اتباع کی نسبت یہہ ساری بحث ہی خود بہی تو یہہ دعوی نہیں کیا کہ جو کچھہ ہم کہتے ہیں وہی حکم خدا اور رسول کا ہی بلکہ وہ صاف کہتے رہے ہیں کہ ہم اجتہاد کرتے ہیں ہمارے اجتہاد اور راے کو جو چاہے مانے جو چاہے نہ مانے بلکہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا خود یہہ قول ہی کہ جو شخص میری راے سے بہتر راے دے میں خود اُسکو قبول کرنے پر امادہ ہوں اور نیز اگر اُن ائمہ و مجتہدین کا قول وہی ہوتا جو کہ خدا اور رسول کا قول ہی تو اُن کے خاص شاگردوں کو اُن سے مخالفت کرنا جایز نہوتا جس طرح پر کہ اصحاب کو پیغمبر کے قول سے مخالفت جایز نہیں ہی فقط انتہی ” *

یہہ قول ابن قیم کا جو ہمنے نقل کیا مقلدین کے سارے اعتراضات کا جواب ہی اور اس سے اُن کے کل شبہات رفع ہوتے ہیں پس باوجود

اس کے بھي اگر کوئي تقليد کو واجب نه‌ ‌جانے اور اُس کے واجب نه کہنے والے کو دشمن اسلام کا اور بدعتي جانے اُس کے حق میں بجز اس کے که عناد غير کي جاوے کيا کہا جاوے *

پس بفرض محال اگر عدم وجوب تقليد پر کوئي عالم بھي همارے ساتھه متفق نهوتا اور سب اُس کے وجوب هي کے معتقد هوتے تب بھي همارا اُس سے انکار کرنا خرق اجماع نه تها نه که اُس کے عدم وجوب پر هزارها علما کا اتفاق هی بلکه سارے صحابه کل تابعين تمام تبع تابعين کا بھي عقيده تها پس جو مقلدين يهه شبهه کرتے هيں که اگر تقليد کے وجوب سے انکار کيا جاوے تو بہت سے علما فضلا کے اُوپر نقص عايد هوتا هی اور اُن کي شان میں غلطي کي نسبت هوتي هی اُن کو يهه بھي سوچنا چاهئیے که اگر تقليد کا وجوب تسليم کيا جاوے اور اُس کا منکر بدعتي اور فاسق اور گنهگار قرار ديا جاوے تو کل محدثين اکثر اهل تصرف اور اوليا الله اور اکثر مجتهدين اور محققين کا بدعتي اور فاسق هونا لازم آتا هی اس لیئے که وه تقليد کے تارک تهے پس تعجب هی که وجوب تقليد کے نه ماننے پر تو يهه شبهه کيا جاوے که اکثر علما کي خطا ثابت هوتي هی اور اُس ماننے پر يهه خيال نهووے که اکثر محدثين اور اولياء کرام اور محققين کا گنهگار هونا لازم آتا هی پس بالفرض اگر ايک فرقه کا چهوڑنا هي لازم هوا تو اب اختيار هی جو چاهی تقليد میں داخل هو اور محدثين اور اوليا اور اهل تصرف کو چهوڑے اور جسے منظور هو وه حديث پر عمل کرے اور اُس زمانه کے لوگوں کو چهوڑے جوکه عهد نبوت سے دور هوتا گيا اور جس میں بدعت کا رواج بڑهتا گيا *

مقلد — يهه هم نهيں کهتے که اجتهاد اُنهيں اماموں پر ختم هو گيا مگر آج کل کسکو ايسا علم هی که وه امام ابو حنيفه کے قول پر جرح کرسکے اور کسکو اُن کا سا تقوی اور بزرگي اور احتياط هی که اُن کے کلام کو نه مانے هاں جو کوئي اُن کا سا علم اور ويسا تقوی رکهتا هو وه اجتهاد کرے مگر تب بھي قرب زمانه نبوت کي فضيلت کہاں سے اب کوئي پاويگا *

غير مقلد — اس دليل سے تو آپ هي کي تقليد باطل هوتي هی اس لیئے که دوسرا فريق بھي کهه سکتا هی که ائمه اربعه بھي پيغمبر خدا عليه التحية والثنا کے اصحاب کرام کے همرتبه نه تهے اور مهاجرين و انصار میں داخل نه تهے پس چاهيئے تها که وه بھي اصحاب کرام کے اقوال میں جرح و تعديل نه کرتے اور کسي ايک صحابي کے سارے قولوں کو تسليم کرلیتے پس جب که مجتهدين نے اصحاب نبوي کے قولوں میں جرح و تعديل جايز رکهي اور حضرت ابوبکر صديق سے يار غار اور حضرت عمر فاروق سے فقيه اور حضرت علي سے عالم جن کي فضيلت میں آيتيں بھي نازل هوئيں اور جن کي شان میں پيغمبر خدا نے حديثيں بھي فرمائي هيں اور جن کي هجرت اور نصرت کي خدا نے تعريف بھي کي باوجود اس کے تيسرے طبقه کے لوگ اس امر کے مجاز هوں که وه ايسے اصحاب جليل القدر کے قولوں میں سے جس کو مطابق کتاب و سنت کے پاويں اُسے لیں اور جسکو مخالف پاويں اُسے چهوڑ ديں اور ترک کريں اور اِس سے اُنکي نسبت يهه شبهه نهو که وه اصحاب کي بزرگي کے معتقد نه تهے جو اُن کے قولوں سے انکار کرتے تهے اور بعد ائمه اربعه کے جو زمانه آوے اُسمیں کوئي اُن ائمه کے اقوال میں جرح و تعديل کرنے کا مجاز نهو اور سب کو کسي ايک امام کے منجمله چار اماموں کي تقليد واجب هووے اور جو واجب نه جانے اُس پر يهه الزام لگايا جاوے که وه اُس امام کي بزرگي کا منکر هی يهه ايک نهايت حيرت کي بات هی *

مقلد — اگر حديث پر عمل کيا جاوے تو آج کل کس کو طاقت هی که وه تمام احاديث کو جمع کرکے ناسخ و منسوخ میں تميز دے اور قوي اور ضعيف کو جدا کرے اور اُس سے مسايل کو استخراج کرے *

غير مقلد — کيا آپ کے نزديک احاديث کي کتابیں فقه کي کتابوں سے بھي زياده مشکل هيں اور کيا اصول حديث کے اصول فقه سے بھي زياده دقيق هيں اور کيا احاديث کو اگلے لوگ جمع نهيں کرگئے اور کيا اُن کے اقسام ضعيف و حسن وغيره کو جدا جدا نهيں کرديا اور کيا موضوعات کو صحاح سے علحده نهيں کرديا اور کيا جو اختلاف احاديث میں هی اُسکي تطبيق محدثين نے ابتک نهيں کي هی حقيقت يهه هی که جسقدر تحقيقات احاديث کي محدثين نے کي هی اور جسقدر ماده احاديث پر عمل کرنے کا اِسوقت موجود هی اور جيسي آساني اُس میں هی اُس کا کچهه بيان نهيں هوسکتا اگر کوئي شخص فقيهه بننا چاهے تو جسقدر محنت اور دقت اُسکو هوگي اُتني محنت اور دقت علم حديث کے سيکهنے پر نهوگي پس تعجب هی که هدايه اور مبسوط وغيره جنکا سمجهنا بغير اصول منطق اور قواعد فلسفه کے دشوار هو آپ سمجهه سکيں اور روايات مختلفه کو جمع کرکے مسايل فقهي کو نکال ليں اور پهر باوجود اختلاف مسايل فقهيه کا رفع نهو بلکه قطع نظر اُس اختلاف کے جو چاروں مذهب میں هی هر مذهب میں صدها مسايل اختلافي موجود هوں اور صاف اور کهلي هوئي حديثوں کا سمجهنا آپ کے نزديک مشکل هو اور اُن کا اختلاف رفع کرنا اور اُسپر عمل کرنا آپ کے نزديک محالات اور ممتنعات سے هو اور سارے

حدیث کی کتابیں اور اُنکی شرحیں اور محدثین کی تحقیقاتیں عبث ہوں اِس لیئے کہ اُنکو نہ کوئی سمجھہ سکتا ہی نہ اُس پر عمل ہوسکتا ہی پس حدیث کی کتابیں سواے اِس کے کہ واسطے تبرک اور برکت کے دوہرے کپڑے میں غلاف کے اندر رہیں اور کبھی کسی طرح مسئلہ لینے اُن پر رجوع نہ کی جاوے آپ کے کسی کام میں نہیں آسکتیں اور استخراج مسائل کے لیئے آپ اُن سے کچھہ کام نہیں لیتے اگر لیتے ہو تو ذرا مہربانی کرکے بتلاؤ کہ کسی متن میں خلاف اقوال فقہا کے کوئی مقلد حدیث کی بھی سند لایا ہی، اگر لایا ہو تو پیش کرو ھاتو برھانکم ان کنتم صادقین اگر آپ غور کریں اور اپنے علما کے اقوال پر نظر کریں تب آپ کو معلوم ہو کہ فقہا نے احادیث کی کیسی قدر دانی کی ہی میں اپنے اِس قول کی تائید میں صرف ایک فقیہہ کے کلام کو نقل کرتا ہوں وہ فرماتا ہی † «اعلم ان اصول الفقہ نوعان اصول الدین واشرا لتصانیف فی اصول الفقہ لاھل الاعتزال المخالفین لنا فی الاصول واھل الحدیث المخالفین لنا فی الفروع ولا اعتماد علی تصانیفھم» یعنی اکثر تصانیف اصول فقہ کی معتزلہ کی ہیں جو اصول میں ہمارے مخالف ہیں یا اہل حدیث کی ہیں جو فروع میں ہمارے مخالف ہیں اور اُنکی تصانیف پر کچھہ اعتبار نہیں ہی پس مقلدین نے گویا اہل حدیث کا ایک فرقہ علحدہ تصور کیا اور اُن کی تصانیف کو اعتبار کے لایق نہ جانا پس نہایت افسوس کا مقام ہی کہ تقلید کی وجہہ سے اہل حدیث دائرہ سنت سے خارج کردیئے جاویں اور اُن کی تصنیفات پر صرف اسی قصور میں کہ وہ فقط حدیث پر یعنی پیغمبر صاحب کے قول کو مانتے ہیں اعتبار نہ کیا جاوے میں حیران ہوں کہ اگر اہل حدیث ہی دائرہ سنت سے خارج ہوں تو پھر دوسرا کون ہی جو سنی ہوسکے سچ کہا ہی مولوی شاہ عبدالعزیز صاحب نے اپنے ایک رسالہ میں جو جواز میں اشارہ کے لکھا ہی کہ بالجملہ بدلیل باطل کسے مخالفت پیغمبر خدا کردن و خلاف امام مذہب رفتن و باوجود آن خود را سنی پنداشتن جز جہل و نادانی ویا تعصب نفسانی چیزے دیگر نباشد سنی آنکہ کار سنت کند و رافضی آنکہ ترک سنت کند *

مقلد — پس تم بدعتی اور فاسق ہو بلکہ کافر جو تقلید کو واجب نہیں جانتے ہو تمہارے کفر کا فتویٰ لکھا جاویگا اور تمہارا کھانا پینا بند ہوگا تاکہ آیندہ پھر کوئی دین کو برباد نکرے اور مذہب میں فتنہ و فساد نہ کھڑا کرے *

مقلد — من ازاں حسن روز افزوں کہ یوسف داشت دانستم *
کہ عشق از پردۂ عصمت برون آرد زلیخا را *

سنو ہم تو اُسی روز سے آپ کے کفر کے فتوی کے منتظر ہیں جب سے ہمنے قرآن و حدیث کو اپنا متمسک بنایا اور زید و عمرو کو چھوڑا اور پابندی رسم کی ترک کی حضرت خدا کے نزدیک کافر نہونا چاہیئے وہ اگر ہمارے کفر کا فتویٰ دے تو البتہ ہمکو نقصان ہی ورنہ اگر دنیا کے سارے بندے ہمکو کافر کافر کہیں اور خدا کے ساتھہ ہمارا معاملہ راست راست ہو اور اُسکے پیچھے اور اُسکے رسول کے پیچھے ہم کافر بنائے جاویں تو اس کفر پر ہمارے ہزار ایمان قربان اور ہزار اسلام صدقے ہیں اور بڑے بڑے امام اور اچھے اچھے ولی اور نامی نامی محقق ہمارے اس کفر کے شریک ہیں اور یہہ آپ کا فرمانا کہ اگر ہم ایسا نکریں تو دین برباد ہوجاوے موجب صد ہزار حیرت ہی کہ حدیث پر عمل کرنے میں دین کی بربادی کیا ہوگی اگر آپ کے نزدیک حدیث پر عمل کرنے سے دین برباد ہوگا تو وہ دین جسکا مدار سواے قرآن و حدیث کے اَور کسی پر ہو اُسکا برباد ہی ہونا بہتر *

قول فیصل بہ نسبت تقلید و عمل بالحدیث کے

بعضوں کو یہہ شبہہ ہوتا ہی کہ اگر تقلید چھوڑ دی جاوے تو حدیث پر کیونکر عمل کیا جاوے اور جو اختلاف احادیث میں ہی وہ کیونکر رفع کیا جاوے آخر تقلید چھوڑ نے پر بھی ہمکو اجتہاد کرنا پڑیگا اور سارے جزئیات مسائل کا حدیث سے نکالنا ممکن نہوگا تو جب چار عمدہ اور اچھے اماموں کے مذہب کو چھوڑنا اور ایک نیا مذہب کھڑا کرنا نادانی ہی اِس لیئے یہہ قول فیصل جو محققین علما نے لکھے گئے ہیں ہم بھی لکھتے ہیں *

یہہ امر خیال کرنا کہ منجملہ مذاہب اربعہ کے کسی مذہب کے مسائل پر عمل کرنا جائز نہیں ہی غلطی ہی بلکہ ہمارا قول صرف یہہ ہی کہ تقلید کو واجب جاننا اور اُسکی اِس طرح پر پابندی کرنا کہ ایک امام کے مقلد کو دوسرے امام کے کسی مسئلہ پر عمل کرنا یا اپنے امام کے کسی قول کو صریح مخالف حدیث کے پاکر اُسکا ترک نکرنا یا کسی مسئلہ میں اجتہاد کی طاقت رکھکر اجتہاد نکرسکنا غلطی ہی اور یہہ اگلے لوگوں کے طریق کے خلاف ہی بلکہ چاروں اماموں میں سے کسی کے قول کو ماننا یا اُنکے استخراج کیئے ہوئے مسائل پر عمل کرنا نہایت ہی بہتر ہی اور آج کل تو نہایت ہی مناسب اور ضرور ہی اور عاموں کو تو سواے اسکے کچھہ چارا نہیں لیکن چند شرائط سے *

اول جائز ہونا اجتہاد کا اور ترک تقلید کا اگر کوئی شخص ایک مسئلہ میں بھی اجتہاد کرسکے *

دوسرے چھوڑ دینا کسی قول کا جبکہ اُسی حدیث صحیح صریح سے مخالفت اُسکی ثابت ہوجاوے اور اُس حدیث کا نہ منسوخ ہونا پایہ ثبوت کو پہونچے *

† دیکھو کشف الغنی مطبوعہ کے صفحہ ۸۹ کو —

تیسرے - نه اعتقاد رکھنا اس امر کا که ایک امام کے مقلد کو دوسرے امام کے قول پر عمل کرنا ناجائز هی *

چوتھے مقدم رکھنا احادیث اور اصول احادیث کو قیاس اور قواعد مقررۂ اصولی پر *

پس ان چار شرطوں کے ساتھه هر شخص کو اختیار هی که جس امام کے مذهب پر چاهے چلے اور جسکے قول کو معتبر اور اچھا جانے اُسکو اختیار کرے اور یہي مطلب همارا هی اور یهه غرض هماري نهیں هی که کسي امام اور کسي فقیهه اور کسي مولوي کے کسي قول کو نمانے اور هر شخص عامي هو یا خاص عالم هو یا جاهل وه هر مسئله میں اپنا هي اجتهاد کرے اور سارے جزئیات خود هي کتاب و سنت سے نکالے *

پس افسوس هی اُن لوگوں پر که جو باوجود علم و فضل کے یهه عقیده رکھتے هیں که چاروں مذهب میں سے کسي مذهب کي پابندي ترک کرني اور دوسرے امام کے مذهب پر عمل کرنا یا چاروں مذهب کو چھوڑ کر حدیث پر عمل کرنا یا اجتهاد کرنا جایز هي نهیں هی اس لیئے که حقیقت میں یهه قول ایک نیا حکم شریعت کا هی اور جس کا قایل اپنے آپ کو صاحب شریعت هونے کا در پردہ دعوے کرتا هی طحطاوي میں ایک بڑے فقیهه صاحب کمال کا قول لکھا هی که المنتقل من مذهب الی مذهب باجتهاد و برهان آثم یستوجب التعذیر فبلا اجتهاد و برهان اولی اور اس سے ثابت هوتا هی که باوجود اجتهاد و برهان کے ایک مذهب کا چھوڑنا اور دوسرے مذهب کا اختیار کرنا جایز نهیں هی بلکه گنهگار هی اور ایسا کرنیوالا واجب التعذیر مگر افسوس هی که اس قول کے کهنے والے نے یهه خیال نه کیا که وه خدا تعالی کو قیامت کے دن کیا جواب دیگا اور اپني طرف سے فهرست میں گناهوں کي ایک گناه بڑھا دینے پر کیا دلیل پیش کریگا سچ یهه هی که اگر ایسي ایسي باتیں یهه لوگ نه لکھه جاتے اور ان دهمکیوں سے جاهلوں کو نه ڈراتے تو تقلید کا ایسا زور شور کیونکر هوتا اور حدیث پیغمبر خدا علیه التحیة والثنا پر عمل کرنا کیونکر چھوٹتا و ما سعادة الدارین الا بالاعتصام به —

ان لم یکن فی معادی اخذا بیدي * فضـــلاً و الا فقـــل یازلة القدم

میں اب اس مضمون کو ختم کرتا هوں اور اسي بحث کے متعلق میں اَوْر کچھه لکھونگا اور اُن اقوال کو جو مقلدین تقلید کي نسبت بیان کیا کرتے هیں مفصل لکھه کر اُس کا جواب دونگا اور جو کچھه شرح سفرالسعادة اور تفسیر احمدي وغیره میں لکھا هی اُس کو بجنسه نقل کرکے اُس جواب سے سب کو آگاه کرونگا جو محدثین اور مجتهدین نسبت اُس کے دیا هی اور علاوه اُس کے سارے شبهات اور اعتراضات کو مقلدین کے نهایت خوبي سے بیان کرکے اُس کي برائي بھلائي کو ظاهر کرونگا افسوس هی که مضمون [illegible] چھوڑتا هوں کیونکه جو کچھه دل میں هی اُسے لکھوں مگر خیر ابھی اسپر ختم کرتا هوں اور جو رهگیا هی اُسے دوسرے پرچه میں لکھونگا *

مجھے اپنے بھائیوں سے اُمید هی که دیکھتے هي خفا نهو جاویں اور هر فقره پر گالي دینا اور برا کهنا شروع نکریں بلکه اول ذرا دل کو ٹھنڈا کریں اور غور سے دیکھیں اور پھر انصاف کریں اس لیئے که یهه جو کچھه لکھا گیا وه صرف مجتهدین و محققین کے اقوال کي نقل هی نه فقط کاتب کي رائے اور وه اقوال بھي محدود نهیں اور جو کچھه لکھے گئے اُسي پر ختم نهیں بلکه صرف بطور نمونه کے هیں اور مثل اُس کے صدها قول بڑے بڑے محققوں کے اُس کي تائید میں هیں اگر صرف هماري هي رائے هوتي تو هم مستحق عتاب اور قابل ملامت کے تھے جب که هم نقل کرنے والے اور جمع کو دینے والے اُن کے قولوں کے هیں تو حضرت جو کچھه ارشاد فرماوینگے اول بزرگوں کي ارواح * اُس کا اثر هوگا پیچھے همارے اوپر اور هم تو اپني عزت اسي میں سمجھتے هیں که خدا اور اُس کے رسول کے پیچھے لوگ هم سے دشمني رکھیں اور هم کو عمل بالحدیث کے سبب سے کافر کهیں اور هم بھي اپنے سچے خدا اور سچے رسول سے مضمون اس مصرعه کا عالم تمام دشمن جاں شد برائے تو * عرض کریں اے بھائیو ان سب باتوں کو غور سے دیکھو اور انصاف کرو تلک ایات الله نتلوها علیک بالحق فبای حدیث بعد الله و آیاته یؤمنون *

راقـــــــــــم   اثم مهدي علي تحصیلدار
مرزاپور غفر الله ذنوبه و ستر عیوبه

نمبر ۳۸

شدت اتقا

همکو اپنے ایک دوست کا قول خوب یاد هی که پرهیزگاري اتقا هر مسلمان کے لیئے لازم هی هم خود اسکے قایل هیں پس اس مختصر مضمون کے لکھنے سے هماري یهه غرض هرگز نهیں که اتقا فی نفسه اچھا نهیں بلکه یهه ظاهر کرنا منظور هی که اتقا کو حد شرعي سے زیاده لیجانا اچھا نهیں هی بهت سے همارے هم مذهب جو نهایت نیک اور پابند شرع هیں اکثر اپني نیک نیتي کي زیادتي کے سبب ایک بڑي غلطي میں پڑتے هیں یعنے اتقا کو اچھا سمجھکر اسقدر حد کو پهونچاتے هیں که فی الحقیقت جو غرض شارع کي اتقا کي تقید سے تھي وه جاتي رهتي هی شاید اس سے بڑھکر کوئي غلطي نهیں هوسکتي که کسي شی کو نیک یا مفید سمجھکر اُسکو مقدار مناسب سے زیاده اختیار کرے اور اس بات کو خیال میں نه رکھے که شرع میں کسقدر

جایز ہی ہمارے مذہب کے ایک بڑے شخص نے شارع اور شرع اور امت کو طبیب اور دوا اور مریض سے تمثیل دی ہی یہہ تمثیل حقیقت میں [illegible]شدہ ہی اور اس ہی سے ہم اپنے قول کو ثابت کرینگے اگر کوئی مریض نسخہ میں یہہ پڑھکر کہ میں تولہ بھر گلقند چار روز متواتر کھانے سے اچھا ہوجاؤنگا یہہ نتیجہ نکالے کہ گلقند ایسی دوا ہی کہ میرے مرض موجودہ کو فائدہ بخش ہی تو یہاں تک اُسکا نتیجہ درست ہوگا کیونکہ بلاشبہہ گلقند اُس کے مرض کے لیئے مفید ہی ورنہ طبیب ہرگز نہ لکھتا پھر اگر دوسرا نتیجہ یہہ نکالے کہ تولہ بھر تو چار دن میں اچھا کرتا ہی تو چار تولہ ایک ہی دن میں اچھا کردیگا اور آدہا سیر تو کھاتے ہی شفایاب ہو جاؤنگا یہہ نتیجہ بالکل غلط ہوگا کیونکہ آدہ سیر گلقند کا ایک مرتبہ کہا لینا شفا بخشنے کی عوض اور مضر ہوگا اور جو مقصد طبیب کا نسخہ میں گلقند کے لکھنے سے تھا وہ ہرگز حاصل نہوگا اور مریض طبیب کو خوش کرنے کے بدلے اُسکو اور ناراض کردیگا ایسی حالت اتقا کا جو کہ مقدار مناسب یعنے حد شرعی سے زیادہ ہو ہم نے شدت اتقا نام رکھا ہی *

اگر ہماری تمثیل مذکورہ بالا سے یہہ بات ثابت ہوگئی کہ اتنا اتقا جسکو ہم شدت اتقا کہتے ہیں کرنا فائدہ کی عوض نقصان کرتا ہی تو بلاشبہہ ایسا اتقا شرعاً ناجایز ہی یہہ ہی باعث تھا کہ ہمارے رسول خدا صلعم نے اس قسم کی عبادت کو جس سے کہ دنیا کے تمام کاروبار میں خلل واقع ہو منع فرمایا ہی لارہبانیۃ فی الاسلام حدیث صحیح ہی اور اس سے یہہ بات ثابت ہوتی ہی کہ شرعی حد سے زیادہ اتقا کرنا جایز نہیں بلکہ اُسکا نام اتقا نہیں کلام مجید میں بھی اس مقدار مناسب سے زیادہ عبادت کرنے کا ذکر آیا ہی یاایہاالمزمل قم اللیل الا قلیلا *

یہہ بات تمام دلایل عقلی سے بھی ثابت ہی کہ زیادتی ہر شی کی اچھی نہیں جب کہ ہم اس بات کو مانتے ہیں کہ کہ اللہ تعالی نے ہمکو اسلام ایسی نعمت عطا فرمائی ہی کہ جس سے دنیا و دین دونوں کی بہتری حاصل ہو تو کیا صاف ظاہر نہیں ہی کہ ایک ہی کے پیچھے ہو رہنا نصف فائدہ کھونا ہی عین کلام اللہ میں اللہ تعالی نے ہمکو دعا سکھائی ہی ربنا اتنا فی الدنیا حسنۃ و فی الاخرۃ حسنۃ و قنا عذاب النار دنیا اور دین دونوں کے لیئے دعا مانگی ہی اور اس سے بھی ہمارے قول کی تائید ہوتی ہی *

تمام دنیا اس بات سے متحیر ہی کہ اسلام نے وحشی عربوں کو یک بار دنیا اور دین دونوں کی خوبیاں کیونکر دیدیں اس ہی بات [illegible] اسلام کو اور مذہبوں پر فوقیت ہی کہ اور صرف بہبودگی آخرت [illegible]انے کا دعوی رکھتے ہیں اور اسلام میں جسقدر احکام ہیں اُنسے بہبودگی دارین حاصل ہوتی ہی اس کی ہزارہا مثالیں ہیں ایک ادنی بات شراب و خنزیر اور قمار کی ممانعت ہی کہ اس کے فوائد بیان سے باہر ہیں حکماء یورپ نے ثابت کیا ہی کہ شراب و لحم الخنزیر نہایت مضر ہیں اور یورپ کی قوموں نے شراب خواری اور قماربازی کے بند کرنے کے لیئے قانون بنائے ہیں یہہ قانون اب حال میں [illegible] ہیں اور اسلام میں قریب تیرہ سو برس ہوئے موجود تہے *

ہماری اصل غرض یہہ ہی کہ حد شرعی سے زیادہ اتقا کرنا گویا کہ شارع سے بھی زیادہ متقی ہونے کا دعوی کرنا اور یہہ درست نہیں ہمکو ایک نہایت بزرگ شخص کی نقل یاد ہی کہ اُنہوں نے اتقا کو اُس درجہ کو پہونچایا تھا کہ کافر کی شکل دیکھنے کو گناہ سمجھتے تہے اس اندیشہ سے کہ کافر کے ساتھہ اوٹھنا بیٹھنا نہو ریل کا سفر مناسب نہیں سمجھتے تہے دنیادار لوگوں کی ملاقات ترک کرکے رات دن نماز وظیفہ میں مشغول رہتے تہے اگرچہ یہہ بزرگوار بسبب اپنی نیکی کے بیشک تعظیم اور ادب کے لایق تہے لیکن اُنکے حال پر بلاشبہہ افسوس آنا چاہیئے ایسا شخص جو کہ تمام دنیا کی صحبت چھوڑ بیٹھتا ہی گویا ایک نہایت خود غرض شخص ہوتا ہی کہ جسکو اوروں کو فائدہ دینا کچھہ منظور نہیں صرف اپنی آخرت کے چین کے لیئے یہاں محنت کرتا ہی بیشک و شبہ اللہ تعالی نماز و وظیفہ سے خوش ہوتا ہی مگر اس سے صرف اُن گوشہ نشین صاحب کا فائدہ ہی اور نہ کسی اور کا *

بڑا فائدہ نیک ہونے کا اوروں کو نیکی سکھانا اور اُنکی خدمت کرنا ہی اور نہ خود غرضی سے صرف اپنی عاقبت کی فکر کرنا جو شخص لوگوں کی صحبت اس طرح پر ترک کر بیٹھتا ہی اُس سے وہ فائدہ کبھی ظہور میں نہیں آتا جو کہ نیک آدمی کی صحبت سے حاصل ہوتا ہی نیک آدمی کو نیکی کرتے دیکھکر اور نیک باتیں کرتے سنکر خود نیکی کو دل چاہتا ہی اور نیکی پھیلتی ہی رسول خدا صلعم اور اصحاب کرام نے دکھا دیا کہ کیونکر اس دنیا میں زندگی بسر کرنی چاہیئے *

ایک اور صاحب کا ذکر ہمنے سنا ہی کہ جنہوں نے حج کا اس طرح پر قصد کیا تھا کہ ہر قدم پر دو رکعت نماز پڑھتے جاتے تہے مگر یہہ اُنسے پورا نہوا اور اگر ہوتا بھی شاید صرف بحکم انما الاعمال بالنیات اُنکو ثواب ہوتا ورنہ ایسے جوگیوں کی طرح حج کو جانا کہاں درست ہی اگر حج کرنے کا ثواب بقدر اُن تکالیف کے جو کہ قصداً انسان اپنے پر ڈالے ہوگا تو ہندو جوگیوں کی طرح زمین پر لوٹکر حج کو جانے سے تو شاید سب سے زیادہ ثواب ہو مگر اسلام میں ایسی لغو ناحق کی تکلیف اوٹھانی درست نہیں لایکلف اللہ نفساً الا وسعہا *

بعض ہمارے ہم مذہب مسلمان بھائی بلاشبہہ نیک نیتی سے تعصب کو اتقا اور جاہل رہنے کو پرہیزگاری سمجھتے ہیں حالانکہ صاف ظاہر ہی کہ اگر ہم سچے اور پکے مسلمان ہیں تو شاید ہماری صحبت سے کافر مسلمان ہوجاوے کافر کی زبان یا علوم تحصیل کرنیکو گناہ سمجھتے ہیں حالانکہ اگر ہم اصل دیندار اور پختہ ایماندار ہیں تو مخالفین اسلام کے علم کو سیکھہ کر اُنکے ساتھہ مناظرہ کرنیکے قابل ہونگے اور اسلام بجائے کمزور ہونے کے اور مستحکم ہوگا *

عام تعلیم پرشیا میں

انگریزی علوم تحصیل کرنے کو ہمارے متعصب بھائی مسلمان گناہ سمجھتے ہیں حالانکہ حمدا بغداد کے زمانہ میں جسقدر علم عربی میں آیا وہ سب زبان گریک یعنے یونانی سے ترجمہ کیا گیا اور اُس زمانہ کے اکثر علماء گریک کو جو [illegible] زبان تھی بدرجہ تکمیل تحصیل کرتے تھے اگر ایسا نہوتا تو جسقدر طب کہ ہمارے ہاں موجود ہی کچھہ نہوتی اور فلسفہ اور منطق کا تو نام بھی نہوتا *

الغرض جو فوائد کہ اپنے مخالف کے بھیدوں کے معلوم کرنے سے ہوتے ہیں وہ سب تعصب سے جاتے رہتے ہیں اور ہم خود جہل مرکب میں پڑے رہتے ہیں *

لیکن یہہ جاہلانہ تعصب تو زمانہ محض ہمارے ادبار و کمبختی کے سبب ہم مسلمانوں میں آگیا ورنہ زمانہ قدیم میں کفار کی زبان تحصیل کرنا کچھہ برا نہ سمجھا جاتا تھا حضرت شیخ سعدی رحمہم اللہ نے زبان لیٹن نہایت محنت سے تحصیل فرمائی تھی اور وہ لوگ جنھوں نے کہ تصنیفات ارسطو اور افلاطون اور سقراط کا ترجمہ عربی میں کیا وہ تو گریک سے خوب ہی واقف ہونگے *

ہمکو اس مختصر مضمون کے لکھنے سے نہ تو اُن صاحبوں کو جنکو اتقا کا دعوی ہی ناراض کرنا منظور ہی اور نہ یہہ ہی کہ ہم اپنے تئیں ناصح بننے کے لایق سمجھتے ہیں بلکہ چند اپنے خیالات اُن صاحبوں کے لیئے درج کرتے ہیں جو کہ جاہل رہنے اور متعصب ہونے کو تقوی سمجھتے اور اُنکو جو کہ ہیں اہل اسلام کی ترقی اور بھلائی کے خواہاں ہیں مخالفین اسلام میں شمار کرتے ہیں *

از کریسٹ کالج کیمبرج
۲ جون سنه ۱۸۷۱ع

راقم
محمد محمود عفی عنه

نمبر ۳۹

عام تعلیم پرشیا میں

پرشیا واقع جرمنی کی عام تعلیم کی بابت سنه ۱۸۶۱ع میں ایک رپورٹ چھپی تھی اُسکا خلاصہ ہم اسلیئے لکھتے ہیں تاکہ ہندوستان کے مسلمان جانیں کہ تربیت یافتہ قوموں میں کس درجہ تک تعلیم کی ترقی ہی *

سنه ۱۸۶۱ع میں پرشیا میں پچیس ہزار ایک سو چھپن سرکاری ابتدائی اسکول تھے اور آٹھہ سو تیرہ خانگی جنکی کل میزان پچیس ہزار نو سو انہتر ہوئی *

سرکاری اسکولوں میں ستائیس لاکھہ تہتر ہزار چار سو تیرہ لڑکے و لڑکیاں پڑھتی تھیں اور خانگی اسکولوں میں اڑتالیس ہزار تین سو بیالیس جسکی میزان اٹھائیس لاکھہ ایک ہزار سات سو پچپن ہوئی *

پرشیا کے ملک کی آبادی ایک کرور چوراسی لاکھہ اکیانوے ہزار ہر سو بتیس آدمیوں کی ہی اس حساب سے فی سات سو بارہ آدمیوں میں ایک اسکول ہوتا ہی اور اوسط لڑکوں کا فی اسکول ایکسو دس کے قریب پڑتا ہی *

ان اسکولوں کے سوا چار سو تینتالیس چھوٹے لڑکوں کے پڑھنے کے لیئے مکتب تھے جن میں بتیس ہزار سات سو پینتالیس لڑکے پڑھتے تھے *

اعلی تعلیم کے مدرسہ اس سے علاوہ ہیں مگر سنه ۱۸۶۱ع میں کل طالب علم جو تمام مدرسوں اور اسکولوں اور مکتبوں میں [illegible] تھے اُنکی تعداد بتیس لاکھہ چھیانوے ہزار پانسو چھیالیس تھی اور کل مدرس چھتیس ہزار تین سو چودہ تھے جن میں سے تینتیس ہزار تریسٹھہ مرد اور تین ہزار دو سو اکیاون عورتیں تھیں اور متوسط اور اعلی مدرسوں میں نو ہزار نو سو تیرہ مدرس تھے *

اُسی رپورٹ سے معلوم ہوتا ہی کہ سنه ۱۸۶۱ع میں اُن لوگوں میں جو فوج میں بھرتی تھے اس بات کا تخمینہ کیا گیا کہ کس قدر آدمی ان پڑھے ہیں تو معلوم ہوا کہ فی صدی دو آدمی ان پڑھے تھے مگر یہہ زمانہ اب گیا اس عرصہ میں اب اور زیادہ ترقی تعلیم کی ہوگئی ہی جب میں ولایت میں تھا تو ایک جرمنی عالم سے میری بہت ملاقات تھی اور اُن سے جرمنی کی تعلیم کا بہت ذکر رہتا تھا وہ مجھہ سے فرماتے تھے کہ اب پرشیا میں فی ہزار ایک آدمی بھی ان پڑھا بمشکل نکلیگا *

اب ہندوستان کے مسلمانوں کے حال پر خیال کرو کہ اگر اُن میں پڑھے ہوئے آدمی تلاش کیئے جاویں تو فی ہزار ایک آدمی بھی پڑھا ہوا بمشکل نکلیگا پس غور کرنے کا مقام ہی کہ ہم کو اپنی قومی ترقی اور تربیت و شایستگی کے لیئے کیا کچھہ کرنا ہی *

جو حال کہ ہم نے اُوپر بیان کیا اُس میں سرکاری اسکولوں اور سرکاری کالجوں کا نام آیا اُس سے یہہ نہ سمجھا جاوے کہ اُن اسکولوں اور کالجوں کا خرچ سرکاری خزانہ میں سے دیا جاتا ہی نہیں تمام اسکولوں اور مکتبوں اور کالجوں کا خرچ رعایا دیتی ہی مگر وہاں تعلیم کے باب میں ایک خاص قانون ہی اُس کے مطابق جو اسکول یا مدرسے قایم ہیں وہ سرکاری کہلاتے ہیں اور باقی [illegible] ورنہ حقیقت میں وہ سب رعایا کی طرف سے ہیں *

جرمنی میں جو رعایا کی تعلیم کا قانون ہی نہایت [illegible] ہی مگر وہ قانون ہندوستان سے جہاں مختلف مذاہب کے لوگ آباد ہیں کسی طرح مناسبت نہیں رکھتا بلکہ انگلنڈ اور ویلز میں بھی اُس کے مطابق عمل درآمد ہونا نہایت دشوار ہی چہ جائیکہ ہندوستان اور اس لیئے ہماری یہہ راے ہی کہ جب تک کہ ہندوستان کی ہر ایک قوم خود آپ اپنی قوم کی تربیت کی طرف متوجہ نہوئی اور خود آپ اپنی قوم کی تعلیم کا بندوبست نہ کریگی اُس وقت تک قومی تعلیم کا ہونا غیر ممکن ہی *

جب کہ ہم دیکھتے ہیں کہ مسلمان اپنے لغو خیالات اور بیہودہ تعصبات میں مبتلا ہیں اور اپنی قوم کی بھلائی اور اُن کی تعلیم و تربیت کی کچھہ فکر نہیں کرتے ہمارا دل جلتا ہی اور کمال رنج ہوتا ہی اُس وقت ہمارا قلم نہیں روکتا اور زبان حال سے مجبور ہا یہہ شعر پڑھتا ہی *

ضبط کروں میں کب تک آہ * چل رے خامہ بسم اللہ

اور پھر کہتا ہی جو کہتا ہی اور لکھتا ہی جو لکھتا ہی *

راقم
سید احمد

بمقام علیگڈہ — مطبع علیگڈہ انسٹیٹیوٹ میں چھپا اور باہتمام
منشی محمد مشتاق حسین شایع ہوا

THE MOHAMMEDAN SOCIAL REFORMER

تهذيب الاخلاق

جلد دوم] ۱۵ جمادي الاول سنه ۱۲۸۸ هجري [نمبر ۸

بسم الله الرحمن الرحيم

اطلاع

جسقدر روپيه بابت اِس پرچه کے بطور چنده خواه بطور قيمت وصول هو وه کسي خاص شخص کي ملکيت نهوگا بلکه اِس پرچه کے اجرا و ترقي ميں صرف کيا جاويگا *

مسلمانوں ميں سے جو شخص ساتهه روپيه سالانه پيشگي بطور چنده دے وه اس پرچه کے متعلق معاملات ميں ممبر متصور هوگا *

علاوه اِس کے جو شخص کچهه روپيه بطور ڈونيشن دے وه بشکر گذاري تمام ليا جاويگا *

يهه پرچه هر مهينے ميں ايک بار يا دو بار يا تين بار جيسا که مقتضاے مضامين هوگا چهپا کريگا خريداروں کو تين روپيه قيمت اور ايکروپيه آٹهه آنه محصول جمله چار روپيه آٹهه آنه پيشگي بهيجنے هونگے *

اگر کوئي شخص کوئي خاص پرچه خريدنا چاهے گا اُس کو في پرچه چار آنه قيمت اور ايک آنه محصول دينا هوگا *

ممبروں کو بلا قيمت يهه پرچه مليگا اور اُن کو اُس کے تقسيم کا بهي بلا قيمت جسکو وه چاهيں اختيار هوگا *

اِس پرچه ميں بجز مضامين متعلق تهذيب اخلاق و حسن معاشرت کے جهاں تک که وه مسلمانوں سے متعلق هيں اور کچهه مندرج نهوگا *

مضمون نمبر ۴۰

غلامي

آزادي اور غلامي آپس ميں ايسي نقيض هيں که نه دونوں کا اجتماع هوسکتا هی نه دونوں کا ارتفاع اور اسليئے يهه دونو داخل مرضي پروردگار نهيں هوسکتيں ورنه خود پروردگار کي مرضي ميں تناقض لازم آويگا جو اُسکي حکمت بالغه کے شاياں نهيں هی پس کچهه شبهه نهيں هی که اِن دونوں ميں سے صرف ايک هي پروردگار کي مرضي کے مطابق هوگي يا يوں کهو که قانون قدرت دو نقيضوں کا مقتضي نهيں هوسکتا اور اسليئے اُن ميں سے ايک هي مقتضاے قانون قدرت هوگي *

هم ديکهتے هيں که انسان ايک ايسي هستي بنايا گيا هی جسکي فطرت ميں ازادي اور خود مختاري رکهي گئي هی وه ذي عقل اور ذي شعور هی اُسکو تمام قواے ظاهري و باطني ديئے گئے هيں اُن کے استعمال پر جس طرح که وه چاهے قادر هی تمام کاموں کے شروع کرنے کي سمجهه اور اُن کے انجام کي سوجهه اُسکو دي گئي هی تاکه هر کام کا آغاز اور انجام سوجهلے اُسکي فطرت ايسي هی که اپنے ليئے آپ تمام چيزيں

مہیا کرنے کے لیئے حاجتمند هی پس یہہ تمام چیزیں اسبات پر دلالت کرتی هیں کہ اِس پتلہ کے صانع کی مرضی یہی تھی کہ یہہ پتلہ خود اپنا آپ مالک رہے ٭

صانع نے یہہ تمام قوی جو انسان کو عطا فرمائے هیں اُن سے اُسکی مرضی یہہ معلوم هوتی هی کہ وہ تمام قوی انسان میں اسطرح پر شگفتہ و شاداب رهیں کہ اعتدال سے خارج نہونے پاویں اور ایک دوسرے کی نقیض نہو جاویں انسان کی ذاتی منفعت اُسیکے لیئے سود مند هو غلامی کی حالت میں انسان کے بہت سے قوی بعوض شگفتہ و تر و تازہ رهنے کے پژمردہ بلکہ محض معطل و بیکار هوجاتے هیں اُسکی منفعت اُسکی سود مندی کے لیئے نہیں رهتی پس کسیطرح ایسی حالت صانع کی مرضی نہیں هوسکتی ٭

انسان کی وہ چیز جس سے انسان انسان کہلاتا هی اور جسکا نام لوگ روح لیتے هیں مگر اُسکی حقیقت کچھہ نہیں بتلا سکتے ایسی شریف چیز هی کہ کسیکی مملوک هونے کی لیاقت هی نہیں رکھتی کیا نتائج قانون قدرت یا خدا کی روح یا امر رب کسیکی ملکیت هوسکتی هی ؟ کیا هم سی هی ایک مخلوق هماری ملکیت میں آسکتی هی ؟ حاشا و کلا پس صاف عیاں هی کہ غلامی اُس قادر مطلق کی مرضی اور قانون قدرت دونوں کے برخلاف هی — تمام انسان آزاد اور یکساں پیدا هوئے هیں اور کچھہ شبہہ نہیں کہ زندگی اور آزادی اور خوشی حاصل کرنے میں یکساں اور غیر قابل انتقال استحقاق رکھتے هیں ٭

مگر انسان کی بد بختی سے کوئی نسل اور کوئی زمانہ ایسا نہیں گذرا کہ غلامی کی مصیبت انسانوں میں نرهی هو بہت عقلمند اور دانا اور حکیم گذرے بہت سے صاحب شریعت گذرے مگر بجز ایک کے اور کسیلے اِس قانون قدرت کے مخالف کا کچھہ تدارک نکیا موسی صلواۃ اللہ علیہ نے اسکو جایز هی رکھا عیسی علیہ السلام نے اُسکی نسبت ایک حرف بھی نہیں کہا یونانی حکیموں نے از روے اصول اخلاق کے حالت غلامی کی نسبت کوئی اعتراض هی نہیں سمجھا ارسطو باوصف اس دانائی کے یہہ سمجھا کہ خود خدا نے انسان کو ازادی اور غلامی میں تقسیم کیا هی وہ یہہ سمجھتا تھا کہ جن لوگوں کو غلام بنایا جاتا هی وہ ایک قسم هی جدا هی اول تو یہہ سمجھہ هی اُس بڑے حکیم کی جو هر طرح همارے ادب کے لایق هی غلط تھی اور سواے اسکے اُس نے یہہ خیال نہ کیا کہ غلامی کسی خاص قوم پر مخصوص نہیں رہ سکتی افلاطون اُس سے بھی زیادہ غلطی میں گرا جب اُسنے یہہ کہا کہ صرف یونانی غلام نہونے چاهیئیں زیادہ افسوس کی بات یہہ هی کہ اُس ایک فیاض شخص کا اصول مقررہ جسنے آیندہ کی غلامی کی جڑ کو کاٹا اور غلاموں کی حالت کو سنوارا اور جہاں تک ممکن هوا اُن کو آزادی کا خلعت پہنایا ایسا غفلت میں پڑا رها کہ بہت هی کم اُس پر خیال هوا پس همارا ارادہ هی کہ هم اِس مضمون کی اصلیت پر بموجب مذهب اسلام کے کچھہ تحقیق و تدقیق کریں مگر قبل اِسکے هم چاهتے هیں کہ اِس آرٹکل میں غلامی کا کچھہ مختصر حال بیان کریں کہ کس کس طرح پر اور کن کن قوموں میں رائج تھی اور کیسی کیسی بے رحمیاں اُن کی نسبت هوتی تھیں ٭

غلامی کا رواج ایسا پرانا معلوم هوتا هی جس کا زمانہ انسان کی یاد سے باهر هی غالباً تواریخ دنیا کے شروع هی سے غلامی پیدا هوئی تھی اصلیت شروع غلامی کی صرف یہی پائی جاتی هی کہ وحشی قوموں نے اپنے قیدیوں کو بجاے مار ڈالنے کے غلامی کی حالت میں رکھنا زیادہ مفید سمجھا اور اِس سبب سے دو طریق غلامی کے رائج هوئے ایک وہ جو لڑائی میں لوگ قیدی هوتے تھے اور یہہ طریقہ مطلق جایز اور بے عیب اور گویا قانوناً جایز سمجھا جاتا تھا اور تمام قوموں نے اپنی تہذیب و شایستگی کے زمانہ میں بھی اُسکو صحیح سمجھا تھا دوسرے وہ قیدی جو دغا و فریب سے یا دزدی سے قید کیئے جاتے تھے اور اُن کے ساتھہ بھی ویسا هی طریقہ برتا جاتا تھا جیساکہ جایز غلاموں کے ساتھہ اُس کے بعد رفتہ رفتہ اَور متعدد طریقے غلامی کے مختلف قوموں میں پیدا هوتے گئے ٭

تمام مشرقی قومیں جنکا حال همکو معلوم هی غلام رکھتی تھیں یہودیوں کے هاں غلامی قانوناً جایز تھی ایرانی بھی بموجب اپنے قانون کے غلام رکھتے تھے اُن کے هاں صرف دوسری هی قوم کے لوگوں کو غلام بنانے کی اجازت نہ تھی بلکہ اپنی قوم کے لوگوں کو بھی غلام بناتے تھے اُنکے هاں دستور تھا کہ مفلس مقروض اپنے تئیں بطور غلام کے بیچڈالتا تھا جو بطور غلام کے رهتے تھے البتہ بہ نسبت غیر قوم کے غلاموں کے اُنکی نسبت قانون فی الجملہ نرم تھا سات برس بعد هم قوم غلام آزاد هو جاتے تھے اور هر پچاسویں برس عام طور پر هم قوم غلام آزاد کیئے جاتے تھے ٭

یونانیوں میں بھی غلامی کی رسم جاری تھی وهاں ایک قوم وهاں کے قدیم باشندوں کی نسل سے تھی جو اپنے آقا کی زمین کاشت کرکر اُس کو لگان دیتی تھی اور لڑائی کے وقت اپنے آقا کے ساتھہ هوتی تھی — ایک قسم غلاموں کی یونان میں ایسی تھی کہ وہ یونان سے باهر دوسرے ملک میں فروخت نہیں هو سکتی تھی اور نہ اپنے عیال و اطفال سے جدا رکھی جاتی تھی بلکہ کسیقدر جائداد پیدا کرنے کے بھی قابل سمجھی جاتی تھی اور وحشی غلام جو بذریعہ خرید حاصل هوتے تھے وہ تو مثل اَور جائداد کے تھے کہ جب اور جہاں چاهو بیچڈالو

اُن سے مختلف مزدوری کروائی جاتی تھی کانیں کھدوائی جاتی تھیں پھر اُن کی اُجرت اور منفعت اُن کے آقا لیتے تھے اُن غلاموں کی جو اولاد ہوتی تھی وہ بھی غلام ہوتی تھی تھریشیا کے لوگوں کی ایسی بد بختی تھی کہ وہ خود اپنی اولاد کو بیچتے تھے ایتھنز میں غلاموں کی حالت اَور ملکوں سے اچھی تھی ڈیماستھنیز کا قول ہی کہ بمقابلہ اَور ملکوں کی آزادیوں کے ایتھنز کی غلامی کی حالت اچھی ہی *

رومیوں میں بھی غلامی تھی مگر اُن کی سمجھہ سب سے عمدہ تھی رومی مقنن سمجھتے تھے کہ خدا تعالی نے سب کو آزاد بنایا ہی اور غلامی قانون خالق کے برخلاف ہی مگر صرف ملکی قانون کے مطابق وہ غلامی کو جایز رکھتے تھے اور اس لیئے اُن لوگوں کو جو لڑائی میں قید ہوتے تھے اور اُن آزاد شخصوں کو جو خود اپنے آپ کو بیچ ڈالتے تھے غلام سمجھتے تھے آقا کا اختیار غلام کو سزا دینے یا تنگ کرنے کا لا محدود تھا ضعیف و ناکارہ غلام ٹائیبر کے جزیرہ میں فاقہ کشی کرتے کرتے مرجانے کے لیئے چھوڑ دیئے جاتے تھے سلطنت کے قوانین نے اُن بیرحمیوں کی کسیقدر روک تھام کی تھی یہہ قانون تھا کہ اگر کوئی آقا اپنے غلام کو بلا سبب قتل کر ڈالے تو اُس کے ساتھہ اِس طرحپر پیش آیا جاوے کہ گویا اُس نے دوسرے شخص کے غلام کو مار ڈالا ہی اگر کوئی آقا اپنے غلام پر بہت سخت بے رحمیاں کیا کرتا تھا تو آقا اس بات پر مجبور کیا جاتا تھا کہ وہ اُس کو بیچ ڈالے کلاڈیس کے قانون کے مطابق غلام کا مار ڈالنا بمنزلہ قتل کے متصور ہوتا تھا غلام جب بیچے جاتے تھے تو ماں باپ لڑکے بھائی بہن جدا نہ کیئے جاتے تھے غلاموں کو شادی کرنے کا اختیار نہ تھا اور اُن کے اور اُن کی اولاد میں کوئی قانونی رشتہ نہ سمجھا جاتا تھا بھاگے ہوئے غلام کو پناہ دینا جرم تھا اُن کے آزاد کرنے کے بھی بہت سے طریقہ تھے جو ازروے قانون کے معین اور محدود کیئے گئے تھے *

رومیوں کے ہاں ابتدا میں غلام بہت کم تھے لیکن رفتہ رفتہ اُنکی بہت کثرت ہوگئی یہاں تک کہ کل کاشتکاری غلاموں کے ذریعہ سے ہوتی تھی سلطنت جمہوری کے زمانہ میں جو روم میں تھی دولتمند لوگ نہایت کثرت سے غلام رکھتے تھے اور جس قدر زیادہ غلام ہوں اُسیقدر شان و شوکت زیادہ متصور ہوتی تھی ایک شخص کے پاس دو سو غلاموں کا ہونا ایسی بات نہ تھی کہ لوگ اُس کو معمولی بات سے کچھہ زیادہ سمجھیں *

ابتدا میں غلام کوئی جائداد پیدا نہیں کرسکتا تھا جو کچھہ وہ پیدا کرتا تھا سب کچھہ اُس کے آقا کی ملک ہوتا تھا لیکن جب غلام تجارت کے کاموں میں مصروف ہونے لگے تو کچھہ حصہ منافع میں سے اُن کا خاص سرمایہ سمجھا جاتا تھا اور بعضی دفعہ یہہ شرط ہوتی تھی کہ جب وہ سرمایہ اس قدر روپیہ تک پہونچ جاویگا تو غلام آزاد ہو جاویگا *

ہندوؤں میں بھی دھرم شاستر کے بموجب غلامی جایز تھی اور مفصلہ ذیل صورتوں میں ایک انسان دوسرے انسان کا غلام ہو جاتا تھا — لڑائی میں قید ہونے سے — خود اپنے تئیں کسی کا غلام بعوض روپیہ کے یا قحط سالی میں بعوض نان و نفقہ دیئے کے یا اَور کسی سبب سے بنا دینے سے — بعوض زر قرضہ یا کسی جرم کی سزا میں غلام ہو جانے سے — ماں باپ کا اپنی اولاد کو بیچدینے سے — اولاد غلاموں کی بھی غلام ہوتی تھی — غلاموں کا بیع اور ہبہ کے ذریعہ سے انتقال ہوتا تھا اور روز انتقال سے منتقل الیہ کی غلامی میں آجاتا تھا *

دھرم شاستر کی رو سے غلام مثل مویشی کے اپنے آقا کی ملکیت ہوتا ہی اور اُس کو حقیر نام یعنی دو پائی مویشی دیا گیا ہی دھرم شاستر میں کوئی حکم غلام کی نسبت ایسا نہیں ہی جس کے ذریعہ سے وہ بیرحم آقا کے تشدد و بد سلوکی سے محفوظ رہے اور نہ اُس میں آقا کے اختیار کی جو اُس کو غلام پر ہو کچھہ تصریح ہی *

کوئی حق ملکیت دھرم شاستر کی رو سے غلام کو حاصل نہیں ہی اُس کا مال مکسوبہ بھی اُس کا حق نہیں ہی دھرم شاستر میں بجز آقا کی خوشی کے اَور کوئی ایسا طریقہ نہیں ہی جس کے ذریعہ سے غلام کو آزادی حاصل ہو سکے الا اگر اُس نے آقا کی جان بچائی ہو تو وہ اپنی اور اپنے بیٹے کی آزادی کی درخواست کرنے کا استحقاق رکھتا ہی اگر آقا سے لونڈی کے اولاد پیدا ہو اور کوئی صحیح النسب اولاد نہو تو دونوں آزاد ہو جاتے ہیں یا جو سبب غلامی کا ہی وہ نہ رہے تو غلام آزاد ہوتا ہی *

ایک دوسری قسم غلاموں کی دھرم شاستر کے بموجب عبید الارض ہیں یعنی غلام جو کاشت اراضی سے تعلق حق موروثی کا رکھتے ہیں اس قسم کے غلاموں سے احکام جایداد غیر منقولہ کے متعلق ہیں یعنی اُن غلاموں پر جو کاشتکاری کے کام کے لیئے ہوں باپ اور بیٹے کو یکساں اختیار حاصل ہی *

مذہب اسلام کے پیرووں کا بلاشبہہ حق تھا کہ وہ غلامی کا نام نشان دنیا میں باقی نہ رکھتے اور غلاموں کی آزادی کا فرمان جیسا کہ اصول مذہب اسلام سے پایا جاتا ہی دنیا میں جاری کرتے مگر افسوس ہی کہ وہ سب سے زیادہ اندھیرے میں پڑے اور باوجودیکہ اس زمانہ میں تمام ملک روشن ہوگئے ہیں مگر اسلامی عملداریاں اب تک اُسی تاریکی اور اندھیرے میں ہیں *

اگرچه عيسائي مذهب نے کچهه بهلائي غلاموں کے حق ميں نهيں کي تهي مگر بلا شبهه عيسائيوں نے اُن کے حال پر رحم کيا اور يهه نيکي اور بلند نامي اُنهوں هي نے حاصل کي جسٹنين نے غلاموں کے رفته رفته آزاد هو جانے ميں بڑي کوشش کي عيسائيوں هي نے اُن آقاؤں کو جو اپنے غلاموں کو بے اطلاع حاکم مار ڈالتے تهے ملعون قرار ديا مگر اُس زمانه ميں يهه] آفت رک نه سکي اور وحشي حمله کرنے والے بهت سے غلام اپنے ساتهه لائے جو اکثر سليونين قيدي تهے اور جس سے انگريزي لفظ سليو بمعني غلام نکلا هی تهوڑے زمانه بعد تمام يوروپ ميں ايک قسم کي غلامي مروج تهي جو سرف کے نام سے کهلاتي تهي سليو اور سرف ميں يهه فرق تها که سليو کو آقا فروخت بهي کر سکتا تها مگر سرف سے صرف معين کام لينے کا حق رکهتا تها *

جب که نئي دنيا يعني ايمريکا دريافت هوئي تو عيسائي قوموں ميں غلامي کے معامله کي بڑي گرم بازاري هوئي ايمريکا کے قديم باشندے کمزور تهے اور جن مشکل اور محنت کے کاموں کي وهاں حاجت تهي اُس کے قابل نه تهے اِسليئے پورچگيز والوں نے جنکے قبضه ميں بهت بڑا حصه افريقه کا تها وهاں سے حبشيوں کو ليجانا شروع کيا لاس کيسس صاحب جاپا کے بشپ نے ايمريکا کے باشندوں کو لايق محنت کانوں کے کهودنے کے نه ديکهکر کنگ چارلس بادشاه انگلنڈ سے درخواست کي که اُن کے بدلے حبشي غلام کام کرنے کو دیئے جاریں کيونکه وه مضبوط اور توانا هيں چنانچه اُس بادشاه نے سنه ۱۵۱۷ع ميں حبشي غلاموں کے لائے جانے کا حکم ديا انگريزوں ميں سب سے پہلے جسنے غلاموں کي تجارت شروع کي وه سر جان هاکنس تهے جنکا نام غلامي کے ساتهه هميشه ياد کيا جاويگا مگر تهوڑے هي عرصه ميں اور بهت سے لوگ اُن کے ساتهه غلاموں کي تجارت ميں شريک هوگئے انگلستان نے سنه ۱۶۸۰ع سے لغايت سنه ۱۷۰۰ع کے تين لاکهه غلام افريقه سے حاصل کيئے اور اُس کے بعد لغايت سنه ۱۷۸۶ع صرف جمايکه ميں چهه لاکهه دس هزار غلام بهيجے تجارت غلاموں کي ايسي بيرحمي سے هوتي تهي جسکا حال سنکر تعجب آتا هی جهاز ميں نهايت بے احتياطي سے مثل بکريوں اور بهيڑوں کے بهرے جاتے تهے اور ايمريکا پهنچنے کے بعد بهي کچهه اُنکي حفاظت نهوتي تهي مگر جهاں انگريزوں کي عملداري تهي وهاں اُن غلاموں کي حالت کسيقدر بهتر تهي اُن کي فرياد رسي کے ليئے عدالتيں مقرر تهيں عورتوں کو کوڑے مارنے کي بالکل ممانعت تهي مگر يهه بات پوچهنے کے قابل هی که جس زمانه ميں ايمريکا ميں جهاں انگريزي عملداري تهي قوانين مذکوره بالا غلاموں کي نسبت جاري تهے اُس زمانه ميں انگلنڈ ميں نسبت غلامي کے کيا قانون تها — اُسي زمانه يعني سنه ۱۷۷۲ع ميں مقدمه غلامي مسمي سومرسٹ حبشي جو لندن ميں چلا آيا تها پيش هوا اُس ميں يهه تجويز هوئي کہ انگلنڈ کی زمين پر قدم رکهنے کے ساتهه هي غلام آزاد هوجاتا هی اور بعد واپس جانے اُس غلام کے غلامي کے ملک ميں اُس کا آقا پهر اُس پر دعوی کرسکتا هی *

ولايت ميں ايک ميرے انگريز دوست نے مجهسے کها کہ صرف هماري قوم هي کو آزادي کا فخر نهيں هی بلکه هماري زمين کو بهي يهه افتخار هی اسليئے که جو شخص هماري زمين پر قدم رکهتا هی گو وه کيسا غلام هي کيوں نهو اُسي وقت سے آزاد هی اُس کے اِس کهنے نے ميرے دل پر نهايت اثر کيا اور ميں نے کها که بلاشبهه تمکو اور تمهاري زمين کو يهه بڑي عزت هی جو خدا نے دي *

اُسي زمانه ميں رحيم اور نيک دل اور انسان کي بهلائي چاهنے والے لوگوں کے دل ميں خيال آيا که غلاموں کي تجارت کي موقوفي پر کوشش کرني چاهيئے چنانچه سنه ۱۷۸۷ع ميں ايک سوسئيٹي واسطے موقوفي غلاموں کي تجارت کے لندن ميں قايم هوئي اُس کے ابتدائي ممبر ڈبليو ڈارن صاحب اور طامس کلرکسن صاحب اور گرينول شارپ صاحب تهے جنکي نيک نامي هميشه ياد رهيگي اِس معامله ميں سب سے زياده پر جوش اور نهايت مستعدي سے رائے دينے والے اور گفتگو کرنے والے وليم ولبرفورس صاحب تهے جنکي تائيد وليم پٹ وزير سلطنت کي جانب سے هميشه هوتي تهي غرضکه شده شده ان انسان کي بهلائي چاهنے والوں کي بدولت فروري سنه ۱۷۸۸ع ميں سلطنت انگلشيه نے حکم ديا که بذريعه کميٹي پريوي کونسل نسبت تجارت غلاموں کے تحقيقات کي جاوے اور ايک قانون بنايا گيا جس سے جهاز ميں بے انتها غلاموں کے بهرلينے کي کچهه اصلاح هوئي بڑي بد قسمتي يهه هوئي که ولبر فورس صاحب نے جو مسوده قانون کا اِس مطلب سے بنايا تها که آينده سے تجارت غلاموں کي موقوف هو وه مسوده سنه ۱۷۹۱ع ميں گم هوگيا — اسي اثناء ميں انگريزوں نے ديپ پر فتح پائي اور غلاموں کي تجارت نے پهر افزايش پکڑي مگر سنه ۱۸۰۵ع ميں کونسل سے ايک حکم مشعر امتناع تجارت اُن مفتوحه نوآباديوں ميں جاري هوا اور پهر سنه ۱۸۰۶ع ميں ايک قانون بنايا گيا که انگريزي رعايا کسي طرح غلاموں کي تجارت ميں شريک نهو اور اُسي سال مسٹر فاکس صاحب نے ايک رزوليوشن هوس آف کامنز ميں پيش کيا اور وه جاري بهي هوگيا که آينده سے کلية غلاموں کي تجارت موقوف هو لارڈ گرينول صاحب کي تحريک سے هوس آف لارڈ نے اُس رزوليوشن کو منظور کيا اور انگلنڈ نے اس فياضانه اور رحيمانه بلکه انسانيت کے کام ميں بلند نامي حاصل کي *

غلامی

اُس کے بعد دوسرے ہی سال میں یعنی سنہ ۱۸۰۷ع میں لارڈ [illegible] صاحب نے جو بعد کو ارل گرے ہوئے ایک مسودہ قانون ہوس [illegible] میں پیش کیا کہ یکم جنوری سنہ ۱۸۰۸ع کے بعد غلاموں کی تجارت عموماً اور قطعاً موقوف ہو دونوں ہوس یعنی ہوس آف [illegible] اور ہوس آف لارڈز نے اس قانون کو پسند کیا اور پچیسویں [illegible] سنہ ۱۸۰۷ع کو اُس قانون کی نسبت شاہی منظوری حاصل ہوئی *

لیکن تعجب کی بات ہی کہ جس ٹکڑہ زمین پر ایسے فیاض اور عالی ہمت لوگ رہتے تھے جنہوں نے اِس رسم بد کی موقوفی پر بےانتہا کوششیں کیں وہاں کمینہ طبیعت کے لوگ بھی موجود تھے اور اُنہوں نے غلاموں کی تجارت کو نچھوڑا اور اسپین اور پورچگیز کے جھنڈوں کی آڑ میں اُنکی تجارت کرتے تھے اور پھر کثرت سے غلام جہازوں میں بھرنے لگے اور جب کوئی جہاز اُنکی تلاشی کو جاتا تو جھٹپٹ غلاموں کو جہاز پر سے دریا میں پھینک دیتے تھے اور جو جرمانہ کہ اُس قانون میں غلاموں کی خرید فروخت کرنے پر تھا وہ اس رسم بد کے بند کرنے کو کافی نہ تھا اسلیئے فیاض دل اور انسان دوست بلکہ انسانیت مجسم مسٹر بروہم صاحب نے سنہ ۱۸۱۱ع میں ایک مسودہ قانون پیش کیا جو بالاتفاق سب کے منظور ہوگیا اور جس میں یہہ بات قرار پائی کہ تجارت غلاموں کی جرم کبیرہ ہی جسکی سزا چودہ برس کی قید معہ جلاوطنی یا تین برس سے پانچ برس تک کی قید معہ مشقت شاقہ دی جاویگی *

سنہ ۱۸۲۴ع میں ایک اور ایکٹ جاری ہوا جس میں غلاموں کی تجارت جرم بحری ڈکیتی قرار پایا جو نہایت سنگین جرم ہی اور پھر سنہ ۱۸۳۷ع میں اُسکی ترمیم ایک ضابطہ فوجداری کے نفاذ سے ہوئی اور تجارت غلامی کی سزا حبس دوام معہ جلاوطنی قرار دی گئی *

[illegible] بڑی کوششوں کے بعد انگریزوں کی عملداری میں سے غلاموں کی تجارت اُٹھہ گئی اور اُسی کے ساتھہ ایمریکا کے یونیٹڈاسٹیٹ سے بھی موقوف ہوئی اور رفتہ رفتہ جنوبی ایمریکا کی جمہوری سلطنتی مقام ونزیلہ و چلی و بونس ایرز اور سوئیڈن اور ڈنمارک اور ہالنڈ سے بھی موقوف ہوئی انگریزوں کی اس فیاضی کو دیکھہ کر یوروپ کی اور سلطنتوں کو بھی اس بد تجارت کے اُٹھادینے کی ترغیب ہوئی اور اُسکے لیئے قانون بنائے گئے اور عہدنامے کیئے گئے چنانچہ سنہ ۱۸۱۵ع و سنہ ۱۸۱۷ع میں پورچگیز اور اسپین کی سلطنت نے بھی اسپر اپنی رضامندی ظاہر کی اور سنہ ۱۸۲۶ع میں برزیل نے قبول کیا کہ بعد سنہ ۱۸۳۰ع کے اگر غلاموں کی تجارت اُس ملک میں ہو تو ڈکیتی بحری کا جرم سمجھا جاوے اور سنہ ۱۸۳۱ع و سنہ ۱۸۳۳ع میں جو عہدنامہ فرانس سے ہوا اور جسکو تریبا اب یوروپ کی بحری سلطنتوں نے منظور کرلیا اُس سے استحقاق سمندر میں جہازوں کی تلاشی کا واسطے بند کرنے غلامی کی تجارت کے حاصل ہوا اور پھر انٹیریل عہدنامہ کے مطابق جو سنہ ۱۸۴۱ع میں ہوا اُس عہدنامہ کو یوروپ کی پانچ اعلی سلطنتوں میں وسعت دی گئی پھر آشبرٹن کے عہدنامہ سے جو سنہ ۱۸۴۲ع میں یونیٹڈاسٹیٹ سے ہوا کچھہ فوج مشترکہ افریقہ کے کنارہ پر واسطے موقوفی تجارت غلاموں کے قایم ہوئی پھر سنہ ۱۸۴۵ع میں فوج مشترکہ انگلستان اور فرانس کو استحقاق تلاشی غلامان حاصل ہوا *

فیاض اور عالی حوصلہ اور نیک دل انگریزوں کو یہہ خیال بھی تھا کہ موجودہ غلام بھی آزاد کیئے جاویں اسبات کے لیئے سوسئیٹیاں بھی بنیں اور ہوس آف کامنز میں بحث بھی ہوا کی آخر کار سنہ ۱۸۳۳ع میں مسٹر اسٹینلی صاحب نے جو اُس زمانہ میں نو آبادیوں کے وزیر تھے غلاموں کی آزادی کے لیئے قانون کا مسودہ پیش کیا اور ہوس آف کامنز اور ہوس آف لارڈ میں منظور ہوا اور ۲۸ اگست سنہ ۱۸۳۳ع کو بادشاہی منظوری حاصل ہوئی اور بیس کرور یونڈ یعنی دو پدم روپیہ غلاموں کے مالکوں کو بطور معاوضہ نقصان دیا گیا مگر خیال کرنا چاہیئے کہ یہہ روپیہ کہاں سے آیا تھا یہہ روپیہ اُسی ملک کی رعایا نے دیا تھا جس ملک کو ہم کہتے ہیں کہ تہذیب و شایستگی میں اپنا نظیر نہیں رکھتا سنہ ۱۸۴۸ع میں فرنچ نے بھی اپنے حبشی غلاموں کو آزاد کردیا اور سنہ ۱۸۶۳ع میں ڈچ کے غلام آزاد ہوئے اور شمالی اور جنوبی ایمریکا میں جو لڑائی غلاموں کی آزادی کے لیئے ہوئی وہ ابھی تک دنیا کی آنکھوں سے مخفی نہیں ہوئی ہی *

انگریزوں کی کوششیں جو غلامی کے بند کرنے میں ہوئیں اُنکے ہم دل سے ثناخواں ہیں اور اسبات کو بھی قبول کرتے ہیں کہ ہندوستان میں بھی انگلش گورنمنٹ نے غلاموں کی تجارت بالکل موقوف کردی اور بردہ فروشی بھی بند ہوئی مگر ہم دل سے گورنمنٹ کی کارروائی کی جو ہندوستان میں غلامی کی نسبت ہوئی ہی ثناخواں نہیں ہیں ہم کو ظن غالب ہی کہ ہندوستان میں درمیان ہندوستانی عملداریوں کی بردہ فروشی جاری ہی اور گورنمنٹ کچھہ کافی تدبیر اُس کے لیئے نہیں کرتی بعضی دفعہ ہم کو خود انگریزی عملداری میں بردہ فروشی ہونے یا اونتہی اور غلام لانے کا شبہہ پیدا ہوتا ہی جبکہ

ھم کسبیوں کے ھاں نئي نئي دوخترون کا اور ھیجڑوں کے ھاں نئے نئے چیلوں کا اور نوابوں کے ھاں نئے نئے خواجہ سراؤں کا آنا سنتے ھیں ھم سچ کہتے ھیں کہ ان سب باتوں کا گناہ اب تک انگریزي گورنمنت کے جو پر ھی موجودہ قانون ان امورات کے تدارک کے لیئے کافي نہیں ھیں مگر اُمید ھی کہ کسي دن یہہ رسم بد ھندوستان سے بالکل موقوف ھو گي *

یہہ سب تو ھمنے کہا مگر ھم کو دیکھنا چاھیئے کہ مسلمان گورنمنٹوں نے اس باب میں کیا عزت کمائي ھی ھماري راے یہہ ھی کہ اِس معاملہ میں دین و دنیا دونوں کا خسران مسلمان گورنمنٹوں کو نصیب ھی اب بھر مسلمان گورنمنٹوں کے اَوْر کہیں غلاموں کي تجارت جاري نہیں ھی ھم نے جو دین و دنیا دونوں کا خسران مسلمان گورنمنٹوں کي نسبت منسوب کیا اس کي وجہہ یہہ ھی کہ مذھب اسلام کے مطابق غلاموں کي تجارت اور بردہ فروشي جایز نہیں ھی ایک تو یہہ گناہ ھی اور دوسرا گناہ عظیم یہہ ھی کہ غیر قومیں اسلام پر طعنہ مارتي ھیں اور حقارت کي نظر سے دیکھتي ھیں کیونکہ وہ ان مسلمان گورنمنٹوں کے افعال سے یہہ غلط نتیجہ نکالتي ھیں کہ مسلماني مذھب میں یہہ باتیں جایز ھیں سلطان روم نے درباب بند کرنے تجارت غلاموں کے کوشش کي ھی اور جہاں تک کہ اُن کي عملداري یورپ کے ٹکڑے میں ھی وھاں کسي قدر وہ کوشش موثر بھي ھوئي ھی مگر اُس کے سوا کچھہ کارگر نہیں ھوئي کیا افسوس اور شرمندگي کي بات ھی جب یہہ کہا جاتا ھی کہ عرب میں گاے بیل کي مانند نہایت بے رحمي سے لونڈي غلام بازار میں بکتے ھیں دیکھو غلط اوھام مذھبي میں پڑنا اور بیجا رسم کي تقلید کرنا انسان کو ایسا اندھا کردیتا ھی کہ سلطان سے ایسي رسم قدیم کا جس کے نا جایز اور خلاف شرع ھونے پر علماء اور قضات پایہ تخت نے فتوی بھي دیا ھی کچھہ انتظام نہیں ھوسکتا اور اس فعل نا شایستہ سے دنیا میں جو ذلت اور حقارت اور وحشي اور نصف وحشي کا لقب ھی وہ تو خود ھي ظاھر ھی پس مسلمان گورنمنٹوں کو اس فعل کے سبب ھماري ملامت کرنا اور خسرالدنیا و الاخرۃ کہنا کچھہ خلاف نہیں ھی *

مگر مصر کا حال سنکر ھمارا دل تھوڑا سا خوش ھوتا ھی ولیم ھورڈ رسل صاحب جو نہایت نامي گرامي ھیں اپنے روزنامچہ میں اسمعیل پاشا خدیو مصر کي بڑي تعریف کرتے ھیں اور لکھتے ھیں کہ اُس نے اس نیکي کے حاصل کرنے اور رسم بد کے موقوف کرنے میں بڑي کوشش کي ھی اور کسي قدر کامیاب بھي ھوا ھی اگر یہہ بات سچ ھی تو ھم بھي دل سے اسمعیل پاشا کي خیر [illegible] اور دعا دیتے ھیں اور شکر کرتے ھیں مگر ھم نے جو ٹھنڈے دل سے یہہ دعا دي اُس کا سبب یہہ ھی کہ ھمنے خود مصر میں دیکھا ھی کہ حبشي غلام خواجہ سرا نہایت کثرت سے ھیں اور خود اسمعیل پاشا کے محل میں موجود ھیں پس یہہ کیا خدا کي دوھري لعنت یعني ایک غلامي اور دوسرے خوجہ کرنا مصر والوں کي سیاہ روي اور پورے وحشي ھونے کے لیئے کم ھی افسوس کہ ان ناخدا ترس مسلمانوں نے اپنے افعال قبیحہ سے کیسے روشن مذھب اسلام کو بدنام کیا ھی اور دھبہ لگایا ھی سبحان اللہ جو فعل مبغوض رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم تھا اُسي قسم کے لوگ یعني خواجہ سرا روضہ متبرکہ رسالت مآب علی صاحبہاالصلوۃ والسلام پر اور خانہ کعبہ پر متعین کیئے گئے ھیں اور یہہ ھیئہ کے بھوڑے مسلمان اُس کو باعث افتخار جانتے ھیں اور اُس کے مخالف کو لامذھب یا کرسٹان بتاتے ھیں فاعتبروا یا اولی الابصار *

اگرچہ مسٹر رسل صاحب کي کتاب متعلق غلامي مصر پڑہ کر ھمارا جي خوش ھوا مگر جس لفظ نے ھمارے دل کو نہایت رنجیدہ کیا اُس کا بیان کرنا بھي ھمکو ضرور ھی اور وہ یہہ ھی کہ جہاں اُنہوں نے اسمعیل پاشا کے اس نیک کام کي تعریف لکھي ھی وھاں یہہ بھي لکھا ھی کہ اُس نے برخلاف اپنے مذھب و ایمان کے یہہ نیک کام کیا ھی اس تحریر پر ھم کچھہ مسٹر رسل صاحب سے ناراض نہیں ھوئے اُنہوں نے ٹھیک لکھا ھی مگر اُن کافر مسلمانوں سے ناراض ھوئے جنہوں نے اپنے افعال نا شایستہ کو ایسے طور پر رواج دیا ھی جس کے سبب غیر قومیں اُن افعال کو مذھبي اور ایماني افعال سمجھتي ھیں اور مذھب اسلام کو حقارت سے دیکھتي ھیں اور سمجھتي ھیں کہ تہذیب اور شایستگي اور انسانیت مذھب اسلام کے ساتھہ جمع نہیں ھوسکتي پس ھم نے یہہ مضمون اسي لیئے اختیار کیا ھی تاکہ ھم دکھائیں کہ مذھب اسلام نے غلاموں اور غلامي کي نسبت کیا کیا ھی اور کس طرح رحم اور انسانیت اور تہذیب کو اعلے درجہ تک پہونچایا ھی چنانچہ انشاءاللہ تعالے ھم دوسرے آرٹکل میں جو غلامي پر لکھینگے اُس میں مذھب اسلام کے مطابق مضمون غلامي پر بحث کرینگے اور اسلام کي روشني (مگر نہ زید و عمرو کي) دنیا کي آنکھہ میں دکھاوینگے — من او را دوست میدارم و دیگران زید و عمرو را *

راقم
سید احمد

نمبر ۳۱

عورتوں کے حقوق

تربیت یافتہ ملک اسبات پر بہت غل مچاتے ہیں کہ عورت اور مرد دونوں باعتبار آفرینش کے مساوی ہیں اور دونوں برابر حق رکھتے ہیں کوئی وجہہ نہیں ہی کہ عورتوں کو مردوں سے کم اور حقیر سمجھا جاوے اگر تمثیلاً کہا جاوے کہ عورت انسان کے لیئے بمنزلہ بائیں ہاتھہ کے ہی اور مرد بمنزلہ دائیں ہاتھہ کے یا قدر و قیمت میں عورت بمنزلہ سولہ آنے کے ہی اور مرد بمنزلہ روپیہ کے تو بھی وہو راضی نہیں ہوتے با اینہمہ ہم دیکھتے ہیں کہ جسقدر قدر و منزلت عورتوں کی مذہب اسلام میں کی گئی ہی اور اُن کے حقوق اور اُن کے اختیارات کو مردوں کے برابر کیا گیا ہی اُسقدر آج تک کسی تربیت یافتہ ملک میں نہیں ہی انگلنڈ جو عورتوں کی ازادی کی بڑی حامی کار ہی جب اُس کے قانون پر جو عورتوں کے باب میں ہی نظر کی جاتی ہی تو معلوم ہوتا ہی کہ اُن لوگوں نے عورتوں کو نہایت حقیر اور لایعقل اور لاشی سمجھا ہی *

انگلنڈ کے قانون کے بموجب عورت شادی کرنے کے بعد معدوم الوجود متصور ہوتی ہی اور ذات شوہر سے مبدل ہوجاتی ہی *

وہ کسی قسم کے معاہدہ کی صلاحیت نہیں رکھتی اور اسلیئے وہ کسی دستاویز کی جو اُسنے خود اپنی مرضی سے بلا شوہر کی مرضی کے لکھی ہو ذمہدار نہیں ہوسکتی *

جو ذاتی اسباب اور مال و نقد و جائداد قبل شادی عورت کی ملک ہو وہ سب بعد شادی کے بقبضہ شوہر آجاتی ہی *

جو جائداد کہ عورت کو وراثتاً قبل شادی کے یا بعد شادی کے ملی ہو اُس سب پر اُسکا شوہر تاحین حیات قابض ہوجاتا ہی اور وہی اُسکا محاصل لیتا ہی *

وہ مثل لایعقل شخص کے نہ کسی پر دعوی کرسکتی ہی اور نہ اُسپر کوئی دعوی رجوع کرسکتا ہی *

وہ بلا اجازت شوہر کے کوئی اسباب نہیں خرید سکتی اور کوئی چیز بیع نہیں کرسکتی *

وہ بجز روٹی کھانے اور کپڑا پہننے اور ایک مکان میں رہنے کے خرچ کے جو ضروریات زندگی کے لیئے درکار ہی اور کوئی خرچ بغیر مرضی شوہر کے نہیں کرسکتی *

سنہ ۱۸۷۰ ع میں پارلیمنٹ میں منکوحہ عورتوں کی جائداد کا ایک بل پیش ہوا تھا اُس میں صرف یہہ بات چاہی گئی تھی کہ وہ قانون جسکے ذریعہ سے بعد شادی کے عورت اپنی جایداد سے محروم ہوجاتی ہی منسوخ کیا جاوے *

انریبل مسٹر رسل گرنی ممبر پارلیمنٹ نے یہہ مسودہ قانون کا پیش کیا تھا اُس وقت اُنھوں نے نہایت لطیف بات یہہ کہی تھی کہ حال کے قانون کے بموجب جو کچھہ جایداد عورت کے پاس قبل شادی ہوتی ہی اور بعد شادی ملتی ہی اور جو کچھہ کہ وہ اپنی محنت و لیاقت سے کماتی ہی بعد شادی کے وہ اُس کا نہیں رہتا سب پر شوہر مالک ہوجاتا ہی پس شادی کا اثر اُس عورت پر ایسا ہوتا ہی جیساکہ کسی جرم قابل ضبطی جایداد کا اثر ہوتا ہی *

اِس گفتگو پر تمام ہوس آف کامنز ہنس پڑا اُور اکثر ممبروں نے آنریبل مسٹر رسل گرنی کی تائید کی پس انگلستان کے قانون کا عورتوں کی نسبت یہہ حال ہی اور غالباً کوئی قانون اِس سے زیادہ خراب اور مضرت رساں اور ناانصاف نہوگا *

ذکر مسلمانی قانون کا نسبت عورتوں کے

اب خیال کرو کہ مسلمانی قانون میں عورتوں کو کس طرح عزت دی گئی ہی اور مردوں کی برابر اُنکے حقوق اور اختیار تسلیم کیئے گئے ہیں *

حالت نابالغی میں جس طرح مرد اُسی طرح عورت بے اختیار اور ناقابل معاہدہ متصور ہی الا بعد بلوغ وہ بالکل مثل مرد کے مختار اور ہر ایک معاہدہ کے لایق ہی *

جس طرح مرد اُسی طرح عورت اپنی شادی کرنے میں مختار ہیں جس طرح کہ مرد کی بے رضامندی نکاح نہیں ہوسکتا اسی طرح عورت کی بلا رضامندی نکاح نہیں ہوسکتا *

وہ اپنی تمام ذاتی جائداد کی خود مالک اور مختار ہی اور ہر طرح اُس میں تصرف کرنے کا اُسکو اختیار کامل حاصل ہی *

وہ مثل مرد کے ہر قسم کے معاہدہ کی صلاحیت رکھتی ہی اور اُسکی ذات اور اُسکی جائداد اُن معاہدوں اور دستاویزوں کی بابت جوابدہ ہی جو اُسنے تحریر کی ہوں *

جو جائداد قبل شادی اور بعد شادی اُسکی ملکیت میں آئی ہو وہ خود اُسکی مالک ہی اور خود اُسکے محاصل کی لینے والی ہی *

وہ مثل مرد کے دعوی بھي کرسکتي هی اور اُسپر بھي دعوی هی *

وہ اپنے مال سے هر ایک چیز خرید سکتي هی اور جو چاهے اُسکو بیع کرتي هی وہ مثل مرد کے هر قسم کي جائداد کو هبہ اور وصیت اور وقف کرسکتي هی *

وہ رشتہداروں اور شوهر کي جائداد میں سے بہ ترتیب وراثت ورثہ پاسکتي هی *

وہ تمام مذهبي نیکیوں کو جو مرد حاصل کرسکتا هی حاصل کرسکتي هی *

وہ تمام گناهوں کے عوض میں دنیا اور آخرت میں وهي سزائیں پاسکتي هی جو مرد پاسکتا هی *

کوئي قید خاص عورت پر بجز اُسکے جو خود اُس نے بسبب معاهدہ نکاح کے اپنے پر قبول کي هیں یا اُس تفاوت ستر عورت میں جو نیچر یعني قدرت نے دونوں میں مختلف طور سے بنایا هی ایسي نہیں هی جو مرد پر نہو پس حقیقت میں مذهب اسلام میں جسطرح کہ عورت و مرد کو برابر سمجھا هی ویسا نہ کسي مذهب میں هی اور نہ کسي قوم کے قانون میں هی *

مگر تعجب اور کمال تعجب اِسبات میں هی کہ تمام تربیت یافتہ ملک مسلمانوں کي عورتوں کي جو حالت هی اُسپر بہت کچھہ نام رکھتے هیں اور اِسمیں کچھہ شک نہیں کہ تربیت یافتہ ملک کي عورتوں کي حالت مسلمانوں اور مسلمان ملک کي عورتوں کي حالت سے بدرجہا بہتر هی حالانکہ معاملہ بالعکس هونا چاهیئے تها *

عورتوں کي حالت کي بہتري جو تربیت یافتہ ملکوں میں همنے تسلیم کي هی اُس میں کچھہ یهي خیال همنے بے پردگي کي آزادي کا نہیں کیا هی کیونکہ هماري راے میں هندوستان میں اِسباب میں جسقدر کہ تفریط هی اُسیقدر تربیت یافتہ ملکوں میں افراط هی اور جو حد کہ شرع نے مقرر کي هی اور جہاں تک کہ انسان اُس پر غور کرسکتا هی اور اپني عقل کو کام میں لاسکتا هی بلاشبہہ وهي حد نہایت درست اور ٹهیک معلوم هوتي هی اس مقام پر جو همکو بحث هی وہ صرف مردوں کے عورتوں کے ساتھہ حسن سلوک اور حسن معاشرت اور تواضع اور خاطر داري اور محبت اور پاس خاطر اور اُنکي آسایش اور آرام اور خوشي اور فرحت کي طرف متوجہہ هونا اور اُن کو هر طرح پر خوش رکھنا اور بعوض اس کے کہ عورتوں کو اپنا خدمت گذار تصور کریں اُنکو اپنا انیس اور جلیس اور رنج و راحت کا شریک اور اپنے کو اُن کي اور اُنکو اپني باعث مسرت اور تفریح کے سمجھنے پر بحث هی بلاشبہہ جہانتک کہ همکو معلوم هی تربیت یافتہ ملکوں میں عورتوں کے ساتھہ یہہ تمام مراتب بخوبي برتے جاتے هیں اور مسلمان ملکوں میں ویسے نہیں برتے جاتے اور هندوستان میں تو ایسي نالایقي اور خاک اُڑتي هی کہ نعوذ باللہ منها *

جو لوگ کہ ان خرابیوں کو مذهب اسلام کي طرف نسبت کرتے هیں یقیني اُن کي غلطي هی بلکہ هندوستان میں جسقدر کہ عورتوں کي حالت میں تنزل هی صرف اُس کا باعث احکام مذهب اسلام کي بخوبي پابندي نکرنا هی اگر اُنکي پابندي کیجاوے تو بلاشبہہ یہہ تمام خرابیاں دور هوجاویں مجهنا بڑا باعث اسکا اُن سولیزڈ یعني نا مهذب هونا مسلمانوں کا هی مهذب قوموں نے باوجودیکہ اُن کے هاں کا قانون نسبت عورتوں کے نہایت هي ناقص اور خراب تها اپني عورتوں کي حالت کو نہایت اعلی درجہ کي ترقي پر پہنچایا هی اور مسلمانوں نے باوجودیکہ اُن کا مذهبي قانون نسبت عورتوں کے اور اُن کي حالت کي بہتري کے تمام دنیا کے قانون سے بہتر اور عمدہ تها مگر اُنهوں نے اپنے نا مهذب هونے سے ایسا خراب برتاؤ عورتوں کے ساتھہ اختیار کیا هی جسکے سبب تمام قومیں اُن کي حالت پر هنستي هیں اور هماري ذاتي برائیوں کے سبب اُس وجہہ سے کہ قوم کي قوم ایک حالت پر هی الا ما شاء اللہ اُس قوم کے مذهب پر عیب لگاتي هیں پس اب یہہ زمانہ نہیں هی کہ هم ان باتوں کي غیرت نکریں اور اپنے چال چلن کو درست نکریں اور جیسا کہ مذهب اسلام روشن هی خود اپنے چال چلن سے اُس کي روشني کا ثبوت لوگوں کو نہ دکھلاویں *

بمقام علیگڈھ ـــــ مطبع علیگڈھ انسٹیٹیوٹ میں چھپا اور باهتمام
منشي محمد مشتاق حسین شایع هوا

THE MOHAMMEDAN SOCIAL REFORMER

تهذيب الاخلاق

جلد دوم] یکم جمادي الثاني سنه ۱۲۸۸ هجري [نمبر 9

بسم الله الرحمن الرحيم

اطلاع

جسقدر روپیه بابت اس پرچه کے بطور چندہ خواہ بطور قیمت وصول هو وہ کسي خاص شخص کي ملکیت نهوگا بلکه اس پرچه کے اجرا و ترقي میں صرف کیا جاویگا *

مسلمانوں میں سے جو شخص ساتهه روپیه سالانه پیشگي بطور چندہ دے وہ اس پرچه کے متعلق معاملات میں ممبر متصور هوگا *

علاوہ اس کے جو شخص کچهه روپیه بطور ڈونیشن دے وہ بشکر گذاري تمام لیا جاویگا *

یهه پرچه هر مهینے میں ایک بار یا دوبار یا تین بار جیسا که مقتضاے مضامین هوگا چهپا کریگا خریداروں کو تین روپیه قیمت اور ایکروپیه آٹهه آنه محصول جمله چار روپیه آٹهه آنه پیشگي بهیجنے هونگے *

اگر کوئي شخص کوئي خاص پرچه خریدنا چاهے گا اُس کو فی پرچه چار آنه قیمت اور ایک آنه محصول دینا هوگا *

ممبروں کو بلا قیمت یهه پرچه ملیگا اور اُن کو اُس کے تقسیم کا بهي بلا قیمت جسکو وہ چاهیں اختیار هوگا *

اس پرچه میں بجز مضامین متعلق تهذیب اخلاق و حسن معاشرت کے جهاں تک که وہ مسلمانوں سے متعلق هیں اور کچهه مندرج نهوگا *

مضمون نمبر ۴۲

مصلحان معاشرت مسلمانان

هم سے پهلے بهي ایسے لوگ گذرے هیں جنهوں نے مسلمانوں کي طرز معاشرت و طریقه تمدن میں ترقي کرنے کي کوشش کي هے اور اپني کوششوں میں کامیاب بهي هوئے هیں اُن کا کچهه مختصر حال لکهنا مسلمانوں کي واقفیت کے لیئے بهتر هوگا *

اول

سلطان محمود خان مرحوم سلطان روم

یهه بادشاہ سنه ۱۸۰۳ع میں تخت پر بیٹها اور سنه ۱۸۳۹ع میں فوت هوا *

هماري راے میں مسلمانوں میں سب سے اول یهه سلطان هے جسنے مسلمانوں کے اخلاق اور طریق معاشرت میں تهذیب شروع کي تعصبات مذهبي کو جو درحقیقت اخلاق محمدي کے برخلاف تهے بالکل چهوڑ دیا اپني تمام مختلف مذهب کي رعایا کو اجازت دي که مطابق اپنے مذهب کے اپني اپني رسومات مذهبي ادا کریں خود عیسائي گرجاؤں کي جو اُسکے

...ں کی مرمت کرادی جب کہ اُس نے رفاہ عام کے کاموں میں ...یک لاکھ پیاستر (یہہ ایک ترکی سکہ چاندی کا ہی) بانٹے تو گریک اور ارمنی گرجوں کو بھی برابر حصہ دیا *

اپنے ملک میں اسکول مقرر کیئے اور کل مذہب کے لوگوں یہودی عیسائی مسلمان سب کو برابر بلا تعصب تعلیم دینی شروع کی *

سیتلا کی بیماری موقوف ہونے کے لیئے ٹیکا لگانے کا نہایت خوبی سے رواج دیا شفا خانے مقرر کیئے جسمیں فرنچ ڈاکٹر کام کرتے تھے ڈاکٹر ڈس کالیر صاحب لکچر دیا کرتے تھے اور سلطانی حکیموں کو حکم تھا کہ وہ بھی اُن کا لکچر سننے کو حاضر ہوا کریں *

سنہ ۱۸۳۰ع میں اِس سلطان نے غلامی کے رواج کو جو محض خلاف شرع جاری تھا موقوف کردیا اور تمام گریک کو جو بطور غلامی پکڑے گئے تھے چھوڑدیا اور غلام آزاد کردیئے کیونکہ قران مجید کے احکام کے مطابق اور خصوصاً آیت انما المومنون اخوۃ فاصلحوا بین اخویکم اور آیت فاما مناً بعد و اما فداء کے حکم کے مطابق کوئی شخص کسیکا غلام نہیں ہوسکتا *

اسی بادشاہ کے عہد میں ترکی زبان میں اخبار شروع ہوا اور پانچویں نومبر سنہ ۱۸۳۱ع کو پہلا اخبار چھپا جسکا نام تقویم وقایع رکھا گیا تھا *

ترک ایسے جاہل اور بیجا تعصب مذہبی میں مبتلا تھے کہ علم تشریح انسان سیکھنے کو بھی تصویر کا بنانا جائز نہ سمجھتے تھے سلطان نے خود اپنی تصویر بنوائی اور سرجری اسکول قایم کیا جو دوسری جنوری سنہ ۱۸۳۲ع کو کھولا گیا تھا اور حکم دیا کہ کتب تشریح معہ تصاویر تصنیف کی جاویں اور چھاپی جاویں اور پڑھائی جاویں *

اِس سلطان نے ترکوں کا لباس اور طریق زندگی درست کرنے میں بڑی کوشش کی وہ خوب جانتا تھا کہ مہذب قوموں کے سامنے عزت حاصل کرنی اور حقارت سے نکلنا اور برابر کی ملاقات اور دوستی رکھنی بغیر اس کے کہ لباس اور طریقہ زندگی نہ درست کیا جاوے بالکل نا ممکن ہی *

اُس نے دفعتاً اپنی سپاہ کی وردی بدل دی اور بالکل انگریزوں کی سی کردی صرف ٹوپی کا فرق تھا ڈاکٹر ولش صاحب لکھتے ہیں کہ ترکی کی زمین پر قدم رکھتے ہی پہلی چیز جو میںنے دیکھی اور جس نے مجھکو حیران کردیا وہ تعلیم یافتہ اور خوبصورت وردی پہنی ہوئی شکل سپاہیوں کی تھی اور افسر فوج کے ولنگٹن کوٹ اور پتلون اور بوٹ پہنے ہوئے تھے *

اِس سلطان نے خود بھی ترکی لباس اور دسترخوان پر یا پائیدار خوان پر کھانا رکھکر ہاتھہ سے کھانا ترک کردیا اور لباس میں کوٹ پتلون اور سرخ ٹوپی جو فیس کہلاتی ہی پہننی شروع کی *

میز و کرسی پر چمچہ اور چھری اور کانٹے سے کھانا شروع کیا ڈاکٹر ولش صاحب نے سلطان محمود کو دیکھا تھا وہ لکھتے ہیں کہ سلطان کی یورپین پوشاک اور یورپین طریقہ تناول طعام اور خوبی اوصاف اور شایستگی عادات میں اَور ترکوں کی قدیم جہالت اور ناشایستگی میں آسمان و زمین کا فرق ہی *

اِس بادشاہ نے جو نصیحت اور تدبیر مملکت اپنے جانشین کے لیئے چھوڑی تھی وہ یہہ ہی کہ سب کو برابر پناہ اور حقوق ہوں مسلمان پہچانے جاویں اور لوگوں سے صرف مسجدوں میں اور عیسائی صرف گرجاؤں میں اور یہودی صرف سنیگا میں *

یہہ تھے اصلی اصول اسلام کے جنپر سلطان محمود نے عمل کرنا شروع کیا تھا اور ہم ہندوستان کے عالموں سے یہہ بھی کہتے ہیں کہ سلطان نے یہہ سب کام علماء پایہ تخت کے فتووں سے کیئے تھے مگر وہ لوگ ہندوستان کے لوگوں کی طرح جاہل اور متعصب نہ تھے اِس سلطان کی پورے قد کی تصویر موشے وارسیل کے محل میں دیکھی تھی جو پیرس دارالسلطنت فرانس میں ہی اُس کو یورپین لباس اور سرخ ٹوپی نہایت ہی سوہاتی تھی خدا اُس پر رحمت کرے کہ اُس نے مسلمانوں کو مہذب و شایستہ بنانے کے لیئے سب سے اول کوشش کی *

دوم

سلطان عبدالمجید خان مرحوم سلطان روم

یہہ سلطان پہلی جولائی سنہ ۱۸۳۹ ع کو تخت پر بیٹھا اور سنہ ۱۸۶۲ ع میں فوت ہوا *

اِس سلطان نے بالکل سلطان محمود کے طریقہ کی پیروی کی یورپین کوٹ و پتلون اور تمام یورپین لباس پہنتا تھا صرف ٹوپی سرخ ترکی کی ہوتی تھی میز پر چھری کانٹے چمچے سے کھانا کھاتا تھا اور تمام تعصبات کو جو مذہب اسلام کی رو سے لغو تھے چھوڑدیا تھا ... روز بروز عیسائی قوموں سے محبت اور دوستی بڑھاتا جاتا تھا *

سب سے اول اور عمدہ کام جو اِس بادشاہ سے بن آیا اور جسکے سبب مسلمان ہمیشہ اُس کے احسانمند رہینگے تمام یورپ کی اعلی سلطنتوں سے اور بخصوص انگریزوں سے خالص محبت اور اخلاص پیدا کرنا تھا جسکے سبب سلطنت روم کی منجملہ یورپ کی سلطنتوں کے شمار ہوئی اور جو عہد نامہ سنہ ۱۸۴۰ ع میں یورپ کی سلطنتوں میں ہوا اُس عہدنامہ میں یہہ مسلمانی سلطنت بھی شامل ہوئی جس...

يهه هوا كه كريميا كي لڑائي ميں جو إس بادشاه سے اور روسيوں هوئي تهي انگريز اور فرنچ نے سلطان كي مدد كي اور إس مسلماني سلطنت كو بچايا ورنه آج دنيا ميں مسلماني سلطنت كا نام بهي نهوتا پس حقيقت ميں تمام دنيا كے مسلمانوں پر انگريزوں اور اور فرنچوں كا مگر بالتخصيص انگريزوں كا اسقدر احسان هى كه جب تك مسلماني سلطنت قايم هى بلكه جب تك مسلمان دنيا ميں هيں أسكے شكر اور مراسم احسانمندي كو ادا نهيں كرسكينگے *

سلطان كي خوش قسمتي سے سلطان كو ايک نهايت لايق اور جامع جميع صفات وزير هاتهه آيا تها جسكا نام رشيد پاشا تها اگر هم سلطان عبدالمجيد خاں كے ادب كا پاس نكرتے تو أن لوگوں كي فهرست ميں جنهوں نے مسلمانوں كے حالت معاشرت ميں اصلاح و ترقي كي سلطان محمود خاں كے بعد رشيد پاشا كا نام نامي اور لقب گرامي لكهتے أسنے تركوں كے تمام لغو اور بيهوده تعصبات كو جنكو أنهوں نے غلط دينداري كے رنگ ميں رنگا تها اور جو در اصل مذهب اسلام سے كچهه علاقه نهيں ركهتے تهے اور جو در حقيقت مسلمانوں كے تربيت يافته اور مهذب هونے كے مانع تهے بخوبي غور كيا اور قران مجيد كے استدلال اور سند سے اور نه زيد و عمرو كي تقليد سے أن تمام تعصبات كي ترديد كي اور يورپ كے طريقوں كے اختيار كرنے كا جواز لكها اور سلطان عبدالمجيد خاں نے أسكو پسند كيا اور تمام علماء اور مسلمانوں ميں اور تمام رعايا ميں أسكے مشتهر كرنے كا حكم ديا چنانچه وه تمام تحرير بطور فرمان لكهي گئي جو تركي زبان ميں " خط شريف " كے نام سے ملقب هى *

٢ نومبر سنه ١٨٣١ ع كو ايک بهت بڑے عاليشان مكان ميں خود سلطان اور أسكے تمام وزراء اور علماء اور سول و فوج كے افسر اور تمام سلطنتوں كے سفير جو انباسڈر كهلاتے هيں اور شيخ و مشايخ كبار اور هر درجه كے امام اور گريک اور ارمني چرچ كے بشپ جو پيٹر يارک كهلاتے هيں اور علماء يهود جو ربي كهلاتے هيں اور تمام اهل حل و عقد جمع هوئے اور رشيد پاشا نے وه خط شريف پڑها اور سب نے آمنا و صدقنا كها يهه دن سلطان عبدالمجيد خاں كي سلطنت ميں ايسا مبارک دن تها جس پر سے هزار عيد قربان هوني چاهيئيں يهه دن نهيں تها بلكه مسلمانوں كي قوم كي جان تها اور حقيقت ميں رشيد پاشا مسلمانوں كي قوم كي زندگي كا سبب تها خدا أس پر رحمت كرے *

سلطان عبدالمجيد خاں نے جو إس زور شور سے مسلمانوں كے حالت كي بهتري چاهي اور أن كے لغو تعصبات كو جو غلط دينداري كے رنگ ميں رنگے هوئے تهے دفعتا توڑ ديا تو عام جاهل لوگوں اور أن كٹ ملاؤں نے جنكي مثال ايسي تهي كه * چار پائے برو كتابے چند * أنهوں نے بهت غل مچايا اور عوام ميں ايک ناراضي پيدا هوئي اور أسكو كرستان كهنے لگے مگر جب رفته رفته لوگوں كو معلوم هوتا گيا كه سلطان نے كيا كچهه بهلائي اور بهتري اسلام كي اور مسلمانوں كے ساتهه كي هى توسب لوگ دل سے سلطان كو چاهنے لگے *

ايک مورخ لكهتا هى كه ايک دفعه سلطان كوٹ پتلون پهنے هوئے اور لال تركي ٹوپي اوڑهے هوئے گهوڑے پر سوار نماز كے لئيے بايزيد كي مسجد كو جاتا تها رسته ميں عورتوں كے غول نے بادشاه كو گهير ليا اور ديكهكر بهت خوش هوئيں اور آپس ميں كهنے لگيں كه كيا همارا بيٹا خوبصورت نهيں هى اب اسبات سے هر كوئي سمجهه سكتا هى كه سلطان كو كسقدر لوگ عزيز سمجهنے لگے تهے *

إس سلطان نے اپني سلطنت ميں نهايت عمده كام كيئے انگريزوں اور فرنچ سے نهايت استحكام اور سچائي سے دوستي قايم كي عدالتوں كے لئيے قوانين بنائے اور فرانس كے طريقه پر تمام انتظام سلطنت قايم كيا سنه ١٨٣٦ ع ميں پبلک انسٹر كشن كي كونسل بنائي نئي يونيورسٹي قايم كي نارمل اسكول قايم كيئے اور أس كے وقت ميں اتني ترقي هوئي كه قسطنطنيه ميں تيره اخبار فرنچ اور تركي اور گريک زبان ميں چهپنے لگے تهے *

ماشرابي سيني صاحب ايک فرانچ مورخ نے اس سلطان كے زمانه كے حال ميں لكها هى كه ترک نهايت بهادر اور ذهين آدمي هيں اور نهايت ايماندار مسلمان جو نهايت عجيب طرز پر اپنے مذهب كے ذريعه سے اپنے چال چلن درست كرنے پر متوجهه هيں *

سوم

سلطان عبدالعزيز خاں سلطان روم

يهه اس عهد كا بادشاه هى جس كي ذات مبارک سے روم كا تخت سلطنت مزين هى خدا أس كو اور أس كي سلطنت كو سلامت ركهے يهه سلطان بهائي هى سلطان عبدالمجيد خاں كا سنه ١٨٦٢ ع ميں اپنے بهائي كے مرنے كے بعد تخت پر بيٹها *

اس سلطان نے سب سے زيادة مسلمانوں ميں تربيت و شايستگي پهيلانے ميں قدم بڑهايا هى اور انگريزوں اور فرنچ اور آسٹريا سے اؤر بهي زيادة دوستي و اخلاص پيدا كيا هى *

لباس ميں اور طريقه زندگي ميں اپنے سابقين كي صرف پيروي هي نهيں كي بلكه روز بروز أس ميں ترقي كرتا گيا بے تعصبي اور سچي دوستي اور محبت كا جو أس نے فرنچ اور انگريزوں سے پيدا

کي هي سنه ١٨٦٧ ع میں بخوبي ثبوت هوگیا جب که سلطان پیرس دارالسلطنت فرانس میں بطور مهمان کے آیا اور امپرر نپولین کے ساتهه کهانے اور تمام جلسوں میں شریک رها اور وهاں کي سیر و سیاحت کر کر لندن میں صرف دوستي اور اخلاص کے سبب ملکه معظمه وکٹوریا دام ظلها سے ملاقات کو آیا اور کهانوں اور دعوتوں اور جلسوں میں شریک رها *

سب سے زیادہ عزت جو سلطان نے لندن میں کمائي بلکه مسلمانوں کي قوم کو بلکه اُن کے اخلاق مذهبي کو هي وه صرف یاد رکهنا اُس احسان کا تها جو لارڈ پالمرسٹن نے کریمیا کي لڑائي میں ترکوں کو مدد دینے سے کیا تها وه عالي همت فیاض لارڈ جو زمانه جنگ کریمیا میں وزیر اعظم سلطنت ملکه معظمه وکٹوریا کا تها مرگیا تها مگر اُن کي بي بي لیڈي پالمرسٹن زنده تهي سلطان خود لیڈي پالمرسٹن کے پاس اُن کے شوهر عالي وقار کا شکر ادا کرنے گیا اور جتلي بڑي عزت کا یهه کام سلطان سے هوا شاید آینده تمام عمر اُسکو ایسا دوسرا کام کرنا نصیب نهیں هوئیگا *

اس مقام پر هم هندوستان کے مسلمانوں سے سراسٹافرڈ نارتهه کوٹ اُس زمانه کے سکرٹري آف اسٹیٹ فارانڈیا یعني وزیر هندوستان کے اُس احسان کا ضرور ذکر کرینگے که جب سلطان لندن میں تشریف رکهتے تهے تو اُنهوں نے هندوستان کي طرف سے سلطان کو انڈیا آفس میں بلایا اور هماري طرف سے دعوت کي جب میں لندن میں گیا تها تو میں نے انڈیا آفس کے اُس خوبصورت بڑے هال کو جس میں هماري طرف سے سلطان کي دعوت هوئي تهي دیکها تها اور سراسٹافرڈ نارتهه کوٹ کا بهت بهت شکر کیا تها *

پهر اُسي دوستي اور اخلاص کا استحکام سنه ١٨٦٨ ع میں اَور زیاده روشن هوا که پرنس آف ویلز اور پرنسس آف ویلز یعني ولیعهد ملکه معظمه اور ولیعهد بیگم قسطنطنیه میں سلطان کے هاں مهمان تشریف لیگئے اور باهم دوستي اور محبت سے جلسوں اور دعوتوں میں شریک رهے *

اُس کے بعد امپرس آف فرانس یعني فرانس کے بادشاه بیگم سلطان کے هاں مهمان تشریف لیگئیں اور اُسي طرح کهانے اور پینے اور دعوتوں کے جلسے رهے *

پهر امپرر جوزف یعني شهنشاه آسٹریا سلطان کے هاں مهمان تشریف لیگئے اور چونکه سلطان کے ملک کي اور آسٹریا کي حد بالکل پیوسته هي اور جار ملاصق هي اس لیئے سلطان نے حق همسایه کو [illegible] کا ادب بموجب مذهب اسلام زیاده تر هي زیاده عزیز سمجها اور خاص اُسي محل میں جس میں خود رهتا تها اپنے ساتهه شهنشاه آسٹریا کو اُتارا دن رات باهم صحبت رهي کهانے پینے میں شریک رهے سب ایک میز پر بیٹهه کر کهاتے تهے صرف سلطان کا نماز پڑهنا اور شهنشاه آسٹریا کا چرچ میں جانا مسلمان اور عیسائي هونا بتاتا تها اور اس کے سوا کچهه فرق نه تها *

گریک اور ارمني چرچوں کے لیئے بشپ اور پیٹریارک اسي طرح سلطان مقرر کرتا هي جس طرح که اگر خود اُنهي مذهبوں کا کوئي بادشاه هوتا اور وه مقرر کرتا اُس کے هاں تمام عهده دار اعلی سے اعلی بهي بلحاظ مذهب کے عهدوں پر مقرر هیں اور آپس میں ایسا اطمینان اور اعتماد هي که سلطنت کے عهدوں تک جس میں هزاروں راز کي باتیں هوتي هیں عیسائي اور مسلمان سب مقرر هیں یهه کیسي عمده اور خوشي کي بات هي که مسلمان سلطان کي طرف سے دربار حضور ملکه معظمه میں جو سب سے بڑا دربار هي اور سلطان کو سب سے زیاده تعلق اور غرض اُس عالي شان دربار سے هي مسوروس پاشا جو گریک هي انباسڈر یعني سفیر مقرر هي *

ترکوں کي تربیت اور شایستگي اور تهذیب کا اب یهه حال هي که اُن کا تمام لباس کوٹ و پتلون اور قمیص و واسکٹ بالکل یوروپ کي مانند هي ایک قسم کا فراک کوٹ هي جو وه استعمال کرتے هیں اور تمام امراء اور شریف لوگوں کا یهي لباس هي صرف ترکي ٹوپي جدا هي سب نے زمین پر کا بیٹهنا چهوڑدیا هي میز و کرسي پر بیٹهتے هیں میز پر چهري کانٹوں سے کهانا کهاتے هیں اُن کے مکانوں کي آراستگي اور طریقه زندگي بالکل یوروپین کا سا هو گیا هي *

عالي پاشا وزیر سلطنت نهایت عمده انگریزي پڑها هوا هي لندن میں اُس نے تعلیم پائي ترکوں کا لباس نهایت عمده اور خوبصورت هو گیا هي خوش وضع پتلونیں اور پاؤں میں سیاه نفیس انگریزي بوٹ اور سیاه سیاه نفیس بانات کے کوٹ اور سر پر لال ٹوپي جو فیس کهلاتي هي نهایت خوبصورت معلوم هوتي هي صفائي اور نفاست اور آراستگي مکانات بالکل یوروپ کي مانند هي جب وه لوگ اپني همسایه قوموں فرنچ اور انگریزوں میں مل کر بیٹهتے هیں تو همجولي معلوم هوتے هیں اور اُمید هی که روز بروز اَور زیاده مهذب هوتے جاوینگے پس هندوستان کے مسلمانوں سے بهي هم یهي چاهتے هیں که اپنے تعصبات اور خیالات خام کو چهوڑیں اور تربیت اور شایستگي میں قدم بڑهائیں *

والسلام

سید احمد

نمبر ۴۳

غیر مفید تعلیم

جو تعلیم کہ حسب احتیاج وقت نہو [illegible] [illegible] ایک دانشمند آدمی کا قول ہی کہ اگر حسب احتیاج وقت لرکوں کی تعلیم و تربیت نہو تو اُس کا یہہ نتیجہ ہوتا ہی کہ لرک اول مفلس اور محتاج اور پھر نالایق اور کاھل اور پھر خلیلا و خوار اور پھر چور و بدمعاش ھوجاتے ہیں *

پچھلی حالت تو [illegible] تک مسلمانوں کی نہیں پہنچی اگر اسیطرح زمانہ چلا گیا تو بہت [illegible] یہہ نوبت بہی آجاوے مگر اور سب باتیں [illegible] حالتیں ٹھیک ٹھیک پوری ہوگئیں ہیں اب یہہ بات دیکھنی چاہیئے کہ یہہ حالت مسلمانوں کی در حقیقت اسی سبب سے ہوئی یا نہیں مفلسی کا اصلی سبب جہل [illegible] اور غیر مفید علوم کا عالم اور جاہل دونوں برابر ہیں اِس لیئے کہ اُن سے نہ لوگوں [illegible] کچھہ فایدہ ہوتا ہی اور نہ وہ خود کچھہ اپنا بھلا کرسکتے ہیں *

بالفعل جو علوم کہ مسلمانوں میں مروج ہیں وہ بلاشبہہ غیر مفید ہیں [illegible] حسب احتیاج وقت نہیں اور یہی باعث اُن کی مفلسی اور تباہی کا ہی چنانچہ ہم اُن علوم کا مختصر ذکر اِس مقام پر کرتے ہیں *

[illegible] دینی — اہل مذہب کے لیئے علم دین کسی وقت غیر مفید نہیں ہوسکتا اِسلیئے کہ خود اُس کی ذات [illegible] ہر وقت اُس کی احتیاج ہی ہاں اُسکے مفید یا غیر مفید ہونے سے اُسوقت بحث کی جاسکتی جبکہ اُس کے فایدہ کا متعدی کرنا یا غیر مذہب والوں کے حملہ سے اُس کی حفاظت منظور ہو مگر جو طریقہ تعلیم دینیات کا مسلمانوں میں [illegible] رایج ہی وہ ان دونوں پچھلی باتوں میں سے ایک کے لیئے بھی مفید نہیں یونانی فلسفہ کا تو زمانہ جسکے مقابلہ کے لیئے علم کلام نکلا تھا گیا مگر جو اعتراضات تاریخی اور علمی مذہب اسلام پر زمانہ حالمیں وارد کیئے جاتے ہیں اُن کا جواب تو در کنار شاید اُن کے سمجھنے کی بھی لیاقت نہیں ہی اِس لیئے کہا جا سکتا ہی کہ زمانہ حال میں [illegible] کی تعلیم بھی مسلمانوں میں مفید طریقہ پر نہیں ہی *

علم لسان — اِس علم سے سات علم متعلق ہیں — لغت — صرف — نحو — معانی — بیان — بدیع — انشاء — یہہ سب علوم اکثر بزبان عربی اور کبھی بزبان فارسی مسلمانوں میں پڑھائی جاتے ہیں مگر یہہ سب علوم فی نفسہ کچھہ علوم نہیں ہیں بلکہ حصول علم اور اُس کی تدوین اور اُس کے بیان کے لیئے آلہ ہیں پس اگر علم لسان ذریعہ حصول علوم مفیدہ نہیں ہی تو محض بیفایدہ ہی عربی زبان اِس زمانہ میں بجز علم دین کی حق اول کے اور کسی قسم کے مفید علوم حاصل ہونے کے کبھی ذریعہ نہیں ہی اور اِس لیئے سواے ایک حالت کے اور تمام حالتوں میں [illegible] علوم محض غیر مفید ہیں *

[illegible] بلاشبہہ مفید [illegible] فی نفسہ کچھہ [illegible] نہیں بلکہ جب اور علوم [illegible] کے حاصل استعمال کیا جاتا ہی جب مفید ہوتا ہی مگر مسلمانوں میں جو وجہہ سے یہہ علم بھی غیر مفید ہوگیا ہی اول ایسے لیئے [illegible] علم مفید کی تعلیم ہی نہیں [illegible] ساتھہ استعمال میں آتا اِس علم کو مفید قرار دیا [illegible] ہوگیا اِسلیئے کہ اِس علم کے اصول نہایت مختصر ہیں جو بکار آمد ہیں مسلمانوں نے اُس کو اس قدر غیر مفید طول دیا ہی کہ ایک عمر تصور و تصدیق ہی کی بحث میں گذر جاتی ہی اور نہ کسیکا تصور [illegible] ہی نہ کسیکی تصدیق اور اسلیئے اسکو خود غیر مفید کردیا ہی *

علم طبعی الہی — ایک فقرہ ایک لفظ ایک حرف اِس علم کا اِس زمانہ میں مفید نہیں نہ دین کے کام کا نہ دنیا کے بقول شخصی نہ [illegible] اوڑھنے کا نہ بچھانے کا *

علم حساب — علم ہندسہ — یہہ دونوں علم بلاشبہہ نہایت مفید ہیں مگر مسلمانوں میں اِن کی تعلیم جسقدر مروج ہی وہ کچھہ بھی مفید نہیں بڑے سے بڑے عالم وحیدالعصر فریدالدہر جناب مولوی صاحب و قبلہ کولے لو تحصیلی مکتبوں کا ہوشیار لوکا ان دونوں علموں کو اُن سے بہتر و مفید تر جانتا ہوگا پس جس مقدار [illegible] کہ یہہ علوم مسلمانوں میں مروج ہیں اور عمل تقسیم تک خلاصۃ الحساب پڑہ لیئے اور تحریر اقلیدس کا مقالہ اول ختم کرلینے پر فضیلت کی پگڑی بندہائی جاتی ہی محض غیر مفید ہیں *

علم ہیئت — ایک اصول اور ایک مسئلہ اِس علم کا جو عربی زبان میں ہی صحیح نہیں من اولہ الی آخرہ غلط اور خلاف واقع ہی پس جو چیز کہ غلط اور خلاف واقع ہی وہ کبھی مفید نہیں ہوسکتی پس شرح چغمینی اور مجسطی پڑہنے سے کیا نتیجہ مفید حاصل ہوسکتا ہی ہاں البتہ جہل مرکب ترقی پاتی جاتی ہی *

علم آلات — ہم کیوں اس کا تذکرہ کرتے ہیں اِس لیئے کہ مسلمانوں میں مروج ہی نہیں مگر دیکھنا چاہیئے کہ یہہ علم مسلمانوں میں ہی بھی یا نہیں جب بہت تلاش کرتے ہیں تو بڑے بڑے عالموں کے کتب خانے میں چند ورق کا رسالہ جو ثقیل اور دو یا تین صفحہ کا رسالہ عمل کرہ اور بیس باب کا رسالہ اسطرلاب پاتے ہیں اور جب اور زیادہ تلاش کرتے ہیں اور ملکوں ملکوں میں ڈھونڈتے پھرتے ہیں تو ایک بڑی نام آور کتاب "آلات رصد ہر جندی" پاتے

[illegible] مگر پھر پوچھنا پڑتا ہی کہ اسکو کوئی جانتا ہی تو اُس گہسوارہ [illegible] منشی کی طرح جو دیکھتا ہی وہ روتا ہی پھر چلی اگر اُن کو کوئی [illegible] دیکھے بھی تو زمانہ حال کے [illegible] کے مقابل میں محض [illegible] اور بیہودہ اور غیر مفید خیال کرے *

علم طب [illegible] علم کا پردہ موہوم و سیات نے ڈھانک رکھا ہی یونی [illegible] میں [illegible] علاج سے لوگ مرتے بھی ہیں اور جیتے بھی ہیں مگر [illegible] زمانہ حال کی طب اور [illegible] کے اِہمال اور اُس کی [illegible] کا مقابلہ کیا جاوے تو ثابت ہوگا کہ علم طب جو مسلمانوں میں رائج ہی اگر اسمیں ترقی نہ کی جاوے تو اُس کی کامل فائدہ مندی نہیں ہی *

[illegible] مسلمانوں کے علوم کی ترقی تمام ہوگئی اور بخوبی ظاہر ہوگیا کہ اُن میں کوئی علم مفید مروج نہیں [illegible] بھی باعث اُن کی ذلت و مسکنت کا ہی پس مسلمانوں پر واجب ہی کہ تعصب کو چھوڑیں اور بعد تحقیقات اور مباحثہ کے سلسلہ تعلیم مسلمانوں کا ایسا قائم کریں جو اُن کے دین و [illegible] دونوں کے لیئے مفید ہو *

راقم

[illegible]

نمبر ۳۳

علم اور اُسکی تحصیل

جب تک کہ انسان علم کی لذتوں سے ناواقف رہتا ہی تب تک اُس کی طرف کم توجہہ کرتا ہی لیکن جب علم کی لذت اُس کو کچھہ معلوم ہوتی ہی پھر ممکن نہیں کہ علم کو بے حاصل کیئے رہے علم کی لذتیں ایسی ہیں کہ کوئی لذت اور کوئی نعمت دنیا میں (سوائے اُن لذتوں کے جو کہ سچے مذہب سے حاصل ہوتی ہیں) اُن کی برابر نہیں وے ایسی لذتیں ہیں کہ ہمیشہ نئی اور تر و تازہ رہتی ہیں اور روز بروز زیادہ ہوتی جاتی ہیں بخلاف اور لذات نفسانی کے کہ وہ ابتدا میں چند لحظو تک کچھہ فرحت بخشتی ہیں لیکن بعد اُس کے ایسی ہوجاتی ہیں کہ گویا اصل میں کچھہ نہ تھیں اور اُس کا تجربہ ہر شخص کرسکتا ہی مثلاً ایک شخص نے کوئی عجیب و غریب چیز دیکھی پہلے تو اُس کے دیکھنے سے اُس کو کچھہ فرحت ہوگی لیکن جب مکرر سہ کرر دیکھتا ہی تو وہ لذت جو کہ ابتدا میں تھی باقی نہیں رہتی اسیطرح اگر کوئی عجیب و غریب احوال خواہ قصہ سنا تو پہلے تو بہت دلچسپ معلوم ہوتا ہی لیکن سنتے سنتے دل نفرت کرنے لگتا ہی ایسے ہی حال جملہ لذات نفسانی کا ہی کہ کثرت سے اُن کی قدر جاتی رہتی ہی بلکہ بعض اوقات ناگوار معلوم ہوتی ہیں لیکن حال اُن لذات کا جو علم سے حاصل ہوتی ہیں بالکل [illegible] برعکس ہی اُن سے آدمی کبھی سیر نہیں ہوتا ہی [illegible] ہوگا کہ کسی شخص نے جسکے دل میں علم کا شوق [illegible] اُس نے تحصیل علم شروع کی [illegible] کچھہ لذت علم سے حاصل ہونے لگی ہو تحصیل علم کو چھوڑ [illegible] میں مصروف نرہا ہو علاوہ بریں علم کی لذتیں بے انتہا [illegible] ہر قسم کے نقصان سے خالی ہیں بخلاف اُن لذات کی جنکو حس سے تعلق ہی وہ نہایت کم ہیں اور اکثر اُن میں سے مہلک ہیں آرک میدیز جو کہ بہت مشہور ریاضی دان باشندہ سسلی کا تھا اور جو کہ قریب دو سو پچاس برس قبل حضرت عیسی علیہ السلام کے پیدا ہوا [illegible] اُسکے احوال سے حال اِسبات کا کہ اِنسان کو علم سے کیسی لذت حاصل ہوتی ہی بخوبی معلوم ہوسکتا ہی [illegible] بادشاہ هائرو نے ایک تاج سونے کا طیار کروایا جب وہ تاج طیار ہوگیا [illegible] بادشاہ کو اِسبات کا شک ہوا کہ اسمیں کچھہ میل چاندی کا ہی اُس [illegible] آرک میدیز سے کہا کہ بلا گلانے اور توڑنے اِس تاج کے دریافت [illegible] میل ہی آرک میدیز سوچتا رہا ایک دن وہ حمام میں نہانے گیا اور وہاں سوچتا رہا اتفاقاً [illegible] ایسا ماجرا وہاں واقع ہوا کہ اُس سے طریقہ دریافت کرنے اِس بات کا کہ تاج میں کسقدر میل چاندی [illegible] تھا اُسکے ذہن میں آ گیا فوراً وہ مارے خوشی کے اپنے حواس سے جاتا رہا اور حمام سے برہنہ نکلکر شہر میں یہہ کہتا ہوا (کہ میں نے دریافت کیا میں نے دریافت کیا) پھرا کچھہ حال اُن ادنی لذتوں کا ہی جو کہ علم سے حاصل ہوتی ہیں [illegible] یہہ [illegible] مشکل سوال تھا باب اس زمانہ میں مبتدی ایسے سوالوں کو حل کرسکتے ہیں پس غور کرنا چاہیئے کہ فی زماننا سوز لذات علم سے کہ (اُسکو اب انتہا درجہ کی ترقی بمقابلہ زمانہ سابق کے ہی) حاصل ہوتی ہیں کیسی ہونگی دوسری مثال فیثا غورث کی جو بہت بڑا قدیم یونانی حکیم تھا [illegible] لکھنے کے لایق ہی جب کہ اُس نے یہہ دریافت کیا کہ " مثلث قایمۃ الزاویہ میں مربع ضلع مقابل زاویہ قایمہ کا برابر ہوتا ہی مربعوں باقی اضلاع کے جن سے زاویہ قائمہ بنتا ہی " اُس کو اسقدر خوشی حاصل ہوئی کہ حالت خوشی میں اُس نے سو بیل قربانی کیئے سوائے اُس کے اور بہت سے حکماؤں کی مثالیں ہیں جنسے لذت علم کی [illegible] ہوسکتی ہی پس اگر کوئی شخص تحصیل علم کی طرف جو کہ علاوہ اور فوائد دینی اور دنیوی کے اِس قدر لذت رکھتا ہی متوجہہ نہو نہایت تعجب کی بات ہی وے لوگ جو کہ اپنی دولت واسطے حصول حظوظ نفسانی اور آرام ظاہری کے جو محض ناپائدار بلکہ درحقیقت ہیچ ہی صرف کرتے ہیں اور تحصیل علم سے غافل ہیں نہایت غلطی

علم اور اسکی تحصیل بکم جمادی الثانی سنه ۱۲۸۸ هجری سید محمد مخمون صاحب

[illegible] پڑھے هیں اِس زمانه [illegible] اِس قسم کے لوگ [illegible] جو چار [illegible] یا کوئی [illegible] پیشه گذران کا هی علی العموم کہتے هیں بلکه اِس پیشه پر فاخر هیں که خط لکھنا اپنا کافی هی آگے پڑھکر کیا [illegible] خدا نے همکو کھانے کو دیا هی همکو نوکری کرنا نہیں اور جو غریب هیں اُن کا یہه قول هی که هم سے تحصیل علم ممکن نہیں پس [illegible] وجهه سے امیر و غریب [illegible] ملک کے سب کے سب حالت جہالت میں [illegible] هیں اور دونوں قسم کے لوگ بڑی غلطی کرتے هیں علم سے یہه مطلب نہیں که [illegible] حصول روزگار تحصیل کیا جاوے کیونکه علم کے آگے [illegible] کی کچھه [illegible] نہیں [illegible] علم کی قدر معلوم هی وه دولت کو [illegible] سے [illegible] سمجھتے هیں تحصیل علم سے یہه غرض هی که [illegible] دو جہانی و نجات جاودانی حاصل هو وحشیانه حالت سے نکلکر [illegible] حاصل کی جاوے حیوانیت ترک هو اور اعلی درجه کی لذات [illegible] که هر قسم کے نقصان سے مبرا هیں حاصل هوں معاملات جو که [illegible] مد نظر هیں اُن کی حقیقت معلوم هو جو لوگ نه حصول علم [illegible] الناس کے نا ممکن سمجھتے هیں وه بھی غلطی کرتے هیں اِس زمانه میں غریب سے غریب شخص بمقابله متقدمین کے آسانی سے علم حاصل کرسکتا هی اِس زمانه میں هر قسم کے علم کی کتابیں عمده سے عمده بے شمار تیار هیں هزاروں پڑھانے والے موجود هیں دو هزار برس [illegible] جبکه [illegible] کا کسی نے خواب میں بھی خیال نه کیا تها کتابیں علم کی طیار نه تھیں پڑھانے والے کم تھے صرف بڑے بڑے شہروں میں هر ایک حکیم تھے علم کو مطلق ترقی نه تھی بہت علوم ظاهر نہوئے تھے زبانی تعلیم تھی تب مفلس لوگوں نے کسطرح علم پڑھا اور حکیم هوئے اپ[illegible] جو که [illegible] حکیم تها اور جسکا نام اب تک کتابوں میں پایا جاتا هی قریب اٹھاره سو برس کے هوئے که وه مشهور هوا پہلے ایک [illegible] شخص کا غلام تها جب آزاد هوا علم اُس حالت [illegible] جب که اُس کے [illegible] ضروری رفع نہیں هوسکتے تھے پڑھنا شروع کیا اور اسکو حاصل [illegible] ایسا بڑا حکیم هوا که اُسکا نام اب تک کتابوں میں موجود هی [illegible] تهیز دوسرا یونانی حکیم تها قبل حضرت عیسی علیه السلام کے پیدا هوا پہلے اُسکا پیشه کشتی لڑنے کا تها اور اُس [illegible] وه اپنی گذران کرتا [illegible] میں اُسکو شوق فلسفه پڑھنے کا هوا وه شہر ایتھنس کو روانه هوا جبکه شہر مذکور میں پہنچا اُسکے پاس صرف قریب دو روپیه کے جو [illegible] زمانه حال میں مروج هی خرچ تها ایسی حالت میں علم کا حاصل کرنا نہایت مشکل تها الا چونکه شوق اُسکا کامل تها اُسنے مزدوری پانی بھرنے اور بوجهه ڈھونے کی شروع کی اُس سے وه اپنی گذران کرتا تها اور تحصیل علم میں مصروف رهتا تها اور اُسی میں اپنے اُستاد کو تنخواه دیتا تها اس طور سے اُسنے علم حاصل کرکے بڑا شهره اور عزت حاصل کی اور بڑا حکیم هوا علاوه اُس کے اور حکماء مثل ایسپ اور [illegible] سا ایرس یہه سب ابتدا میں غلام اور نہایت مفلوک تھے پس اب اِس زمانه میں جو که زمانه سابق سے بدرجها ترقی پر هی اگر کوئی [illegible] که تحصیل علم ناممکن هی تو یہه بات کیونکر عجیب نه معلوم هو [illegible] اس زمانه میں تحصیل علم کے واسطے صرف همت شرط هی جبکه اگلے زمانوں میں غریب سے غریب لوگوں نے علم کو حاصل کرلیا تو اب تو بہت آسان هی پس اب مسلمان بھائیوں کو لازم هی که پست همت نہوں اور علم کی تحصیل میں مصروف هوں بعد ازاں دیکھیں که کیا عزت اور کیا فائده اُن کو حاصل هوتا هی اور اس خیال کو که بیاعث افلاس تحصیل علم ناممکن هی دور کریں *

محمد عنایت الرحمن

از مقام پھلوس(?)

نمبر ۳۵

سید محمد محمود صاحب سلمه الله تعالی

سید محمد محمود صاحب مولوی سید احمد خان صاحب بہادر سی ایس آئی کے چھوٹے صاحبزاده کا سالانه امتحان کرسچن(?) کالج یونیورسٹی لندن میں بڑی کامیابی کے ساتهه هوا عام امتحان میں جو تمام علوم میں هوا اُنکا نمبر دسواں رها اور خاص انگریزی زباندانی میں تمام کالج میں صرف ایک اور طالب علم اس قابل نکلا که اُسکے جواب اور سید محمد محمود صاحب کے جواب برابر رکھے گئے تھے اسلیئے دونوں کا نام اول نمبر میں لکھا گیا باقی تمام طالب علموں سے سید محمد محمود خاص اُن کی ملکی زبان میں فائق رہے *

بریں مژده گرجاں فشانم رواست — یہه ایک سی مبارک خبر هی که اُسکے سبب سے نه فقط مولوی سید احمد خان صاحب بہادر کے اور نه صرف سید محمد محمود صاحب کے دوستوں هی کو خوشی [illegible] بلکه فیالحقیقت یہه ایک ایسی مبارک خبر هی جسکے لحاظ سے تمام اهل هند کو عموماً اور مسلمانوں کو خصوصاً خوش هونا چاهیئے جو عزت اور فخر سید محمد محمود صاحب کو اس موقع پر حاصل هوا [illegible] اس سے پہلے کسی اهل هند کو نصیب نہیں هوا تها یہه ناموری اُس ناموری سے کچھه کم نہیں هی جو فیضی اور ابوالفضل نے ایرانیوں کے نزدیک اُن کی خاص زبان فارسی کی قابلیت کے لحاظ سے حاصل کی تهی یہه ایک کافی وجهه ثبوت اسبات کی هی که مسلمانوں کی طبیعتوں میں ابهی تک وه ماده باقی هی جسکے سبب سے اُنهوں نے پہلے بہت کچھه شہرت اور نیکنامیاں حاصل کی هیں اور جسکے لحاظ سے [illegible] اُنکا نام مدت تک بہت تعظیم اور ادب سے لیتی رهیگی *

سید محمد محمود صاحب

یکم جمادي الثاني سنہ ١٢٨٨ ہجری

ہندوستان کے مسلمان بلاشبہہ اپني بدقسمتي سے نئے علوم و فنون حاصل کرنے میں اپنے اور اہل وطن سے کچھہ پیچھے رہ گئے ہیں جسکا نتیجہ اب تک بھي بہت ہي مضر ہوا ہی اور اگر یہي غفلت خدانخواستہ چند روز اور رہي تو جسقدر مادہ مسلمانوں کي طبیعت میں ابھي تک موجود ہی اور جو ذوق اور مشغلے سے بہت کچھہ ترقي پاسکتا ہی وہ بالکل ملیا میٹ ہوجاویگا — جن بادشاہوں کي لیاقت اور اولوالعزمي کي یادگار میں بڑے بڑے قلعے اور عمارتیں روے زمین پر موجود ہیں اُن کي اولاد اب اسي قسم کي غفلتوں سے گھانس کھود کھود کر اپنا گذارہ کرتي ہی اُن کے برتاو اُن کے رنگ اور روغن اُنکي بول چال سے ہرگز یہہ معلوم نہیں ہوتا کہ یہہ لوگ کسي ایسے بڑے خاندان کي بقایا ہیں — مسلمانوں کو چاہیئے کہ عبرت پکڑیں اور جو عمدہ موقع اُن کے واسطے خدا کي عنایت سے اب موجود ہی اُسکا شکر کریں اور اُسکا شکر یہي ہی کہ اُس سے فائدہ اوٹھاویں اور اپني اولاد کي تعلیم کي طرف ہوشیاري سے متوجہہ ہوں *

مسلمانوں کے علم کي ترقي ابتداء میں یونانیوں کے علوم سے شمار ہوتي ہی اور اب یورپ کي قوموں کے علوم ایسے کامل اور صاف طریقہ سے شایع ہوئے ہیں کہ اگر مسلمان غور اور دانائي کو کام میں لاویں تو یونانیوں کے علوم کي بہ نسبت یورپ کے موجودہ علوم و فنون سے بہت زیادہ فائدہ حاصل کرسکتے ہیں جن قوموں سے ہمکو علم حاصل کرنے کي ضرورت ہی وہ ہماري خوش قسمتي سے خود ہمکو علم دینے کے واسطے آمادہ ہیں کتابوں کي افراط چھاپہ خانوں سے درجہ کمال کو پہونچ چکي ہی اور پہونچتي جاتي ہی سفر کا ذریعہ ریل اور جہاز نے بہت ہي سہلا کردیا ہی کوئي روک ٹوک سواے اپني کم ہمتي اور بیجا تعصبات کے باقي نہیں ہی بس ایسے وقت میں نہایت ضرور ہی کہ ہندوستان کے مسلمان رئیس اپني اولاد کو اعلی تعلیم کے واسطے انگلستان کو بھیجیں *

ایک بڑا قوي مانع ہندوستان کے مسلمانوں کو اس ارادہ میں مذہبي نقصان کا خیال ہی اور بلاشبہہ ہر عاقل مسلمان پر یہہ فرض ہی کہ کسي ظاہري بڑي سے بڑي منفعت کے لحاظ سے اپنے مذہب کا ذرا سا نقصان بھي گوارا نکرے لیکن سید محمد محمود صاحب سلمہ اللہ تعالے کي کارروائي سے وہ شبہہ بھي کامل طور سے جاتا رہتا ہی جہاں تک مجھکو علم ہی میں نہایت اطمینان سے یہہ بات بیان کرتا ہوں کہ سید محمد محمود کیمبرج کي یونیورسٹي میں تمام ممنوعات شرعي سے محترز ہیں نمازیں پڑھتے ہیں اور روزے رکھتے ہیں اور اچھے مسلمانوں کي مانند بہت خوشحالي سے بسر کرتے ہیں — این کار از تو آید و مردان چنین کنند *

میرے نزدیک جو عزت سید محمد محمود صاحب کو اپني علمي لیاقت کے سبب سے حاصل ہوئي اور آیندہ کامل طور سے حاصل ہونے والي ہی اُس سے بہت بڑي عزت اور افتخار اُن کو خدا کي عنایت سے اُن کے عمدہ چال و چلن کے لحاظ سے حاصل ہوا ہی الحمدللہ *

الراقم

مشتاق حسین

اشتہار

ہم اشتہار مندرجہ ذیل کو نہایت خوشي کے ساتھہ اودہ اخبار سے نقل کرتے ہیں اور مالک و مہتمم و خریداران اخبار موصوف کو صدق دل سے اس روز افزوں ترقي پر مبارکباد دیتے ہیں — اودہ اخبار پہلے سے بھي نہایت با رونق اخبار تھا اور اب تو کچھہ کہنا ہي نہیں ہی ہندوستاني حریف جو اخباروں کے شایق ہیں غالباً اب بہت کم ایسے ہونگے جو اس عمدہ اخبار کي خریداري سے فائدہ نہ اوٹھاویں — ہمکو یہہ بھي اُمید ہی کہ ہمارے اور ہمعصر وقائع نگار بھي اودہ اخبار کي تقلید کرینگے اور منشي نول کشور صاحب سلمہ اللہ تعالی کي عالي ہمتي سے یہہ اُمید ہی کہ اُن کا اخبار مثل بڑے بڑے بارونق انگریزي اخبارات کے روزانہ جاري ہوا کریگا اور خدا کرے ایسا ہي ہو

این دعا از من و از جملہ جہان آمین باد

راقم مہتمم تہذیب الاخلاق

اودہ اخبار ہفتہ میں دو مرتبہ شایع ہوگا

ہمارے اکثر ناظرین جدت پسند و شایقین دانشمندي قدر داني مدت سے ہمکو اس بات پر برانگیختہ کر رہي تھي کہ اودہ اخبار ہفتہ میں دو مرتبہ شایع ہوا کرے *

الحمدللہ کہ گورنمنٹ اور لوکل گورنمنٹ کي عنایت روز افزوں سے اب سامان اس ارادہ تجویز کا نہایت پسندیدہ طور پر بروے کار آیا جس کو ہمارے قدردانوں کي نیک نیتي کا ثمرہ اور ذوق شایستہ کا نتیجہ کہنا چاہیئے *

وہ یہہ ہی کہ سرکار دولتمدار نے محصول اخبارات مالکان اخبار کي رعایت اور علوم و فنون کي اشاعت کے واسطے نصف معاف فرمایا کہ خاص و عام کے موافق مدعا ہی اس لیئے کسي کو محصول ناگوار نہوگا — چونکہ عملدرآمد اُس حکم کا یکم اکتوبر گزٹ آف انڈیا میں مشتہر ہوا ہی اس حساب سے پورے دو مہینے باقي ہیں لہذا جناب مالک مطبع و اخبار کي سیرچشمي اس بات کي مقتضي ہی کہ ان دو مہینوں کا محصول زائد جملہ ناظرین کو ارمغان کیا جاے اور یکم اگست ہي سے یہہ اخبار ہفتہ میں دو مرتبہ چھپکر اجرا پذیر ہو چنانچہ التزام اُس کا بترتیب معقول کیا گیا ہی اُمید ہی کہ سب صاحبوں کو پسند آئیگا *

بمقام علیگڈہ — مطبع علیگڈہ انسٹیٹیوٹ میں چھپا اور باہتمام
منشي محمد مشتاق حسین شایع ہوا

THE MOHAMMEDAN SOCIAL REFORMER

تهذيب الاخلاق

جلد دوم] ۱۵ جمادي الثاني سنه ۱۲۸۸ هجري [نمبر ۱۰

بسم الله الرحمن الرحيم

اطلاع

جسقدر روپيه بابت اِس پرچه كے بطور چنده خواه بطور قيمت وصول هو وه كسي خاص شخص كي ملكيت نهوگا بلكه اِس پرچه كے اجرا و ترقي ميں صرف كيا جاويگا *

مسلمانوں ميں سے جو شخص ساٹهه روپيه سالانه پيشگي بطور چنده دے وه اس پرچه كے متعلق معاملات ميں ممبر متصور هوگا *

علاوه اِس كے جو شخص كچهه روپيه بطور ڈونيشن دے وه بشكر گذاري تسلم ليا جاويگا *

يهه پرچه هر مهينے ميں ايک بار يا دوبار يا تين بار جيسا كه مقتضاے مضامين هوگا چهپا كريگا خريداروں كو تين روپيه قيمت اور ايكروپيه آٹهه آنه محصول جمله چار روپيه آٹهه آنه پيشگي بهيجنے هونگے *

اگر كوئي شخص كوئي خاص پرچه خريدنا چاهے گا اُس كو في پرچه چار آنه قيمت اور ايک آنه محصول دينا هوگا *

ممبروں كو بلا قيمت يهه پرچه مليگا اور اُن كو اُس كے تقسيم كا بهي بلا قيمت جسكو وه چاهيں اختيار هوگا *

اِس پرچه ميں بجز مضامين متعلق تهذيب اخلاق و حسن معاشرت كے جهاں تک كه وه مسلمانوں سے متعلق هيں اور كچهه مندرج نهوگا *

نمبر ۲۶

ترک

اسلام كا نتيجه نيک چلن هونا هى اگر هم ديكهيں كه كسي ملک كے مسلمانوں ميں نيک چلني نهيں هى تو همكو يقين كرنا چاهيئے كه اسلام صرف اُن كے منهه هي منهه ميں هى حلق كے نيچے ذرا بهي نهيں اُترا گو اُنهوں نے اپنے تئيں كيساهي جبه اور عمامه سے مقدس بنايا هو اور نمازيں بڑا بڑا كر اور تسبيحيں هلا هلاكر تدوس جتايا هو *

اسلام جسطرح كه اخلاقي اور روحاني نيكياں تعليم كرتا هى نهيں نهيں جسطرح كه اخلاقي اور روحاني نيكيوں كو دلميں بيٹها ديتا هى اُسيطرح تمدن اور حسن معاشرت كي جو نيكياں هيں اُن كو بهي اپنے پيرووں كے برتاؤ ميں ايسا ملا جلا ديتا هى كه كسي طرح اُس سے الگ نهيں هوسكتيں اور بطور فطرتي عادتوں كے دكهائي ديتي اور طبيعت ثاني هونے سے بهي بڑهكر اصلي طبيعت هوجاتي هيں *

اخلاقي اور روحاني نتيجه اُسكا خدا هي كو ماننا اور اُسي پر بهروسا ركهنا اور هر حال ميں اُسكي مرضي پر شاكر رهنا اور

مصیبتوں پر نیک دلی سے صبر کرنا ہوتا ہی اور تمدنی نتیجہ اُسکا اپنے ہمجلسوں سے محبت کرنا اور ہر ایک کے ساتھہ نیکی اور سچائی اور پوری پوری صداقت سے پیش آنا ہوتا ہی رحم دلی اور صدق مقال یعنی ہر بات میں سچ بولنا اسلام کا تاثیل یعنی لقب ہی دغا و فریب سے بچنا اُسکی ڈگری یعنی اُسکا منصب ہی اب دیکھو کہ ہندوستان کے مسلمانوں میں کتنے ہیں جنکا ایسا برتاؤ ہی *

افسوس کہ ہمنے اپنی بدچلنی سے اسلام کو کیسا داغ لگایا ہی شہادت زور گویا مفلس مسلمانوں کا پیشہ ہوگیا ہی ہندوستان کی عدالتوں میں جسوقت ہندو گواہ آتے ہیں تو منصف جج کو گو وہ مسلمان ہی کیوں نہو اِسبات پر غور کرنی پڑتی ہی کہ آیا اُسکی شہادت سچ ہی یا نہیں مگر جس وقت مسلمان گواہ آیا اور اُسنے اپنا نام بتایا اور جج کو ظن غالب اُسکے جھوٹے ہونے کا ہوگیا جبتک کہ کسی اور قرینہ سے اُسکے سچے ہونے کا گمان نہو ' مسلمان سودا بیچنے والے بہ نسبت اور قوموں کے بہت زیادہ جھوٹ بولتے ہیں اور فریب کرتے ہیں کسی چیز کی اصلی قیمت ہرگز نہ کہینگے اور ہمیشہ اِسبات پر قصد رہے گا کہ مشتری سے جہاں تک ممکن ہو زیادہ قیمت لیجاوے *

جب کہ ہم کسی قوم کے سوداگروں اور خوردہ فروشوں میں یہہ بات دیکھتے ہیں کہ تمام اشیاء کی ایک قیمت خاص معین ہی وہی کہتے ہیں اور وہی لیتے ہیں تو ہمکو مسلمانوں کی خراب عادت یعنی جھوٹ قیمت کہنے اور پھر چکاتے چکاتے نصف سے بھی بعض اوقات کم پر بیچنے سے کیوں نہ رنج ہو اور ہم کیونکر نہ اِسبات کا خیال کریں کہ اسلام نے کچھہ بھی اُن کے دلوں پر اثر نہیں کیا ہی *

اگر تمام دنیا کے مسلمان ایسے ہی ہوتے تو بڑی مشکل پیش آتی اسلیئے کہ خود اسلام کی نسبت بہت کچھہ شبہہ پڑتا مگر نہایت خوشی کی بات ہی کہ اور ملک کے مسلمانوں کا حال دیکھکر یقین آتا ہی کہ اسلام بلاشبہہ روحانی اور اخلاقی اور تمدنی نیکیاں بخشنے والا ہی *

مسٹر جان رینلڈ موربل صاحب نے ترکی کے حالات میں ایک تاریخ لکھی ہی اُسمیں اُنہوں نے جو کچھہ حال ترکوں کا لکھا ہی اُس کا انتخاب اِس مقام پر لکھتے ہیں تاکہ ہندوستان کے مسلمان اُسکو دیکھکر عبرت اور غیرت پکڑیں *

وہ لکھتے ہیں کہ " جس کسی نے ترکوں کے چال چلن کا حال لکھا ہی اُسنے ماں اور لڑکوں کی محبت کا ضرور ذکر کیا ہی ماں کی شفقت اور لڑکوں کا ادب یہہ دونوں باتیں طرفین کی طرف سے نہایت مستحکم اور لازوال ہوتی ہیں اسی کے ذریعہ سے عورتوں کو وہ خوشی حاصل ہوتی ہی جو فرنگستان میں نہیں ہی ' عورت کو خانہ داری میں اختیار ہوتا ہی ہم لوگوں میں (یعنی اہل فرنگ میں) اگر عورت تمام عمر اُس کے حاصل کرنے کی کوشش و محنت کرے تو بھی وہ اختیار اُسکو حاصل نہیں ہوسکتا " *

وہ کہتے ہیں کہ " کثرت ازدواج ترکوں میں اسقدر زیادہ اور ایسی عام بلا نہیں ہی جیسا کہ لوگ عموماً تصور کرتے ہیں " *

اُن کا قول ہی کہ " اسلام عورتوں کی طرف نہایت رحم دل ہی قران میں صاف لکھا ہی کہ جو کوئی نیک کام کرتا ہی اور خدا پر یقین رکھتا ہی مرد ہو یا عورت بہشت میں جاویگا " *

وہ لکھتے ہیں کہ " مس پارڈو جو سنہ ۱۸۳۸ع میں ترکی میں تھیں اور وہ ترکوں کے زنانہ میں جایا کرتی تھیں ترکوں کے گھر کی چال چلن سے نہایت خوش تھیں اور ترکوں کی عورتوں کی نیکی اور پارسائی کی تصدیق کرتی ہیں *

مسٹر مِی ہوایٹ صاحب بیان کرتے ہیں کہ قسطنطنیہ میں امیروں کی عورتیں اپنے وقت کو اُسی طرح پر صرف کرتی ہیں جیسےکہ اور دارالریاست کی عورتیں فرق یہہ ہی کہ اُن کے خاندان میں اتفاق زیادہ ہوتا ہی لڑکے اپنی والدین کا ادب زیادہ کرتے ہیں اور بی بی شوہر کی زیادہ مطیع ہوتی ہی عورتوں کا دل اور اصول چلن کا نہایت کم خراب ہوتا ہی ایک سے زیادہ عورتوں سے شادی کرنے کا برا دستور جاری نہیں ہی اور نہ یہہ کوئی قاعدہ کی بات ہی بلکہ ایسی حالت مستثنی ہی رزیل اور اوسط درجہ کے لوگوں میں بھی شاذ و نادر ایسے لوگ ملینگے جنھوں نے دو عورتوں سے شادی کی ہو نہایت درجہ کے امیر لوگوں میں بھی یہہ دستور مستثنی ہی *

مسٹر جان کارنی صاحب کیمبرج والے یہہ فرماتے ہیں کہ " ترکوں کی عجیب ایمانداری کا کچھہ ذکر کرنا عین انصاف ہی جب کہ میں گلیتیا میں وارد ہوا تو میرا اسباب ایک مزدور نے اُٹھا لیا اور ہم آگے بڑھے جب ہم ایسی جگہہ پہونچے جہاں لوگوں کی بہت کثرت تھی تو وہ مزدور میری نظر سے غایب ہو گیا اور ہم لوگ ایک قہوہ خانہ میں گئے میں نے یہہ خیال کیا کہ وہ مزدور میرا اسباب لیکر بھاگ گیا مگر سموتن کا رہنے والا کپتان جہاز کا جو پہلے بھی اس ملک میں آیا تھا کہنے لگا کہ ایسے کام کرنا یہاں کوئی جانتا بھی نہیں تھوڑے عرصہ میں ہم کیا دیکھتے ہیں کہ وہ غریب مزدور اُسی راہ سے پھرا چلا آتا ہی اور گھبرایا ہوا ہر چہار طرف دیکھتا آتا ہی بازاروں میں اکثر دوکاندار اپنی دوکان اور اسباب کو کھلا ہوا چھوڑ کر چلے جاتے ہیں اور کچھہ اندیشہ نہیں ہوتا دین لین میں کوئی شاذ و نادر

قریب [illegible] کی [illegible] ، کرتا ہی ترکی یعنی روم کی سلطنت کے مختلف حصوں میں میں نے [illegible] فر کیا اور اثنائے سفر میں غریبوں کے جھونپڑوں [illegible] کے مکانوں [illegible] رہا مگر کبھی ایک عورت کا بھی میرا [illegible] نہیں ہوا *

یونانیوں نے جب کہ تریپولتزا مقام کی ترکی عورتوں پر ظلم [illegible] امیروں کی عورتوں کو رذیل قوم کی عورتوں میں ملا دیا اُن کے [illegible] رشتہ دار ذبح کر ڈالے تاہم جس صبر و قناعت کے ساتھہ اُن عورتوں نے اُس تکلیف کو گوارا کیا نہایت قابل تعریف کے ہی خدا کی شکایت یا بے فائدہ افسوس کبھی اُن کی زبان سے نہیں نکلا وہ یہی کہتی تھیں کہ خدا کی یہی مرضی ہی اور سب تکلیفوں کو نہایت صبر و شکر سے گوارا کرتی تھیں ترک مرد بھی رنج و تکلیف کو نہایت صبر سے برداشت کرتے ہیں مگر ترک عورتیں تو گویا رنج و مصیبت کی برداشت کی روحیں ہیں" *

اس مقام پر ہم کو کچھہ ہندوستان کے شریف خاندانوں کی عورتوں کا بھی حال لکھنا مناسب ہی بلا شبہہ ہماری خوش قسمتی ہی کہ مسلمان شریف خاندانوں کی عورتیں جیسی نیک اور ایماندار اور خدا پر شاکر اور رنج و مصیبت میں صابر ہیں شاید تمام دنیا کی عورتوں سے سبقت رکھتی ہیں خدا کی عبادت اور دل کی نیکی اور بے انتہا رحم دلی والدین کا ادب شوہر کی محبت اور اطاعت تمام رشتہ مندوں کی الفت اور رنج و راحت میں اُن کے ساتھہ شرکت اولاد کی پرورش خانہ داری کا انتظام جس دلی نیکی اور خالص ایمانداری سے وہ کرتی ہیں بیان سے باہر ہی نہایت خوشی میں بھی وہ خدا ہی کو پکارتی ہیں کہ اے خدا تیرا شکر ہی کہ تونے ہمکو یہہ خوشی دی اور نہایت مصیبت میں بھی وہ خدا ہی کو پکارتی ہیں اُن کی زبان پر یہہ ایک مثل ہی کہ مصیبت کے وقت بھی خدا ہی کو نہ پکاریں تو کیا کریں دیکھو بچے کو ماں ہی مارتی ہی پر بچہ ماں ہی ماں پکارتا ہی جو جو مصیبتیں ہماری یاد میں ہندوستان کی مسلمان عورتوں پر اتفاقات زمانہ سے پڑیں اور جس صبر و شکر و قناعت اور استقلال اور خدا پر بھروسہ رکھنے میں اُنھوں نے اُس کو سہا حقیقت میں دنیا کی عجائبات میں سے ہی ہماری رائے میں اسلام کی عزت جس قدر کہ ہندوستان میں رکھی ہی صرف مسلمان عورتوں نے رکھی ہی اور جب اُس کے ساتھہ اکثر مسلمان مردوں کا چال چلن جو اُن کے ساتھہ ہی خیال کیا جاوے تو عورتوں کی نیکی ایسے درجہ پر پہونچ جاتی ہی جو حد بیان سے خارج ہی *

ہماری رائے یہہ ہی کہ تمام مسلمانوں پر واجب ہی کہ صرف زبان سے مسلمان کہنے اور ٹخنوں سے اونچا پاجامہ اور بیچ کے گریبان کا کرتا اور گول عمامہ پہننے اور صرف نماز پڑھکر دل خوش کرلینے اور صرف دن بھر کا فاقہ کرکر شام کو لذیذ چیزوں اور نفیس شربتوں سے افطار کرنے ہی کو اسلام نہ سمجھیں بلکہ اُس کے ساتھہ اُن تمام نیکیوں پر بھی خیال کریں جو اسلام کے نتیجے ہیں اور جب تک کہ انسان کے افعال اور خواہش اور معاملات اور اخلاق اور تمدن اور معاشرت میں اُن کا ظہور نہیں ہوتا اُس وقت تک ہرگز یہہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ اسلام نے اُن میں کچھہ اثر کیا ہی *

گر مسلمانی ہمیں است کہ واعظ دارد
وائے گر در پس امروز بود فردائے

راقم
سید احمد

نمبر ۳۷

خدیو مصر کی محلسرا

جبکہ ہم یہہ خواہش کرتے ہیں کہ ہم اپنے بھائیوں کو غیر قوم کے اُن خیالات سے مطلع کریں جو وہ ہماری زندگی بسر کرنے کی نسبت رکھتے ہیں تو ہمکو نہایت مشکل پیش آتی ہی اِس لیئے کہ تربیت یافتہ قومیں جس طرح اپنی زندگی بسر کرتی ہیں اُن سے ہمارے بھائی بند واقف نہیں ہیں اور یہہ بھی بڑے شکر کا مقام ہی کہ غیر قوم کے لوگ بھی بخوبی اسباب سے واقف نہیں ہیں کہ ہم لوگ کس طرح اپنی زندگی بسر کرتے ہیں اگر واقف ہوتے تو ہم نہیں خیال کرسکتے کہ وہ اور بھی کسقدر زیادہ حقارت اور ذلت کی نظر سے ہمکو دیکھتے *

ہم لوگ روپیہ خرچ کرنے میں مہذب قوموں سے بہت زیادہ فضول خرچ ہیں ہم کچھہ روپیہ خرچ کرنے میں دریغ نہیں کرتے ہمارے اخراجات زندگی بسر کرنے کے اُن مہذب قوموں کے اخراجات سے کچھہ کم نہیں ہیں اگر ہم ہندوستان کے کسی نواب یا راجہ یا مسلمان امیر یا متمول ہندو کے اخراجات کا تخمینہ کریں تو بلاشبہہ مہذب قوم کے اُسی درجہ کے امیروں سے زیادہ نکلے گا مگر افسوس اسپر آتا ہی کہ باوجود اِن سب باتوں کے مہذب قوم کے لوگ فرشتوں کی مانند صفائی اور لطافت اور خوبی سے اپنی زندگی بسر کرتے ہیں اور ہم مانند ایک میلے کچیلے جانور کی بہت لوگوں کی یہہ رائے ہی کہ یورپ کی قوموں کی طبیعت میں ایک قدرتی صفائی اور لطافت ہی اور ایشیا کی قوموں کی طبیعتوں میں قدرتی کثافت اور غلاظت ہی یہہ بھی ایک رائے ہی کہ ایشیا کی قوموں کی رسومات مذہبی ایسی ہیں جو انسان کی طبیعتوں کو کثافت کا عادی کردیتی ہیں *

خدیو مصر کي محلسرا

۱۵ جمادي‌الثاني سنه ۱۲۸۸ هجري

خدیو مصر کي محلسرا

مگر یہہ رائیں کسي طرح تسلیم نہیں ہوسکتیں اِس میں کچھہ شک نہیں ہی کہ انسان کے مہذب ہونے کے لیئے آب و ہوا اور موقع ملک کو بہت بڑا دخل ہی مگر ایشیا کا ملک یا ہندوستان ایسا نہیں ہی جو وہاں کے باشندوں علی‌الخصوص مسلمانوں کو تہذیب میں ترقي کرنے کا مانع ہو مذہب اسلام جبکہ وہ تعصبات اور توہمات سے جس نے ہندوستان میں اُس کو یہہ نسبت اور ملکوں کے بھي زیادہ گھیر لیا ہی پاک و صاف ہو تو وہ انسان کے مہذب ہونے کا خود ذریعہ ہی چہ جائیکہ وہ هارج یا مزاحم ہو اصل بات یہہ ہی کہ تربیت اور عادت کو بہت بڑا دخل ہی ہماري تربیت ایسے ناقص طریقہ پر ہوتي ہی جس کے سبب سے ہماري طبیعتوں میں صفائي اور نفاست نہیں رہتي *

ابراہیم پاشا خدیو مصر کا بڑا بیٹا جبکہہ چھوٹا تھا تو اُس کے باپ اسمعیل پاشا خدیو مصر نے یہہ تدبیر سونچي کہ اُس کي پرورش یوروپین عورتوں کے ذریعہ سے ہو تاکہ اُس کو بچپن ہي سے صفائي اور مہذب قوموں کي مانند زندگي بسر کرنے کي عادت پڑے حقیقت میں یہہ تدبیر نہایت عمدہ اور نہایت دانشمندي کي تھي چنانچہ اُسنے لندن سے ایک عورت کو جس کا نام اِملین لاٹ تھا اِس کام کے لیئے نوکر رکھکر بلایا اور وہ چند روز ابراہیم پاشا پر نوکر رہي جبکہ وہ اپنے ملک میں واپس گئي تو اُس نے ایک کتاب لکھي ہی جس کا نام ” حرم لیف “ رکھا ہی یعني محلسرا کي رہنے والي بیگمات کي زندگي بسر کرنے کا حال ہم اُس کتاب سے بالفعل مفصلہ ذیل مضمون منتخب کرکر لکھتے ہیں اور آیندہ اور بھي لکھیں گے اور اُمید کرتے ہیں کہ اِن حالات سے ہمارے بھائیوں کو غیر قوم کے خیالات کا کچھہ حال جو وہ ہماري زندگي بسر کرنے کي نسبت رکھتے ہیں معلوم ہوگا *

وہ لکھتي ہی کہ ” جب میں محل سراے میں داخل ہوئي تو مجھکو ایک کمرہ رہنے کو ملا مگر اُس کمرہ کا سامان ایسا خراب تھا جسے دیکھکر مجھے کمال نفرت ہوئي وہ کمرہ خود بھي نہایت چھوٹا اور خراب تھا اور کچھہ بھي سامان اُس میں نہ تھا ہمارے ملک (یعني لندن) کي اشراف بي بیوں کے ہاں جو عورتیں مزدوري کرنے کو آتي ہیں وہ بھي ایسے کمرہ میں دورات بھي بسر نکرینگي اُس کمرہ میں نہ بیٹھنے کے لیئے کوئي کرسي تھي اور نہ لکھنے کے لیئے کوئي میز تھي اور نہ کپڑا پہننے کے لیئے کوئي علحدہ جگہہ تھي “ *

مذکورہ بالا تحریر سے یہہ بات معلوم ہوگي کہ مہذب قوم کے لوگ کم درجہ کے بھي اپنے رہنے کے کمرہ میں کن چیزوں کو اشد ضروري سمجھتے ہیں اور لکھنے اور پڑھنے کے سامان نہونے سے کیسا تعجب کرتے ہیں *

وہ لکھتي ہی کہ ” اُس کمرہ کے پلنگ کا بچھونا ایسا خراب اور سخت مثل تختہ کے تھا کہ ہمارے وطن (یعني انگلنڈ) میں اگر نہایت غریب گنوار کي چھوٹي سي جھونپڑي میں بھي ایسا بستر ہوتا تو اُس جھونپڑا کي بےعزتي ہوتي سمجھکر اپنے وطن کے گھر کا خیال آتا اور خدیو مصر کے محل میں آنے کا نہایت ہي افسوس ہوتا ہردم یہي کہتي تھي کہ اگر نہ آتي تو بہتر ہوتا *

اُس کمرہ میں نہ تو کوئي سنگار میز تھي اور نہ اُن لوازمات ضروري میں سے کوئي چیز تھي جو عورتوں کي خوابگاہ میں ہوني چاهیئے پھول سجانے کے لیئے کوئي گلدان تک نہ تھا “ *

مذکورہ بالا فقرہ سے تفاوت خیالات بخوبي واضح ہوتا ہی کہ مہذب قوم کے ادنی لوگ بھي جن چیزوں کو ضروري سمجھتے ہیں ہمکو اُنکا کبھي خیال بھي نہیں آتا *

وہ لکھتي ہی کہ ” البتہ اُس کمرہ میں قالین بچھا ہوا تھا اور کھڑکي کے پاس مشجر سے منڈھي ہوئي ایک کوچ رکھي ہوئي تھي سب سے بڑي عجیب چیز جو اُسمیں تھي وہ کپڑے رکھنے کي دراز دار الماري فرانس کي بني ہوئي تھي اور گویا یہہ خاص خاطر داري کے لیئے تھي کیونکہ روم اور مصر کي عورتیں پہننے کے کپڑے بخاریوں میں رکھتي ہیں جو دیواروں میں مثل طاق کے بنتي ہیں “ *

وہ لکھتي ہی کہ ” بیگمات کے بیٹھنے کے دو کمرے تھے اُنمیں نہایت عمدہ قالین بچھے ہوئے تھے مگر جا بجا سفید چربي کے داغ پڑے ہوئے تھے سبب یہہ تھا کہ بے تمیزي سے لونڈیاں هاتوں میں شمعیں جلاکر لیئے ہوئے ادھر اودھر پڑي پھرتي ہیں اور چربي کي بوندیں قالین پر ٹپکتي جاتي ہیں اور وہي بچھا رہتا ہی دیواروں کے پاس مشجر کپڑے سے منڈھي ہوئیں کوچیں بچھي تھیں اور بیچ دیوار میں بہت بڑا آئینہ زمین سے چھت تک کا لگا ہوا تھا چھت نقش‌ونگار سے آراستہ تھي بیچ میں سنگ مرمر کي ایک میز جسکے پایوں پر گلٹ کا کام تھا رکھي ہوئي تھي اور اُسکے چاروں پایوں پر آٹھہ آٹھہ بتي کے چار جھاڑ چاندي کے جنمیں سرخ رنگ کي فانوسیں چڑھي ہوئي تھیں رکھے ہوئے تھے تمام مکان میں تصویر رکھي نہ تھي کچھہ سامان بے ترتیب رکھا ہوا تھا اور بہت سي چیزیں وہاں نہ تھیں جنکي درحقیقت مکان کي آراستگي کے لیئے ضرورت تھي کافي روشني کي چھوٹي بقدر رکابي کے گول میزوں پر سیپ کي پچي کاري بہت خوبصورت تھي مگر جو کہ میري نظر میں اپنے وطن کے امیروں کے ڈرائینگ روم کي سجاوٹ اور عمدگي سامان کي سمائي ہوئي تھي اس لیئے یہہ سب چیزیں نہایت

حقیر معلوم ہوتی تھیں خوشکہ محل سرائے کا یہہ حال تھا کہ کہیں کوئی چیز ہی اور کہیں نہیں ہی اور ایسا مکان معلوم ہوتا تھا کہ جیسا چاہیئے ویسا آراستہ نہیں ہوا " *

مجھے افسوس ہی کہ اماں‌جان نے ہندوستان میں آکر کسی ہندوستان کے نواب یا راجہ کی نوکری نہیں کی اگر ہندوستان کی محل سراؤں کا حال دیکھتیں تو اور بھی زیادہ خوش ہوتیں *

یہہ بھی معلوم ہونا چاہیئے کہ اُس زمانہ سے جسکا حال اماں‌جان نے لکھا ہی مصر اب بہت زیادہ ترقی پر ہی اور یورپ سے زیادہ اختلاط ہونے کے سبب تہذیب و شایستگی میں اُسنے بہت ترقی کی ہیں *

راقم
سید احمد

نمبر ۴۸

طریقہ زندگی

قوموں کی عزت یا ذلت اُنکی رسم و رواج اور اُن کے طریقہ زندگی اور کبھی کبھی اُنکے مذہب سے بھی علاقہ رکھتی ہی تمام قوموں میں بہت سی رسمیں وحشیانہ اور ناتربیت یافتہ زمانہ کی اب تک چلی آتی ہیں مگر تربیت یافتہ قوموں نے اُن رسموں کو تراش خراش کر ایسا کرلیا ہی نہ اُنمیں وحشیانہ پن مطلق نہیں رہا بلکہ نہایت فرحت بخش اور دلکش ہوگئی ہیں اور ناتربیت یافتہ قومیں اب تک بدستور وحشیانہ طور سے اُنکو برتتی آتی ہیں اور اسی لیئہ بھاری قومیں پچھلی کو ذلت اور حقارت کی نظر سے دیکھتی ہیں *

اکثر قوموں نے قدیم زمانہ میں طریقہ زندگی بمقتضائے آب و ہوا ہر ایک ملک کے اختیار کیا تھا جو اکثر نہایت سادہ و حقارت آمیز تھا مگر تربیت یافتہ قوموں نے اُس میں اصلاح کرتے کرتے اعلی درجہ کی ترقی اور شایستگی پر پہونچا دیا اور ناتربیت یافتہ قومیں اُسی جہالت میں پڑی رہیں اور اسلیئے بھاری قوموں کی آنکھہ میں ذلیل و خوار ہیں *

یہہ امر بھی بہت واقع ہوا ہی کہ بسبب نہونے فن و ہنر کے ہر ایک قوم نے جو طریقہ زندگی بسر کرنے کا اختیار کیا تھا وہ اُس زمانہ میں حقیر نہ تھا مگر حال کے زمانہ میں ذلیل ہوگیا ہی چنانچہ جسقدر فن و ہنر وصنعت‌کاری نکلتی آئی اُسیقدر تربیت یافتہ قوموں نے ساز و سامان سے اپنے طریقہ زندگی کو آراستہ کرلیا اور جنہوں نے ایسا نکیا وہ ویسے ہی حقیر و ذلیل نا تربیت یافتہ رہیں *

طریقہ زندگی سے قوموں کی ذلت اور عزت کا ہونا ایک ایسا امر ہی جس سے کوئی انکار نہیں کرسکتا مگر ہم چند مثالوں سے اُسکو اور زیادہ واضح کرتے ہیں ہندوستان میں کنجروں کی قوم کو دیکھو جو ایک لنگوٹی باندھے رہتی ہی اور نہایت میلا بدن اور نجس ہاتھہ پاؤں رکھتی ہی اور نہایت میلے بدبودار برتن استعمال میں لاتی ہی غذا بھی اُنکی نہایت کثیف ہی اور طرز کھانے کا بھی ایسا برا ہی جسے دیکھہ کر گھن آتی ہی پس وہ قوم صرف اپنے طریقہ زندگی کے ذلیل ہونے کے سبب ہماری آنکھہ میں کیسی ذلیل و خوار معلوم ہوتی ہی *

اب اُور قوموں کو دیکھو جو اُن سے درجہ بدرجہ طریقہ زندگی کی اصلاح میں ترقی کرتی گئی ہیں مثلاً چمار جنکا لباس اور طریق زندگی کنجروں سے بدرجہا اچھا ہی وہ ہماری آنکھہ میں ویسے ذلیل نہیں ہیں چماروں کی بہ نسبت عام غریب کنواروں کا لباس اور طریقہ زندگی بدرجہا نہایت عمدہ اور اچھا ہی وہ ہماری آنکھہ میں چنداں ذلیل نہیں ہم کبھی اُنکے گھر بھی جاتے ہیں اُنکے ہاں کا پانی بھی پیتے ہیں اُنکے گھر کی پکی ہوئی روٹی بھی کھاتے ہیں اور کچھہ نفرت نہیں کرتے *

علاوہ اِنکے تین قومیں اور ہندوستان میں ہیں جو اپنے تئیں مودب و مہذب تربیت یافتہ و شایستہ سمجھتی ہیں *

ہندو مسلمان انگریز ان تینوں قوموں کا جو طریق لباس اور طرز زندگی اور کھانے پینے کی رسم اور اُٹھنے بیٹھنے کی عادت ہی اُس سے تمام لوگ ہندوستان کے بخوبی واقف ہیں مگر اس میں کچھہ شک نہیں کہ ان تینوں قوموں میں سے جس قوم کا طریقہ اعلی ہی وہ قوم باقی دو قوموں کو ایسا ہی ذلیل اور ناتربیت یافتہ اور قابل نفرت کے سمجھتی ہی جیسیکہ ہم اپنے سے ادنی قوموں کو سمجھتے ہیں *

مسلمان اپنی دانست میں اپنے لباس اور اپنی مجلس میں نہایت آراستگی اور شان و شوکت کرتے ہیں اور اپنے دسترخوانوں کو انواع انواع طرح کے لذیذ کھانوں سے اور خوبصورت خوبصورت سرفے اور چاندی اور چینی اور باوریں برتنوں سے آراستہ کرتے ہیں مگر جو قوم کہ اُن سے بھی زیادہ لباس میں اور کھانے پینے کے طریق میں زیادہ صفائی رکھتی ہی وہ اُنکو اُسی حقارت اور ذلت سے دیکھتی ہی *

جو لوگ کہ چمچے اور کانٹوں سے کھاتے ہیں اور ہر دفعہ رکابیاں اور چھری کانٹے چمچے بدلتے جاتے ہیں جب وہ ہم مسلمانوں کو ہاتھہ سے کھاتے ہوئے دیکھتے ہیں تو اُنکو نہایت نفرت اور کراہیت آتی ہی *

ترکوں نے اگرچہ اپنا طریقہ بدل دیا ہی مگر مصر میں عورتیں اب تک نیچی میز پر کھانا رکھکر اور ہاتھہ سے کھاتی ہیں تھوڑے

دی ہوئی کہ پرنس آف ویلز یعنی ولیعہد سلطنت انگلستان معہ پرنسس آف ویلز یعنی ولیعہد بیگم کے مصر میں سیر کو تشریف لے گئے تھے اسمعیل پاشا خدیو مصر کی ماں نے پرنسس آف ویلز یعنی ولیعہد بیگم کی معہ سراے زنانہ میں دعوت کی اور اپنے ساتھہ کھانا کھلایا پرنسس آف ویلز کے ساتھہ آنریبل مسس ولیم گرے صاحبہ بھی بطور مصاحب کے تھیں اور دعوت میں بھی شریک تھیں اُنہوں نے وہاں سے واپس آکر سفر کا حال لکھا ہی چنانچہ جو کچھہ اُنہوں نے طریق کھانا کھانے کی نسبت لکھا ہی اُسکا انتخاب ہم اس مقام پر لکھتے ہیں تا کہ یہہ بات معلوم ہو کہ دوسری قوم جو ہمسے زیادہ صفائی سے کھاتی ہی ہمارے کھانا کھانے کے طریق کو کیسا خیال کرتی ہی *

مسس صاحبہ ممدوحہ اس طرح پر لکھتی ہیں کہ "کھانے کے کمرے کے اندر چاندی کی ایک گول میز بچھی ہوئی تھی فرش سے ایک فٹ اُونچی اور ایک بڑا خوان معلوم ہوتی تھی اُسکے گرد گدیے بچھے ہوئے تھے ہم سب آلتی پالتی مار کر میز کے گرد گدیوں پر ہو بیٹھے خدیو مصر کی ماں کی داہنی طرف پرنسس آف ویلز بیٹھیں اور پھر سب بیگمات درجہ بدرجہ بیٹھیں *

سب سے پہلے ایک قاب میں مرغ کا شوربا اور چاول یعنی خشکہ آیا اور سپی کے چمچے ملے مگر نہ چھری تھی نہ کانٹا تھا اُسکے بعد بڑا مٹن آیا اور دفعہ دفعہ بیس قسم کے کھانے آئے جو ہاتوں سے اور اُنگلیوں سے توڑ توڑ کر کھائے جاتے تھے *

جسقدر مجھکو اس سے نفرت ہوئی اور پھریری آ آ کرتے ہونے کی نوبت ہوئی ایسی کبھی نہیں ہوئی کھانے میں اُنگلیوں کا ڈبویا جانا دیکھہ کر اور اُنگلیوں سے توڑ کر کھانے سے ایسی نفرت اور گھن آتی تھی کہ مینے ایک آدہ دفعہ تو کھانے سے انکار کردیا مگر جو بیگم کہ میرے پاس بیٹھی ہوئی تھیں اُنہوں نے جانا کہ میں شرماتی ہوں تو ہر دفعہ کھانا اپنے ہاتھہ سے لیکر میری رکابی میں رکھدیتی تھیں اور ایک دفعہ شوربے میں سے پیاز نکال کر میرے آگے رکھدی اور میرا جی متلاتا جاتا تھا کھانے پر شراب مطلق نہ تھی * انتہی ملخصاً"

مسس گرے صاحبہ کا جو یہہ حال ہوا بلاشبہہ زیادہ اُسکا سبب یہہ تھا کہ اِس طرح پر کھانے کی اُنکو عادت نہ تھی مگر اِنصاف سے ہمکو اِس بات کا بھی اقرار کرنا چاہیئے کہ چھری اور چمچہ سے کھانا اور ہر قسم کے کھانے کے لیئے جدا برتنوں کا ہونا بہ نسبت ہاتھہ سے کھانا کھانے کے زیادہ عمدگی و صفائی اور نفاست رکھتا ہی *

یہہ بات کہی جاتی ہی کہ ہاتھہ سے کھانا مسنون ہی اور اُسکو حقیر سمجھنا کفر تک نوبت پہونچا دیتا ہی ہم اس راے کی صحت ر مقام کی بحث سے قطع نظر کرکر اُسکو تسلیم کرتے ہیں اور جو یہہ کہتے ہیں کہ اُن بزرگوں کی ادھی پیروی کرنا باعث ذلت ہی اگر مسلمان یہہ بھی گوارا کریں کہ صرف کھانے جس سے ہاتھہ اور مونھہ بھر جاتا ہی اور یہی امر باعث نفرت اور گھن آنے کا ہوتا ہی چھوڑدیں اور جو کے بن چھنے آٹے کی سوکھی روٹی لکڑی یا کھجور سے کھا لیا کریں تو اُن بزرگوں کی پوری پوری پیروی ہوگی اور اُسوقت میں کوئی بھی ہاتھہ سے کھانے پر نفرت نکریگا مگر یہہ نہیں ہوسکتا کہ کھانے تو ہوویں فرعونی اور طریق کھانے کا ہو مسنونی *

ہمکو خدا کا شکر کرنا چاہیئے کہ اُسنے ہمکو اپنی نعمتیں عطا کی ہیں ہم اُنکو استعمال کریں اور عملی طور پر اُسکا شکر بجالاویں اور جبکہ ہم یہہ خیال کریں کہ ان شان کی چیزوں کا ہم بنظر تکبر و غرور استعمال نہیں کرتے بلکہ بطور اداے شکر ولی النعم استعمال کرتے ہیں اور مسلمانوں کی قوم کو غیر قوموں کی نگاہ میں جو ذلت ہی اُس سے نکالتے ہیں جسمیں اسلام کی بھی عزت ہی تو اُسوقت تو ہم چمچہ اور چھری کانٹے سے کھانا مندوبات اور مستحبات سے کم نہیں سمجھتے کما قال علیہ الصلوٰۃ و السلام انما الاعمال بالنیات *

راقم
سید احمد

نمبر ۴۹

ترقی تہذیب الاخلاق

اکثر اشخاص جنکو ہمارے اس اخبار سے کچھہ تعلق اور اُسکی ترقی کے خواہاں ہیں اس بات کے مستفسر ہوتے ہیں کہ اُسمیں اب تک کیا ترقی ہوئی ہی بعض ہمارے احباب نے اس استفسار میں بیرونجات سے خط بھی ہمارے پاس بھیجے ہیں پس اُن تمام لوگوں اور اپنے ناظرین اخبار کی اطلاع کے واسطے میں کچھہ مختصر سا تذکرہ اسوقت مناسب سمجھتا ہوں *

اشتہار جو اس اخبار کے شروع میں چھاپا جاتا ہی اُس سے معلوم ہوگا کہ جو لوگ اس اخبار کو لیتے ہیں وہ دو قسم پر منقسم ہیں *

اول ممبر ہیں جو ساتھہ روپیہ سال عنایت فرماتے ہیں *

دوم خریدار اخبار ہیں جنسے تین روپیہ سال قیمت اور ایک روپیہ آٹھہ آنہ سال محصول جملہ چار روپیہ آٹھہ آنہ سال لیا جاتا ہی *

پس اب تک جسقدر ممبر اور خریدار اس اخبار کے ہوگئے ہیں اُنکی فہرست معہ اُس روپیہ کے جو اُن سے وصول ہوا ہی ذیل میں درج کی جاتی ہی *

ممبران تهذيب الاخلاق

رقم وصولي	نام
سـه	مولوي سيد احمد خانصاحب بهادر سي ايس آئي
سـه	حافظ احمد حسين صاحب سفير نواب صاحب بهادر سابق والي ٹونک مقيم لندن ...
سـه	قاضي شهاب الدين صاحب وزير مهاراجه صاحب کچهه مقيم لندن ...
سـه	مولوي سيد شاه امداد علي صاحب بهادر جج اسمال کاز کورٹ و سب آرڈينٹ جج مظفر پور ضلع ترهٹ صوبه بهار ...
سـه	سيد محمد احمد خان صاحب بهادر اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر هردوئي علاقه اوده ...
سـه	مرزا محمد رحمت الله بيگ صاحب رئيس و وکيل عدالت ديواني بنارس ...
سـه	خواجه محمد يوسف صاحب رئيس و وکيل عدالت ديواني عليگڈه ...
سـه	مير تراب علي صاحب ڈپٹي کلکٹر بهادر بداؤں
سـه	مولوي محمد کريم صاحب ڈپٹي کلکٹر بهادر بندوبست ضلع بداؤں ...
سـه	شيخ محمد شرف الدين صاحب رئيس شيخو پور ضلع بداؤں ...
سـه	مرزا عابد علي صاحب منصف هاتهرس ضلع عليگڈه
سـه	مولوي سيد مهدي علي صاحب تحصيلدار مرزاپور
سـه	مير ظهور حسين صاحب وکيل هائي کورٹ ممالک مغربي و شمالي ...
سـه	منشي الهي بخش صاحب سب اسسٹنٹ بهادر نهر گنگ ڈويژن ملده شهر ...
سـه	مولوي محمد سميع الله خان صاحب وکيل هائي کورٹ ممالک شمالي و مغربي ...
سـه	مولوي محمد عنايت الله خان صاحب رئيس بهيکم پور ضلع عليگڈه ...
سـه	مولوي زين العابدين صاحب منصف درجه اول گورکهپور ...

خريداران اخبار

رقم وصولي	نام
سے۲	قاضي محمد لطافت حسين صاحب وکيل عدالت ديواني عليگڈه ...
	مولوي محمد برکت الله صاحب مرحوم رئيس امروهه ضلع مرادآباد و بعوض بجاے مولوي صاحب
للعہ۸	مرحوم مولوي محمد مظهر الله صاحب خلف اکبر مولويصاحب مرحوم ...
للعہ۸	بابو اننت رام صاحب امين عدالت ديواني اله آباد
سے	بابو مادهو داس مدهو سودن داس صاحب رئيس بنارس ...
للعہ۸	محمد حيات خان صاحب اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر بهادر کوهاٹ ...
سے۲	مولوي محمد عبد الوهاب صاحب ناظر عدالت جج ماتحت عليگڈه ...
سے۲	مولوي محمد هدايت الله صاحب سررشته دار فوجداري عليگڈه ...
للعہ۸	مولوي محمد عبد الغفور صاحب رئيس محمدآباد ضلع اعظم گڈه ...
للعہ۸	بابو ايشوري نراين سنگهه صاحب بهادر رئيس بنارس
للعہ۸	منشي محمد مجتبى کريم صاحب محرر اول محکمه سپرنٹنڈنٹي صفائي شهر و تعمير عمارات سرکاري بنارس ...
صہ۸	منشي غلام حيدر خان صاحب تحصيلدار عليگڈه و غلام مرتضى خان صاحب وکيل منصفي فتح آباد ضلع آگره ...
سے۲	محمد حرمت خان صاحب مختار عدالت مال عليگڈه ...
سے۲	محمد ظفرياب خان صاحب مختار عدالت مال و وکيل ديواني عليگڈه ...
للعہ۸	محمد مسعود شاه خانصاحب منصرم عدالت منصفي هاتهرس ضلع عليگڈه ...
للعہ۸	مسٹر آرچرڈ کانسٹبل صاحب عهده دار اوده و روهيلکهنڈ ريلوے مقام بريلي ...
للعہ۸	چودهري محمد منصور خانصاحب رئيس بلرام ضلع ايٹه ...
سے۲	محمد اوصاف علي خانصاحب رئيس عليگڈه ...
للعہ۸	مرزا جلال الدين صاحب وکيل عدالت ديواني بنارس
للعہ۸	حافظ فضل الرحمان صاحب وکيل عدالت ديواني بنارس ...
للعہ۲	منشي محمد ممتاز علي صاحب سررشته دار کلکٹري هميرپور ...
للعہ۸	مولوي شاه احمد الله صاحب منصف بانس گانون ضلع گورکهپور ...
سے۲	قاضي محمد مدد حسين صاحب وکيل سرکار عدالت عليگڈه ...

لالہ لکھمیر شنکر صاحب وکیل عدالت دیوانی علیگڈہ ... عے ر

خواجہ احمد حسن صاحب انسپکٹر پولیس ضلع شاہجہاں پور ... صہ ر

کنور محمد لطف علی خاں صاحب رئیس چھتاری ضلع بلند شہر ... عے ر

حکیم محمد امجد علی خانصاحب رئیس امروہہ ضلع مرادآباد ... للعہ ۸

سید فدا حسین صاحب انسپکٹر پولیس تھانہ مرزا مراد ضلع بنارس ... للعہ ۸

سید غلام حیدر خانصاحب اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر بہادر لکھم پور کھیری ملک اودہ ... للعہ ۸

مولوی محمد خلیل صاحب تحصیلدار نظام آباد ضلع اعظم گڈہ ... للعہ ۸

مولوی محمد کریم بخش صاحب بہادر اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر کونچ ضلع جالون ... للعہ ۸

محمد مظہر حسن صاحب محرر فوجداری علیگڈہ ... عے ر

منشی محمد ضمیر الدین احمد صاحب ڈپٹی کلکٹر مامورہ بکار ریل مقام اگرہ ... عے ر

مولوی محمد انوار الحق صاحب وکیل عدالت دیوانی مرادآباد ... للعہ ۸

چودری رجب علی صاحب مقام نواب گنج بارہ بنکی ملک اودہ ... صہ ۱۵

منشی محمد امین الدین خانصاحب سب انسپکٹر ڈاکخانجات مرزاپور و جونپور ... للعہ ۸

محمد مغفور اللہ خانصاحب رئیس بلونہ ضلع علیگڈہ ... صہ ۱۰

مولوی محمد عبداللہ صاحب عبیدی پروفیسر عربی و انگریزی کالج ہوگلی ... صہ ۱۰

منشی محمد چراغ علی صاحب قایم مقام ڈپٹی منصرم محکمہ جوڈیشنل لکھنؤ ... صہ ۱۰

قاضی محمد عزیز الرحمان خانصاحب بہادر آنریری مجسٹریٹ برہان پور ... عہ ۳

منشی صفدر علی صاحب ضلع انسپکٹر مدارس ضلع جبلپور ... للعہ ۸

سید ممتاز حسین صاحب محرر اول منصفی بلاری ضلع مرادآباد ... للعہ

منشی احمد شفیع صاحب ہیڈ ماسٹر وزیرآباد پنجاب ... للعہ ۸

منشی محمد اکرام الدین حسین صاحب سررشتہ دار فوجداری گورکھپور ... للعہ ۸

مولوی محمد حسن صاحب سربراہ کار ریاست مجھولی ضلع گورکھپور ... للعہ ۸

منشی ذکاء اللہ صاحب ہیڈ ماسٹر نارمل اسکول دہلی ... [illegible]

منشی چندولال صاحب سکرٹری دہلی سوسئٹی ... صہ ۱۰

بابو پیکن خانصاحب رئیس برسولی ضلع ترہت صوبہ بہار ... للعہ ۸

مولوی کاظم حسین صاحب منصف مقام [illegible] صوبہ بہار ... [illegible]

حافظ عبدالکریم صاحب منصف ورنبھگا ... [illegible]

سید اقبال علی صاحب اسسٹنٹ سکرٹری ریڈنگ کلب پرتاپ گڈہ ... [illegible]

مولوی محمد اصغر صاحب از مقام رائے بریلی ملک اودہ ... صہ ۱۰

منشی محمد زین الدین صاحب سپرنٹنڈنٹ چنگی سنبھل ضلع مرادآباد ... [illegible]

منشی عبداللطیف صاحب مقام گورکھپور ... [illegible]

مولوی شیخ محمد صاحب مقام اعظم گڈہ ... للعہ ۱۳

پنڈت رگناتھ پرشاد صاحب کوتوال بنارس ... للعہ ۸

سید نادر علی شاہ صاحب ہوشیار پور علاقہ پنجاب ... عے ر

ڈاکٹر امین الدین احمد خاں صاحب مقام بستی ... } ہمارے ایک دوست کے پاس قیمت جمع ہوگئی ہی عنقریب ہمارے آنے والی ہی

نظام الدولہ منتظم الملک نواب محمد مردان علی خانصاحب بہادر تخت قایم جنگ وزیراعظم ریاست ماروار جودہپور } قیمت عنقریب آنے والی ہی

مولوی محمد مظہر اللہ صاحب تحصیلدار چاند پور ضلع بجنور ... } ایضا

مولوی محمد ابراہیم علی صاحب رئیس بچھرایوں ضلع مرادآباد ... } ایضا

سید محمد نورالحسین صاحب منصف سہسرام ضلع شاہآباد ... } ایضا

صاحب سکرٹری گورنمنٹ ہند فارن ڈپارٹمنٹ ایضا

صاحب رپورٹر سرکاری متعلق گورنمنٹ ممالک مغربی و شمالی ... ایضا

جمع و خرچ اُس روپیہ کا جو چندہ ممبری اور قیمت اخبار میں وصول ہوا ہی اور جو آیندہ وصول ہوگا ہمراہ رپورٹ سالانہ کار روائی اِس اخبار کے انشاء اللہ تعالی آخر سنہ ۱۲۸۸ ہجری نبوی صلعم میں ملاحظہ ناظرین اخبار کے واسطے بتفصیل تمام چھاپا جاویگا

والقسـلام

مشتاق حسین
مہتمم تہذیب الاخلاق

بمقام علیگڈہ — مطبع علیگڈہ انسٹیٹیوٹ میں چھپا اور باہتمام
منشی محمد مشتاق حسین شایع ہوا

THE MOHAMMEDAN SOCIAL REFORMER
تہذیب الاخلاق

جلد دوم] یکم رجب سنہ ۱۲۸۸ ہجری [نمبر ۱۱

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اطلاع

جسقدر روپیہ بابت اِس پرچہ کے بطور چندہ خواہ بطور قیمت وصول ہو وہ کسی خاص شخص کی ملکیت نہوگا بلکہ اِس پرچہ کے اجرا و ترقی میں صرف کیا جاویگا *

مسلمانوں میں سے جو شخص ساتھہ روپیہ سالانہ پیشگی بطور چندہ دے وہ اس پرچہ کے متعلق معاملات میں ممبر متصور ہوگا *

علاوہ اِس کے جو شخص کچھہ روپیہ بطور ڈونیشن دے وہ بشکر گذاری قبول کیا جاویگا *

یہہ پرچہ ہر مہینے میں ایک بار یا دوبار یا تین بار جیسا کہ مقتضاے مضامین ہوگا چھپا کریگا خریداروں کو تین روپیہ قیمت اور ایکروپیہ آٹھہ آنہ محصول جملہ چار روپیہ آٹھہ آنہ پیشگی بھیجنے ہونگے *

اگر کوئی شخص کوئی خاص پرچہ خریدنا چاہے گا اُس کو فی پرچہ چار آنہ قیمت اور ایک آنہ محصول دینا ہوگا *

ممبروں کو بلا قیمت یہہ پرچہ ملیگا اور اُن کو اُس کے تقسیم کا بلا قیمت جسکو وہ چاہیں اختیار ہوگا *

اِس پرچہ میں بجز مضامین متعلق تہذیب اخلاق و حسن معاشرت کے جہاں تک کہ وہ مسلمانوں سے متعلق ہیں اور کچھہ مندرج نہوگا *

مضمون نمبر ۵۰

اعتدال

انسان جس طرح تمام مخلوقات میں اشرف اور سب سے زیادہ صناع اور عقلمند پیدا ہوا ہی اُسی طرح تمام دنیا میں شاید اُس سے زیادہ کوئی اَوْر مخلوق حاجت مند بھی نہیں ہی انسانیت اور خوشی اور ایمان کے ساتھہ زندگی بسر کرنے کے واسطے انسان کو اپنی اُس دشوار گذار منزل میں جو شکم مادر سے شروع ہوکر لب گور پر ختم ہوتی ہی بے انتہا غرضیں اور ضرورتیں متعلق ہوتی ہیں اور وہ اکثر باہم ایسی مختلف ہوتی ہیں کہ اگر ایک مقصد کے حاصل کرنے میں حد معین سے زیادہ کوشش کی جاوے تو دوسرے مقصد کے فوت ہوجانے کا قوی اندیشہ ہوتا ہی پس اُس حد معین سے تجاوز نکرنے اور اُسکو نگاہ رکھنے کا نام اعتدال ہی *

کوئی کام خواہ وہ تمدن اور معاشرت سے علاقہ رکھتا ہو یا معاد اور آخرت سے ایسا نہیں پایا جاتا جسمیں اعتدال کی ضرورت نہو تمام قوی جو خدا نے انسان کو عطا فرمائے ہیں اور جنکی بدولت

اعتدال

اعتدال

انسان دونوں جہان میں هر قسم کی خوشي اور آسایش اور آرام حاصل کرسکتا هی وہ سب کے سب درحقیقت اعتدال هي کي بدولت شگفتہ اور شاداب رہ سکتے هیں پس قدرت کا یہہ ایک ایسا سچا اور مستحکم اصول هی کہ دنیا کا تمام کارخانہ اُسي پر قایم هی اور یہي حکمت تھي کہ مذهب اسلام میں اعتدال کي نسبت نہایت تاکید هوئي اور کچھہ شبہہ نہیں کہ دنیا کے تمام مذاهب میں مذهب اسلام هي ایک ایسا مذهب هی جسکي کوئي بات اعتدال سے خارج نہیں هی اس مذهب کا کوئي کام خواہ عبادات میں خواہ معاملات میں ایسا نہیں پایا جاتا جسمیں اعتدال نہو فرائض جو خدا نے مسلمانوں کے واسطے مقرر کیئے وہ سب معتدل هیں فرائض کے علاوہ اَوْر تمام نیکیوں اور عبادتوں کا بھي یہي حال هی تمام عبادتیں اُسیوقت تک عبادت هیں جب تک انسان کے قوی معطل و بیکار نہوجاویں اور اُسکے بعد رهبانیت هی ولارهبانیتہ فی‌الاسلام یہي حال مالي عبادت کا هی خیرات و مبرات اُسي حد تک ٹھیک هی جہاں تک انسان خود مفلس اور درماندہ اور نان شبینہ کو محتاج نہو جاوے واہ خدا میں گھر بار لٹا لنگوٹي باندہ کاسہ چوبي لے دھوني رما جنگل میں جابیٹھنا مذهب اسلام کا منشاء نہیں کما قال اللہ تعالی عز و جل و لاتجعل یدک مغلولۃ الی عنقک ولا تبسطها کل‌البسط فتقعد ملوماً محسورا † *

یہي حال مسلمانوں کے دنیاوي برتاؤ کا هی همارے معاملات دنیا کو بھي مذهب اسلام نے نہایت سہل کردیا هی تمام ستھري اور پاک چیزیں همارے واسطے حلال هیں اور یہي نہیں کہ اُنکے استعمال کي فقط اجازت هي دي هو نہیں بلکہ اُنکے مطلق ترک کو بھي منع فرمایا تاکہ مسلمان حلال اور طیب چیزوں سے حظ اُٹھانے میں محروم نرهیں یا ایها‌الذین آمنو لاتحرموا طیبات ما احل‌اللہ‌لکم و لاتعتدوا ان اللہ لایحب‌المعتدین و کلو مما رزقکم اللہ حلالاً طیباً واتقوا اللہ الذي انتم بہ مؤمنون ‡ *

یہي حال اور تمام باتوں کا هی دنیا میں وہ تعلق جو ایک انسان کو دوسرے انسان سے عموماً هوتا هی اور جس سے انسان کے حظ زندگي کا بہت بڑا حصہ متعلق هی وہ وہ تعلق هی جو میاں اور بي بي میں هوتا هی اِس تعلق کے مستحکم اور خوشگوار کرنے واسطے جو احکام مذهب اسلام میں هیں جب اُس کا مجموعہ نظر کي جاے تو کوئي منصف آدمي بھي کو کسي مذهب کا کیوں نہ هو مطلق اعتراض نہیں کرسکتا *

میں اِس مضمون میں اُن کمبخت اور ناخدا ترس مسلمانوں کي حمایت کرنا نہیں چاهتا هوں جنہوں نے اپنا برتاؤ خلاف احکام خدا اور رسول کے قایم کرکے نہ فقط اپني عاقبت خراب کي هی بلکہ اپنی اُن ناشایستہ حرکات کي بدولت غیر مذهب والوں کي نظروں میں صرف همارے اعمال کي بھلائي برائي پر بظاهر مذهب اسلام کي بھلائي اور برائي کو قیاس کرتے هیں مذهب اسلام کو حقیر کردیا * میں اسوقت صرف اُن احکام سے بحث کرتا هوں جو مذهب اسلام نے مسلمانوں کے برتاؤ کے واسطے نہایت اعتدال کے ساتھہ مقرر کیئے هیں *

کثرت ازدواج جسکي بدولت غیر مذهب والے مسلمانوں پر طعن کرتے هیں جسطرح مسلمانوں کے مذهب کے بموجب جائز کیا گیا هرگز لایق اعتراض نہیں بلکہ بالکل قانون قدرت کے مطابق اور نہایت ضروري هی اول تو مذهب اسلام نے یہہ نہیں کیا کہ ایک نکاح کي قید کو توڑ کو زیادہ نکاح جائز کردیئے هوں بلکہ ایک غیر محدود تعداد نکاح کو جو قبل اسلام کے رائج تھا بہت کچھہ گھٹا کر محدود کردیا * اور در حقیقت ایک سے زیادہ نکاح کي اجازت مذهب اسلام نے کسي مسلمان کو اُسوقت تک نہیں دي جبتک شدید ضرورت نہ پائي جاوے — فرض کرو کہ اگر ایک بي بي سے اولاد نہ هوتي هو اور عورت هي میں کوئي نقصان هو تو مرد اگر اولاد کي خواهش میں جس سے کوئي دل خالي نہیں هی دوسرا نکاح نہ کرسکے تو کسقدر مایوسي کي بات هی — علی‌هذاالقیاس اگر اولاد کي محرومي مرد کے کسي نقصان سے هو تو عورت کو یہہ اجازت هی کہ قاضي کے حضور میں مرد سے طلاق دلانے کے واسطے نالشي هو — فرض کرو کہ کسي مرد کي خواهش اور قوت ایسي بڑھي هوئي هو کہ اُس کو دوسري بي‌بي کي حاجت هو تو کیا گناہ هی اگر وہ دوسرا نکاح کرے رهي یہہ بات کہ عورت کو ایسي اجازت کیوں نہ هو اُس کا یہہ حال هی کہ اِس معاملہ میں مرد هي کو ترجیح دینا ضرور تھا ایسي اجازت میں نطفہ کچھہ متحقق نہوتا میراث میں نہایت جھگڑا پڑتا قطع نظر اسکے مرد اور عورت کي بناوٹ یہي بات چاهتي هی کہ مرد کو ترجیح کا حق حاصل هو عورت پر هر مدت حمل میں اور بعد وضع حمل ایک مدت ممتد ایسي گذرتي هی کہ وہ مقید هوجاتي هی برخلاف مرد کے کہ وہ هر وقت آزاد رهتا هی تمام دنیا میں اور اُن ملکوں میں بھي جہاں عورتوں کے حقوق مردوں کے

---

† اور نرکھہ اپنا هاتھہ اپني گردن سے بندھا هوا اور نہ کھولدے اُسکو نرا کھولنا پھر تو بیٹھہ رهے الزام کھایا هارا — پارہ ۱۵ — رکوع ۳ *

‡ اے ایمان والو مت حرام ٹھراؤ ستھري چیزیں جو اللہ نے تمکو حلال کیں اور حد سے مت بڑھو اللہ نہیں چاهتا زیادتي والوں کو اور کھاؤ اللہ کے دیئے سے جو حلال هو ستھرا اور ڈرتے رهو اللہ سے جسپر یقین رکھتے هو — پارہ ۷ — رکوع ۱ *

کچھہ کم تسلیم نہیں ہوتے اب تک روپیہ پیدا کرنے اور گھر کا انتظام قایم رکھنے اور کاروبار چلانے کا کام اکثر بلکہ عموماً مردوں هي سے متعلق هی پس یہہ تمام ترکیب اعضا اور لیاقتیں اور ذمہ داریاں جو مردوں میں هیں بلاشبہہ اِس لایق هیں کہ اُن کو عورتوں پر ترجیح حاصل ہو ٭

باایں همہ اِس ترجیح سے همارا مطلب یہہ نہیں هی کہ عورتوں کے حق میں نا انصافي اور بیرحمي اور ظلم جائز رکھا جاوے یہہ تمام باتیں مذهب اسلام کے بالکل برخلاف هیں مسلمانوں کے مذهب میں فریقین کو نہایت تاکید هوئي هی کہ ایک دوسرے کے ساتھہ بہت پیار اور محبت سے رهیں مردوں کو یہہ نصیحت هی کہ عورتیں اگر کوئي تلخ بات بھي کہیں تو اُس پر صبر کریں — مرد جب دوسرا نکاح کرے تو اُس پر فرض هی کہ نفقہ اور محبت اور پیاري میں فرض کہ جملہ باتوں میں اپني سب بیبیوں میں مساوات اور عدل کو نگاہ رکھے اور علی قدر مراتب سب کي خاطر اور تواضع اور ملنساري کرتا رهے — اِسموقع پر یہہ اعتراض هوسکتا هی کہ ممکن هی کہ ایک بي بي کا حسن و جمال مرد کو دوسري بي بي کي نسبت اپني طرف زیادہ مائل کرلیوے اور اُس حالت میں مرد اعتدال قایم نرکھہ سکے اور بلاشبہہ یہہ بات صحیح هی لیکن مذهب اسلام پر یہہ اعتراض اِس لیئے وارد نہیں هوسکتا کہ اُس میں نکاح آخر کي اجازت مرد کو اُسي حالت میں هی جبکہ مرد اعتدال کرسکے ورنہ وہ نعل معصیت میں داخل هوگا اور در حقیقت یہہ قید اعتدال بین الزوجتین کي ایسي سخت هی کہ هر آدمي اُسکو پورا نہیں کرسکتا پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ و سلم نے جو عدل اور مساوات اپني بیبیوں میں برتي یہاں تک کہ هرایک کے حجرہ پر مٹي تول تول کر ڈالي اس سے عام مسلمانوں کو تعدد نکاح کي مشکلات سے مطلع کردیا اور یہہ ایک منجانب اللہ اشارہ هی اِسبات کي طرف کہ حتی‌الامکان ایک هي بي بي پر قناعت کرنا چاهیئے چنانچہ اکثر ایسا هي هوتا هی فی صدي پانچ مسلمان بھي ایسے نہیں هیں جو ایک سے زیادہ بیبیاں رکھتے هوں ٭

لیکن چونکہ سچا مذهب ایسا هونا چاهیئے تھا جسمیں هرایک موسم اور ملک اور ضرورت اور هرایک مزاج کي رعایت ملحوظ هو اِسلیئے یہہ بات ضرور تھي کہ مرد ایک نکاح سے زیادہ کے واسطے ایک مناسب حد تک مطلقاً منع نہ کیئے جاویں تاکہ اُن مضرتوں کا بھي علاج باقي رهے جو ایسي منع کي حالت میں پیش آتیں — نپولین بونا پارٹ اگر مسلمان هوتا تو کبھي اُس دقت میں نہ پڑتا جو اُسکو اپني پہلي بي بي جوزي فین سے اولاد نہونے اور مجبورا ترتیا شہنشاہ اسٹریا کي دختر سے دوسرا نکاح کرتے وقت پیش آئي — نپولین نے مجبور هوکر اُس قانون پر عمل کیا جو کارخانہ قدرت کے موافق اور مسلمانوں کے مذهب کے مطابق تھا ٭

طلاق اُن سب نارضامندیوں کا آخر علاج هی جسکے سبب سے کوئي گھر اور خاندان معرض پریشاني اور تباهي میں هو هم پوچھتے هیں کہ انسان آخر بشر هی میاں اور بي بي میں اگر کوئي ایسا رنج پیدا هوگیا جسکا تدارک اور طرح پر ناممکن هی تو کیا یہہ مناسب هی کہ دونوں اُسي مایوسي اور پر رنج حالت میں اپني زندگي بسر کریں یا یہہ مناسب هی کہ دونوں اُس رنج سے خلاص هوں اور خوشي حاصل کرنے کي فکر کریں مرد اگر کسي بي بي سے نہایت آزردہ هو اور عدل قایم نرکھہ سکتا هو تو وہ اپني بي بي کو طلاق دیکر اُس رنج سے خلاصي پاسکتا هی بي بي دوسرا نکاح کرکے اُس مایوسانہ حالت سے نکل سکتي هی تاهم مذهب اسلام نے اسبات کي بہت کچھہ روک تھام کي هی کہ طلاق کي رسم عام نہوجاوے اور ایسا مستقل رشتہ بات کي بات میں یا غصہ کي حالت میں منقطع نہوجاوے اِس لیئے ایک یا دو مرتبہ اگر لفظ طلاق مونہہ سے نکل بھي جاوے تو بھي پھر رجعت هوسکتي هی اور تیسري دفعہ کي محتاج رہ جاتي هی اور طلاق مغلظہ کے بعد اگر میاں بي بي پھر آپس میں راضي بھي هوجاویں تو وہ اُس وقت تک کافي نہیں جب تک کہ بي بي نے کسي غیر شخص سے نکاح کرکے طلاق نہ پائي هو یہہ اِس لیئے کہ طلاق کوئي هنسي کھیل نہو جاوے اور مرد یہہ خوب سمجھہ لے کہ طلاق کے موثق هوجانے کے بعد پھر کسي طرح وہ اپني بي بي کو نہیں پاسکتا اِس لیئے کہ عورت کا دوسرے مرد سے نکاح کرنا اور پھر طلاق پانا نہایت شاذ هی ٭

الغرض میاں اور بي بي کے تعلقات کو جیسا عمدہ مسلمانوں کے مذهب نے قایم کردیا اور جسقدر رعایت اسبات کي کہ گھروں کے فساد دور هوں زنا اور بدکاري سے مرد اور عورت دونوں محفوظ رهیں اور بدسلوکي و بد اخلاقي پاس نہ آنے پاوے کبھي اُسي کي بدولت مسلمانوں میں برتي گئي ممکن نہیں کہ مسلمان اُس کا شکریہ ادا کرسکیں اور نا ممکن تھا کہ بڑے بڑے عقلمند فن زماننا اور ماهران فن اصول قوانین بھي باهمي مشورتوں سے ایسے مختصر اور عام فہم لفظوں میں اور ایسي آساني سے ایسے اصول قایم کرسکتے مگر افسوس هی کہ اکثر مسلمان اپنے عمدہ مذهب کي اصلي خوبیوں کي طرف خیال نہیں فرماتے اور ایسي ایسي وحشیانہ اور ظالمانہ حرکات کے مرتکب هوتے هیں جو بالکل خدا اور رسول کے حکم کے برخلاف هیں اور جنکي نسبت ضرور ایک نہ ایک دن اُن سے باز پرس هوني هی اور اپنے اُن نامعقول افعال کو جنکے بیان کرنے سے شرم آتي هی مذهب اسلام کے مطابق خیال کرنے سے مذهب اسلام کو داغ لگاتے هیں اُن برعکس

لڑکیوں کو جنکے کمبخت ماں باپ مصیبت اور قحط کے دنوں میں پیٹ پالنے کے حیلہ سے چھوڑ جاتے ہیں شرعی لونڈیاں سمجھا گیا ہی کیا یہہ غیرت کی بات نہیں ہی اور کیا یہہ مسلمانوں کی رسوائی کا باعث نہیں ہی اور کیا یہہ اَمر اِس لائق نہیں ہی کہ مسلمان اُس سے اجتناب کریں اور اعتدال سے نہ گذریں *

حاصل یہہ کہ مذہب اسلام کے بموجب تمام برتاؤ ادنے سے لیکر اعلی تک نہایت اعتدال کے ساتھہ ہی اور جب اُس سے تجاوز کیا جاتا ہی تب ہی خرابی پیدا ہوتی ہی — بہت کم لوگ ہیں جو اپنے معاملات میں اعتدال برتتے ہوں اور خصوصا ہندوستان میں تو افراط اور تفریط کی کوئی حد ہی باقی نہیں رہی نکاح کے علاوہ جس کا اوپر ذکر کیا گیا اور بہت سی باتوں میں بے اعتدالیاں ہوتی ہیں اور پھر مشکل یہہ ہی کہ اُن بے اعتدالیوں کو بے اعتدالی نہیں سمجھا جاتا *

اب آج کل اس بات کا بہت کچھہ چرچا ہورہا ہی کہ مسلمانوں کو شایستگی اور تربیت حاصل کرنا چاہیئے اور بڑے بڑے لوگ اسباب میں ساعی ہیں اور بڑے بڑے پڑھے لکھے اُن اولوالعزم لوگوں کی کوششوں کے برخلاف ہیں اور ایک بڑا مناظرہ اور مناقشہ قایم ہوا ہی لیکن میں دیکھتا ہوں کہ وہی ایک اصول جسپر تمام باتوں کا دار و مدار ہی یعنی اعتدال دونوں فریق اُسی کو بھولے ہوئے ہیں *

ایک فریق تو شایستگی کے نام سے نفرت کرتا ہی اور اُسمیں کوشش کرنے کو ضلالت اور ارتداد بلکہ کفر کے قریب تک نوبت پہونچا دیتا ہی اِس فریق نے دنیاوی ترقی کو مذہب اسلام کے بالکل برخلاف سمجھا ہی اِس فریق میں سے فیصدی ننانوے آدمی خود دنیا میں مبتلا ہیں مگر بات کا مونہہ سے نکالنا عیب جانتے ہیں خود ہر قسم کی کوشش مال و دولت اور نام و عزت کے حصول کے واسطے کرتے ہیں لیکن اسبات کو گوارا نہیں کرتے کہ کوئی شخص اُس کو باقاعدہ حاصل کرنے کے واسطے کوشش کرے اور اوروں کو بھی وہ قواعد سکھلاوے *

دوسرے فریق نے برخلاف اُس کے یہہ سمجھا کہ شایستہ قوموں سے ملنے اور میل و ملاپ قایم رکھنے سے اپنی قوم بھی شایستہ اور مہذب ہو سکتی ہی اور یہہ خیال اُن کا بالکل درست تھا لیکن اُنہوں نے جو طریقہ اس مقصد کے حصول کے واسطے اختیار کیا اور اب تک بھی بعض بڑے بڑے نامی مسلمان بعض وقت اُسی کی پیروی کرتے ہیں وہ ایسا خراب تھا کہ اُس کے سبب سے اصل مطلب بھی فوت ہوگیا اور بجاے اس کے کہ سچے مسلمانوں کو اس مقصد کے حصول کی طرف کچھہ رغبت ہوتی اور زیادہ نفرت ہوگئی اور دن بدن وہ [illegible] بگڑتی جاتی ہی اور یہہ ایک بڑی خرابی کی بات ہی اور کچھہ شک نہیں کہ یہہ تمام خرابیاں صرف اسی وجہہ سے پیدا ہوئیں کہ مذکورہ بالا فریقین نے حد اعتدال سے بڑھا کر قدم رکھا *

مشہور بات ہی کہ بڑے بڑے قاضی القضات اور نیچی نیچی ڈاڑھیوں والے وہ مولوی صاحب و قبلہ جو ہندوستانی ناچ و رنگ میں شریک ہونے کو نہایت ذلیل اور بیحیائی سمجھتے ہیں (اور بالکل سچ سمجھتے ہیں) انگریزی ناچ و رنگ کی مجلسوں میں بے تکلف شریک ہوتے ہیں اور اُس کو مصلحت وقت سمجھتے ہیں *

سلطان عبدالعزیز خاں سلطان روم کی نسبت کہا جاتا ہی کہ وہ اسی مصلحت کے لحاظ سے مع اپنے روساء اور اُمراء کے اُس بال میں (یعنی انگریزی ناچ و رنگ کی مجلس میں) شریک ہوا جو سفیر انگلستان نے شاہزادہ ولی عہد بہادر انگلستان کے قسطنطنیہ میں تشریف لانے کے وقت اپنے اظہار مسرت کے واسطے دیا تھا *

اب اس موقع پر دو سوال پیدا ہوتے ہیں اول یہہ کہ ایسے ناچ و رنگ کی مجلس میں بموجب مذہب اسلام کے شریک ہونا جایز ہی یا نہیں دوم یہہ کہ اگر نا جایز ہی تو موجودہ وقت کی مصلحت کے لحاظ سے اُس میں شریک ہونا جایز ہی یا نہیں شق اول کی نسبت تو مجھکو اسلیئے کچھہ زیادہ بحث کرنا ضرور نہیں ہی کہ جو صاحب ان ناشایستہ حرکتوں کے مرتکب ہوتے ہیں ابھی تک اُنہوں نے خود بھی اُس کو شرعاً مباح نہیں فرمایا ہی شق ثانی کے لحاظ سے میں تسلیم کرتا ہوں کہ مصلحت اندیشی بلا شبہہ ایک عمدہ بات ہی لیکن دیکھنا چاہیئے کہ مذہب اسلام میں اتنی گنجایش ہی یا نہیں کہ مسلمان اپنے تمام افعال مذہب کی پابندی سے کرسکیں اور کوئی خرابی پیدا نہ ہو مجھکو ایک بات یاد آئی دہلی میں جب مولوی عبدالقادر صاحب نے اس جہان سے رحلت فرمائی تو اُس خاندان کے دستور کے مطابق اُن کا جنازہ صندوق میں رکھا گیا اور اُوپر سے اُس پر شامیانہ تنا مولوی محمد اسمعیل صاحب شہید علیہ الرحمۃ نے جو ایک بے نظیر شخص گذرے ہیں مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب قدس سرہ العزیز سے اس بات کی درخواست کی کہ صندوق اور شامیانہ کی شرع میں کچھہ اصلیت پائی نہیں جاتی یہہ دونوں بدعتیں موقوف کی جاویں مولانا صاحب نے شامیانہ تو موقوف کردیا اور صندوق کی نسبت یہہ جواب کہلا بھیجا کہ اس کی اصل ہی حضرت یعقوب علیہ السلام کے جنازہ کو اُن کے بیٹوں نے صندوق میں رکھا تھا — یہہ [illegible] مولوی اسمعیل صاحب سے نہ رہا گیا اور اُنہوں نے علانیہ یہہ فرمایا کہ کیا مذہب اسلام اب اسقدر تنگ ہوگیا کہ اُس میں جنازہ اُٹھانے تک کے بھی پورے پورے احکام نہیں ملتے جو ہم اور انبیاء سابق

عليهم الصلواة والسلام کي شريعت کي طرف رجوع لاويں شاه صاحب اپنے بهتيجے کي يهه بات سنکر پسينا پسينا هوگئے اور مشهور هی که اُس هی کے بعد سے يهه سب رسميں اُس خاندان ميں سے موقوف هو گئيں *

[illegible] صاحب مصلحت وقت کے حيله سے انگريزي ناچ و رنگ کي مجلسوں ميں باوجود ممانعت شريعت کے بے تکلف شريک هوتے هيں اُن کا مطلب معاذالله يهه هوتا هی که مذهب اسلام ميں کوئي ايسا قاعده مقرر نهيں هی جس کے ذريعه سے مسلمان غير قوموں سے اپنا معامله اتفاق کے ساتهه قايم رکهه سکيں اور اپنا اعتبار اور اعزاز غير قوموں کي نظروں ميں پيدا کر سکيں اِن مصلحت دشمن مسلمانوں کي نسبت يهه کهنا مناسب هی که يا وه پکے مسلمان نهيں يا اُنهوں نے مسلمانوں کے مذهب کي تمام خوبيوں کو اچهي طرح نهيں سمجها هی پس ايسي راے رکهنے والوں پر سواے افسوس کے اور کيا کها جاسکتا هی اِس ميں کوئي مولوي هو يا کوئي قاضي القضات يا کوئي سلطان وقت هم کو اِن ميں سے کسي کي خلاف شرع مصلحت انديشي کي تقليد کرنا نه چاهيئے *

مسلمانوں کے مذهب ميں جس قدر اُن باتوں کي تقيد هی جن کے ذريعه سے غير قوموں ميں مسلمانوں کا اعتبار اور اعزاز قايم رهے ايسي شايد اور کسي مذهب ميں نهو بهي لکته هی جس کي نسبت حافظ شيراز فرماتے هيں ــــ

درميان شرع و حکمت با هزاران اختلاف

نکته هرگز نشد فوت از دل داناے تو

دغا اور فريب سے بچنا همارے مذهب کا تمغه هی ايک مرتبه کسي صحابي رسول الله صلی الله عليه وسلم کا گهوڑا چهوٹ گيا اور وه صحابي خالي توبڑا اُسکو دکهه دکهلاکر اُس کے پکڑنے کي فکر ميں هوئے پيغمبر خدا صلی الله عليه وسلم نے اُن صحابي سے پوچها که اِس توبڑا ميں کچهه هی اُنهوں نے جواب ديا که کچهه نهيں هی آپنے ارشاد کيا که اُس ميں کچهه دانه يا گهاس ضرور ڈال لو ورنه يهه فعل [illegible] اور فريب سمجها جاويگا پس خيال کرو که جس مذهب کے باني نے [illegible] وروں کے ساتهه ايسي ايسي خفيف باتوں ميں بهي دغا اور فريب سے بچنے کي يهاں تک احتياط کي اُسنے انسانوں کے آپس ميں کسقدر اُس کي تاکيد کي هوگي ــــ پس يهه ايک ايسي عمده صفت هی که اُسکي بدولت هم غير قوموں سے بهت اچهي طرح ملاپ قايم کرسکتے هيں [illegible] مگر چاهيئے که هم اُن کے سامنے جهوٹ نه بوليں اپني غرض کے واسطے اُن کو دهوکه نديں گو اپنا نقصان هي هوتا هو بات جب کهيں سچي کهيں اور کام جو کريں صفائي دل اور نيک نيتي سے کريں وفاے

عهد جسکي نسبت الله تعالی مسلمانوں سے ارشاد فرماتا هی اوفوا بالعهد اِن العهد کان مسئولا مسلمانوں کے لیئے مذکوره بالا مقصد کے حصول کے واسطے نهايت عمده قانون هی جو زمانه مسلمانوں کے عروج اور کمال کا زمانه گذرا اُس ميں بهي مسلمان اپني اسي يکرنگي اور وفاے عهد کے سبب سے دنيا کي تمام قوموں کي نظروں ميں معزز اور ممتاز تهے مسلمان کبهي اپنے دشمنوں کو اِسبات کا موقع نديتے تهے که وه مسلمانوں کي نسبت اِس قسم کا الزام لگا سکيں *

حضرت ابو عبيده بن الجراح جو شام کي لشکر کشي ميں مسلمانوں کي فوج کے سردار تهے اُنهوں نے ايک عيسائي حاکم سے شام کي اور يهه عهد کرليا که اهل عرب عهدنامه کي مدت تک تمهاري سر زمين ميں دست اندازي نکرينگے ــــ عيسائيوں نے اِس قرار داد پر پورا پورا عمل هونے کے واسطے اپني حد پر ايک مينار تعمير کرايا اور اپنے حاکم کي تصوير اُس پر قايم کردي اهل عرب جب اُس تصوير تک پهونچتے تهے تو ايفاے عهد کي غرض سے آگے نه بڑهتے تهے ايک دفعه کسي اتفاق سے اُس تصوير کي آنکهه ميں کچهه نقصان آگيا عيسائيوں نے اُس کي شکايت کي که اهل عرب نے اِس آنکهه کو ناقص کرديا هی اور يهه ايک نقض عهد هی ــــ حضرت ابو عبيده يهه بات سنتے هي کانپ گئے اور اُن شکايت کرنے والوں کے سامنے اپني دونوں آنکهيں کرديں که اگر تمهارے گمان ميں يهه کام هماري طرف سے هوا هی تو جونسي آنکهه تمهاري تصوير کي ناقص هوگئي هو وهي آنکهه تم ميري ناقص کردو که يهه تکليف مجهکو نقض عهد کے الزام عايد هونے سے آسان تر هی عيسائيوں نے مسلمانوں کے سردار کي اِس همت پر آفرين کي اور اُس فعل سے باز رهے *

اب خيال کرنا چاهيئے که جو وقار حضرت ابو عبيده بن الجراح اور اُن کے ساتهي مسلمانوں کا رضي الله تعالی عنهم اجمعين اس عمده صفت کے ذريعه سے اُس وقت کے عيسائيوں ميں هوا کيا سلطان روم اور اُس کے اُمراء اور رؤساء کا وهي اعتبار اپنے اِس فعل نامشروع کے ذريعه سے حال کي غير قوموں کي نظروں ميں هوسکتا هی ــــ حاشا که اُس کا عشر عشير بهي نهيں هوسکتا ــــ سلطان نے اگر يهه غلطي کي تو بهت برا کيا اور مسلمانوں کو هرگز اُس کي تقليد مناسب نهيں هی همنے جب اپنے مذهب کے خلاف کام کرکے غير قوموں ميں اپنا اعتبار بهي پيدا کيا تو هم کيا فيض کو پهونچ سکتے هيں ــــ جن قوموں کے خوش کرنے کے واسطے يهه وطيره اختيار کيا وه بهي تو نادان نهيں جب وه يهه ديکهينگي که هم خلاف شرع کام اُن کي خوشامد سے کرتے هيں تو وه بهي همکو حقارت سے ديکهينگي اور جو رسوائي همکو دنيا

لوگوں کو حکیمانوں کی نظروں میں اور عاقبت میں خدا اور رسول کے پچھتالئے بچی وہ اُس پر مستزاد ہی *

کیا یہہ ہر کام ہم اختیار کریں ضرور ہی کہ اُس میں ہر پہلو اور باعث و جانب کا خیال کرلیں اور خصوصاً اپنے مذہب کی طرف سے ہر قسم کی احتیاط کرلیں دنیا کی اصلاح مسلمانوں کے مذہب کے برخلاف نہیں ہی بلکہ عین مقصود شارع ہی کچھہ شک نہیں کہ خدا نخواستہ اگر تمام مسلمان مفلس قلاش ہو جاویں تو مسلمانوں کے مذہب کی بھی رونق باقی نرہیگی لیکن یہہ سب کچھہ اُسیوقت ہی جب کسی ترقی دنیاوی سے ہمکو اپنے مذہب میں کسی نقصان کے آنے کا اندیشہ نہ ہو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے اعوذ باللہ من الغنی المطغی و اعوذ باللہ من الفقر المکب یعنی اے اللہ مجھکو پناہ میں رکھہ ایسی دولت اور ثروت سے جس سے آدمی گمراہ ہو جاتا ہی اور اے اللہ میں پناہ مانگتا ہوں ایسی تنگی اور محتاجی سے جس سے آدمی چلا اُٹھے خود خدا تعالی نے ہمکو یہہ دعا تعلیم فرمائی ہی ربنا آتنا فی الدنیا حسنۃ و فی الآخرۃ حسنۃ وقنا عذاب النار پس یہہ کون کہہ سکتا ہی کہ ہمکو اپنی دنیا کی اصلاح کی طرف متوجہہ ہونا ضرور نہیں ہی مگر ہاں اُس میں صرف اس قدر متوجہہ ہوں کہ اپنے نماز و روزہ کی طرف سے بھی غافل نہو جاویں *

ہر ایک مسلمان اس بات سے بخوبی واقف ہی کہ جوں جوں مسلمانوں کے قبضہ میں ملک زیادہ آنے لگے مسلمانوں کی عزت اور اسلام کی رونق زیادہ ہوتی گئی اور پھر یہہ بھی ظاہر ہی کہ جب خلفاء راشدین کی خلافت کا زمانہ گذرگیا اور کچھہ دنوں بعد مسلمان بادشاہوں نے غیر قوموں کی دیکھا دیکھی شاہانہ ٹھاٹ درست کیئے اور عیش و آرام میں اس درجہ مستغرق ہوئے کہ مذہب کی طرف سے غافل یا کاہل ہوگئے وہی مفتوحہ ملک اُن کے قبضہ سے رفتہ رفتہ نکلنے شروع ہوگئے — میں نے یہہ کیفیت صرف مسلمانوں کی بیان کی اور حقیقت میں تمام قوموں اور سلطنتوں کا یہی حال ہوا جب اُن قوموں اور سلطنتوں میں اپنے اپنے مذہب کے برخلاف کام ہونے لگے اُن سلطنتوں میں زوال آگیا — پس مسلمانوں کو ہر ایک ترقی اختیار کرتے وقت اپنے مذہبی ارکان کی طرف سے بہت ہوشیار رہنا چاہیئے *

سنبھل کے رکھنا قدم دشت خار پر مجنوں
کہ اس نواح میں سودا برہنہ پا بھی ہی

راقــــــــم
مشتاق حسین

دوستی کا برتاؤ

تہذیب الاخلاق کے نمبر اول جلد دوم میں ہم ایک مضمون دوستی پر لکھہ چکے ہیں اُسمیں ہمنے صرف اصول اور فوائد دوستی پر بحث کی تھی اِس مضمون میں دوستی کے برتاؤ کی نسبت اپنے خیالات ظاہر کرنے منظور ہیں *

سب اس بات کو مانتے آئے ہیں کہ دوستی انسان کی راحت کو دوچند اور مصیبت کو نصف کردیتی ہی یعنی ہماری خوشی میں دوست بھی ہمارے ساتھہ خوش ہوکر اُس خوشی کو دوچند کردیتا ہی اور غمی میں دوست کی ہمدردی سے رنج کا آدھا بوجھہ ہم پر سے ٹل جاتا ہی اگرچہ یہہ قول بالکل سچائی پر مبنی ہی مگر اس سے یہہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ بہت سے دوست رکھنے بہتر ہیں — عقلا متقدمین میں سے ایک کا قول ہی کہ "بہت سے خیرخواہ بنا مگر دوست بہت کم سب کے ساتھہ امن سے رہ مگر ہزار میں سے ایک کو اپنا صلاح کار بنا" یعنی دوستی کم آدمیوں سے کر اور کسی کو دشمن نہ بنا کیونکہ دوستی کا نباہنا مشکل ہی دوستوں کی تعداد کے ساتھہ ہماری مشکل بڑھتی جاتی ہی اور دشمن سے اپنے تئیں محفوظ رکھنے میں ہمیشہ دقت ہوتی ہی بگڑے ہوئے دوست سے زیادہ کوئی خطرناک دشمن نہیں وہ ہمارے عیوب اور بھیدوں سے واقف ہوتا ہی اور ہزارہا ایسی مضرتیں پہونچا سکتا ہی جو کہ ناواقف دشمن کے اختیار میں نہیں ہوسکتیں *

سب سے آسان دوستی وہ ہی جسکا ہمنے اپنے مضمون سابق میں اول ذکر کیا تھا یعنی وہ جو کہ بغیر آپس کی شناسائی کے ہوتی ہی ایسی محبت میں ہمیشہ ہمکو اختیار رہتا ہی کہ کسقدر دوستی رکھیں اور اُسکے بالکل موقوف کرنے میں کچھہ اندیشہ نہیں ہوتا کیونکہ اُس حالت میں کوئی اپنا دشمن نہیں بنتا مگر یہہ دوستی ادنی قسم کی دوستیوں میں شمار ہوتی ہی اور چونکہ جس قدر دوستی کی مقدار قلیل ہوتی ہی اُسیقدر اُس سے حظ اور فائدے بھی کم حاصل ہوتے ہیں پس صرف اسی دوستی پر قناعت کرنی نہ چاہیئے *

البتہ دوسری قسم کی دوستی جسکا اب ہم ذکر کرتے ہیں سب سے زیادہ کار آمد ہی اور عام برتاؤ میں آتی ہی یعنی وہ محبت و الفت جو کہ بسبب ربط و ارتباط کے پیدا ہوتی ہی اور جس محبت کی خوشی اور صلاح کی درستی مترتب ہی سب سے شرط اس دوستی کی یہہ ہی کہ دونوں شخص اپنے مرتبہ منزوی کو

بالکل بھول جاویں اور گو ایک دوسرے سے دولت و منزلت میں بڑھا ہوا ہو اپنی حالت دوستی میں ایک دوسرے کو برابر سمجھے بعد اس شرط کے کہ نفس اور صداقت طینت ہی یعنی تلون مزاجی اور بد باطنی دونوں میں نہو — ایسے دو شخصوں میں کامل دوستی نہیں ہوتی جنمیں سے ایک اپنے تئیں دوسرے سے اعلیٰ سمجھے یا جو کہ ثابت قدم اور صاف باطن نہو لیکن بہت کم لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ جو دوستی میں اپنے رتبہ کو خیال میں نہ رکھیں اور یہہ ہی معلوم ہوتا ہی کہ مختلف درجہ کے آدمیوں میں دوستی کا ہونا کمیاب و نادر ہی *

ہم یہہ پہلے بھی لکھہ چکے ہیں کہ سچے دوست سے بڑھکر دنیا میں کوئی دولت نہیں وہ رنج و خوشی میں یکساں ہماری ہمدردی کرتا ہی مگر ہمکو اُس سخت عیب کا ذکر نہ بھولنا چاہیئے جو کہ دوستی کے ایک بڑے حصہ کو خراب کردیتا ہی ہماری مراد اُس بیہودہ مشغلے سے ہی جسکو دل لگی یا ہنسی یا مزاح کہتے ہیں ہم ہنسی یا مزاح کے فی نفسہ دشمن نہیں بلکہ ضرور ہی کہ جب دو دوست بالکل گھل مل جاویں تو آپسمیں اپنی خوشی کے لیئے کچھہ ہنسی کی باتیں کریں مگر ہم اُس طرز ہنسی کے برخلاف ہیں جس سے اکثر محبت میں فرق آتا ہی — یہہ وہ طریقہ مزاح کا ہی جس سے دوست بجائے خوش کرنے کے رنج دیتا ہی یعنی اپنے دوست کی کسی سچ بات سے ہنسی کرنی مثلاً ہمارے دوست میں ایک عیب ظاہری ہی — اب ہنسی میں اُس عیب کی طرف کسی قسم کا اشارہ کرنا گویا اُسکے برے ہونے کو جتانا ہی اور یہہ بالکل نامناسب ہی کیونکہ وہ ہنسی ہنسی نہیں جو کہ سچ ہو بلکہ ایک نوع کی گالی ہی اور اپنے دوست کی ہجو اور اہانت کرکے اُسکو رنج دینا ہوتا ہی *

علاوہ اس طرز ہنسی کے آجکل ایک اور طرز دوستی کا یعنی آپسمیں کالم گلوچ کا ہونا کمال محبت سمجھی جاتی ہی اس جگہہ اُسکی مذمت کرنی ہم ضرور نہیں سمجھتے کیونکہ ایسی بحث زیادہ تر اُس موقع پر چسپاں ہوگی جہاں کہ شریف شخص کی تہذیب کا ذکر ہو *

ایسے بھی لوگ ہیں جوکہ نہایت مختصر عرصہ میں بڑی دوستی کا دعویٰ کرنے لگتے ہیں اور گو دل میں محبت نام کو بھی نہو مگر ہمارے ساتھہ ہر قسم کی ہنسی کا اپنے تئیں مجاز سمجھتے ہیں — اکثر ایسے ہی لوگ رنج دلمیں ڈالنے والی ہنسی کے بہت شوقین ہوتے ہیں اور خود بیہودہ خوشی حاصل کرتے ہیں مگر اِس سے بھی بدتر ایک اور کمینی عادت ہی کہ ہنسی کے پردہ میں کسیکو [illegible] بات اشارتاً کہنی جو کہ حقیقت میں اُنکو کہنی منظور تھی مگر اپنی بدباطنی کے سبب صاف نہ کہہ سکتے تھے یہہ بات ذرا غور سے سمجھہ میں آویگی اگرچہ ہر شخص کو اپنی زندگی میں ایسے لوگوں سے پالا پڑتا ہی *

اصل ہنسی وہ ہی جو کہ ایسی بات کی نسبت ہو جو ہمارے دوست کا عیب نہیں یا جسکے ذکر سے اُسکو رنج نہو — ایک قسم کی بات کہنے سے اگر ہمارے دوست کو کچھہ جھنجھلاہٹ آوے تو وہ غصہ ہرگز موثر نہیں ہوتا اور نہ اُس سے کچھہ حرج ہو بلکہ تھوڑے عرصہ کے بعد سبکو اُس سے خوشی ہوتی ہی خود اُس دوست کو جسکی کہ ہنسی کی گئی تھی لطف آتا ہی ہمکو یہہ بھی بیان کرنا ضرور ہی کہ ہنسی میں کوئی جھوٹ بات بیان کرنی جائز نہیں سوائے اُسکے جسکی غلطی صریح ہو — ایسا جھوٹ جھوٹ نہیں کیونکہ وہ اپنے جھوٹ ہونے کو خود صاف دکھاتا ہی اور اُس سے کسی قسم کا حرج نہیں ہوتا *

ایک اور بات پر غور کرنا چاہیئے — یہہ مقولہ سب دوستوں میں مشہور ہی کہ دوست کا مال اپنا ہی ہوتا ہی — یہہ نہایت اعلیٰ اور عمدہ قول ہی مگر افسوس کی بات ہی کہ اسکا بھی برتاؤ بری طرح پر ہوتا ہی اکثر یہہ معلوم ہوتا ہی کہ ایک شخص اس سبب سے کوئی اچھی شی نہیں رکھتا کہ اُسکے ملاقاتی اُسکے پاس وہ شی نہیں رہنے دیتے "دوست اچھی شی نہیں چھوڑتے" یہہ اکثر سننے میں آتا ہی — کوئی شی اِس سے زیادہ شریف اور اعلیٰ نہیں کہ محبت میں اپنے اور اپنے دوست کے مال کو ایک سمجھے اور اپنی سب چیزوں کو گویا اُس کے لیئے سمجھے مگر اس سے زیادہ کوئی حقیر بات نہیں کہ باوجودیکہ ہمکو معلوم ہی کہ ہمارے دوست کو ایک شی نہایت پسند ہی اور اِس لیئے اُسکو عزیز رکھتا ہی پھر بھی ہم اُس سے اُس شی کی درخواست کریں — غور کرنے کی بات ہی کہ اسکا اصول کسقدر غلط ہی اگر ہم اپنے دوست کی ایسی شی کو پسند کریں جس سے اُسکو کسی قسم کی آسایش یا خوشی ہو تو کسقدر محبت کے خلاف ہی کہ اُس سے وہ لیکر دوست کی خوشی یا آسایش میں خلل انداز ہوں اگر وہ شی ہماری دانست میں عمدہ ہی ہمکو چاہیئے کہ یہہ خواہش کریں کہ ہم سے پہلے ہمارا دوست اچھی شی رکھے اور خوشی اور آسایش حاصل کرے نہ یہہ کہ اُس سے وہ لیکر محبت کے برخلاف بات کریں — باوجودیکہ ہماری دانست میں اپنا اور دوست کا مال ایک ہی لیکن تاہم اُس سے صرف وہ چیزیں لینی چاہیئیں جو کہ ہماری ہی دانست میں عمدہ ہوں مگر اُسکو کچھہ چنداں عزیز نہیں یا اُس حالت میں اُنکی درخواست کی جاوے جبکہ ہمکو کچھہ شک نہو کہ اُس خاص شی کے لینے سے ہمکو اپنے دوست

مانوں کي نظروں میں اور عاقبت میں خدا اور رسول کے سامنے ہو...ں اور مسلـ...ي وہ اُس پر مستزاد هي *

جو کام هم اختیار کریں ضرور هيں کہ اُس میں هر پهلو اور هر جانب کا خیال کرلیں اور خصوصا اپنے مذهب کي طرف سے هر قسم کي احتیاط کرلیں دنیا کي اصلاح مسلمانوں کے مذهب کے برخلاف نهیں هي بلکہ عین مقصود شارع هي کچهہ شک نهیں کہ خدا نخواستہ اگر تمام مسلمان مفلس قلاش هو جاویں تو مسلمانوں کے مذهب کي بهي رونق باقي نرهیگي لیکن یهہ سب کچهہ اُسیوقت هي جب کسي ترقي دنیاوي سے همکو اپنے مذهب میں کسي نقصان کے آنے کا اندیشہ نہ هو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تهے اعوذ باللہ من الغني المطغي و اعوذ باللہ من الفقرالمکب یعني اے اللہ مجهکو پناہ میں رکهہ ایسي دولت اور ثروت سے جس سے آدمي گمراہ هو جاتا هي اور اے اللہ میں پناہ مانگتا هوں ایسي تنگي اور محتاجي سے جس سے آدمي چلا اُٹهے خود خدا تعالی نے همکو یهہ دعا تعلیم فرمائي هي ربنا آتنا في الدنیا حسنة و في الاخرة حسنة وقنا عذاب النار پس یهہ کون کهہ سکهتا هي کہ همکو اپني دنیا کي اصلاح کي طرف متوجهہ هونا ضرور نهیں هي مگر هاں اُس میں صرف اس قدر متوجهہ هوں کہ اپنے نماز و روزہ کي طرف سے بهي غافل نهو جاویں *

هر ایک مسلمان اس بات سے بخوبي واقف هي کہ جوں جوں مسلمانوں کے قبضہ میں ملک زیادہ آنے لگے مسلمانوں کي عزت اور اسلام کي رونق زیادہ هوتي گئي اور پهر یهہ بهي ظاهر هي کہ جب خلفاء راشدین کي خلافت کا زمانہ گذرگیا اور کچهہ دنوں بعد مسلمان بادشاهوں نے غیر قوموں کي دیکها دیکهي شاهانہ ٹهاٹ درست کیئے اور عیش و آرام میں اس درجہ مستغرق هوئے کہ مذهب کي طرف سے غافل یا کاهل هوگئے وهي مفتوحہ ملک اُن کے قبضہ سے رفتہ رفتہ نکلنے شروع هوگئے — میں نے یهہ کیفیت صرف مسلمانوں کي بیان کي اور حقیقت میں تمام قوموں اور سلطنتوں کا بهي حال هوا جب اُن قوموں اور سلطنتوں میں اپنے اپنے مذهب کے برخلاف کام هونے لگے اُن سلطنتوں میں زوال آگیا — پس مسلمانوں کو هر ایک ترقي اختیار کرتے وقت اپنے مذهبي ارکان کي طرف سے بہت هوشیار رهنا چاهیئے *

سنبهل کے رکهنا قدم دشت خار پر مجنوں
کہ اس نواح میں سودا برهنہ پا بهي هي

راقـــــــم
مشتاق حسین

دوستي کا برتاؤ

تهذیب الاخلاق کے نمبر اول جلد دوم میں هم ایک مضمون دوستي پر لکهہ چکے هیں اُسمیں همنے صرف اصول اور نوائد دوستي پر بحث کي تهي اِس مضمون میں دوستي کے برتاؤ کي نسبت اپنے خیالات ظاهر کرنے منظور هیں *

سب اس بات کو مانتے آئے هیں کہ دوستي انسان کي راحت کو دوچند اور مصیبت کو نصف کردیتي هي یعني هماري خوشي میں دوست بهي همارے ساتهہ خوش هوکر اُس خوشي کو دوچند کردیتا هي اور غمي میں دوست کي همدردي سے رنج کا ادها بوجهہ هم پرسے ٹل جاتا هي اگرچہ یهہ قول بالکل سچائي پر مبني هي مگر اس سے یهہ نتیجہ نهیں نکلتا کہ بہت سے دوست رکهنے بهتر هیں — عقلاء متقدمین میں سے ایک کا قول هي کہ "بہت سے هواخواہ بنا مگر دوست بہت کم سب کے ساتهہ امن سے رہ مگر هزار میں سے ایک کو اپنا صلاح کار بنا" یعني دوستي کم آدمیوں سے کر اور کسي کو دشمن نہ بنا کیونکہ دوستي کا نباهنا مشکل هي دوستوں کي تعداد کے ساتهہ هماري مشکل بڑهتي جاتي هي اور دشمن سے اپنے تئیں محفوظ رکهنے میں همیشہ دقت هوتي هي بگڑے هوئے دوست سے زیادہ کوئي خطرناک دشمن نهیں وہ همارے عیوب اور بهیدوں سے واقف هوتا هي اور هزارها ایسي مضرتیں پهونچا سکتا هي جو کہ ناواقف دشمن کے اختیار میں نهیں هوسکتیں *

سب سے اُسان دوستي وہ هي جسکا همنے اپنے مضمون سابق میں اول ذکر کیا تها یعني وہ جو کہ بغیر آپس کي شناسائي کے هوتي هي ایسي صحبت میں همیشہ همکو اختیار رهتا هي کہ کسقدر دوستي رکهیں اور اُسکے بالکل موقوف کرنے میں کچهہ اندیشہ نهیں هوتا کیونکہ اُس حالت میں کوئي اپنا دشمن نهیں بنتا مگر یهہ دوستي ادنی قسم کي دوستیوں میں شمار هوتي هي اور چونکہ جس قدر دوستي کي مقدار قلیل هوتي هي اُسیقدر اُس سے حظ اور فائدے بهي کم حاصل هوتے هیں پس صرف اسي دوستي پر قناعت کرني نہ چاهیئے *

البتہ دوسري قسم کي دوستي جسکا اب هم ذکر کرتے هیں سب سے زیادہ کار آمد هي اور عام برتاؤ میں آتي هي یعني وہ محبت و الفت جو کہ بسبب ربط و ارتباط کے پیدا هوتي هي اور جس میں صحبت کي خوشي اور صلاح کي درستي مترتب هي سب سے مقدم شرط اس دوستي کي یهہ هي کہ دونوں شخص ایک مرتبہ دنیوي کے

بالکل بھول جاویں اور گو ایک دوسرے سے دولت و منزلت میں بدرجہا بڑھکر ہو اپنی حالت دوستی میں ایک دوسرے کو برابر سمجھے بعد اس شرط کے ثابت قدمی اور صداقت طینت ہی یعنی تلون مزاجی اور بد باطنی دونوں میں نہو — ایسے دو شخصوں میں کامل دوستی نہیں ہوتی جنمیں سے ایک اپنے تئیں دوسرے سے اعلی سمجھے یا جو کہ ثابت قدم اور صاف باطن نہو لیکن بہت کم لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ جو دوستی میں اپنے رتبہ کو خیال میں نہ رکھیں اور یہہ ہی مقدم باعث ہی کہ مختلف درجہ کے آدمیوں میں دوستی کا ہونا شاذ و نادر ہی *

ہم یہہ پہلے بھی لکھہ چکے ہیں کہ سچے دوست سے بڑھکر دنیا میں کوئی دولت نہیں رہ رنج و خوشی میں یکساں ہماری ہمدردی کرتا ہی مگر ہمکو اس سخت عیب کا ذکر نہ بھولنا چاہیئے جو کہ دوستی کے ایک بڑے حظ کو خراب کردیتا ہی ہماری مراد اُس بیہودہ مشغلے سے ہی جسکو دل لگی یا ہنسی یا مزاح کہتے ہیں ہم ہنسی یا مزاح کے فی نفسہ دشمن نہیں بلکہ ضرور ہی کہ جب دو دوست بالکل کھل مل جاویں تو آپسمیں اپنی خوشی کے لیئے کچھہ ہنسی کی باتیں کریں مگر ہم اُس طرز ہنسی کے برخلاف ہیں جس سے اکثر محبت میں فرق آتا ہی — یہہ وہ طریقہ مزاح کا ہی جس سے دوست بجاے خوش کرنے کے رنج دیتا ہی یعنی اپنے دوست کی کسی سچ بات سے ہنسی کرنی مثلاً ہمارے دوست میں ایک عیب ظاہری ہی — اب ہنسی میں اُس عیب کی طرف کسی قسم کا اشارہ کرنا گویا اُسکے بُرے ہونے کو جتانا ہی اور یہہ بالکل نامناسب ہی کیونکہ وہ ہنسی ہنسی نہیں جو کہ سچ ہو بلکہ ایک نوع کی گالی ہی اور اپنے دوست کی ہجو اور اہانت کرکے اُسکو رنج دینا ہوتا ہی *

علاوہ اس طرز ہنسی کے آجکل ایک اور طرز دوستی کا یعنی آپسمیں گالم گلوچ کا ہونا کمال محبت سمجھی جاتی ہی اس جگہہ اُسکی مذمت کرنی ہم ضرور نہیں سمجھتے کیونکہ ایسی بحث زیادہ تر اُس موقع پر چسپاں ہوگی جہاں کہ شریف شخص کی تہذیب کا ذکر ہو *

بعض ایسے بھی لوگ ہیں جوکہ نہایت مختصر عرصہ میں بڑی دوستی کا دعوی کرنے لگتے ہیں اور گو دل میں محبت نام کو بھی نہو مگر ہمارے ساتھہ ہر قسم کی ہنسی کا اپنے تئیں مجاز سمجھتے ہیں — اکثر ایسے ہی لوگ رنج دلانے والی ہنسی کے بہت شوقین ہوتے ہیں اور خود بیہودہ خوشی حاصل کرتے ہیں مگر اِس سے بھی بدتر ایک اور کمینی عادت ہی کہ ہنسی کے پردہ میں کسیکو طعنہ دینا یا ایسی بات اشارتاً کہنی جو کہ حقیقت میں اُنکو کہنی منظور تھی مگر اپنی بدباطنی کے سبب صاف نہ کہہ سکتے تھے یہہ بات ذرا غور سے سمجھہ میں آویگی اگرچہ ہر شخص کو اپنی زندگی میں ایسے لوگوں سے پالا پڑتا ہی *

اصل ہنسی وہ ہی جو کہ ایسی بات کی نسبت ہو جو ہمارے دوست کا عیب نہیں یا جسکے ذکر سے اُسکو رنج نہو — ایک قسم کی بات کرنے سے اگر ہمارے دوست کو کچھہ جھنجھلاہٹ آوے تو وہ غصہ ہرگز موثر نہیں ہوتا اور نہ اُس سے کچھہ حرج ہو بلکہ تھوڑے عرصہ کے بعد سبکو اُس سے خوشی ہوتی ہی خود اُس دوست کو جسکی کہ ہنسی کی گئی تھی لطف آتا ہی ہمکو یہہ بھی بیان کرنا ضرور ہی کہ ہنسی میں کوئی جھوٹ بات بیان کرنی جائز نہیں سواے اُسکے جسکی غلطی صریح ہو — ایسا جھوٹ جھوٹ نہیں کیونکہ وہ اپنے جھوٹ ہونے کو خود صاف دکھاتا ہی اور اُس سے کسی قسم کا حرج نہیں ہوتا *

ایک اور بات پر غور کرنا چاہیئے — یہہ مقولہ سب دوستوں میں مشہور ہی کہ دوست کا مال اپنا ہی ہوتا ہی — یہہ نہایت اعلی اور عمدہ قول ہی مگر افسوس کی بات ہی کہ اسکا بھی برتاؤ بری طرح پر ہوتا ہی اکثر یہہ معلوم ہوتا ہی کہ ایک شخص اس سبب سے کوئی اچھی شی نہیں رکھتا کہ اُسکے ملاقاتی اُسکے پاس وہ شی نہیں رہنے دیتے "دوست اچھی شی نہیں چھوڑتے" یہہ اکثر سننے میں آتا ہی — کوئی شی اِس سے زیادہ شریف اور اعلی نہیں کہ محبت میں اپنے اور اپنے دوست کے مال کو ایک سمجھے اور اپنی سب چیزوں کو گویا اُس کے لیئے سمجھے مگر اس سے زیادہ کوئی حقیر بات نہیں کہ باوجودیکہ ہمکو معلوم ہی کہ ہمارے دوست کو ایک شی نہایت پسند ہی اور اِس لیئے اُسکو عزیز رکھتا ہی پھر بھی ہم اُس سے اُس شی کی درخواست کریں — غور کرنے کی بات ہی کہ اسکا اصول کسقدر غلط ہی اگر ہم اپنے دوست کی ایسی شی کو پسند کریں جس سے اُسکو کسی قسم کی آسایش یا خوشی ہو تو کسقدر محبت کے خلاف ہی کہ اُس سے وہ لیکر دوست کی خوشی یا آسایش میں خلل انداز ہوں اگر وہ شی ہماری دانست میں عمدہ ہی ہمکو چاہیئے کہ یہہ خواہش کریں کہ ہم سے پہلے ہمارا دوست اچھی شی رکھے اور خوشی اور آسایش حاصل کرے نہ یہہ کہ اُس سے وہ لیکر محبت کے برخلاف بات کریں — باوجودیکہ ہماری دانست میں اپنا اور دوست کا مال ایک ہی لیکن تاہم اُس سے صرف وہ چیزیں لینی چاہیئیں جو کہ ہماری ہی دانست میں عمدہ ہیں مگر اُسکو کچھہ چنداں عزیز نہیں یا اُس حالت میں اُنکی درخواست کی جاوے جبکہ ہمکو کچھہ شک نہو کہ اُس خاص شی کے لینے سے ہمکو اپنے دوست

اشتہار

از طرف کمیٹی خواستگار ترقی تعلیم مسلمانان

واضح ہو کہ آج کی تاریخ تک کمیٹی خواستگار ترقی تعلیم مسلمانان کی تحویل میں زر ترہیر چندہ بقدر مبلغ تین سو پچپن روپیہ ساڑھے دس آنہ کے موجود ہی مگر کمیٹی نے آج کے اجلاس میں یہہ تجویز کی ہی کہ ایک سلیکٹ کمیٹی مقرر ہو اور وہ اُن تمام کتابوں کو جو آج تک زبان اُردو میں تصنیف یا ترجمہ ہوئی ہیں قلمی ہوں یا چھاپہ کی جہاں تک ممکن ہو سب کو مستعار لیکر جمع کرے اور اُن کی ایک فہرست علوم وار بناٸے اور اُس میں مصنفوں کا نام اور نہایت اختصار سے مضمون کتاب مندرج کرے تاکہ معلوم ہو کہ آج تک کسقدر کتابیں اور کس کس علم کی زبان اُردو میں موجود ہوگئی ہیں *

بعد اِسکے کمیٹی مذکور اُن سب کتابوں کو دیکھکر ایک عام طور پر اُنکی نسبت راے دے اور ہر ایک علم کی جو عمدہ کتابیں قابل درس کے ہیں اُنکو منتخب کرے اور اُنکی نسبت بالتخصیص اپنی راے ظاہر کرے اور یہہ لکھے کہ اور کس کس علم کی اور کسقدر کتابوں کی اُردو زبان میں موجود ہونے کی بالفعل اشد ضرورت ہی *

کمیٹی کی یہہ بھی خواہش ہی کہ کتب موجودہ کو اور نیز جنکا آیندہ موجود کرنا مقصود ہو چار مفصلہ ذیل درجوں میں تقسیم کیا جاوے *

اول وہ کتابیں جنکی ضرورت اُسقدر تحصیل علم کے لیٸے ہی جو اِنٹرنس کا درجہ کہلاتا ہی مگر واضح ہو کہ کلکتہ یونیورسٹی میں جسقدر تحصیل انگریزی زبان میں اِس درجہ کے لیٸے مقرر ہی وہ نہایت کم ہی اور اُسقدر تحصیل سے کچھہ لیاقت نہیں آتی اِس لیٸے اس درجہ میں اُسقدر علم کی کتابیں داخل ہونی چاہیٸیں جو لندن یونیورسٹی میں (مٹریکیولیشن) درجہ کے لیٸے ہیں اِس لیئے کہ انگریزی زبان میں علم تحصیل کرنے میں جو مشکلات بسبب غیر زبان ہونے کے پیش آتی ہیں وہ اُردو زبان میں پیش نہ آوینگی اور طالب علم بخوبی لندن یونیورسٹی کے برابر پڑہ سکینگے *

دوم وہ کتابیں جنکی ضرورت اُسقدر تحصیل علم کے لیٸے ہوگی جو (آرٹ) کا درجہ کہلاتا ہی *

سوم وہ کتابیں جنکی ضرورت اُسقدر تحصیل علم کے لیٸے ہی جو (بیچلر آف آرٹ) کا درجہ کہلاتا ہی *

مگر لحاظ رہے کہ اِن درجوں کے لیٸے اُسیقدر علم کی کتابیں داخل ہونی چاہیٸیں جو لندن یونیورسٹی میں اِس قسم کے درجوں کی تعلیم کے لیئے مقرر ہی *

چہارم وہ کتابیں جو درجہ (ماسٹر آف آرٹ) کے لیٸے درکار ہیں *

تمام لوگ جو مسلمانوں کی تعلیم کے خواہشمند ہیں اسبات کو غالبا تسلیم کرینگے کہ یہہ تحقیقات جسکے لیٸے سلیکٹ کمیٹی مقرر ہوئی ہی نہایت مفید اور بنیاد ترقی تعلیم مسلمانان بلکہ بنیاد ترقی تعلیم اہل ہند ہی مگر جسقدر روپیہ کہ اسوقت تک کمیٹی کے پاس موجود ہی وہ اِس امر کی تمام کار روائی کے انجام دینے کے لیٸے اور فہرست کتب اور رپورٹ کمیٹی کے چھاپہ ہونے کے لیٸے کافی نہیں ہی اور اِسلیٸے ضرورت ہی کہ اور روپیہ بطور چندہ اور ڈونیشن کے جمع کیا جاوے اور جو نئے شخص چندہ دیں وہ بلحاظ بانی لز کمیٹی کے ممبر متصور ہوں پس ممبران موجودہ کمیٹی سے بھی درخواست امداد کی جاتی ہی اور نیز اور مسلمانوں سے بھی درخواست ہی کہ اپنی شرکت سے اور تائید چندہ و ڈونیشن سے اِس مفید کام کے انجام میں مدد فرماویں *

بموجب تجویز صدر کمیٹی خواستگار ترقی تعلیم مسلمانان کے جاری ہوا *

سید احمد
سکرٹری

مقام بنارس ۳۱ جولائی سنہ ۱۸۷۱ ع

بمقام علیگڈھ — مطبع علیگڈھ انسٹیٹیوٹ میں چھپا اور باہتمام
منشی محمد مشتاق حسین شایع ہوا

THE MOHAMMEDAN SOCIAL REFORMER

تہذیب الاخلاق

جلد دوم] ۱۵ رجب المرجب سنہ ۱۲۸۸ ہجری [نمبر ۱۴

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مضمون نمبر ۵۲

نوشتہ سید احمد

ابطال غلامی

تبریۃ الاسلام عن شین الامۃ والغلام

دیباچہ

خدا نے انسان کو ایک ایسی ہستی بنایا ہے جسکی فطرت میں آزادی اور خود مختاری رکھی ہے اُس کو دی عقل اور دی شعور پیدا کیا کُل اُس کو تمام قوی ظاہری و باطنی عطا کیئے ہیں اُن کے استعمال کی اُس کو قدرت بخشی ہے ہر کام کے شروع کرنے کی سمجھ اُس کو دی اُس کے انجام کی سوجھ اس کو دی ہے تاکہ ہر کام کا آغاز و انجام خود سوجھ لے' اُس کو ایسی فطرت پر بنایا ہے کہ وہ خود اپنے لیئے تمام چیزوں کے مہیا کرنے کا حاجتمند ہے خود خدا نے فرمایا ہے کہ انسان کے لیئے بجز اُس کے

لیس للانسان الا ما سعی

جسکی وہ خود کوشش کرتا ہے

کچھ نہیں ہے پس یہہ [illegible] اسی بات پر دلالت کرتی ہیں

کہ اس پتلے کے صانع کی مرضی یہی تھی کہ یہہ پتلا خود اپنا آپ مالک رہے *

غلامی ان تمام چیزوں کے یا یوں کہو کہ صانع کی مرضی کے برخلاف ہے اور اسلیئے خدا کی مرضی کے مطابق نہیں ہو سکتی حقیقت میں غلامی سے زیادہ کوئی چیز فطرتی نیکی کے (جو اصلی منبع تمام نیکیوں کا ہے) برعکس اور مخالف نہیں ہے' غلامی بے انتہا بدیوں کی جڑ اور تمام بد اخلاقیوں کی ماں اور کلیۃ اخلاق حمیدہ کی دشمن ہے کیا پاک پروردگار ایسی ناپاک چیز کو انسان کے حق میں جائز کرتا ؟ کیا خدا تعالی ان تمام صفات کو جو اُس نے انسان میں پیدا کی ہیں غلامی کی حالت سے برباد کرنا پسند کرتا ؟ یہہ تمام لطیف قوی جو خدا نے انسان میں اسلیئے پیدا کیئے ہیں کہ خدا کے اچھے کام میں آویں دوسروں کے تصرف میں جانے پر راضی ہوتا ؟ جب کہ خدا خود الہام کرچکا ہے کہ تمام

کلکم عبید اللہ و کل نساء کم اماء اللہ

مرد میرے غلام ہیں اور تمام عورتیں میری لونڈیاں ہیں تو کیا وہ اپنا شریک پیدا کر کر خوش ہوتا *

لا و اللہ یا اللہ الہی وحدک لا شریک لک *

آزادی جو ہر ایک انسان کا قدرتی حق ہے غلامی ٹھیک ٹھیک اُس کو برباد کرنے والی ہے' قدرتی حقوق کا برباد کرنا اصلی ظلم ہے [illegible]

نهيت نا إنصافي هى ' پس إنسان ايسي خطاؤں کا خطاوار هوسکتا هى کيونکه وه ناقابل سهو و خطا نهيں هى مگر خدا ايسے قصور کا تقصيروار نهيں هوسکتا وه تمام خطاؤں سے پاک اور تمام تقصيروں سے مبرا هى *

يهه سمجهنا که اگر غلام آرام و آسايش سے رکهے جاويں اور رحم و محبت سے پرورش کيئے جاويں تو کوئي برائي نهيں هى محض غلطي اور سرتا سر دهوکا هى ' غلامي في نفسه ايک قدرتي گناه هى اور اُنکو بدسلوکي سے رکهنا دوسرا گناه هى پس کوئي چيز قدرتي گناه سے زيادة خوف ناک نهيں هى *

غلامي تمام اخلاق انساني کو خراب کرنے والي هى غلاموں کے حالت اور اُنکي عقل اور عادات انساني حالت سے تنزل کرکر حيواني حالت ميں آجاتي هيں اور جو لوگ غلام بناتے هيں وه جبراً اور ناانصافي سے انسان کو جو اشرف المخلوقات هى تنزل کي حالت ميں ڈالتے هيں ' غلامي کي حالت ميں انسان کے تمام قدرتي قوی جنکو خدا نے وسيله ترقي بنايا هى معطل و بيکار هو جاتے هيں اور اُنکي حالت هر طرح پر اُنکي ترقي کي جنکي ترقي کرنا قدرت کے قانون بنانے والے قادر مطلق کي مرضي هى مانع هوتي هى *

محنت و مشقت اُٹهانے کي قوت جو خدا نے انسان ميں اس مراد سے پيدا کي هى که انسان اپني ترقي اور بهلائي کے ليئے صرف کرے غلاموں ميں بالکل معدوم هوتي هى کيونکه اُنکي کوئي محنت اُنکے ليئے نهيں هى *

محبت و الفت جو انسان کي زندگي کي جان هى اور جسپر دين و دنيا دونوں کي بهلائي منحصر هى غلامي کي حالت ميں بالکل مردة هوجاتي هى جو لطف اور اُنس و محبت ازدواج سے پيدا هوتا هى وه غلاموں کو حاصل نهيں هوتا اُنکا ازدواج وحشي جانوروں کے ازدواج سے کچهه زيادة رتبه نهيں رکهتا اولاد کي محبت اور اُنکي پرورش کا جوش جتنا که جانوروں ميں هى غلاموں ميں اتنا بهي نهيں هوتا غلاموں ميں ولوله همدردي کا کسي سے يهاں تک که اپني اولاد سے بهي مطلق نهيں هوتا بيوفا هونا اُسکي ايک مشهور صفت هو جاتي هى *

مالکيت کي جو ايک قدرتي خوشي هى وه غلاموں ميں بالکل معدوم هوتي هى کيونکه وه کسي چيز کے يهاں تک که خود اپنے آپ کے بهي مالک نهيں هوتے اور يهه حالت ادنی سے ادنی جاندار سے بهي جسکو خدا نے پيدا کيا هى نهايت کمينه اور بدتر حالت هى *

چونکه غلام بجز روٹي کهانے اور کپڑا پهننے کے اور کوئي حق دنيا ميں اپنے ليئے نهيں رکهتے اس ليئے وه اُن تمام حقوق سے جو خدا نے ايک انسان کے دوسرے پر پيدا کيئے هيں نا واقف رهتے هيں اور اس ليئے کچهه اُن کي قدر نهيں جانتے اور گناه اور دوسروں کي حق تلفي اور طرح طرح کے جرايم ديني و دنيوي کے مجمع بن جاتے هيں اور اپنے نفس کو کسي طرح ضبط ميں نهيں رکهه سکتے *

نهايت سچ کها هى جس نے کها هى که غلام زمانه موجوده کي مخلوق هى کيونکه اُس کي حالت قابل ترقي کے نهيں هى زمانه آيندة ميں به نسبت زمانه موجوده کے کوئي بهتري اُس کے ليئے نهيں هى زمانه آيندة اُن کے ليئے درحقيقت تکرار زمانه گذشته کي هى اُن کو قواے انساني ميں سے بجز بهوک اور غصه کے اور کچهه نصيب نهيں پيش بيني اور پيش بندي ميں حيوان مطلق سے کچهه بهي زيادة نهيں *

جو قوت که خدا تعالی نے انسان کو اپني خواهشوں کو اعتدال ميں رکهنے کے ليئے بخشي هى وه غلامي کي حالت سے زايل هو جاتي هى اور اس ليئے غلام نهايت کمينه خواهشوں اور خوشيوں کے بالکليه مغلوب هو جاتے هيں اور نفس امارة کے روکنے کي باگ اُن کے قابو ميں نهيں رهتي *

نهايت سچا قول هى که غلامي کي حالت غلاموں کے خيالات اور اخلاق کو خراب اور ابتر کو ديتي هى وه اپني پيدايش سے ظلم و بے انصافي کے مظلوم رهتے هيں اور اس ليئے انصاف اور انسانيت کے حقوق کو بهت کم جانتے هيں ' اُنکا مدرسه بے ايماني اور فساد هى اُنکے تمام حقوق ضايع هو جاتے هيں اور اس ليئے دوسروں کے استحقاق کو توڑنا اور ضايع کرنا گويا اُن کي جبلت هو جاتي هى اور اسي سبب سے چوري جهوٹهه بولنا اُن کا روزمرة کا کام هوتا هى اور اُس کي برائي اور گنهگاري اُن کو سمجهانا إمکان سے خارج هوتا هى پس اُن کي حالت ايسي هو جاتي هى که گويا اُن کے تمام قوی عقلي اور اخلاقي سب ضايع هو گئے هيں *

غلاموں کي حالت کي خرابي اُن کي جسماني حالت کي خرابي سے کچهه زيادة تعلق نهيں رکهتي بلکه وه خرابي زيادة تر روح سے علاقه رکهتي هى انسان کي روح جهاں تک که خراب و برباد هو سکتي هى غلامي اُس کے خراب اور برباد کرنے کو کافي هى ' غلام کو اس بات کا مطلق خيال نهيں آتا که ميں کيا هوں اور مجهے کيا هونا چاهيئے مجهه ميں کيا کيا قوتيں هيں اور اُن کو کس طرح اور کس درجه تک ترقي دينا چاهيئے *

غلامي صرف غلاموں هي کے اخلاق کو خراب نهيں کرتي بلکه اُن کے آقاؤں کے اور جو لوگ غلام کرنے سے تعلق رکهتے هيں

اُن کے اخلاق کو بھی وحشی درندوں کی مانند کردیتی ہی اُس بے رحم سنگدل پر جو بچوں کو اُنکی ماؤں کی آغوش محبت سے جدا کرتا ہی اور ایک بے رحم خریدار کے ہاتھہ بیچتا ہی اُن بچوں کے ماں باپ کی لاعلاج اور نہ صبر آنے والی بیقراری اور اُن معصوم بچوں کی بیکسی پر غور کرنا چاہیئے ' ماں باپ بھائی بہن کی صورتیں اُنکی آنکھوں میں پھرتی ہیں پر دیکھائی نہیں دیتیں ماں کی چھاتی سے چھٹنے کا شعلہ اُس معصوم سینہ میں بھڑکتا ہی پر ٹھنڈا نہیں ہوتا آنکھوں پر بس چلتا ہی سو روتا ہی مگر وہ بیرحم سنگدل آقا رونے بھی نہیں دیتا رحم کی اُمید پر ہر ایک کا مونھہ تکتا ہی اور سیلی جفا کھاکر انکھیں نیچی کرلیتا ہی پس یہہ تمام حالتیں وحشی درندے جانوروں سے کچھہ کم نہیں ہیں *

دشمنوں کے یا کافروں کے ساتھہ لڑائی کی قیدی عورتوں اور بچوں اور مردوں کا غلام بنانا اِن بدیوں میں سے کسی بدی کو کم نہیں کرتا لڑنا یا کافر ہونا اُس قدرتی حق یعنی ازادی کو زایل نہیں کرسکتا اور نہ اُن برائیوں کو کھو سکتا ہی جو غلامی سے پیدا ہوسکتی ہیں فرض کرو کہ لڑنے والے مصرودار ہوں مگر عورتوں کا کیا قصور ہی شاید اُن کا یہہ قصور ہو نہ وہ کافر ہیں مگر معصوم بچوں کا کیا قصور ہی ؟ *

جو اُمور کہ لونڈیوں اور قیدی عورتوں اور بے گناہ اہل عصمت کے ساتھہ جایز سمجھے جاتے ہیں کیا وہ حقیقت میں نیک ہوسکتے ہیں؟ کیا وہ باتیں حرکات بہائم سے کچھہ زیادہ رتبہ رکھتی ہیں؟ کیا وہ کسی مذہب کے سچے ہونے اور خدا کے دیئے ہونے پر دلیل ہوسکتی ہیں؟ وہ دنیا کی آنکھہ میں اُس مذہب اور اہل مذہب کی نیکی بیٹھا سکتی ہیں؟ حاشا و کلا بلکہ ایک لمحہ کے لیئے بھی یہہ بات نہیں مانی جاسکتی کہ سچا مذہب جو خدا کی طرف سے اُترا ہو اُسمیں ایسے اُمور جایز ہوں بس نہایت افسوس ہی کہ ان باتوں کو سونچا سمجھا نجارے *

یہودی مذہب نے غلامی کے قانون کو جائز سمجھا اور عیسی مسیح نے اُسکی نسبت کچھہ نہیں کہا مگر محمد الرسول اللہ صلعم نے جو کچھہ اُسکی نسبت کہا اُسکو کسی نے نہیں سمجھا *

خدا تعالی نے قرآن مجید میں انسان پر بعض قدرتی احسان بیان کرنے میں یوں فرمایا ہے کیا ہمنے اُس کو دو آنکھیں نہیں دیں اور ایک زبان اور دو ہونٹ اور کیا نہیں بتا دیئے ہمنے

الم نجعل له عینین و لسانا و شفتین و هدیناه النجدین فلا اقتحم العقبة و ما ادراک ما العقبة فک رقبة

اُس کو دو گھاٹیوں کے رستے پھر وہ نہیں پھلانگ جاتا گھاٹی کو تو جانتا ہو کہ وہ کیا گھاٹی ہی وہ غلام کا آزاد کرنا ہی *

پیغمبر صاحب نے کھلم کھلا فرما دیا کہ "اللہ صاحب نے زمین کے پردہ پر کوئی چیز غلام آزاد کرنے سے زیادہ پیاری پیدا نہیں کی" *

ماخلق الله شیئاً علی وجه الارض احب الیه من العتاق

لڑائی کے قیدیوں کی نسبت خدا نے صاف فرما دیا کہ لڑائی کے بعد احسان کرکر یا فدیہ لیکر اُنکو چھوڑدو طایف کی لڑائی میں

فاما منا بعد و اما فداء

پیغمبر خدا صلعم نے منادی کرادی کہ جتنے غلام ہمارے پاس چلے آویں وہ سب آزاد ہیں مگر با این ہمہ مسلمانوں کی یہہ بدبختی تھی کہ اُنکے عالموں نے اپنی قدیم رسم کی غفلت میں اسپر خیال نہیں کیا اور صرف لڑائی کے قیدیوں کا لونڈی و غلام بنانا جائز سمجھا مگر ہم صرف خدا اور خدا کے رسول کے حکم کی اطاعت کرینگے اور کسی مولوی ملا مجتہد فقیہہ کی تقلید سے غلطی میں نہ پڑینگے بلکہ جہاں تک ممکن ہی اس مسئلہ کی خوب تحقیق کرینگے - واللہ و لی التوفیق *

باب اول

اِسبات کے بیان میں کہ قبل اسلام کے بھی کفار و مشرکین عرب میں غلامی کا عام رواج تھا اور متعدد طرح سے لونڈی اور غلام بنائے جاتے تھے

عرب میں قبل اسلام غلامی کا عام رواج تھا اور جسقدر احکام متعلق غلاموں کے اِسوقت ہمارے ہاں کی کتب فقہہ میں مندرج ہیں وہ سب زمانہ جاہلیت میں بھی جاری تھے وہ بیع بھی ہوتے تھے ورثہ میں بھی آتے تھے آزاد بھی کیئے جاتے تھے مکاتب و مدبر بھی ہوتے تھے لونڈیاں مثل جورووں کے کام میں آتی تھیں غرضکہ جو کچھہ اب جائز سمجھا جاتا ہی وہ سب زمانہ جاہلیت میں بھی ہوتا تھا *

غلاموں کی تمام رسم و رواج کا جو زمانہ جاہلیت میں تھیں اِس جگہہ بیان کرنا ہمارا مقصد نہیں ہی مگر ہم صرف اسقدر بیان کرینگے کہ زمانہ جاہلیت میں کس کس صورت سے انسان لونڈی و غلام بنائے جاتے تھے چنانچہ اُسکی یہہ تفصیل ہی *

اول — وہ لوگ جو اپنے تئیں آپ بیچڈالتے تھے — یہہ رسم غالباً یہودیوں سے جو عرب میں رہتے تھے جاری ہوئی تھی — یہودی اِس طرح غلامی کو جائز سمجھتے تھے صرف اتنا فرق تھا کہ اپنے ہمقوم کی حقارت اَوَر قوم کے غلاموں کیسی نکرتے تھے اور ایک خاص

ابطال غلامی

ہزار میں جو جوبلی کا سال کہلاتا تھا اِس قسم کے غلام آزاد ہوجاتے تھے *

توریت مقدس سفر لویان باب بست و پنجم آیت ۳۹ لغایت ۴۳ میں یہہ لکھا ہی — اگر برادرت نزد تو فقیر شدہ بتو فروختہ شود بندگی بندگان را بار مگذار — بلکہ مثل مزدور یا چون مہمان باشد و ترا تا سال یوبلی خدمت نماید انگاہ از نزد تو بیرون رود و اولادش بہمراہش تا بقبیلہ خود بر گردد و ہم بملک اباے خود رجعت نماید — زیرانکہ بندگان منند و ایشان را از زمین مصر بیرون آوردم مثل فروش بندگان فروختہ نشود — بارے بجفا حکمرانی منما و از خداے خود بترس *

دوم — وہ صغیرالسن لڑکے و لڑکیاں جو اُنکے ماں باپ سے خرید لی جاتی تھیں — یہہ طریقہ بھی غالباً یہودیوں سے جاری ہوا تھا *

توریت مقدس سفرلویان باب بست و پنجم ایت ۴۴ لغایت ۴۶ میں لکھا ہی — بندگان و کنیزکانے کہ ازان تواند از طوایفی کہ در اطراف شمایند ازیشان بندگان و کنیزگان را بخرید و ہم از پسران مسافران غریبی کہ باشمایند ازایشان و ہم از قبیلہ ہاے ایشان کہ باشما بودہ در زمین شما تولید یافتہ اند بخرید تا براے شما مملوک باشند و ایشان را براے پسران شما بعد از شما مملوک بسازند تا انکہ ملک موروثی باشند و ایشان را ابداً بندہ سازید اما برادران شما پسران اسرائیل با یکدیگر بجفا حکمرانی ننمایند *

سوم — وہ صغیرالسن لڑکے ولڑکیاں جو کسی ملک سے بھگاکر یا چورا کر لے اتے تھے *

چہارم — وہ جنکو بزبردستی ڈاکہ زنی یا رہزنی کے طور سے پکڑ لاتے تھے *

پنجم — دشمن کے ملک کا وہ آدمی جو لڑائی کے زمانہ میں بلاامان خفیہ چلا آتا تھا اور گرفتار ہوجاتا تھا *

ششم — وہ مرد و عورت و بچے جو لڑائی میں قید ہوتے تھے ایسی عورتوں کے ساتھہ مشرکین عرب بمجرد اُن کے گرفتار کرنے کے مباشرت کو جائز اور درست سمجھتے تھے چنانچہ اِس وحشیانہ اور ناپاک حرکت کو فرزدق شاعر زمانہ جاہلیت کا اِسطرح پر فخریہ بیان کرتا ہی —

و ذات حلیل انکحتہا رماحنا * حلال لمن یبنی بہا لم تطلق

بالشبہہ ان تمام وحشیانہ رسموں کو سنکر جو قبل اسلام نسبت غلامی کے عرب میں جاری تھیں انسان کے دل پر نہایت سخت اثر ہوتا ہی اور اِسبات کی تلاش پر رغبت کرتا ہی کہ کوئی ایسا زمانہ بھی گذرا ہی جسمیں ایسی بے رحمیوں کے معدوم کرنے پر کوشش کی گئی ہو اور انسانیت نے اپنے درجہ کمال پر ظہور کیا ہو پس اب ہم اُسی زمانہ تلاش پر متوجہہ ہوتے ہیں *

باب دوم

اِس بات کے بیان میں کہ لونڈیوں اور غلاموں کی نسبت اور غلامی کی رسم کی نسبت جو زمانہ جاہلیت میں تھی اِسلام نے کیا کیا

اسلام کے شروع ہوتے ہی زمانہ جاہلیت کی تمام رسمیں موقوف نہیں ہوگئی تھیں بلکہ زمانہ اسلام میں بھی زمانہ جاہلیت کی بہت سی رسموں پر جب تک کہ اُن کے برخلاف کوئی حکم نہیں آیا عمل درآمد رہا مثلاً متعہ کی رسم ' شراب خواری ' احرام کی حالتمیں گھروں کے دروازوں سے گھروں میں نہ آنا ' برہنہ ہوکر طواف خانہ کعبہ کرنا ' دو بہنوں سے ایک ساتھہ شادی کرنا ' باپ کی جورو کو اپنی جورو بنا لینا ' متبنی کی جورو کو بعد طلاق بھی محرمات میں سے جاننا ' یہہ تمام جاہلیت کی رسمیں ایسی تھیں کہ زمانہ اسلام میں بھی جب تک امتناع نہیں آیا اِن پر عمل ہوتا رہا اسیطرح غلامی کی رسم پر بھی جب تک آیت حریت نازل نہیں ہوئی کچھہ تھوڑا سا معاملہ درآمد ہوا مگر اُس کے بعد ہرگز نہیں ہوا اور اِسی لیئے ہم کہتے ہیں کہ صرف اسلام ہی ایسا کامل دین ہی جسنے غلامی کو دنیا سے معدوم کرنا چاہا ہی *

اِسمیں کچھہ شک نہیں کہ قبل نزول آیت حریت جو غلام موجود تھے اُن کو اسلام نے دفعتاً آزاد نہیں کیا اور نہ اُن کے اُن تعلقات کو توڑا جو بموجب رسم زمانہ جاہلیت اُن میں تھے بلکہ آیندہ کی غلامی کو معدوم کیا اور موجودہ غلاموں کے لیئے بہت سی تدبیریں اُن کے رفتہ رفتہ آزاد ہوجانے کی کیں ' جو لوگ اصول انتظام مدن سے واقف ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ کسی ملک کے اور خصوصاً عرب کیسے ملک کے جسمیں لونڈیوں و غلاموں کے تعلقات اُن کے آقاؤں سے ایک عجیب ہی قسم کے اور نہایت پیچ در پیچ تھے تمام لونڈیوں اور غلاموں کا دفعتاً آزاد کردینا کیسا مشکل اور کسقدر مختلف قسم کی خرابیوں اور دقتوں بلکہ انواع اقسام کے گناہوں کا مورث ہوتا اِسلیئے دفعتاً اُنکا آزاد کرنا غیر ممکن عادی تھا پس اسلام نے عین رحمت اور حکمت کی جو اُن کو دفعتاً آزاد نہیں کیا بلکہ اُن کے رفتہ رفتہ آزاد ہونے کی اور آیندہ کی مسدودی کی تدبیر کی *

بارہ سو برس بعد اِس واقعہ کے بڑے بڑے مدبروں نے جو غلامی کے معدوم ہونے میں کوششیں کیں وہ بھی اِس سے زیادہ کچھہ نکرسکے کہ

بردہ کی غلامی کو بند کیا اور موجودہ غلاموں کے رفتہ رفتہ آزاد ہونیکی [illegible] البتہ اُنہوں کی تدبیروں میں اور بانی اسلام کی تدبیروں میں اِتنا فرق تھا کہ اُن کی تدبیریں زیادہ تر مادی چیزوں سے علاقہ رکھتی تھیں اور بانی اسلام کی تدبیریں زیادہ تر روحانی چیزوں سے متعلق تھیں *

اُس نے غلاموں کے مالکوں کو وحی کی رو سے سمجھایا کہ " غلاموں کے آزاد کرنے سے زیادہ کوئی پیاری چیز اللہ کے نزدیک نہیں ہی " *

اُس نے بعض گناہوں کے کفارہ میں بردہ آزاد کرنے کا حکم دیا *

صاف یہہ حکم دیا کہ اگر غلام دعا کر اپنی قیمت ادا کردینی چاہیں کو اقرار نامہ لیکر اُن کو چھوڑ دو *

ایسے غلاموں کو جن کے مالکوں نے قیمت لیکر آزاد کرنے کا وعدہ کیا ہی خیرات دینے اور چندہ دینے پر رغبت دلائی *

بیت‌المال میں سے مکاتب غلاموں کی آزادی کے لیئے روپیہ دینا تجویز کیا *

بعض حالتیں ایسی مقرر کیں کہ اُس میں لونڈیاں از خود بلا آزاد کیئے آزاد ہو جاویں *

ایسے معاہدہ یا اقرار کو جس میں ذراسا بھی اشتباہ معاہدہ یا اقرار آزادی کا ہو بمنزلہ معاہدہ و اقرار کامل آزادی کے قرار دیا *

موجودہ غلاموں کی ترقی حالت کے لیئے بھی نہایت سنجیدہ احکام صادر فرمائے — غلاموں کے مالکوں کو مناسب سے زیادہ خدمت لینے سے منع کیا — یہہ حکم دیا کہ وہ لونڈی غلام کہہ کر نہ پکارے جاویں — اُن کو مثل اپنے کھلایا پہنایا جاوے — اُن کو اُن کے رشتہ‌داروں سے جدا نہ کیا جاوے — یہہ احکام ایسے سنجیدہ اور رحم کے بھرے ہوئے تھے جن سے غلاموں کی حالت کو بہت ترقی ہوئی تھی بلکہ وہ غلامی کی حالت سے بھائی بندی کی حالت پر پہونچ گئے تھے — پس کوئی تدبیر اور کوئی حکیم اور کوئی انسان کا بھلائی چاہنے والا اُن کے ساتھہ اس سے زیادہ نہیں کرسکتا تھا جو کہ اسلام نے اُن کے ساتھہ کیا *

مگر قرآن مجید میں جو متعدد جگہہ لونڈیوں و غلاموں کا ذکر آیا ہی اور بعضی جگہہ اُن کی نسبت کچھہ احکام بھی بیان ہوئے ہیں اُس سے لوگ متعجب ہونگے کہ اگر غلامی معدوم ہوگئی تھی تو وہ احکام قرآن مجید میں کیوں آئے تھے *

اسی چیز نے بڑے بڑے عالموں کو دھوکا دیا ہی اور غلطی میں ڈالا ہی مگر سمجھہ لینا چاہیئے کہ وہ تمام احکام اُنہیں موجودہ لونڈیوں و غلاموں کی نسبت ہیں جو بموجب رسم جاہلیت اور قبل نزول آیت حریت کے غلام ہو چکے تھے اور جن کو اسلام نے بھی آزاد نہیں کیا تھا چنانچہ اُن تمام آیتوں میں جن میں لونڈی و غلام کا ذکر ہی ایک بھی ایسا لفظ نہیں ہی جو آیندہ کی غلامی پر جس کو ہم بلفظ رقیت مستقبلہ تعبیر کرینگے دلالت کرتا ہو *

اس مقام پر ہم اپنے اس بیان کے اثبات کے لیئے قرآن مجید کی اُن تمام آیات کو نقل کرتے ہیں جن میں کوئی ایسا لفظ آیا ہی جو غلامی پر دلالت کرتا ہی اور تمام دنیا پر اپنے اس دعوے کی تصدیق ظاہر کرتے ہیں کہ اُن میں ایک لفظ بھی ایسا نہیں ہی جو رقیت مستقبلہ پر دلالت کرتا ہو *

لفظ ماملکت

یہہ لفظ قرآن مجید کی پندرہ آیتوں میں آیا ہی اول تو یہہ لفظ خود ہی صیغہ ماضی کا ہی جو ملکیت مستقبلہ پر دلالت نہیں کرتا اور قطع نظر اس کے اُن آیتوں کے معانی بھی کسی طرح رقیت مستقبلہ پر اشارہ نہیں کرتے *

آیت اول — سورہ نساء میں اللہ تعالی فرماتا ہی کہ " اگر متعدد جوروئیں کرنے میں تمکو اس بات کا ڈر ہو کہ برابر نرکھہ سکو گے تو ایک ہی عورت سے یا اُس سے جس کے مالک تمہارے ہاتھہ ہو چکے ہیں نکاح کرو " *

فان خفتم الا تعدلوا فواحدۃ او ماملکت ایمانکم — ۴ — ۳

آیت دوم — اسی سورۃ میں اللہ صاحب نے دوسری جگہہ فرمایا کہ " تم پر وہ رشتہدار عورتیں جنکا بیان ہوا اور آزاد عورتیں حرام کی گئی ہیں مگر وہ جو تمہارے ہاتوں کی ملک ہوچکی ہیں خدا نے یہہ حکم تم پر لکھدیا ہی اور اِن کے سوا جتنی ہیں وہ تمہارے لیئے حلال کی گئی ہیں اس طرح پر کہ تم اپنے مال کے (یعنی مہر کے) بدلے نکاح کرنا چاہو پاکدامنی رکھنے کو نہ مستی نکالنے کو " *

والمحصنات من النساء الا ماملکت ایمانکم کتاب اللہ علیکم و احل لکم ما وراء ذالکم ان تبتغوا باموالکم محصنین غیر مسافحین

اس آیت میں جو لفظ محصنات کا ہی اُس کے معنی اکثر مفسروں نے شوہر والی عورتیں لیئے ہیں اور ماملکت ایمانکم کے لفظ سے یہہ مراد لی ہی کہ وہ عورتیں لڑائی میں قید ہو آئی ہوں اور اُن کے کافر شوہر دارالکفر میں ہوں اور اِس گھڑی ہوئی تقریر سے یہہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ لڑائی میں جو عورتیں شوہر والی یا بے شوہر والی پکڑی جاویں وہ لونڈیاں ہیں اور اُن سے بہایم کی مانند مباشرت کرنی درست ہی *

چنانچه تفسير كشاف ميں لكها هى كه محصنات شوهر والي عورتيں هيں اس ليئے كه اُنهوں نے بياه كر كو اپني شرمگاه كو محفوظ كر ليا هى پس وه محفوظ كرنے والي اور محفوظ كي گئي هيں اور شوهروں كے مالک هو چكنے سے يهه مراد هى كه وه عورتيں لڑائي ميں بندي هوكر اُن كے هات آئي هوں پس وه عورتيں مسلمان غازيوں كے ليئے حلال هيں اور اگرچه وه شوهر والي هوں — نعوذبالله *

و المحصنات — و هن ذوات الازواج لانهن احصن فروجهن بالتزويج فهن محصنات و محصنات — الا ماملكت ايمانكم — يريد ماملكت ايمانهم من اللاتي سبين ولهن ازواج في دارالكفر فهن حلال لغزاة المسلمين و ان كن محصنات

مگر جس شخص كو خدا نے ضلالت تقليد سے بچايا هوگا اور خدا كے كلام كو اُس ادب سے جسكا وه مستحق هى ديكهيگا تو يقين كريگا كه اس آيت كي يهه مراد نهيں هى نه اس ميں لڑائي كے قيديوں كا كچهه ذكر هى اور نه ان لفظوں كے يهه معني هيں *

تفسير كبير ميں لكها هى كه قران مجيد ميں احصان كا لفظ چار معنوں ميں آيا هى — اول — بمعني حريت يعني ازادي جيسيكه خدا تعالى نے سورة نور ميں فرمايا هى كه جولوگ بد كاري كي تهمت محصنات يعني آزاد عورتوں پر لگاويں اور پهر چار گواه نه لاسكيں تو اُن كو اَسي دره مارو اور اسيطرح سورة نساء ميں فرمايا كه پهر جب وه يعني لونڈياں شوهردار هوجاويں اور پهر بدكاري كريں تو اُن پر به نسبت محصنات يعني آزاد عورتوں كے ادها عذاب هى اور تفسير كبير ميں بهي محصنات كے معني الحراير يعني آزاد عورتيں لكهے هيں — اور اسي جگهه خدا تعالى نے فرمايا هى كه جو كوئي تم ميں سے محصنات يعني آزاد عورتوں سے نكاح كرنےكي وسعت نركهتا هو

والذين يرمون المحصنات ثم لم ياتوا باربعة شهداء فاجلدوهم ثمانين جلدة

فاذا احصن فان اتين بفاحشة فعليهن نصف ما على المحصنات من العذاب — يعني الحرائر

و من لم يستطع منكم طولا ان ينكح المحصنات — يعني الحراير

اس جگهه بهي تفسير كبير ميں محصنات كے معني الحراير يعني آزاد عورتوں كے لكهے هيں *

دوم — بمعني پاكدامني جيسيكه خدا تعالى نے اسي سورة ميں فرمايا هى كه محصنين يعني پاكدامني ركهنے كو نه مستي نكالنے كو اور لونڈيوں كي نسبت بهي فرمايا هى كه محصنات يعني پاكدامني ركهنے واليان نه مستي

محصنين غير مسافحين — اور محصنات غير مسافحات

نكالنے واليان — اور اسي طرح سورة انبيا ميں حضرت مريم كي نسبت فرمايا والتي احصنت فرجها * اے اعفة * اور جس نے پاک دامني سے ركها اپني شرمگاه كو — احصنت كا لفظ جو اِس آيت ميں هى اُسكے معني تفسير كبير ميں عفت يعني پاكدامني كے لكهے هيں *

سوم — بمعني اسلام — هم ابهي سورة نساء كي ايک آيت لكهه چكے هيں جس ميں لفظ اُحصن كا هى تفسير كبير ميں اِس كے معني لكهے هيں "احصن" اے اسلمن — يعني جب لونڈياں مسلمان هوجاويں اور پهر بدكاري كريں تو اُن پر به نسبت ازاد عورتوں كے ادها عذاب هى *

علماء حنفيه اور ديگر علماء كو جو اِس جگهه اُحصن كے معني اسلمن كے ليئے پڑے اِس كا يهه سبب هى كه اگر يهه معني نهيں تو اُنكا ايک دوسرا مسئلہ رجم محصنات كا جڑ پيڑ سے هل كر گرپڑتا هى اِس ليئے اُنهوں نے اُحصن كے اسلمن معني بنائے مگر هم اِن معنوں كو تسليم نهيں كرتے *

چهارم — بمعني شوهردار — پس جو لوگ كه والمحصنات من النساء سے شوهردار عورتيں مراد ليتے هيں اُن كے پاس اُس كي كيا سند هى اِس ليئے كه لفظ متعدد المعني سے ايک معين معني ايک مسئلہ عظيمہ كے اخذ كرنے كو مقرر كرنے كے ليئے كوئي دليل عقلي يانقلي چاهئي سو يهاں بجز اپنے قياس سے ايک بات كهدينے كے نه كوئي عقلي دليل هى نه نقلي *

خود اِس آيت سے ثابت هى كه يهاں محصنات سے آزاد عورتيں مراد هيں كيونكه يهي لفظ تين جگهه اِس مقام پر آيا هى اور سب جگهه آزاد عورتيں هي اُس سے مراد لي گئي هيں *

تفسير كبير ميں بهي اِس بات كو تسليم كيا هى اور قبول كيا هى كه جس طرح اور جگهه اِس لفظ كے معني آزاد عورتوں كے هيں اسي طرح اِس جگهه بهي اِس لفظ كے معني آزاد عورتوں كے هيں چنانچه اُس ميں لكها هى كه اِس جگهه محصنات سے آزاد عورتيں مراد هيں اور خود خدا تعالى نے جو اِس آيت كے بعد فرمايا هى اُسكي دليل هى اور وه فرماتا يهه هى كه جو كوئي تم ميں سے بقدر مقدور نركهتا هو كه محصنات يعني مسلمان آزاد عورتوں سے نكاح كرے تو اُن سے كرلے جو

ان المراد ههنا بالمحصنات الحرائر والدليل عليه قوله تعالى بعد هذه الاية و من لم يستطع منكم طولا ان ينكح المحصنات المومنات فمن ماملكت ايمانكم ذكر ههنا المحصنات ثم قال بعده و من لم يستطع منكم طولا ان ينكح المحصنات كان المراد بالمحصنات ههنا ماهوالمراد هناك ثم المراد من المحصنات هناك الحرائر فكذا ههنا

تمهارے هاتوں كي ملک هوچكي هيں خدا تعالى نے پهلي دفعه محصنات كا

ابطال غلامي

لفظ فرمايا پهر دوسري دفعه بهي وهي لفظ محصنات كا فرمايا تو جو مراد محصنات كے لفظ سے إس جگهه هوگي وهي أس جگهه هوگي پهر إس جگهه تو محصنات سے آزاد عورتيں مراد هيں پهر أس جگهه بهي وهي مراد هيں *

اور الا ما ملكت ايمانكم جو إس آيت ميں آيا أس سے لونڈيوں هي كے معني لينے ضروري نهيں هيں إس لیئے كه نكاح كے سبب جو ملكيت هوجاتي هى أس پر بهي ماملكت ايمانكم كا اطلاق هوتا هى اور جو عدد ازواج كے خدانے همارے لیئے جايز كرديئے هيں أنپر بهي ملكيت كا اطلاق هوتا هى چنانچه تفسير كبير ميں لكها هى كه "إس آيت ميں جو لفظ نفي قوله الاماملكت ايمانكم اور جهاں الاماملكت ايمانكم آيا هى

الاول المراد منه العدد الذي جعله الله ملكا لكم و هوالاربع فصار التقدير حرمت عليكم الحراير الاالعدد الذي جعله الله ملكا لكم وهوالاربع والثاني الحراير محرمات عليكم الاماأثبت الله لكم ملكا عليهن و ذلك عند حضورالولي والشهود و سايرالشرايط المعتبرة في الشريعة بهذا الاول في تفسير قوله الا ماملكت ايمانكم و هوالمختار ويدل عليه قوله تعالى والذين هم لفروجهم حافظون الا على ازواجهم اوماملكت ايمانهم جعل الله ملك اليمين عبارة عن ثبوت الملك فيها فرحسب ان يكون ههنا مفسرا بذلك لان تفسير كلام الله بكلام الله اقرب الطرق الى الصدق والصواب

أسكے معني يهه هيں — پهلے يهه كه أس سے مراد وه تعداد هى جو الله نے هماري ملك كردي هى يعني چار آزاد عورتوں تك تو اب آيت كے معني يهه هوئے كه تم پر آزاد عورتيں حرام هوئيں مگر أتني جتني كه خدا نے تمهاري ملك كردي هيں يعني چار دوسرے يهه كه آزاد عورتيں تم پر حرام هيں مگر وه جن ميں الله تعالى نے تمهاري ملكيت مقرر كردي هى اور يهه ملكيت جب هوتي هى جب ولي موجود هو اور گواه حاضر هوں اور تمام شرطيں جو شريعت ميں نكاح كے لیئے مقرر هيں وه سب پوري هوں پس يهي ٹهيك تفسير هى خدا كے كلام الا ماملكت ايمانكم كي اور اسيكو عالموں نے اختيار كيا هى اوراس كي صحت پر قران مجيد كي دوسري آيت بهي دلالت كرتي هى سورة مومنون ميں خدا تعالى نے فرمايا هى كه جو مسلمان اپنے عضو شهوت كي نگهباني كرتے هيں بجز اپني جوروؤں كے يا أن كے جنكے مالك أنكے هاتهه هوچكے هيں — إس آيت ميں الله صاحب نے جنكي ملك سے مسلمانوں كي ملكيت كا أن ميں ثابت هونا مراد ليا هى پس واجب هى كه أس آيت ميں بهي يهي مراد لي جاوے إس لیئے كه تفسير قران مجيد كي ايك آيت كي قران مجيد كي دوسري آيت سے نهايت ٹهيك رسته سچائي اور درستي پر چلنے كا هى *

علاوه إس كے اگر ماملكت ايمانكم سے لونڈياں هي مراد ليجاويں تو آيت كے معني يهه هونگے كه تم پر آزاد عورتيں حرام هوئي هيں مگر وه عورتيں جو پهلے آزاد تهيں مگر اب تمهاري لونڈياں هوچكي هيں *

اگر انسان كو خلاف تقليد ميں خدا تعالى تعالے اور أس كے دلكو أس سچائي اور نور حقيقي سے جو مذهب اسلام ميں هى روشن كرے تو إس آيت كا مطلب سمجهنے ميں كچهه بهي دقت نهيں هى — إس جگهه خدا تعالى نے جو عورتيں اور رشته دار عورتيں حرام هيں اور جو حلال هيں أن كا بيان فرمايا هى مگر قبل نزول إس آيت كے إسكا كچهه لحاظ نه تها خدا تعالى نے جو كچهه كه قبل إس آيت كے هوچكا تها أسكے جايز ركهنے كو يهه فرمايا كه جو آزاد عورتيں تمهاري مالك هوچكي هيں يعني أس زمانه كي رسم بموجب تصرف ميں آچكي هيں وه حرام نهيں هيں پس إس سے كوئي حكم رقيت مستقبله كا نهيں نكل سكتا *

إسكي نظير اسي سورة ميں اور اسي جگهه موجود هى كه اهل عرب اپنے باپ كي جورو كو جورو بنانے ميں كچهه قباحت نهيں سمجهتے تهے جب أس كي نهي آئي تو خدا نے فرماديا كه إس سے پهلے جو هوچكا وه هوچكا چنانچه خدا تعالى فرماتا هى "مت نكاح كرو أن

لاتنكحوا ما نكح اباؤكم من النساء الا ما قد سلف

عورتوں سے جن سے تمهارے باپوں نے نكاح كيا هى مگر جو كچهه كه پهلے هوچكا" يعني وه إس امتناع ميں داخل نهيں هى *

آيت سوم — الله صاحب نے سورة نساء ميں فرمايا هى

ومن لم يستطع منكم طولا ان ينكح المحصنات المومنات فمن ما ملكت ايمانكم من فتياتكم المومنات

اور جو كوئي تم ميں سے بمقدور مقدور نركهتا هو كه مسلمان آزاد عورتوں سے نكاح كرے تو جو عورتيں تمهارے هاتهوں كي ملكيت هو چكي هيں أنميں سے جو مسلمان چهوكرياں هيں أن سے نكاح كرے *

آيت چهارم — الله تعالى نے اسي سورة ميں دوسري جگهه فرمايا

وا عبدوا الله و لاتشركوا به شيئا و بالوالدين احسانا و بذي القربي و اليتمى والمساكين و الجار ذي القربي و الجار الجنب والصاحب بالجنب وابن السبيل و ماملكت ايمانكم

هى كه" الله كي عبادت كرو اور أسكے ساتهه كسي چيز كو شريك مت كرو اور ما باپ كے ساتهه سلوك كرو اور قرابت مندوں اور يتيموں اور غريبوں اور قرابت مند همسايه اور اجنبي همسايه اور اپنے پاس كے بيٹهنے والے كے ساتهه اور أنكے ساتهه جو تمهارے هاتهوں كي مالك هو چكي هيں *

آیت پنجم — اللہ صاحب نے سورۂ نحل میں فرمایا ہے کہ

واللہ فضل بعضکم علی بعض فی الرزق فما الذین فضلوا برادی رزقہم علی ما ملکت ایمانہم فہم فیہ سواء

اللہ نے تم میں سے کسیکو کسی پر رزق کی فراخی میں زیادتی دی ہے پس جنکو زیادتی دی ہے وہ اپنا رزق اُنکو بھی دیں جنکے مالک اُنکے ہاتھہ ہوچکے ہیں تاکہ رزق میں وہ برابر رہیں *

آیت ششم و ہفتم — یہہ آیت سورۂ مومنوں میں بھی ہے اور سورۂ معارج میں بھی ہے

والذین ہم لفروجہم حافظون الا علی ازواجہم او ما ملکت ایمانہم فانہم غیر ملومین.

اسمیں اللہ صاحب نے فرمایا ہے کہ جو مسلمان اپنے عضو شہوت کی نگہبانی کرتے ہیں مگر اپنی جورؤں کے ساتھہ یا اُن کے ساتھہ جنکے مالک اُنکے ہاتھہ ہوچکے ہیں تو اُن پر کچھہ ملامت نہیں *

آیت ہشتم — اللہ صاحب نے سورۂ نور میں فرمایا ہے کہ

"او نسائہن او ما ملکت ایمانہن"

عورتوں کو اپنا سینہ جو اُن کے بدن کی زیبایش ہے سب لوگوں سے سواے بعض کے ڈھکا رکھنا چاہیئے اور جن لوگوں سے چھپا رکھنا ضرور نہیں ہے اُن میں سے یہہ لوگ ہیں جنکا اس مقام پر بیان ہے یعنی آپس کی عورتیں یا وہ جنکے مالک اُن کے ہاتھہ ہوچکے ہیں *

آیت نہم — اسی سورہ میں دوسری جگہہ یہہ آیت ہے کہ جو لوگ

والذین یبتغون الکتاب مما ملکت ایمانکم فکاتبوہم ان علمتم فیہم خیرا

اُن لوگوں میں سے جو تمہارے ہاتھوں کی ملک ہوچکے ہیں خط آزادی چاہیں تو اُنکو لکھدو اگر جانو اُسمیں بہتری *

آیت دہم — اسی سورہ میں اللہ صاحب نے فرمایا ہے کہ "

یا ایہا الذین امنوا لیستاذنکم الذین ملکت ایمانکم

اے مسلمانوں تین وقت میں جنکا بیان اس آیت میں ہے تمہارے پاس اُنکو بھی اجازت لیکر آنا چاہیئے جنکے مالک تمہارے ہاتھہ ہوچکے ہیں *

آیت یازدہم — اللہ صاحب نے سورۂ روم میں تمثیلاً فرمایا ہے

ضرب لکم مثلا من انفسکم ہل لکم من ما ملکت ایمانکم من شرکاء فیما رزقناکم *

کہ تمکو تمہارے ہی حالکی مثال دی کہ جو کچھہ خدا نے تمکو دیا ہے کیا اُس میں اُن لوگوں میں سے کوئی جنکے مالک تمہارے ہاتھہ ہوچکے ہیں تمہارے شریکوں میں ہے *

آیت دوازدہم — اللہ صاحب نے سورۂ احزاب میں فرمایا ہے کہ

یا ایہا النبی انا احللنا لک ازواجک اللاتی اٰتیت اجورہن و ما ملکت یمینک مما افاء اللہ علیک

اے نبی ہمنے حلال کیں تیرے لئے تیری جوروئیں جنکا مہر تو دے چکا ہے اور جو تیرے ہاتھوں کی ملک ہوچکی ہیں اُن میں سے جنکو اللہ نے تجھکو دیا ہے *

یہہ وہ آیت ہے جس میں احکام ازواج مطہرات مذکور ہیں اور اسکے بعد کی آیت میں آنحضرت صلعم کو اِسکے بعد اور کسی عورت سے ازدواج کرنے سے امتناع آیا ہے اور اِس سے ثابت ہوتا ہے کہ جناب رسول خدا صلعم کے ازدواج کے کوئی احکام خاص نہیں تھے بلکہ جسطرح کہ عرب میں ازدواج کا دستور تھا اُسیطرح پر ازدواج ہوا تھا — البتہ متبنی کی زوجہ کے بعد طلاق حرام نہونے کی نسبت احکام صادر ہوئے تھے سو وہ بھی جناب پیغمبر خدا صلعم کے ساتھہ مخصوص نہیں ہیں بلکہ حکم مذکورہ تمام مسلمانوں کے لیئے ہے مگر اِس آیت میں خدا تعالی نے اُن تمام ازدواجوں کو جو ہوچکے تھے حلال و پاک قرار دیا اور ازدواج آیندہ سے منع فرمایا چنانچہ اسی سورۂ میں فرمایا ہے

ولا یحل لک النساء من بعد ولا ان تبدل بہن من ازواج ولو اعجبک حسنہن

اور نہیں حلال ہیں تجھکو عورتیں اِسکے بعد اور نہ یہہ کہ اُن جورؤں کے بدلے اَور جوروئیں کرے اگرچہ اُنکا حسن تجھکو اچھا لگتا ہو *

قبل نزول اس آیت کے مقوقس مصر کے بادشاہ نے دو لونڈیاں ایک ماریہ قبطیہ اور دوسری سیرین بطور تحفہ کے بھیجی تھیں اُن میں سے ماریہ قبطیہ بموجب رسم عرب کے حضرت کے تصرف میں تھیں — اس طرح پر تحفہ آنے کو عربی زبان میں (فئی) کہتے ہیں اس آیت میں خدا تعالی نے فرمایا کہ ما ملکت یمینک مما افاء اللہ علیک تو اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُس تصرف کو

بمقام علیگڈہ — مطبع علیگڈہ انسٹیٹیوٹ میں چھپا اور باہتمام
منشی محمد مشتاق حسین شایع ہوا

THE MOHAMMEDAN SOCIAL REFORMER

تهذيب الاخلاق

جلد دوم] يكم شعبان المعظم سنه ۱۲۸۸ هجري [نمبر ۱۳

تتمه مضمون نمبر ۵۲

خدا نے درست رکها مگر اُسکے بعد مطلقاً ازدواج کو منع کردیا پس اِس آيت سے بهي کسي طرح رقيت مستقبله کا ثبوت نهيں هوتا *

بعضے لوگ افاء کے معني غنيمت يعني لڑائي کي لوٹ کے کهتے هيں اور اُس پر يهه دليل لاتے هيں که لڑائي ميں لوٹ کے وقت جو عورتيں هاتهه آويں وه لونڈياں هوجاتي هيں مگر يهه دليل اُنکي دو وجهه سے غلط هی اول اِس ليئے که لڑائي کے قيديوں کي نسبت خاص حکم آچکا هی که وه احسان کرکر يا فديه ليکر چهوڑ ديئے جاويں دوسرے اِس ليئے که (افاء) کے معني لڑائي کي لوٹ کے نهيں هيں بلکه کافر بغير لڑائي کے جو کچهه ديں وه فئی هی چنانچه بحارالانوار ميں لکها هی

که " فئی وه چيز هی جو کافروں کے مال ميں سے بغير لڑائي کے اور بغير جهاد کے مسلمانوں کے هاتهه آوے " البته کبهي کبهي	الفئی ما حصل للمسلمين من اموال الکفار من غير حرب ولا جهاد واصله الرجوع

مجازاً غنيمت کے مال پر بهي (فئی) کا اطلاق هوجاتا هی مگر جبکه اصلي معني بالکل صحيح و درست اور مطابق واقع کے هوں تو مجازي معني اختيار کرنے کي کوئي وجهه نهيں هی *

علاوه اِس کے تمام آيت ميں اُن موجوده عورتوں کي نسبت احکام هيں جو آنحضرت صلعم کے پاس موجود تهيں اور (ملکت) اور (افاء) دونو ماضي کے صيغے هيں پهر اُن سے رقيت مستقبله پر کيونکر استدلال هوسکتا هی *

آيت سيزدهم — الله تعالی سوره احزاب ميں فرماتا هی

که " همکو معلوم هی جو کچهه مقرر کر ديا همنے مسلمانوں پر اُن کي جوروؤں کے باب ميں اور	قد علمنا ما فرضنا عليهم في ازواجهم و ماملکت ايمانهم

اُن کے باب ميں جن کے مالک اُن کے هاتهه هو چکے هيں " *

آيت چهاردهم — اسي سورة ميں خدا تعالے نے فرمايا " نهيں

حلال هيں تجهکو عورتيں اس کے بعد اور نه يهه که اُن جوروؤں کے بدلے اور جوروئيں کرے اگرچه اُنکا حسن تجهکو اچها	لا يحل لک النساء من بعد ولا ان تبدل بهن من ازواج ولو اعجبک حسنهن الا ماملکت يمينک

لگتا هو مگر وه جسکے مالک تيرے هاتهه هوچکے هيں *

يهه آيت اور اسکے پہلے کي آيت جس ميں تعدد ازواج هی دونوں کا مطلب واحد هی اِس آيت کي ابتداء ميں مطلقاً عورتوں کے حلال سے منع فرمايا تها مگر الا ماملکت کهنے سے وه عورتيں مستثنی هوگئيں جنکا بيان پہلي آيت ميں هوا اِسليئے که ماملکت يمينک اُس ملکيت کو بهي

 ابطال غلامي

حاصل هی جو بسبب نکاح یا مما افاء الله علیک کے حاصل هوئی هو پس

لا یحل لک النساء من بعد ولا ان تبدل بهن من ازواج ولو اعجبک حسنهن الا ازواجک اللاتي آتیت اجور هن او ماملکت یمینک مما افاء الله علیک

آیت کے معنی یهه هوئے که ور نهیں حلال هیں تجهکو عورتیں اسکے بعد اور نه یهه که اُن جوروؤں کے بدلے اور جوروئیں کرے اگرچهه اُن کا حسن تجهکو اچها لگتا هو مگر تیري وه جوروئیں جنکا مهر تو دے چکا هی اور جو تیرے هاتهونکي ملک هوچکي هیں اُن میں سے جنکو الله نے تجهکو دیا هی " پس اِس آیت میں بهي کوئي ایسا لفظ نهیں هی جو رقیت مستقبله پر دالت کرتا هو *

آیت پانزدهم — الله صاحب نے اسي سورة میں فرمایا هی

ولا نسائهن ولا ماملکت ایمانهن

که وه عورتوں کو اپني عورتونکے اور جنکے مالک اُنکے هاتهه هوچکے هیں سامنے آنا گناه نهیں *

یهه بات صحیح هی که قرآن مجید میں بهت سے افعال صیغه ماضي سے بیان هوئے هیں حالانکه جو احکام اُن کي نسبت هیں وه زمانه مستقبل کو بهي شامل هیں مگر افعال انساني دو قسم کے هیں ایک وه که جنکا تحقق اور وقوع دونو ایک ساتهه هیں مثلاً قتل که جب وه واقع هوگا اُسکا تحقق بهي هوگا پس ایسے افعال جو صیغه ماضي سے بیان هوں اُن کے احکام مستقبل کو بهي شامل هیں کیونکه اُن کا تحقق صرف وقوع فعل پر منحصر هی مگر دوسري قسم کے افعال یعني وه جنکا تحقق حکمي هی تو اُن کا تحقق بغیر موجود هونے حکم کے نهیں هوتا رقیت ایک حکمي شی هی تو جب تک حکم رقیت موجود نهو تحقق رقیت کسي فعل انساني سے نهیں هوسکتا اور حکم رقیت قرآن مجید میں موجود نهیں هی پس جو الفاظ متضمن معني رقیت بصیغه ماضي بیان هوئے هیں وه رقیت مستقبله پر حاوي نهیں هوسکتے *

لفظ رقبة

یهه لفظ چار جگهه قرآن مجید میں آیا هی چنانچهه اُن آیتوں کو جن میں یهه لفظ هی هم اِس جگهه لکهتے هیں تاکه معلوم هو که اُن آیتوں سے کسي طرح حکم رقیت مستقبله مستنبط نهیں هوتا *

آیت اول — الله تعالی سورة نساء میں فرماتا هی که رو مسلمان

و ماکان لمومن ان یقتل مومنا الا خطاء و من قتل مومنا خطاء فتحریر رقبة مومنة و دیة مسلمة الی اهله الا ان یصدقوا فان کان من قوم عدولکم وهو مومن فتحریر رقبة مومنة و ان کان من قوم بینکم و بینهم میثاق فدیة مسلمة الی اهله و تحریر رقبة مومنة فمن لم یجد فصیام شهرین متتابعین توبة من الله و کان الله علیما حکیما

کو نهیں چاهیئے که مسلمان کو مار ڈالے مگر یهه که انجانی سے مار دیا هو اور جس شخص نے که انجانی سے کسي مسلمان کو مار ڈالا هو تو کلو غلامي کرے ایک مسلمان کي یعني ایک بردا آزاد کرے اور خون بهادے اُسکے وارثوں کومگر یهه که وه معاف کردیں پهر اگر وه تمهارے دشمن کي قوم میں سے تها اور وه مسلمان تها تو آزاد کرے مسلمان بردہ اور اگر ایسي قوم میں سے تها جن میں تم سے اور اُن سے عهد هی تو خون بها دے اُسکے وارثوں کو اور آزاد کرے مسلمان بردہ اور جسکو مسلمان بردہ نملے تو دو مهینے برابر روزے رکهے تاکه الله اُسکو معاف کرے " *

آیت دوم — الله صاحب نے سورة مائدہ میں میں فرمایا که

لا یؤاخذکم الله باللغو في ایمانکم و لکن یؤاخذکم بماعقدتم الایمان فکفارته اطعام عشرة مساکین من اوسط ماتطعمون اهلیکم اوکسوتهم او تحریر رقبة فمن لم یجد فصیام ثلثة ایام

" الله تعالی تمکو نهیں پکڑتا تمهاري بیفائدہ قسموں پر مگر پکڑتا هی اُسپر جس پر تملے مضبوطي سے قسم کهائي تهي پهر اُسکا کفارہ دس محتاجوں کو متوسط درجه کا کهانا کهلانا جیسا که تم اپنے گهر والوں کو کهلاتے هو یا اُنکو کپڑا پهنانا یا مسلمان بردہ آزاد کرنا هی اور اگر نه ملے تو تین دن روزے رکهنے هیں *

آیت سوم — الله صاحب نے سورة مجادلہ میں فرمایا هی که

و الذین یظاهرون من نسائهم ثم یعودون لما قالوا فتحریر رقبة من قبل ان یتماسا ذلکم توعظون به و الله بما تعملون خبیر فمن لم یجد فصیام شهرین متتابعین من قبل ان یتماسا فمن لم یستطع فاطعام ستین مسکینا

" جو کوئي تم میں سے اپني جوروؤں میں سے کسیکو ماں کهه بیٹهے اور پهر جو بات کهي تهي اُس سے پهرنا چاهے تو آزاد کرے ایک بردہ اپني جورو کو چهونے سے پهلے اس سے تمکو نصیحت هوگي اور الله جانتا هی جو تم کرتے هو پهر جسکو نملے تو دو مهینے برابر روزے رکهے اپني جورو کے چهونے سے پهلے اور جو نکرسکے تو ساٹهه محتاجوں کو کهانا کهلاوے " *

آیت چهارم — الله صاحب سورة بلد میں فرماتا هی که آزاد کرنا

فک رقبة

بردہ کا بڑي گهاٹي کا پهلانگنا هی *

ان تمام احکام میں جو غلام نه ملنے کي حالت میں اَور دوسري قسم کے کفاروں کا ذکر آیا هی اِس سے رقیت مستقبله کے معدوم هونے پر اشارہ نکل سکتا هی فتدبر *

لفظ الرقابْ

يهه لفظ قران مجيد ميں دو جگهه بمعني عبد آيا هى مگر كوئي لفظ بهي اُن آيتوں کا جنميں يهه لفظ هى رقيت مستقبله پر دلالت نهيں كرتا *

آيت اول — سورة بقر ميں الله صاحب نے اُن باتوں کو جو اِس آيت ميں بيان هوئي هيں نيكياں گنا هى اور اُنهي كے ساتهه مسافروں اور سائلوں کو خيرات دينا اور بردة آزاد كرنے ميں روپيه خرچ كرنا نيک كام فرمايا هى *

والسائلين و في الرقاب

آيت دوم — سورة توبه ميں الله صاحب نے زكوة كے روپيه کا خرچ بتلايا هى كه كهاں كهاں خرچ هوگا اُسي كے ساتهه بتلايا كه بردة آزاد كرنے ميں بهي خرچ كيا جاويگا *

انما الصدقات للفقراء و المساكين و العاملين عليها و المؤلفة قلوبهم و في الرقاب .

لفظ عبد

يهه لفظ بمعني غلام تين چار جگهه قران مجيد ميں آيا هى اور اُس سے بهي رقيت مستقبله پر استدلال نهيں هوسكتا *

آيت اول — يعني الله صاحب نے مسلمان عورتوں کو مشركين سے شادي كرنے کو منع كيا هى اور بطور تاكيد كے يهه فرمايا كه مسلمان غلامْ بهي ايک مشرک سے اچها هى اگرچه وہ مشرک تمكو اچها معلوم هوتا هو *

و لعبد مومن خير من مشرک ولو اعجبكم

آيت دوم — عرب ميں بزمانہ جاهليت يهه دستور تها كه ايک قوم دوسري قوم پر كسي سبب سے اپنے تئيں بڑا قرار ديتي تهي اور بڑائي كے سبب سے يهه هوتا تها كه اگر بڑي قوم ميں کا غلام مارا جاتا تو اُس كے بدلے ميں دوسري قوم كے حر يعني آزاد کو مار ڈالتے تهے اور اگر عورت ماري جاتي تهي تو اُس كے بدلے مرد کو مارتے تهے اور اگر ايک مرد مارا جاتا تها تو اُس كے بدلے دو مرد مارتے تهے جب وہ لوگ مسلمان هوگئے اور اُس کا جهگڑا رسول خدا صلعم كے سامنے هوا تو قران مجيد ميں يهه حكم نازل هوا كه الله تعالى نے تم پر قصاص فرض كيا هى اگر آزاد مرد مرد کو مارے تو وهي مارا جاوے اگر غلام غلام کو مارے تو غلام هي مارا جاوے اگر عورت عورت کو مارے تو وهي عورت ماري جاوے *

الحر بالحر و العبد بالعبد

آيت سوم — الله صاحب نے سورة نحل ميں بت پرستوں كے سمجهانے کو ايک غلام كي مثال دي جو دوسرے کا مال هى اور كسي چيز پر كچهه اختيار نهيں ركهتا *

ضرب الله مثلا عبدا مملوكا لا يقدر على شئ

لفظ امة

قران مجيد ميں دو جگهه يهه لفظ هى اور كسي جگهه سے بهي رقيت مستقبله کا حكم نهيں پا جاتا *

آيت اول — سورة بقر ميں الله صاحب نے مسلمانوں کو مشرک عورتوں سے بياه كرنے کو منع فرمايا اور تاكيداً يهه ارشاد كيا كه ايک مسلمان لونڈي مشرک عورت سے اچهي هى اگرچه وہ مشرک عورت تمكو اچهي لگتي هو *

و لامة مومنة خير من مشركة و لو اعجبتكم

آيت دوم — الله صاحب نے سورة نور ميں فرمايا هى كه " نكاح كرو مسلمان رانڈوں کا اور نيک چال اپنے غلاموں اور لونڈيوں کا " *

وانكحوا الايامى منكم والصالحين من عبادكم و امائكم

لفظ فتيات

يهه لفظ بهي قران مجيد ميں دو جگهه بمعني لونڈيوں كے آيا هى مگر ايک جگهه بهي ايسا كوئي لفظ نهيں هى جو رقيت مستقبله پر اشارة كرتا هو *

آيت اول — سورة نساء كي آيت هى جو ذيل لفظ ماملكت ميں بيان هوچكي *

آيت دوم — الله صاحب نے سورة نور ميں فرمايا هى كه اپني چهوكريوں پر بدكاري كے لئے جبر نه كرو دنيا كي زندگي کا سامان بهم پهنچانے كے لئے جبكه وہ چاهتي هوں پاک دامن رهنا *

و لا تكرهوا فتياتكم على البغاء ان اردن تحصنا لتبتغوا عرض الحيوة الدنيا

لفظ اُسارا

يهه لفظ تين جگهه قرانْ مجيد ميں آيا هى مگر صرف آيت سورة احزاب هماري بحث سے متعلق تهي جس سے هم به ذيل لفظ ماملكت بطوري بحث كرچكے *

لفظ غلام و جاريه

يهه لفظ قرانْ مجيد ميں تو نهيں آئے مگر حديث ميں آئے هيں چنانچه وہ حديث لكهي جاتي هى *

ابطال غلامي

ابو هريرة نے کہا کہ جناب رسول خدا صلعم نے فرمایا هی کہ

عن ابي هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا يقولن احدكم عبدي و امتي كلكم عبيد الله و كل نسائكم اماء الله و لكن ليقل غلامي و جاريتي و فتاي و فتاتي و لا يقل العبد ربي و لكن ليقل سيدي و في رواية ليقل سيدي و مولائي و في رواية لايقل العبد لسيدة مولائي فان مولاكم الله رواه مسلم كذا في المشكوٰة

کوئي تم میں سے یوں نہ کہوے کہ میرا غلام اور میري لونڈي تم سب خدا کے غلام هو اور سب تمهاري عورتیں خدا کي لونڈیاں هیں مگر یوں کہو کہ میرا لونڈا اور میري لونڈیا اور میرا چھوکرا اور میري چھوکري اور غلام بھي تمکو ربي نہ کہے بلکہ میرے آقا یا میرے مالک کہوے اور ایک روایت میں آیا هی کہ میرے مالک بھي نہ کہوے کیونکہ تم سب کا مالک الله هی یہہ حدیث مسلم میں هی اور مشکوٰة میں بھي اُس کو نقل کیا هی *

باب سویم

علماء اسلام نے سبب طاري هونے رقیت کا صرف غلبہ و استیلاء قرار دیا هی

یہہ مسئلہ کہ تمام انسان در اصل حر یعني آزاد هیں علماء اسلام بھي تسلیم کرتے هیں اور قاعدة كلية الحر معصوم بنفسه کو تسلیم کرتے هیں اور اسي سبب سے ابتداء طاري هونا رقیت کا کسي انسان پر بذریعہ ولا قبول نہیں کرتے چنانچہ اُن کا قول هی کہ " اگر کوئي ذمي یا حربي دارالاسلام میں اپنے آپ کو یا اپني اولاد کو بیچے تو وہ بیع جایز نہیں اور جو لوگ بیچے گئے هیں وہ لونڈي و غلام نہیں هیں " *

اسي طرح اُن کا یہہ بھي قول هی کہ اگر حربي اپنے آپ کو یا اپني اولاد کو دارالحرب میں بیچے تو وہ بیع بھي جایز نہیں اور جب تک کہ وہ لوگ جو بیع هوئے هیں دارالحرب میں هیں بالاتفاق جملہ ائمہ کے وہ لونڈي و غلام نہیں هیں — لیکن اگر وہ دارالحرب سے دارالاسلام میں نکال لائے جاویں تو اس بات میں کہ بعد نکال لانے کے وہ لونڈي و غلام هو جاتے هیں اختلاف هی بعضے کہتے هیں کہ بسبب حصول غلبہ مآلاً لونڈي و غلام هو جاتے هیں اور اکثر کا یہہ قول هی کہ نہیں هوتے *

اکثر علماء اسلام اس بات کو بھي تسلیم کرتے هیں کہ اگر کوئي شخص دارالحرب میں سے بغیر لڑائي و غلبہ کے دغا و فریب سے یا دهوکہ دیکر کافروں کو یا اُن کي اولاد کو پکڑلاوے تو وہ لونڈي غلام نہیں هوتے اور بعض کہتے هیں کہ بسبب حصول غلبہ و استیلاء کے مآلاً لونڈي و غلام هو جاتے هیں *

مگر چار صورتیں هیں جن میں بالاتفاق مسلمان عالموں کا فتوی هی کہ اُن صورتوں میں کافر لونڈي و غلام هو جاتے هیں اور اُس کے بعد بذریعہ بیع و هبہ وارث و وصیت کے منتقل هوتے هیں اور وہ چار صورتیں یہہ هیں *

اول — وہ حربي کافر مرد اور عورت اور معصوم بچے جو جہاد میں قید هوں اور دارالحرب سے دارالاسلام میں لے آئے جاویں *

دوم — دارالحرب میں سے مسلمان بزبردستي کافروں کو یا اُنکي عورتوں اور بچوں کو پکڑ لاویں *

سوم — کافر بادشاہ کسي مسلمان کو بطور نذر یا هدیہ کے یا جزیہ و خراج کے کافروں کو یا اُن کے بچوں کو بھیجے *

چہارم — کوئي حربي دارالاسلام میں بغیر امان کے آجاوے اور پکڑا جاوے *

چنانچہ یہہ تمام صورتیں اهل سنت و جماعت کي کتب فقہ میں مندرج هیں جن کو بجنسہ اس مقام پر هم نقل کرتے هیں *

روایت اول — فتاواے قاضیخاں میں لکھا هی کہ حربي کا اپنے تئیں

ان الحربي اذا باع اباه اوابنه لايجوز فان اخرجه المشتري الي دارالاسلام ملكه ان لم يكن بينهما امان

یا اپنے بیٹے کو بیچنا جائز نہیں هی پھر اگر خریدار اُسکو دارالاسلام میں نکال لاوے تو اُسکا مالک هو جاتا هی بشرطیکہ مسلمانوں میں اور اُن حربیوں میں امن سے رهنے کا قرار نہو *

روایت دوم — قاضیخاں میں یہہ بھي لکھا هی کہ تمام روایتیں

واتفقت الروايات على انه لايجوز بيعه في دارالاسلام ومتى لم يجزالبيع في دارالحرب على قول العامة فان اخرجه المشتري الى دار الاسلام اختلف المشايخ رحمهم الله فيه قال بعضهم يملكه لان البيع وان بطل متى اخرجه جبرا ملكه بالقهر المبتداء و قال بعضهم يكون حرا لان البايع لايملك التصرف فيه بيعا و لا وطيا فلايملك المشتري و قال بعضهم ان كان البايع يرى جواز هذا البيع يملكه المشتري بالاخراج الى دارالاسلام اخرجه طايعا اومكرها وان كان البايع لايري جواز هذا البيع فان اخرجه المشتري كرها يملكه وان جاء به طايعا لايملكه

اسبات میں متفق هیں کہ دارالاسلام میں اُنکي بیع جائز نہیں هی اور جبکہ عام علماء کے قول کے مطابق دارالحرب میں اُنکي بیع ناجائز هی پھر اگر خریدار اُنکو دارالاسلام میں نکال لاوے تو اسپر بڑے بڑے عالموں [illegible] اُنکو بعضے اختلاف کیا [illegible] کہتے هیں [illegible] مالک هو جاتا هی کیونکہ اگرچہ اُنکي بیع باطل تهي مگر جبکہ [illegible] زبردستي سے اُنکو نکال [illegible] بسبب غلبہ کے جو اُس نے کیا اُنکا مالک هوگیا اور بعضے کہتے هیں کہ جلکو خریدا هی وہ غلام نہیں

ہوتے بلکہ آزاد رہتے ہیں کیونکہ بایع اُنمیں کسی طرح کا تصرف بذریعہ بیع یا مبادلت کے نہیں کرسکتا تھا تو بس مشتری بھی مالک نہوا اور بعضے کہتے ہیں کہ اگر بایع اُنکی بیع کو جائز سمجھتا ہی تو مشتری اُنکا مالک ہوجاتا ہی بشرطیکہ اُنکو دارالاسلام میں زبردستی یا ہمراہ رضامندی سے لے آوے اور اگر بایع اُنکی بیع کو جائز نہیں سمجھتا تو اگر مشتری اُنکو جبرا دارالاسلام میں نکال لایا ہی تو تو اُنکا مالک ہو جاویگا اور اگر رضامندی سے لایا ہی تو نہیں ہونے کا *

روایت سوم — حموی شرح اشباہ میں لکھا ہی کہ حربی اور

الحربي و الذمي لايملک بيع ولده في دارالاسلام واذا باع في دارالحرب ان اخرجه منه كرها يتملک وان اخرج المشتري باختياره فالاحتياط النكاح

ذمی دونوں اپنی اولاد دارالاسلام میں نہیں بیچ سکتے جبکہ اُنہوں نے دارالحرب میں بیچا ہو تو اگر مشتری اُنکو زبردستی سے دارالاسلام میں نکال لاوے تو مالک ہو جاتا ہی اور اگر وہ جسکو خریدا ہی خود دارالاسلام میں چلی آوے تو اُس سے نکاح کرلینا احتیاط کی بات ہی *

روایت چہارم — خزانۃ الروایات میں لکھا ہی کہ ایک مسلمان

مسلم دخل دارالحرب بامان فاشترى من احدهم ابنه او اخاه فالصحيح انه لايجوز البيع لكنهم اذا رأوا جواز هذا البيع ملكه بالقهر لا بالشراء

دارالحرب میں امان مانگ کر گیا پھر آ گئے وہاں کسی سے اپنا بیٹا یا اپنا بھائی مول لیا تو ٹھیک مسئلہ تو یہہ ہی کہ وہ بیع جائز نہیں لیکن جبکہ وہاں کے لوگوں نے اُس بیع کو جائز سمجھا تو مشتری بسبب غلبہ کے مالک ہوا نہ بسبب مول لینے کے *

روایت پنجم — ہدایہ میں لکھا ہی کہ حربی ہمارے مالک

ولا يملک علينا اهل الحرب مدبرنا وامهات اولادنا ومكاتبنا واحرارنا ونملک عليهم جميع ذلک لان السبب انما يفيد الحكم في محله والمحل المال المباح والحر معصوم بنفسه وكذا من سواه لانه يثبت الحرية فيه من وجه بخلاف ارقائهم لان الشرع اسقط عصمتهم جزاء على جنايتهم وجعلهم ارقاء والجناية من هولاء

نہیں ہوتے نہ ہمارے اُن غلاموں کے جو ہمارے بعد آزاد ہوجاوینگے اور نہ ہماری صاحب اولاد لونڈیوں کے اور نہ اُن غلاموں کے جنکو ہم نے خط ازادی لکھدیا ہی اور نہ ہمارے آزاد لوگوں کے مگر ہم حربیوں کی اُن سب چیزوں کے مالک ہوجاتے ہیں اِس لیئے کہ سبب یعنی غلبہ جبکہ ایسی جگہہ ہو جہاں ہوسکتا ہی تو جو نتیجہ غلبہ سے ہوتا ہی وہ حاصل ہوجاتا ہی اور جس جگہہ غلبہ ہوسکتا ہی وہ

ایسا مال ہی جسپر غلبہ کرنا مباح ہو اور آزاد لوگ بذات خود معصوم ہیں اور اسی طرح وہ بھی جن میں کسی طرح سے بھی آزادی موجود ہوتی ہی برخلاف کفار کے بردوں کے اس لیئے کہ شرع نے اُن کی معصومیت بسبب اُن کے گناہ کے توڑ دی ہی اور اُن کو بردہ کردیا ہی اور ہمارے لوگوں میں جن کا اُوپر ذکر ہوا اس قسم کا گناہ نہیں ہی *

روایت ششم — ہدایہ میں لکھا ہی کہ غلبہ متحقق نہیں ہوتا

الاستيلاء لا يتحقق الا بالاحراز بالدار لانه عبارة من الاقتدار على المحل حالا و مالا

جب تک کہ اُن کو دارالاسلام میں نہ پکڑ لاویں اس لیئے کہ غلبہ سے مراد قابو پانا ہی مباح چیز پر بالفعل اور آخر کار دونوں

روایت ہفتم — بحرالرائق میں لکھا ہی کہ حاوی میں یہہ

وفي الحاوي الملک الاختصاص الحاجز وانه حكم الاستيلاء لانه يثبت الملک فيه خاليا من الملک والخالي من الملک هو المباح والاستيلاء لا غير هو طريق الملک في جميع الاموال لان الاصل الاباحة فيها والبيع والهبة ونحوهما ينقل الملک الحاصل بالاستيلاء اليه فمن شرط البيع الملک حالة البيع حتى لم يصح في مباح قبل الاستيلاء لخلو المحل من الملک وقته وبالارث والوصية تحصل الخلافة حتى كانه هو الانتقال حتى لايكون للوارث الرد بالعيب دون المشتري فالاسباب ثلاثة مثبت للملک وهو الاستيلاء وناقل للملک وهو البيع ونحوه وخلافة وهو الارث والوصية

بات لکھی ہی کہ ملک کیا چیز ہی ایک خصوصیت ہی جو غیر کو اُس میں تصرف کی مانع ہی اور وہ خصوصیت غلبہ کا اثر ہی اس لیئے کہ جو چیز کسی کی ملک نہ ہو اُس پر غلبہ کے سبب سے ملکیت ثابت ہو جاتی ہی اور جو چیز کہ کسی کی ملک نہو وہ مباح ہی اور تمام چیزوں میں صرف غلبہ ہی وہ طریق ہی جس سے ملکیت ہو جاتی ہی نہ اور کوئی اس لیئے کہ اباحت تمام چیزوں میں اصل ہی — اور بیع اور ہبہ اور مانند اُنکے جو معاہدے ہیں اُن سے وہ ملکیت جو بسبب غلبہ کے حاصل ہوتی ہی منتقل الیہ کے پاس منتقل ہو جاتی ہی پس بیع کی شرط سے یہہ بات ہی کہ جو چیز بیچی گئی ہی وہ بر وقت بیع کے بایع کی ملکیت ہو یہاں تک کہ اگر کوئی شخص مباح چیز کو اُس پر قابض کرنے سے پہلے بیچ ڈالے تو وہ بیع جائز نہوگی اس لیئے کہ وہ مباح چیز اُس وقت تک کسی کی ملک نہ تھی — اور وراثت اور وصیت سے پہلے مالک کی جانشینی حاصل ہوتی ہی گویا یہہ وہی پہلی ملک ہی نہ انتقال اور اسلیئے وارث بسبب عیب کے مال پھیر نہیں سکتا مگر مشتری پھیر سکتا ہی پس تین سبب ملکیت کے ہوئے ایک وہ جو ملکیت ثابت کرتا ہی وہ تو

غلبہ ہی اور ایک وہ جو ملکیت منتقل کردیتا ہی اور وہ بیع ہی اور مثل اُس کے اور ایک وہ جو مالک کا جانشین کردیتا ہی اور وہ وراثت اور وصیت ہی *

روایت ہشتم — در مختار میں لکھا ہی کہ اگر مستامن دارالحرب سے کوئی چیز دارالاسلام میں نکال لاوے تو حرام مال کی مانند اُسکا مالک ہوگا کیونکہ اُس نے غدر کیا ہی پس چاہیئے کہ اُس مال کو غریبوں کو دیدے

فلو اخرج الینا شیئاً ملکہ ملکا حراما للغدر فیتصدق بہ بخلاف الاسیر فیباح تعرضہ وان اطلقوا طوعا لانہ غیر مستامن فہو کالمتلصص فانہ یجوز لہ اخذ المال و قتل النفس

برخلاف اُس شخص کے جس کو حربی قید کرکے لے گئے ہوں پس اُسکو تعرض کرنا درست ہی اگرچہ حربیوں نے اُس کو اپنی خوشی چھوڑ دیا ہو کیونکہ جو شخص قید ہوکر گیا وہ مستامن نہیں ہی بلکہ وہ چور کی مانند ہی اور اس لیئے اُسکو جائز ہی مال کا لینا اور جان کا مارنا *

روایت نہم — ذخیرۃ الروایات میں لکھا ہی کہ سیر میں لکھا ہی کہ اہل حرب کے بادشاہوں میں سے کسی بادشاہ نے ایک مسلمان کو آزاد حربی یا کوئی اپنا رشتہ مند بطور تحفہ کے بھیجا پس اگر اُن لوگوں میں جو بطور تحفہ کے بھیجے گئے ہیں اور اُس میں جس کو تحفہ بھیجا کچھہ رشتہ داری نہیں ہی

اہدی ملک من ملوک اہل الحرب الی رجل من المسلمین ہدیۃ من احرارہم او من بعض اہلہ فان لم یکن بین المہدی والمہدی قرابۃ کانوا ممالیک للمہدی الیہ وان کان المہدی ذا رحم محرم من المہدی او امۃ قد ولدت لہ لم یصر ملکا للمہدی الیہ

تو وہ اُس کے مملوک ہوجاتے ہیں اور اگر وہ شخص جو بھیجا گیا ہی اُس کا رشتہ مند قریب ہو یا اُسی کی صاحب اولاد لونڈی ہو تو جسکو تحفہ بھیجا گیا ہی اُس کی ملک نہیں ہوتی *

روایت دہم — سراجیہ میں لکھا ہی کہ ایک حربی دارالاسلام میں بغیر امان مانگے چلا آیا پھر اُس کو ایک مسلمان نے پکڑ لیا تو وہ بطور غنیمت تمام مسلمانوں کا مال ہوجاتا ہی

حربی دخل الینا بغیر امان فاخذہ رجل منا فہو فئی لجماعۃ المسلمین و قال ابو یوسف و محمد ہو للذی اخذہ

اور امام ابو یوسف اور امام محمد کی یہہ راے ہی کہ وہ اُسی کا مال ہی جسنے اُسکو پکڑا *

ان تمام روایتوں سے ظاہر ہوتا ہی کہ اگلے عالموں نے صرف غلبہ اور استیلا کو سبب رقیت قرار دیا ہی — ایک مدت ہوئی کہ بعض لوگوں نے استفتا کیا تھا کہ انسان کس چیز سے غلام و لونڈی ہوتا ہی اور کون سا آدمی ہی کہ غلام اور لونڈی ہوسکتا ہی اُس کا جواب مولوی وجیہہ الدین صاحب سہارنپوری نے لکھا تھا اور جناب مولوی محمد اسحق صاحب نے اُس سے اتفاق کیا تھا اور بعد کو مفتی محمد اکرام الدین خاں صاحب اور مولوی محمد کریم اللہ صاحب اور مفتی سید رحمت علیخاں عرف مفتی میر لال صاحب اور جناب حضرت شاہ احمد سعید صاحب اور مولوی حاجی قاسم صاحب اور مولوی عبدالخالق صاحب اور جناب مولوی سید نذیر حسین صاحب اور مولوی حبیب اللہ صاحب اور جناب مولوی محمد صدرالدین خاں صاحب نے بھی اُسپر اپنی مہریں ثبت فرمائی تھیں اُس میں بھی یہہ لکھا ہی کہ ” سبب غلام و کنیزک ہونے کا ابتداء غلبہ ہی حالا و مالا یعنی بالفعل اور آیندہ کو نہ غیر اس کا بیع وغیرہ اسلیئے کہ سبب اور پیدا کرنے والا ملک کا ہر چیز میں غلبہ ہی نہ غیر اِس کا اور محل اُس کا مال مباح ہی نہ غیر اس کا اور آدمی میں مال مباح فقط حربی ہی اور معنی غلبہ کے قدرت اور قابو پانا ہی ایک چیز پر بالفعل اور آیندہ کو بھی یعنی اِس طرح اُس کی پناہ میں آیا کہ کوئی اُسے چھٹا نہیں سکتا اور غالب حربی پر جو کوئی ہو مسلمان ہو یا کافر ذمی ہو یا حربی مالک اُس کا ہوجاتا ہی انتہی “ مگر اب ہمکو دیکھنا چاہیئے کہ غلبہ و استیلا کو جو سبب رقیت اور حربی کو مال مباح ٹھہرایا ہی آیا اُس کے لیئے کوئی نص صریح قران و حدیث میں موجود ہی یا نہیں اِس کا جواب صاف ہی کہ کوئی نہیں البتہ یہہ بات کہی جاسکتی ہی کہ اگلے عالموں نے اپنے ذہن میں قیدیان جہاد کو لونڈی و غلام سمجھہ کر اور صرف اپنی راے سے اور نہ کسی نص سے اُن کی رقیت کی وجہہ غلبہ و استیلا قرار دی اور جہاں کہیں اُنہوں نے ذرا بھی غلبہ و استیلا کسی قسم کا پایا وہاں رقیت کو جاری کردیا مسلمانوں کا حربیوں کو زبردستی پکڑ لانا یا حربیوں کا بطور نذر کے بھیجنا یا حربیوں کا دارالاسلام میں پکڑا جانا سب کو جہاد کے غلبہ و استیلا پر قیاس کرلیا *

کیسے تعجب کی بات ہی کہ اگلے علماء نے حربیوں کی اولاد کا دارالحرب میں خریدنا بشرطیکہ وہ لوگ اُنکا بیچنا جائز سمجھتے ہوں اِس لیئے جائز قرار دیا ہی کہ اُس میں بھی غلبہ و استیلا کی صورت ہی اور وہ صورت یہہ ہی کہ جب اہل حرب جواز بیع کے معتقد ہوئے تو بعد بیع وہ اُس کو پھیر نہیں سکتے پس بسبب خریدنے کے مسلمان کو حربی پر غلبہ و استیلا متحقق ہوگیا — نعوذ باللہ من ہذہ الا باطیل *

اب ہمارے علماء نے اس غلبہ و استیلا کو جو اپنی طبیعت کا ٹھہرایا ہوا اصول تھا یہاں تک وسعت دی کہ غلبہ و استیلا کرنے والے

مسلمان هونے كي بهي شرط ساقط كردي اور لكهه ديا كه اگر كافر كافر كو بهي بغلبه و استيلاء پكڑلے تو وه بهي اُس كا غلام هوجاويگا چنانچهه هدايه شريف ميں لكها هى كه جب كفار ترك كفار روم پر غالب

و اذا غلب الترك على الروم فسبو هم واخذوا اموالهم ملكوها لان الاستيلاء قد تحقق في مال مباح و هوا لسبب

هوجاويں اور بندي پكڑليں اور مال لے ليں تو اُس كے مالك هوجاتے هيں كيونكه استيلاء يعني غلبه متحقق هوگيا مباح مال ميں اور وهي سبب ملك، هى *

هاں هم اب تك بفضل الهي يه كسي بزرگ نے يهه نهيں فرمايا كه حربيوں كو مال مباح كس اصول پر قرار ديا گيا قران مجيد ميں يا حديث نبوي ميں يهه حكم آيا هى يا حضرت جبرئيل اُن بزرگوں پر وحي لائے تهے البته جناب رسول خدا صلى الله وسلم نے يهه فرمايا هى كه لڑائي ميں لوٹ كا مال الله تعالى نے همكو مباح كيا هى اور يهه نهايت عمده اور بهت هي خوب اصول هى مگر انسان كو مال ميں داخل نهيں فرمايا غالبا همارے علماء نے قياس سے انسان كو بهي مال سمجها هى *

بهر حال جو هو اتني بات ضرور تسليم كرني چاهيئے كه غلامي ايك مسئله هى جسكو علماء اسلام نے نكالا هى يا اختيار كيا هى مگر اُسكو ايك مسئله شرعي منزل من الله كهنا كيسا جهوٹ اور اسلام پر كتنا بڑا اتهام كرنا هى *

ان تمام حالات سے اور تمام فقهي روايتوں سے جو مذكور هوئيں يهه بات ثابت هوگئي كه فقهاے اسلام نے جو غلبه و استيلاء كو سبب رقيت قرار ديا هى اُسكي اصل جهاد كے قيديوں كو لونڈي و غلام بنانے پر مبني هى پس اب همكو اسباته پر بحث كرني چاهيئے كه جهاد كے قيديوں كا لونڈي و غلام بنانا جائز هى يا نهيں كيونكه اگر اُن قيديوں كا لونڈي و غلام بنانا ناجايز ثابت هوجاويگا تو يهه اصول رقيت باطل هوجاويگا اور سب كو تسليم كرنا پڑيگا كه اسلام ميں كوئي شخص اور كسي حالت ميں لونڈي و غلام نهيں هوسكتا پس اب هم امر مذكوره كي بحث پر متوجهه هوتے هيں و الله المستعان *

باب چهارم

اِسبات كے بيان ميں كه قيديان جهاد كے لونڈي و غلام بنانے كا كوئي حكم قران مجيد يا حديث صحيح ميں نهيں هى

كوئي شخص نهيں كهه سكتا كه قران يا حديث ميں كسي جگهه يهه حكم هى كه جو لوگ جهاد ميں پكڑے جاتے هيں وه لونڈي و غلام هوجاتے هيں مگر اگلے عالموں نے قران مجيد سے اس مسئله كے استنباط پر كوشش كي هى چنانچهه اُسكو اِس مقام پر لكهتے هيں اور جو غلطياں اُس استنباط ميں هيں اُنكو بهي بيان كرتے هيں *

استنباط اول — وه كهتے هيں كه بهت سي جگهه قران مجيد ميں اور احاديث صحيح ميں لونڈيوں اور غلاموں كا ذكر آيا هى اور بهت سے احكام اُنكي نسبت بيان هوئے هيں اور اس سے پايا جاتا هى كه اسلام ميں بهي لونڈي و غلام كا هونا جائز ركها گيا هى *

مگر يهه دليل رقيت مستقبله سے متعلق نهيں هوسكتي اس ليئے كه هم يهه بات ثابت كر آئے هيں كه قبل نزول آيت حريت كے جسقدر لونڈي و غلام موجود تهے اُن سب كو اسلام نے بطور لونڈي و غلام تسليم كيا تها اور اُنهوں كي آزادي اور آرام و آسايش كے ليئے احكام صادر كيئے تهے اور اُن احكام ميں كوئي لفظ بهي ايسا نهيں هى جو رقيت مستقبله پر دلالت كرتا هو *

استنباط دوم — الله تعالى نے سورة برات ميں نسبت اُن مشركين عرب كے جنهوں نے اپنے تمام عهد توڑ ديئے تهے اور دغا و بد عهدي كو كر لڑائي شروع كردي تهي يهه فرمايا كه " جب وه مهينے

فاذا انسلخ الا شهر الحرم فاقتلوا المشركين حيث وجد تموهم وخذوهم واحصروهم واقعدوالهم كل مرصد فان تابوا واقاموا الصلوة و اتوا الزكوة فخلوا سبيلهم ان الله غفور رحيم

جنميں لڑائي منع هى گذر جاويں تو مشركوں كو مارو جهاں پاؤ اور اُنكو پكڑو اور اُنكو گهيرو اور هر جگهه اُنكي گهات ميں بيٹهو پهر اگر وه توبه كريں اور نماز پڑهيں اور زكواة ديں تو اُنكا راسته چهوڑدو بےشك الله بخشنے والا مهربان هى *

ملا احمد جونپوري نے جو عالمگير كے عهد ميں تهے اِس آيت كا نام آيت استرقاق ركها هى اور علماء اسلام كے بڑے جوڑ اثبات رقيت پر يهه آيت هى مگر كوئي شخص بهي جس كے دل كي آنكهيں تقليد سے اندهي نهيں هوني هيں نهيں كهه سكتا كه اِس آيت سے رقيت ثابت هوتي هى — اس آيت ميں يا حكم قتل كرنے يعني لڑنے كا هى يا قيد كرنے كا يا كافروں كے رستوں كے روكنے كا هى تاكه وه مسلمانوں پر فوج نه لاسكيں يا شب خوں يا اور كسي قسم كي لوٹ مار نكرسكيں اور اُن قيديوں كو غلام و لونڈي بنانے كا كهيں ذكر بهي نهيں هى — تعجب يهه هى كه مفسرين نے بهي اور خود ملا احمد جونپوري نے بهي اس آيت كي تفسير ميں استرقاق كا كچهه ذكر نهيں كيا چنانچهه اس مقام پر متعدد تفسيروں سے اس آيت كي تفسير نقل كي جاتي هى *

ابطال غلامی

تفسیر بیضاوی میں لکھا ہی کہ خذوھم کا لفظ جو اس آیت میں ہی اُس کے معنی یہہ

و خذوھم ــ واسروھم ــ والاخیذ ــ الاسیر ــ واحصروھم ــ واحبسوھم وحیلو بینھم وبین المسجد الحرام واقعدوالھم کل مرصد ــ کل ممر لئلا ینبسطوا فی البلاد

ہیں کہ اُنکو پکڑلو اس لئے کہ اخیذ کے معنی پکڑے ہوئے کے ہیں اور واحصروھم کے معنی یہہ ہیں کہ اُن کو روکے رکہو اور کافروں کے اور مکہ معظمہ کے درمیان میں رکاوٹ ہوجاؤ اور واقعدو لھم کل مرصد کے یہہ معنی ہیں کہ اُن کے رستے روک لو تاکہ وہ ملکوں میں نہ پھیل سکیں *

تفسیر مدارک میں بھی خذوھم کے معنی پکڑلینے کے لکھے ہیں اور لکھا ہی کہ اخذ کے معنی ہیں

وخذوھم ــ واسروھم والاخذ الاسر واحصروھم ــ قیدوھم وامنعوھم من التصرف فی البلاد واقعدوالھم کل مرصد کل ممر ومجتاز ترصدونھم بہ

پکڑنے کے اور احصروھم کے معنی ہیں کہ اُن کو قید کرلو اور اُنکو ملکوں میں تصرف مت کرنے دو اور واقعدوا لھم کل مرصد کے یہہ معنی ہیں کہ اُن کے تمام رستے گھیر لو جہاں سے وہ جانا چاہیں *

تفسیر معالم التنزیل میں لکھا ہی کہ وخذوھم کے معنی ہیں کہ

وخذوھم ــ واسروھم ــ واحصروھم ای احبسوھم قال ابن عباس یرید ان تحصنوا فاحصروھم ای امنعوھم من الخروج وقیل امنعوھم من دخول مکۃ والتصرف فی بلاد الاسلام واقعدو لھم کل مرصد ای علی کل طریق والمرصد الموضع الذی یرقب فیہ العدو من رصدت الشئی ارصدہ اذا ترقبتہ یرید کونوا لھم رصدا لتاخذوھم من ای جھۃ توجھوا و قیل اقعدوا لھم بطریق مکۃ حتی لایدخلوھا

اُنکو پکڑلو اور احصروھم کے معنی ہیں اُن کو روک لو حضرت ابن عباس کہتے کہ مطلب یہہ ہی کہ اگر قلعہ میں پناہ لیں تو اُن کو گھیر لو اور نکلنے مت دو اور بعضوں نے کہا ہی کہ اسکا مطلب یہہ ہی کہ اُن کو مکہ میں مت آنے دو اور مسلمانوں کے شہروں پر دخل و تصرف مت کرنے دو اور واقعدوا لھم کل مرصد کے یہہ معنی ہیں کہ ہر رستہ پر اُنکی گہات میں بیٹھو کیونکہ مرصد اُس جگہہ کو کہتے ہیں جہاں دشمن کے ملنے کی اُمید ہو چنانچہ عربی زبان کا ایسا ہی محاورہ ہی مطلب یہہ ہی کہ اُن کی تاک میں رہو تاکہ جس طرف وہ متوجہہ ہوں اُنکو پکڑ لو اور بعضوں نے کہا ہی کہ مطلب صرف اتنا ہی کہ مکہ کے رستہ میں اُن کی گہات میں بیٹھے رہو تاکہ وہ مکہ میں نہ آسکیں *

تفسیر کشاف میں لکھا ہی کہ خذوھم کے معنی یہہ ہیں کہ

وخذوھم ــ واسروھم والاخیذ الاسیر واحصروھم ــ وقیدوھم وامنعوھم من التصرف فی البلاد وعن ابن عباس حصروھم ان یحال بینھم وبین المسجد الحرام کل مرصد وکل ممر ومجتاز ترصدونھم بہ

اُن کو پکڑلو اس لئے کہ اخیذ اُس کو کہتے ہیں جو پکڑا گیا ہو اور واحصروھم کے معنی ہیں کہ اُن کو قید کرلو اور اُن کو شہروں میں تصرف مت کرنے دو اور ابن عباس سے روایت ہی کہ وہ کہتے تھے کہ حصروھم سے یہہ مطلب ہی کہ اُن کو مسجد حرام اور مکہ میں روک کردی جاوے ہر مرصد یعنی ہر رستہ پر جہاں سے وہ وہاں جانا چاہیں *

تفسیر کبیر میں لکھا ہی کہ اُن کو پکڑلو گرفتار کرکر کیونکہ

قولہ و خذوھم ــ ای بالاسر والاخیذ الاسیر ــ و قولہ و احصروھم معنی الحصر المنع من الخروج من محیط قال ابن عباس یرید ان تحصنوا فاحصروھم و قال الفراء حصرھم ان یمنعوا من البیت الحرام قولہ تعالی و اقعدوا لھم کل مرصد والمرصد الموضع الذی یرقب فیہ العدو من قولھم رصدت فلانا ارصدہ اذا ترقبتہ قال المفسرون المعنی اقعدوالھم علی کل طریق یاخذون فیہ الی البیت او الی الصحراء او الی التجارۃ قال الاخفش فی الکلام محذوف والتقدیر واقعد والھم علی کل مرصد ثم قال تعالی فان تابوا و اقاموا الصلوٰۃ و اتوا الزکوٰۃ فخلوا سبیلھم

اخیذ کے معنی ہیں گرفتار ہوئے کے اور حصر کے معنی ہیں گھیرے سے نہ نکلنے دینے کے ابن عباس کہتے ہیں کہ اس سے مطلب یہہ ہی کہ اگر وہ قلعہ میں پناہ لیویں تو اُن کو گھیرلو اور فراء کا قول ہی کہ گھیرنے سے یہہ مطلب ہی کہ اُن کو مکہ میں مت آنے دو اور مرصد اُس جگہہ کو کہتے ہیں جہاں دشمن کے ملنے کی توقع ہو چنانچہ زبان عرب کا ایسا ہی محاورہ ہی ــ مفسروں کا قول ہی کہ معنی یہہ ہیں کہ جس رستہ سے وہ مکہ کو یا چراگاہ کو یا تجارت کو جانا چاہیں اُن کی کمین گاہ میں بیٹھو ــ اخفش کا قول ہی کہ اس عبارت کے معنی یہہ ہیں کہ ہر رستہ پر اُن کی کمین گاہ میں بیٹھو اس کے بعد خدا نے فرمایا کہ جب وہ توبہ کریں اور نماز پڑھیں اور زکوٰۃ دیں تو اُن کا رستہ چھوڑ دو *

ملا احمد صاحب تفسیر احمدی میں لکھتے ہیں کہ معنی آیت کے

معنی الایۃ اذا انسلخ الاشھر الحرام التی ابیح فیھا للناکثین ان یسیحوا فاقتلوا المشرکین الذین

یہہ ہیں کہ جب وہ مہینے جن میں لڑائی منع ہی اور جن میں عہد توڑنے والوں کو مارنا

بمقام علیگڈہ ــــ مطبع علیگڈہ انسٹیٹیوٹ میں چھپا اور باہتمام
منشی محمد مشتاق حسین شایع ہوا

THE MOHAMMEDAN SOCIAL REFORMER

تہذیب الاخلاق

جلد دوم] ۱۵ شعبان المعظم سنہ ۱۲۸۸ ہجری [نمبر ۱۲

تتمہ مضمون نمبر ۵۲

پھر کم نظاہرو علیہم حیث وجدتموھم من حل او حرم و خذوھم ای اسروھم و احصروھم ای قیدوھم وامنعوا ھم من التصرف فی البلاد واقعدوالھم کل مرصد ای کل ممر و مجتاز ترصد و نھم فان تابوا من الکفر و اقاموا الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ فخلو سبیلھم ای فاطلقوا منھم الاسر بکفوا منھم ولا تتعرضوا لھم ان اللہ غفور الرحیم

منع نہیں ہی کفر جاویں تو اُن مشرکوں کو جنہوں نے تمہاری تقصیر کی ہی اور تم پر غلبہ کیا ہی قتل کرو جہاں اُن کو پاؤ مکہ کے باہر یا مکہ کے اندر اور اُنکو پکڑو یعنی گرفتار کرو اور اُن کو گھیرو یعنی اُن کو قید کرو اور شہروں پر تصرف کرنے مت دو اور ہر جگہہ اُن کی گھات میں بیٹھو یعنی ہر رستہ پر جدھر وہ جانا چاہیں پھر جب وہ کفر سے توبہ کریں اور نماز پڑھنے لگیں اور زکوٰۃ دیویں تو اُنکا رستہ چھوڑ دو یعنی اُن کی قید چھوڑ دو اور اُن سے ہاتھ روک لو اور اُنسے کسی طرح کا تعرض مت کرو بے شک اللہ ہی بخشنے والا مہربان *

ان تمام تفسیروں سے جو ہمنے بیان کیں بخوبی ظاہر ہی کہ اس آیت کے کسی لفظ سے بھی غلامی کے جواز پر استدلال نہیں ہوسکتا *

استنباط سوئم — قولہ تعالی والمحصنات من النساء الا ماملکت ایمانکم الخ *

استنباط چہارم — قولہ تعالی و ماملکت یمینک مما افاء اللہ علیک *

ان دونوں آیتوں کا بیان ہم دوسرے باب میں بہ تحت بیان لفظ ماملکت بخوبی کرچکے ہیں اور بخوبی ثابت کردیا ہی کہ اِن آیتوں سے استرقاق پر استدلال کرنا محض غلطی ہی *

استنباط پنجم — بخاری و مسلم میں یہہ حدیث ہی کہ رسول

سئل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من اھل الدار یبیتون من المشرکین فیصاب من نسائھم و ذراریھم قال ھم منھم وفی روایۃ ھم من اٰبائھم

خدا صلعم سے اُس شہر کے مشرکوں کی نسبت پوچھا گیا جن پر شب خون مارا جاوے اور اُس میں اُن کی عورتوں اور بچوں کو نقصان پہونچے تو حضرت نے فرمایا وہ بھی اُنہی میں سے ہیں اور ایک روایت میں ہی کہ یہہ فرمایا کہ وہ بھی اپنے باپوں میں سے ہیں *

قولہ ھم منھم ای النساء والصبیان من الرجال قال القاضی ارادبہ تجویز سبیھم و استرقاقھم کمالو اتوا اھلہا نہارا وحاربوھم جہارا او ان من قتل منھم فی ظلمۃ اتفاقا من غیر قصد وتوجہ الی قتلہ فہد لاحرج فی قتلہ لانھم ایضا کفار و انما یجب التحرز عن قتلھم حیث تیسر ذلک حتی لو تترسوا ابناءھم وذراریھم لم یبال بھم

طیبی نے اس حدیث کی شرح میں یہہ لکھا ہی کہ رسول خدا صلعم نے جو یہہ فرمایا کہ وہ بھی اُنہی میں سے ہیں اس کا مطلب یہہ ہی کہ عورتیں اور بچے بھی مردوں ہی میں سے ہیں اور قاضی صاحب نے فرمایا کہ اس سے مطلب پکڑلینا اور اُن کا لونڈی و غلام بنا لینا ہی جیسے اُسی طرح جس طرح کہ دن کو کھلم کھلا جاکر اُن سے لڑتے یا یہہ

مطلب هی که اگر اُن میں کی کوئی عورت یا اُن میں کا کوئی بچه اندهیرے میں اتفاق سے بغیر قصد و ارادہ کے مارا جاوے تو اُس کے خون کا کچهه مواخذہ نهیں اور اُس کے مار ڈالنے میں کچهه گناہ نهیں کیونکه وہ بهی کافر میں اور اُن کے مار نے سے بچنا اُسی وقت تک واجب هی جب تک که بچنا ممکن هو مگر جب که وہ اپنے لڑکوں کو اور اپنے بچوں کو سپر بنالیں تو اُنکی کچهه پرواہ نکی جاویگی *

استنباط ششم — ترمذي اور ابو داؤد میں یهه حدیث سمرة بیٹے جندب سے بیان هوئي هی که پیغمبر خدا صلعم نے فرمایا که بڑی عمر کے مشرکوں کو مارڈالو اور اُن کے پٹهوں یعنی بچوں کو زندہ رکهو *

عن سمرة بن جندب عن النبي صلى الله عليه وسلم قال اقتلوا شيوخ المشركين واستحيوا شرخهم اے صبيانهم *

ملا علي قاري صاحب مرقاة میں اس کی شرح اس طرح پر ارقام فرماتے هیں که حدیث میں جو لفظ شرخهم کے معني اُنکے بچوں کے بیان کیئے هیں یا تو یهه معني کسي صحابي کے بیان کیئے هوئے هیں یا حدیث کے کسي راوي کے اور نهایه میں جو یهه لکها هی که شرخ اُن چهوٹي عمر والوں کو کهتے هیں جو بالغ نهوئے هوں اُس سے اُن معنوں کي تائید هوتي هی مگر بچوں کے زندہ رکهنے سے اُن کا لونڈي و غلام بنالینا مراد لینی لفظ احیاء کے معني میں توسع اور مجاز هی کیونکه اس صورت میں اُنکے زندہ رکهنے سے گویا اُن کي خدمت اور رقیت کا زندہ رکهنا یعني باقي رکهنا مراد هی *

قوله شرخهم اى صبيانهم تفسير من الصحابي او احد الرواة ويؤيده ما في النهاية الشرخ الصغار الذين لم يدركوا واما تفسير الاحياء بالاسترقاق فتوسع و مجاز و ذلك لان المقصود من استبقائهم احياء استرقاقهم و استخدامهم ـ

ان دونوں استنباطوں کي نسبت همکو زیادہ بحث کرنے کي ضرورت نهیں هی اس لیئے که هر کوئي نفس حدیث سے جان سکتا هی که اُس کو رقیت سے کچهه علاقه نهیں هی اور جس طرح پر بعض نے اُس سے استنباط کیا هی خود علماء نے اُس کو ٹهیک نهیں سمجها *

استنباط هفتم — بهت بڑا استدلال علماء اسلام کا جواز استرقاق پر فعل جناب رسول خدا صلعم هی اگر یهه هو تو امنا و صدقنا همارے سر آنکهوں پر مگر همکو اس بات سے که جناب رسول خدا صلعم نے ایسا کیا انکار هی *

اس استدلال کي صحت یا غلطي تین امر کي بحث پر منحصر هی اول اسپر که قرآن مجید میں جهاد کے قیدیوں کے لونڈي و غلام نه بنانے کا کوئي حکم هی یا نهیں کیونکه اگر هو تو اُس کے برخلاف فعل رسول مقبول کیونکر هوا هوگا — دوسرے اس پر که اگر کوئي ایسا حکم قرآن میں موجود هو تو اسبات کو دیکهنا ضرور پڑیگا که اُس کے بعد فعل رسول خدا صلعم کا کیا هوا هی کیونکه [illegible] مسئله شرعي هوگا نه اور کوئي — تیسرے اس پر که اگر کسی وقت کوئي فعل رسول خدا صلعم کا برخلاف اُس حکم کے هوا هی گو وہ قبل اُس کے هوا هی یا بعد اُس کے کیونکه اگر اُسکا وقوع ثابت اُس کے ثابت هو تو وہ فعل منشاء استنباط کسي مسئله شرعي کا نهیں هوسکتا پس اگر یهه تینوں امر همارے ادعا کے مطابق تحقیق هوجاویں تو یهه استنباط علماء اسلام کا بالکل غلط هو جاویگا اور هماري طرف کے فتاوی اور تمام کتابیں بهت هلکي هوجاوینگي اسلیئے که اُن میں بهت سے بابوں کي جو غلامي سے متعلق هیں ضرورت نهیں رهنے کي چنانچه هم اِن تین مطلبوں کو تین جدا جدا بابوں میں بیان کرتے هیں *

باب پنجم

اِسبات کے بیان میں که قرآن مجید میں جهاد کے قیدیوں کے لونڈي و غلام نه بنانیکا حکم موجود هی جسکو هم آیت حریت کهتے هیں

قال الله تبارک و تعالى — فاذا لقيتم الذين كفروا فضرب الرقاب حتى اذا اثخنتموهم فشدوا الوثاق فاما منا بعد و اما فداء *

الله صاحب نے فرمایا هی که جب تم مقابله هو کافروں کے تو اُن کي گردنیں کاٹو جبتک تم اُن پر کهم سان کرچکو تو اُنکو قید کرلو پهر قید کرنے کے بعد یا تو اُن پر احسان رکهکر یا اُن سے فدیه یعني چهوڑائي لیکر چهوڑ دو *

یهه آیت قرآن مجید کے چهبیسویں سیپارہ اور سورة محمد صلعم میں موجود هی اِس میں خدا تعالى نے لڑائي کے بعد قیدیوں کے چهوڑ دینے کا صاف حکم دیا هی اور لفظ اما اور انما کا حصر کے لئے آتا هی یعني عربي زبان کا یهه قاعدہ هی که جب کوئي حکم اس طرح پر دیا جاوے که یا یهه کرو یا یهه کرو تو اُن دونوں میں سے ایک کا کرنا ضرور هوتا هی اور اُسکے سوا کسي اور بات کے کرنے کا اختیار نهیں رهتا پس اس آیت کے نازل هونے کے بعد کوئي قیدي نه قتل هوسکتا هی نه لونڈي و غلام بنایا جاسکتا هی اور بجز اِس کے که مفت یا فدیه لیکر چهوڑ دیا جاوے اور کچهه اُس کے ساتهه نهیں هوسکتا *

علماء اسلام نے بهي اِس آیت کي تفسیر میں [illegible] کیئے هیں چنانچه چند تفسیروں سے اِس مقام پر بطور سند کے مضمون اور عبارت لکهي جاتي هی تاکه معلوم هوجاوے که اِن معنوں سے کوئي انکار نهیں کرسکتا *

تفسير مدارک اور تفسير کشاف ميں لکها هي که اُنکو چهوڑ دو احسان رکهه کر قيد کرنيکے بعد يا چهوڑ دو فديه ليکر اور منا اور فداء مفعول هيں جاکے فعل تمنون اور تفدون يهاں محذوف هيں اور معني يهه هيں که قيد کرنے کے بعد اُنپر احسان رکهنے ميں اور چهوڑ ديئے ميں اُور فديه لينے ميں اختيار هي *

فاما منا بعد ان تاسروهم و اما فداء — منا وفداء منصوبان بفعليهما مضمرين وهي فاما تمنون منا واما تفدون فداء والمعني التخيير بعد الاسر بين ان تمنوا عليهم فتطلقوهم و بين ان تفادوهم

تفسير معالم التنزيل ميں لکها هي که قيد کرنے کے بعد احسان رکهکر يا فديه ليکر چهوڑ دينا هي يعني اگر تم اُن پر احسان رکهو تو احسان هي بغير بدلے کے اُن کو چهوڑنا اور يا اُن سے فديه ليلو *

فاما منا بعد واما فداء يعني اما ان تاسروهم فاما ان تمنوا عليهم منا باطلاقهم من غير عوض و اما ان تفادوهم

تفسير بيضاوي ميں لکها هي که احسان رکهنے يا فديه لينے کے معني يهه هيں که يا تو تم اُنپر احسان رکهو يا فديه ليلو غرضکه قيد کرنے کے بعد احسان رکهه کو چهوڑ دينے اور فديه ليکر چهوڑ دينے ميں اختيار هي *

فاما منا بعد و اما فداء اي فاما تمنون منا او تفدون فداء والمراد التخيير بعدالاسر بين المن والاطلاق و بين اخذ الفداء

تفسيرکبير ميں لکها هي که منا وفداء مصدر هيں اُنکے فعل تمنون اور تفدون اِس جگهه محذوف هيں معني يهه هيں که يا تو تم اُن پر احسان کرو يا فديه ليلو اور احسان کرنے کو جو فديه لينے سے پهلے بيان کيا اس سے اسبات پر اشارة هي که به نسبت مال مانگنے کے انسان کي بزرگي زيادة هي اور فديه مال بهي هوسکتا هي اور اُس کے سوا قيدي بهي فديه ميں ديئے جاسکتے هيں اور صرف کوئي شرط قبول کرليني بهي فديه هوتا هي پهر وة شرط اُن کافروں نے قبول کي هو يا صرف اُسي قيدي نے جسکو چهوڑا جاتا هي قبول کي هو *

منا و فداء منصوبان لکونهما مصدرين تقديرة فاما تمنون منا و اما تفدون فداء و تقديم المن علي الفداء اشارة الي ترجيح حرمة النفس علي طلب المال والفداء يجوز ان يکون مالا وان يکون غيرة من الاساري او شرط يشترط عليهم اوعليه وحدة

زمانه جاهليت اور نيز کسيقدر ابتداے زمانه اسلام اور قبل نزول اس آيت کے قيديوں کو مارڈالنے يا لونڈي وغلام بنا لينے يا احسان رکهکر يا فديه ليکر چهوڑديني کا رواج تها اور کوئي حکم نازل نهيں هوا تها اس آيت ميں قيديوں کي نسبت حکم نازل هوا جس ميں بجز من وفداء کے اور کوئي حکم نهيں هي اور اس ليئے قتل و استرقاق جايز نرها *

اس آيت پر جو ايک نص صريح ناقابل التاويل هي علماء اسلام نے متعدد طرح سے بحث کي هي چنانچه هم اُن تمام بحثوں کو معه اُن کي ترديد کے اس مقام پر لکهتے هيں *

بحث اول

متعلق زمانه نزول آيت

يهه آيت سورة محمد صلي الله عليه و سلم ميں هي اور هم دعوے کرتے هيں که سورة محمد مکة ميں بزمانة فتح مکه يعني سنه ٨ هجري ميں نازل هوئي هي اور اس دعوے کے ثبوت پر تين قطعي دليليں هيں *

اول يهه که — تفسير بيضاوي ميں لکها هي که بعض علماء کا قول هي که سورة محمد صلعم مکه ميں نازل هوئي هي *

دوسرے يهه که حضرت ابن عباس فرماتے هيں که يهه آيت بعد جنگ بدر نازل هوئي هي چنانچه تفسيرکبير ميں تحت آيه کريمه ماکان للنبي ان يکون له اسري يهه قول ابن عباس کا مندرج هي که "يهه حکم جو آيت ماکان للنبي ميں هي بدر کي لڑائي کے دن تها کيونکه اُس زمانه ميں مسلمان تهوڑے تهے مگر جب مسلمان بهت هوگئے اور بخوبي اُنکو غلبه هوگيا تو اُس کے بعد الله تعالي نے قيديوں کے حق ميں يهه حکم نازل کيا که جب لڑائي ميں خوب گهمسان کرچکو تو اُنکو قيد کرلو اور پهر قيد کرنے کے بعد اُن کو احسان رکهکر يا فديه ليکر چهوڑ دو جب تک که لڑائي هتيار رکهدے يعني موقوف هوجاوے" *

قال ابن عباس هذا الحکم انما کان يوم بدر لان المسلمين کانوا قليلين فلما کثروا و قوي سلطانهم انزل الله بعد ذلک في الاساري — حتي اذا اثخنتموهم فشدوا الوثاق فاما منا بعد و اما فداء حتي تضع الحرب اوزارها

تيسرے يهه که — علما حنفيه جو کهتے هيں که يهه آيت بدر کي لڑائي ميں اُتري تهي اُسکي غلطي کالشمس في نصف النهار روشن هي اس ليئے که پيغمبر خدا صلعم نے قيديان بدر کو جو فديه ليکر چهوڑا تها صحابه سے صلاح و مشورة کر کر چهوڑا تها اگر اُن کي نسبت وحي آچکي هوتي تو صحابه سے مشورة کيوں کرتے علاوة اِس کے بدر کے قيديوں کو فديه ليکر چهوڑنے ميں خدا تعالي کي بڑي خفگي هوئي تهي اگر يهه آيت يعني فديه ليکر چهوڑنے کا حکم بدر کے قيديوں کي نسبت نازل هوچکا هوتا تو خدا کي اسقدر خفگي کيوں هوتي چنانچه يهه مطالب مفصلة ذيل حديثوں ميں مندرج هي *

صحیح مسلم میں یہہ حدیث موجود ہی کہ ابن عباس نے کہا کہ جب جنگ بدر میں قیدی پکڑے تو رسول خدا صلعم نے حضرت ابوبکر سے پوچھا کہ اِن قیدیوں کی نسبت تمہاری کیا راے ہی حضرت ابوبکر نے کہا کہ اے پیغمبر خدا یہہ لوگ چچا کے بیٹے اور کنبہ کے ہیں میں سمجھتا ہوں کہ اِن سے فدیہ لے لیا جاوے کہ اُسکے سبب سے ہمکو کافروں پر قوت بھی ہوگی اور شاید اللہ تعالی اُن کو مسلمان بھی کردے اُس کے بعد رسول خدا صلعم نے حضرت عمر سے پوچھا کہ تمہاری کیا راے ہی حضرت عمر نے کہا کہ میں نے عرض کیا کہ خدا کی قسم میری تو راے نہیں ہی جو ابوبکر کی راے ہی بلکہ میری تو یہہ راے ہی کہ اگر آپ اجازت دیں تو وہ اُنکی گردن ماردیں پس علی کو اجازت دیجیئے کہ وہ عقیل کی گردن مارے اور مجھکو اجازت دیجیئے کہ میں فلاں شخص کی جو حضرت عمر کا ہم جدی تھا گردن ماردوں کیونکہ یہہ لوگ کفر کے پیشوا اور اُس کے سردار ہیں — مگر جو کچھہ کہ ابو بکر نے کہا تھا اُسکو رسول خدا صلعم نے پسند نہیں کیا اُس کے دوسرے دن حضرت عمر آئے رسول خدا صلعم اور ابوبکر دو نو بیٹھے رو رہے تھے حضرت عمر نے کہا کہ یا رسول اللہ مجھہ سے تو فرمائیے کہ کس بات سے آپ اور آپ کے دوست ابوبکر رو رہے ہیں تاکہ اگر مجھکو رونا آوے تو میں بھی روؤں اور اگر رونا نہ آوے تو آپ دونوں صاحبوں کے رونے پر بسوروں ہی رسول خدا صلعم نے فرمایا کہ میں اُسبات پر روتا ہوں جو تیرے دوستوں نے مجھہ سے کہی قیدیوں سے فدیہ لینے میں مجھکو اُنکا عذاب

قال ابن عباس فلما اسروا الاساری قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لابی بکر ماترون فی ھؤلاء الاساری فقال ابوبکر یا نبی اللہ ھم بنوا العم والعشیرة اری ان تاخذ منھم فدیة فتکون لنا قوة علی الکفار فعسی اللہ ان یھدیھم للاسلام فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ماتری یا ابن الخطاب قال قلت لا واللہ یا رسول اللہ ما اری الذی رای ابوبکر ولکنی اری ان تمکنا فنضرب اعناقھم فتمکن علیا من عقیل فیضرب عنقه و تمکنی من فلان نسیبا لعمر فاضرب عنقه فان ھؤلاء ائمة الکفر و صنادیدھا فھوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما قال ابوبکر ولم یھو ما قلت فلما کان من الغد جئت فاذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و ابوبکر قاعدین و ھما یبکیان قلت یا رسول اللہ اخبرنی من ای شی تبکی انت و صاحبک فان وجدت بکاء بکیت وان لم اجد بکاء تباکیت لبکائکما فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابکی الذی عرض علی اصحابک من اخذھم الفداء — لقد عرض علی عذابھم ادنی من ھذہ الشجرة شجرة قریبة من نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فانزل اللہ عزوجل ماکان لنبی ان یکون له اسری حتی یثخن فی الارض الی قوله فکلوا مما غنمتم حللا طیبا فاحل اللہ الغنیمة لھم

اس درخت سے بھی زیادہ قریب دکھایا گیا اُس کے بعد خدا تعالی نے یہہ آیت نازل کی کہ نبی کو لایق نہیں ہی کہ وہ قیدی رکھے جب تک کہم سان نکرلے زمین پر اور اس آیت کا اخیر یہہ ہی کہ جو کچھہ لوٹ میں ایا ہی اُس کو کھاؤ وہ حلال طیب ہی پس خدا تعالی نے لوٹ کے مال کو حلال کردیا ہی *

تفسیر کبیر میں روایت لکھی ہی کہ جب پیغمبر خدا صلعم نے صحابہ کی صلاح سے جنگ بدر کے قیدیوں سے فدیہ لیلیا تو ایت ماکان لنبیّ نازل ہوئی اُسکے بعد حضرت عمر رسول خدا صلعم پاس گئے کیا دیکھتے ہیں کہ جناب رسول مقبول اور ابوبکر دو نوں رو رہے ہیں حضرت عمر نے کہا کہ یا رسول اللہ مجھکو بھی بتائیے کہ آپ کیوں رو رہے ہیں اگر مجھکو بھی رونا آوے تو میں بھی روؤں ورنہ بسوروں ہی آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ میں تیرے دوستوں پر بدر کے قیدیوں سے فدیہ لینے پر روتا ہوں مجھکو اُنکا عذاب اس درخت سے بھی زیادہ قریب دکھایا گیا اور اگر اسمان سے عذاب اوترتا تو بجز عمر اور سعد بن معاذ کے اُس عذاب سے کوئی نہ بچتا *

وروی انھم لما اخذوا الفداء نزلت ھذہ الایة (ماکان لنبی الخ) فدخل عمر علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاذا ھو وابوبکر یبکیان فقال یا رسول اللہ اخبرنی فان وجدت بکاء بکیت وان لم اجد تباکیت فقال ابکی علی اصحابک فی اخذھم الفداء و لقد عرض علی عذابھم ادنی من ھذہ الشجرة قریبة منه ولو نزل عذاب من السماء لما نجا منه غیر عمر و سعد بن معاذ

بحث دوم

متعلق مغلی حصر

امام ابو حنیفہ صاحب تو قیدیوں کا چھوڑنا کسی طرح پر جایز نہیں سمجھتے مگر امام شافعی صاحب اور امام احمد حنبل صاحب فرماتے ہیں کہ قیدیوں کا قتل کرنا بھی جایز ہی اور لونڈی و غلام بنانا بھی جایز ہی اور احسان رکھکر اور فدیہ لیکر چھوڑ دینا بھی جایز ہی چنانچہ تفسیر احمدی میں لکھا ہی کہ شافعی اور احمد ابن حنبل کہتے ہیں کہ امام مختار ہی چاہے قیدیوں کو قتل کرے چاہے لونڈی و غلام بنائے چاہے احسان رکھکر چھوڑ دے چاہے فدیہ میں مال لیکر یا مسلمان قیدیوں کے بدلے چھوڑ دے اور تفسیر

ثم الشافعی و احمد ابن حنبل یقولان ان الامام مخیر بین القتل والاسترقاق والمن بالاطلاق والفداء بالمال اوباساری المسلمین

معالم التنزيل میں لکھا ہے کہ بڑے لوگوں کی یہہ راے ہے کہ آیت من وفداء ایسی محکم ہے اور جو مرد عاقل و بالغ کافروں کی طرف کے قید میں پڑیں اُن کی نسبت امام کو اختیار ہے چاہے قتل کرے چاہے اُنپر احسان کرکے بغیر کچھہ لیئے چھوڑ دے چاہے فدیہ میں مال لیکر یا مسلمان قیدیوں کے بدلے میں چھوڑ دے (شکر خدا کا کہ اس روایت میں لونڈی و غلام بنانا نہیں لکھا) اور اسی بات کو پسند کیا ہے عمر نے اور یہی بات کہی ہے حسن نے اور عطاء نے اور بہت سے صحابیوں اور عالموں نے اور یہی قول ہے ثوری کا اور شافعی کا اور احمد اور اسحاق کا — ابن عباس کا قول ہے کہ جب مسلمان بہت ہوگئے اور اُنکا غلبہ ہوگیا تو اللہ عزوجل نے قیدیوں کے معاملہ میں یہہ آیت اوتاری کہ قید کرنے کے بعد یا تو اُن پر احسان رکھہ کر یا کچھہ چھوڑائی لیکر چھوڑ دو سب سے زیادہ صحیح یہی بات ہے اور اختیار کرنے کے لایق ہے اس لیئے رسول صلعم نے اور اُن کے بعد صحابہ نے اسی پر عمل کیا ہے چونکہ اس آیت میں استرقاق کا کچھہ ذکر نہیں ہے اس لیئے ہم اس پر زیادہ بحث نہیں کرتے *

> وذهب اکثرهم الی ان الآیة محکمة والامام بالخیار فی الرجال العاقلین من الکفار اذا وقعوا فی الاسر بین ان یقتلهم او یمن علیهم فیطلقهم بلا عوض او یفادیهم بالمال او باساری المسلمین و الیه ذهب عمر و به قال الحسن والعطاء واکثر الصحابة والعلماء وهو قول الثوری والشافعی و احمد و اسحاق — قال ابن عباس لما کثر المسلمون واشتد سلطانهم انزل الله عزوجل فی الاساری فاما منا بعد و اما فداء وهذا هو الاصح والاختیار لانه عمل به رسول الله صلعم والخلفاء بعده

جن بزرگوں نے قیدیوں کی نسبت چاروں امر یعنی قتل اور استرقاق اور من اور فداء جایز قرار دیئے اُنھوں نے یہہ دیکھہ لیا کہ تمام غزوات میں کیا کیا واقع ہوا اور اُس سب کو اُنھوں نے جایز قرار دیا مگر غور صرف اس پر کرنا تھا کہ جب قیدیوں کی نسبت خاص حکم آچکا اُس کے بعد کیا کیا ہوا اور یہہ بات بخوبی ثابت ہوگی کہ اُس کے بعد بجز من و فدا کے اور کچھہ نہیں ہوا بہرحال منشاء ان اختلافات کا کچھہ ہی ہو چونکہ مابعد کے عالموں نے ایسے میں یہہ اختلاف دیکھا تو اپنے اپنے مذہب کی طرفداری سے آیہ کریمہ اما منا بعد واما فداء میں جو صریح حصر ہے اُس پر کج بحثی شروع کی اور کہا کہ اِس سے حصر ہی مراد نہیں ہے چنانچہ تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ

> اما وانما للحصر و حالهم بعد الاسر غیر منحصر فی الامرین بل یجوز

اما اور انما تو حصر کے لیئے آتے ہیں اور کافروں کی نسبت

> ابطل والاسترقاق والمن والفداء — نقول هذا ارشاد بذکر العام الجایز فی سایر الاجناس والاسترقاق غیر جایز فی اسراء العرب لان النبی صلعم کان معهم فلم یذکر الاسترقاق واما القتل فلان الظاهر فی المثخن الارسال ولان القتل ذکره بقوله فضرب الرقاب فلم یبق الا الامران

اُن کے قید ہونے کے بعد تو صرف یہی دو باتیں یعنی من و فدا نہیں ہوتیں بلکہ ان کا قتل اور اُن کو لونڈی و غلام بنا لینا بھی اور من و فدا بھی جایز ہے (یعنی اُنکے عالموں اور مجتہدوں کی راے میں) تو ہم یوں کہینگے کہ اس آیت میں وہی باتیں بیان ہوئی ہیں جو تمام لوگوں سے متعلق تھیں اور عرب کی قوم کو لونڈی و غلام بنانا جایز نہ تھا (واضح ہو کہ یہہ بیان محض غلط ہے) اس لیئے کہ پیغمبر خدا صلعم اُن کے ساتھہ تھے اس لیئے اس آیت میں لونڈی و غلام بنانے کا ذکر نہیں کیا اور قتل کرنے کا اس لیئے ذکر نہیں کیا کہ اُس کے لیئے کچھہ زمانہ چاہیئے اور اِس لیئے بھی نہیں ذکر کیا کہ خود اس آیت میں گردن مارنے کا ذکر آچکا ہے پس اب بجز دو باتوں یعنی من و فدا کے اور کچھہ ذکر کرنے کے لایق باقی نہیں رہا تھا *

جو گفتگو کہ اس تقریر کی ہے وہ خود اُس سے ظاہر ہے اول تو یہہ کہنا غلط ہے کہ قوم عرب کا استرقاق ناجایز تھا اور بالفرض اگر کوئی قوم حکم استرقاق سے مستثنی تھی تو اُس کو مستثنی کرنا تھا نہ یہہ کہ اُس حکم کے بیان ہی کو متروک کیا جاتا اور ازمان کے سبب سے حکم قتل کا بیان نکرنا یا جو حکم قتل مین لڑائی میں ہی اُس کو بعد لڑائی کے قیدیوں کی نسبت منسوب کرنا ایسی لغو باتیں ہیں کہ کوئی اُس پر التفات نہیں کرسکتا پس اس آیت سے بہ نص صریح ثابت ہے کہ قیدیوں کی نسبت جو حکم ہے وہ دو ہی باتوں یعنی من و فدا میں منحصر ہے اور اسلیئے نہ وہ بعد قید ہونے کے قتل ہوسکتے ہیں نہ لونڈی غلام بن سکتے ہیں *

بحث سوم

نسبت معنی من و فداء

من کے معنی قیدیوں کو اُن پر احسان رکھکر اور فدا کے معنی کچھہ لیکر چھوڑ دینے کے ہیں اور یہہ ایسے معنی ہیں کہ کوئی بھی اس سے انکار نہیں کرسکتا تفسیر احمدی میں لکھا ہے کہ من کے معنی قیدی کافر کو بغیر کچھہ لیئے چھوڑنے کے ہیں اور فدا کے معنی کچھہ مال لیکر یا مسلمان قیدی کے بدلے میں کافر قیدی کو چھوڑ دینے کے ہیں *

> المن ان یترک الاسیر الکافر من غیر ان یوخذ منه شی والفداء ان یترک و یاخذ منه مالا او اسیرا مسلما

مگر بعض صاحبوں نے اِسمیں بھي بحث کي ہی چنانچہ تفسیر احمدي میں لکھا ہی کہ مجاہد

و نقل منه (اے من مجاهد) انه يجوز ان يكون المراد با لمن المن بترك القتل و اختيار الاسترقاق او بالتخلية و قبول الجزية و بالفداء الفداء با سارى المسلمين لا بالمال و يكون هاما باقيا و هذا رواية الطحاوي عن ابيحنيفة و هو قولهما

سے یہہ بھي بیان ہوا ہی کہ ہوسکتا ہی کہ احسان کرنے سے یہہ مراد ہو کہ اُن کو غلام بناکر جان سے نہ مارنے کا اُنپر احسان رکھا جاوے یا اُن سے جزیہ لینا قبول کرکر اُنکي جان چھوڑ دینے کا احسان رکھا جاوے اور بدلے میں چھوڑنے سے یہہ مراد ہو کہ مسلمان قیدیوں کے بدلے میں چھوڑا جاوے نہ مال کے بدلے میں اور اس صورت میں یہہ آیت بدستور عام اور بحال رہیگي یہہ روایت طحاوي نے امام ابو حنیفہ سے نقل کي ہی اور صاحبین کا بھي یہي قول ہی *

تفسیر کشاف اور تفسیر مدارک میں لکھا ہی کہ ہوسکتا ہی کہ

و يجوز ان يراد بالمن ان يمن عليهم بترك القتل واسترقوا او يمن عليهم فيخلوا لقبولهم الجزية و كونهم من اهل الذمة و بالفداء ان يفادي با سارا هم اسارى المشركين فقد رواه الطحاوي مذهبا عن ابي حنيفة و المشهور انه لايرے فداهم لا بمال ولا بغيره خيفة ان يعودوا بالمسلمين

احسان رکھنے سے یہہ مطلب ہو کہ اُن کو غلام بنا لیا جاوے یہہ احسان رکھکر کہ اُن کو نہیں مارڈالا یا جزیہ قبول کرنے اور ذمیوں کي طرح رہنے پر احسان رکھکر اُن کي جان چھوڑ دي اور فدیہ لینے سے یہہ مطلب ہو کہ مشرکین نے جو قید کیئے ہوں وہ اُن قیدیوں کے بدلے میں چھٹالے طحاوي کہتا ہی کہ امام ابو حنیفہ کا یہہ بھي ایک مذہب تھا مگر مشہور مذہب اُن کا یہہ ہی کہ وہ نہ مال لیکر اور نہ اور کسیطرح پر قیدیوں کا چھوڑنا جائز سمجھتے تھے اور ڈرتے تھے کہ وہ پھر مسلمانوں سے لڑنے کو نہ چڑھ آئیں *

یہہ تمام تاویلیں بلکہ تحریفیں صحیح معنوں کي غلط اور خیالي معنوں کي طرف صرف بات کي پچ اور مذہب کي طرفداري اور تقلید کي گمراہي کے سبب سے کي گئي ہیں ورنہ جو معني آیت کے ہیں اور جو معني لفظ من و فدا کے ہیں وہ اظہر من الشمس ہیں اور ان ایک اور بیچ تاویلوں کو ہر کوئي لغو اور مہمل جانتا ہی اور جو کہ خود اُن تفسیروں میں ان تاویلوں کو نہایت ضعیف و نا معتبر کر کر لکھا ہی اِس لیئے زیادہ بحث اس میں ضرور نہیں *

بحث چہارم

متعلق خاص ہونے اِس آیت کے

اکثر علماء حنفیہ کا قول ہی کہ یہہ آیت قیدیان بدر سے مخصوص ہی اِس قول کي غلطي ذخش بحث اول سے بخوبي ثابت ہوتي ہی اِس لیئے کہ اُس بحث میں ہمنے ثابت کردیا ہی کہ [illegible] تک یہہ آیت نازل ہي نہیں ہوئي تھي *

بحث پانچم

نسبت منسوخ ہونے اس آیت کے

کوئي امام اس آیت کے منسوخ ہونے کا قایل نہیں ہی مگر علماء حنفیہ کہتے ہیں کہ حضرت امام ابو حنیفہ کا یہہ مذہب ہی کہ یہہ آیت منسوخ ہی (معلوم نہیں کہ صحیح ہی یا اُن پر اتہام ہی) اور اِس لیئے ٹھیک ٹھیک برخلاف اِس آیت کے حضرت امام ابو حنیفہ کا مذہب یہہ قرار دیا جاتا ہی کہ قیدیوں پر نہ من ہوسکتا ہی اور نہ اُن سے فدیہ لیا جاسکتا ہی اور بجز اس کے کہ وہ مار ڈالے جاویں یا لونڈي و غلام بنا لیئے جاویں اور کچھہ چارہ نہیں چنانچہ تفسیر مدارک اور تفسیر احمدي میں لکھا ہی کہ ہم حنفیوں کے

و عندنا (اى عند الحنيفة) حكمهم (اى حكم الاسارى) القتل والاسترقاق فقط والمن والفداء المذكوران فى هذه الاية منسوختان باية القتل والاسترقاق المذكورين في براة لانها من اخرما نزل او مخصوصتان بكفار بدر ويؤيده ماروي عن مجاهد ليس اليوم من ولا فداء وهو المذهب الصحيح من ابيحنيفة رح

نزدیک قیدیوں کے لیئے صرف قتل کرنے یا لونڈي و غلام بنا لینے کا حکم ہی اور احسان رکھہ کر یا کچھہ لیکر چھوڑنا جنکا اس آیت میں ذکر ہی یہہ دونوں حکم منسوخ ہوگئے ہیں اُس آیت سے جس میں قتل اور لونڈي اور غلام بنانے کا حکم ہی اور جنکا ذکر سورۃ براءۃ میں آیا ہی اِس لیئے کہ وہ اُن میں سے ہی جو اخیر کو نازل ہوئي ہیں یا یہہ آیت کفار بدر کے ساتھہ مخصوص ہی اور اُسکي تائید اُس روایت سے بھي ہوتي ہی جو مجاہد سے بیان ہوئي ہی کہ اب من و فداء نہیں ہی اور یہي صحیح مذہب امام ابو حنیفہ کا ہی *

اس مقام پر اتني بات یاد رکھني چاہیئے کہ اس بیان میں علانیہ دو غلطیاں ہیں اول یہہ کہ سورۃ براءۃ کي آیت میں جو عنقریب بیان ہوگي استرقاق کا مطلق ذکر نہیں ہی پس اُس کا آیت استرقاق نام رکھنا محض غلط ہی دوسرے یہہ کہ آیت قتل کو یا سورۃ براءۃ کو جو اخیر ما نزل کہا ہی یہہ بھي غلط ہی علماء کا قول ہی کہ سورۃ براءۃ یک لخت پوري اُتري ہی اُس کے بعد کوئي پوري سورۃ نہیں اُتري پس جتني سورتیں کہ پوري پوري اُتري ہیں اُن میں اخیر سورۃ البتہ اخیر ہی الا آخر ما نزل نہیں ہی فتدبر *

غرضکہ جس طرح ان دو تفسیروں میں [illegible] نقل کیا ہی اسیطرح تفسیر کشاف میں بھي لکھا ہی کہ اگر کوئي پوچھے

ابطال غلامي

ا مشرکين کے قيديوں کا کيا حکم هی تو هم کهينگے که امام ابو حنيفه

فان قلت کيف حکم الاسارى المشرکين قلت اما عند ابيحنيفة و اصحابه فاحد الامرين اما قتلهم و اما استرقاقهم ايهما رای الامام و يقولون فی المن والفداء انما هو الاسلام او ضرب العنق

اور اُن کے پيرووں کے نزديک تو دو کاموں ميں سے ايک کرنا هی يا اُنکو قتل کرنا هی يا اُنکو لونڈي و غلام بنالينا هی دونوں ميں سے جونسي بات امام مناسب سمجھے اور من و فداء کے باب ميں حنفي کهتے هيں که بس يا اسلام قبول کرنا هی يا گردن مارني هی *

تفسير بيضاوي ميں بهي حنفيوں کا يهي مذهب لکها هی که امام

منسوخ (ای هذه الآية) عند ابيحنيفة رح او مخصوص بحرب بدر فانهم قالوا بتعيين القتل او الاسترقاق

ابو حنيفه کے نزديک آيت من و فداء منسوخ هی يا جنگ بدر کے قيديوں سے مخصوص هی کيونکه حنفي صرف قيديونکے قتل کرنے يا لونڈي وغلام بنالينے کے قايل هيں *

غرضکه ان روايتوں سے حنفيوں کا مذهب يهه معلوم هوا که وه آيت من و فدا کو منسوخ بتاتے هيں پس اس امر پر بحث کرنے کے ليئے اولا اُن آيات کو جن کو ناسخ قرار ديا هی يا جن کا ناسخ قرار دينا ممکن هی اس مقام پر نقل کرتے هيں اور پهر جدا جدا هر هر آيت سے بحث کرتے هيں که اُن سے آيت من و فدا کا منسوخ هونا ثابت هوتا هی يا نهيں *

اول آيت سورة انفال — خدا تعالى پيغمبر صاحب سے فرماتا هی

الذين عاهدت منهم ثم ينقضون عهدهم في کل مرة وهم لا يتقون فاما تثقفنهم في الحرب فشرد بهم من خلفهم لعلهم يذکرون *

که جن سے تونے عهد کيا هی پهر وه هر دفعه اپنا عهد توڑتے هيں اور عهد توڑنے سے پرهيز نهيں کرتے پهر اگر تو اُن کو لڑائي ميں پاوے تو اُن لوگوں تک کو جو اُن کے پيچهے هيں تتر بتر کردے شايد که وه عبرت پکڑيں *

دويم آيت سورة براة — جن مشرکين عرب نے عهد شکني کي تهي اُن کي نسبت خدا تعالى

فاذا انسلخ الاشهر الحرم فاقتلوا المشرکين حيث وجدتموهم وخذوهم و احصروهم واقعدوا لهم کل مرصد فان تابوا و اقاموا الصلوة واتوا الزکوة فخلوا سبيلهم ان الله غفور رحيم

نے اپنے نبي سے فرمايا که جب وه مهينے جن ميں لڑائي منع هی گذر جاويں تو مشرکوں کو مارو جهاں پاؤ اور اُن کو پکڑو اور گهيرو اور بيٹهو اُن کي تاک ميں هر گهات کي جگهه ميں پهر اگر وه کفر سے توبه کريں اور نماز پڑهيں اور زکوة ديں تو اُن کا رسته چهوڑ دو بے شک الله هی بخشنے والا مهربان *

سويم آيت سورة بقر — الله صاحب نے فرمايا که جو لوگ تم سے

و قاتلوهم في سبيل الله الذين يقاتلونکم ولا تعتدوا ان الله لا يحب المعتدين و اقتلوهم حيث ثقفتموهم و اخرجوهم من حيث اخرجوکم والفتنة اشد من القتل ولا تقاتلوهم عند المسجد الحرام حتى يقاتلوکم فيه فان قاتلوکم فاقتلوهم کذالک جزاء الکافرين

لڑتے هيں تم بهي اُن سے خدا کي راه ميں لڑو اور زيادتي مت کرو بے شک الله زيادتي کرنےوالوں کو دوست نهيں رکهتا اور قتل کرو اُن کو جس جگهه پاؤ اور نکالو اُن کو جهاں سے اُنهوں نے تم کو نکالا اور فساد کرنا قتل کرنے سے بهي زياده سخت هی اور اُن سے کعبه کے پاس مت لڑو جب تک که وه تمسے وهاں نه لڑيں پهر اگر وه تم سے لڑيں تو اُن کو مارو يهي سزا هی کافروں کي *

چهارم آيت سورة نساء — الله صاحب فرماتا هی که کافر يهه

و دوالو تکفرون کما کفروا فتکونون سواء فلا تتخذوا منهم اولياء حتى يهاجروا في سبيل الله فان تولوا فخذوهم واقتلوهم حيث وجدتموهم ولا تتخذوا منهم وليا ولا نصيرا

چاهتے هيں که اگر تم بهي ويسے هی کافر هو جاؤ جيسے وه کافر هيں تو سب برابر هو جاويں سو تم اُن ميں سے کسي کو اپنا دوست مت سمجهو جب تک که وه خدا کي راه ميں هجرت کرکر نه چلے آويں پهر اگر وه نه مانيں تو اُن کو پکڑو اور اُن کو قتل کرو جهاں پاؤ اور مت سمجهو اُن ميں سے کسي کو دوست اور مددگار *

پنجم آيت سورة نساء — الله تعالى فرماتا هی که اب تم پاؤگے

ستجدون اخرين يريدون ان يامنواکم و يامنوا قومهم کما ردوا الى الفتنة ارکسوا فيها فان لم يعتزلوکم و يلقوا اليکم السلم ويکفوا ايديهم فخذوهم و اقتلوهم حيث ثقفتموهم و اولئکم جعلنا لکم عليهم سلطانا مبينا

اور لوگونکو جو چاهتے هيں که تم سے بهي امن ميں رهيں اور اپني قوم سے بهي امن ميں رهيں جب اُکسائے جاتے هيں فساد کرنے کو تو اُس ميں پلٹ پڑتے هيں پهر اگر وه تمهارے ساتهه فساد کرنے سے کناره کش نهوں اور تم سے صلح کا پيغام نه کريں اور اپنا هاتهه نه روکيں تو اُن کو پکڑو اور اُن کو قتل کرو جهاں پاؤ اور هم نے تمکو اُن پر بتادي دليل روشن *

يهه وه آيتيں هيں جن سے کها جاتا هی که آيت من و فدا منسوخ هوگئي — ان آيتوں ميں مشرکين کے قتل کرنے کا حکم هی پس اگر

فرض کیا جاوے که یهه آیتیں آیت من فدا کي ناسخ هیں تو نتیجه یهه نکلیگا که قیدیوں کا چھوڑنا جایز نهیں بلکه قتل کرنا چاهیئے مگر اُن کا لونڈي و غلام بنانا ثابت نهوگا اور همکو اِسي میں بحث هی که لونڈي وغلام بنانا جائز نهیں مگر هم صرف اسي پر اکتفا نکرینگے بلکه ثابت کرینگے که ان آیتوں سے آیت من فدا کا منسوخ قرار دینا صحیح نهیں هی ٭

آیت سورۂ انفال کي یهود بني قریظه کے حقمیں نازل هوئي تهي جنسے سنه ۵ هجري میں لڑائي هوئي تهي —— تفسیر بیضاوي میں لکها هی که جنکے لیئے آیت سورۂ انفال نازل هوئي وه یهود بني قریظه هیں اُن سے رسول خدا صلی الله وسلم نے عهد کیا تها که اُنکے برخلاف اُنکے دشمنوں سے مل نه جاویں پهر اُنهوں نے مشرکین کو هتیار دیئے اور مشرکین کي مدد کي اور کهنے لگے که هم بهول گئے لسپر دوباره اُن سے عهد کیا پهر اُنهوں نے اُس عهد کو توڑ ڈالا اور جنگ خندق میں مشرکوں سے مل گئے ٭

وهم یهود بني قريظة عاهد هم رسول الله صلی الله وسلم ان لايمالئو عليه فاعانوا المشركين بالسلاح و قالوا نسينا ثم عاهد هم فنكثوا و مالئوهم عليه يوم الخندق

اور تفسیر کبیر میں لکها هی که ابن عباس نے کها که وه لوگ بني قریظه هیں اُنهوں نے جو عهد که رسول خدا صلی الله علیه وسلم سے کیا تها اُسکو توڑ دیا اور بدر کي لڑائي میں آپ کے برخلاف مشرکین کو هتیار دیئے اور مدد کي پهر کهنے لگے که هم سے خطا هوئي پهر رسول خدا صلي الله علیه وسلم نے اُن سے دوسري دفعه عهد کیا اور خندق کي لڑائي میں اُسکو بهي اُنهوں نے توڑ دیا ٭

قال ابن عباس هم قريظة فانهم نقضوا عهد رسول الله صلی الله عليه وسلم واعانوا عليه المشركين بالسلاح في يوم بدر ثم قالوا اخطانا فعاهد هم مرة اخری فنقضوه ايضا يوم الخندق

پس جبکه یهه آیت قبل نازل هونے آیت من فدا کے نازل هوچکي تهي تو اُسکي ناسخ کیونکر هوسکتي هی ٭

علاوه اِسکے کوئي لفظ بهي آیت کا آیت من فدا کو منسوخ کرنے والا نهیں —— لفظ فشرد بهم من خلفهم —— کسیطرح اساري کے قتل پر اور آیت من و فدا کے منسوخ هونے پر دلالت نهیں کرتا ٭

تفسیر کبیر میں لکها هی که لفظ شرد کا مصدر تشرید هی اُسکے معني بد حواس کرکر پراگنده کردینے کے هیں اور عربي زبان کے محاوره میں اِسیطرح اُس کا استعمال هوتا هی ٭

التشريد عبارة عن التفريق مع الاضطراب يقال شرد يشرد شرودا و شردة و تشريدا

تفسیر بیضاوي میں لکها هی که تشرید کے معني بد حواس کرکر تتر بتر کردینے کے هیں اور بعضوں نے لفظ شرد کو جو بے نقطه والي دال سے هی شرذ نقطه والي ذال سے پڑها هی گویا که شرذ لفظ شذر کا اُلٹا هوا هی ٭

التشريد تفريق علی اضطراب و قري شرذ بالذال المعجمة كانه مقلوب شذر

تفسیر کشاف میں لکها هی که ابن مسعود فشرذ نقطه والي ذال سے پڑهتے تهے جسکے معني یهه هیں که پراگنده کردے گویا که لفظ شذر کا اُلٹا هوا هی جیسیکه عرب کے لوگ کهتے هیں که وه لوگ متفرق متفرق هوکر گئے اور کان سے نکالي هوئي چیز کو بهي شذر کهتے هیں کیونکه وه بهي کان سے علحده هوجاتي هی ٭

وقراء ابن مسعود فشرذ بالذال المعجمة بمعني ففرق و كانه مقلوب شذر من قولهم و ذهبوا شذر مذر و منه الشذر الملتقط من المعدن لتفرقه

تفسیر مدارک میں لکها هی که زجاج کا قول هی که فشرد بهم کے یهه معني هیں که اُنکے ساتهه وه کام کر جس سے اُنکا گروه متفرق هوجاوے اور جنهوں نے وه کام کیا هی وه تنها ره جاویں ٭

فشرد بهم قال الزجاج افعل بهم ما تفرق جمعهم و تفرد به من بحاربهم

٭

اِس لفظ کي اسقدر تحقیق کرنے کے بعد تفسیر کبیر میں لکها هی که آیت کے معني یهه هیں که اگر لڑائي میں ان کافروں پر جنهوں نے عهد شکني کي هی تو فتح پاوے تو اُنکے ساتهه اِس طرح پیش آ که جو لوگ اُنکے پیچهه لگو هیں وه سب ڈر کر متفرق هوجاویں —— عطاء کا یهه قول هی که اِس سے مراد تهي که انمیں قتل عام کردو اور بعضوں نے کها مراد یهه تهي که اُنکو اِس قسم کي سزا یا ذلت دو که اُنکے بعد جنکو عهد توڑنے کا خیال هو سب متفرق هوجاویں اور اس بات کا که شاید اُسکو یاد رکهیں یهه مطلب هی که شاید وه لوگ جو اُنکے سوا هیں اس سزا یا ذلت کو یاد رکهیں اور یهه بات اُنکو عهد توڑنے سے روکے ٭

فمعني الاية انك ان ظفرت في الحرب بهولاء الكفار الذين ينقضون العهد فافعل بهم فعلا يفرق بهم من خلفهم —— قال عطاء تثخن فيهم القتل حتی يخافك غيرهم و قيل نكل بهم تنكيلا يشرد غيرهم من ناقضي العهد لعلهم يذكرون ذلك النكال فيمنعهم ذلك من نقض العهد

بمقام علیگڈھ —— مطبع علیگڈھ انسٹیٹیوٹ میں چھپا اور باهتمام

THE MOHAMMEDAN SOCIAL REFORMER

تہذیب الاخلاق

جلد دوم] یکم رمضان المبارک سنہ ۱۲۸۸ ہجری [نمبر ۱۵

تتمہ مضمون نمبر ۵۲

تفسیر کشاف میں بھی اس آیت کا یہی مطلب لکھا ہی کہ فشرد

فشرد بہم من خلفہم ففرق عن محاربتک و مناصبتک بقتلہم شر قتلۃ و النکایۃ فیہم من و رائہم من الکفرۃ حتی لا یجسر علیک احد بعدہم اعتباراً بہم و اتعاظا بحالہم

بہم من خلفہم کے یہہ معنی ہیں کہ لڑنے سے اور بری طرح قتل کرنے سے اور اُنمیں ذلت و خواری ڈالنے سے باقی کافروں کو جو اُنکے سوا ہیں پراگندہ کردے تاکہ اُسکے بعد پھر کوئی اُنکا حال دیکھہ کر تجھپر جرأت نکرسکے اور اُنکے حال سے نصیحت پکڑے *

تفسیر معالم التنزیل میں بھی یہی مطلب لکھا ہی کہ فشرد بہم من خلفہم

فشرد بہم من خلفہم قال ابن عباس فنکل بہم من ورائہم و قال السعید ابن جبیر و انذر بہم من خلفہم واصل التشرید التفریق والتبدید معناہ فرق بہم جمع کل ناقض للعہد اے افعل بہولاء الذین نقضوا عہدک و جاؤا بحربک مالاً من القتل و التنکیل یفرق منک و یخافک من خلفہم من اہل مکۃ والیمن

کا مطلب ابن عباس نے یہہ کہاہی کہ عہدتوڑ نے والوں کے بعد جو لوگ ہیں اُنکو بھی ذلیل کردے اور سعید ابن جبیر کا قول ہی کہ جن لوگوں نے ابھی عہدنہیں توڑا اُنکو ڈرادے تشرید کے معنی اصل میں متفرق کردینے اور تنبیہہ کرنے کے ہیں

پس معنی یہہ ہوئے کہ تمام لوگوں کو جو عہد توڑ نے کا خیال رکہتے ہیں متفرق اور پریشان کردے اور جن لوگوں نے عہد توڑا ہی اور لڑنے کو آئے ہیں اُن کے ساتھہ قتل کرنے یا ذلیل و خوار کرنے سے اسطرح پر پیش آ کہ جو لوگ عہد توڑنے میں اُن کے پیچھے ہیں یعنی اہل مکہ و اہل یمن وہ بھی پریشان ہوجاویں اور ڈر جاویں *

پس ان تمام تفسیروں سے ظاہر ہی کہ اِس آیت میں کوئی صاف حکم قیدیوں کے قتل کرنے کا نہیں ہی بلکہ جو کافر عہد شکنی کرکے لڑنے کو آمادہ ہوئے اُن کے ساتھہ اس طرح پر پیش آنا فرمایا ہی جس سے اوروں کو عبرت ہوجاوے پس جب کہ اِس آیت میں قتل کی تصریح نہیں ہی اور نہ قیدیوں کا ذکر ہی تو اُس سے نص صریح آیت من و فدا کی جو بالتخصیص قیدیوں کے لیئے ہی کیونکر منسوخ ہوسکتی ہی *

یہود بنی قریظہ نے خود اپنے تئیں اس شرط پر سپرد کیا تھا کہ جو سزا عہد شکنی اور لڑنے کی اُن کی نسبت سعد ابن معاذ تجویز کرے وہ اُنکو دی جاوے اور رسول خدا صلعم نے اِس بات کو قبول کرلیا تھا اور اس سے ثابت ہوتا ہی کہ خود رسول خدا صلعم نے اِس آیت سے یہہ خیال نہیں فرمایا تھا کہ خوا نخواہ اُن کے قتل ہی کا حکم ہی اِسمیں کچھہ شک نہیں کہ وہ قتل ہوئے مگر نہ کسی حکم منصوص اس آیت سے بلکہ سعد ابن معاذ کی پنچایت سے چنانچہ حدیث بخاری

میں یہہ واقعہ مذکور ہی کہ ابی سعید خدری نے روایت کی کہ جب

قال لما نزلت بنو قریظة علی حکم سعد ابن معاذ بعث رسول اللہ صلعم و کان قریبا منہ فجاء علی حمار فلما دنا قال رسول اللہ صلعم قوموا الی سید کم فجاء فجلس الی رسول اللہ صلعم فقال لہ ان ھؤلاء نزلوا علی حکمک قال فانی احکم ان تقتل المقاتلة و ان تسبی الذریة قال لقد حکمت فیہم بحکم الملک

یہود بنی قریظہ نے سعد ابن معاذ کی پنچایت پر اپنے تئیں سپرد کردیا تو رسول خدا صلعم نے سعد ابن معاذ کو جو وہاں سے پاس ایک جگہہ میں تھے بلایا وہ گدھے پر سوار ہوکر آئے جب کہ وہ قریب پہنچے تو آنحضرت نے لوگوں سے کہا کہ اپنے سردار کے لیئے کھڑے ہوجاؤ پھر سعد ابن معاذ آئے اور پیغمبر خدا صلعم کے پاس بیٹھے آپ نے اُن سے فرمایا کہ اُن لوگوں نے تمہاری پنچایت پر اپنے تئیں سپرد کردیا ہی سعد ابن معاذ نے کہا کہ میں یہہ حکم دیتا ہوں کہ جو لوگ ان میں لڑنے والے ہیں وہ تو قتل کردیئے جاویں اور اُن کے بچے قیدی بنا لیئے جاویں آپ نے فرمایا کہ تم نے ان لوگوں کے حق میں بادشاہ کا سا حکم دیا *

اِس تمام واقعہ سے جو اس حدیث میں مذکور ہی بخوبی ظاہر ہی کہ بنی قریظہ کے قتل کا کوئی حکم منصوص نہ تھا — مگر بعض مکابر یہہ بحث کرینگے کہ اِس حدیث کے اخیر میں جو لفظ بحکم الملک ہی اُس میں یہہ بھی روایت ہی کہ وہ لفظ بحکم الملک ہی لام کے زبر سے بمعنی فرشتہ کے اور ایک روایت میں صاف ہی بحکم اللہ اور اس سے معلوم ہوتا ہی کہ اُن کے قتل کا اور اُن کے بچوں کو قیدی یا لونڈی و غلام بنا لینے کا خدا کا حکم تھا مگر یہہ بحث بیجا ہی اِس لیئے کہ ہرگاہ خود وہ آیت موجود ہی اور اُس میں قتل کا کوئی حکم موجود نہیں ہی تو اختلاف روایت پر استدلال نہیں ہوسکتا علاوہ لام کا زبر پڑھنا صرف شبہہ تجنیس خطی ہی اور روایت بخاری کی اسمیں زیادہ اعتبار کے لایق ہی اور جس روایت میں لفظ اللہ کا ہی وہ صرف راوی کی سمجھہ ہی کہ لفظ ملک بکسر لام سے وہ خدا سمجھا اور مطابق اپنی سمجھہ کے بجاے لفظ ملک بکسر لام کے لفظ اللہ کہدیا *

علاوہ اسکے سیرت ہشامی میں لکھا ہی کہ منجملہ اساری بنی قریظہ کے زبیر ابن باتا بھی تھا اُسنے ایام جاہلیت میں ثابت ابن قیس ابن شماس پر ایک احسان کیا تھا ثابت نے بعوض اُس احسان کے اُسکی جان بچانی چاہی اور رسول خدا صلعم سے شفاعت کی اور انحضرت نے اُسکا قتل معاف کیا گو کہ بعد کو وہ اپنی خوشی سے خود مارا گیا لیکن سفارش سے اُس کا خون معاف کرنا اسبات کی دلیل ہی کہ خدا تعالی کی طرف

سے اُن کے قتل کا حکم نہ تھا بلکہ صرف سعد [illegible]
تھی *

پھر حال یہود بنی قریظہ اسی طرح پر قتل ہوئے [illegible] یہہ بحث ہی کہ اس آیت سے الخ من و فدا کا منسوخ [illegible] ہی یا نہیں سو یہہ بات علانیہ ثابت ہوگئی کہ اسوقت اُس کا منسوخ ہونا لازم نہیں آتا *

یہہ سورۃ توبہ قبل فتح مکہ نازل ہوئی تھی تفسیر معالم التنزیل

قال محمد ابن اسحاق و مجاھد و غیرھما نزلت فی اھل مکة و ذلک ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم عاھد قریشا عام الحدیبیة علی ان یضعو الحرب عشر سنین یا من فیہا الناس و دخلت خزاعة فی عہد رسول اللہ صلعم و دخل بنوبکر فی عہد قریش ثم عدت بنوبکر علی خزاعة فقاتلت منہا و اعانہم قریش بالسلاح فلما ظاھر بنوبکر و قریش علی خزاعة ونقضوا عہد ھم خرج عمرو بن سالم الخزاعی حتی وقف علی رسول اللہ صلعم فقال ان قریشا اخلفوک الموعد و نقضوا میثاقک الموکد اھم بیوتنا بالہجیر ھجدا و قتلونا رکعا وسجدا فقال رسول اللہ صلعم لانصرت ان لم انصرکم و تجہز الی مکة سنة ثمان من الہجرة ففتح مکة

لکھا ہی کہ محمد ابن اسحاق اور مجاھد دونوں نے کہا ہی کہ یہہ آیت مکہ والوں کے حق میں نازل ہوئی ہی اور یہہ بات اس طرح پر ہی کہ رسول خدا صلعم نے حدیبیہ کی لڑائی میں قریش سے معاھدہ کیا تھا کہ دس برس تک لڑائی تھم جاوے کہ اُس میں لوگ امن سے رہیں اور بنی خزاعہ رسول خدا صلعم کے معاھدہ میں شامل تھے اور بنوبکر قریش کے معاھدہ میں شامل تھےپھر بنوبکر نے بنو خزاعہ پر زیادتی کی اور اُنکو قتل کیا اور قریش نے ہتیار دیکر اُنکی مدد کی پس جبکہ بنوبکر اور قریش بنی خزاعہ پر غالب ہوگئے اور اُنھوں نے عہد توڑ ڈالا تو عمرو ابن سالم خزاعی وہاں سے چلا اور رسول خدا صلعم پاس آیا اور سامنے کھڑے ہوکر اشعار پڑھے اور اپنا حال بیان کیا اُنہی شعروں میں سے یہہ دو شعر ہیں جنکا مضمون یہہ ہی کہ قریش نے بد عہدی کی اور مستحکم عہد کو توڑ دیا اور ہجیر میں ہمارے گھروں کو لوٹ لیا اور ہمکو رکوع کرتے ہوے اور سجدہ کرتے میں یعنی نماز پڑھتے میں مار ڈالا رسول خدا صلعم نے یہہ حال سنکر فرمایا کہ اگر ہم تمہاری مدد نکریں تو ہماری کچھہ بھی مدد ہی نہیں کی چنانچہ سنہ ۸ ہجری میں مکہ والوں سے لڑائی کا سامان کیا اور مکہ کو فتح کرلیا *

اس روایت سے صاف ظاہر ہی کہ یہہ آیت قبل فتح مکہ نازل ہوئی تھی اور ہمنے اوپر ثابت کیا ہی کہ آیت من و فدا بعد فتح مکہ نازل ہوئی ہی پس یہہ آیت اُس کی ناسخ نہیں ہوسکتی *

ابطال غلامي

بعض مکابر يهه بات کهينگے که سورة براءت کے بعد کوئي سورة نازل نهيں هوئي اور اِس ليئے سورة محمد صلعم کا جس ميں آيت منّ و فدا هی سورة براءت کے بعد نازل هونا صحيح نهيں هی مگر يهه بالکل غلط هی ایک حديث ميں ذکر آيا هی که سورة براءت اُن سورتوں کي اخير سورة هی جو پوري ايک دفعه اُتري هيں مگر اسکو بهي علماء نے تسليم نهيں کيا اور اس حديث ميں شبهه کيا هی چنانچه هم اپنے اس قول کي تصديق کے ليئے اُس حديث کو معه عالموں کي تحقيق کے اس مقام پر نقل کرتے هيں بخاري ميں لکها هی که

في البخاري عن البراء قال آخر سورة نزلت كاملة سورة براءة و آخر سورة نزلت خاتمة سورة النساء ويستفتونك في النساء قل الله يفتيكم في الكلالة — في القسطلاني استشكل هذا من حيث انه نزلت شيئاً شيئاً فالمراد بعضها او معظمها والا ففيها آيات كثيرة نزلت قبل سنة وفاة النبوية

براء نے کها که اخير پوري سورة جو نازل هوئي هی وه سورة براءت هی اور جس سورة کا خاتمه اخير کو نازل هوا هی وه سورة نساء هی — قسطلاني نے کها که يهه تو بڑي مشکل کي بات هی اِسليئے که سورة براءت تهوڑي تهوڑي هوکر اُتري هی تو اِس حديث کا مطلب سورة براءت کي بعض آيتوں يا بڑي بڑي آيتوں کے اُترنے کا هوگا کيونکه سورة براءت ميں بهت آيتيں هيں جو سال وفات نبوي ميں نازل هوئي هيں *

اب هم اس بحث سے بهي قطع نظر کرتے هيں اور اِس بات پر غور کرتے هيں که آيت سورة براءت سے آيت منّ و فدا منسوخ هو بهي سکتي هی يا نهيں اور کهتے هيں که منسوخ نهيں هوسکتي *

آيت سورة براءت ميں دو جملے هيں جن سے آيت منّ و فدا کے منسوخ هونے پر استدلال هوسکتا هی اول فاقتلوا المشركين اور دوسرا حيث وجدتموهم مگر ان سے استدلال محض غلط هی *

اول جملة فاقتلوا المشركين ميں جو المشركين کا لفظ هی اُسکا الف لام استغراق کا تو هو نهيں سکتا کيونکه اگر استغراق کا هو تو معني يهه هونگے که تمام مشرکوں کو مار ڈالو اول تو يهه ايسا حکم هوگا جو طاقت انساني بلکه عادت الهي سے بهي خارج هی دوسرے تمام احکام جزيه لينے کے اور صلح کرنے کے بالکل باطل هوجاوينگے پس ضرور هی که الف لام عهدي هی پس اس آيت سے نص صريح آيت منّ و فدا کے منسوخ قرار دينے کو ضرور هی که کسي نص صريح قرآني سے يهه بات ثابت کي جاوے که المشركين ميں اساري مشرکين بهي داخل هيں اور يهه ثابت نهو ، تو دعوی نسخ باطل هی *

دوسرے جملة حيث وجدتموهم کو اساري سے کچهه تعلق نهيں يعني زمانه قديم سے کعبه بنايا بلا قتل و خونريزي منع تهي مگر جب توڑ ديا ،

مکه پر چڑهائي هوئي تو يهه آيت نازل هوئي که مشرک جهاں مليں يعني حرم کے اندر يا حرم کے باهر اُنکو مارو پس اس جمله کو قيديوں کے قتل سے اور منسوخ هونے آيت منّ و فدا سے کچهه تعلق نهيں هی تمام تفسيروں ميں بهي اس جمله کے يهي معني لکهے هيں

فاقتلوا المشركين الناكثين حيث وجدتموهم من حل و حرم

چنانچه تفسير بيضاوي ميں لکها هی که عهد توڑنے والے مشرکوں کو مارو جهاں پاؤ کعبه کے اندر يا کعبه کے باهر *

تفسير مدارک ميں لکها هی که اُن مشرکوں کو جنهوں نے

فاقتلوا المشركين الذين نقضوا كم و ظاهروا عليكم حيث وجدتموهم من حل او حرم

تمهارا عهد توڑ ڈالا اور تم سے لڑائي ٹهاني مارو جهاں پاؤ کعبه کے اندر يا کعبه کے باهر *

تفسير احمدي ميں لکها هی که جن مشرکوں نے تمهاري

فاقتلوا المشركين الذين يعصونكم فظاهروا عليكم حيث وجدتموهم من حل و حرم

نافرماني کي هی اور تم سے لڑائي ٹهاني هی اُنکو مارو جهاں پاؤ کعبه کے اندر يا کعبه کے باهر *

تفسير کشاف ميں لکها هی که مشرکوں کو مارو يعني اُن کو

فاقتلوا المشركين يعني الذين نقضوكم و ظاهروا عليكم حيث وجدتموهم من حل او حرم

جنهوں نے تم سے عهد شکني کي هی اور تم سے لڑائي ٹهاني هی جهاں پاؤ کعبه کے اندر يا کعبه کے باهر *

تفسير معالم التنزيل ميں لکها هی که کافروں کو مارو جهاں

فاقتلوا المشركين حيث وجدتموهم في حل او حرم

پاؤ کعبه کے اندر يا کعبه کے باهر *

معهذا ان تمام آيتوں ميں جو مشرکين کے قتل کا حکم هی وه ميں لڑائي کي حالت ميں هی اس سے اور آيت منّ و فدا سے جو بعد ختم هونے لڑائي کے اُن لوگوں سے علاقه رکهتي هی جو قيد هوگئے هيں اور لڑنے پر قادر نهيں هيں کيا تعلق هی احکام حالات مختلفه ايک دوسرے کے ناسخ نهيں هوسکتے *

آيت سورة بقر بهي صلح حديبيه ميں جو سنه ۶ هجري ميں هوئي تهي قبل نزول آيت منّ و فدا نازل هوئي تهي اور اس ليئے اُس کي ناسخ نهيں هوسکتي — تفسير معالم التنزيل ميں ابن عباس

عن ابن عباس نزلت هذه الاية في صلح الحديبية و ذلك ان رسول الله صلى الله عليه وسلم خرج مع

سے روايت لکهي هی که يهه آيت حديبيه کي صلح ميں نازل هوئي هی بات يهه هوئي که رسول خدا

اصحابه للعمرة وكانوا الفا واربع مائة فساروا حتى نزلوا الحديبية فصد هم المشركون من البيت الحرام فصالحهم على ان يرجع عامه ذلك على ان يخلوا له مكة عام قابل ثلثة ايام فيطوف بالبيت فلما كان العام القابل تجهزوا رسول الله واصحابه لعمرة القضاء و خافوا ان لاتفي قريش بما قالوا و ان يصد و هم عن البيت الحرام و كره اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم قتالهم في الشهر الحرام و في الحرم فانزل الله تعالى و قاتلوا هم في سبيل الله يعني محرمين الذين يقاتلونكم يعني قريشا ولاتعتدوا فتبدوا بالقتال في الحرم محرمين ان الله لايحب المعتدين

صلی اللہ علیہ وسلم معہ اپنے اصحابوں کے جو چودہ سو تھے عمرہ کے لیئے تشریف فرما ہوئے جبکہ حدیبیہ میں پہونچے تو مشرکین نے مکہ میں آنے سے روکا اُسوقت اس بات پر صلح ہوئی کہ اب کے برس تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم پھر جاویں اور اگلے برس اُنکے لیئے تین دن تک مکہ خالی کردینگے تا کہ وہ خانہ کعبہ کا طواف کریں جب اگلا برس آیا تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ قضا کے لیئے سامان درست کیا اور اصحاب کا خوف ہوا کہ ایسا نہو کہ قریش اپنا اقرار پورا نکریں اور جو کہا ہی وہ نکریں اور مکہ میں جانے سے روکیں اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب اُن مہینوں میں جنمیں لڑائی منع تھی اور نیز مکہ میں لڑنا برا جانتے تھے پس خدا تعالی نے یہہ آیت نازل کی کہ خدا کی راہ میں یعنی احرام باندھے ہوئے اُن لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑیں یعنی قریش سے اور تم زیادتی مت کرو کہ تم ہی حرم میں پہلے سے لڑائی شروع کردو بےشک زیادتی کرنے والوں کو اللہ دوست نہیں رکھتا *

قطع نظر اس بات کے کہ یہہ آیت قبل آیت من و فدا کے نازل ہوئی تھی اس بات پر بھی غور کرنا چاہیئے کہ اس آیت سے آیت من و فدا منسوخ بھی ہوسکتی ہی یا نہیں سو ظاہر ہی کہ اسیطرح منسوخ نہیں ہوسکتی اِس لیئے کہ اس آیت میں جو حکم ہی وہ خاص اُن اہل مکہ کے لیئے ہی جو برخلاف عہد کے لڑنے پر طیار ہوں تمام مشرکین سے متعلق نہیں ہی پس قیدی جو بعد قید کے لڑنے پر قادر نہیں رہتے اس حکم میں داخل نہیں ہوسکتے *

بعض مکابر کیا عجب ہی کہ لفظ حیث ثقفتموهم سے آیت من و فدا کے منسوخ ہونے کے امکان پر استدلال کریں (اگرچہ آج تک کسی عالم نے جنکے وہ مقلد ہیں استدلال نہیں کیا) اِسلیئے کہ گو تفسیر کشاف میں لکھا ہی کہ حیث ثقفتموهم کے وہی معنی ہیں جو حیث وجدتموهم کے ہیں

حيث ثقفتموهم و جدتموهم في حل او حرم

یعنی اُنکو مارو جہاں پاؤ کعبہ کے اندر یا کعبہ کے باہر لیکن اور تفسیروں میں اِس کے معنی ایسے لکھے ہیں جنسے قیدیوں کا قتل کرنا [illegible] جاتا ہی چنانچہ تفسیر معالم التنزیل میں لکھا ہی کہ اخیر آیت پر کہ

واقتلوا هم حيث ثقفتموهم قيل نسخت الاية الاولى بهذه الاية و اصل الثقافة الحذق و البصر بالامر و معناه اقتلوهم حيث ابصرتم مقاتلتهم و تمكنتم من قتلهم

اُن کو مارو جہاں پاؤ پہلی آیت یعنی یہہ کہ اُنھیں کو مارو جو لڑیں منسوخ ہوگئی [illegible] اللہ کیا عمدہ مذہب ہی جسمیں آیت کا شروع آیت کے اخیر سے منسوخ ہو جاتا ہی کلام الہی کاٹھیکو ہوا ثقفتموهم [illegible] کے معنی کسی چیز کو بغور دیکھنے کے ہیں پس معنی یہہ ہوئے کہ کافروں کے لڑنے والوں کو جہاں دیکھو اور اُن کے قتل پر قابو پاؤ مار ڈالو *

اور تفسیر مدارک میں لکھا ہی کہ اُن کو مارو جہاں پاؤ ثقف کے لفظ کے معنی پکڑ کو اور غلبہ کر کر پانے کے ہیں اور آیت میں

و اقتلوهم حيث ثقفتموهم وجدتموهم والثقف الوجود على وجه الاخذ و الغلبة و اخرجوهم من حيث اخرجوكم اي من مكة و قد فعل الله تعالى فتح مكة بهذه الاية و قد فعل رسول الله عليه وسلم بمن لم يسلم منهم يوم الفتح

جو یہہ حکم ہی کہ اُن کو نکالو جہاں سے اُنہوں نے تمکو نکالا ہی اُس سے مراد مکہ ہی اِس آیت میں خدا تعالی نے مسلمانوں سے مکہ کے فتح ہونے کا وعدہ فرمایا اور جب مکہ فتح ہوا تو پیغمبر خدا صلعم نے اُن کے ساتھہ جو مسلمان ہوئے ایسا ہی کیا جیسا کہ اِس آیت میں لکھا ہی — پس ان دونوں تفسیروں سے قیدیوں کا قتل کرنا جایز پایا جاتا ہی اور جب وہ جائز ٹھہرا تو آیت من و فدا کا منسوخ ہونا لازم آ گیا *

مگر یہہ تمام تقریر محض غلط اور بالکل دھوکا ہی — اگر فرض کیا جاوے کہ اِس آیت میں قیدیوں کے ہی قتل کا حکم ہی تو بھی یہہ آیت قبل آیت من و فدا نازل ہوئی ہی اور آیت من و فدا اُس کے بعد تو آیت من و فدا اس کی ناسخ ٹھہریگی نہ یہہ آیت — [illegible] اِسکے کیسا تعجب ہی کہ تفسیر کو جو قول مفسر یا راے مفسر سے زیادہ رتبہ نہیں رکھتی نص صریح قرآنی کا جسکے کلام الہی ہونے میں کچھہ شبہہ نہیں ہی ناسخ قرار دیا جاوے — قطع نظر ان سب باتوں کی جو تفسیر آیت کی صاحب معالم التنزیل نے کی ہی اُس سے تو قیدیوں کا قتل کرنا پایا نہیں جاتا کیونکہ وہ یہہ کہتا ہی کہ شروع آیت میں یہہ حکم تھا کہ جو لڑیں اُنہی کو مارو تو اس حکم سے یہہ لازم آتا تھا کہ جب تک [illegible] مشرک پہلے وار نکرلے

تک اُس کو نه مارو اخیر ایت یعنی یهه حکم منسوخ هوگیا یهه حکم هوا که اُن کے لڑنے والوں کو جهاں دیکهو مار ڈالو اُنکے وار ہونے کے منتظر نرهو پس قیدی اس تفسیر سے بهي خارج هیں اس لیئے که قید هونے کے بعد اُن میں لڑنے اور مقاتله کرنے کي طاقت نهیں رهتي اور اس لیئے وه مقاتلتهم کے لفظ میں داخل نهیں رهتے *

صاحب تفسیر مدارک نے جو معني ثقف کے گهڑے هیں اول تو وه قابل تسلیم نهیں کیونکه ثقف کے معني پکڑکر اور غلبه کرکر پانے کے جو اُس نے بیان کیئے هیں جن سے قیدي پن نکلتا هی اُسکي کوئي سند نهیں هی معهذا وه صاف صاف قیدیوں پر دلالت بهي نهیں کرتے کیونکه مقاتلین کي نسبت بهي صادق آسکتے هیں — قطع نظر ان سب باتوں کے اگر بالکل تقریر مخالفین تسلیم کرلي جاوے تو جو حکم اس ایت میں هو وه مخصوص اهل مکه سے هوگا جنکي نسبت متعدد احکام مخصوصه صادر هوئے تهے اور اس لیئے عمومیت ایت من و فدا کا مخصص هوگا نه مبطل اس لیئے که ایت من لفدا عام هی اور احکام عام کے برخلاف جو کوئي حکم خاص صادر هوتا هی تو وه حکم خاص اُس حکم کا مخصص هوتا هی یا وه حکم خاص اُس حکم عام سے مستثنی سمجها جاتا هی نه اُس حکم عام کا مبطل کیونکه وه حکم عام اپنے باقي افراد کے لیئے بدستور نافذ و بحال رهتا هی پس نتیجه مخالفین کي تقریر کو تسلیم کرنے کے بعد بهي یهه نکلیگا که تمام قیدیوں کو سوائے قیدیان مشرکین مکه کے یا احسان رکهه کر یا فدیه لیکر چهوڑ دو اور همارا مطلب بهي اسیقدر هی *

اب باقي رهگئیں سورۂ نساء کي آیتیں وه بهي قبل فتح مکه یعني قبل نزول ایت من و فدا نازل هوئي هیں اور اس لیئے اُسکي ناسخ نهیں هوسکتیں — علاوه اس کے ان ایتوں میں بهي وهي لفظ حیث وجدتموهم هی جس کي نسبت هم اوپر بحث کر آئے هیں که قیدیوں سے متعلق نهیں هی اور اس لیئے ایت من و فدا کا ناسخ نهیں هوسکتا اور جوکه علما حنفیه میں سے بهي کسي عالم نے ان آیتوں کو ناسخ ایت من و فدا نهیں کها هی اس لیئے همکو بهي اور زیاده بحث کرنے کي کچهه ضرورت نهیں هی *

اب هم ایت من و فدا کے غیر منسوخ هونے کو ثابت کرنے کے لیئے اور اسبات کے ثابت کرنے کے لیئے که قیدیوں کے ساتهه بجز من یا فدا کے اور کچهه نهیں هوسکتا ایسي دلیل بیان کرنے پر متوجهه هوتے هیں جس میں کسیکو گفتگو کا محل نرهے گا اور وه یهه هی که بعد نزول ایت حریت کے جناب رسول خدا صلعم نے نه کسي قیدیکو قتل کیا نه کسیکو لونڈي و غلام بنایا بلکه سب کو بلا استثناے احدے احسان رکهه کر یا فدیه لیکر چهوڑ دیا اور اس سے ثابت هوا که ایت من وفدا منسوخ نهیں هوئي اور قیدیوں کا لونڈي و غلام بنانا جایز نهیں رها چنانچهه ان جمله اُمور کو باب آینده میں بیان کرتے هیں والله المستعان *

باب ششم

اسبات کے بیان میں که بعد نزول ایت حریت کے جناب رسول خدا صلعم نے کسي قیدي کو لونڈي و غلام نهیں بنایا

اگرچه عرب میں زمانه جاهلیت سے لڑائي کے قیدیوں کو قتل کرنے اور لونڈي و غلام بنالینے اور فدیه لیکر اور احسان رکهکر چهوڑ دینے کا رواج تها اور جب تک که اسلام میں کوئي حکم نسبت قیدیوں کے نهیں آیا ایساهي هوتا رها لیکن بعد نزول ایت من و فدا کے (جس میں قیدیوں کي بابت احکام هیں) جس قدر غزوات هوئے کسي غزوه کے قیدي لونڈي و غلام نهیں بنائے گئے بلکه احسان رکهکر یا فدیه لیکر چهوڑ دیئے گئے اور اُس کے برخلاف رسول خدا صلعم نے کبهي نهیں کیا یهاں تک که اس دنیا سے رحلت فرمائي وهذا مایدور علیه رحي الاسلام وهذا هو مذهب الاسلام اور یهي هی مسئله مذهب اسلام کا اب هم اپنے اس کلام کے اثبات کو اُن غزوات کے قیدیوں کا جو بعد نزول ایت من و فدا هوئے تهے ذکر کرتے هیں *

اول اساري بطن مکه — اُنهیں دنوں میں جبکه مکه فتح هوا اسي آدمي جو جبل تنعیم سے لڑنے کو اُترے تهے قید هوئے اور جناب رسول خدا صلعم نے احسان رکهکر سب کو چهوڑ دیا *

خود خدا تعالی نے قران مجید میں اسکا ذکر فرمایا هی که وه خدا هی جس نے روکے هاتهه کافروں کے تم سے اور تمهارے هاتهه اُنسے مکه کے بیچ میں بعد اسکے که فتح مند کیا تمکو اُنپر *

وهوالذي كف ايديهم عنكم وايديكم عنهم ببطن مكة من بعد ان اظفركم عليهم

صحیح مسلم کي حدیث میں بهي اسکا ذکر هی اور انس سے روایت کي هی که اسي آدمي مکه والوں میں رسول خدا صلعم سے لڑنے کو جبل تنعیم سے اُترے پهر اُنکو پکڑ لیا اس طرح پر که اُنهوں نے اپنے تئیں سپرد کردیا پهر اُنکو زنده رهنے دیا یعني قتل نهیں کیا اور ایک روایت میں هی که اُنکو چهوڑدیا

عن انس ان ثمانين رجلا من اهل مكة هبطوا على رسول الله صلى الله عليه وسلم من جبل التنعيم متسلحين يريدون غرة النبي صلى الله عليه وسلم فاخذهم سلما فاستحياهم و في رواية فاعتقهم فانزل الله تعالى و هوا الذي كف ايديهم عنكم و ايديكم عنهم ببطن مكة من بعد ان اظفركم عليهم

پس یهه آیت اُتري که وه خدا هی جسنے روکے هاتهه کافروں کے تم سے

اور تمهارے هاتهه اُن سے مكه كے بيچ ميں بعد اسكے كه فتح مند كيا تمكو اُنپر *

تمام علماء اور مفسرين اور اهل سير اسبات كے قايل هيں كه يهه لشكر كشي بعد فتح مكه هوئي اور خود قران مجيد كي آيت سے بهي يهي ثابت هوتا هى مگر بعض لغو روايتوں ميں هى كه يهه واقعه حديبيه ميں قبل فتح مكه هوا تها ليكن جبكه سب لوگ اُس روايت كو مردود جانتے هيں تو اُسپر زياده بحث كرنے كي ضرورت نهيں *

دوم اسارى غزوه بني خذيمه — كرماني كهتا هى كه يهه ايك قبيله هى عبدقيس كا اور سيوطي نے توشيح ميں كها هى كه اُنپر لشكر كشي شوال كے مهينے ميں مكه فتح هونے كے بعد هوئي تهي *

قال الكرماني هى قبيلة من عبدالقيس قال السيوطي في التوشيح كان البعث اليهم في شوال عقيب الفتح *

مواهب لدنيه ميں لكها هى كه خالد ابن وليد تهوڑا سا لشكر ليكر بني خذيمه پر جو عبد قيس كے قبيله ميں سے هى مكه كے اُتر ايك رات كي راه پر يلملم كي طرف شوال سنه ۸ هجري ميں غيصا كے دن روانه هوئے اُنكو رسول خدا صلعم نے عزى توڑ كر پهر آنے كے بعد بهيجا تها اور خود رسول خدا صلعم مكه ميں مقيم تهے *

ثم سرية خالد بن الوليد الى بني خذيمة قبيلة من عبدالقيس اسفل مكة على ليلة بناحية يلملم في شوال سنة ثمان و هو يوم الغيصا بعثه عليه السلام لما رجع من هدم العزى و هو صلعم مقيم بمكة

اس غزوه كي جو حديث بخاري ميں هى اُسكو هم تو اپنے استنباط كے موافق سمجهتے هيں اور شايد همارے مخالف اُسكو اپنے مفيد سمجهيں اِس ليئے اُسكو لكهه كر اپنے استنباط كا اثبات اور مخالفين كے استدلال كي ترديد كرتے هيں اور وه حديث يهه هى كه سالم نے روايت كي كه اُسكے باپ نے كها كه پيغمبر خدا صلعم نے خالد ابن وليد كو لشكر ديكر بني خذيمه پر بهيجا خالد نے اُنكو كها كه تم مسلمان هوجاؤ اُنهوں نے صاف صاف يهه كهنا تو پسند نكيا كه هم مسلمان هوگئے بلكه يهه كهنے لگے كه هم بد مذهب هوگئے پس خالد نے اُنكو قتل كرنا شروع كيا اور هر ايك كا قيدي اُسيكے سپرد كرديا جب دوسرا دن هوا تو خالد نے حكم ديا كه هر شخص اپنے قيدي كو مار ڈالے پس سالم كے باپ نے كها كه خدا كي قسم ميں تو اپنا قيدي نهيں مارنے كا

عن سالم عن ابيه قال بعث النبي صلعم خالد بن الوليد الى بني خذيمة فدعا هم الى الاسلام فلم يحسنوا ان يقولوا اسلمنا فجعل يقولون صبانا صبانا فجعل خالد يقتل و يا سر ودفع الى كل رجل منا اسيره حتى اذا كان يوم امر خالد ان يقتل كل رجل منا اسيره فقلت واﷲ لا اقتل اسيري و لايقتل رجل من اصحابي اسيره حتى قدمنا الى النبي صلعم فذكرنا له فرفع النبي صلعم يده فقال اللهم اني ابرا اليك مما صنع خالد مرتين *

اور نه ميرے ساتهيوں ميں سے كوئي اپنے قيدي كو ماريگا [illegible] رسول خدا صلعم پاس آئے تو همنے ان سب باتوں كا ذكر كيا [illegible] پيغمبر خدا صلعم نے اپنے هاتهه اُٹهائے اور دو دفعه كها [illegible] جو كچهه خالد نے كيا هى ميں اپني برائت تيرے سامنے [illegible] ظاهر كرتا هوں *

همارے مخالف تو اس حديث سے يهه استدلال كرينگے كه اس [illegible] ميں جو بعد فتح مكه هوا خالد نے قيديوں كو قتل كيا اور اُن كے قتل كا حكم ديا پس معلوم هوتا هى كه آيت من و فدا منسوخ هوچكي تهي يا اُس سے صرف من و فدا ميں حصر مقصود نه تها *

مگر يهه دليل دو وجهه سے غلط هى اول تو خالد كا فعل نا آيت قراني نهيں هوسكتا دوسرے اور بهت سے اصحابوں كا جو خالد كے ساتهه تهے قيديوں كے قتل سے انكار كرنا اس بات كي دليل هى كه وه نزول آيت من و فدا سے واقف تهے اور كيا عجب هى كه اُسوقت تك حضرت خالد واقف نهوئے هوں اِس ليئے كه ابهي آيت كو نازل هوئے صرف كئي دن هوئے تهے اور خالد بن وليد اُن دنوں ميں لڑائيوں ميں مصروف تهے *

يهه نه سمجهنا چاهيئے كه جن لوگوں نے قيديوں كے قتل سے انكار كيا اُنكو صبانا كے لفظ سے اس بات كا شبهه هوا تها كه وه مسلمان هوگئے تهے كيونكه اگر وه اُنكو مسلمان سمجهتے تو قيد هي كاهيكو كرتے *

كيا لطيفه هى كه خالد سے اس غزوه ميں دو قصور هوئے تهے ايك يهه كه صبانا كے لفظ سے جو مقصد اُن لوگوں كا تها وه نه سمجهے دوسرے يهه كه قيديوں كے قتل كا حكم ديا تها اسي ليئے هوتجبه رسول خدا صلعم نے خدا كے سامنے اپني صفائي خالد كے كام سے ظاهر كي *

غرضكه يهه واقعه اس وجهه سے كه خلاف مرضي رسول خدا صلعم كے هوا اور آنحضرت نے اپني ناراضي اُس سے ظاهر كي همارے استنباط كا مثبت اور ممد و معاون هى اور همارے مخالفوں كے مفيد نهيں *

سوم اسارى هوازن — هوازن كے قيديوں كو رسول خدا صلعم نے احسان ركهكر اور جو لوگ احسانا چهوڑنا نه چاهتے تهے اُنكو اُنكا فديه ديكر چهوڑ ديا اور اس سے ثابت هوگيا كه غازيوں كا جنهوں نے كافروں كو قيد كيا هو بجز فديه لينے كے اور كچهه حق قيديوں پر نهيں هى *

اساراے هوازن كا ذرا لنبا قصه هى چند حديثوں ميں بهي [illegible] قصه مذكور هى اور سير كي كتابوں ميں بهي اُسكي روايتيں هيں

ن میں بہت باتیں ہمارے استنباط کی مطابق ہیں اور بعض الفاظ ایسے ہیں جنکو ہمارے مخالف اپنے مفید سمجھتے ہونگے اس لیئے اُن تمام حدیثوں اور روایتوں کو بجنسہ لکھتے ہیں اور پھر اُن سے جو کچھہ استنباط ہوتا ہی اُسکو بیان کرتے ہیں *

سیرت ہشامی میں لکھا ہی کہ تمام قیدی اور مال جو حنین کی لڑائی میں ہاتھہ آیا تھا رسول

ثم جمعت الی رسول اللہ صلعم سبایا حنین و اموالہا و کان علی المغانم مسعود بن عمرو الغفاری و امر رسول اللہ صلعم بالسبایا و الاموال الی الجعرانۃ فحبست بہا

خدا صلعم پاس جمع کیا گیا اور غنیمت پر مسعود بن عمرو الغفاری متعین تھے اور رسول خدا صلعم نے تمام قیدیوں کو اور مال کو جعرانہ میں لیجانے کا حکم دیا اور وہیں وہ رکھے گئے *

اور سیرت محمدی میں لکھا ہی کہ رسول خدا صلعم نے قیدیوں کے اور لوٹ کے مال جمع کرنے کا

و امر رسول اللہ جمع السبی و الغنایم فجمع ذلک کلہ و حدروا الی الجعرانۃ فوقف بہا الی ان انصرف رسول اللہ من الطایف و کان السبی ستۃ الاف راس * * * اخرج البخاری فی تاریخہ والبغوی من ہزیل ابن ورقاء و قال فی الاصابۃ اسنادہ حسن ان رسول اللہ صلعم امرہ ان یحبس السبایا و الاموال یوم حنین بالجعرانۃ حتی یقدم علیہ و الجعرانۃ بسکون العین و تخفیف الراء * * * و اخرج ابن عساکر فی تاریخہ عن ابن المسیب ان رسول اللہ صلعم سبی یوم حنین ستۃ آلاف من غلام و امراۃ

حکم دیا چنانچہ وہ سب جمع کیئے گئے اور جعرانہ میں بھیجدیئے گئے اور رسول خدا صلعم کے طایف سے مراجعت فرمانے تک وہیں رہے اور قیدی چھہ ہزار آدمی تھے — اور بخاری نے اپنی تاریخ میں اور بغوی نے ہزیل ابن ورقاء سے یہہ روایت کی ہی اور اصابہ میں لکھا ہی کہ اُس کی سند اچھی ہی کہ رسول خدا صلعم نے اپنے تشریف لانے تک قیدیوں کے اور مال کے جعرانہ میں رہنے دینے کا حکم دیا تھا — اور ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں مسیب سے یہہ روایت کی ہی کہ رسول خدا صلعم نے حنین کی لڑائی میں چھہ ہزار لڑکے اور عورتیں قید کی تھیں *

بخاری میں اسی واقعہ کی بابت یہہ حدیث ہی کہ جب ہوزان کے

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قام حین جاء وفد ہوازن مسلمین فسالوہ ان یرد الیہم اموالہم و سبیہم فقال لہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم معی من ترون واحب الحدیث الی اصدقہ فاختاروا احدی الطایفتین اما السبی و اما المال و قد کنت استانیت بکم و کان انظر ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم بضع عشرۃ لیلۃ حین قفل من الطایف فلما تبین لہم ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم غیر راد الیہم الا احدی الطایفتین قالو فانا نختار سبینا فقام رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم فی المسلمین فاثنی علی اللہ بما ہو اہلہ ثم قال اما بعد فان اخوانکم قد جاؤ تائبین وانی قد رایت ان ارد الیہم سبیہم فمن احب منکم ان یطیب ذلک فلیفعل و من احب منکم ان یکون علی حظہ حتی نعطیہ ایاہ من اول مایفی اللہ علینا فلیفعل فقال الناس قد طیبنا ذلک یا رسول اللہ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم انا لاندری من اذن منکم فی ذلک ممن لم یاذن فارجعوا حتی یرفع الینا عرفاؤکم امرکم فرجع الناس فکلمہم عرفاؤہم ثم رجعوا الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم فاخبروہ انہم قد طیبوا واذنوا ہذا الذی بلغنی من سبی ہوازن

لوگ مسلمان ہوکر آئے اور رسول خدا صلعم سے سوال کیا کہ اُن کا مال اور اُن کے قیدی اُنکو پھیر دیئے جاویں تو رسول خدا صلعم کھڑے ہوئے اور اُن سے فرمایا کہ میں پسند کرتا ہوں جو تم چاہتے ہو مگر ٹھیک بات کہدینی مجھے پسند ہی تم دونوں میں سے ایک چیز اختیار کرلو یا تو قیدی ہی لے لو یا مال ہی لے لو میں بیشک تمسے اُنس رکھتا ہوں رسول خدا صلعم نے طایف سے پھر کر دس سے بھی زیادہ رات تک ان لوگوں کے آنے کا انتظار کیا تھا غرضکہ جب اُن لوگوں کو معلوم ہوگیا کہ رسول خدا صلعم دونوں چیزیں نہیں پھیرینگے بلکہ اُن میں سے ایک دینگے تو اُنہوں نے کہا کہ ہم قیدیوں کو چاہتے ہیں پس رسول خدا صلعم مسلمانوں کے بیچ میں کھڑے ہوئے اور خدا کی تعریف کی جسکا وہ مستحق ہی پھر خدا کی تعریف کے بعد فرمایا کہ یہہ تمھارے بھائی توبہ کرکر آئے ہیں اور میں چاہتا ہوں کہ اُن کے قیدی اُن کو پھیردوں پس جس کسی کو یہہ بات اچھی لگے وہ کرے اور جو شخص چاہے کہ اپنا حصہ نچھوڑے تو وہ ویسا کرے یہاں تک کہ دیا جاویگا اُسکا حق اُس مال سے جو سب سے اول خدا ہمکو دیگا لوگوں نے عرض کیا کہ ہم آپ ہی کی بات کو پسند کرتے ہیں رسول خدا صلعم نے فرمایاکہ ہم نہیں جانتے کہ کسنے ہم میں سے ایک بات کی اجازت دی اور کسنے نہیں دی تم جاؤ تاکہ تمہارے مکھیا یہہ بات آنکر کہیں سب لوگ گئے اور اپنے اپنے سرگروھوں سے کہا پھر وہ لوگ رسول خدا صلعم پاس آئے اور اطلاع کی کہ سب لوگ پسند کرتے ہیں اور اجازت دیتے ہیں یہہ قصہ ہوازن کا ہی جس کی اطلاع ہمکو ہوئی ہی *

سیرت ہشامی میں اس قصہ کو اس طرح پر لکھا ہی کہ

ثم خرج رسول اللہ صلعم حین انصرف من الطایف علی دحنا حتی نزل الجعرانۃ فیمن معہ من الناس

بارادہ جہاد تشریف لیگئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جبکہ مراجعت فرمائی آپ نے طایف سے اور

و معه من هوازن سبي كثير و قد قال له رجل من اصحابه يوم ظعن ثقيف يا رسول الله ادع عليهم فقال رسول الله صلعم اللهم اهد ثقيفا و ائت بهم – ثم اتاه و فد هوازن بالجعرانة و كان مع رسول الله صلعم من سبي هوازن ستة الاف من الذراري والنساء و من الابل والشياه مما لايدرى ما عدته قال ابن اسحاق فحدثني عمر و بن شعيب عن ابيه عن جده عبدالله بن عمرو ان وفد هوازن اتوا رسول الله صلعم وقد اسلموا فقالوا يا رسول الله قد اصابنا من البلاء مالم يخف عليك فامنن علينا من الله عليك – قال ابن اسحق فحدثني عمر بن شعيب عن ابيه عن جده عبدالله بن عمر و قال فقال رسول الله صلعم ابناء كم ونساء كم احب اليكم ام اموالكم فقالوا يا رسول الله خيرتنا بين اموالنا واحسابنا بل تردالينا نساءنا وابناء نا فهو احب الينا فقال لهم اما ماكان لي ولبني عبدالمطلب فهو لكم واذا ما انا صليت الظهر بالناس فقوموا فقولوا انا نستشفع برسول الله الى المسلمين وبالمسلمين الى رسول الله في ابنائنا و نساءنا فساعطيكم عند ذلك واسال لكم – فلما صلي رسول الله صلعم بالناس الظهر قاموا فتكلموا بالذي امر هم به فقال رسول الله صلعم اما ماكان لي ولبني عبدالمطلب فهو لكم فقال المهاجرون ما كان لنا فهولرسول الله صلعم فقال الاقرع بن حابس اما انا وبنوتميم فلا –

دحنا کے یہاں تک کہ پہونچے آپ جعرانہ میں معہ اپنے همراهیوں کے اور آپ کے ساتھہ قوم هوازن کے بہت سے قیدي تھے اور جب آپ نے بني ثقیف سے لڑنے کے لیئے سفر کیا تو اِس سفر میں آپ کے صحابہ میں سے کسیئے کہا تھا کہ یا رسول الله آپ اُس قوم کے لیئے اچھہ هدایت کي دعا فرمائیئے چنانچہ آنحضرت نے فرمایا تھا کہ ای الٰہ هدایت کر قوم ثقیف کو اور مطیع کردے اسکو چنانچہ ایا ایک گروه هوازن کا مقام جعرانہ میں اور آں حضرت کے ساتھہ قوم هوازن کے قیدیوں میں سے چھہ هزار بچے اور عورتیں تھیں اور اونٹ اور اَوْر چیزیں اسقدر تھیں جنکي کچھہ شمار نہ تھي کہا اسحاق نے پھر بیان کیا مجھہ سے عمر و بن شعیب نے اپنے باپ سے سنکر اور اُس کے باپ نے اپنے باپ سے سنکر جسکا نام عبدالله بن عمرو تھا یہہ کہ گروه هوازن کا آیا رسول خدا کے پاس اور سب نے اسلام قبول کرلیا تھا اور کہا اُس گروه نے کہ یا رسول الله جو کچھہ هم پر مصیبت پڑي وه آپ سے کیا پوشیدہ هی پس آپ هم پر احسان کریں الله آپکو اُسکا عوض دے – کہا ابن اسحاق نے پس روایت کي مجھہ سے عمر بن شعیب نے اور اس سے اُسکے

قال عيينة بن حصن و اما انا وبنوا فزارة فلا – وقال عباس ابن مرداس اما انا وبنو سليم فلا – قالت بنو سليم بلي ماكان لنا فهولرسول الله صلعم – قال يقول عباس لبني سليم و هنتمونى فقال رسول الله صلعم اما من تمسك بحقه من هذا السبي فله بكل انسان ست فرايض من اول سبي اصيبه فردوا الى الناس ابناءهم و نسائهم – قال ابن اسحق وحدثني ابو وجزة يزيد ابن عبيد السعدي ان رسول الله صلعم اعطى على بن ابي طالب (رضه) جارية يقال لها ريطة بنت هلال بن حيان بن عميرة بن هلال بن ناصرة بن قصية بن نصر بن سعد بن بكر – و اعطى عثمان بن عفان جارية يقال لها زينب بنت حيان بن عمرو بن حيان – و اعطى عمر بن الخطاب جارية فوهبها لعبدالله بن عمر ابنه – قال ابن اسحق فحدثني نافع مولى عبدالله بن عمر عن عبدالله ابن عمر قال بعثت بها الى اخوالي من بني جمح ليصلحوا لي منها حتى اطوف بالبيت ثم آتيهم وانا اريد ان اصيبها اذا رجعت اليها قال فخرجت من المسجد حين فرغت فاذا الناس يشتدون قلت ماشانكم قال ردعلينا رسول الله صلعم نساءنا وابناءنا فقلت تلكم صاحبتكم في بني جمح فاذهبو فخذوها فذهبوا اليها فاخذوها – قال ابن اسحق واما عيينة بن حصن فاخذها عجوزا من عجايز هوازن وقال حين اخذها اري عجوزا اني لاحسب لها في الحي

باپ نے اور اُسکے باپ سے اُسکے دادا نے جنکا نام عبدالله بن عمرو تھا کہ فرمایا رسول الله صلی الله علیہ و سلم نے اُن لوگوں سے آیا تمکو اپني اولاد اور عورتیں زیاده پیاري هیں یا مال زیاده پیارا هی پس اُنہوں نے جواب دیا کہ یا رسول الله مختیر کردیا آپ نے همکو همارے مال میں اور همارے بچے اور عورتوں میں پس آپ همکو هماري عورتیں اور بچے هي عنایت کیجیئے کیونکہ وهي همکو زیاده پیارے هیں پس آپ نے ارشاد فرمایا کہ جو میرے اور اَوْر بني مطلب کے حصہ میں هیں وه تو هم نے تمکو عطا کیں اور باقي کي نسبت یہہ بات هی کہ جب میں ظہر کي نماز جماعت سے ادا کروں اور سب لوگ موجود هوں اسوقت تم اِسبات کي التجا کرنا اور یہہ کہنا کہ هم شفیع کئے هیں الله کے رسول کو مسلمانوں کے پاس اور مسلمانوں کو الله کے رسولوں کے پاس بیچ چھوڑ دیئے اپني عورتوں اور اپنے بچوں کے پس میں بھي تمکو تمهاري عورتیں دے دونگا اور اَوروں سے بھي تمهارے لیئے سعي کرونگا اور کہہ سنکر دلوا دونگا پس جب نماز پڑھي رسول خدا نے جماعت سے ظہر کي تو کھڑے هوئے وه لوگ اور جیسا آپ نے تلقین کردیا تھا اُسي طرح سے اُنہوں نے عرض کیا پس فرمایا آنحضرت نے کہ

بمقام علیگڈه —— مطبع علیگڈه انسٹیٹیوٹ میں چھپا اور باهتمام
حافظ محمد عبدالرزاق کے شایع هوا

THE MOHAMMEDAN SOCIAL REFORMER

تہذیب الاخلاق

جلد دوم] ۱۵ رمضان المبارک سنہ ۱۲۸۸ ہجری [نمبر ۱۹

تتمہ مضمون نمبر ۵۲

فسبا رسول ان یعطم فداها فلما رد رسول اللہ صلعم السبایا بست فرایض ابی ان یردها فقال لہ زهیر ابو صرد خذها منک فو اللہ مافوها ببارد ولا ثدیها بناهد ولا بطنها بوالد ولا زوجها بواجد ولا درها بماکد فردها بست فرایض حین قال لہ زهیر ما قال فزعموا ان عیینۃ لقی اقرع بن حابس فشکی الیہ ذلک فقال انک واللہ ما اخذتہا بیضاء غریرۃ ولا نصفا وثیرۃ

جو میرے اور اَوْر بنی مطلب کے حصہ میں ہیں وہ میں نے تمکو دیے پس کہا مہاجرین نے کہ یا رسول اللہ جو ہمارے حصہ میں ہی وہ بھی آپ کا ہی پس کہا اقرع بن حابس نے کہ یا رسول اللہ ہم اور بنو تمیم نہ دینگے اور عیینہ بن حصن نے کہا کہ ہم اور بنی فزارہ بھی نہ دینگے اور عباس ابن مرداس نے کہا کہ ہم اور بنو سلیم بھی نہ دینگے مگر بنو سلیم نے کہا کہ نہیں جو ہمارا حصہ ہی اُس کے مالک انحضرت ہیں کہا راوی نے کہ عباس ابن مرداس بنی سلیم سے کہتا تھا کہ تمنے میری بات کو پست کردیا پس فرمایا رسول خدا نے جس شخص نے ان قیدیوں میں سے اپنا حق لیلیا ہی اور وہ واپس کردیگا اسکو میں بدلے اُسکے حصہ کے چھہ چھہ اونٹ اُس غنیمت میں سے دونگا جو سب سے پہلے میرے ہات لگیگی پس پھیر دو اُن لوگوں کے بچے اور عورتیں — کہا ابن اسحق نے اور روایت کی مجھہ سے ابو وجزہ یزید بن عبد السعدی نے پہہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ کو ریطہ نام ایک لونڈی ہلال ابن حیان بن عمیرۃ بن ہلال بن ناصرۃ بن قصیۃ بن نصر بن سعد بن بکر کی بیٹی عطا کی تھی اور حضرت عثمان بن عفان (رضی اللہ) کو زینب نام ایک لونڈی بنت حیان بن عمرو بن حیان کی بیٹی عطا فرمائی تھی اور حضرت عمر ابن الخطاب کو ایک لونڈی عطا کی تھی اور اُنہوں نے اسکو اپنے بیٹے عبداللہ ابن عمر کو بخش دیا تھا کہا ابن اسحاق نے پس روایت کی مجھہ سے نافع مولی عبداللہ ابن عمر نے اور اُنہوں نے سنا تھا عبداللہ ابن عمر سے کہ میں نے اُس لونڈی کو اپنے بھائیوں قوم بنی جمح کے پاس بھیجدیا تھا تاکہ وہ اُس کو رکھیں یہاں تک کہ میں طواف بیت سے فارغ ہوجاؤں اُسکے بعد اُن کے پاس جاؤں اور میرا دل چاہتا تھا کہ جب میں واپس آؤں تو اُس لونڈی سے مصاحبت کروں کہا عبداللہ ابن عمر نے جبکہ میں مسجد سے فارغ ہوکر نکلا تو لوگوں کا جمگھٹ تھا میں نے پوچھا کہ کیا حال ہی کہو تو اُنہوں نے جواب دیا کہ ہمارے بچوں اور عورتوں کو رسول خدا نے چھوڑ دیا پس میں نے کہا کہ ایک بیوی تمہاری بنی جمح میں ہی وہ بھی تم لیجاؤ پس وہ گئے اور اسکو بھی لیگئے کہا ابن اسحاق نے کہ عیینہ بن حصن نے ایک بڑھیا قوم ہوازن کی لی تھی اور جب اُسنے اس بڑھیا کو لیا تھا تو یہہ

كها تها كه يهه بوڑهيا ميري دانست ميں قوم هوازن ميں سے كسي بڑے گهر كي هى اور غالب هى كه مجهكو اس كے عوض ميں بهت كچهه مال هاتهه آويگا پس جب كه رسول خدا نے تمام قيديوں كو رها كرديا اور لوگوں سے وعدہ كيا اُن كي عوض ميں چهه چهه اُونٹوں كا تو عيينه نے انكار كيا كه ميں اِس بوڑهيا كو نہ دونگا پس زهير ابوصرد نے كهاكه نه تو وه چنداں پاكيزه دهن هى اور نه اُسكي چهاتياں كچهه اُبهري هوئي هيں اور نه وه جننے كے لايق هى اور نه زوج اُس كا ايك هى اور نه اُس سے كسي دايمي نفع كي توقع هى پهر كيوں نهيں ديديتا پس عيينه نے ابوصرد كے اِس كهنے سننے سے ديديا كها پس گمان كيا اُنهوں نے يهه كه عيينه نے اقرع بن حابس سے اور شكايت كي اُس سے اِسبات كي پس اُس نے كها كه والله نهيں ليا تونے اُس كو كچهه ناقه عزيزه سمجهكر اور نه كچهه كام خدمت كے لايق ديكهكر *

همكو اپنے دعوى كے اِثبات كے ليئے بخاري كي حديث پر استدلال هى جس سے قيديوں كا احسان ركهكر چهوڑنا ظاهر هى اور اُس حديث كے ان الفاظ سے كه ,, من احب منكم ان يكون على حظه حتي يعطيه اياه من اول مايفي الله علينا " بخوبي ثابت هى كه غازيوں كا حق اساري پر بجز فديه لينے كے اور كچهه نهيں هى *

سيرت هشامي ميں جو يهه لكها هى كه بنو تميم نے احسان ركهه كر چهوڑنے سے انكار كيا اور رسول خدا صلعم نے بطور حق قيد كرنے والے كے في قيدي چهه اونٹ فديه ميں دلانے تجويز كيئے اس سے اور بهي ثابت هوا كه غازيوں كا بجز فديه كے اور كچهه حق نه تها *

سيرت هشامي كے ان لفظوں سے كه عيينه نے ايك بڑهيا كو اِس خيال سے پكڑا تها كه اُس كا فديه زيادہ هوگا ظاهر هوتاهى كه مجاهدين صحابه جانتے تهے كه اساري پر بجز فديه لينے كے اور كچهه حق نهيں هى *

گو سيرت هشامي كو هم اس رتبه كي كتاب نهيں سمجهتے كه اُسكي روايت بلا كسي مؤيد كے قابل اعتبار هو مگر چونكه بخاري كي مذكورهٔبالا حديث سے اُسقدر مضمون كي تائيد هوتي هى اِس ليئے همنے اُسپر بهروسا كيا هى *

مگر همارے مخالف سيرت هشامي كي روايت پر استدلال كركر هم سے مكابره كرينگے كه جب خود رسول خدا صلعم نے قبل واپس دينے اساري كے چند لڑكياں علي و عثمان و عمر كو بخشدي تهيں اور حضرت عمر نے منجمله اُنكے ايك اپنے بيٹے كو هبه كردي تهي اور وه اُسكے ساتهه مباشرت كرنے كو طيار هوگئے تهے تو اس سے صاف اساري كے استرقاق كا جواز پايا جاتا هى *

مگر اسكے جواب ميں اول تو هم يهه كهينگے كه [illegible] اور اُسكے راوي نامعتمد هيں اور اِس ليئے سيرت هشامي [illegible] جسكي مؤيد كوئي صحيح روايت نهيں هى قابل [illegible] نهيں هى *

دوسرے يهه كه سيرت هشامي ميں جو لفظ اصلي كا لكها [illegible] جو قصه بداخلاقي اور صحت يهيهه كا عبدالله ابن عمر كي نسبت منسوب كيا هى محض كذب اور جهوٹ هى رسول خدا صلعم نے كسيكو كوئي لڑكي بخشي نهيں تهي بلكه خود حضرت عمر نے گرفتار كيا تها اور اُسكي سند كے ليئے هم حديث بخاري كي اپنے پاس موجود ركهتے هيں *

چنانچه بخاري ميں نافع سے يهه روايت هى كه عمر بن خطاب نے رسول خدا صلعم سے كها كه زمانه جاهليت ميں ايك دن كا اعتكاف ميننے مانا تها وه مجهه پر هى آپ نے فرمايا كه اُسكو اوتار دو اور نافع نے يهه بهي كها كه حضرت عمر كے هاتهه دو لڑكياں آئي تهيں حنين كے قيديوں ميں سے يعني جو لوگ حنين ميں قيدي هوگئے تهے اُنميں دو لڑكياں وه تهيں جنكو حضرت عمر نے پكڑا تها اور اُنكو مكه كے گهروں ميں سے كسي گهر ميں ركهه ديا تها نافع نے كها كه جب پيغمبر خدا صلعم نے حنين كے قيديوں كو احسان ركهكر چهوڑا تو وه بازار ميں چلنے پهرنے لگے تب عمر نے كها كه اے عبدالله ديكهه تو يهه كيا هى تب عبدالله نے كها كه رسول خدا صلعم نے قيديوں كو احسان ركهكر چهوڑ ديا عمر نے كها كه جا اُن لڑكيوں كو بهي چهوڑ دے [illegible] پس اس حديث ميں نه پيغمبر خدا صلعم كا اُن لڑكيوں كو بخشدينا مذكور هى اور نه اُس اتهام كا ذكر هى جو ابن اسحاق نے حضرت عبدالله ابن عمر پر كيا هى *

في البخاري عن نافع ان عمر بن الخطاب قال يا رسول الله انه كان علي اعتكاف يوم في الجاهلية فامره ان يفي به قال واصاب عمر جاريتين من سبي حنين فوضعهما في بعض بيوت مكة قال فمن رسول الله صلعم علي سبي حنين فجعلوا يسعون في السكك فقال عمر يا عبدالله انظر ماهذا فقال من رسول الله صلى الله عليه وسلم على السبي قال اذهب فارسل الجاريتين الخ

قطع نظر اسكے اگر الفاظ سيرت هشامي هي كو تسليم [illegible] تو بهي استرقاق ثابت نهيں هوتا اصلي كا لفظ استرقاق پر [illegible] كرتا اور جاريه كا لفظ لونڈي اور آزاد لڑكي دونوں پر اطلاق هوتا هى اور جس جاريه كي نسبت عبدالله ابن عمر پر اتهام كيا . [illegible] اگر وه لونڈي تهي جيسيكه طرز كلام هشامي سے بوجهه ذكر كرنے نسب كے جاريوں كے اور نه ذكر كرنے نسب اس جاريه سے پايا جاتا هى تو مابعد آيت حريت كے استرقاق پر كچهه بهي استدلال نهيں هوسكتا *

چهارم اساري ثقيف — ثقيف کے قيديوں کو بهي رسول خدا صلعم نے فديه ليکر چهوڑ ديا چنانچه صحيح مسلم ميں هي که عمران بن حصين نے کہا که بني ثقيف اور بني عقيل دونوں آپسميں بهائي بهائي بن گئے تهے بني ثقيف نے رسول خدا صلعم کے اصحابوں ميں سے دو شخصوں کو قيد کرليا تها اور رسول خدا صلعم کے اصحاب نے بني عقيل کے ايک شخص کو قيد کرليا اور اُس کو باندهکر دهوپ ميں ڈال ديا جب که رسول خدا صلعم اُسکے پاس سے گذرے تو اُس نے پکارا اى محمد اى محمد مجهکو کس وجهه سے پکڑا هى آپ نے فرمايا که تمهارے بنے هوئے بهائيوں ثقيف کے گناه ميں يهه فرمايا اور اُسکو بدستور بندها هوا چهوڑ کر تشريف ليچلے وه پهر پکارا اى محمد اى محمد

عن عمران ابن حصين قال كان ثقيف حليفا لبني عقيل فاسرت ثقيف رجلين من اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم و اسر اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم رجلا من بني عقيل فاوثقوه وطرحوه في الحر فمر به رسول الله صلى الله عليه و سلم فناداه يا محمد يا محمد فيما اخذت قال بجريرة حلفاءكم ثقيف فتركه و مضى فناداه يا محمد يا محمد فرحمه رسول الله صلى الله عليه و سلم فرجع قال ماشانك فقال اني مسلم فقال لو قلتها وانت تملك امرك افلحت كل الفلاح قال ففداه رسول الله صلى الله عليه و سلم بالرجلين اللذين اسرتهما ثقيف

رسول خدا صلعم کو اُس پر رحم آيا اور آپ پهر کر آئے اور پوچها که تيرا کيا حال هى اُس نے کہا که ميں مسلمان هوں آپ نے فرمايا که اگر تو اُس وقت کہتا جب نه تو اپنے اختيار ميں تها تو بهت سى بهلائياں پاتا عمران ابن حصين نے کہا که بعد اس کے رسول خدا صلعم نے اُن دو قيديوں کے فديه ميں جن کو بني ثقيف نے قيد کيا تها چهوڑ ديا *

يهه نه سمجهنا چاهيئے که اِس شخص کو بوجهه مسلمان هوجانے کے چهوڑ ديا تها اِس ليئے که وه مسلمان نهيں هوا تها جهوٹ موٹ کہتا تها که ميں مسلمان هوں چنانچه مرقاة ميں لکها هى که اُس شخص کو رسول خدا صلعم نے بعد اس کے که اُس نے مسلمان هونے کا اقرار کيا اِسليئے دارالحرب ميں بهيجديا که آپ جانتے تهے که وه سچا نهيں هى پس يهه بات رسول خدا صلعم هي کے ليئے خاص هى *

قيل انما رده صلعم الى دارالحرب بعد اظهار كلمة الاسلام لانه قد علم انه غير صادق فهذا خاصة به صلى الله عليه و سلم

پنجم اساري بني تميم — بخاري نے ترجمة الباب ميں لکها هى که ابن اسحاق نے کہا هى که غزوه عيينه بن حصين بن حذيفه بن بدر کا بني العنبر پر جو بني تميم سے هى رسول خدا صلعم نے اُن لوگوں پر اُس کو بهيجا تها اُنهوں نے وهاں لوٹا اور آدميوں کو مارا اور عورتوں کو قيدي بنا لائے *

قال ابن اسحاق غزوة عيينة بن حصين بن حذيفة بن بني بدر بني العنبر من بني تميم بعثه النبي صلى الله عليه وسلم اليهم فاغاروا واصاب منهم ناسا و سبي منهم نساء

بعد اس کے بخاري نے يهه حديث لکهي هى که ابوهريره نے کہا که ميں هميشه بني تميم کو دوست رکهتا هوں جب سے کہ اُن کي نسبت تين باتيں رسول خدا صلعم سے سني هيں آپ اُن کے حق ميں فرماتے تهے که ميري تمام امت سے زياده سخت هونگے دجال پر اور اُنهي لوگوں ميں ايک عورت حضرت عايشه پاس بندي ميں تهي تو آپ نے فرمايا که اس کو چهوڑ دے کيونکه وه اسمعيل کي اولاد ميں سے هى اور اُن کے پاس سے جب صدقات آئے تو آپ نے فرمايا که يهه ايک قوم کے صدقات هيں يا فرمايا که ميري قوم کے صدقات هيں *

عن ابي هريرة قال لا ازال احب بني تميم بعد ثلث سمعته من رسول الله صلى الله عليه وسلم يقولها هم اشد امتي على الدجال وكانت فيهم منهم سبية عند عايشة فقال اعتقيها فانها من ولد اسمعيل و جاءت صدقاتهم فقال هذه صدقات قوم او قومي

يهه تينوں باتيں جو حضرت ابو هريره نے فرمائيں يهه اُس وقت کے واقعات نهيں هيں جس وقت که اُنهوں نے اُن کو فرمايا تها بلکه پچهلي باتوں کو جو مختلف اوقات ميں کهي گئي تهيں اُن کو اُسوقت بيان کيا تها پس اس حديث سے يهه نه سمجهنا چاهيئے که غزوه بني تميم کے بعد کوئي عورت حضرت عايشه پاس بطور لونڈي کے تهي اور اُس کے آزاد کرنے کا رسول خدا صلعم نے حکم ديا تها بلکه جب غزوه بني تميم کے قيدي پکڑے آئے اُسي ميں سے ايک عورت حضرت عايشه پاس تهي جس کو بلا فديه به سبب اولاد ابراهيم هونے کے چهوڑ دينے کو فرمايا تها کيونکه تمام قيدي بني تميم کے بلا فديه احسان رکهکر اُسيوقت چهوڑ ديئے گئے تهے چنانچه مواهب لدنيه ميں بالتفصيل لکها هى که رسول خدا صلعم نے عيينه ابن حصين فزاري کو بني تميم پر سقيا کے مقام پر جو بني تميم کا ضلع هى محرم سنه ۹ هجري ميں بهيجا اور اُس کے ساتهه پچاس سوار عرب کے تهے اور اُن ميں کوئي مهاجرين

في المواهب — وبعث عيينة ابن حصين الفزاري الى بني تميم بالسقيا وهي ارض بني تميم في المحرم سنة تسع و كان خمسين فارسا من العرب ليس فيهم مهاجري

وہ انصاری فکان یسیر الیل ویکمن النہار فہجم علیہم فی صحراء فتغلوا وسرحو مواشیہم فلما راو الجمع ولوا فاخذوا منہم احد عشر رجلا و وجدوا فی المحلۃ احدی عشرۃ امراۃ وثلاثین صبیا فقدم منہم عشرۃ من رؤسائہم منہم عطارد والزبرقان وقیس ابن عاصم والاقرع ابن حابس فجاؤا الی باب النبی صلعم فنادوا یا محمد اخرج الینا فخرج صلعم واقام بلال الصلواۃ و تعلقوا برسول اللہ صلعم یکلمونہ فوقف معہم ثم مضی فصلی الظہر ثم جلس فی صحن المسجد فقدموا عطارد ابن حاجب فتکلم وخطب فامر رسول اللہ صلعم ثابت ابن قیس بن شماس فاجابہم ونزل فیہم ان الذین ینادونک من وراء الحجرات الایۃ ورد علیہم صلعم الاسری والسبی

اور انصار میں سے نہ تھا پس وہ رات کو چلتے تھے اور دن کو گھات میں بیٹھتے تھے پس ایک جنگل میں بنی تمیم پر ٹوٹ پڑے اور گھس کر اُن کی مویشی کو گھیر لیا جب اُنھوں نے آدمیوں کے غول کو دیکھا تو وہ بھاگ گئے دس آدمی اُن میں سے پکڑے گئے اور اُس جگہ گیارہ عورتیں اور تیس بچے ملے اُس کے بعد اُن میں کے دس سردار جن میں عطارد اور زبرقان اور قیس ابن عاصم اور اقرع بن حابس بھی تھا مدینہ میں آئے اور پیغمبر خدا صلعم کے دروازہ کے پاس جاکر پکارنے لگے کہ اے محمد ہمارے پاس باہر آو آپ اندر سے باہر تشریف لائے اتنے میں بلال نے ظہر کی نماز کی اذان دی اور اُن لوگوں نے رسول خدا صلعم کے دامن کو پکڑلیا اور بات چیت کرنے لگے آپ نے تھوڑی دیر توقف کیا پھر چلے گئے اور ظہر کی نماز پڑھی پھر مسجد کے صحن میں بیٹھے اُن لوگوں نے عطارد ابن حاجب کو پیش کیا اُس نے بات چیت کی اور خطبہ پڑھا پھر رسول خدا صلعم نے ثابت بن قیس بن شماس کو اُنکا جواب دینے کو حکم دیا اور اُنھوں نے اُسکا جواب دیا اُنھی لوگوں کی نسبت یہہ آیت نازل ہوئی کہ جو لوگ تجھکو مکان کے دروازہ کے باہر سے پکارتے ہیں الخ اور رسول خدا صلعم نے اُنکے قیدی مرد اور قیدی عورتیں وبچے سب پھیر دیئے *

سبی اور سبایا کا لفظ عام ہی اُن پر بھی اطلاق کیا جاتا ہی جو قیدی لونڈی و غلام بنالیئے گئے ہوں اور اُن پر بھی بولا جاتا ہی جو قید ہوئے ہوں اصل میں وہ لفظ لڑائی میں جو لوگ پکڑے جاویں اُن کے لیئے موضوع ہوا ہی مگر چونکہ عرب میں ہمیشہ لڑائی کے قیدی لونڈی و غلام بنا لیئے جاتے تھے اِس لیئے سبی سے لڑائی میں پکڑے ہوئے لونڈی و غلام مراد ہونے لگے مگر وہ مطلق لڑائی کے قیدیونکی نسبت بھی مستعمل ہیں *

عتق کا لفظ صرف غلام ہی کے آزاد کرنے پر نہیں بولا جاتا بلکہ نہایت عام معنوں میں اور قیدیوں کے چھوڑ دینے میں بھی مستعمل ہی پس حدیث مذکورہ بالا میں جو لفظ اعتقہا ہی اُس سے یہہ سمجھنا کہ وہ عورت لونڈی تھی ایک بہت بڑی فاحش غلطی ہی *

کشف الغمہ عن جمیع الامہ کی کتاب السیر میں حضرت ابوہریرہ سے ایک حدیث منقول ہی کہ حضرت عایشہ پر ایک بردہ آزاد کرنا تھا جب بنی تمیم کے قیدی آئے تو رسول خدا صلعم نے فرمایا کہ اُنمیں سے آزاد کردے *

عن ابی ہریرۃ قال کان علی عایشۃ رضی اللہ تعالی عنہا عتق رقبۃ فجاء سبی من بنی تمیم فقال النبی صلی اللہ تعالی علیہ و الہ وسلم اعتقی من ہؤلاء الخ

یہہ حدیث محض بے جوڑ اور خلاف اصول اور محض نامعتبر ہی اگر ایسی لغویات پر مسائل مذہب اسلام کی بنیاد ہو تو خدا حافظ ہی *

ایک متعصب مکابر ہمارے اس بیان پر جو اسباب میں کیا گیا ہی یہہ اعتراض کرسکتا ہی کہ بعد فتح مکہ جسقدر غزوات میں قیدی ہوئے اور جنکا ذکر ہمنے اس باب میں کیا وہ سب اہل عرب تھے اور اہل عرب کا لونڈی و غلام بنانا جائز نہ تھا اس لیئے وہ چھوڑے گئے نہ اس وجہہ سے کہ آیۃ من و فدا نازل ہوچکی تھی *

مگر اسکا جواب ہم یہہ دیتے ہیں کہ عرب میں بزمانہ جاہلیت اہل عرب کا لونڈی و غلام بنانا بالکل رایج تھا اور ابتداے زمانہ اسلام میں بھی جبکہ قیدیوں کے باب میں کوئی حکم نہیں آیا تھا اور رسم و رواج عرب کے موافق کام ہوتا تھا قوم عرب کا لونڈی و غلام بنانا ناجائز نہیں سمجھا جاتا تھا اور تمام علماء بالاتفاق اسبات کے مقر ہیں کہ قوم عرب کا لونڈی و غلام بنانا ناجایز نہ تھا پس اس سے بخوبی ظاہر ہوا کہ ان غزوات میں جسقدر قیدی منا و فداء چھوڑے گئے وہ اسی وجہہ سے چھوڑے گئے کہ قیدیوں کی نسبت آیت من و فدا نازل ہوچکی تھی اور اُسکی تعمیل فرض تھی *

واسطے ثبوت اسبات کے کہ قبل نزول آیت من و فدا قوم عرب کا لونڈی و غلام بنانا ناجائز نہیں سمجھا جاتا تھا دو حدیثیں اور قول علماء متقدمین ذیل میں لکھا جاتا ہی — بخاری نے اپنی صحیح میں ایک باب میں لکھا ہی کہ یہہ باب ہی غزوہ بنی المصطلق کا جو خزاعہ کی شاخ ہی اور اسی کا نام غزوہ مریسیع ہی ابن اسحٰق نے کہا کہ یہہ غزوہ سنہ ۶ میں ہوا تھا اور موسی بن عقبہ کا قول ہی کہ سنہ ۴ ہجری میں ہوا تھا اور نعمان بن راشد نے زہری سے روایت کی ہی کہ اسی غزوہ مریسیع میں لوگوں نے حضرت عایشہ پر اتہام کیا تھا *

باب غزوۃ بنی المصطلق من خزاعۃ وہی غزوۃ المریسیع قال ابن اسحق و ذلک سنۃ ست و قال موسی بن عقبۃ سنۃ اربع وقال نعمان بن راشد عن الزہری کان حدیث الافک فی غزوۃ المریسیع

عن ابن محيريز قال دخلت المسجد فرايت ابا سعيد الخدري فجلست اليه فسالته عن العزل قال ابو سعيد خرجنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم في غزوة بني المصطلق فاصبنا سبياً من سبي العرب فاشتهينا النساء واشتدت علينا العزبة واحببنا العزل فاردنا ان نعزل وقلنا نعزل و رسول الله صلى الله عليه و سلم بين اظهرنا قبل ان نسأله فسألناه عن ذلك فقال ما عليكم ان لا تفعلوا ما من نسمة كائنة الى يوم القيمة وهي كائنة

محيريز نے کہا که میں مسجد نبوي میں گیا وهاں ابو سعید خدري کو بیٹها هوا دیکها پهر میں نے عزل کي نسبت اُن سے پوچها اُنهوں نے کہا که هم ایک دفعه رسول خدا صلعم کے ساتهه بني المصطلق کي لڑائي میں گئے تو عرب کي قیدي عورتوں میں سے ایک قیدي عورت میرے هاتهه لگي اور هم عورتوں کے هاتهه آنے کے خواهشمند تهے که عورتوں کے پاس نجانا هم پر بهت سخت تها اور عزل کرنا هم چاهتے تاکه اسکو حمل نرهے پس هم نے عزل کا ارادہ کیا پهر هم نے کہا که باوجود موجود هونے رسول خدا صلعم کے اُن کے بغیر پوچهے هم یهه کام کریں پهر هم نے اس باب میں آں حضرت سے پوچها آپ نے فرمایا تم کو کیا هوا هے جو ایسا کرتے هو جو جان که قیامت تک پیدا هونے والي هے وہ پیدا هوگي *

عن ابن عون قال كتبت الى نافع اسأله عن الدعاء قبل القتال فكتب الي انما كان ذلك في اول الاسلام قد اغار رسول الله صلعم على بني المصطلق و هم غارون و انعامهم تسقى على الماء فقتل مقاتلتهم و سبا سبيهم واصاب يومئذ قال يحيى احسبه قال جويرية اوالبتة بنت الحارث و في رواية قال جويرية بنت الحارث و لم يشك

صحيح مسلم میں یهه حدیث هے که ابن عون نے کہا که میں نے نافع کو لکهه کر پوچها که قبل شروع کرنے لڑائي کے کافرونکو مسلمان هونے کا پیغام دینے کے باب میں کیا حکم هے اُنهوں نے مجهکو لکها که یهه بات ابتداے اسلام میں تهي رسول خدا صلعم نے بني المصطلق پر حمله کیا اور اُن کے مویشي پاني پیتے تهے پهر قتل کیا اُن میں سے لڑنے والوں کو اور قید کیا اُن میں سے قیدیوں کو اور یحیی نے کہا که میں خیال کرتا هوں که سلیم نے جویریه کہا یا البته بنت الحارث کہا که اسي دن هاتهه آئي تهي اور ایک روایت میں هے که اُنهوں نے جویریه بنت الحارث کا نام لیا بغیر کسي شک کے *

قال النووي في شرحه — وفي هذا الحديث جواز استرقاق العرب لان بني المصطلق عرب من خزاعة

نوادي نے اس حدیث کي شرح میں لکها هے که اس حدیث سے عرب کي قوم کا لونڈي و غلام بنانے کا جواز نکلتا هے کیونکه بني مصطلق قوم عرب بني خزاعه

و هذا قول الشافعي في الجديد و هو الصحيح و به قال مالك و جمهور اصحابه و ابوحنيفة والاوزاعي و جمهور العلماء و قال جماعة من العلماء لا يسترقون وهذا قول الشافعي في القديم

کي شاخ هیں اور امام شافعي صاحب بهي اخیر کو اسي بات کے قایل هوئے هیں اور یهي بات صحیح بهي هے اور امام مالک اور تمام اُن کے شاگرد اور امام ابو حنیفه اور اوزاعي اور تمام علماء اسي بات کے قایل هیں اور ایک گروه علماء کا یهه قول هے که وہ لونڈي و غلام نهیں هوسکتے اور یهه قول ابتدا میں امام شافعي صاحب کا تها *

پس ان حدیثوں اور اقوال علماء سے ظاهر هے که قبل نزول آیت من و فدا کے قوم عرب کو لونڈي و غلام بنانا رایج تها پس بعد نزول اس آیت کے جو پیغمبر خدا صلعم نے سب کو احسان رکهه کر یا فدیه لیکر چهوڑ دیا تو اُس کا سبب یهه نه تها که وہ لوگ قوم عرب سے تهے بلکه اسي آیت کے حکم کے مطابق چهوڑا تها *

تمام کام جو رسول خدا صلعم نے کیئے اور تمام احکام جو رسول مقبول نے صادر فرمائے سب کا منشاء غلاموں کي آزادي اور غلامي کا معدوم کرنا تها یهاں تک که غزوه طایف میں عام منادي کردي تهي که جو غلام نکل کر همارے پاس چلا آویگا وہ آزاد هے چنانچه مواهب

ثم نادى مناديه عليه الصلوة والسلام ايما عبد نزل من الحصن وخرج الينا فهو حر

لدنیه میں لکها هے که رسول خدا صلعم کے منادي کرنے والوں نے منادي کي که جو غلام قلعه میں سے نکل کر همارے پاس چلا آویگا وہ آزاد هے پس جو که غلاموں کو ایسي عام منادي سے آزاد کرتا تها وہ آزادوں کے غلام بنانے پر کبهي راضي نه تها — صلى الله عليه و على من احبه و سلک طریقه وسلم مگر افسوس هے که قدیم رسم و رواج کے اُنس نے جو انسان کو غفلت میں ڈالتا هے همارے بزرگوں کو اس طرف غور کرنے سے غافل کردیا مگر اب همکو اُس سے غفلت کرني نهیں چاهیئے اور تقوه کا ڈر اور اُسکا خوف بالکل نکالدینا چاهیئے اِس لیئے که بڑے بزرگ کا قول هے که " راہ طلب میں تفرقه هي دلیل صدق طالب هے " و توکل على الله و هونعم الوکیل *

باب هفتم

اُن حدیثوں اور روایتوں کے بیان میں جنسے لونڈي و غلام بنانے کا عمل رسول خدا صلعم کي نسبت منسوب کیا جاتا هے

تمام علماء اسلام کوئي حکم رسول خدا صلعم کا نسبت جواز استرقاق کے بیان نهیں کرسکتے اور جب اُسکے بیان سے عاجز هوتے هیں

گو کہتے ہیں کہ فعل رسول خدا صلعم کتفارہ انکی حجت ہی اس بات کو ہم بھي تسليم کرتے ہیں اور فعل رسول خدا صلعم کو مثل آپ کے قول کے سر پر اور آنکھوں پر رکھتے ہیں مگر فعل کي تفتيش پر اُسوقت متوجہہ ہوتے ہیں جبکہ قول يا حکم موجود نہو اور اس باب میں حکم قراني فاما منا بعد واما فداء موجود ہی جسمیں کچھہ شبہہ نہیں علاوہ اسکے جو کام رسول خدا صلعم نے کیئے يا آپ کے سامنے ہوئے اور اخير زمانہ نبوي تک نہ اُسکے مطابق کوئي حکم آيا اور نہ اُسکے برخلاف کوئي کام ہوا وہي کام کسي مسئلہ شرعي کي بنياد ہوسکتے ہیں اس معاملہ میں جسمیں ہم بحث کررہے ہیں ہم نے نص صريح قراني کو سند پکڑا ہی اور يہہ ثابت کيا ہی کہ اُسکے بعد فعل رسول خدا صلعم ہميشہ اُسي آيت کے مطابق رہا ہی اور کبھي اُسکے برخلاف نہیں ہوا تو ہمکو اُس حکم کے ماقبل کے فعل رسول خدا صلعم کي تفتيش کرنے کي ضرورت نہیں ہی کیونکہ اُس حکم سے ماقبل کا فعل کیساہي ہو ہر مسئلہ شرعي کي بنياد اُسي حکم صريح پر يا اُس فعل پر جو مابعد اُسکے ہوا ہی قايم ہوگي اور يہہ اصول کچھہ ہمارا مقرر کيا ہوا نہیں ہی بلکہ تمام اهل اسلام اور علماء دين اور ائمہ مجتہدين کا اصول ہی ليکن باين ہمہ ہم اُن حديثوں اور روايتوں کا بھي ذکر کرینگے جنمیں لونڈي و غلام بنانے کا فعل جناب رسول خدا صلعم کي نسبت قبل نزول آيت اما منا بعد واما فداء کے منسوب کيا جاتا ہی اور جو لطيف لطيف نکتے اُنمیں ہیں اُنکو بھي بغير بيان کيئے نہیں چھوڑينگے *

روايات متعلق غزوہ يہود بني قريظہ

سب سے برا واقعہ جس سے اساری کو لونڈي و غلام بنانا فعل رسول خدا صلعم کا کہا جاتا ہی وہ غزوہ بني قريظہ ہی مگر يہہ غزوہ قبل فتح مکہ و قبل نزول آيت حريت واقع ہوا ہی *

بالشبہہ يہہ حديث جو بخاري و مسلم میں ہی کہ ابن عمر نے کہا کہ بني نضير اور بني قريظہ دونوں سے لڑائي ہوئي بني نضير کو رسول خدا صلعم نے جلا وطن کرديا اور بني قريظہ کو احسان رکھکر بسا رکھا يہاں تک کہ بني قريظہ نے پھر لڑائي کي تب اُن کے مردوں کو مار ڈالا اور اُنکي عورتيں اور بچے اور مال مسلمانوں میں بانٹ ديا مگر بعض لوگ جو رسول خدا صلعم پاس چلے آئے تھے وہ اُس سے رہے اور مسلمان ہوگئے اور مدينہ کے تمام يہودي بني قينقاع جو عبداللہ [illegible] قوم تھے اور يہود بني حارثہ اور تمام مدينہ کے يہوديوں کو [illegible] کرديا *

عن ابن عمر قال حاربت النضير و قريظة فاجلى بني النضير واقر قريظة و من عليهم حتى حاربت قريظة فقتل رجالهم و قسم نساءهم واولادهم و اموالهم بين المسلمين الا بعضهم لحقوا بالنبي صلى الله عليه وسلم فامنهم و اسلموا واجلى يهود المدينة كلهم بني قينقاع و هم رهط عبدالله بن سلام و يهود بني حارثة و كل يهود بالمدينة

اس حديث سے البتہ اساري کا لونڈي و غلام بنانا پايا جاتا ہی [illegible]

سيرت ہشامي میں جو اسقدر روايت اَور زايد لکھي ہی کہ رسول خدا صلعم نے سعد بن زيد انصاري اخا بني عبد الاشہل کو بني قريظہ کے قيديوں میں سے کچھہ قيديوں کے ساتھہ نجد کو بھيجا اور اُن قيديوں کے بدلے گھوڑے اور ہتيار خريدے گئے اگر صحيح ہو تو اُن قيديوں کو لونڈي و غلام تصور کرنے کي اور بھي زيادہ وضاحت ہوجاتي ہی مگر اس روايت سے ہمارا کچھہ حرج نہیں ہی پس اولے کہ آيت من و فدا کے نازل ہونے سے قبل کا يہہ واقعہ ہی دوسرا نکتہ باريک اسمیں يہہ ہی کہ جو کچھہ معاملہ اساري بني قريظہ کے ساتھہ کيا گيا وہ خدا کے حکم بموجب نہیں کيا گيا تھا بلکہ موافق رسم و عادت عرب کے جو اُس زمانہ میں تھي سعد ابن معاذ حکم قرار ديئے گئے تھے اور يہہ ٹھہرا تھا کہ نسبت بني قريظہ کے جو لڑائي میں قيد نہیں ہوئے تھے بلکہ خود اُنھوں نے اپنے تئیں سپرد کرديا تھا جو فيصلہ سعد ابن معاذ کرديں اور جو حکم وہ ديں وہ کيا جاوے پس جو کچھہ اُنکے ساتھہ ہوا وہ حکم سعد ابن معاذ کا تھا نہ حکم خدا کا چنانچہ اس حديث کو معہ بحث متعلق اُسکے ہم اوپر بيان کرچکے ہیں *

ثم بعث رسول الله صلعم سعد بن زيد الانصاري اخا بني عبد الاشهل بسبايا من سبايا بني قريظة الى نجد فابتاع لهم بهم خيلا و سلاحا

روايات متعلق غزوہ بني فزارہ

صحيح مسلم میں يہہ حديث ہی کہ اياس ابن سلمہ نے کہا کہ ميرے باپ نے مجھسے يہہ بات کہي کہ ہم بني فزارہ سے لڑنے کو چلے اور رسول خدا صلعم نے ابو بکر کو ہم پر سردار کيا تھا پس جب کہ رہا ہم سے اور پاني سے تھوڑا فاصلہ حکم ديا ہمکو ابو بکر نے ٹھہر جانے کا پس ٹھہرے رہے ہم رات کو اور پھر متفرق ہوا چار طرف سے اور پاني پر آگئے پس جو مقابل ہوا اُسکو قتل کر ڈالا اور کچھہ

قال (اى اياس ابن سلمة) حدثني ابي قال غزونا فزارة و علينا ابو بكر امره رسول الله صلى الله عليه و سلم علينا فلما كان بيننا و بين الماء ساعة امرنا ابو بكر فعرسنا ثم شن الغارة فورد الماء فقتل من قتل عليه و سبا و انظر الى عنق من الناس فيهم الذراري فخشيت ان يسبقوني الى الجبل فرميت بسهم بينهم و بين الجبل فلما راوا السهم و قفوا فجئت بهم اسوقهم و فيهم امراة من بني فزارة عليها قشع من ادم قال القشع

النفع معها ابنة لها من احسن العرب فنقلتهم حتى اتيت بهم ابا بكر فنفلني ابو بكر ابنتها فقدمنا المدينة و ما كشفت لها ثوبا فلقيني رسول الله صلى الله عليه و سلم في السوق فقال يا سلمة هب لي المرأة فقلت يا رسول الله لقد اعجبتني و ما كشفت لا ثوبا ثم لا لقيني رسول الله صلى الله عليه و سلم من الغد في السوق فقال يا سلمة هب لي المراة لله ابوک فقلت هي لک يا رسول الله فو الله ما كشفت لها ثوبا فبعث بها رسول الله صلى الله عليه و سلم الى اهل مكة ففدا بها ناساً من المسلمين

لوگوں کو قيد کيا اور ايک جماعت ميں نے ديکهي که اسميں بچے اور عورتيں تهيں پس مجهکو انديشه هوا که يهه مجهکو پهاڑ پر نه چڑه جاويں چنانچه ميں نے ايک تير پهينکا که وه اُن کے اور پهاڑ کے درميان ميں گرا جب اُنهوں نے تير ديکها تو وه کهڑے هوگئے اسي عرصه ميں ميںنے اُن کو جا ليا اور اُن کو اِس طرف پهيرا اور اُس جماعت ميں ايک عورت قوم بني فزاره سے تهي اور وه ايک چادر چمڑے کي اوڑهے تهي اور اُسکے ساتهه ايک اُسکي بيٹي تهي نهايت خوبصورت پس سب کو گهير کرميں حضرت ابوبکر کے پاس لے آيا حضرت ابو بکر نے اُس لڑکي کو مجهے ديديا اُسکے بعد هم سب مدينه منوره کو چلے آئے اور ميں نے اُس لڑکي کا کپڑا تک نهيں کهولا تها (کپڑا نه کهولنا اشاره هي جماع نکرنے کي طرف) اتفاقاً مدينه کے بازار ميں مجهکو حضرت رسول خدا ملے اور ارشاد فرمايا که اي سلمه وه عورت تو مجهکو بخشدے پس ميں نے کها که يا رسول الله وه عورت تو مجهکو نهايت پياري لگتي هي حالانکه ميں نے ابهي تک اُسکا کپڑا بهي نهيں کهولا پهر دوباره ملے مجهکو رسول خدا دوسرے دن بازار هي ميں اور پهر فرمايا که اي سلمه بخشدے تو مجهکو وه عورت تو ميںنے جواب ديا که لے ليں آپ يا رسول الله اور قسم هي خدا کي که ميں نے ابهي تک اُسکا کپڑا بهي نهيں کهولا پس آنحضرت نے اُسے ليکر مکه کو بهيجديا اور اهل مکه نے اُس کے عوض ميں بهت سے مسلمانوں کو جو کفار کي قيد ميں تهے چهوڑ ديا *

اِس حديث سے بهي بلاشبهه مطلع هونا رسول خدا صلى الله عليه وسلم کا اصحاب سے نه اساري بني فزاره لونڈي و غلام بنائے گئے ثابت هوتا هي مگر خود اس حديث سے ظاهر هي که يهه واقعه فتح مکه و قبل نزول آيت حريت واقع هوا تها اور اسلئے همارے استنباط ميں کچهه نقصان نهيں ڈالتا *

روايات متعلق غزوه بني المصطلق

يهه غزوه بهي سنه ۵ يا سنه ۶ هجري ميں قبل فتح مکه و قبل نزول آيت من و فدا هوا تها اور اس لئے جوکچهه که اس غزوه ميں هوا هو همارے استدلال کا ناقض نهيں هوسکتا معهذا زياده تفصيل اِس غزوه کے اساري کي همکو نهيں ملي اور جسقدر ملي هي اُسکو هم جويريه کے حال کے ساتهه بيان کرينگے جو منجمله سباياے غزوه هذا سے تصور هوئي هيں اور اُسيکے ساتهه اُن تمام اختلافات روايات کو بهي جو اِس معامله ميں هيں اور نهايت تعجب انگيز هيں بيان کرينگے *

ذکر آنحضرت صلعم کي سراري کا

مواهب لدنيه ميں لکها هي که کهتے هيں که آنحضرت صلعم کي

قال صاحب المواهب - واما سراريه فقيل انهن اربعة مارية القبطية بنت شمعون بفتح الشين المهملة اهداها له المقوقس القبطي صاحب مصر والاسکندرية واهدى معها اختها سيرين بکسر السين المهملة و سکون المثناة التحتانية و کسر الراء و بالنون اخرها *** و وهب صلعم سيرين لحسان بن ثابت وهي ام عبدالرحمن ابن حسان — ومارية هي ام ابراهيم ابن النبي صلعم و ماتت مارية في خلافة عمر رضي الله عنه سنة ست عشر و دفنت بالبقيع — وريحانة بنت شمعون من بني قريظة و قيل من بني النضير والاول اظهر وماتت قبل وفاته عليه السلام مرجعه من حجة الوداع سنة عشر و دفنت بالبقيع وکان عليها السلام وطيها بملک اليمين و قيل اعتقها وتزوجها ولم يذکر ابن الاثير غيرها — والاخرى وهبت لها زينب بنت جحش — الرابعة اصابها في بعض السبي

چار حرميں تهيں ماريه قبطيه بيٹي شمعون کي اُسکو مقوقس مصر اور اسکندريه کے بادشاه نے بطور تحفه کے آنحضرت صلعم کو بهيجا تها اور اُس کے ساتهه سيرين اُسکی بهن بهي بهيجي تهي آں حضرت صلعم نے سيرين کو حسان ابن ثابت کو ديديا تها اور اُسي سے عبدالرحمن ابن حسان پيدا هوئے تهے اور ماريه حضرت ابراهيم بيٹے پيغمبر خدا صلعم کي ماں هيں حضرت عمر کي خلافت ميں سنه ۱۶ هجري ميں اُنکا انتقال هوا اور بقيع ميں مدفون هوئيں — اور ريحانه بنت شمعون تهيں بني قريظه ميں کي اور بعضوں نے کها که بني نضير ميں کي اور پهلي بات ٹهيک هي اُنکا انتقال قبل وفات پيغمبر خدا صلعم کے هوگيا جبکه آپ سنه ۱۰ هجري ميں حجة الوداع سے واپس تشريف لائے اور پيغمبر خدا صلعم بطور حرم کے اُنکو تصرف ميں لائے تهے اور بعضے کهتے هيں که اُنکو ازاد کرديا تها اور پهر اُن سے نکاح کيا تها اور ابن اثير نے اس کے سوا اور کوئي روايت نهيں لکهي — اور ايک اور تهيں جن کو زينب بنت جحش نے هبه کيا تها — اور چوتهي بهي تهيں جو کسي لڑائي کے قيديوں ميں سے آپ کے ساتهه آئي تهيں *

اب هم ان چاروں کا جنکو رسول خدا صلعم کي حرميں بيان کيا گيا هي جدا جدا حال لکهتے هيں — ماريه قبطيه کے بطور تحفه آنے

ابطال غلامي

رہیں اور نیز رسول خدا صلعم کے تصرف میں آنے میں اور اُن سے حضرت ابراہیم کے پیدا ہونے میں کچھہ شبہہ نہیں ہی مگر شبہہ اس بات میں ہی کہ آن حضرت صلعم کا اُن کو تصرف میں لانا جواز استرقاق کي دلیل ہوسکتي ہی یا نہیں ہم کہتے ہیں کہ نہیں ہوسکتي اس لیئے کہ قرآن مجید یا حدیث نبوي میں گو حکم و علت اور سبب طاري ہونے رقیت کا کسي جگہہ مذکور نہیں ہی اور ہمکو قرآن مجید سے یہہ بات ثابت ہوتي ہی کہ بعد شروع زمانہ اسلام بھي جب تک احکام ازدواج نازل نہیں ہوئے تھے تمام ازدواج موافق رسم عرب کے جو اُس زمانہ میں جاري تھے ہوتے تھے نہ اُن رشتوں کا جو بعد کو حرام ہوئے خیال تھا اور نہ اُس تعداد کا جو بعد کو قرار پائي اور نہ اُس شرط اہم عدل کا جو تعدد ازواج کے لیئے مقرر ہوئي جس سے حقیقتاً معدومیت تعدد ازواج لازم آتي ہی معلوم ہوتا ہی کہ جناب رسول خدا صلعم کي نسبت بھي کوئي احکام خاص اسباب میں نہ تھے اِسلیئے ازدواج اور نیز سراري کا تصرف موافق اسي رسم عرب کے ہوا تھا جو محض بے عیب و بے گناہ تھا بعد اس کے رسول خدا صلم کي نسبت درباب ازدواج احکام صادر ہوئے اور وہ حکم یہہ تھے کہ جسقدر ازواج و سراري تمھارے تصرف میں آ چکیں اُن کو تو ہم حلال رکھتے ہیں مگر اب کوئي عورت مت کرو پس اِس حکم سے صاف پایا جاتا ہی کہ واقعات سابق سب بموجب رسم مروجہ عرب ہوئے تھے چنانچہہ وہ آیتیں جن پر ہمنے استدلال کیا یہہ ہیں *

اللہ تعالی سورہ احزاب میں فرماتا ہی کہ اى نبي ہم نے حلال کیں تیرے لیئے تیري جوروئیں جنکا مہر تو دے چکا ہی اور جو تیرے ہاتھوں کے ملک ہوچکي ہیں اُن میں سے جنکو اللہ تعالی نے تجھکو دیا ہی — اور یہہ بي بي جنکي نسبت خدا نے فرمایا و ماملکت یمنک مما افاء اللہ علیک — صرف حضرت ماریہ قبطیہ ہیں *

قولہ تعالی یا ایہا النبي انا احللنا لک ازواجک اللاتي اتیت اجورہن وما ملکت یمینک مما افاء اللہ علیک

اللہ تعالی نے اِسي سورہ میں اُس پہلي آیت کے بعد اپنے نبي کو یہہ حکم دیا کہ نہیں حلال ہیں تجھکو عورتیں اِس کے بعد اور نہ یہہ کہ ان جوروؤں کے بدلے اور جوروئیں کرے اگرچہ اُن کا حسن تجھکو اچھا لگتا ہو *

قولہ تعالی — و لا یحل لک النساء من بعد و لا ان تبدل بہن من ازواج و لو اعجبک حسنہن الا ماملکت یمینک

اِس آیت میں جو لفظ نساء کا تھا جسکے معني عورتوں کے ہیں ایسا عام تھا جس سے ما ملکت یمینک سے ھي حکم امتناعي متعلق ہوتا تھا اِس لیئے خدا تعالی نے اُس کو مستثنی فرمایا اور وہ جو مستثنی ہوئیں صرف حضرت ماریہ قبطیہ تھیں *

اب کہ ان آیتوں سے یہہ بات ثابت ہوئي کہ یہہ واقعات موافق رسم زمانہ عرب ہوئے تھے اور بعد وقوع بالتخصیص جائز رکھے گئے تھے اِس لیئے آیندہ کے استرقاق کي دلیل نہیں ہوسکتے خصوصاً جب کہ قلبہ و استیلا جو نذر و ہدیہ میں بھي متحقق ہوتا ہی باعث رقیت نہیں رہا *

ریحانہ کا یہہ حال ہی کہ وہ یہود بني قریظہ میں کي ایک عورت تھیں اور قبل نزول آیت من و فدا کے تمام سبایاے بني قریظہ لونڈي و غلام بنا لیئے گئے تھے جسکا حال ہم اوپر بیان کرچکے اور یہہ بھي بیان کرچکے کہ دلیل استرقاق نہیں ہوسکتا اور نیز قبل نزول آیت حریت تھا معہذا ہمکو اس بات سے کہ وہ بطور حرم تصرف رسول خدا صلعم میں آئي تھیں یا آزاد کرنے کے بعد اُنسے نکاح کیا تھا بالکل انکار ہی — کسي معتبر حدیث میں انمیں سے کسي بات کا ذکر نہیں ہی بلکہ سیرت ہشامي میں جو روایت مندرج ہی اُس سے ان دونوں باتوں کا غلط ہونا پایا جاتا ہی چنانچہہ اُسمیں لکھا ہی کہ رسول خدا صلعم

قال و کان رسول اللہ صلعم قد اصطفی لنفسہ ریحانۃ بنت عمرو بن جنافۃ احدے نساء بني عمرو بن قریظہ فکانت عند رسول اللہ صلعم حتی توفي عنہا وھي في ملکہ و قد کان رسول اللہ صلعم عرض علیہا ان یتزوجہا ویضرب علیہا الحجاب فقالت یا رسول اللہ بل تترکني في ملکک فہو اخف علي و علیک فترکہا

نے اسارے بني قریظہ سے ریحانہ بنت عمر ابن جنافہ کو جو ایک عورت بني عمر بن قریظہ میں سے تھیں اپنے لیئے چن لیا تھا (قیدي اُس لڑائي کے تقسیم ہوئے تھے شاید آپ نے اُنکو چن لیا ہو) پس وہ رسول خدا صلعم کے پاس رہیں یہاں تک کہ حضرت نے اُنکو چھوڑ کر انتقال فرمایا اور وہ حضرت ہي کي ملک میں تھیں اور رسول خدا صلعم نے ریحانہ سے یہہ بات کہي تھي کہ میں تم سے نکاح کرلوں اور پردے میں بٹھاؤں ریحانہ نے کہا کہ نہیں یا رسول اللہ مجھکو یوں ہي اپني لونڈي رہنے دو کہ یہہ بات مجھہ پر بھي آسان ہی اور آپ پر بھي آسان ہی پس رسول خدا صلعم نے اُنکو اُسي طرح چھوڑ دیا *

اب ہم پوچھتے ہیں کہ اگر رسول خدا صلعم اُنکو اپنے تصرف میں لاچکے تھے تو اُن سے پیغام نکاح کرنے اور اُن کے انکار کرنے

بمقام علیگڑہ — مطبع علیگڑہ انسٹیٹیوٹ میں چھپا اور باھتمام
حافظ محمد عبدالرزاق کے شایع ہوا

THE MOHAMMEDAN SOCIAL REFORMER

تہذیب الاخلاق

جلد دوم] یکم شوال المکرم سنہ ۱۲۸۸ ہجری [نمبر ۱۷

تتمہ مضمون نمبر ۵۲

کي کچھہ وجہہ معقول نہ تھي پس اسي روايت سے ظاھر ھوتا ھی کہ اُن پر رسول خدا صلعم نے کچھہ تصرف نہيں کيا تھا مورخين نے اپني طبيعت پر قياس کرکر صرف اس بد گماني سے کہ جب رسول خدا صلعم نے اُنکو بطور لونڈي کے رکھا تھا تو ضرور تصرف بھي کيا ھوگا يہہ بات لکھدي " وطيها بملك اليمين " حالانکہ اسکا کچھہ ثبوت نہيں — واہ کيا معتقدين رسول کے ھيں کہ جو برائياں اُنميں ھيں وہ سب پيغمبر کي نسبت بھي قياس کرتے ھيں اور جب ھم اُن سے مخالفت کرتے ھيں اور کہتے ھيں کہ ايسي بدگماني پيغمبر سے مت کرو تو ھمارے زمانہ کي لمبي ڈاڑھي اور اونچے پيجامہ والے ھمکو غير مقلد ايمۂ اربع اور کافر اور ملحد بتاتے ھيں اور ھم اپني اس فکر کو اُن کے ايمان سے بہت اچھا سمجھتے ھيں — لوکان الكفر حب النبي محمد فاني اشهد بالله اني كافر *

تيسري بے نام حرم جسکي نسبت لکھا ھی کہ وھبت زينب بنت جحش اسکا کچھہ پتہ نہيں ھی نہ نام نشان ھی نہ کچھہ ثبوت ھی اور يہہ عام قاعدہ مقلدين کا ھی کہ بےدھڑک اور بلاسند جو بات چاھتے ھيں رسول کي طرف منسوب کرديتے ھيں اور جو اتہام چاھتے ھيں آنحضرت صلعم پر لگا ديتے ھيں گو يہہ اتہام عمداً نہو اور اسليئے جہنم ميں نجائيں مگر اسميں کچھہ ثواب بھي نہيں پانے کے *

چوتھي بے نام حرم کا بھي يہي حال ھی جس کي نسبت لکھا ھی کہ " اصابها في بعض السبي " اگرچہ اس فرضي حرم کا بھي کہيں پتا نملتا تھا مگر ھم نے اسبات کا کھوج لگايا کہ رسول خدا صلعم کي جناب پر اِن اتہام کرنے والوں کو موقع اتہام کيونکر ھات آيا بہت غور کرنے کے بعد غزوہ بني فزارہ کا حال ھمکو ملا جس ميں ايک خوبصورت لڑکي بني فزارہ کي قبل نزول آيت حريت سلمہ کے ھاتھہ آئي تھي اور جناب رسول خدا صلعم نے باصرار اُس کو سلمہ سے مانگ ليا تھا اِن بے ادب مقلدين نے اُسکو بھي حرم آنحضرت صلعم ميں خيال کرليا حالانکہ آنحضرت صلعم نے اُسکو ليکر مکہ ميں اُس کے کنبہ کے پاس بھيجديا تھا اور اُس کے بدلے مسلمان قيدي چھوڑا ليئے تھے چنانچہ اس واقعہ کي حديث صحيح مسلم سے ھم ابھي لکھہ چکے ھيں *

ذکر آنحضرت صلعم کي بعض ازواج مطہرات کا

حضرت جويريہ بنت الحارث آنحضرت صلعم کي ازواج مطہرات ميں سے ھيں اُن کا بھي کچھہ ذکر اس مقام پر لکھنا ضرور ھی — اُن کے ازدواج کي نسبت اسقدر مختلف روايتيں ھيں کہ اُنکو ديکھکر

ابطال غلامي

تعجب معلوم ہوتا ہی — صحیح مسلم کي ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہی کہ حضرت جویریہ قبل ہجرت مکہ میں حضرت فاطمہ علیہاالسلام کے پاس تھیں اور کافر جو نماز پڑھتے میں آنحضرت صلعم کو ستاتے تھے اُس میں آنحضرت کي مدد کرتي تھیں جس سے اُن کے اسلام پر استدلال ہوسکتا ہی — پھر اُسي صحیح مسلم کي دوسري حدیث میں ہی کہ اُنکو بني مصطلق کے غزوہ میں جناب رسول خدا صلعم نے بطور لونڈي کے قیدي کیا — پھر ایک روایت میں آیا ہی کہ رسول خدا صلعم نے فدیہ لیکر اُن کو چھوڑ دیا پھر وہ مسلمان ہوگئیں اور رسول خدا صلعم نے اُن سے نکاح کیا — ایک روایت میں ہی کہ ثابت ابن قیس کي قید میں پڑیں اور اُنہوں نے لونڈي بنایا پھر رسول خدا صلعم نے اُنکو ثابت سے مول لیا پھر آزاد کیا پھر نکاح کیا — ایک روایت میں ہی کہ ثابت نے اُنکو مکاتب کیا وہ رسول خدا صلعم پاس گئیں اور مدد چاہي آنحضرت نے کتابت کو ادا کیا اور نکاح کرلیا چنانچہ یہہ سب پریشان روایتیں اسمقام پر لکھي جاتي ہیں *

صحیح مسلم میں ابن مسعود سے یہہ حدیث ہی کہ ایک دفعہ

عن ابن مسعود قال بینما رسول الله صلی الله علیه و سلم یصلي عندالبیت و ابوجهل و اصحاب له جلوس و قد نحرت جزور بالامس فقال ابوجهل ایکم یقوم الی سلا جزور بني فلان فیاخذه فیضعه في کتفي محمد اذا سجد فانبعث اشقي القوم فاخذه فلما سجدالنبي صلی الله علیه و سلم وضعه بین کتفیه قال فاستضحکوا وجعل بعضهم یمیل الی بعض و انا قایم انظر لوکانت لي منعة طرحته عن ظهر رسول الله صلی الله علیه و سلم والنبي صلی الله علیه و سلم ساجد مایرفع راسه حتی انطلق انسان فاخبر فاطمة فجاءت هي و جویریة فطرحته عنه

رسول خدا صلی الله علیه و سلم نزدیک خانہ کعبہ کے نماز پڑھتے تھے اور ابو جہل اپنے یاروں میں بیٹھا ہوا دیکھہ رہا تھا اور وہاں اونٹ ذبح ہوئے تھے کہ ابوجہل نے اپنے یاروں سے کہا کہ بہلا کون ایسا شخص ہی جو اُٹھہ کر اونٹ کي اوجھڑي وغیرہ آنحضرت کے دونوں شانوں کے درمیان میں رکھدے جبکہ آنحضرت سجدہ میں جاویں پس ایک بڑا شقي اُٹھا اور جب آں حضرت سجدہ میں گئے تو اُس نے وہ اُوجھڑي آپ کے دونوں شانوں کے درمیان میں رکھدي اور پھر سب کے سب ہنسے اور ایک دوسرے کو اشارہ کرنے لگا اور عبداللہ ابن مسعود کہتے ہیں کہ میں کھڑا ہوا دیکھتا تھا اگر مجھکو مجال ہوتي تو میں اُس کو پھینک دیتا پس آں حضرت سجدہ میں ٹھہرے رہے آپ نے سر نہ اُٹھایا یہاں تک کہ ایک شخص نے حضرت فاطمہ کو خبر دي جب حضرت فاطمہ اور جویریہ نے آکر اُسکو پھینکا *

یہہ دوسري حدیث بھي صحیح مسلم میں ہی کہ حملہ کیا رسول

قد اغار رسول الله صلی الله علیه و سلم علی بني المصطلق وهم غارون و انعامهم تسقی علی الماء فقتل مقاتلتهم و سبا سبیهم واصاب یومئذ قال احسبه جویریة اوالبتة ابنت بنت الحارث و في روایة جویریة بنت الحارث ولم یشک

خدا صلی الله علیه و سلم نے اُوپر قوم بني مصطلق کے اُس حالت میں کہ وہ متفرق تھے اور اُن کے جانور وغیرہ پاني پیتے تھے پس قتل کیا آپ نے مقاتلہ کرنے والوں کو اور قید کیا قیدیوں کو اور اُسي روز ہاتھہ آئي کہا راوي نے گمان کرتا ہوں میں کہ کہا جویریہ یا کہا یقیناً بنت حارث اور ایک روایت میں کہا جویریہ بیٹي بنت حارث اور اس میں کچھہ شبہہ نہیں کیا *

اور سیرت ہشامي میں یہہ روایت لکھي ہی کہ ابن

قال ابن هشام و یقال لما انصرف رسول الله صلعم من غزوة بني المصطلق و معه جویریة بنت الحارث وکان بذات الجیش دفع جویریة الی رجل من الانصار و دیعة و امره بالاحتفاظ بها و قدم رسول الله صلعم المدینة فاقبل ابوها الحارث بن ابي ضرار بفداء ابنته فلما کان بالعقیق نظر الی الابل التي جاء بها للفداء فرغب في بعیرین منها فغیبهما في شعب من شعاب العقیق ثم اتی النبي صلعم فقال یا محمد اصبتم ابنتي و هذا فداؤها فقال رسول الله صلعم فاین البعیران اللذان غیبت بالعقیق في شعب کذا وکذا فقال الحارث اشهد ان لااله الاالله و انک رسول الله فوالله ما اطلع علی ذلک الاالله فاسلم الحارث و اسلم معه ابنان له و ناس من قومه وارسل الی البعیرین فجاء بهما فدفع الابل الی النبي صلعم ودفعت الیه ابنته جویریة فاسلمت و حسن اسلامها و خطبها رسول الله صلعم الی ابیها فزوجه ایاها و اصدقها اربعماة درهم وکانت قبل رسول الله صلعم عند ابن عم لها یقال له عبدالله

ہشام سے روایت ہی کہ جب آں حضرت بني المصطلق کے غزوہ سے لوٹے تو آپ کے ساتھہ جویریہ بنت الحارث بھي تھیں پس لشکر میں ایک انصاري شخص کے پاس بطور امانت اُس جویریہ کو بھیجدیا اور اُس کي حفاظت کي تاکید کي اور آں حضرت مدینہ منورہ کو تشریف لے آئے پس اُس جویریہ کا باپ حارث بن ضرار اپني بیٹي کا فدیہ لیکر آیا پس جبکہ عقیق کے قریب آیا تو جو اُونٹ فدیہ کے لیئے لایا تھا اُن میں سے دو اونٹوں کو لالچ سے چھپا آیا اور آں حضرت کے پاس آکر کہا کہ اے محمد صلی الله علیه و سلم آپ کے ہاتھہ میري بیٹي لگ گئي پس یہہ اُونٹ اُس کے بدلے کے ہیں آں حضرت نے فرمایا کہ وہ دونوں اُونٹ کہاں ہیں جن کو تو عقیق کي گھاٹیوں میں چھپا آیا ہی اور آں حضرت نے ٹھیک ٹھیک اُن کا پتا دیا اُس وقت حارث نے کہا اشهد ان لااله الاالله و انک رسول الله قسم اللہ کي نہیں اطلاع دي تجھکو اُونٹوں کے حال کي مگر خدا نے

نے پس حارث مسلمان هوا اور أس کے ساتهه أس کے دو بیٹے مسلمان هوئے اور بهت سے آدمي أس کي قوم کے مسلمان هوئے اور ایک آدمي کو بهیج کر أسنے وه دونوں اونٹ منگالیئے اور آنحضرت کو دیدیئے آنحضرت نے أسکي بیٹي أس کے حواله کي جس کا نام جویریه تها پس وه مسلمان هوگئي اور بهت پکي مسلمان هوئي پس آں حضرت نے اسکو نکاح کا پیام دیا پس أس کے باپ نے أسکا نکاح آنحضرت کے ساتهه کردیا اور چارسو درهم أس کا مهر هوا اور آنحضرت کے نکاح سے پہلے بهي جویریه اپنے چچا کے بیٹے عبدالله کے نکاح میں تهي *

یهي قصه بعینه استیعاب میں به تحت بیان حال حارث بن ابي ضرار پدر جویریه کے لکها هی اور به تحت بیان حال عبدالله بن حارث کے بهي یهي قصه هی مگر کچهه خفیف سا اختلاف هی *

مگر خود جویریه کي نسبت جو روایتیں هیں وه کیسي مختلف هیں سیرت هشامي میں لکها

قال ابن هشام و يقال اشتراها رسول الله من ثابت ابن قيس فاعتقها وتزوجها واصدقها اربعماية درهم

هی که یهه بات کهي گئي هی که رسول خدا صلعم نے أن کو ثابت بن قیس سے مول لیا پهر آزاد کردیا اور أنسے نکاح کیا اور چارسو درهم أنکا مهر باندها *

اور استیعاب میں اور هي کچهه لکها هی أسکا مختصر سیرت

في الاستيعاب في ترجمة جويرية زوج النبي صلعم — سباها رسول الله صلعم يوم المريسيع في سنة خمس و قيل في سنة ست و لم يختلفوا انها اصابها في ذلك الغزوة وكانت قبله تحت مسافع بن صفوان المصطلقي وكانت قد وقعت في سهم ثابت بن قيس بن شماس و ابن عم له وكاتبه على نفسها و كانت امراة جميلة قالت عايشة كانت جويرية عليها حلاوة و ملاحة ولايكاد يراها احد الا وقعت بنفسه قالت فاتت رسول الله تستعينه على كتابتها قالت فوالله ماهو الا ان رايتها على باب الحجرة فكرهتها و عرفت انه سيرى منها مثل الذي رايت فقالت يا رسول الله انا جويرية بنت الحارث بن ابي ضرار سيد قومه و قد اصابني من الامر مالم يخف عليك فوقعت في السهم لثابت بن قيس و ابن عم له فكاتبته على نفسي فجئتك استعينك فقال لها هل لك في خير من ذلك قالت و ماهو يا رسول الله قال اقضي كتابتك واتزوجك قالت نعم قال قد فعلت و خرج الخبر الى الناس ان رسول الله صلى الله عليه و سلم تزوج جويرية بنت الحارث فقال الناس صهر رسول الله صلعم فارسلوا ما في ايديهم من سبايا بني المصطلق قالت عايشة فلانعلم امراة كانت اعظم بركة على قومها منها وكان اسمها برة فغير رسول الله صلعم اسمها و سماها جويرية وتوفيت في ربيع الاول سنة ست و خمسين

هشامي میں بهي موجود هی مگر اسمقام پر هم استیعاب کي روایت جو مفصل هی لکهتے هیں استیعاب میں بیچ حال جویریه بي بي رسول خدا کے لکها هی که آں حضرت نے أن کو یوم مریسیع سنه ٥ هجري میں اور بعض نے کہا هی که سنه ٦ هجري میں قید کیا تها مگر اس میں کسیکا اختلاف نہیں هی که یهه اسي غزوه میں هاتهه لگي تهي اور اس سے پہلے یهه مسافع ابن صفوان کے نکاح میں تهي اور ثابت بن قیس بن شماس اور أسکے چچاکے بیٹے کے حصه میں آئي تهي اور أسنے أسکو مکاتب کردیا تها اور یهه جویریه ایک خوبصورت عورت تهي حضرت عایشه نے فرمایا هی که جویریه ایسي عورت تهي که اسمیں ایک قسم کي ملاحت اور حلاوت دونوں باتیں تهیں اور جو شخص أس کو دیکهتا تها أس کے دل میں وه کهب جاتي تهي پس وه آں حضرت کے پاس اس لیئے آئي که آپ أس کي خلاصي میں کچهه اعانت فرماویں حضرت عایشه فرماتي هیں که وه آنحضرت کے حجره کے دروازه پر جا کهڑي هوئي پس مجهکو ناگوار گذرا اور میںنے جان لیا که جو بات اسمیں میںنے دیکهي هی وهي وه دیکهینگے پس أس جویریه نےکہا که یا رسول الله میں جویریه بنت حارث هوں اور حارث سیدالقوم هی اور جوکچهه میرے نصیب میں لکها تها وه آپ کومعلوم هي هی اور میں ثابت بن قیس اور أسکے چچا زاد بهائي کے حصه میں آئي هوں پس أس نے مجهکو مکاتب کردیا هی اس لیئے میں آپ کي خدمت میں آئي هوں که آپ میري خلاصي میں معاونت فرماویں آں حضرت نے فرمایا که اگر تجهکو اس سے بهتر بات نصیب هو تو تو راضي هی أسنے کہا که وه کیا هی آنحضرت نے کہا که میں تیرے بدلیکا روپیه دیکر تجهکو چهڑا لوں اور تجهه سے نکاح کرلوں أسنے کہا که مجهے منظور هی پس اسیوقت یهه خبر لوگوں میں مشهور هوگئي که انحضرت نے جویریه بنت حارث سے نکاح کرلیا پس بعض لوگوں نے کہا که انحضرت نے سسر کیا پس جس کسي کے پاس قوم بني المصطلق کے قیدي تهے سب نے چهوڑ دیئے حضرت عایشه فرماتي هیں که پهر میںنے کوئي عورت جویریه سے بڑهکر بابرکت أسکي قوم کي ندیکهي اور اسکا نام بره تها پس آنحضرت نے أسکو بدل کر جویریه رکهدیا اور أس نے سنه ٥٦ میں ربیع الاول کے مهینے میں وفات پائي *

پس یهه تمام روایتیں جو ایسي مختلف هیں اور بعض بے سند هیں اور بعض ایسي بےادبي کي باتیں آنحضرت صلعم کي نسبت منسوب کي هیں جبکه خود أن راویوں کي طینت ثابت کرتي تو بجز أن لوگوں کے جنکي آنکهیں ظلمت تقلید سے کسي چیز کو نہیں دیکهتیں اور کون سچا مسلمان جو درحقیقت رسول صلعم کي محبت کو تمام چیزوں سے اور زید و عمرو کي محبت سے زیاده عزیز سمجهتا هو أسکو تسلیم کریگا اور کیونکر ان واقعات مشتبه کو فعل رسول خدا صلعم قرار دیکر أسپر ایک مسئله عظیم الشان معرکة الآرا کي بنیاد قایم کریگا

نص تمه هم كهتے هيں كه وه جو كچهه هوا قبل نزول آيت من و فدا هوا اور اس ليئے وه واقعات كسي طرح پر هوئے هوں بنياد مسئله استرقاق نهيں هوسكتے *

حضرت صفيه بنت حي ابن اخطب اليهودي اكثر روايتوں ميں هے كه حضرت صفيه خيبر كي لڑائي ميں پكڑي گئيں اور بطور لونڈي كے دحيه الكلبي كے حصه ميں آئيں أن سے مول ليكر رسول خدا صلعم نے أن سے نكاح كيا چنانچه مواهب اور اور كتابوں ميں بهي اسي طرح لكها هے اور مواهب كي عبارت يهه هے كه صفيه بنت حي ابن اخطب يهودي دحيه بن خليفة الكلبي كے حصه ميں آئي تهيں مگر أنكو آنحضرت نے بدلے باروس كے جسكے عدد ميں اختلاف هے خريد ليا اور آزاد كركے نكاح كرليا اور يهه سنه ۷ ميں هوا *

> صفية بنت حي ابن اخطب اليهودي وقعت في سهم دحية بن خليفة الكلبي فاشتراها رسول الله صلعم باروس اختلف في عددها و اعتقها وتزوجها و ذلك سنة سبع

اور سيرت هشامي ميں جو روايت هے اُسميں اختلاف هے أس ميں دحيه سے خريد كرنا نهيں معلوم هوتا چنانچه أسكي عبارت يهه هے كه اور نكاح كيا آنحضرت نے صفيه بنت حي بن اخطب سے اسكو آپ نے قيد ميں پكڑا تها جنگ خيبر ميں پس آنحضرت نے انكو خاص اپنے واسطے پسند كرليا تها اور آپ نے اسكا وليمه كيا تها جسميں نه گوشت تها نه شحم تهي صرف ستو اور چهوهارے تهے *

> وتزوج رسول الله صلعم صفية بنت حي بن اخطب سباها من خيبر فاصطفاها لنفسه واولم رسول الله صلعم وليمة ما فيها شحم ولا لحم وكان سويقا و تمرا

اور ابن شهاب كي روايت ميں هے كه كانت مما افاء الله عليه اور يهه روايت بالكل مخالف روايت خريد كے هے مگر اس سب سے زيادہ بخاري كي حديث هے جس سے يهه بات معلوم هوتي هے كه حضرت صفيه كو كسي نے لونڈي يا ما ملكت ايمانكم ميں سمجها هي نهيں در اصل واقعه اتنا معلوم هوتا هے كه أنكا شوهر كنانه ابن الحقيق خيبر كي لڑائي ميں مارا گيا وه رانڈ رهگئيں أن سے حضرت نے نكاح كرليا راويوں نے أنكو سبايا ميں سمجها اور أسپر قياساً قصے بناديئے چنانچه وه حديث بخاري كي يهه هے *

حميد سے روايت هے انهوں نے انس سے سنا هے كه آنحضرت نے تين شب خيبر اور مدينه كے قيام فرمايا اور وهيں حضرت صفيه سے صحبت كي اور انكے وليمه كے واسطے خود ميں هي مسلمانوں كو بلايا مگر اس وليمه ميں روٹي يا گوشت كچهه نه تها صرف يهه تها كه آنحضرت نے حضرت بلال كو حكم ديا كه تم دسترخوان بچهادو أنهوں نے دسترخوان بچها ديا پس آپ نے أس پر چهوهارے اور اقط (يهه ايك كهانا دهي سے عرب ميں بنتا هے) اور مسكه ركهديا پس مسلمانوں نے كها كه آيا يهه آنحضرت كي بيوي هيں يا كوئي لونڈي هيں لوگوں نے جواب ديا كه اگر آنحضرت أنكو پردہ ميں ليجاويں تو بيوي هيں نهيں تو لونڈي هيں پس جب آپ نے كوچ كيا تو صفيه كو پس پشت بيٹهاكر پردہ كرديا *

> عن حميد انه سمع انسا يقول اقام النبي صلى الله عليه وسلم بين خيبر و المدينة ثلثة ليال يبني عليه بصفية فدعوت المسلمين الى وليمته و ما كان فيها من خبز ولا لحم و ما كان فيها الا ان امر بلالا بالانطاع فبسطت فالقى عليها التمر والاقط والسمن فقال المسلمون احدى امهات المؤمنين او ما ملكت يمينه قالوا ان حجبها فهي احدى امهات المؤمنين فان لم يحجبها فهي مما ملكت يمينه فلما ارتحل وطاء خلفه و مد الحجاب

پس ان مختلف روايتوں سے يهه بات كه درحقيقت كيا واقعه پيش آيا اور فعل جناب رسول خدا صلعم كا كس طرح اور كس سبب سے واقع هوا بخوبي ثابت و متحقق نهيں هوتا اور اسي ليئے يهه واقعات كسي مسئله عظيمه شرعيه كي بنياد نهيں هوسكتے معهذا اگر فرض كيا جاوے كه يهه سب واقعات اسي طرح پر واقع هوئے تهے اور استرقاق اساري عمل ميں آيا تها تو بهي يهه سب واقعات ماقبل نزول آيت من و فدا كے هيں اور اسليئے بنياد مسئله استرقاق اساري نهيں هوسكتے *

روايات متفرقه

بخاري و مسلم ميں ابو هريره سے يهه روايت هے كه ايك شخص نے رسول خدا صلعم كے واسطے ايك غلام بطور هديه بهيجا جسكا نام مدعم تها پس ايك مرتبه وه آنحضرت كا اسباب اتارتا تها كه ناگاه اسكے ايك مقام پر ايك تير آلگا اور اس سے وه مرگيا *

> قال اهدى رجل لرسول الله صلعم غلاما يقال له مدعم يحط رحلا لرسول الله صلى الله عليه وسلم اذ اصابه سهم عاير فقتله الخ

يهه حديث همارے مدعا كے مخالف نهيں هے اسليئے كه ابتداے اسلام ميں جو لوگ غلام تهے وه سب بطور غلام تسليم كيئے گئے تهے *

خاتمه

بعض شبهات كے جواب ميں

اگرچه هماري اِس تحرير سے بخوبي تشفي هوتي هى كه جناب رسُول خدا صلعم نے غلامي كو مذهب اسلام سے معدوم كرديا تها بهي بلاشبهه مسلمانوں كے دل ميں دو شبهے پيدا هونگے — اول — يهه كه بعد رسول خدا صلعم كے خلفاے راشدين رضي الله تعالى عنهم اجمعين كے عهد ميں قيديوں كے كيا معاملرآمد رها اور صحابه اور تابعين كے زمانه ميں جنكي نسبت رسول مقبول صلعم نے فرمايا هى كه خيرالقرون قرني ثم الذين يلونهم ثم الذين يلونهم كيا هوا — دوم — يهه كه تيرهويں صدي ميں تمام اهل قبله پر اجماع امت كے برخلاف يهه مسئله كيونكر تسليم هوسكتا هى *

پهلے شبهه كي تحقيق نهايت سچ اور بالكل صحيح اور مطابق واقع كے يهه هى كه خلفاے راشدين كا انحصار صرف پانچ ميں هى — ابوبكر صديق — عمر فاروق — عثمان غني — علي مرتضي — حسن مجتبي خاتم الخلفاء رضي الله تعالى عنهم اجمعين — اور اُنكا زمانه خلافت صرف تيس برس هى اُسكے بعد زمانه خلافت نهيں هى بلكه عهد دولت ملوک عضوض هى الا ماشاء الله فرض كه اُس زمانه كے بعد كسي شخص پر خليفه نبي اور جانشين پيغمبر كا اطلاق نهيں هوسكتا البته پادشاهان اسلام تهے جنميں سے بهت سوں نے هزاروں ظلم اور هزاروں كام خلاف مذهب اسلام كيئے اور بعضوں نے كچهه كم اور كسيئے بهت زيادة انصاف كيا اور احكام مذهب اسلام كي پيروي كي اور اور حتى المقدور اُن كو بجا لايا پس جسقدر همكو تفتيش هى وہ صرف اُنهي پانچ خليفوں كے زمانه كي هى نه اور كسي عهد كي *

مگر اولا نهايت تهنڈے دل سے اور انصاف سے اور بيهودة اور غلط مذهبي غلو كو ايک لمحه كے ليئے چهوڑ كر يهه بات سمجهني چاهيئے كه جناب رسول خدا صلعم كے يهه فرمانے سے كه خيرالقرون قرني ثم الذين يلونهم ثم الذين يلونهم يهه لازم نهيں آتا كه اُس زمانه كے لوگ معصوم اور بشريت سے مبرا هيں بلكه وہ سب انسان مگر همارے سردار اور پيشوا اور همارے سرتاج تهے اُنكا قول و فعل همارے ليئے هدايت هى مگر نه اِس وجهه سے كه وہ خاص اُن كا قول و فعل هى بلكه اس يقين يا حسن ظن سے كه وہ قول و فعل رسول خدا صلعم كا قول و فعل هى يا هوگا پس تمام اقوال اور افعال صحابه كو واجب العمل سمجهنے كے ليئے يا هم كو يقين كامل هونا چاهيئے كه بلاشبهه يهه قول و فعل رسول مقبول كا هى يا اُس كے ايسا هونے كا هم كو حسن ظن هونا چاهيئے اور حسن ظن اُسي وقت تک باقي رهتا هى جب كه برخلاف اُس كے كوئي ثبوت موجود نهيں هوتا الا جب خلاف اُس كے ثبوت موجود هوا تو اُسيدم حسن ظن ساقط هوگيا — اور يهه خيال كرنا كه اگر هم كسي صحابي كے قول و فعل كي نسبت يهه گمان كريں كه مطابق قول و فعل رسول مقبول كے نه تها تو اُن كي شان كے منقصت اور كمال بےادبي اور همارے ايمان كے نقصان كي بات هى ايک غلط اور بيجا غلو مذهبي هى صحابه هزاروں كام اپني سمجهه اور اپنے اجتهاد سے كرتے تهے اور جب اُس كي غلطي ظاهر هوتي تهي يا كسي دوسرے صحابي سے اُس كے برخلاف قول يا فعل رسول مقبول كا دريافت هوتا تها فيالفور اُس سے رجوع كرتے تهے بهت كثرت سے مسائل هيں كه جن ميں باهم صحابه كے اختلاف رها هى اور اُن دونوں كا صحيح هونا محال هى كبهي كسي صحابي نے اپنے معصوم هونے كا دعوى نهيں كيا پس يهه تمام اوهام بيجا اور غلو مذهبي هى جو خود هم نے اپنے دل سے پيدا كيا هى *

صحابه كي پيروي اُمور مذهبي ميں هم اپني نجات كا باعث سمجهتے هيں مگر همارا فرض هى كه اول هم يهه بات ديكهيں كه رسول مقبول صلعم نے كيا فرمايا هى جب آنحضرت كا قول نملے تو ديكهيں كه صحابه كيا فرماتے هيں جب وہ نه معلوم هو تو ديكهيں كه تابعين كيا كهتے هيں پهر اُس كي صحت و غلطي كا امتحان كركو اُس كو تسليم كريں *

بعينه اس كي ايسي مثال هى كه هم كو احكام مذهبي بجا لانے ميں اول قران مجيد پر عمل كرنا چاهيئے پهر حديث پر پهر قياس منصوص العلت اور اجتهاد پر پهر جب كه هم اسارى كي نسبت نص صريح قران مجيد ميں پاتے هيں اور مزيدے براں ثابت هوتا هى كه روز وفات تک اُسي پر رسول خدا صلعم كا عمل رها هى تو اب هم كو اس بات كي تفتيش كي كه خلفاے راشدين كے زمانه ميں كيا هوا كچهه حاجت نهيں رهي كيونكه اُس زمانه ميں كچهه هي هوا اور كچهه هي اُس كا سبب قرار ديا جاوے همكو تو اپنے محبوب رسول كي پيروي ضرور هوگي اور مسئله اسلام كا تو وهي قرار پاويگا جو قران مجيد ميں هى نه اور كوئي *

با اين همه هم صحابه كرام اور خلفاے خمسه راشدين كے زمانه كے حالات دريافت كرنے كے نهايت آرزومند هيں اُن حالات و واقعات سے همكو بڑي هدايت هوتي هى اور جو مسئله كه همنے قران سے يا حديث سے نكالا هى اُس كے صحيح هونے اور اُس استنباط كے درست هونے كے ليئے كسوٹي هوتے هيں جن سے هماري سمجهه كا كهوٹا كهرا هونا پركها جاتا هى مگر مشكل هى كه جو معاملات كه خلفاے خمسه راشدين

کے وقت میں ہوئے اُن پر لایق اعتماد اور طمانیت کے اطلاع حاصل ہونے کو ہمارے پاس کوئی ذریعہ موجود نہیں ہی کتب احادیث میں وہ واقعات بہت کم ہیں کتب سیر و تواریخ میں وہ پائے جاتے ہیں مگر وہ الف لیلہ و قصہ حاتم طائی سے کچھہ زیادہ رتبہ نہیں رکھتیں اس لیئے کہ اپنے ثبوت کے لیئے بالکل محتاج دوسری سند یادلیل یا کسی اور وجہہ قابل اعتماد کی ہیں پس اگر وہ روایتیں اور کتابیں ہمارے مذہب کی بنیاد قرار پاویں اور اُن پر مسائل مذاہب کا مدار ٹھہرے تو مسلمانی مذہب تو لونڈیوں کا کھیل اور دیو پری کا قصہ ہو جاویگا نعوذ باللہ منہا *

علماء محدثین رحمہم اللہ اجمعین نے احادیث کے جمع کرنے اور اُن کی صحت کی تنقیح میں نہایت کوشش کی ہی اُسپر بھی حدیث کی کتابوں کا یہاں تک نہ بخاری و مسلم کا بھی یہہ حال ہی کہ بعد تنقیح کے بھی اُنکی احادیث مندرجہ مفید ظن یا ظن غالب کی ہیں تو وا ے بر حال کتب سیر و تواریخ کے نہ ان سے تو بجز چند واقعات ناقابل الاشتباہ کے وقوع کی اطلاع کے اور کوئی نتیجہ نہیں نکلتا اگر اُن کتابوں کو ہم استنباط مسائل مذہبی میں دخل دیں تو ہم صاف صاف ہندوؤں کے مقلد ہونگے جنہوں نے مہابھارت کو اپنے ہاں کتب مقدسہ میں داخل کرلیا ہی *

دوسرا شبہہ تو نہایت ہی لغو اور نالائق التفات ہی یہہ مسئلہ ہی کہ اجماع امت سے کوئی حکم شرعی قایم مثل حکم منزل من اللہ قایم ہوجاتا ہی غلط محض ہی لاتجتمع امتی علی الضلالۃ اور من شذ شذ فی النار کی صحت تسلیم کرنے کے بعد بھی کبھی اُنکا یہہ مطلب کہ خدا یا رسول خدا صلعم نے جماعت کو دوسرا شارع یا موجد احکام مذہب بنایا تھا یا اُسکو معصوم یا ناقابل سہو و خطا ٹھہرایا تھا نہ تھا اسکی بحث کے لیئے ایک دوسرا رسالہ چاہیئے؛ مگر اس مقام پر اسقدر لکھنا چاہیئے کہ صحیح مسئلہ اسلام کا یہہ ہی کہ جس طرح ایک آدمی کا خطا میں پڑنا ممکن ہی اسی طرح ایک گروہ کا بلکہ ایک زمانہ کے زمانہ کے لوگوں کا خطا میں پڑنا ممکن ہی پس اجماع امت ہرایک شخص پر جو اُس اجماع کو غلط یا غلط بنیاد پر سمجھتا ہو واجب العمل نہیں ہی *

غلامی پر جو اجماع امت ہوا ہی اب اُسکی غلطی علانیہ ظاہر ہوتی ہی اول تو نص صریح قرآنی کے برخلاف ہی دوسرے اُس اجماع کا موجب کوئی حکم احکام مذہبی سے نہ تھا بلکہ ایک اتفاقیہ طبعی ایسا سبب تھا کہ نادانستہ اُس آیت سے غفلت ہوگئی چند روز اتفاقیہ غفلت رہی اُس زمانہ کے بعد کے لوگوں نے اُس ڈھول کو امر قصدی اور ارادی سمجھا اور اُس سے استنباط مسائل کیا اُسکے بعد ظلمت تقلید نے دنیا میں اندھیرا کردیا اور سب اُسکی پیروی کرتے رہے اور از خود بلا قصد اجماع اُسپر اجتماع ہوگیا *

تفصیل اسکی یہہ ہی کہ عرب میں رواج لونڈی و غلام کا اور لڑائی کے قیدیوں کو لونڈی و غلام بنانے کا ایسا قدیم چلاآتا تھا اور ایسا بے عیب سمجھا جاتا تھا کہ کسیکے دلمیں اسکا خیال بھی نہ تھا کہ اُسکی موقوفی ہوگی اس خیال کو بعض واقعات ابتدائی زمانہ اسلام نے جسمیں لڑائی کے قیدیوں کو بطور رسم زمانہ قدیم لونڈی و غلام سمجھا اور نیز مذہب اسلام کے اُن احکام نے جن سے وہ لونڈی و غلام جو قبل نزول آیت حریت لونڈی و غلام ہوچکے تھے بطور لونڈی وغلام کے تسلیم کیئے گئے تھے اور متعدد احکام اُنکی نسبت قران و حدیث میں موجود تھے اور بھی زیادہ مستحکم اور پختہ کردیا تھا اخیر غزوات میں آیت من و فدا نازل ہوئی اُس آیت میں بھی قیدیوں کی نسبت احکام محصورہ صادر ہوئے اور اُنکا لونڈی و غلام بنانا الفاظ صریح سے نہیں بلکہ بوجہہ حصر باطل کیا گیا بعد نزول اُس آیت کے جناب رسول خدا صلعم نے الوجہہ تمام اساری پر من وفدا کیا الا جو کہ قبل نزول اس آیت کے بھی ایسا ہوتا تھا اِس سبب سے خیال حصر موجودہ آیت پر نہوا اور اُسکے بعد قلیل زمانہ میں رسول خدا صلعم نے رحلت فرمائی صحابہ کے زمانہ میں اُسپر خیال نہونا بوجوہات مذکورہ بالا کچھہ تعجب کی بات نہیں ہی شراب کی حرمت نازل ہونے کے بعد کوئی نہیں سمجھا تھا کہ شراب حرام ہوگئی ہی یہاں تک کہ تین دفعہ اُسکی حرمت نازل ہوئی بیع امہات اولاد ممنوع ہونے پر ابتدائے عہد خلافت حضرت عمر تک بیع ہوتی رہی متعہ کے غیر ممنوع ہونے پر متعدد صحابہ بلکہ حضرت علی مرتضی کو بھی خیال نہ تھا علاوہ اسکے خلفاے راشدین کے زمانہ میں اسپر خیال نہونے کا یہہ بھی سبب ہوا کہ اُن کے وقت میں اس مسئلہ پر بحث ہونے کا بہت کم موقع ملا حضرت ابوبکر صدیق کی خلافت مرتدین کے مطیع کرنے میں ختم ہوگئی اور حضرت عمر اور حضرت عثمان کے زمانہ میں دارالخلافہ سے بہت دور دور کے فاصلہ پر لڑائیاں ہوئیں اور حضرت علی مرتضی کی خلافت آپس کے جھگڑے میں انجام ہوئی اور حضرت امام حسن علیہ السلام کی خلافت تو آفتاب یوم باراں کی مانند تھی اور یہہ بڑے قوی اسباب تھے جنکے سبب سے آیت من و فدا کا حصر خیال سے خارج رہا *

اُس زمانہ کے بعد لوگوں کی توجہہ اسباب پر زیادہ تر تھی اُس زمانہ کے واقعات کو جہاں تک ہوسکے دلایل سے قوی کریں اپنے لیئے غلامی کی نسبت آیات تلاش ہونے لگیں اور بمجبوری آیت من و فدا کو منسوخ بتانے لگے پھر حال یہہ جو کچھہ ہوا اُسکی نسبت

یہہ بات تسلیم ہوسکتی ہی کہ اُس زمانہ کے لوگوں کی غلطی کی نسبت یہہ راے تھی مگر وہ راے مذہب اسلام کا مسئلہ اور حکم منزل من اللہ نہیں قرار پاسکتا اور نہ اسلام پر اُن لوگوں کی راے سے کچھہ داغ لگ سکتا ہی *

مگر یہہ بات ظاہر ہی کہ یہہ بحث جو ہملے شروع کی ایک ایسی بحث ہی کہ ساڑھے بارہ سو برس کے درمیان میں شاید کسی نے نہیں کی اور بلاشبہہ اسوقت ہم پر خرق اجماع اور تخلف اجماع اُمت کا الزام لگایا جاتا ہی مگر جوکہ مسلمانوں کا مقرر کیا ہوا یہہ ایک مسئلہ ہی کہ اجماع ثانی اجماع اول کو منسوخ کردیتا ہی اور اجماع ثانی شروع ہونے کے لیئے ضرور ہی کہ کوئی نکوئی شخص اجماع اول سے اختلاف کرے پس وہ شخص میں ہوں اور کیا عجب ہی کہ اِس پر اجماع ہوجاوے اور اجماع ثانی اجماع اول کو منسوخ کردے اور یہہ جھوٹا داغ جو ہملے اپنی غلطی سے اسلام کے خوبصورت چہرہ پر لگایا ہی ہمیشہ کے لیئے مٹ جاوے *

اے میرے بھائی مسلمانو یہہ سب باتیں جو اسوقت تمہارے دل میں ہیں بسبب خیالات کے محدود ہونے کے ہیں جو ہر ایک قوم اور ہر ایک مذہب میں بسبب محدود ہونے علم کے تھے مگر اب وہ زمانہ نہیں رہا اور انسان کی ہر ایک چیز کو ترقی اور اُس کے خیالات او وسعت ہوتی جاتی ہی پس وہ زمانہ کچھہ دور نہیں ہی کہ جسطرح اب تم میری بات سے نفرت کرتے ہو اُسیطرح ان سب باتوں کی دل سے تصدیق کروگے اور اُس وقت تمکو اسلام کی حقیقت معلوم ہوگی اور جسقدر کہ اس وقت اُس کے بن سمجھی خوبی تمہارے دل میں ہی اُس سے ہزار درجہ زیادہ سچی اور دلکی تصدیق کی ہوئی خوبی تمہارے دل میں سمائیگی اور اُس وقت پکے مسلمان ہوگے *

اللہم ارزقنا حقیقۃ الاسلام و امتنا علیہ آمین

راقـــــــــم

سید احمد

نمبر ۵۳

کتب احادیث

کسی مسئلہ یا طریقہ یا عادت یا رسم و رواج پر بحث کرنے میں وہ اقوال انسان کو بڑی غلطی میں ڈالتے ہیں جو حدیث کے نام سے مشہور ہیں جو کہ اب تمام حدیثیں کتابوں میں لکھی ہوئی ہیں اس لیئے ہمکو دیکھنا چاہیئے کہ علماء متقدمین و متاخرین نے کتب حدیث کی بلحاظ اعتبار و عدم اعتبار کے کسطرح تقسیم کی ہی *

شاہ ولی اللہ صاحب کہ علماء متاخرین میں جامع سلف اور مقتداے خلف تھے اُنہوں نے نہایت عمدہ طرح پر کتب حدیث کی تفصیل بیان کی ہی اُسیکو ہم بھی اس مقام پر بیان کرتے ہیں *

وہ لکھتے کہ کتب احادیث باعتبار صحت و شہرت اور قبول کے کئی درجہ پر ہیں *

صحت کے معنی اُنہوں نے یہہ لیئے ہیں کہ مصنف نے احادیث صحیحہ اُس میں لکھی ہوں اور اُس کے سوا جو حدیث لکھی ہو اُسکا نقص بھی اُسیکے ساتھہ لکھدیا ہو *

شہرت کے اُنہوں نے یہہ معنی لیئے ہیں کہ ہر زمانہ میں اہل حدیث اُسکو پڑھتے پڑھاتے رہے ہوں اور اُس کی ہر ایک چیز بیان میں آگئی ہو *

قبول سے وہ یہہ مراد لیتے ہیں کہ علماء حدیث نے اُس کتاب کو معتبر و مستند سمجھا ہو اور کسی نے اُس سے انکار نکیا ہو *

پھر وہ لکھتے ہیں کہ ان تینوں باتوں میں سب سے اول درجہ کی تین کتابیں ہیں — موطا امام مالک — صحیح بخاری — صحیح مسلم — وہ لکھتے ہیں کہ ان تینوں کتابوں کی حدیثیں اصح الاحادیث ہیں اگرچہ انہی میں بعضی حدیثیں بعض سے زیادہ صحیح ہیں *

ان کتابوں کے بعد دوسرے درجہ میں اُنہوں نے — جامع ترمذی — سنن ابوداؤد — سنن نسائی — کو قرار دیا ہی *

وہ انہی چھہ کتابوں کو صحاح ستہ کہتے ہیں لیکن اکثروں نے موطا کو صحاح میں سے خارج رکھا ہی اور ابن ماجہ کو داخل کیا ہی *

شاہ ولی اللہ صاحب کا یہہ بھی قول ہی کہ مسند امام احمد بھی اسی دوسرے درجہ میں داخل ہونے کے لایق ہی مگر اُس میں ضعیف حدیثیں بہت ہیں *

تیسرے درجہ میں اُنہوں نے ان کتابوں کو شمار کیا ہی — مسند شافعی — سنن ابن ماجہ — مسند دارمی — مسند ابو یعلی موصلی — مصنف عبدالرزاق — مصنف ابوبکر بن ابی شیبہ — مسند عبد بن حمید — مسند ابو داؤد طیالسی — سنن دار قطنی — صحیح ابن حبان — مستدرک حاکم — کتب بیہقی — کتب طحاوی — تصانیف طبرانی *

وہ لکھتے ہیں کہ اگرچہ ان کتابوں کے مصنف عالم متبحر تھے لیکن انمیں اچھی بری یہاں تک کہ موضوع حدیثیں بھی شامل ہیں *

چوتھے درجہ میں اُنہوں نے اِن کتابوں کو گنا ہی — کتاب الضعفا لابن حبان — تصانیف الحاکم — کتاب الضعفا للعقیلی — کتاب الکامل لابن عدی — تصانیف ابن مردویہ — تصانیف خطیب — تصانیف ابن شاہین — تفسیر ابن جریر — فردوس دیلمی — سایر تصانیف فردوس دیلمی — تصانیف ابی نعیم — تصانیف جوزقانی — تصانیف ابن عساکر — تصانیف ابوالشیخ — تصانیف ابن نجار *

وہ لکھتے ہیں کہ یہہ کتابیں محض نامعتبر ہیں اور اس لایق نہیں ہیں کہ کسی عقیدہ کے اثبات میں یا کسی عمل کے جواز میں اِن کتابوں سے سند لی جاوے عمدہ بات جو شاہ صاحب نے لکھی ہی وہ یہہ ہی کہ حضرت شیخ جلال الدین سیوطی کے رسایل و نوادر کا مادہ بھی کتابیں ہیں اور اسقدر میں اور لکھتا ہوں کہ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی بھی تمام تصنیفات انہی نا معتمد کتابوں پر مبنی ہیں *

اسی بیان کے ساتھہ مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب فرماتے ہیں کہ وضعی یعنی بنائی ہوئی حدیثوں کے پہچاننے کی یہہ صورتیں ہیں اول یہہ کہ — تاریخی واقعہ کے برخلاف ہو — دوسرے — یہہ کہ صرف کسی دشمن نے روایت کی ہو — تیسرے — یہہ کہ ایسی بات کہی ہو کہ جس کا جاننا اور ادا کرنا سب پر فرض ہو مگر صرف وہی ایک شخص روایت کرتا ہو — چوتھے — یہہ کہ قرینہ حالیہ اُسکے جھوٹے ہونے پر دلالت کرے — پانچویں — یہہ کہ عقل اور قواعد شرع کے برخلاف ہو — چھٹے — یہہ کہ ایک ایسا قصہ مذکور ہو کہ اگر درحقیقت وہ ہوا ہوتا تو ہزاروں آدمی اُسکو دیکھتے مگر اُسکو صرف وہی شخص بیان کرتا ہی — ساتویں یہہ کہ الفاظ خلاف محاورہ اور مضمون نامعقول ہو — اٹھویں — یہہ کہ چھوٹے سے گناہ میں نہایت سخت عذاب یا چھوٹے سے نیک کام میں بہت زیادہ ثواب کا ہونا بیان ہوا ہو — نویں — یہہ کہ چھوٹے چھوٹے کاموں پر حج عمرہ کے ثواب ملنے کا بیان ہو — دہم — یہہ کہ کسی کو مثل انبیاء کے مستحق ثواب کا کسی کام میں بیان کیا ہو — گیارہویں — یہہ کہ حدیث بیان کرنے والے نے اُسکے جھوٹے ہونے کا خود اقرار کیا ہو *

بعد اس کے شاہ صاحب ارقام فرماتے ہیں کہ بہت سے لوگوں نے مختلف سببوں سے جھوٹی حدیثیں بنالی ہیں بعضوں نے اس خیال سے کہ لوگوں کو قرآن مجید کے پڑھنے و تلاوت کرنے کا شوق پیدا ہو ہر ایک سورۃ کی فضیلت میں حدیثیں بنالیں — بے دینوں نے اسلام کی ہنسی اُڑانے کو مضامین دور از قیاس کی حدیثیں مشہور کردیں مشہور ہی کہ چودہ ہزار حدیثیں ہیں جو اہل زندقہ کی بنائی ہوئی مشہور ہیں اسی طرح ایک فرقہ کے متعصب نے اپنی تائید یا دوسرے کی تذلیل کے لیئے حدیثیں بنالی ہیں — وعظ کہنے والوں نے بہت سی حدیثیں اپنی طرف سے گڑھ لی ہیں — اور بعضی دفعہ اولیاء اللہ بھی اس خرابی میں پڑگئے ہیں کہ اُنہوں نے خواب میں دیکھا کہ یہہ بات رسول خدا صلعم نے اُن سے کہی پس مثل حدیث مسموع کے بیان کردی بعض لوگوں نے بزرگوں اور عالموں سے کوئی بات سنی اور اُس کو یہہ سمجھہ گئے کہ یہہ حدیث ہی اور مثل حدیث کے مشہور ہوگئی چنانچہ اس قسم کے بہت سے اقوال بطور حدیث مشہور ہیں پس صرف حدیث کا نام سنکر گھبرانا اور توہمات مذہبی میں پڑ جانا نہیں چاہیئے بلکہ اول اُس حدیث کی تحقیقات اور تفتیش کرنی چاہیئے کہ وہ کیسی حدیث ہی اور کسقدر اعتبار رکھتی ہی پھر جب سب طرح امتحان میں پوری نکلے اور معلوم ہو کہ در حقیقت یہہ پوری اور پکی صحیح حدیث ہی اُس کو سر اور آنکھوں پر رکھے ورنہ دود کی مکھی کی طرح اُس کو نکال کر پھینک دے کیونکہ شاہ عبدالعزیز صاحب کا قول ہی کہ ”حدیث بے سند گوز شتر است“ اگر ہم مسلمان ایسی لغو اور بے سند باتوںکو اپنے مذہب میں شامل کریں اور پوچ اور واہیات قصوں کو جن کی کچھہ اصل نہیں ہی مذہبی قصہ اور الہامی واقعات سمجھنے لگیں تو ہمارا مذہب ہنسی ٹھٹا ہو جاویگا اور لوت کے گھر سے بھی زیادہ ناپائدار اور مکڑی کے جالے سے بھی زیادہ بودا بن جاویگا علماء متقدمین نے نہایت سختی سے بطور ایک دشمن کے حدیثوں کا امتحان کرنے میں کوشش کی ہی پس یہہ بات کہ حدیث بے سند یا ضعیف یا مشتبہہ کو حدیث نہ سمجھا جاوے اور مذہبی باتوں میں اُسے داخل نہ کیا جاوے بے دینی کی بات نہیں ہی بلکہ نہایت ایمانداری اور اسلام کی بڑی دوستی کا کام ہی *

والسلام

سید احمد

بمقام علیگڈہ — مطبع علیگڈہ انسٹیٹیوٹ میں چھپا اور باہتمام حافظ محمد عبدالرزاق کے شایع ہوا

THE MOHAMMEDAN SOCIAL REFORMER

تهذيب الاخلاق

جلد دوم] — يكم ذيقعدہ سنہ ۱۲۸۸ هجري — [نمبر ۱۸

بسم الله الرحمن الرحيم

اطلاع

تشريح قيمت و تصرف منافع تهذيب الاخلاق

جسقدر روپيہ بابت اِس پرچہ کے بطور چندہ خواہ بطور قيمت وصول هو وہ کسي خاص شخص کي ملکيت نهوگا بلکہ اِس پرچہ کے اجرا و ترقي ميں صرف کيا جاويگا *

مسلمانوں ميں سے جو شخص ساٹهہ روپيہ سالانہ پيشگي بطور چندہ دے وہ اس پرچہ کے متعلق معاملات ميں ممبر متصور هوگا *

يہہ پرچہ هر مهينے ميں ايک بار يا دو بار يا تين بار جيسا کہ مقتضاے مضامين هوگا چهپا کريگا خريداروں کو چار روپيہ سالانہ قيمت پيشگي ديني هوگي اور اخراجات روانگي پرچہ سے اُس کو کچهہ تعلق نهوگا *

اگر کوئي شخص کوئي خاص پرچہ خريدنا چاهيگا اُس کو في پرچہ چار آنہ معہ اخراجات روانگي پرچہ دينا هوگا *

ممبروں کو بلا قيمت يہہ پرچہ مليگا اور اُن کو اُس کے تقسيم کا بلا قيمت جسکو وہ چاهيں اختيار هوگا *

اطلاع

بخدمت ممبران و خريداران و ناظرين تهذيب الاخلاق

اِس پرچہ کي بابت جس صاحب کو کچهہ خط و کتابت کرني منظور هو يا خريداري اِس پرچہ کي مد نظر هو يا کوئي مضمون اِس پرچہ ميں مندرج هونے کے ليئے بهيجنا هو يا زر قيمت اخبار يا زر چندہ يا کچهہ روپيہ بطور کونيشن کے عنايت فرمانا هو تو محمد احمد خان صاحب بهادر سي اس آئي پاس بمقام بنارس بهيجا جاوے غرضکہ تمام خط و کتابت بابت اِس پرچہ کے اُنهي سے کي جاوے کيونکہ يہہ پرچہ عليگڈہ ميں چهپکر اُن کے پاس چلا جاتا هے اور وهاں سے تقسيم هوتا هے اور تمام حساب کتاب اسکا سب اُن کے پاس رهتا هے *

اس پرچہ ميں صرف مضامين مفيدہ جو مسلمانوں سے متعلق هيں چهاپے هوتے هيں اور اس سبب سے اخبار امصار و ديار اس ميں مندرج نهيں هوتے — مقصود اس پرچہ کے اجرا سے يہہ هے کہ مسلمانوں کي حسن معاشرت اور تهذيب کي ترقي هو اور جو غلط اوهام اُس ترقي کے مانع هيں وہ مٹائے جاويں *

مضمون نمبر ۵۴

تفسیر بالراے

مسلمان یہہ اعتقاد کرتے ہیں کہ اپنی عقل سے قران مجید کی تفسیر کرنی اور معنی بیان کرنے منع ہیں اور اپنے اس اعتقاد کے ثبوت پر اس حدیث کو کہ " من فسرالقران برائہ فلیتبوأ مقعدہ من النار " پیش کرتے ہیں یعنی جس شخص نے قران کی تفسیر اپنی عقل سے کی تو وہ اپنی جگہہ دوزخ کی اگ میں ٹہرالے *

مگر جو معنی کہ اُنھوں نے تفسیر بالراے کے سمجھے ہیں وہ غلط محض ہیں وہ یہہ سمجتے ہیں کہ قران مجید کی تفسیر میں جو کچھہ اگلے مفسروں نے کہا ہی اور جو کچھہ اگلی تفسیروں میں لکھا ہی اُس کے سوا اور کچھہ مطلب قران مجید کے لفظوں سے نکالنا منع ہی پس اُس کے سوا جو کوئی شخص قران مجید کے کسی لفظ کے اور معنی کہتا ہی یا کسی آیت کی تفسیر دوسری طرح پر کرتا ہی وہ تفسیر بالراے کرتا ہی اور دوزخ کی آگ کا مستحق ہوتا ہی *

یہہ سمجھہ اُن کی بالکل غلط ہی اور علماء متقدمین کے اقوال اور طریقہ اور مذہب کے بھی برخلاف ہی امام حجۃالاسلام غزالی فرماتے ہیں کہ † " تفسیر قران برائہ کے یہہ معنی ہیں کہ اُس کی غرض اور سمجھہ میں ایک مطلب کا بیان کرنا ہو اور وہ اُس پر قران کی گواہی لاوے اور قران مجید کو ایسے مطلب پر لیجاوے کہ اُس مطلب میں آیت کے نازل ہونے پر نہ لفظوں کے لغوی معنی دلالت کریں اور نہ کوئی نقلی روایت موجود ہو " پس بلا شبہہ اسطرح پر قران کی تفسیر منع ہی *

بعد اس کے امام غزالی صاحب لکھتے ہیں کہ ‡ " اس بات سے یہہ نہ سمجھا جاوے کہ قران کی تفسیر استنباط سے اور غور و فکر سے بھی کرنی منع ہی کیوں کہ بہت سی آیتیں ایسی ہیں کہ اُن کے پانچ پانچ چھہ چھہ سات سات معنی صحابہ اور مفسرین سے نقل ہوئے ہیں اور اُن میں سے کوئی بھی رسول خدا صلعم سے نہیں سنا اور وہ معنی آپس میں ایک دوسرے کے برعکس بھی ہوتے ہیں اور سب کے سب صحیح نہیں ہوسکتے اور اس سے پایا جاتا ہی کہ وہ اپنے اپنے غور اور اپنی اپنی سمجھہ سے نکالے تھے اسی لیئے رسول خدا صلعم نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کو دعا دی تھی کہ اللہ اُس کو دین میں سمجھہ دار کرے اور اُس کو قران کے معنی بیان کرنے سکھاوے " *

اسی طرح ایک جگہہ فرماتے ہیں کہ † " بہت سے دقیق معنی اور قران کے بھید ایسے ہیں کہ غور و فکر کرنے والوں کے دل میں آتے ہیں کہ اُن سے تفسیر کی کتابیں بالکل خالی ہیں اور بڑے بڑے مفسرین کو بھی اُن کی خبر نہیں ہوئی " *

غرضکہ اس بیان سے ظاہر ہو گیا کہ خدا کی کتاب پر غور کرنا اور اُس کے الفاظ سے معانی اور مطالب کی تحقیق کرنا اور صرف اگلے مفسرین کی پیروی ہی نکرنا بلکہ جو علوم کہ اب حاصل ہوئے ہیں اُن کا قران مجید کے الفاظ سے جانچنا منع نہیں ہی اور نہ ایسا کرنا تفسیر بالراے ہی اور یہہ کیونکر تفسیر بالراے ہوسکتی ہی اس لیئے کہ تفسیر بالراے ہونے میں یہہ بات ضرور تھی کہ الفاظ کے لغوی معنی یا نقل اُس پر دلالت نہ کرتے ہوں اور اب جو ہم تفسیر قران کی کرتے ہیں وہ تو اُس سے بھی زیادہ سند یعنی حقایق محققہ پر کرتے ہیں اور اپنی عقل یا قیاس کو مطلق دخل نہیں دیتے پس وہ تفسیر بالراے کیونکر ہوسکتی ہی بلکہ وہ تفسیر تو فی الحقیقت حقیقت قران ہی جس کی روشنی خدا سب کو نصیب کرے - آمین *

راقم مہدی علی
ڈپٹی کلکٹر ضلع مرزا پور

† من فسرالقران برائہ ہوان یکون غرضہ ورائہ تقریر امر و تحقیقہ فیستجر شہادۃالقران الیہ و یحملہ علیہ من غیر ان یشہد لتنزیلہ علیہ دلالۃ لفظیۃ لغویۃ او نقلیۃ

‡ ولا ینبغي ان یفہم منہ انہ یجب ان لا یفسرالقران بالاستنباط والفکر فان من الایات ما نقل فیہا من الصحابۃ والمفسرین خمسۃ معان و ستۃ و سبعۃ و یعلم ان جمیعہا غیر مسموعۃ من النبي صلعم فانہا قد تکون متنافیۃ لا تقبل الجمع فیکون ذالک مستنبطاً بحسن الفہم و طول الفکر ولہذا قال صلی اللہ علیہ وسلم لابن عباس رضي اللہ عنہ اللہم فقہہ في الدین و علمہ التاویل

† دکم من معان دقیقۃ من اسرارالقران تخطر علی قلب المتجردین للذکر والفکر یخلو منہا کتب التفاسیر ولا یطلع علیہا افاضل المفسرین

نمبر ۵۵

وجود آسمان

مسلمان جو یہہ سمجھتے ہیں کہ قران مجید کی روسے ہر ایک مسلمان کو اسبات کا اعتقاد کرنا فرض ہی کہ آسمان ایک مجوف کروی جسم گنبد کی مانند ہی اور انڈے کے چھلکے کی طرح دنیا کو گھیرے ہوئے ہی اور زمین مثل انڈے کی زردی کے اُس میں ہی اور تمام ستارے اُس میں جڑے ہوئے ہیں یہہ سمجھہ اور یہہ اعتقاد اُنکا غلط ہی *

حكماء يونان نے اپني حكمت اور اپنے علم هيئت ميں آسمان كو جسم كروي محيط زمين كے اور ستاروں كا اُس ميں جڑا هوا هونا بيان كيا تها يهودي بهي آسمانوں كو ايسا هي سمجهتے تهے مسلمانوں نے بهي قرآن مجيد كي آيات متشابهات پر جن ميں آسمانوں اور ستاروں كا ذكر هى بطوربي غور و فكر نهيں كيا اور جيسا كه اُس زمانه ميں رواج تها اور جهاں تک اُس زمانه ميں ترقي علم كي هوئي تهي اُسي كے مطابق اُن كے معني كهدیئے ورنه قرآن مجيد سے اس اعتقاد كا ثبوت مطلق نهيں هى *

قرآن مجيد ميں آيات متشابهات كا هونا خصوصاً اُن اُمور ميں جو زمين و آسمان اور ستاروں اور فرشتوں اور بهشت و دوزخ سے علاقه ركهتے هيں نهايت حكمت اور ايک عجيب قدرت كي بات هى اگر حقايق واقعي موجودات كي بذريعه ايات محكم قرآن مجيد ميں بيان كي جاتي تو تمام دنيا اُس ميں حيران و پريشان هوجاتي اور تعليم روحاني جو اصلي مقصود قرآن مجيد تهي غير مقصود جهگڑوں ميں برباد هوجاتي اس لیئے اُن حقايق كا بيان بذريعه ايات متشابهات كے هوا جن كے الفاظ مستعمله مطابق علم و ادراک اُس زمانه كے لوگوں كے نه تهے اور اُن كے معاني محققه حقيقت اشياء كماهي عليه پر دلالت كرتے تهے اور يهه طرز بيان ايسا عمده هى كه اعجاز قرآن ميں شمار هوسكتا هى *

پس اب هم مسلمانوں كو يهه اعتقاد كرنا چاهیئے كه در حقيقت آسمان كوئي وجود مجسم مثل گول گنبد يا چورس چهت كے نهيں هى بلكه تمام ستارے چاند اور سورج جن ميں زمين بهي ايک ستاره هى فضاے بسيط ميں معلق هيں اور قدرتي ستونوں كے ذريعه سے جسكو هم نهيں ديكهه سكتے اور جسكا نام لسان شرع ميں عمد غيرمرئي اور زبان اهل علم ميں جذب هى اپني اپني جگهه پر قايم هى جوكه همارے سر كے اوپر هى اُس كا نام آسمان هى جس طرح كه هم اپنے سر پر كي چيزوں كو جو حقيقت ميں امريكا كے رهنے والوں كے تحت قدم هيں آسمان كے لفظ سے تعبير كرتے هيں اسيطرح امريكا كے رهنے والے اپنے سر پر كي چيزوں كو جو در حقيقت همارے تحت قدم هيں آسمان كے لفظ سے تعبير كرتے هيں *

يهه كچهه همارا هي قول نهيں هى بلكه اگلے مسلمان عالم بهي اسبات كے قايل هوئے هيں امام فخرالدين رازي اپني تفسير ميں لكهتے هيں " السماء عبارة عن كل ما ارتفع " يعني آسمان كا لفظ هر اوپر كي چيز پر بولا جاتا هى *

قرآن مجيد ميں بهي سماء كا لفظ انهي معنوں ميں آيا هى خدا تعالى نے فرمايا هى كه " و انزل من السماء ماء " يعني برسايا خدا نے اوپر سے پاني پس اس جگهه سماء يعني آسمان كے لفظ سے اگلے لوگوں كے نزديک بهي يوناني حكيموں والا آسمان مراد نهيں بلكه صرف اوپر كي سمت مراد هى *

قرآن مجيد سے بهي ثابت هوتا هى كه آسمانوں كا ايسا وجود جيساكه يوناني حكيموں نے بيان كيا هى نهيں هى كيونكه خدا تعالى نے ستاروں كي نسبت فرمايا هى كه وه تيرتے پهرتے هيں پهر اگر وه آسمان ميں جڑے هوئے هوتے تو وه تيرتے كيونكر پهرتے اس سے ثابت هوتا هى كه آسمان كوئي وجود مجسم نهيں هى اور نه ستارے كسي ميں جڑے هوئے هيں بلكه معلق هيں اور خود اپني اپني جگهه ميں تيرتے پهرتے هيں *

فلک كے معني بهي جو مسلمانوں نے مثل آسمان كے جسم مجوف كروي محيط ارض قرار دیئے هيں يهه بهي غلط هى بلكه فلک كے معني اُس دايره كے هيں جو كسي ستاره كي گردش سے ذهن ميں يا خيال ميں پيدا هوجاتا هى جيسيكه بنيٹي پهراتے ميں تمنے ديكها هوگا كه گول چكر بنجاتا هى حقيقت ميں وه چكر نهيں هى بلكه صرف بنيٹي كے سروں كي گردش كرنے كا رسته هى جو خيال ميں مثل فلک يعني دايره كے ديكهائي ديتا هى يا جب كبهي لڑكے ڈور كے سرے ميں پتهر يا گيند باندهه كر زور زور سے پهراتے هيں تو ايک وهمي حلقه معلوم هونے لگتا هى حقيقت ميں وه حلقه مجسم نهيں هى بلكه اُس پتهر يا گيند كي گردش كي راه هى جو وهم ميں مثل فلک يعني دايره كے دكهائي ديتي هى *

قرآن مجيد كي اس آيت سے كه " كل في فلک يسبحون " يعني هر ستاره ايک گهيرے ميں تيرتا پهرتا هى بالكل ٹهيک ٹهيک فلک كے يهي معني ثابت هوتے هيں جو ابهي هم نے بيان كیئے *

شارح چغميني نے بهي لكها هى كه " ان الفلک يطلق على غيرالمجسم ايضا كالدواير ومحيطاتها " يعني فلک كا لفظ غير مجسم چيز پر بهي بولا جاتا هى جيسيكه دايره پر يا حلقه پر *

امام فخرالدين رازي لكهتے هيں كه " او دائرة يقطعها الكواكب بحركة " يعني فلک ايک دايره بهي هوسكتا هى جو ستاره اپني چال سے بناتا هى *

اور اس بات كے ثبوت كے لیئے كه آسمان سے صرف ستاروں كا رسته مراد هى بڑي دليل يهه هى كه خود خدا تعالى نے ايک جگهه قرآن مجيد ميں آسمانوں كے لفظ كے بدلے ستاروں كي راه فرمايا هى جيسا كه اس آيت ميں هى " و خلقنا فوقكم سبع طرايق " جيسا كه خدا تعالى نے اس طرح فرمايا هى كه هم نے سات آسمان پيدا كیئے هيں اسي طرح اس آيت ميں يهه فرمايا كه هم نے تمهارے اُوپر سات

واہیں پیدا کی ہیں آسمانوں کی جگہہ ،اہیں فرمائیں جس سے ثابت ہوتا ہی کہ آسمان اَور ستاروں کے چلنے کی راہ ایک چیز ہی اور راہ ستاروں کی ضرور نہیں کہ جسم مجسم ہو بلکہ کرات معلق کی فضاے بسیط میں جس طرف حرکت ہی وہی اُس کی راہ ہی *

اب اُن لفظوں سے بحث باقی رہی جن میں صفات آسمانوں کی بیان ہوئی ہی اور جس سے آسمانوں کے مجسم ہونے کا شبہہ ہوتا ہی مگر حقیقت میں اُن سے بھی مجسم ہونا آسمانوں کا ثابت نہیں ہوتا *

اول یہہ کہ ایک جگہہ خدا تعالے نے فرمایا ہی کہ خلق سبع سموات طباقا یعنی سات آسمان تہہ بہ تہہ اور اس سے یہہ سمجھا جاتا ہی کہ ایک آسمان دوسرے آسمان سے ایسا ملا ہوا ہی جیسیکہ پیاز کے پرت اور یہی مذہب حکماے یونان کا بھی تھا کہ ایک آسمان کا مقعر نیچے کے آسمان کے محدب سے ملا ہوا مانتے تھے *

مگر امام فخرالدین رازی نے ان معنوں کو تو باطل کردیا وہ کہتے ہیں کہ ” لعل المراد اونہا طباقا کونہا متوازیۃ لا انہا متماسۃ “ یعنی تہہ بہ تہہ ہونے سے یہہ ضرور نہیں ہی کہ وہ ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہوں شاید اُن کا ایک دوسرے کے متوازی ہونا مراد ہو *

مگر حقیقت میں یہہ معنی بھی جو امام فخرالدین رازی نے لیئے ہیں صحیح نہیں ہیں اصل یہہ ہی کہ سماء یعنی آسمان کا لفظ عربی زبان کے محاورہ میں ہر اوپر کی چیز پر جو بلا تعلق زمین کے معلق دکھائی دیتی ہو بولا جاتا ہی مثلاً چاند سورج ستاروں پر بھی سماء کے لفظ کا اطلاق ہوتا ہی اور اُن کی حرکت سے جو دایرہ یا گھیرہ متخیل ہوتا ہی اُس پر بھی سماء کے لفظ کا اطلاق ہوتا ہی بادلوں پر بھی سماء کا لفظ بولا جاتا ہی اور یہہ نیلی نیلی چھت جو ہمکو دکھائی دیتی ہی اُس پر بھی سماء کا لفظ بولا جاتا ہی اُوپر کی سمت پر بھی جو خلاء بسیط ہی سماء کے لفظ کا اطلاق ہوتا ہی پس خلق سبع سموات طباقا کے یہہ معنی ہیں کہ خلق اللہ تعالے ہذہ السمت المرتفعۃ علی سبع ارتفاعات طباقا یعلمہا اہل ذالک الزمان بعدد سبع اجرام عظام یقال لہا الکواکب السبع — یعنی اللہ تعالی نے اس اُونچائی کو سات اُونچے طبقوں میں پیدا کیا ہی جس کو اُس زمانہ کے لوگ سات بڑے بڑے جسموں کے سبب جن کو سات ستارے کہتے تھے درجہ بدرجہ جدا جدا سمجھتے تھے جیسیکہ ہم ایک سطح پر نقاط مفروضہ مقرر کرکر اُس سطح واحد کو طبقات قرار دیں پس اس آیت سے یونانی حکیموں کے آسمان کا وجود ثابت

دوسرے یہہ کہ ایک جگہہ قران مجید میں آیا ہی و بنینا فوقکم سبعا شدادا و جعلنا سراجا وھاجا — یعنی بنائیں ہم نے تمہارے اُوپر سات مضبوط چیزیں اور کیا ہم نے ایک کو چراغ روشن — اس آیت میں جن سات مضبوط چیزونکا ذکر ہی اُن سے یونانی حکیموں کے سات آسمان مراد لینے کی کوئی وجہہ نہیں ہی بلکہ اُن سات مضبوط چیزوں سے وہی سات سیارے مراد ہیں جن کو اُس زمانہ کے لوگ بھی جانتے تھے اور جب کہ اُس کے بعد یہہ فرمایا ہی کہ کیا ہم نے ایک کو چراغ روشن جس سے بلاشبہہ سورج مراد ہی جس کو لوگ اُن سات میں سے ایک سمجھتے تھے تو اب کچھہ شبہہ نہیں رہا کہ اُن سات چیزوں سے یونانی حکیموں والے سات آسمان مراد نہیں ہیں بلکہ وہ سات چیزیں مراد ہیں جن کو اُس زمانہ کے لوگ سبع سیارہ کہتے تھے *

تیسرے یہہ کہ ایک جگہہ قران مجید میں آیا ہی کہ اللہ الذی رفع السموات بغیر عمد ترونہا — اس آیت سے بھی یونانی حکیموں والا آسمان ثابت نہیں ہوتا بلکہ یہہ آیت بالکل اُس مطلب کو جو ہم نے بیان کیا ہی واضح کردیتی ہی اس لیئے کہ اس آیت کے معنی یہہ ہیں کہ اللہ وہ ہی جسنے اُونچا دیا اوپر والی چیزوں کو بغیر ستون کے جسکو تم دیکھو — اِس سے معلوم ہوا کہ جو چیزیں ہمکو اوپر دکھائی دیتی ہیں اُن کے لیئے ستون تو ہی مگر وہ ایسا ستون ہی کہ ہمکو دکھائی نہیں دیتا اب سمجھو کہ وہ ستون کیا ہی وہی قوت جاذبہ ہی جو خدا تعالی نے اپنی قدرت کاملہ سے ہر ایک کرہ معلق میں پیدا کی ہی جسکے سبب تمام اوپر کی چیزیں معلق بغیر ظاہری ستون یا سہارے کے کھڑی ہیں *

امام فخرالدین رازی نے جو کچھہ اِس مقام پر لکھا ہی اُس سے پایا جاتا ہی کہ بعض مفسرین کی بھی راے تھی کہ خلاء غیر محدود میں کرات معلق ہیں چنانچہ وہ اسی آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں — و عندی فیہ وجہ آخر احسن من الکل وھو ان العماد مایعتمد علیہ و قد دللنا علی ان ہذہ الاجسام انما بقیت واقفۃ فی الجو العالی بقدرت اللہ تعالی و حینئذ یکون عمدھا ھو قدرۃ اللہ تعالی فنتج ان یقال انہ رفع السماء بغیر عمد ترونہا ای لہا عمد فی الحقیقۃ الا ان تلک العمد ھی قدرت اللہ تعالی و حفظہ و تدبیرہ و ابقاؤہ ایاہا فی الجو العالی و انہم لایرون ذلک التدبیر و لایعرفون کیف ذلک الامساک — یعنی امام فخرالدین رازی کہتے ہیں کہ میرے نزدیک اِس آیت کی تفسیر میں سب سے اچھی ایک اور بات ہی اور وہ یہہ ہی نہ ستون اُس چیز کو کہتے ہیں جسکے سہارے سے کوئی چیز ٹہری رہے اور ہمنے ثابت کیا ہی کہ یہہ تمام جسم صرف خدا کی قدرت سے اِستقلال

۶۶ مولوي محمد مظهرالله صاحب تحصیلدار
چاند پور من ابتداء شوال سنه ۱۲۸۷ لغایت
آخر رمضان سنه ۱۲۸۸ هجري [illegible]

۶۷ مولوي محمد ابراهیم علي صاحب رئیس
بچهراؤن من ابتداء شوال سنه ۱۲۸۷
لغایت ذیحجه سنه ۱۲۸۸ هجري [illegible]

۶۸ رپورٹ سرکاري ممالک مغربي و شمالي من
ابتداء شوال سنه [illegible] لغایت آخر رمضان
سنه ۱۲۸۸ هجري [illegible]

۶۹ مولوي محمد ظهور صاحب تحصیلدار هلور
من ابتداے شوال سنه ۱۲۸۷ لغایت آخر
رمضان سنه ۱۲۸۸ هجري ... [illegible]

۷۰ شیخ صدرالدین صاحب رئیس ضلع بجنور
من ابتداے شوال سنه ۱۲۸۷ هجري
لغایت رمضان سنه ۱۲۸۸ هجري ... [illegible]

۷۱ سید عطاءالله خان صاحب از ناگپور من

خرید کاغذ چھاپه چھیس رم ... [illegible]
اجرت چھپائي اخبار من ابتداے یکم شوال
سنه ۱۲۸۷ هجري لغایت آخر [illegible]
سنه ۱۲۸۸ هجري [illegible]
محصول ڈاک بابت تقسیم اخبارات وخطوط [illegible]
کاغذ اقرار نامجات اجراے اخبار [illegible]
سایر خرچ مع تیاري صندوق واسطے رکھنے
اخبار ... [illegible]
بته هنڈویات [illegible]
تنخواه محرر ابتداے یکم رمضان لغایت
آخر ذیحجه سنه ۱۲۸۸ هجري ... [illegible]

میزان کل ... [illegible]

باقي به تحویل مینیجر لغایت آخر ذیحجه
سنه ۱۲۸۸ هجري ... [illegible]

وسیع جو میں ٹھہرے ہوئے ہیں تو اب وہی خدا کی قدرت اُن کے بیلے ستون ہوگی پس نتیجہ یہہ نکلا کہ خدا تعالی نے آسمان یعنی اوپر کی چیزوں کو بغیر ایسے ستون کے جسکو تم دیکھو اُٹھا رکھا ہی یعنی اُن کے لیئے حقیقت میں تو ستون ہی مگر وہ ستون کیا ہی وہ خدا کی قدرت اور اُسکی نگہبانی اور تدبیر اور اُسکا ٹھہرائے رکھنا ایسی چیزوں کا اتنے بڑے جو میں ہی اور بے شک بندے اُن تدبیروں کو نہیں دیکھتے اور ان باتوں کو نہیں جانتے *

اگر اِس زمانہ میں امام فخرالدین رازی ہوتے تو اُن کو اتنی بڑی تقریر اور ٹیڑھی سیدھی باتیں نہ بنانی پڑتیں بلکہ وہ نہایت آسانی سے سمجھہ لیتے کہ وہ ستون جسکو ہم نہیں دیکھتے جس سے تمام کرات معلقہ تھمے ہوئے ہیں وہ قوت جذب ہی جو خدا نے ہرایک میں پیدا کی ہی *

چوتھے یہہ کہ قران مجید میں آسمان کی نسبت تین لفظ اور آئے ہیں جنکی تفسیر میں کم غور کرنے والوں کو دقت پڑتی ہی اور وہ لفظ یہہ ہیں — سقفا محفوظا — مالہا من فروج — والسقف المرفوع — اور وہ سمجھتے ہیں کہ ان تینوں لفظوں سے ثابت ہوتا ہی کہ آسمان چھت کی مانند ہی اور جب چھت کی مانند ہوا تو ضرور جسم ہوگا *

اِس خیال پر بعض مفسرین کی اور شامت آئی کہ وہ یہہ سمجھے کہ جب چھت کی مانند ہوا تو ضرور چورس ہی ہوگا اور دیواروں پر ہی رکھا ہوا ہوگا اِس خیال باطل سے اُنہوں نے کہدیا کہ قران سے پایا جاتا ہی کہ آسمان چورس ہی اور بڑے اُونچے اُونچے پہاڑوں پر ٹکا ہوا ہی امام فخرالدین رازی نے ایک نحو طور پر جیسا کہ اُس زمانہ کے فیلسوفوں کا دستور تھا اِس بیان کو رد کیا ہی مگر اصل یہہ ہی کہ یہہ الفاظ کچھہ بھی منافی یا مخالف حقیقت کے نہیں ہیں ہم اُوپر بیان کرچکے ہیں کہ آسمان ہر اُوپر کی چیز پر بولا جاتا ہی پس یہہ نیلی نیلی چیز جو ہمکو دکھائی دیتی ہی اور جو حقیقت میں مثل دخان یا ہوائے محیط کے ایک جسم بھی رکھتی ہی اور ہماری دنیا کے چاروں طرف محیط ہی اور دنیا کے رہنے والوں کو مثل سقف گنبدی کے دکھائی دیتی ہی اس پر بھی آسمان کا اطلاق ہوتا ہی مگر یہہ نیلی چیز یونانی حکیموں والا آسمان نہیں ہی پس اگر اِس نیلی چیز پر سقف مرفوع اور سقف محفوظ کا اطلاق ہوا تو مشکل اور دقت کیا پیش آئی *

ایک اور مصیبت مفسرین پر پڑی ہی کہ قران مجید میں آسمان کی نسبت لفظ دخان بھی آیا ہی جس سے معلوم ہوتا ہی کہ وہ صرف دھواں ہی اتو مفسرین کے ہوش گئے اور سمجھے کہ اب تو یونانی حکیموں والا آسمان بھی نرما اور شیخ چلی کی طرح سرنے کا گھر خاک ہوگیا گو امیر جناب شاہ ولی اللہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ میں ارقام فرماتے ہیں کہ دیکھنے والوں کی آنکھہ میں دھوئیں کی مانند دکھائی دے مگر اصل میں ایسا نہو اور ابن مسعود کا ایک قول بےسند نقل کیا ہی کہ بھوک کے مارے آنکھوں میں آسمان مثل دھوئیں کے دیکھائی دیگا پھر فرماتے ہیں کہ یہاں قران کی باتوں سے انکار کرنا منع ہی اگر سمجھہ میں نہ آوے تو ظاہری اُسکے معنوں ہی پر ایمان رکھنا چاہیئے کہ اقل درجات ایمان اُنکا مان لینا اور تصدیق کرلینا ہی مگر ہم دست بستہ عرض کرتے ہیں کہ جناب ہم اقل درجات ایمان نہیں چاہتے ہم تو اعلی درجات ایمان پر پہونچے ہوئے ہیں *

یہہ باتیں ہم نے کچھہ گستاخی کی راہ سے نہیں لکھیں بلکہ جتنا کہ ہم امام رازی اور مولانا شاہ ولی اللہ صاحب کا ادب کرتے ہیں اور اُنکو علماء محققین ربانی سے سمجھتے ہیں اتنا کوئی نہ کرتا ہوگا نہ سمجھتا ہوگا مگر اس تحریر سے ہمارا مطلب یہہ ہی کہ لوگ یہہ بات سمجھیں کہ حقیقت اشیاء روز بروز زیادہ تر منکشف ہوتی جاتی ہی اور جسقدر کہ ہمارا علم ترقی پاتا ہی اُسیقدر علم ربانی کی حقیقت زیادہ تر واضح ہوتی ہی پس اقوال مفسرین سابق ہی پر ہمکو منحصر رہنا نہیں چاہیئے *

ہماری دنیا کو ایک مادہ رقیق سیال محیط ہی جسکا نام دخان کہو خواہ ہوائے محیط کرہ ارض خواہ اور کچھہ اور وہی مادہ اسبات کا سبب ہی کہ ہمکو یہہ نیلی چھت جسکو آسمان بھی کہتے ہیں دکھائی دیتی ہی پس یہہ بات کہنا کہ آسمان دخان ہی بالکل حقیقت کے مطابق ہی اور کچھہ بھی تاویل اور تردد کی حاجت نہیں ہی یہہ ساری خرابی اس لیئے پڑتی ہی کہ ہم نے اپنی غلطی سے ہر جگہہ لفظ آسمان کا مصداق یونانی حکیموں کے آسمان کو سمجھہ رکھا ہی *

پانچویں یہہ کہ قران مجید میں آسمان کی نسبت فتح ابواب بھی آیا ہی جس سے معلوم ہوتا ہی کہ آسمان ایک جسم مجسم ہی اور اُسمیں چوکھٹ اور کواڑ اور قبضے کڑے کنڈے سب لگے ہوئے ہیں جسکے سبب دروازے کھلتے بند ہوتے ہیں اور ضرور سنتری بھی دروازے کھولنے بند کرنے کو کھڑے ہونگے پھر آسمان کے وجود مجسم و مستحکم سے کیونکر انکار کیا جاسکتا ہی مگر اسپر ہمکو بحث کرنی ضرور نہیں کیونکہ خود اگلے مفسرین اسکو رد کرچکے ہیں — قال الامام الغزالي و هو على طريق الاستعارة فان الظاهر ان المراد كان من السحاب و على هذا فهوكما يقول القايل في المطر الوابل جرت مزاريب

الشفاء و فتح ابواب القرب — یعنی امام غزالی صاحب فرماتے ہیں کہ شدت سے مینھہ برسنے میں جو خدا تعالی نے یہہ فرمایا ہی کہ آسمان کے دروازے کھل گئے تو ایسا کہنا بطور استعارہ کے ہی کیونکہ یہہ بات تو ظاہر ہی کہ مینھہ یونانی حکیموں والے آسمان میں سے تو برستا نہیں بلکہ بادلوں میں سے برستا ہی پس آسمان کے دروازوں کا کھلنا ایسا ہی جیسے کوئی شدت کے مینھہ برسنے میں یوں کہے کہ آسمان کے پرنالے بہہ نکلے اور پکھالوں کے منھہ کھل گئے *

چوتھے یہہ کہ بعضی جگہہ قران مجید میں آسمانوں کے پیدا کرنے اور بنانے کا ذکر کیا اور چند جگہہ اُن کا شق ہونا اور پھٹ جانا فرمایا ہی پھر اگر وہ مثل یونانی حکیموں کے آسمان کے مجسم نہوتا تو خدا تعالی یہہ باتیں آسمانوں کی نسبت کیونکر منسوب کرتا *

مگر سمجھنا چاہیئے کہ خدا تعالی نے بہت سی جگہہ قران مجید میں غیر مجسم چیزوں پر خلق کے لفظ کا اطلاق فرمایا ہی بلکہ حالات مفروضہ اور اشیاء معدومہ کی نسبت بھی ایسے لفظوں کا اطلاق ہوا ہی مثلاً فرمایا ہی کہ "جعل فی السماء بروجا" یعنی بنائے آسمان میں برج حالانکہ کسی کے نزدیک وہ کوئی جسمانی چیز نہیں ہی موت اور حیات سب کے نزدیک صرف فرضی حالتیں ہیں ان کی نسبت بھی خلق کا لفظ قران مجید میں آیا ہی کما قال اللہ تبارک و تعالی "خلق الموت والحیوۃ" عقل کی نسبت بھی پیدا کرنے کا لفظ آیا ہی معہذا جب کہ یہہ بات ثابت ہوچکی ہی کہ اوپر کی تمام چیزوں پر آسمان کا لفظ بولا جاتا ہی تو اُنمیں بہت سی چیزیں ایسی ہیں کہ وجود اصلی بھی رکھتی ہیں پس یہہ بات کہنی کہ اوپر کی چیزوں کو خدا نے بنایا ہی — خدانے پیدا کیا ہی اوپر کی چیزیں پھٹ جاوینگی شق ہوجاوینگی کچھہ بھی حقیقت کے برخلاف نہیں ہی اور نہ کسی قسم کی تاویل کی حاجت ہی غلطی تو جب ہی پڑتی ہی جبکہ قران کو چھوڑکر یونانی حکیموں کی پیروی کرکر سماء کے لفظ سے یونانی حکیموں کا بنایا ہوا آسمان مراد لیا جاے *

اب سبع سموات کی بحث باقی رہی یعنی اگر طبقات آسمان کے وہ معنی لیئے جاویں جو سبع سموات علیٰحدہ میں بیان ہوئے تو وہ سات نہیں قرار پاسکتے بلکہ سات سے زیادہ ہیں اور روز بروز نکلتے چلے آتے ہیں چند روز ہوئے کہ ایک ہرشل سیارہ کا طبقہ نکلا تھا اور ابھی نبچوں سیارہ کا ایک طبقہ نکلا ہی اور معلوم نہیں کہ اور کتنے نکلتے آوینگے پھر اُنکو سات میں منحصر کرنا کیونکر صحیح ہوگا *

مگر یہہ سمجھہ کہ خدانے اُن طبقوں کو سات میں منحصر کردیا ہی غلط ہی کوئی تعداد بیان کرنے سے عدد زائد کی نفی لازم نہیں آتی امام رازی صاحب فرماتے ہیں فان قال قائل هل یدل التنصیص علی سبع سموات علی نفی العدد الزاید قلنا الحق ان تخصیص العدد بالذکر لا یدل علی نفی الزاید — یعنی اگر کوئی کہنے والا یہہ کہے کہ کیا سات آسمانوں کی صریح تعداد بیان کرنی اسبات پر دلالت کرتی ہی کہ اُس سے زیادہ آسمان نہیں ہیں تو ہم کہینگے کہ حق یہہ ہی کہ کسی عدد کو بیان کرنے میں خاص کرلینا اُس سے زیادہ نہونے پر دلالت نہیں کرتا —

پس صاف ظاہر ہوگیا کہ اگلے عالموں کے نزدیک بھی سات ہی میں آسمانوں کا انحصار نہیں پایا جاتا تھا *

غرضکہ بیان مذکورہ سے ثابت ہی کہ الفاظ اور آیات قران مجید سے وہ آسمان جسکو یونانی حکیموں نے بنایا تھا اور جسکی حقیقت ہیئت قدیمہ میں بیان کی گئی ہی ثابت نہیں ہوتی اور اُسکا عدم ملکو نص قرانی نہیں سمجھا جاسکتا اور مسئلہ ہیئت جدیدہ جو اس امر کی نسبت ہی وہ مخالف قرآن مجید نہیں پایا جاتا — فتدبر *

راقـــــم
مہدی علی ڈپٹی کلکٹر ضلع مرزاپور

لمبر ۵۶

طعام اھل کتاب

جب سے ہم لوگوں میں طعام اھل کتاب کی اباحت اور حرمت کی نسبت گفتگو شروع ہوئی ہی تب سے اکثر لوگوں کو اس امر کی تحقیق کی خواہش ہی کہ اصحاب نبوی اور اُن لوگوں کا جو قرون ثلثہ میں تھے کیا طریقہ تھا آیا وہ اھل کتاب کے کھانے کو حلال جانتے تھے یا حرام یا مکروہ سمجھتے تھے اور اُنکی دعوت کو قبول کرتے تھے یا نہیں چنانچہ جن لوگوں نے اھل کتاب کے کھانے اور اُن کے ساتھہ کھانے کو مباح اور جائز تصور کیا اُنھوں نے اسلاف کرام کے اقوال سے اُس کے جواز کو ثابت کیا مگر اب تک کسی نے صحابہ کی عام رسم و رواج کو اس معاملہ کی نسبت ہمارے پچھلے محققین اور علماء کے کلام سے ثابت نکیا *

میں مدت سے اِس کی تحقیق میں ہوں چنانچہ اگلا تو مجھے ثابت ہوگیا تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ جب کسی اھل کتاب سے مصالحہ کرتے اور اُن سے عہد لیتے تو عہد نامہ میں منجملہ اور شرائط کے ایک یہہ بھی شرط کرتے تھے کہ جب کسی مسلمان کا اُن کے یہاں گذر ہووے تو تین دن تک مہمانی کریں مگر یہہ بات صاف معلوم نہوئی تھی کہ اُسوقت مہمانی کا کیا قاعدہ تھا آیا اھل کتاب خشک دانے دیدیا کرتے تھے یا قیمت کھانے کی نذر کیا کرتے تھے یا اپنے گھر کا پکا ہوا کھانا کھلاتے تھے یا خود بھی اُن مسلمان مہمان کے ساتھہ بیٹھہ کر کھانا کھاتے تھے چنانچہ مدت سے مجھکو اس امر کی تلاش تھی کہ آج میں کتاب تبعیدالشیطان بتقریب اغاثۃ اللہفان کو جو خلاصہ اکتاب اغاثۃ اللہفان فی مصائد الشیطان تصنیف علامہ ابن قیم کا ہی دیکھہ رہا تھا کہ اُسمیں میئے ایک مضمون دیکھا جس سے صاف ثابت ہوگیا کہ اصحاب نبوی نہ صرف اھل کتاب کے کھانے کو جائز جانتے تھے بلکہ اُنکی ضیافت کو قبول کرتے اُن کے یہاں کے پکے ہوئے کھانے کو اُن کے گھر اور اُن کے عبادت خانوں میں جاکر کھاتے چنانچہ اُس کتاب کی اصل عبارت اور ترجمہ کو ذیل میں لکھتا ہوں پس جو دیندار مسلمان آج کل کے لوگوں پر اطلاق امر اور تنصر کا اُس بات کے کرنے سے جو صحابہ نبوی کیا کرتے تھے کیا کرتے ہیں نہ کریں اور صرف پابندی رسم و رواج سے درپردہ الزام اصحاب رسول پر نہ لگاویں *

عبارت اصل کتاب

ومن ذالک انہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کان یجیب من دعاہ الی من طعامہ و اضافہ یہودي بخبز شعیر و اھالۃ سنخۃ و احل اللہ طعمۃ اھل الکتاب و کان المسلمون یا کلون من اطعمتھم و شرط علیھم عمر ضیافۃ من مر بھم من المسلمین و قال اطعموھم مما تاکلون ولما قدم الشام صنع لہ اھل الکتاب طعاما فدعوہ فقال این ھو قالوا في الکنیسۃ فکرہ دخولھا وقال لعلي اذھب بالناس فذھب بالمسلمین و اکلوہ و جعل علی ینظر الی الصور بالکنیسۃ و یقول ما علی امیر المومنین لو دخل و اکل *

ترجمہ

اور اس میں سے ھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کو جو شخص دعوت کرتا آپ قبول فرماتے اور اُس کا کھانا کھاتے اور ایک یہودي نے آپ کي ضیافت جو کي روٹي اور بگڑے سالن سے کي تھي اور خدا تعالی نے اهل کتاب کا کھانا حلال فرمایا ھي اور مسلمان اُن کا کھانا کھایا کرتے تھے اور حضرت عمر رضی‌اللہ عنہ نے اُن سے شرط کرلي تھي کہ جو مسلمان تمھارے پاس آوے اُس کي ضیافت کرو اور جو تم کھاتے ھو اُس کو کھلاؤ اور جب آپ شام میں تشریف لائے تو آپ کے لیئے اهل کتاب نے کھانا طیار کیا اور بولایا آپ نے پوچھا کہ وہ کہاں ھے اُنھوں نے کہا کہ گرجا میں ھی آپ نے اُس کے اندر جانا مکروہ سمجھا اور حضرت علي رضی اللہ سے فرمایا کہ تم لوگوں کو لیجاؤ چنانچہ وہ لیگئے اور کھانا کھایا حضرت علي رضی اللہ گرجا کي تصویروں کو دیکھتے تھے اور فرماتے تھے کہ اگر امیرالمومنین عمر رضی‌اللہ عنہ بھي آتے اور کھاتے تو کچھ اُن کا حرج نہ تھا *

واضح ھو کہ شام کے لوگ اُس زمانہ میں عیسائي رومن کیتھلک تھے *

راقم
مہدي علي ڈپٹي کلکٹر راپٹ گنج
ضلع مرزاپور

نمبر ۵۷

احادیث غیر معتمد

اسلام کا ادب اور اُسکي دوستي اور کمال ایمانداري اسبات میں ھی کہ حدیثوں کي تنقیح کي جاوے اور جس میں ذرا بھي شک ھو اُسے درد کي مکھي کي طرح نکال کر پھینک دے — حدیث کي تنقیح نکرنا اور ھر حدیث کو سمجھنا کہ پیغمبر خدا صلعم کا قول ھی نہایت بےادبي اور اسلام کي دشمني ھی پس سچي دوستي اور حقیقي ادب یہي ھی کہ غیر کے کلام کو اپنے نبي پاک کے کلام سے علحدہ کردے *

حضرت علامہ مجدالدین فیروز آبادی نے جو اکابر علماۂ حدیث سے ھیں سفرالسعادۃ کے خاتمہ میں بہت سي باتیں لکھي ھیں اور بیان کیا ھی کہ ان باتوں کي نسبت بہت سي حدیثیں بیان ھوئي ھیں اُن میں سے کچھ بھي صحیح اور علماء حدیث کے نزدیک ثابت نہیں ھیں چنانچہ اُسي مضمون کو ھم بھي لکھتے ھیں تاکہ لوگوں کو معلوم ھو کہ کیسي کیسي مشہور حدیثوں کو علماء معتبر قابل اعتماد نہیں سمجھتے تھے پس جو حدیثیں کہ معتبر نہیں ھیں اُنکو نہ ماننا عین دینداري ھی چنانچہ مفصلہ ذیل باتیں اُس کتاب میں مندرج ھیں *

۱ ایمان کے بیان میں جو حدیثیں ھیں کہ ایمان قول اور عمل کا نام ھی اور گھٹتا اور بڑھتا ھی یا نہ گھٹتا ھی نہ بڑھتا ھی اُن میں سے کوئي حدیث بھي پیغمبر خدا صلعم کي نہیں ھی بلکہ صحابہ اور تابعین کے اقوال ھیں *

۲ — مرجیہ اور قدریہ اور جہمیہ اور اشعریہ کي نسبت جسقدر حدیثیں ھیں کوئي بھي اُن میں سے صحیح نہیں ھی *

۳ — اسباب میں کہ کلام‌اللہ قدیم غیر مخلوق ھی بہت حدیثیں ھیں مگر پیغمبر خدا صلعم کي کوئي حدیث نہیں ھی صحابہ و تابعین کے اقوال ھیں *

۴ — ملائکہ کي پیدایش میں اور حضرت جبرئیل کے پروں کے قطروں سے فرشتوں کے پیدا ھونے میں کوئي حدیث صحیح نہیں ھی *

۵ — محمد اور احمد نام رکھنے کي خوبي اور بزرگي میں یا اُس کي ممانعت میں کوئي حدیث صحیح نہیں ھی *

۶ — عقل کي اصلیت اور اُسکي فضیلت کے بیان میں کوئي حدیث صحیح نہیں ھی *

۷ — خضر و الیاس کي عمر اور اُس کي درازي کے باب میں کوئي حدیث صحیح نہیں ھی *

۸ — علم کے باب میں اور اسمیں کہ علم کا طلب کرنا فرض ھی کوئي حدیث صحیح نہیں ھی *

۹ — علم کے چھپانے کي برائي میں بھي کوئي صحیح حدیث نہیں ھی *

۱۰ — قرآن اور سورتوں کي خاص خاص فضیلتوں میں جسقدر حدیثیں ھیں سوائے چند کے اُن میں سے بھي کوئي حدیث صحیح نہیں ھی *

۱۱ — حضرت ابوبکر کي فضیلت کي مشہور حدیثیں موضوع اور مفتریات سے ھیں *

۱۲ — حضرت علي کے فضایل میں بجز ایک حدیث کے اور کوئي ثابت نہیں *

۱۳ — معاویہ کے فضایل میں کوئي صحیح حدیث نہیں ھی *

۱۴ — امام ابو حنیفہ اور شافعي کي بزرگي یا برائي میں جسقدر حدیثیں ھیں سب موضوع اور مفتري ھیں *

۱۵ — بیت‌المقدس اور صخرہ اور عسقلان اور قزوین اور اندلس اور دمشق کي فضیلت میں کوئي صحیح حدیث نہیں ھی *

۱۶ — قلتین پاني جب ھو تو ناپاک نہیں ھوتا بعضے اِس حدیث کو صحیح کہتے ھیں بعضے غیر صحیح مگر اکابر اهل حدیث نے اپني تصنیفات میں اس حدیث کو بیان کیا ھی (میرے نزدیک پاني کے باب میں صحیح حدیث صرف ایک ھی الماء طاھر و طھور الخ) *

۱۷ — دھوپ سے گرم ہوئے پانی کے مکروہ ہونے کی نسبت بھی کوئی صحیح حدیث نہیں ہے *

۱۸ — وضو کے بعد ہاتھ پاؤں کا پانی پونچھ لینے کے باب میں بھی کوئی حدیث صحیح نہیں ہے *

۱۹ — داڑھی کے خلال اور کانوں اور گردن پر مسح کرنے میں بھی کوئی حدیث صحیح ہے *

۲۰ — نبیذ سے وضو کرنے کی بھی کوئی صحیح حدیث نہیں ہے *

۲۱ — عورت کو چھونے سے وضو کرنے میں کوئی صحیح حدیث نہیں ہے *

۲۲ — مردہ کو غسل دینے کے بعد خود غسل کرنے کی بھی کوئی صحیح حدیث نہیں ہے *

۲۳ — حمام میں جانے سے منع ہونے میں کوئی صحیح حدیث نہیں ہے *

۲۴ — اس باب میں کہ بسم اللہ ہر سورۃ کی آیت ہے اور نماز میں اُس کو پکار کر پڑھنا چاہیئے کوئی حدیث صحیح نہیں ہے *

۲۵ — اس باب میں کہ امام ضامن ہے اور موذن موتمن ہے اور مسجد کے ہمسایہ میں رہنے والے کی نماز بغیر مسجد کے نہیں ہوتی اور ہر نیک و بد کے پیچھے نماز جایز ہے کوئی صحیح حدیث نہیں ہے *

۲۶ — جس شخص پر قضا نمازیں ہوں اُس کی نماز نہ ہونے میں کوئی صحیح حدیث نہیں ہے *

۲۷ — سفر میں پوری نماز پڑھنے اور روزہ رکھنے کے گناہ ہونے میں کوئی صحیح حدیث نہیں ہے *

۲۸ — فجر کی نماز اور وتر میں قنوت پڑھنے میں کوئی صحیح حدیث نہیں ہے *

۲۹ — مسجد میں جنازہ کی نماز نہ پڑھنے میں اور تکبیرات جنازہ میں رفع یدین کرنے میں کوئی صحیح حدیث نہیں ہے *

۳۰ — اس باب میں کہ نماز کوئی چیز قطع نہیں کرتی کوئی صحیح حدیث نہیں ہے *

۳۱ — اور اس باب میں کہ طلب کرو تم خیر کو رحم دلوں اور خندہ رو لوگوں سے کوئی صحیح حدیث نہیں ہے *

۳۲ — اور اس باب میں کہ مالداروں کا غربا کی حاجت براری سے پہلو تہی کرنا موجب زوال نعمت ہے اور احسان کرنے میں ثواب ہے کوئی حدیث صحیح نہیں ہے *

۳۳ — صلوٰۃ التسبیح اور صلوٰۃ رغایب اور صلوٰۃ نصف شعبان و نصف رجب و صلوٰۃ ایمان اور صلوٰۃ لیلۃ المعراج و لیلۃ القدر اور صلوٰۃ ہر شب رجب و شعبان و رمضان کے باب میں کوئی صحیح حدیث نہیں ہے *

۳۴ — نہانے کی اور شہد کی اور ترکاری کی زکوٰۃ کے باب میں کوئی صحیح حدیث نہیں ہے *

۳۵ — روز عاشورہ کے فضایل اور اعمال کے باب میں سوائے روزہ کے مستحب ہونے کے اور رجب کے روزہ کی فضیلت میں کوئی حدیث صحیح نہیں ہے اور اسی طرح جو حدیثیں صدقات اور خضاب اور سر میں تیل ڈالنے اور سرمہ لگانے کی اور دانہ اوبالنے کی فضیلت میں آئی ہیں سب موضوع ہیں *

۳۶ — پچھنے لگانے سے روزہ جاتے رہنے میں کوئی صحیح حدیث نہیں ہے *

۳۷ — اس باب میں کہ جو مقدور رکھہ کر حج نہ کرے وہ یہودی ہو کر مریگا یا عیسائی کوئی حدیث صحیح نہیں ہے *

۳۸ — جس قرض میں نفع ہو وہ سود ہے اس باب میں بھی کوئی صحیح حدیث نہیں ہے *

۳۹ — چھری سے گوشت کاٹ کر کھانا منع ہونے میں کوئی حدیث صحیح نہیں ہے *

۴۰ — رسول خدا صلعم کے فارسی میں کلام کرنے میں یا فارسی زبان بولنے کے مکروہ ہونے میں کوئی حدیث صحیح نہیں ہے *

۴۱ — دعا مانگ کر دونوں ہاتھوں کو منھہ پر ملنے میں کوئی صحیح حدیث نہیں ہے *

۴۲ — سفید مرغ اور مہندی کی فضیلت میں کوئی حدیث صحیح نہیں ہے *

۴۳ — اس باب میں کہ ولد الزنا جنت میں نہ جاویگا کوئی صحیح حدیث نہیں ہے *

۴۴ — اس باب میں کہ اجماع حجۃ ہے کوئی صحیح حدیث نہیں ہے *

۴۵ — اس باب میں کہ قیاس حجۃ ہے کوئی حدیث صحیح نہیں ہے *

۴۶ — اس باب میں کہ قیامت کی نشانیاں فلاں فلاں مہینوں میں ظاہر ہونگی اور دوسو برس بعد سے قیامت کی نشانیاں ظاہر ہونگی کوئی صحیح حدیث نہیں ہے *

یہہ چند باتیں بطور مثال کے ہم نے لکھی ہیں مگر سفر السعادۃ میں اور بہت سی باتیں اسی قسم کی ہیں جن کی نسبت صحیح حدیثیں نہیں ہیں اس تمثیل سے ہماری غرض یہہ ہے کہ جب تک حدیث کی صحت بخوبی پڑتال نہ لیجاوے اُس وقت تک اُس کی صحت تسلیم کرنی نہ چاہیئے کیونکہ ایسا کرنے سے اسلام میں خلل آتا ہے اور صرف اس بات پر کہ یہہ حدیث فلاں کتاب میں مندرج ہے بھروسا کرنا محض بیجا ہے گو کہ وہ کتاب صحیح بخاری ہی کیوں نہو *

راقم
سید احمد

بمقام علیگڈہ — مطبع علیگڈہ انسٹیٹیوٹ میں چھپا اور باہتمام
حافظ محمد عبدالرزاق کے شایع ہوا

THE MOHAMMEDAN SOCIAL REFORMER

تہذیب الاخلاق

جلد دوم] ۱۵ ذیقعدہ سنہ ۱۲۸۸ ہجری [نمبر ۱۹

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اطلاع

تشریح قیمت و تصرف منافع تہذیب الاخلاق

جو روپیہ بابت اس پرچہ کے بطور چندہ خواہ بطور قیمت وصول ہو وہ کسی خاص شخص کی ملکیت نہوگا بلکہ اس پرچہ کے اجرا و ترقی میں صرف کیا جاویگا *

مسلمانوں میں سے جو شخص ساتھہ روپیہ سالانہ پیشگی بطور چندہ دے وہ اس پرچہ کے متعلق معاملات میں ممبر متصور ہوگا *

یہہ پرچہ ہر مہینے میں ایک بار یا دو بار یا تین بار جیسا کہ مقتضاے مضامین ہوگا چھپا کریگا خریداروں کو چار روپیہ سالانہ قیمت پیشگی دینی ہوگی اور اخراجات روانگی پرچہ سے اُن کو کچھہ تعلق نہوگا *

اگر کوئی شخص کوئی خاص پرچہ خریدنا چاہیگا اُس کو فی پرچہ چار آنہ معہ اخراجات روانگی پرچہ دینا ہوگا *

ممبروں کو بلا قیمت یہہ پرچہ ملیگا اور اُن کو اُس کے تقسیم کا بھی جسکو وہ چاہیں اختیار ہوگا *

اطلاع

بخدمت ممبران و خریداران و ناظرین تہذیب الاخلاق

اس پرچہ کی بابت جس صاحب کو کچھہ خط و کتابت کرنی منظور ہو یا خریداری اس پرچہ کی مد نظر ہو یا کوئی مضمون اس پرچہ میں مندرج ہونے کے لیئے بھیجنا ہو یا زر قیمت اخبار یا زر چندہ یا کچھہ روپیہ بطور ڈونیشن کے عنایت فرمانا ہو تو سید احمد خان صاحب بہادر سی ایس آئی پاس بمقام بنارس بھیجا جاوے غرضکہ تمام خط و کتابت بابت اس پرچہ کے اُنھی سے کی جاوے کیونکہ یہہ پرچہ علیگڈہ میں چھپکر اُن کے پاس چلا جاتا ہی اور وہاں سے تقسیم ہوتا ہی اور تمام حساب کتاب اسکا سب اُن کے پاس رہتا ہی *

اس پرچہ میں صرف مضامین مفیدہ جو مسلمانوں سے متعلق ہیں چھاپہ ہوتے ہیں اور اس سبب سے اخبار امصار و دیار اس میں مندرج نہیں ہوتے — مقصود اس پرچہ کے اجرا سے یہہ ہی کہ مسلمانوں کی حسن معاشرت اور تہذیب کی ترقی ہو اور جو غلط اوہام اُس ترقی کے مانع ہیں وہ مٹائے جاویں *

مضمون نمبر ۵۸

تطبیق منقول بامعقول

کوئی خیال اس سے زیادہ غلط نہیں ہی کہ دین کے اصول جو خدا نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت بتلائے وہ مطابق اُن اصول کے نہیں ہیں جو عقل سے ثابت ہوتے ہوں اور کوئی امر اس سے زیادہ تر مذہب پر الزام نہیں دیتا جیسا کہ یہہ مسئلہ کہ نقل میں عقل کو دخل دینا شرعاً ناجائز ہی اس غلط خیال کے پیدا ہونے کا کوئی سبب کیوں نہو اور اس مسئلہ کے جاری کرنے والوں نے کیسا ہی کچھہ فائدہ کیوں نہ سوچا ہو مگر حقیقت میں دین کے غلط اور بناتے ہوئے پر اس سے زیادہ اور کسی دلیل و برہان کی حاجت نہیں ہی کہ یہہ کہا جاوے نہ اُسکے اصول کو عقل سے جانچنا ناجائز ہی یا وہ عقل کے خلاف ہیں کیونکہ جو مذہب فی ذاتہ سچا اور صحیح ہی اور خاص خدا کا دیا ہوا ہی نہ انسان کا بنایا ہوا تو اُسمیں کوئی ایک بات بھی ایسی نہوگی جو عقل کے خلاف ہو اس لیئے کہ جو شی عقلاً محال ہو اُسکا واقع ہونا بھی غیر ممکن ہی پس اگر کسی دین و مذہب میں کوئی بات ایسی ہو جو مخالف عقل کے ہو تو حقیقت میں وہ دین و مذہب ہی سچا اور صحیح اور خدا کا دیا ہوا نہوگا بلکہ انسان کا بنایا ہوا ہوگا پس جتنے دین دنیا میں جاری ہیں اُن کی صحت اور غلطی کے جانچنے کے لیئے اگر خدا نے ہمکو کوئی آلہ دیا ہی تو وہ صرف عقل ہی پس اگر اُسی کے استعمال کو کسی دین کے بانی نے ناجائز اور ممنوع اور حرام کردیا ہو تو گویا اُس نے پہلے ہی سے اہل عقل پر ظاہر کردیا کہ یہہ دین خدا کا دیا ہوا نہیں ہی جس سے غلطی کا ہونا غیر ممکن ہی بلکہ ایک ایسے انسان کا بنایا ہوا ہی جسکی غلطیاں بہ نسبت صحت کے زیادہ ہوتی ہیں اور اُسی غلطی کے چھپانے کے لیئے اُسکے بانی نے عقل سے جانچنے اور امتحان کرنے کو منع کردیا پس جو دین و مذہب ایسا ہو کہ جس کے بانی نے عقل کو بیکار کردیا ہو اور اُس سے کام لینے سے ممانعت کردی ہو تو اُس دین کو کوئی قبول نکریگا مگر احمق اور جاہل کیونکہ بنا اُسکی جہالت پر ہی *

لیکن ہم اپنے دین اسلام کی نسبت کبھی یہہ خیال نہیں کرتے کہ وہ خدا کا دیا ہوا نہیں ہی اور اُسکے اصول عقل کے مطابق نہیں ہیں بلکہ ہم یقین کرتے ہیں کہ ہمارا دین سچا دین ہی کیونکہ جو کچھہ خدا نے ہمکو بتلایا ہی وہ نفس الامر کے مطابق اور اصول عقلی کے موافق ہی اور ہمارے اس یقین کی تکمیل خدا کے کلام اور ہمارے رسول کے اقوال سے ہوتی ہی اس لیئے کہ ہمارے خدا اور ہمارے رسول نے کبھی نہیں کہا کہ تم عقل سے کام نہ لو اور جاہلوں کی طرح کسی بات کو مانلو بلکہ دین کا مدار بالکل عقل پر رکھا اور سب کو عقل سے کام لینے کی نہ صرف اجازت دی بلکہ اُسکی تاکید فرمائی ہمارے خدا کا پاک کلام اسی دعوی سے بھرا ہوا ہی کہ جس کسیکو اس دین کی حقیقت میں شک ہو وہ سوچے اور عقل سے جانچ کرے تاکہ ہر بات کو مطابق نفس الامر کے اور موافق عقل کے پاکر اُسکی حقیقت پر یقین کرے کماقال اللہ تعالی ”ماتری فی خلق الرحمن من تفاوت فارجع البصرھل تری من فطور ثم ارجع البصرکرتین ینقلب الیک البصر خاسئاو ھو حسیر“ *

جو لوگ یہہ خیال کرتے ہیں کہ منقول اور معقول میں مخالفت ہی وہ حقیقت میں عقل اور دین کی حقیقت سے بے خبر ہیں اس لیئے ہم دونوں کی ماہیت بیان کرتے ہیں جس کے جاننے کے بعد کوئی نہیں کہہ سکتا کہ منقول اور معقول میں مخالفت ہی *

جتنی چیزیں خدا نے اس دنیا میں پیدا کی ہیں اُنکی فی ذاتہ ایک حقیقت ہی اور انسان کو خدا نے اُن چیزوں کی حقیقتوں کے دریافت کرنے کی ایک قوت اور استعداد دی ہی اُسی قوت کا نام عقل اور اُس حقیقت کے دل میں یا دماغ میں آجانے کو علم کہتے ہیں پس علوم عقلی وہ ہیں جو بذریعہ عقل کے دریافت کیئے جاویں خواہ وہ ضروری اور بدیہی ہوں کہ بغیر دلیل و برہان کے سمجھہ میں آسکیں خواہ وہ نظری اور کسبی ہوں جو فکر و استدلال سے حاصل ہوسکتے ہوں اور علوم دینی وہ ہیں جو کہ خدا نے معرفت کسی سچے پیغمبر کے ظاہر کیئے ہوں خواہ وہ متعلق عقاید کے ہوں جو اصلی اصول دین کے ہیں یا متعلق اعمال کے ہوں جو عقاید کی تائید اور ظاہری تکمیل کے لیئے بتلائے گئے ہوں جو فروع اُن اصول کے ہیں پس جن چیزوں کو خدا نے پیدا کیا وہ حقیقت میں اُسکا فعل ہی اور جب اُسکی حقیقت کو معرفت کسی پیغمبر کے بتلادیا وہ اُسکا قول ہی پس کون احمق اور جاہل ہی جو یہہ کہہ سکے کہ خدا کا قول مخالف اُسکے فعل کے ہوسکتا ہی یا قانون قدرت اُسکا تبدل شرایع اور اختلاف ادیان سے تبدیل اور مختلف ہوسکتا ہی یا حقیقت کسی چیز کی کسی دین کے بدلنے سے بدل سکتی ہی جو کوئی ایسا خیال کرے وہ دین سے بے بہرہ ہی اور عقل سے بھی بے نصیب اور جب یہہ امر ثابت ہوگیا کہ حقیقت اشیا کی کبھی بدل نہیں سکتی اور قانون قدرت میں کچھہ ترمیم ہو نہیں سکتی پس جو علوم ایسے ہیں کہ جن سے اشیا کی حقیقت معلوم ہو اُنہیں کو ہم علوم عقلی اور علوم حکمی کہتے ہیں جیسا کہ ہمارے یہاں کے ایک محقق نے لکھا ہی کہ ” ان العلم ینقسم الی حکمی و غیر حکمی و وجوالعلوم

بل اما ان لایتغیر بتغیر الامکنۃ والزمان ولایتبدل بتبدیل الدول والادیان فالاول العلوم الحکمیۃ و یقال لہا العلوم الحقیقیۃ ایضاً ای الثابتۃ علی مرالدھور والاعوام " اور جو علوم ایسے ہیں کہ جنکو خاص خدا نے معرفت کسی رسول کے بتلایا ہو اُنکو ہم علوم دینی کہتے ہیں جیسا کہ امام غزالی فرماتے ہیں " اما العلوم الدینیۃ فہی ماخوذۃ بطریق التقلید من الانبیاء صلوات اللہ علیہم وسلامہ و ذلک یحصل بالتعلیم بکتاب اللہ تعالی و سنۃ رسولہ صلی اللہ علیہ وسلم و فہم معانیہما بعد السماع " *

اب ہمکو یہہ سوچنا چاہیئے کہ آیا ہم علوم دینی کی حقیقت بغیر استعانت عقل کے دریافت کرسکتے ہیں یا نہیں چنانچہ اسکی نسبت ہمارے محققین کا اقرار ہے " لایمکن فہمہ بعد سماعہ الا بالعقل فلاغنا بالعقل عن السماع و لاغنا بالسماع عن العقل فالداعی الی محض التقلید مع عزل العقل بالکلیۃ جاہل و المکتفی بمجرد العقل عن انوار القران و السنۃ مغرور فایاک ان تکون من احد الفریقین و کن جامعا بین الاصلین (احیاء جلد ۳ صفحہ ۱۱) " اور جب بغیر استعانت عقل کے علوم دینی کی حقیقت کا سمجھنا ہی مشکل ہے تو کیونکر وہ علوم عقلی مخالف دینی علوم کے ہونگے مگر جو لوگ ظاہر میں دونوں کو مخالف بتاتے ہیں اُسکے دو سبب ہیں ایک یہہ کہ جو علوم حقیقت میں عقلی نہیں ہیں بلکہ وہمی اور خیالی ہیں اُنکو غلطی سے عقلی علوم سمجھنا دوسرے جو علوم حقیقت میں دینی نہیں ہیں یعنی جنکو خدا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں بتلایا اُنکو دینی علوم تصور کرنا مثلاً یہہ مسئلہ حکماء یونان کا کہ خدا عالم بالجزئیات نہیں ہے بے شک مخالف ہمارے اس دینی عقیدہ کے ہے کہ خدا سب چیز کو جانتا ہے یا یہہ قول جاہل مسلمانوں کا کہ زمین گاے کے سینگ پر ہے بلاشبہہ مخالف علوم عقلی کے ہے پس مخالفت اس قول کی کہ خدا عالم بالجزئیات نہیں ہے ہمارے دینی عقیدہ سے اس وجہہ سے نہیں ہے کہ وہ قول عقل سے ثابت ہے بلکہ اسوجہہ سے ہے کہ حقیقت میں اُسکا ثبوت دلایل عقلی سے نہیں ہے بلکہ صرف وہمی اور خیالی دلیل سے اور یہہ قول جہلا کا کہ زمین گاے کے سینگ پر ہے مخالف علوم عقلی کے نہ اس وجہہ سے ہے کہ یہہ قول بتلایا ہوا خدا و رسول کا ہے بلکہ اس سبب سے ہے کہ اُسکی کچھہ اصلیت دین میں نہیں ہے مگر جب دونوں باتیں اپنے اصول کے مطابق ہونگی یعنی علوم عقلی حقیقت میں علوم عقلی ہوں اور بلا آمیزش وہم اور خیال کے عقل سے ثابت ہوں وہ مخالف اُن علوم دینی کے ہو ہی نہیں سکتے جو کہ خاص خدا و رسول کے بتلائے ہوئے ہوں اور جسمیں کسی نے بیچ میں کچھہ ملا نہ دیا ہو اور کسی نے اپنی غلطی سے اُنمیں تحریف معنوی نہ کی ہو اس لیئے جو شخص علوم عقلی اور علوم دینی کی مخالفت کا قایل ہے اُسکو بڑی بھی دھوکہ اور بڑی مغالطہ ہوا ہے ورنہ کوئی انسان ایسا نہیں ہے جو یہہ خیال بھی کرے کہ خدا کا قول اُسکے فعل کے مخالف ہوگا کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ خدا نے زمین کو گول بنایا ہو اور معرفت پیغمبر کے اُس کا مسطح ہونا بتلایا ہو نہیں ایسا کبھی نہیں ہوسکتا جو قول خدا کا ہے وہ ہرگز اُس شے کی اصلی حقیقت کے مخالف نہوگا اس لیئے جو شخص اپنے دین کی سچائی پر خود کامل یقین رکھتا اور اُس کی سچائی اوروں پر ثابت کرنا چاہے اُسے ضرور ہے کہ وہ اپنے دین کے اصول کی عقلی اصول سے مطابقت دکھلا دے نہ کہ بجاے اِس کے اپنے دین کی حفاظت کے لیئے یہہ حکم جاری کردے کہ اصول دین کو عقل سے جانچنا اور منقول کو معقول سے ملانا ناجایز ہے اور دونوں میں فی ذاتہ تناقض ہے ہمارے مذہب کا ایک محقق لکھتا ہے † کہ جو شخص یہہ خیال کرتا ہے کہ علوم عقلی علوم شرعی کے مخالف ہیں اور دونوں میں موافقت غیر ممکن ہے یہہ خیال چشم بصیرت کے اندھے پن سے پیدا ہوتا ہے خدا ایسے خیال سے بچارے ایسا خیال کرنے والا جبکہ بعض علوم شرعی کو بعض علوم عقلی سے مخالف پاتا ہے اور دونوں میں توافق نہیں کرسکتا تو وہ یہہ سمجھتا ہے کہ یہہ اختلاف اصل دین میں ہے پس وہ دین سے ایسا نکل جاتا ہے جیساکہ بال آٹے سے اور اسکا سبب یہی ہے کہ اُس کے عجز و قصور نے اُس کے دل میں یہہ خیال پیدا کردیا کہ درحقیقت دین ہی میں اختلاف ہے افسوس ایسے آدمی کے حال پر *

تطبیق معقول و منقول میں اکثر چند شبہات لوگوں کے دلوں میں گذرتے ہیں اور علوم و فنون کی تحصیل واسطے تطبیق منقول کے اُن کے نزدیک بےسود و ناجایز یا ممنوع سمجھی جاتی ہے *

پہلا شبہہ تطبیق معقول و منقول میں یہہ ہے

کہ انسان کی عقل کامل نہیں ہوتی اور وہم اور شک کی آمیزش سے کوئی عقلی مسئلہ پاک نہیں ہوتا خلاف منقول کے کہ جو کچھہ خدا

† وظن من یظن ان العلوم العقلیۃ مناقضۃ للعلوم الشرعیۃ وان الجمع بینہما غیر ممکن ہو ظن صادر عن عمی فی عین البصیرۃ نعوذ باللہ منہ بل ہذا القائل ربما تناقض عندہ بعض العلوم الشرعیۃ لبعض فیعجز عن الجمع بینہما فیظن انہ تناقض فی الدین فیتحیر بہ فینسل من الدین انسلال الشعرۃ من العجین وانما ذلک لان عجزہ فی نفسہ خیل الیہ نقصا فی الدین و ہیہات و انما مثالہ مثال الاعمی الذی دخل دار قوم فتعثر فیہا باوانی الدار فقال لہم مابال ہذہ الاوانی ترکت علی الطریق لم ترد الی مواضعہا فقالوا لہ تلک الاوانی فی مواضعہا وانما انت لست تہتدی للطریق لعماک فالعجب منک انک لاتحیل عثرتک علی عماک وانما تحیلہا علی تقصیر غیرک فہذہ نسبۃ العلوم الدینیۃ الی العلوم العقلیۃ (احیاء)

اور اُس کے رسول نے فرمایا اُس میں کبھی غلطی ہو ہی نہیں سکتی ایسی چیز کو جس میں حق و باطل کی تمیز نہو ایسی چیز سے ملانا جس میں غلطی کا احتمال ہی نہو سواے پریشانی طبیعت اور تحریک مادہ الحاد اور پیدا کرنے شکوک و شبہات کے عقاید دینی پر کچھہ حاصل نہیں ایسے شبہہ کرنے والے یہہ نہایت عمدہ اور مضبوط دلیل بیان کرتے ہیں کہ اب تک اس دنیا میں ہزاروں حکیم اور فلسفی اور عاقل گذرے اور صدہا برس تک ہزاروں محقق چند عقلی مسایل کی صحت پر مقر رہی مگر پھر ایک ایسا زمانہ آیا کہ اُن کے مسلمات عقلیہ کی غلطی کھل گئی اور جو کچھہ وہ سوچے سمجھے تھے اُس کی کچھہ اصلیت باقی نہ رہی پس اگر انسان کی عقل ادراک حقایق کے لیئے کافی ہوتی اور اُس کے دریافت پر بھروسہ ہوتا تو کیوں ایسی غلطیاں ہوتیں اس سے ظاہر ہوتا ہی کہ عقل حقیقت اشیاء کے ادراک میں قاصر ہی اور جو کچھہ عقلا حکما نے سوچا سمجھا وہ اطمینان کے لایق نہیں ہی تو خدا اور رسول کے کلام کو اُس سے ملانا حق کو باطل سے تطبیق دینا ہی *

یہہ شبہہ بےشک غور کرنے کے لایق ہی مگر ایسا قوی و مدلل نہیں ہی کہ اُس سے تطبیق منقول و معقول کی ضرورت اور جواز سے انکار کیا جاوے کیونکہ یہہ بات تو یقینی معلوم ہی کہ ہر چیز کی فی نفسہ ایک حقیقت ہی اور خدا نے جو قوت مدرکہ ہمکو دی ہی وہ اُن اشیاء کی حقیقت دریافت کرنیکے لیئے دی ہی ✝ اور اُن اشیا کے حقایق دریافت کرنیکی ترغیب اور تحریص بھی اپنے کلام میں جابجا فرمائی ہی اور غور کرنے والوں اور سوچنے والوں کی بزرگی بھی بیان کی ہی پس اگر اُس قوت مدرکہ سے کام لینے اور عقل سے سوچنے کی ہمکو اجازت نہوتی تو نہ ہمکو عقل دی جاتی نہ غور و فکر کی ترغیب ہوتی پس ہمکو عقل کا دینا اور یتفکرون فی خلق السموات و الارض کہکر ہمکو اُسکے حقایق دریافت کرنے پر برانگیختہ کرنا ہی اس بات کی عمدہ دلیل ہی کہ ہم حقایق اشیا کو دریافت کرسکتے ہیں اور چونکہ ہماری عقل وہم اور خیال کی آمیزش سے پاک نہیں ہی اِس لیئے جو کچھہ ہم سوچیں اور سمجھیں اور تحقیق کریں اُس میں غلطی کا احتمال بھی ہوسکتا ہی لیکن ہماری تحقیق دو قسم کی ہوسکتی ہی یا ایسی تحقیق کہ سواے دینی دلیل کے کوئی ثبوت یقینی ایسا نہو جسکو ہم مشاہدہ اور معاینہ اور تجربہ سے ایسا صحیح سمجھیں کہ غلطی کا احتمال ہی نہو یا علاوہ اس دینی دلیل کے اُس کا ثبوت کامل مشاہدہ اور معاینہ اور تجربہ سے بھی ہو پس پہلی قسم کی تحقیق پر بلاشک ہم احتمال غلطی کا کرسکتے ہیں اور دوسری قسم کی تحقیق پر اُس کا خیال نہیں کرسکتے اسی سے ثابت ہوا کہ جسطرح پر ہمارے سب معقولات برحق اور صحیح اور مطابق واقع نہیں ہوسکتے اسیطرح ہمارے سب منقول غلط اور پوچ اور باطل نہیں ہوسکتے *

اب ہمکو چاہیئے کہ ہم معقولات کا امتحان کریں اور اُس کی صحت اور غلطی کو جانچیں اگر ہمکو امتحان کے بعد اُس کی صحت پر یقین ہوجاوے تو ہمکو اگر ہم سچے مسلمان اور پکے دیندار ہیں اور عقل اور سمجھہ بھی رکھتے ہیں اور تعصب اور جہالت سے بھی پاک ہیں تو لازم ہی کہ اُنہیں باتوں کا اگر اُن کا ذکر کچھہ ہمارے دین میں ہو اُس معقولات سے متحد اور مطابق ہونا سب پر ظاہر کردیں اور اگر بظاہر کچھہ اختلاف ہو اُس کی وجوہ پر غور کریں اور ایک سچے با ایمان آدمی کے موافق اُس اختلاف کو حل کریں اگر ہم ایسا کرینگے تو ضرور ہم کامیاب ہونگے اور دونوں کو ایک کر دکھاوینگے *

خیال کرو کہ اگلے حکماء یونان جو کچھہ سوچے سمجھے تھے اور جو مسئلے عقلی وہ بیان کرتے تھے اُن کی دلیلیں صرف ذہنی اور عقلی ہوتی تھیں اور احتمال غلطی کا بلکہ ظن غالب خطا کا ہوتا تہا اِس لیئے ہم اُن کو غلط کہہ سکتے تھے مگر جو حکمت کی باتیں اب بیان کی جاتی ہیں اگر وہ ہیں جنکا ثبوت مشاہدہ اور تجربہ اور ایسی تحقیقات پر ہی کہ آنکھہ دیکھی چیز سے کم نہیں تو اگر ہم ایسے اصول اور مسلمات کو غلط کہیں اور بلا امتحان اور بغیر جانچے

✝ امام غزالی فرماتے ہیں کہ وہ صفت جس سے انسان انسان ہو اور جس نے اُس کو حیوان سے جدا کردیا ہوالذی استعد بہ لقبول العلوم النظریۃ و تدبیرالصناعات الخفیۃ الفکریۃ وہ ایک استعداد قبول کرنے علوم نظریہ کی اور پیدا کرنے تدبیر صنعتوں پوشیدہ کی ہی اور ایسی استعداد کا نام عقل ہی اور کوئی انسان نہیں ہی جسکو یہہ استعداد ندی گئی ہو تمام علوم اور جمیع فنون اُسی سے پیدا ہوتے ہیں گویا وہ سب اُس میں پوشیدہ ہیں اور صرف ایک سبب کی حاجت ہی جو اُن علوم کو اُس سے پیدا کرے کوئی علم اور فن نہیں ہی کہ جو اُس سے خارج ہو اور اُس میں پوشیدہ نہو عقل کے - اور علوم کے اُس میں پوشیدہ ہونے کی مثال زمینہ پانی اور مٹی کی ہی کہ کوئی زمین نہیں ہی جس میں پانی نہو مگر اُس کا نکالنا محتاج کھودنے اور نکالنے اوزار کی مٹی کا ہی یا اُس کی تمثیل مثل روغن کے ہی کہ وہ ہردودہ میں موجود ہی مگر اُس کا پیدا ہونا ایک تدبیر خاص پر موقوف ہی پس جو شخص اُس استعداد کو کام میں لاوے اور عقل کو بیکار کردے وہ درحقیقت اُس استعداد کو ضایع کرتا ہی جو خدا نے اُسکو دی ہی اور وہ انسان ہوکر اپنے آپ کو حیوان بناتا ہی اُس استعداد کا کمال اور ترقی تجربہ اور تحقیقات اور محنت پر موقوف ہی قدرت نے بدو فطرت میں وہ قوت سب کو دی ہی جو اُس کو کام میں لاتے ہیں وہ اُس کی حقیقت سے واقف ہوتے ہیں اور اُس کے ثمرات اور نتایج کا لطف اُٹھاتے ہیں جو اُس کو کام میں نہیں لاتے وہ اُس کی حقیقت ہی کے منکر ہوجاتے ہیں اور اُس کو استعمال میں لانے اور اُس سے فائدہ اُٹھانے سے محروم رہتے ہیں —

كے غلط اور باطل كهديں تو صرف مكابرہ اور اپني ناداني كا ظاهر كرنا هى *

فرض كرو كه مسلمانوں كے مذهب ميں يهه لكها هوا هى كه زمين كا قطر پانچ سو برس كي راه هى اور اب تحقيقات سے ثابت هوا كه اُسكا قطر ۷۹۲۶ ميل هى اور زيادہ سے زيادہ دو برس ميں يهه راه طى هوسكتي هى تو اب مسلمانوں كو كيا كرنا چاهيئے زمين كا قطر پانسو برس كي راه كا مانيں اور اِس تحقيقات كو غلط اور بيهوده سمجهيں يا اُسكي تحقيقات كريں اگر اهل اسلام اُس تحقيقات كو غلط كهديں تو اُس سے اسلام كو كيا فايده هوگا يهه هوگا كه لوگ اِسلام كو مجموعه جهالت جانينگے اور مسلمانوں كو احمق اور جاهل سمجهينگے اور في علم اور تربيت يافته لوگوں كو اسلام كي حقيقت سے منكر هونے كا ذريعه پيدا كرينگے اور اگر اهل اسلام اُن تحقيقات كو ٹهنڈے دل سے سنيں اور اُس كي وجوه اور دلايل كو سمجهيں اور اُسپر غور كريں تو اُسے كيا حاصل هوگا دو باتوں ميں سے ايك فايده هوگا يا يهه كه وه اس تحقيقات كے اصول اور دلايل كي غلطي ثابت كردينگے اور اپنے مذهبي قول كي صحت ظاهر كرينگے يا وه اُس تحقيقات كي صحت كو قبول كرينگے اور ايسے بين اور ظاهري اختلاف كے دور كرنے پر متوجهه هونگے اور اِس امر كي تحقيق كرينگے كه يهه قول جسكو هم مذهبي قول سمجهتے هيں خدا كا فرمايا هوا هى رسول كا بتلايا هوا هى اس كي اصل كيا هى اِس تحقيقات سے اُن كو يهه فايده هوگا كه اُس قول كا كچهه پته نه چليگا اور خدا كے كلام اور رسول كي كتاب سے اُس كي اصليت هي كچهه ثابت نهوگي بلكه ايك وضعي اور غلط اور بے بنياد بات معلوم هوگي اور جو الزام دين اسلام پر عايد هوتا تها وه رفع هو جاويگا اور اسلام كي حقيقت پر كسي معترض كا مونهه نه كهليگا پس خيال كرو كه يهه محقق درست دريست اور عاشق اسلام كا هى يا وه مقلد لمرد بالله من كتمان الحق و قد كان الحق بالاتباع احق *

يهه بهي خيال كرنے كي بات هى كه جو علوم آج كل جاري هيں اور جنكي تحقيقات روز بروز هوتي جاتي هى اس كا كچهه اثر مذهب اسلام پر پهنچيگا يا نهيں اور اگر پهنچيگا تو اُس كا علاج كيا هى يهه تو كوئي زبان پر لا نهيں سكتا كه اس كا اثر مذهب اسلام پر نهيں پهنچ سكتا كيونكه اكثر علوم وه هيں جو هماري مانى هوئي مذهبي باتوں كے خلاف هيں اور جب اُس كا بد اثر مذهب پر پهنچنا يقيني هى تو اُسكے دفع كرنے كي فكر ضروريات سے هى بلكه خود از روے اصول مذهب كے فرض كفايه هى پس اگر هم اُس كي تدبير صرف يهه خيال كريں كه اُن علوم كي تعليم كو حرام اور منع كهديں تو وه تدبير كافي نهيں هى دو وجهه سے اول يهه كه اب معتقد يا الله خليفه عباسي كا يهه خلافه نهيں هى كه كتب فلسفه اور معقولات كا پڑهانا اور علوم عقلي كا تعليم كرنا همارے علما كے فتوى سے بند هوجاوے اور مورخوں كے كهديني سے ان علوم كا پڑهنا پڑهانا موقوف هو جاوے دوسرے اگر بعض مسلمان يا كل اهل اسلام پر اُن كا فتوى اثر كرے اور مسلمان اُن علوم و فنون سے جاهل بهي رهيں تو معترض كے اعتراضات اور منكرين اسلام كے شبهات دلي دفع كرنے كا كيا علاج هى اور جو لوگ اُن كے انكار كو بسبب حاصل نهونے جواب شافي كے هوگي اُس كا عذاب كس كي گردن پر هى *

سچ تو يهه هى كه جو حالت اس زمانه كي هى اُس پر نظر كركے يهه كهنا كه معقولات كي تعليم حرام هى سراسر ناداني هى اس كي مثال ايسي هى كه كسي مقام كے رهنے والے كسي بلندي پر روشني كے شعلے ديكهيں اور آگ لگنے كے خوف سے مضطر هوكر اپنے رئيس سے صلاح پوچهيں اور وه كهه دے كه سب اپني آنكهيں بند كر لو اور اس آگ كو جو نمونه جهنم كا هى نه ديكهو پس نتيجه اُس كا اُس قوم كے حق ميں كيا هوگا اگر وه روشني حقيقت ميں جلانے والي آگ هى تو وه آكر اُس قوم كے گهر بار كو جلاويگي اور نام و نشان اُن كا نه ركهيگي اور اگر وه روشني تاريكي كي دور كرنے والي اور گهروں كي روشن كرنے والي هى تو اُس سے وه قوم محروم رهيگي پس اُس قوم كے دوست كا يهه كام نهيں هى كه وه آنكهه بند كرانے اور چپ بيٹهه رهنے كي صلاح دے بلكه اُس قوم كے سچے اور عاقل دوست كا كام يهه هى كه سب كو برانگيخته كرے اور اُس كي حقيقت دريافت كرنے كا شوق دلاوے تاكه چهوٹے بڑے سب اُس كو غور سے ديكهيں اور چوٹي پر چڑهه كر اُس كي تحقيق كريں اگر در حقيقت وه جلانے والي آگ هو تو قبل اس كے كه اُن كے گهر تك پهونچے اُسے پاني سے بجهاويں اور اگر وه گهروں كي روشن كرنے والي قنديل هو تو اُس سے اپنے گهروں كو بهي روشن كريں *

همارے مذهب كے وه عالم بهي مقتدا تهے جنهوں نے علوم يونانيوں كي ترويج پر كها تها كه " يا معشرالخلان اني انست نارا في برادي هذالفنون آتيكم منها بخبر اوقبس لعلكم تصطلون " اور همارے هي دين كے وه بهي پيشوا تهے جنهوں نے رياضي كے منكرين كي نسبت فرمايا تها كه " قد اتخذوا القوم ظهر يا وطفوه هيئا فريا " اور اب هماري هي قوم كے وه لوگ هيں كه ان علوم و فنون سے ناواقف هيں اور جاهلوں كي طرح اُس كي حقيقت سے منكر هيں اور اپني قوم كو اُس كي تحصيل سے مانع هيں اِس سے هماري قوم جهالت كے دريا ميں غرق هوتي جاتي هى اور تعصبات كے تاريك جنگل ميں بهكي پهرتي هى اور اگر كوئي شاذ و نادر اُس سے نكلتا هى تو اُس

کوئي راه بتانے والا اور منزل مقصود تک پہونچانے والا نہیں ہے فطاہرہ کالعمیان في الصحاري ولا یہتدون الی منازلہ سبیلا ولا یجدون علی جدوالہ مرشدا و دلیلا *

دوسرا شبهه تطبیق معقول و منقول میں

بعض جہلا کہتے ہیں کہ عقلي علوم کا مثل ہیئات و ریاضي اور هندسه اور طبعیات وغیره کے سیکھنا اور اس سے مذهبي باتوں کو ملانا جایز نہو تو بے سود اور عبث هی خدا کے کلام کي تصدیق بندوں کي باتوں سے کرنا اور رسول کے اقوال کو لوگوں کي تحقیقاتوں سے جانچنا اگر بد دیني اور الحاد بهي نہو تو بے سود اور تحصیل حاصل ضرور هی مگر یہه غلطي هی کیونکه خدا نے صرف اصول اور کهلي هوئي باتیں بیان کي هیں اور عجائب و غرایب قدرت کي باریک باتیں ظاهر نہیں کي هیں مگر سوچنے والوں اور غور کرنے والوں کو اُس کي تحقیق کي اجازت دي هی پس جس قدر که هم اُس کي مخلوق کي حقایق سے واقف هوں اور اُس کے ملکوت سموات و ارض کي ماهیت کي تحقیق کریں تو وه اس یقین کو جو اُس کي قدرت اور عظمت پر همارے دل میں هی اَوَر قوت بخشیگا اور همارے ایمان کو مضبوط کریگا جیسا که امام رازي تفسیر کبیر میں لکہتے هیں که "من دعا الی النظر والاستدلال کان علی وفق القران و دین الانبیاء و من دعا الی التقلید کان علی خلاف القران و علی وفاق دین الکفار" ماوراے اس کے جو دقایق حقایق قران مجید میں مذکور هیں اُن کي تشریح اور تفصیل سے اُس کے اعجاز اور علم کي تصدیق زیاده هوگي کما قال ابراهیم الخلیل علیه الصلوٰة والسلام — بلی ولکن لیطمئن قلبي *

امام فخرالدین رازي اپني تفسیر میں لکہتے هیں که یہه اعتراض جہلا کا سراسر پوچ اور غلط هی کیونکه اگر هم کسي عالم کي کتاب پر ایمان لاویں صرف یہه سمجہه کر که وه عالم درحقیقت عالم هی تو کیا همارا ایمان اُس شخص کي برابر هوگا جو نه اُس کتاب کو پڑهے اور اُس کے دقایق اور نکات اور باریکیوں سے واقف هو جاوے بلاشک جو آدمي اُس کے حقایق و دقایق سے زیاده واقف هوگا اُسي قدر اُس کا ایمان کامل اور مضبوط هوگا اور اُس مصنف کے جلال و عظمت پر اُس کو زیاده یقین هوگا *

تیسرا شبهه تطبیق معقول و منقول میں

بعض لوگوں کا یہه قول هی که جو کچهه همارے خدا اور رسول نے کہدیا هی وه سب سچ هی پهر اُس کي تحقیق اور تصدیق کي کیا حاجت هی مگر یہه غلطي سمجهه کي هی اور دو وجهه سے تطبیق کي نہایت ضرورت هی اول وه باتیں جو اور لوگوں نے خدا اور رسول کي طرف منسوب کردي هیں اور حقیقت میں خدا و رسول کي نہیں هیں دین سے حرف غلط کي طرح نکل جاویں اور مذهب کي سیدهي اور هموار راه میں جو کانٹے اور کنکر پتهر لوگوں نے ڈال دیئے هیں جسکے سبب سے چلنے والے ٹهوکریں کهاتے هیں اور منهه کے بل گرتے هیں وه صاف کردیئے جاویں دوسرے جو لوگ مذهب کي حقیقت پر صرف مخالفت معقول کي وجهه سے طعنه کرتے هیں اُن کي زبان بند هوجاوے اور جو شبهات ناواقفیت اور غلطي کے سبب سے اُنکو پیدا هوتے هیں وه رفع هوجاویں *

جو لوگ تطبیق معقول و منقول پر ایسے شبہات کرتے هیں اور جن کے دماغ میں ایسے پوچ اور غلط خیالات سماتے هیں وه تطبیق معقول و منقول کي اصلي غرض سے واقف نہیں هیں وه یہي سوچتے هیں که اب تک بڑے بڑے علمانے کیوں اس طرف نه توجهه کي اور اب لوگ کس خیال سے اسکي آرزو کرتے هیں شاید اُنکو یہه خیال هی که خدا اور رسول کے کلام کي تصدیق کے لیئے اُن کے کلام کا معقولات سے ملانا ضروري شرط سمجها گیا هی حالانکه یہه غلطي هی بلکه جب علوم معقولات کے سبب سے دینیات میں شبہات پیدا هوگئے اور مسایل حکمیه کے جاري هونے سے اقوال مذهبیه پر طعنے شروع هوئے اور فلسفه اور حکمت کے جاننے والوں نے مذهب پر زبان طعن دراز کي تو ضرور اور لازم هوا که مذهبي مسائل کي اصلي حقیقت بیان کي جاوے اور جو خارجي بے اصل باتیں مذهب میں داخل هوگئي هیں نکال ڈالي جاویں اور منقول کا جسے اهل معقول غلط کہتے هیں مطابق واقع کے هونا ثابت کردیا جاوے پس اِس زمانه میں حقیقت میں نه یہه بے سود هی اور نه ناجایز هی بلکه ضرور اور لازم اور فرض کفایه هی جیسا که شاه ولي الله صاحب فرماتے هیں "ونشاء التمسک بالمعقول من کثیر من المباحث الدینیة و ظهرت تشکیکات في الاصول الاعتقادیة العملیة مال الاموالي ان صار الانتهاض لاقامة الدلائل العقلیة حسب النصوص النقلیة و تطبیق المنقول بالمعقول والمسموع بالمفهوم نصرا لموازرا الدین وسعیا جمیلا في جمع شمل المسلمین و معدودا من اعظم القربات و رأس الرؤس الطاعات" *

چوتها شبهه تطبیق معقول و منقول میں

بعض فقہا یہه بهي خیال کرتے هیں که اگر علوم عقلي کي تعلیم جایز کي جاوے اور اقوال مذهبي کي معقولات سے ملانے کي اجازت دي جاوے تو ظواهر آیات و احادیث کي رعایت نه رهیگي اور تاویل اور استعاره اور تشبیه سے آیات و احادیث کے ظاهري معني سے اُٹهه جاویگا اسواسطے علماء ظاهري نے الفاظ و عبارت کي نہایت رعایت کي اور استعارات اور تشبیهات سے احتیاط رکهي *

یہہ شبہہ زیادہ اس سبب سے پیدا ہوا کہ کسی زمانہ میں باطنیہ فرقہ نے تمام آیات کو ماول کردیا اور ان کے ظاہری معنوں سے انکار کیا مگر ہماری یہہ غرض نہیں کیونکہ اگر ایسا ہو تو بغیر مناسبت اور رعایت الفاظ کے فرضی معنی بنائے جاویں اور نعم سے مراد لا اور لیس سے مراد آرے لیجاوے تو تطبیق سے کیا حاصل ہوگا تطبیق تو اُس حالت میں مفید ہوگی کہ بناوٹ اور تکلف نہ پایا جاوے اور عقل سلیم اُس تاویل کو تسلیم کرلے لیکن جتنی پابندی ظاہری الفاظ کی بعض علما نے کی ہی وہ بھی شارع کے مقصود کے برخلاف ہی کیونکہ جب خدا نے بندوں سے خطاب کیا اور اُنکو ترغیب اور تہدید کی تو انکی سمجھہ اور فہم اور علم کے مناسب اُن سے گفتگو کرنا اُس حکیم کی مقتضاے حکمت تھا اور جن باتوں کو وہ خوشی اور رنج کی سمجھتے تھے اُسی پیرایہ میں اُنکا سمجھانا مناسب تھا پس اگر خدا نے اپنی قدرت کے اظہار میں فرمایا کہ سب آسمان اور زمین میرے ہی ہاتھہ کے بنائے ہوئے ہیں اور سب آسمانوں سے اوپر عرش پر میرا مقام ہی اور میرے تخت کو بڑے بڑے فرشتے اُوٹھائے ہوئے ہیں اور میں آسمانوں کو کپڑے کی طرح جب چاہونگا تہ کرڈالونگا تو خود عقل شہادت دیتی ہی کہ مراد اس سے اظہار قدرت ہی نہ بیان حقیقت پس اگر کوئی ظاہری لفظوں کی ایسی رعایت کرے کہ خدا کے ہاتھوں سے مراد ہمارے سے ہاتھہ ہیں اور عرش سے مراد تخت طوسی سا تخت زرنگار ہی اور حاملان عرش سے سلطانی پلاٹن کی وردی پہنے ہوئے کہار مراد ہیں تو یہہ اُسکی نادانی ہی اور اس سے جو کچھہ اعتراض شریعت پر وارد ہووے اُسکا الزام اُس نادان پر ہی نہ شریعت پر *

پس ظاہری الفاظ کی حدسے زیادہ رعایت کرنے سے بڑا نقصان ہوا لوگ حقیقت سے دین و مذہب کی بے خبر ہوگئے دلوں سے اصلی نور ایمان کا جاتا رہا اسلام پر جو کہ روحانی لذتوں کا پہونچانے والا اور انسان کا اعلی درجہ کی تہذیب و شایستگی بخشنے والا ہی ظاہری صفائی اور جسمانی لذتوں کی رہنمائی کا غلط الزام لوگوں نے لگایا تناقض اور اختلاف دینیات میں بڑہ گیا تاویلات رکیکہ کرنے کی ضرورت ہوئی جوابات باردہ دینے سے ضعف دین اسلام کا ظاہر ہوا کہ اگر علماء کاملین مذہب اسلام کو قایم نرکھتے تو ان ظاہری عالموں کی بدولت مذہب اسلام میں سواے نام کے کچھہ نرہتا اور بجز پوست اور چھلکے کے کچھہ باقی نرہتا مگر رحمت ہو خدا کی اُن علماء پر جنھوں نے دین کو قایم رکھا اور اصول اور احکام شریعت کے حقایق کو ظاہر کیا و لنعم ماقال الامام الغزالی رحمۃ اللہ علیہ أن من یاخذ العلوم من الالفاظ المنصوصۃ المأولۃ والعمومات المخصصۃ کان الضلال علیہ اغلب مالم یہتد بنور اللہ تعالی الی ادراک العلوم علی ماہی علیہ *

ظاہری الفاظ کی پابندی پر ایک اور غلطی یہہ ہوئی کہ علاوہ قرآن و حدیث کے لوگوں کے اقوال بھی قابل استناد ٹھہرائے گئے اور وہ الفاظ جو کسی نامی آدمی کی زبان سے نکلے اور وہ حرف جو کسی مشہور شخص کے قلم سے نکلے وہ بھی دین میں داخل کئے گئے اور اُن لفظوں اور حرفوں کی بھی رعایت ضروری سمجھی گئی اُسپر حکایات کاذبہ اور قصص باطلہ اور روایات ضعیفہ نے اسلام کی یہہ کیفیت کردی کہ مذہب اسلام اضحوکہ طفلان ہوگیا اور دین کو لوگ کہانیوں اور قصوں کا مجموعہ سمجھنے لگے *

اگر چشم انصاف سے دیکھا جاوے اور تعصب اور لجاج کو دخل نہ دیا جاوے تو کیا فرق ہی ہندوؤں کے اس قول میں کہ سمیرو پربت دنیا کا مرکز ہی اور اُسکے پہلو جواہرات کے ہیں اور اُسکی چوٹی پر زمین کی بیکنٹھہ ہی اور سات سمندر دودہ اور شراب اور گنّے کے رس کے اُسکے گرد ہیں اور ہمارے اس قول میں کہ زمین چپٹی ہی اور گاے کے سینگ پر رکھی ہی اور سات آسمان سونے چاندی یاقوت موتی کے ہیں اور کوہ قاف زمرد کا پہاڑ ہی اُسپر ستون آسمان کے کھڑے ہوئے ہیں پس اگر ہم ہندوؤں کی کتابوں پر ہنسیں اور اپنے اس خرافات پرغور نہ کریں تو افسوس ہی ہماری سمجھہ اور شرم پر اذا القیت جلباب الحیاء فقل ماشئت فان من لاحیاء لہ لاایمان لہ *

اگر ایمان اور عقل کو دخل دیا جاوے تو آج اس سے زیادہ کسی چیز کی ضرورت نہیں ہی کہ جو کچھہ اگلے فلاسفہ اسلام نے کیا وہ ہم کریں اور علوم و فنون جدیدہ صرف واسطے تقویت دین کے تحصیل کریں اور اسرار مختوم کو کھولیں اور حکایات اور اباطیل کو دین کی کتاب سے حک کریں اور جو جھوٹے قصوں اور بے اصل باتوں نے خوبصورت اور روشن چہرہ کو اسلام کے داغدار کردیا ہی اُن داغوں کو مٹاویں اور اُن سیاہ بادلوں کو جو اسلام کے روشن آفتاب کے گرد جمع ہوگئے ہیں ہوا میں اُڑاویں تاکہ سب اُس کے نور سے ہدایت پاویں نہ کہ اُس عارضی سیاہی کے سبب سے ٹھوکریں کھاویں اگر اہل ایمان کے نزدیک یہہ کام اسلام کا نہیں ہی تو معلوم نہیں کہ اسلام کا کام کیا ہی *

اس میں کچھہ شک نہیں ہی کہ جاہلوں بلکہ اکثر عالموں کو یہہ خیال ہوتا ہی کہ جو بات دین سے منسوب ہوگئی ہو گو وہ واقع میں دین کی ہو یا نہو مگر اُس کی حمایت ہی کرنی چاہیئے مگر یہہ غلطی ہی خیال کرو کہ اگر چرک اور میل اور کثافت بدن پر جمع ہو جاوے اور امتداد مدت اور بے احتیاطی کے سبب سے وہ ایک تہ جسم کی ہو جاوے تو کیا اُس کا دور کرنا جسم کے اصلی اجزا کا جدا کرنا اور اُس کی ہیئات اور شکل کا بدلنا ہی ہرگز نہیں بلکہ اُس جسم کی طہارت کو ظاہر کرنا اور اُس کو اصلی ہیئات پر لانا او اُس کی کثافت اور میل کو چھوڑانا ہی پس گو کوئی جاہل غلطی سے ایسی کثافت دور کرنے والے کو دشمن جانے مگر حقیقت میں وہ سچا دوست اور پکا خیرخواہ اُس جسم کا ہی *

راقم مہدی علی ڈپٹی کلکٹر
ضلع مرزاپور

ترقي علوم

آمهر ۵۱

مسلمانوں میں ترقي علوم کي ایک عجیب سلسلہ سے هوئي هی سب سے اول بلنیاد ترقي علوم کي جنگ یمامہ کے بعد حضرت ابوبکر صدیق کي خلافت میں هوئي کہ اُنہوں نے زید ابن ثابت کو متعین کیا کہ قران مجید کو اول سے آخر تک یکجا جمع کرکر بطور ایک کتاب کے لکھدیں چنانچہ اُنہوں نے لکھا جیسا کہ اب موجود هی *

دوسري دفعہ مسلمانوں کے علوم کو اُسوقت ترقي هوئي جبکہ لوگوں نے حدیث کو جمع کرنے کا ارادہ کیا اگرچہ اول اول لوگ اسکو برا جانتے تھے (اور شاید اُنکي راے صحیح هو) مگر دوسري صدي میں سب نے اُسکي ضرورت کو قبول کیا اور حدیثوں کو جمع کرنے اور حدیث کي کتابوں کے لکھنے کي طرف متوجہ هوگئے *

اس بات میں اختلاف هی کہ سب سے اول کس نے اس کام کو شروع کیا بعضے کہتے هیں کہ سب سے اول امام عبد الملک بن عبدالعزیز ابن جریج بصري نے جنہوں نے سنہ ۱۵۵ هجري میں وفات پائي کتاب تصنیف کي اور بعضے کہتے هیں کہ ابو نصر سعید ابن عروبہ نے جنہوں نے سنہ ۱۵۶ هجري میں انتقال کیا کتاب تصنیف کي اور بعضے کہتےهیں کہ ربیع ابن صبیح نے جو سنہ ۱۶۰ هجري میں مرگئے سب سے اول کتاب لکھي اور اسي زمانہ کے قریب میں سفیان بن عیینہ اور مالک ابن انس کي تصنیفات مدینہ میں اور عبداللہ ابن وهب کي تصنیفات مصر میں اور معمر اور عبدالرزاق کي تصانیف یمن میں اور سفیان ثوري اور محمد ابن فضیل ابن غزوان کي کوفہ میں اور حماد ابن سلمہ اور روح ابن عبادہ کي بصرہ میں اور هشیم واسط اور عبداللہ ابن مبارک کي خراسان میں شایع هوئیں *

تیسري دفعہ مسلمانوں کے علوم کي ترقي اُسوقت هوئي کہ بعض لوگوں نے عقاید مذهبي میں اختلاف کیا اور فرق بدع و اهواء کا شیوع هوا اور علم کلام میں کتابیں تصنیف هوني شروع هوئیں پھر اسي علم کلام کو اور زیادہ ترقي هوگئي جبکہ تردید مسائل فلسفہ یونانیہ بھي جو عقاید اسلام کے برخلاف تھے اسمیں شامل کیئے گئے ــــ سب سے اول اس علم میں حارث محاسبي نے کتابیں تصنیف کي جو حضرت امام احمد حنبل کا همعصر تھا اول اول علماء اور اتقیا اس علم کو زندقہ والحاد سمجھتے تھے پھر رفتہرفتہ اسکي ایسي ضرورت معلوم هوئي کہ فرض کفایہ تک نوبت پہونچ گئي *

چوتھي دفعہ مسلمانوں کے علوم کي ترقي خلفاء عباسیہ کے عہد میں هوئي کہ یونانیوں کے علوم یوناني زبان سے عربي میں [illegible] هوئے اور مسلمانوں میں رایج هوئے اول اول ان علوم کے پڑھنے والوں پر بھي کفر و ارتداد کے فتوی هوئے مگر چند روز بعد یہي علوم مدار فضیلت و کمال قرار پائے *

پانچویں دفعہ مسلمانوں کے علوم کي ترقي اُسوقت هوئي جبکہ مسلمان عالموں نے معقول و منقول کي تطبیق کو ایک امر لازمي اور ضروري سمجھا اور یقین کیا کہ بغیر اسکے انسان کا ایمان کامل نہیں هوسکتا *

اس فن میں سب سے زیادہ کمال امام غزالي رحمۃاللہ علیہ نے حاصل کیا اُنکي کتاب احیاءالعلوم گویا سرچشمہ اس فن کا هی اگرچہ ابتدا میں امام غزالي کي نسبت بھي کفر کے فتوی هوئے اور اُنکي کتاب کے جلادینے کے اشتہار دیئے گئے مگر اخر کو حجۃالاسلام اُنکا لقب هوا اور اُنکي کتاب کو تمام عالم نے تسلیم کیا *

اُسکے بعد بہت کم کتابیں اس فن میں تصنیف هوئیں مگر اخیر زمانہ میں مولانا شاہ ولي اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس طرف متوجہ هوئے اور کتاب حجۃاللہ البالغہ لکھي جو بلحاظ اُس زمانہ کے درحقیقت نہایت عمدہ اور عجیب لطیف کتاب هی *

مگر اب یہہ تمام وقت جنکي کہاني همنے بیان کي گذر گئے اور اب بڑي ضرورت هی کہ مسلمانوں میں دو طرح پر علوم کي ترقي هو *

اول جس طرح کہ قدیم یوناني فلسفہ اور حکمت هم مسلمانوں نے حاصل کي تھي اب فلسفہ و حکمت جدیدہ کے حاصل کرنے میں ترقي کریں کیونکہ علوم یونانیہ کي غلطي اب علانیہ ظاهر هوگئي هی اور علوم جدیدہ نہایت عمدہ اور مستحکم بنیاد پر قایم هوئے هیں *

دوسرے یہہ کہ جس طرح علماء سابق نے معقول یونانیہ اور منقول اسلامیہ کي مطابقت میں کوشش کي تھي اسي طرح حال کے معقول جدیدہ اور منقول اسلامیہ قدیمہ کي تطبیق میں کوشش کي جاوے تاکہ جو نتائج همکو پہلے حاصل هوئے تھے وہ اب بھي حاصل هوں *

اس کام کے کرنے میں بلاشبہہ بہت سے نادان برا کہینگے اور زبان طعنہ دراز کرینگے مگر هم کو اسپر کچھہ خیال کرنا نہیں چاهیئے کیونکہ جن اگلے لوگوں نے ایسا کیا تھا اُن کا بھي یہي حال هوا تھا مگر آخر کو سب لوگ اُسي کي قدر کرینگے *

راقم
سید احمد

بمقام علیگڈھ ــــ مطبع علیگڈہ انسٹیٹیوٹ میں چھپا اور باهتمام
حافظ محمد عبدالرزاق کے شایع هوا

THE MOHAMMEDAN SOCIAL REFORMER

تہذیب الاخلاق

جلد دوم] یکم ذیحجہ سنہ ۱۲۸۸ ہجری [نمبر ۲۰

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اطلاع

تشریح قیمت و تصرف منافع
تہذیب الاخلاق

جسقدر روپیہ بابت اِس پرچہ کے بطور چندہ خواہ بطور قیمت وصول ہو وہ کسی خاص شخص کی ملکیت نہوگا بلکہ اِس پرچہ کے اجرا و ترقی میں صرف کیا جاریگا *

مسلمانوں میں سے جو شخص ساتھہ روپیہ سالانہ پیشگی بطور چندہ دے وہ اس پرچہ کے متعلق معاملات میں ممبر متصور ہوگا *

یہہ پرچہ ہر مہینے میں ایک بار یا دو بار یا تین بار جیسا کہ مقتضاے مضامین ہوگا چھپا کریگا خریداروں کو چار روپیہ سالانہ قیمت پیشگی دینی ہوگی اور اخراجات روانگی پرچہ سے اُن کو کچھہ تعلق نہوگا *

اگر کوئی شخص کوئی خاص پرچہ خریدنا چاہیگا اُس کو فی پرچہ چار آنہ معہ اخراجات روانگی پرچہ دینا ہوگا *

ممبروں کو بلا قیمت یہہ پرچہ ملیگا اور اُن کو اُس کے تقسیم کا بھی بلا قیمت جسکو وہ چاہیں اختیار ہوگا *

اطلاع

بخدمت ممبران و خریداران و ناظرین
تہذیب الاخلاق

اِس پرچہ کی بابت جس صاحب کو کچھہ خط و کتابت کرنی منظور ہو یا خریداری اِس پرچہ کی مد نظر ہو یا کوئی مضمون اِس پرچہ میں مندرج ہونے کے لیئے بھیجنا ہو یا زر قیمت اخبار یا زر چندہ یا کچھہ روپیہ بطور ڈونیشن کے عنایت فرمانا ہو تو سید احمد خاں صاحب بہادر سی ایس آئی پاس بمقام بنارس بھیجا جاوے غرضکہ تمام خط و کتابت بابت اِس پرچہ کے اُنھی سے کی جاوے کیونکہ یہہ پرچہ علیگڈہ میں چھپکر اُن کے پاس چلا جاتا ہی اور وہاں سے تقسیم ہوتا ہی اور تمام حساب کتاب اسکا سب اُن کے پاس رہتا ہی *

اس پرچہ میں صرف مضامین مفیدہ جو مسلمانوں سے متعلق ہیں چھاپے ہوتے ہیں اور اس سبب سے اخبار اطراف و دیار اس میں مندرج نہیں ہوتے — مقصود اس پرچہ کے اجرا سے یہہ ہی کہ مسلمانوں کی حسن معاشرت اور تہذیب کی ترقی ہو اور جو غلط اوہام اُس ترقی کے مانع ہیں وہ مٹائے جاویں *

مضمون نمبر ۹۰

اعتقادي بالله

اشهد ان لا اله الا الله

میں نهایت سچے دل سے اس بات پر یقین رکھتا هوں که تمام عالموں کا بنانے والا کوئي هی' اور اُسي کو هم کهتے هیں الله وه همیشه سے هی اور همیشه رهیگا ' اُس کا هونا ضروري هی' اور اُسکا نهونا ممکن نهیں ' وه سب سے بڑا هی ' اور تمام صفات کمال اُسکي ذات میں موجود هیں' اُسکا سا کوئي نهیں نه هونے میں کیونکه هونا اُسکي ذات هی ' اور نه کسي صفت میں کیونکه اُسکي تمام صفتیں هي اُسکي ذات هی ' وه زنده هي نه جان سے بلکه اپني ذات سے' وه جانتا هی نه کسي جاننے والي چیز سے بلکه اپني ذات سے' وه دیکھتا هی نه کسي دیکھنے والي چیز سے بلکه اپني ذات سے' وه سنتا هی نه کسي سننے والي چیز سے بلکه اپني ذات سے' وه بولتا هی نه کسي بولنے والي چیز سے بلکه اپني ذات سے' وه تمام نقصانوں سے پاک هی اور تمام عیبوں سے بے عیب ' یهه مثل که بے عیب ذات خدا کي هی بالکل اُسپر ٹھیک هی ' تمام مخلوقات کا وهي خالق هی اور تمام معلومات کا وهي عالم هی ' سب ممکن چیزوں پر قادر هی الحي القایم هی ' دانا و بینا هی ' نه اُسکا کوئي مشابه هی ' اور نه اُسکا کوئي مصاحب اور مددگار اور نه اُسکي مانند کوئي هی اور نه اُسکا کوئي شریک ' نه وجوب وجود میں ' اور نه استحقاق عبادت میں ' اور نه پیدا کرنے میں اور نه صلاح و تدبیر بتانے میں ' پس اُسکے سوا کوئي کسي قسم کي عبادت یعني اظهار اپنے تذلل اور اُسکي غایت الغایت تعظیم کا مستحق نهیں هی پس هماری تذلل کا اور جو طریقه اُسکي تعظیم کا ٹھهرایا گیا هو اُس طریقه کي تعظیم کا استحقاق اُسکے سوا دوسرے کو نهیں *

وهي بیمار کو اچھا کرتا هی اور وهي سب کو رزق پهونچاتا هی وهي بلاؤں کو ٹالتا هی اور وهي خوشیوں کو لاتا هی مگر یهه سب باتیں اپنے قانون قدرت کے مطابق کرتا هی *

اُس کا قانون قدرت کبھي ٹوٹتا نهیں وه هر طرح کے قانون قدرت کے بنانے پر قادر هی مگر جو قانون قدرت که اُس نے بنا دیا پھر اُسکے برخلاف کچھه هوتا نهیں *

قدرت کے قانون بنانے میں کسي سبب کا محتاج نهیں بدیع السموات والارض واذا قضی امراً فانما یقول له کن فیکون امر کے لفظ سے وهي قانون قدرت مراد هی جسکو بغیر کسي سبب کے صرف کن کے لفظ سے یعني اراده سے جو مقتضاے کمال هی بتادیتا هی *

وه کسي میں سماتا نهیں اور نه اُسي میں ملتا هی اُس میں تعدد و حدوث آ هي نهیں سکتا نه اُس کي ذات میں اور نه اُس کي صفات میں اُس کا تعلق متعلقات سے بھي حادث نهیں هی بلکه هونا متعلقات سے اُن کے وقتوں میں وهم حدوث اور خیال تعدد هوتا هی مگر اُس میں نه حدوث هی اور نه کسیطرح کا تعدد *

وه نه جوهر هی نه عرض هی نه جسم هی نه کسي محدود جگهه میں هی نه کسي خاص جگهه میں هی نه یهه کها جاسکتا هی که یهاں هی یا وهاں هی نه اُس میں حرکت هی اور نه اُس پر سکون کا اطلاق هوسکتا هی اور نه اُس کي نسبت کسي جگهه سے آنا اور کسي جگهه میں جانا بولا جاسکتا هی اُس کے لیئے کوئي طرف و سمت متعین نهیں اینما تولوا فثم وجهه الله اُس کا عرش پر هونا صرف انسانوں کو اُسکي بڑائي کا خیال دلانا هی نه اُس کا عرش پر یا اوپر کي سمت پر هونا اوپر تو ایک اضافي سمت هی جو هماري اوپر کي سمت هی وه کسي دوسروں کے نیچے کي سمت هی مگر عرش پر هونے سے هر ایک کے دل پر وحشي سے لیکر مهذب فلسفي تک کے دل پر اُسکي بڑائي کا خیال آتا هی *

مرنے کے بعد مومنین و موحدین اُسکو دیکھیں گے وه ایک ایسا روحاني انکشاف هوگا جو عقلي تصدیق سے جیسیکه اس دنیا میں هم رکھتے هیں بدرجها بڑھکر هو جسکي نسبت عرف عام میں آنکھوں سے دیکھنا کها جاتا هی مگر اُس رویت کے لیئے نه سمت هوگي نه بصر نه صورت هوگي نه شکل نه رنگ هوگا نه کوئي ڈھنگ نه مقابله هوگا نه آمنا سامنا محض هو کا مقام هوگا *

کفر و معاصي کا بھي اُسي قانون قدرت کے موافق وهي خالق هی مگر اُس نے اپنے قانون قدرت سے انسان کو ایسا بنایا هی جسمیں اُن سے بچنے کي بھي قدرت رکھي هی اِس لیئے اگرچه خدا اُنکا خالق هی مگر خود انسان اپني قدرت و اختیار سے اُن کا کاسب هی گو که بلحاظ قانون قدرت کاسب کا بھي خدا هي پر اطلاق هوسکے مگر اُسکو نه کفر و معاصي سے کچھه نقصان هی اور نه عبادت کي حاجت *

اُس کے تمام کام سراسر حکمت هیں جو کچھه که اُس سے هوا وه سب نیک هی کیاقیل — انچه از پردهٔ خفا بمنصهٔ ظهور جلوه‌گر است همه نیکو است *

پیر ما گفت خطا درقلم صنع نرفت
آفریں بر نظر پاک خطا پوشش باد

پس جور و ظلم کي نسبت اُسکي طرف نهیں هوسکتي وه اپني مخلوق کو پیدا کرتا هی جس طرح که اُسکي حکمت کا تقاضا هوتا هی عدل و حکمت کے لیئے هر ایک کو اُسي کے حال میں دیکھنا چاهیئے نه

(سمجھنا) کیونکہ عدل و حسن نسبتی چیز نہیں ہی بلکہ ہر ایک کے لیئے بمنزلہ اُسکے خاصہ کے ہی جسکی تعریف میں آیا ہی ماہو جدنیۃ او لایوجد فی غیرہ *

اُس کے سوا کوئی حاکم نہیں مگر اس سے یہہ لازم نہیں آتا کہ وہ اندھا دھوندی سے لغو و بے فائدہ احکام جاری کرنے لگے پس یہہ اعتقاد رکھنا کہ حسن و قبح اشیاء کی اور کسی فعل پر ثواب یا عقاب ہونا صرف خدا کے حکم اور اُسکے امر و نہی کے سبب سے ہی محض لغو اعتقاد ہی بلکہ حسن و قبح اشیاء کی اور کسی فعل پر ثواب و عقاب کا ہونا ایسے قانون قدرت پر مبنی ہی اور خدا کے احکام اُسی قانون قدرت کا بیان ہی پس اُن میں سے بعض تو ایسے ہیں کہ اُن کے حسن و قبح کو ابتداً ہی عقل انسان کی دریافت کرلیتی ہی اور بعض ایسے ہیں کہ بعد الاخبار من الرسل من اللہ تعالی اُن کے حسن و قبح کو عقل تسلیم کرتی ہی *

وہذا اعتقادی باللہ الواحد الاحد الصمد الذی لم یلدو لم یولد ولم یکن لہ کفوا احد و قد قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من قال لاالہ الااللہ مستیقنا بہا قلبہ دخل الجنۃ فانا من اہل الجنۃ انشاء اللہ تعالی بحرمۃ سیدنا محمد خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم تسلیما کثیرا کثیرا *

راقم
سید احمد

نمبر ۱۶

اقسام حدیث

انسان کی روحانی ترقی اور دنیاوی بہبودی اور حسن معاشرت اور علم و تجربہ کا کمال بہت کچھہ اُس کے مسایل مذہبی کی تنقیح پر موقوف ہی اوہام مذہبی کی تاریکی انسان کے دل کو سیاہ اور اس کے دماغ اور عقل کو کند اور خراب کردیتی ہی اس لیئے جو لوگ کہ مسلمانوں کی ترقی علوم اور ترقی تہذیب و شایستگی پر بحث کرتے ہیں اُن کو ایسے مسایل مذہبی سے بحث کرنا جو غلطی سے اُن چیزوں کے مانع خیال کیئے جاتے ہیں ناگزیر ہوتا ہی *

منجملہ اُنہی موانع کے بہت سے مسایل ہیں جن کی بنیاد غلط نامعتبر حدیثوں پر مبنی ہوتی ہی مسلمانوں میں یہہ ایک خیال عام ہوگیا ہی کہ جو بات کسی حدیث میں آئی ہی اُس سے انکار کرنا کفر یا خوف معصیت ہی مگر اس بات پر خیال نہیں جاتا کہ جب ہم یہہ بات سنیں کہ فلاں بات کسی حدیث میں ہی تو اول اِس بات کی بھی تحقیق کریں کہ آیا وہ حدیث بھی معتبر ہی یا نہیں اور دو حقیقت وہ قول یا فعل یا تقریر رسول خدا صلعم کی ہی یا نہیں *

غالباً لوگ یہہ سمجھتے ہونگے کہ تحقیق حدیث کا زمانہ گذر گیا اور جو کچھہ کہ اگلے علماء تحقیق کرکر لکھہ گئے ہیں وہی احادیث محققہ ہیں اب ہمارے لیئے صرف اتنی بات کا جاننا کافی ہی کہ وہ حدیث کتب حدیث میں مندرج ہی اور علماء نے اُس کو صحیح لکھا ہی *

ہمارا بھی مطلب اس مقام پر کسی نئی تحقیق سے نہیں ہی بلکہ ہم اُنہی حدیثوں کی نسبت جو کتب احادیث میں مندرج ہیں یہہ بات دیکھنی چاہتے ہیں کہ اِن میں سے کونسی حدیث درحقیقت قول یا فعل یا تقریر رسول خدا صلعم کی ہی اور کونسی اُن کی نہیں ہی بلکہ دوسرے شخص کی ہی تاکہ ہم اپنے رسول مقبول کے کلام کو دوسرے شخص کے کلام سے بالکل جدا کرلیں پس اسی مراد سے ہم اقسام حدیث کو جو علماء حدیث نے بیان کی ہیں اس مقام پر لکھتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ ان اقسام کی جتنی حدیثیں ہیں اُن میں سے کسی پر اس بات کا یقین کامل نہیں ہوسکتا کہ در حقیقت پیغمبر خدا صلعم کی حدیث ہی بلکہ بعض قسموں کی نسبت تو یقین ہی کہ وہ آں حضرت صلعم کی حدیث نہیں ہی اور بعض قسمیں مشتبہ ہیں ممکن ہی کہ پیغمبر خدا صلعم کی حدیث ہوں اور ممکن ہی کہ نہوں چنانچہ اقسام مذکورہ یہہ ہیں *

اول حدیث بالمعنی — تمام علماء اور محدثین اس بات پر متفق ہیں کہ روایت احادیث کی بلفظہ نہیں ہی بلکہ بالمعنی ہی یعنی احادیث مرویہ کے لفظ بعینہ وہ لفظ نہیں ہیں جو رسول خدا صلعم نے فرمائے تھے بلکہ راویوں نے اُن کا مطلب اپنے لفظوں میں بیان کیا ہی اور بخاری اور مسلم کی حدیثیں بھی ایسی ہی ہیں اور اسی طرح پر روایت ہوئی ہیں پس ہم اُس کے ہر ہر لفظ کو صاحب وحی کی طرف منسوب نہیں کرسکتے بلکہ صحابی و تابعی کی طرف بھی بالعزم نسبت نہیں کرسکتے کیونکہ ممکن ہی کہ وہ الفاظ سب سے اخیر راوی کے ہوں جس نے بخاری یا مسلم یا اور کسی سے روایت کی بلکہ کیا عجب ہی کہ بعض مقام پر خود بخاری یا دوسرے مصنف جامع حدیث کے لفظ ہوں *

اس کی تصدیق خود بخاری کی بہت سی حدیثوں کے آپس میں مقابلہ کرنے سے ہوتی ہی چنانچہ اس مقام پر تمثیلاً ہم دو حدیثوں کا آپس میں مقابلہ کرتے ہیں *

حدیث اول — حدثنا بشربن خالد قال اخبرنا محمد عن شعبۃ عن سلیمان عن ابی وایل — قال ابو موسی لعبداللہ بن مسعود

افالم یجد الماء لایصلي قال عبدالله نعم ان لم اجد الماء شهرا لم اصل لو رخصت لهم في هذا كان اذا وجد احدهم البرد (احدكم البرد) قال هكذا یعني تیمم وصلي قال قلت فاین قول عمار لعمر قال اني لم ار عمر قنع بقول عمار *

حدیث دویم — حدثنا عمر بن حفص قال ثنا ابي قال ثنا الاعمش قال سمعت شقیق بن سلمة قال كنت عند عبدالله و ابي موسى فقال له ابو موسى ارایت یا اباعبدالرحمن اذا اجنب فلم یجد ماء كیف یصنع فقال عبدالله لا یصلي حتي یجدالماء فقال ابو موسي فكیف تصنع بقول عمار حین قال لهالنبي صلى الله علیه وسلم كان یكفیك قال الم تر عمر لم یقنع بذلك منه فقال ابو موسى فدعنا من قول عمار كیف تصنع بهذه الایة فما دری عبدالله مایقول فقال انا لو رخصنا لهم في هذا لاوشك اذا برد على احدهم الماء ان یدعه و یتیمم فقلت لشقیق فانما كره عبدالله لهذا فقال نعم *

دونوں حدیثوں میں وہ گفتگو مذکور هی جو درباب تیمم کے ابو موسی اور عبدالله ابن مسعود میں هوئی تهي — پہلی حدیث میں تو مجملاً یہہ بیان هوا هی کہ ابو موسي نے عبدالله ابن مسعود سے کہا کہ کیا جس شخص کو نہانے کي حاجت هو جب اُس کو پانی نملے تو وہ نماز نہ پڑھے عبدالله ابن مسعود نے کہا کہ هاں اگر مجهکو مہینہ بهر پانی نملے تو میں نماز نہ پڑهوں اگر میں اُن کو تیمم کي اجازت دوں تو اُس وقت دوں کہ کسیکو سردي هوگئي هو کہا کہ ایسا بهني تیمم کیا و نماز پڑهي ابو موسی نے کہا کہ میں نے عبدالله ابن مسعود سے کہا کہ پهر وہ کیا بات هوئي جو عمار نے عمر سے کہي تهي عبدالله بن مسعود نے کہا کہ میں خیال کرتا هوں کہ عمر عمار کي بات سے راضي نہیں هوئے تهے *

دوسري حدیث میں اسي واقعہ کو دوسري تقریر سے بیان کیا هی کہ ابو موسی نے عبدالله بن مسعود سے کہا کہ تم کیا خیال کرتے هو اے عبدالرحمن کے باپ کہ جب کسي کو نہانے کي حاجت هوجاوے اور اُس کو پاني نہ ملے تو کیا کرے تب عبدالله بن مسعود نے کہا کہ نماز نہ پڑھے جب تک پاني نملے ابوموسی نے کہا کہ تو آپ عمار کے قول کو کیا کرینگے جبکہ رسول خدا صلی الله علیہ وسلم نے اُن کو فرمایا تها کہ تیمم هي تجهکو کافي تها عبد الله نے کہا کہ کیا تم نہیں دیکهتے کہ عمر اُن سے اسبات پر راضي نہیں هوئے تهے ابو موسی نے کہا کہ هم عمار کے قول کو چهوڑ دیتے هیں آپ قران کي آیت میں (جس میں تیمم کا حکم هی) کیا کرینگے پهر عبدالله کي کچهہ سمجهہ میں نہ آیا کہ کیا کہیں پهر کہا کہ جب هم اُن کو تیمم کي اجازت دیں کہ پاني کسي کو سردي پهونچاوے کہ اُس کو چهوڑدے اور تیمم کرلے *

اب دیکهو کہ ایک هي حدیث هی اور ایک هي مطلب هی جس کو ایک راوي نے ایک تقریر سے اور دوسرے راوي نے دوسري تقریر سے بیان کیا هی اور اس سے بخوبي ثابت هی کہ حدیث کي روایت بلفظہ نہیں هوتي تهي بلکہ بالمعني هوتي تهي *

اس بحث سے یہہ نتیجہ نکلتا هی کہ جسقدر احکام احادیث کے لفظوں سے بخصوصیت الفاظ یا بوجہہ تقدیم و تاخیر الفاظ یا بوجہہ خاصیت ابواب وغیرہ ازروے قواعد صرف و نحو و معاني و بیان نکالے جاتے هیں وہ سب احکام اجتهادي هیں جو علماء نے الفاظ موجودہ سے نکالے هیں مگر امکان هی کہ رسول خدا صلی الله علیہ وسلم کا وہ مقصود نہو پس اس قسم کے تمام احکام منصوص نہیں هوسکتے بلکہ اجتهادي هیں یحتمل الخطاء والصواب *

دوم در حکم مرفوع — یعني درحقیقت حدیث مرفوع تو وہ هوتي هی کہ جس میں بالتصریح یہہ بات کہي گئي هو کہ رسول خدا صلعم نے فرمایا هی یا خود کیا هی یا آپ کے سامنے هوا هی لیکن اگر کسي حدیث میں یہہ بات بالتصریح نہ بیان هوئي هو بلکہ کسي صحابي یا تابعي نے کوئي ایسي بات کہي هو یا کي هو کہ عقل اور اجتهاد سے اُس کو کچهہ تعلق نہو بلکہ منقولات میں سے هو مثلاً قیامت کا حال یا آیندہ کي خبر یا کوئي صحابي یا تابعي یوں کہے کہ پیغمبر خدا صلعم کے زمانہ میں هم یوں کرتے تهے یا اسطرح پر کرنا سنت هی تو یہہ حدیث بهي در حکم مرفوع هی اور بعض علماء کا یہہ قول هی کہ ایسي حدیث سے یہہ بهي احتمال هی کہ صحابہ اور خلفاے راشدین کي سنت مراد هو *

مگر میں یہہ بات کہتا هوں کہ یہہ راے علماء متقدمین کي جو نسبت اُس حدیث کے هی جس کو در حکم مرفوع قرار دیا هی کوئي منصوص یا منقول بات نہیں هی بلکہ اُن علماء کي راے هی اور وہ بهي صرف اٹکل اور اندازہ سے لکهي گئي هی مگر ایسي حدیث کو در حکم مرفوع قرار دینا محض غلط اور بلاشبہہ راے کي غلطي هی اس لیئے کہ یہہ بات تحقیق هی کہ یہودیوں کے هاں بهي قیامت کي نسبت اور آیندہ کي خبروں میں بہت سي روایتیں زبان زد تهیں اور یہودیوں کے هاں کي روایتوں کے ذکر کرنے کي خود پیغمبر خدا صلعم نے اجازت دي تهي پس ممکن هی کہ وہ [illegible] صحابي یا تابعي کا کوئي روایت روایات یہود سے هو نہ قول پیغمبر خدا صلعم کا اور صرف اسبات کے کہنے سے کہ پیغمبر خدا صلعم کے زمانہ میں هم یوں کیا کرتے تهے اُس فعل کے سنت هونے پر بهي یقین نہیں هوسکتا ممکن هی کہ سنت هو اور ممکن هی کہ ایسا فعل هو جو اُس زمانہ میں جس زمانہ کا ذکر راوي نے کیا بموجب رسم زمانہ

 اقسام حدیث

سلسلہ کے ہوتا آیا ہو اور سند اُس کے برخلاف ہو مگر ایسی حالت میں یقین علی اسبات پر کہ وہ بلاشبہہ قول یا فعل رسول ہی کا نہیں ہوسکتا *

سوم موقوف — یعنی ایسی حدیث جس میں قول یا فعل یا تقریر صحابی کا بیان ہو اور جناب رسول خدا صلعم کی طرف منسوب نہ کیا گیا ہو *

چہارم مقطوع — یعنی وہ حدیث جو تابعی تک پہنچکر رہ جاوے اور اُس سے اوپر نہ بڑھے *

پنجم معلق — یعنی وہ حدیث جسکے کل راوی یا مبادی سند سے کچھہ راوی چھوڑ دئیے ہوں *

ششم مرسل یا منقطع — یعنی وہ حدیث جسکی اخیر سند میں تابعی کے بعد راوی کا نام نہ لیا ہو مثلاً تابعی یہہ کہے کہ پیغمبر خدا صلعم نے فرمایا ہی اور کسی صحابی کا درمیان میں نام نہ لے *

ہفتم معضل — یعنی وہ حدیث جسکے راویوں سے درمیان کے راوی چھوڑ دئیے ہوں *

پس اِن پانچوں قسموں کی حدیثوں میں سے کسی حدیث پر یقین نہیں ہوسکتا کہ بلاشبہہ وہ قول یا فعل یا تقریر رسول مقبول صلعم کی ہی *

علماے سابقین نے جو کچھہ اُن کی نسبت بیان کیا ہی وہ سب اُن کی راے اور اُن کی سمجھہ بلا کسی منقول سند کے ہی فرض کیا جاوے کہ ظن غالب اُن کی نسبت حدیث نبوی ہونے کا ہو الا اُس پر یقین نہیں ہوسکتا *

منجملہ اقسام مذکورہ بالا کے حدیث معلق پر جو صحیح بخاری کے ہر باب کے شروع میں ہیں لوگوں نے گفتگو کی ہی علماء سابقین کا یہہ قول ہی کہ اِس قسم کی حدیثیں جو صحیح بخاری میں ہیں وہ سب صحیح ہیں اور بمنزلہ حدیث معضل کے ہیں یعنی بمنزلہ ایسی حدیث کے جسکا کوئی راوی نہ چھوٹا ہو اِس لیئے کہ بخاری نے التزام کیا ہی کہ سواے حدیث صحیح کے اور کوئی حدیث اپنی کتاب میں نہ لاوے *

میں کہتا ہوں کہ یہہ راے بسبب حسن ظن کے بہ نسبت بخاری قرار پائی ہی پس تعلیقات بخاری کا بمنزلہ حدیث معضل کے قرار دینا صرف حسن ظن ہوا نہ یقینی و شتان بینہما *

اِسی طرح حدیث مرسل کی نسبت بحث ہوئی ہی جمہور علماء کا یہہ مذہب ہی کہ حدیث مرسل کو حدیث نبوی قرار دینے میں توقف چاہیئے یعنی نہ تو اُس کو کہہ سکتے ہیں کہ حدیث نبوی ہی نہ کہہ سکتے ہیں کہ نہیں ہی یعنی اُس میں شک ہی ممکن ہی کہ حدیث نبوی ہو اور ممکن ہی کہ نہو یعنی اُس کے حدیث نبوی ہونے پر یقین نہیں ہوسکتا اِس لیئے کہ ایک تابعی دوسرے تابعی سے بھی روایت کیا کرتا تھا اور جو راوی چھوٹ گیا ہی معلوم نہیں کہ ثقہ ہی یا نہیں اور یہہ راے بالکل صحیح و درست معلوم ہوتی ہی *

مگر حضرت امام ابو حنیفہ اور حضرت امام مالک کے نزدیک وہ حدیث بالکل مقبول ہی وہ یہہ بات فرماتے ہیں کہ تابعی نے جو اوپر کا راوی چھوڑ دیا تو اُس کو اُس حدیث کی صحت پر کامل یقین ہوگا ورنہ وہ اُس کو پیغمبر خدا صلعم کی نسبت منسوب نکرتا *

حضرت امام شافعی فرماتے ہیں کہ اگر حدیث مرسل کی تقویت اَور کسیطرح پر بھی ہوسکے تو وہ حدیث قابل قبول ہی *

حضرت امام احمد حنبل کی راے اِس باب میں یکسو نہیں ہی ایک قول اُن کا ہی کہ ایسی حدیث قبول کیجاوے ایک قول ہی کہ توقف کیا جاوے *

بہر حال جو لوگ کہ حدیث مرسل کو قابل قبول ٹہراتے ہیں اُنکی راے کی بنا صرف حسن ظن پر ہی مگر کسیکو جزم اور یقین اِس بات پر نہیں ہوسکتا کہ بلاشک وہ حدیث پیغمبر خدا صلعم کی ہی *

ہشتم مدلس — یعنی وہ حدیث جسکی روایت میں اُس شخص کا نام جس سے راوی نے حدیث سنی چھوڑ کر اُس سے اوپر کے راوی کا نام ایسے طور پر لیا جاوے جس سے یہہ شبہہ پڑے کہ اس راوی نے اُسی سے یہہ حدیث سنی ہی *

ایسی حدیث کی نسبت علماء کی یہہ راے ہی کہ اگر وہ راوی ثقہ اور نیک ہی اور کوئی غرض فاسد اس میں نہیں رکھتا تو وہ حدیث قبول کرنے کے لایق ہی *

میں کہتا ہوں کہ ایسی حدیث کے قبول کرنے کا مدار بھی صرف حسن ظن پر ٹہرا مگر اِس بات کا ثبوت یا یقین کہ یہہ حدیث بے شک رسول مقبول صلعم کی ہی حاصل نہیں ہوتا *

نہم مضطرب — وہ حدیث ہی جسکے راوی کو راویوں کے نام یا حدیث کی عبارت بہ ترتیب یاد نرہی ہو *

دہم مدرج — وہ حدیث ہی جسمیں راوی نے کسی مطلب کے لیئے اپنی عبارت بھی ملادی ہو *

ایسی حدیثوں پر کبھی یقین نہیں ہوسکتا کہ پیغمبر خدا صلعم کی حدیثیں ہیں کیونکہ ترتیب کی درستی اور عبارت زاید اگر حذف ہی کیجاوے تو بھی یہہ بات یقین کے لایق نہیں ہی کہ بقیہ الفاظ بے کم وکاست بلاشبہہ رسول مقبول صلعم کے فرمائے ہوئے ہیں *

یازدہم معلق — یعنی وہ حدیث جسکو راوی نے عن فلاں عن فلاں کرکر بیان کیا ہو *

یہہ ایک ایسی قسم کی حدیث ہی جس سے تمام حدیث کی کتابیں بھری پڑی ہیں اور اس قسم کی حدیثیں بہت زیادہ غور کرنے کے لایق ہیں *

واضح ہو کہ علماء حدیث میں حدیث کی روایت میں چار لفظ مستعمل ہیں — حدثنا — اخبرنا — انبانا — یہہ تینوں لفظ جب بولے جاتے ہیں تو سمجھا جاتا ہی کہ پچھلے راوی نے اوپر کے راوی سے یہہ حدیث سنی یا سیکھی ہی مگر چوتھا لفظ — عن — کا مشتبہہ لفظ ہی اس لفظ سے دونوں احتمال ہیں کہ پچھلے راوی نے اوپر کے راوی سے یہہ حدیث سنی ہو اور یہہ بھی احتمال ہی کہ اُس سے نہ سنی ہو بلکہ جس سے سنی ہو اُس کا نام چھوڑکر اُس سے اوپر کے راوی کا نام لے دیا ہو *

پس اثبات کے قرار دینے میں کہ ایسی حدیث کا کیا حال ہی اختلاف ہی شاید اسپات پر سب متفق ہیں کہ اگر اُس میں کوئی راوی ایسا ہو جو کسی غرض فاسد سے اُس راوی کا نام چھپایا کرتا ہو جس سے درحقیقت اُس نے حدیث سنی ہی تب تو یہہ حدیث معتبر نہوگی اور اگر ایسا نہیں ہی تو معتبر ہوگی اُس کے بعد علماء میں اختلاف ہی بعض عالموں کا یہہ قول ہی کہ ایسی حدیث کے معتبر ہونے کے لیئے یہہ بھی ضرور ہی کہ جس شخص نے بلفظ عن کسی سے روایت کی ہی اُن دونوں کا آپس میں ملاقات ہونا اور حدیث سیکھنے کا اُنکو موقع بھی ہونا ثابت ہو چنانچہ بخاری کا مذہب یہی ہی مگر مسلم اِن باتوں کو قبول نہیں کرتا اور کسی شرط کو ضروری نہیں سمجھتا *

بہر حال ہمکو اِن مذہبوں میں بحث نہیں ہی ہمکو صرف یہہ بات دکھانی ہی کہ جس حدیث میں بلفظ عن روایت ہوئی ہی اُس میں برابر رسول مقبول صلعم تک راویوں کے نہونے کا احتمال ہی اور اسی سبب سے یہہ بھی احتمال ہی کہ وہ حدیث رسول خدا صلعم کی حدیث نہو جن لوگوں نے کہ مختلف شرطوں کے ساتھہ اُس کو حدیث نبوی سمجھا ہی صرف قیاس و تخمین و حسن ظن کے سبب سمجھا ہی کوئی ثبوت یا دلیل نص اُس پر اُن کے پاس نہیں ہی پس ایسی حدیث پر جزم و یقین اسبات کا کہ بلاشبہہ وہ حدیث پیغمبر خدا صلعم کی حدیث ہی نہیں ہوسکتا *

دوازدہم مؤنن — یعنی وہ حدیث جس میں کسی راوی نے ان کے لفظ سے روایت کی ہو اور اسکا حال بھی بعینہ ویسا ہی جیساکہ عن کے لفظ سے روایت کا ہی *

علاوہ اِس کے بھی اور بہت سی قسمیں حدیثوں کی ہیں جو اعتبار اور درجہ روات اور مضمون حدیث وغیرہ سے علاقہ رکھتی ہیں مگر ہم اُن کا اسمقام پر ذکر کرنا نہیں چاہتے کیونکہ باقی اقسام حدیثوں کی جن میں کچھہ نقصان ہی وہ تو ناقص اور نامعتبر ہی ہیں ہم اُن حدیثوں پر بحث کرنی چاہتے ہیں جن میں اُس قسم کا نقصان نہیں ہی اور پھر اُن پر اسبات کا شبہہ ہی کہ آیا درحقیقت وہ حدیث رسول مقبول صلعم کی ہی یا نہیں پس یہہ بارہ قسمیں احادیث صحیح کی جو ہمنے بیان کیں ایسی ہی ہیں کہ ہر عاقل شخص یہہ بات کہے گا کہ اُن میں سے حدیث نبوی ہونا بھی ممکن ہی الا اُنمیں سے کسیکا بھی بالیقین حدیث نبوی ہونا ثابت نہیں ہی *

علماء متقدمین نے جو کچھہ راے اسکی نسبت قایم کی ہی وہ صرف اُن کی راے ہی کوئی حدیث یا حکم من جانب شارع اُس پر نہیں ہی پس ہمارا بھی یہی مقصود ہی کہ جہاں تک ممکن ہی ہم بھی اُن راویوں اور بزرگوں کا ادب ملحوظ رکھیں اور ہمیشہ دل سے حسن ظن اُن کی طرف رکھیں مگر ایسا کرنے میں بالکل اندھے نہو جاویں اور خود کچھہ بھی خیال نکریں بلکہ ہمارا فرض ہی کہ ہم اُن حدیثوں کے حدیث نبوی ٹھہرانے کے لیئے کوئی عمدہ اصول قرار دیں پس وہ اصول یہہ ہیں *

اول — ہمکو دیکھنا چاہیئے کہ ایا وہ حدیث احکام قران مجید کے برخلاف ہی یا نہیں اگر ہو تو ہمکو یقین کرنا چاہیئے کہ وہ حدیث نبوی نہیں ہی جیسیکہ حضرت عایشہ رضی اللہ عنہا نے حدیث سماع موتی کی حدیث نبوی ہونے سے بسبب مخالفت قران کے انکار کیا باوجودیکہ صحابی اُس کے راوی تھے اور نہایت قلیل زمانہ عہد برکت مہد رسول مقبول صلعم سے گذرا تھا *

دوم — اُس حدیث میں اشیاء موجودہ میں سے کسی شی کی حقیقت الہام سے بطور واقع کے بیان کی ہو نہ بطور عرف عام کے اور وہ بیان درحقیقت اُس موجودہ شی کی حقیقت کے برخلاف ہو تو وہ حدیث حدیث نبوی نہیں ہی *

سوم — اُس حدیث میں کوئی ایسا واقعہ بیان ہو جو تاریخ سے علاقہ رکھتا ہی اور تاریخ سے ثابت ہو کہ وہ واقعہ صحیح نہیں ہی تو ہم اُس حدیث کو ہرگز بطور حدیث نبوی تسلیم نہیں کرنے کے *

چہارم — اُس حدیث میں ایسا واقعہ حسی بیان کیا گیا ہو کہ اگر وہ واقع ہوتا تو ہزاروں آدمی اُس کو دیکھتے مگر اُس کا ہونا صرف اُسی حدیث کے راوی بیان کرتے ہیں تو اُس حدیث کو بھی ہم حدیث نبوی نہیں قرار دینے کے *

پنجم — اُس حدیث میں ایسی بات ہو جو تمام لوگوں سے علاقہ رکھتی ہو اور جس کا جاننا سب کو ضرور تھا مگر اُس سے

صرف اُسی حدیث کے راوی واقف تھے نہ اور کوئی تو وہ حدیث بھی حدیث نبوی نہیں ہوسکتی *

ششم — اس حدیث میں کوئی بات برخلاف اُن احکام اور اصول مذہب اسلام کے ہو جو معتبر حدیثوں سے ثابت ہوچکے ہیں تو اُس حدیث کو بھی حدیث نبوی قرار نہیں دے سکتے *

ہفتم — اُس حدیث میں ایسے عجائبات بیان ہوئے ہوں جسے عقل تسلیم نہ کرتی ہو اور جب تک کہ اُن کا الہام سے بیان ہونا نہ ثابت ہو تو وہ تسلیم کرنے کے لایق نہوں پس جبکہ ایسے عجائبات اس قسم کی حدیثوں میں مذکور ہوں جنکا اوپر ذکر ہوا تو اُن حدیثوں کو بھی حدیث نبوی میں داخل نہیں کرسکتے اسلیئے کہ بہ سبب اُن نقصوں اور احتمالوں کے جو اس قسم کی حدیثوں میں ہیں اور جنکا اوپر بیان ہوا اُن عجائبات کا الہام سے بیان ہونا اور جناب رسول خدا صلعم کا اُن عجائبات کو بیان کرنا ثابت نہیں ہوتا اور جب کہ اُنکا الہام سے بیان ہونا ثابت نہیں ہی تو اُس حدیث کو جس میں وہ عجائبات ہیں حدیث نبوی بھی قرار نہیں دے سکتے *

اسی قسم میں وہ حدیثیں بھی داخل ہیں جن میں تھوڑے سے عمل پر بڑے بڑے ثوابوں کا اور جنت میں محلوں کے بننے کا یا ادنی سے گناہ میں سخت سخت عذابوں کا ذکر ہوا ہی *

اقسام مذکورہ بالا کی حدیثیں تمام کتب احادیث میں یہاں تک کہ بخاری و مسلم میں بھی موجود ہیں پس ہم جو کچھہ کہتے ہیں وہ اسی قدر کہتے ہیں کہ اس قسم کی حدیثوں میں سے کسی حدیث کو صرف اس وجہہ سے کہ فلاں حدیث کی کتاب میں مندرج ہی حدیث نبوی کہنا نہیں چاہیئے بلکہ اُن اصول ہفتگانہ سے اُنکا امتحان کرنا لازم ہی اگر اُس میں بھی وہ ٹھیک اور پوری اُترے اُسوقت اُسکی نسبت حدیث نبوی ہونے کا ظن غالب کہنا چاہیئے کیونکہ اس امتحان کے بعد بھی اس سبب سے کہ اُس حدیث کی روایت ہی اس قسم کی ہی جس سے حدیث نبوی ہونے کا ثبوت نہیں ہی اُس حدیث کو بالجزم اور بالیقین حدیث نبوی نہیں کہہ سکتے *

راقم
سید احمد

نمبر ۲۲

تعلیم مذہبی

اکثر گویا بالاتفاق تمام مسلمان اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ انگریزی پڑھنے اور علوم جدیدہ کے سیکھنے سے مسلمان اپنے عقاید مذہبی میں سست ہوجاتے ہیں بلکہ اُنکو لغو سمجھنے لگتے ہیں اور لامذہب ہوجاتے ہیں اور اسی سبب سے مسلمان اپنے لڑکوں کو انگریزی پڑھانا نہیں چاہتے *

مسلمانوں پر کیا موقوف ہی انگریز بھی ... ہیں چنانچہ ڈاکٹر ہنٹر صاحب نے اپنی کتاب میں ... اُنہوں نے ہندوستان کے مسلمانوں کی نسبت لکھی ہی یہہ فرمایا ہی *

" کوئی نوجوان خواہ ہندو خواہ مسلمان ایسا نہیں ہی ہمارے انگریزی مدرسوں میں تعلیم پائے اور اپنے بزرگوں کے مذہب سے بد اعتقاد ہونا نہ سیکھے — ایشیا کے شاداب اور تر و تازہ مذہب جب مغربی (یعنی انگریزی) علوم کی سچائی کے قریب آتے ہیں جو مثل برف کے ہی تو سوکھہ کر لکڑی ہوجاتے ہیں " امنا و صدقنا یہہ قول ڈاکٹر ہنٹر صاحب کا بالکل سچ اور بتمامہ سچ ہی *

اب مسلمانوں کو بھی اسکی فکر پڑی ہی وہ دیکھتے ہیں کہ انگریزی پڑھنے کی ضرورت روز روز بروز زیادہ ہوتی جاتی ہی اور بغیر انگریزی پڑھے اب گذارہ نہیں ہوسکتا مگر وہ مذہب کو بھی عزیز سمجھتے ہیں اور اُسکو ہاتھہ سے جاتا ہوا دیکھہ کو بالکل بیقرار اور بے چین ہیں اور طرح طرح کی تدبیریں سوچتے ہیں اور ہم ایک کونے میں کھڑے ہوئے ہنستے ہیں اور آہستہ آہستہ کہتے ہیں کہ میاں اگر تمہارا مذہب ایسا ہی بودا تھا تو جانے دو ایسی بودی چیز رہی تو کیا اور گئی تو کیا مگر جب کوئی ہماری چھکی چھکی آواز سن لیتا ہی تو ہم پر غراتا ہی کہ کیا ہمارا مذہب کم زور ہی مگر دلمیں کہتا ہی کہ بات تو سچ کہی ہی بودا تو ہی کہ ذرا سی انگریزی پڑھنے سے ڈھا جاتا ہی *

بڑے بڑے معمم و مشمشل قدوس عالموں نے بہت غور کے بعد یہہ تجویز کی کہ انگریزی تعلیم کے ساتھہ مذہبی تعلیم بھی دی جاوے اور کتب درسیہ معاید اور فقہ و اصول و تفسیر و حدیث و علم کلام بھی انگریزی کے ساتھہ پڑھائی جاویں تاکہ عقاید مذہبی پختہ و درست رہیں اور علوم غربیہ کے ریلے میں بہہ نجاویں *

مگر میں یہہ عرض کرتا ہوں کہ محققانہ تعلیم مذہبی اصول حقہ واقعیہ پر بلاشبہہ مانع نقصان عقاید حقہ اسلامیہ کے ہوگی مگر تقصیر معاف ہو یہہ اندھی تقلیدی تعلیم مذہبی تو مانع نقصان عقاید نہیں ہوسکتی اور یہہ کتب درسیہ مذہبیہ تو لامذہبی کا علاج کر نہیں سکتیں بلکہ اگر یہہ کتابیں انگریزی تعلیم اور مغربی علوم کے ساتھہ پڑھائی جاوینگی تو اور زیادہ لامذہبی اور بد اعتقادی پھیلے گی اِس لیئے کہ سوائے قران مجید کے جسقدر کتب مذہبیہ اس زمانہ تک موجود ہیں ہزاروں غلطیوں سے معمور ہیں کوئی ایک کتاب بھی ایسی نہیں ہی جسمیں کوئی نہ کوئی عظیم الشان غلطی موجود نہو اور جس نے اسلام کی سچی اور صحیح سیدھی سادی حقیقت کو وہمی اور خیالی نہ بنادیا ہو *

یازدہم معنی — یہہ ...ہوں نے موجودہ مذہبي تعلیم کو اُس لامذہبي کا قائل کرکر بیان کیا ہو * ...ي اُنہوں نے یہہ خیال کیا ہوگا کہ جس زمانہ یہہ ایک ایسي ...یونانیہ مسلمانوں میں شایع ہوا تو بڑے زور و شور سے کتابیں بھري پڑي الحاد نے رواج پایا مگر اُس زمانہ کے عالموں نے فلسفہ یونانیہ کے لایق ہیں ساتھہ عقاید مذہبي کي تعلیم کو شامل کردیا جس کے سبب سے واقف رہا زندقہ و الحاد جاتا رہا *

مگر میري یہہ عرض ہی کہ اگر اُس زمانہ میں ایسا ہوا بھي ہو تو حال کے زمانہ میں اُن کتابوں سے اُس نتیجہ کي اُمید رکھنا قیاس مع الفارق ہی جس زمانہ میں کہ فلسفہ یونانیہ مسلمانوں میں رایج ہوا اور اُس زمانہ میں جو کتب مذہبیہ تہیں اُنکو بھي اُس وقت کے عالموں نے اُس زندقہ اور الحاد کے روکنے کو کافي نہ سمجھا تھا اور اس لیئے اُنہوں نے نئي نئي کتابیں علم کلام کي تصنیف کي تہیں اور اُن کتابوں میں اُنہوں نے زندقہ و الحاد دور کرنے کے لیئے دو اصول قرار دیئے تہے یعني یا تو اُن مسائل فلسفہ یونانیہ کي جو عقاید مذہبي کے برخلاف تہے غلطي ثابت کردیتے تہے یا مسائل مذہبي کي تطبیق مسائل فلسفیہ سے کردیتے تہے مگر اب میں نہایت ادب سے پوچھتا ہوں کہ جو کتب مذہبي اب تک ہمارے ہاں موجود ہیں اور پڑھنے پڑھانے میں آتي ہیں ان میں سے کون سي کتاب ہی جس میں فلسفہ مغربیہ اور علوم جدیدہ کے مسائل کي تردید یا تطبیق مسائل مذہبیہ سے کي ہو *

وجود سموات سبع کي ابطال پر جو دلیلیں ہیں اُن کي تردید کس کتاب میں لکھي ہی اثبات حرکت زمین اور ابطال حرکت دوري آفتاب پر جو دلیلیں ہیں اُن کي تردید کس سے جاکر پوچھیں عناصر اربع کا غلط ہونا جو اب ثابت ہوگیا اُس کا کیا علاج کریں آیہ کریمہ و لقد خلقنا الانسان من سلالة من طین ثم جعلناہ نطفة في قرار مکین ثم خلقنا النطفة علقة فخلقنا العلقة مضغة فخلقنا المضغة عظاما فکسونا العظام لحما کي جو تفسیر عالموں نے لکھي ہی فن تشریح کي رو سے وہ غلط معلوم ہوتي ہی ہم اپني آنکھوں سے بوتلوں میں بھرے ہوئے نطفہ سے لیکر بچہ کے پیدا ہونے تک کے تغیرات کو دیکھتے ہیں جو مفسرین کي تفسیروں کي غلطي کو ثابت کرتے ہیں پھر کیونکر ہم اُس پر اعتقاد رکھیں — خدا کي بات اور اُس کا کام ایک ہونا چاہیئے یہہ مسئلہ تمام دنیا نے تسلیم کرلیا ہی پھر اُس کي تصدیق مذہب اسلام کي کس کتاب میں ڈھونڈھیں اور کس ملاں و اخوند سے جاکر پوچھیں جب کوئي بات بھي ان میں سے موجودہ کتب مذہبي میں نہیں ہی تو اُن سے لامذہبي جو فلسفہ مغربیہ اور علوم مستحدثہ جدیدہ سے ہوتي ہی کیونکر رفع ہوگي یہہ باتیں نہایت صاف اور روشن ہیں اُن کو ظاہر میں نمانا دوسري بات ہی مگر کوئي شخص ایسا نہوگا جو اپنے دل میں ان باتوں کو سچ نجانتا ہوگا پس ایسي حالت میں ان کتابوں کا نہ پڑھنا اُن کے پڑھنے سے ہزار درجہ بہتر ہی مسلمان ہونے اور بہشت میں جانے کو خدا کو ایک و پیغمبر کو برحق جاننا کافي ہی عمل کو نماز پڑھ لیني روزہ رکھ دینا بس ہی اُن غیر مفید کتابوں کے پڑھنے سے کیا حاصل ہی *

ہاں اگر مسلمان مرد میدان ہیں اور اپنے مذہب کو سچا سمجھتے ہیں تو بے دھڑک میدان میں آویں اور جو کچھہ اُن کے بزرگوں نے فلسفہ یونانیہ کے ساتھہ کیا تھا وہ فلسفہ مغربیہ اور علوم مستحدثہ جدیدہ کے ساتھہ کریں تب البتہ اُن کا پڑھنا پڑھانا مفید ہوگا ورنہ اپنے منہہ میاں مٹھو کہہ لینے سے کچھہ فائدہ نہیں *

والسلام

سید احمد

نمبر ۶۳

علوم جدیدہ

ہماري تحریروں میں اکثر لفظ " علوم جدیدہ " آتا ہی غالباً اُسکي مراد میں لوگوں کو شبہہ رہتا ہوگا اسلیئے اُسکي تفسیر کرني مناسب معلوم ہوتي ہی *

واضح ہو کہ علوم جدیدہ سے تین قسم کے علوم مراد ہیں ایک وہ جو متقدمین یونانیہ اور حکماے اسلامیہ کے زمانہ میں مطلق نہ تہے اور اب حال میں ایجاد ہوئے ہیں مثلاً جیالوجي اور الیکٹرسٹي وغیرہ — دوسرے وہ علوم جنکا نام تو متقدمین یونانیہ اور حکماء اسلامیہ میں تھا مگر جن اصول پر وہ علوم مبني تہے وہ اصول غلط ثابت ہوکر متروک ہوگئے اور اب نئے اصول قایم ہوئے جنکو اصول قدیمہ سے کچھہ مناسبت نہیں اور بجز اتحاد نام کے اور کچھہ باقي نہیں رہا مثلاً علم ہیئت اور کمسٹري وغیرہ — تیسرے وہ علوم جو متقدمین یونانیہ اور حکماء اسلامیہ کے زمانہ میں بھي تہے اور اُنکے اصولوں میں بھي کچھہ اختلاف نہیں ہوا مگر اب اُنکو کمال وسعت ہوگئي ہی کہ زمانہ حال میں بالکل نئے معلوم ہوتے ہیں مثلاً میکینکس یعني علم آلات جو ہمارے ہاں بلفظ علم جرثقیل مستعمل ہی اور علم حساب جبر مقابلہ علم ہندسہ وغیرہ پس ہم اپنے ناظرین پرچہ ہذا سے امید رکھتے ہیں کہ وہ جہاں ہماري تحریر میں علوم جدیدہ کا لفظ دیکھیں اُس سے ہماري مراد ان تینوں قسموں سے کسي قسم کو یا کل کو مجموعاً و منفرداً تصور فرماویں *

راقـــــم

سید احمد

بمقام علیگڈہ — مطبع علیگڈہ انسٹیٹیوٹ میں چھپا اور باہتمام
حافظ محمد عبدالرزاق کے شایع ہوا

THE MOHAMMEDAN SOCIAL REFORMER

تہذیب الاخلاق

جلد دوم] — ۱۵ ذیحجہ سنہ ۱۲۸۸ ہجری — [نمبر ۲۱

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اطلاع

تشریح قیمت و تصرف منافع ,, تہذیب الاخلاق

جسقدر روپیہ بابت اِس پرچہ کے بطور چندہ خواہ بطور قیمت وصول ہو وہ کسی خاص شخص کي ملکیت نہوگا بلکہ اِس پرچہ کے ابھوا و ترقي میں صرف کیا جاویگا *

مسلمانوں میں سے جو شخص ساتھہ روپیہ سالانہ پیشگي بطور چندہ دے وہ اس پرچہ کے متعلق معاملات میں ممبر متصور ہوگا *

یہہ پرچہ ہر مہینے میں ایک بار یا دو بار یا تین بار جیسا کہ مقتضاے مضامین ہوگا چھپا کریگا خریداروں کو چار روپیہ سالانہ قیمت پیشگي دیني ہوگي اور اخراجات روانگي پرچہ سے اُن کو کچھہ تعلق نہوگا *

اگر کوئي شخص کوئي خاص پرچہ خریدنا چاہیگا اُس کو في پرچہ چار آنہ معہ اخراجات روانگي پرچہ دینا ہوگا *

ممبروں کو بلا قیمت یہہ پرچہ ملیگا اور اُن کو اُس کے تقسیم کا بھي بلا قیمت جسکو وہ چاہیں اختیار ہوگا *

اطلاع

بخدمت ممبران و خریداران و ناظرین تہذیب الاخلاق

اِس پرچہ کي بابت جس صاحب کو کچھہ خط و کتابت کرني منظور ہو یا خریداري اِس پرچہ کي مد نظر ہو یا کوئي مضمون اِس پرچہ میں مندرج ہونے کے لیئے بھیجنا ہو یا زر قیمت اخبار یا زر چندہ یا کچھہ روپیہ بطور کونیشن کے عنایت فرمانا ہو تو سید احمد خاں صاحب بہادر سي ایس آئي پاس بمقام بنارس بھیجا جاوے غرضکہ تمام خط و کتابت بابت اِس پرچہ کے اُنھي سے کي جاوے کیونکہ یہہ پرچہ علیگڈہ میں چھپکر اُن کے پاس چلا جاتا ہے اور وہاں سے تقسیم ہوتا ہے اور تمام حساب کتاب اسکا سب اُن کے پاس رہتا ہے *

اس پرچہ میں صرف مضامین مفیدہ جو مسلمانوں سے متعلق ہیں چھاپے ہوتے ہیں اور اس سبب سے اخبار اشعار و دیار اس میں مندرج نہیں ہوتے — مقصود اس پرچہ کے اجرا سے یہہ ہے کہ مسلمانوں کي حسن معاشرت اور تہذیب کي ترقي ہو اور جو غلط اوہام اُس ترقي کے مانع ہیں وہ مٹائے جاویں *

اختتام سال

ہمارا یہہ پرچہ سنہ ۱۲۸۸ ہجری نبوی صلعم کا اخیر پرچہ ہی اس پرچہ کے اجرا کو پورا سوا برس ہوا اور خدا کی عنایت سے مضامین مفید اس میں مندرج ہوئے اور ایک گونہ نفع بھی اس سے ہوا ٭

یہہ بات ظاہر ہی کہ جو مضامین اس پرچہ میں مندرج ہوتے ہیں وہ رسم قدیم یا غلط خیالات مذہبی کے برخلاف ہوتے ہیں اور اس سبب سے توقع تھی کہ یہہ پرچہ زمانہ حال میں نہایت درجہ پر نامطبوع بلکہ مبغوض عام ہوگا گو تھوڑے زمانہ بعد لوگ اسکی قدر کرینگے اور اسکے ایک ایک پرچہ کو کاغذ زر سے بھی زیادہ قیمتی سمجھینگے مگر ہمکو اسباب کے دیکھنے سے کہ بعض صاحب اسی زمانہ میں اس کو پسند کرنے لگے ہیں نہایت تعجب اور حد سے زیادہ خوشی ہوئی ہی اور ہماری دعا خدا تعالی سے یہہ ہی کہ مسلمانوں کو اس پرچہ کے اصلی مقاصد و مطالب کی طرف متوجہ کرے تاکہ وہ اپنے مذہب اسلام کی اصلی خوبی اور خوبصورتی سے واقف ہوں اور ایمان تقلیدی آبائی کی تطبیق سے ایمان تحقیقی قلبی تک اُنکی رسائی ہو اور حسن معاشرت و تہذیب و شایستگی کے اعلی درجہ پر بھی عروج کریں — از من دعا و از خداے جہاں آمین باد بالنبی و الہ الامجاد ٭

اب ہم اس پرچہ میں اُن مضامین کی فہرست مندرج کرتے ہیں جو اس سوا برس کے عرصہ میں طبع ہوئے ہیں تاکہ ہر شخص کو اُنپر نظر ڈالنے اور اوراق اخبار میں سے نکالنے میں آسانی ہو ٭

فہرست مضامین سہ ماہی سنہ ۱۲۸۷ ہجری

فہرست مضامین سنہ ۱۲۸۸ ہجری

حساب جمع خرچ بابت سوا برس کے

ہمارے ناظرین اس پرچہ کے اسباب سے واقف ہیں کہ یہہ پرچہ بطور کار خیر واسطے فلاح اور بہبودی مسلمانوں کے جاری کیا گیا ہی اسکے اجرا سے کسیکو فایدہ ذاتی یا مالی مقصود نہیں ہی چنانچہ اسکے قاعدہ اول میں یہہ بات قرار پائی ہی کہ جسقدر روپیہ بابت اس پرچہ کے بطور چندہ خواہ بطور قیمت وصول ہو وہ کسی خاص شخص کی ملکیت نہوگا بلکہ اس پرچہ کے اجرا و ترقی میں صرف کیا جاویگا اس لیئے سالانہ حساب جمع خرچ اس پرچہ کا مشتہر کیا جاتا ہی تاکہ تمام ممبر اور ناظرین پرچہ کے اُس سے واقف ہوں *

اس سوا برس کے عرصہ میں یعنی ابتداء شوال سنہ ۱۲۸۸ ہجری لغایت آخر سال ۱۲۸۹ ہجری الــۃ اسا للعــہ ۱۲ ا۔ ۹ پائی بابت چندہ و قیمت پرچہ ہذا وصول ہوئے اور الــۃ مامعــہ ۳ ا۔ ۹ پائی خرچ ہوے اور سماعـــہ ۹ ۔/ باقی ہیں جسکی تفصیل حساب مندرجہ ذیل میں ثبت ہی *

ہمنے یہہ دستور رکھا ہی کہ حساب جمع خرچ سالانہ پندرھویں ذیقعدہ کو کہ وہ تاریخ اُس سال کے اخیر پرچہ کے اجرا کی ہوتی ہی بند کردیتے ہیں تاکہ اُسی تاریخ کے پرچہ میں حساب سالانہ مندرج ہوجایا کرے اُس تاریخ کے بعد کچھہ آمدنی یا خرچ ہو تو سال آیندہ کے حساب میں شامل ہوجاویگی *

زر باقی جو اوپر مذکور ہوئی اُس سے یہہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ وہ واقعی اور حقیقی بچت آمدنی سالگذشتہ کی ہی بلکہ اُس آمدنی میں وہ روپیہ بھی شامل ہی جو خریداروں نے پیشگی لغایت آخر سنہ ۱۲۸۹ ہجری بھیجدیا ہی پس گویا اُن خریداروں کا روپیہ پیشگی ہم پر قرض ہی اور اُس کا ادا جب ہوگا کہ ہم برابر اس پرچہ کو لغایت آخر سال مذکور اُن کے پاس بھیجتے رہینگے *

زر بقیہ مذکورہ کسی طرح واسطے اجراے پرچہ لغایت اخر سنہ ۱۲۸۹ ہجری کافی نہیں ہی اس لیئے اس پرچہ کے مربیوں اور ممبروں سے یہہ درخواست ہی کہ بدستور اپنی امداد واسطے اجراے اس پرچہ کے جاری رکھیں اور اَور مسلمانوں سے بھی درخواست کی جاتی ہی کہ اس پرچہ کے اجرا میں خواہ بذریعہ خریداری خواہ بذریعہ شرکت بطور ممبری اعانت فرماویں *

گذشتہ سال میں اس پرچہ کے ممبروں نے اپنا زر چندہ یکسالہ ابتداے شوال سنہ ۱۲۸۷ ہجری لغایت آخر رمضان سنہ ۱۲۸۸ ہجری ادا کیا تھا مگر جو کہ کسی قدر آمدنی قیمت اخبار کی بھی ہوئی اس لیئے سہ ماہی اخر سنہ ۱۲۸۸ ہجری یعنی شوال اور ذیقعدہ اور ذوالحجہ سنہ ۱۲۸۸ ہجری کا چندہ ممبروں سے لینا ضرور معلوم نہیں ہوا اور اس لیئے یہہ بات مناسب معلوم ہوئی کہ ایندہ سے جو ممبر اپنا چندہ عنایت فرماوینگے وہ ابتداے محرم سنہ ۱۲۸۹ ہجری سے اخر سال مذکور تک شمار میں آویگا اور اس تدبیر سے گویا پندرہ روپیہ کی ہر ایک ممبر کو تخفیف ہو جاویگی *

ہم کو خدا سے اُمید ہی کہ ہمارا یہہ پرچہ مدتوں تک جاری رہیگا اور مسلمان اس سے بہت کچھہ دینی و دنیوی فائدہ اُٹھاوینگے گو اس وقت اس پرچہ کے مضامین بہت لوگوں کو برے معلوم ہوتے ہونگے لیکن وہ زمانہ بہت قریب ہی کہ انہی مضمونوں کو انہوں مسلمان اپنی نجات کا وسیلہ سمجھینگے اور گو یہہ پرچہ اس زمانہ میں جاری ہی مگر در حقیقت اُس انے والے زمانہ کے لیئے جاری کیا گیا ہی واللہ و لیا التوفیق

...دني ابتداے شوال سنه ۱۲۸۷ هجري لغايت
آخر سال سنه ۱۲۸۸ هجري

از ممبران تهذيب الاخلاق

مولوي سيد احمد خان صاحب بهادر سي ايس آئي ... ـــه
حافظ احمد حسن صاحب مغور نواب صاحب بهادر سابق والي تونک مقيم لندن ... ـــه
قاضي شهاب الدين صاحب وزير مهاراجه صاحب کچهه مقيم لندن ... ـــه
مولوي سيد شاه امداد علي صاحب بهادر جج اسمال کاز کورت و سب آرڈنيٹ جج مظفر پور ضلع ترهت صوبه بهار ... ـــه
سيد محمد احمد خان صاحب بهادر اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر هردوئي علاقه اوده ... ـــه
مرزا محمد رحمت الله بيگ صاحب رئيس و وکيل عدالت ديواني بنارس ... ـــه
خواجه محمد يوسف صاحب رئيس و وکيل عدالت ديواني عليگڈه ... ـــه
مير تراب علي صاحب ڈپٹي کلکٹر بهادر بدايون ... ـــه
مولوي محمد کريم صاحب ڈپٹي کلکٹر بهادر بندوبست ضلع بدايون ... ـــه
شيخ محمد شرف الدين صاحب رئيس شيخو پور ضلع بدايون ... ـــه
مرزا عابد علي بيگ صاحب منصف هاتهرس ضلع عليگڈه ... ـــه
مولوي سيد مهدي علي صاحب تحصيلدار مرزا پور ... ـــه
مير ظهور حسين صاحب وکيل هائي کورت ممالک مغربي و شمالي ... ـــه
منشي الهي بخش صاحب سب اسسٹنٹ بهادر نهرگنگ تويزن بلند شهر ... ـــه

مولوي محمد سميع الله خان صاحب وکيل هائي کورت ممالک مغربي و شمالي ... ـــه
مولوي محمد عنايت الله خان صاحب رئيس بهيکم پور ضلع عليگڈه ... ـــه
مولوي زين العابدين صاحب منصف درجه اول گورکهپور ... ـــه

از خريداران تهذيب الاخلاق

۱ مرزا محمد عزيز بيگ صاحب سررشته دار اجنٹي بانسواڑه من ابتداے شوال سنه ۱۲۸۷ هجري لغايت آخر ذيحجه سنه ۱۲۸۹ هجري ... [illegible]
۲ شيخ غلام حسين صاحب صوبه دار رجمنٹ ۲۸ پنجابي مقيم فيروز پور من ابتداے محرم سنه ۱۲۸۸ هجري لغايت آخر ذيحجه سنه ۱۲۸۹ هجري ... [illegible]
۳ حافظ فضل الرحمان صاحب وکيل عدالت ديواني بنارس من ابتداے شوال سنه ۱۲۸۷ هجري لغايت آخر ذيحجه سنه ۱۲۸۹ هجري ... [illegible]
۴ مرزا جلال الدين صاحب وکيل عدالت ديواني بنارس من ابتداے شوال سنه ۱۲۸۷ هجري لغايت ذيحجه سنه ۱۲۸۹ هجري ... [illegible]
۵ بابو مادهو داس مدهوسودن داس رئيس بنارس من ابتداے شوال [illegible] هجري لغايت ذيحجه سنه ۱۲۸۹ هجري [illegible]
۶ منشي محمد سبحان حيدر صاحب [illegible] ديوريا ضلع گورکهه پور من ا[illegible] سنه ۱۲۸۷ هجري لغايت [illegible] ۱۲۸۹ هجري [illegible]
۷ مولوي محمد شجاع الدين [illegible] وکيل عدالت ديواني بنارس [illegible]

[illegible] ۱۲۸۱ ہجری غایت ذیحجہ
سنہ ۱۲۸۹ ہجری ... لعہ ۸ر

منشی [illegible] امین الدین خان [illegible] انسپکٹر
[illegible] پور وغیرہ من [illegible] ے شوال
[illegible] ہجری لغایت [illegible] ذیحجہ سنہ
۱۲۸۹ ہجری ... لعہ ۸ر

[illegible] اللہ صاحب ہیڈماسٹر نارمل
[illegible] من ابتداے شوال سنہ ۱۲۸۷
[illegible] لغایت ذیحجہ سنہ ۱۲۸۹ ہجری لعہ ۸ر

[illegible] خان صاحب منصرم منصفی
[illegible] من ابتداے شوال سنہ ۱۲۸۷
[illegible] آخر ذیحجہ سنہ ۱۲۸۹ ہجری ع ۸ر

[illegible] کریم صاحب محرر اول
[illegible] تعمیرات بنارس من
[illegible] شوال سنہ ۱۲۸۷ ہجری لغایت
[illegible] سنہ ۱۲۸۹ ہجری ... لعہ ۸ر

مولوی [illegible] احمد اللہ صاحب منصف بانس
[illegible] ضلع گورکھپور من ابتداے شوال
سنہ ۱۲۸۷ ہجری لغایت ذیحجہ سنہ
۱۲۸۹ ہجری ... لعہ ۸ر

سید [illegible] صاحب اکسترا اسسٹنٹ
[illegible] پور کھیری ملک اودھ
من [illegible] شوال سنہ ۱۲۸۷ ہجری
لغایت ذیحجہ سنہ ۱۲۸۹ ہجری ... لعہ ۸ر

سید [illegible] صاحب انسپکٹر تھانہ مرزا مراد
[illegible] ابتداے شوال سنہ ۱۲۸۷
[illegible] آخر ذیحجہ سنہ ۱۲۸۹
ہجری ... لعہ ۸ر

مولوی [illegible] صاحب وکیل عدالت دیوانی
[illegible] ابتداے شوال سنہ ۱۲۸۷
ہجری [illegible] ذیحجہ سنہ ۱۲۸۹ ہجری لعہ ۸ر

ڈاکٹر [illegible] احمد صاحب بستی من
[illegible] سنہ ۱۲۸۷ ہجری لغایت
[illegible] ۱۲۸۹ ہجری ... لعہ ۸ر

۱۷ مسٹر آر رچرڈ کانسٹبل صاحب مقام بریلی
اودھ روھیلکھنڈ ریلوے من ابتداے شوال
سنہ ۱۲۸۷ ہجری لغایت ۱۵ ذیقعدہ سنہ
۱۲۸۹ ہجری ... لعہ

۱۸ سید محمد نورالحسن صاحب منصف
سہسرام ضلع شاہ آباد من ابتداے شوال
سنہ ۱۲۸۷ لغایت ذیحجہ سنہ ۱۲۸۹
ہجری ... لعہ ۸ر

۱۹ مسٹر جے آر رید صاحب بہادر مہتمم
بندوبست أعظمگڈہ من ابتداے شوال سنہ
۱۲۸۷ ہجری لغایت آخر ذیحجہ سنہ
۱۲۸۹ ہجری ... لعہ ۸ر

۲۰ سید اقبال علي صاحب اسسٹنٹ سکرٹری
ویڈنگ کلب پرتاب گڈہ متعلق اودہ من
ابتداے شوال سنہ ۱۲۸۷ ہجری لغایت
ذیحجہ سنہ ۱۲۸۹ ہجری ... لعہ ۸ر

۲۱ مولوي احمد شفیع صاحب ہیڈ ماسٹر
وزیرآباد پنجاب من ابتداے شوال سنہ
۱۲۸۷ ہجري لغایت آخر ذیحجہ ۱۲۸۹
ہجری ... لعہ ۸ر

۲۲ منشي غلام مرتضی خان صاحب وکیل
فتح آباد ضلع آگرہ من ابتداے شوال
سنہ ۱۲۸۷ ہجري لغایت آخر ربیع الاول
سنہ ۱۲۹۰ ہجري ... عـہ ۸ر

۲۳ مولوي محمد حیات خان صاحب ایکسترا
اسسٹنٹ کمشنر بہادر ضلع بنو قسمت
دیرہ جات بمقام اڈورڈسیتی آباد من
ابتداے شوال سنہ ۱۲۸۷ ہجري لغایت
آخر ذیحجہ سنہ ۱۲۸۹ ہجري ... لعہ ۸ر

۲۴ منشي محمد چراغ علي صاحب ڈپٹی
منصرم [illegible]
شوال سنہ ۱۲۸۷ [illegible]
ذیحجہ سنہ [illegible] ہجری [illegible]

منشي محمد خليل صاحب تحصيلدار نظام اباد ضلع اعظمگڈہ من ابتداے شوال سنہ ۱۲۸۷ هجري لغايت ذيحجہ سنہ ۱۲۸۹ هجري ... لعہ ۸ر

مولوي عبدالغفور صاحب رئيس محمدآباد ضلع اعظمگڈہ من ابتداے شوال سنہ ۱۲۸۷ هجري لغايت آخر ذيحجہ سنہ ۱۲۸۹ هجري ... لعہ ۸ر

حکيم محمد امجد علي خان صاحب تحصيلدار متھرا من ابتداے شوال ۱۲۸۷ هجري لغايت ذيحجہ سنہ ۱۲۸۹ هجري لعہ ۸ر

لالہ لکھمي شنکر صاحب وکيل عدالت ديواني عليگڈہ من ابتداے شوال سنہ ۱۲۸۷ هجري لغايت آخر ذيحجہ سنہ ۱۲۸۹ هجري عہ

۲ منشي مشتاق حسين صاحب منصرم عدالت جج ماتحت عليگڈہ من ابتداے شوال سنہ ۱۲۸۷ هجري لغايت ذيحجہ سنہ ۱۲۸۹ هجري ... عہ

۴ پنڈت رادھا کرشن صاحب ڈپٹي کلکٹر بهادر مرزاپور من ابتداے شوال سنہ ۱۲۸۷ هجري لغايت ذيحجہ سنہ ۱۲۸۹ هجري لعہ

۳ مولوي صفدر علي صاحب مسيحي ضلع انسپکٹر مدارس جبلپور من ابتداے شوال سنہ ۱۲۸۷ هجري لغايت ذيحجہ سنہ ۱۲۸۹ هجري ... لعہ

۴ مولوي محمد کريم بخش صاحب ايکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر بهادر کوئيہ ضلع جالون من ابتداے شوال سنہ ۱۲۸۷ هجري لغايت آخر ذيحجہ سنہ ۱۲۸۹ هجري ... لعہ ۸ر

قاضي محمد لطافت حسين صاحب وکيل عدالت ديواني عليگڈہ من ابتداے [illegible]
[illegible]

۳۴ محمد مظهر الله صاحب [illegible]
ابتداے شوال سنہ ۱۲۸۷ هجري [illegible]
رمضان سنہ ۱۲۸۸ هجري

۳۵ بابو اننت رام صاحب [illegible]
الہ آباد من ابتداے شوال سنہ ۱۲۸۷ هجري
لغايت آخر رمضان سنہ ۱۲۸۸ هجري

۳۶ مولوي عبدالوهاب صاحب [illegible]
جج ماتحت عليگڈہ من ا[illegible]
۱۲۸۷ لغايت آخر رمضان [illegible]

۳۷ مولوي هدايت الله صاحب [illegible]
عليگڈہ من ابتداے شوال سنہ [illegible]
لغايت آخر رمضان سنہ ۱۸[illegible]

۳۸ بابو ايشورچ نرائن سنگھ صاحب [illegible]
من ابتداے شوال سنہ ۱۲۸۷
آخر رمضان سنہ ۱۲۸۸ هجري

۳۹ محمد حرمت خان صاحب [illegible]
عدالت مال عليگڈہ من ابتداے [illegible]
۱۲۸۷ هجري لغايت آخر [illegible]
۱۲۸۸ هجري

۴۰ مولوي ضياء الدين احمد صاحب [illegible]
مقام آگرہ من ابتداے [illegible]
هجري لغايت آخر جمادي الـ[illegible]
هجري

۴۱ ظفرياب خان صاحب منتظم [illegible]
عليگڈہ من ابتداے شوال سنہ ۱۲۸۷ هجري
لغايت آخر رمضان سنہ ۱۲۸۸ [illegible]

۴۲ منشي اکرام الدين حسين صاحب
سررشتہ دار فوجداري گورکھپور من ابتداے
شوال سنہ ۱۲۸۷ هجري لغايت آخر رمضان
سنہ ۱۲۸۸ هجري

۴۳ مولوي احمد حسن صاحب [illegible]
منجھولي من ابتداے شوال [illegible]
لغايت آخر رمضان سنہ [illegible]

تفسیر القرآن

ایک نایاب مصری تفسیر کا ترجمہ (۷)

(مترجمہ حضرت علامہ آغا رفیق صاحب بلند شہری)

كَيْفَ تَكْفُرُونَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ

ترجمہ:- بھلا کیونکر ناشکری کرتے ہو اللہ کے ساتھ (کہ اس کے احسانوں کو بھلا دیتے ہو اور غیروں کا کلمہ پڑھتے ہو، حالانکہ اس کے استحقاق عبادت میں یکتا ہونے پر دلائل قائم ہیں کہ) تم محض بے جان نطفہ تھے جان پڑنے سے پہلے سو تم کو جاندار کیا پھر تم کو موت دیں گے۔ پھر تم کو زندہ کریں گے (یعنی قیامت کے دن) پھر ان ہی کے پاس لے جائے جاؤ گے (یعنی میدان قیامت سے حساب کتاب کے لئے اجلاس پر حاضر کئے جاؤ گے)

تفسیر:- یہ آیت توحید باری کی آیت سے متعلق ہے مطلب یہ ہے کہ ذرا سے کا فرو! جب تم کو خدا کا مربی، خالق، رازق اور محسن ہونا معلوم ہو گیا تو پھر تم کیونکر خدا کی ناسپاسی کرتے اور اس کے منکر ہوتے ہو۔ کیا تم اتنا بھی نہیں جانتے کہ تم ایک بے جان چیز (نطفہ) تھے۔ خدا نے تم میں روح ڈالی۔ پھر کچھ دنوں بعد خدا تم کو موت دے گا پھر تم کو (قیامت کے دن خدا) زندہ کریگا۔ اور پھر تم کو حساب و کتاب کے لئے خدا ہی کے پاس لے جایا جائیگا۔

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ثُمَّ اسْتَوٰى اِلَى السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ

ترجمہ:- وہ ذات پاک ایسی ہے جس نے پیدا کیا تمہارے فائدے کے لئے جو کچھ بھی زمین میں موجود ہے سب کا سب (خواہ کسی قسم کا فائدہ ہو) کھانے کا پینے کا، پہننے کا، نشوونما کا، تازگی بخشنے کا، نفس یا روح کو حظ دینے کا، کسی چیز کو دیکھ کر علم صحیح توحید کے حاصل ہو جانے کا، پھر توجہ فرمائی آسمان کی طرف، یعنی اس کی تکمیل و تخلیق کی طرف سو درست کر کے بنا دئے ان کو سات آسمان اور وہ تو سب چیزوں کے جاننے والے ہیں۔

تفسیر:- اس آیت میں ان عام نعمتوں کا بیان ہے جو خدا نے اپنے بندوں کے لئے مہیا کی ہیں جیسا ارشاد ہوا ہے کہ وہ خدا ایسا ہے جس نے تمہارے فائدے کے لئے زمین کی اندر کی تمام چیزوں کو پیدا کیا ہے۔ تاکہ تم ان سے اپنی معاش میں کام لو ان کے بعد اس نے اپنی توجہ اور ارادہ کو آسمان کی تخلیق کی طرف پھیرا اور ان کے سات درجے بنائے اور وہ تمام چیزوں کا جاننے والا ہے۔

اس آیت میں خدا نے یہ بتایا ہے کہ زمین کی ہر ایک جائز و مباح چیز سے فائدہ اٹھاؤ جو نقصان رساں نہ ہو خواہ وہ فائدہ محسوس و معلوم ہو لیکن البتہ مٹی کا کھانا حرام ہے اس لئے کہ وہ زمین کے اندر کی پیدا کی ہوئی چیز نہیں خود زمین ہے ہاں دوسرے کاموں میں اس سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً ؕ قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۚ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ؕ قَالَ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ

ترجمہ:- اور اے محمد اس وقت ارشاد فرمایا آپ کے رب نے فرشتوں سے (تاکہ وہ اپنی رائے ظاہر کریں ورنہ اللہ تعالیٰ تو باطن کو بھی جانتے ہیں اور حقیقت میں ان سے مشورہ لینا دعا بلکہ اتمام حجت تھی بہرحال اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے یہ فرمایا) کہ ضرور میں بناؤں گا زمین میں ایک نائب (یعنی وہ میرا نائب ہوگا کہ میں اپنے احکام شرعیہ کے اجراء و انفاذ کی خدمت اس کے سپرد کروں گا) فرشتے کہنے لگے کیا آپ پیدا کریں گے زمین میں ایسے لوگوں کو جو فساد کریں گے اور خونریزیاں کریں گے اور ہم برابر تسبیح اور تحمید اللہ کی تقدیس کرتے رہتے ہیں۔ (فرشتوں کی اس بات کا مطلب یہ ہے کہ ہم تو سب کے سب آپ کے مطیع و فرمان بردار ہیں اور ان میں کوئی مفسد و سفاک بھی ہوگا سو اگر یہ کام ہمارے سپرد کیا جائے تو ہم سب لگ لپٹ کر اس کو انجام دیں گے اور وہ لوگ سب اس کام کے نہ ہوں گے البتہ جو مطیع ہوں گے وہ تو جان و دل سے اس میں لگ جائیں گے مگر جو مفسد و ظالم ہوں گے ان سے کیا امید ہے کہ وہ اس کو انجام دیں خلاصہ یہ کہ جب کام کرنے والوں کا گروہ موجود ہے تو ایک نئی مخلوق کو بنانے میں کوئی کام کا ہوگا کوئی نہ ہوگا اس خدمت کے لئے تجویز فرمانے کی کیا ضرورت ہے) خدا نے فرمایا کہ میں جانتا ہوں اس بات کو جس کو تم نہیں جانتے (یعنی جو امر تمہارے نزدیک مانع تخلیق بنی آدم ہے یعنی اہلیت میں سے بعض کا مفسد و سفاک ہونا وہی امر واقع میں باعث ان کی تخلیق کا ہے کیونکہ جو انتظام اور احکام کا نتیجہ تو جب ہی ہوگا جب کوئی ایسا بھی ہو کہ جو ان سے تجاوز کرنے والا بھی ہو)

تفسیر:- پہلی آیت میں خدا کی نعمتوں کا ذکر ہوا تھا اس آیت میں

یہ ایک نعمت ہی کا ذکر ہے اور وہ نعمت آدم علیہ السلام کو علم کی دولت سے نوازنا اور مسجود ملائکہ بنانا ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے کہ (اے محمد) جب رب نے فرشتوں سے یہ کہا کہ میں زمین میں اپنا ایک خلیفہ نائب بناؤں گا تاکہ وہ زمین کی تعمیر کا کام انجام دے اور اس کی چیزوں کو کام میں لائے جس کی خدمت اس کے سپرد کی جائے گی یعنی انسانی مخلوق کو کامل بنائے تو فرشتوں نے محسوس و ادراک کیا کہ یہ انسان اپنے اندر کی مادی فطرت سے یقیناً فساد کا موجب ہوگا۔ اس ادراک کی بنا پر فرشتوں نے محض علم حاصل کرنے کے لئے نہ اعتراض کی حیثیت سے نہیں خدا سے اس بات کی حکمت پوچھی کہ اس نے انسان ہی کو اپنا خلیفہ بنانے کی فضیلت کیوں عنایت کی ہے۔ حالانکہ وہ (یعنی فرشتے) اس کی اطاعت میں سرنگوں اور اس کی عبادت میں سرگرم ہیں اور خلافت کے ہر طرح مستحق ہیں۔ خداوند تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ اس کی مصلحت میں ہی جانتا ہوں تم نہیں جانتے۔

وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلَائِكَةِ فَقَالَ أَنْبِئُونِي بِأَسْمَاءِ هَٰؤُلَاءِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝ قَالُوا سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ۖ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ۝ قَالَ يَا آدَمُ أَنْبِئْهُمْ بِأَسْمَائِهِمْ ۖ فَلَمَّا أَنْبَأَهُمْ بِأَسْمَائِهِمْ قَالَ أَلَمْ أَقُلْ لَكُمْ إِنِّي أَعْلَمُ غَيْبَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَأَعْلَمُ مَا تُبْدُونَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُونَ ۝ وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ أَبَىٰ وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكَافِرِينَ ۝

ترجمہ:- اور علم دیدیا اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم ؑ کو (ان کو پیدا کرکے) سب چیزوں کے اسماء کا (یعنی ان چیزوں کے خواص و آثار کے سمیت تمام موجودات روئے زمین کے اسماء و خواص کا علم دیدیا) پھر وہ چیزیں فرشتوں کے روبرو کر دیں، پھر فرمایا کہ بتلاؤ مجھ کو اسماء ان چیزوں کے (یعنی مع ان کے آثار و خواص کے) اگر تم سچے ہو۔ فرشتوں نے عرض کیا کہ آپ پاک ہیں (اس الزام سے کہ آدم ؑ پر اس علم کو ظاہر فرما دیا ہم سے پوشیدہ رکھا آپ کی طرف سے تو کوئی اخفا یا دریغ نہیں ہوا مگر) ہم کو ہی علم نہیں مگر وہی جو کچھ ہم کو آپ نے علم دیا (یعنی جس قدر ہماری پیدائش میں استعداد رکھی ہے اور اس کے موافق ہم کو علم عنایت ہوا اس کے سوا ہم کو دوسرے علم سمجھنے کی قوت نہیں ہے) بے شک آپ بڑے علم والے ہیں کہ آپ کو سب علوم حاضر ہیں ہمارے اور آدمیوں کے معلومات سب حضور پر منکشف ہیں (اور) حکمت والے ہیں کہ جس قدر جس کے لئے مصلحت جانا اسی قدر فہم و علم عطا فرمایا۔ حق تعالیٰ نے فرمایا کہ اے آدم ؑ تم بتلا دو ان کو ان چیزوں کے اسماء۔ سو جب بتلا دئے ان کو آدم ؑ نے چیزوں کے اسماء تو حق تعالیٰ نے فرمایا (دیکھو) میں تم سے کہتا نہ تھا کہ بے شک میں جانتا ہوں تمام پوشیدہ چیزیں آسمانوں کی اور زمین کی اور جانتا ہوں جس بات کو تم ظاہر کر دیتے ہو اور جس کو دل میں رکھتے ہو اور جس وقت حکم دیا ہم نے فرشتوں کو کہ سجدہ میں گر جاؤ آدم کے سامنے سب سجدہ میں گر پڑے بجز ابلیس کے کہ اس نے کہنا نہ مانا اور غرور میں آگیا اور ہو گیا کافروں میں سے۔

تفسیر:- فرشتوں سے استفسار و اتمام حجت کے بعد خدا نے آدم کو پیدا کیا اور ان کے دل میں ہر وہ چیز ڈالدی جن کی استعداد نوع انسانی رکھتی ہے یعنی صوری و معنوی ترقیاں اور پھر تمام چیزوں کی حقیقت اور آثار و خواص کا علم ان کو سکھایا اور ساری چیزوں کے نام بتلائے اور اس کے بعد وہ تمام چیزیں جن کی حقیقت اور جن کے اسماء سے آدم کو آگاہ کیا تھا فرشتوں کے روبرو رکھ دیں اور ان سے فرمایا کہ اگر تم اپنے خیال و گمان میں سچے ہو تو ان چیزوں کے نام بتاؤ۔ فرشتوں نے عرض کیا اے بے شک و بے شبہ خدا تو پاک ہے ہم تو صرف اتنا ہی علم رکھتے جتنے کی گنجائش ہماری پیدائش میں رکھی ہے اور تو بڑا علیم اور حکمت والا ہے۔ اس کے بعد خدا نے آدم کو حکم دیا کہ وہ ان چیزوں کے نام اور آثار و خواص فرشتوں کو بتلائے اور اپنی نوع کی استعداد نیابت کو ظاہر کرے۔ جب آدم نے خدا کے حکم کے موافق فرشتوں کو چیزوں کے نام و خواص بتلا دئے، تو فرشتوں نے محسوس کیا کہ وہ خود میں خدا کی نیابت کے فرائض کو ادا کرنے کی اہلیت و استعداد نہیں رکھتے، اور اس احساس سے ان کو خدا کے انتخاب کی حکمت و مصلحت بھی معلوم ہو گئی اور اس کے بعد انہوں نے خدا کے اس حکم کو جو آدم کو سجدہ کرنے کے لئے دیا گیا تھا قبول کر لیا یعنی خدا کی عظمت و بزرگی کو سجدہ کرنے کا حکم عبادت کا سجدہ نہیں مگر ابلیس نے اس حکم کو نہ مانا یعنی غرور کیا اور سجدہ سے انکار کر دیا اور اس وجہ سے وہ کافروں میں شامل ہو گیا۔

اس موقعہ پر یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ فرشتوں نے خدا سے جھگڑا کیا یا فرشتے خدا سے مجادلہ کر سکتے ہیں واقعہ یہ ہے کہ یہ اس کیفیت کی ایک مثال ہے جو فرشتوں پر اس وقت طاری ہوئی تھی جبکہ عالم روحانی میں ان کو یہ معلوم ہوا کہ زمین پر ایک ایسی مخلوق کو نائب بنایا جائے گا جو فساد پھیلائے گی۔ خدا نے فرشتوں کے ان وسوسوں کا جواب دیا اور ان کے شکوک رفع کر دئے یہ تاویل اس موقعہ پر ضروری ہے اس لئے کہ خداوند تعالیٰ کی ذات کا دیدار ناممکن و محال ہے یہاں تک کہ ملائکہ تک خدا کو نہیں دیکھ سکتے جیسا کہ قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے۔

وَقُلْنَا يَا آدَمُ اسْكُنْ أَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هَٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُونَا مِنَ الظَّالِمِينَ ۝ فَأَزَلَّهُمَا الشَّيْطَانُ عَنْهَا فَأَخْرَجَهُمَا

مِمَّا كَانَا فِيهِ وَقُلْنَا اهْبِطُوا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَمَتَاعٌ إِلَى حِينٍ فَتَلَقَّى آدَمُ مِنْ رَبِّهِ كَلِمَاتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ إِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ قُلْنَا اهْبِطُوا مِنْهَا جَمِيعًا فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ مِنِّي هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُولَئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ

ترجمہ: اور ہم نے حکم دیا کہ اے آدم رہا کرو تم اور تمہاری بی بی (حوا جن کو اللہ نے اپنی قدرت کاملہ سے آدم کی پسلی سے کوئی مادہ لے کر بنا دیا تھا) بہشت میں پھر کھاؤ دونوں اس میں سے بافراغت جس جگہ چاہو اور نزدیک نہ جائیو اس درخت کے ورنہ تم بھی ان ہی میں شمار ہو جاؤ گے جو اپنا نقصان کر بیٹھتے ہیں پس لغزش دیدی آدم و حوا کو شیطان نے اس درخت کی وجہ سے سو برطرف کرکے نکال کر اس عیش سے جس میں وہ تھے اور ہم نے کہا کہ نیچے اترو تم میں سے بعض بعضوں کے دشمن رہیں گے اور تم کو زمین پر ٹھہرنا ہے چند روز اور کام چلانا ایک میعاد معین تک بعد ازاں حاصل کر لئے آدم نے اپنے رب سے چند الفاظ یعنی معذرت کے کلمات تو اللہ تعالیٰ نے رحمت کے ساتھ توجہ فرمائی ان پر (یعنی توبہ قبول کر لی) بے شک وہی ہیں بڑے توبہ قبول کرنے والے بڑے مہربان۔ ہم نے فرمایا نیچے جاؤ اس بہشت سے سب کے سب پھر اگر آوے تمہارے پاس میری طرف سے کسی قسم کی ہدایت (یعنی احکام شرعیہ بذریعہ انبیاء علیہم السلام کے) سو جو شخص پیروی کرے گا میری اس ہدایت کی تو نہ کچھ اندیشہ ہوگا اس پر اور نہ ایسے غمگین ہوں گے۔ اور جو لوگ کفر کریں گے اور تکذیب کریں گے ہمارے احکام کی یہ لوگ ہوں گے دوزخ والے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

تفسیر: ان آیات میں آدم ؑ کا واقعہ بیان کیا گیا ہے یعنی خداوند تعالیٰ نے آدم ؑ و حوا کو پیدا کر کے حکم دیا کہ تم اور تمہاری بیوی حق جنت میں رہو۔ اور جنت کے میووں میں سے جہاں اور جس جگہ تمہارا جی چاہے کھاؤ لیکن اس درخت کے قریب نہ جانا یعنی خدا نے ایک درخت کو معین کر دیا تھا کہ اس کے پاس نہ جانا پھر شیطان نے آدم و حوا کے دل میں وسوسہ ڈالا اور اس درخت تک پہنچا دیا اور اس نافرمانی کا نتیجہ یہ ہوا کہ خدا نے جنت کے عیش و عشرت سے آدم و حوا کو محروم کر کے زمین پر اتار دیا جہاں مادی تکالیف جسمانی حاجتیں اور وہ تمام منازعات و مخاصمات پائے جاتے ہیں جو حیات ارضی کے مقتضی ہیں اس کے بعد خدا نے آدم پر رحم فرمایا اور چند کلمات ان کے دل میں ڈالے کہ وہ ان سے دعا مانگیں چنانچہ انہوں نے دعا مانگی اور ان کی توبہ قبول کی گئی اور ان کی ذریت و اولاد کے لئے یہ قرار دیا گیا کہ وقتاً فوقتاً ان کے پاس رسول بھیجے جائیں گے جو گمراہوں کو راہ ہدایت دکھائیں گے اور غافلوں کو متنبہ کریں گے پس جو شخص ان رسولوں اور نبیوں پر ایمان لائے گا اور ان کی نصیحت پر عمل کرے گا وہ نجات پا جائے گا اور جو ان کو جھٹلائے گا اور خدا کی نشانیوں یا آیات کا انکار کرے گا وہ ہلاک و تباہ ہوگا۔

احکام القرآن

(از علامہ آغا رفیق حسن صاحب بلند شہری)

(۶) مساجد کا انہدام اور مساجد میں نماز پڑھنے سے روکنا حرام ہے

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِىْ خَرَابِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَآ اِلَّا خَآئِفِيْنَ ؕ لَهُمْ فِى الدُّنْيَا خِزْىٌ وَّلَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ (سورہ بقرہ آیت ۱۰۸)

ترجمہ :۔ اور اس شخص سے زیادہ اور کون ظالم ہوگا جو خدائے تعالیٰ کی مسجدوں میں ان کا ذکر کئے جانے سے ان کی بندش کرے اور ان کے ویران (اور معطل ہونے) کے بارے میں کوشش کرے ان لوگوں کو تو کبھی بے ہیبت (اور بیباک ہو کر) ان مساجد میں قدم بھی نہ رکھنا چاہیے تھا ان لوگوں کو دنیا میں بھی رسوائی نصیب ہوگی اور ان کو آخرت میں بھی سزائے عظیم ہوگی۔

تفسیر و تشریح :۔ جب قبلہ بدلنے کا حکم نازل ہوا تو یہود و کفار نے تبدیلی پر طرح طرح کے اعتراضات کرکے مسلمانوں کے دلوں میں شبہات پیدا کئے تاکہ وہ رسالت کا انکار کردیں اور نماز پڑھنا چھوڑ دیں اور مساجد ویران ہو جائیں جس طرح عیسیوں کے رومی بادشاہ طیطوس نے شام پر حملہ کرکے مسجد بیت المقدس کو ویران کر دیا تھا

امام زاہد کہتے ہیں کہ یہ آیت رومی بادشاہ طیطوس کے حق میں نازل ہوئی ہے جس نے یہود سے نفرت و عداوت کے سلسلہ میں بیت المقدس کو خراب و ویران کر دیا تھا توریت کو جلا کر نجاست میں پھنکوا دیا تھا، یہود کو بے دریغ قتل کیا تھا اور ان کی عورتوں اور بچوں کو غلام و لونڈی بنا لیا تھا یا یہ آیت بخت نصر بادشاہ کے حق میں اتری ہے جو آتش پرست تھا اور جس نے عیسیوں کو خوش کرنے کے لئے یہود کو ذلیل و رسوا اور بیت المقدس کو خراب کیا تھا جس کا پورا قصہ سورۂ بنی اسرائیل میں مذکور ہے۔

مختصر یہ کہ اس آیت میں مساجد سے مراد بیت المقدس ہے اور مساجد (جمع) کا لفظ عظمت کے لئے استعمال کیا گیا ہے یا جمع کا لفظ یہ بتلایا گیا ہے کہ مسجد بیت المقدس یا بیت المقدس کی ہر جگہ اور ہر حصہ سجدہ کی جگہ ہے

بعض مفسرین کا بیان ہے کہ یہ آیت مشرکین مکہ کے حق میں نازل ہوئی ہے جنہوں نے رسول اللہ صلعم کو حدیبیہ کے سال میں مکے کے اندر داخل ہونے سے روک دیا تھا اور مسلمانوں کو مسجد حرام میں نماز و عبادت سے روک کر گویا مسجد مکہ کو ویران کرنے کی کوشش کی تھی۔

یہ آیت خواہ کسی واقعہ سے تعلق رکھتی ہو اور کسی شخص کے حق میں نازل ہوئی ہو مگر اس کا حکم عام ہے اور مطلب یہ ہے کہ اس شخص سے زیادہ ظالم کون ہوگا جو خدا کی مسجدوں میں خدا کا ذکر و عبادت کرنے سے لوگوں کو روکے اور مسجدوں کو خراب و ویران کرنے کی کوشش کرے ان لوگوں کو جنہوں نے خدا کی عبادت سے مسلمانوں کو روکے ہیں یہ چاہئے تھا کہ وہ خشوع و خضوع کے ساتھ مسجدوں میں آتے اور عبادت کرنے والوں کو کوئی اذیت و تکلیف پہنچانے کا خیال دل میں نہ لاتے دنیا میں ان لوگوں کو ذلت و رسوائی نصیب ہوگی یعنی ان میں سے جو لوگ مقابلہ و مقاتلہ کریں گے وہ قتل ہوں گے اور قید کئے جائیں گے اور جو لوگ مقاتلہ نہ کریں گے ان کو جزیہ دینے کی ذلت نصیب ہوگی اور آخرت میں تو اس کے لئے دردناک عذاب ہی ہے

آیت کا حکم یہ ہے کہ جس طرح مسجد کا انہدام اور تخریب ممنوع و حرام ہے اسی طرح نماز و عبادت سے لوگوں کو روکنا بھی حرام ہے خواہ مسجد کسی مملوک ہو یا نہ ہو۔

(۷) قبلہ کی تعیین کا حکم

وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝ (سورہ بقرہ آیت ۱۰۹)

ترجمہ :۔ اور اللہ ہی کی ملوک ہیں (سب جہتیں) مشرق بھی اور مغرب بھی تو تم لوگ جس طرف بھی منہ کرو ادھر ہی اللہ تعالیٰ (کی ذات پاک) کا رخ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ (خود تمام جہات اور اشیا کو) محیط ہیں (جس طرح کا احاطہ ان کی شان کے لائق ہے) گھیرا جو محیط ہونے کے باوجود محدود ہونے کے بھی جہت عبادت کو معین اس نے فرمایا کہ وہ کامل العلم ہیں (کعبہ کے متعلق خوب جانتے ہیں)

تفسیر و تشریح :۔ بعض مفسرین کی رائے ہے کہ یہ آیت منسوخ الحکم ہے لیکن اکثر مفسرین کہتے ہیں کہ منسوخ نہیں ہے اگر اس آیت کے یہ معنی لئے جائیں گے کہ بلاد مشرق و مغرب خدا کے ہی ہیں لہٰذا جس طرف بھی منہ کرکے نماز پڑھو گے ادھر ہی خدا متوجہ ہے تو بیشک اس کو

منسوخ الحکم ماننا پڑیگا اس لئے کہ قبلہ متعین ہو چکا ہے اور اگر اس میں یہ تاویل کر لی جائے کہ یہ حکم سواری پر نفل نماز پڑھنے کے متعلق ہے یا قبلہ کی سمت معلوم نہ ہونے کی حالت میں یہ حکم دیا گیا ہے تو منسوخ الحکم نہیں ہے اور اس کا حکم بدستور باقی ہے۔

اور اگر آیت کے یہ معنے لئے جائیں کہ کس مقام پر بھی تم اپنا منہ قبلہ کی طرف کرکے نماز پڑھو گے خدا دیکھ رہا ہے آیت کے معنے میں نہ تو تاویل کی ضرورت پیش آئے گی اور نہ منسوخ الحکم ماننا پڑے گا۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی تھی جبکہ مسلمانوں کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ وہ مکہ کی جانب نہیں بیت المقدس کی طرف منہ کرکے نماز پڑھیں اور کافروں نے اس تبدیلی پر یہ اعتراض کیا تھا کہ مسلمان مکہ سے بیت المقدس کی طرف کیوں پھر گئے۔ خداوند تعالےٰ نے کافروں کے اعتراض جواب دینے کے لئے فرمایا کہ تم لوگ جس طرف بھی منہ کرو ادھر ہی اللہ ہے "یعنے قبلہ صرف کعبہ ہی میں منحصر نہیں ہے بلکہ اے مسلمانوں جدھر منہ کرکے تم نماز پڑھو گے ادھر ہی اللہ تعالےٰ ہے۔ اس کے بعد یہ حکم اس آیت سے منسوخ ہو گیا فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ یعنے مسجد حرام کی جانب اپنا منہ پھیر لو امام زاہد کہتے ہیں قرآن مجید کا یہ سب سے پہلا حکم ہے جو اسلام میں تبدیل کیا گیا ہے۔

مفسرین کی ایک بڑی جماعت کی رائے یہ ہے کہ آیت کے معنے یہ ہیں کہ مشرق و مغرب خدا ہی کی مملوک ہیں اگر اے مسلمانوں تم کو مسجد حرام یا بیت المقدس میں نماز پڑھنے سے روکا جائے تو تم جس مقام پر قبلہ کی طرف نماز پڑھو گے وہی سمت وہ ہے جس کا تم کو خدا نے حکم دیا ہے۔

ابن عمر رضہ کہتے ہیں کہ یہ حکم صرف اس مسافر کے لئے ہے جو سواری پر نماز پڑھے۔

بعض مفسرین کہتے ہیں کہ آیت میں نماز پڑھنے کا حکم نہیں بلکہ دعا اور ذکر الٰہی کا حکم ہے اور اس کے لئے کسی سمت کی ضرورت نہیں ہے ہر جگہ اللہ موجود ہے۔

امام زاہد کہتے ہیں کہ یہ آیت نجاشی شاہ حبش کے حق میں نازل ہوئی ہے جبکہ وہ مسلمان ہو کر مدینے کی جانب روانہ ہوا اور راستے میں وفات پا گیا جبرئیل حضور صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ پیام خداوندی پہنچایا کہ نجاشی کے جنازہ پر نماز پڑھو یہ حکم سن کر رسول اللہ صلعم نے صحابہ سے فرمایا تم اپنے صاحب یعنے مسلمان بھائی نجاشی کے جنازہ پر نماز پڑھو صحابہ نے عرض کیا کہ ہم اس کے جنازہ پر کیونکر نماز پڑھیں اس نے تو ہمارے قبلہ کی جانب نماز نہیں پڑھی تھی کیونکہ وہ اہل قبلہ نہ تھا، خداوند تعالےٰ نے اس اعتراض و شبہ پر یہ آیت نازل کی جس کا مطلب یہ ہے کہ نجاشی نے جس طرف بھی نماز پڑھی ہو کوئی مضائقہ نہیں ہے اس لئے کہ شرع کا

حکم سنانے کے بعد قابل عمل ہوتا ہے۔

(۸) خداوند تعالےٰ اولاد سے پاک ہے

وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبْحَانَهُ بَلْ لَّهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ كُلٌّ لَّهُ قَانِتُوْنَ (سورۂ بقرہ آیت ۱۱۰)

ترجمہ اور یہ لوگ یعنے یہود و نصاریٰ اور مشرکین عرب مختلف عنوان سے، کہتے ہیں کہ خدا تعالےٰ اولاد رکھتا ہے سبحان اللہ (کیا مہمل بات ہے) بلکہ (ان کے تو اولاد ہونا عقلاً ممکن ہی نہیں اس لئے کہ اول تو) حق تعالیٰ کے مملوک ہیں جو کچھ بھی آسمانوں اور زمین میں (موجودات) ہیں (اور دوسرے یہ کہ مملوک ہونے کے ساتھ) سب ان کے محکوم (بھی) ہیں۔

تفسیر و تشریح یہود کہا کرتے تھے کہ حضرت عزیر علیہ السلام پیغمبر خدا کے بیٹے ہیں نصاریٰ کہتے تھے کہ مسیح علیہ السلام خدا کے بیٹے ہیں اور مشرکین عرب کا خیال تھا کہ فرشتے خدا کی بیٹیاں ہیں۔ خداوند تعالےٰ نے ان خرافات کا رد کیا ہے اور فرمایا ہے کہ خداوند تعالےٰ تمام خرافات سے پاک و صاف ہے وہ ہر اس چیز کا پیدا کرنے والا اور مالک ہے جو آسمان اور زمین کے درمیان ہے اور اس میں ملائکہ عزیر اور مسیح بھی داخل ہیں اور یہاں میں سے ہر چیز خدا کی مطیع و منقاد بھی ہے کہ اس کی مشیت و تکوین میں معارض و دخیل نہیں پھر جس چیز کی صفت یہ ہو کہ خدا کی پیدا کی ہوئی اس کی مملوک اور اس کی مطیع و منقاد ہو وہ کیونکر اس کی ہم جنس یا مثل یا مشابہ ہو سکتی ہے بجائیکہ یہ تمام چیزیں اس کی مطیع و منقاد ہیں اور اس کی عبودیت کی معترف۔

آیت کا مقصود یہ ہے کہ مملوک و منقاد چیز مالک کی اولاد نہیں ہو سکتی اس لئے کہ اولاد مالک کی ہم جنس مثل اور مشابہ ہوتی ہے اگر ان چیزوں کو خدا کی اولاد کہا جائے گا تو وہ بھی خدا کی طرح قائم بالذات اور ہمیشہ باقی رہنے والی ہوں گی اور خدا کی سہیم و شریک بھی جائیں گی حالانکہ ایسا نہیں ہے اس کی مملوک چیزوں میں سے ایک بھی اس کے مشابہ اور سہیم و شریک نہیں بلکہ اس کی مطیع ہیں اور اس کی عبودیت کی معترف ہیں۔

قاضی بیضاوی کہتے ہیں کہ جو شخص اپنی اولاد کا مالک ہو جائے یہ ملکیت فوراً اس کو آزاد کر دیگی یعنی اولاد اپنے باپ کی ملکیت میں آتے ہی آزاد ہو جائے گی اس صورت میں ظاہر ہے کہ جب ان چیزوں کو خدا کی اولاد کہا جائیگا تو وہ اس کی ملکیت سے نکل جائیں گی اور اس کے مساوی قرار پائیں گے حالانکہ ایسا نہیں ہے یہ تمام چیزیں خدا کی ملکیت ہیں اور خدا کی مطیع و منقاد ہیں۔

اس آیت سے یہ حکم ظاہر ہوتا ہے کہ اولاد باپ کی ملکیت نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے کہ مَنْ مَلَكَ ذَا رَحِمٍ مُحْرِمٍ عَتَقَ عَلَيْهِ یعنی جو شخص کسی ایسے رشتہ دار کا مالک ہو جائے جس سے اس کا تعلق رحم سے ہو اور اس سے نکاح کرنا حرام ہو وہ فوراً اس کی ملکیت سے نکل جائے گا اور آزاد ہو جائے گا۔

قرآنی تعلیم

(از جناب مولانا مفتی انتظام اللہ صاحب الشہابی اکبرآبادی)

صداقت

وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ (بقرہ)

اور سچ کو جھوٹ کے ساتھ گڈمڈ نہ کرو اور جان بوجھ کر حق بات کو نہ چھپاؤ۔

وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ ۝ وَالَّذِي جَاءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ ۝

اور سچ بولنے والوں کے ساتھ رہو۔ اور سچی بات لے کر آیا (اور پیغمبر) جس نے اس کو سچ جانا یہی لوگ تو پرہیزگار ہیں۔

اخلاص

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ ۝ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللَّهِ أَنْ تَقُولُوا مَا لَا تَفْعَلُونَ

مسلمانو تم ایسی بات کیوں کہہ بیٹھا کرتے ہو جو تم کرکے نہیں دکھلاتے (یہ بات) اللہ کو سخت ناپسند ہے کہ کہو (سب کچھ) اور کرو (کچھ) نہیں۔

حلم ورحم

وَسَارِعُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِنْ رَبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ ۝ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ فِي السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ

اور اپنے پروردگار کی مغفرت کی اور جنت کی طرف لپکو جس کا پھیلاؤ جیسے زمین اور آسمان کا۔ اُن پرہیزگاروں کے لئے تیار ہے جو خوشحالی اور تنگدستی میں (خدا کے نام پر) خرچ کرتے اور غصہ کو روکتے اور لوگوں سے درگذر کرتے ہیں اور نیکی کرنے والوں کو اللہ تعالے دوست رکھتا ہے۔

عفت وعصمت

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ فَإِنَّهُ يَأْمُرُ بِالْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ مَا زَكَىٰ مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ أَبَدًا وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يُزَكِّي مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ

مسلمانو! شیطان کے قدم بقدم نہ چلو اور جو شیطان کے قدم بقدم چلے گا تو شیطان (اس کو) بے حیائی اور بُرے ہی کام (کرنے) کو کہے گا اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کا کرم نہ ہوتا تو تم میں سے کوئی کبھی بھی پاک (وصاف) نہ ہوتا۔ لیکن اللہ جس کو چاہتا ہے پاک کرتا ہے اور اللہ سب کی سنتا (اور سب کچھ جانتا ہے)۔

حسن خلق

لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِنْهُمْ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِينَ (حجر)

اے محمد ہم نے جو کچھ کافروں کے گروہ کو دے رکھا ہے اس پر نظر ہی نہ ڈالو اور نہ ان پر رنج وافسوس کرو اور مسلمانوں کے لئے اپنے بازو جھکا دو یعنی خاطر تواضع مدارات اور اخلاق سے پیش آؤ۔

ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ السَّيِّئَةَ نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَا يَصِفُونَ ۝

اے پیغمبر برائی کو بھلائی سے دفع کرو اور ہم خوب واقف ہیں جو کچھ مخالفین تمہاری صفات بیان کرتے ہیں۔

عفو وکرم

وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ ۝ وَمَا يُلَقَّاهَا إِلَّا ذُو حَظٍّ عَظِيمٍ ۝ وَإِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطَانِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ

اور بھلائی اور بُرائی برابر نہیں ہوسکتے اے پیغمبر بُرائی کا جواب بھلائی سے دو تاکہ ایسا شخص کہ تم میں اور اس میں عداوت ہو مثل دوست اور رشتہ دار کے ہو جائے اس کی تلقین صرف ان ہی لوگوں کو دی جاتی ہے جو صبر کرتے ہیں اور تلقین ان ہی لوگوں کو دی جاتی ہے جن کے بڑے نصیب ہیں اور اگر تم کو کوئی شیطانی وسوسہ گذرے تو خدا سے پناہ مانگو کہ وہ بے شک سننے والا واقف کار ہے۔

قرآنی قصے

تذکرۂ انبیاء علیہم السلام

(از جناب مولانا مفتی محمد انتظام اللہ صاحب الشہابی اکبرآبادی)

حضرت موسیٰ علیہ السلام

ثُمَّ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ وَأَخَاهُ هَارُونَ بِآيَاتِنَا وَسُلْطَانٍ مُّبِينٍ ۝ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ فَاسْتَكْبَرُوا وَكَانُوا قَوْمًا عَالِينَ ۝ فَقَالُوا أَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا عَابِدُونَ ۝ فَكَذَّبُوهُمَا فَكَانُوا مِنَ الْمُهْلَكِينَ ۝ وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُونَ ۝ (پ ۱۸ مومنون ع ۳)

پھر ہم نے موسیٰ اور اس کے بھائی ہارون کو اپنی نشانیاں اور کھلی سند دیکر فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف بھیجا پر وہ شیخی میں آگئے اور تھے ہی گھمنڈی لوگ کہنے لگے کیا ہم اپنے جیسے دو آدمیوں کو مان لیں اور ان کی (ساری) قوم تو ہماری غلام ہے پھر ان دونوں موسیٰ اور ہارون کو ان لوگوں نے جھٹلایا آخر تباہ ہوئے اور ہم نے موسیٰ کو کتاب (توریت) اس لئے دی تھی کہ ان کو ہدایت ہو۔

وَإِذْ نَادَىٰ رَبُّكَ مُوسَىٰ أَنِ ائْتِ الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ۝ قَوْمَ فِرْعَوْنَ ۚ أَلَا يَتَّقُونَ ۝ قَالَ رَبِّ إِنِّي أَخَافُ أَن يُكَذِّبُونِ ۝ وَيَضِيقُ صَدْرِي وَلَا يَنطَلِقُ لِسَانِي فَأَرْسِلْ إِلَىٰ هَارُونَ ۝ وَلَهُمْ عَلَيَّ ذَنبٌ فَأَخَافُ أَن يَقْتُلُونِ ۝ قَالَ كَلَّا ۖ فَاذْهَبَا بِآيَاتِنَا ۖ إِنَّا مَعَكُم مُّسْتَمِعُونَ ۝ فَأْتِيَا فِرْعَوْنَ فَقُولَا إِنَّا رَسُولُ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ أَنْ أَرْسِلْ مَعَنَا بَنِي إِسْرَائِيلَ ۝ قَالَ أَلَمْ نُرَبِّكَ فِينَا وَلِيدًا وَلَبِثْتَ فِينَا مِنْ عُمُرِكَ سِنِينَ ۝ وَفَعَلْتَ فَعْلَتَكَ الَّتِي فَعَلْتَ وَأَنتَ مِنَ الْكَافِرِينَ

اور اے پیغمبر وہ وقت یاد کر جب تیرے مالک نے موسیٰ کو پکارا کہ گناہ گار لوگوں کے پاس جا فرعون اور اس کی قوم کے پاس (کیا وہ (ہمارے عذاب اور غضب سے) نہیں ڈرتے ؟ موسیٰ نے عرض کیا مالک میرے مجھ کو ڈر ہے وہ کہیں مجھ کو جھٹلائیں اور میرا جی رُک جائے اور میری زبان بند ہو جائے تو ہارون کو (بھی میرے ساتھ) پیغمبر بنا دے اور میں نے ایک قصور بھی کیا ہے اس لئے میں ڈرتا ہوں کہیں وہ مجھ کو اس خون کے بدلے مار ڈالیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہرگز نہیں تم دونوں میری نشانیاں لے کر جاؤ ہم خود تمہارے ساتھ (جو گفتگو ہوگی اس کو) سن رہے ہیں اور دونوں فرعون کے پاس پہونچو اور کہو ہم اس کے بھیجے ہوئے ہیں جو سارے جہان کا مالک ہے (ہم اس لئے آئے ہیں) کہ بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ روانہ کردے اور ان کا آئندہ مت ستا) فرعون نے کہا (موسیٰ) تو تو وہی ہے نا جس کو ہم نے بچہ سا پالا پوسا تھا اور تو اپنی عمر کے کئی برس ہم میں رہ چکا ہے اور تو نے ایک حرکت بھی کی تھی اور تو ناشکروں میں سے ہے۔

(نوٹ) إِنَّ فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَجُنُودَهُمَا كَانُوا خَاطِئِينَ ۔ بے شک فرعون وہامان اور اس کے لشکر والے قصوروار تھے (قصص)

فرعون دراصل فرہ سے مشتق ہے جس کے معنے شاہنشاہ اعظم کے ہیں یہ شاہان مصر کا لقب تھا جو مصر بن حام بن نوح کی نسل سے تھے ۔ عہد موسوی میں جو فرعون تھا اس کا نام امینوفس ثالث بن تومیس رابع تھا یہ فراعنۂ مصر کے اٹھارویں خاندان کا جلیل القدر اور نامور تاجدار تھا ۱۴۰۰ق م میں امینوفس (فرعون موسوی) نے عنان حکومت مصر ہاتھ میں لی تھوڑے عرصہ میں قرب جوار کے ممالک پر اقبالمندانہ طور سے قابض ہو گیا فتحیابی دو دنیاوی ساز و سامان اور مادی قوت و شوکت کے گھمنڈ میں بددماغی سے اپنے تئیں انسانیت سے گذر کر ایک ارفع و اعلیٰ ہستی سمجھنے لگا اور اپنا لقب روشن آفتاب اور شاہ چار دانگ عالم رکھا"

اس فرعون نے رود نیل کے بائیں جانب ایک معبد بنوایا تھا جس میں بہت سے بت پتھر سے تراش کر بنائے گئے تھے ان میں ایک بت اپنا بھی بنوایا تھا اور ایک بت ایسے پتھر سے بنایا گیا جس کی طبعی خاصیت یہ تھی کہ شبنم کے بعد جب اس پر آفتاب کی شعاعیں پڑتیں تو اس میں سے آواز پیدا ہو جاتی تھی یہ بت ۵۹۵ء کے زلزلہ میں ضائع ہو گیا یہی امینوفس کا شکستہ مجسمہ قاہرہ کے عجائب خانہ میں ہے اور اس کے سوا کاث اس کے ہی تعمیر کردہ محل کی شکستہ دیوار پر کندہ ملے ہیں جو توریت مقدس کے بیان کی تصدیق کرتے ہیں ۔ ۱۳۶۰ق م میں امینوفس بحر قلزم سوئز میں مع لشکر کے غرق ہوا ہے اس کے بعد مصر میں دوسرا خاندان فراعنہ کا فرمانروا ہوا

ھامٰن ۔ کو مصری زبان میں ہکسی فونس کہتے ہیں یہ مین کے مندر کا سفر کاہن تھا اسی مندر کی مناسبت سے قرآن مجید نے ہامان مخاطب کیا ہے جس طرح حضرت موسیٰ کے بھائی کا نام ہارون تھا اور وہ بنی اسرائیل کے سردار کاہن تھے مگر قرآن مجید میں انکو بالعموم فرمایا ہے اسی قبیل سے ان کے سردار کاہن کو ہامن کہا ہے ۔ یہ ہامان محکمۂ تعمیرات کا افسر بھی تھا مندروں کی فوج کا جرنیل و خزانہ کا نگراں تمام شمالی و جنوبی مصر کے دیوتاؤں کے پجاریوں کا اعلیٰ بھی ہوتا تھا و جنوبی مصر کے علاقہ کی وزارت بھی اس سے متعلق تھی ۔ امن دیوتا کا مندر

[illegible]

[illegible]

انتخاب الاحادیث

از جناب مولانا مفتی انتظام اللہ صاحب الشہابی اکبر آبادی

اخلاقیات

اخلاص | خالص کرا پنے دین کو (شرکت و بدعات وغیرہ سے) تھوڑا عمل بھی تیرے لئے کافی ہو گا[1]

اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور مالوں کو نہیں دیکھتا بلکہ تمہارے دلوں کو اور کاموں کو دیکھتا ہے[2]

اللہ تعالیٰ ان ہی اعمال کو قبول کرتا ہے جو خاص اللہ ہی کے لئے ہوں اور صرف اللہ ہی کی رضامندی ان سے مطلوب ہو[3]

اعمال مثل ظرف کے ہیں جب نیچے یا اندر کا حصہ صاف ہو گا تو اوپر کا بالا ولی اچھا ہو گا[4]

بغیر طلب کے اجر نہیں ملتا اور بغیر نیت کے کوئی عمل نہیں۔

اے لوگو اپنا عمل خالص اللہ کے لئے کرو۔

جو شخص قصد کرے کسی نیکی کا اور اس کو کیا نہ ہو اس کے لئے ایک نیکی لکھی جاوے گی[5]

آنحضرت ﷺ نے معاذ بن جبل رضؓ سے فرمایا اخلاص کے ساتھ عمل کر کہ اس میں تجھ کو تھوڑا ہی کافی ہو گا[6]

نیت | اعمال معتبر نیتوں ہی پر ہیں[7]

جو شخص ہجرت کرے کسی چیز کا خواہاں ہو تو وہ اسی کا ہو گا[8]

جو شخص لڑا اور اس کی نیت سوا مال کے اور کچھ نہ ہو تو اس کو وہی ملیگا جو نیت کی[9]

ہر ایک بندہ اسی چیز پر اٹھایا جائے گا جس پر کہ مرا ہے[9]

جب دو مسلمان اپنی تلواریں لے کر بھڑتے ہیں تو قاتل اور مقتول دونوں دوزخ میں جائیں گے[10]

اور ہر شخص کے لئے وہ ہے جو نیت کی پس جس کی ہجرت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف ہو گی تو اس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہو گی اور جس کی ہجرت دنیا کی طرف ہو کہ اس کو ملے یا عورت کی طرف اور جس کو نکاح میں لاوے تو اس کی ہجرت اسی چیز کی طرف ہو گی جس کی طرف ہجرت کی ہے[1]

بے شک جسم میں ایک پارہ گوشت ہے کہ اگر وہ درست ہوتا ہے تو تمام بدن اس کے سبب سے درست ہو جاتا ہے[2]

احسان | جنت میں احسان جتانے والا اور والدین کی نافرمانی کرنے والا اور ہمیشہ شراب پینے والا داخل نہ ہو گا[3]

جس کو کچھ عطا کیا جائے چاہیے کہ اس کا بدلا دے اور عوض نہ دے سکے تو اس کی تعریف کرے مت تعریف کی اس نے شکر ادا کیا اور جس نے چھپایا کفران نعمت کیا[4]

احسان کنندہ کے لئے دعا مانگے تو رد نہیں ہوتی۔

اے احسان تو کیسے اور روح القدس تیرے ہمراہ ہے۔

اپنے محسن سے اس نے احسان نہ کیا۔

احسان کی جزا احسان ہے۔

"اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ شخص اچھا ہے جو اپنے احباب کے ساتھ اچھا ہو" اور پڑوسیوں میں اچھا وہ شخص ہے جو پڑوسی کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے[5]

سب سے بڑھ کر نیکی آدمی کا اپنے باپ کے دوستوں کے ساتھ احسان کرنا ہے باپ کے کہیں چلے جانے مر جانے کے بعد[6]

---

[1] کنز العمال (عن معاذ رض) [2] (عن ابو ہریرہ) [3] مسلم (عن ابو ہریرہ رض و عن ابی امامہ رض و عن معاویہ رض) [4] مسند فردوس دیلمی [5] بخاری و مسلم [6] بخاری و مسلم عن عمر رض [7] طبرانی [8] احیاء العلوم ج ۴ ص ۳۰۳ بروایت عبادہ بن صامت [9] مسلم [10] بخاری و مسلم (عن ابی بکرہ)

[1] بخاری و مسلم [2] مشکوٰۃ (عن ابن عمر رض) [3] اخلاقی مجموعہ صفحہ [4] مسلم (عن ابن عمر رض)

اسلامی معاشرت

گذشتہ سے پیوستہ

(از جناب علامہ مولانا مفتی انتظام اللہ صاحب شہابی اکبرآبادی)

دعائے مغفرت

وَالَّذِيْنَ جَاۗءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ

سفیان کہتے ہیں جس طرح زندے محتاج ہوتے ہیں طرف کھانے پینے کے اسی طرح مُردے زیادہ تر محتاج ہیں طرف دعا کے۔

انس رضہ نے مرفوعاً کہا ہے امت میری امت مرحومہ ہے قبروں میں گناہ لے کر داخل ہوتی ہے اور جب نکلے گی تو بے گناہ نکلے گی ان کے گناہ مومنوں کے استغفار کے سبب دور ہو جائیں گے [1]۔

عطاء نے کہا کہ بعد موت کے ثواب عتق و حج و صدقہ کا پہنچتا ہے۔

حضرت امام محمد باقر کہتے ہیں کہ علی مرتضیٰ رض کی طرف سے امام حسن و حسین آزاد کیا کرتے تھے۔

حجاج بن دینار مرفوعاً کہتے ہیں بجملہ مردوں کے ایک یہ بات ہے کہ ماں باپ کے لئے ہمراہ اپنی نماز کے اور روزہ رکھے ان کے لئے ساتھ اپنے روزے کے اور صدقہ دے ان کی طرف سے ہمراہ اپنے صدقہ کے۔ (رواہ ابن ابی شیبہ)

حضرت عائشہ سے مرفوعاً آیا ہے جو کوئی مر گیا اور اس پر روزے تھے تو واجب ہے کہ روزہ رکھے اس کی طرف سے اس کے قریب اس کا [2]۔

بریدہ رضہ نے کہا کہ ایک عورت نے حضرت سے پوچھا میری ماں پر مہینے کے روزے واجب تھے میں اگر اس کی طرف سے روزہ رکھ لوں تو ان کو کفایت کریں گے فرمایا ہاں اس نے کہا میری ماں نے حج نہیں کیا تھا اگر میں اس کی طرف سے حج کر دوں اس کو کافی ہوگا فرمایا ہاں [3]۔

حضرت عائشہ صدیقہ رض کہتی ہیں کہ ایک شخص نے کہا کہ اے رسول خدا میری ماں اچانک مر گئی کچھ وصیت نہ کر سکی مجھ کو گمان ہے کہ اگر کچھ بات کرتی تو صدقہ دیتی اب اگر میں صدقہ کروں اس کی طرف سے میں کچھ تصدق کروں (آپ نے) فرمایا ہاں [4]۔

سعد بن عبادہ رضہ نے کہا کہ اے رسول خدا میری ماں مر گئی اور میں حاضر نہ تھا اگر میں اس کی طرف سے صدقہ دوں تو اس کو کچھ نفع ہوگا (آپ نے) فرمایا ہاں۔ سعد نے کہا کہ میں آپ کو گواہ کرتا ہوں کہ میرا باغ اس کی طرف سے صدقہ ہے۔

دوسرا لفظ یہ ہے کہ میری ماں مر گئی کون سا صدقہ افضل ہے فرمایا پانی کا۔ تو سعد نے ایک کنواں کھدوایا کہا اس کا ثواب ام سعد کو ہے۔

ابن عمر رضہ نے کہا کہ حضرت نے فرمایا ہے تم میں جب کوئی صدقہ نفل کرے تو اس کو اپنے ماں باپ کی طرف ٹھہرالے اس کا ثواب اس کے ماں باپ کو پہونچے گا اور اس کے اجر سے کچھ کم نہ ہوگا [1]۔

عقبہ بن عامر رضہ نے کہا کہ ایک عورت نے حضرت سے پوچھا میں اپنی ماں کی طرف سے حج کروں فرمایا اگر تیری ماں پر قرض ہوتا تو تو ادا کرتی کہا ہاں فرمایا حج کر [2]۔

بزار و طبرانی نے بسند حسن انس سے روایت کیا ہے کہ حضرت نے ایک شخص کو حکم دیا کہ وہ اپنے باپ کی طرف سے حج کرے ابوہریرہ رض کا یہ لفظ ہے کہ حضرت نے فرمایا جو کوئی حج کرتا ہے مردہ کی طرف سے تو اس کو بھی اتنا ہی ثواب ہوتا ہے [3]۔

جنازہ لیجانا

حدیث ابوہریرہ رض میں مرفوعاً آیا ہے تم جلدی کرو جنازہ میں اگر نیک ہے تو تم اس کو طرف خیر کے لئے جاتے ہو اور اگر کچھ اور طرح ہے تو ایک شر کو اپنی گردنوں سے اتار رکھتے ہو (رواہ الشیخانی)

ابن مسعود رضہ نے کہا کہ ہم نے رسول اللہ سے پوچھا کہ جنازہ کے ہمراہ کس طرح چلیں (آپ نے) فرمایا دوڑنے سے کچھ کم اگر خیر ہے تو دہر جلدی لیجانا چاہئے اگر اور طرح ہے تو اہل نار کو دور کرنا اچھا ہے [4]۔

آداب دفن

عثمان بن عفان کی حدیث میں آیا ہے کہ جب رسول اللہ دفن میت سے فارغ ہوتے اور کھڑے ہو کر فرماتے کہ اپنے بھائی کے لئے تم استغفار کرو اس کے واسطے ثابت (قدم اسلام پر) رہنے مانگو وہ اس وقت سوال کیا جاتا ہے [5]۔ (باقی آئندہ)

[1] مسلم [2] طبرانی فی الاوسط [3] صحیحین [4] مسلم [5] بخاری۔
[6] بخاری [7] رواہ احمد و اصحاب السنن الاربعہ

[1] طبرانی [2] طبرانی [3] طبرانی [4] [illegible] [5] ابوداؤد [illegible]

شرح مثنوی مولانا رومؒ

(از معاون ایڈیٹر)

شاد باش اے عشق خوش سودائے ما
اے طبیب جملہ علتہائے ما

ترجمہ:۔ اے عشق خوش رہ کہ تیری بدولت ہمارے خیالات درست ہو جاتے ہیں اور تو ہماری ساری بیماریوں کا طبیب ہے۔

تشریح:۔ مولانا نے ماسوائے اللہ سے قطع تعلق کا ایک پسندیدہ و موثر طریقہ عشق بتایا تھا اب عشق کی خوبیاں بیان فرماتے اور کہتے ہیں کہ اے عشق تو وہ نعمت الٰہی ہے کہ تیری بدولت ہمارے خیالات درست ہو جاتے ہیں اور تجھ سے ہمارے امراض کا علاج ہو جاتا ہے۔

اے دوائے نخوت و ناموس ما
اے تو افلاطون و جالینوس ما

ترجمہ:۔ اے عشق تو ہماری نخوت و ناموس کی دوا ہے اور تو ہی ہمارا افلاطون و جالینوس ہے۔

تشریح:۔ عشق سے نخوت و ناموس غرور و تکبر ریاکاری و فریب تمام اخلاق ذمیمہ دور ہو جاتے ہیں اور انسان ان تمام برائیوں سے پاک و صاف ہو جاتا ہے اس لئے کہ عشق میں عموماً انسان کو ذلت نصیب ہوتی ہے اور ذلت کے بعد نخوت و غرور اور عزت و عظمت کا خیال جاتا رہتا ہے گویا عشق بد اخلاق کی بیماریوں کو دفع کرنے میں ہمارے لئے ایسا کامل طبیب ہے جیسے کہ افلاطون و جالینوس تھے۔

جسم خاک از عشق بر افلاک شد
کوہ در رقص آمد و چالاک شد

ترجمہ:۔ عشق ہی کی بدولت ایک خاکی جسم آسمان پر پہونچا اور عشق ہی کی بدولت پہاڑ رقص میں آیا اور تجلیات الٰہی کو قبول کرنے کے لئے آمادہ ہوگیا۔

تشریح:۔ شعر کے پہلے مصرعہ میں حضور کی معراج اور عیسیٰ علیہ السلام کے عروج کی طرف اشارہ ہے مطلب یہ ہے کہ عشق ہی کی بدولت حضورؐ کو معراج نصیب ہوئی اور عشق ہی کے سبب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھا لیا گیا۔

اور دوسرے مصرعہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ کی طرف اشارہ ہے مطلب یہ ہے کہ عشق ہی کی بدولت حضرت موسیٰ کی خواہش دیدار الٰہی پوری ہوئی یعنی تجلیات الٰہی سے کوہ طور پر زلزلہ ہو کر پہاڑ میں حرکت و جنبش پیدا ہوئی اور وہ تجلیات الٰہی کو قبول کرنے پر تیار ہوگیا۔

عشق جان طور آمد عاشقا
طور مست و خر موسیٰ صاعقا

ترجمہ:۔ اے عاشق عشق ہی طور پہاڑ کی جان تھا کہ اس عشق کی بدولت طور مست ہوگیا اور موسیٰ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔

تشریح:۔ یہ شعر اوپر کے شعر کی تشریح ہے مطلب یہ ہے کہ اے عاشق قرب الٰہی یہ بات جان لے کہ طور کی جان بھی عشق ہی تھا یعنی حضرت موسیٰ کے عشق کے نور نے پہاڑ میں جان پیدا کر دی تھی اور جب اس پر تجلیات الٰہی کا نزول ہوا تھا تو وہ رقص میں آگیا تھا اور موسیٰ بے ہوش ہو کر گر پڑے تھے۔ یہ شعر گویا اس آیت کا مفہوم ہے فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا یعنی جب پہاڑ پر حضرت موسیٰؑ کے پروردگار کی تجلی کا نزول ہوا تو پہاڑ پھٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا اور موسیٰ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔

جملہ معشوق است و عاشق پردۂ
زندہ معشوق است و عاشق مردۂ

ترجمہ:۔ ساری موجودات عین معشوق ہے اور عاشق ایک پردہ ہے۔ معشوق زندہ ہے اور عاشق مردہ۔

تشریح:۔ عشق کی تعریف و توصیف کے بعد مولانا بعض اسرار عشق کو ظاہر کرنے کی طرف متوجہ ہوتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں کہ دنیا کی جس قدر چیزیں اور جتنی موجودات ہیں سب معشوق کی ذات میں شامل ہیں اور وہ خداوند بزرگ و برتر کی ذات ہے اور عاشق کی ذات خداوند بزرگ و برتر کا ایک پردہ ہے مطلب یہ ہے کہ جتنی موجودات و ممکنات ہیں گویا وہ عاشق کی حیثیت رکھتے ہیں اور ذات حق سبحانہ تعالےٰ کا پردہ ہیں کہ ان چیزوں کو دیکھ کر خدا کی ذات کا یقین ہو جاتا ہے۔ جب یہ پردہ درمیان سے اٹھ جائے گا اور دنیا فنا ہو جائے گی تو صرف ذات حق باقی رہ جائے گی یعنی معشوق کی ذات ہی زندہ رہنے والی ہے اور تمام ممکنات یعنی عاشق فنا ہونے والے ہیں۔

اس شعر میں وحدت الوجود کے مسئلہ کو بیان کیا گیا ہے جس کا خلاصہ شعر کے مطابق یہ ہے کہ الٰہی دنیا کی تمام چیزیں موجود ممکن ہیں وہ ...

کا وجود سب کو نظر آتا ہے لیکن حقیقت میں ان کا کوئی وجود نہیں ہے اس لئے کہ وجود اعظم کے سامنے (خدا کے سامنے) ان موجودات کا وجود کوئی حیثیت نہیں رکھتا یہ تمام چیزیں فنا ہو جانے والی ہیں اور صرف خدا ہی کی ذات کو دائمی بقا حاصل ہے۔

چوں نہ باشد عشق را پروائے او
او چو مرغے ماند بے پروائے او

ترجمہ:۔ اگر معشوق کو طالب کی پروا نہ ہو تو وہ بے بال و پر جانور کی مانند رہ جائے اور اس پر افسوس کیا جائے۔

تشریح:۔ عشق کی تعریف اور اس کے بعض اسرار بیان کرنے کے بعد مولانا پھر اصل مسئلہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں یعنی اس امر کے بیان کرنے کی جانب کہ عشق کیونکر خدا کے قرب کا ذریعہ ہوتا ہے فرماتے ہیں کہ اگر معشوق کو (شعر میں عشق سے مراد معشوق ہے) جو خداوند برتر کی ذات ہے عاشق کی پروا نہ ہو تو وہ بے بال و پر جانور کے مانند رہ جاتا ہے اور کسی طرح معشوق تک نہیں پہنچ سکتا بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ اس بے پروائی کی حالت میں عشق ہی باقی نہیں رہتا مطلب یہ ہے کہ عاشق کے عشق کی بقا صرف اس وجہ سے ہے کہ معشوق کو عاشق کی پروا ہوتی ہے اور وہ اس کے حال پر متوجہ ہو جاتا ہے۔ اور اس کی نگرانی کرتا ہے یعنی انسان خدا کا عاشق ہے اور خدا اس پر مہربان ہے اور اس کی مہربانی و توجہ ہی سے انسان بآسانی ماسوی اللہ سے تعلق منقطع کر لیتا ہے اگر شعر میں عشق سے مراد عشق ہی لیا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ اگر عشق کو عاشق کی پروا نہ ہو تو عاشق بے بال و پر جانور کی مانند ہو جائے اور عشق ہی فنا ہو جائے۔

من چگونہ ہوش دارم پیش و پس
چوں نباشد نور یارم ہم نفس

ترجمہ:۔ مگر میرے دوست کا نور (توجہ) میرا ہم نفس (مددگار) نہ ہو تو مجھ کو پس و پیش کی بھی خبر نہ رہے۔

تشریح:۔ اس شعر میں بھی معشوق کی پروا اور توجہ کا بیان ہے مطلب یہ ہے کہ اگر خدا اپنے طالب کی اعانت نہ کرے اور اس کا نور ہدایت رہنمائی نہ فرمائے تو مجھ کو پس و پیش کی بھی خبر نہ رہے اور راہ سلوک کے دشمن مجھ کو گمراہ کر دیں نور سے مراد ذات حق سبحانہ کا نور ہے جو تمام دنیا پر چھایا ہوا ہے یہاں تک کہ انسان کی رگ رگ میں جاری ہے اسی نور سے سالک کو ہدایت پاتا ہے اور ہر چیز میں خدا کے جلوہ کو دیکھتا ہے۔

آئینہ کز زنگ و آلائش جداست
پر شعاع نور خورشید خداست

ترجمہ:۔ جو آئینہ زنگ و آلائش سے صاف ہے اس میں خدا کا نور جلوہ گر ہوتا ہے۔

تشریح:۔ مولانا کہتے ہیں کہ اے سالک اگر تو عشق کے اسرار سے واقف ہونا چاہتا ہے جو غیر متناہی ہیں تو اپنے دل کو زنگ و کدورت سے صاف کر تاکہ اس میں خدا کا نور جلوہ گر ہو اور معارف الٰہی وارد ہوں جب تیرا دل کدورت سے صاف ہو جائے گا تو تو نور الٰہی کا ادراک کر سکے گا۔

شرح دیوان حافظ رحمۃ اللہ علیہ

از معاون ایڈیٹر

ساقی بنور بادہ بر افروز جام ما
مطرب بگو کہ کار جہاں شد بکام ما

ترجمہ :- ساقی شراب کے نور سے ہمارے جام کو روشن کر دے مطرب ہم کو یہ بشارت سُنا کہ ہمارا مقصد پورا ہو گیا۔

تشریح :- اس شعر میں تمام الفاظ کے معنے اصطلاحی ہیں ساقی سے مراد مرشد کامل ہے، شراب سے مراد محبت ہے جام سے مراد باطن ہے اور مطرب سے مراد بھی مرشد کامل ہے شعر کا مطلب یہ ہے کہ اے مرشد کامل ہمارے باطن کو یعنے دل و دماغ کو محبت کے نور سے منور فرما دے اور پھر ہم کو یہ بشارت دے کہ ہمارا مقصد حاصل ہو گیا یعنی ہم کو محبت کی سوزش سے نجات مل گئی اور ہم اصلی منزل کی راہ پر پہنچ لئے۔

مرشد کامل جب عشق کے معارف و اسرار کو بیان کرتا ہے اور سالک کو ذوق حاصل ہوتا ہے تو بے اختیار سالک وجد میں آجاتا ہے اسی بات کا مطالبہ پہلے شعر میں کیا گیا ہے پھر جب مرشد دیکھتا ہے کہ سالک کا دل بیتاب ہے اور عشق کے معارف نے اس کے دل کو مضطرب کر رکھا ہے تو وہ اس کی تسکین و دلداری کرتا اور بشارت دیتا ہے دوسرے مصرعہ میں اسی بات کا مطالبہ تھا اس لئے وہاں مرشد کامل کو ساقی سے تعبیر کیا گیا ہے جو نہایت اچھی تعبیر ہے اور دوسرے مصرعہ میں چونکہ بشارت کی خواہش تھی اس لئے وہاں مرشد کو مطرب کہا گیا اس لئے کہ مطرب سالک کے قلب میں ذوق و کیف پیدا کرتا ہے۔

ما در پیالہ عکس رخ یار دیدہ ایم
اے بے خبر ز لذت شرب مدام ما

ترجمہ :- ہم کو شراب کے پیالہ میں معشوق کے چہرہ کا عکس نظر آتا ہے اے وہ شخص جو اس دیدار کی لذت سے بے خبر و محروم ہے تو کیا جانے کہ ہم ہمیشہ شراب کیوں پیتے ہیں۔

تشریح :- سالک اس شعر میں ملامت گر کو خطاب کرتا اور کہتا ہے کہ تو جو ہماری دائمی شراب خواری پر اعتراض و ملامت کرتا ہے واقعہ یہ ہے کہ تو حقیقت حال سے واقف اور باخبر نہیں ہے ہم شراب کے پیالہ میں اپنے معشوق کے چہرہ کا عکس دیکھتے ہیں اور اس جلوہ سے لذت اندوز ہوتے ہیں۔

اس شعر میں پیالہ سے مراد یا تو دل ہے اور اس صورت میں یہی مطلب ہوگا کہ ہم دل کے پیالہ میں انوار الٰہیہ کا عکس دیکھتے ہیں اور مطلوب ہر وقت ہمارے سامنے رہتا ہے عشق و محبت سے ناواقف شخص تو ان اسرار کو کیا جانے یا پیالہ سے مراد معشوق مجازی یا مرشد کامل ہے اس صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ اے عشق و محبت کے اسرار سے ناواقف شخص ہم معشوق مجازی کے چہرہ میں انوار الٰہی کو جلوہ گر پاتے ہیں اور ہر وقت مطلوب ہمارے سامنے ہوتا ہے تو ان اسرار و لذتوں سے چونکہ واقف نہیں ہے اس لئے ہماری کیفیت پر اعتراض کرتا اور ہم کو برا بھلا کہتا ہے۔

چنداں بود کرشمہ و ناز سہی قداں
کاید بجلوہ سرو صنوبر خرام ما

ترجمہ :- معشوقان مجازی کے ناز و کرشمہ کی اس وقت تک ضرورت ہے جب تک کہ معشوق حقیقی کا جلوہ دکھائی نہ دے اور عشق و محبت حقیقی پیدا نہ ہو۔

تشریح :- سہی قداں سے مراد مجازی معشوق ہے مطلب یہ ہے کہ جب تک دل میں محبت حقیقی پیدا نہ ہو اور محبوب حقیقی کا جلوہ نظر نہ آئے اس وقت تک مجازی معشوق کی محبت ضروری ہے تاکہ مجازی محبت دل کی خرابیوں کو دور کردے اور دل پاک و صاف ہو کر معشوق حقیقی کی محبت کے قابل ہو جائے یعنے جب تک کہ عشق مجازی کے ذریعہ دل کو عشق حقیقی کے قابل نہ بنایا جائے گا اس وقت تک دل میں محبت حقیقی پیدا نہیں ہوگی اور معشوق حقیقی دل میں اپنا گھر نہیں بنائے گا۔

ترسم کہ صرفہ نبرد روز باز خواست
نان حلال شیخ ز آب حرام ما

ترجمہ :- مجھ کو یہ اندیشہ ہے کہ قیامت کے دن شیخ کی حلال روٹی پر ہمارا حرام پانی غالب نہ آجائے۔

تشریح :- نان حلال شیخ سے مراد مجاز و ظاہر پرستی ہے یعنے اتباع شریعت اور آب حرام سے مراد شراب عشق اور حصول عشق و محبت ہے چونکہ ظاہر پرستی اور اتباع شریعت میں خدا کی پرستش و عبادت کا اظہار ضروری ہے اور یہ اظہار ایک قسم کی کثافت ہے اس لئے اس کو روٹی یعنی جسم سے تعبیر کیا گیا اور عشق و محبت میں چونکہ ریاکاری اور ظاہر پرستی حرام ہے اس لئے عشق ایک نہایت لطیف چیز ہے اور اس کی لطافت کو پانی سے تعبیر کیا گیا ہے مطلب یہ ہوا کہ مجھ کو یہ خوف ہے کہ کہیں قیامت کے دن مجاز حقیقت پر غالب نہ آجائے اور ظاہر پرستی کا انجام حقیقت سے بہتر ثابت نہ ہو یہ معنے اس صورت میں ہوں گے جبکہ شعر کو ملامت کے طور پر ...

اندرت کو نا فسانا جائے یعنے نہ کے معنی نہیں کے ہیں اگر نہ کو مستقل [illegible] مانا جائے گا تو معنے یہ ہوں گے کہ مجھ کو اس [illegible] نہیں ہے کہ [illegible] قیامت کے دن مجاز حقیقت پر غالب آجائے [illegible] زندگی میں تربیت پائی ہے اور خدا کے فضل و کرم سے حقیقت کی منزل پر پہونچ گیا ہے وہ سوء خاتمہ سے نہیں ڈرتا یعنے وہ خدا کی پناہ میں چلا جاتا ہے۔

مستی بچشم شاہد دل بند تا خوش است
زاں رو کسپردہ اند بمستاں زمام ما

ترجمہ:۔ ہمارے معشوق کی آنکھوں میں چونکہ مستی بھری ہوئی ہے یا معشوق کی آنکھوں کے لئے چونکہ مستی مناسب و زیبا ہے اس لئے ہمارے اختیار کی باگ ہم سے چھین کر مستوں یعنی معشوقوں کو دیدی گئی ہے۔

تشریح:۔ مستی سے مراد حق سبحانہ و تعالیٰ کی بینائی ہے یا وہ مرشد کامل مراد ہے جس میں اخلاق خداوندی اور صفات الٰہی جلوہ گر ہوں پہلی صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ تمام صفات و اخلاق حمیدہ خدا بزرگ و برتر ہی کے لئے زیبا ہیں جن میں سے ایک صفت بینائی بھی ہے۔ اس لئے ہمارے اختیار کی باگ خدائے بزرگ و برتر کی بینائی کے حوالہ کردی گئی ہے اور ہم کو بے اختیار بنادیا گیا ہے۔

دوسری صورت میں یہ معنی ہوں گے کہ خدا کی صفات کا آئینہ اور اخلاق الٰہی سے متصف ہونا صرف مرشد کامل کے لئے زیبا ہے اس لئے اختیار کی باگ ہم سے لے لی گئی ہے اور مرشد کامل و ہادیان دین مبین کے حوالہ کردی گئی ہے اور ہم کو ان کے تابع کردیا گیا ہے۔

بر قدمت همچو لاله دلم در هوائے سرو
اے مرغ بخت کے شوی آخر بدام ما

ترجمہ:۔ میرا دل ایک سرو قامت کی محبت میں مبتلا ہو کر لالہ کی مانند خون ہو گیا ہے اے میری قسمت کے مرغ تو کب ہمارے دام میں پھنسے گا۔

تشریح:۔ اس شعر میں حافظ رحمۃ نے سالک کی حالت بسط و قبض کو بیان کیا ہے مطلب یہ ہے کہ سالک جب عشق کے راستہ پر قدم رکھتا اور مشاہدات و تجلیات کو دیکھتا ہے تو یہ خیال کرتا ہے کہ میں منزل پر پہونچ گیا۔ اور اس خیال سے وہ بہت خوش ہوتا ہے اس حالت کو سلوک میں بسط کہتے ہیں لیکن جب مشاہدات و تجلیات کے دروازے اس پر بند ہو جاتے ہیں اور اس کو کچھ نظر نہیں آتا تو وہ شور کرتا اور یہ خیال قائم کر لیتا ہے کہ اس نے کچھ بھی نہیں دیکھا اور کسی جگہ نہیں پہنچا اس سے وہ تنگدل اور شکستہ خاطر ہو جاتا ہے اور حالت بسط کی باتوں کو یاد کر کے پریشان ہوتا ہے اس حالت کو قبض کہتے ہیں شعر کا حقیقی مطلب یہ ہے کہ میرا دل محبت میں مبتلا ہو کر لالہ کی مانند خون ہو گیا ہے اے میری قسمت کے مرغ دیکھئے مجھ [illegible] یا تجلیات [illegible] تک ہمارے دام میں یعنی ہمارے پاس آئے گا۔ اور [illegible] تجلیات سے دل کو روشن کریں گے اور کب تک ہمارا سو [illegible] کو بے چین بنا کر ہماری طرف مائل کرے گا

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

ترجمہ:۔ جس کا دل عشق سے زندہ ہو گیا ہے وہ کبھی نہ مرے گا عالم پر اس کا دوام ثابت ہے۔

تشریح:۔ یہ شعر اس حدیث کا مصداق ہے إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللّٰهِ لَا يَمُوتُونَ بَلْ يَنْتَقِلُونَ مِنْ دَارٍ إِلَىٰ دَارٍ یعنے خدا کے ولی اور دوست مرتے نہیں صرف ایک جگہ کو چھوڑ کر دوسری جگہ چلے جاتے ہیں۔

اے باد اگر بگلشن احباب بگذری
زنہار عرضہ دہ بر جاناں پیام ما

ترجمہ:۔ اے ہوا اگر تو دوستوں کے باغ کی طرف جائے تو ہمارا یہ پیام ہمارے دوستوں کو ضرور پہونچا دے۔

تشریح:۔ یعنے اے ہوا یا اے رابطہ محبت اگر تو ہمارے دوستوں کی طرف سے گذرے یا ہمارے دوستوں کے دل میں تیرا گذر ہو۔ تو تو ہمارا یہ پیام ان کو پہونچا دے کہ خدا کے دوست مرتے نہیں ہیں ہمیشہ زندہ رہتے ہیں اس شعر کا تعلق اوپر کے شعر سے ہے اور دوستوں سے مراد مرشد کامل ہے۔

گر نام ما ز یاد بعمداً چہ مے بری
خود آید آنکہ یاد نیاری ز نام ما

ترجمہ:۔ اگرچہ ہم کو دیدہ و دانستہ بھلا دیا گیا ہے مگر وہ وقت دور نہیں ہے کہ ہم بھی ان سے آملیں گے۔

تشریح:۔ یہ شعر بھی اوپر کے شعر سے تعلق رکھتا ہے مطلب یہ ہے کہ اے ہوا یا رابطہ محبت تو ہمارا یہ پیام ہمارے دوستوں (مرشد کامل) کو پہنچا دے کہ دائمی زندگی حاصل کرکے ہم کو کیوں دیدہ و دانستہ بھلا دیا گیا ہے وہ وقت دور نہیں ہے کہ مرنے کے بعد ہم بھی ان سے آملیں اور دنیا میں ہمارا نام و نشان نہ رہے مگر جب تک وہ وقت آئے ہم کو بھی اپنے مانند بنالو اور فنا و بقا سے بے پروا کردو۔

دریائے اخضر فلک و کشتی ہلال
ہستند غرق نعمت حاجی قوام ما

ترجمہ:۔ آسمان کا سبز دریا اور ہلال کی کشتی ہمارے حاجی قوام کی نعمت میں غرق ہیں۔

تشریح:۔ حاجی قوام ایک وزیر یا دولتمند آدمی کا نام ہے کہا جاتا ہے کہ ایک روز اس نے خواجہ حافظ کی دعوت کی تھی جب حافظ نے شربت

مشکوٰۃ شریف اردو

گذشتہ سے پیوستہ

مترجمہ حضرت علامہ آغا رفیق صاحب بلند شہری

پہلی فصل

(۴۴) عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول خداؐ سے پوچھا "یا رسول اللہ! کون سا گناہ خدا کے نزدیک بہت بڑا ہے" آپ نے فرمایا سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ (جس خدا نے تجھ کو پیدا کیا ہے) تو کسی کو اس کا شریک ٹھہرائے" پھر اس شخص نے پوچھا اس کے بعد کون سا گناہ بڑا ہے" آپ نے فرمایا:- یہ کہ تو اپنی اولاد کو اس خیال سے مار ڈالے کہ وہ تیرے ساتھ کھائے گا (یعنی تجھ کو اسے کھلانا پڑے گا) پھر اس نے پوچھا" اور اس کے بعد آپ نے فرمایا یہ کہ تو اپنے ہمسایہ کی بیوی سے زنا کرے" (اس کے بعد آپ نے فرمایا) اور اللہ تعالےٰ نے (اس مسئلہ کے متعلق یہ) ارشاد فرمایا ہے کہ جو لوگ خدا کے سوا کسی دوسرے کو معبود قرار نہیں دیتے اور جس جاندار کو مار ڈالنا خدا نے حرام ٹھہرایا ہے اس کو قتل نہیں کرتے مگر کسی حق کی بنا پر (مثلاً قصاص یا کوئی شرعی حد کی بنا پر) اور زنا نہیں کرتے (آخری آیت تک) (بخاری و مسلم)

(۴۵) عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے فرمایا رسول اللہ صلعم نے کہ بڑے گناہ یہ ہیں (۱) کسی کو خدا کا شریک ٹھہرانا (۲) والدین کی نافرمانی (۳) کسی کو (بلا وجہ شرعی) مار ڈالنا (۴) اور جھوٹی قسم کھانا (بخاری) اور انس رضؓ کی روایت میں "جھوٹی قسم" کے بجائے "جھوٹی گواہی دینا" پایا جاتا ہے (بخاری و مسلم)

(۴۶) ابو ہریرہ رضؓ سے روایت ہے فرمایا رسول اللہ صلعم نے سات ہلاک کر دینے والی باتوں سے بچو۔ لوگوں نے پوچھا "یا رسول اللہ! وہ کون سی باتیں ہیں" فرمایا (۱) کسی کو خدا کا شریک ٹھہرانا (۲) جادو کرنا (۳) اس جان کو جس کا مار ڈالنا خدا نے حرام قرار دیا ہے مار ڈالنا مگر حق شرعی کے طور پر مار ڈالنا جائز ہے (۴) سود کھانا (۵) یتیم کا مال کھانا (۶) لڑائی کے روز پشت دکھانا (یعنی میدان جنگ یا جہاد سے بھاگ جانا) (۷) پاکدامن مومن اور بے خبر عورتوں پر زنا کی تہمت لگانا (بخاری و مسلم)

(۴۷) ابو ہریرہؓ سے روایت ہے فرمایا رسول اللہ صلعم نے زانی زنا کے وقت پورا مومن نہیں رہتا اور چوری کرنے والا چوری کے وقت پورا مومن نہیں رہتا اور شراب پینے والا شراب پینے کے وقت مومن کامل نہیں رہتا اور دوسروں کا مال لوٹنے والا جب کہ اس کو لوٹتے ہوئے لوگ دیکھ رہے ہوں پورا مومن نہیں رہتا اور تم میں سے جو شخص خیانت کرتا ہے وہ خیانت کے وقت مومن کامل نہیں رہتا پس تم لوگ ان تمام باتوں سے بچو (بخاری و مسلم) اور ابن عباس رضؓ کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں اور قاتل جس وقت کہ کسی کو قتل کرتا ہے مومن نہیں رہتا۔ عکرمہؒ راوی کا بیان ہے کہ یہ روایت سن کر میں نے ابن عباسؓ سے پوچھا کہ ایمان کس طرح ان لوگوں کے دلوں سے نکال لیا جاتا ہے۔ ابن عباسؓ نے اپنی انگلیوں میں انگلیاں ڈال کر اور پھر کھینچ لیں اور فرمایا کہ اس طرح ایمان کھینچ لیا جاتا ہے" اس کے بعد ابن عباسؓ نے فرمایا اور جب وہی ان تمام گناہوں سے توبہ کر لیتا ہے تو اسی طرح ایمان دلوں میں واپس چلا جاتا ہے اور ابو عبداللہ (یعنی امام بخاری) کہتے ہیں کہ قاتل اور اسی طرح دوسرے گناہوں کا مرتکب پورا مومن ہوتا اور نور ایمان اس میں نہیں رہتا یہ الفاظ بخاری کے ہیں۔

(۴۸) ابو ہریرہؓ سے روایت ہے فرمایا رسول اللہؐ نے منافق کی تین نشانیاں ہیں" اور مسلم کی روایت میں ان الفاظ کے بعد یہ لفظ ہیں کہ اگرچہ وہ شخص روزہ رکھتا ہو نماز پڑھتا ہو اور اپنے مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتا ہو اور اس میں ان علامتوں میں سے کوئی علامت پائی جائے تب بھی وہ منافق ہی ہے" اس کے بعد بخاری اور مسلم دونوں کے متفقہ الفاظ یہ ہیں "بات کرے تو جھوٹ بولے، وعدہ کرے تو خلاف وعدہ کرے کوئی امانت اس کے پاس رکھی جائے تو اس میں خیانت کرے۔

(۴۹) عبداللہ بن عمر رضؓ سے روایت ہے فرمایا رسول اللہؐ نے جس شخص میں چار باتیں پائی جائیں وہ خالص منافق ہے اور جس میں ان چاروں باتوں میں سے کوئی ایک بات پائی جائے اس میں نفاق کی ایک خصلت ہوگی جب تک کہ وہ ان باتوں کو یا ان میں سے جو بات اس میں پائی جائے اس کو ترک نہ کرے اور وہ چار باتیں یہ ہیں (۱) امانت رکھی جائے تو اس میں خیانت کرے (۲) بات کرے تو جھوٹ بولے (۳) عہد کرے تو اس کو توڑ دے اور کسی سے لڑے تو گالیاں بکے (بخاری و مسلم)

(۵۰) ابن عمر رضؓ کہتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلعم نے منافق کی مثال اس بکری کی مانند ہے جو کہ نر کی خواہشمند ہو اور اس خواہش کو پورا کرنے کے لئے کبھی اس ریوڑ کی طرف دوڑتی ہو اور کبھی دوسرے ریوڑ کی طرف (مسلم)

دوسری فصل

(۵۱) صفوان بن عسالؓ سے روایت ہے کہ ایک یہودی نے اپنے یہودی دوست سے کہا آؤ اس نبی کے پاس چلیں اس دوست نے کہا اس کو نبی نہ کہو وہ اگر تمہارے ان الفاظ کو سن لے گا تو اس کی چار آنکھیں ہو جائیں گی یعنی وہ بہت خوش ہوگا پس وہ دونوں یہودی آپکی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے نو کھلی ہوئی نشانیاں پوچھیں یعنی کا قرآن مجید میں ہے آپ نے فرمایا (۱) کسی کو خدا کا شریک قرار نہ دو (۲) چوری نہ کرو (۳) زنا نہ کرو (۴) ناحق کسی کو قتل نہ کرو (۵) کسی بے گناہ کو کسی الزام میں ماخوذ کر کے حاکم کے پاس نہ لے جاؤ کہ وہ اس کو قتل کی سزا دیدے (۶) جادو نہ کرو (۷) سود نہ کھاؤ اور نہ کسی پاک دامن پر تہمت نہ لگاؤ (۸) اور کفار سے جہاد کے دن نہ بھاگو (۹) اس کے بعد آپنے فرمایا اور اے یہودیو! تمہارے لئے خاص حکم ہے کہ تم ہفتہ کے دن زیادتی نہ کرو (اپنے ہفتہ کے روز شکار وغیرہ نہ کھیلو) راوی کا بیان ہے کہ آنحضرت صلعم کے مذکورہ بالا الفاظ کو سن کر دونوں یہودیوں نے آپکے ہاتھوں اور پاؤں کو چوم لیا اور عرض کیا "ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ نبی (برحق) ہیں آپنے فرمایا "جب تم مجھ کو نبی مانتے ہو تو تم میری اطاعت کیوں نہیں قبول کر لیتے" انہوں نے عرض کیا (ہمارے نبی) داؤد علیہ السلام نے اپنے خدا سے یہ دعا کی تھی کہ نبی ہمیشہ ان کی اولاد میں سے ہو اس لئے ہم کو اندیشہ ہے کہ اگر ہم آپ کی اطاعت قبول کر لیں گے تو یہود ہم کو مار ڈالیں گے (ترمذی۔ ابوداؤد نسائی)

(۵۲) انس رضہ سے روایت ہے فرمایا رسول اللہ صلعم نے تین چیزیں ایمان کی جڑ ہیں (۱) اس شخص نے اپنی زبان سے لا الہ الا اللہ کہا ہے نہ تو کسی گناہ کے سبب تو اس کو کافر قرار دے اور نہ اسلام سے خارج سمجھ (۲) جہاد جبکہ خداوند تعالے نے مجھ کو مامور کر کے بھیجا ہے ہمیشہ جاری رہنے والا ہے یہاں تک کہ اس امت کا آخری (شخص یا گروہ) دجال کو قتل کرے نہ تو کوئی ظلم کرنے والا ظالم اس کو ترک کرے اور نہ انصاف کرنے والا منصف (۳) اور تقدیروں کا کامل ایمان رکھنا (ابوداؤد)

(۵۳) ابوہریرہ رضہ سے روایت ہے فرمایا رسول اللہ صلعم نے کہ جب بندہ زنا کرتا ہے تو ایمان (اس کے جسم سے نکل کر سر پر سایہ کی طرح قائم رہتا ہے اور جب وہ اس عمل (بد سے) فارغ ہو جاتا ہے تو ایمان واپس چلا آتا ہے (ترمذی (ابوداؤد)

تیسری فصل

(۵۴) معاذ رضہ سے روایت ہے کہ رسولخدا صلعم نے مجھ کو دس باتوں کی وصیت کی ہے پہلی آپنے فرمایا ہے کہ (۱) کسی کو خدا شریک نہ ٹھیرا۔ اگرچہ تجھ کو مار ڈالا جائے اور جلا دیا جائے (۲) ماں باپ کی نافرمانی نہ کر اگرچہ تجھ کو وہ یہ حکم دیں کہ تو اپنے (بیوی) کو اور مال و دولت کو چھوڑ دے (۳) قصداً فرض کو ترک نہ کر کیونکہ جس شخص نے فرض نماز کو جان کر ترک کیا۔ خدا اس سے بری الذمہ ہے (۴) شراب نہ پی کہ شراب تمام برائیوں کی جڑ ہے (۵) گناہوں سے اپنے آپ کو بچا کیونکہ گناہ کے ساتھ رہی (خدا کا غضب نازل ہوتا ہے (۶) جہاد میں اپنے آپ کو بھاگنے سے بچا۔ اگرچہ لوگ لڑائی میں مر رہے ہوں (۷) اور جب لوگوں میں بیماری پھیلے (یعنی وبائی مرض ہو) اور تو ان لوگوں میں موجود ہو تو موت کے خوف سے نہ بھاگ اور وہیں ٹھیرا رہ (۸) اور اپنے کنبہ پر مقدور کے موافق خرچ کر (۹) اپنے اہل و عیال کو ادب سکھا اگرچہ اس کے لئے مارنے کی بھی ضرورت پڑے (۱۰) اور خوف دلا ان کو خدا سے یعنے اچھی باتوں کی تعلیم کر اور بری باتوں سے ان کو بچا (احمد)

(۵۵) حذیفہ رضہ سے روایت ہے کہ نفاق رسولخدا صلعم کے زمانہ تک تھا اور اب یا تو کفر ہے اور یا ایمان (بخاری)

وسوسہ کا بیان

پہلی فصل

(۵۶) ابوہریرہ رضہ سے روایت ہے فرمایا رسول اللہ صلعم نے کہ میری امت کے دل میں جو وسوسے پیدا ہوتے ہیں اللہ نے ان کو معاف کر دیا ہے جب تک کہ (انسان ان وسوسوں کے موافق) عمل نہ کرے یا زبان سے کچھ نہ کہے (بخاری ومسلم)

(۵۷) ابوہریرہ رضہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلعم کے اصحاب میں سے کچھ لوگ رسول اللہ صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دریافت کیا کہ یا رسول اللہ صلعم ہمارے دلوں میں بعض وقت ایسی باتیں پیدا ہوتی ہیں کہ ہم میں سے کوئی ان کو زبان پر لانے کا روادار نہیں۔ آپ نے فرمایا کیا واقعی تم زبان سے ان کو ادا کرنے کو برا جانتے ہو۔ عرض کیا ہاں (یا رسول اللہ) آپنے فرمایا یہی عین ایمان ہے (یعنے یہ ایمان کی علامت ہے)

(۵۸) ابوہریرہ رضہ سے روایت ہے فرمایا رسول اللہ صلعم نے کہ تم میں سے (کسی) کسی کے پاس شیطان آکر یہ کہتا ہے کہ (مثلاً یہ آسمان) کس نے پیدا کیا یہ اور زمین) کس نے پیدا کی یہ یہاں تک کہ وہ یہ کہتا ہے کہ تیرے رب کو کس نے پیدا کیا پس جب (تیرے دل میں) اس قسم کے وسوسے پیدا ہوں تو تو خدا سے پناہ مانگ اور اس خیال کو دل سے دور کر دے (بخاری ومسلم)

باقی آئندہ

اسلامی تاریخ

گذشتہ سے پیوستہ

از مورخ اسلام جناب مولانا عقیل احمد صاحب جعفری پروفیسر حالیہ کالج

تیری بحث کے بعد لشکر خلافت رکن الدین دوادار کی قیادت میں بغداد سے دو کوس کے فاصلہ پر تاتاریوں کے مقابلہ پر آڈٹا سخت جنگ کے بعد لشکر خلافت کو شکست ہوئی، لشکر کے دو حصے ہو گئے ایک شام کی طرف بھاگ گیا اور دوسرا بغداد میں داخل ہوا۔

ہلاکو اور علقمی شکست کے بعد علقمی ہلاکو کے پاس امان طلب کرنے کے لئے آیا، امان ملنے کے بعد خلیفہ کے پاس پہونچا اور یہ دھوکہ دیا کہ ہلاکو نے جس طرح شاہ روم کو تاج و تخت سے محروم نہیں کیا۔ اسی طرح آپ کو بھی محروم نہ کریگا مگر شرط یہ ہے کہ وہ اپنی بیٹی کا نکاح آپکے بیٹے ابوبکر سے کرنا چاہتا ہے خلیفہ علقمی کی اس چال میں آیا۔

قتل خلیفہ مستعصم اعیان و شرفاء حکومت کے ساتھ ہلاکو کے لشکر کی طرف چلا ہلاکو نے ان سب کو ایک خیمہ میں ٹھہرایا پھر علقمی کی خواہش پر تمام سادات بغداد کو بھی اسی خیمہ میں جمع کر دیا گیا جب سب جمع ہو گئے تو تاتاریوں نے خلیفہ سمیت ایک ایک کر کے سب کو قتل کر دیا علقمی اس منظر کو دیکھ کر خوش ہو رہا تھا کہ ہلاکو نے اپنے آقا کے ساتھ نمک حرامی کرنے کے جرم کی پاداش میں علقمی کا بھی خاتمہ کر دیا۔

ان کے بعد بغداد کی باری آئی تاتاری بغداد میں گھس گئے چالیس دن قتل و غارت کا بازار گرم رہا۔ قصر خلافت سے لے کر معمولی گھر تک ان کی تاخت و تاراج سے نہ بچا تعلیم گاہیں تک مسمار کر دی گئیں کتب خانہ کے کتب خانے دجلہ میں پھینک دئے جس سے دریائے دجلہ کے پانی کا رنگ بدل گیا۔

دولت عباسیہ کا خاتمہ مستعصم ۱۶ سال خلیفہ رہا اور ۵۰ سال کی عمر پائی اس کے قتل کے بعد بغداد سے دولت عباسیہ کا نام و نشان تک مٹ گیا ۵۲۴ سال یعنی ۱۳۲ھ سے ۶۵۶ھ تک دولت عباسیہ کا پایہ تخت بغداد رہا اس مدت میں ۳۷ خلیفہ ہوئے اور اس زمانہ میں مسلمانوں کی تعداد تمام عالم اسلامی میں دس کروڑ کے لگ بھگ تھی۔

تجدید خلافت عباسیہ

مصر میں ساڑھے تین سال تک عباسی خلافت کا سلسلہ منقطع رہا اس کے بعد مصر میں اس کی تجدید ہوئی اور ۲۵۵ سال تک خلفاء نے یکے بعد دیگرے خلافت عباسیہ کے نام کو باقی رکھا نام اور خطبے کے سوا انہیں

اور کوئی عظمت حاصل نہیں تھی ذیل میں ان خلفاء کا مختصر تذکرہ کیا جاتا ہے۔

مستنصر اس کا نام ابوالقاسم احمد بن الظاہر تھا فتنہ تاتار کے وقت بغداد میں موجود نہ تھا اس لئے قتل ہونے سے بچ گیا۔ یہ مصر چلا گیا وہاں شاہان ممالیک میں سے سلطان ملک الظاہر بیبرس بند قداری کی حکومت تھی مستنصر نے خاندان عباسیہ سے اپنے تعلق ظاہر کیا اس لئے بیبرس اور سلطان نے اس کے ہاتھ پر بیعت کر لی خطبہ میں اس کا نام لیا جانے لگا بیعت لینے کے بعد اس نے ایک لشکر تیار کیا اور تاتاریوں سے مقابلہ کے لئے عراق پر حملہ کیا مگر شکست کھائی یہ ۶۶۰ھ کا زمانہ تھا شکست کے بعد کچھ ایسا غائب ہوا کہ کچھ پتہ نہ چلا۔

حاکم بامر اللہ اس کا نام ابوالعباس احمد تھا یہ فتنہ تاتار کے وقت یہی غائب تھا خفیہ طور پر حلب پہونچا جہاں بہت سے لوگوں نے اس کے ہاتھ پر بیعت کر لی مستنصر کے غائب ہونے کے بعد اس نے بیبرس سے خط و کتابت کی اور بیبرس ہی کی دعوت پر قاہرہ چلا گیا جہاں اس کے ہاتھ پر بیعت کر لی گئی۔ ۴۰ سال تک خلیفہ رہا ۷۰۱ھ میں وفات پائی مصر میں دفن کیا گیا یہ پہلا عباسی خلیفہ ہے جس کی تجہیز و تکفین مصر میں کی گئی۔

آغاز دولت عثمانیہ حاکم کے زمانہ میں یعنی ۶۹۹ھ میں دولت عثمانیہ کا آغاز ہوا مگر اب اس کو بھی ملتی گئی ۷۲۶ھ میں باقاعدہ طور پر جمہوری حکومت قائم کر کے ترکوں نے خلفاء آل عثمان کو جلا وطن کر دیا۔ تِلْكَ الْأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ

اسی ۶۹۹ھ میں تاتاریوں نے دمشق پر حملہ کیا ملک الناصر نے مقابلہ کیا بہت سے تاتاری قتل ہوئے لیکن آخر کار سلطان کو شکست ہوئی اور تاتاریوں نے دمشق میں خوب لوٹ مار کی

مستکفی بامر اللہ اس کا نام ابوالربیع سلیمان بن حاکم بامر اللہ ہے۔ ۷۰۱ھ میں خلیفہ بنایا گیا جبکہ اس کی عمر صرف ۲۰ سال کی تھی مقام قوص میں ۵۰ سال کی عمر پا کر ۷۴۰ھ میں وفات پائی اس حساب سے ۳۹ سال خلیفہ رہا۔

واثق اور حاکم بامر اللہ مستکفی نے اپنا ولی عہد اپنے بیٹے احمد کو بنایا تھا مگر سلطان محمد قلاوون نے اس کو تسلیم نہیں کیا اور ابراہیم واثق باللہ بن مستمسک باللہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی

مگر وہ بہت عیاش ثابت ہوا۔ اس لئے ایک سال اور چند ماہ کے بعد معزول کرکے احمد بن مکتفی ہی کے ہاتھ پر بیعت کرلی اس نے فرائض خلافت کو بڑی خوبی سے انجام دیا۔ ۱۰ سال خلیفہ رہا ۷۵۳ھ ہجری میں وفات پائی۔

معتضد باللہ اور متوکل علی اللہ

احمد کی وصیت کے مطابق اس کا بھائی معتضد باللہ ابوبکر خلیفہ بنایا گیا اور دس سال خلیفہ رہنے کے بعد اس نے وفات پائی یعنی ۷۶۳ھ میں تو اس کے بیٹے متوکل علی اللہ ابو عبداللہ محمد کے ہاتھ پر بیعت کی گئی اس نے ۸۰۸ھ میں وفات پائی ۴۵ سال خلیفہ رہا ایک سو کے قریب اولادیں چھوڑیں۔

سبز نشان

متوکل کے عہد ۷۷۳ھ میں ملک اشرف منصور بن محمد قلاوون نے شرفا کے نام حکم جاری کیا کہ وہ سب اپنے عماموں پر سبز نشان لگایا کریں تاکہ ان میں اور عوام میں امتیاز پیدا ہو جائے۔

متوکل ہی کے زمانہ میں ۷۷۱ھ لنہ کے ایک گاؤں کش نامی سے فتح و کامرانی کا جھنڈا لئے منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوا۔ دیکھتے ہی دیکھتے ماوراء النہر میں قابض ہو گیا پھر تاتاریوں سے رشتہ جوڑا جس سے اس کی شہرت اور بڑھ گئی اور اب تو اس نے خراسان، سیستان، ہندوستان، بغداد اور بلاد روم میں سے کسی کو اپنے حملے سے محفوظ نہ رکھا اور ان آبادیوں پر دل کھول کر ظلم ڈھائے اب قومی اضمحلال پیدا ہو چلا تھا، تاآنکہ ۸۰۷ھ میں ترار کے اطراف میں انتقال کر گیا۔ ۷۰ سال کی عمر پائی اور ۳۶ سال حکومت کی۔

مستعین اور معتضد

باپ کی وصیت کے مطابق مستعین باللہ ابو الفضل عباس بن متوکل کے ہاتھ پر بیعت کی گئی ۱۰ سال کے بعد ۸۱۶ھ میں اس کی وفات کے بعد اس کے بھائی معتضد باللہ ابوالفتح داؤد بن متوکل کے ہاتھ پر بیعت کی گئی جس نے ۲۹ سال کی خلافت کے بعد ۸۴۵ھ میں وفات پائی۔

مستکفی اور قائم

معتضد کے بعد اسی کی وصیت کے مطابق مستکفی باللہ ابوالربیع سلیمان بن متوکل کے ہاتھ پر بیعت کی گئی جس نے دس سال تک امور خلافت کو انجام دیکر اور ۶۳ سال کی عمر پاکر ۸۵۵ھ میں وفات پائی اس کے بعد اس کا بھائی قائم بامر اللہ ابوالبقا حمزة المتوکل خلیفہ ہوا اس کے زمانہ میں ہم خلافت پھر زندہ ہوتا ہوا نظر آنے لگا تھا کہ اس کے اور ملک اشرف کے درمیان اختلاف پیدا ہو گیا اس لئے قائم اسکندریہ چلا گیا اور وہیں ۸۶۳ھ میں وفات پائی ۷۰ سال کی عمر پائی اور ۴ سال خلیفہ رہا۔

مستنجد اور متوکل

اس کے بعد مستنجد باللہ ابوالمحاسن یوسف متوکل تخت خلافت پر متمکن ہوا مگر ۸۸۴ھ میں فالج کی وجہ سے وفات پائی تقریباً دو سال بیمار رہا۔ ۹۰ سال کی عمر پائی اور ۲۹ سال خلیفہ رہا اس کے بعد متوکل علی اللہ ابوالعز عبدالعزیز بن یعقوب کے ہاتھ پر بیعت کی گئی جس نے ۱۹ سال کی خلافت کے بعد ۹۰۳ھ میں وفات پائی۔

مستمسک اور متوکل

اس کے بعد مستمسک باللہ ابوالصبر یعقوب بن عبدالعزیز کے ہاتھ پر بیعت کی گئی جس نے ۹۲۷ھ میں وفات پائی ۲۴ سال خلیفہ رہا اس کے بعد متوکل علی اللہ محمد بن یعقوب المستمسک کے ہاتھ پر بیعت کی گئی۔

ترکی عہد حکومت

متوکل عباسیوں کا آخری خلیفہ ہے اسی کے ہاتھ سے بنی عباس کا دیرینہ حق خلافت نکل کر ترک عثمان کے قبضہ میں چلا گیا سلطان سلیم خاں بن سلطان بایزید خاں نے ۹۲۳ھ میں جب شام اور مصر کے ملکوں پر قبضہ کیا تو آثار شریف یعنی علم نبوی۔ شمشیر رسالت اور چادر شریف بھی متوکل سے لے کر اپنے قبضہ کر لئے، حرمین شریفین کی چابیاں بھی لے لیں اس کے بعد متوکل کو اپنے ساتھ قسطنطنیہ لے گیا۔ متوکل نے عالم پیری میں مصر واپس ہونے کی اجازت طلب کی سلطان نے اجازت دیدی اور متوکل کا روزینہ مقرر کر دیا، متوکل مصر ہی میں مقیم رہا تاآنکہ ۹۴۵ھ میں وفات پائی اس کی وفات نے درحقیقت اس دولت کا خاتمہ کیا جس نے رشید و مامون جیسے یادگار زمانہ افراد صفحات تاریخ پر چھوڑے ہیں۔

تذکرۂ صحابۂ کرام

گذشتہ سے پیوستہ

(از جناب علامہ مفتی انتظام اللہ صاحب شہابی اکبرآبادی)

(۱۱۳) حضرت حارثہ بن وہب خزاعی آپ والدہ کی طرف سے عبداللہ بن عمر خطاب رضی کے بھائی ہیں حضرت اشعث بن قیس بن سعد یکرب کنیت ابو محمد یہ جد و نمایاں آنحضرت مرتد ہوگئے مگر عہد صدیقی میں پھر مسلمان ہوگئے تھے آخر میں کوفہ چلے گئے ۴۰ھ میں انتقال کیا۔

(۱۱۴) حضرت ابی سفیان ان کا نام صخر ابن حرب بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف فتح مکہ سے کچھ پہلے مسلمان ہوئے رسول اللہ نے طائف کی زکوٰۃ کا گماشتہ مقرر کیا تھا ۳۳ھ میں نابینا ہو کر مرے

(۱۱۵) حضرت عبدالرحمٰن بن امیرالمومنین ابوبکر صدیق رضی عنہ ان کی والدہ ام رومان تھیں حضرت عائشہ صدیقہ رضہ کے حقیقی بھائی تھے حدیبیہ میں اسلام لائے خالد بن ولید کے ساتھ جنگ میں شریک تھے جنگ جمل میں بہن کے ہمراہ تھے بیعت یزید کے لئے امیر معاویہ نے ایک لاکھ درہم بھیجے آپ نے لینے سے انکار کر دیا اور بیعت نہیں کی ۵۳ھ میں انتقال ہوا۔

(۱۱۶) حضرت ابوامامۃ الباہلی صدی بن عجلان اولاً سکونت مصر میں بھی بعد ازاں شہر حمص میں آ کر رہے بعمر ۹۱ سال ۸۶ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔

(۱۱۷) حضرت ابوامامہ سعد بن سہل بن حنیف انصاری حضور کے وصال کے دو سال قبل پیدا ہوئے یہ مدینہ کے تابعین میں بہت بڑے بزرگ اور عالم اجل تھے، ان کے والد اور ابوسعید خدری سے حدیث کی سند حاصل کی بعمر ۹۲ سال ۱۰۰ھ میں انتقال کیا۔

(۱۱۸) حضرت عبداللہ بن مالک قشب بحینۃ ازدازدی مالک مطلب بن عبد مناف کے حلیف تھے عبداللہ فضلائی صحابہ سے تھے زہد و عبادت ممتاز تھے بن مریم بن مرجان بن حکم کے آخر زمانہ میں انتقال کیا۔

(۱۱۹) حضرت عدی بن حاتم ابوطریف کنیت ہے یہ قبیلہ طے کے تھے اپنے مسلمان ہونے کے بعد بھی سرکار عالم نے طے کی امارت پر ممتاز فرمایا جنگ فادسیہ میں داد شجاعت دی جنگ جمل و صفین میں حضرت علی رض کے ہمراہ تھے ۶۸ھ کوفہ میں انتقال فرمایا۔

(۱۲۰) حضرت عبداللہ بن مغفل مزنی ۶ھ میں اسلام لائے۔ غزوہ بدر میں شرکت ... تا ترقی حاصل رہا عراق کی فوج کشی میں مجاہدانہ شرکت کی بصرہ ۵۶ھ میں انتقال کیا۔

(۱۲۱) حضرت سویدبن مخرمہ کنیت ابوعبدالرحمٰن ۲ھ مکہ میں بطن عائکہ سے پیدا ہوئے صغر سنی میں حجۃ الوداع میں شریک رہے یزید اور عبداللہ بن زبیر کے اختلافات میں حضرت ابن زبیر رض کے ساتھ سے ۶۴ھ میں حرم میں محصور ہے اور حجاج بن یوسف کے حکم سے گولہ باری ہو رہی تھی اس میں یہ بھی کام آئے۔

(۱۲۲) حضرت عبداللہ بن زبیر بن عوام کنیت ابوخبیب ان کی والدہ صاحبہ کنیت ابوبکر صدیق تھیں ہجرت کے بعد مہاجر مسلمانوں میں سب سے پہلے پیدا ہوئے ان کے بھائی عروہ تھے ابن زبیر رض نے اپنے وقت کو تین راتوں پر بانٹ دیا تھا ایک رات قیام کی ہوتی وہ صبح تک کھڑے رہتے ایک رات رکوع ایک رات سجدہ میں گذارتے یزید کے مرنے پر اہل حجاز اور یمن اور عراق اور خراسان کے لوگ ان کے مطیع تھے۔ ابن زبیر رض کی خلافت عبدالملک بن مروان کی تخت نشینی تک رہی ۷۳ھ میں حجاج بن یوسف کے ہاتھوں سنگباری سے شہید ہوئے۔

(۱۲۳) حضرت عبداللہ بن زید بن ثعلبہ انصاری یہ بیعت عقبہ اور بدر اور تمام مشاہد میں آنحضرت ص کے ساتھ تھے۔

(۱۲۴) حضرت جعفر بن الیع کنیت ابو قرصافہ ہے غزوہ تبوک سے چند روز پہلے اسلام لائے اور اس میں شریک ہوئے بصرہ چلے گئے تھے، شام کے جہادوں میں شرکت کی آخر میں بیت المقدس میں مقیم ہوگئے اصحاب صفہ سے تھے ۱۵۶ احادیث ان سے مروی ہیں بعمر ۱۰۵ سال ۵۳ھ میں انتقال کیا۔

(۱۲۵) حضرت ابوعامر اشعری عبید نام تھا یہ حضرت ابوموسیٰ اشعری کے چچا ہیں آغاز دعوت اسلام میں مسلمان ہوئے فتح مکہ و غزوہ حنین میں شریک رہے آنحضرت ص کے سامنے شہید ہوئے۔

(۱۲۶) حضرت ابوشریح نام خویلد بن عمرو بن صخر خزاعی فتح مکہ سے پہلے اسلام لائے اور اس میں شریک رہے بنی کعب کا نشان ان کے ہاتھ میں تھا ۶۸ھ میں مدینہ میں انتقال ہوا۔

(۱۲۷) حضرت ابوثعلبہ خشنی نام جرثوم تھا خاندان قضاعہ

تھے آغاز اسلام میں ایمان لائے صلح حدیبیہ میں آنحضرت صلعم کے ہمرکاب تھے بیعت رضوان میں شریک تھے آنحضرت صلعم نے ان ہی کو ان کے قبیلہ میں مبلغ بنا کر بھیجا تھا شام فتح ہونے کے بعد وہیں قیام پذیر ہو گئے امیر معاویہ کے دور حکومت میں سربجدہ واصل بحق ہوئے۔

(۱۲۸) حضرت ابو بُردہ ہانی بن نیاز بیعت عقبۂ ثانیہ میں ۷۰ نفوس کے ساتھ شریک تھے۔ غزوۂ بدر اور دیگر غزوات میں جانفشانیاں کیں لیکن براء بن عازب ان کے برادرزادہ ہیں حضرت علیؓ کے ہمراہ خانہ جنگیوں میں شریک رہے زمانۂ حکومت امیر معاویہؓ میں انتقال ہوا۔

(۱۲۹) حضرت ابو بشیر قیس بن عبداللہ انصاری بازلی یہ بھی تجرید بخاری کے رواۃ سے ہیں۔

(۱۳۰) حضرت ابو حمیدؓ عبدالرحمٰن بن سعد انصاری خزرجی ساعدی (۱۳۱) حضرت ابو حذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ فضلائے صحابہ سے ہیں بدر اور احد میں شریک رہے جنگ یمامہ میں بعمر ۵۳ سال شہید ہوئے

(۱۳۲) حضرت ابو سیف القیس براء بن اوس انصاریؓ حضرت ابراہیمؑ ابن رسول کریم صلعم کے رضاعی بھائی تھے حضرت ابو سعید بن مالک انصاری خزرجی بڑے فاضل تھے اکثر صحابہ اور تابعین نے آپ سے روایت کی ہے ۷۴ھ میں بعمر ۸۴ سال انتقال کیا۔

(۱۳۳) حضرت ابو مالکؓ کعب بن عاصم اسعدی حضرت عمر فاروقؓ کے عہد خلافت میں انتقال کیا۔

(۱۳۴) حضرت ابو واقدؓ حارث بن عوف لیثی قدیم الاسلام لوگوں میں سے ہیں ۶۸ھ میں انتقال کیا۔

(۱۳۵) حضرت ابو عبسؓ عبدالرحمٰن بن جبیر انصاری مازنی غزوۂ بدر میں شریک تھے بعمر ۷۰ سال ۳۴ھ میں انتقال کیا۔

(۱۳۶) حضرت العلاء الحضرمی عبداللہ نام تھا آنحضرت صلعم نے عامل بحرین کیا تھا ۱۴ھ میں وفات پائی۔

(۱۳۷) حضرت جابر بن عبداللہ رضؓ کنیت ابو عبداللہ انصاری غزوۂ بدر کے بعد آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ۱۸ غزوات و سریات میں شریک رہے آخر میں شام اور وہاں سے مصر چلے گئے وہیں ۷۴ھ میں انتقال کیا۔

(۱۳۸) حضرت حذیفہؓ بن یمان کنیت ابو عبداللہ آپ سرِ نبوی کے رازدار تھے۔ آپ نے حضرت عثمان رضؓ کی شہادت کے چالیس یوم بعد شہر مدائن میں ۳۶ھ میں انتقال کیا۔

(۱۳۹) حضرت حسانؓ بن ثابت بن منذر مداح نبی ہیں شعرائے قریش کے مقابل بڑے بڑے معرکے جیتے پوری عمر پا کر ۵۴ھ میں انتقال کیا حضرت زرارہ بن اوفی نے ۹۳ھ میں وفات پائی

(۱۴۰) حضرت سائبؓ بن یزید حجۃ الوداع میں شریک تھے ۹۱ھ میں انتقال کیا (۱۴۱) حضرت سعیدؓ بن زید کنیت ابو الاعور عدوی قرشی عشرہ مبشرہ سے ہیں حضرت عمر فاروقؓ کے بہنوئی ہیں ۵۱ھ میں انتقال ہوا۔

(۱۴۲) حضرت عبداللہ بن زید عاصم انصاری غزوۂ احد میں شریک تھے جنگ حرہ میں ۶۳ھ ہجری میں شہید ہوئے۔

(۱۴۳) جناب جندبؓ بن عبداللہ بن سفیان البجلی علقی کنیت ابو عبداللہ [illegible] کوفہ میں قیام تھا مگر بصرہ میں بھی رہے تھے مصعب بن زبیر کے ہمراہ کوفہ گئے تھے [illegible] اہل بصرہ میں سے امام حسن بصری و محمد بن سیرین وغیرہ نے [illegible] روایت کی ہے۔

(۱۴۴) حضرت معیقیبؓ بن ابی فاطمہ دوسی غزوۂ بدر میں شریک تھے ۴۰ھ میں انتقال کیا۔

(۱۴۵) حضرت مقدامؓ بن معدی کرب ۸۷ھ ہجری میں بعمر ۹۱ انتقال کیا۔

ادبِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

(ایک نایاب عربی کتاب کا ترجمہ از جناب حضرت علامہ آغا رفیق صاحب بلند شہری)

(۳) مسلم اور مہاجر کا بیان

عن عبد اللہ بن عمرو عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ والمہاجر من ھجر ما نھی اللہ عنہ۔ (بخاری، ابوداؤد، نسائی)

ترجمہ: مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ و مامون رہیں اور مہاجر وہ ہے جو ان باتوں کو ترک کر دے جن سے خدا نے منع فرمایا ہے۔

معانی کی تشریح:۔ حدیث سابق کی تشریح میں ہم اسلام کے معنے بیان کر چکے ہیں اور اس سے پہلے حدیث کی تشریح میں ہجرت کے مفہوم کو واضح کیا جا چکا ہے اس حدیث میں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ بیان فرماتے ہیں کہ کون شخص اسلام کے لقب کا مستحق ہے اور کون لقب مہاجر کا؟ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے کہ "مسلمان وہ ہے جس کے شر سے مسلمان بھی محفوظ رہیں اور وہ غیر مسلم بھی جو مسلمانوں کی حفاظت و نگرانی میں ہیں یا جن سے مسلمانوں کا عہد استوار ہو چکا ہے (اگرچہ مسلمانوں کی عزت و حرمت غیر مسلموں کی عزت و حرمت سے بلند و برتر ہے) اور یہ کہ غیر مسلموں کو اذیت و تکلیف پہنچانے میں پیش قدمی (پہل) نہ کی جائے"۔

اب رہے وہ لوگ جو ہمارے مذہب یا ہماری آبادیوں پر حملہ آور ہوں ان کی مدافعت اور ان سے جنگ کرنا ہمارا فرض ہے اور ہم کو چاہیئے کہ ہم اپنی پوری طاقت اور اپنی ہر ممکن کوشش و تدبیر سے ان کی مدافعت کریں اور ان سے لڑیں۔

حضور صلعم نے اس حدیث میں صرف زبان اور ہاتھ کے شر سے محفوظ رہنے کا ذکر فرمایا ہے اور باقی اعضاء کے شر کا ذکر نہیں کیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اذیت و تکلیف عموماً ان ہی دو اعضاء سے زیادہ پہونچتی ہے۔ اگرچہ دوسرے اعضاء بھی تکلیف دہ اور اذیت رساں ہوتے ہیں مطلب یہ ہے کہ جب ان دو اعضاء سے جو اذیت رسانی کے خاص آلے ہیں لوگوں کو اذیت و تکلیف پہونچانے کی ممانعت کی گئی ہے تو دوسرے اعضاء سے جو ان کے مقابلہ میں کم اذیت رساں ہیں بدرجۂ اولیٰ اذیت رسانی کی ممانعت ہے مختصر یہ کہ مسلمان وہ ہے جس کے تمام اعضاء کے شر سے لوگ محفوظ رہیں۔

اس حدیث کی بناء پر سچا مسلمان اور کامل الایمان مسلم وہ ہے جو سب و شتم سے اپنی زبان کو آلودہ نہ کرے کسی پر عتاب نہ کرے کسی پر غضبناک نہ ہو کسی کی چغلی و شکایت نہ کرے، غیر شرعی عمل کی کسی کو ترغیب نہ دے غیر شرعی فعل کا کسی کو حکم نہ دے، امر شرعی سے کسی کو نہ روکے لوگوں پر بہتان نہ باندھے۔ کسی کے خلاف جھوٹی گواہی نہ دے بے اصل اور جھوٹی بات کو کسی کی طرف نہ منسوب کرے کسی کے ساتھ فریب نہ کرے کسی کو دھوکہ نہ دے جس بات کا علم نہو اس کے متعلق اپنی زبان سے ایک حرف نہ کہے اور کسی کا مذاق اڑانے کے لئے زبان کو جنبش نہ دے بلکہ ہر معاملہ میں اور ہر موقع پر اخلاق سے کام لے نہایت شیریں گفتگو کرے اور لوگوں کے ساتھ بھلائی کرنے کے کسی موقعہ کو ہاتھ سے نہ چھوڑے۔

اسی طرح مسلمان وہ ہے جو لوگوں کو اپنے ہاتھوں سے اذیت نہ پہنچائے یعنی لوگوں کے کھیتوں کو نہ اجاڑے ان کے جانوروں کو زہر نہ دے۔ ان کے مکانوں کو منہدم نہ کرے ان کی حدود کو تبدیل نہ کرے مار پیٹ نہ کرے۔ قتل و غارت گری نہ کرے مال نہ لوٹے۔ اپنے ہاتھ سے کوئی ایسا کاغذ یا دستاویز نہ لکھے جس سے لوگوں کی عزت و حرمت اور حقوق کو نقصان اور ان کے دشمنوں کو فائدہ پہنچتا ہو یا اس کے ذریعہ وہ کسی مصیبت میں گرفتار ہو جائیں بلکہ اس کا ہاتھ ایک شریف اور پاکیزہ ہاتھ ہو جو عمل خیر کے لئے حرکت میں آئے، اور حق بات کے لئے جنبش کرے۔

اپنے بچوں کو تربیت و تادیب کے سلسلہ میں مارنا پیٹنا مجرموں کو شرعی حدود کی موافق قطع و بیت یا جلد کی سزا دینا، فساد و فتنہ کی کوشش کرنے والوں کو قتل کرنا، لوگوں کے مال، جان اور عزت کو محفوظ رکھنے کے لئے بدمعاشوں کو دھمکانا یہ تمام اس حدیث کے موافق عمل خیر میں شامل ہیں۔

اسی طرح مسلمان وہ ہے جو لوگوں کو اپنی بصارت، سماعت، آواز، اور پاؤں وغیرہ اعضاء جسم سے تکلیف و اذیت نہ پہونچائے یعنی کسی کی بہو بیٹیوں کو بری نظر سے نہ دیکھے۔ بدنیتی سے کسی کے خط، کاغذ یا دستاویز وغیرہ کو نہ دیکھے اپنی آواز سنا کر اور اپنی موجودگی کا اظہار کر کے کسی مشورہ تجاویز میں خلل نہ ڈالے کسی کو نقصان پہونچانے کی نیت سے کسی شخص کے پاس نہ جائے کسی ایسی جگہ نہ جائے جہاں اس کے جانے سے کسی کی عزت و حرمت کو اور حقوق کو نقصان پہونچنے کا احتمال ہو۔ بلکہ اس کے تمام اعضاء لوگوں کے لئے باعث خیر و فلاح ہوں اور لوگ ان کے شر سے محفوظ و مامون رہیں۔

اور اس حدیث کی بنا پر مہاجر صرف وہی نہیں ہے جو دار الحرب کو چھوڑ کر دار الامن میں چلا گیا ہو بلکہ حقیقی مہاجر وہ ہے جس نے ان تمام کاموں کو ترک کر دیا ہو جن سے خداوند بزرگ و برتر نے منع فرمایا ہے یعنے نہ تو وہ کسی کو قتل کرے، نہ چوری کرے، نہ زنا کرے نہ فسق و فجور میں مبتلا ہو نہ جھوٹی گواہی دے، نہ شراب پئے، نہ بخل کرے، نہ اسراف کرے، نہ شرعی امور میں مداہنت و سستی کرے اور نہ منافقانہ برتاؤ کا روادار ہو بلکہ ان تمام امور کو ترک کر دے جو شرعاً حرام و ممنوع ہیں اور اپنے اور تمام معاصی کے درمیان ایک پردہ ڈال دے یا ایک مضبوط دیوار بنا دے تاکہ معاصی نظر سے دور ہیں اور وہ معاصی سے متنفر رہے اس کا ہر کام بھلائی پر مبنی ہو اور وہ صرف ان کاموں کی طرف متوجہ ہے جو اسلام نے اس پر واجب کر دئے ہیں۔

اس حدیث کے الفاظ یہ تبلاتے ہیں کہ خداوند تعالےٰ انسان کی ظاہری حالت کو نہیں دیکھتا بلکہ انسان کے اعمال کو دیکھتا ہے جو اس کے اعتراف کی صداقت پر دلالت کرتے ہوں یعنی جس کے اعمال سے اسلام کی تائید ہوتی ہو،

پھر اس حدیث سے یہ بھی مفہوم ہوتا ہے کہ جس طرح ایک مسلمان کا اپنے جسم کے اعضا سے دوسرے لوگوں کو اذیت و تکلیف پہونچانا ممنوع و حرام ہے اسی طرح بحیثیت ایک مسلمان کے اپنے آپ کو بھی کسی قسم کی اذیت و تکلیف اپنے اعضاء سے پہنچانا ممنوع و حرام ہے یعنے ایسی تکلیف و اذیت جو قانون شرع کے خلاف ہے مثلاً معاملات پر غور کئے بغیر کوئی ایسی بات زبان سے کہدینا جو اس کے لئے مصیبت کا پیش خیمہ ہو اتنا قرض لینا جس کی ادائگی اس کے امکان میں نہو، کوئی ایسا فعل کرنا جس سے دوسروں کو تو نقصان نہ پہنچتا ہو مگر وہ خود اس سے مصیبت میں مبتلا ہو جائے۔ اپنی صحت کی طرف سے بے پروا ہو کر ایسے اعمال میں انہماک جو اس کی صحت کو خراب کر کے اس کی زندگی کو تلخ کر دیں کاروبار میں اپنی مالی حالت کو پیش نظر رکھے بغیر کوئی ایسا معاملہ کرنا یا اتنا حد سے بڑھ جانا جو اس کی ساکھ کو خطرہ میں ڈالدے اپنی آمدنی کے اوسط سے اتنا زیادہ خرچ کرنا جو اس کی عزت و حرمت اور کاروبار کو نقصان پہونچائے وغیرہ وغیرہ بلکہ ان تمام باتوں کی بجائے ایک مسلمان کو اپنی ذات کے متعلق بھی کافی احتیاط کی ضرورت ہے اعتدال و میانہ روی کی حاجت ہے اور ہر کام کو سوچ سمجھ کر کرنے کی ضرورت ہے تاکہ وہ بحیثیت ایک مسلمان کے خطرات سے محفوظ رہے۔

ان تمام باتوں سے مراد یہ ہے کہ ایک مسلمان جان بوجھ کر اپنے آپ کو اعضاء کی حرکات سے نقصان نہ پہونچائے اگر نادانستہ یا اتفاقی طور پر کوئی اذیت پہنچ جائے تو یہ تقدیری امر ہے۔

(۴) ایمان کی علامت کا بیان

عن انس رضؓ عن النبی صؐ قال لایؤمن احدکم حتیٰ یحب لاخیہ ما یحب لنفسہ۔ (بخاری، مسلم، احمد، نسائی)

ترجمہ: حضرت انس رضؓ کہتے ہیں کہ حضرت رسول مقبول صؐ نے فرمایا ہے تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک (کامل) مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کے لئے بھی اسی چیز کو پسند نہ کرے جس کو اپنے لئے پسند کرتا ہے

الفاظ کی تشریح: محبت اس چیز کی جانب میلانِ طبع کو کہتے ہیں جو طالب کی نظر میں پسندیدہ ہو خواہ وہ چیز حسن و جمال ہو فضل و کمال ہو یا احسان و بھلائی ہو اس حدیث میں میلان طبع سے مراد اختیاری میلان طبع ہے طبعی اور قہری نہیں

معانی کی تشریح: ایمان کامل کی علامت یہ ہے کہ ایک مسلمان اپنے آپ کو مسلمانوں کی اجتماعی حالت کا ایک رکن سمجھے جماعت کے نفع کو اپنا نفع اور جماعت کے نقصان کو اپنا نقصان خیال کرے۔

جب ایک مسلمان اس پاکیزہ احساس کو محسوس کر لیگا اور اس کے دل و دماغ میں یہ پاکیزہ خیال راسخ ہو جائے گا تو وہ دوسرے کو اپنی ہی مانند خیال کریگا بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ مسلمانوں میں غیریت ہی باقی نہ رہے گی ہر مسلمان اپنے مسلمان بھائی کو اپنی ذات کی طرح سمجھے گا اور اس کے ساتھ ایسا ہی معاملہ و سلوک کریگا جیسا کہ اپنی ذات کے ساتھ کرتا ہے اور اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ جس بات یا چیز کو اپنے لئے بہتر و مفید خیال کریگا اپنے مسلمان بھائی کے لئے بھی اس کو بہتر و مفید سمجھے گا مثلاً ایک مسلمان اپنے لئے وسیع علم پاکیزہ خلق بھلی صورت، شریف و صالح بیوی لائق و فائق اور نیک کردار اولاد بہترین سواری مخلص احباب و رشتہ دار اور دوست، شریف و صالح بھائی اور اطاعت گذار و وفادار ملازم و خادم پسند کرتا ہے تو اس کو چاہیے کہ وہ اپنے بھائی کے لئے بھی انہی اور انہیں چیزوں کو پسند کرے اور مسلمان بھائی کو اپنے حقیقی بھائی کی مانند خیال کرے خواہ وہ مسلمان پست درجہ کا ہو یا بلند و برتر مرتبہ کا۔

اس حدیث کی بنا پر جو شخص اس طبیعت کا ہو کہ جو چیز وہ اپنے لئے پسند کرتا ہے دوسرے مسلمان کیلئے اس کو پسند نہ کرے یا کسی مسلمان کو اسی کی مانند عزت و حرمت اور دولت حاصل ہو جائے تو وہ اس پر حسد کرے اور اس سے بغض و کینہ رکھے تو اس کی فطرت ایمان کامل کے منافی و مخالف ہوگی بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ یہ طبیعت کفر کے آثار و علامات میں سے ہوگی۔

پھر اس حدیث سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ جس طرح ایک مسلمان کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنے ہر مسلمان بھائی کیلئے اسی چیز کو پسند کرے جس کو وہ اپنے لئے بہتر و مفید خیال کرتا ہے اسی طرح مسلمان کا فرض یہ بھی ہے کہ وہ جس چیز کو اپنے لئے بُرا اور مکروہ خیال کرتا ہے اپنے مسلمان بھائی کیلئے بھی اس کو بُرا اور مکروہ خیال کرے مثلاً ایک مسلمان اپنے لئے فقر اور افلاس اور ذلت کو برا خیال کرتا ہے غلامی اور پستی کو مکروہ سمجھتا ہے مال و اولاد یا اپنی ذات کو خطرہ میں ڈالنا پسند نہیں کرتا اور خطرہ میں [illegible]

پڑنے کے بعد نجات و خلاصی کی کوشش کرتا ہے اسی طرح وہ ان باتوں کو ہر مسلمان کے لئے برا خیال کرے اور وہ ابتلاء میں پڑ جائے تو اس سے نکالنے کی کوشش کرے

ناموران اسلام

حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ

(از عزیز حسن نعمانی)

ابو عبد اللہ جعفر طیار رض ابو طالب کے بیٹے حضرت علی کرم اللہ وجہ کے حقیقی بڑے بھائی اور حضور رم کے چچازاد بھائی تھے اسلام لانے کے بعد آپ نے اسلام کی جو شاندار خدمات انجام دی ہیں صحابہ کی کثیر تعداد میں ان کی نظیر کم ملے گی۔

آپ کے اسلام لانے کا واقعہ نہایت عجیب ہے ایک مرتبہ ایسا اتفاق ہوا کہ حضور رم اور حضرت علی رض دونوں عبادت الٰہی میں مشغول تھے کہ ابو طالب رض نے اس مؤثر منظر کو دیکھا دل پر خاص اثر ہوا اور انہوں نے اپنے بڑے بیٹے جعفر طیار رض سے جو ان کے پہلو میں کھڑے اس منظر سے لطف اندوز ہو رہے تھے کہا جاؤ تم بھی اس عبادت کا لطف اٹھاؤ اور اپنے چچا زاد بھائی (حضور صلعم) کے پہلو میں کھڑے ہو جاؤ، چنانچہ جعفر گئے اور حضور رم کے بائیں پہلو میں کھڑے ہو گئے اور حضور رم کے ساتھ نماز ادا کی۔

اسلام کا یہ پہلا ذائقہ تھا جس سے حضرت جعفر رض کو خاص لطف حاصل ہوا تھا اور اس کے بعد وہ اس فکر میں رہنے لگے کہ جس قدر جلد ممکن ہو اسلامی عبادت کے ذوق سے وہ اپنی روح کو تازہ کرنے کا مستقل موقعہ حاصل کریں چنانچہ ان کی یہ خواہش پوری ہوئی اور وہ اسلام کے حلقہ میں داخل ہو کر مستقل طور پر عبادت الٰہی کا ذوق حاصل کرنے لگے۔

جس وقت حضرت جعفر رض مشرف باسلام ہوئے ہیں اس وقت اگرچہ مسلمانوں کی تعداد تیس چالیس سے زیادہ نہ تھی لیکن کفار مکہ کی سختیاں حد سے زیادہ بڑھ گئی تھیں اور مسلمانوں کو بہت زیادہ تنگ کیا جا رہا تھا یہاں تک کہ حضور رم اور آپ کے ساتھیوں کو قریش کے مظالم سے عاجز آ کر زید بن ارقم کے گھر میں پناہ لینی پڑی تھی اور آپ وہیں عبادت الٰہی اور تبلیغ اسلام فرمایا کرتے تھے۔

اسلام کی سب سے پہلی ہجرت میں حضرت جعفر طیار رض بھی شریک تھے۔ واقعہ یہ ہوا کہ جب مکہ کے قریش نے مسلمانوں کو بہت ستایا اور مسلمان ان کی سختیوں سے اس درجہ تنگ آ گئے کہ گھر سے باہر نکلنا اور کسی جگہ عبادت کرنا ان کے لئے مشکل ہو گیا ناممکن ہو گیا تو حضرت رسول مقبول رم نے ان کو مشورہ دیا کہ وہ حبشہ چلے جائیں وہاں کا بادشاہ رحمدل اور منصف مزاج ہے تم کو کوئی تکلیف نہ پہنچنے دیگا چنانچہ اس ہجرت پر مسلمانوں کی بڑی تعداد تیار ہو گئی

سب سے پہلا قافلہ جو مکے سے ہجرت کر کے حبشہ گیا تھا اس میں گیارہ مرد اور چار عورتیں تھیں اس قافلہ کی روانگی کے بعد وقتاً فوقتاً اور لوگ بھی ہجرت کرتے رہے غالباً حضرت جعفر طیار رض دوسرے یا تیسرے قافلہ کے ساتھ حبشہ پہنچے اور مسلمانوں کے ساتھ آرام و سکون سے رہنے لگے۔

جب حبشہ میں مسلمانوں کی کافی تعداد جا کر آباد ہو گئی تو مشرکین مکہ کو یہ خیال ہوا کہ مسلمان اسی طرح آہستہ آہستہ حبشہ چلے جائیں گے اور اسلام کی تبلیغ کا دائرہ حبشہ میں وسیع ہو جائے گا تو انہوں نے باہم مشورہ کیا اور یہ قرار پایا کہ شاہ حبشہ نجاشی کے پاس ہدایا و تحائف کے ساتھ وفد بھیجا جائے اور اس سے درخواست کی جائے کہ وہ مسلمانوں کو اپنے ملک سے باہر نکال دے چنانچہ مشرکین مکہ نے عبد اللہ بن ربیعہ اور عمرو بن العاص کو حبشہ روانہ کیا یہ لوگ حبش پہنچ کر اول درباری لوگوں سے ملے اور اپنی چکنی چپڑی باتوں سے ان کو اپنی تائید پر آمادہ کر لیا اس کے بعد نجاشی کے دربار میں پہنچے اور ہدایا و تحائف پیش کر کے عرض کیا کہ: ہمارے ملک کے چند سادہ لوح لڑکوں نے اپنا خاندانی مذہب ترک کر کے ایک نیا مذہب ایجاد کیا ہے جو ہمارے اور آپ کے مذہب کے بالکل خلاف ہے اور ان لڑکوں کی ایک بڑی تعداد آپ کے ملک میں چلی آئی ہے اس لئے ہم عرض پرداز ہیں کہ آپ ان لڑکوں کو ہمارے حوالہ کر دیں یا اپنے ملک سے نکال دیں درباری لوگوں نے جن کو مشرکین مکہ نے پہلے سے ہموار کر لیا تھا اس کی تائید کی اور کہا کہ: "ان لڑکوں کو ان کے حوالے کر دینا بہتر ہے"

نجاشی نے اس درخواست کے جواب میں برہم ہو کر کہا: "جب تک میں ان لوگوں سے مل کر خود تحقیقات نہ کر لوں گا اس وقت تک ان کے متعلق کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا یہ لوگ میرے مہمان ہیں اور میرے ہاں پناہ گزیں ہیں بغیر تحقیقات کے ان کو تمہارے حوالے نہیں کیا جا سکتا۔

اس کے بعد نجاشی شاہ حبش نے مسلمانوں کو بلایا اور ان سے پوچھا تم نے کونسا مذہب ایجاد کیا ہے کہ اس کی وجہ سے خاندانی مذہب کو ترک کر دیا؛ حضرت جعفر طیار رض آگے بڑھے اور نجاشی کے جواب میں فرمایا

بادشاہ! ہم ایک جاہل قوم تھے بتوں کو پوجتے تھے، مردار خوار تھے فواحش میں مبتلا تھے، قطع رحم کرتے تھے، پڑوسیوں کے ساتھ ہمارا سلوک اچھا نہ تھا، ہمارا طاقتور کمزور کو کھا جاتا تھا ہم اسی قسم کی درندگی میں مبتلا اور وحشت کی زندگی بسر کرتے تھے کہ خدا نے ہم میں سے ایک ایسے شخص کو مبعوث فرمایا جس کی سچائی پاکیزگی امانت اور خاندانی حالت کو ہم اچھی طرح جانتے

تھا اس نے ہم کو خدائے واحد کی پرستش کا حکم دیا اور بتوں کی پرستش سے روکا ہے پیشے امانت ادا کرنے صلہ رحمی کرنے پڑوسیوں کے ساتھ بہترین سلوک کرنے حرام مالوں اور خون ریزی سے بچنے کی ہدایت کی ہم اس شخص پر ایمان لے آئے۔ شرک و بت پرستی کو ہم نے چھوڑ دیا۔ حلال کو حلال اور حرام کو حرام سمجھ لیا اور صرف خدائے واحد کی عبادت کرنے لگے چونکہ ہم نے شرک و بت پرستی سے توبہ کر لی تھی اور خدا پرستی کو اختیار کر لیا تھا اس لئے ہماری قوم کے لوگ ہمارے دشمن ہو گئے اور ہم کو طرح طرح کی تکالیف دینے لگے تاکہ ہم خدائے واحد کی عبادت نہ کریں اور بت پرستی کو اختیار کر لیں ہم لوگ جب ان کی اذیتوں اور تکلیفوں سے تنگ آ گئے تو ہم نے اپنا وطن چھوڑ دیا اور یہاں چلے آئے تاکہ اطمینان و سکون کے ساتھ اپنے خدا کی عبادت کر سکیں اور ان کی اذیتوں اور تکلیفوں سے محفوظ رہیں۔"

حضرت جعفر طیار رضہ نے یہ تقریر ایسے پرجوش لہجہ میں کی جس سے صداقت و حقانیت ٹپکتی تھی اور خلوص و عقیدت ظاہر ہوتی تھی نجاشی نے اس تقریر کو سن کر کہا۔ "خدا کا کلام جو تمہارے نبی پر نازل ہوا ہے اس میں سے تم کو کچھ یاد ہے؟" حضرت جعفر طیار رضہ نے فرمایا "ہاں" نجاشی نے کہا "سناؤ" حضرت جعفر طیار رضہ نے کہیعص کا تھوڑا سا ابتدائی حصہ سنایا جس کو سن کر نجاشی اور دربار کے پادری اس قدر متاثر ہوئے کہ روتے روتے ان کی داڑھیاں تر ہو گئیں نجاشی نے کہا "یہ مذہب اور عیسیٰ م کا لایا ہوا دین دونوں ایک ہی چراغ کے پرتو ہیں۔ اس کے بعد نجاشی نے مشرکین مکہ کو حکم دیا کہ تم واپس چلے جاؤ ان لوگوں کو تمہارے حوالے نہیں کیا جا سکتا۔

دوسرے روز مشرکین مکہ نے مسلمانوں کے خلاف ایک اور چال چلی اور وہ یہ کہ نجاشی سے جا کر یہ کہا کہ۔ یہ لوگ حضرت عیسےٰ کے متعلق بہت برا عقیدہ رکھتے ہیں آپ ان کو بلا کر دریافت کیجئے مشرکین مکہ کا خیال تھا کہ مسلمان حضرت عیسےٰ م کو خدا کا بندہ بتائیں گے اور عیسائی ان کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں اس طرح دونوں میں اختلاف پیدا ہو جائے گا اور ہماری بات بن جائیگی چنانچہ مسلمانوں کو بلایا گیا اور ان سے پوچھا کہ تم حضرت عیسےٰ کے متعلق کیا خیال رکھتے ہو حضرت جعفر طیار رضہ نے فرمایا۔ ہماری کتاب کی رو سے حضرت عیسےٰ خدا کے بندے اس کے رسول اور اس کی روح تھے، نجاشی نے یہ سنا اور زمین پر ہاتھ مار کر ایک تنکا اٹھایا اور کہا تم نے جو کچھ کہا درست ہے حضرت عیسےٰ ام اس سے اس تنکے کے برابر بھی زیادہ نہ تھے۔ مختصر یہ کہ مشرکین مکہ کی یہ سفارت ناکام رہی اور وہ نامراد واپس چلے گئے۔

حضرت جعفر طیار رضہ حبشہ کی پہلی ہجرت میں بھی شریک تھے اور دوسری ہجرت میں بھی۔ دوسری مرتبہ ہجرت کرنے کا واقعہ یہ ہوا کہ پہلی ہجرت کے مہاجرین حبش ہی میں تھے کہ کسی نے ان کو یہ خبر پہنچائی کہ مکہ کے لوگ مسلمان ہو گئے ہیں یہ خبر اگرچہ غلط تھی مگر مسلمانوں کو اس کا یقین ہو گیا اور وہ وطن کی محبت میں واپس چلے آئے مکہ کے قریب پہونچ کر ان کو معلوم ہوا کہ خبر غلط ہے یہ موقعہ انتہائی پریشانی کا تھا کیونکہ اتنے منزلوں کا سفر طے کر کے آئے تھے واپس جانے کی ہمت نہ تھی اور مکہ کے اندر جانے ڈرتے تھے آخر عبداللہ بن مسعود کے سوا تمام لوگ جس طرح ممکن ہوا مکہ چلے گئے۔

چند روز کے بعد مشرکین مکہ نے مسلمانوں کو پھر ستانا شروع کیا اور چونکہ وہ حبش میں ناکامی کے سبب بہت جلے ہوئے تھے اس لئے ان کی سختیاں حد سے بڑھ گئی تھیں آخر حضرت رسول مقبول صلعم نے مسلمانوں کو پھر یہی مشورہ دیا کہ وہ حبش چلے جائیں چنانچہ اس مرتبہ ۸۳ مرد اور ۲۰ عورتیں ہجرت کے لئے تیار ہوئیں جن میں حضرت جعفر رضہ بھی تھے اور یہ قافلہ روانہ ہو گیا۔

مسلمانوں کی دوسری ہجرت حبش کے بعد مشرکین مکہ اور جل گئے اور جو مسلمان مکہ میں رہ گئے تھے ان سے سخت انتقام لینا چاہا یہاں تک کہ وہ حضور صلعم ہی کو قتل کرنے پر آمادہ ہو گئے آخر خداوند تعالےٰ نے آپ کو ہجرت کا حکم دیا اور آپ مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔

حضرت جعفر طیار رضہ مدینہ کی ہجرت کے ۶ سال بعد تک حبشہ ہی میں رہے ۷ھ ہجری میں وہ حبش سے مدینہ تشریف لائے جس وقت حضرت جعفر رضہ مدینہ پہونچے ہیں اس وقت مسلمان مدینہ میں فتح خیبر کی خوشیاں منا رہے تھے حبشہ کے مہاجرین کی واپسی نے اس خوشی میں چار چاند لگا دئے حضرت جعفر رضہ جب حضور صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضور صلعم ان سے بغل گیر ہو کر ملے اور پیشانی پر بوسہ دیکر فرمایا۔ "میں نہیں کہہ سکتا کہ جعفر رضہ کی واپسی سے مجھ کو زیادہ خوشی ہوئی ہے یا فتح خیبر سے"

فدایان اسلام کی جماعت میں جن لوگوں کے نام درج ہیں ان میں حضرت حمزہ رضہ اور حضرت جعفر طیار رضہ کے نام ہر حیثیت سے نمایاں ہیں۔ حضرت حمزہ رضہ نے اس وقت اسلام کی خدمت کی تھی اور اپنی پاک روح کو اسلام پر قربان کیا تھا جب کہ کفر و اسلام کا زبردست مقابلہ تھا بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ جس وقت کفر اسلام کے خاتمہ پر تلا ہوا تھا اور اسلام کی کمزوری سارے عرب میں نمایاں تھی اور حضرت جعفر طیار رضہ نے اس وقت اسلام پر جاں نثاری کی تھی جب کہ بیرونی دشمنوں یا مسیحیوں سے اسلام کا مقابلہ شروع ہوا ہے۔

حضرت جعفر رضہ کو حبشہ سے آئے ہوئے صرف ایک سال گذرا تھا اور اس درمیان میں عمرو بن العاص اور خالد بن ولید جیسے بہادر اور شجاع اسلام کے حلقہ میں داخل ہو چکے تھے کہ حضرت سرور عالم صلعم کو رومیوں سے نبرد آزما ہونے کا خیال پیدا ہوا اور شام کی طرف ایک لشکر روانہ کرنے کا آپ نے ارادہ فرما لیا چنانچہ ۳ ہزار فدایان اسلام کا ایک لشکر تیار کیا گیا۔ جن میں حضرت خالد بن ولید بھی شریک تھے جب یہ لشکر روانہ ہوا تو حضور

سرورِ عالم صلعم نے سپاہ کا علم حضرت زید بن حارثہ کو مرحمت فرمایا اور حکم دیا کہ اگر زید شہید ہو جائیں تو نشانِ اسلام جعفر طیار رضہ کے سپرد کیا جائے اور جعفر طیار رضہ شہید ہو جائیں تو عبداللہ بن رواحہ کو اور وہ بھی شہید ہو جائیں تو مسلمانوں کو اختیار ہے جس کو چاہیں اپنا امیر بنا لیں۔

حضرت جعفر طیار رضہ نے یہ حکم سنا تو آگے بڑھ کر حضور صلعم سے عرض کیا: "مجھ کو امید نہ تھی کہ آپ زید بن حارثہ کو مجھ پر امیر بنائیں گے"، حضور صلعم نے فرمایا: "جعفر رضہ تم نہیں جانتے بہتر کا کس میں ہے اس بات کا خیال دل سے دور کر دو اور جو حکم میں نے دیا اس پر عمل کرو۔"

واقعہ یہ ہے کہ حضرت رسول مقبول صلعم کو ان تمام باتوں کا علم ہو گیا تھا جو اس جنگ میں پیش آنے والی تھیں اس لیے آپؐ نے تمام باتوں کو اچھی طرح سمجھا دیا اور اس کے بعد فوج کو رخصت کر دیا۔

یہ لشکر مدینہ سے روانہ ہو کر شام کی طرف روانہ ہوا صرف تین ہزار آدمیوں کی جمعیت تھی یہاں پہونچ کر معلوم ہوا کہ روم کا بادشاہ ہرقل مقام مواب میں قیام پذیر ہے جس کے ساتھ دو لاکھ رومی سپاہی اور نصارائے عرب ہیں اور وہ مسلمانوں کی نقل و حرکت کو دیکھ رہا ہے اسلامی لشکر دو رات معان میں قیام پذیر رہا اور افسرانِ سپاہ باہم یہ مشورہ کرتے رہے کہ افواجِ مقابل کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ حضرت رسول اللہ صلعم کو خط لکھ کر حملہ کی بابت دریافت کیا جائے اور امداد مانگی جائے عبداللہ بن رواحہ نے جب لوگوں کو مذبذب پایا تو ان کے درمیان کھڑے ہو کر بلند آواز سے کہا: "مسلمانو! تم شہادت کی جستجو میں آئے ہو یہ کیں و پیش پھر کیسا۔ ہم کافروں سے اپنی تعداد اور قوت کے بھروسہ پر نہیں لڑتے بلکہ دینِ اسلام کی طاقت سے اور اسلام کے لئے لڑتے ہیں تذبذب کی ضرورت نہیں ہے آگے بڑھو اور مقام موتہ پر پہنچ کر اپنی صفوں کو ترتیب دو اور دشمنوں سے لڑو یقیناً دو نیکیوں میں سے ایک نیکی کے ہم مالک ہوں گے یعنی یا تو ہم دشمنوں پر فتح حاصل کریں گے اور یا ہم کو شہادت نصیب ہوگی۔"

عبداللہ بن رواحہ کے ان الفاظ نے مسلمانوں میں تازہ روح پھونک دی زید بن حارثہ سالارِ لشکر ایک ہاتھ میں نیزہ اور دوسرے ہاتھ میں نشانِ فتح لے کر اٹھ کھڑے ہوئے اور موتہ پہنچ کر ہرقل کے مقابلہ میں فوجوں کو درست کر کے کھڑا کر دیا۔

زید بن حارثہ سالارِ لشکر علمِ اسلام لئے ہوئے لشکر کے آگے کھڑے ہوئے اور دائیں بائیں اسلامی فوج کے بہادروں کو مقرر کیا گیا اور جنگ شروع ہو گئی تین ہزار مسلمانوں کے سامنے ایک لاکھ کا لشکر تھا مگر مسلمانوں نے اس کی پرواہ کی اور نہایت بہادری سے مقابلہ کیا زید بن حارثہ لڑتے لڑتے بہت آگے بڑھ گئے یہاں تک کہ ایک موقعہ پر دشمنانِ اسلام نے ان کو نرغہ میں لے لیا اور تلواروں تیروں سے مار مار کر ان کو شہید کر دیا ان کے شہید ہوتے ہی حضرت جعفر رضہ آگے بڑھے اور اسلام کے جھنڈے کو اٹھا لیا اور دشمنوں سے لڑنے لگے اول تو حضرت جعفر رضہ گھوڑے پر سوار دشمنوں سے مقابلہ کرتے رہے اور خوب دادِ شجاعت دی جس طرف آپ گھوڑے کو اٹھا دیتے دشمنوں کی صفوں کی صفیں برہم ہو جاتیں اور آپ دشمنوں کا خاتمہ کر کے دوسری جانب رُخ کرتے مگر جب آپ کا گھوڑا زخمی ہو کر گر پڑا تو آپ پاپیادہ لڑنے لگے چونکہ آپ کی شجاعت و جانبازی کے کرشمے دشمنانِ اسلام دیکھ رہے تھے اس لئے بہت سے لوگوں کی نظریں آپ پر تھیں ایک موقعہ پر آپ سیدھے ہاتھ میں علم سنبھالے الٹے ہاتھ سے تلوار چلا رہے تھے کہ کسی نے آپ کا داہنا ہاتھ کاٹ ڈالا۔ آپ نے فوراً علم کو بائیں ہاتھ میں لے لیا اور ایک شخص پر علم کو سنبھال کر کھڑے ہو گئے ایک اور دشمن نے آپ کے بائیں ہاتھ کو بھی شہید کر دیا اور عبداللہ بن رواحہ رضہ نے فوراً علم کو سنبھال لیا۔ دشمنوں کا ہر طرف سے نرغہ تھا، تیغ و تبر اور سنان و تیر کی بارش ہو رہی تھی حضرت جعفر طیار رضہ کا بدن زخموں سے پہلے ہی چور تھا جب دونوں ہاتھ کٹ گئے تو آپ گر پڑے اور شہید ہو گئے۔

عبداللہ بن رواحہ بھی تھوڑی دیر کے بعد شہید ہو گئے اور لڑائی کا رنگ بدل گیا مسلمانوں کے تین علم بردار شہید ہو چکے تھے اور متعدد صحابہ کرام لڑائی میں مارے گئے تھے اس لئے مسلمانوں کی ہمت شکستہ ہونے لگی فوراً ثابت بن اقرم نے علم کو اپنے ہاتھ میں لے لیا اور پکار کر کہا مسلمانوں کسی امیر کو منتخب کر لو۔ اسلامی لشکر نے جواب دیا کہ ہم نے تم کو امیر بنا لیا۔ ثابت نے کہا میں امارت کے قابل نہیں ہوں خالد بن ولید کو امیر بناؤ، چنانچہ سب نے خالد بن ولید کو امیر تسلیم کر لیا اور خالد بن ولید نے آگے بڑھ کر علم کو اپنے ہاتھ میں لے لیا اور پھر مسلمانوں میں تازہ روح پیدا کر کے اس زور سے رومیوں پر حملہ کیا کہ وہ پیچھے ہٹ گئے اور خالد بن ولید مسلمانوں کو میدان سے نکال لائے۔

اس جنگ میں جس روز سپہ سالارانِ لشکر شہید ہوئے تھے حضور صلعم نے اسی روز ان کی شہادت کی خبر مدینہ میں دیدی تھی حضرت عبداللہ بن عمر رضہ جو اس معرکہ میں شریک تھے فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت جعفر رضہ کی نعش کو دیکھا تمام جسم زخموں سے چھلنی بنا ہوا تھا صرف جسم کے اگلے حصہ میں ۵۰ زخم تھے اور تمام بدن کے زخم نوے سے زیادہ تھے لیکن کوئی زخم پشت پر نہ تھا۔

جب یہ لشکر مدینہ منورہ میں واپس پہنچا تو حضرت رسول مقبول صلعم کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے حضرت جعفر رضہ کی شہادت کا آپ کو غیر معمولی رنج ہوا تھا اور آپ کے چہرے سے حزن و ملال کے آثار نمایاں تھے۔

حضرت جعفر رضہ کی بیوی حضرت اسماء بیان فرماتی ہیں کہ میں آٹا گوندھ چکی اور بچوں کو نہلا کر کپڑے پہنا رہی تھی کہ حضور صلعم تشریف لائے

اور فرمایا۔ جعفر رضؓ کے بچوں کو میرے پاس لاؤ۔ میں نے بچوں کو حاضر خدمت کیا تو آپ آبدیدہ ہو کر ان کو پیار کیا۔ میں نے عرض کیا میرے ماں باپ حضورؐ پر فدا ہوں آپ آبدیدہ کیوں ہیں؟ کیا جعفر رضا اور ان کے ساتھیوں کے متعلق کوئی خبر آئی ہو فرمایا ہاں وہ شہید ہو گئے یہ سن کر میں رونے اور چلانے لگی محلہ کی عورتیں جمع ہو گئیں۔ حضورؐ باہر تشریف لے گئے اور فرمایا [illegible] جعفرؓ کا خیال رکھنا آج وہ اپنے ہوش میں نہیں ہیں۔ حضرت فاطمہؓ نے جب اپنے چچا کی شہادت کا حال سنا تو آہ چچا۔ آہ چچا۔ کہتی ہوئی حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئیں آپ نے فرمایا بے شک جعفر جیسے شخص پر رونے والیوں کو رونا چاہیئے۔

حضرت جعفر رضؓ کی شہادت کا حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سخت صدمہ ہوا اتنا صدمہ ہوا کہ آپ اس غم میں مبتلا رہتے یہاں تک کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آپ کو یہ بشارت دی کہ خدا وند تعالیٰ نے حضرت جعفر کو دو پر دیئے ہیں بازوؤں کے بدلے میں وہ ان سے بازو جنت فرشتے ہیں جن سے وہ ملائکہ جنت کے ساتھ مصروف پرواز رہتے ہیں اس بشارت کے بعد حضرت جعفر رضؓ کا لقب ذوالجناحین ہو گیا اور بعض لوگ ان کو جعفر طیار رضؓ (اڑنے والے) کہنے لگے۔

حضرت جعفر رضؓ سے حضورؐ کو بے حد محبت تھی آپ ان سے اکثر فرمایا کرتے تھے کہ جعفر! تم صورت اور سیرت میں مجھ سے بہت مشابہ ہو۔ حضرت ابو ہریرہ رضؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہؐ کے بعد جعفرؓ سب سے افضل ہیں۔ حضرت جعفر رضؓ نہایت کشادہ دل اور سخی انسان تھے غربا و مساکین کو کھانا کھلانے میں آپ کو خاص لطف حاصل ہوتا تھا یہاں تک کہ اس معاملہ میں حضورؐ نے آپ کو ابو المساکین کے لقب سے ملقب کر دیا تھا۔

صرف حضورؐ ہی نہیں آپ کے خاندان کا ہر فرد آپ سے محبت کرتا تھا جس کا اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے جو آپ کے صاحبزادے حضرت عبداللہ رضؓ سے منقول ہے وہ فرماتے ہیں کہ جب کبھی میں اپنے چچا حضرت علی رضؓ سے کچھ مانگتا تو وہ انکار کر دیتے مگر جب میں نے والد جعفر رضؓ کا واسطہ دیتا تو کچھ نہ کچھ ضرور دے دیتے۔ حضرت جعفر رضؓ کے تین بیٹے تھے، عبداللہ۔ محمد اور عون ان میں سے صرف عبداللہ رضؓ سے نسل چلی اور باقی لاولد مرے۔

صحابیات

حضرت اسماء بنت ابی بکر صدیق رض

(از سعادت عابد میرٹھ)

آپ کا نام نامی و اسم گرامی اسماء ہے آپ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی ہیں ان کی والدہ کا نام قتیلہ تھا آپ کے حقیقی بھائی عبداللہ بن ابی بکر رض تھے اور حضرت عائشہ رض ان کی سوتیلی بہن تھیں یہ ان سے عمر میں چھوٹی تھیں۔

ان خصوصیات و انتسابات گرامی کے لحاظ سے آپ عالم اسلام کی ایک گراں قدر ہستی اور عالم نسواں کے لئے ایک بہترین نمونہ ہیں جن کا علم و عمل موجودہ دور کی مسلم خواتین کے لئے سرمایہ عبرت و بصیرت ہے کیونکہ یہ وہ خاتون ہیں جن کی تربیت اس ہستی کی جو رسول اللہ کے یار غار خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق رض تھے۔

آپ کا لقب ذات النطاقین ہے جو آپ کے ابدی کمالات اور بے پناہ محبت کا جذبہ پوشیدہ رکھتا ہے اس لقب کے متعلق روایت ہے کہ بعثت و ترقی کے پانچ برس بعد اور حق و صداقت کے دشمنوں یعنی کفار مکہ نے مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کر دیا تو رسول خدا صلعم نے باذن الٰہی تمام مسلمانوں کو حکم دیدیا کہ آپ مکہ سے مدینہ کو ہجرت کر جائیں تاکہ افق مدینہ سے اسلامی عظمت و اقبال کا آفتاب طلوع ہو اور حضور نے خود بھی اپنے یار غار صدیق اکبر رض کو ہمراہ لیکر ہجرت فرمائی، دو میل آپ نے طے کئے تھے کہ فاصلہ پر غار ثور میں جلوہ افگن ہوئے کفار نے ہر جگہ تلاش کیا مگر اس میں وہ ناکام رہے، چونکہ آپ حفاظت خدا وندی میں تھے اس لئے آپ کو کوئی بھی نہ دیکھ سکا آپ غار ثور سے مدینہ تک پہونچ گئے تھے (غار ثور کا مکمل حال کسی آئندہ نمبر میں ملاحظہ فرمایئے) جتنی مدت حضور اور صدیق اکبر رض غار ثور میں جا کر رہے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے عظیم الشان خدمت سرانجام دی کہ روزانہ کھانا پہنچاتی تھیں اور کھانا کر بھیجا کرتی تھیں تیسرے روز جب آپ کھانا لے کر گئیں تو سرکار دو عالم نے فرمایا کہ ہم علی سے جا کر کہہ دینا کہ آج کی رات کرایہ کا اونٹ ایک واقف راہ شخص بھیج دیں چنانچہ دوسرے روز حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اس حکم کی تعمیل کی اور ایک راہبر بھیجا اور حضرت اسماء رض بھی تین روز کا ناشتہ لیکر پہنچیں [illegible] رسی کی ضرورت تھی اور جلدی کی جب جلدی کی تو کوئی رسی نہ ملی [illegible] اپنا نطاق کمر سے کھول کر [illegible] دربار نبوت میں حاضر ہوئیں اس خدمت کے صلہ میں دربار [illegible] لقب ملا جو اہل عالم اسلام میں مشہور ہے [illegible] یاد سے عربی میں نطاق [illegible]

آپ کی ولادت و نکاح

آپ [illegible] ہجرت سے ۲۷ سال [illegible] اس وقت آپ کے والد محترم حضرت ابوبکر رض کی عمر [illegible]

[illegible] کی شادی حضرت زبیر بن العوام [illegible] پھوپھی زاد بھائی تھے آپ جلیل القدر صحابی [illegible] السابقین میں سے آپ سترہ آدمیوں کے بعد مسلمان ہو گئے تھے۔

جب آنحضرت صلعم اور حضرت ابوبکر صدیق رض ہجرت کرکے مدینہ منورہ پہنچے اور اطمینان حاصل ہوا تو آپ حضور کو ان مستورات کو بلانے کی فکر ہوئی جو مکہ میں رہ گئی تھیں چنانچہ آنحضرت صلعم نے زید بن حارثہ رض اور ابو رافع رض کو مکہ روانہ کیا ادھر حضرت ابوبکر رض نے بھی [illegible] حضرت اسماء [illegible] ان کے حق میں [illegible] ولادت با سعادت [illegible]

آپ کے حالات و اطوار

[illegible]

[illegible] خانہ داری کو نہایت خوش اسلوبی سے چلاتی تھیں آپ کے شوہر حضرت زبیر [illegible] سامانی، تنگدستی کے باعث [illegible] خانہ داری [illegible] اس کی داستان آپ خود اپنی زبان بیان فرماتی ہیں جس وقت میری شادی حضرت زبیر رض سے ہوئی تو اس وقت [illegible]

[illegible]

مذہبی معلومات

معاشیات اور اسلام

(از جناب مولوی محمد عوث صاحب ...)

... اسلام میں کسب حلال کی بہت تاکید ہے کسان صنعت وحرفت، تجارت ... سے بہت کچھ ہیں جن سے ہمارا اجتناب ہم کو ترقی کی دوڑ میں پیچھا کرنے کا ذمہ دار ہے صرف ملازمت کے ذریعے سے کوئی قوم مرفہ الحال ترقی یافتہ نہیں ہو سکتی اب زمانہ مجبور کر رہا ہے کہ اپنی ہستی خودداری اور وقار کو قائم رکھنے کے لئے مسلمان بھی میدان میں توکل علی اللہ اتریں صنعت وحرفت زراعت وتجارت کو اپنے ہاتھ میں لیں ... کہا گیا ہے کہ

خود عمل تیرا ہے صورت گر تری تقدیر کا
شکوہ کرتا ہے تو بیجا کر مقدر کا ...

حضرت عمرؓ کا قول ہے مَكْسَبَةٌ فِيهَا دَنَاءَةٌ خَيْرٌ مِنْ مَسْأَلَةِ النَّاسِ ... ایسا پیشہ گداگری سے بہتر ہے مسلمانوں کو آپ کی نصیحت تھی لَا تَكُونُوا عِيَالًا عَلَى الْمُسْلِمِينَ مسلمانوں پر اپنی معیشت کا بوجھ مت ڈالو ... (فاروق اعظم)

مسلمان تاجروں کو ہمیشہ یہ ملحوظ رکھنا چاہیے کہ تجارتی کامیابی، فروغ ترقی کے لئے صداقت، دیانت، کفایت، محنت، ہنر، ... خوش مزاجی، اخلاق ... ضروری ہے ... بدمزاجی گراں فروشی ... خیانت سے تجارت کو فروغ نہیں ہو سکتا۔ غلط فہمی کی بنا پر اکثر مسلمان ... تجارت کو حقیر ... تصور کرتے ہیں حالانکہ اسلام میں کسب معیشت بصنعت و حرفت وتجارت کی بے حد فضیلت وارد ہوئی ہے اَلتَّاجِرُ الْأَمِينُ الصَّدُوقُ الْمُسْلِمُ مَعَ الشُّهَدَاءِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ (ابن ماجہ)

اَلتَّاجِرُ الصَّدُوقُ تَحْتَ ظِلِّ عَرْشِ اللّٰهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

... ترجمہ: راستباز امانتدار تاجر کا درجہ شہدا کے برابر ہے قیامت ... کے دن ... عرش کے سایہ میں ہے

حضرت فاروق اعظمؓ ... دوسرے ... کو نصیحت فرماتے تھے کہ ... تجارت کرو ... ایسا نہ ہو کہ ... تمہاری احتیاج ... اور ... تم لوگ ... مسلمانوں پر بوجھ نہ بنو۔ (کنز العمال)

... مبارک ... تجارت ... عبادت ہے (تذکرۃ الاولیاء) ...

جہت دنیا ... فاضل بدن ... مثاش ونقرہ در فرزند وزن

آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس (۱۰) بکریاں (۵۴) اونٹنیاں ... دودھ والی (۲۰) ... (۵) خچر (۳) اور انگوٹھی (۱) غلام وکنیز (۹) بعض ... (نشر الطیب وغیرہ)

فدک خیبر اور بنی نضیر میں زمینیں تھیں ... ازواج مطہرات واہل بیت کے مصارف اس سے ادا ہوتے تھے اور غربا مساکین کو امداد دی جاتی تھی (مدارج النبوۃ)

قرآن وحدیث کے احکام

فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ الخ جب نماز (جمعہ) ختم کر دی جائے تو زمین میں متفرق ہو جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو اور اللہ کو بہت یاد کرو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔ (پ ۲۸ سورہ ۶۲)

تفسیر خازن وغیرہ میں ہے۔ فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ لِلتِّجَارَةِ وَالتَّصَرُّفِ فِي حَوَائِجِكُمْ۔ تم زمین میں منتشر ہو جاؤ واسطے تجارت حوائج کے لئے۔ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ يعني الرزق اور اللہ کا فضل یعنی رزق تلاش کرو (خازن جلد ۴ صفحہ ۲۵۲)

آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا لَأَنْ يَأْخُذَ أَحَدُكُمْ حَبْلَهُ ثُمَّ يَغْدُوَ إِلَى الْجَبَلِ فَيَحْتَطِبَ فَيَبِيعَ فَيَأْكُلَ وَيَتَصَدَّقَ خَيْرٌ لَهُ مِنْ أَنْ يَسْأَلَ النَّاسَ (ق۔ ن۔ مت۔ م) تم میں سے ایک شخص رسی لیکر پہاڑی پر جائے پھر لکڑیاں جمع کرے اور اس کو فروخت کرکے کھائے اور کچھ خیرات کرے تو یہ اس کے لئے گداگری سے بہتر ہے۔

اور ایک حدیث میں وارد ہے اُطْلُبُوا الرِّزْقَ فِي خَبَايَا الْأَرْضِ زمین کے چھپے ہوئے مقامات میں رزق طلب کرو۔

قرآن مجید میں بحری تجارت کا بھی ذکر ہے وَهُوَ الَّذِي سَخَّرَ الْبَحْرَ الخ اور وہی ذات پاک جس نے دریا کو تابع کیا تاکہ تم اس سے تازہ (تازہ) گوشت (مچھلیوں کا) نکال کر کھاؤ اور اس سے زیور (موتی وغیرہ) نکالو تاکہ انہیں پہنو اور اے شخص تو کشتیوں کو دریا میں چلنے والا دیکھتا ہے ... تاکہ تم اس کا فضل (روزی) تلاش کرو ... (پ ۱۴ سورہ ۱۶)

... بحر ... مسلمان ... ۱۱۲ ... ۶ ...

وَقَدْ أَجْمَعَ الْعُلَمَاءُ عَلٰى أَنَّ الْكَسْبَ ... وَاجِبٌ ...

مؤکد اَمُلحقا بِرُتْبَۃِ الْاِیْمَانِ (المنح) یعنی علماء نے اجماع کیا ہے کہ کسب واجب وجوب مؤکد ہے ایمان کے رتبہ سے ملحق (المنح السنیۃ مصنفہ امام شعرانی رح)

رمز الکاسب حبیب اللہ شنو ؛ از توکل در سبب کاہل مشو (مثنوی)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں عَنْ عُمَرَ رض قَالَ اِنِّیْ لَاَرَی الرَّجُلَ فَیُعْجِبُنِیْ فَاَقُوْلُ لَہٗ حِرْفَۃٌ فَاِنْ قَالُوْا لَا سَقَطَ مِنْ عَیْنِیْ (کشف الغمہ) میں کسی آدمی کو دیکھتا ہوں اور وہ مجھے اچھا معلوم ہوتا ہے تو میں دریافت کرتا ہوں کہ کوئی کسب پیشہ بھی کرتا ہے اگر وہ بے روزگار اور بے کار ہے تو میری نظر سے گر جاتا ہے۔

امام شعرانی رحمۃ اللہ نے کہا۔ وَ رَغَّبَتِ الْمَشَایِخُ سَلَفًا وَخَلَفًا عَمَلَ الْحِرْفَۃِ تَبَعًا لِلْقُرْآنِ الْعَظِیْمِ وَالسُّنَّۃِ الشَّرِیْفَۃِ (المنح السنیۃ) حسب اتباع کتاب و سنت، مشائخ سلف و خلف نے کسب کی ترغیب و تحریص دلائی ہے۔ (المنح السنیۃ صفحہ)

دست آلہ لقمہ کردن خیرہ ؛ ہو از دست برسینہ نہیں سپر

الانوار القدسیہ میں لکھا ہے وَاعْلَمْ اَنَّہٗ لَا یُنَافِیْ مَقَامَ اَھْلِ الزُّھْدِ تِجَارَتُھُمْ وَ بَیْعُھُمْ وَسَعْیُھُمْ فِیْ اُمُوْرِ الدُّنْیَا الظَّاھِرَۃِ لِاَنَّ دُنْیَاھُمْ لِاٰخِرَتِھِمْ لِرَبِّھِمْ وَعَلٰی ذٰلِکَ یُحْمَلُ اَصْحَابُ التِّجَارَاتِ وَالْاَمْوَالِ مِنَ الصَّحَابَۃِ وَالسَّلَفِ الصَّالِحِیْنَ وَاِلَیْہِ الْاِشَارَۃُ بِقَوْلِہٖ تَعَالٰی رِجَالٌ لَا تُلْھِیْھِمْ الخ وَبِقَوْلِہٖ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰہِ وَغَیْرِھِمَا مِنَ الْاٰیَاتِ وَلَا یُنَافِیْ ھٰذَا قَوْلُہٗ تَعَالٰی فِیْ حَقِّھِمْ فِیْ اٰیَۃٍ اُخْرٰی مِنْکُمْ مَنْ یُّرِیْدُ الدُّنْیَا وَمِنْکُمْ مَّنْ یُّرِیْدُ الْاٰخِرَۃَ لِاَنَّ الْمُرَادَ مِنْکُمْ مَنْ یُّرِیْدُ الدُّنْیَا اَیْ لِلْاٰخِرَۃِ تُبْذَلُ وَ اِیْثَارًا۔

(ترجمہ) جاننا چاہیئے کہ اہل زہد کی تجارت بیع، اور دنیوی کاروبار کے لئے ان کا سعی منافی زہد نہیں دنیوی کام (بھی) آخرت کے لئے ہے۔ صحابہ اور سلف الصالحین کی تجارت، ثروت اسی پر محمول ہے قرآن مجید میں اسی کا اشارہ ہے رِجَالٌ لَّا تُلْھِیْھِمْ تِجَارَۃٌ وَّ لَا بَیْعٌ عَنْ ذِکْرِ اللّٰہِ الآیہ یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کو اللہ کے ذکر سے نہ کوئی تجارت غافل کرتی ہے اور نہ کوئی خرید و فروخت (پارہ ۱۸ سورہ ۲۴) وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰہِ اور اللہ کا فضل تلاش کرو (پارہ ۲۸ سورہ ۶۲) اس میں کچھ منافات نہیں ہے مِنْکُمْ مَنْ یُّرِیْدُ الدُّنْیَا وَمِنْکُمْ مَنْ یُّرِیْدُ الْاٰخِرَۃَ۔ کیونکہ دنیا کی طلب بھی سخاوت، ایثار، خدمت دین پر مبنی رہے تو وہ بھی آخرت سے متعلق ہے (الانوار القدسیہ مصنفہ امام شعرانی رح جلد ۲ صفحہ ۹۸)

آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ نِعْمَ الْعَوْنُ عَلٰی تَقْوَی اللّٰہِ الْمَالُ وہ دولت بہت اچھی ہے جو معاون ہو تقویٰ میں (دیلمی)

آپ نے فرمایا نِعْمَ الْمَالُ الصَّالِحُ لِلرَّجُلِ الصَّالِحِ (مسند امام احمد) مال صالح مرد صالح کے لئے بہت بہتر ہے۔

حدیث شریف میں ہے۔ مَا اَکَلَ اَحَدٌ طَعَامًا قَطُّ خَیْرًا مِنْ اَنْ یَّاْکُلَ مِنْ عَمَلِ یَدِہٖ وَاِنَّ نَبِیَّ اللّٰہِ دَاوٗدَ کَانَ یَاْکُلُ مِنْ عَمَلِ یَدِہٖ (بخاری) ترجمہ اپنے ہاتھ کی کمائی سے بہتر کوئی کھانا نہیں ہے اور اللہ کے نبی داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ کے عمل سے کھاتے تھے۔"

طَلَبُ کَسْبِ الْحَلَالِ فَرِیْضَۃٌ بَعْدَ الْفَرِیْضَۃِ (مشکوٰۃ) کسب حلال کا طلب کرنا فرض ہے بعد (مذہبی) فریضے کے۔"

ایک اور روایت میں ہے۔ طَلَبُ الْحَلَالِ وَاجِبٌ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ (دیلمی) طلب حلال ہر مسلمان پر واجب ہے۔

ترمذی شریف میں ہے اِنَّ اَطْیَبَ مَا اَکَلْتُمْ مِنْ کَسْبِکُمْ (ترمذی) سب سے پاکیزہ مال وہ ہے جو تم اپنے کسب سے کماتے ہو۔

طَلَبُ الْحَلَالِ جِھَادٌ (کنز العمال) حلال مال کا طلب کرنا ثواب میں (بمنزلہ) جہاد کے ہے۔

حضرت آدم زراعت کرتے تھے حضرت نوح نجار تھے۔ حضرت ابراہیم بزاز (تاجر پارچہ) تھے۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا عَلَیْکَ بِالْبَزِّ فَاِنَّ صَاحِبَ الْبَزِّ یُعْجِبُہٗ اَنْ یَّکُوْنَ النَّاسُ بِخَیْرٍ وَّ فِیْ خِصْبٍ (یعنی) کپڑے کی تجارت کرو کیونکہ کپڑے کے تاجر کو یہ بھلا معلوم ہوتا ہے کہ لوگ خوش حال، و فارغ البالی میں رہیں (کنز العمال)

حضرت داؤد م بکتر بناتے تھے حضرت سلیمان با وجود جلیل القدر و عظیم الشان بادشاہ ہونے کے زنبیل بناتے تھے، حضرت ادریس خیاط اور حضرت ذکریا م نجار تھے۔

صحابۂ کرام، اہل بیت عظام تجارت و کسب کرتے تھے، حضرت صدیق اکبر رض حضرت فاروق اعظم رض اور حضرت عثمان ذو النورین رض کی تجارت پارچہ و غلہ، کھجور، چمڑے کی تھی (مظاہر حق وغیرہ جلد ۳ ص ۳۰) امام نخعی رح سے منقول ہے وَقَالَ النَّخَعِیُّ کَانَ عُمَرُ یَتَّجِرُ وَھُوَ خَلِیْفَۃٌ حضرت عمر رض فاتح روم و عجم بحالت خلافت تجارت کیا کرتے تھے (تاریخ الخلفاء)

حضرت ابوبکر صدیق رض کا ایک عظیم الشان کارخانہ مقام سنخ میں قائم تھا جہاں آپ کپڑے کی تجارت کرتے تھے (الاصابہ)

حضرت عمر رضہ بھی تجارت کرتے تھے (مسند امام احمد رح)

حضرت عثمان غنی رضہ بنو قینقاع کے بازاروں میں کھجوروں کی تجارت کرتے تھے اور انہوں نے بڑی ترقی حاصل کی۔

حضرت عمر رضہ کی تجارت نے تو اتنی وسعت اختیار کر لی تھی کہ اس کی شاخیں ایران تک پھیل گئی تھیں (مسند) اسی طرح دیگر صحابہ کرام رضہ نے بھی تجارتیں کی ہیں۔

اِنَّ كَسْبَ الْحَلَالِ فَرِيْضَةٌ وَبَانَ عَلِيًّا سَيِّدَ الْعَرَبِ كَانَ يُؤْجِرُ نَفْسَهُ لِلْيَهُوْدِ كُلَّ دَلْوٍ يَنْزِعُهُ مِنَ الْبِئْرِ بِتَمْرَةٍ۔ حضرت علی رضہ فاتح خیبر کتابت فلاحت کرتے تھے (ردمختار وغیرہ جلد ۳ صفحہ ۹۳۸)

عَنِ ابْنِ عُمَرَ كُنْتُ اَبِيْعُ الْاِبِلَ بِالْبَقِيْعِ بِالدَّنَانِيْرِ فَاٰخُذُ مَكَانَهَا الدَّرَاهِمَ فَاٰخُذُ مَكَانَهَا الدَّنَانِيْرَ فَاَتَيْتُ النَّبِيَّ فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لَهٗ فَقَالَ لَا بَاْسَ اَنْ تَاْخُذَهَا بِسِعْرِ يَوْمِهَا مَا لَمْ تَفْتَرِقَا وَبَيْنَكُمَا شَيْءٌ۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضہ اونٹ اور چاندی سونے کے سکوں کی تجارت کرتے تھے (ترمذی شریف)

الزوار القدسیہ میں ہے فَالْاِشْتِغَالُ بِالْحِرْفَةِ الَّتِيْ تُغْنِيْ عَنِ النَّاسِ اَوْلٰى وَاَفْضَلُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ مِنَ الْاِشْتِغَالِ بِمَا لَا يَحْتَاجُ بِهٖ مِمَّا يَكُوْنُ حُجَّةً عَلَيْهِ (الزوار) کسب و پیشہ میں مشغول رہنا جو گداگری مفت خوری سے بچاتا ہو وہ دنیا اور آخرت میں بہتر ہے اس بے کاری سے جس کی بازپرس نہ ہوگی۔ (الانوار) ہم لوگوں نے کاہلی رہبانیت مفت خوری کا نام زہد و قناعت رکھ لیا جس کا اسلام کی تعلیم سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔

عَنْ نَافِعٍ قَالَ دَخَلَ شَابٌّ قَوِيٌّ الْمَسْجِدَ وَبِيَدِهٖ مَشَاقِصُ وَهُوَ يَقُوْلُ مَنْ يُعِيْنُنِيْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَدَعَا بِهٖ عُمَرُ فَاُتِيَ بِهٖ فَقَالَ مَنْ يَسْتَاْجِرُ مِنِّيْ هٰذَا يَعْمَلُ فِيْ اَرْضِهٖ فَقَالَ رَجُلٌ مِّنَ الْاَنْصَارِ اَنَا يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ بِكَمْ تَاْجُرُهٗ كُلَّ شَهْرٍ قَالَ بِكَذَا وَكَذَا قَالَ خُذْهُ فَانْطَلَقَ بِهٖ فَعَمِلَ فِيْ اَرْضِ الرَّجُلِ شُهُوْرًا ثُمَّ قَالَ عُمَرُ لِلرَّجُلِ مَا فَعَلَ اَجِيْرُنَا قَالَ صَالِحٌ يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ قَالَ ائْتِنِيْ بِهٖ وَبِمَا اجْتَمَعَ لَهٗ مِنَ الْاَجْرِ فَجَاءَ بِهٖ وَبِصُرَّةٍ دَرَاهِمَ فَقَالَ خُذْ هٰذَا فَاِنْ شِئْتَ فَالْاٰنَ اَغْزُ وَاِنْ شِئْتَ فَالْاٰنَ اُقْعُدْ وَاِنْ شِئْتَ فَاخْرُجْ۔

نافع سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک جوان ہٹا کٹا مسجد نبوی میں آیا اس کے ہاتھ میں ترکش تھا اور وہ کہتا تھا راہ خدا میں کون میری مدد کرتا ہے۔ عمر رضہ نے اسے بلوایا وہ حاضر کیا گیا، آپ نے فرمایا اسے کون مزدوری پر لے جائے گا تاکہ اس کی زمین میں یہ کام کرے انصار میں سے ایک نے کہا امیر المؤمنین اس سے میں کام لیتا ہوں (انصار کا پیشہ زراعت تھا، حضرت کاشت کیا کرتے تھے مہاجرین تجارت پیشہ تھے) حضرت عمر رضہ نے فرمایا کہ تم ہر مہینہ اسے کیا مزدوری دوگے؟ انہوں نے کہا کہ اتنی مزدوری دوں گا۔ حضرت عمر رضہ نے فرمایا کہ لے جاؤ چنانچہ وہ انصاری اسے لے گئے اور اس مزدور نے ان کی زمین میں کئی مہینے کام کیا۔ ایک مرتبہ حضرت عمر رضہ نے اس انصاری سے پوچھا ہمارے مزدور نے کچھ کام بھی کیا؟ انصاری نے کہا اچھا کام کیا آپ نے فرمایا اسے میرے پاس حاضر کرو۔ اور اس کی جو کچھ اجرت جمع ہوئی ہو وہ بھی لے آؤ اس کو لایا گیا اور ساتھ ہی درہم کی تھیلی بھی لائی گئی، حضرت عمر رضہ نے اس مزدور سائل سے فرمایا یہ تھیلی لے لے اور اب تجھے اختیار ہے خواہ جہاد کر خواہ بیٹھا رہ (کنز العمال)

محنت مشقت کسب کی اسلام میں بے حد تاکید کی گئی ہے جس کے ترک کرنے سے مسلمانوں کی حالت نہایت خراب اور پست ہو گئی ہے اس پر فضول خرچی نے ان کو نہایت مصائب میں مبتلا کر دیا ہے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

لَاَنْ يَّحْتَطِبَ اَحَدُكُمْ حُزْمَةً عَلٰى ظَهْرِهٖ خَيْرٌ لَّهٗ مِنْ اَنْ يَّسْاَلَ اَحَدًا فَيُعْطِيَهٗ اَوْ يَمْنَعَهٗ (بخاری)	لکڑیوں کا گٹھا اپنی پشت پر لادنا سوال (گداگری) کرنے سے بہتر ہے کوئی اس کو دے گا اگر کوئی دے گا یا منع کرے گا۔

لَقِيَ عُمَرُ رض بْنُ الْخَطَّابِ نَاسًا مِّنْ اَهْلِ الْيَمَنِ فَقَالَ مَنْ اَنْتُمْ فَقَالُوْا الْمُتَوَكِّلُوْنَ قَالَ كَذَبْتُمْ مَا اَنْتُمْ مُتَوَكِّلُوْنَ اَلْمُتَوَكِّلُ رَجُلٌ اَلْقٰى حَبَّةً فِي الْاَرْضِ وَتَوَكَّلَ عَلَى اللّٰهِ۔ حضرت عمر رضہ بعض لوگوں سے ملے جو اہل یمن سے تھے آپ نے پوچھا تم کون ہو انہوں نے کہا ہم متوکل ہیں۔ آپ نے فرمایا تم نے غلط کہا متوکل تم نہیں ہو، وہ شخص متوکل ہے جو زمین میں دانہ ڈالے اور خدا پر بھروسہ کرے ؎

گر توکل می کنی در کار کن ٭ کسب کن پس تکیہ بر جبار کن (مثنوی)

يَا عَبْدِيْ حَرِّكْ يَدَكَ اُنْزِلْ عَلَيْكَ الرِّزْقَ۔ یعنے اے میرے بندے حرکت دے اپنے ہاتھ کو (یعنی کسب کر) میں رزق نازل کر دوں گا تجھ پر (حدیث قدسی)۔

جھوٹے بچے آنحضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ۔ اِسْعَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَتَبَ عَلَيْكُمُ السَّعْيَ۔ معاش کے لئے کوشش کرو خدا نے تم پر کوشش فرض کی ہے (ابو داؤد ۱۵ مئی)

آپ نے فرمایا اِنَّ اللّٰہَ یُبْغِضُ الشَّابَّ الْفَارِغَ اللہ جل شانہٗ کاہل بیکار جوان کو ناپسند کرتا ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ اَنْ یَّرَی الْعَبْدَ مُحْتَرِفًا اللہ تعالےٰ اپنے بندہ کو کسب پیشہ کی حالت میں دیکھنا پسند کرتا ہے (طبرانی)

مَنْ سَعٰی عَلٰی عِیَالِہٖ فَفِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ۔ جو شخص اپنے معاش کے لئے کوشش کرتا ہے تو گویا وہ راہ خدا میں ہے (طبرانی)

اَلتَّاجِرُ الْجَبَانُ مَحْرُوْمٌ وَالتَّاجِرُ الْجَسُوْرُ مَرْزُوْقٌ کم ہمت تاجر ناکام رہتا ہے اور مستقل مزاج کامیاب ہوتا ہے (کنز العمال)

آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا اَلتَّاجِرُ الصَّدُوْقُ تَحْتَ ظِلِّ عَرْشِ اللّٰہِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ ۔ راست باز تاجر قیامت میں عرش کے زیر سایہ رہے گا۔

اَلْعِبَادَۃُ سَبْعُوْنَ بَابًا اَفْضَلُھَا طَلَبُ الْحَلَالِ ۔ عبادت کے ستر باب ہیں طلب معاش حلال ان میں فاضل ترہے (دیلمی)

آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ۔ اَفْضَلُ الْکَسْبِ عَمَلُ الرَّجُلِ بِیَدِہٖ آدمی کا اپنے ہاتھ سے کام کرنا افضل کسب ہے۔

دیلمی کی روایت میں ہے لَمَّا خَلَقَ اللّٰہُ الْمَعِیْشَۃَ جَعَلَ الْبَرَکَۃَ فِی الْحَرْثِ وَالْغَنَمِ ۔ اللہ تعالےٰ نے جب معیشت کے اسباب پیدا کئے تو کھیت اور بکریوں بھیڑوں میں برکت رکھی (دیلمی)

خَیْرُ الْمَالِ الْعَقَارُ ۔ بہتر مال مکان ہے (مسند)

مَنْ کَانَ لَہٗ اَرْضٌ فَلْیَزْرَعْھَا صحیحین میں ہے جس کی ملک میں زمین ہے تو چاہیئے کہ وہ اس میں زراعت کرے (رواہ الشیخان)

اُحْرُثُوْا فَاِنَّ الْحَرْثَ مُبَارَکٌ ۔ کھیتی باڑی مبارک پیشہ ہے (ابوداؤد)

بَاکِرُوْا فِیْ طَلَبِ الرِّزْقِ وَالْحَوَائِجِ فَاِنَّ الْغُدُوَّ بَرَکَۃٌ وَّنَجَاحٌ ۔ حوائج اور رزق صبح سویرے طلب کرو صبح کا وقت برکت اور کامیابی کا ہے (جامع الصغیر)

حضرت عبداللہ بن مبارک کا قول ہے مَنْ تَرَکَ السُّوْقَ ذَھَبَتْ مُرُوْءَتُہٗ وَسَاءَ خُلُقُہٗ ۔ جس نے بازار (تجارت) چھوڑ دیا اس کی وقعت جاتی رہی اور سوء خلقی میں گرفتار ہوگیا (تنبیہ ابو اللیث سمرقندی)

مذکورالصدر احکام سے ظاہر ہے کہ جائز طور پر کسب معیشت ممنوع نہیں ہے بلکہ دین میں داخل ہے جس کے ترک کر دینے سے مسلمانوں میں گداگری کی کثرت حد اعتدال سے متجاوز ہوگئی ہے۔

مسلمان تاجروں کیلئے ضروری ہدایتیں

حدیث شریف میں ہے عن معاذ رضی اللہ عنہ

اِنَّ اَطْیَبَ الْکَسْبِ کَسْبُ التُّجَّارِ الَّذِیْنَ اِذَا حَدَّثُوْا لَمْ یَکْذِبُوْا وَاِذَا ائْتُمِنُوْا لَمْ یَخُوْنُوْا وَاِذَا وَعَدُوْا لَمْ یُخْلِفُوْا وَاِذَا اشْتَرَوْا لَمْ یَذُمُّوْا وَاِذَا بَاعُوْا لَمْ یُطْرُوْا وَاِذَا کَانَ عَلَیْھِمْ لَمْ یَمْطُلُوْا وَاِذَا کَانَ لَھُمْ لَمْ یُعَسِّرُوْا (رواہ بیہقی)

ترجمہ:- پاکیزہ ترین کمائی تاجروں کی کمائی ہے اور ان کی شان یہ ہونا چاہیئے کہ گفتگو کرتے ہیں تو جھوٹ نہیں بولتے۔ جب ان کے پاس امانت رکھی جاتی ہے تو خیانت نہیں کرتے اور جب وعدہ کرتے ہیں تو اس کے خلاف نہیں کرتے اگر خریدتے ہیں تو اس چیز کی برائی نہیں کرتے اگر بیچتے ہیں تو اس کی تعریف کے پل نہیں باندھتے اگر ان پر کسی کا قرض ہوتا ہے تو حوالے نہیں دیتے اور اگر ان کا روپیہ کسی پر نکلتا ہے تو اس پر سختی نہیں کرتے۔

دغا فریب سودی لین دین اور ترک زکوٰۃ ناپ تول میں کمی کرنے سے اجتناب نہایت ضروری ہے حدیث شریف میں ہے۔

لَا یَدْخُلُ الْجَنَّۃَ جَسَدٌ غُذِّیَ بِالْحَرَامِ (مشکوٰۃ) | حرام کے ذریعے سے غذا پایا ہوا جسم جنت میں داخل نہ ہوگا۔

فرمان الٰہی ہے ۔ یَمْحَقُ اللّٰہُ الرِّبٰوا وَیُرْبِی الصَّدَقٰتِ الآیہ ترجمہ اللہ سود کو گھٹاتا اور اس کی برکت زائل کرتا ہے اور خیرات کے ثواب اور برکت کو بڑھاتا ہے (پارہ ۳ سورہ ۲)

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا کَسَبْتُمْ (الآیہ) (ترجمہ اے ایمان والو اللہ کی راہ میں اپنی پاک کمائی دیں) مال حلال خرچ کرو

نان دہی بہر خدا نانت دہند | جان دہی اندر خدا جانت دہند
انفقوا ان نہی لصدقات تو | اینما الخیرات تنسیم الرحیل
تلگفتہ مصطفیٰ بہر نجاۃ | التاجر یا اولی الاعمال بالنجاۃ (مثنوی)

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا الخ جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کئے اور نماز پڑھتے رہے اور زکوٰۃ دیتے رہے انہیں ان کے اعمال حسنہ کا ثواب ان کے رب کے ہاں ملیگا (پارہ ۳ ع ۲)

وَمَا اٰتَیْتُمْ مِّنْ زَکٰوۃٍ تُرِیْدُوْنَ وَجْہَ اللّٰہِ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُضْعِفُوْنَ | اور جو کچھ تم زکوٰۃ دوگے اللہ کی رضا کی خاطر تو وہ کرنے والے دونوں کو کئی گنا کر کے دیا جائیگا۔ (پارہ ۲۱ سورہ ۳۰)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا مَا نَقَصَ مَالٌ مِّنْ زَکٰوۃٍ وَلَا ضَاعَ مَالٌ فِیْ بَرٍّ (ترجمہ زکوٰۃ سے مال میں نقصان نہیں آتا اور نیکی میں خرچ سے مال ضائع نہیں ہوتا (مرشد الطلاب)

بخشش واز دیاد نعمت از زکوٰت | عصمت از فحشاء و منکر و صلوٰت
مال در راہ خدا گر گردد تلف | در عوض تو ہزار گنا حق دہد نفع

جہاں تک ممکن ہو تجارت میں منہمک ہو کر نماز ترک نہ کیجائیں نہ ہی ان کو وقت گذار کر پڑھیں بدبختی سے بعض نمازی بھی تاجر صاحبان نماز کی پرواہ نہ کر کے بیوپار میں مستغرق رہتے ہیں اس کی اصلاح نہایت ضروری ہے۔

مذہب ہی نے انسان بنایا ہے

از علامہ ڈاکٹر سید احمد صاحب ایم اے، پی ایچ، ڈی

ایک زمانہ تھا کہ جب یورپ میں مذہبی جنون کا دور دورہ تھا اور تاریخ شاہد ہے کہ اس تاریک دور میں تو یورپ بھر کے سارے براعظم پر نہ سلاطین کی حکومت تھی نہ قانون کی بلکہ صرف ان پادریوں یا مذہبی پیشواؤں کی حکومت تھی جو مذہب کے نام سے جو چاہتے جائز کو ناجائز اور ناجائز کو جائز کر دکھایا کرتے تھے۔ بدنصیب یورپ پر ایسے ظلم و ستم کے بادل چھائے کہ جن کے صرف خیال سے دل کانپ اٹھتا ہے اور یہ اس لئے نہیں کہ وہ پیشوا کوئی عالم یا ساحر یا جوتشی اور مکار تھے بلکہ صرف اس لئے کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بجائے حضرت موسیٰ کی شریعت کو اپنا پیشوا اور اپنا ہادی تسلیم کرتے تھے اور گو عبادت تو خدا ہی کی کرتے تھے مگر اپنے طریقہ پر کرتے تھے اور عیسائی طریقہ کو پسند نہ کرتے تھے یہودی تو پھر غیر مذہب والے تھے۔ بعض زمانہ میں تو پادریوں کا جنون اس حد تک ترقی کر گیا تھا کہ خود عیسائی مذہب کا ایک فرقہ دوسرے فرقہ کا جانی دشمن تھا۔ اور جب کبھی جو قدرت ملتا تھا تو رومن کیتھولک فرقہ کے پادری پروٹسٹنٹ فرقہ کو تباہ و برباد کر دینے میں کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھتے تھے صدہا انسان جن میں مرد بھی شامل تھے اور عورتیں بھی زندہ جلتی ہوئی آگ میں ڈال دی گئیں۔ اور مقدس پادریوں نے۔ ان ہی پادریوں نے جو مذہب کے پیشوا اور دنیا میں خدا کے نائب یا خلیفہ تھے نہایت ہی خندہ پیشانی سے کھڑے ہو کر انسانی گوشت اور چربی کے جلنے کا تماشا دیکھا اور اس کی بدبو سے اگرچہ فرشتے آسمان تک بھاگ گئے مگر اس مقدس گروہ نے [illegible] ناک کو ذرا بھی نہ [illegible]۔

پاپائے اعظم کے تقدس مآب دربار میں بڑے بڑے شاہان پر جلال کے سر جھک جاتے تھے اور حضرت عیسیٰ مسیح اعظم کے یہ نمائندے اس بات پر فخر کرتے تھے کہ انہوں نے نسل انسانی کی مصیبتوں کے دور کرنے کی تدبیر سوچی ہے بلکہ ان کو اس بات پر فخر ہوتا تھا کہ اپنے ہی جیسے انسانوں اور اپنے ہی جیسے خدا کے بندوں کو تکلیف اور عذاب پہنچانے کا کوئی شدید ترین اور جدید ترین طریقہ ایجاد کر لیا جائے ان کے عجائب خانہ میں آج بھی وہ تمام ہیبت ناک شکنجے اور بعض چرخیاں وغیرہ دیکھ کر روح لرز جاتی ہے جو صرف اسی لئے ایجاد کی گئی تھیں کہ ملحدوں یا بزعم خود کافر انسانوں کو ان میں پھانس کر شدید ترین تکلیف پہنچا کر جسم کے جوڑ جوڑ الگ کر دئے جائیں تاکہ پادری صاحب کو مقدس خوشی ہو سکے۔

اس بربریت اور ظلم کا نام تاریخ لکھنے والوں نے مذہبی جنون رکھا ہے مگر حقیقتاً یہ ان کی غلط فہمی ہے انہوں نے یہ دیکھ لیا کہ جو کچھ کیا جاتا تھا وہ مذہب کا نام لے کر کیا جاتا تھا اس لئے انہوں نے اسے مذہبی جنون کے نام سے تعبیر کیا جو کچھ کیا جاتا تھا اس میں اگرچہ مذہب کی آڑ ضرور لی جاتی تھی مگر اسے خدا پرستی یا مذہب سے کوئی واسطہ نہ تھا۔ بلکہ وہ صرف خود پرستی تھی جسے فرعون صفت پادریوں نے اپنا شعار بنا رکھا تھا اور اس طرح وہ خود بھی اپنی اور اپنے نفس کی پرستش کیا کرتے تھے، اور لوگوں کے دلوں پر ہیبت طاری کر کے ان سے بھی اپنی اور اپنے احکام کی پرستش کراتے تھے۔

مگر فریب، ظلم و عدوان اور فحش و ریا کا یہ دور قائم رہ سکتا تھا اور نہ رہا انقلاب ہوا اور عظیم الشان انقلاب ہوا ایسے لوگ پیدا ہوئے جو ان طاقتوں کی تاب نہ لا سکتے تھے اور جن کو حق بات کے اظہار میں نہ جان کا خوف تھا نہ عزت و آبرو کا۔ چند ہی روز میں ایسے لوگوں کی جماعت خاصی بڑھ گئی اور رفتہ رفتہ وہ خود پرست فرعونوں کا زور توڑ دینے میں کامیاب ہو گئے ہیبت اور بربریت کی سزائیں موقوف ہوئیں اور انسانوں کو ضمیر اور رائے کی آزادی پھر حاصل ہو گئی لیکن اس ردعمل کا نتیجہ بجائے خود بھی کچھ بہت قابل اطمینان نہ نکلا۔ لوگوں کے دلوں میں مذہب کی طرف سے نفرت بیٹھ گئی تھی اور وہ مذہب کے نام سے بیزار تھے وہ نیک بننا چاہتے تھے وہ اچھے کام کرنے کے لئے تھے وہ امن و امان کی زندگی بسر کرنے کے خواہشمند تھے اور وہ ظلم اور ناانصافی کی بیخ کنی کو آمادہ تھے مگر مذہب کے نام سے نہیں انہوں نے ملک کی اصلاح کی مگر خدا کے قانون کے ذریعہ سے نہیں بلکہ اپنے قانون کے ذریعہ سے اور اس طرح اگرچہ وہ خاصے اچھے مذہبی آدمی تھے لیکن انہوں نے کبھی اس کو گوارا نہ کیا کہ اپنے آپ کو کسی مذہب کا پابند خیال کریں۔

عملاً انہوں نے وہی تمام باتیں اختیار کیں جو مذہب نے سکھائی تھیں اور اس طرح گویا انہوں نے صحیح اور سچے مذہب کو رواج دینے کی کوشش کی مگر اس کا نام قانون ہی رکھا اس حالت پر بھی چند صدیاں گزر گئیں، اور اب وہ زمانہ آیا کہ جس طرح پہلے پادری اور پیشوایان مذہب طرح طرح کے مکر و فریب اور ظلم و ستم کیا کرتے تھے اسی طرح اب چالاک اور عیار لوگوں نے قانون کی آڑ میں شکار کھیلنا شروع کر دیا حکومت میں جس طبقہ اور جس خیال کے لوگوں کا زور ہو جاتا وہی چند قوانین ایسے بنا لیتے جو ان کے ہم خیالوں کے لئے مفید ہوتے اور دوسروں کے لئے مضر۔ سرمایہ داروں نے مزدوروں کے خلاف قوانین وضع کئے گورے رنگ کے لوگوں نے کالے رنگ کے آدمیوں کو دبانا شروع کیا۔ سرد

ملکوں کے بسنے والوں کو سرد اور دھوپ کے ملکوں کی تلاش ہوئی اور تہذیب و تمدن یافتہ قوموں پر غلبہ حاصل کر کے ان پر حکمرانی شروع کر دی یہ ناساوی حالت بھی غیر فطری تھی اور انسانی طبیعت کسی طرح اسے گوارا نہ کر سکتی تھی اس لئے پھر ہر طرف بے چینی اور بے اطمینانی پھیل گئی مزدور سرمایہ داروں کے خلاف منظم ہو گئے تمام انسانوں کو مساوی حالت پر لانے کے لئے بالشویک اصول ایجاد کئے گئے جن میں سے بیشتر ناقابل قبول تھے رنگدار قومیں سفید رنگ قوموں سے متنفر ہو چلیں اور گرم ملک والوں کو سرد ملکوں والوں کی چیرہ دستیاں ناگوار گذرنے لگیں نسل انسانی کا وہ وسیع حلقہ جو دنیا کے پانچ یا چھ بر اعظموں پر آباد تھا ان خود غرضیوں اور خود پرستیوں کی بدولت چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں منقسم ہو گیا کسی نے اپنا نام انگریز رکھ لیا کسی نے جرمن کوئی خود کو فرانسیسی کہنے لگا اور کوئی روسی کسی نے اپنا نام ترک یا ایرانی رکھا ور کسی نے چینی اور جاپانی اور اس طرح اس نئے دور میں ایسا کوئی بھی باقی نہ رہا جو اپنے آپ کو انسان کہتا۔

ہندوستان آہستہ آہستہ مغربی اثرات کو قبول کرتا جا رہا ہے اور یہاں بھی ایک جماعت ایسی ہوتی جا رہی ہے جو مذہب کو ایک لغو بے کار چیز خیال کرنے لگی ہے۔ اگر یہی حالت ترقی کرتی رہی تو وہ دن دور نہیں ہے کہ ہندوستانی بھی مغربی اقوام کی طرح مذہب کو بالائے طاق رکھ کر اپنے بنائے ہوئے قوانین پر بجائے خود ایک خود ساختہ مذہب پر عمل پیرا ہو جائیں گے اطمینان قلب اگر اس طرح میسر آ سکے تو خیر اس میں بھی کچھ حرج نہیں مگر جب کہ ہم دیکھتے ہیں کہ خود وہ قومیں جنہوں نے دین و مذہب کو طلاق دیکر بزعم خود آزادی حاصل کی ہے اب پہلے سے زیادہ مبتلائے مصیبت و رنج ہیں اور ان کی زندگی کا ایک لمحہ بھی خونریزی و ہلاکت کے نئے نئے آلے ایجاد کرنے سے خالی نہیں گذرتا تو پھر کچھ میں نہیں آتا کہ وہ کیا چیز ہے جو ہمیں اس بے اطمینانی اور پریشانی کی طرف کھینچ رہی ہے۔

اگر کافی غور کیا جائے تو مذہب سے ہمارے بھاگنے کی اور مغرب کی طرف جھکنے کی وجہ سمجھ میں آ سکتی ہے ہماری چورانوے فی صدی آبادی جاہل مطلق ہے اور ظاہر ہے کہ ایسے جاہل کسی طرح بھی صحیح اور سچے مذہب سے واقف نہیں ہو سکتے اور اس پر بدبختی یہ ہے کہ نام نہاد پیشوایان مذہب کی ایک جماعت ایسی ہم میں بھی پیدا ہو گئی ہے جو مذہب کے نام سے ہر قسم کے جبر و تعدی اور مکر و ریا کو جائز خیال کرنے لگی ہے مذہب اب صرف زبان سے کہہ کر چند جملے ادا کر دینے کا نام رہ گیا ہے اور مذہب کے نام سے عجیب و غریب بدعتیں رائج ہیں کہ جن سے لامذہبوں کو بھی شرم آنے لگے

کچھ عرصہ سے آدمیوں کی تعداد جو بدشواری تین فی صدی ہوگی انگریزی تعلیم حاصل کر کے کچھ تو یوں ہی لیلائے مغرب کی چال کے دلدادہ بن جاتے ہیں اور کچھ یہ دیکھ کر مذہبیوں کی بیہودہ باتوں کا نام ہی مذہب ہے نفرت کرنے لگتے ہیں مذہب کی خرابیاں ان کی نگاہوں کے سامنے ہیں اور مادیت کے عیب ان کی نظروں سے پوشیدہ اس لئے خواہ مخواہ ان کا دل لامذہبیت کی طرف کھنچتا اور آہستہ آہستہ ہم بھی اسی شاہراہ پر چلتے جاتے ہیں جس پر کہ عرصہ سے یورپ گامزن ہے اور رہے ہیں۔ یہ غلط راستہ انتہا کرکے پریشانی اور بے اطمینانی کے سوا اور کچھ حاصل نہ کیا اور یہی چیز ہاسے بھی حصہ میں آئے گی اگر ہم آنکھیں بند کئے اسی طرح ان کے پیچھے چلے گئے یہ واقعہ ہے اور تمام دنیا نے تسلیم کر لیا ہے کہ دل کا اطمینان اگر نصیب ہو سکتا ہے تو صرف اسی وقت جبکہ انسان مادہ پرستی کو چھوڑ کر خدا پرستی کی جانب راغب ہو۔ مادہ پرستی ہماری نظر کو تنگ کر دیتی ہے اور ہم تمام نسل انسانی کی بھلائی چاہنے والے اور بلا کسی تفریق و امتیاز کے ہر انسان کی خدمت کرنے کی بجائے اپنے ذاتی فائدوں کی خاطر اپنی ہمدردی کو صرف اپنی قوم تک صرف اپنے فرقہ تک صرف اپنے خاندان تک اور بالآخر صرف اپنی ذات تک محدود کر لیتے ہیں۔ اس کے برخلاف خدا پرستی ہماری نگاہوں کو وسیع کر دیتی ہے اور ہم بجائے ساتھ اپنے خاندان اپنے فرقہ اپنی قوم حتی کہ تمام ہی نوع انسان کی بھلائی چاہنے لگتے ہیں یہی نہیں بلکہ خدا پرستی ہمیں اس بات پر بھی ابھارتی ہے کہ اپنے ساتھ ساتھ نہیں بلکہ اپنا نقصان کر کے اور اپنے اوپر تکلیف اٹھا کر بھی ہم دوسروں کو بھلائی پہنچائیں مذہب ہمیں ہی سکھلاتا آیا ہے کہ ہم بندوں کی خدمت کر کے خدا کی خوشنودی حاصل کریں خدا رب العالمین ہے اسے اپنے بندوں سے بڑی محبت ہے اور ہمیں اس جیسا بننے یا اسے خوش کرنے کی کوشش کرنے کے لئے اس کے بندوں سے محبت اور ان کی خدمت کرنی پڑے گی یہ بات ہمیں مذہب ہی سکھا سکتا ہے بشرطیکہ اسے لغویات سے آلودہ نہ کر دیا گیا ہو اور یہ حقیقت ہے کہ مذہب سے الگ ہو کر ہم ہرگز انسان نہیں بن سکتے۔

ضروریاتِ دین

گذشتہ سے پیوستہ

از حضرت علامہ مفتی سید نذیر الحق صاحب قادری

تفسیر درمنثور کی یہ روایت اس قسم کے تمام خلجان اور شبہات کا ازالہ کر دیتی ہے۔

اخرج عبد بن حمید و ابن المنذر عن شھر بن حوشب فی قولہ تعالی وان من اھل الکتاب الا لیومنن بہ قبل موتہ عن محمد بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ھو ابن الحنفیۃ قال لیس من اھل الکتاب احد الا اتتہ الملائکۃ یضربون وجھہ و دبرہ ثم یقال یا عدو اللہ ان عیسی روح اللہ و کلمتہ کذبت علی اللہ و زعمت انہ اللہ ان عیسی لم یمت وانہ رفع الی السماء وھو نازل قبل ان تقوم الساعۃ فلا یبقی یھودی ولا نصرانی الا امن بہ۔

محمد بن علی بن الحنفیۃ رح سے آیت وان من اھل الکتاب الخ کی تفسیر میں منقول ہے کہ ہر کتابی کے پاس فرشتے آتے ہیں اور اس کے منہ پر آگے پیچھے مارتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ اے اللہ کے دشمن تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ سمجھتا تھا تو اللہ پر جھوٹ بولتا تھا سُن لے کہ ابھی عیسیٰ علیہ السلام کی وفات نہیں ہوئی وہ آسمان پر زندہ اٹھا لئے گئے ہیں اور وہ قیامت کے قریب نازل ہوں گے اور اس وقت کوئی یہودی اور نصرانی ایسا باقی نہ رہے گا جو اس بات پر ایمان نہ لائے کہ حضرت عیسیٰ ع خدا نہیں وہ زندہ اٹھائے گئے اور قیامت کے قریب آسمان سے نازل ہوں گے۔

حافظ عماد الدین ابن کثیر رح نے اپنی تفسیر کے اندر گیارہ صفحوں میں باسناد جیدہ صحیحہ احادیث متواترہ سے ثابت کیا ہے کہ قیامت کے قریب عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نازل ہوں گے اور نزول عیسیٰ ع کے بعد کوئی شخص ایسا باقی نہ رہے گا جو آپ پر آپ کی وفات سے پیشتر ایمان نہ لے آئے اور یہ قرآنی پیشین گوئی پوری نہ ہو جائے۔

الجواب الصحیح جلد ۲ صفحہ ۲۸۱ و ۲۸۲ پر فرماتے ہیں۔

وان من اھل الکتاب الخ کی تفسیر اکثر علماء نے یہ کی ہے کہ اس میں قبل موتہ سے مراد حضرت عیسیٰ کی وفات ہے اور یہودی کی موت بھی بعضوں نے مراد لی ہے مگر یہ ضعیف ہے جیسے کہ کسی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی موت بھی اس سے مراد لی ہے مگر ضعیف ہے جیسے کہ کسی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی موت بھی اس سے مراد لی ہے اور یہ پہلے قول سے بھی زیادہ ضعیف ہے کیونکہ اگر موت سے پہلے ایمان ہو تو نفع دے سکتا ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرتا ہے جب تک بندہ غرغرہ یعنی نزع کی حالت تک نہ پہونچے، اگر یہ کہا جائے کہ ایمان سے مراد ایمان بعد الغرغرہ ہے تو اس میں کوئی فائدہ نہیں اس لئے کہ غرغرہ کے بعد ہر ایک وہ امر جس کا وہ منکر ہے اس پر ایمان لاتا ہے پس مسیح علیہ السلام کی کوئی خصوصیت نہیں اور ایمان سے مراد نافع ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے قَبْلَ مَوْتِہٖ فرمایا ہے نہ بعد موت۔ اگر ایمان بعد غرغرہ مراد ہوتا تو بعد موتہ فرماتا کیونکہ بعد موت کے ایمان بالمسیح یا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں کوئی فرق نہیں ہے اور یہودی یہودیت پر مرتا ہے اس لئے وہ کافر مرتا ہے مسیح اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منکر ہوتا ہے اس آیت میں لَیُؤْمِنَنَّ بِہٖ مقسم علیہ ہے یعنے قسمیہ خبر دی گئی ہے اور یہ مستقبل میں ہی ہوسکتا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ ایمان اس خبر کے بعد ہوگا اور اگر موت کتابی مراد ہوتی تو یوں فرماتے کہ ان من اھل الکتاب الا من یومن بہ اور لَیُؤْمِنَنَّ بِہٖ نہ فرماتے۔

نیز وَاِنْ مِّنْ اَھْلِ الْکِتَابِ عام ہے جس میں ہر ایک یہودی اور نصرانی شامل ہے پس ثابت ہوا کہ تمام اہل کتاب یہود و نصاریٰ مسیح کی موت سے پیشتر ان پر ایمان لائیں گے اور یہ جب ہی ہوسکتا ہے جبکہ مسیح علیہ السلام نازل ہوں گے اس وقت تمام یہود و نصاریٰ ایمان لائینگے

تصریحات بالا سے روز روشن کی طرح ثابت ہوگیا کہ مسیح ع ابھی زندہ ہیں اور قیامت کے قریب نازل ہوں گے آپ پر تمام یہود و نصاریٰ ایمان لائینگے اور اس قرآنی پیشینگوئی کو پورا ہوتے ہوئے دنیا اپنی آنکھوں سے دیکھے گی

ناظرین خدا را انصاف سے بتلائیں کہ مرزا صاحب اسلام کے خادم تھے یا اس کے دشمن؟ کیونکہ اس آیۂ مبارکہ کے متعلق مرزا صاحب کی انتہائی کوشش یہ ہے کہ منشائے ربانی کو بدل دیا جائے حقیقت پر پردہ پڑ جائے اور قرآنی پیشینگوئی پوری نہ ہونے پائے مگر یہ کیسے ہوسکتا ہے جب کہ قرآن حکیم خداوندی حفاظت میں ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو پھر آپ دیکھتے کہ قادیان کس خوبصورتی سے اس کتاب مقدس کو نئے رنگ میں پیش کرتا۔

دوسری دلیل

سورۂ آل عمران میں حضرت حق جل مجدہٗ شانہٗ فرماتے ہیں:

وَمَكَرُوا وَمَكَرَ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِينَ ۝ إِذْ قَالَ اللّٰهُ يَا عِيسَىٰ إِنِّي مُتَوَفِّيكَ وَرَافِعُكَ إِلَيَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا۔

اور فریب کیا کافروں نے اور فریب کیا اللہ نے اور اللہ سب سے زیادہ بہتر تدبیر کرنے والا ہے جس وقت کہ اللہ تعالیٰ نے کہا اے عیسیٰ! میں تجھ کو بھروں گا اور اٹھاؤں گا اپنی طرف اور پاک کردوں گا کافروں سے الخ

اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ علما یہود نے اس وقت کے یہودی بادشاہ کو بہکایا کہ یہ شخص یعنی حضرت علیہ السلام ملحد ہے توریت کے احکام کے خلاف لوگوں کو نئے احکام کی طرف بلاتا ہے اور ہمارے مذہب کی بیخ کنی کرنا چاہتا ہے اس لئے آپ کو اس کا کچھ تدارک کرنا چاہیئے، بادشاہ نے اپنے سپاہیوں کو بھیجدیا کہ وہ ان کو پکڑ لائیں یہ حکم پاتے ہی حکومت کے پیادے جا پہونچے آپ کے حواری تو آن کو دیکھتے ہی سرک گئے اور وہ حضرت عیسیٰ ع کو پکڑ لائے اور آپ کو ایک کوٹھری میں اس نیت سے بند کردیا گیا کہ صبح کو سولی دیدی جائے گی اس کوٹھری سے حق تعالیٰ جل شانہٗ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھالیا اور آپ کی شباہت باقی رہ گئی اس کو یہودیوں نے پکڑ کر سولی پر چڑھادیا۔ اس آیۂ مبارکہ میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

اس آیت سے بھی حیات مسیح ثابت ہوتی ہے مگر اس آیت سے حیات مسیح پر استدلال کرنا چند بحث طلب امور پر موقوف ہے جن کا ذکر کیا جاتا ہے

لفظ توفی کے معنے اور اس کی بحث

آیت مذکورہ میں رفع سے مراد رفع جسمانی ہے اور آیت کا مطلب یہ ہے کہ اے عیسیٰ میں تم کو جسم کے ساتھ اپنی طرف اٹھاؤں گا یہ خدائے تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے وعدہ فرمایا تھا جیسے اللہ تعالیٰ نے اسوقت وفا فرمایا جبکہ یہودی آپ کو سولی دینا چاہتے تھے مگر لفظ توفی کے معنے اور اس کی حقیقت اچھی طرح ذہن نشین کرلینا چاہئے۔

اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ ع سے وعدہ فرماتا ہے کہ اِنِّي مُتَوَفِّيكَ یعنے اے عیسیٰ میں تیرا استوفی ہوں توفی کے حقیقی معنی ہیں اخذ الشیٔ وافیاً یا استیفاء شئ اور یا اتمام شئ ہیں قرآن کریم میں جہاں کہیں یہ لفظ آیا ہے سب جگہ توفی سے استیفاء کمال اور اتمام ہی مراد ہے۔ پس توفی کے معنے لغتاً کسی چیز پر پورے طور پر قبضہ کرنا ہے توفی ماخوذ ہے وفا سے اور وفا کے معنے ہیں پورا ہونا مثلاً کہا جاتا ہے کہ فلانی چیز کافی و وافی ہے یعنی پوری ہے اور ایفا کے معنے ہیں پورا کرنا۔

قاعدہ ہے کہ ماخذ کے معنے ماخوذ کی تمام گردانوں یا صورتوں میں معتبر ہوتے ہیں گو ان کے صیغے اور صورتیں مختلف ہوں اس قاعدہ کی رُو سے ماننا پڑے گا کہ توفی کے معنے میں وفا داخل ہے کیونکہ توفی وفا سے ماخوذ ہے۔

توفی باب تفعل سے ہے یعنے استفعال یعنی پورا لینا ہے چنانچہ لغت کی تمام کتابیں مثلاً صراح، صحاح اور قاموس وغیرہ اور تمام تفاسیر اس معنی پر متفق ہیں یہ امر محتاج ثبوت نہیں کہ لفظ توفی کے حقیقی معنے استیفاء اکمال اور اتمام ہی ہیں لغت عرب میں یہ لفظ حقیقی معنوں ہی میں مستعمل ہوتا ہے اور جہاں موت کے معنے مراد لئے گئے ہیں وہاں بطور کنایہ لئے گئے ہیں اور یہ ہر اہل علم جانتا ہے کہ جب لفظ اپنے معنے میں مستعمل ہو تو حقیقت ہوگا مثلاً کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص کا وصال یا انتقال ہوگیا تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وصال اور انتقال کے حقیقی معنے موت کے ہیں بلکہ یہ لفظ کنایتاً موت پر بھی صادق آجاتا ہے۔

مقدمہ دوسرا یہ ہے کہ توفی ایک جنس ہے جس کی تین نوعیں ہیں ایک موت دوسری نوم اور تیسری اصعاد الی السماء یعنے آسمان پر اٹھانا ان تین نوعوں میں سے کسی نوع کی تعیین کے لئے قرینہ کی ضرورت ہوتی ہے چونکہ آیت زیر بحث میں رفع ایک قرینہ موجود ہے اس لئے لازمی طور پر توفی کے معنے اصعاد الی السماء لئے جائیں گے یعنے لفظ توفی جس چیز سے متعلق ہوگا اس کی نسبت دیکھا جائے گا کہ وہ کیا چیز ہے؟ روح یا غیر روح اگر توفی کا تعلق روح سے ہے تو اس کی دو صورتیں ہیں ایک مع الاساک یعنے پکڑنے کے بعد نہ چھوڑنا اس کا نام موت ہے موت کے مفہوم میں دوام توفی کے مفہوم میں اور بھی داخل ہیں ایک روح دوسرا اساک دوسری قسم توفی کی نیند ہے جس کے مفہوم میں قبض روح اور ارسال دونوں شامل ہیں۔ غرض موت اور نیند دونوں توفی کے فرد یا نوعیں ہیں تفصیل اس صورت میں تھی کہ توفی کا تعلق روح سے ہوا اور اگر توفی کا تعلق غیر روح سے ہو تو وہ بھی جسم مع الروح ہوگا اور انی مُتَوَفِّيكَ سے یہی مراد ہے۔

الحاصل توفی کے معنے کسی شئے کا پورا لے لینا ہے عام اس سے کہ وہ شئے روح ہو یا غیر روح۔ (باقی آئندہ)

اُمّہات الائمہ

(از جناب مولانا ابوالاعلےٰ صاحب مودودی)

شمس العلماء مولوی نذیر احمد صاحب مرحوم کی یہ وہ مشہور کتاب ہے جس نے اب سے کئی سال پہلے ہندوستان میں ایک ہنگامہ برپا کر دیا۔ علماء اسلام نے اس پر اتنا سخت احتجاج کیا کہ آخر کار اس کو جلا دینا پڑا۔ اس وقت سے یہ کتاب ناپید تھی اب مرحوم کے لائق پوتے جناب شاہد احمد صاحب ایڈیٹر رسالۂ ساقی نے اسے دوبارہ شایع کیا ہے۔

مؤلف مرحوم کے متعلق ہم کو یہ معلوم ہے کہ وہ ایک صحیح العقیدہ مسلمان اور وسیع النظر عالم تھے ان کی تالیفات ان دونوں باتوں پر گواہ ہیں۔ اُن کی نیک نیتی بھی اس سے ظاہر ہے کہ انہوں نے اسلام اور پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ پر سے دشمنوں کے اعتراضات رفع کرنے کی کوشش کی اور خود مسلمانوں میں جو لوگ اسلامی تعلیمات میں شکوک رکھتے تھے ان کو مطمئن کرنے کے لئے بارہا اپنی قوت تحریر و تقریر کو استعمال کیا۔ امہات الائمہ بھی انہوں نے اسی نیت سے لکھی تھی کہ دشمنوں نے نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خانگی زندگی اور تعدد ازدواج پر جو اعتراضات کئے ہیں ان کو رفع کریں پس جہاں تک ان کی نیت کا تعلق ہے اس پر کسی قسم کا شبہ کرنے کی گنجائش نہیں ان کے حق میں یہ بدگمانی کرنے کی بھی کوئی وجہ نہیں کہ انہوں نے قصداً حملہ کرنے کی نیت سے اسلام کی مقدس ترین شخصیتوں میں سے کسی پر حملہ کیا ہو گا لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اپنے نیک مقصد کو حاصل کرنے کے لئے انہوں نے جو طریقہ اختیار کیا اس میں سخت غلطیاں کیں اور حد اعتدال سے تجاوز کر گئے کہ محض اُن کے حسن نیت کی رعایت ان کی غلطیوں پر پردہ ڈالنے کے لئے کافی نہیں ہو سکتی۔

چھوٹی چھوٹی لغزشوں کو نظر انداز کر کے ہم صرف اس حصہ پر نظر ڈالیں گے جس میں مؤلف نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی سیرت بیان کرتے ہوئے ضمناً خلافت کے مسئلہ پر بحث کی ہے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد خلافت کے مسئلہ میں جو اختلاف برپا ہوا اور جس کی وجہ سے آخر کار مسلمانوں میں دو فرقے پیدا ہو گئے اس کی بنیاد مولوی نذیر احمد صاحب کے نزدیک وہ "منافست" ہے جو آنحضرت کے عین حیات ہی سے حضرت فاطمہ رضؓ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے درمیان قائم تھی (ص ۹۶) ان کا خیال ہے کہ حضرت فاطمہ رضؓ کو اپنی والدۂ ماجدہ کی خدمات پر جو ناز تھا اس کی وجہ سے وہ حضرت عائشہ رضؓ کو اپنا ہمسر نہ گردانتی تھیں دوسری طرف حضرت عائشہ رضؓ کو اپنے والد ماجد حضرت ابوبکر رضؓ کی ان خدمات پر ناز تھا جن پر خود حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علیٰ رؤس الاشہاد اظہار ممنونیت فرمایا۔ اس بناء پر فاضل مؤلف نے پہلا نظریہ یہ قائم فرمایا کہ:۔

"دونوں میں منافست کے اسباب موجود تھے اور منافست تھی بھی"

اس کے بعد وہ خلافت کے دو بڑے امیدوار یعنی حضرت ابوبکر رضؓ اور حضرت علی رضؓ کی طرف بڑھتے ہیں اور یہ رائے قائم کرتے ہیں کہ یہ دونو بھی اپنی اسلامی خدمات اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قریبی تعلق کی بنا پر خلافت کے مدعی تھے اور ان دونوں میں پہلے سے "منافست رقابت اور دلی کدورت تھی۔ کدورت کے ثبوت میں مؤلف نے واقعۂ افک کو پیش کیا ہے جس میں حضرت علیؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا تھا کہ خدا نے آپ پر بیویوں کے معاملہ میں تنگی نہیں کی ہے"

مصنف کی رائے میں حضرت علیؓ کا مقصد یہ تھا کہ آنحضرت صلعم حضرت عائشہ کو طلاق دیدیں اور یہ مشورہ حضرت علی رضؓ نے اس دشمنی کی بنا پر دیا تھا جو ان کو حضرت ابوبکر رضؓ سے تھی وہ کہتے ہیں کہ اس واقعہ نے دونوں بزرگوں میں منافست کو ترقی دیکر محاسدہ کی حد تک پہونچا دیا۔

اس کے بعد جناب مؤلف خود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں اس خیال کا اظہار فرماتے ہیں کہ:۔

> خود پیغمبر صاحب کو بھی مشکل درپیش تھی انہوں نے بھی خلافت کے بارے میں کبھی صاف طور پر دو ٹوک بات نہ فرمائی جیسی توحید کے بارے میں لگی لپٹی نہیں کہتے تھے ہاں ضرورت پڑنے پر مہمت بڑھانے کو مختلف حیثیت سے ہر ایک کے استحقاق کا اعتراف کرتے رہے"

اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اگرچہ خلافت کا تصفیہ کر دینا ضروری تھا۔ مگر امت کی اس ضرورت کو پورا کرنے سے جس چیز نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ آلہ وسلم کو روک دیا وہ صرف یہ بات تھی کہ ایک طرف بیٹی کی محبت اور دوسری طرف بیوی کی محبت یہ ایک کھلی ہوئی اخلاقی کمزوری ہے جس کو مؤلف نے خود رسول اللہ صلعم کی طرف منسوب کر دیا

اس سلسلہ میں مؤلف نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کا ذکر کرتے ہوئے واقعۂ قرطاس کو اس انداز سے بیان کیا ہے۔

> سب سے پہلے واقعہ قرطاس نے بھانڈا پھوڑا کہ اول دن سے رکاوٹوں کی کھچڑی خلافت کے لئے پک رہی تھی خلافت کے سوائے اور کون سا ایسا ضروری مطلب ہو سکتا تھا جس کے لئے احتضار کی حالت میں صورت سوال بن کر پیغمبر صاحب کو وصیت کی تکلیف دی جائے بات پھر بھی گول مول رہی۔ علی رضؓ . . . . نے سامنے یا کمزور ہونے کے سوائے منہ سے کچھ نہ کہا پیغمبر صاحب بھی اس وصیت کی جس کے لئے کاغذ منگوانا چاہتے تھے کچھ صراحت نہ فرمائی کہ کیا لکھوانا چاہتے ہو، مگر جن کے دل میں منشائے خلافت چٹکیاں لے رہی تھی انہوں نے تو دھینگا مشتی سے منصوبے ہی کو چکنا

میں اڑا دیا اور مزاحمت کی تاویل یہ کی کہ ہماری ہدایت کے لئے قرآن بس کرتا ہے" (ص ۱۰۰)

اس فقرہ میں حضرت علی ع اور حضرت عمر رضہ دونوں پر جو حملہ کیا گیا ہے وہ اتنا صریح ہے کہ اس کو کسی تاویل سے ہرگز نہیں چھپایا جا سکتا۔

"انہوں نے رزق تقسیم پر قناعت نہ کر کے گوشۂ عافیت سے پاؤں باہر نکالے اور خواہ مخواہ دعویٰ خلافت کر بیٹھے.....
ان کا حال کیا تھا کہ ان میں سے جب کسی کے پاس ہزار پانسو کی جمعیت فراہم ہوئی لگا سلطنت کے خواب دیکھنے۔ ملک گیری کی ہوس میں علم خلافت اونچا کیا۔ خلیفۂ وقت پر خروج کر کے ساتھیوں کو ناحق مروا دیا اور آخر کار خود بھی لڑائی میں مارا ڈالا گیا یا پکڑا آیا قید کیا گیا یا زہر دیکر مار ڈالا گیا۔ خدا کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں..... اسلام کے حق میں یہ بھی اچھا ہوا کہ پیغمبر صاحب کی اولاد ذکور ان کے بعد زندہ نہ رہی بیٹیوں میں ایک بیٹی زندہ رہیں تو ان کی نسل کی بدولت اسلام میں یہ تفرقہ پڑا کہ مسلمان سنی اور شیعہ دو فریق ہو گئے جن میں ہمیشہ جوتیوں میں دال بٹتی رہتی ہے۔ بیٹا زندہ رہتا تو شاید پسر نوح ثابت ہوتا" (ص ۱۰۲)

اس فقرہ کا مطلب بجز اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ امام حسنؓ اور امام حسین رضہ سے لے کر آخر تک اہل بیت میں سے جس کسی نے خلافت کا دعوے کیا اس کے پیش نظر محض سلطنت کی ہوس تھی اور کسی بلند تر مقصد کا شائبہ نہ تھا۔ ادب اور بزرگ داشت کو جانے دیجئے۔ تاریخ ہی کے اعتبار سے کیا یہ درست ہے پھر قیاس آرائی کی حد یہ ہے کہ جناب مؤلف فرض کر لیتے ہیں کہ اگر آنحضرت کا بیٹا زندہ رہتا تو شاید پسر نوح ثابت ہوتا قطع نظر اس کے کہ اہل بیت کے حق میں یہ انداز بیان حد درجہ گستاخانہ اور خلاف حقیقت ہے، ہم پوچھتے ہیں کہ آنحضرت م کے متوفی بیٹے کے حق میں جو قیاس انہوں نے قائم کیا ہے اس کے لئے مجرد بدگمانی کے سوا اور کیا بنیاد ہو سکتی ہے۔

اہل بیت اور بنوامیہ اور بنوعباس کے درمیان جو خونریزیاں ہوئیں ان کو بیان کرنے کے بعد مولانا لکھتے ہیں۔

"دو عورتوں کی ضد نے (اور ضد بھی کھانے کی نہیں کپڑے کی نہیں حرج بات کی نہیں سلوک مدارات کی نہیں خیالی برتری کی) کیا طول پکڑا ہے کہ ڈیڑھ ہزار برس ہونے کو آئے اور یہ جھگڑا طے نہ ہوا" (ص ۱۰۶)

پھر اس سلسلہ میں حضرت فاطمہ رضہ کے دعوئے فدک اور اس کے فیصلہ پر ان کے ناراض ہونے کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

کس بلا کا غصہ ہے، خدا کی پناہ، ادھر فاطمہؓ ایک سیر کی تھیں کہ مرتے مرگئیں اور اپنی آن چھوڑی تو ادھر عائشہ سوا سیر کی فاطمہؓ جوان مرگ مرگئی تھیں علی ع کا سارا گھمنڈ فاطمہ رضہ کے مرنے سے کرکرا ہو گیا تھا اور بارے در جہ پس خوردہ خلافت ان کو نصیب ہوا تھا وہ بھی ادھورا کہ عراق اور شام کے لوگ علی کی خلافت سے راضی نہ تھے۔ پھر بھی عائشہ علی کو نیچا دکھانے کی تاک میں تھیں۔ علی مسند خلافت پر جم کر بیٹھنے بھی نہ پائے تھے کہ قاتلان عثمان کا قصاص لینے کی غرض سے علی ع پر فوج کشی کر بیٹھیں گویا علی ع نے عثمانؓ کو قتل کیا یا کرایا ہے۔ ہمارے ملک میں عورتوں کا ایک طبعی خاصہ تریاہٹ (وہ ایک تریا ہٹ بھی مانا گیا ہے) تو وہی بات ہم فاطمہ رضہ اور عائشہ رضہ میں پاتے ہیں۔ فاطمہ رضہ تو انتقال فرما گئیں اور ان کی ہٹ بھی تم نے دیکھ لی اب رہ گئیں عائشہ تو ان کا ایک چہ تر تو یہ تھا"

اس کے بعد نعوذ باللہ حضرت عائشہ رضہ کے "چہ تر" گنائے ہیں اور اپنے دعوے کی تائید میں جو ثبوت پیش کیا ہے وہ اس قدر لغو ہے کہ اس پر بحث کرنا بالکل لاحاصل معلوم ہوتا ہے۔

آگے چل کر حضرت عثمانؓ پر بھی ہاتھ صاف کرتے ہیں ان کے حق میں مولانا کا فتوے یہ ہے کہ:-

عثمانؓ اپنی بے جا درنحکمات اور خود سرانہ کارروائیوں کی وجہ سے قتل کے تو نہیں عزل کے مستوجب ضرور تھے۔

ہم نے ان تمام ناشائستہ فقروں کو دلی کراہت کے باوجود صرف اس لئے نقل کیا ہے کہ کوئی شخص ہم کو مولوی نذیر احمد صاحب کے حق میں بے انصافی کا الزام نہ دے خود مولوی صاحب کی تحریروں سے یہ چند نمونے پیش کرنے کے بعد ہم پوری کتاب کے متعلق اپنی رائے مختصر الفاظ میں لکھ دیتے ہیں۔

(۱) سب سے پہلی غلطی یہ ہے کہ ایک ایسی کتاب میں جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خانگی زندگی اور تعدد ازدواج پر عیسائی پادریوں کے اعتراضات رفع کرنے کے لئے لکھی گئی تھی ان مباحث کی قطعاً ضرورت نہ تھی جن کو مولوی صاحب نے خواہ مخواہ چھیڑ دیا ہے۔

(۲) دوسری غلطی یہ ہے کہ انہوں نے ازواج مطہرات اور صحابہ کرام کی سیرت اس زبان میں لکھی ہے جو مرآۃ العروس اور بنات النعش ہی کے لئے موزوں ہو سکتی تھی مؤلف میں یہ سلیقہ نہ تھا کہ ہر موضوع کے لحاظ سے اس کے مناسب زبان اختیار کرتے بزرگان دین کے احوال میں وہ زبان استعمال کرنا جو ناولوں میں استعمال کی جاتی ہے خاص دینی نقطۂ نظر سے بھی جائز نہیں کجا کہ مذہبی نقطۂ نظر سے، یہی وجہ ہے کہ جگہ جگہ ان

کے فقرے فقروں میں کانٹوں کی طرح کھٹکتے ہیں، اور بعض مقامات پر تو زبان کا پھوہڑپن اس قدر حد سے گذرا ہوا نظر آتا ہے کہ بے اختیار کتاب ہاتھ سے پھینک دینے کو جی چاہتا ہے۔

(۲) مؤلف کی نیت نیک ہی سہی مگر انہوں نے یہ کتاب لکھ کر وہ کام کیا ہے جو ایک دشمن اسلام کو کرنا چاہئے تھا، انہوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاندان اور آپ کے سب سے زیادہ مقرب صحابیوں کا وہ کیریکٹر پیش کیا ہے جو کسی حیثیت سے بھی ادنے درجہ کے نفس پرست لوگوں سے ممتاز نہیں وہی ضد نفسانیت ہوس جاہ اور اپنی ذاتی اغراض کے لئے حق و ناحق کی پروا نہ کرنا جو ہم پست ترین اخلاق کے لوگوں میں دیکھتے ہیں مولوی نذیر احمد صاحب نے اسی کو ان لوگوں کی سیرتوں میں نمایاں کرکے دکھایا ہے جنہوں نے خاص رسول اللہ صلعم سے اسلامی اخلاق کی تعلیم و تربیت پائی تھی، اور جن کے کندھوں پر آنحضرت صلعم کے بعد دنیا میں اسلام کو پھیلانے کا بار ڈالا گیا تھا اگر یہ لوگ فی الحقیقت ویسے ہی ہوتے جیسا مولوی نذیر احمد صاحب نے ان کو سمجھا ہے تو قسم بخدا کہ اسلام ہرگز مدینہ سے چل کر دلی تک نہ پہنچتا اور نہ تیرہ صدیوں تک قائم رہتا بلکہ ہم تو کہتے ہیں کہ اگر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت اور آپ کی تعلیم و تربیت کے باوجود ان لوگوں کے اخلاق ایسے ہی تھے جیسے مولوی صاحب نے بیان کئے ہیں تو نعوذ باللہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مشن میں قطعاً ناکام ہوئے اگر یہ لوگ عہد جاہلیت کے کسی عرب سردار کے اقربا و اصحاب ہوتے تو کیا ان سے ان ہی اخلاق اور افعال کا صدور نہ ہوتا جو مولوی نذیر احمد صاحب نے بیان کئے ہیں؟ پھر اخلاق کے اعتبار سے جاہلیت اور اسلام میں فرق ہی کیا باقی رہا اور وہ کون سی اصلاح اخلاق ہے جس پر اسلام فخر کر سکتا ہے؟

(۳) مولوی نذیر احمد صاحب نے صحیح اور معتبر تاریخی واقعات کو صاف اور سیدھے الفاظ میں بیان کرنے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ان پر قیاسات کی ایک بڑی عمارت تیار کی ہے، اور افسوس یہ ہے کہ ان کے تمام قیاسات ایسے ہیں کہ اگر کوئی غیر مسلم مورخ جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے اہل بیت اور اصحاب سے سخت بدگمانی رکھتا ہو ان واقعات پر قیاس آرائی کرتا تو شاید اس سے زیادہ بدتر قیاس آرائی نہ کر سکتا۔ ہر واقعے کے دو پہلو ہوتے ہیں ایک اچھا اور ایک برا، دوست اچھا پہلو اختیار کرتا ہے اور دشمن برا پہلو۔ بدقسمتی سے مولوی نذیر احمد صاحب نے برا پہلو اختیار کیا اور صحابہ و اہل بیت رسول صلعم کے ہر فعل میں ان کو بدنیتی اور دنائت اخلاق ہی نظر آئی۔

یہ وہ وجوہ ہیں جن کی بنا پر ہماری رائے میں امہات الامہ ہرگز اس قابل نہ تھی کہ اسے دوبارہ شائع کیا جاتا۔ مولوی نذیر احمد صاحب کو ایک عالم اور انشا پرداز کی حیثیت سے جو شہرت حاصل ہے اس میں یہ کتاب کوئی اضافہ نہیں کرتی بلکہ اس کو بٹہ لگاتی ہے مرحوم سے آخری عمر میں ایک غلطی سرزد ہو گئی مناسب تھا کہ اس پر پردہ پڑا رہنے دیا جاتا ان کے لوحقین نے کچھ اچھا نہ کیا کہ اپنے دادا کی غلطی کو پھر ایک مرتبہ منظر عام پر لے آئے۔

انتخاب صحاح ستّہ

ایک عرصے سے یہ ضرورت محسوس کی جا رہی تھی کہ صحاح ستہ کی چند ضخیم جلدوں کا ایک ضروری خلاصہ موجودہ زمانہ کی ضروریات کو پیش نظر رکھ کر مع اردو ترجمہ کے شائع کیا جائے جو حدیث شریف کے سند یافتہ اور عربی کے مبتدی اور اردو کے حروف شناسوں کے لئے یکساں کارآمد اور مفید ہو تاکہ آسانی کے ساتھ علم رسول ضرورت زمانہ کے مطابق حاصل کیا جا سکے۔

میں ایک عرصے سے اس اہم دینی خدمت کی تکمیل کے لئے بے تاب تھا خدا کا شکر ہے کہ میرے محترم دوست جناب مولانا قاضی زین العابدین صاحب سجاد میرٹھی۔ فاضل دیوبند، مولوی فاضل منشی فاضل نے میری درخواست پر انتخاب صحاح کا اہم کام شروع کر دیا اور پورے پانچ سال کی محنت سے یہ دُرِّ نایاب حاصل ہوگیا۔ الحمد للہ علےٰ احسانہ

انتخاب صحاح ستہ پر ادارہ پیشوا کو ناز ہے کہ وہ اتنی اہم اور ایسی مفید اور بے حد ضروری کتاب قارئین کرام کی خدمت میں پیش کر سکا جو جاہل اور عالم دونوں کے لئے یکساں مفید ہے، انتخاب کی خوبی اور اس کی اہمیت اور ضرورت کا اندازہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ قارئین کرام اس کے چند ابواب ملاحظہ فرمائیں اور قاضی صاحب کی محنت کی داد دیں۔

عزیز حسن بقائی مالک و ایڈیٹر رسالہ پیشوا زیر جامع مسجد دہلی

ایمان و اسلام

عن ابی هریرة قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الایمان بضع و سبعون شعبة فافضلها قول لا الٰه الا اللہ وادناها اماطة الاذی عن الطریق والحیاء شعبة من الایمان۔ رواہ البخاری

(ابو ہریرۃؓ کہ روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہؐ نے ایمانؓ کی کچھ اوپر ستر شاخیں ہیں بس ان میں سے افضل لا الٰہ الا اللہ کہنا ہے اور ان میں سے ادنیٰ تکلیف کی چیز کا رستے سے ہٹانا ہے اور حیاء ایمان کی ایک بڑی شاخ ہے۔ (بخاری)

وعن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنی الاسلام علی خمس شهادة ان لا اله الا اللہ وان محمدا عبده ورسوله واقام الصلوٰة وایتاء الزکوٰة والحج وصوم رمضان رواہ البخاری

(ابن عمرؓ سے فرمایا نبی عربی صلعم نے اسلامؓ کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے اس بات کی گواہی دینا کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور حضرت محمدؐ اس کے بندے اور رسول ہیں، اور اسی طرح نماز پڑھنا اور حج کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا (بخاری)

وعن عبد اللہ ابن عمرو قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المسلم من سلم المسلمون من لسانه والمهاجر من هجر ما نهی اللہ عنه۔ (رواہ البخاری)

(عبد اللہ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پورا مسلمان وہ ہے کہ مسلمان اس کی زبان سے محفوظ رہیں اور ہجرت کرنے والا وہ ہے جس نے وہ چیز چھوڑ دی ہو جس سے اللہ تعالےٰ نے منع فرمایا ہے۔ (بخاری)

وعن انس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثلث من کن فیه وجد بهن حلاوة الایمان من کان اللہ ورسوله احب الیه مما سواهما ومن احب عبدا لا یحبه الا للہ ومن یکره ان یعود فی الکفر بعد ان انقذه اللہ منه کما یکره ان یعود فی الکفر بعد ان انقذه اللہ منه کما یکره ان یلقی فی النار رواہ مسلم

(انسؓ سے روایت ہے کہ فرمایا سید المرسلین نے تین چیزیں ہیں کہ جس میں وہ ہیں اس نے ایمان کا مزا پایا جس کو اللہ اور رسول زیادہ پیارے ہوں ان کے سوا دوسروں سے اور جو کسی اللہ کے بندہ کو صرف اللہ کے واسطے دوست رکھے اور جو شخص برا سمجھے کفر میں لوٹنے کو اس کے بعد کہ اللہ تعالےٰ نے اسے چھٹکارا دیدیا ہے اس لئے جیسا کہ برا سمجھتا ہے آگ میں گرنا (مسلم)

وعن ابی هریرة قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والذی نفس محمد بیده لا یسمع بی احد من هذه الامة یهودی ولا نصرانی ثم یموت ولم یؤمن بالذی ارسلت به الا کان من اصحاب النار رواہ مسلم

(ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمدؐ کی جان ہے اس امت کا جو یہودی و نصرانی میرے متعلق سنے اور پھر میری رسالت پر ایمان لائے بغیر مر جائے وہ یقیناً دوزخی ہے۔ (مسلم)

۱؎ آنحضرت م جو احکام الٰہی لائے ہیں ان کی سچائی پر یقین کرنے کو ایمان کہتے ہیں اور ان پر عمل کرنے کو اسلام ۲؎ پیارے ہونے سے مراد یہ ہے کہ ان کی مرضی کو دوسروں کی مرضی پر مقدم سمجھے۔

وعنه قال اتی اعرابی النبی صلی الله علیه وسلم فقال دلنی علی عمل اذا عملته دخلت الجنة قال تعبد الله ولا تشرك به شيئا وتقيم الصلوٰة المكتوبة وتؤدی الزكوٰة المفروضة وتصوم رمضان قال والذی نفسی بیده لا ازید علی هذا شیئا ولا انقص منه فلما ولی قال النبی من سره ان ینظر الی رجل من اهل الجنة فلینظر الی هذا۔ مسلم

(ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک گنوار رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا مجھے ایسا کام بتلائیے جسے کرنے سے بہشت میں داخل ہو جاؤں آپ نے فرمایا اللہ کی عبادت کر اور کسی کو اس کا شریک نہ بنا اور فرض نماز پڑھ اور زکوٰۃ ادا کر اور رمضان کے روزے رکھ اس نے عرض کیا قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے نہ اس سے زیادہ کچھ کروں اور نہ کم وہ چل دیا پس جب اس نے پیٹھ پھیری فرمایا آپ نے کہ جو جنتی کو دیکھنا پسند کرے وہ اسے دیکھے (مسلم)

وعن عبادة ابن الصامت قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم وحوله عصابة من اصحابه بایعونی علی ان لا تشرکوا بالله شیئا ولا تسرقوا ولا تزنوا ولا تقتلوا اولادکم ولا تاتوا ببهتان تفترونه بین ایدیکم وارجلکم ولا تعصوا فی معروف فمن وفی منکم فاجره علی الله ومن اصاب من ذالك شیئا فعوقب به فی الدنیا فهو کفارة له ومن اصاب من ذالك شیئا ثم ستره الله علیه فهو الی الله ان شاء عفا عنه وان شاء عاقبه فبایعناه علی ذالك رواه مسلم

(عبادہ ابن الصامتؓ سے روایت ہے فرمایا رسول اکرمؐ نے جب کہ صحابہ کی ایک جماعت آپ کو گھیرے بیٹھی تھی میری بیعت کرو اس شرط پر کہ نہ شریک کرو اللہ کے ساتھ کسی کو نہ چوری کرو اور نہ زنا کرو اور نہ قتل کرو اپنے بچوں کو اور اپنے دلوں سے گھڑ کر بہتان نہ باندھو اور وہ نیک کام میں نافرمانی نہ کرو۔ پس جو تم میں سے ان شرائط کو پورا کرے اس کا بدلہ اللہ کے ذمہ ہے اور جو ان گناہوں میں سے کچھ کر بیٹھا اور دنیا میں اس نے سزا پائی تو وہ سزا کفارہ ہے اس کے لئے اور جس کی اللہ نے پردہ پوشی کی تو اللہ کو اس کا اختیار ہے چاہے وہ معاف کر دے اور چاہے سزا دے پس ہم نے ان شرائط پر آپ کی بیعت کر لی (مسلم)

وعن ابی سعید الخدری قال خرج رسول الله صلی الله علیه وسلم فی اضحی او فطر الی المصلی فمر علی النساء فقال یا معشر النساء تصدقن فانی اریتکن اکثر اهل النار فقلن وبم یا رسول الله قال تکثرن اللعن وتکفرن العشیر ما رأیت من ناقصات عقل ودین اذهب للب الرجل الحازم من احداکن قلن وما نقصان دیننا وعقلنا یا رسول الله قال الیس شهادة المرأة مثل نصف شهادة الرجل قلن بلی قال فذالك من نقصان عقلها قال الیس اذا حاضت لم تصل ولم تصم قلن بلی قال فذالك من نقصان دینها رواه مسلم

(ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ عید اور بقرعید کے موقعہ پر عیدگاہ تشریف لے گئے[1] پھر وہاں آپ عورتوں کی طرف گذرے اور فرمایا اے عورتوں کی جماعت صدقہ کرو کیونکہ میں نے تمہیں زیادہ تر دوزخ میں دیکھا ہے عورتوں نے عرض کیا کیوں اے رسول خدا آپ نے فرمایا تم لعنت زیادہ کیا کرتی ہو اور شوہر کی نافرمانی کرتی ہو میں نے کم عقلوں اور کم دینوں میں تم سے زیادہ کسی کو عقلمند آدمی کی عقل کو کھونے والا نہیں دیکھا عورتوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہماری عقل اور دین کی کمی کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کیا عورت کی گواہی مرد کی آدھی گواہی کے برابر نہیں ہے عورتیں بولیں بے شک آپ نے سچ فرمایا تو یہ ان کی عقل کی کمی ہے پھر فرمایا کیا یہ بات نہیں کہ حائضہ عورت نماز نہیں پڑھتی اور روزہ نہیں رکھتی عورتیں بولیں بے شک آپ نے فرمایا یہ دین کی کمی ہے (مسلم)

وعن ابی هریرة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم قال الله تعالی کذبنی ابن آدم ولم یکن له ذالك وشتمنی ولم یکن له ذالك فاما تکذیبه ایای فقوله لن یعیدنی کما بدانی ولیس اول الخلق باهون علی من اعادته واما شتمه ایای فقوله اتخذ الله ولدا وانا الاحد الصمد الذی لم الد ولم اولد ولم یکن لی کفوا احد رواه بخاری

(ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے انسان نے جھٹلایا اور پہلے زیبا نہ تھا مجھے اس نے برا کہا اور یہ اسے زیبا نہ تھا اس کا جھٹلانا تو یہ ہے کہ کہتا ہے مجھے جس طرح اللہ نے ایک دفعہ پیدا کیا ہے دوبارہ زندہ نہ کرے گا حالانکہ پہلی مرتبہ پیدا کرنا میرے لئے دوسری مرتبہ پیدا کرنے سے زیادہ آسان نہیں ہے اور اس کا برا کہنا یہ ہے کہ وہ کہتا ہے کہ خدا نے اپنے لئے عزیز کو بیٹا بنا لیا ہے حالانکہ میں یکتا ہوں بے پرواہ ہوں نہ میری اولاد ہے نہ ماں باپ اور نہ میرا کوئی ہم جنس (بخاری)

وعن انس ان النبی صلی الله علیه وسلم ومعاذ ردیفه علی الرحل قال

(انسؓ سے روایت ہے کہ فرمایا سرکار نامدار نے جب کہ معاذ آپ کے پیچھے سواری پر بیٹھے تھے اے معاذ! معاذ نے عرض کیا۔ حاضر

[1] ابتدائے اسلام میں عورتیں مساجد و عیدگاہ میں جایا کرتی تھیں لیکن بعد فتنہ کے اندیشہ سے منع کر دیا گیا ۱۲۔

برداشت کرلیتا ہے کہ کہیں تکلیف اور نہ بڑھ جائے شیخ کے یہ الفاظ سن کر جوان نے پھر ایک چیخ ماری اور ہم نے یہ خیال قائم کر لیا کہ اس کی روح قلب خاکی سے باہر نکل گئی مگر تھوڑی دیر بعد اسے ہوش آگیا اور اس نے پوچھا حضور یہ محبت الٰہی کی علامت کیا ہے؟ شیخ نے فرمایا۔ عزیز دوست خدا کی محبت کا درجہ نہایت بلند ہے۔

جوان نے عرض کیا۔ میں چاہتا ہوں حضور اس کی کچھ کیفیت بیان فرمائیں۔ شیخ نے فرمایا جو لوگ خدا سے محبت رکھتے ہیں خدا ان کے دلوں کو روشن کر دیتا ہے وہ اس نور سے اپنے بزرگ و برتر محبوب خدا کی عظمتوں کے جلال کا مشاہدہ کرتے ہیں ان کی روحیں روحانی ہو جاتی ہیں ان کی عقلیں آسمانی بن جاتی ہیں اور وہ فرشتوں کی صفوں کے درمیان پھرتے رہتے ہیں اور مقام امور الغیبات کو اپنی نورانی آنکھوں سے اس طرح دیکھتے ہیں جس طرح دنیا کی چیزیں ان نگاہوں سے نظر آتی ہیں انسان کا فرض ہے کہ وہ خدا کی عبادت کرے اپنی پوری طاقت سے صرف خدا کی خوشنودی و محبت کے سلسلہ میں عبادت کرے جنت کی طمع اس عبادت میں شامل نہو اور نہ دوزخ کی آگ کا خوف۔" یہ سن کر جوان نے پھر ایک چیخ ماری اور اس کی روح پرواز کر گئی۔ شیخ اس منظر سے بے حد متاثر ہوئے بے اختیار ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور وہ جوان ہال شہید محبت الٰہی جوان کی پیشانی پر بوسہ دیتے رہے یہاں تک کہ انہوں نے عالم وجد میں ہم لوگوں کو مخاطب کر کے کہا لوگو! خدا سے محبت رکھنے والوں کا درجہ یہ ہے اور خدا سے ڈرنے والوں کا انجام یہی ہوتا ہے یہ ایک ایسی پاکیزہ روح کا جسم ہے جو خدا کی درگاہ میں جھکی، خدا سے مناجات کی۔ خدا کی باتوں کو سنا خدا سے ملاقات کی خواہشمند ہوئی۔ اور ذوق وشوق میں اپنے خاکی جسم کو چھوڑ کر خدا کی طرف چلی گئی۔

(۲)

حضرت ذوالنون مصری رح فرماتے ہیں کہ میں اطراف شام میں سفر کر رہا تھا کہ ایک سبز گنبد پر میری نظر پڑی جا کر دیکھا تو اس کے اندر ایک جوان رعنا کو پایا جو ایک ثمردار درخت کے نیچے نماز پڑھ رہا تھا میں نے آگے بڑھ کر اس کو سلام کیا مگر اس نے میرے سلام کا جواب نہیں دیا۔ میں نے دوبارہ سلام کیا تو اس نے نماز کو پورا کر کے میرے سلام کے جواب میں انگلی سے زمین پر دو شعر لکھدئے جن کا مفہوم یہ تھا۔

زبان کو منہ میں بند رکھو اور کلام نہ کرو اس لئے کہ زبان
ابتلا و مصائب کی مرکز اور آفات کی معدن ہے۔ اگر کلام
کرنا ضروری ہو تو پھر خدا کا ذکر کرو، کسی وقت خدا کو نہ
بھولو اور ہر حال میں اس کی حمد وثنا کرتے رہو!

ذوالنون مصری کا بیان ہے کہ ان اشعار کو پڑھ کر میں دیر تک روتا رہا جب کچھ سکون ہوا تو میں نے اپنی انگلی سے ان اشعار کے جواب میں دو شعر لکھے جن کا مفہوم یہ تھا کہ

"لکھنے والا ایسا نہیں ہے جو اپنی تحریر کے سبب
کبھی کسی مصیبت میں مبتلا ہوا ہو تحریر بھی مصیبت کا ایک
سبب ہے اور تحریر اس وقت تک باقی رہتی ہے جب تک
کہ دنیا قائم ہے اس لئے انسان کو چاہئے کہ وہ اپنے ہاتھ سے بجز
ایسی چیز کے کچھ نہ لکھے جو اس کو قیامت کے دن خوش کرنے والی
ہو"

ذوالنون مصری فرماتے ہیں کہ ان اشعار کو پڑھ کر تو جوان نے ایک چیخ ماری اور دنیا سے رخصت ہو گیا میں اس منظر سے بے حد متاثر ہوا اور بہت رویا پھر اٹھا کہ نعش کو غسل دیکر دفن کر دوں کہ ایک سمت سے یہ آواز آئی یہ نعش کو یوں ہی چھوڑ دو خدا وند تعالےٰ نے صاحب نعش سے وعدہ کیا ہے کہ اس کی نعش کا انتظام ملائکہ کریں گے۔

ذوالنون مصری رح فرماتے ہیں کہ یہ سن کر میں ہٹ گیا اور درخت کے نیچے جا کر نماز پڑھنے لگا تھوڑی دیر کے بعد جا کر دیکھتا ہوں تو نعش کا پتہ نہ تھا اور جگہ خالی پڑی تھی میں نے دیر تک ادھر ادھر تجسس کی نظر وں سے دیکھا لیکن پتہ نہ چلا۔

فقرائے اسلام

حضرت خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ

عزیز حسن بقائی

امام العارفین حضرت خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ۱۷ شعبان ۲۱ھ کو صبح صادق کے وقت مدینہ طیبہ میں پیدا ہوئے آپ کی والدہ محترمہ حضرت ام سلمیٰ رضی اللہ عنہا کی سہیلی تھیں اس لئے اکثر وہ مدینہ طیبہ ہی میں رہتی تھیں۔ حضرت علی علیہ السلام نے آپ کا نام حسن تجویز کیا کیونکہ آپ کی صورت وشباہت نہایت دلکش تھی اور آپ سراپا حسن کا بہترین نمونہ تھے۔

تعلیم و تربیت حضرت خواجہ حسن بصری رحمۃ شروع سے نہایت ذہین اور تیز طبیعت تھے جب آپ کی عمر سات سال کی ہوئی تو حضرت مولائے کائنات علی نے آپ کو قرآن شریف پڑھایا اور معارف قرآنی سے آگاہ کیا، چودہ سال کی عمر میں آپ نے غیر معمولی قابلیت حاصل کرلی اور فاضل اجل تسلیم کئے گئے۔

ذوقِ معرفت ۳۵ھ میں جب آپ تعلیم سے فارغ ہوئے تو آپ کی حقیقت شناس طبیعت معرفت الٰہی کی طرف مائل ہوئی آپ نے حضرت علی رضہ کی خدمت میں حاضر ہو کر شرف بیعت حاصل کیا اور اسرار طریقت معلوم کئے، بیعت ہونے کے بعد آپ نے مجاہدہ شروع کیا، آپ کے ایک مرید عبداللہ ابن حارث رح بیان کرتے ہیں کہ ۱۴۱ھ میں خواجہ حسن بصری کی ریاضت کا یہ عالم تھا کہ وہ دن رات میں ڈھائی سو رکعتیں نماز کی پڑھتے تھے اور ۳ ہزار مرتبہ درود شریف پڑھتے تھے میں تقریباً چھ سال تک ان کی خدمت میں حاضر رہا میں نے ہمیشہ یہ دیکھا کہ وہ عشاء کے وضو سے صبح کی نماز پڑھتے تھے اور دن میں بھی بہت کم سوتے تھے اکثر ان پر وجد کی کیفیت طاری ہو جاتی اور اس حال میں وہ اس قدر روتے تھے کہ ان کی آنکھیں سوجھ جاتی تھیں۔

تقریر کا اثر مشہور تابعی حضرت زید بن عبدالرحمٰن رح بیان فرماتے ہیں کہ خواجہ حسن بصری رح بہترین مبلغ اسلام اور بہترین خطیب تھے، ان کی تقریر درد و اثر میں ڈوبی ہوئی ہوتی تھی جب وہ تقریر شروع کرتے تو راستے بند ہو جاتے اور سامعین پر ایک سکتہ طاری ہو جاتا ان کی آواز میں یہ ایک عجیب خصوصیت تھی کہ وہ دور و نزدیک یکساں سنائی دیتی تھی اور میلوں تک پہنچتی تھی۔

اخلاق و عادات حضرت خواجہ حسن بصری بے انتہا خلیق، ملنسار، بلند اور رحمدل تھے وہ ہر ادنیٰ و اعلیٰ سے انتہائی محبت کے ساتھ بات چیت کرتے اور غریبوں کی خدمت کیا کرتے تھے انہوں نے کبھی کسی دولت مند سے اپنی کسی احتیاج کا اظہار نہیں کیا وہ مستقل طور پر کپڑے کی تجارت کیا کرتے تھے اور اس کاروبار میں اتنا نفع ان کو حاصل ہوتا تھا کہ اطمینان کے ساتھ زندگی بسر کرتے تھے کیا اس اولین رہنمائے طریقت کا طرز عمل آج کل کے مشائخ عظام کے لئے اپنے اندر درس عمل رکھتا ہے؟ اور کیا وہ حقیقتاً اپنے بزرگوں کے نقش قدم پر چل رہے ہیں۔

سفاک حجاج کے سامنے اعلان حق تذکرۃ العباد میں لکھا ہے کہ ایک دن حضرت خواجہ حسن بصری رح جامع ابو عاصم میں اعلان حق کی فضیلت پر وعظ کہہ رہے تھے، اتنے میں حجاج بن یوسف آپ کی محفل میں حاضر ہوا اور ایک امتیازی شان کے ساتھ ایک قالین پر بیٹھ گیا۔ حضرت خواجہ صاحب نے اپنی تقریر کا سلسلہ جاری رکھا اور ارشاد فرمایا۔

اس محفل میں بعض ایسے آدمی بھی موجود ہیں جو اپنی ہستی کو مرتبۂ انسانیت سے بالاتر سمجھتے ہیں ان کی نگاہ میں ایک غریب آدمی کی حیثیت ایک پتھر سے بھی زیادہ ذلیل ہے ان کے حضور میں غریبوں کا بیٹھنا ممنوع ان کے سامنے بولنا گناہ اور ان پر کسی کا ادنیٰ اعتراض بھی موجب قتل ہے اگر کوئی غریب مسلمان آزادی کے ساتھ ان کے سامنے بات چیت کرنا چاہے تو ان کے چہرے غیظ و غضب کی وجہ سے درندوں کی طرح خونخوار ہو جاتے ہیں اور وہ اپنے قہر و جلال کو کسی طرح برداشت نہیں کر سکتے حالانکہ اسلام نے شخصیت پرستی کی بنیادیں ہلا دیں اور راعی و رعایا کو ایک صف میں کھڑا کیا ہے حق سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے اللہ کے نزدیک تم میں زیادہ بزرگ وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے کیا اس میں اہل جبروت کیلئے عبرت و نصیحت نہیں ہے۔ بیچارے فانی انسانو! کیوں اپنی فانی قوتوں پر غرور کرتے ہو؟ اور کیوں اس بات کی آرزو کرتے ہو کہ تم کو امیر المؤمنین کہہ کر پکارا جائے؟ حالانکہ قوم تمہاری حکومت سے راضی نہیں ہے۔

حضرت یحییٰ بن سعید رح خطیب بصرہ بیان فرماتے ہیں کہ حضرت خواجہ حسن بصری رح جب یہ تقریر کر رہے تھے اکثر حاضرین کو یقین تھا کہ حجاج بن یوسف ان کے قتل کا حکم صادر کرے گا مگر اس نے ایسا نہیں کیا اور خاموش ہو کر چلا گیا ایک ہفتہ کے بعد حجاج نے حضرت خواجہ حسن بصری کو ایک خط لکھا اور ملاقات کی خواہش ظاہر کی خواجہ صاحب نے اس خط کے پڑھنے سے انکار کر دیا اور کہا اس چیز کو ایک ظالم کے ہاتھ نے چھوا ہے میں اسے چھونا نہیں چاہتا جب خط پڑھ کر سنایا گیا تو آپ نے اس کی پشت پر یہ جواب لکھوا دیا "اللہ کے بندے حجاج بن یوسف کو معلوم ہو کہ تو ایک رئیس ظالم ہے اور میں ایک فقیر مسلمان ہوں اس لئے میں تجھ سے ملاقات کرنا پسند نہیں کرتا۔

وصال ۴ جمادی الثانی ۱۱۰ھ کو حضرت

احکامِ اسلام

استفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ میت کو شب میں دفن کر سکتے ہیں یا نہیں بعض لوگ کہتے ہیں کہ رات کو میت کا قبر میں دفن کرنا حرام ہے اور سخت گناہ ہے یہ لوگ کہتے ہیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے لاتدفنوا موتاکم باللیل الا ان تضطروا کیا کوئی ایسی روایت ہے؟ اور اگر کوئی روایت ہے تو اس کا مطلب کیا ہے۔

الجواب

رات کو میت کا دفن کرنا بلا کراہت جائز ہے حدیث میں ایک شخص کا ذکر آیا ہے جو مسجد نبوی کی جاروب کشی کیا کرتا تھا جب اس کا انتقال ہو گیا تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اسے رات ہی کو دفن کر دیا اور جب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معلوم ہوا آپ نے صحابۂ کرام سے انکار نہیں فرمایا بلکہ یہ دریافت فرمایا کہ مجھے اطلاع کیوں نہیں کی صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ رات اندھیری تھی ہم نے آپ کو تکلیف دینا مناسب نہیں سمجھا۔

ایک دوسرا واقعہ ترمذی میں خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہے کہ حضور نے ایک میت کو رات میں دفن کیا اور اندھیرے کی وجہ سے آپ کے لئے شمع جلائی گئی اور مشعل کی روشنی میں میت کو حضور نے دفن کیا۔

سرکار کی وفات کے بعد بھی مسلمانوں کا یہی معمول رہا چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ رات ہی کو دفن کئے گئے حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کو رات ہی میں دفن کیا۔

صحابۂ کرام اور تابعین وتبع تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین اور علمائے سلف وخلف کا یہی معمول رہا البتہ حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ رات میں دفن کرنے کو مکروہ فرماتے تھے چنانچہ نیل الاوطار جلد ۳ صفحہ ۲۷۶ میں ہے۔ وقد اختلف العلماء فی الدفن باللیل فکرھہ الحسن البصری الا لضرورۃ وقال جماعۃ العلماء من السلف والخلف لا یکرہ واستدلوا بان ابا بکر الصدیق وجماعۃ من السلف دفنوا لیلا من غیر انکار وبحدیث المرأۃ السوداء او الرجل الذی کان یقم المسجد فتوفی باللیل فدفنوہ لیلا وسألہم النبی صلی اللہ علیہ وسلم عنہ فقالوا توفی لیلا فدفناہ فی اللیل فقال الا اذنتمونی قالوا کانت ظلمۃ ولم ینکر علیہم (اخرجہ البخاری) دفن ابوبکر لیلا (بخاری تعلیقا)

دفن عمر ابا بکر بعد العشاء الاخیرۃ قال الحافظ فی الفتح وصح ان علیا دفن فاطمۃ لیلا (صفحہ ۲۳۰)

حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق بخاری باب موت یوم الاثنین میں نقل کرتے ہیں فلم یتوف حتی امسی من لیلۃ الثلثاء ودفن قبل ان یصبح بخاری (صفحہ ۱۸۶)

شرح مسلم میں امام نووی فرماتے ہیں وقال جماھیر العلماء من السلف والخلف لا یکرہ واستدلوا بان ابا بکر الصدیق وجماعۃ من السلف دفنوا لیلا من غیر انکار

سوال میں جس روایت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ روایت ابن ماجہ میں ہے لیکن وہ روایت پوری نہیں بلکہ ایک طویل حدیث کا ٹکڑا ہے جو عمر بن عبداللہ الاودی کے واسطے سے نقل کیا ہے پوری حدیث مسلم شریف میں ہے۔

عن جابر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم خطب یوما فذکر رجلا من اصحابہ قبض فکفن فی کفن غیر طائل وقبر لیلا فزجر النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان یقبر الرجل لیلا حتی یصلی علیہ الا ان یضطر انسان الی ذلک وقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا کفن احدکم اخاہ فلیحسن کفنہ رواہ احمد ومسلم وابوداؤد

حضرت جابر رضی کی یہ پوری روایت ہے جس کو مختلف محدثین نے نقل کیا ہے اسی روایت کا ایک ٹکڑا ہے جو ابن ماجہ میں منقول ہے اس پوری روایت کے بعد ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اس میں دفن لیل کی ممانعت نہیں ہے بلکہ یا تو سرکار نے ترکِ صلوٰۃ پر زجر فرمایا ہے یا کفن کے خراب ہونے پر یا دونوں باتوں پر اسی لئے نیل الاوطار میں فرماتے ہیں:-

واجابوا عن حدیث الباب بان النھی کان لترک الصلوٰۃ لا لمجرد الدفن باللیل او لاجل اساءۃ الکفن او المجموع (صفحہ ۲۷۶) حافظ ابن حجر فرماتے ہیں۔ لعیب عن حدیث جابر ان الزجر منہ صلی اللہ علیہ وسلم انما کان لترک الصلوٰۃ لا للدفن باللیل او لاجل انہم کانوا یدفنون باللیل لرداءۃ الکفن (صفحہ ۲۳۱)

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس حدیث کی شرح میں یہ الفاظ فرمائے ہیں ولجابوا عن ھذا الحدیث ان النھی کان

لترك الصلوٰة ولمرينه عن مجرد الدفن بالليل وانما نهى لترك الصلوٰة او نقلة المصلين او عن اساءة الكفن او عن المجموع كما سبق۔

امام نووی کا مطلب یہ ہے کہ یہ ممانعت یا تو ترک صلوٰۃ اور نمازیوں کی کمی کے باعث تھی یا بُرا کفن دینے کی وجہ سے تھی یا مجموعی امور کی وجہ سے تھی۔ اس ممانعت کا تعلق رات کو دفن کرنے سے نہ تھا۔

بہرحال میت کو رات میں دفن کرنے کو ناجائز اور حرام کہنا ایک عامیانہ خیال ہے جس کا ثبوت نہ قرآن میں ہے اور نہ حدیث میں اور نہ علماء امت کے اقوال میں بلکہ تعجیل دفن اور فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اذا مات احدکم فلا تحبسوہ واسرعوا بہ الیٰ قبرہ کے منافی ہے۔ ھٰذا ما ظھرلی واللّٰہ اعلم بالصواب وعندہ علم الکتاب۔

(مفتی اعظم حضرت مولانا کفایت اللہ (صاحب) عفاعنہ)

استفتاء

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین دربارۂ مسائل ذیل کے (۱) ایسی جگہ پر جہاں ایک جامع مسجد زیر تعمیر ہے مسلم آبادی کا مرکز ہے کچھ سے زائد دکانات کا بازار ہے مثل اسکول تھانہ اور ڈاک خانہ وغیرہ واقع ہونے کی وجہ سے صدہا نمازی موجود رہتے ہیں بروئے سنت والجماعت نماز جمعہ جائز ہے اور اس بیہودہ بات جس نماز جمعہ ناجائز کا اطلاق ہوتا ہے؟ ایسے نمازیوں کے لئے شرعی حکم کیا ہے جو عدم جواز کے شبہ یا بہانے سے جمعہ کے دن تارک الجماعت رہتے ہیں اور جہاں نماز جمعہ ناجائز ہو وہاں نماز ظہر ہی جائز ہے۔

(۲) ایسے مسلمان کے لئے کیا حکم ہے جو تعمیر مسجد کے نام سے وصول کرکے زرچندہ اپنے مکان کی تعمیر یا ذاتی خرچ میں صرف کر ڈالے۔

(۳) ایسے مسلمان کی فوتیدگی کے بعد جو تمام عمر تارک الصلوٰۃ وصوم کا عادی رہا ہو اس کے ورثاء کا ایصال ثواب اور متوفی کی بخشش کے لئے خرچ کرنا کیا حکم رکھتا ہے اور جب کہ متوفی مقروض ہو اور ورثا بار بار تقاضہ کرانے کے باوجود بھی قرضہ ادا نہ کرتے ہوں کیا حکم ہے؟

الجواب

ایسے مقام میں جس کا ذکر سوال نمبر ایک میں ہے نماز جمعہ جائز ہے جو لوگ کہ وہاں جمعہ کو ناجائز سمجھ کر نماز جمعہ میں شریک نہیں ہوتے ان کے ساتھ کوئی سختی نہ برتنی چاہیئے کہ ان کا خیال بھی مذہبی وجوہ پر مبنی ہے۔

(۲) وہ شخص سخت گناہ گار اور فاسق ہے اور اس رقم کا ضامن ہے جو اس نے مسجد کے نام سے وصول کی ہے۔

(۳) اس کی طرف سے ایصال ثواب کرنا جب کہ ورثا اپنے مال میں سے کریں جائز تو ہے مگر اس کے ذمہ کا قرضہ ادا کرنا مقدم ہے۔ پہلے قرضہ ادا کرنا چاہیئے اس کے بعد اگر کوئی وارث اس کے ساتھ احسان کرنا چاہے اور اپنے پاس سے مال خرچ کرکے ایصال ثواب کرے تو جائز ہے۔

(حضرت مفتی اعظم مولانا محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ)

استفتاء

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک لڑکی کا نکاح نابالغی کی عمر تین برس کی تھی اور باپ زندہ تھا۔ لیکن دادا نے نکاح پڑھوایا تھا باپ راضی نہ تھا اور نکاح کے بعد بھی باپ راضی نہیں ہے اب لڑکی بالغ ہو گئی ہے نکاح سے انکار کرتی ہے حتی الوسع شوہر کو نا پسند کرتی ہے کہ اس کے ساتھ شادی نہیں کرائے گی اب جوان لڑکی اس کے ساتھ شادی نہیں کراتی۔ لہٰذا جوان لڑکی کا رکھنا دشوار ہے۔ لڑکا طلاق نہیں دیتا اور شادی کرنا چاہتا ہے اور لڑکی اس سے شادی کرنے سے انکار کرتی ہے اور لڑکی کا باپ پہلے بھی راضی نہ تھا اور اب بھی راضی نہیں ہے۔ نیز لڑکی کا دادا فوت ہو گیا ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ لڑکا بالغ ہونے پر دماغ خراب کھتا ہے کسی چیز کا سلیقہ اب کیا کیا جاوے؟

لڑکی کا باپ اگر کسی صورت سے راضی کر لیا جاویگا تو لڑکی کا انکار جائز ہوگا یا ناجائز اس بات کی ضرورت ہے؟

الجواب

اگر واقعہ یہ ہے کہ لڑکی کا باپ راضی نہ تھا اور دادا نے نکاح کر دیا تو نکاح ہی نہیں ہوا لیکن اگر لڑکی کا باپ راضی تھا یا اس نے نکاح کے بعد اپنی رضامندی ظاہر کر دی تھی تو پھر جب تک لڑکا طلاق نہ دے طلاق نہیں ہو سکتی اگر لڑکا مجنون اور پاگل ہو تو کسی مسلمان حاکم کو درخواست دیکر نکاح فسخ کرایا جاسکتا ہے۔

(حضرت مفتی اعظم مولانا محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ)

استفتاء

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت جس کا مہر مؤجل ہے اس کو اس مہر مؤجل کے مطالبہ کا کس وقت تک حق ہے مفصل طور پر مطلع کیجئے بینوا توجروا

الجواب

مہر مؤجل میں اگر اجل معین کر دی گئی ہے مثلاً دس برس یا بیس برس یا یہی کہہ دیا گیا ہو کہ موت یا طلاق کے بعد حق مطالبہ ہوگا تو اس صورت میں تو تصریح کے موافق عمل ہوگا اور اگر یہ تصریح نہیں کی گئی صرف یہ کہہ دیا گیا یا لکھ دیا گیا کہ مہر مؤجل بھی معجل کے حکم میں ہے اور عورت کو ہر وقت مطالبہ کا حق ہے۔ (حضرت مفتی اعظم مولانا کفایت اللہ کان اللہ لہ)

اسلامی فتوحات

گذشتہ سے پیوستہ

مرتدین سے پہلا معرکہ

(از جناب علامہ فاروقی صاحب)

مسلمانوں نے مکہ کے کفار و مشرکین پر آخری فتح ۸ھ میں حاصل کی تھی اور مرکز اسلام مکہ معظمہ پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا تھا اس فتح نے اسلام کی شوکت کو غیر معمولی فروغ بخشا، ہوتے کافروں پر مسلمانوں کی طاقت کا سکہ بیٹھ گیا اور عرب قبائل اسلام کی طرف مائل ہو گئے چنانچہ مورخین کا بیان ہے کہ ۹ھ ہجری میں عرب قبائل نے حضورؐ کی خدمت میں اس کثرت سے وفود بھیجے کہ اس سال کا نام "سنۃ الوفود" ہو گیا یہ وفد حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوتے اپنے قبیلہ کی خواہش قبول اسلام کو ظاہر کرتے اور مسلمان ہو جاتے اور وفد کی خواہش پر حضورؐ کسی صحابی کو اس کے ساتھ کر دیتے تاکہ وہ قبائل کو اسلام کے ارکان سکھائے امامت کرے اور تبلیغ کے فرائض انجام دے

اس سال عرب میں اس طرح اسلام پھیل گیا جس طرح بارش کے پانی کی رَو تمام علاقوں کو سیراب کر دیتی ہے اور عرب کا بڑا حصہ مسلمان ہو گیا چونکہ یہ لوگ اسلام کی طاقت سے مرعوب ہو کر مسلمان ہوئے تھے اسلام کا سچا جذبہ ان کے دلوں میں نہ تھا اس لئے حضورؐ کی وفات کے بعد یہ لوگ یہ خیال قائم کر کے کہ اب اسلام کی طاقت فنا ہو چکی ہے مرتد ہو گئے اور ارتداد کا یہ سلسلہ اس قدر بڑھا کہ صرف چند قبائل اسلام کے مطیع و منقاد رہ گئے اور باقی سب ارتداد کی رَو میں آ گئے۔

مرتدین میں سے جو قبائل طاقتور تھے انہوں نے چاہا کہ مدینہ پر قبضہ کر کے مسلمانوں کی اس تھوڑی سی تعداد کو بھی فنا کر دیں جو اسلام پر مضبوطی سے قائم تھی تاکہ عرب میں پھر جاہلیت کا زمانہ واپس آ جائے۔ چنانچہ قبیلہ بنو عبس و ذبیان اس ارادہ سے آگے بڑھے، عبس کے لوگوں نے مقام ابرق میں پڑاؤ ڈالا اور ذبیان مقام ذی القصہ میں قیام پذیر ہوئے، ان لوگوں کے ساتھ قبائل بنو اسد اور کنانہ کے بھی چند آدمی تھے۔

دونوں جماعتوں میں سے کچھ لوگ یکجا ہوئے اور ایک وفد بن کر حضرت ابوبکر رضؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ مطالبہ کیا کہ نمازیں کچھ کمی کر دی جائے اور زکوٰۃ کو بالکل معاف کر دیا جائے یا یہ کہ زکوٰۃ بالکل چھوڑ دی جائے اور صرف نماز پر اکتفا کی جائے حضرت ابوبکر رضؓ نے ان کی خواہش کو سن کر فرمایا کہ:- خدا کی قسم! نہ میں زکوٰۃ کی ایک رسّی کو چھوڑوں گا اور نہ نماز کی ایک رکعت کو کم کروں گا"

مرتدین کا یہ وفد خشک جواب سن کر واپس چلا گیا اور اپنے لوگوں کو جا کر بتایا کہ مسلمانوں کی تعداد بہت کم ہے عبس و ذبیان کے لوگ یہ سن کر خوش ہو گئے اور مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے آگے بڑھے

حضرت ابوبکر رضؓ نے وفد کے واپس جانے پر صحابہ کو تیار رہنے اور احتیاط برتنے کا حکم دیدیا چنانچہ حضرت علی رضؓ، زبیر بن عوام، طلحہؓ اور عبداللہ بن مسعود کو مدینہ کے ناکوں پر مقرر کیا گیا اور تمام صحابہ مقابلہ کے لئے تیار ہو گئے۔

عبس وغیرہ قبائل کے لوگ آئے اور ناکوں پر حملہ کیا فوراً حضرت ابوبکر رضؓ کو خبر دی گئی اور آپ نے صحابہ کو مدد کے لئے بھیجا معمولی سے مقابلہ کے بعد مرتدین کو شکست ہوئی اور وہ بھاگ کھڑے ہوئے مسلمانوں نے ان کا تعاقب مقام ذی خشب تک کیا ذی خشب میں مرتدین نے یہ چال کی کہ ایک دوسرے راستے سے بانسری و دف بجاتے اور زمین پر پاؤں مارتے طرح طرح کی حرکات کرتے آئے جس سے مسلمانوں کے اونٹ بھڑک کر بھاگ کھڑے ہوئے ہر چند مسلمانوں نے اونٹوں کو روکنا چاہا لیکن وہ نہ رکے اور مدینہ میں جا کر دم لیا۔ مرتدین نے یہ سمجھا کہ مسلمانوں کو شکست ہوئی فوراً انہوں نے قبیلۂ ذبیان کے لوگوں کو جو ذی القصہ میں پڑاؤ ڈالے پڑے تھے یہ اطلاع دی کہ وہ مسلمانوں پر حملہ کر دیں۔

ادھر حضرت ابوبکر رضؓ نے مدینہ کے مسلمانوں کو فراہم کر کے اول وقت صبح کی نماز پڑھی اور پھر ان کو لے کر میدان میں نکلے میمنہ پر نعمان بن مقرن کو اور میسرہ پر عبداللہ بن مقرن کو مقرر کیا اور مرتدین پر حملہ کیا۔ مسلمانوں نے اس جوش سے مقابلہ کیا کہ مرتدین کے چھکے چھوٹ گئے اور دوپہر ہونے سے پہلے پہلے مرتد قبائل بھاگ کھڑے ہوئے۔ بہت سے آدمی ان کے مارے گئے اور کثیر مال غنیمت چھوڑ گئے۔ حضرت ابوبکر رضؓ نے مقام ذی القصہ تک ان کا تعاقب کیا۔

ادھر تو حضرت ابوبکر رضؓ تعاقب میں روانہ ہوئے اور ادھر نعمان بن مقرن مسلمانوں کی ایک جماعت کے ساتھ مال غنیمت کی حفاظت پیچھے بنو ذبیان و عبس کے لوگوں نے یکایک ان پر حملہ کیا مال کو چھین لیا اور جس قدر مسلمان وہاں موجود تھے ان کو شہید کر دیا۔ حضرت ابوبکر رضؓ جب تعاقب سے واپس آئے اور اس واقعہ کی خبر ملی تو آپ کو سخت رنج

ہوا اور غیظ و غضب کی حالت میں آپ نے قسم کھائی کہ "مرتدین نے جن مسلمانوں کو شہید کیا ہے جب تک میں اتنے ہی دشمنان خدا سے بدلہ نہ لے لوں گا چین سے نہ بیٹھوں گا۔

حضرت اسامہ رضہ کی واپسی کی خبر آچکی تھی جب وہ مدینہ میں پہونچ گئے اور ادھر اطراف و جوانب سے صدقات کا مال آگیا تو حضرت ابو بکر رضہ نے مرتدین سے مقابلہ کی پھر تیاریاں شروع کیں اور چند روز میں انتظام کرکے حضرت اسامہ رضہ کو اپنا قائم مقام بنایا اور خود مجاہدین کی جان نثار جماعت کو لے کر مقامات ذی حسی اور ذی القصہ کی طرف بڑھے مقام ابرق تک مرتدین سے مقابلہ ہوا اس معرکہ میں قبائل بنو عبس و ذبیان بنو بکر اور چند مشہور شخص مسلمانوں کے مقابلہ پر آئے تھے دونوں فریقین کے درمیان سخت مقابلہ ہوا مسلمانوں نے دشمنان اسلام کو شمشیر و نیزہ پر رکھ لیا اور بہت تھوڑی دیر میں مرتدین کو شکست فاش دی مرتدین شکست پاکر بھاگے اور مسلمانوں نے ان کا تعاقب کرکے بہت سے لوگوں کو مار ڈالا۔

اس واقعہ کے بعد حضرت ابو بکر رضہ چند روز تک مقام ابرق میں قیام پذیر رہے اور اس عرصہ میں یہ انتظام کیا کہ جن مقامات پر بنو ذبیان رہتے تھے ان مقامات کو ان سے چھین لیا اور ان کو بے دخل کرکے وہاں مسلمانوں کو آباد کر دیا، اور اس کے بعد صحابہ کو لے کر مدینہ واپس تشریف لے آئے۔

اس جنگ سے مرتدین کے حوصلے پست ہوگئے اور اسلام کی شوکت کو غیر معمولی فروغ حاصل ہوا لوگوں پر مسلمانوں کا رعب قائم ہوگیا اور اسلام کی طاقت کا سکہ دلوں پر بیٹھ گیا۔

مرتدین سے مقابلہ کیلئے لشکروں کی روانگی

جب حضرت اسامہ رضہ کا لشکر آرام لے چکا تو حضرت ابو بکر رضہ نے مسلمانوں کو جمع کرکے گیارہ لشکر ترتیب دئے اور ہر لشکر پر ایک امیر مقرر کرکے ایک جھنڈا اس کو مرحمت فرمایا اور حکم دیا کہ ہر قبیلہ میں سے چند آدمیوں کو مدینہ کی حفاظت کے لئے چھوڑ دیا جائے اور باقی لوگوں کو لے کر مرتدین سے مقابلہ کیا جائے تاکہ مرتدین کا نام صفحۂ ہستی سے مٹ جائے۔

جب یہ لشکر روانگی کے لئے تیار ہوگئے تو حضرت ابو بکر رضہ خود بہ نفس نفیس اس لشکر کے ساتھ روانہ ہوئے جس کے امیر حضرت خالد بن الولید تھے اس لشکر میں مہاجر اور انصار شامل تھے، مقام ذی القصہ پر پہنچ کر پڑاؤ ڈالا اور چند روز یہیں قیام فرمایا۔ یہاں سے حضرت ابو بکر رضہ نے اطراف مدینہ کے قبائل اسلم، غفار، مزینہ، اشجع اور جہینہ وغیرہ کو دعوت جہاد دی اور چند روز میں مدینہ کے اطراف سے مجاہدین کا آنا شروع ہوگیا یہاں تک کہ ایک بڑی تعداد جمع ہوگئی۔

حضرت عمر بن الخطاب اور حضرت علی رضہ نے جب دیکھا کہ حضرت ابو بکر رضہ خود بہ نفس نفیس مرتدین سے لڑنے کے لئے جانے کا ارادہ رکھتے ہیں تو آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ امیر المومنین آپ کا مدینہ سے باہر جانا مناسب نہیں آپ مدینہ واپس تشریف لیجائیں مرتدین سے مقابلہ کا کام ہم لوگ کرلینگے مگر حضرت ابو بکر اصرار کرتے رہے آخر حضرت عمر رضہ نے فرمایا خلیفہ رسول اللہ صلعم! آپ مسلمانوں کی پناہ گاہ اور محافظ ہیں اگر آپ مرتدین سے لڑنے کے لئے تشریف لے جائیں گے تو یہاں کے لوگ بھی مرتد ہو جائیں گے اور حق پر باطل غالب آجائیگا دار قطنی میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضہ سے منقول ہے کہ جب حضرت ابو بکر رضہ مرتدین سے لڑنے کے لئے خود جانے پر تیار ہوگئے اور سواری پر سوار ہوئے تو علی بن ابی طالب رضہ نے آپ کی باگ پکڑلی اور کہا خلیفہ رسول اللہ کہاں کا ارادہ ہے میں آپ کو وہ بات یاد دلاتا ہوں جو رسول اللہ صلعم نے آپ سے احد کے دن فرمائی تھی آپ اپنی تلوار کو نیام میں ڈال دیجئے اپنی ذات کے نقصان سے ہم کو مصیبت میں نہ ڈالئے اور مدینہ واپس تشریف لے جائیے۔ خدا کی قسم اگر آپ شہید ہوگئے تو پھر اسلام کا نظام کبھی قائم نہ ہوسکیگا۔

مختصر یہ کہ جب صحابہ نے زیادہ اصرار کیا تو حضرت ابو بکر رضہ نے تمام لشکروں کو ضروری ہدایات دیں اور ان کو مختلف اطراف میں روانہ کر دیا حضرت ابو بکر رضہ نے جو لشکر ترتیب دئے تھے ان کی تفصیل مورخین نے اس طرح بتائی ہے کہ:-

(۱) خالد بن ولید کا لشکر:- حضرت ابو بکر رضہ نے اس لشکر کو حکم دیا کہ یہاں سے سیدھے طلیحہ کی طرف جاؤ اور اس پر حملہ کرو۔ اس سے فارغ ہوکر بطاح کی طرف بڑھو اور مالک بن نویرہ پر حملہ آور ہو۔

(۲) عکرمہ بن ابی جہل کا لشکر اس کو یمامہ اور مسیلمہ پر حملہ آور ہونے کا حکم دیا گیا

(۳) خالد بن سعید کا لشکر اس کو شام کی جانب مقام مشارف پر بھیجا گیا۔

(۴) عمرو بن العاص کا لشکر:- مرتدین قضاعہ سے لڑنے کے لئے روانہ کیا گیا

(۵) حذیفہ بن محصن کا لشکر:- دبا کے لوگوں پر حملہ آوری کے لئے روانہ کیا گیا

(۶) عرفجہ بن ہرثمہ کا لشکر:- مقام مہرہ پر حملہ کرنے کا حکم دیا گیا۔

(۷) طریفہ بن حاجز کا لشکر:- بنو سلیم اور بنو ہوازن کی سرکوبی پر مامور کیا گیا

(۸) سوید بن مقرن کا لشکر تہامہ (یمن) کی جانب روانہ کیا گیا۔

(۹) علاء حضرمی کا لشکر:- بحرین کی طرف روانہ کیا گیا۔

(۱۰) شرجیل بن حسنہ کا لشکر مسیلمہ و یمامہ کی طرف بھیجا گیا اور حکم دیا کہ:- یہاں سے فراغت کرکے قضاعہ پر حملہ کرنا پھر حضر موت پہنچ کر کندہ سے معرکہ آرا ہونا

(۱۱) گیارہویں لشکر کی کیفیت معلوم نہ ہوسکی۔

حضرت ابو بکر رضہ نے لشکروں کے سرداروں کو ایک تحریری فرمان دیا تھا جس میں جہاد وغیرہ کے متعلق ضروری ہدایات تھیں اور ان لشکروں کے روانہ ہونے سے پہلے اتمام حجت کے لئے مرتدین کی طرف بھی خطوط روانہ کئے

افسانے

عبدالمسیح کی بیٹی

۱

جہاں اب شہر کوفہ واقع ہے آفتاب اسلام طلوع ہونے سے قبل اس کے اطراف میں دریا کے کنارے نصارائے عرب کا ایک مشہور شہر حیرہ آباد تھا جو اس زمانہ میں ایک متمدن اور مہذب شہر اور دینی مذہبی علوم و فنون کا مرکز خیال کیا جاتا تھا یہ علاقہ شاہ فارس کے زیر نگین تھا اور اس کے حاکم عموماً نصارائے عرب میں سے مقرر کئے جاتے تھے۔

جس زمانہ کا ہم ذکر کر رہے ہیں اس وقت حیرہ کا حاکم نعمان بن منذر تھا اور شہر میں اس علاقہ کے بڑے بڑے زمیندار آباد تھے جن کے عالی شان مکانات اور قصور میں ہر وقت چہل پہل رہتی تھی۔

عید نوروز کا دن تھا شہر دلہن کی طرح آراستہ تھا اور دور دور سے لوگ اس تقریب میں شرکت اور تماشا دیکھنے کی غرض سے آئے ہوئے تھے، شہر کے بازاروں میں حاکم علاقہ اور زمینداروں کا مذہبی جلوس دیکھنے کے لئے لوگ صف بستہ تھے دوکانوں کی چھتوں اور عالی شان مکانات کے بالائی کمروں پر عورتوں اور بچوں کا اجتماع تھا ہر شخص عید کی خوشی میں سرشار تھا اور اپنی حیثیت کے مطابق بہترین لباس زیب تن کئے ہوئے تھا، وقت مقررہ پر جلوس حاکم علاقہ کے محل سے مرتب ہو کر باہر نکلا۔ اور روانہ ہوا آگے مذہبی پیشوا تھے پھر حاکم علاقہ، ارکان و اعیان حکومت اور اس کے بعد زمیندار اور ان کے خاندان کے لوگ۔

جلوس ایک موڑ سے گذر رہا تھا کہ ایک نوجوان لڑکی کا گھوڑا کسی چیز سے ڈر کر بھڑکا اور اپنے حسین و جمیل سوار کو گراتے اور دیوانہ وار بھاگنے کی کوشش کرنے لگا تھا ایک نوجوان جو غالباً حیرہ کا باشندہ نہ تھا آگے بڑھا اور گھوڑے کو قابو میں لانے کے لئے اس کی ایال کو پکڑ لیا اور اپنی مہارت فن کو کام میں لا کر گھوڑے کی پیشانی اور گردن کو تھپکنے لگا۔ گھوڑا اس کی تسلی و شفقت سے مانوس ہو کر ٹھہر گیا اور پھر خوف دور ہوتے ہی سر کو خم کر کے آگے روانہ ہو گیا، نوجوان لڑکی نے نوجوان کی اس ہمدردی کا پُر اثر الفاظ میں شکریہ ادا کیا اس کی طرف ممنون نگاہوں سے دیکھا اور جذبات ہمدردی سے معمور دل پر ہاتھ رکھ کر اور سر کو جنبش دیکر جلوس کی قطار میں شامل ہو گئی۔

(۲)

حیرہ کے زمیندار عبدالمسیح کی بیٹی شیما اس علاقہ کی حسین عورتوں میں غیر معمولی شہرت رکھتی تھی بہت سے مسیحی نوجوان اس کے خواستگار تھے لیکن خود شیما ان نوجوانوں کو اس لئے پسند نہ کرتی تھی کہ ان میں مذہبی جذبات کی کمی تھی اور وہ مذہبی معاشرت سے بیگانہ تھے۔ شیما نے جس ماحول میں پرورش پائی تھی وہ بالکل مذہبی تھا اس کا باپ اور بھائی بالکل مذہبی زندگی بسر کرتے تھے اور ماں ایک مذہبی پیشوا کی بیٹی تھی

حیرہ کے عرب نصاریٰ کی مذہبی زندگی بری نہ تھی مگر استبداد زمانہ نے دوسرے مذاہب کی طرح مسیحیت کی شکل کو بھی تبدیل کر دیا تھا اور حیرہ کے مسیحی اسی مسخ شدہ مسیحیت کے نام لیوا تھے۔

عبدالمسیح کا خاندان مسیحیت کو اس شکل میں دیکھنے کا آرزومند تھا جو گہوارہ سے نکلنے کے بعد صورت پذیر ہوئی تھی مگر اس زمانہ میں مسیحیت کی یہ شکل ناپید تھی ممکن ہے مذہبی مقامات مقدسہ میں کچھ لوگ اس قسم کی زندگی رکھتے ہوں ورنہ عام طور پر رسم و رواج کے ہی پابند تھے۔

شیما چاہتی تھی کہ کوئی ایسا سچا مسیحی نوجوان مل جائے جس کے پہلو میں مسیحیت کے اصلی جذبات سے معمور دل ہو تو وہ اس سے شادی کرے مگر ایسا کوئی نوجوان نہ ملتا تھا اور شیما کی کا فرجوانی ضرورت سے زیادہ مذہبی عقیدت و اشتداد کے نذر ہو رہی تھی۔

نوروز کے دن جس نوجوان نے شیما کے گھوڑے کو شوخیوں اور شرارت سے روکا تھا شیما اس کی انسانی ہمدردی سے بہت متاثر ہوئی تھی وہ جلوس سے واپس آ کر اکثر اس خیال میں محو نظر آتی تھی کہ وہ نوجوان کون تھا اور کہاں کا تھا جس نے اس کے ساتھ اتنی ہمدردی کی کہ اپنے آپ کو خطرہ میں ڈال کر مجھ کو گھوڑے کی شرارتوں سے بچا لیا اسی سلسلہ میں کئی مرتبہ اس کے دل میں یہ خیال بھی پیدا ہوا کہ اگر اس نوجوان کا پتہ مل جائے تو یقیناً وہ رابطۂ مودت کے قابل ہے لیکن باوجود کوشش اور جستجو کے اس کا پتہ نہ چلا اور نہ یہ معلوم ہو سکا کہ وہ کہاں کا رہنے والا تھا۔

مختصر یہ کہ نوروز کے بعد شیما کی اس نوجوان کا خیال اکثر آتا تھا اور چند روز بعد وہ اس امر پر آمادہ ہو گئی تھی کہ اگر وہ مل جائے اور وہ شادی کی خواہش کرے تو وہ بلا شرط اس کی درخواست کو قبول کر لے گی اور اس کی زندگی میں شریک ہو جائے گی۔

(۱۴)

جن غزوات میں آقائے دوجہاں حضور صلعم نے بنفسِ نفیس شرکت فرمائی تھی ان میں غزوۂ تبوک آخری غزوہ تھا اس وقت تک غزوات پر جانے یا سامان فراہم کرکے خود ہمراہ لے جانے کا طریقہ یہ تھا کہ خاموشی کے ساتھ کام کیا جاتا تھا اور بجز چند مخصوص خدام کے کسی کو مہم سے آگاہ نہ کیا جاتا تھا غزوۂ تبوک میں حضور صلعم نے اس مہم کے مقام کا عام اعلان کر دیا تھا۔ اور لوگوں کو تیاری کا حکم دیدیا تھا۔

اس غزوہ کا سبب یہ ہوا کہ قسطنطنیہ کے بادشاہ ہرقل نے مسلمانوں کی مسلسل و پیہم کامیابیوں کے حالات سن کر یہ خطرہ محسوس کیا کہ مسلمانوں کی طاقت بڑھ جانے پر ایسا نہ ہو کہ وہ ہمارے مقبوضات پر حملے کرنے لگیں اس لئے بہتر یہ ہے کہ ان کو اس کا موقعہ نہ دیا جائے اور ان کی طاقت کو ابتدا ہی میں ختم کر دیا جائے چنانچہ اس نے مسلمانوں پر حملہ کرنے کی تیاریاں شروع کر دیں، اور فوجوں کو فراہم کرنے لگا۔

حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب اس کا علم ہوا تو آپؐ کافی تیاریاں کرنے کے بعد ۹ھ میں مدینہ سے کوچ فرمایا اور تبوک پہنچے اور ۲۰ روز تک تبوک میں اقامت پذیر رہے مگر نہ تو ہرقل کی رومی فوج مقابلہ پر آئی اور نہ نصارائے عرب نے مقابلہ کیا، آخر اکیسویں روز آپؐ نے تبوک سے مدینہ منورہ کی طرف کوچ کیا۔

اس علاقہ میں مسلمانوں کی اس پیش قدمی کے نتائج بہت بہتر نکلے بہت سے حاکموں اور زمینداروں نے مسلمانوں کی اطاعت قبول کرکے جزیہ دینا منظور کر لیا اور بہت سے لوگ حلقۂ اسلام میں داخل ہوگئے۔

انہیں ایام میں خزیمہ بن اوس حضور صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول فرمالیا خزیمہ[1] کا بیان ہے کہ آپؐ تبوک سے واپس ہو رہے تھے کہ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اسلام قبول کر لیا اور میں نے آپ کو یہ فرماتے سنا کہ:۔

یہ شہر حیرہ تمہارے حوالے کیا گیا ہے عنقریب تم اس کو فتح کر لوگے اور یہ بقیلہ ازدیہ کی بیٹی شیما سفید خچر پر سوار اور سیاہ دوپٹہ اوڑھے تم کو ملے گی۔

خزیمہ کہتے ہیں میں نے حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یہ الفاظ سن کر عرض کیا "یارسول اللہ! اگر ہم حیرہ میں داخل ہوں اور شیما کو ہم اسی حال میں پائیں تو کیا وہ میری ملکیت قرار پا سکتی ہے؟"

حضور صلعم نے میری اس خواہش کو سن کر فرمایا "ہاں" وہ تیری ملکیت ہے۔"

(۱۴)

حضرت ابوبکر رضؓ نے محرم الحرام ۱۲ھ میں خالد بن ولید رضؓ کا اول یمامہ روانہ فرمایا اور پھر وہاں سے عراق جانے کا حکم دیا، عراق میں حضرت خالد بن ولید اور مثنیٰ بن حارثہ نے خدا کے فضل و کرم سے بہت جلد سے علاقوں کو فتح کر لیا اور کسریٰ کے لشکروں کو شکست دیتے ہوئے حیرہ تک پہنچ گئے، حیرہ کے زمیندار اپنے حاکم ایاس بن قبیصہ طائی کے ساتھ مسلمانوں سے مقابلہ کے لئے نکلے اور عرین کے مقام پر لشکر کو آراستہ کیا۔

حیرہ کے زمیندار نے اول اپنے لڑکے کو دریا کنارہ بھیجا کہ وہ مسلمانوں کی کشتیوں کی طرف پانی نہ جانے دے تاکہ وہ خشکی میں رہ جائیں چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا خالد بن ولید چند آدمیوں کو ساتھ لے کر چلے اور زمیندار کے لڑکے اور اس کے ساتھیوں پر قابو پاکر ان کو مار ڈالا۔

حیرہ کے مرزبان (زمیندار یا محافظ) کے بیٹے کو قتل کرکے حضرت خالد بن ولید سپاہ کو لے کر آگے بڑھے اور مرزبان کو دعوت مقابلہ دی مگر مرزبان نے مقابلہ نہ کیا اور حیرہ کو چھوڑ کر بھاگ گیا

مرزبان کے بھاگ جانے پر حضرت خالد بن ولید رضؓ نے حیرہ کو محاصرہ میں لے لیا اور پھر پوری قوت سے حملہ کرکے اس کو فتح کر لیا اور جو لوگ لشکرِ اسلام کے مقابلہ میں آئے ان کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

جب شہر پر مسلمانوں کا قبضہ ہوگیا تو حیرہ کا حاکم ایاس بن قبیصہ قصر ابیض سے باہر نکلا اور عمرو بن عبد المسیح بن بقیلہ کو ساتھ لے کر خالد بن ولید کی خدمت میں حاضر ہوا عبد المسیح ایک بوڑھا شخص تھا اس قدر بوڑھا کہ اس کی پلکیں تک سفید ہو چکی تھیں، حضرت خالد بن ولید رضؓ نے اس سے پوچھا "تمہاری کتنی عمر ہوگی؟" عبد المسیح نے کہا "کئی سو سال[1]" خالد بن ولید رضؓ نے پوچھا "تم نے اپنی عمر میں کون سی عجیب بات دیکھی ہے؟" عبد المسیح نے عرض کیا "میں نے دیکھا ہے کہ ایک زمانہ میں دمشق و حیرہ کا درمیانی راستہ اس قدر پُرامن و محفوظ اور منتظم و آباد تھا کہ عورت صرف ایک روٹی گھر سے لے کر چلتی تھی اور اطمینان سے اپنا سفر پورا کر لیتی تھی۔"

عبد المسیح کے ساتھ ایک خادم بھی تھا جس کے ہاتھ میں ایک چھوٹی تھیلی تھی، حضرت خالد رضؓ نے دریافت کیا "اس تھیلی میں کیا ہے؟" عبد المسیح نے کہا "قاتل زہر ہے۔" حضرت خالد رضؓ نے تھیلی کو غلام سے لے لیا اور زہر کو ہتھیلی پر ڈال کر پوچھا "تم اس زہر کو ساتھ کیوں لائے ہو؟" عبد المسیح نے عرض کیا "اس لئے کہ اگر معاملہ عزت و حرمت تک پہونچے تو ہم اس کو استعمال کرکے مرجائیں کیونکہ ہمارے نزدیک مذہبی و قومی توہین سے مرجانا زیادہ محبوب ہے۔" حضرت خالد رضؓ نے فرمایا جب تک موت کا وقت نہیں

[1] حیاۃ الحیوان منقول از طبرانی و ابونعیم ۱۲

[1] بعض تاریخی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت عبد المسیح کی عمر ۳۵۰ سال کی تھی ۱۲

تا کوئی شخص نہیں مر سکتا۔

اس کے بعد حضرت خالد رضؓ نے بِسْمِ اللّٰهِ الَّذِي لَا يَضُرُّ مَعَ اسْمِهِ شَيْءٌ کہا اور زہر کو پھانک لیا اور زہر نے آپ پر کوئی اثر نہیں کیا۔ عبد المسیح نے یہ دیکھ کر کہا! جب تک خدا کی قسم آپ کی جماعت میں آپ جیسے لوگ رہیں گے آپ کبھی اپنے مقاصد میں ناکام نہیں رہ سکتے۔

(۵)

حیرہ کو فتح کر لینے کے بعد مجاہدین اسلام کی جماعتیں شہر کی طرف بڑھیں حضرت خزیمہ بن اوس سب سے پہلے شخص تھے جو شہر میں داخل ہوئے بازار سے گذر کر جب وہ اس محلہ میں پہونچے جہاں قصر ابیض واقع تھا۔ تو انہوں نے دیکھا کہ شہبا عبد المسیح کی بیٹی خچر پر سوار سیاہ دوپٹہ سر پر ڈالے قصر ابیض کی طرف جا رہی ہے خزیمہ بن اوس رضؓ آگے بڑھے اور شہبا کو اپنی نگرانی میں لے لیا۔

شہبا اوّل تو گھبرائی مگر جب اس نے اپنے گرفتار کرنے والے کو دیکھا تو حیرت میں رہ گئی خزیمہ بن اوس رضؓ اسلام قبول کرنے کے بعد بالکل اسلامی رنگ میں رنگ گئے تھے اور مسلمانوں کی حقیقی شان ان میں پائی جاتی تھی۔ شہبا نے غور سے ان کو دیکھا دل میں کہا یہ تو وہی جوان معلوم ہوتا ہے جس نے لوزونک کے دن اس کو خطرے میں پھنسنے سے بچایا تھا مگر جب وہ ان کی موجودہ ہیئت پر نظر ڈالتی تھی تو اس کے دل میں شبہات پیدا ہونے لگے۔ خزیمہ نے اس کو متردد و حیران پا کر کہا:-

شہبا! تمہارا خیال غلط نہیں ہے میں اگرچہ وہی ہوں جس کو لوزونک کے دن تم نے ہمکلامی کا شرف سے نوازا تھا، مگر حقیقت یہ ہے کہ میں اب وہ نہیں ہوں اس وقت میں حیوان تھا خواہشات کا بندہ، فواحش کا مجسمہ اور احکام الٰہی سے بے بہرہ مگر خدا کا شکر ہے کہ آج میں انسان ہوں خدا کی رضا و خوشنودی کا متلاشی، احکام الٰہی کی اطاعت کا متمنی اور مذہب و ملت پر جان فدا کر دینے کا آرزومند، لوزونک کے دن تم کو دیکھ کر، تمہاری مہربانی کی نظروں کی لذت سے آشنا ہو کر میں مدتوں تمہارے خیال میں دیوانہ رہا ہوں لیکن تم تک پہونچنے یا تم کو پانے کا راستہ مجھ کو نہ ملا میں نے سنا کہ راستہ میں ایسی جھاڑیاں ہیں جن سے الجھنا انسان کی قدرت میں نہیں ہے۔ ایسے کالنٹے ہیں جن کو ہٹانا امکان میں نہیں ہے آخر میں نے تمہارا خیال چھوڑ دیا اور اس مقدس ہستی کے قدموں میں پہنچ گیا جس نے میرے دل و دماغ کو اپنی اور خدا کی محبت سے روشن کر دیا اور اب دنیا کی کوئی چیز اسلام کی خدمت سے بہتر مجھ کو نظر نہیں آتی۔

شہبا نے خزیمہ کے الفاظ کو غور سے سنا اس کے چہرہ کا رنگ متغیر ہو گیا جو امیدیں دل میں پیدا ہوئی تھیں ختم ہو گئیں اور اس نے تعجب کے لہجہ میں پوچھا۔ کیا تم مسلمان ہو گئے؟

خزیمہ:- ہاں..... میں مسلمان ہوں اور اسلام میری زندگی ہے۔

شہبا! کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ تم میری خاطر مسیحیت کے آغوش میں آ جاؤ

خزیمہ! ناممکن اور قطعی ناممکن..... ہاں صرف ایک صورت ممکن ہو سکتی ہے اور وہ یہ کہ تم اسلام قبول کر لو اس کے بعد تم کو اختیار ہو گا کہ تم مجھ کو اپنی غلامی میں رکھ لو۔

شہبا! یہ سب کچھ ممکن ہے مگر یہ ممکن نہیں مذہب میری زندگی ہے میں اس زندگی میں مسیحیت سے جدا نہیں ہو سکتی۔

خزیمہ تم مسیحیت میں رہ کر بھی ایک مسلمان کو اپنا خدمتگذار بنا سکتی ہو

شہبا:- یہ بھی ناممکن ہے نصارائے عرب میں میرا خاندان اتنی عزت و حرمت رکھتا ہے کہ میں آسانی کے ساتھ اس کو تمہارے ہاتھوں فروخت نہیں کر سکتی۔

خزیمہ! بہتر ہوتا کہ ہم کوئی ایسی صورت نکال لیتے جو دونوں کیلئے مفید ہوتی

شہبا! میرے خیال میں ایسی کوئی صورت ممکن نہیں اور اب بہتر یہی معلوم ہوتا ہے کہ میں اپنی زندگی کو مسیح کی نذر کر دوں اور دنیا کی لذتوں سے بیگانہ بن جاؤں۔

خزیمہ! جن صورتوں میں۔ میں تمہارا خدمت گذار بن سکتا تھا ان کو میں نے پیش کر دیا ہے اگر تم کو ان میں سے کوئی صورت پسند نہیں ہے تو میں تم کو مجبور نہیں کروں گا اسلام نے جبر کی ممانعت کی ہے پھر اسی کے ساتھ میں یہ عرض کروں گا کہ اگرچہ شرعاً مجھ کو تم پر اقتدار حاصل ہو گیا ہے اور میں تم کو اپنے قابو میں لا سکتا ہوں مگر میں اپنی اسلامی خدمات کو اس لوث سے آلودہ کرنا نہیں چاہتا خواہ اس میں مجھ کو کتنی ہی تکلیف کیوں نہ ہو اب آخری رائے اور فیصلہ تمہارے ہاتھ میں ہے۔

شہبا:- افسوس ہے کہ ہم میں سے ایک بھی اپنے مسلک سے ہٹنا نہیں چاہتا اس لئے بہتر یہی ہے کہ ہم ایک دوسرے سے بالکل بیگانہ بن جائیں اور آئندہ کبھی اس خواب کو خیال میں نہ لائیں۔

میں اس وقت مسلمانوں کی لونڈی ہوں اگر آپ میری خاطر سے اتنی رواداری برتیں کہ معاوضہ لے کر مجھ کو چھوڑ دیں تو آپ کا یہ سلوک محبت کا ایک ایسا یادگار واقعہ ہوگا جس کو ہم اپنی زندگی میں کبھی نہ بھولیں۔

خزیمہ! تمہاری اس خواہش کو میں خوشی کے ساتھ پورا کر دوں گا۔

حیرہ پر کامل قبضہ ہو جانے کے بعد خزیمہ[1] بن اوس حضرت خالد بن ولید

[1] ابن اثیر نے صحابی کا نام سویل لکھا ہے اور ابن خلدون نے شریک نام بتایا ہے مگر دمیری نے حیوٰۃ الحیوان میں خزیمہ بن اوس کی حدیث طبرانی اور ابونسیم سے نقل کی ہے اس میں خزیمہ بن اوس کا نام ہے جو قبیلہ طے سے تعلق رکھتا تھا اسد الغابہ میں بھی خزیمہ ہی کا نام درج ہے ممکن ہے نام خزیمہ ہو اور سویل یا شریک اس کا لقب ہو ۱۲۔

ولید کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ عبد المسیح کی بیٹی شہبا کو حضور صلعم نے مجھ کو عطا فرمادیا تھا اس لئے وہ میرا حق ہے خالد بن ولید نے شہادت طلب کی خزیمہ نے دو شاہدوں[2] کو پیش کر دیا اور انہوں نے شہادت دی کہ غزوۂ تبوک سے واپسی پر حضور صلعم نے حیرہ کی فتح کی پیشین گوئی کی تھی اور خزیمہ کی خواہش پر شہبا کو اس کا حق قرار دیا تھا۔

اس کا فیصلہ ہو جانے پر کہ شہبا، خزیمہ بن اوس کا حق ہے حضرت خالد بن ولید نے جب ایاس بن قبیصہ کی خواہش پر مصالحت کی گفتگو شروع کی تو صلح کی بنیاد یہ شرط یہ قرار دی کہ عبد المسیح کی بیٹی شہبا کو ہمارے حوالہ کر دیا جائے ایاس بن قبیصہ نے اس شرط کو ناگواری کے ساتھ سنا اور عرض کیا کہ مسلمانوں نے بہت سے شہر فتح کئے لیکن مصالحت میں کسی موقعہ پر اس قسم کی شرط پیش نہیں کی گئی خالد بن ولید رضہ نے فرمایا کہ یہ بالکل درست ہے لیکن بعض وجوہ سے ہم مجبور ہیں کہ اس کے بغیر صلح ناممکن ہے۔

ایاس بن قبیصہ اور عبد المسیح نے اس موضوع پر تبادلۂ خیال کیا اور مجبور ہو کر اس شرط کو قبول کر لیا اور شہبا کو لایا گیا اور خالد بن ولید نے اس

---

[1] عبد المسیح کی بیٹی کا نام ابن اثیر نے کرامہ بتایا ہے اور اکثر مورخین نے شہبا لکھا ہے طبرانی اور ابو نعیم کی روایت میں بھی شہبا لکھا ہے ممکن ہے کرامہ شہبا کا لقب ہو۔

[2] شاہدوں کے نام اسد الغابہ میں محمد بن مسلمہ اور عبد اللہ بن عمر رضہ بتائے گئے ہیں اور بعض نے عبد اللہ بن عمر کے بجائے محمد بن بشیر رضہ لکھا ہے مگر صحیح روایت پہلی ہے ۱۲۔

کو خزیمہ بن اوس کی سپرد کر دیا اس کے بعد دو لاکھ نوے ہزار درہم جزیہ پر مصالحت ہو گئی اور خالد بن ولید نے ہدایا اور فتح حیرہ کی خوشخبری کا پیغام حضرت ابوبکر رضہ کی خدمت میں روانہ کر دیا۔

شہبا اور خزیمہ کے درمیان جو آخری فیصلہ ہوا تھا اگر اس میں خزیمہ کو اس امر کا یقین نہ دلاتا کہ وہ اس کو معاوضہ لیکر رہا کر دیگا اور شہبا ایاس بن قبیصہ اور عبد المسیح کو اس کا یقین نہ دلاتی کہ مسلمان معاوضہ لیکر آپ کو چھوڑ دیں گے تو ممکن ہے حیرہ کے باشندوں سے اس وقت مصالحت نہ ہو اور جنگ تک نوبت پہونچتی مگر شہبا کی دانشمندی اور خزیمہ کی مذہبی عقیدت دونوں نے مل کر اس خون ریزی کو روکا اور مصالحت کی بہترین صورت پیدا کر دی۔

مصالحت کے بعد شہبا، خزیمہ کو مل گئی تو شہبا کا بھائی عمرو اس کے پاس آیا اور کہا کیا تم شہبا کو فروخت کرتے ہو خزیمہ نے کہا ہاں، عمرو نے قیمت بتاؤ خزیمہ نے کہا ایک ہزار درہم سے کم لوں گا نہ زیادہ، عمرو نے فوراً ایک ہزار درہم گن دئے اور شہبا کو اپنے قبضہ میں لے لیا اور اس کے بعد کہا کہ اگر تم شہبا کے معاوضہ میں ایک لاکھ درہم مانگتے تو میں تم کو ایک لاکھ درہم ہی دیتا۔

خزیمہ نے کہا:- میں ایک ہزار درہم سے زیادہ کو جانتا ہی نہیں میرے خیال میں بڑی سے بڑی رقم ایک ہزار ہی ہے۔

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ

پاک ہے وہ ذات کہ لے گیا بندے اپنے کو رات کو مسجد حرام سے طرف مسجد

الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ

اقصیٰ کے وہ جو برکت دی ہم نے گرد اس کے کہ دکھلا دیں ہم کو نشانیاں اپنی تحقیق ... وہ ہے سننے والا دیکھنے والا

موضح: حق تعالیٰ نے اپنے رسول کو معراج کی رات لیگیا مکے سے بیت المقدس تک براق اوپر اور آگے لے گیا آسمانوں پر یہاں پر فقط اتنا ہی ذکر ہے مفصل احوال سورۂ النجم میں بیان ہوا ہے جس میں معراج جسمانی کی بھی بحث ہے۔

بدکردار ماں کا بدکردار بیٹا

(از عزیز حسن بقائی)

"توبہ اللہ ایسی نابکار نابکار اولاد کسی کو دے جو گلی گلی۔ کوچہ کوچہ باپ دادا کی ناک کٹواتی پھرے۔"

کہنے کو تو حمید کی ماں نے اور بھی بہت سی باتیں کہیں اور یقیناً وہ سب باتیں منشی عزیز نے گو نہ خاموشی کے ساتھ سن لی ہوں گی۔ مگر جب بیوی کی زبان سے یہ الفاظ نکلے کہ:- توبہ اللہ ایسی نابکار و نابکار اولاد کسی کو دے جو گلی گلی کوچہ کوچہ باپ دادا کی ناک کٹواتی پھرے" تو منشی جی قابو سے باہر ہوگئے اور انہوں نے غیر معمولی اور غیر متوقع سخت آواز میں بیوی سے کہا کہ:- تمہارا جو چاہے کہو لیکن اگر آئندہ تم نے یہی بات کہی جو ابھی کہی ہے تو میں تمہارا منہ نوچ لوں گا۔ تمہاری اس بات نے میرا کلیجہ نکال دیا ہے تم کہتی ہو کہ اللہ ایسی اولاد کسی کو نہ دے۔ مگر میں کہتا ہوں کہ کوئی اس قدر اندھا کیوں بن جائے کہ وہ اپنی اولاد کو ایسی بری راہ اختیار کرے اولاد باپ دادا کی ناک اس طرح کاٹتی پھرے اور ہاں باپ دادا کی ناک تو بڑے گھٹن ہی کٹتی ہے لیکن ماں کی ناک ..... کٹنے میں کوئی شبہ نہیں کیونکہ اگر اولاد ... بری تربیت پاتی ہے تو اس میں سراسر ماں کا قصور ہوتا ہے نہ کسی اور کا۔ اور اس کی وجہ ظاہر ہے کہ ماں پیدائش سے لے کر پانچ سات برس تک اولاد کو اپنی نگرانی میں رکھتی ہے اور تربیت دیتی ہے۔ بیچارے باپ کا کیا ہے صبح کا گیا شام کو گھر آیا، رات کو گھر میں بستر کرنے کا قصوروار ہوتا ہے وہ اولاد کو کیونکر اچھی یا بری تربیت دے سکتا ہے، جو اولاد کی حرکتوں کے باعث اس کی ناک کٹے۔

حمید کی ماں:- تو اس کے معنے یہ ہوئے کہ میں نے حمید کو ... ہے اور سارا عذاب میری گردن پر ہے۔

منشی عزیز:- بے شک تم نے اور فقط تم نے اس کا ناس ہی نہیں کیا بلکہ ستیاناس کیا ہے اور سارا عذاب تمہاری گردن پر ہے اور یہ جو کچھ میں کہتا ہوں خوب سمجھ کر کہہ رہا ہوں میں تم کو یاد دلاتا ہوں کہ بچپن میں جب حمید کی زبان توتلی تھی کیا اس وقت تم اس کو گالیاں نہیں سکھایا کرتی تھیں اور کیا جب وہ اپنی توتلی زبان سے گالیوں کے وہ الفاظ دہراتا تھا اس وقت تم اس کی گالیاں ایسی خوشی سے ہضم نہیں کیا کرتی تھیں گویا گالیاں نہیں مصری کی ڈلیاں ہیں کیا اسی بات پر شادی کے بعد میری تمہاری پہلی لڑائی نہیں ہوئی تھی جس کے سلسلہ میں تم نے کئی ہفتے میکے میں گذارے تھے اور کسی طرح گھر آنے کا نام نہ لیتی تھیں، میرے اوپر طرح طرح کے الزام لگا کر مجھے بدنام کیا کرتی تھیں تاکہ تمہارے ماں باپ تمہیں میرے یہاں بھیجنے کا نام نہ لیں۔ یہ وہ واقعات ہیں کہ جنہیں تم جھٹلا نہیں سکتیں اور اگر جھٹلا نہیں سکتیں تو بتاؤ کہ حمید کی بدکرداریوں کی بنا کس نے قائم کی!

حمید کی ماں: یہ سب کچھ سہی مگر میں نے اس نالائق کو چوری تو نہیں سکھائی تھی

منشی عزیز: تم جس قدر چھانٹو گی اسی قدر کرکرا تمہارے حصہ میں آئے گی جس قدر صفائیاں پیش کرو گی اسی قدر قابل الزام ٹھہرو گی۔

حمید کی ماں: ہاں تم نے تو عمر بھر مجھے برا کہا ہے ایک طرف نالائق بیٹا کیا جلا رہا ہے اور دوسری طرف تم میرے دل کا کام تمام کئے ڈالتے ہو۔ دنیا میں چاہے کسی کا قصور ہو الزام مجھ کمبخت پر ہی عائد ہوتا ہے کسی کو گالیاں دے مگر قصوروار میں کسی سے لڑے حمید مگر قابل الزام میں۔ اب چوری کی حمید نے تو بھی میں اور میری تربیت کی رسوائی ہو رہی ہے یہی ہے تم لوگوں کا انصاف۔

یہ کہہ کر حمید کی ماں رونے لگی روتی جاتی تھی اور کہتی جاتی تھی کہ کون ہوگا جو اپنی اولاد کو چوری سکھائے گا مگر اس کی چوری کا الزام بھی مجھ ہی پر آ رہا ہے یا اللہ کسی کی آئی ہو تو مجھے لے جائے۔

منشی عزیز: اگر تم یہ سمجھتی ہو کہ تمہارے ساتھ ناانصافی ہو رہی ہے تو سن لو کہ تم نے چاہے حمید کو براہ راست چوری نہ سکھائی ہو مگر واقعہ یہ ہے کہ اپنے اعمال اور اپنی حرکتوں سے تم نے اس کو چوری کی تربیت دی اگر تم اس الزام کو قبول نہ کرو تو میں ہزاروں باتوں میں سے صرف دو باتیں تمہیں یاد دلاتا ہوں ایک تو یہ کہ تم اکثر و بیشتر میری جیب سے بغیر میری اجازت دام نکالا کرتی تھیں اور جب سوال کیا جاتا تھا تو کہا کرتی تھیں کہ راستہ میں گر پڑے ہوں گے یا دفتر میں کسی نے نکال لئے ہوں گے پھر بعض اوقات جب پکڑی جاتی تھیں تو کہہ دیتی تھیں کہ میاں بیوی کی چوری چوری نہیں ہوتی میں جو کچھ تمہاری جیب سے نکالتی ہوں تمہارے گھر ہی میں پہنچا کر ڈالتی ہوں میکے نہیں بھیج دیتی کسی کو دے نہیں ڈالتی غرضکہ اس بات پر ... ہوتی تھی یاد ہے نا؟ اب دوسرا واقعہ یاد دلاتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ ایک میری بہن نے اپنے بچوں کے کرتے تراشنے کے لئے تمہارے پاس کپڑا بھیجا تھا تم نے کچھ کپڑا بچا کر اپنی بھانجی کی قمیص بنائی تھی اور اس بات پر میری بہن سے تمہاری لڑائی ہوئی تھی کہ سال ڈیڑھ سال تک میری بہن نے اس گھر میں قدم نہ رکھا۔ اب میں تم سے پوچھتا ہوں کہ یہ سب چھوٹی چھوٹی چوریاں نہیں تو اور کیا ہیں؟ اور حمید نے تمہاری ان حرکتوں سے چوری کی نہیں تو اور کس چیز کی تربیت حاصل کی ہوگی میں پھر کہتا ہوں کہ حمید کی ان تمام بدکرداریوں کی ساری ذمہ داری تمہارے اوپر عائد ہوتی ہے اور رنج کہ تو اس نے اپنے سبق کا رد بچپن ہی چرایا اور بدنامی کا دائرہ ابھی تک محدود رہا لیکن اگر یہی حال رہا تو آگے چل کر بڑی بڑی چوریاں کرے گا اور جیل جائے گا اور وہ نتیجہ ہوگا تمہاری ان مثالوں کا جو تم نے دانستہ یا نادانستہ طور پر اس کے بچپن میں اس کے سامنے پیش کی تھیں۔" اگرچہ رات زیادہ ہو چکی تھی لیکن ہمسائے اور ہمسائیاں ان میاں بیوی کی باتیں سن رہی تھیں یہاں تک کہ ڈاکٹر محمد علی کی بیوہ جو حسن و سال اور خوش مذاقی کے باعث خاص طور پر محلہ کی نظروں سے دیکھی جاتی تھیں انہوں نے ...

۴۴

شاہ جیلانیؒ

یہ کتاب رسالہ مجالس یعنی غوث اعظمؒ کی ایسی سوانح عمری ہے جو علامہ سید نذیر الحق مؤلف کتاب الاسلام نے لکھی ہے حضرت غوث پاک کے پڑھنے میں اس کے یہ مجالس ہیں جو مستند ہیں (۱) شخصیت تعلیمات (۲) ... (۳) کیفیت و خوشبو (۴) حلیہ مبارک لباس اخلاق (۵) آپ کا تفصیل طریقہ ریاضت عبادت (۶) آپ کا طریقہ (۷) آپ کی فضیلت بزرگی تمام اولیاء پر (۸) تعلیمات غوث اعظم (۹) کرامات غوث الاعظم (۱۰) آپ کی عبادت (۱۱) آپکی ازواج اور اولاد ضخامت ۸۰ صفحہ قیمت چھ آنہ محصول ۲ر

ملفوظات خواجہؒ

اس کتاب میں ملک الملوک سلطان الاولیاء حضرت خواجہ معین الدین اجمیری کی سوانح حیات ہے اس کے بعد خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کی لائف ہے اور خواجہ کاکی اور خواجہ غریب نواز کے تعلقات کا تذکرہ پھر خواجہ کاکی کا روزنامچہ ہے جس میں خواجہ غریب نواز کی مجالس حسنہ کے حالات قلمبند ہوئے ہیں یا یوں کہئے کہ حضرت خواجہ حسن سنجری کے عارفانہ مقالات ہیں جس میں غرائب حقائق ہیں خصوصاً عبادات کے متعلق تو وہ وہ نکات ہیں کہ نماز روزہ کا بلا اختیار عادی ہو جائیگا ضخامت ۸۰ صفحات قیمت چھ آنہ محصول ۲ر

سیرت نظامیؒ

یعنی حضرت سلطان المشائخ محبوب الٰہی خواجہ نظام الدین اولیاء قدس سرہ کی ابتدا سے انتہا تک مکمل تاریخ عمری آپکے والدین اور آپکی پیدائش تعلیم ریاضت مجاہدہ فتوحات و سخاوت و استغنا بندگان خدا پر شفقت و عنایت ارشاد و تلقین اسلامی نکات اور اوراد و اعمال کا مفصل بیان ہے نیز آپکے اکابرین خلفاء اور تمام خواجگان چشت کو نیز ہم عہد شاہان دہلی کے حالات بھی شامل کئے گئے ہیں اور عمارت آستانہ شریف کا بھی مکمل حال ہے ۲۲۴ صفحہ کی مجلد کتاب ہے قیمت صرف ۱۲ر

سوانح مولانا رومؒ

اسلام کے اہل صوفی متکلم نے جیسے روحانیت عرفان مثنوی کے ایک ایک شعر سے بہائے ہیں وہ کافی روشن ہیں اور واقف ہیں جنہوں نے شرح مثنوی کا مطالعہ کیا ہے مگر ان کے حالات زندگی بھی کم عجیب نہیں علامہ شبلی نے بہت سی تحقیق و تدقیق کے بعد مولانا روم کے حالات مرتب کئے اس سے حقیقت میں عارفانہ ہستی آپ کی لائف سے ہویدا ہے سوانحات کے ساتھ ساتھ قابل مصنف نے مثنوی کا چیدہ اقتباس بھی لیا ہے بہت دلچسپ کتاب ہے قیمت رعایتی خاص چھ آنہ محصول ۲ر

بڑی سوانح رسول مقبولؐ

یہ کتاب بہت صاف چھپی سلاست بیان صحت تاریخ خوبی کاغذ صفائی طباعت کے لحاظ سے بہت مستند ہے تاریخ ولادت و میلاد رسول سے لیکر وفات تک کے حالات بشرح و بسط درج ہیں اس کتاب کو عاشق رسول مصنف نے ایسے والہانہ انداز میں لکھا ہے کہ اس کا مطالعہ بے حد بصیرت افروز ہے کتاب کشادہ ہے اور آپ اپنے رسول مقبول کی صداقت کی گہری ہونگی مگر اس کا مطالعہ آپکی حیات دینی میں خاص جوش پیدا کر دیگا ضخامت ۴۰۰ صفحہ قیمت بہت کم صرف ۱۲ر محصول ڈاک ۹ر کل ۱عہ

نبیوں کے قصے

حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر رسول کریمؐ تک جس قدر نبی مبعوث ہوئے ہیں ان کا قرآن شریف میں ذکر ہے سب کی مکمل سوانح عمری بڑی بڑی مستند احادیث سے مستند ہے ۲۰۶ صفحوں کی مجلد کتاب ہے انبیاء کے حالات سے ظاہر ہے کہ عجیب و غریب معارف سے پر ہونگے سب سے اہم ترین پہلو اس کتاب کا یہ ہے کہ دیگر امتوں کے سخت ترین ریاضات کے مقابلہ میں امت محمدی کی ہلکی عبادتوں اور اعلیٰ اجر عبادت الٰہی کی تشویق ہوتی ہے اتنی ضخیم کتاب اور ہدیہ بہت کم مجلد کتاب ہے قیمت ۱۲ر محصول ڈاک ۹ر کل ۱عہ

امام ابو حنیفہؒ

کے حالات پڑھنے ہر مسلمان کیلئے ضروری ہیں کیونکہ جن کی نسبت وہ تحریر کرتے ہیں ان کے حالات سے بے خبر رہنا نہایت ہی نامناسب ہے دوسرے یہ علامہ شبلی مرحوم کی تصنیف ہے امام صاحب کے حالات علمی کارناموں مناظروں اور رد لطیفہ رس مسائل کے معلوم کرنے کے لئے سب سے بہتر کتاب ہے فقہ کی تدوین کے سلسلہ میں ایسے ایسے نکات علمی بیان ہوئے ہیں جس سے آدمی ششدر رہ جاتے ہیں اور حقیقت میں امام موصوف کا یہ مابہ الامتیاز فن ہی ہے ضخامت ۲۰۰ صفحہ قیمت صرف ۸ آنہ محصول ۵ر

الفاروقؓ

کیا اسلام تھا اور کیا ہم ہیں جاننا ہو تو الفاروق میں دیکھ لو اس میں خلیفہ دوم حضرت عمر فاروقؓ کی زندگی کے مختصر حالات ہیں وہ جلیل القدر صحابی جس کا ثانی زمین پر پیدا نہیں ہوا نوشیرواں کی فرضی روایات عدل پر غش غش کرنیوالو ذرا عدل فاروقی کے حالات پڑھو تب معلوم ہو گا کہ عدل کسے کہتے ہیں مساوات مساوات کے مرنے والو ذرا اس جلیل المرتبت خلیفہ کی شان مساوات دیکھو بیت المقدس میں شاہانہ داخلہ ہے مگر کس طرح غلام سوار اور آقا پیادہ بڑا جمہوریت کے سب سے بڑے بادشاہ کے حالات پڑھو ۲۰۰ صفحہ ۱۲ر

چھیانوے اولیاء

ان کے حالات ان کی کرامات ان کے خوارق انکی تعلیمات ان کی والہانہ تبلیغ اسلام ان کے درد ان کے اسرار باطنی ان کی الوہیت کا انکشاف اس کتاب سے ہوتا ہے جس میں اکابر اولیاء اللہ کے حالات ہیں اس کا نام تذکرۃ الاولیاء ہے۔ یہی وہ کتاب ہے جس میں اکابر اولیاء اور انکے حالات ہیں اس میں ہندوستان کے بھی بیان ہیں اور شام کے بھی ہیں اور ایران کے بھی ہیں مشرق ترکی کے بھی ہیں اور یورپ کے بھی ہیں ہزاروں سچے لوگوں کا تجلی آئینہ ہے بڑی تقطیع ضخامت قیمت مجلد عہ محصول ۱۲ر

ولیوں کے حالات

مولوی عبدالرحمن صاحب شوق امرتسری کی لکھی ہوئی کتاب بچوں اور عورتوں کے لئے ۱۲۸ صفحات بہت اچھی چھپی ہوئی اس میں حسب ذیل ولیوں کے حالات ہیں غوث پاک حضرت داتا گنج بخش قرنی حضرت خواجہ معین الدین چشتی حضرت علاء الدین صابر خواجہ حسن بصری حضرت مالک بن دینار حضرت خواجہ فرید گنج شکر حضرت امیر خسرو حضرت خواجہ محبوب الٰہی حضرت شیخ شرف الدین بو علی قلندر حضرت بایزید بسطامی حضرت جنید بغدادی حضرت ابراہیم ادہم حضرت سلیمان داؤد ابن ماجہ قیمت صرف ۶ر محصول ڈاک ۵ر کل ۱۱ر

تصوف کے تین شاعر

سعدی حافظ خسرو

ان تینوں بزرگ شاعروں نے جو اسلام اور تاریخ کی خدمت کی ہے وہ پڑھا ہے یہ شاعری نہیں بلکہ زمرہ اولیاء سے علامہ شبلی نے ان تینوں کی مبسوط سوانح حیات قلمبند کی ہے جو مستند ہونیکے لحاظ سے شبہ کی گنجائش نہیں رکھتی تینوں کی ضخامت ڈیڑھ سو صفحہ کے قریب ہے علیحدہ علیحدہ بھی ملتی ہیں ہر ایک کی قیمت ۳ر ہے اور تینوں جلدیں آٹھ آنہ کی ملیں گی پہلے جب تک ہم نے نہیں چھاپی تھی تو فی جلد ۶ر کو ملتی تھی

استاد روزگار

یہ وہ خاص کتاب ہے کہ جس میں مصنف نے خلق خدا کی بھلائی کیلئے ہر قسم کی صنعت و حرفت کے کام صحیح صحیح تجربے کرکے درج کئے ہیں اس میں صابون سازی کے ہر قسم کے طریقے ہر قسم کے اچار شربت مربے وید کے خاص نسخے ڈاکٹری نسخے داغ دھبے کا صاف کرنا مصنوعی ... شیشہ کا کام پالش رنگ بنانا سیاہی بنانا فوٹو گرافی گھڑی صاف کرنا وغیرہ فنون کے طریقے درج ہیں اس کتاب کو خرید کر سینکڑوں بھائی دھندے سے لگ گئے صدہا بھائی اس کتاب کے ذریعہ اپنی روزی کماتے ہیں قیمت ۸ر محصول ۲ر

ہر قسم کی کتابیں اور قرآن مجید و حمائل شریف ملنے کا پتہ:- مینیجر رسالہ پیشوا جامع مسجد دہلی۔

ہر گھر اطمینان و سکون کا گہوارہ بن سکتا ہے

اور اس کی آسان تدبیر یہ ہے کہ ماں باپ اپنی لڑکیوں کو اور شوہر اپنی بیویوں کو ہماری کتاب

گھر والی کی تربیت

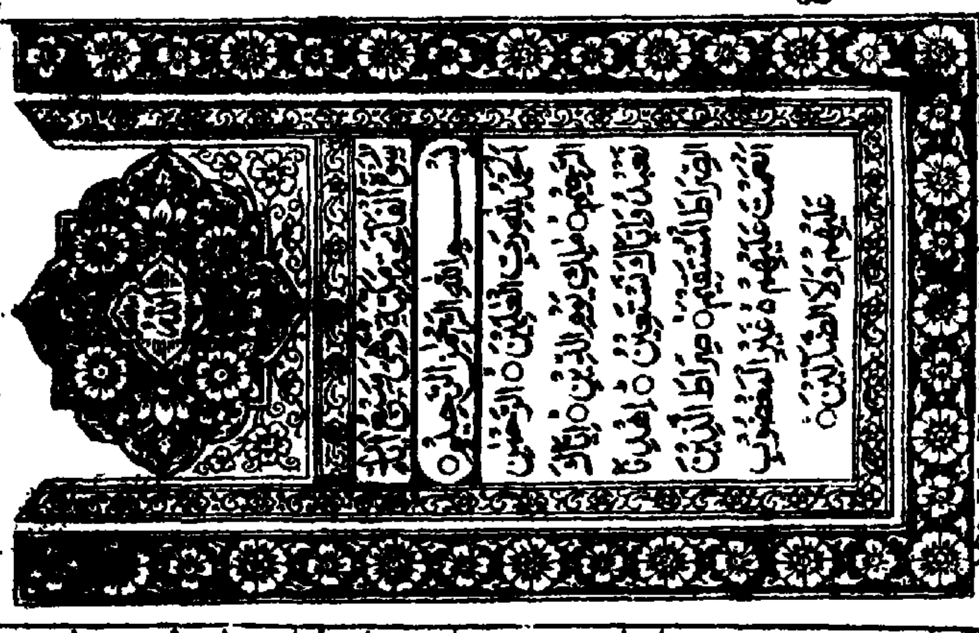
پڑھائیں اس کے پڑھنے کے بعد ہر بیوی دنیا کے نشیب و فراز سے باخبر ہو جائے گی اور معلوم کر سکے گی کہ شریف بیویاں کس طرح اپنے گھروں کو اطمینان و سکون کا گہوارہ بنا سکتی ہیں اور اپنی چھوٹی سی دنیا میں کس طرح جنت کے مزے حاصل کر سکتی ہیں۔ یہ کوئی خشک پند و نصیحت کی کتاب نہیں بلکہ اس کی باتوں کو افسانہ کے مقبول عام طرز میں اس خوبی سے ڈھالا ہے کہ کوئی شخص چاہے وہ کتنا ہی کم علم ہو چاہے کتنا ہی ذی علم ہو کتاب کو ایک مرتبہ شروع کر کے ختم کئے بغیر چین سے نہ بیٹھے گا۔ قیمت آٹھ آنہ۔ بطور خاکہ مختصر مضامین درج ذیل کی جاتی ہے تاکہ کتاب کا فائدہ ذہن نشین ہو جائے۔

کاغذ کتابت طباعت اعلیٰ	فہرست مضامین گھر والی کی تربیت			قیمت آٹھ آنہ علاوہ محصول
بدتربیت بیوی کا طوفان بدتمیزی تربیت یافتہ بیوی کیا کرتی؟ بیوقوف بیوی کی حماقتیں گھروں کے بنے بگڑنے کے انقلابات کی بنیاد تیز فقرہ بر چھی کی انی ثابت ہوا میاں بیوی میں کشیدگی اور اس کا سبب بیوی کی بدتمیزی اور میاں کی فہمائش بیوی نے بھی خوب دل کا بخار نکالا بد زبان عورت گھر والوں کی نظر میں ملی سے بیٹے کو سمجھایا بہو ساس کی کیا تھا اس نے اسکو سمدھن نے ساس سے بہو کو سمجھانے کی کوشش کی عالم آرا پر خلق اثر ہوا سمدھن نے سمدھن کو خط لکھا عالم آرا میکہ آگئی علاج کے لئے ولی اللہ کی تلاش ایک شاہ صاحب سے دعا کی درخواست	تم خود اپنے لئے دعا کرو نیک بی بی کا قصہ سوہن شاہ کے دربار میں عالم آرا کی حاضری سوہن شاہ کے دربار کی خوشنودی شاہ صاحب کے خود طلب فرمایا شاہ صاحب کی کرامات سوہن شاہ کا گرامی ارشاد آسمانی نکاح کی تیاریاں عالم آرا کی سسرال میں بھی خبر ہو گئی ترکیبیں بیگم نورجہاں کو بھی بدگمان ہو گئی گھر کی ورد عمل نے نورجہاں کی تعریف کی عقلمند عورتیں دوسروں کو دیکھ کر عبرت پکڑ لیتی ہیں نورجہاں کو عالم آرا کی شادی کا سامان یاد آگیا شادی بیاہ کے لئے لڑکوں اور لڑکیوں کے لئے	جہیز کا بیکار کا فضول ساز و سامان بیاہ شادی کے چرچے اناجی خدیجہ بیگم کی معقول تجویزیں اناجی خدیجہ بیگم کی تجویزیں منظور ہو گئیں شادی بیاہ سے پہلے ذہن نشین کرنا ہے نورجہاں مایوں بیٹھ گئی دلہنوں کو کس طرح رہنا چاہیے بہوؤں کو کس طرح رہنا چاہیے بیویوں کی کامیابی کے اصول بہو اور بیاہی کو کس طرح رہنا چاہیے گنڈا تعویذ، ٹونے ٹوٹکے اولاد کی تعلیم و تربیت کی ذمہ داریاں میاں بیوی میں بدمزگی کا سبب میاں بیوی میں غلط فہمی کی علامت آپس کی غلط فہمی کو جلد سے جلد دور کرو نورجہاں کی ترغیب نکاح کی سادگی جہیز کی رسم کیونکر ادا ہوئی	نورجہاں سسرال کو رخصت ہوئیں جہیز کی تفصیل جدائی کا دردناک نظارہ نورجہاں نے گھر کا انتظام سنبھالنا شروع کیا نورجہاں نے کس خوش اسلوبی سے بات منوائی نورجہاں کے خیالات و اعتقادات سامان خورد و نوش کا حساب حساب کتنے کے خوشگوار نتائج آمد و خرچ کا حساب اور کفایت شعاری کی خاموش تبلیغ نورجہاں نے گھر کو از سر نو سجایا سودیشی کا خاموش پرچار عالم آرا کی تازہ شہرت بحث میں ہوشیاری کی ڈال چالو رہو گھر گئے انگریزی مدرسوں کی مسلم طالبات کی ہمدردی اسلام کا جامع ضابطہ حیات	انسان دو چیزوں کا مرکب ہے روزہ نماز حج زکوٰۃ کی فضیلت اسلام سے پہلے عورت کی دردناک حالت عورت پر اسلام کے بے پایاں احسانات عورتیں اسلام کا شکریہ کیونکر ادا کر سکتی ہیں نورجہاں کی علالت سر پر دور نقاب کی برکت عالم آرا کا تیمارداری سلام بیوہ کی بے کسی نورجہاں نواب کو کیا قرار ہو گئی نورجہاں بچوں کی شادی کا کیا ڈاکٹر شادی کے لئے کیونکر راضی ہوئے جاڑوں کی طرف الغرض عدت کا حکم فلانا وہیں جا کر ان کا بیٹا آخری منزل حیات آنکھوں کے سامنے شوہر اور بیٹے کی شہادت خاتمہ

آٹھ آنہ میں فوٹو بلاک پریٹ بمبئی کا رڈ ساز مجلد حمائل شریف

حیرت سے

پڑھئے اور دیکھئے کہ دفتر رسالہ پیشوا کیسی انمول چیزیں پیش کر رہا ہے۔ اس حمائل کو آپ اصل صورت دیکھیں تو حیرت میں سجا دیں۔ کہ ایسی درخشندہ طباعت ایسا کاغذ اور سنہری مجلد اور ہدیہ صرف آٹھ آنہ۔ لطف یہ ہے کہ ہمارا اکثر ایسا یوں کو اس کا یقین ہی نہیں آتا اور وہ پوچھتے ہیں کہ یہ ملے گا یا نہیں، بار بار کا بندہ نواز یقین فرمائیے



مؤلف شہرت

تیسوں پارے کامل مجلد ہیں اور بڑا خوشخط حمائل شریف اتنے میں ملنا ہے جو کام امریکہ جیسے ملک کے اہل دانش کرتے ہیں وہ آپکے رسالہ پیشوا نے کر دکھایا قرآن پاک کی اعلیٰ کام کو ہم سب پر فرض ہے کہ ہم زیادہ سے آپ کے ہاتھ اشاعت فرمائیے۔ ہدیہ مجلد سنہری صرف آٹھ آنہ محصول بھی چار آنہ صرف الگ پیشوا دہلی سے منگایئے

ہر قسم کی کتابیں اور قرآن مجید و حمائل شریف ملنے کا پتہ — مینجر رسالہ پیشوا ازہر جامع مسجد دہلی

زندگی کو جنت کی کھیتی بنالو

زندگی خواہ دنیا کی ہو خواہ عقبیٰ کی وہ جنت کی کھیتی بن سکتی ہے۔ مگر شرط ایک اور صرف ایک ہے کہ تم اپنے آپکو اس سانچے میں ڈھال لو جس سانچے میں ڈھلنے اور تم کو دنیا میں اپنا نائب بنانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہٖ پر قرآن پاک نازل فرمایا اور

زندگی کا وہ سانچہ اس طرح تیار ہو سکتا ہے کہ تم **معلومات قرآن** کا مطالعہ کرو۔ تم اس کتاب کے مطالعہ کے بعد نئے سر سے کلام پاک کی تلاوت کرو تاکہ تمہیں معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں تم کو اپنا نائب مقرر کرتے ہوئے اور جنت کی دوامی خوشیوں کا حقدار ٹھہراتے ہوئے کیا کیا ہدایتیں جاری فرمائی تھیں۔

معلومات قرآن ہماری وہ جدید کتاب ہے جو آپکو تفسیروں سے بے نیاز کر دیگی اور قرآن پاک کے معانی و مطالب گلزار پر بہار کی طرح تمہاری آنکھوں کے سامنے کھلتے نظر آئیں گے۔

معلومات قرآن ہماری وہ جدید کتاب ہے جو تم کو گویا اللہ تعالیٰ سے ہمکلام بنادیگی۔

اور تمہاری روح میں ایمان کا نور بھر جائے گا اور جوش اسلام کا سمندر موجیں مارنے لگیگا

معلومات قرآن قرآنی معلومات کی انسائیکلوپیڈیا ہے جو اردو میں پہلی اور آخری کتاب ہے

معلومات قرآن وہ کتاب ہے جس کی بدولت عبودیت کی تڑپ تمہارے جسم و جان میں پیدا ہوگی اور عرفان کی تجلیاں تمہارے جسم و جان کو منور کرنے لگیں گی۔ اور جب یہ سب چیزیں جمع ہوں گی تو کون کہہ سکتا ہے کہ تمہاری زندگی جنت کی کھیتی نہیں بن جائے گی۔

یہاں اتنی بات اور بتا دینی ضروری ہے کہ معلومات قرآن کوئی معمولی بازاری کتاب نہیں ہے بلکہ ایک متبحر عالم قرآن جناب مولانا مفتی انتظام اللہ صاحب شہابی کے بیس سالہ مطالعہ اور محققانہ غور و فکر کا نتیجہ ہے۔ مگر ہم نے اس نادر کتاب کی قیمت بہت ہی کم رکھی ہے لکھائی چھپائی اچھی ضخامت ۲۰۰ صفحات قیمت صرف رعایتی ۱۲ر تاکہ ہمارے بھائی اس سے زیادہ فائدہ اٹھا سکیں معلومات قرآن کی بہت ہی مختصر فہرست مضامین حسب ذیل ہے۔

لکھائی چھپائی اعلیٰ۔ کاغذ عمدہ — **فہرست مضامین معلومات قرآن** — ضخامت ۲۰۰ صفحہ رعایتی قیمت ۱۲ر

ہر علم و فن کی کتابیں قرآن مجید وحمائلیں ملنے کا پتہ منیجر رسالہ پیشوا۔ زیر جامع مسجد دہلی

استاد مرغی خانہ

یہ مجموعہ بیش قیمت مرغیوں کی تجارت اور ان کی پرورش سکھانے والی تین اعلیٰ کتابوں کا ہے۔ اس میں [illegible] مرغیاں ہیں علاوہ مرغیوں کے [illegible] بطخ [illegible] کی تجارت کی [illegible] کتابوں کو [illegible] اس کا ہر بیان تجربہ کے بعد لکھا گیا ہے اس میں ان مرغیوں کے حالات بھی ہیں جو انگلستان سے اس وقت تک [illegible] قسم کی ولایت سے آئی ہیں یا [illegible] تمام بیماریوں کے علاج ہیں اور ہر ایک کم دام ترکیب پرورش ہے۔ قیمت سوا روپیہ [illegible]

اسرار حکمت

[illegible] اور معاش کی [illegible] سے کتاب [illegible] اس کے بعد [illegible] اگر آپ کسی [illegible] شہر میں ہیں تب بھی چھوٹے شہر میں تب بھی چھوٹے قصبہ میں ہیں تب بھی یہ کتاب [illegible] مدد [illegible] بڑا سرمایہ جو بھی [illegible] بتا دیگی غرضکہ اس کتاب کے ذریعہ آپ [illegible] سیکڑوں ہزاروں تک [illegible] طریقہ سے کما سکتے ہیں قیمت دس آنہ محصول ڈاک ۲ [illegible]

فردوس آسیہ

[illegible] بہترین [illegible] کا جو اسلام نے منازل ترقی [illegible] اس نے کہیں وہ دوسری [illegible] نہیں ہوئیں اگر آپ اسلام کی ابتدائی [illegible] واقف ہونا چاہتے ہیں تو [illegible] آسیہ [illegible] اس تاریخ میں پیدائش رسول سے لے کر وفات رسول تک پھر خلفائے راشدین کے حالات مع غزوات [illegible] وغیرہ درج ہیں آخر میں حالات [illegible] کی سوانح عمری۔ قیمت ڈیڑھ روپیہ محصول ۶ [illegible]

بہشتی زیور مکمل مجلد

[illegible] اس میں [illegible] طہارت اور [illegible] قرآنی [illegible] مسائل [illegible] حضرت [illegible] شادی [illegible] حضرت مولانا اشرف علی [illegible] قیمت [illegible]

نماز حنفی مدلل ومکمل

یہ [illegible] کتاب ہے [illegible] شائع ہو چکی ہے ۳۰۰ صفحات کی مجلد کتاب ہے اور نماز کی [illegible] کے سلسلہ میں اس سے بڑی کتاب آجتک شائع نہیں ہوئی اس میں وضو سے لیکر جنازہ کی نماز تک ہر قسم کی نماز کے حالات ہیں اور ہر نماز کے [illegible] مسائل [illegible] درج ہیں [illegible] اکابرین سلف کی [illegible] بھی ہیں غرضکہ جس مسلمان کے گھر میں یہ کتاب موجود ہے اس کو نماز کے کسی مسئلہ کو پوچھنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی قیمت [illegible] محصول ۵ [illegible]

نماز کے پورے مسائل

آپکو ایک ہی جگہ کسی کتاب میں مل سکتے ہیں تو وہ صرف رکن دین ہے جس کے پڑھنے سے نماز کی ذرہ ذرہ کیفیت معلوم ہوجاتی ہے کوئی چھوٹے سے چھوٹا مسئلہ بھی ایسا نہیں ہے جسکا حال اس کتاب میں نہ ہو غرضکہ نماز پڑھنی ہو تو یہ کتاب بھی ضرور منگائیے ایک مرتبہ پڑھ لینے کے بعد آپ نماز کے ہر [illegible] مسئلے [illegible] جائینگے کتاب کی مقبولیت کا اندازہ اس سے کیجئے کہ [illegible] ایڈیشن [illegible] ۲۵۰ صفحات قیمت مجلد صرف ۱۰ [illegible]

ہفت رنگ پنجسورہ

آپنے کپڑے کے تھانوں پر رنگا رنگ کی تصویریں دیکھی ہوں گی ویسے ہی کاغذ پر [illegible] رنگ میں یہ پنجسورہ چھپا ہے ٹائیٹل پر سونے کا [illegible] کام ہے کاغذ ولایتی آرٹ پیپر ہے چھپائی متن کی [illegible] سیاہ ہے ترجمہ کی چھپائی سرخ ہے خالی جگہ زرد رنگ کی تصویری نقاشی ہیں [illegible] رنگ بیل ہے جس میں بہت ہی خوشنما [illegible] ہیں اور بعض جگہ سنہری کام ہے ہر دو ورق کے بیچ میں روغنی پتلی کاغذ ہے تا کہ چھپائی کی آب خراب نہ ہو [illegible] کی تعداد بہت تھوڑی ہے آپ کہیں نہیں منگوا سکتے قیمت مجلد [illegible] ۱۰

دلائل الخیرات

مترجم مجلد [illegible] چیز ہے [illegible] ساتھ [illegible] کے [illegible] دلائل الخیرات [illegible] ہے اسکی کوئی حاجت [illegible] زیارت [illegible] کی بڑی [illegible] صفحات کی مترجم شدہ کتاب ہے کاغذ بہت اچھا ہے قیمت مجلد ۱ روپیہ آٹھ آنہ محصول ۲ [illegible]

چوب قلم پارہ سورہ

یہ بہت [illegible] قلم کا پارہ سورہ ہے اس میں [illegible] ذیل سورتیں ہیں اور یہ پنجسورہ مترجم اور [illegible] ہے سورۂ یسین سورۂ فتح سورۂ مزمل سورۂ النبا سورۂ رحمٰن سورۂ واقعہ سورۂ نوح سورۂ کہف سورۂ تغابن سورۂ ملک [illegible] شش قفل درمانے امن تعویذ [illegible] دعائے [illegible] دعائے گنج العرش کامل ضخامت ۲۰۰ صفحات بہت مقبول پنج سورہ ہے جو ہزاروں ہاتھوں [illegible] سے تقطیع [illegible] مجلد صرف ۲ محصول ڈاک [illegible]

جواہر القرآن

قرآن کریم وہ نعمت ہے جس کو امراض [illegible] کو شفا ہوتی ہے قرآن شریف سے بڑھ کر کوئی [illegible] نہیں اور حوائج دنیوی و دینی کے حصول کیلئے اس سے بڑھ کر کوئی ذریعہ نہیں [illegible] اس بجز خاص غاص کرکے جواہر القرآن کا استخراج کیا ہے اور رفع حاجت کے لئے اس کے پڑھنے کا یہ طریقہ فرمایا ہے کہ جمعہ کے دن [illegible] کے مجموعہ کے لئے [illegible] قرآنی [illegible] استغفار [illegible] تسبیحات [illegible] آیات [illegible] تسبیحات [illegible] دعوات مجلد [illegible] ضخامت [illegible]

خیر المونس مجتبائی

وعظ کی سب سے بڑی کتاب ہے ترجمہ اردو [illegible] واعظوں کیلئے نہایت ہی کارآمد [illegible] نصیحت کی اور دوسری کتابوں سے بے نیاز [illegible] اس کا ایک بیان ایسا [illegible] اور مکمل ہے [illegible] فصاحت [illegible] بیان کر سکتا ہے باب یا فصل [illegible] عنوان [illegible] ہے [illegible] قرآنیہ کی استدلالی [illegible] احادیث [illegible] بیان [illegible] صحابہ کرام [illegible] غرض کہ وعظ کے سلسلہ میں اردو زبان [illegible] دوسری کتاب [illegible] صفحات قیمت چار روپے

تاریخ مدینہ

[illegible] شہر مدینہ اور روضۂ اقدس [illegible] نبوی [illegible] ہے [illegible] مقدس مدینہ کے حالات [illegible] شوق [illegible] مسلمان [illegible] حضور سے محبت [illegible] شہر مدینہ کے تاریخی حالات [illegible] تاریخ کی مستند کتابوں سے [illegible] حالات کا اجتماع [illegible] قیمت صرف [illegible] محصول [illegible]



سیدہ فاطمہ کا لال

...ملا ...

...فرات کے کنارے بیکسی و مظلومی کے الم انگیز نظارے

...شیعہ سنی پلیٹ فارم

...سرور کائنات کی وفات کے بعد

حضرت امام مظلوم کی تقریریں میدان جنگ میں

چوتھی مجلس

ساتویں مجلس

پانچویں مجلس

چھٹی مجلس

آٹھویں مجلس

نویں مجلس

دوسری مجلس

تیسری مجلس

[illegible]

[illegible]

[illegible]

اس کے بعد سے … کی عادت سنبھال … وقت … اس کے بند ہو جانے کے بعد … ۔

حامد علی خاں ایک نرم گو … اور نرم … ہیں۔ … بہت متواضع … اور گوشہ گیر ہیں۔ خلوت ہی کو انجمن سمجھتے ہیں۔ بالکل الگ تھلگ زندگی گزارنے کے عادی ہیں۔ تنہا نشینی میں … لذت محسوس کرتے ہیں۔ ادبی مجالس میں بھی شاذ و نادر ہی شریک ہوتے ہیں۔ … تعصب سے … ہیں۔ ذات پات کی تمیز کو اچھا خیال نہیں کرتے۔ … پنجابی ہونے کے باوجود پنجابی کہلانے کی بجائے پاکستانی کہلانا پسند کرتے ہیں۔ … اس قسم کے شخصی … اور خطابات سے سخت نفرت ہے۔ … پسند نہیں کرتے۔ اپنی … کرنے کی انھوں نے کبھی کوشش نہیں کی۔ یہاں تک کہ دیباچہ نگاری کو بھی جھوٹی شہرت کا ایک ذریعہ سمجھ کر اس سے کتراتے ہیں۔ … کا یہ … ۔

بات یہ ہوئی کہ ڈاکٹر … قریشی ایک کتاب کا دیباچہ ان سے لکھوانا چاہتے تھے مگر آپ کسی طرح راضی نہ ہوتے تھے۔ یہ ان کے اصول کے خلاف تھا۔ کتاب کا نام تھا "سیاہ … اور دوسرے افسانے" تھا۔ … اس وقت تو کتاب کا مسودہ زبردستی چھوڑ کر چلے گئے … مگر اس کے کچھ عرصہ بعد … پی ایچ ڈی کرنے کے لئے ولایت روانہ ہو گئے۔ … حامد علی خاں نے … مقدمہ لکھنے کی … ۔

بات آئی گئی ہو گئی۔ لیکن اس کے کچھ عرصہ بعد تاج کمپنی کے … سفری ایجنٹ کے پاس کتاب "سیاہ … اور دوسرے افسانے" دیکھ کر حیرت ہوئی

[illegible] تھا۔ جس کی نوابی شخص [illegible]
[illegible] سر بزل ہے کرو

فلاکت میں تماندیشہ وسوال ہے

[illegible] صاحب ولایت سے واپس آ گئے۔ تو ان سے شکایت کی۔ انہوں نے کہا کہ میں [illegible] حامد صاحب کے پاس مقدمہ کرانے کے لئے بھیجا۔ [illegible] اس جواب سے [illegible] تھا۔ آپ کو تسلی تو ہوئی مگر آپ مروت کی وجہ سے خاموش رہ گئے۔

آپ خود داری سے بھی زیادہ ایمانداری کے قائل ہیں۔ صداقت۔ راست بازی اور جرأت کا یہ عالم ہے کہ جو بات منہ پر کہہ دینے سے کسی قسم کا احساس کمتری پیدا نہیں کرسکتا اس سے کوئی خوش ہوتا ہے یا ناراض۔ امروز کی ادارت کے زمانے میں سعادت حسن منٹو کا ایک افسانہ اشاعت کے لئے آیا۔ آپ نے دیکھ کر واپس کر دیا کہ یہ شائع نہیں کیا جاسکتا اس لئے کہ یہ مملکت پاکستان کے خلاف ہے۔ اس میں پاکستان کی توہین کا پہلو نکلتا ہے۔ اس مضمون کے مختلف حصوں میں مختلف بیہودگیوں کی طرف اشارہ کر کے بار بار پاکستان زندہ باد کا نعرہ لگایا گیا ہے۔ منٹو کی درخواست پر مولانا چراغ حسن حسرت کی رائے پر فیصلہ ٹھہرا۔ انہوں نے فرمایا کہ مضمون تو اچھا ہے۔ مگر فی الحال اسے شائع نہ کیا جائے۔

اس کے چند روز بعد جب حسرت۔ منٹو اور پطرس بخاری کسی مجلس میں جمع ہوئے تو حسرت نے منٹو کی دل جوئی کے لئے کہا درحقیقت بات یہ ہے کہ آپ کا افسانہ تو بہت اچھا تھا۔ مگر حامد علی خان نے اسے شائع نہیں ہونے دیا۔ بخاری نے کہا۔ یہ عجیب بات ہے کہ چیف ایڈیٹر آپ ہوں۔ آپ کوئی مضمون شائع کرنا چاہیں اور وہ شائع نہ ہوسکے۔ حسرت نے کہا ہاں صاحب! مگر وہ بھی تو آخر ذمہ دار آدمی ہیں۔ انہوں نے بیہودہ واقعہ باندھ رکھے ہیں۔ منٹو نے خود یہ واقعہ حامد علی خان کو سنایا۔ حامد علی خان نے حقیقت حال بیان کی۔ چاہیں تو منٹو نے کہا کہ آپ جو کچھ کہتے ہیں وہی درست ہے۔ حسرت صاحب کی بات درست نہیں۔ البتہ ان کے حق میں ایک بات جاتی ہے اور وہ یہ ہے کہ اس وقت وہ نشے میں تھے۔

اس کے بعد ایک وقت ایسا بھی آیا جب حامد علی خان نے اصرار کیا کہ خود منٹو سے مضمون مانگا۔ اس نے مضمون لکھنے سے انکار نہ کیا۔ مگر کہا: "حامد صاحب! آپ تنگ نظر ہیں میرا مضمون برداشت نہیں کرسکیں گے۔" اس واقعہ سے حامد علی خان کی سیرت کے کئی پہلو روشن ہو جاتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ جو کام آپ کے سپرد کیا جاتا ہے۔ اسے پوری ذمہ داری۔ فرض شناسی اور محنت سے نباہتے ہیں۔ دوسرے پاکستان کی نظریاتی مملکت کے خلاف کوئی ایسی بات سننا گوارا نہیں کرتے جس سے اس کا مذاق اڑانا مقصود ہو یا جس سے اس کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو۔ آپ کی صاف گوئی اور اصابت رائے کا دوست دشمن سب کو اعتراف ہے۔

آپ اس حد تک ترقی پسند بھی ہیں کہ روس۔ جرمنی۔ اٹلی۔ چین۔ امریکہ۔ فرانس اور دوسرے ملکوں کے بڑے بڑے آدمیوں اور تحریکوں کا ذکر اپنے پرچوں میں ہمیشہ چھیڑتے رہتے ہیں۔ تاکہ معلومات عامہ ترقی کرے اور لوگوں کو اچھی باتیں اختیار کرنے کا موقع ملے۔ مگر اس خیال سے انہیں سخت وحشت ہوتی ہے کہ غلامانہ ذہنیت کے ساتھ اندھا دھند دوسرے ملکوں کے اصول اور نظریے اپنے ملک پر مسلط کر لئے جائیں۔

حامد علی خاں نثر بھی خوب لکھتے ہیں اور نظم بھی۔ غزل بھی نہایت عمدہ کہتے ہیں۔ اور نظم بھی۔ ان کا کلام پاکیزہ خیالات۔ رنگینی و بلند تخیل اور ملیح پیرایہ بیان کا حامل ہوتا ہے۔ دل میں سوز و گداز کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔ آپ نے جب سے ہوش سنبھالا ہے۔ اردو کی بے لوث خدمت اور ادب و شعر کی تبلیغ کر رہے ہیں۔ طمع اور لالچ ان میں نام کو بھی نہیں۔ اپنی حالت پر قانع اور مطمئن ہیں۔ سازش۔ جوڑ توڑ۔ دھڑے بندی۔ ہنگامہ آرائی اور پارٹی بازی کی لعنت میں کبھی گرفتار نہیں ہوئے۔ فرقہ وارانہ تعصب سے بھی ان کا دامن پاک ہے۔ مختلف فرقوں کے آپس کے جھگڑوں میں دلچسپی نہیں لیتے ہیں۔ کسی کے متعلق سخت الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ محبت یا نفرت کرنا نہیں جانتے۔ وہ محبت کا جواب محبت سے دیتے

[illegible] کلام [illegible] ہیں۔

[illegible] ہے۔

[illegible] ہے۔

[illegible] ہے:

[illegible] ہے ؎

مری حیات اک ایسا ہے تری محبت کی ۔ [illegible] تری محبت کی
[illegible] ہے تری محبت کی
[illegible] ہے تری محبت کی
[illegible] ہے تری محبت کی
[illegible] ہے تری محبت کی

پھر یہ شعر دیکھئے ؎

[illegible]
[illegible]

[illegible] ہے۔ [illegible] ہے۔ [illegible] ہے۔ مثال کے طور پر یہ شعر دیکھئے ؎

گلزار کے سایوں میں وہی حشر بپا ہے
پھولوں سے ابھی تک تری خوشبو نہیں جاتی

"وہی" اور "ابھی تک" دو الفاظ ہیں جو اس شعر میں کوئی افسانہ کہہ رہے ہیں۔ وہ کیا حشر تھا جو گلزار کے سایوں میں بپا ہوا۔ اور کیوں پھولوں سے ابھی تک اس کی خوشبو نہیں جاتی؟ صرف وجدان ہی ان سوالات کی پہنائی کو پا سکتا ہے۔

ایک اور شعر دیکھئے ؎

آنکھیں تری آنکھوں سے ملائی نہیں جاتیں
سر اب ترے قدموں سے اٹھایا نہیں جاتا

"اب" نے ایک پورا افسانہ پیدا کر دیا ہے۔ کیوں اب آنکھوں سے آنکھیں نہیں ملائی جاتیں۔ کیوں اب سر قدموں سے نہیں اٹھتا۔ سوچئے تو دل میں تصورات کی ایک دنیا بس جاتی ہے۔

[illegible]

[illegible]

اسی پر سے

[illegible]

پہلے شعر میں [illegible] خاموشی کو [illegible] تک پہنچا دیا ہے اور پھر دوسرے شعر میں اس عظیم انسانی لمحے کو ایک نہایت ہی [illegible] سے [illegible] تقابل کو ابھارا ہے جس کا اندازہ کسی [illegible] کے کنارے [illegible] ہو سکتا ہے۔

رئیس احمد جعفری

از شمع تازی

مولانا حالی بھی عنفوان شباب ہی میں اپنی نئی نویلی دلہن کو اس کے خوشحال میکے میں چھوڑ کر پانی پت سے دلی بھاگ گئے تھے تاکہ اپنی تعلیم کی کمی کو مکمل کر لیں۔ اور میں بھی ایک ایسے ہی طالب علم کو جانتا ہوں جو اتنی سی عمر میں اسی علمی تشنگی کے تقاضے سے گھر چھوڑ کر چل دیا۔

یوپی کے ضلع سیتاپور میں ایک مردم خیز قصبہ خیرآباد ہے، وہاں کے مکتب میں ایک یتیم بچہ وہ پڑھا کرتا تھا۔ معمولی نوشت و خواند اور ابتدائی کتابیں پڑھنے کے بعد اس نے محسوس کیا کہ اس قصباتی مکتب میں بقدر ذوق اس کی تعلیم نہیں ہو سکتی۔ کسی بڑی درسگاہ کا طالب علم بننا چاہیے۔ ماں اور بڑے بھائی اس کمسنی میں اپنے سے علیحدہ کرنا اور کہیں دور بھیجنا نہ چاہتے تھے۔ دل کے اندر خواہش زور پکڑتی رہی۔ ایک روز ماں نے کسی بات پر چانٹا بیٹا تو خفا ہونے کا بہانہ ہی ڈھونڈ رہا تھا۔ موقع پا کر گھر سے نکلا اور لکھنؤ پہنچ کر دم لیا۔ یہ بات راز ہے کہ یہ سفر جائز طریقہ پر کیا گیا تھا۔ یا ریل کے منہ دیکھی پر ہاتھ مارا تھا۔ اگر آخری حل کیا تو بھی یہ گناہ کسی طرح ثواب سے کم نہیں۔ بہرحال لکھنؤ پہنچ کر اپنی ذاتی کوشش سے دارالعلوم ندوہ میں داخلہ لیا۔ اور پڑھنے کا جو حق ہوتا ہے، وہ پورا پورا ادا کیا۔ جتنی جتنی علمی مدارج میں ترقی کی، "نئی پود" کی تحریروں میں بھی صلاحیت پیدا کی مگر وہ تکمیل تک پہنچتے پہنچتے کارکنان ندوہ کے خلاف سرکشی کی۔ "انجمن اصلاح" کے نام سے طالب علموں کی ایک انجمن بنائی تھی۔ اس کے سکریٹری کی حیثیت سے ہڑتال کرا دی اور جب معاملات رفع دفع ہو گئے تب بھی بغاوت کا جوش ٹھنڈا نہ پڑا۔ اور اس دارالعلوم میں رہنا گوارا نہ کیا۔ معتمد ندوہ اس زمانہ میں سید سلیمان تھے۔ وہ اس ہونہار طالب علم پر بہت شفقت کرتے تھے اور نہیں چاہتے تھے کہ بقیہ تعلیم نامکمل رہے اپنے خط کے ساتھ ڈاکٹر ذاکر حسین کے پاس دہلی بھیج دیا۔ بقیہ علمی مراحل جامعہ ملیہ میں طے ہو گئے۔ اس کے بعد ندوہ میں پہنچ کر بھی سند فضیلت حاصل کر لی۔ دینی و دنیوی تعلیم کا یہ پیکر اب مولوی رئیس احمد جعفری تھا۔ میری ان کی پہلی ملاقات ۱۹۴۳ء میں ہوئی جب یہ روزنامہ خلافت بمبئی کے چیف ایڈیٹر تھے۔ اور خلافت ویکلی کے نام سے ایک علمی و ادبی ایڈیشن بھی ہفتہ وار شائع کرتے تھے۔ ایک روز میں علمائے اسلام کا کوئی تذکرہ دیکھ رہا تھا۔ متعدد بزرگان کرام کی نسبت معلوم ہوا کہ وہ صرف پڑھنا جانتے تھے، لکھنا انہیں نہ آتا تھا۔ ان کی تصانیف دوسروں کے قلم کی رہین منت ہیں۔ جو حیرانی

کے شائع ہوئے تھے۔ اسی وقت ڈاک آئی۔ ایک لفافہ جس کی پشت پر شاندار پتہ نہایت خوش خط مرقوم تھا۔ انشا نہایت خوب اور صاف
تھی۔ اگر خوف مجھے دامن گیر نہ ہوتا تو میں مرعوب ہو کر رہ گیا۔ ہاں سینکڑوں نہیں ہزاروں بار خط لکھ کر ... پہلے بھی
پڑھ چکا تھا۔ نعمان جعفری صاحب کا خط بار بار پڑھا یا اور سوچنے لگا کہ حضرت علوم مشرقی کے مستند عالم ہیں۔ بدقسمتی سے ... تعلیم
پائی ہے۔ ورنہ شاید بالکل گلستان لکھتے۔ اور قدیم علماء کی طرح علم کے ساتھ فن پر توجہ کرنا غیر ضروری سمجھتے۔ یہ اب سے ۳۰ برس پہلے کا ذکر
ہے۔ اب تو یہ انداز نگارش اور بھی ختم ہو گیا ہوگا۔ معلوم نہیں ان کی تصانیف کی کتابت کیسے ہوتی ہے۔ کاتب لوگ ان کی لکھی پڑھ بھی تو نہیں سکتے
پھر بھی اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ خط شکستہ ہے۔ اور لکھے وقتوں کے انداز تحریر کا داشتی نمونہ۔ دور حاضر کے ادیب و انشاء پرداز
اتنے بڑے بڑے دائرے نہیں کھینچتے۔

میں بالالتزام خلافت دہلی کے لیے نظم و نثر لکھا کرتا تھا۔ اس لیے غائبانہ ربط قائم ہو گیا۔ کچھ دنوں بعد بھوپال کے ایک صاحب
جامعہ ازہر میں اپنی تعلیم کی تکمیل کر کے واپس آئے وہ جعفری صاحب کے دوست تھے۔ انہیں بھی اپنے ساتھ گھسیٹ لائے۔ میں انہیں پہلی
دفعہ دیکھ کر کچھ بھونچکا سا ہو گیا۔ دبیز جسم کے داڑھی لگائے نوجوان مولانا۔ اس پر طرہ یہ کہ بہت کم سخن اور سنجیدہ بیان۔ خلافت دہلی میں ایک
بہت ہی دلچسپ افسانہ قسط وار ان کا شائع ہوا کرتا تھا۔ جس میں موجودہ معاشرت کے بعض نازک پہلو بڑی خوبی سے ابھارے جاتے تھے
میں سوچنے لگا کہ یہ کیسے ممکن ہے۔ اس قسم کا آدمی ایسی باریک بینی اور نکتہ سنجی کا اہل کیسے ہو سکتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ خود نہیں لکھتے کسی سے
لکھوا کر اپنے نام سے شائع کر دیتے ہیں۔ لیکن مجھے یہ معلوم ہو چکا تھا کہ جب وہاں طالب علم تھے جبکہ ۱۵ سال کی عمر تھی۔ یہ ماہنامہ حجاز زیر ادارت رکھتے
تھے۔ جو ان کے بڑے بھائی مولوی عتیق احمد نے بڑی دلچسپی سے نکالا تھا۔ اور جب جامعہ ملیہ میں رہتے تو مولانا محمد علی جوہر کی سوانح عمری لکھی تھی جو مکتبہ
جامعہ نے چھاپی اور شائع کی۔ ان کے نانا مولوی سید نیاز احمد یو۔ پی پولیس سے پنشن لے کر بھوپال میں سپرنٹنڈنٹ پولیس ہو گئے تھے۔ میں ان کی تحویل
میں بھی رہ چکا تھا۔ اور چونکہ وہ میرے دادا اور چچا کے دیرینہ دوست تھے۔ ان کا مستحق شفقت بھتیجا بھی رہا تھا۔ اس لئے پہلے دیکھے ہوئے ان کے اس
عزیز ترین نواسے کے حالات سن چکا تھا۔ پس دل کو یہ کہہ کر مطمئن کر لیا کہ

ہیں کواکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ

اس کے دیئے ہیں کی رسمی و اخلاقی ملاقات کے کئی سال بعد

عادت نے جلایا مجھے میں مبتلا ہوا

اپنی سادگی کی اصلاح جعفری صاحب کو بھی رسمی حد پر دے دی تھی۔ خیال تھا کہ جب ملیں گے تو اپنے بڑے نانا حضرت ریاض کے مصرعہ
کی ہو بہو تصویر ہوں گے۔ یعنی

اک عبا پہنے عصا تھامے عمامہ باندھے

مگر یہ کیا ۔ سر و مرد بلباس دگر آں یار بیامد۔ ایک نوجوان ملنے آیا۔ دبلا پتلا۔ اکہرے جسم کا۔ معین شیروانی۔ نہ پہچانا نہیں۔ بڑے
خلوص سے علیک سلیک کی۔ مفصل پتہ چلا تو یقین کرنا مشکل ہو گیا کہ یہ وہی جعفری ہیں، جو ایک بھاری بھرکم مولانا کے پیکر میں بھوپال تشریف لے گئے
تھے۔ گفتگو کی تو منہ سے پھول جھڑنے لگے۔ خوب کھل کے باتیں ہوئیں۔ معلوم ہوا کہ اپنا ذاتی پریس قائم کر لیا ہے، اور ایک روزنامہ بھی کامیابی
سے نکال رہے ہیں۔ تصنیف و تالیف کا سلسلہ بھی جاری ہے۔ قائد اعظم کی سوانح عمری لکھ رہے تھے یا لکھ چکے تھے۔ میں ان دنوں کٹر کانگریسی اور
بھوپال اسٹیٹ پیپلز کانفرنس کی مجلس عاملہ کا سرگرم ممبر تھا۔ اس لئے سیاسی موضوع پر بحث چھڑ گئی۔ یہ حقیقت ہے کہ اس سے پہلے متعدد کوششوں
کی کوشش کے باوجود میں کانگریس سے بد ظن نہ ہوا تھا۔ لیکن جعفری صاحب سے ایک گھنٹہ رد و کد کرنے کے بعد میں تو دل سے مسلم لیگ کا حامی ہو گیا

کی وجہ سے جب میں اپنے بک سے سٹیشن مسلم لیگ [illegible] اسسٹنٹ چیف لا افسر کے عہدے پر [illegible] اسسٹنٹ مسلم لیگ کی بعض [illegible] بات۔ یہی وہ مشترکہ [illegible] جماعت بنانے کی محرک ہوئی تھیں۔ وہ بھی [illegible] کہہ سکتی تھیں ؎

بندہ ذہنیت نے دنیا [illegible] — ساکنہ [illegible] کے سب تعلیم کی
مسلم گروہ [illegible] بننے کو — تھی نہ یہ [illegible] بیگم کی

[illegible] گئی تھا۔ ایک حادثہ ہوئی تھی۔ ہندوستان کا بٹوارہ ہوا۔ مسلمانوں کی نئی مملکت قائم ہوئی [illegible] کے قریب میں پاکستان سے بھی ہجرت کر کے [illegible] کچھ دنوں بعد [illegible] پہنچ گیا۔ معلوم نہیں جعفری صاحب پہلے ہی [illegible] آچکے تھے۔ کسی ادارہ کی ملازمت کر رہے تھے۔ مختلف موضوعات پر کتابیں لکھ رہے تھے۔ [illegible] ادبی، تاریخی، سیاسی، ثقافتی، اصلاحی، دینی موضوعات میں کوئی ایسا موضوع نہ تھا جس پر انہوں نے تصنیف و تالیف، ترجمہ [illegible] کا حق ادا کیا ہو۔ [illegible] ان سے ملاقات [illegible] ہوتی رہی۔ ایک دن [illegible] محبت [illegible] سے [illegible] کی محبت [illegible] سے [illegible] ہو گیا۔ وہ بھی [illegible] ہی ہے بات میں نے پائی۔ جیسے [illegible] رشتہ جڑ گئے ہوں گے [illegible] رشتہ [illegible] ہو جائے چاہے [illegible] ہو سکتا ہے کہ یہ اتفاقی بات ہو۔ لیکن میرا مشورہ یا تجربہ ہے۔ [illegible] کچھ خدا بھی ہیں بقول ان کے جو پہلے تو سب کچھ کی پلٹ [illegible] چیز سے [illegible] ایک مرتبہ کی بات ہے [illegible] سے کا حال [illegible] باتکا [illegible] پڑھتا ؎

بھلی رنگ [illegible] جوانی کی بہار آخر [illegible] — [illegible] نگیں تھی نئے عشق کی جب سے [illegible]

جعفری صاحب از راہ محبت مجھے اپنی دو کتابیں تحفتاً دیتے ہیں جو میرے ذوق کی ہوتی ہیں۔ لیکن ایک بار انہوں نے [illegible] کر دیا۔ جو [illegible] شاہکار نہیں بلکہ ۱۹۴۹ء کا چھپا ہوا تھا۔ میں نے دل میں سوچا ؎

ہر چہ [illegible] دوست [illegible] نیکوست

میں نے پڑھوں گا تو گھر میں اور بہت پڑھنے [illegible] ہیں۔ لا کر میز پر رکھ دیا۔ [illegible] سگریٹ سلگا بیٹھا۔ [illegible] تعلل سامنے تو تھا ہی غیر ارادی طور پر آہستہ اٹھا کر ورق گردانی کرنے لگا۔ [illegible] ورق پلٹ کر [illegible] دیکھا۔ موٹے حروف میں نام لکھا تھا — [illegible] نیچے عبارت تھی۔ — جنت، جہنم، اور قیامت کی داستان — دونوں عبارتوں کے درمیان فلمی دنیا بھی لکھا ہوا تھا۔ شبہ ہوا کہ شاید دوزخ، بہشت اور حشر نشر کو فلمایا گیا ہے، اور یہ فلم کمپنیاں جس طرح اپنی مذہبی روایات کو پردہ سیمیں پر پیش کیا کرتی ہیں ایسی ہی کوئی عبارت کہیں جعفری صاحب تو نہیں کر بیٹھے۔ مگر اس مرد مسلمان سے ایسی توقع نہیں۔ ورق الٹا۔ جعفری صاحب نے تحریر فرمایا تھا۔

کاروبار پروڈکشن سے وابستہ رہ کر ڈیڑھ برس تک میں نے فلمی دنیا کا کوزاپ دیکھا۔ جنت کا لطف، جہنم کا عذاب، قیامت کی نفسا نفسی سب کچھ اسی جہانِ خراب آباد میں ہے۔ یہ ناول اسی دنیا کی ایک جھلک ہے۔

جی چاہا کہ اس نئی دنیا کی میں بھی سیر کروں، اور یہ بھی اندازہ کروں کہ دینی عالم جعفری نے اس دنیوی منظر کو کتنی گہری نظر سے دیکھا ہے۔ چنانچہ پڑھا اور خوب پڑھا اور اس نتیجہ پر پہنچا کہ انجانی تخلیق کے جس مفروضہ اسٹوڈیو ڈائرکٹر کی زبانی یہ فسانہ بیان کیا گیا ہے۔ یقیناً وہ خود جعفری صاحب ہی ہیں۔ بڑی حیرت ہوئی۔ ؏

ما را ازیں گیاہِ ضعیف ایں گماں نبود*

تاکہ جب کبھی موسیقی کو بھی شعر ہی جانتے ہیں اس کی سرحدیں ہی مٹا دی جائیں کہ کوئی ایک سے دوسرے میں چلا جائے
بجرہ پانی میں کچھ خود اٹھائے جزیرہ کے موتی اور خزف ریزے نکالے جا سکیں۔ انجمن صاحب ڈوب کر ابھرے [illegible]

ستارہ بحرِ الفت میں کہیں ڈوبا کہیں نکلا

جعفری صاحب کا اس گنگا سے واپس بہا کر نکل آنا معجزہ ہی ہو سکتا ہے مگر یہ معجزوں کا زمانہ نہیں۔ اچھا ہوا کہ جعفری صاحب کی آنکھ جلد کھل گئی۔ ورنہ ممکن تھا کہ یہی پرستائش ستم درمنزل کر بیٹھتا۔ اور وہ اس طرح ایثار کر کے اپنی ذات پر ایک بیہودہ ادعا کر کے جیسے [illegible] قتل ہی ہو جاتے۔ میں اس کردار کی معنوں میں داد دینا چاہتا ہوں کہ انہوں نے اپنے کردار کی ایسی ہی اونچی قربانی دی ہے جیسی بعض مغربی ڈاکٹر بعض خطرناک امراض کی تحقیق و علاج کے لئے اپنے جسم اور بعض اوقات جان کی دیا کرتے ہیں۔ اور مشاہدۂ مرض کی لذت کا اندازہ لگانے کو اس مرض کے جراثیم اپنے خون میں داخل کر لیتے ہیں۔ اور ذاتی تجربہ کے بعد اس کی مدافعت کر کے مخلوقِ خدا کی خدمت میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ جعفری صاحب نے بھی ایک شدید ترین معاشرتی مرض کا تجربہ کر کے چاندنی کے نام سے نسخۂ شفا پیش کیا ہے۔ اور خود بھی اس مرض سے پاک صاف ہو کر اپنی صحافتی فضا میں آ گئے ہیں۔ جعفری صاحب میں ایک بڑی اچھی بات یہ ہے کہ وہ کبھی کسی سے خفا نہیں ہوتے اور دوستوں کو دشمن بنانا انہیں بالکل نہیں آتا۔ حالانکہ یہ بہت آسان بات ہے۔ اور عیب یہ ہے کہ حاسدوں کو جو دشمنوں ہی کی ایک بدترین قسم ہے دوست بنانے کی ناکام سعی سے باز نہیں آتے۔ اور با دشمناں مدارا کے اصول پر نقصانِ مایہ میں اکثر مبتلا ہو جاتے ہیں۔

شبلی بی کام

قیصر تمکین

بیکسم گرینگی نے اپنے "روزنامچے" کے پچھلے اوراق میں ذکر کیا ہے کہ ایک روز وہ کسی بینک کے قریب سے گزر رہا تھا کہ اچانک اس کی نظر ایک شخص پر پڑی جو ایک بنچ پر بیٹھا کچھ بیٹ ہنسا رہا تھا اور کچھ نوٹ نکال کر سامنے رکھ دیا تھا۔ گرینگی نے قریب پہنچ کر دیکھا۔ تو وہ چیزوت تھا۔ گرینگی نے سوال کیا۔

"کیوں میاں چیزوت، یہاں بیٹھے کیا کر رہے ہو؟"

چیزوت نے بڑے اضطراب اور بڑی سنجیدگی سے جواب دیا۔

"یار یہ وصیت تو یاد نہیں آتی۔ میں بیٹھ میں شام میں جمع کر کے جلدی سے اندر جانے کی کوشش کرتا ہوں۔ لیکن وہ نکل بھاگتی ہیں۔"

چیزوت کو سمجھانا بے سود تھا۔ گرینگی اسے اپنے حال پر چھوڑ کر اپنی راہ لگ گیا۔

شبلی بی کام وصیت پکڑنے کی کوشش تو نہیں کر رہا۔ لیکن میں اسے ۱۹۷۸ء سے جانتا ہوں۔ اور اگر میں اپنے علم میں ان لوگوں کی معلومات بھی شامل کر لوں جو اسے مجھ سے بھی پہلے سے جانتے ہیں تو وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ وہ گزشتہ بیس برس سے مرتبانوں میں مچھلیاں پکڑنے کی کوشش میں مصروف رہا ہے۔

مجھے ایک قریبی دوست ہونے کی حیثیت سے اس کی زندگی کا گہرا مطالعہ کرنے کا موقع ملا ہے۔ جن دنوں وہ "عالمگیر" اور "خیام" کا ایڈیٹر تھا۔ اسمعیل شہر کے ایک تنگ و تاریک بازار میں رہتا تھا۔ وہ اس وقت مجرد تھا اور اس وقت بھی مجرد ہے۔ اس نے سات روپے ماہوار پر ایک چھوٹا سا چوبارہ کرایہ پر لے رکھا تھا جو صرف ایک کمرہ پر مشتمل تھا۔ اس کی سامنے کی دیوار کھڑکیوں کی بنی ہوئی تھی۔ جس میں تین دریچے تھے جو بازار کی جانب کھلتے تھے۔ [illegible] اور بازار سے گزرنے والی [illegible] جنگلی کبوتروں کی ایک [illegible] غٹرغوں کرتی تھی۔ کمرے کے اندر تین الماریاں تھیں۔ ایک میں آئینہ کنگھی، کریم اور سنگھار کا دوسرا سامان تھا۔ دوسری میں کتابیں اور رسالے بے ترتیبی سے ٹھنسے تھے

[illegible] رہتی تھیں۔ کچھ ایسی جو پہلے سے ہی بنا کے تھے۔ اس تیسری الماری کے اوپر ایک [illegible]
[illegible] بے ترتیبی سے پڑے رہتے تھے۔ یہ خطوط اس کی کاری سے ملک کے ادیبوں، شاعروں، نقادوں اور دانشوروں کے لکھے ہوتے [illegible] کے خطوط بھی ہوتے اور کچھ مشہور شخصیتوں کے بھی۔ بعض خطوط کے ہمراہ جواب کے لئے ٹکٹ بھی ہوتے اور جوابی [illegible] — لیکن شبلی بی کام کے لئے کسی خط کا جواب دینا ایسا ہی ہے جیسے بقول منٹو مرحوم کے ماں بہن کی گالی دے دینا۔ وہ بلند بانگ [illegible] تمام خطوط [illegible] ایک آدھ خط کا اپنے دوستوں سے بھی تذکرہ کرتے ہوئے اس مصمم ارادے کا اظہار کرتا کہ وہ اس خط کا جواب ضرور لکھے گا۔ اس نے اکثر ضروری خطوط تکیے کے اور تکیوں کی تہوں میں اڑسے ہوتے جب جیسے جواب دے جاتیں تو وہ ان کو نکال کر مٹی صافی بھری الماری کے نچلے خانے میں ڈال دیتا۔ جب وہاں بھی انبار لگ جاتا اور جب ان خطوط کا یا تحفۂ عشق بنا چکے تو وہ ان سب کو اٹھا کر اوپر طاقچہ میں ڈال دیتا۔ تقسیم سے قبل چھ برس تک خطوط کے اس ڈھیر کو میں رفتہ رفتہ بڑھتے دیکھتا رہا لیکن اسے ان کے جواب دینے کی فرصت نہ مل سکی۔ اسے جواب دینے کی فرصت ہی کہاں ہوتی ہے!

وہ دن چڑھے چارپائی سے اٹھتا اور وہ بھی اس لئے کہ بستر اور بستی کو گرما جاتا۔ وہ ہمیشہ اس کا شاکی رہتا کہ مالے سونے نہیں دیتے۔ پھر عذاب تاکید تھا کیونکہ اگر وہ [illegible] نہ کرتا تو پانی کہاں سے آتا؟ صفائی کون کرتا؟

وہ بیدار ہو کر سب سے پہلے لوٹا ہاتھ میں پکڑ کر چھت پر چڑھ جاتا۔ شاید دن بھر میں یہی ایک موقع ایسا ہوتا جب وہ ارد گرد کی منڈیروں اور چھتوں پر جھانک سکتا۔ لیکن اس کے شریک ہیں کہ یہ عالم تھا اکثر لوگ ملک مکان سے یہ کمرہ کرایہ پر مانگنے چلے آتے۔ کیونکہ ان کے خیال میں یہاں کوئی بھی نہ رہتا تھا۔ پھر وہ شیو بناتا، غسل کرتا اور کپڑے پہن کر سیڑھیوں سے اتر کر ساتھ کے پان فروش سے سگریٹ کی ایک ڈبیا اور ایک پان خریدتا اور ہیرا منڈی کے ایک ہوٹل "بسم اللہ ہوٹل" کا رخ کرتا۔ رستے میں اس کے ایک ہندو پروفیسر کے حلوائی کی دوکان تھی۔ وہ اس ہندو حلوائی سے [illegible] پیسے کی مکھن کی ٹکیہ خریدتا اور بسم اللہ ہوٹل میں پہنچ کر ایک چینک چائے کا آرڈر دیتا۔ یہ چائے دودھ، چائے کے رس اور چینی کو ملا کر ایک ہی ساتھ جلتی گئی ہوتی۔

لاکھ آندھیاں آئیں، موسلا دھار بارش ہوئی، دوام لگ گئی، خاکساروں پر گولی چلی، فسادات ہوئے۔ لیکن شبلی بی کام کے اس معمول میں کبھی فرق نہ آیا۔ وہ اپنے اس روز مرہ پر ۱۹۳۸ء سے ۱۹۴۷ء تک عمل پیرا رہا۔

"بسم اللہ ہوٹل" سے نکل کر وہ تحصیل بازار کی راہ لیتا۔ یہاں "عالمگیر" اور "خیام" کا دفتر تھا۔ بشرطیکہ اسے دفتر کہا جا سکے کیونکہ میرے خیال میں اسے دفتر کی بجائے کباڑ خانہ کہنا زیادہ موزوں تھا۔ جگہ انتہائی تنگ اور بے ڈھب سے اور سب سے زیادہ مصیبت عالمگیر پریس کی گڑگڑاہٹ۔

"سیدھا بازار" سے "تحصیل بازار" کی طرف چلیں تو اس بازار کے بائیں ہاتھ ایک چھوٹی سی مسجد ہے۔ اسی مسجد کے ساتھ ایک بڑا سا پھاٹک ہے اس پھاٹک سے داخل ہوں تو دو بڑی سی مشینیں نظر آتی تھیں۔ یہ مشینیں پہلی جنگ عظیم کا ماڈل تھیں۔ اس لئے پوری قوت سے چیختی چلاتی رہتی تھیں ان کے پہلو میں ایک چھوٹا سا کمرہ تھا۔ جہاں حافظ محمد عالم مرحوم ایک لمبے بانسوں والی کھری آرام کرسی پر بیٹھے رہتے تھے۔ ایک میز کرسی شبلی بی کام کے لئے مخصوص تھی۔ دوسری میز ایجنسی کلرک کے سپرد تھی۔ تیسری میز اشتہارات کے زیر استعمال تھی۔ چوتھی میز پر ایک کلرک بیٹھتا تھا اور پانچویں میز ایک ٹائپسٹ کو دے دی گئی تھی۔ میں آج بھی اس چھوٹے سے کمرے کا تصور کرتا ہوں تو "بلیک ہول" کے واقعہ پر یقین کر لینے کو جی چاہتا ہے۔ حیرت ہے کہ اس قدر تنگ و تاریک کمرے میں اتنے لوگ، اتنی میزیں اور اتنی کرسیاں کس طرح سما جاتی تھیں۔ پھر ملاقاتی بھی تو ہوتے تھے اور حافظ صاحب سے کاروبار کرنے والے لوگ اس پر مستزاد!

اس کمرے کی ایک چھوٹی سی واحد کھڑکی سڑک کی جانب کھلتی تھی۔ جہاں پانچ سات منٹ کے بعد ایک آدھ پھیری والا صدا لگا کر گزرتا تھا۔ [illegible] — کھیلاں گڑ — نان کباب — آلو چھولے — کتابوں رسالوں کی ردی — پرانی بوتلیں — منجی پیڑھی ٹھکوا لو۔

— [illegible] — [illegible] — مقدر ہو کے مذاکرۃ [illegible] — عشق کیا ہے —

[illegible] — [illegible] - نہایت [illegible]، نہایت [illegible]، نہایت [illegible]، نہایت اچھے ہیں: [illegible]

[illegible] — [illegible] ایک [illegible] کے لیے [illegible] مسلسل [illegible]

[illegible] کے [illegible] کا کام [illegible] ایک [illegible] [illegible]

کے [illegible] گرمیاں [illegible] پڑھتے ہیں اور [illegible] - اس [illegible] کی [illegible] لکھا ہے۔ [illegible]

[illegible] ختم ہو جاتا ہے اور یوں محسوس ہوتا ہے جیسے [illegible] [illegible] جیسے [illegible]

اس کے ذہن پر [illegible] ہے اور اب وہ [illegible] اپنے خیالات کی [illegible] نہیں [illegible]۔

عشق [illegible] مسلسل [illegible] کی [illegible] کے اس [illegible] "[illegible]" ماہنامہ [illegible]

[illegible] - [illegible] اس وقت کے معیاری اور [illegible] صحافت جاری ہو چکا تھا۔ [illegible] [illegible]

ضخیم [illegible] شائع ہوتا رہتا تھا۔ [illegible] [illegible] ایڈیٹر [illegible] [illegible] کے [illegible]

خوش [illegible] سے نبھاتا وہ [illegible] ادب و صحافت میں [illegible] ہو چکی ہے۔ [illegible] ادبی اور صحافتی [illegible] تھے۔ [illegible]

[illegible] نے ایک دفعہ اسے لکھا تھا۔

• "اگر تمہاری طرح کا [illegible] آدمی مجھے مل جائے تو میں [illegible] اس کے سپرد کر کے خود گوشہ نشین ہو جاؤں۔" اسی زمانہ میں [illegible] نے

اس کے کسی مقالہ کا حوالہ دیتے ہوئے [illegible] یہ رائے ظاہر کی

• "محنت و جانفشانی اور عرق ریزی اس کا کام ہے۔"

اسی دفتر میں اس نے عالمگیر کے صفحات پر بیس بائیس صفحات کا ایک مقالہ "[illegible]" اور اس کی زندگی اور ادب پر [illegible] لکھا تو [illegible]

نے لکھا۔

• "آپ کا مطالعہ بہت وسیع ہے۔ میں نے اتنی کتابیں نہیں پڑھیں۔"

اس مقالہ پر مولانا عبدالماجد دریا آبادی - مولانا عبدالستار صدیقی، [illegible] شادانی، [illegible] کیفی، [illegible] اور بے شمار [illegible]

علماء و فضلا نے جو خراج تحسین ادا کیا وہ خطوط میں نے خود دیکھے ہیں اور "عالمگیر" میں بھی شائع ہو چکے ہیں۔

وہ اسی پریس میں بیٹھ کر "حرف و حکایت" کے عنوان سے جو ہر ہفتے لکھا کرتا تھا۔ حتیٰ کہ اس کے کئی کئی سو صفحات کے ناول بھی اسی پریس

کی [illegible] اور [illegible] فضاؤں میں بیٹھ کر لکھے گئے ہیں۔

سورج ڈھلے شبلی پریس سے نکلتا اور اخبار و رسالوں کا بلندہ بغل میں داب کر سیدھا [illegible] کی طرف ہو لیتا۔ وہاں [illegible]

میں بیٹھ جاتا۔ سامنے کے ہوٹل سے چائے کا سیٹ آتا اور وہ چائے کی پہلی پیالی کے ساتھ ہی تازہ دم ہو جاتا۔ اس کے دوست احباب بھی پہنچ

آجاتے اور یا تو رات گئے تک یہیں گپ شپ گرم رہتی یا وہ دو تین دوستوں کے ہمراہ انارکلی سے مال روڈ کا چکر کاٹتا اور بھاٹی دروازے کے رستے

واپس عالمگیر پریس میں پہنچ جاتا۔

اسی زمانہ میں احمد ندیم قاسمی نے اس کی سیروں کا حال سن کر اسے لکھا تھا کہ "سنا ہے آپ پہرے کے پہرے بادامی انارکلی بازار میں گھومتے ہیں"

عالمگیر پریس ہی میں "[illegible]" کا انتظام تھا۔ ایک کاتب کھانا تیار کر دیتا اور وہ پریس کی چھت پر بیٹھ کر کھانا کھاتا۔ چائے پیتا۔ [illegible]

کر ایک آدھ سگریٹ کے کش لگاتا اور [illegible] کے نیچے اس [illegible] میں آ جاتا۔ [illegible] داخل ہوتا تو سب سے پہلے [illegible]۔

[illegible] تمام افسانوں [illegible] ہی تھا۔ دراصل یہ وقت اُس کے مطالعہ کا ہوتا۔ اس وقت کسی کو کمرے کی جانب [illegible] ہے اُس کے کسی ہم جولی دوست کو بھی اس کی ضرورت محسوس ہوتی اور وہ اُس کے کمرے پر جا کر آواز دیتا تو [illegible] وہ سب کچھ سنتا ہی چپ سادھے رہتا۔ حتیٰ کہ اس کا دوست مایوس ہو کر لوٹ جاتا۔ اس وقت وہ "حرف و حکایت" [illegible] کا مواد یکجا کرتا یا پھر رسالہ کے لئے مضمون لکھتا۔ اس نے عمل سے افسانوں کی بیشتر کتابیں بھی اسی وقت میں لکھی ہیں۔

میرے علاوہ احسان علی شاہ اور میرزا ادیب کا بھی اُس کے ہاں آنا جانا تھا۔ اس لئے ہمیں ایسے وقت میں بھی کسی سے [illegible] ہے۔
میرزا ادیب نے اپنے ایک افسانے "عبدالرحمٰن" کا مواد بسملؔ کے اس کمرے سے لیا تھا اور عبدالرحمٰن دراصل عبدالرحیم بسملؔ کا تخیلاتی روپ ہے۔ اس افسانے کے آخری حصہ میں میرزا ادیب ٹھوکر کھا گئے ہیں۔ لیکن ماحول نگاری میں ان کا یہ افسانہ بڑا کامیاب ہے۔ میرزا صاحب نے لکھا ہے

"گرمیوں کے دنوں میں مچھروں کے حملے سے بچنے کے لئے وہ پاؤں کو کسی چادر میں چھپا لیتا اور اگر موسم سرد ہوتا تو دولائی میں لپٹا لپٹایا دیوار سے سہارا لگائے کسی کتاب کا مطالعہ کرتا، لکھتا اور ساتھ ہی ساتھ سگریٹ کے کش بھی لگاتا رہتا۔"

اس وقت دیوار سے سہارا لگا کر سامنے ایک چارپائی پر رکھ دیتی۔ سیاہی کی بوتل اکثر چارپائی پر لُٹ جاتی۔ چادر سیاہی سے تربتر ہو جاتی لیکن وہ افسوس ذرا نہ کرتا بلکہ ہنس پڑتا کیونکہ اس کے بجٹ میں ہر ماہ ایسی آنے والی آفتوں کی رقم مخصوص رکھی جاتی تھی۔

ایک بجے رات تک وہ فکر و مطالعہ میں گم رہتا۔ پھر ایک بجے جب بازار میں ہنگامہ ختم ہو جاتا۔ پان فروش ہوٹل سے ملحقہ اپنا تختہ اٹھانے لگ جاتا۔ تو وہ بھی والا کوڑے سے صاف کر کے ایک طرف رکھ دیتا اور کوائی رکھ رکھ کر صاف کرتا اور بازار کے تمام ریڈیو اپنے ریکارڈنگ ختم کر دیتے تو بسملؔ اپنا کام چپ چاپ نیند کے آغوش میں جا سمٹتا۔

برابر دس برس تک اس کا یہی پروگرام رہا۔ اُسے دنیا کا کوئی ہوش نہ تھا۔ اس کی تجردانہ زندگی اسی ڈگر پر بسر ہوتی رہی۔ اس کے پہلی بچے تھے ہی نہیں کہ گھریلو الجھنوں کے حل کی فکر ہوتی۔ شادی کے متعلق اس کے خیالات عجیب تھے میرزا ادیب نے لکھا ہے کہ

"اس کی ذہنی تخلیقات کے ماتحت ملک کے گوشے گوشے میں پھیل چکے تھے۔ وہ اسے بہت بڑا آدمی سمجھتے تھے۔ مگر جو دوست اس کے بہت قریب تھے اور اس کے معمولات حیات سے پوری طرح واقف تھے۔ وہ اکثر حیران ہو کر یہ سوچتے تھے کہ اپنی بے پناہ قابلیت کے باوجود یہ شخص اپنی زندگی کے معیار کو بلند کیوں نہیں کرتا۔ حقیقت یہ تھی کہ اس کی نگاہوں میں دولت کی کوئی وقعت نہیں تھی اور عورت کے تصور نے اس کی زندگی کی سرد فضا کو ابھی چھُوا تک بھی نہیں تھا۔ شادی کے بارے میں اس کا فلسفہ عجیب و غریب تھا۔ جب کبھی گفتگو میں شادی کا ذکر چھڑ جاتا تو وہ مسکرا کر کہتا۔ "میں شادی صرف اس لئے کروں گا کہ میرے گھر میں ایک عورت ہر صبح میرے لئے چائے کی گرم گرم پیالیاں بنا دیا کرے اور جب میں کام سے فارغ ہو کر گھر آؤں تو میرے لئے کھانا بالکل تیار موجود ہو۔"

اس کے مزاج کی ایک بات یاد آ گئی۔ قیام پاکستان سے قبل میں ماہوار ایک رسالہ شائع کرنا چاہتا تھا بسملؔ سے ذکر ہوا تو اُس نے ایک لیٹر ہیڈ میں یوں خاکہ بنا کر مجھے دیا تھا۔ وہ یہ تھا۔

ماہنامہ ندیم امید —— ایڈیٹر قمر تسکین

ایڈیٹر [illegible] —— پڑھنے والے بھائیو! میں نہ تو ادیب ہوں، نہ شاعر، ایک معمولی ایڈیٹر ہوں جس کا کام نو آموز لکھنے والوں سے تحریریں [illegible] کر کے شائع کر دینا ہے۔

[illegible] کا پہلا شمارہ ایک معمولی سے پرچے کے طور پر پیش کر رہا ہوں۔ اگر آپ اس کی سرپرستی قبول فرمائیں تو آپ جیسا [illegible]

[illegible] ـــ [illegible]

[illegible]	[illegible]	نظم
[illegible] بھی کی [illegible] کس وہ کس کی دیکھ کر	مگر • ہاں بھی • معاف کیجئے۔ میرے خیال [illegible]	یہ [illegible] کا وقت اور [illegible] اب کیا ہے [illegible]

مزاح گپ	نفسیات	[illegible]
[illegible] یہ [illegible] ہے	ادیب اس لئے [illegible] ہے کہ اس کی [illegible] کو [illegible] نہیں سکتا!	"[illegible]" اس دور کی [illegible] ہے۔ یہ [illegible] بات ہے کہ اس [illegible] تھا۔ [illegible] ہے

جب وہ سڑک پر [illegible] سیکڑوں لطیفوں، چٹکلوں اور حکایتوں سے بھری شل کر گئے۔ مزاح بنا کر کہہ دیتا ہے۔ خوب جتنا ہنستا ہنساتا ہے۔ اس کے احباب اس کے قریب بیٹھ کر اپنی پریشانی کو بھول جاتے ہیں ـــ لیکن اگر وہ کام میں مصروف ہو تو اس سے بڑھ کر خشک مزاج انسان کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا۔ ۱۹۴۷ء کو ذکر ہے۔ پروفیسر اختر اورینوی پٹنے آئے تو وہ بھی ایک آدھ دن کے لئے ٹھہر گئے تھے اور میرزا ادیب انہیں شبلی بی اے ایم اے سے ملانے [illegible] پریس لے گئے۔ شبلی [illegible] کام میں مصروف تھا۔ ہم تینوں اس کے عقب میں جا کھڑے ہوگئے اور میں نے شبلی کو متوجہ کرتے ہوئے تعارف کرایا۔ "آپ ہیں اختر اورینوی صاحب" شبلی نے منہ پھیرے بغیر اپنا ہاتھ عقب کی طرف بڑھایا۔ اختر اورینوی اس کا ہاتھ [illegible] لگے۔ ایک منٹ، دو تین اور چار منٹ گزر گئے۔ شبلی بدستور لکھنے میں مصروف رہا۔ اور منہ پھیر کر بھی نہ دیکھا۔ چنانچہ ہم تینوں "السلام علیکم" کہہ کر پریس کی گڑگڑاہٹ سے نجات پا گئے۔ تمام راہ میں اور میرزا ادیب انتہائی شرمندگی کے عالم میں قدم اٹھاتے رہے۔ ہمارے اختر اورینوی خاموش رہے اور اپنی منزل پر ہم سے جدا ہوگئے لیکن ہمارے مابین شبلی کے بارے میں کوئی گفتگو نہ ہوئی۔

شبلی بی کام کی زندگی کے اس عجیب و غریب اسلوب نے مجھے ایک افسانوی کردار بنا کر رکھ دیا ہے۔ چنانچہ اختر اورینوی نے شبلی کو [illegible] کر کے "اندر کی اور بھول بھلیاں" کے عنوان سے ایک افسانہ لکھا۔ یہ افسانہ شبلی کے گرد گھومتا ہے۔ اس افسانے کی دلکشی بہت ہے لیکن [illegible] کا انکشاف خوف ماتحت ہے۔ میرزا ادیب نے بھی اپنے افسانے "عبدالرحمٰن" میں کھوج لگانے کی کوشش کی کہ شبلی بی کام کا طریق کار کا مقصد کس چیز پر ہے؟ اختر اورینوی کا خیال ہے کہ شام کے وقت اس نے اندر کی سے کھڑکی کھول دیا اور اسی میں وقت محسوس [illegible] ہوگیا ـــ میرزا ادیب اپنے افسانے میں اچانک ایک روز اس کے کمرے میں تبدیلی دیکھتا ہے۔ نئے پردے، کرسی، میز وغیرہ دیکھ کر کچھ اندازے لگاتا ہے۔

لیکن میری رائے میں یہ دونوں حضرات تہ تک نہیں پہنچ سکے۔ شبلی کی تفریح کے اسرار کی گتھی ان سے نہیں کھل سکی اور سچی بات تو یہ ہے کہ میں بھی اس معمہ کو نہیں سمجھ سکا۔ اس زمانہ میں شبلی کے گھر پر کس مپرسی کا عالم تھا۔ اس لئے وہ کسی کو اپنے گھر کا پتہ نہ بتاتا تھا۔ اس کے کمرے کا نقشہ میرزا ادیب نے ان الفاظ میں کھینچا ہے۔

"کمرے کی ہر چیز فرسودہ، بے جان اور بے روح تھی۔ یوں محسوس ہوتا تھا گویا زندگی کی حرارت نے اس تنگ و تاریک [illegible] دنیا میں کبھی سانس لیا ہی نہیں ہے۔ جس وقت وہ کمرے میں موجود ہوتا تو کبھی کبھی پُرسکوت فضا میں چلنے پھرنے یا برتن اٹھانے [illegible] سی پیدا ہو جاتی۔ مگر چند لمحوں کے بعد ہی یہ لرزش اس طرح غائب ہو جاتی جیسے کسی جھیل کی کائی کی سطح پر پتھر گرنے سے

کالج چھوڑ کر آنا تو ایک ابھرتے ہوئے دائرے میں ڈوب جانا تھی۔ اس کی زندگی کے بڑا حصہ دوستوں اور بزرگوں [illegible] تھیں۔ مگر اس کی حالت تنگی ہی دیکھ کر جو اس سے سات برس بڑے تھے۔ سات سال کی لمبی مدت اس نے اس کمرے میں [illegible] طرح ایک سرے سے تمام کر رہا ہو۔ چائے پینے کام کرنے اور سونے کے علاوہ اسے دنیا کی کسی چیز سے دلچسپی نہیں تھی۔

تقسیم سے کچھ عرصہ قبل حافظ محمد عالم کی بیماری کے دوران اس کی شکل میں کچھ بیزاری سی پیدا ہوئی۔ شاید وہ مسلسل دس سال تک ایک ہی جگہ کام کرتا کرتا تھک گیا تھا۔ اس نے کبھی دہلی اور کبھی لاہور، اخبار رسالوں کو چھوڑ کر روزناموں کی دنیا میں چلا گیا۔

قیام پاکستان کے بعد بھی شفیق کی کام کے معمول میں کوئی فرق نہیں آیا۔ جیسے شتابانہ مالا مال بارہ تو فسادات کی نذر ہو گیا اور تقسیم کے بعد وہ ہجرت کر کے اپنے عزیز و اقارب کے ساتھ آیا تھا۔ اس نے نئی انارکلی میں دو تین کمرے الاٹ کرا لئے ہیں لیکن یہاں بھی اس کے حصے میں صرف ایک ہی کمرہ آسکا ہے۔ اس کے گھر میں اگرچہ اب بھی بیوی نہیں ہے تاہم ماں باپ موجود ہیں۔ اس کے باوجود وہ صبح سویرے اٹھتا ہے، شیو بناتا، نہاتا دھوتا اور ناشتے سے فارغ ہو کر تانگے کے ذریعہ سیدھا دفتر پہنچتا ہے۔ پہلے وہ اپنے دفتر کا کام ختم کر کے دوپہر کے بعد رسالہ [illegible] کے دفتر میں جہاں احباب جمع ہوتے تھے اب رسالہ ڈائرکٹر کے دفتر میں بیٹھتا ہے۔ اسے فلموں سے دلچسپی نہیں ہے۔ کیونکہ وہ ایک فیصد بھی فلمی آدمی نہیں۔ اسے تو محض ان فلمی دفتروں کے ان گدوں سے دلچسپی ہے جو اس کے تھکے ہارے جسم کو چند گھنٹوں کے لئے سکون دیتے ہیں۔ [illegible] کے دفتر کا صوفہ اس کی بے پروائی کے باعث جل گیا تو وہ رسالہ ڈائرکٹر کے دفتر میں آنے لگا۔ یہاں سے اکتائے گا تو کسی اور ایسی جگہ جہاں اس کے قیام، پیشاب کرنے کی جگہ ہو، پنکھا ہو، ایک صوفہ سیٹ ہو اور چائے منگوائی جا سکے، چلا جائے گا۔ وہ اسی دفتر میں ہر روز اپنی جیب سے دس کا ایک نوٹ نکال کر چائے منگوائے گا۔ آس پاس بیٹھے ہوئے سب لوگوں، سب ملاقاتیوں اور سب دوستوں کو چائے پلائے گا۔ کوئی کھانا کھانا چاہے تو وہ کھانا کھلوانے سے بھی دریغ نہ کرے گا۔

وہ کہا کرتا ہے — "میں چاہتا ہوں کہ یونہی بیٹھا رہوں، سمندر کے کنارے کسی سرسبز و شاداب تختہ پر لیٹا رہوں۔ بیکار رہوں۔ حتیٰ کہ کئی صبحیں طلوع ہوں اور شامیں غروب ہو جائیں" — دراصل اس کا جسم تھک چکا ہے لیکن تعجب ہے کہ اس کا ذہن ابھی تک نہیں تھکا۔ اس میں ایک لاوا سا سلگ رہا ہے۔ جس کی چنگاریاں اس کی تحریروں میں اڑتی رہتی ہیں۔ تقسیم کے بعد سے وہ مختلف اخباروں میں چیف ایڈیٹری کے فرائض سرانجام دے رہا ہے۔ وہ اداریے لکھتا ہے۔ کئی ملک گیر تحریکیں چلا چکا ہے۔ کئی وزارتوں کو الٹ چکا ہے۔ عوام کے ان گنت مسائل کو حل کرنے کی جدوجہد میں کئی زمانوں کے بکھیڑے ادھیڑ چکا ہے۔ لیکن وہ ایک عجیب کردار ہے جسے سچی بات ہے میں اب تک نہیں سمجھ سکا۔

اس کی بہترین تفریح ہوٹل میں ایک آدھ گھنٹہ بیٹھنا ہے۔ جہاں اسے اک دفعہ چھیڑ دیا جائے تو پھر دیکھئے کیا ہوتا ہے۔ اس کا تجربہ اور مطالعہ بہت وسیع ہے۔ وہ گزشتہ پچیس برس سے بے شمار سیاسی، ادبی اور مذہبی تحریکوں کا عروج و زوال دیکھ چکا ہے اس لئے معاشرے کا ایک مزاج بن کر رہ گیا ہے۔ اسے ادب اور صحافت سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔

وہ باتیں بڑے سچے کی کہتا ہے اور اس حد تک بے باک ہے کہ کسی کی پروا نہیں کرتا۔ وہ ناشروں کے بھی خلاف ہے اور مصنفوں کے بھی سیاست دانوں کے بھی اور ——— سب کے۔ بلکہ کبھی کبھی تو خدا اور انبیاء اولیاء بھی اس کی زد میں آئے بغیر نہیں رہتے۔ بایں ہمہ اس کی گفتگو بے معنی اور بے تکی نہیں ہوتی۔ انداز خواہ کچھ ہو۔ اس میں علمیت کا رنگ ضرور ہوتا ہے۔ مثلاً وہ حسرت، سالک، اور سلیمان ندوی کو کوسنے بیٹھے گا تو ساتھ ہی یہ بھی کہہ دے گا کہ حسرت صاحب نے فلاں تاریخ کا مادہ غلط نکالا ہے اور فلاں کتاب کا نام غلط لیا ہے۔ سالک صاحب نے قصہ چہار درویش کا کردار الف لیلہ کے سر [illegible] سلیمان ندوی نے مستشرقین کی کتابیں ترجمہ کرا کے اپنے نام سے چھاپ دی ہیں۔ لیکن وہ عمر خیام کی تاریخ پیدائش متعین نہیں کر [illegible] نے نجوم کی مدد سے منٹ اور سیکنڈ بھی بتا دیئے ہیں۔ اس کا مطالعہ وسیع ہوتا ہے اور وہ پتے کی باتیں کہتا ہے اب [illegible]

[illegible] ہے

وہ [illegible] (اکثریت) [illegible] اپنے [illegible] کی کوشش میں ہے۔ [illegible] رات کے دس بجے تک [illegible] بے حد مطمئن [illegible] زندگی بسر کرتا ہے۔ لیکن درحقیقت وہ [illegible] ۔ اسے کیا وہ [illegible] پائے گا یا کیا [illegible]

میرا قیاس ہے کہ خیال ہے کہ وہ [illegible] کی کوشش [illegible] ہے۔

وہ مشکل [illegible] پہلا [illegible] ہے لیکن [illegible] ۔ وہ ایک حقیقت ہے دنیا میں حیثیت [illegible]

ہے —— اس کو [illegible] ہے —— !

اس کے [illegible] تھے۔ میں نے جب شکیل نے [illegible] کے بعد [illegible] سب سے پہلا مضمون [illegible] شکیل بی کام نے انگریزی میں مضمون نگاری کا سلسلہ شروع کیا [illegible] سب سے پہلا مضمون [illegible] شائع ہوا [illegible] کے زمانہ میں [illegible] زیادہ [illegible] پڑھتے ہیں [illegible] جب [illegible] وہ سب سے پہلے [illegible] کو [illegible] میں [illegible] شامل [illegible] ہے۔ [illegible] بی کام اس کے نام کا جزو بن چکا ہے۔ جسے کوشش کے باوجود [illegible] نہیں کر سکا [illegible] کے وقت بی کام [illegible] شکیل بی کام —— تو [illegible] میں [illegible] ہے۔ [illegible] شکیل بی کام کے بجائے عبدالرحیم شکیل [illegible] دیا [illegible] جب [illegible] پڑھا کرتے —— " [illegible] ۔ ہم نے سمجھا [illegible] شکیل بی کام [illegible] اصل نے اپنے نام کے ساتھ بی کام لکھنا کبھی گوارا نہیں کیا۔ لیکن بدقسمتی سے [illegible] ایڈیٹر [illegible] نے [illegible] کر دیئے۔ شروع شروع میں ایڈیٹر [illegible] نے غالباً مولانا شکیل مرحوم [illegible] عبدالرحیم شکیل کو علیحدہ شخصیت ظاہر کرنے کے لئے ڈگری کو نام سے منسلک کیا تھا اور بعد میں یہ ایک ایسا جزو بن گیا جسے علیحدہ نہیں کیا جا سکتا۔

اس کے خاندان میں یہ رواج ہے کہ ہر شخص کا ایک تخلص رکھ دیا جاتا ہے۔ [illegible] اس کا تخلص بھی اس کی والدہ محترمہ نے اس کے پیدا ہوتے ہی تجویز کیا تھا۔ غالباً اس وقت مولانا شبلی نعمانی نئے نئے فوت ہوئے تھے اور ان کے [illegible] کی گونج ابھی تک فضا میں باقی تھی۔ اس لئے ظاہر ہے اس کی والدہ نے یہ خیال کیا ہو کہ شاید [illegible] اپنے باپ کے نقش قدم پر چلے اور عجب نہیں کہ ان کی طرح شاعر ہی نکلے۔ اس لئے یہ تخلص (شبلی) اس پر ٹھونس دیا گیا۔ تاہم اس میں [illegible] کا فطری ذوق موجود ہے جو کبھی کبھی معاشیات کی [illegible] تعلیم کے باوجود ابھرتا رہتا ہے اور ایک زمانہ ایسا بھی آیا ہے جب یہ [illegible] کی صورت میں ڈھل گیا تاہم اس کے نام سے [illegible] یا نظمیں شائع ہوئی ہیں۔ وہ ان کو اپنے ادب میں شامل کرنے کو تیار نہیں ہے۔

سانولی رنگت، [illegible] بال، ستواں ناک اور موٹی موٹی آنکھوں والا انتالیس[39] سالہ سید عبدالرحیم ہاشمی (شکیل بی کام) دوستوں کی محفل میں بے باکی کے ساتھ قہقہے لگاتا، ہنستا اور سگریٹ پھونکتا ہے۔ جب معلمانہ انداز اختیار کر لیتا ہے تو بڑا عجیب سا معلوم ہوتا ہے۔ [illegible] چھوٹے بڑے تمام ادیبوں کے ساتھ ہے۔ وہ اپنے کسی دوست اور کسی [illegible] کو نہیں [illegible] کسی کو معاف نہیں کرتا۔ وہ ادیبوں کے [illegible]

[illegible] کی بات نہیں ہے۔ وہ جانتا ہے کہ اس کا مستقبل کس حد تک اس سے وابستہ ہے۔ حقیقت میں وہ اپنی [illegible] ہر ایک عیب کی تکلیف دہ حس شدت کا احساس کرتا ہے۔ اس کے لئے یہ ناقابل برداشت ہے اور جب وہ کبھی [illegible] مسائل سے دوچار ہوتا ہے اور ان مسائل کے بارے میں کہا جاتا ہے تو اس کا یہ انداز بالکل سطحی معلوم ہوتا ہے۔

ہم سفر [illegible] میں شبلی بی کام کی کرسیاں نہیں لگوائیں۔ اس لئے کہ میں اس کا دیرینہ دوست ہوں اور مجھے اس میں [illegible] نظر آتی ہیں۔ اس کی شخصیت بڑی پیچیدہ، بڑی حسین اور بڑی عجیب و غریب ہے۔ میرا خیال ہے کہ "عجیب و غریب" کا لفظ قدرے وضاحت طلب ہے ——!

شبلی بی کام جب بولنے پر آتا ہے تو اپنے مخصوص انداز میں اپنی عینک کے دائروں سے اپنی شعلہ بار آنکھیں نچا نچا کے جھانکتا ہے اس وقت اُسے آپ کسی کا ماضی، ندامت، آزردگی، مصروفیت غرضیکہ کسی شے کی پرواہ نہ ہوگی اور اس کے دلائل کا سلسلہ اس وقت رکے گا جب آپ اپنی مکمل شکست کا اعلان کر دیں گے۔

آپ اپنے کسی ذاتی مسئلہ پر اس سے انتہائی ضروری مشورہ کر رہے ہوں گے تو وہ اچانک اپنے بائیں ہاتھ کی انگلیوں سے فضا میں کچھ لکھنے لگے گا اور آپ کے مسئلہ پر قطعی توجہ نہ دے گا۔ اس وقت بھی اُسے آپ کسی ناراضی، آپ کے جذبات و احساسات غرضیکہ آپ کا کوئی خیال نہ ہوگا!

اگر وہ موڈ میں ہوگا تو آپ کے ہلکے سے اشارے پر وہ چار سو روپے تک ادھار دینے سے دریغ نہ کرے گا اور اس کے ذہن میں ان روپوں کو واپس لینے کا خیال تک نہ ہوگا۔ لیکن اگر آپ کی جان پر بن آئے اور آپ اس کے سامنے ایک آدھ روپے کے لئے دستِ سوال دراز کریں۔ وہ موڈ میں نہ ہو تو آپ کی کسی بات سے متاثر نہ ہوگا اور ایک پھوٹی کوڑی بھی جیب سے نہ نکالے گا۔

وہ مال، فارمن، میکلوڈ اور انارکلی میں اس قلندرانہ شان سے چلتا پھرتا نظر آتا ہے کہ کسی روزنامہ اخبار کے چیف ایڈیٹر کے بجائے کسی دفتر کا معمولی سا کلرک نظر آتا ہے۔

آج کی مادی دنیا میں ہر بڑے آدمی، ہر ظالم، ہر وزیر، امیر سے نفرت کرتا ہے حتیٰ کہ ان کے سلام کا جواب دینا بھی پسند نہیں کرتا۔ لیکن ہر بے حیثیت آدمی، ہر مظلوم، ہر نہتے غریب اور ہر غریب کے گلے میں باہیں ڈال کر گھومتا پھرتا دکھائی دیتا ہے۔

جس کام میں مالی فائدہ ہو۔ اُسے ٹالتا رہتا ہے حتیٰ کہ یہ موقعہ ہاتھ سے نکل جاتا ہے۔ دوسروں کے ان گنت کام نکالتا ہے اور اس سلسلہ میں اپنی جیب سے دشمنی کرنے سے بھی نہیں چوکتا۔

ہر روز ایک نئی اسکیم بناتا ہے۔ اس کے ذہن میں ہزاروں، لاکھوں اسکیمیں ترتیب پاتی ہیں۔ لیکن وہ آج تک کسی اسکیم کو بھی پایۂ تکمیل تک نہیں پہنچا سکا۔ وہ خود ہی کہا کرتا تھا کہ علم النجوم کی رو سے میں "کیتا" ہوں جو آگے بڑھتا بڑھتا عین منزل کے قریب پہنچ کر کچھ اس طرح پلٹ کر غائب ہو جاتا ہے کہ اس کے ساتھی منہ دیکھتے رہ جاتے ہیں۔

یہ ہے شبلی بی کام اور عجیب و غریب کردار۔ جسے میں اب تک نہیں سمجھ سکا اور جو میرے خیال میں آج بھی طوفانوں میں مچھلیاں پکڑنے کی کوشش کر رہا ہے۔

شیخ محمد اسماعیل پانی پتی

عبدالسلام خورشید

شیخ محمد اسماعیل پانی پتی میرے بہت پرانے دوست ہیں۔ ان سے میری پہلی ملاقات آج سے تینتیس سال پیشتر ملک مسلم ہائی اسکول پانی پت کے کتب خانے میں ہوئی تھی۔ میں نے دیکھا کہ کتب خانے کی بڑی میز کے پاس ایک نہایت نحیف جوان کھڑے مطالعہ میں مصروف ہے۔ اور پاس ایک کاغذ پر کچھ یادداشت لے رہا ہے چھریرا جسم کتابی چہرہ، سیاہ داڑھی، سر کے بال بالکل کٹے ہوئے۔ جسم پر ایک صاف مگر سادہ کرتا اور شرعی پاجامہ۔ یہ تھے شیخ محمد اسماعیل۔ ان کی شخصیت میں جو چیز میرے نزدیک سب سے زیادہ جاذب تھی وہ ان کا خلوص تھا، سچائی، راستبازی اور نیک نیتی تھی۔

شیخ صاحب کی شخصیت کی سب سے بڑی کمزوری یہ ہے کہ اس میں تنوع اور ہمہ رنگی نہیں ہے۔ ان کو انواع و اقسام کے تفریحی مشاغل کا شوق ہے نہ ان کو بہت عمدہ قسم کے لباس سے شغف ہے۔ اور نہ کھیل تماشوں میلوں اور دوسری تفریحات کی طرف میلان۔ انہوں نے آج تک سینما نہیں دیکھا۔ اور کسی قسم کا کھیل بھی نہیں کھیلا۔ عملی سیاست سے بھی وہ ہمیشہ علیحدہ رہے۔ ان سب چیزوں کو چھوڑ کر ان کو ایک اور صرف ایک چیز سے عشق ہے۔ وہ ہے کتاب، مطالعہ، علمی تحقیق، اور تصنیف و تالیف۔ ہم نے مطالعہ کے شوقین بہت دیکھے ہیں مگر اس معاملے میں شیخ صاحب کی مثال نرالی ہے۔ اپنے بچپن کا ذکر شیخ صاحب نے بارہا کیا ہے۔ خود ان کے قول کے مطابق وہ اس زمانے میں رات کو دو ڈھائی بجے تک کتب پڑھتے رہتے تھے۔ والدین کی تاکید تھی کہ رات کو جلد سو جائیں ان کے لحاظ سے منہ لحاف میں ڈھک لیتے اور لحاف کے اندر سرسوں کے تیل کا چراغ جلا کر شیخ صاحب کتاب پڑھتے رہتے۔ مگر والدین سمجھتے کہ سو رہے ہیں۔

شیخ صاحب نے ہمیشہ اپنی آمدنی کا بیشتر حصہ کتابیں خریدنے پر صرف کیا اور ہمیشہ اچھی کتاب کی تلاش میں رہتے تھے۔ اس طرح انہوں نے ایک بے نظیر ذاتی کتب خانہ جمع کر لیا تھا۔ جو بیش بہا قلمی نسخوں اور نایاب مطبوعہ کتابوں پر مشتمل تھا۔ جس خوش دلی سے شیخ صاحب اس کا استعمال کرتے تھے بہت کم لوگ ذاتی کتب خانوں سے ایسا استفادہ کر سکتے ہیں۔ اکثر شائقین علم اس کتب خانے کو دیکھنے کے لئے دور دور سے آتے تھے۔

کتب خانہ شیخ صاحب کی زندگی بھر کا جمع کردہ تھا اور نہایت قیمتی سرمایہ تھا۔ افسوس ہے کہ یہ ۱۹۴۷ء کے انقلابات [illegible] صحت پر اس کے ضائع ہو جانے کا بہت بُرا اثر پڑا ہے۔

بالعموم دیکھا گیا ہے کہ ذاتی کتب خانوں کے مالک اپنی کتابوں کی ہوا بھی کسی کو نہیں لگنے دیتے۔ مگر شیخ صاحب اس معاملے میں بہت فیاض رہے ہیں۔ ان کے کتب خانے سے ہر شخص فائدہ اٹھا سکتا تھا۔

شیخ صاحب کی یادداشت نہایت عمدہ ہے۔ بعض اوقات اُن کی اس خوبی سے عجیب لطیفے رونما ہوئے۔ ۱۹۳۵ء میں سید علی نقی صاحب پرنسپل شاہجہان انٹرمیڈیٹ کالج، ... آباد نے اپنے کالج میں حالی سینٹنری (صد سالہ جشن) کا ایک شاندار جلسہ منعقد کیا تھا۔ شیخ صاحب ان دنوں حالی مسلم ہائی اسکول پانی پت کے ناظم کی حیثیت سے وہاں موجود تھے۔ مسٹر اکبر حیدری نواب ... جلسہ کی صدارت کر رہے تھے۔ بابائے اردو ڈاکٹر مولوی عبدالحق صاحب مولانا حالی پر تقریر کر رہے تھے۔ تقریر کے دوران میں دفعتہً مولوی صاحب نے شیخ صاحب سے سوال کیا کہ مجالس النساء مولانا حالی نے کس سنہ میں لکھی تھی۔ شیخ صاحب اُس وقت کچھ لکھ رہے تھے۔ مگر بلا تامل انہوں نے سوال کا جواب دیا۔ اور پھر اپنے کام میں مصروف ہو گئے۔ تمام حاضرین جلسہ کی نظریں شیخ صاحب پر پڑیں اور لوگ حیرت زدہ ہو کر ایک دوسرے سے پوچھنے لگے کہ یہ کون بزرگ ہیں جو حالی کے متعلق ایسا یقینی علم رکھتے ہیں کہ مولوی عبدالحق صاحب بھی استفسار فرماتے ہیں۔ اور بھروسہ کرتے ہیں اور جن کو حالی کی تصانیف کے جزئیات تک ازبر ہیں۔

حقیقت بھی یہ ہے کہ حالی کی تحقیق پر شیخ صاحب نے ساری عمر جس قدر کاوش و کوشش کی ہے کسی دوسرے کو میسر نہیں۔ انہوں نے اس قدر مواد اس موضوع پر جمع کیا ہے کہ اگر وہ لکھیں تو بہت آسانی سے ہزار صفحہ کی سوانح عمری لکھی جا سکتی ہے۔ وقت لکھنے کی آمد تو اب تک لکھی نہ ہو سکی۔ مگر شیخ صاحب نے مولانا حالی کے غیر مطبوعہ اور نایاب کلام کا مجموعہ مرتب اور شائع کیے ہیں۔ اُن کے علاوہ دو جلدیں مقالات حالی مرتب کیے۔ جن کو انجمن ترقی اردو نے شائع کیا تھا۔ ایک مختصر سوانح حیات تذکرۂ حالی کے نام سے لکھی۔ اور کثرت سے مضامین مختلف رسائل کے لیے لکھے۔

شیخ صاحب نے ملک کے موقر رسائل و جرائد میں مضامین لکھنے کا سلسلہ پندرہ سال کی عمر سے شروع کیا اور اب تک جاری ہے۔ ان کی تعداد بتانا مشکل ہے۔ لیکن بعض تحقیقی مقالے واقعی قابل صد تحسین و آفرین ہیں۔ اس لحاظ سے شیخ صاحب کی ایک قابل ذکر خوبی یہ بھی ہے کہ ان مضامین پر تحقیق کا کام آپ نے دس پندرہ سال تک کیا۔ یہ استقلال حیرت انگیز ہے۔ ایسا ہی ایک مقالہ سنسکرت کے عربی و فارسی تراجم ہے۔ جس کو شیخ صاحب نے سالہا سال کی محنت شاقہ کے بعد مرتب کیا۔ مولانا وحید الدین سلیم پروفیسر عثمانیہ یونیورسٹی فرمایا کرتے تھے۔ کہ اس مضمون کو دیکھ کر میں فخر کرتا ہوں کہ میرے اہل وطن میں ایک ایسا فاضل محقق موجود ہے۔ میں نے بھی اس مقالے کا اُس وقت انگریزی میں ترجمہ کیا تھا۔

شیخ صاحب کو میں نے کبھی کسی بڑی سے بڑی شخصیت سے مرعوب ہوتے نہیں دیکھا۔ ذاتی منفعت کے خاطر وہ کبھی کسی کی خوشامد نہیں کرتے۔ بڑے بڑے لوگوں سے اُن کا ملنا رہا وہ برابر کے درجے میں رہا۔ اپنی رائے کے اظہار میں اُن کو ہمیشہ بے باک پایا۔ مگر اس کے ساتھ وہ دوسروں کی رائے کی قدر کرنا بھی جانتے ہیں۔ وہ بے حد خلیق متواضع اور منکسار انسان ہیں شیخ جی۔ ریاکاری تصنع سے اُن کو دور کا واسطہ نہیں۔ دوستوں کے مخلص اور ہمدرد دوست ہیں۔ اعزہ و اقارب کے ساتھ اُن کا سلوک ایسا ہے کہ ان کی شکایت کسی سے سننے میں نہیں آئی یہ بڑی بات ہے۔

اُن کی صحبت کا رنگ خالص علمی ہوتا ہے۔ اس کے باوجود اُن کی گفتگو بہت دلچسپ ہوتی ہے مجھے پانی پت میں سالہا سال تک اُن کی گفتگو سے لطف اندوز ہونے کا موقع ملا۔ ایک عرصے تک یہ معمول رہا کہ ہم دونوں علی الصباح سیر کے لیے جاتے اور دو گھنٹے تک علمی باتوں پر گفتگو کرتے رہتے یہ لطف میں عمر بھر نہیں بھول سکتا اور اب بھی یہ تمنا دل میں موجود ہے کہ کاش وہ زمانہ پھر لوٹ آئے۔

شیخ صاحب غالباً ۱۸۹۲ء میں دہلی کے قریب ایک گاؤں بالا میں پیدا ہوئے تھے۔ زندگی کا بیشتر حصہ اپنے اسی آبائی مکان واقع پانی پت میں بسر کیا یہ مکان ملا انصاریوں کے مکان کی پشت پر تھا۔ جس میں مولانا حالی پیدا ہوئے تھے۔ نیچے کے مکان میں وہ اپنے اہل و عیال کے ساتھ رہتے تھے۔ اوپر کی منزل

شیخ صاحب [illegible] دور میں بھی تصنیف و تالیف و تحقیق کے دل سے شائق رہتے تھے
[illegible] کے دور بعد کا سلسلہ جاری رکھ سکے تھے۔ ملازمت سے [illegible] پنشن لے کر آئے۔ پھر وہ [illegible] علم
اور مسلمانوں کے کتب خانے میں [illegible] آباد پہنچے۔ [illegible] میں [illegible] منتخب
مضمون کے [illegible] حیثیت سے ہیں۔ جو شیخ محمد اکرام کی [illegible] تھے۔ [illegible] کی محبت سے [illegible]
سے کراچی پہنچ واپس آگئے۔ [illegible] پیغامات کے نام سے [illegible] اخبار نکالتے۔ [illegible] بعض وجوہ سے [illegible]
بدل کر [illegible] سے وہ مستقل [illegible] میں مقیم ہیں۔ اور ان کا سب شغل تالیف و تصنیف ہو رہا ہے۔ ان کی تصانیف کی
تعداد اس قدر ہے کہ ان سب کا ذکر طوالت سے خالی نہیں۔

شیخ صاحب اگرچہ بہت سنجیدہ آدمی ہیں۔ لیکن ان کی حسِ ظرافت بھی بہت عمدہ معلوم ہوتی ہے۔

ایک بار ان کے ایک بے تکلف دوست اپنے جوان بیٹے کی شکایت کرنے لگے۔ ان کے دوست کا نام فرزند علی تھا۔ شیخ صاحب نے ہمدردی کے لہجے میں فرمایا: "کیا کیا جائے آخر فرزند علی ہے"

بعض لوگوں کو عادت ہوتی ہے کہ کسی دوسرے سے ملنے جاتے ہیں تو میز کے قریب بیٹھ کر میز کی چیزوں مثلاً پنسل، پیپر ویٹ وغیرہ سے کھیلتے رہتے ہیں یا میز پر رکھے ہوئے خطوط ہی پڑھنے لگتے ہیں جو ایک قسم کی بدتمیزی ہے۔ ایک دفعہ شیخ صاحب بھی ایک ایسے ہی شخص کے ہاتھوں تنگ آ گئے۔ اخلاق مانع تھا کہ ان کو سختی سے روک دیں۔ اس موقع پر شیخ صاحب نے جو طریقہ اختیار کیا وہ بہت خوب تھا۔ وہ حضرت حسبِ عادت پھر آئے اور اپنا کام شروع ہی کیا تھا کہ شیخ صاحب نے میز کی دراز میں سے ایک خوبصورت گڑیا نکال کر ان کے آگے رکھ دی: "لیجئے اس سے شوق فرمائیے۔" دوسرے لوگ بے حد محظوظ ہوئے اور وہ خود ایسے بھاگے کہ پھر نہ آئے۔

میں نے شروع میں لکھا ہے کہ شیخ صاحب کی حیثیت افسانہ نگار کی نہیں ہے اس کے باوجود وہ اچھے افسانے لکھنے میں کامیاب ہیں اس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ ان کے افسانوں کے کردار بالعموم تاریخی ہوتے ہیں۔

ڈاکٹر غلام جیلانی برق

محمد عثمان

اگر یہ درست ہے کہ شیطان اس قول کی صداقت کی اور بزرگ سے ہوتی ہو تو ڈاکٹر غلام جیلانی برق کی شخصیت سے کوئی بہتر مثال نہیں۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ ڈاکٹر برق اگرچہ کوشش میں بہت سے دینیات پڑھ سکے ہیں اور دو قرآن، دو اسلام، اور ایک اسلامی مذہبی کتابوں کے مشہور مصنف ہیں مگر ایک اعتبار سے دیکھا جائے تو انہوں نے جس شہرت اور اس تصنیف و تالیف کا اثر نہ اپنے ظاہر پر چھپ رہا ہے اور نہ باطن پر۔ ظاہری اس طور پر ہیں کہ جن میں جمال اول اور منع فسق کی جو ساری بے تکلفی اور رابطہ گری نا خوش مذاقی نا دل سکوار کے گمنام نیچر پیچھی کالج کے نام ... بہرحال ہی مجتنبہ قائم ہے اور باطن یہ ہیں نہیں کہ ایک عام انسان میں اخلاق و کردار کی جو کمزوریاں پائی جاتی ہیں ڈاکٹر برق میں اپنی ڈاکٹری، پروفیسری اور مصنفی کے باوصف ان کا ایک معقول حصہ بہ تمام و کمال موجود ہے۔

ڈاکٹر برق کی ابتدائی زندگی اور تعلیم دونوں بے قاعدہ اور ناہموار تھیں۔ ابھی تیسری جماعت میں تھے کہ والد کے پیر و مرشد نے سرکاری سکول کی بجائے مسجد میں بھیجنے کا حکم سنایا۔ اس کے بعد تعلیم جیلانی برسوں ایک مسجد سے دوسری مسجد اور ایک ملا سے دوسرے ملا تک پڑھنے اور سیکھنے کی غرض سے جاتا رہا اور ساتھ ساتھ اس کا قیام و طعام بھی بدلتا رہا۔ آج والد کے پاس ہے تو کل بھائی کے پاس اور پرسوں ان دونوں سے تنگ آ کر یا دونوں کو تنگ کر کے کسی دور دراز ویران مسجد کو جا بسا ہے اور غریب کے گاؤں سے دونوں وقت کی روٹیاں مانگ کھانے پر مطمئن ہے۔ اس کشمکش میں نہ جانے زندگی کی اور کتنی راتیں گزر جاتیں مگر مسجد نیلا گنبد لاہور میں ایک شام ایک خیال نے اس کو ایک نئی راہ پر ڈال دیا۔ عربی اور فارسی کی بہت سی کتابیں پڑھ ڈالی ہیں تو نماز مغرب کی اذان پر اپنے حجرے سے نکلتے اور وضو کے لئے آستینیں چڑھاتے ہوئے جیلانی نے دل میں سوچا کہ اب کوئی باقاعدہ امتحان کیوں پاس نہ کیا جائے؟ وضو کرتے اور نماز پڑھتے اس کا ذہن زندگی میں پہلی مرتبہ ایک باقاعدہ کام کر گزرنے کا منصوبہ بناتا رہا۔ امام نے قرات شروع کی تو جیلانی امتحان کے کمرے میں بیٹھا منشی فاضل کا کوئی پرچہ تیزی سے حل کر رہا تھا۔ جب امام سجدے میں جھکا تو دوسرے مقتدیوں کے ساتھ اس نے بھی اپنا سر فرش مسجد پر رکھا تھا مگر وہ ابھی تک پرچے کے جوابات لکھ رہا تھا۔ امام رکوع و سجود کی منزلیں طے کرتا گیا اور جیلانی منشی فاضل کے مختلف پرچے، پہلا، دوسرا، تیسرا حل کرتا تھا...... لیکن ابھی تک اسے اس پرچے کا خیال نہ آیا تھا جو پہلے پرچے سے بھی پہلے ہوتا ہے

[illegible] منصب کا سب سے کم اعزاز [illegible] جب [illegible]
[illegible] باقی تھا۔

[illegible] شوق [illegible] والد کا خیال [illegible] پڑھ رہی ہیں [illegible] سال کے [illegible] صحت [illegible] پر [illegible] کا مشغلہ [illegible] نظر [illegible] بیٹے کی [illegible] والد [illegible] سات سال [illegible] سے [illegible] جا سکے [illegible] عالم [illegible] تھا۔ وہ [illegible] حفظ [illegible] ایک [illegible] اس کی حیثیت [illegible] بھاگ [illegible] کی [illegible] باقی [illegible] وقت [illegible] کپڑوں [illegible] والد کو تکلیف [illegible] کی [illegible] ایک [illegible] سلمان خان بہادر محمد تقی سے [illegible] کا [illegible] کر دیا۔

اس کے چند سال بعد جیلانی [illegible] منصوبہ [illegible] حالات بھی [illegible] منصوبہ تیار ہو [illegible] مدرسہ [illegible] جیلانی [illegible] غلام جیلانی [illegible] فاضل [illegible] تھا اور [illegible] ہائی اسکول میں [illegible] روپے ماہوار پر فارسی کی تدریس پر مامور تھا۔ وہ [illegible] روپے ماہوار [illegible] ایک کچے مکان میں رہتا تھا جس کے تین کمرے اور ایک کھلا سا صحن تھا۔ [illegible] کے طور پر [illegible] میں [illegible] کی ایک آرام کرسی اور [illegible] میں ایک [illegible] اور جب وہ مکان کے سب سے [illegible] کمرے میں اپنی چارپائی کے پاس آرام کرسی بچھا کر اور سامنے تازہ خریدا ہوا اسٹول رکھ کر کرسی پر دراز ہوا تو اس کے دل میں اطمینان اور خوشی کی ایک عجیب کیفیت محسوس کی۔ ایک ایسی کیفیت جس سے وہ پہلے کبھی آشنا نہ ہوا تھا اور پھر اس کے ذہن میں ایک سوچ [illegible] لگا۔ اس نے سوچا عربی، فارسی اور اردو کے کئی مرحلے طے ہو چکے ہیں۔ اب انگریزی کی طرف توجہ کرنی چاہئے۔ وہ اس سے پہلے [illegible] اسکول [illegible] اور ایک اور مقامات [illegible]

---

[1] شاہی مسجد لاہور کے موجودہ خطیب

کا کام کوئی اڑھائی تین سال کے قریب کر چکا تھا اور یونیورسٹی کے متذکرہ بالا امتحانات پاس کرنے سے اس کا حوصلہ بڑھ گیا تھا اور علم میں آگے بڑھنے کا شوق تیز تر ہو چکا تھا۔ کئی سال پہلے جب وہ مدرسہ حمیدیہ لاہور میں زیرِ تعلیم تھا اس نے علامہ اقبال مرحوم کو انجمن حمایتِ اسلام کے جلسوں میں اپنی نظموں سے حاضرین پر جادو کا سا اثر کرتے دیکھا تھا۔ پھر وہ نظمیں اسی زمانے میں بعض اخبارات اور رسائل میں شائع ہوئیں اور شاعر کے نام کے ساتھ اس نے پی۔ ایچ۔ ڈی۔ لکھا پایا تو ان لفظوں کی حقیقت اس کی سمجھ میں نہ آئی۔ دریافت کرنے پر جب معلوم ہوا کہ ایم اے کے بعد گویا علمی دنیا کا یہ سب سے بڑا اعزاز ہے تو منصور جیلانی نے جس کو یہ تک خبر نہ تھی کہ میٹرک پاس یا کسی دوسرے امتحان میں شریک ہونے کے لئے یونیورسٹی کو کچھ فیس بھی دینی پڑتی ہے، دل میں ٹھان لی کہ وہ بھی اس علمی ہستی کو پانے کی کوشش کرے گا۔ چنانچہ اب حالات کو سازگار پاکر اس نے ایک جامع منصوبہ مرتب کیا جس کی تکمیل کا تعلق پی۔ ایچ۔ ڈی سے اور آغاز کا اسی سال میٹرک کے امتحان میں شریک ہونے سے تھا

۱۹۲۹ء میں ۲۷ برس کی عمر میں ماسٹر غلام جیلانی برق نے جب بی۔ اے پاس کیا تو وہ فکر و خیال کی نئی وادی میں قدم رکھ چکا تھا۔ ۱۹۲۴ء کے قریب اسے محمود مصریال کی ضخیم کتاب 'تہذیبِ اسلام' پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ اس میں اسلامی طرزِ حیات اور اندازِ نظر کی بڑائی کی گئی تھی اور کچھ ایسے وزنی دلائل دئے گئے تھے جن کا جواب اوسط درجے کے پڑھے لکھے مسلمان کی قابلیت اور قدرت سے باہر تھا۔ کچھ روز بعد سوامی دیانند کی 'ستیارتھ پرکاش' ہاتھ لگ گئی۔ اس کے بعد پنڈت لکھ رام اور مخالفِ اسلام مشنری مصنفین کی باری آئی اور ماسٹر جی بہک گئے۔ پہلے تلاوتِ قرآن موقوف ہوئی۔ پھر نماز چھٹی پھر روزے ترک ہوئے اور آخر میں ہستیِ باری تعالیٰ سے انکار کا مرحلہ آیا۔ یہ دور کوئی پانچ سال چلا اور اس میں سوائے چہرے پر ایک داڑھی کے جو نہ جانے اس کی بے نگاہی سے کیسے بچ رہی ظاہر و باطن سے مسلمانی کا ہر نشان رخصت ہو گیا اور آہ! وہ تنہا داڑھی جو اپنی بزمِ ایمان کے اجڑ جانے پر درحقیقت مرزا غالب کی شمع خاموش تھی ؎

داغِ فراقِ صحبتِ شب کی جلی ہوئی
اک شمع رہ گئی ہے سو وہ بھی خموش ہے

۱۹۳۲ء میں ایم۔ اے کرنے کے تھوڑے عرصہ بعد ماسٹر برق پروفیسر برق بن کر گورنمنٹ کالج ہوشیارپور میں تعینات ہوئے تو ان کی زندگی میں نئی دلچسپیوں نے قدم رکھا۔ تاش اور شطرنج مدتوں سے ان کے مرغوب کھیل تھے مگر اب تک وہ محض ترپ کا عامیانہ کھیل کھیلے تھے اور پتوں کے ساتھ پیسوں کے 'خرامِ ناز' کی دلفریبیوں سے ناواقف تھے۔ یہاں آکر جو برج سیکھی تو دو ہی چار دن میں طبیعت ماہ دینے لگی اور حوصلہ آتا چلا اور شوق آتا مچلا کہ سروسز کلب کے علاوہ پبلک کلب کے بھی رکن ہو گئے تاکہ کھیل کا تار گھنٹوں ٹوٹنے نہ پائے۔ ٹینس بھی انہوں نے اسی زمانے میں سیکھا۔ انگریزی لباس تو وہ مدت سے پہنتے تھے مگر اس کی نازک مزاجیوں سے آگاہ نہ تھے۔ یہاں پہنچ کر پتہ چلا کہ داڑھی کی موجودگی اس کے حق میں مضر ہے۔ چنانچہ شیو بنانے کے آداب سے آراستہ ہوئے اور یہیں آکر ان کا یہ گمان یقین میں بدلا کہ ان کی پہلی بیوی ان کی رفاقت کا حق ادا کرنے کی بالکل اہل نہیں۔

مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ وہ اپنے منصوبے کی طرف سے غافل ہو کر بس انہی دلچسپیوں میں کھو گئے تھے۔ ہوشیارپور کے زمانۂ قیام میں ان کے وقت کا خاصا حصہ ڈاکٹریٹ کے مقالے کی تیاری میں صرف ہوا۔ وہ دس بجے کے قریب کلب سے اٹھ کر گھر جاتے اور کھانا کھانے کے بعد مطالعہ و تحقیق میں لگ جاتے۔ یہ مشغلہ کھیل سے کچھ کم دلچسپ نہ تھا۔ اس لئے رات گئے تک اکثر دو بجے تک جاری رہتا۔ چارپائی اور اس کے سامنے بڑی بھاری میز کے اوپر نیچے، دائیں، بائیں انگریزی، عربی اور فارسی کی کتابیں اور رسالے بکھرے پڑے ہوتے۔ پروفیسر برق بڑی دماغ سوزی اور عرق ریزی کے ساتھ ان سے ضرورت کا مواد اور معلومات اخذ کرتے، تنقیح و تہذیب کے بعد ان کو ایک خاص انداز سے مرتب کرتے اور ان سے اپنی کتاب کے لئے مستند نتائج نکالتے تھے۔ یہ علمی مشقت کوئی چھ سال تک جاری رہی۔

[illegible] منسوب کیا تھا۔

۱- [illegible] علامہ مشرقی کی تصنیف "تذکرہ" [illegible] اسلام کی حقانیت اور قرآن کی [illegible] کا [illegible] ہزاروں [illegible] پڑھ چکا تھا۔ [illegible]

اسلام [illegible] سائنس [illegible] قرآن [illegible] اور سائنس کے جدید انکشافات اور نظریات [illegible] اسلام کی حقانیت اور قرآن کے [illegible] ہونے کا زبردست ثبوت ہے۔

۲- اسلام وہ نہیں جو اکثر علماء کی زبان و قلم سے پیش کیا جاتا ہے بلکہ وہ ہے جس کی تفسیر و تصدیق قرآن [illegible] دونوں اسلاموں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ ملا کا پیش کردہ اسلام مذہبی تعصب، تنگ نظری اور فکر و عمل کی سستی کا نام ہے جبکہ حقیقی اسلام علم و اخلاق کی بلندی، نظر کی وسعت اور قلب کی فراخی ہے۔

۳- مذاہب عالم کی اصل ایک ہے اور ان کا باہمی تضاد اور موجودہ مخالفت کم نظر، حقیقت ناآشنا پادریوں، برہمنوں اور ملاؤں کی پیدا کردہ ہے۔

جب مذکورہ بالا خیالات ڈاکٹر برق کے دل و دماغ میں راسخ ہو گئے اور طبیعت ان کے اظہار کے لئے بے چین ہونے لگی تو انہوں نے ان کو سلسلہ وار شائع کرنے کا منصوبہ تیار کیا۔ یہی ان کا منصوبہ [illegible] 'دو قرآن' ۱۹۴۴ء، 'دو اسلام' ۱۹۵۰ء، اور 'ایک اسلام' ۱۹۵۳ء کی صورت میں پایۂ تکمیل کو پہنچا۔

ان حالات کا بیان اور ان منصوبوں کا ذکر اس لئے ضروری تھا کہ ان کے بغیر ڈاکٹر برق کی شخصیت کا وہ پس منظر اجاگر نہ ہو سکتا جس میں اس نے اپنی تعمیر کی اور ان واقعات کا اندازہ نہ ہو پاتا جن سے وہ دوچار ہوئے، جن سے انہوں نے اثر لیا اور جن کی مدد سے ان کی شخصیت کو اپنا مخصوص آب و رنگ حاصل ہوا۔ پیش منظر کو سمجھنے کے لئے پس منظر کا دیکھنا بہرحال ایک ناگزیر چیز ہے۔

جو لوگ اپنی محنت اور قابلیت سے ابھرتے ہیں بعض اوقات ان میں خود رائی اور اپنی ذات کا ضرورت سے بڑھا ہوا احساس بھی ابھر آتا ہے۔ ڈاکٹر برق کو یہ جذبہ چھو تک نہیں گیا۔ نخوت و پندار سے بڑھ کر کوئی چیز ان کی ذات سے دور نہیں۔ آپ ان سے ملئے، ان سے الجھئے، اگر جی چاہے تو ان کے منہ پر ہی ان کے سارے کارناموں کی نفی کر ڈالئے، وہ اس کے جواب میں کوئی ایسا کلمہ منہ سے نہ نکالیں گے، اٹھنے بیٹھنے پہلو بدلنے یا مخاطب کرنے کا کوئی ایسا انداز اختیار نہ کریں گے جس سے یہ پایا جائے کہ وہ اپنے کو آپ کی ذات یا بات سے بالاتر سمجھتے ہیں۔ اس لحاظ سے نہ صرف ان کو اپنے علم اور مصنفانہ صلاحیت پر کوئی ناز نہیں بلکہ ان میں ایک نوع کی 'نفیٔ ذات' بھی بڑی نمایاں ہے۔ یہ 'نفیٔ ذات' نہ تو صوفیانہ عجز و انکسار سے کوئی تعلق رکھتی ہے اور نہ 'اخلاقِ جلالی' کے تحمل و بردباری سے۔ ایسا نہیں کہ وہ بھڑک نہیں اٹھتے یا برس نہیں پڑتے۔ کبھی کبھار یہ بھی ہوتا ہے اور ہو سکتا ہے لیکن روزمرہ کی زندگی میں، گھر میں ہوتے ہوئے، کالج کے اوقات میں، احباب کی صحبتوں میں، کلب میں، سینما میں، سیر و شکار کے موقعوں پر، غرض ہر جگہ جہاں وہ علم و کتاب کے بغیر چلتے پھرتے اور رہتے ملتے موجود ہوتے ہیں ان کو اپنی مصنفانہ شہرت یا عالمانہ حیثیت بالکل اور قطعاً یاد نہیں ہوتی اور کوئی بھی ان کی گفتگو، غیر علمی مشاغل میں ان کے انہماک اور

دوستوں سے ان کی بے تکلفی کی نوعیت سے ہرگز نہیں پا سکا کہ یہ وہ قرآن یا ایک اسلامیہ ادارے کے ڈاکٹر ہیں۔

خوش دلی ڈاکٹر صاحب کی طبیعت کا جوہر ہے۔ ان کی عمر اس وقت باسٹھ تریسٹھ برس کی ہے اور اتفاق دلی شعور کہ اس عمر میں وہ کئی بچوں کے باپ اور جہاں تک تاریخ کا تعلق ہے ایک سے زیادہ بیویوں کے شوہر ہیں۔ اس کے باوجود ہنسنے ہنسانے میں وہ اپنا جواب نہیں رکھتے وہ تبسم زیر لب کے نہیں بلکہ فلک شگاف قہقہوں کے قائل ہیں۔ یہ قہقہے ان کے دیوان خانہ میں، کلب میں، ... کی بزم ہو یا کسی شادی بیاہ کی دعوت، اجتماعوں میں بھی بلند ہوتے اور ہو سکتے ہیں۔ مگر ان کی بہار جیسی ہو تو کوئی اس وقت دیکھے جب کالج کے اوقات ختم ہونے پر وہ اپنے ساتھیوں کی محفل میں باغ و بہار بنے بیٹھے ہوتے ہیں۔ عالمانہ اور شاعرانہ نکات کے علاوہ ان کے حافظہ میں سعدی و رومی کی حکایات سے لے کر سکھوں، مرشدوں، ... کے بچے اور بچوں کی گفتنی اور ناگفتنی لطائف کا اتنا خزینہ محفوظ ہے اور ان کا طرز بیان اس قدر دلکش، انداز تحریر اور ترقی پسند ... کی محفل ... برہم ہو جائے گی گھنٹوں کوئی اٹھنے کا نام نہ لے گا۔ آغاز مجلس عام طور پر علمی بحث سے ہوتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب یا کوئی اور رفیق کسی مضمون یا کتاب کی تیاری میں مصروف ہیں اور انہوں نے اپنے ... نظریہ کا انکشاف کر دیا ہے یا تحقیق سے کوئی مسئلہ در پیش ہے یعنی اس مسئلہ کا ماخذ حدیث کی حجیت سے ... اور وہ بڑی الجھی ہوئی ... وسیع ہے۔ دو چار احباب کے درمیان ہونے سے بحث چھڑ جائے گی۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ڈاکٹر صاحب خود اس وقت ... میں موجود ہیں ... اجلاس ضرور ہوگا۔ چنانچہ رفقا جوں جوں جماعتوں سے فارغ ہوتے آئیں گے ... کی تعداد بڑھتی جائے گی یہاں تک کہ ڈاکٹر صاحب اور ... لے بیٹھ رہیں ڈپٹی لیڈر تشریف لے آتے ہیں۔ اب باقاعدہ کارروائی شروع ہوتی ہے۔ آیات قرآنی پڑھی جا رہی ہیں، اتفاق سے دو ایک حافظ قرآن بھی ... بیان ہو رہی ہیں۔ توریت اور انجیل سے حوالے سنائے جا رہے ہیں۔ تفسیر کے نکتے حل ہو رہے ہیں۔ منطق و استدلال کے دریا بہائے جا رہے ہیں اور وہ سب کچھ ہو رہا ہے جو نظریات کے منظور کرانے میں علمی ایوانوں سے ... کیا کرتے ہیں مگر اب بحث نے طول کھینچا ہے اور طبیعتوں میں کچھ تیزی آنے لگی ہے۔ اس موقع پر سرکاری یا مخالف بنچوں میں سے کسی باذوق نے منہ کا مزا یا محفل کا رنگ بدلنے کے لئے کسی فاضل دوست پر کوئی فقرہ چست کر دیا ہے یا پھبتی کہہ دی ہے تو سمجھ لیجئے کہ اب محفل کا پہلا دور ختم ہوا اور کارروائی جب دوسرے دور میں داخل ہوتی ہے تو فضا قہقہوں سے گونج رہی ہوتی ہے۔ وہ چہرے جو تھوڑی دیر پہلے ... اور علم کی سنجیدگی سے بوجھل بوجھل نظر آتے تھے اب پھول کی طرح شگفتہ ہیں اور بقول ... کھلی ہوئی باچھیں پھر گھنٹوں تک اپنی اصلی جگہ پر واپس نہیں آتیں۔ ڈاکٹر صاحب پہلے بھی صدر نشین تھے، اب بھی ... مجلس ہیں۔ لطائف و ظرائف کا دفتر کھل گیا ہے مگر اصل کشش ان کی قدرت بیان میں ہے۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے بعد یہ کمال میں نے ڈاکٹر صدیقی میں دیکھا ہے کہ عربی، فارسی، اردو، پنجابی، ملتانی، سندھی، پشتو، کشمیری ... ڈاکٹر صاحب کی حد تک انگریزی بھی اس فہرست میں شامل ہے۔ غرض لطیفہ جس زبان اور طبقے کا ہوگا اس کو اسی زبان اور اسی طبقے کے لب و لہجہ میں ادا کر سکیں گے۔ ڈاکٹر صاحب جب صاحب لوگوں کے واقعات جن کا ذاتی تجربہ بھی ان کو کچھ کم نہیں ان کا ذکر کرتے ہیں اور ان کے مخصوص تلفظ سے کام لیتے ہیں تو سماں بندھ جاتا ہے۔ اسی طرح جب وہ ان بے شمار ہیڈ ماسٹروں، اسکول انسپکٹروں، پرنسپلوں اور ڈائرکٹروں کا ذکر خیر کرتے ہیں جن سے انہوں نے نفع یا نقصان اٹھایا تو ایک ایک کی انفرادیت اس کی مخصوص آواز، طرز گفتگو اور انداز کار کے ساتھ آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے اور حاضرین کو بے حد محظوظ کرتی ہے۔ لیکن اس تمام لطیفہ گوئی اور واقعہ نگاری پر غالب اور سب سے بڑھ کر دلچسپ ان کی آپ بیتی ہے جسے موقع و محل کی رعایت سے وہ انتہائی بے باکی اور صدق گوئی کے ساتھ 'منظر عام' پر لاتے ہیں۔ ماضی میں ان سے جو کچھ سرزد ہوا، اندھیرے اجالے انہوں نے جو کچھ کیا، بیان واقعہ سے خواہ ان کی اہانت و سبکی کا پہلو نکلتا ہو خواہ ان کی کسی نفسی یا اخلاقی کمزوری کا پتہ چلتا ہو وہ ... کے بغیر اس کا ذکر کر دیں گے۔ مرزا غالب نے اپنے کسی خط میں لکھا ہے کہ "آپ اپنا تماشائی بن گیا ہوں" یہ ڈاکٹر صاحب کا سلوک بھی اپنی ذات کے ساتھ

ڈاکٹر صاحب کی [illegible] ... کا ذکر یہاں [illegible] ...
[illegible] ... ہیں [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

ڈاکٹر صاحب [illegible] ... کی کوشش [illegible] ... کی شخصیت کا ایک [illegible] پہلو ہے۔ [illegible] ... ان کی طبیعت میں [illegible] ... کی شہرت [illegible] ... اگرچہ احساس [illegible] ... کی کوشش کرتے ہیں مگر [illegible] ... غالب کے [illegible] ... چند سال [illegible] کی بات ہے۔ کالج میں [illegible] ... کے ساتھ [illegible] ... شگفتہ ہوئی طبیعت کے [illegible] ... صاحب کالج [illegible] ... ایک محبت آمیز خط [illegible] ... ان دونوں کی مستقل [illegible] ... اور صاحب [illegible] ڈاکٹر صاحب [illegible] ... انہوں نے [illegible] ... نامناسب لفظوں میں گفتگو کر ڈالی۔ [illegible] ... وہ تو خدا بھلا کرے [illegible] ... جس کے کان تک جب یہ بات پہنچی [illegible] ... اسلوب کی بنا پر وہ خط نقل کیا تھا اور کہیں رکھ کر بھول گیا تھا۔ [illegible] ... نیک نامی سے [illegible] ہو ہی چکے تھے۔

میں نے یہ واقعہ بہت سوچ بچار کے بعد یہاں درج کیا ہے اور محض اس لئے درج کیا ہے کہ اس کے بغیر ڈاکٹر صاحب کی طبیعت کا یہ سنگین رخ تشنۂ اظہار رہ جاتا۔ فیصلے میں دیر کی بجائے جلدی اور طبیعت کی جو تیزی ان دو خطوط کا باعث ہوئی جو انہوں نے "دو قرآن" کے ایک تبصرہ پر مولانا عبدالماجد دریابادی کو پار سال یا دو سال پہلے لکھے تھے۔ علاوہ اور باتوں کے اس میں ڈاکٹر صاحب کا مولانا کو یہ مشفقانہ مشورہ بھی شامل تھا: "قبلہ! آپ علمی و اسلامی مسائل پر لکھنا چھوڑ دیں، اس لئے کہ یہ کام آپ کے بس کا نہیں۔ ..." اپنے اسی خط میں ایک جگہ مولانا کو یقین دلاتے ہیں: "آپ کی اسلام سوز جہالتوں پر ایک ضخیم کتاب تیار ہو سکتی ہے لیکن کوئی صاحب فکر و نظر آپ جیسی متعفن لاش پر وقت کیوں ضائع کرے۔"

مجھے ذاتی طور پر علم ہے کہ ڈاکٹر صاحب کو متذکرہ بالا دونوں واقعات کا بعد میں بے حد افسوس ہوا۔ انہوں نے اپنے رفیق سے بھی معذرت چاہی اور مولانا کے لئے بھی ان کے دل میں معذرت خواہی کے سینکڑوں ارمان پوشیدہ ہیں مگر مجھے یہ بھی یقین ہے کہ جب تک دم میں دم ہے ہر ایسی صورت پیدا ہونے پر وہ فیصلے پر تحقیق سے پہلے ہی پہنچیں گے۔

ان کی طبیعت کا یہ رخ لطیف پہلو بھی رکھتا ہے اور کثرت الوقوع کے اعتبار سے لطیف پہلو سنگینی پہلو پر بلاشبہ غالب ہے۔ اب آخر

ہوتا تھا آستانوں۔ چند سال پہلے تک وہ گرمی ہو یا سردی کلب سے آدھی رات کو نکلتے اور [illegible]
جاتے تھے کہ دروازہ کھولنے کا فرض صرف ایثار پیشہ بیوی ہی کا حصہ ہو سکتا تھا۔ چنانچہ ڈاکٹر صاحب جب دروازہ کھٹکھٹاتے تو [illegible]
عادتاً پوچھ لیتیں: "کون ہے؟" ڈاکٹر صاحب شاید دیر سے آنے کے احساس کو دور کرنے یا بیگم کے اس ایثار کی قدر دانی [illegible]
"کون ہے" کے جواب میں اکثر کہتے: "کوئی خوش دل کا بچہ" کبھی کہتے: "آپ کا سرتاج!" کبھی بولتے: "آپ کا تابعدار شوہر" کبھی کہتے [illegible]
درجن بھر بچوں کا باپ" وغیرہ وغیرہ۔ ایک دفعہ گھر میں ساس آئی ہوئی تھیں۔ ایسے میں ساس کی شفقت اور رات سے فائدہ اٹھایا [illegible]
کا کام ان کے سپرد کر کے خود سو رہیں۔ بقول ڈاکٹر صاحب کے ماں بیٹی کی آواز میں مماثلت بہت ہے، حسب معمول بارہ بجے کے قریب جب
ڈاکٹر صاحب نے دروازہ کھٹکھٹایا تو تھوڑی دیر کے بعد ایک نسوانی آواز نے پوچھا "کون ہے؟" ڈاکٹر صاحب نے کہنے کو تو کہا [illegible] ساتھ
پنجابی میں خاوند کا ایک بھرپور مترادف لڑھکا دیا ۔ ۔ اور پھر کئی روز تک وہ جس احساس سے مغلوب رہے اس کی تفصیل نہ پوچھئے۔

کلب کا ذکر آ گیا ہے تو اس کو بھی نمٹاتے چلیں۔ ہوشیار پور سے ڈاکٹر صاحب کی زندگی کے دو نہایت مخلص اور وفادار ساتھی یہ
آئے۔ دوسری بیگم اور برج۔ گرمی ہو یا سردی، بادل برسیں، یا ہوا یا آندھی اٹھ رہی ہو، لکھنے پڑھنے کا کوئی ضروری کام ہو یا طبیعت ناساز ہو،
ہر حال میں عین اس وقت جب موذن نماز مغرب کے لئے پکار رہا ہوتا ہے ڈاکٹر صاحب اپنی سائیکل پر کلب پہنچتے ہیں اور پھر تین ساڑھے تین
گھنٹے تک برج میں لگے رہتے ہیں۔ اتوار کے روز البتہ خاص کھیل بھی ہوتا ہے اور دوپہر کے کھانے کے بعد سے نصف رات تک مسلسل
اور لگاتار جاری رہتا ہے۔ اس طرح آج کل اوسط کوئی چار ساڑھے چار گھنٹے یومیہ سے زیادہ کی نہیں مگر ایک زمانے میں وہ چھ سات سات
گھنٹے یہ کھیل کھیلتے تھے اور برسوں ان کے سگریٹ پان کا خرچ اس سے پورا ہوتا رہا۔ سگریٹ پان ترجیحی کیوں ہی رہا وہ تو کہہ دیا وہ جنگ
سے پہلے کے ساڑھے ستر روپے ماہوار جیسی چیز ہوتے تھے اور کیا عجب علامہ طنطاوی مصری کی تفسیر جس سے متاثر ہو کر انہوں نے دو قرآن
لکھے، اور علامہ یوسف علی کا انگریزی ترجمۂ قرآن جس کے وہ بے حد معترف ہیں، اسی مد سے خریدے گئے ہوں۔ ڈاکٹر صاحب کہتے ہیں
کہ وہ اس کھیل میں ہارے بہت کم ہیں۔ ان کی جیت کا ریکارڈ ڈیڑھ سو روپیہ ماہوار کا ہے مگر ہار اٹھارہ روپے سے آگے نہ بڑھی اور ہار
بھی انہیں کسی معمولی آدمی کے ہاتھوں نہیں ہوئی۔ غالباً ۱۹۴۸ء کے شروع کا ذکر ہے، راجہ غضنفر علی خاں مرکز میں وزیر تھے اور ان دنوں پنجاب
کے دورے پر تھے کہ ایک روز کیمبل پور آ نکلے۔ دن بھر تو آس پاس کے مہاجر کیمپوں میں کمبل اور لحاف بانٹتے رہے اور رات کے ابتدائی
حصے میں مقامی کلب کے مقامی اور مہاجر کھلاڑیوں سے پیسے جیت لے۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنے حصے کے طور پر مبلغ اٹھارہ روپے شاہی
نذر کئے۔

برج کے علاوہ ڈاکٹر صاحب کو شطرنج، شکار اور شمع معمے سے بھی شغف رہا ہے۔ شطرنج پر اب بھی توجہ فرماتے ہیں۔ سال میں دو تین بار شکار
پر بھی نکلتے ہیں البتہ 'شمع' والوں کی بے اصولی سے تنگ آ کر انہوں نے معمے حل کرنے ترک کر دیے ہیں۔ بیچ میں کچھ دنوں 'بیسویں صدی'
اور 'آستانہ' سے بھی شغل فرمایا مگر وہ بھی بالآخر بے اصول ثابت ہوئے۔

انگریزی میں یہ خیال ضرب المثل کی حیثیت رکھتا ہے کہ ماتحت اپنے افسر کو نظر انداز نہیں کر سکتا۔ وہ اس کو پسند کرے گا یا ناپسند، اس
سے محبت کرے گا یا نفرت، ڈاکٹر صاحب اس خیال کی زندہ اور نہایت زوردار تائید ہیں۔ وہ پرنسپل کی شخصیت کو بالکل اور ہرگز نظر انداز نہیں کر
سکتے۔ اگر پرنسپل ان کے ڈھب کا ہے یا اس سے ان کے مخلصانہ تعلقات استوار ہو چکے ہیں تو وہ ہر جگہ اور ہر موقع پر اس کی نیک دلی اور
انسان دوستی کی تعریف کریں گے۔ اگر ایسا نہیں تو ان کی قوت بیان کا ایک خاص حصہ اس کی 'مردم آزاری' کی تشہیر کے لئے وقف ہو گا۔
البتہ اس میں وہ ایک خاص وضع کے پابند ہیں۔ 'مردم آزار' پرنسپل جب تک کیمبل پور میں ہے ڈاکٹر صاحب اس کی تصریح میں محتاط رہیں گے۔

[illegible] کے مطابق سیاسی تبدیلی کرلی۔ [illegible]
[illegible] نظریات کی کتاب داخل نصاب [illegible] پسند [illegible]
[illegible] ہیں [illegible]
چل رہا ہے [illegible] اور پریشان ہو جاتے ہیں [illegible]
[illegible] کسی کیمپ [illegible]
لگے کہ [illegible] روایت [illegible] سال پیشتر وہ سرینگر [illegible]
[illegible] کسی ذاتی یا [illegible] کام سے [illegible] آپ کی فکر کرتے ہیں۔ [illegible]
کے پاس یہاں ایک ذریعہ [illegible]
[illegible] ہیں۔ اس کے علاوہ [illegible] کلب [illegible] یہاں [illegible] تعلقات [illegible]

ڈاکٹر صاحب کا [illegible] مخلص [illegible] اور [illegible] شفیق اور [illegible] باپ ہیں۔ ان سے [illegible] بچے [illegible] پہلی بیوی سے دو لڑکے ہیں، ایک جو سب سے بڑا ہے [illegible] ڈاکٹر صاحب کے گھر [illegible] اور ڈاکٹر صاحب کے حقیقی ماموں کے گھر میں رہتی ہیں اور اس دوران میں [illegible] کی ملاقات کے وقتوں پر یہاں آتی ہیں۔ باقی آٹھ بچے دوسری بیگم سے ہیں۔ سب سے بڑا لڑکا پشاور یونیورسٹی میں بی۔ ایس۔ سی کر رہا ہے اور سب سے چھوٹی بچی نے ابھی پار سال اسکول جانا شروع کیا ہے۔ باقی سات [illegible] کالج اور اسکول کے مختلف درجوں میں ہیں۔ ان سب کے ساتھ ڈاکٹر صاحب کا سلوک نہایت محبت آمیز اور بے تکلفانہ ہے۔ میں نے [illegible] کو اپنے بچوں کا دوست [illegible] پایا تھا۔ ڈاکٹر صاحب بھی اپنے [illegible] میں بچوں کے ساتھ خاصے خوش دل اور شوخ واقع ہوئے ہیں۔ میں نے ابھی انہیں [illegible] اور مخلص خاوند کہا ہے۔ مخلص اس لئے کہ میاں بیوی کے درمیان خلوص اور اخلاص کو جو تصور عام اور عام طور پر پایا جاتا ہے ڈاکٹر صاحب (میرا مطلب دوسری بیگم کی نسبت سے ہے) اس پر پورا اترتے ہیں اور لاپرواہ اس بنا پر ...... ذرا تشریح میں اس کی وضاحت ایک مثال سے کرتا ہوں۔ چند سال ادھر کا واقعہ ہے ایک دوست نے جو کلب میں برج کھیلنے کے عادی تھے شادی کی لیکن اس کے باوجود کلب سے اپنے تعلق خاطر کو [illegible] کیا۔ بیگم صاحبہ ذرا جدید خیال کی واقع ہوئی تھیں، ہفتہ عشرہ تو صبر کر گئیں پھر ایک روز بولیں "میرا خیال ہے آپ کی شادی مجھ سے ہوئی ہے کلب سے نہیں" تاہم میاں بھی عورتوں کی "مساوات" کے جدید تقاضوں سے ناواقف نہ تھے۔ جذبات کی نزاکت کو فوراً سمجھ گئے۔ لیکن میرا اندازہ ہے ڈاکٹر صاحب کے لئے "جذبات کی نزاکت" ایسا کبھی سوال ہی پیدا نہیں ہوا اور یوں بھی وہ "نزاکتوں" کے قائل نہیں اور جو شخص زندگی اور جذبات کی نزاکتوں سے چنداں سروکار نہ رکھتا ہو اور یوں معقول آدمی ہو میرا یقین ہے وہ بطور خاوند کے ضرور لاپرواہ ہوگا۔

البتہ ایک لحاظ سے وہ بڑے "بیوی پرست" واقع ہوئے ہیں۔ انہیں عورتوں کے سیاسی، معاشرتی یا معاشی حقوق سے کچھ زیادہ دلچسپی نہیں اور نہ وہ تحریک نسواں کے مساواتی نظریہ سے کوئی ہمدردی رکھتے ہیں مگر وہ "بیوی" کو "ماں" کے یا زیادہ واضح لفظوں میں یوں کہ اس کی "ساس" کے "جارحانہ عزائم" سے محفوظ رکھنے کے بہت بڑے حامی اور مؤید ہیں۔ رفقاء میں سے کوئی شادی کر کے آتا [illegible] کرنے کے بعد اکثر پہلا سوال یہی کرتے ہیں "والدہ ماجدہ زندہ ہیں؟" اگر جواب نفی میں ہو اور مخاطب سے بے تکلفی بھی ہو تو اس کو ایک بار اور مبارکباد کہنے میں کچھ مضائقہ نہ سمجھیں گے اور شادی کی کامیابی کی فی البدیہہ پیشگوئی کر دیں گے اور جواب مثبت میں ہو تو ذرا سوچ میں پڑ جائیں گے اور بڑے [illegible] لہجے میں مشورہ دیں گے کہ "جہاں تک ممکن ہو بیگم صاحبہ کو والدہ ماجدہ کے سایۂ عاطفت سے

ضرور ہی رکھتے گا۔ بس شادی کی کامیابی کا یہی گر ہے۔ اور اگر مزید میں ہوں تو پھر اس بات کا قدرے تفصیل سے ذکر کریں گے کہ ان کی ایک والدہ محترمہ اپنی تھیں جو پابندی ہوؤں کی طلاق کا سامان کر چکی ہیں۔ بحیثیت مجموعی ڈاکٹر صاحب عورت کے متعلق کوئی اونچی رائے نہیں رکھتے۔ اب یہ فیصلہ کرنا آپ کا کام ہے کہ اس سے خود ڈاکٹر صاحب کے بارے میں اونچی رائے قائم کرنے میں کتنی مدد ملتی ہے۔

طوالت کے خوف سے ڈاکٹر صاحب کی شخصیت کے بعض اور پہلوؤں پر مختصر طور سے لکھتا ہوں۔ اگرچہ میرا ارادہ ان پر قدرے تفصیل سے لکھنے کا تھا۔ وہ شعر و سخن کا بہت عمدہ اور پاکیزہ ذوق رکھتے ہیں۔ بڑے زور دار قسم کے عوامی مقرر ہیں۔ سپاس نامہ لکھنے میں وہ ید طولیٰ حاصل ہے کہ چاہیں تو ملا شور بازار جیسے افغان کی آنکھیں کھل جائیں۔[1] پرنسپل کے پاس جب کوئی اچھی تجویز یا سفارش آتی جس کی منظوری خود ان کی نظر میں ضروری ہو تو جناب کا لفظ معمول سے زیادہ فراخ دلی کے ساتھ استعمال کرتے ہیں۔ ضرورت پڑنے پر اچھے طریق کار کو بھی آزما دیکھتے ہیں جس پر اخلاق پر مضمون لکھتے یا تقریر کرتے وقت وہ حاشیہ میں ٹھہر لے۔ بڑے متواضع اور کم گو اور دوست نواز ہیں مگر کبھی کبھی اس وصف سے ہوکے تندخوئی، بد مزاجی اور نامعقول سے بھی جا ملتے ہیں۔ ایک زمانے میں پڑھنے اور لکھنے دونوں میں محنت اور شوق کی کارفرمائی تھی۔ اب وہ کفایت پڑھتے اور بہ مجبوری لکھتے ہیں۔ دیر سے سونے اور دیر سے اٹھنے کے عادی ہیں۔ برسوں سے انہوں نے طلوع ہوتے سورج نہیں دیکھا، سوائے ایسے موقعوں کے جب وہ دوستوں کے اصرار یا اپنے شوق سے سیر و شکار کی کسی مہم میں شریک ہوں اور اس کے لئے صبح سویرے کی کسی گاڑی، بس یا موٹر سے روانہ ہونا ہو۔ دیر سے اٹھ کر پہلے اخبار دیکھتے اور پھر شیو بناتے ہیں۔ اس کے بعد وضو کرکے دو رکعت نماز فجر خاصی پابندی کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔ سردیوں میں بس یہی دو رکعت ان کا پنجگانہ ہے۔ البتہ گرمیوں میں رات کو جب کلب سے لوٹتے ہیں تو کھانا کھانے سے پہلے اور غسل کرنے کے بعد اکثر دو رکعت بطور نماز عشا کے ادا کرتے ہیں۔ نماز جمعہ کے وہ قطعی تارک ہیں۔ گزشتہ چودہ برس سے انہوں نے مسجد میں قدم نہیں رکھا۔ روزے کی بجائے وہ ایک روپیہ یومیہ فدیہ ادا کرتے ہیں۔

آخر میں میرا جی چاہتا تھا کہ ڈاکٹر صاحب کے مذہبی افکار و خیالات پر بھی کچھ کہوں کہ اس مضمون کے اصولی اور تکنیکی تقاضے اس امر کے مانع ہیں۔ البتہ یہاں اتنا کہہ دینا کافی ہوگا کہ میرے نزدیک وہ بعض بچے دعووں کے قدرے کمزور وکیل ہیں۔ اس کی دو وجوہ ہیں۔ اول یہ کہ کوئی دعویٰ یا خیال جس قدر اونچا اور بلند ہوگا اسی قدر اپنے حق میں دیرپا اور بے داغ استدلال کا تقاضا کرے گا۔ ڈاکٹر صاحب بڑے سے بڑے اور اونچے سے اونچے خیال کی حمایت میں ایک آدھ محکم دلیل دینے کے بعد تھک سے جاتے ہیں اور پھر اس شاعر کی طرح جو غزل میں دو ایک اچھے شعر کہہ چکنے کے بعد بھرتی کے اشعار پر اتر آتا ہے، وہ ایسے دلائل دینے لگتے ہیں جو اپنے اندر کچھ زیادہ وزن اور وقعت نہیں رکھتے۔ غور سے دیکھا جائے تو غزل اور سنجیدہ مضمون نگاری میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ غزل میں ایک آدھ کام کا شعر بھی نکل آئے تو بقول مولانا حالی ساری غزل چمک اٹھتی ہے اور بالفرض وہ نہ بھی چمک اٹھے تو بھی اس کے برے شعروں کا اس کے اچھے شعروں پر چنداں برا اثر نہیں پڑتا۔ لیکن سنجیدہ مضمون میں خواہ اس کا تعلق مذہب و فلسفہ سے ہو یا کسی اور علم سے صرف ایک بودی دلیل کے ہونے سے سارے مضمون کے وقار اور قدر و قیمت کو دھکا لگتا ہے۔ دوسرے اگرچہ ڈاکٹر صاحب کا انداز بیان اپنے اندر ایک خاص طرح کی شگفتگی اور ادبیت رکھتا ہے مگر بحیثیت مجموعی اس میں گرج زیادہ ہے اور نرمی اور دل سوزی کم ہے۔ گرج بھی زندگی اور ادب میں ایک مقام رکھتی ہے مگر اس کے علاوہ بھی

---

[1] چند سال پہلے اپنے دورۂ پاکستان کے وقت جب ملا صاحب یہاں تشریف لائے تو حکام ضلع کی سفارش و درخواست پر ڈاکٹر صاحب نے ان کی خدمت میں بزبان فارسی ایک سپاس نامہ پیش کیا۔ اس میں مشرقی پنجاب کے مظالم کا ذکر کچھ اس انداز سے تھا کہ ملا صاحب پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

اے آر خاتون

زبیدہ خاتون

ایک بیٹی کا اپنی ماں کے صحیح نقش و نگار اور جیتی جاگتی تصویر کو لفظوں میں پیش کرنا، ان کی خوبیوں اور کمزوریوں کو ظاہر کرنا کچھ عجیب سی بات ہے بلکہ ذرا ٹیڑھی سی لکیر ہے۔ اور پھر اے آر خاتون کی شخصیت تو بالکل بحر اوقیانوس کی طرح گہری ہے۔ بلکہ ایک معمہ ہے۔ یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ ان کی کون کون سی عادات کو خوبیوں کے دفتر میں داخل کیا جائے اور کس بات کو کمزوری سمجھا جائے۔ یہ دونوں آپس میں اس قدر گتھی ہوئی ہوتی ہیں کہ ان کو سلجھا کر الگ الگ کرنا ذرا دقت اور دیر طلب کام ہے، کیونکہ کوئی بھی انسان خوبیوں اور برائیوں سے پاک نہیں ہوتا۔ بہر حال یہ فیصلہ تو پڑھنے والے ہی خوب کر سکیں گے۔ مگر سچی بات کہہ دینے میں کوئی ہرج بھی نہیں ہے۔

اس سلسلہ میں سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ وہ ایک باعمل انسان ہیں اور انہیں ہر وقت کچھ نہ کچھ کرتے رہنے کا ایک مرض سا ہے۔ وہ ہر ایک سے یہی کہتی ہیں کہ "کوئی نہ کوئی کام کرتے رہو اور کچھ نہ سہی تو کھیل ہی کھیلو۔" اگر کھیلنے والے کوئی توجہ نہیں دیتے تو وہ خود کوئی کتاب یا کھیل شروع کر دیتی ہیں اگر کوئی ان کا ساتھ نہ دے۔ تو بچوں کو اپنے ساتھ شامل کر لیتی ہیں، نتیجے تو اس کے منتظر ہی رہتے ہیں کہ گھر کا کوئی خاص فرد ان کے کھیل میں دلچسپی لے۔

وہ چپکے ہی چپکے اپنے کام میں ایسے مصروف رہتی ہیں کہ کسی کو پتہ بھی نہیں چلتا اور دیکھنے والوں کو ان کا کیا ہوا کام ایسا لگتا ہے جیسے کوئی جن آ کر کر گیا ہو۔ بعض وقت تو ان کے مسلسل کام ہی کام سے دیکھنے والوں کی طبیعت اکتا جاتی ہے، مگر ان کی کوشش اور مستقل مزاجی میں ذرہ برابر فرق نہیں آنے پاتا۔ چاہے کتنا بھی کوئی انہیں اس کام سے بیزار کرانے کی کوشش کرے طرح طرح سے اس کام کے عیب ان کے سامنے ظاہر کرے، مگر توبہ کیجئے وہ بغیر کسی کی بات کا جواب دیئے اپنے کام میں مصروف رہتی ہیں اور اس کو مکمل کر کے ہی چھوڑتی ہیں۔

مشغول و مصروف رہنا ان کی عادت ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ بیکاری سے انہیں الجھن ہوتی ہے صحت پر خراب اثر پڑتا ہے اچھی بھلی

وہ آنکھوں سے چھوتے تھے انھوں نے پڑھ کر لکھنے سمجھنے کی ہمت ڈال لی ہے۔

انھوں نے ہمیشہ زندگی کو خوشگوار اور آسان بنانے کی کوشش کی ہے۔ اب تک اسی جدوجہد میں کوشاں رہتی ہیں۔ اس راہ میں بھی بڑی بڑی رکاوٹیں بھی پیش آتی ہیں، مگر وہ جیسے صبر و استقلال سے اپنی دھن میں لگی رہتی ہیں۔ نہ جانے ان میں یہ قوت کی سی بات کہاں سے آگئی ہے۔

وہ بہت جلد آنکھوں ہی آنکھوں میں خاکے سے مشکل کام سیکھ لیتی ہیں۔ اگر کسی کو بنتے ہوئے یا دستکاری کا کوئی اچھا نمونہ دیکھیں گی تو وہ انہیں پسند آجائے گا (کیونکہ یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر ایک طرز یا فیشن انہیں پسند آجائے) تو یقین مانئے کہ بالکل ویسا ہی بلکہ اس سے بہتر جب تک وہ اپنے ہاتھ سے تیار نہیں کریں گی انہیں چین نہیں آئے گا۔ ان میں سیکھنے کا شوق اور تجسس کا مادّہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے ہر کسی کی وہ بات یا کام جو انہیں پسند آجائے ضرور سیکھ کر دم لیتی ہیں۔ "تجسس" بھی ان کی ایک فطرت ہے۔ وہ دنیا کی ہر قسم کی معلومات و حالات اپنے میں جذب کر لیتی ہیں۔ خبروں یا کسی میچ کی کمنٹری کے وقت اگر انہیں تلاش کیا جائے تو وہ ریڈیو کے پاس بیٹھی ہوئی بڑی دلچسپی سے خبریں یا کمنٹری سنتی ہوئی ملیں گی۔

گھر کے دوسرے لوگوں کی زیادہ تر یہی خواہش ہوتی ہے کہ گھر میں رسالے یا کتابیں کم آیا کریں کیونکہ وہ کتب کا کیڑا بھی ہیں کوئی کتاب ہاتھ لگ جانی شرط ہے۔ وہ اس کو ختم کئے بغیر نہیں رہ سکتیں۔ اگر کبھی کوئی بے حد موٹی تازی کتاب مل جائے (خواہ وہ [illegible] ہی کیوں نہ ہو) ایسا معلوم ہوگا جیسے اتنی گھر میں موجود نہیں ہیں۔ کبھی کبھی کوئی کہہ اٹھتا ہے "اسے یہ موٹی موٹی کتابیں کہاں سے آجاتی ہیں۔ خدا کے لئے انہیں چھپا دیا کرو"۔ مگر اتنی تو چشمہ لگائے کتاب میں اس قدر غرق ہوتی ہیں کہ انہیں معلوم بھی نہیں ہوتا کہ کوئی کیا کہہ رہا ہے یا ان کے ارد گرد کیا ہو رہا ہے۔ کتاب ختم ہونے کے بعد وہ ان کے ذہن میں اس قدر سما جاتی ہے کہ اکثر کئی کئی دن وہ اسی کا ذکر کرتی رہتی ہیں۔ کتابوں کی وجہ سے وہ اپنا آرام تک بھول جاتی ہیں (جس کی انہیں اشد ضرورت ہے) انہیں یہ تک خبر نہیں ہوتی کہ وہ کہاں ہیں، کیا کر رہی ہیں، حتّٰی کہ سے ضروری کام کتاب ہاتھ میں آکر کچھ دیر کے لئے ان کے ذہن سے نکل جاتا ہے۔ وہ اپنا اچھا خاصا وقت باورچی خانہ میں بھی صرف کرتی ہیں اور ساتھ ہی ساتھ دوسرے کاموں میں بھی لگی رہتی ہیں جیسے لکھنا پڑھنا، خطوط کے جواب دینا، یا کسی آئے گئے سے بات چیت کرنا، اور کوئی شکار کی کھانا بھی پکتا رہتا ہے یا کسی کھانے میں جدت ہوتی رہتی ہے ورنہ کسی غیر ضروری اور بچے ہوئے کھانے کی شکل اور ذائقہ تبدیل کرتی رہتی ہیں۔ مثلاً رات کا بچا ہوا قورمہ صبح کے کھانے پر بہترین پلاؤ کی صورت میں ملے گا۔ یا دن کی بچی ہوئی دال رات کو کریلوں میں تبدیل ہو جائے گی۔ سالن کے بچے ہوئے آلو یا اروی شام کی چاء پر پکوڑوں اور چاٹ کا کام دیں گے۔ اور روٹیاں کبابوں کی شکل اختیار کریں گی۔ صبح کے دودھ پر سے اتری ہوئی بالائی اگر کسی نے نہیں کھائی ہے تو دوپہر کے کھانے پر پراٹھوں میں نظر آجائے گی۔ کوئی کسی قدر بھی کوشش کرے مگر ان کھانوں کی اصلیت ہرگز نہیں پہچان سکے گا۔ ان کے یہ سب کام ایک ہی وقت میں چلتے رہتے ہیں۔

ایک مرتبہ محرم کے مہینے میں شاید دس تاریخ کو دوپہر کے کھانے سے گھنٹہ دو گھنٹہ قبل نیاز کے سلسلے میں کہیں سے کوئی چیز آئی اس کو دیکھ کر ہم میں سے کسی کی زبان سے نکلا "کاش یہ کھچڑا ہو" اور اس کو صرف کھیر پا کر ہم لوگ اچھے خاصے مایوس ہو گئے۔ مگر جس وقت سب کھانا کھانے بیٹھے تو دیکھا کہ دو ڈونگے بھرے بہترین قسم کے خوشبودار کھچڑے کے میز پر موجود ہیں۔ ہم سب نے حیرت سے ان کی طرف دیکھا، انہوں نے مسکرا کر صرف اس قدر کہا "تم سب کا کھچڑا کھانے کو جی چاہ رہا تھا، مجھ سے جس طرح بھی ہوسکا کھچڑا تمہارے واسطے تیار کر دیا۔ کیونکہ میں جانتی ہوں تم لوگوں سے خود کوئی کام نہیں ہو سکتا بس زبانی جی چاہ کر رہ جاتا ہے۔"

چنانچہ خوب جی بھر کر وہ مزیدار کھچڑا کھایا گیا اور ایک حضرت کے تو پیٹ میں قولنج کی نوبت آگئی مگر انہوں نے کھچڑے سے ہاتھ نہیں روکا مگر ہم میں سے کسی کو آج تک یہ پتہ نہیں چلا کہ اس دن وہ لذیذ کھچڑا جس کے تیار ہونے میں [illegible] ایک مدت درکار ہوتی ہے کہاں سے

بچہ ہونے اور بدصورت لگنے کا زور تھا۔

ان سب کاموں اور باتوں کے باوجود ان کا دماغ کسی اور ہی فکر میں رہتا ہے اس کی کسی کو خبر نہیں ہوتی ممکن ہے کسی خاص یا اضطراری کیفیت اور ہی گھر رہتا ہو یہ وہ کسی کو نہیں بتاتیں۔ ان میں قوتِ برداشت کافی سے زیادہ ہے وہ اکثر لوگوں کی کمزوری کی سیلی بات کو نظر انداز کر جاتی ہیں، بلکہ شربت کے گھونٹ کی طرح پی جاتی ہیں۔ ان کا اعتقاد ہے کہ زندگی میں کسی سے مخالفت اور دشمنی نہیں پیدا کرنی چاہئے بلکہ ایسی بات ہی نہیں کرنی چاہئے جس سے شر و فساد کی بو آئے اور اگر اس کوشش کے باوجود مجبوراً کسی سے بدمزگی ہو جائے تو تمام عمر کے لئے اس سے تعلقات ختم کر لینے چاہئیں۔ ان کی اس بات سے ایک قسم کی غیرت و خودداری پائی جاتی ہے، اگرچہ وہ خود اس کو اپنی ایک بڑی کمزوری سمجھتی ہیں۔

غالباً یہی وجہ ہے کہ خاندان کے تمام افراد ان کا بے حد احترام کرتے ہیں۔ کبھی کسی کے منہ سے ان کے بارے میں شکایت کے الفاظ نہیں سُنے گئے بلکہ اکثر لوگ ان کی حد سے بڑھی ہوئی تعریف کرنا اپنا ایمان سمجھتے ہیں۔ عام طور سے وہ بہت کم گو ہیں وہ کبھی کسی سے فضول بات منہ تک بھی نہیں کرتیں۔ کسی محفل یا جلسہ وغیرہ میں انجان لوگوں کے سامنے وہ گھنٹوں خاموش بیٹھی رہتی ہیں۔

بعض وقت ان کی خاموشی کچھ ناجائز سی معلوم ہوتی ہے بلکہ وہ کچھ الجھی ہوئی اور بیزار سی نظر آتی ہیں جس کو سب ہی محسوس کرتے ہیں۔ اور وہ اپنی اس عادت سے کبھی کبھی بہت سا نقصان اٹھالیتی ہیں کیونکہ وہ حسبِ ضرورت تامل نہیں برتتیں مگر وہ مجبور ہیں اپنی فطرت کو کس طرح بدل سکتی ہیں۔ انہیں خود اس بات کا احساس ہے اس کو بھی اپنی بڑی کمزوری سمجھتی ہیں۔

دیکھنے والے پہلی نظر میں انہیں کچھ مغرور اور متکبر ضرور سمجھتے ہوں گے مگر جتنا زیادہ وقت وہ ان کے ساتھ گزارتے ہوں گے ان کی رائے یقینی طور پر بدل جاتی ہوگی کیونکہ طبیعتاً وہ منکسر المزاج ہیں۔

اکثر لوگ ان سے ملنے یا آٹوگراف وغیرہ کی قسم کی چیزوں کے لئے ان کے پاس آتے رہتے ہیں جس میں زیادہ تر طالب علم لڑکے لڑکیوں کا حصہ ہوتا ہے۔ ایسے موقعوں پر گھر والوں کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ کچھ تکلف کرکے آنے والوں سے ملیں مگر ان کا جواب ہوتا ہے "نہیں میں جس حالت میں ہوں اسی طرح سب سے ملوں گی میرا یہی دستور ہے میں لوگوں پر بناوٹی رعب جمانا نہیں چاہتی" اور وہ اسی حالت میں سب سے ملتی ہیں چاہے اس وقت وہ باورچی خانہ میں بیٹھی پسینہ میں شرابور ہی کیوں نہ ہو رہی ہوں یا ہاتھ میں کھرپی لئے کسی کیاری وغیرہ میں پانی لگا رہی ہوں۔ گھر والے ان کی اس عادت سے چڑ بز ہو کر رہ جاتے ہیں مگر ان کو ایسی باتوں کی قطعی پرواہ نہیں ہوتی۔ وہ اپنے لئے کسی قسم کا اہتمام نہیں کرتیں بہت ہی سادہ قسم کا لباس پہنتی ہیں مگر دوسروں کے لئے بناؤ سنگار اور تکلفات کو ایک قسم کا ہنر اور سلیقہ خیال کرتی ہیں۔

وہ وقت اور موقع پر ہر قسم کی عادت ڈال لیتی ہیں اور زمانہ کے مطابق اپنے آپ کو ڈھالنے کی کوشش کرتی ہیں مگر حد سے تجاوز نہیں کرتیں۔ بلکہ وقت کی بہتر اور آسان روش اختیار کرتی ہیں اسی وجہ سے انہوں نے اپنے کوئی سخت اصول نہیں بنائے جو بدلے نہ جاسکتے ہوں وہ کہتی ہیں کہ بیحد سخت اصول بعض وقت انسان کو بڑی ذہنی الجھن میں مبتلا کر دیتے ہیں۔

ان کے پاس آنے والے لڑکے لڑکیاں انہیں جدید قسم کی انشاپرداز سمجھ کر خاص تیاری کرکے ملنے آتے ہیں۔ اور ان کی سادگی اور گھریلو پن دیکھ کر حیرت میں رہ جاتے ہیں، مگر جیسے جیسے وہ ان سے بات کرتے ہیں، ان کی شخصیت سب پر چھانے لگتی ہے اور ان سے مل کر کوئی مایوس نہیں ہوتا بلکہ لوگ گرویدہ ہو جاتے ہیں، وہ عمر اور شخصیت کو ملحوظ رکھ کر سب سے بات کرتی ہیں لڑکے لڑکیاں ان کی صحبت میں اپنائیت پاتے ہیں اور بڑی عمر والے انہیں خود سے زیادہ تجربہ کار اور ہوش مند سمجھتے ہیں۔ ان کی گفتگو سطح سے ابھری ہوئی، مکمل اور صاف ہوتی ہے۔

وہ اپنے آپ کو کسی سے بیحد بے تکلف نہیں ہونے دیتیں، ان کا خیال ہے کہ حد سے بڑھی ہوئی بے تکلفی اکثر بدمزگی کا پیش خیمہ ہوتی ہے وہ کسی کی بات میں قطعی مداخلت نہیں کرتیں اگر ان کے سامنے دو شخص آپس میں لڑتے ہوں تو انہیں بالکل اعتراض نہیں ہوگا۔ ان کا

مزاج میں جو سختی ہے وہ بچپن کی پابندیوں کے سبب سے ہے۔ نئے زمانے کے عادات و اطوار تو ناپسند ہیں [illegible]
ہر کام میں سلیقہ اور عجیب گرا کو ٹھکانا ہے، وہ ایک ہی نظر میں سب کچھ تاڑ لیتی ہیں۔ وہ مختصر بیان یا بات کرنا پسند کرتی
ہیں اور کسی زمانہ کی طرح کوئی مشغلہ باقی نہیں، البتہ پڑھتی ہیں اور واقعات لکھتی ہیں۔ ویسے وہ رہتے ہیں جیسے معلوم ہو کہ
صحت خراب ہو جانے کی وجہ سے وہ اب بعض وقت زیادہ پریشان ہو جاتی ہیں اور اسی وجہ سے وہ کہیں عام میں جانے سے پرہیز کرتی
رہتی ہیں اور اچھی اچھی ادبی محفلوں سے گریز کرتی ہیں۔ بلکہ ریڈیو کے پروگرام بھی اکثر پیش ہوتے رہتے ہیں مسترد کر دیتی ہیں۔ خود کو فی الوقت
تقریباً بہت کم ہے وہ اپنے آپ کو برسرِ عام پیش نہیں کر سکتیں۔ وہ بحالتِ مجبوری کسی بڑے جلسہ یا پارٹی وغیرہ میں شرکت کرتی ہیں۔ ان کی
طبیعت میں جو کہ نزاکت اور جھجک کافی سے زیادہ ہے وہ بھی ہے۔ مگر اب اسکولوں کالجوں کے ساتھ بات چیت نہیں کر سکتیں۔ صاحبہ
بچاری کی ملاقی ہیں۔

یہ تو تھیں آپا کی عادتیں اور خصلتیں مگر اب آتی ہیں ان کے اندر خاندانی حالات بھی لکھنے ضروری ہیں بلکہ ان تاریخی باتوں کو ملحوظ رکھتے
ان کا نام امۃ الرحمٰن ہے وہ سنہ ۱۹۱۲ء میں دہلی کے محلہ کوچہ چیلان میں خواجہ میر درد کی بارہ دری کے قریب اپنے دادا صاحب
کے مکان میں پیدا ہوئیں۔ ان کے دادا مولوی محمد یوسف صاحب، شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی کے نواسے شاہ اسحٰق صاحب
کی اولاد میں تھے۔ اور ان کی والدہ صاحبہ خواجہ میر درد صاحب کی اولاد میں تھیں۔ امی صاحبہ کی عمر مشکل سے سات سال کی ہوگی کہ ان کے
والد مولوی محمد سلیمان صاحب کا انتقال ہو گیا اور جب وہ چودہ سال کی ہوئیں تو والدہ کی شفقت سے بھی محروم ہو گئیں۔ ان کی شروعات کی تعلیم
اور پرورش ریاست بھوپال میں ہوئی کیونکہ ان کے دادا صاحب بھوپال میں مجلس علماء کے رکن اور جاگیردار تھے۔ پندرہ سال کی عمر میں وہ اپنی
دادی صاحبہ کے ساتھ دہلی منتقل ہو گئیں اور تین سال تک وہاں رہیں۔

انیس کی عمر میں ان کی شادی اپنے ماموں خان بہادر ڈپٹی سید بہاء الدین کے لڑکے سید ظہیر الدین سے ہو گئی۔

یہ ہیں ان کے مختصر سے خاندانی حالات، شادی کے بعد ہماری امی زیادہ تر دہلی سے باہر رہیں۔ کیونکہ ہمارے پاپا یو پی میں ڈپٹی کلکٹر
تھے۔ امی کو بچپن ہی سے تعلیم حاصل کرنے کا بے حد شوق تھا۔ مگر خاندانی روایت کے مطابق اس زمانہ میں لڑکیوں کو سکولوں کی تعلیم دینا
معیوب سمجھا جاتا تھا۔ اس لئے انہوں نے جس قدر بھی سیکھا اور لکھا پڑھا سب اپنے شوق اور صبر کا نتیجہ ہے۔ ان کے مضامین وقتاً
فوقتاً رسالہ عصمت میں شائع ہوتے رہے۔ جن میں "[illegible] کا پرچہ" اور "شیو کی شورش" خاص طور پر مقبول ہوئے۔ ان کا پہلا ناول "شمع"
سنہ ۱۹۳۹ء ہی میں مکمل ہو گیا تھا مگر دوسری جنگ عظیم کا آغاز تھا اور اسی جنگ کے ساتھ ساتھ ان کی زندگی میں بھی کشمکش اور انقلاب پیدا
ہونے لگا۔ سنہ ۱۹۴۱ء میں ہمارے پاپا جو آسام میں کیپٹن بھی تھے لڑائی کے سلسلے میں ملایا بھیج دیئے گئے۔ امی اور ہم پانچوں بہن بھائی دہلی میں اپنے
دادا خان بہادر سید بہاء الدین صاحب کے پاس رہے اور ایک سال تک کوئی خاص واقعہ نہیں ہوا اور پھر امی نے اپنے بچوں کی تعلیم کے
لئے علی گڑھ میں کوٹھی بنا کر وہاں کی سکونت اختیار کر لی۔ سنہ ۱۹۴۲ء میں سنگاپور انگریزوں کے قبضہ سے نکل کر جاپانیوں کے ہاتھ میں چلا گیا یعنی
انگریزی فوج نے شکست کھائی۔ تقریباً تین سال تک ہم لوگ اپنے پاپا کی طرف سے ایک امید و بیم کی حالت میں وقت گزارتے رہے۔ اس
عرصہ میں "شمع" اور اس کے بعد "تصویر" شائع ہو چکی تھیں۔ تین سال بعد انگریز حکومت نے پاپا کے لڑائی میں کام آنے کا اعلان کر دیا۔ اور
امید کی یہ آخری کرن بھی ہمیشہ کے لئے ڈوب گئی۔

اب امی کی زندگی میں ہر طرف انقلاب اور مشکلات کا طوفان تھا۔ جو ہندوستان کے تمام مسلمانوں کے لئے بھی ایک انقلاب کا پیش خیمہ
ہو گیا یعنی اسی زمانہ میں پاکستان وجود میں آ گیا۔ وہ بھی اپنے دوسرے مسلمان بھائی بہنوں کی طرح وطن چھوڑنے پر مجبور ہو گئیں اور لاہور میں

سکونت اختیار کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ یہاں آکر انہیں دوبارہ مشکلات اور پریشانیوں اور جدوجہد کا سامنا کرنا پڑا ہے ۔ [illegible] کر دیا گیا ہوگا اور ساتھ ہی اب تک کسی قسم کا ذہنی سکون میسر نہیں ہوا ہے انہی مشکلات اور الجھنوں کی وجہ سے اب [illegible] ہو گئی ہے جس کے اعصاب پر بہت خراب اثر پڑا ہے ۔ مگر وہ اپنی تکالیف کو ختم کرنے کی بہت کوشش کرتی ہیں ۔ اب بھی [illegible] نہیں کیا جا سکتا کہ باوجود ہر قسم کے تفکرات اور پریشانیوں کے جو انہیں گھیرے رہتی ہیں انہوں نے کبھی [illegible] نہیں چھوڑ دیا۔ بلکہ اپنی اولاد تک کو اس کے اثرات سے محفوظ رکھنے کی کوشش کرتی ہیں ، وہ خود ہر مشکل بہت ہمت سے کھیل کر جھیل لیتی ہیں ۔ وہ حقیقت [illegible] کہ ان جیسی بلند حوصلہ باہمت اور وسیع النظر خاتون مشکل سے ملے گی۔

اس تجربے سے ظاہر ہے اگرچہ ابھی بہت کچھ تشنگی باقی ہے پھر بھی ایس۔ آر۔ خاتون کی دماغی [illegible] جھلک ملے گی۔ مگر [illegible] کر یہ نہ سمجھ لینا چاہئے کہ [illegible] پیٹ کی طرف جھکے ہیں ۔

(۳)

زشررستارہ جویم، زستارہ آفتابے

اقبال

ڈاکٹر سید اعجاز حسین

(سید احتشام حسین)

اکبر کو اپنے عہد کے الٰہ آباد میں اپنے اور ہم وطنوں کے سوا بہبود کے دوسرے سامان بالکل نظر نہ آتے۔ مجھے معلوم نہیں اکبر سے پہلے الٰہ آباد میں کسے ایسی شہرت اور اہمیت حاصل تھی جسے وہاں کے ہم وطنوں کے ساتھ یاد کیا جاتا رہا ہو اور یہ بات بھی تحقیق طلب ہے کہ الٰہ آباد کے ہم وطنوں کو کسی زمانے میں وہ انفرادیت نصیب ہوئی تھی جب ان کا ذکر دوسری جگہ کے ہم وطنوں سے الگ کیا جانے لگا لیکن اپنے عہد کے متعلق یہ کہہ سکتا ہوں کہ وہاں کے جن لوگوں کو جانے بغیر الٰہ آباد کی معرفت ادھوری رہ جائے گی ان میں ایک ذات پروفیسر ڈاکٹر سید اعجاز حسین ایم اے، ڈی لٹ، صدر شعبۂ اردو الٰہ آباد یونیورسٹی کی بھی ہے۔ ہم وطن اب بھی اپنی جگہ پر ہیں لیکن افسوس ایک دوسرے کے لئے جگہ خالی کرتے رہتے ہیں۔ اعجاز صاحب اس سارے مضمون میں انہیں ان کے نام سے یاد کیا جائے گا۔ شدت کے ساتھ اپنی اہمیت کے قائل نہ ہوں لیکن دوسرے کے ہم وطنوں کی بُرائی نہیں سن سکتے۔ مجھے یاد آتا ہے کہ پہلے اکبر کی بُرائی نہیں سن سکتے تھے۔ اب رہا دوستی کے نقطۂ نظر کی وجہ سے یہ بھی گوارا نہیں تھا تو ذکر ہے اعجاز صاحب کا اور ان کی انفرادیت کے پیشِ نظر میں انہیں اکبر یا ہم وطن کے ساتھ گڈمڈ نہیں کرنا چاہتا اگرچہ ان کا تعلق دونوں سے ہے۔ اکبر پر انہوں نے ہندی میں ایک کتاب لکھی ہے اور ہم وطنوں کی تعریف میں رطب اللسان رہتے ہیں۔ اکبر کو پڑھتے اور پڑھاتے ہیں۔ ہم وطن کھاتے اور کھلاتے ہیں۔

اعجاز صاحب کو میں نے پہلی مرتبہ ۱۹۳۲ء میں دیکھا اور پہلی ہی ملاقات میں مجھے ان کی ان خصوصیات کا اندازہ ہو گیا جنہیں میں اب بھی ان کی ذات اور شخصیت کا جزو سمجھتا ہوں۔ یہ خصوصیات شعر و ادب سے متعلق نہیں۔ انسان کی روزمرہ کی اخلاقی، سماجی اور عملی زندگی سے وابستہ ہیں یہاں اپنے متعلق کچھ کہنا ناگوار ہوگا اور اس کے لئے میں معذرت خواہ ہوں۔

اعظم گڑھ سے ۱۹۳۰ء میں ہائی اسکول کرنے کے بعد میں نے مزید تعلیم کے لئے الٰہ آباد کا رُخ کیا۔ وہاں کچھ آسانیاں تھیں اور میری قدرت سے محدود زندگی کے لئے اس اہم علمی اور سیاسی مرکز میں ایک کشش۔ چنانچہ وہاں دو برس گورنمنٹ انٹر کالج میں پڑھتا رہا۔ اس دو سال میں اعجاز صاحب کا نام تو میں نے کبھی کبھی سنا لیکن ملنے کا اتفاق نہیں ہوا۔ چوک میں کتابوں کی ایک چھوٹی سی دوکان تھی۔ آتے جاتے میں اس پر بھی ٹھہر جاتا تھا۔ کتابیں خرید تو مشکل سے سکتا تھا لیکن نگاہوں کی ضیافت ہو جاتی تھی۔ ایک دن ایک نئی کتاب نے اپنی طرف متوجہ کیا۔ دیکھا تو ایک تازہ تصنیف

تھی، "آئینۂ معرفت" مصنف کا نام سید اعجاز حسین۔ وہاں پر بیٹھے بیٹھے ہی پڑھ ڈالی، بعد میں ایک بار پھر پڑھی۔ کتاب کی تعریف میں ایک خط مصنف کے بارے میں اپنی معلومات کا اظہار کیا۔ میں نے ان کی آنکھیں پہلی بار جب دیکھی تھیں وہ کتاب کے مصنف بھی نہ تھے، اچھا آیا اور اس کتاب کے پڑھنے کے لئے بہتر وقت کا انتظار کرنے لگا۔

انٹرمیڈیٹ کا امتحان پاس کرنے کے بعد یونیورسٹی میں داخلہ کا سوال تھا۔ وہ بہار ختم ہو چکا تھا جس کے بعد الہ آباد میں داخلہ کی کیا شکل ہو، کروں یا پڑھوں۔ اسی کشمکش میں تھا کہ میرے دو بھائی اور دوست سید محمد شفیع مرحوم اور سبط حسن تک گئے اور انہوں نے سوچا کیا ہے کہ تم الہ آباد چلو کوئی نہ کوئی صورت نکل آئے گی۔ یہ وہی سبط حسن ہیں جو پاکستان کی جیلوں میں کئی سال کی قید و بند جیل کے بعد اب لاہور میں ایک صحافی کی زندگی گذار رہے ہیں۔ شفیع بھائی مرحوم نے اسی سال بی اے پاس کیا تھا، سبط حسن بی اے میں پڑھ رہے تھے۔ جب یہ لوگ الہ آباد جانے لگے تو میں بھی ساتھ ہو لیا۔ یونیورسٹی پہونچ کر نام لکھا لیا۔ بورڈنگ ہاؤس کے اخراجات میرے امکان میں نہ تھے۔ چاہتا تھا کہ دوسرے طلباء کے ساتھ کہیں قیام کروں اور تعلیم کا سلسلہ جاری رکھوں۔ شام کے وقت شفیع بھائی مرحوم مجھے ساتھ لے کر نکلے اور اپنے بعض جاننے والوں سے کہا کہ میرے قیام کی کوئی صورت نکل سکے۔ جب کئی دوستوں سے مل ملا کر واپس آنے لگے تو شفیع بھائی مرحوم نے کہا چلو تمہیں اعجاز صاحب سے بھی ملا دیں، وہ بہت اچھے آدمی ہیں۔ اعجاز صاحب ان دنوں محلہ راجہ پور میں گنگا کے کنارے اپنے ننہالی مکان میں رہتے تھے۔ اندر مکان بہت بڑا تھا لیکن باہر ایک کمرہ تھا جس میں کچھ زیادہ سامان نہ تھا۔ ایک میز اور چند کرسیاں بے ترتیبی سے پڑی ہوئی تھیں، لکھنے پڑھنے کا سامان تھا نہ کتابیں۔ سامنے صحن تھا جہاں سے دریائے گنگا اور اس کے گرد و پیش کا برساتی منظر دکھائی دے جاتا تھا۔ اطلاع کرتے ہی اعجاز صاحب باہر تشریف لائے، اخلاق اور گرمجوشی سے ملے، ایسا اخلاق جو تصنع سے سراسر مبرا ہوتا ہے، صاف شفاف شیشے کی طرح، جس کے پار دیکھا جا سکتا ہے۔ کمرے کے بجائے ہم لوگ صحن میں بیٹھے۔ مجھے اچھی طرح یاد نہیں کہ اس دن کیا کیا باتیں ہوئیں لیکن یہ یاد ہے کہ جب میرے قیام کے لئے کسی جگہ کی تلاش کا سوال آیا تو کہا کہ جب تک کہیں انتظام نہیں ہو جاتا یہیں رہیں، یہ کمرہ خالی ہی تو رہتا ہے۔ کچھ تکلفات اور عذر معذرت کے بعد یہی بات طے ہوگئی، اعجاز صاحب کا اصرار دوسرے خیالات اور تاملات پر غالب آیا۔ میں چند دنوں میں وہیں اٹھ آیا اور چند دن قیام کا ارادہ کم و بیش چھ سال کے قیام میں تبدیل ہو گیا۔

انہی دنوں ایک اور لطیفہ پیش آیا۔ گرمیوں کی تعطیل کے زمانے میں جب وطن میں قیام تھا اور کبھی دو چار دوست اکٹھا تھے کسی سلسلہ میں یہ طے پا گیا کہ چند مہینے تک بال نہ ترشوائے جائیں۔ بالوں پر تقریباً دو مہینے گذر چکے تھے جب میں اعجاز صاحب کے یہاں گیا۔ یہ کوئی ایسی بات نہ تھی جو چھپی رہتی۔ چند دن تو اعجاز صاحب نے میرے بالوں کی بے ترتیب بڑھت کو غور سے دیکھا اور سوچا کہ شاید کوئی زبردست انقلابی اور آشفتہ سر شاعر کی ہے لیکن جب ان باتوں کی کوئی خاص علامت مجھ میں نظر نہ آئی تو انہوں نے بڑی نرمی اور آہستگی سے کہا، احتشام صاحب! آپ بال کیوں نہیں کٹواتے؟ میں جانتا تھا کہ کسی نہ کسی دن یہ سوال ضرور اٹھے گا، میں نے کہا فرصت نہیں ملی، مگر تذبذب ترشوا لوں گا، اور بالآخر یہ دور گیا۔ اب کچھ ایسا تھا کہ اعجاز صاحب سے دیر دیر تک باتیں ہوتی تھیں، گھر، خاندان، تعلیم، ادبی دلچسپی اور تفریحی مشاغل کا ذکر آتا تھا۔ تو انہوں نے ایک دن کسی قدر سختی سے کہا، آخر بات کیا ہے کہ آپ بال نہیں ترشواتے، کیا پیسے نہیں ہیں؟ میں نے سوچا اب اتنی مدد چھپا کر کسی شرط کی پابندی اس طرح کرنا کہ دیکھنے والوں کو ناگوار گزرے، حماقت ہے، میں نے کہا، کل ضرور ترشوا لوں گا۔ اتفاقاً دوسرے دن دوستوں کے دستخط سے خط آگیا کہ بال کٹوا ڈالو کیونکہ ایک صاحب کو ٹائیفائڈ ہو گیا اور ڈاکٹر نے "رسم موتراشی" ادا کرا دی، اب کبھی پیچھا نہیں۔ میں نے اعجاز صاحب کو وہ خط دکھایا اور بال ترشوانے چلا گیا۔ انہوں نے اس عجیب و غریب عہد و پیمان سے جو لطف لیا وہ مجھے اب تک یاد ہے۔

[illegible]
[illegible] ... ہو جاتے ہیں ... [illegible]
... صاحب ... مضامین ... [illegible] ... ہے۔ اعجاز صاحب اپنی بات ...
مسائل ... کی زندگی میں داخل ہو جاتے ہیں اور بہت جلد تکلف ... کی دوستی ... بن جاتی ہیں جو ...
میں ... ہو جاتی ہیں ... شاگردوں ... کا تماشا دیکھا ہے۔

ایم اے میں میں نے جو مضامین منتخب کیے ان میں اردو ادب بھی تھا۔ مجھے شروع سے دلچسپی تھی کہ اُردو سے متعلق جس قدر شعر و ادب کا علم لیا تھا جو کتب ساتھ ساتھ پڑھ بھی لیا تھا لیکن مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ میری زندگی میں اردو کیا شے ہے ... ایم اے میں میں نے اعجاز صاحب کو اُردو زبان صاحب ہی کے کلاس میں پڑھا ہے۔ ... ادب کی حیثیت سے پڑھنا اور بات ہے اور اس کے کلاس میں بیٹھ کر پڑھنا اور بات ہے۔ اعجاز صاحب نے کبھی واضح الفاظ میں مجھے اس کی تلقین نہیں کی۔ مجھے خاص طور سے اُردو لکھنے پڑھنے کی طرف متوجہ نہیں کیا لیکن وہ جس طرح اپنی زبان سے دلچسپی لیتے تھے، اٹھتے بیٹھتے اس کا ذکر کرتے تھے، شعر سے وقت لیتے تھے ... ایک محبت سی کی کیفیت تھی۔ اس سے ہو کر اردو ادب کی بڑی بڑی ... محسوس ... تھیں ... مجھے ... ادب کے شوق کو نئے تجربے ہونے لگے۔

ان دونوں اعجاز صاحب مختصر تاریخ ادب اُردو لکھ رہے تھے۔ یہ کتاب اس طرح لکھی جا رہی تھی کہ چند صفحے لکھ کر کاتب کو دے دیے جاتے تھے کتابت کی تصحیح ہو کر کاپیاں پریس کو بھیج دی جاتی تھیں۔ پروف پڑھے جاتے تھے اور کتاب چھپتی جاتی تھی۔ میں اکثر دیکھتا تھا کہ اعجاز صاحب سے بعض ایم اے کے طلباء اُن کے پاس آ جاتے ہیں۔ کتاب کے بعض مباحث پر بحث ہوتی ہے، کچھ حصے پڑھے جاتے ہیں، ... ہیں۔ ہنسی مذاق کی باتیں ہوتی ہیں لیکن نام نہیں ... ان شاگردوں میں ڈاکٹر حامد حسن بلگرامی، رفعت عظیم، غالب ...، جلیل قدوائی ہوتے اور میں ... معقولات کا مرتکب ہوئے بغیر ان دلچسپیوں میں شریک ہوتا۔ دو چار ہفتے بھی نہ گزرے ہوں گے کہ کاپیاں ... ہو گئے، چھوٹے موٹے مشوروں میں بھی شریک کیا جانے لگا اور کبھی کبھی لائبریری سے بعض کتابوں کے حوالے تلاش کرنے کا کام بھی میرے سپرد کر دیا گیا۔ مجھ سے کم تر ادبی ذوق رکھنے والا اور مطالعہ کرنے والا بھی ہوتا تو ان باتوں سے فائدہ اٹھاتا۔ میں نے جو کچھ ... اعجاز صاحب کا یہ عمل آج تک جاری ہے۔ وہ کتاب چھپا کر نہیں لکھتے۔ اس کا ڈھنڈورا بھی نہیں پیٹتے۔ بہت زیادہ اہتمام نہیں کرتے خاکہ بنانے سے لے کر آخر منزل تک۔ دوستوں اور شاگردوں سے اس کا ذکر کرتے رہتے ہیں۔ مشورہ سے گریز نہیں کرتے، آسانی سے اپنی رائے نہیں بدلتے لیکن اپنی بات پر اڑتے بھی نہیں۔ جب وہ مشورہ کرتے ہیں تو ایسا نہیں معلوم ہوتا کہ واقعی وہ کوئی کتاب یا مضمون لکھنے والے ہیں بلکہ یہی خیال ہوتا ہے کہ شاید کوئی خیال آ گیا ہے اور اس پر گفتگو کر رہے ہیں لیکن سارا مواد اُن کے ذہن میں جمع ہوتا رہتا ہے۔ اب کتابیں اور مضمون لکھنے کا ذکر آ گیا تو اس بات کو مکمل ہی کر دوں۔

اعجاز صاحب جو کچھ لکھتے ہیں اس کا خاکہ زیادہ تر صبح کی سیر میں مرتب ہوتا ہے اور کئی دن تک ذہن ہی میں اس کی ترتیب ہوتی رہتی ہے۔ اس کا زیادہ حصہ سورج نکلنے سے پہلے ہی لکھا بھی جاتا ہے۔ دن کی شورش میں وہ عموماً سنجیدہ اور غور و فکر سے لکھے جانے والے مضامین کی طرف متوجہ نہیں ہوتے، رات کے وقت بھی شاذ و نادر ہی لکھنے کا کام کرتے ہیں۔ چونکہ اپنے موضوع کے متعلق برابر سوچتے رہتے ہیں اس لیے جب لکھنے بیٹھتے ہیں تو تیز لکھتے ہیں اور عام طور سے زیادہ کاٹ چھانٹ نہیں کرتے، مضامین کو دہراتے بھی کم ہیں اور میرا خیال ہے کہ اس کی وجہ سے انہیں نقصان بھی پہنچتا ہے۔ اس بات کا تعلق کسی حد تک اعجاز صاحب کے مزاج سے بھی ہے جس میں ایک

طویل نشست دوں کے ساتھ سے ان کے کلام کو خاتمہ تک پہنچانے کی اُن کا اسلوب ایک خاص انداز سے جس سے اس کا [illegible]
فکر اور زندگی کے دوسرے پہلوؤں پر بھی دیکھا جا سکتا ہے۔

جہاں تک تصانیف کا تعلق ہے اعجاز صاحب نے اس خاموشی سے اس کام کو انجام دیا ہے کہ شاید اُن کے بہت سے شاگردوں کو بھی خبر نہ ہوگی کہ اس وقت تک اُن کی ہندی اُردو ملا کر آٹھ کتابیں شائع ہو چکی ہیں اور دو ایک کتابیں زیرِ تصنیف ہیں جن میں سے ایک طباعت کی منزلوں سے گزرنے والی ہے۔ "آئینۂ معرفت" "مختصر تاریخ ادب اُردو" (جس کے پانچ ایڈیشن نکل چکے ہیں اور ہر ایڈیشن میں کچھ ترمیم ہوتی رہی ہے) "نئے ادبی رجحانات" "نئی اڈیشن" "مذہب اور شاعری" "صنفِ ادب کے شہزادے"۔ "انتخاب آتش" "مہاکوی سور" "ہندی [illegible]" یہ کتابیں تو محض تنقید یا مطالعہ کی دعوت دیتی ہیں لیکن مضمون کی نوعیت ان کے سرسری جاننے اور تعارف سے بھی روکتی ہے تاہم اتنا ثابت ضروری ہے کہ اُردو ادب کے طالب علموں کو اعجاز صاحب سے اس سے زیادہ واقف ہونا چاہیے جتنا وہ اس وقت واقف ہیں۔ یہ تو تھا تصنیف کا ذکر جن میں ادبی مضامین شامل نہیں ہیں جن کی تعداد کافی ہے۔ یہ بات تو بہت کم لوگ جانتے ہیں کہ اعجاز صاحب ایک مدت سے شاعری کی دیوی کے قدموں میں بھی اپنے قیمتی نذرانے چڑھاتے رہتے ہیں۔ یہ عام طور پر محفلوں اور مشاعروں میں نہیں پڑھتے ہوتا ہے کہ شاید نجی محفل اور مشاعروں کی فضا بھی ان کے مزاج سے ہم آہنگ نہیں اور ان کی نظمیں فن کی یادگار ہیں۔ زیادہ تر غزلیں لکھتے ہیں لیکن انہیں چھپا کر رکھتے ہیں۔ ایسے تھوڑے سے لوگ ہیں جنہیں اُن کے اشعار سننے کی سعادت حاصل ہوتی ہے۔ ایک آدھ بار ایسا بھی ہوا ہے کہ کسی خاص مشاعرے کے لئے کسی دوست یا بزرگ کے اصرار پر کوئی غزل کہی ہے۔ وہ زیادہ تر شوق جذبے کے تقاضے کا نتیجہ ہوتی ہیں۔ اعجاز صاحب کو شاعری کا یہ ذوق اپنے نانا سید حسین صاحب فوق مرحوم سے ملا جن کا سلسلۂ تلمذ آتش سے ملتا تھا۔ اپنی شاعری کے متعلق ایک دفعہ اعجاز صاحب نے میرے ایک استفسار کے جواب میں مجھے لکھا: "بچپن ہی سے شعر کہنا شروع کر دیا تھا لیکن نانا مرحوم کلام پر اصلاح دینے کے لیے راضی نہیں ہوتے تھے، کہتے تھے کہ ابھی لکھتے رہو۔ ایک استاد [illegible] جب [illegible] میری ماں کی بڑی بہن یعنی میری خالہ کے اصرار پر کبھی کبھی میری غزلیں دیکھ لیتے تھے۔ اس زمانے میں سید علی حسن ناصری مرحوم کی شاگردی کا شرف حاصل ہوا۔ کالج کے علاوہ اُن سے گھر پر بھی ملاقات ہوتی، اُن کی صحبت ایک مدرسہ کا حکم رکھتی تھی۔ تفریحی گفتگو میں بھی مسائل ادبی، ادبی نکات، بزرگانِ ادب کے تذکرے برابر آتے رہتے تھے۔ میں کلاس میں اُن سے عربی پڑھتا تھا۔ گھر پر اُردو کی باتیں ہوتیں۔ نانا کی آنکھیں جاتی رہیں تو انہوں نے میرے کلام کی اصلاح کا کام بھی باقاعدہ ناصری صاحب کے سپرد کر دیا۔ چنانچہ میں نے دو سال تک اصلاحِ سخن میں بھی ناصری مرحوم ہی سے فیض اُٹھایا۔"

یہ تو اعجاز صاحب کا بیان ہے میں نے خود انہیں ہمیشہ اپنے نانا مرحوم اور ناصری صاحب مرحوم کا ذکر بڑے ادب اور جذبے سے کرتے ہوئے سنا ہے۔ ناصری صاحب کے انتقال پر انہوں نے ایک پُر درد مرثیہ حالی کے مرثیہ غالب کے تتبع میں لکھا تھا۔ یہ سب کچھ ہے لیکن شاعری سے اعجاز صاحب کی دلچسپی عملاً بہت گہری نہیں ہے۔ بہت کم اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ جو کچھ کہا ہے اس کا بہت تھوڑا سا حصہ اُن کے پاس محفوظ ہے۔

اعجاز صاحب کی شخصیت اور کردار کا مطالعہ کئی پہلوؤں سے کیا جا سکتا ہے۔ اور اُن کی تصویر کئی آئینوں میں دکھائی جا سکتی ہے جیسے مذہب اور زبان کی خدمت اور ایک معلم کی زندگی کے مختلف پہلو۔ یہ وہ کسوٹیاں ہیں جن پر انہیں پرکھا جا سکتا ہے جو شخص انہیں ایک انسان کی حیثیت سے نظر انداز کرے گا۔ اُن کے طرزِ زندگی اور تقاضائے ذہن کا نفسیاتی مطالعہ نہیں کرے گا وہ انہیں سمجھ نہیں سکے گا۔ اس کے لئے مختصراً اُن کے حالاتِ زندگی سے واقفیت بھی ضروری ہے۔

اعجاز صاحب اگست [illegible] میں پیدا ہوئے۔ ننھیال محلہ ماہ پور شہر الٰہ آباد میں تھا اس کو اپنا گھر جانا۔ والد [illegible]

لیکن [illegible] میں [illegible] سے پہلی [illegible] تعلیم [illegible] جس [illegible] ہے [illegible]
کی حالت خراب ہو گئی۔ چار پانچ سال کے [illegible] کی [illegible] کا [illegible] ان [illegible] کی [illegible] حالت بھی ختم ہو گئی۔
ابتدا میں [illegible] اور [illegible] میں [illegible] تھا۔ [illegible] میں [illegible] بات [illegible] میں [illegible] کی [illegible] لکھا [illegible]
خرچ کا [illegible] کیا۔ [illegible] سے [illegible] تھی۔ [illegible] یونیورسٹی [illegible] کے شوق
سے [illegible] آسان کر دیں۔ بی اے میں [illegible] تھا کہ شادی ہو گئی۔ [illegible] صاحب کی
[illegible] کو بھی دخل تھا۔ اس [illegible] میں [illegible] اس بات پر [illegible] تھی کہ
ملازمت کر لی جائے لیکن جب [illegible] میں بی اے سے فراغت حاصل ہو گئی تو [illegible] الہ آباد یونیورسٹی میں
اردو [illegible] بی اے کی [illegible] شوق [illegible] ۔ [illegible] حاصل کی [illegible]
[illegible] میں [illegible] سال [illegible] سال بعد [illegible] تھے۔ [illegible] خیال [illegible] ۔ [illegible]
کی خدمت کی جائے لیکن [illegible] سال ان کا انتقال ہو گیا۔ [illegible] کے [illegible] تھے [illegible]
تھے۔ وہ جس مکان میں رہتے تھے وہ [illegible] تھا۔ شروع میں جس نے [illegible] مکان کا
ذکر کیا ہے وہ اسی کا ایک حصہ تھا۔ یونیورسٹی کی ملازمت کے بعد یہ پرانا مکان کچھ [illegible] کے [illegible] میں رہنے سے [illegible] تھی۔
اس لئے ایک مکان بنانے کا خیال ہوا۔ اپنے پرانے مکان سے کوئی ڈھائی تین سو گز کے فاصلہ پر [illegible] زمین لی [illegible] ۱۹۳۲ء
میں مکان کی بنیاد پڑ گئی۔ یہ بس میرے وہاں پہنچنے سے فوراً بعد کی بات ہے۔ چنانچہ مکان بنتے بنتے ۱۹۳۳ء میں نشیمن کی عمارت تکمیل کو پہنچا۔

اس مکان کا ذکر کئی حیثیتوں سے اعجاز صاحب کی زندگی اور کردار کے سمجھنے میں اہمیت رکھتا ہے۔ [illegible] بات بڑی خصوصیت ہے
کہ وہ ناامیدی میں امید اور بے سروسامانی میں [illegible] دیکھتے ہیں۔ [illegible] ہو گا۔ [illegible] ۔ [illegible] کے
ساتھ شروع کرتے ہیں کہ اس کا ہونا تعلق ہے۔ میں نے یہ کبھی نہیں دیکھا کہ وہ بہت سی کتابیں، کاغذ، ضرورت [illegible] کر رکھتے ہوں اور پھر کوئی کتاب
کے لکھنے کا سلسلہ شروع کرتے ہوں۔ کتاب شروع ہو جاتی ہے اور سامان اکٹھا ہوتا رہتا ہے۔ یہی نشیمن کے بننے میں بھی ہوا۔ تین سال کی ملازمت
اور تقریباً دو سو روپیہ ماہانہ تنخواہ میں روپیہ بچنے کا کوئی سوال نہ تھا۔ دوسرے ذرائع بھی محدود تھے۔ مکان بنانے کا کوئی خاص تجربہ نہ تھا۔ لیکن
پہلے [illegible] بنگلہ کی بنیاد پڑ گئی اور تھوڑے دنوں میں ایک خوبصورت عمارت کھڑی ہو گئی۔ گرچہ وہ بہت سی الجھنیں اپنے ساتھ لائی۔ میرا اندازہ
یہ ہے کہ اعجاز صاحب کے مزاج میں جو امید پرستی ہے وہ کبھی کبھی ان عناصر کی طرف متوجہ بھی نہیں ہونے دیتی جو پیچیدگی پیدا کر سکتے ہیں۔ مگر کوئی
انہیں ان باتوں کی طرف متوجہ کرے تو وہ ان کی تاویل اور توجیہ ایسی خوبصورتی سے کرتے ہیں کہ آپ ان کے خیالات کو ٹھیس لگانے کے بجائے
ان کے ہم خیال بن جائیں گے۔ چھ سال کے ساتھ میں مجھے ایسی دشواریاں برابر پیش آئیں، اس وقت تو میں بزرگ خوردی، استادی شاگردی اور بعض دیگر
وجوہ سے کچھ زیادہ کہنا سننا آسان بھی نہ تھا لیکن اس مشکل کا اندازہ اب بھی ہوتا ہے۔ کوٹھی کو تیار ہوئے ابھی کچھ زیادہ دن نہیں گزرے تھے کہ اعجاز صاحب
کے ایک بہت ہی عزیز دوست سید ماجد علی صاحب وکیل ایک دن بڑے سویرے آ گئے اور اعجاز صاحب کو اپنے ساتھ موٹر میں بٹھا کر لے
گئے۔ انہوں نے تقریباً چالیس ہزار روپے قرض لئے تھے۔ مہاجنوں کو ضامن کی ضرورت تھی، کوٹھی نے اعجاز صاحب کی قیمت بڑھا دی تھی اور اعجاز
صاحب گئے اور ضمانت کے کاغذ پر دستخط کر کے چلے آئے۔ بعد میں لوگوں نے سمجھایا کہ یہ بڑی غلطی ہے لیکن اعجاز صاحب اس طرح سوچنے کے
عادی نہیں ہیں اور نہ انہیں کبھی اس کا خیال آیا کہ ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا۔ ۱۹۳۶ء میں اچانک سید ماجد علی صاحب مرحوم کا انتقال ہو گیا اور [illegible]

[illegible] صاحب ایک بہت بڑے [illegible] شاعر ہیں [illegible] جب اعجاز صاحب [illegible] تخلیقی [illegible] برسوں میں [illegible] [illegible] دیکھا جاتا تھا [illegible] پر [illegible] وہ اب تک جھلکتے رہتے ہیں لیکن وہ نہ زمانے کے شاکی ہیں اور نہ ماضی کے مرثیہ خواں، وہ [illegible] سے خوش ہوتے ہیں نہ قسمت کے گلہ مند۔ انہیں مستقبل پر بھروسہ ہے۔ اور ہمیشہ آگے کی طرف دیکھتے رہتے ہیں۔

یہی مستقبل پرستی اُن کے سیاسی تصورات میں بھی جھلکتی ہے۔ وہ عملاً اور عقیدتاً اشتراکی نظام کے حامی ہیں۔ سیاسی کاموں میں حصہ نہیں لیتے لیکن ذہنی اور اخلاقی اعتبار سے ہر اُس سیاسی اقدام کو قبول کرنے اور لبیک کہنے کو تیار ہیں جو ترقی پسندانہ ہو اور جس میں جذبۂ [illegible] کا بھی اچھا خاصا دخل ہوتا ہے۔

اعجاز صاحب کی زندگی بہت سے قانون اور قاعدوں کی پابندی برداشت نہیں کرسکتی، سرکاری اور غیر سرکاری ہر کام ایک غیر رسمی شکل اختیار کرلیتا ہے یعنی وہ جس کام کو بھی ہاتھ میں لیتے ہیں یا اُن کے ہاتھ میں پہونچ جاتا ہے اُسے اس کے سارے غیر ضروری لوازم کے ساتھ انجام دینے کے بجائے اپنے ڈھنگ سے پورا کر دیتے ہیں اور اسی بات کی توقع دوسروں سے بھی رکھتے ہیں۔ اُن کے شاگرد بڑی خوشی سے اُن کے ہر کام کے لئے تیار رہتے ہیں کیونکہ وہ بھی انہیں حتی الوسع مایوس نہیں کرتے۔ یونیورسٹی میں طلبا کی دشواریاں کیا ہیں؟ داخلے کے شرائط میں کوئی نقص، فیس کی معافی، وظیفے کے لئے سفارش، حاضری کی کمی اور امتحان میں شرکت کی اجازت، کسی سفارش، نوکری کی تلاش میں مشورہ اور کوشش وغیرہ اعجاز صاحب ان میں سے ہر کام کے لئے ہر وقت تیار رہتے ہیں، اُن کی طبیعت خراب ہو، کبھی آرام کا وقت ہو، تیز دھوپ اور گرمی ہو، شدید بارش ہو رہی ہو، کڑاکڑاتے جاڑے ہوں وہ دوسروں کے کام کے لئے نکل کھڑے ہوں گے، اپنی سی کوشش ضرور کریں گے چاہے سو فیصدی کامیابی نہ ہو۔ اپنے کام کے لئے وہ یہی امید دوسروں سے رکھتے ہیں۔ حالانکہ اس کا مقصد اپنی محنت کا معاوضہ نہیں ہوتا۔

ان تمام خصوصیات میں جس خصوصیت کی سب سے زیادہ جلوہ گری ہوتی ہے وہ ان کے مزاج کی سادگی ہے۔ اس کی جھلک ان کی طرز گفتار میں، طرز تحریر میں، لوگوں سے ملنے جلنے میں، طرز معاشرت میں ہر جگہ اپنی جھلک دکھاتی ہے۔ یہ سادگی ہر ایک پر یکساں اپنا پرتو ڈالتی ہے۔ میں نے انہیں بڑے لوگوں، شاگردوں، ادیبوں سے بھی ملتے دیکھا ہے۔ اور راجہ پور کے ناخواندہ یا معمولی لوگوں سے بھی۔ اُن کا بنیادی انداز مشکل ہی سے بدلتا ہے۔ بڑے بڑے لوگوں سے خود اُن کی ضرورتیں وابستہ ہوں یا انہیں کوئی کام اعجاز صاحب سے ہو، چھوٹے چھوٹے لوگ اپنی ضرورت سے ان کا گھریلو نام یا محلہ کا رشتہ ظاہر کر کے اُن کے پاس آئیں، وہ یکساں انہماک سے گفتگو کرتے ہوئے ملیں گے۔ اعجاز صاحب کی گفتگو کا انداز بھی مخصوص ہے۔ وہ ٹھہر ٹھہر کر آہستہ آہستہ گفتگو کرتے ہیں اور نکتہ سنجی، خوش طبعی اور بے تکلفی کا انداز پیدا کر لیتے ہیں۔ یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ طبیعت پر مزاح غالب ہے لیکن اگر بات چیت کو خوشگوار اور غیر سنجیدہ بنانے کی ضرورت پیش آجائے تو وہ اس کام کو بڑی خوبی سے انجام دے سکتے ہیں۔ موقع نہیں ہے کہ ایسے لطیفے اور چٹکلے پیش کئے جائیں لیکن ایک واقعہ بے اختیار یاد آ گیا۔ الہ آباد یونیورسٹی کے شعبہ ہندی میں ایک استاد ہیں۔ ڈاکٹر رام کمار ورما، ہندی کے بڑے اچھے ادیب، شاعر اور ڈرامہ نگار۔ اعجاز صاحب کے خاص دوستوں میں سے ہیں۔ دونوں ایک دوسرے کے اچھے شناسا ہیں۔ میں ان کا شاگرد تو نہیں لیکن کبھی کبھی ان کی صحبت میں بیٹھنے کا موقع ملتا تھا۔ ایک دن میں اعجاز صاحب کے ساتھ تھا، راستے میں ڈاکٹر رام کمار ورما کی کوٹھی پڑتی تھی، ان کے یہاں پہونچ گئے۔ ایک صاحب پہلے سے بیٹھے ہوئے تھے۔ کوئی سرکاری افسر یا رئیس معلوم ہوتے تھے۔ ورما صاحب نے بے تکلف انداز میں اعجاز صاحب کا خیر مقدم کیا اور کہا بڑی دیر کی، ان سے ملاقات نہیں ہوئی کیا کرتے رہتے ہو؟ اعجاز صاحب نے بڑی سنجیدگی سے کہا، اب تمہیں کیا بتاؤں، وہ جو تمہارے گورو صاحب بہادر ہیں ترپاٹھی، وہ آ گئے اور [illegible]

[illegible]

[illegible] دستے جلسوں کے جلسے میں شامل [illegible] صاحب سے ملی [illegible] انہیں [illegible] حسن خلق [illegible] کی [illegible] اعجاز صاحب سے ان سے [illegible] پھر [illegible] یاد نہیں کیا ـــــ بے دلچسپ [illegible] کسی [illegible] نہیں [illegible] یہاں [illegible] جہاں [illegible] کسی [illegible] کے خلاف ہے۔ انہوں نے ایک نماز میں [illegible] صاحب کے [illegible] کے [illegible] میں ایک خاص قسم کی [illegible] ہے۔ مذہب [illegible] دولت اور [illegible] بلکہ ان کی اخلاقی زندگی [illegible] سکتے ہیں۔ [illegible] کی [illegible] نشین [illegible] کی نماز پڑھ لیتے ہیں۔ [illegible] خیالات پر [illegible] اخلاقی پہلو ان کی زندگی میں نمایاں ہوتے رہتے ہیں۔

جیسا کہا گیا اعجاز صاحب بہت سی پابندیوں سے گھبراتے ہیں اور جیسا کہ انہی کی زبان میں "موڈ پرستی" کے قائل نہیں ہیں اسی وجہ سے بڑی بڑی کانفرنسوں میں، شادی بیاہ میں، مجالس و محافل میں، جہاں دیر تک بے تکان ہو کر بیٹھنا پڑے اور دوسروں کے ہاتھ میں وقت کی لگام ہو شرکت سے گھبراتے ہیں۔ اگر شریک ہونا ہی پڑے تو کسی وقت چپکے سے نکل کھسکتے ہیں اور وقت کی لگام خود اپنے ہاتھ میں لے لیتے ہیں۔ صحت کی خرابی کی وجہ سے مسلسل کسی کام میں لگے رہنا ان کے لئے بہت مشکل ہوتا ہے اس وجہ سے [illegible] سمجھتے ہیں کہ انہیں [illegible] سے دلچسپی نہیں ہے۔ مگر جنہیں ان سے ملتے رہنے کا اتفاق ہوا ہے وہ ان کی اکتاہٹ کا سبب آسانی سے معلوم کر لیتے ہیں۔

اعجاز صاحب ایک استاد کی حیثیت سے غیر معمولی جذب و کشش کے مالک ہیں، انہیں اپنے شاگردوں پر بھروسہ رہتا ہے اور شاگردوں کو ان پر۔ ان کا بے تکلف، بے ریا اور تصنع سے خالی انداز ان کے طالب علموں کو ان کے قریب لاتا ہے اور یہ قرب بعض دفعہ ملاقات سے گذر کر عزیز دارانہ شکل اختیار کر لیتا ہے۔ ان کے شاگردوں کے ذہن میں ان کی ادبی اور انسانی حیثیت اس طرح گڈمڈ ہو جاتی ہے کہ وہ انہیں جدا نہیں کر سکتے۔ ان کی ایک کمزوری کا تکملہ دوسری خوبی سے ہوتا ہے، نتیجہ میں ان کی شفیق اور ہمدرد شخصیت ذہن پر چھا جاتی ہے۔ انسانی ہمدردی کا ایک بڑا حصہ ان کو ودیعت ہوا ہے، وہی غلطیوں کا ارتکاب بھی کراتا ہے، مگر دوسروں کے روپ میں بھی ظاہر ہوتا ہے لیکن ان سے قریب رہنے والوں کو معلوم ہے کہ اس کے پیچھے کوئی اخلاقی نقص نہیں ہے۔ میں یہ عرض کروں گا کہ کوئی شخص الٰہ آباد جائے اور اعجاز صاحب سے نہ ملے تو اس کی بدمذاقی اور [illegible] پر مجھے افسوس ہوگا۔

احتشام صاحب

ڈاکٹر محمد حسن

کہا جاتا ہے حسن کی اُڑتی چھب مجسمے کی شکل اختیار کرنے سے پہلے ہی ہوا ہو جاتی ہے۔ وہ ہر ایک سنگتراش کے سپنے میں دھوئیں کی طرح لہراتی اور تصور کی دنیا [illegible] بستی ہے وہاں جمادات کے خاموش وجود میں بھی کسی محبوب کی طرح ناز سے انگڑائیاں لیتی ہے۔ یہ ابھری ہوئی انگڑائیاں نہ جانے حسن کے کتنے ان گنت، عجب رنگ کی شکلوں میں نکھرتی رہتی ہیں۔ یہ دوری کا تجربہ ہوتا ہے۔ یہ حسن کار کا تصور تک نہیں ہے۔ یہ [illegible] بلکہ امر ہے اور یہ غالب کی غزل کا شعر ہے جس کی لذت کسی سرمستی کی حد تک پاکیزہ [illegible] ہے۔ احتشام صاحب کی شخصیت بھی شاید اسی قسم کے حسین مجسمہ کا نقاب ہے۔

احتشام صاحب کی شخصیت کے [illegible] ہیں۔ اس شخصیت کے نہ جانے کتنے پرت اور پہلو ہیں۔ اگر کسی وقت کوئی دیکھے تو ایک ٹھہرا ہوا [illegible] ایک متانت اور آہنگ ہے جسے کوئی [illegible] بزرگانہ وضع کہتے ہیں۔ مسکراہٹ میں دیکھیے تو ان کی باتوں کی شیرینی اور شخصیت میں رچے ہوئے خلوص سے پہچانے لیکن پچھلے بارہ سال کے عرصے میں جب میں ان سے واقف ہوں مجھے بارہا ان کی صحبت میں اس بات کا احساس ہوا کہ افلاطونی حقیقت کی طرح احتشام صاحب کی شخصیت دراصل کسی حقیقی شخصیت کا محض ایک روپ ہے وہ الفاظ جو میرے کان میں آتے ہیں وہ متوازن فکر، وہ مزاج اور باقاعدہ زندگی ———— دراصل کسی عظیم تر حقیقت کا عکس ہی ہے۔

وہ عظیم تر حقیقت، وہ اصلی احتشام حسین کہاں ہے، کہنا چاہتا ہوں کہ ان معنوں میں شاید اس حقیقت کا وجود ہی نہیں ہے ان معنوں میں۔ احتشام صاحب کا وجود ہے وہ تو ہر لمحہ بدلتا رہتا ہے، ہر لمحہ اس آویزش کی نشاندہی کرتا رہتا ہے جو مختلف شخصیتوں کے درمیان ایک وسیع القلب انسان کے سینے میں جاری ہے۔ کبھی ایک لہر نئے کی کسی [illegible] سے اور ساحل تک کو [illegible] چلی جاتی ہے کبھی دوسرا [illegible] ہے اور اس لہر کو کسی ضابطے میں گوندھتا ہوا گندھ جاتا ہے پھر کوئی اور احتشام حسین آتا ہے جو گذرے بکھرے ہوئے خزانوں کی باقیات چنتا ہے اور نئے رنگ محلوں کی تعمیر کے خواب دیکھتا ہے۔

شاید احتشام صاحب کا یہ بڑا ابعدالطبیعاتی تصور ہوا لیکن اصل یہ ہے کہ جس نے احتشام صاحب کی شخصیت میں چھپے ہوئے اس فنکار کا کسب اور تخلیقی اضطراب نہیں دیکھا وہ انہیں صحیح طور پر نہیں جانتا۔ وہ انسان جس کے بارے میں صرف اس کی تنقیدیں ہی سب کچھ کہتی ہیں وہ دراصل

[illegible] کو [illegible] ہے وہ [illegible] احساس کے [illegible] سے [illegible] کی شخصیت کا [illegible]
[illegible] شعر [illegible]

گل تو [illegible] کی یاد آئی [illegible]   [illegible]

جب وہ [illegible] میں [illegible] تھے [illegible]
[illegible]

مجھ جیسے کی آرزو کیوں ہے   کیا مصیبت ہی [illegible]

[illegible] کی یادیں ہیں جو احساس کی شدید گہرائی سے پیدا ہوتی ہیں [illegible] ملاقات ہی سے نہیں بلکہ [illegible] آرزوؤں کی شکست سے ہی جس کی [illegible] ہوتی ہے اور پھر جس کی شخصیت [illegible] نہیں کرتی۔

[illegible] سال پہلے کی بات ہے جب میں نے لکھنؤ یونیورسٹی میں داخلہ لیا تھا۔ اردو میرا مضمون تھا [illegible] بحث [illegible] شباب پر تھی۔ [illegible] اشعار [illegible] بحث [illegible] پڑھی جاتی تھیں۔ احتشام صاحب کے [illegible] اپنے [illegible] کر [illegible] مضامین [illegible] مضامین [illegible] اور [illegible] کی بحث کے [illegible] تھے [illegible] ملا [illegible] کا [illegible] نظر آتا تھا۔

بہرحال کلاس میں احتشام صاحب کو [illegible] دیکھا۔ [illegible] سادہ شیروانی [illegible] دیکھ کر پہلا احساس [illegible] شائستہ اور [illegible] ہونے کا ہوا تھا [illegible] پڑھانے کا سلسلہ شروع ہوا تو [illegible] محسوس ہونے لگا کہ ہم سب [illegible] سامعین کی حیثیت نہیں رکھتے بلکہ احتشام صاحب [illegible] کے ہر [illegible] بحث کرنے کے [illegible] گرم ہوتی تھی جیسے ادب کی تعلیم اس شخص کے لئے صرف [illegible] کا ذریعہ نہیں بلکہ زندگی اور موت کا مسئلہ ہو۔

ان کے پڑھانے کی تعریف کن الفاظ میں کی جائے [illegible] کے کلاس کی منظر کشی کرنا [illegible] ہے [illegible] نہیں [illegible] بھی بار بار اس کا احساس ہوتا تھا کہ طلباء اور استاد [illegible] ایک [illegible] سفر پر ایک ساتھ روانہ ہوئے ہیں [illegible] احتشام صاحب ایک [illegible] کی طرح [illegible] کو [illegible] ہیں [illegible] اور جلوہ بار گلستانوں کو متعارف کرتے ہوئے [illegible] جا رہے ہیں۔

ان کا پڑھایا ہوا شعر ایک جمالیاتی تجربہ ہوتا ہے صرف مشکل الفاظ کی تشریح [illegible] جاتے تھے۔ مجھے آج تک یاد ہے کہ ایک بار [illegible] اس مباحثے کی [illegible] ہو گیا تھا کہ پہلی نظر میں محبت ہو سکتی ہے یا نہیں؟ اگر ہو سکتی ہے تو اس کے نفسیاتی، جمالیاتی [illegible] اسباب [illegible] پھر غالب کے اس شعر کے ساتھ ــــ

بہت دنوں میں تغافل نے تیرے پیدا کی   وہ اک نگہ جو بظاہر نگاہ سے کم ہے

حسرت کے اس شعر کا تعارف ہوا ــــ

ایک ہی بار ہوئیں وجہِ گرفتاریِ دل   التفات ان کی نگاہوں نے دوبارہ نہ کیا

[illegible] ـــ

[illegible]

آہستہ آہستہ ہم لوگوں کو ان کے کلام کے [illegible] کا احساس ہونے لگا۔ [illegible] کی کتاب "[illegible] on Literary History" "Conversion & Renewal in Poetry." [illegible] Love in the Machine Age کے نام سے [illegible]۔ اسے ہی ہم لوگ کم از کم نفسیات، جذبات اور [illegible] سے روشناس ہونے لگے۔

پھر ان کی ذاتی واقفیت کا یہ حال تھا کہ سال میں چار چھ مرتبہ صرف یادداشت سے حاضری لیا کرتے تھے۔ قبل تقسیم کے لکھنؤ یونیورسٹی میں اردو طلباء کی تعداد کافی ہوتی تھی لیکن ہر طالب علم کے بارے میں احتشام صاحب کو نہ صرف پوری معلومات ہوتی تھیں بلکہ ہم میں سے زیادہ تر ان کو ذاتی طور پر جانتے بھی تھے۔

"[illegible]" میں میرا ایک چھوٹا سا افسانہ چھپا تھا۔ احتشام صاحب پہلے شخص تھے جنہوں نے وہ افسانہ پڑھا اور کلاس ہی میں مجھ سے اس کے بارے میں پوچھا۔ احتشام صاحب ان دنوں [illegible] کے [illegible] تھے اور جب [illegible] صاحب [illegible] سے ان کے [illegible] ہوتے تو [illegible] مختلف [illegible] گرما گرم بحثیں ہوتی تھیں۔

انہی دنوں ہم نے "حلقۂ احباب" کے نام سے ایک چھوٹی سی انجمن کی بنیاد ڈالی تھی۔ [illegible] طلباء [illegible] افسانے پڑھا کرتے تھے اور ان پر بحثیں ہوتی تھیں۔ جوش کا یہ عالم کہ [illegible] حلقے ہی میں چندہ [illegible] کر کے "[illegible]" کے نام سے رسالہ نکالا جو چند شماروں کے بعد بند ہوگیا۔ ان دنوں ہمارے حلقے کا سب سے کامیاب افسانہ نگار احمد حسن تھا اور مجھے آج بھی اس بات کا یقین ہے کہ وہ افسانے لکھتا رہتا اور "پاکستان اسٹینڈرڈ" کی سب ایڈیٹری میں اسیر نہ ہوتا تو یقیناً آج صف اول کے افسانہ نگاروں میں ہوتا۔

اس بے بضاعت حلقے کی صدارت کے لئے ہم لوگوں نے بہت ہی ڈرتے ڈرتے احتشام صاحب سے درخواست کی اور اس کے بعد چار چھ سال تک برابر احتشام صاحب ان جلسوں کی صدارت کرتے رہے۔

"حلقۂ احباب" کی سکریٹری شپ نے مجھے احتشام صاحب سے بہت قریب کر دیا۔ [illegible] احتشام صاحب [illegible] کا جو سہ سالہ پروگرام تیار کیا تھا اس میں نہ صرف اردو ادب کی تمام اصناف کا جائزہ لینے کا ارادہ تھا بلکہ مختلف علوم و فنون کے ماہرین سے عام فہم مقالات لکھانا بھی شامل تھا۔ مختلف ہندوستانی زبانوں کے ادب کا اجمالی خاکہ پیش کرنا اور فنون لطیفہ کی اصناف میں سے ہر ایک کا [illegible] بھی ہماری فہرست مقالات میں شامل تھا۔ اس سہ سالہ پروگرام کا افتتاح کرنا ڈاکٹر عبدالحق صاحب نے منظور کر لیا تھا۔

اب یہاں احتشام صاحب کی شخصیت کا ایک اور پہلو سامنے آتا ہے۔ نہ جانے کتنی بار مجھے احساس ہوا ہے کہ احتشام صاحب جس [illegible] اپنے ہم نشینوں اور ملنے والوں کے دل میں جگا سکتے تھے اس کا عشر عشیر بھی خود ان میں بہت کم جاگتا ہے۔ خود اپنی بات کہتا ہوں اپنے رفیقوں کے دل میں عمل کا شوق پیدا کرنا اور جوش پیدا کرنا بہت آسان کام تھا۔ یہی نہیں اکثر مولوی عبدالحق اور خواجہ غلام السیدین جیسے بزرگوں کو دہلی اور بمبئی سے کھینچ بلانا اور "حلقہ" کے لئے جوش پیدا کر دینا بھی دشوار نہ تھا لیکن خود احتشام صاحب کو اس کے لئے آمادہ کرنا جوئے شیر لانا تھا۔

ہم سب لوگ دن رات پروگرام بناتے، مقالے لکھتے، جلسوں کی نوعیت کے بارے میں سوچتے لیکن جب ہم یہ ساری تجاویز [illegible] خواب [illegible] کر احتشام صاحب کے پاس پہنچتے تو وہ اس کے بارے میں کچھ ایسے [illegible] سوال کرتے کہ ہمارے سارے ولولوں پر پانی پھر جاتا۔

ایک دفعہ کا قصہ ہے ۱۹۴۷ء کی ایشیائی کانفرنس میں آئے ہوئے ایرانی مندوبین کو ہم نے مدعو کرنے کی [illegible] دی۔ خیال یہ تھا کہ یہ لوگ

[illegible]

[illegible]

[illegible] ؟

[illegible]

ایک جلسہ کرنے کا اہتمام کر لیا۔

ہم سب لوگ بہت حیرت سے کہ کہیں اب احتشام صاحب کیا فرما سکتے ہیں؟ احتشام صاحب [illegible] [illegible] احتشام صاحب نے مخصوص انداز میں [illegible] کہا:

"یہ تو سب ٹھیک ہے مگر جلسے کے لئے حاضرین کہاں سے اکٹھے کرو گے؟"

[illegible] حاضرین کی کمی پڑے ––– [illegible] احتشام صاحب [illegible] حیثیت سے لکھی تھی۔

افسردگی پرست کہا جاتا ہے [illegible] [illegible] احتشام صاحب کی تحریرات نہ چھپی ہوتیں تو ان کی [illegible] تسلیم کر لیتا۔

غالب کا شعر ہے ؎

بے دلی ہائے تماشا کہ نہ عبرت ہے نہ ذوق
بے کسی ہائے تمنا کہ نہ دنیا ہے نہ دیں

[illegible] احتشام صاحب کے [illegible] ایک افسردگی کی شکل میں [illegible] کے آخری صفحات میں ملتا ہے۔

اب ذرا اس بات کو [illegible]:

[illegible]

اور کوئی حل حاصل نہیں کر سکے۔ کوشش کر دیکھی مگر وہ وزن بلکہ ہی اس طرح بیٹھے باتیں کرتے رہے گے [illegible]
جانے والے سیاسی تماشوں کو زبان دیں گے۔ مگر اس وقت ممکن نہ ہوگا۔ پڑھنے کا وقت ہوگا تو سے کہ [illegible]
پڑھ سکیں گے کہ آپ کسی اور وقت تشریف لائیے گا۔ یہ جیسی حق کی باتیں ہیں بات کا ایک ... آپ نے [illegible]۔

ان سے ملنے آنے والوں کا ایک سلسلہ ہے ... سب سے زیادہ تعداد ان لوگوں کی ہے جو [illegible]
خود ایک سے زیادہ مرتبہ ان سے اس ... کی شکایت کی ہے ... [illegible]
لئے کسی نے دہلی میں مجھ سے کہا کہ [illegible] ... صاحب ... میں نے ... سے فرما دی۔
کہنے لگے لوگ یہ تو پوچھتے ہیں کہ احتشام سے ... لیکن یہ کوئی نہیں ... کہ احتشام صاحب کا ... لوگ ... وقت
کرتے ہیں سفارشیں کراتے ہیں تو کبھی ... [illegible] ہے؟

اور اس کی گواہی خود میں دے سکتا ہوں کہ میں نے ایک ... کے ... ایک وقت ... آبادی سے ... کو
ایک ... کے خلاف ... دیکھے ہیں۔

امریکہ جانے سے پہلے ہر شام وہ امین آباد میں ... دو کتابوں کی دوکان دانش محل میں آ بیٹھتے۔ یہاں ان کے دوست اور ... جمع ہوتے ہیں اور موضوعات کے دائرے میں کتابوں سے لے کر ... کے نتائج تک سب کچھ شامل ہے۔ وہ گھنٹوں مقامی سیاست اور الیکشن کے نتائج پر بحث کرتے ہیں۔ یہ ... بے تکلف تو نہیں کہی جا سکتی کیونکہ احتشام صاحب کی شخصیت کھل کھیلنے کی عادی نہیں۔ ہاں، وہ جگہ ضرور ہے جہاں وہ گھڑی دو گھڑی کے لئے دو چار خوشگوار لمحے گزار جاتے ہیں۔ اور آپ یقین کیجئے کہ وہاں بیٹھنے والوں کے گروہ میں سے ہر ایک کے لئے احتشام صاحب کے دل میں گرمجوشی اور خلوص کے وہی سوتے ہیں جو شاید کسی پسندیدہ ادیب کے لئے ہوں گے۔

ایک اور واقعہ دیکھئے۔ لکھنؤ یونیورسٹی میں ریڈرشپ کا مسئلہ درپیش تھا۔ امیدوار دو ہی تھے یوں تو بہت سے تھے لیکن خاص مقابلہ احتشام صاحب اور آل احمد سرور صاحب کے درمیان تھا۔ سرور صاحب کا تقرر ہو گیا۔ اور اس لمحے سے آج تک اگر لکھنؤ یونیورسٹی میں سرور صاحب کسی کو اپنا سچا دوست کہہ سکتے ہیں تو وہ احتشام صاحب ہیں۔ یہ میں اپنی طرف سے نہیں کہہ رہا ہوں۔ نہ جانے کتنی بار میں نے سرور صاحب کی زبان سے یہ الفاظ سنے ہیں اور اس خلوص کا اندازہ کیا ہے جو احتشام صاحب کی رگ رگ میں پیوست ہے۔

یوں تو یہ معمولی سی بات ہے لیکن ایسے موقعوں پر جب انسان خود اپنی حسرتوں کی شکست کا منظر دیکھتا ہے اور اس کے سامنے اپنے مستقبل پر چھائے محرومی کے سائے ... ہوتے ہیں تو اچھے اچھے تصور پرستوں کے قدم ڈگمگا جاتے ہیں۔ حالی اور شبلی کی چشمک ہمارے ادب میں افسانہ نہیں پڑی لیکن اس وسعت قلب کی مثالیں کم ہی ملیں گی جب چند لمحوں کے حریف زندگی بھر کے رفیق ہو گئے ہوں۔

یہ چشم مروت احتشام صاحب کے کردار کی خوبی بھی ہے اور خامی بھی۔ وہ ... کا شعر بھی بڑے استقلال سے سن لیتے ہیں اور تنقید نگاروں کی صف اول میں ہونے کے باوجود ان کا قلم ... کو ذکر کرنے اور ہنگامی شہرتوں کے بلبلے توڑنے میں مزا نہیں لیتا۔ ایسا بھی نہیں ہے کہ ان کی پسندیدگی و ناپسندیدگی کے دائرے غیر واضح اور مبہم ہوں وہ یقین کے ساتھ پکاسو کے آرٹ پر ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہیں لیکن اگر خدانخواستہ پکاسو ان کا محلہ ہوتا تب وہ کھلے بندوں اس کی کلاسیکی نکتہ چینی کر پاتے ــــ یہ البتہ بحث طلب ہے۔

چاہے ان کے قلم کے خار اختلاف نہ ہونے پر نکتہ چینی کر لیجئے لیکن ان کے ہمدردانہ لہجے پر کوئی شبہ نہیں کر سکتا۔ مروت میں وہ کہیں کہیں اس طرح ہو جاتے ہیں کہ شاید بہت سے لوگ اسے ہضم نہ کر پائیں اسی لئے انہوں نے ہم عصر ادیبوں پر بہت کم لکھا ہے۔ ان کا کام اردو کی تنقید کو ایک نظریاتی بنیاد دینا تھا اور ہر چند کہ جو کچھ انہوں نے اب تک کیا ہے وہ اس کا عشر عشیر بھی نہیں ہے جو وہ کر سکتے ہیں اور غالباً صرف وہی کر سکتے ہیں۔

[illegible]
[illegible] سے [illegible] کہ بات [illegible] ہوتی۔ [illegible] احتشام صاحب کی [illegible] سے [illegible]
[illegible] یہ [illegible] احتشام صاحب [illegible] بات سے [illegible]۔ [illegible]
[illegible] جاتا ہے۔ [illegible] احتشام صاحب [illegible] شخصیت کا ایک [illegible]
[illegible] کی [illegible] گے [illegible]
[illegible] وہ [illegible] ہے۔ [illegible]
[illegible]

اس طرح [illegible] کر [illegible] گئے ہیں [illegible] جاتے ہیں [illegible]
بات [illegible] ہے [illegible]۔ [illegible]
اس سے بات کریں گے [illegible] گے۔

گھریلو زندگی میں بھی احتشام صاحب [illegible]
ان کے چھوٹے بھائی اقتدار ان کی [illegible] کو [illegible]
بہت کم باہر نکلتے ہیں۔ چلنے جب تک ان کے [illegible] وقت تک وہ ان سے [illegible]
کے چلنے ہی جو [illegible] ہے [illegible] ہیں۔ [illegible]

احتشام صاحب یوں بہت گھریلو آدمی ہیں۔ ان کا گھر [illegible] ہے [illegible]
بیٹھنے کے کمرے تک [illegible] کوئی کتاب [illegible] احتشام صاحب نہایت [illegible]
کرچکا رہے ہیں اور کبھی آپ سے [illegible] کے فلسفہ جمالیات پر بحث کرتے ہیں۔ [illegible] ان کے سامنے [illegible]
منسوخ ہو جائیں گے۔ حالانکہ خود اپنی بیماری کو ہمیشہ ٹالتے ہی رہتے ہیں۔

یہ بیماری جسمانی ہے یا صرف [illegible] صاحب [illegible]
ان کا مرض ہے لیکن اس کے علاوہ طبیعت کی گرانی، الجھن اور پریشانی کچھ کم بناتی ہیں [illegible]
[illegible] کی طرف سے [illegible] منایا جا رہا ہے۔ [illegible] ۹-۲۰ پر جاتی تھی [illegible]
کام تھا۔ [illegible]

گھر کے سامنے رکشا کھڑی تھی۔ تھوڑی دیر میں اقتدار میاں [illegible] کہ [illegible] ٹھیک سے [illegible]
بہرحال اطلاع کرائی تو [illegible] باہر [illegible] میں نے حیرانی سے پوچھا:

"آپ ابھی تک تیار نہیں ہوئے؟"

بولے "طبیعت میں عجب طرح کا خلجان سا ہے۔ کچھ گرانی محسوس ہو رہی ہے۔ سوچ رہا ہوں کہ جاؤں یا نہ جاؤں؟"

اتنے میں اقتدار میاں اور رکشا والے دونوں نے جلدی مچانا شروع کی۔ کہنے لگے:

"میاں اقتدار! گیارہ-۲۰ کے بعد کوئی اور گاڑی نہیں جاتی؟"

اقتدار میاں نے کہا: غالباً [illegible] ۱۲ بجے جاتی ہے۔ پھر بھی کوئی ۱۵-۲۰ منٹ [illegible] فیصلہ ہوا کہ اس گاڑی سے [illegible]

[illegible] دیکھا جاسکتا ۔ مشتاق احمد یوسفی کا کہنا درست ہے کہ وہ ایسے لوگ ہیں جن سے باتیں کرتے ہوئے [illegible] وہ نہیں سکتے ۔

اب یہ اکثر دوستوں میں شبہ ہوا کہ جان بوجھ کر ہوا کہ احتشام صاحب امریکہ، لندن اور پیرس کے نامور ادیبوں سے ملے [illegible] آئے ہیں، مگر ایسا نہیں ہوا۔ وہ سب ادب اور شاعری کے امام ہیں اور شاعری اور فن کی آرٹ گیلری دیکھنے کبھی نہیں گئے ۔ آخری عمر تک سب ہی [illegible] سمجھانے کے لئے آتے رہے لیکن اس دوستی کا ذکر کسی نے تحریر کے انداز میں ہمیشہ اپنے ہی باغ و بہار سے مطلب رکھا ہے ۔ [illegible] فلسفوں سے کوئی سروکار نہیں رکھا ۔

لکھنؤ کا کافی ہاؤس اور حضرت گنج یونیورسٹی اور شہر کے سارے صاحب ذوق رکھنے والوں کا مرکز ہو گیا ہے ۔ شام کو ایک کونے میں وہاں [illegible] پروفیسر ڈاکٹر ، پنڈت جواہر لال نہرو کے اخبار نیشنل ہیرالڈ کے ایڈیٹر چلپاتی راؤ ، کبھی کبھی ڈاکٹر رام منوہر لوہیا صاحب کا سیاسی گروپ اکثر رہتا تھا مگر احتشام صاحب برس برس میں صرف ایک آدھ بار اس محفل میں دکھائی دے جاتے تھے ۔

شہر کے سب سے خوبصورت سینما ہال میں [illegible] کی روشنیاں جگمگاتی رہتی ہیں لیکن وہ ادیب جس نے نہ جانے کتنے ناولوں میں آرٹ کا ایک مربوط اور برجستہ تصور پیدا کیا ہے ، خود میاں بیوی اور سینما ہال میں کبھی نظر نہیں آتے ۔ یہ وہی احتشام صاحب تو ہیں جنہوں نے امریکہ اور یورپ میں صرف انگریزی ہی نہیں فرانسیسی ، روسی ادب کا مطالعہ کس قدر تعداد میں دیکھا ہے ۔ یہ وہی احتشام صاحب ہیں جن سے اگر رقص کی ، موسیقی کا ذکر چھیڑئیے تو گھنٹوں اس طرح بات کرتے رہیں گے کہ آدمی حیران رہ جائے ۔

امریکہ جانے کا واقعہ بھی ۔ انہی دنوں میں لکھنؤ یونیورسٹی میں ایک عارضی جگہ پر شعبۂ اردو میں لکچرار کی حیثیت سے کام کر رہا تھا ۔ تقرر عارضی تھا ۔ اتفاق سے جب اس جگہ کے مستقل ہونے کا سوال آیا تو صدر شعبہ اور فیکلٹی آف آرٹس کے ڈین کی حمایت کے باوجود ایک دوسرے صاحب اس جگہ پر مقرر ہو گئے ۔ جس روز اس نتیجے کا اعلان ہوا ہے احتشام صاحب اپنے وطن ماہل ضلع اعظم گڑھ گئے ہوئے تھے ۔

تیسرے چوتھے دن واپس آئے ۔ میری ملازمت کے انٹرویو ہو رہے تھے ان کو امتحان میں نگرانی کر رہا تھا ۔ دیکھا کہ احتشام صاحب [illegible] سیدھے آئے ہیں ، اداس ، خاموش اور [illegible] مجھے دلاسہ دیتے رہے ۔ میں نے اس دن محسوس کیا کہ ان کے دل میں میری ناکامی کا کتنا گہرا عکس پڑ رہا ہے ۔

" شاید مجھے امریکہ جانے کے لئے سال بھر کی چھٹی لینا پڑے ، اس صورت میں ایک عارضی جگہ اور نکلے گی ۔ "

مجھے اس بات کی داستان معلوم تھی لیکن اس لمحے میں اس دردمندی سے اس درجہ مبہوت ہو گیا تھا کہ اس کے بارے میں کچھ اور پوچھنے کی ہمت نہ ہوئی ۔ البتہ یہ جانتا تھا کہ امریکہ جانے سے ان کے بچانے کے بارے میں طے کر چکے ہیں یا ان کو جانے کے بارے میں طے کرنا ہے ۔ یہ داستان طویل ہے کہ کس کس طرح احتشام صاحب نے امریکہ کو ٹالنے کی کوشش کی ، اپنے کو بار بار یہ سمجھانے کی کوشش کی کہ وہ جا کر ابتدائی لیں گے ، درخواست بھیجنے میں کیا ہرج ہے ۔

اور جب ایک نہ چلی تو بھی ان کو بھی خاصی ذہنی اذیت سے گزرنا پڑا ہوگا ۔ انہوں نے امریکہ جانے کا فیصلہ محض راشد عامر کے لئے ایک ملازمت کے طور پر کیا ۔ جب کوئی ایسا نہ ملا جو اس اقدام کی مخالفت کرتا اور " گوشے میں قفس کے مجھے آرام بہت ہے " دہراتا ۔ جب یونیورسٹی نے چھٹی اور قرض دونوں دے دئے ، جب راک فیلر والوں نے خاندان کو الاؤنس دینا بھی منظور کر لیا تب کوئی بہانہ ایسا نہ رہ گیا جو راشد عامر کو مطمئن کر سکتا ۔ [illegible] کی ایک [illegible] چہرہ مانوس نہیں ہوا ۔ وہ مسکرا ضرور رہے تھے اور اسٹیشن پر جب ان کو پہنچانے کے لئے ایک ہجوم غفیر اکٹھا ہو گیا ، ان کی گردن بار بار [illegible] اتار اتار کر اپنے بچوں کے گلوں میں ڈالتے جاتے تھے اور ایک مسکراہٹ کے ساتھ ان کے گال تھپتھپاتے تھے لیکن ان کا [illegible]

[illegible] ہیں ۔

[illegible]

[illegible]

امریکہ کی [illegible] نہیں ہو سکتی [illegible]

[illegible]

[illegible] مغرب [illegible] امریکہ کے [illegible]

جنہیں پہلی بار میں نے [illegible] میں دیکھا تھا ۔

امریکہ سے [illegible] کوئی ظاہری تبدیلی نہیں ہوئی [illegible] تفصیل سے [illegible] یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ امریکہ کی [illegible] یونیورسٹی کی دعوت [illegible] کرنے گئے تھے وہاں کی [illegible] سنسکرت اور خاص طور پر فارسی اور اردو کے [illegible] وائی آئی ۔ اے ۔ [illegible] جیسے [illegible] شیکسپیئر کے [illegible] نہیں کی [illegible] مستشرقین سے ملاقات کی ہے [illegible] کے اردو کی زیارت کی [illegible] بحثوں میں شریک ہوئے ہیں ۔

ان سب ملاقاتوں اور زیارت گاہوں نے احتشام صاحب کو متاثر ضرور کیا ہے ان کے ذہنی افق میں بڑی وسعت اور گہرائی پیدا ہوئی ہے [illegible] کا حال بھی صحیح ہیں، ان کی زبانی سنئے تو ایسا لگتا ہے کہ آپ خود ان دانشوروں سے باتیں کر رہے ہیں [illegible] کی تمام محفلوں کی سیر کر رہے ہیں [illegible] چار [illegible] روز ہوئے ان کا سفرنامہ [illegible] چھپ کر آئی ہے اس کے کچھ حصے میں نے غیر مطبوعہ شکل میں سنے تھے۔ میں نے ابھی اس تازہ کتاب [illegible] کو ختم کیا ہے ۔

اس میں باتوں کی وہ رنگینی کہیں کھو گئی ہے صاف سیدھی سپاٹ باتیں ہیں۔ جی چاہتا ہے یوں کہہ دیجئے کہ احتشام صاحب جب لکھنے بیٹھتے ہیں تو اپنے [illegible] سے رخصت لے لیتے ہیں جو باتیں کہتے وقت رنگین [illegible] شناسا لہجہ قائم رکھتا ہے [illegible] نہیں ہے ان کی تقریریں، کلاس لیکچر اور ریڈیو کے لئے لکھے ہوئے مضامین میں اکثر وہ رنگینی، تازگی اور شناسا لہجہ مل گیا ہے جو ان کی تنقید میں جھلک دکھا کر چھپ جاتا ہے [illegible] شاید اسی لئے کہا ہے کہ تحریر میں اگر وہ کوئی شگفتہ اور رنگین جملہ لکھ جاتے ہیں تو نظر ثانی میں اسے کاٹ دیتے ہیں ۔

قلم شخصیت کے اظہار میں بڑے پردے قائم کر دیتا ہے اور پھر اسی جب احتشام صاحب کا فلسفیانہ قلم ہو اور احتشام صاحب کی شخصیت ہو جو خود کو چھپانے میں ماہر ہے تو پھر [illegible] کتاب [illegible] کا ذریعہ ہو جاتی ہے [illegible] داخلی سفر ضرور [illegible] امریکہ سے زیادہ مصنف نے [illegible] کتابوں کی مدد سے [illegible] کی مدد سے کیا ہے [illegible] امریکہ کے ساحل [illegible] کوئی نوجوان [illegible] جائے گا [illegible] کی طرح [illegible] اپنے ملک [illegible] یاد آگئیں

یہاں ساحل بھی ہے، سمندر بھی اور اس کے طوفان بھی کیونکہ ان طوفانوں پر احتشام صاحب اس طرح سے بند باندھتے ہیں کہ انہیں پار اترنے کا احساس بھی ہے۔
احتشام صاحب ہمارے ان نقادوں میں سے ہیں کہ ان کی تحریروں نے فلسفۂ نظر پر اصرار کیا ہے، نزدیک تنقید محض نظریاتی چیز نہیں بلکہ اس کا عمرانی تعلق بھی ہے اور اسی بنا پر نقاد کا زاویۂ نظر بنانے میں ضروری ٹھہرا اور ادب کا مکمل مطالعہ ہی۔ شاید اسی لئے ان کا مطالعہ ہی ان کی اپنے تجربے کی طرف سے گئی ہے۔ "ساحل اور سمندر" ان سطروں کے ساتھ ختم ہوتی ہے:

"غیر ارادی طور پر میں نے اگر کچھ اور بھی سیکھا تو تنہائی تھی کہ میں نے احتشام حسین کو سمجھنے کی کوشش کی ....
عجیب تضاد ہے، متضاد کیفیتوں کا حامل، حقیقتوں سے جدوجہد کرنے کا شائق و خوابوں کے پیچھے مارا مارا پھرنے والا
اسے سمندر سے بھی محبت ہے، ساحل بھی عزیز ہے۔ وہ طوفانوں کی خواہش بھی کرتا ہے اور زندگی کا عاشق بھی ہے لیکن سوچ
بھی تا ہے کہ اس سے زندگی کے ساتھ بے وفائی ہوتی۔ اس کی داستانوں میں سے صرف مطالعہ کو ہی لیا، مطالعہ تنہائی وحدت جو
مشابہت اور زندگی کی جدوجہد میں شریک ہو کر تجربے حاصل کرنے کا بدل نہیں ہو سکتا۔ سماجی جانور بننے کے لئے کبھی کبھی تنہا
مجبور یا محض ہو جانے کی ضرورت پڑتی ہے۔ اس نے اس راز کو نہیں سمجھا وہ خود تنہا کر کوئی اس نے کچھ نہ کچھ کر بیٹھے
یا ایک صحیح کی ہوئی محدود شخصیت کی نشانی ہے تعزیہ کروں، وہ وقت کو شیوں کے بہت سے در کھلے ہوئے دیکھ کر اس نے
کچھ کیا بھی تو اس طرح جیسے اپنے گرد و پیش سے خوفزدہ ہو جاتیں۔ جب لوگ دلچسپیوں میں معروف ہوتے اور وہ
پڑھتا، سمندر کی موجیں گنتا رہتا تو میرا جی چاہتا کہ اس کی کتاب اس کے ہاتھ سے چھین لوں اور کسی کرکٹ کے میدان میں لے جاؤں
یا رقص کے ہنگامے، قماربازی، محض ہنسی کے لئے ہنسی، یہ سب بات تک سے بت غلط حماقت تو نہیں کہ کچھ
لذت تو حاصل ہوتی ہی ہوگی ورنہ لوگ کوشش کیوں کرتے ہیں۔ میں نے اس سے کہا بھی کہ یہ سنجیدگی بے محل ہے۔ اس طرح اپنے
خول کے اندر رہنا بے معنی ہے۔ رقص کھیل کود، بات چیت کے بہانے دل ملتے ہیں، جسم ملتے ہیں۔ لگر یہ حاصل ہوتا ہے
یہی باتیں سنا سنا کر میں نے کبھی کچھ نہیں دیا لیکن اس کی اداسی، اس کے فلسفیانہ فکر اور اس کے احساس تنہائی کو دور نہ کر سکا
میں مجبور تھا کہ وہ چاہتے کیا ہیں۔ غالباً اسے خود بھی اس کا علم نہیں ہے۔ شاید اس میں کچھ گہرائی ہو یہی بات ہے جس کو
وہ بتا نہیں سکتا۔ ایک دن جب میں نے اسے بہت مجبور کیا تو اس نے مسکرا کے مرے شیکسپیئر کے ڈرامے
"ایز یولائک اٹ" (As you like it) کا چوتھا ایکٹ میرے سامنے کر دیا۔"

"ساحل اور سمندر" صفحہ ۲۶۶

آپ نے اس کے بارے میں جیکس اور روز النڈ کا یہ مکالمہ پڑھئے۔ مجھے احتشام صاحب کے بارے میں دو چار باتیں کرنے کی اور اجازت دیجئے۔
یہ آخری بات ان کی سیاست کے بارے میں ہے۔ یہ میں جانتا ہوں کہ احتشام صاحب ذہن کے دریچے بند کر کے نہ کبھی کانگریسی ہوئے ہیں نہ کمیونسٹ، ایسے موقع پر بھی جب کمیونسٹ پارٹی غلط قسم کی پالیسی پر کاربند تھی احتشام صاحب نے اپنے توازن اور اعتدال کو نہیں چھوڑا۔ شاید اس لئے کہ وہ ان کی فطرت کا دوسرا نام ہے۔ اس غلط پالیسی کے زمانے میں وہ "علم و دانش" کے ادارے میں رہے۔ مارکسی مصنفین کی کانفرنس میں شرکت کرتے رہے لیکن ایمان کی بات یہ ہے کہ مجھے ان کی سیاست سے الجھن ہوتی ہے۔ ادب بھی ایک مجبوبہ ہے جو سوکن کو برداشت نہیں کر سکتی۔ میرا بے اختیار جی چاہتا ہے کہ احتشام صاحب کی شخصیت جو سیاست اور امریکہ اور روس کے مناقشوں، ہنڈرو جی یلم اور اس کے دھندوں میں گم ہو جاتی ہے اپنے جمالیاتی شعور کے ساتھ نکھر کر سامنے آئے۔ اب "ساحل اور سمندر" کو لیجئے۔ یہاں بھی یہ سفر ایک حسن پرست ادیب سے زیادہ وان اشتراکی رجحان رکھنے والے سیاست داں کا سفر ہے جیسے غیر ادبی کتاب کا تذکرہ کی فکر میں ہے Goods that Failed ۔ کبھی ایسا لگتا ہے جیسے وہ ادب کے

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] ہی تسلیم [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] کون کہہ سکتا ہے!

اختر حسین رائے پوری

دیوندر ستیارتھی

"حسن و عشق کے گیت تو بہت ہو لئے۔ بغاوت کے گیت ہوں تو نکالئے اپنے مجموعے سے!"

"تو آپ نے مجھے کوئی مداری سمجھ لیا! جب چاہوں اپنے مجموعے سے بے موسم کا پھل نکال کر پیش کر دوں۔"

"بہت خوب۔ لیکن بغاوت کے گیتوں سے میرا کیا مفہوم ہے۔ یہ شاید آپ نہیں سمجھے۔"

"ارشاد۔"

"میرا اشارہ کسانوں کے ان گیتوں کی طرف ہے جن میں انھوں نے قسمت کا رونا رونے کی بجائے اپنے قدموں پر کھڑا ہونے کا ارادہ ظاہر کیا ہو۔ جن میں ہمیں اُن کے وہ تیور نظر آ سکیں جو اپنے اقتصادی حالات پر غور کرنے والے کسی شخص کے چہرے پر اکثر دیکھے گئے ہیں۔"

"لوک گیتوں میں ایسے گیتوں کی بھی کمی نہیں۔"

"تو فی الحال ایسے گیتوں کو منظر عام پر لائیے۔ اُن کی ہمیں زیادہ ضرورت ہے۔ خالص شاعری کے زاویے سے تو دوسرے گیتوں کی اہمیت بھی کچھ کم نہیں۔ لیکن جہاں تک ادب کی افادیت کا تعلق ہے، ہمیں کسانوں کے ایسے گیتوں کو ترجیح دینا ہوگی جن میں وہ اپنے کھیتوں کے بارے میں کچھ کہتے ہیں، اپنے قرض چکانے کی بات سوچتے ہیں، زمیندار کی غلامی سے آزاد ہونے کے لئے آواز بلند کرتے ہیں۔"

گفتگو کے یہ نقوش آج تک دھندلے نہیں ہوئے۔ اگرچہ یہ گفتگو بیس برس پیشتر ہوئی۔ یہ ان دنوں کی بات ہے جب اختر حسین رائے پوری کلکتے کے ہندی ماہنامہ "وشومتر" کے مدیر اعلیٰ تھے اور میں اس خیال سے دفتر وشومتر پہنچا تھا کہ کسی طرح ایک مضمون کی پیشگی مزدوری مل جائے اور اس سے دارجلنگ تک نہ سہی تو کم سے کم سلی گوڑی تک کا ٹکٹ لیا جا سکے۔

میری زندگی میں یہ پہلا موقع تھا کہ کسی ادیب نے مجھے ادب کے اقتصادی پہلو سے اتنی شدت سے روشناس کرایا۔ اختر حسین نے وعدہ کیا کہ وہ وشومتر کے مالک مول چند سے کہہ کر میرے لئے دارجلنگ کے کرائے کا انتظام کر دیں گے۔ میرا مضمون انھوں نے وشومتر میں چھاپنا منظور کر لیا۔ لیکن بڑے رکھ رکھاؤ کے ساتھ انھوں نے اس بات پر زور دیا کہ لوک گیتوں کے پس منظر کو سمجھنے کے لئے ادب کے گہرے مطالعے کی ضرورت ہے۔ احساس کے لئے مجھے گورکی کے افسانوں کا پوری طرح جائزہ لینا چاہئے۔

[illegible] سے اور لکھنؤ کے ساتھ ملنے پھر
[illegible]

"۱۹۴۷ میں [illegible] [illegible] جو [illegible] [illegible] سکتا ہے۔ [illegible] حال [illegible]"

"یہ تو آپ [illegible] رکھنے [illegible]"

"۱۹۴۷ میں [illegible]
[illegible]

[illegible] سے [illegible] [illegible] [illegible]

[illegible] زندگی شروع ہوئی [illegible] ۔ انہوں نے [illegible]

[illegible]

[illegible] کی [illegible] رکھتے تھے۔ [illegible]

[illegible] سے گیتوں کے [illegible]۔ تو پیچھے آپ [illegible] گیت [illegible] ساتھ [illegible] تھے۔ اس گیت کے بول تو یاد نہیں

[illegible] تھا ... [illegible] سے [illegible] آپ تو نظم کی [illegible] مجبور [illegible] بھی

اپنے دوسرے مکان کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے بتایا کہ [illegible] [illegible] سے [illegible] کر [illegible] دونوں [illegible] کے [illegible] تھے

[illegible] کو کچھ پڑھنے کے [illegible] سے [illegible] ہوتے تھے۔ [illegible] جاتی [illegible] دیتے تھے۔ انہوں نے مسکرا کر کہا

آج بھی [illegible] ہے [illegible] جیسے کے [illegible] ہوئی ہوتی تھی۔ [illegible] سے پڑھنے

ایسی لگاتی تھی۔ جیسے [illegible] سے آتی ہے:"

"تیسرے اور چوتھے مکان کا حال بھی سن لیجئے:

تیسرے مکان کے بہت بڑے صحن میں دو سرا ہی منظر دیکھنے کو نصیب ہوتا تھا۔ مالک مکان نے [illegible] جو [illegible] کو

اپنے ہاں آنے والے بھکاریوں کو ایک ایک ادھیلا دے گا۔ [illegible] اپنے [illegible] میں کھڑا ہو کر [illegible] [illegible] بھکاریوں کے

جمگھٹ کا جائزہ لیا کرتا تھا۔ [illegible] منظر دیکھنے کے بعد کئی روز تک میری طبیعت پریشان رہتی تھی۔ مجھے ان سرمایہ داروں سے نفرت

ہوتی گئی۔ جو دان دینے کا ڈھونگ رچانے میں اپنا جواب نہ رکھتے تھے۔ اب سنئے چوتھے مکان کا حال۔ اس کے سامنے ایک پرولتاری

ہوٹل تھا جہاں صبح سے لیکر آدھی رات تک تندور پر روٹیاں پکا کرتی تھیں۔ [illegible] تندور کے سامنے [illegible] سے بیٹھا اپنے ہاتھوں

سے تندور میں روٹیاں لگایا کرتا تھا۔ اس کا اپنا حساب تھا۔ [illegible] سے گندھے ہوئے آٹے کا ایک خاص مقدار نوچ کر پڑے پر رکھتا اور بیلن کی

مدد سے گول شکل دیتے ہوئے اسے اٹھا لیتا اور دونوں ہاتھوں میں [illegible] [illegible] کے بعد تیزی سے تندور کے اندر

تھاپ دیتا۔ دھماکے کے ساتھ تندور میں روٹی تھاپنے کے بعد ہر بار وہ [illegible] پسینہ پونچھتا اور پاس رکھی گڑگڑی اٹھا کر ایک کش لگا لیتا۔

اس پرولتاری تندور والے کی ڈیوٹی دن بھر بجتی ہی رہتی تھی۔ [illegible] گڑگڑی کی گڑگڑ۔ یہاں میرا یہ حال ہے کہ اس کی ہر تھاپ کے ساتھ

گویا میرے دماغ پر چوٹ پڑتی ہے۔ اس کے آٹے کے گولے کی تھاپ میرے سر کے اندر جینے کے چوتالے کی مانند گونج جاتی ہے۔ بیٹھنے کا نہیں [illegible]

بات سن کر ابھی بس یہی کہنے کو جی چاہتا ہے کہ روٹی پر [illegible] طرح گونج اٹھتی ہے جیسے [illegible] کی [illegible] دماغ کے [illegible]

آسماں میں کہاں کی زمین ہے :

اس پر وہ زور کا قہقہہ پڑا اور اختر حسین نے بات کا رُخ کسی قدر بدل کر میرے اُس مضمون کی تعریف شروع کر دی جو میں نے اعلیٰ حسب ہدایت 'شعور' کیلئے ہو کر دیا تھا۔ وہ یہ تک سمجھتے رہے کہ لوک گیتوں کے آئینے میں یہ جیتا جاگتا ... دیکھا جا سکتا ہے اور اپنے عوامی ادب میں عوام کی وہ آواز سننی چاہئے جو ان کی اقتصادی کشمکش کی یاد دلاتی ہے۔ میرے مضمون میں وہ گیت انہیں خاص طور پر پسند تھا جس میں بنگال کا کسان اپنے اللہ سے شکایت کرتا ہے کہ ندی میں سیلاب آگیا اور باڑ ٹوٹ جانے سے اس کی فصل واقع بہہ گیا اور اب وہ اپنی بیوی کیلئے زیور بنا کر دینے کا وعدہ پورا نہ کر سکے گا۔ اگرچہ اختر حسین ایک ہی سانس میں کہہ گئے تھے کہ محض اللہ سے شکایت کرنا تو کافی نہیں ہے کسان کو چاہئے کہ اپنے ہاتھوں اپنی قسمت بنانے کا بیڑہ کسی طرح تہیہ کر لے۔

باتوں باتوں میں اختر حسین نے اس واقعہ کا ذکر کیا جب وہ ایک بار اپنی بیٹیوں کی فرنیچر بچاتے ہوئے اپنے گھر کے سامنے والے ہوٹل میں ... جا رہے تھے کہ راستے میں ایک بھکاری نے ان کا بازو پکڑ لیا۔

[illegible] میری پیٹھ پر شرما ذہنیت فوراً بیدار ہو گئی تھی۔ انہوں نے کسی قدر سنجیدہ ہو کر لکھنا شروع کیا۔ میں اسے زور دار دھکا دے کر پرے کر دینا چاہتا تھا کہ دیکھا کہ وہ بہت ہی دبلا پتلا ہو گیا ہے۔ اس کے ہاتھوں کو لقوہ مار گیا تھا اور وہ ٹکڑ کی طرح تھر تھرا رہے تھے۔ اس کے ہاتھ میں روٹی کے ٹکڑے دبے ہوئے تھے۔ اس میں اتنی بھی طاقت نہ تھی کہ خود روٹی کھا سکے۔ تب سمجھ گیا کہ وہ صرف یہی چاہتا ہے کہ میں اس کی روٹی ٹکڑے کھلا دوں۔ کلکتہ جیسے شہر میں جہاں بھکاریوں کی کوئی کمی نہ تھی، میرے لئے یہ پہلا موقع تھا کہ میں اپنے ہاتھ سے اسی بھکاری کو اس کی روٹی کھلا سکوں۔ میں اس کے منہ میں لقمہ دیتا جاتا تھا اور وہ بے صبری سے بنا چبائے نگل رہا تھا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ میرے لئے واقعی یہ ایک نیا تجربہ تھا۔ اور ظاہر ہے کہ اس واقعہ کا مجھ پر گہرا اثر ہوا اور میں جی جان سے اس نظام سے نفرت کرنے لگا جس کی بدولت سینکڑوں ہزاروں لوگ بھکاری بننے پر مجبور رہتے ہیں۔

اس سلسلہ میں مجھے اختر حسین کا ایک مضمون پڑھنے کا موقعہ ملا جو کچھ دن پہلے 'شعور' میں شائع ہوا تھا۔ اس ڈائری نما مضمون میں ایک جگہ انہوں نے لکھا تھا :

• چار اگست، پھر ریل کا سفر۔ میری زندگی ڈرائیونگ ماسٹر کی پکار یا پٹواری کی جریب کی مانند ہو گئی ہے۔ میں تنگ آ گیا ہوں سنڈباد جہازی ہو گیا ہوں۔ لیکن نہ کہیں سونے چاندی کی بارش ہوتی ہے اور میں ان کی تلاش میں اپنی بُری حالت کو بد سے بدتر بناتا جاتا ہوں۔"

اس مضمون میں آگے چل کر اختر حسین نے ملک کی سماجی حالت کا جائزہ لیتے ہوئے لکھا تھا۔

میرا جسم ہی بیمار نہیں، میری روح بھی بیمار ہے۔ یہ مُلک ایک ڈھیر ہے جس میں تعلیم کی روشنی سے کیڑوں کی طرح لاکھوں انسان کلبلا رہے ہیں۔ ان کے بیچ میں میری روح جگنو کی طرح کبھی جلتی ہے کبھی بجھ جاتی ہے۔ میں یہاں سے بھاگ جانا چاہتا ہوں۔ لیکن دنیا میرے لئے یا تو بہت تنگ ہے یا اتنی بڑی کہ اس کی کشمکش میں گھن کی طرح میں پسا جا رہا ہوں۔ کچھ دنوں سے پھر دل کی دھڑکن شروع ہو گئی ہے۔ کل پڑھتے پڑھتے یک دم میرے ہاتھ تھرانے لگے، دل پنکھے کی طرح گھومنے لگا۔ کان بھائیں بھائیں کرنے لگے، چہرہ خون کے دباؤ کی تیزی سے سُرخ ہو گیا۔ میں نے سانس روک لیا کہ کہیں اس دھڑکن میں رک ہی نہ جائے۔ ایسا دورہ کبھی نہ پڑا تھا۔ پھر ردِ عمل سے ہاتھ پاؤں نڈھال ہو گئے۔ اندھیرا اور سناٹا۔"

اختر حسین ایک ضروری کام سے باہر چلے گئے تھے۔ میرے ہاتھ میں اُن کا مضمون تھا۔ انہوں نے لکھا تھا :

• کیا انسان روٹی کمانے اور کھانے والے حیوان کے سوا کچھ نہیں؟ کیا یہی زندگی کا مفہوم اور اختتام ہے؟ کیا یہی اس لفظ کا آخری مفہوم ہے؟ اگر کام کرنے اور جینے میں کوئی فرق نہیں تو میں ہرگز کام نہ کروں [illegible] بندروں کے پیچھے اور ہوا کی طرح پکار کر سکتے ہیں تو بنانے مجھے

[illegible] ہے۔

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] خوب ہی شامل ہے۔

[illegible]

[illegible]

[illegible]

میں نے کہا: آپ کا مطلب یہ ہے کہ جب ہم کسانوں اور مزدوروں کے لئے کچھ [illegible] چاہتے ہیں [illegible] کہنا کتنا بے معنی ہے؟

آپ نے [illegible] کسانوں اور مزدوروں کو تو ہمیں یہ بتلانا ہے کہ [illegible] ہے۔

اس کے بعد بات کا رُخ بدل کر اختر حسین نے [illegible] اپنی زندگی کس نصب العین پر لانا چاہتے ہیں۔ میں نے محض کریدنا [illegible] مجھے بھی بتائیے نا؟

آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ انہوں نے ہنس کر کہا [illegible] گیتوں میں حسن و عشق کی آواز سننے تک ہی اپنی پوری طاقت نہ لگا دیجئے۔ میرا مطلب ہے [illegible] قدم قدم پر یاد رکھئے۔ اور میرا تو خیال ہے کہ آپ کا کام اسی صورت میں مفید ثابت ہو سکتا ہے۔

کہیں آپ یہ تو نہیں سمجھتے کہ میں خواہ مخواہ مارا مارا پھرتا ہوں ان گیتوں کی تلاش میں؟

ابھی لوک گیتوں کے سلسلے تو میرا سر جھک جاتا ہے۔ اور جو شخص مختلف زبانوں کے لوک گیتوں کو ایک ساتھ ہمارے سامنے لاتا ہے اور ہمیں اپنے ملک کے تمدن کی رنگا رنگی کے باوجود اپنے تمدن کی ہم آہنگی سے روشناس کراتا ہے اس کا ہمیں ممنون ہونا ہوگا۔

اس ذرہ نوازی کے لئے شکریہ ادا کر کے میں چلا آیا۔

اس کے بعد کلکتے میں اختر حسین سے ملاقات نہ ہو سکی۔ مجھے یہ پتہ چلنے تو دیر لگی کہ اختر صاحب نے وشو بھارتی کی نوکری چھوڑ دی اور اعلیٰ تعلیم کے سلسلے میں علی گڑھ یونیورسٹی میں چلے گئے۔

میں بھی کلکتے سے کشمیر جا پہنچا۔ اور کشمیر میں تین مہینے گزارنے کے بعد میں نے پشتو لوک گیتوں کے سلسلے میں پشاور کا رخ کیا۔ اس [illegible] اختر حسین کی کوئی خبر نہ ملی۔ جب بھی کبھی کوئی "کلاس سٹرگل" کے موضوع والا گیت ملتا، اختر صاحب کی یاد ہو آتی۔ آخر میں نے "وشال بھارت" کے اسسٹنٹ ایڈیٹر برج موہن ورما کو لکھا کہ اختر صاحب کے بارے میں پوچھ تاچھ کریں۔ ورما جی نے مجھے اس خط کی کچھ سطریں لکھ بھیجیں جو اختر صاحب نے ۱۵ فروری ۱۹۳۳ء کو لکھا تھا: "پچھلے چار مہینے کیسے بیتے، اس کا حال سنئے۔ اکتوبر میں علی گڑھ یونیورسٹی کے پرو وائس چانسلر نے کہا کہ آپ خوشی سے بوریہ بستر اٹھا لیجئے گا۔ تو ٹلتے ہیں تو اچھا ہی سمجھا کہ ابھی اخباروں کی بے جا پبلسٹی سے بچا جائے۔ کانگریس کا بہ گھنے والا تھا۔ ہم بھی خود اپنے گشتی نامہ لگا۔ بنے وہاں جا پہنچے۔ اگر حضرت دل .... ہائے ورما جی! اس دل نے کہیں کا نہ رکھا! صحت کبھی پا نہیں یہ کیا ہوا کرتا ہے۔ انہیں صاحب ہم وہاں قریب قریب لیے ہو چکے تھے کہ ڈاکٹر انصاری تک پہنچ گئے [illegible] مگر اس نے [illegible] ایک مہینے جب چپ چاپ پڑے رہے تو ڈیڑھ اکیس سو روپے [illegible] انجکشن ٹھونسے گئے۔ دل سے شاید بہت دنوں کے لئے چھٹی ہو۔"

ورما جی کے خط سے مجھے یہ بھی پتہ چل گیا کہ علی گڑھ یونیورسٹی سے نکالے جانے کے بعد اختر حسین کچھ دن دلی میں فاقہ مستی میں گزار کے پڑے رہے اور پھر اسی پریشانی میں وہ لاہور جا پہنچے۔ لاہور سے انہوں نے ورما جی کو خط لکھا:

پیارے ورما جی!

آپ کو یاد ہو گا کہ ہندوستان میں اختر نامی ایک آوارہ کبھی رہتا تھا۔ اب وہ پنڈاری کی جریب کی مانند زمین ناپتا لاہور چلا آیا ہے۔ علی گڑھ، بمبئی، دلی ...... کہیں بھی اسے آرام نہ ملا۔ اس بیچ میں بہت بیمار رہا۔ کافی تنگ آ کر ہندی سے ناطہ توڑ رہا ہے۔ ان دنوں "اردو" اور انگلش اخبار کا کچھ کام کرنے لگا ہے۔ شاید دو چار [illegible] ہو جائے۔ کہیں حال [illegible] ورما جی [illegible] پوچھیں تو میری یہی [illegible] کہ یہ شعر سنا دیجئے حالانکہ دونوں مصرعوں کو حسن یا عشق سے کوئی واسطہ نہیں۔

کیا حسن نے سمجھا ہے کیا عشق نے جانا ہے
ہم خاک نشینوں کی ٹھوکر میں زمانہ ہے

اگر آپ اب بھی میرا دل اتنا سمجھتے ہیں کہ وشال بھارت مفت بھیج دیا کریں تو امیر منزل علی گڑھ کا پتہ بدل کر لاہور کا پتہ کر دیجئے۔ بہت دنوں تک یہیں رہنے کا ارادہ ہے۔

امید ہے آپ سب لوگ خیریت سے ہوں گے۔ جو یاد کرتے ہوں انکو دعا، جو بھول گئے ہوں انکا بھی شکریہ۔

آپ کا

اختر حسین رائے پوری

اس کے بعد ایک عرصے تک کسی دوست کے خط سے بھی اختر حسین کے بارے میں کچھ معلوم نہ ہو سکا۔ پھر اتنا معلوم ہوا کہ وہ مستقل طور سے انجمن ترقی اردو کے بلاوے پر حیدر آباد چلے گئے ہیں۔ ادھر میری لمبی مسافرت قائم رہی۔ مئی ۱۹۳۶ء میں جب میں کلکتے میں تھا اور جنوبی ہندوستان کی جاترا میرے پیش نظر تھی، میں چاہتا تھا کہ حیدر آباد جا کر اختر حسین سے بھی ملاقات کروں گا۔ لیکن جب مجھے پتہ چلا کہ اختر حسین تو نظام سرکار کا وظیفہ لے کر پیرس چلے گئے ہیں۔ اب وہاں سے ڈی لٹ لے کر ہی واپس آئیں گے تو جہاں مجھے ایک گونہ خوشی ہوئی وہاں یہ سوچ کر افسوس بھی ہوا کہ اب نہ جانے کب اپنے اس دوست سے ملاقات ہو گی جس نے مجھے [illegible] کلاس سٹرگل کے نظریئے سے لوک گیتوں کے پس منظر کو سمجھنے

[illegible] کے ترقی پسند [illegible] پر جانے کی طرف [illegible] تھا۔
[illegible] جب [illegible] ایک کتاب [illegible]
[illegible] اختر حسین [illegible] مجھے [illegible] خوشی ہوئی [illegible] دوست [illegible]
[illegible] اختر حسین [illegible]

[illegible] اختر حسین کے افسانوں [illegible]
[illegible]
بہت خوش نظر آتے تھے [illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]

[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

تھے [illegible] اور کیوں اُس کی شادی ہوئی!

خیر وہ پہلی ملاقات [illegible] بار ہم لوگ [illegible] مختلف ملاقاتوں کا ذکر بار بار [illegible]
[illegible] درخواست کرتا۔ بیگم اختر حسین [illegible] ہم لوگ کیسی بکی جھکی سی باتیں کرنے لگتے ہیں۔ [illegible]
ہی دوست [illegible] ایک [illegible] ڈرائینگ روم میں بیٹھا ہوا ایک [illegible] اپنے میزبان سے [illegible]
شاید بیگم اختر حسین کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی اختر صاحب نے بیگم اختر کو مرعوب کرنے کیلئے بتایا کہ یہ شخص آج ان کے [illegible] مہمان کے [illegible] موجود ہے اُس نے
اپنے پیروں سے ہندوستان کی دھرتی ناپ رکھی ہے اور بھی بہت سے تعریفی جملے [illegible] ایک [illegible] کہہ گئے [illegible] اپنی تعریف سن کر مجھے [illegible] خوشی
نہ ہوئی۔ اگرچہ میں بہت اچھے حال تو نہ تھا۔ لیکن اپنے [illegible] حال دوست کے سجے سجائے ڈرائینگ روم میں مجھے اپنا لباس واقعی بہت بدنما [illegible]
میلا نظر آنے لگا کبھی میں اپنے دوست کی طرف دیکھتا اور کبھی اپنی طرف۔ کلاس [illegible] شدت سے میرے سامنے [illegible]
تھی۔ بار بار میرے ذہن میں یہ سوال اٹھ رہا تھا کہ کیا اختر صاحب اور میں ایک ہی کلاس سے تعلق رکھتے ہیں۔ اپنے دوست سے یہ سوال پوچھنے کی جرأت
نہ ہوئی کیونکہ وہ تو بہت دیر سے گورکی کی آپ بیتی کی تعریف کئے جا رہا تھا۔ جس کا ترجمہ اس نے بڑی خوبی سے اردو ادب کی نذر کیا تھا۔ میرے
دوست کی بات میں ایک طرح کا رئیسانہ تپاک موجود تھا۔ لیکن جب بھی میری نظر اپنے لباس کی طرف جاتی جب بھی مجھے اپنی بے آسودگی کا خیال آتا مجھے
یہ محسوس ہونے لگتا کہ اختر صاحب تو وضعداری میں آج بہت کمال [illegible] وضعداری میں اگر کسی چیز کی کھٹک رہی تھی تو وہ تھی اپنائیت کی

کی معلوم ہوتا تھا کہ ان سب لوگوں کا گھر ہے۔ وہاں آکر ایسے ہی کسی گھر میں اپنی دنیا آباد کرنے کا آرزو مندانہ خواب دیکھ سکے۔

یہ حضرت لوگ ان سے کرسمس منانے جاتے ہیں۔ شام کی چائے پر اختر صاحب نے بیگم اختر کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: بار بار میں سے کہا ہے کہ ہم سب نے ان سے کسی کی ذکر نہیں سنی۔ یہ ایک تصور ہے۔ دلچسپی یہ حیرت کا واضح مقصد ہے ان کے سامنے۔ یہ واضح مقصد سامنے ہوتا تو یہ شخص تھا کہ یہ سب سے الگ کیتھی کی تلاش میں ہر جگہ بھاگتا پھرتا۔ کسی کی طرح یہ ان کی زندگی بھی سڑکوں پر گزری ہے۔ ان کے مشاہدے اور تجربے کی بھی ہم داد دے سکتے ہیں۔ شاعر نہیں، دوست کر رہا ہوں کہ ان کے مضامین میں نظر آتے ہیں ان سے ہم سب متاثر ہیں۔ ڈھاکہ میں وہ ہے۔ ہاں تو —

"اب آپ نے بھی دیکھ لیا کہ سب یہی کہتے ہیں" میں نے ہنس کر کہا۔ "ایک دوست کی۔ بات سے کی بھی لیکن اتنی تعریف ہو کیسے برداشت کی جا سکتی ہے؟"

اس شام میں نے اپنا ایک غیر مطبوعہ افسانہ جو مجھے بہت عزیز تھا انہیں پڑھ کر سنایا۔ میں نے انہیں بتایا کہ ڈھاکہ میں ایک دن ایک نال میں سے ایک چھوٹا سا تذکرہ سن کر میں نے یہ افسانہ لکھنے کا خیال پیدا ہوا تھا۔ یہ ایک اوسط افسانہ تھا "ڈنگ پوش" جو میری اپنی زندگی سے متعلق تھا۔ اور جو فی الحقیقت مجھے بہت پسند تھا۔ حسین صاحب کی بیگم اسے معمولی سمجھ رہے تھے میں نے دونوں انہیں نے بہت ساتھ پڑھ کر سنا ڈالے تھے میری حیرت کی حد نہ رہی جب انہوں نے مجھے بتایا کہ وہ میری بھی رہی۔ دونوں سے افسانے سنے کے بعد بڑھیا نسانہ ہے لیکن اس سے بھی زیادہ حیرت مجھے اس وقت ہوئی جب انہوں نے مجھے اپنے دنیا میں کھینچنے کی کوشش ہی ہے۔ سید صاحب کی ڈنگ پوش والی ڈگر پر ہی چل رہے ہیں۔ میں نے ہنس کر کہا شاید آپ کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ شاید میں نے مجھ سے پہلے آ گیا تھا۔

"یہ خیر خواہی تو کیسے کہ جا سکتی ہے۔ وہ مجھے محسوس ہوئے" لیکن میں تو محض اتنی ہی عرض کرنا چاہتا تھا کہ کہیں آپ ڈنگ پوش کے کام کو ہلکا نہ سمجھ لیں:

میں نے ہنس کر کہا: "یہ آپ عجیب فرما رہے ہیں۔ مجھے اپنے نفس سے کام کرتا پڑ رہا تھا۔ تجربات آپ نے کرنے سے ہی ہوتی ہے اور ایک ادب دوست نے جس دھوم دھڑکے سے یہ کی تعریف ہی اس دنیا سے کوچ کر جاؤں گا اور خدا کرے مجھے آواز پر تو فیصلہ کر لیں تو افسانوں والا کیا جانے، ستارہ تھی ڈنگ پوش والی کو شاید آرام دی جائے گی۔"

خیر اس وقت تو افسانوں کی بات آئی گئی ہو گئی اور میں لاہور لوٹ آیا۔ یہ کچھ عجیب بات ہوئی کہ افسانے کی طرف میرا رجحان زیادہ سے زیادہ ہو گیا۔ یہاں تک کہ مجھے یہ پسند نہ ہوتی تھی کہ چند افسانے کہیں شائع ہو جائے اور پھر دوسرا افسانہ لکھا جائے اور یہ بیزاری جیتی رہی دوسرے نیم طبع افسانوں کے نیچے دبا رہا۔

ایک دن دلی سے اختر صاحب کا خط آیا کہ وہ جہاں نما کے نام سے ایک ماہنامہ شائع کر رہے ہیں۔ انہیں "فسانہ" اور بیزاری بھی نہیں بھیج دوں۔ چنانچہ وہ افسانہ میں نے انہیں بھیج دیا لیکن بدقسمتی سے نہ وہ یہ ماہنامہ شروع کر سکے اور نہ یہ افسانہ ہی واپس کر سکے۔ میں نے کئی بار لکھا بھی انہوں نے کوئی جواب نہ دیا۔ میں نے سمجھ لیا کہ ہمارے ڈاکٹر اختر حسین صاحب بھی اور بہت سے دوستوں کی طرح بڑے آدمی بن گئے ہیں وہ کلاس نرگل والی تحریری بھول گئے ہیں۔ خیریت ہوئی کہ میرے پاس میرے اس افسانہ کی ایک نقل موجود تھی۔ ایک مدت کے بعد وہ افسانہ کہیں جا کر ادب لطیف میں شائع ہوا۔ میرا دوسرا کوئی افسانہ بھی لکھے جانے کے اتنی دیر بعد شائع نہیں ہوا تھا۔ جب یہ افسانہ شائع ہوا تو میں نے ادب لطیف کے اس شمارے کا ایک کاپی خط کے ساتھ اختر حسین صاحب کو بھی بھجوائی۔ انہوں نے اب کے بھی کچھ جواب نہ دیا۔ میں نے سوچا میں نے ایک دوست کھو دیا لیکن میں نے بھی ناراض نہ ہونے کا قصد کر لیا تھا۔

چار پانچ سال کے بعد ۱۹۴۴ء میں جب میں لاہور سے دلی چلا آیا تو میں نے دیکھا کہ اختر صاحب ہند سرکار کی ایجوکیشن منسٹری میں اسسٹنٹ سکریٹری

کے عرصے بعد [illegible] تو [illegible]
[illegible] جاتا ہے۔

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]:

[illegible] آپ [illegible]!

لیکن [illegible] سے تعلق [illegible] آپ [illegible]
زبان میں [illegible] آپ [illegible]
"آپ تو [illegible] جا رہے ہیں!"

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] خیالات [illegible]
[illegible]۔

"[illegible] کوئی چیز آپ بھی تو کہیں:"
"[illegible]
[illegible] کوشش کرتا ہوں"
"[illegible] شخصیت [illegible]"

"[illegible] آپ [illegible]
[illegible] شخصیت [illegible]
کے ساتھ [illegible] ہے"

[illegible] مجھے ان دنوں [illegible] سرکاری دفتر [illegible]
[illegible]
کا مقابلہ کرنے [illegible] مجبور ہو کر اس دفتر میں [illegible] کی ہے۔

جب ملک کی تقسیم کا معاملہ [illegible] تو [illegible] ہندوستان ہی میں رہنے کو ترجیح دیں گے لیکن میری حیرت کی کوئی حد نہ رہی جب مجھے معلوم ہوا کہ انہوں نے پاکستان میں جا کر رہنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ خیر اس میں تو ہم بھلا کیا کہہ سکتے تھے۔ یہ ان کا اپنا انتخاب تھا، ان کا اپنا فیصلہ تھا۔

مسلسل تحریر کیلئے اب کوئی خاص موضوع نہیں شاید پاکستان چلے گئے۔ میں نے جو یہ کالم شروع کیا تھا اس سلسلے میں کوئی اطلاع حاصل نہیں ہوئی۔
اختر حسین کے پاکستان چلے جانے کے بعد ان کی تحریریں ضرور آتی رہیں اور وہاں جا کر لکھنے کی رفتار تیز کر دی۔ لیکن اس کے تعلق سے اصل بات قدرے مختلف تھی۔
پاکستان میں شائع ہونے والے رسائل میں اختر حسین کا کچھ نہ کچھ نظر آنے لگا۔ اس کے بعد یہ سلسلہ بھی ختم ہو گیا۔ اور ادھر نقوش کے ... میں اپنے دوست کا پورا اداریہ اور ان کی تازہ ترین تحریر کا کوئی نمونہ ڈھونڈ نکالنے کا جتن کیا۔ لیکن جب کہیں اختر حسین کا ذکر تک نہ ملا تو شدید مایوسی ہوئی کہ اب اختر حسین نے لکھنے کی طرف سے بالکل مایوس ہو کر اس دنیا سے اپنا رشتہ توڑ لیا ہے کہ وہ پھر سے قلم اٹھانے کی کوشش کریں گے۔ کئی بار دل میں یہ سوال پیدا ہوا کہ انھوں نے لکھنا کیوں چھوڑ دیا۔ لیکن بہت سوچنے پر بھی اس کا جواب نہ مل سکا۔

کئی سال کا عرصہ بیت گیا۔ تب مزید پتہ چلتا رہا کہ اختر صاحب پاکستان کی کسی منسٹری میں کام کر رہے ہیں۔ لیکن نہ کبھی میں انہیں خط لکھ سکا۔ نہ کبھی ان کا خط آیا۔ میں یہی توقع کر سکتا تھا کہ ادھر کئی برسوں سے ہندوستان کی پبلیکیشنز ڈویژن میں ہندی آج کل کی ادارت کے فرائض سرانجام دے رہا ہوں اور میں قریب عشرہ تو اسے کام کرتے جا رہا ہوں۔

۲۲ ستمبر ۱۹۵۹ کی بات ہے۔ میں اپنے دفتر کے کمرے میں بیٹھا کام کر رہا تھا۔ اچانک میری نگاہیں اٹھیں تو دیکھا کہ زینے سے ایک شخص میرے کمرے میں داخل ہوا۔ وہ شخص میری طرف بڑھ رہا تھا۔ جانی پہچانی صورت۔ میں کرسی سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس شخص کی طرف بڑھا۔ ہم بغلگیر ہو گئے۔ یہ اختر حسین رائے پوری تھے۔

- کب تشریف لائے اختر صاحب! میں نے بے ساختہ پوچھا۔
- دو ہفتے ہو گئے ہیں۔ دو منٹ نہیں رک سکتا۔ شام کو انڈیا کافی ہاؤس میں آئیے گا:
- ابھی بھی کیا جلدی ہے! میں نے کہا
- بس ذرا خورشید صاحب سے ملنے آیا تھا! انھوں نے کھڑے کھڑے جواب دیا۔ سوچا آپ کو اپنے آنے کی اطلاع کرتا چلوں۔ شام کو کافی ہاؤس میں ندا بھی آئے گا۔ آپ بھی آئیے گا۔

وہ جس طرح آئے تھے اسی طرح جلدی جلدی چلے گئے۔ مجھے اب تک یقین نہیں آ رہا تھا کہ یہی اختر حسین تھے۔

شام کو نئی دہلی کے انڈیا کافی ہاؤس کی بالکنی میں پہنچا تو اختر حسین اور شمشیر سنگھ نرولا پہلے سے میرا انتظار کر رہے تھے۔ نئی پرانی بہت سی باتیں ہوئیں۔ اختر صاحب کے چہرے پر بار بار وہی رنگ جھلک اٹھتا تھا جو ہم ان کے چہرے پر آج سے برسوں پہلے دیکھا کرتے تھے۔ معلوم ہوتا تھا کہ انھوں نے اپنے عہد شباب کا رنگ ابھی تک سنبھال رکھا ہے۔ آواز میں وہی کھنک۔ آنکھوں میں وہی تبسم۔ چہرے پر وہی دلہن کی سی لاج کا احساس۔ لیکن ان کی باتوں میں بڑی گہرائی آگئی تھی۔

اتفاق سے بالکنی کے ایک کونے میں مجھے اپنا ایک دوست نظر آگیا۔ میں نے اسے پاس بلا کر اختر صاحب سے اس کا تعارف کراتے ہوئے کہا: "یہ بھی آپ کے مداحوں میں سے ہیں:
- بہت خوب! اختر صاحب نے قہقہہ لگایا۔
میرے دوست نے اپنی بغل سے ایک کتاب نکال کر اختر صاحب کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا: "اس پر اپنا آٹوگراف ہی دے دیجئے۔
یہ "پیام شباب" کی جلد تھی جسے اتفاق سے میرا دوست اسی روز بازار سے خرید کر لایا تھا۔ اختر حسین نے پیام شباب پر چند الفاظ لکھ دیے۔ کافی آئی تو اختر صاحب دیر تک گرم کافی کی تعریف کرتے رہے۔ جیسے ان میں بھی قاضی نذر الاسلام کی کسی بنگالی نظم کا ذائقہ گھلا ہوا ہو۔ "پیام شباب" میں نذر الاسلام کی شاعری آپ کو کیسی لگی؟ انھوں نے میرے دوست سے جھٹ سے پوچھ لیا۔ اس کے جواب میں میرا دوست صرف مسکرا کر رہ گیا۔

[illegible]

[illegible]

آخر مجھے [illegible] آپ [illegible]

بہت خوب [illegible]

[illegible]

[illegible]

لیکن [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] آپ [illegible]

[illegible]

اختر صاحب واپس چلے گئے [illegible]

دیکھنے کو نہ ملا۔

چاند ایک روز نقوش کا فسانہ نمبر [illegible] ١٩٥٥ [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] ایک جگہ میری نظر ہو گئی:

[illegible] اختر حسین رائے پوری [illegible]

وقار عظیم: وہ [illegible] سے تعلق رکھتے ہیں۔

عبادت بریلوی: [illegible] ان کے [illegible] مغربی افسانوں سے [illegible] ——

زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ انہوں نے اپنے افسانوں میں [illegible] لیکن یہ کوئی [illegible] بات نہیں۔ [illegible]

[illegible] انہوں نے [illegible] نہیں کی

[illegible] ملاقات ہوئی تو پتہ چلا کہ اختر حسین رائے پوری [illegible] صحیح تھی۔ [illegible] لیکن وہ

[illegible] پاکستان واپس چلے گئے۔ حالانکہ [illegible] دوستوں سے ملنے [illegible] لیکن ان کے پاس

وقت کم تھا۔ اور انہیں ڈھونڈنا ناممکن تھا۔

اگر ان سے ملاقات ہو جاتی تو میں ان سے یہی عرض کرتا کہ اختر بھائی نقوش میں آپ کے بارے میں جو کچھ لکھا گیا ہے [illegible]

نہیں ہوں۔ میں ان سے کہتا کہ آپ نے ہمارے ادب کی بہت خدمت کی ہے لیکن پھر سے اپنا قلم [illegible]

[illegible]

[illegible]

اختر اور بیوی

شکیلہ اختر

[illegible]

[illegible] ایک [illegible] بات [illegible]
[illegible] شاعت ہی [illegible] ۔ [illegible]
[illegible] ایک [illegible] بے [illegible]
[illegible] نہیں [illegible]
[illegible]
[illegible] سے بہت پہلے [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] کے [illegible] ہوئے [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] کے بعد [illegible]
[illegible] رہے تھے [illegible] جب سارے [illegible]
[illegible] کے فرش پر [illegible] چپ چاپ بیٹھ
[illegible]
[illegible] کے خلاف [illegible]

ان دنوں [illegible] سب سے [illegible] احساس [illegible]
[illegible] احساس [illegible]
[illegible] شکیل [illegible]
[illegible] کے پیچھے [illegible]
[illegible] حیرت سے تکتی رہ گئی [illegible]
[illegible] کے چہرے [illegible] آنکھوں میں [illegible]
[illegible] ایک شعر [illegible] کے معنی بتاؤ ۔ [illegible]

شیشۂ [illegible] کے لئے سے یہی معراج کمال
تیری غیبت میں بھی [illegible] تجھے [illegible] کرنا

اور اچانک ایک بڑی ہی لطیف حقیقت بجلی کی طرح میرے دل و دماغ پر لہرائی اور اچانک میری نگاہیں آپ ہی آپ جھک گئیں ۔ شکیل بھیا دنیا بھر کی [illegible]
کرتے رہے اور میں رات بھر یہی سوچتی رہ گئی تھی کہ میری تین سال کی خاموش نگاہوں میں اتنی تاثیر کہاں سے بھر گئی تھی ۔ پھر مجھے معلوم ہوا کہ ڈیڑھ دو دن میں ان کی

طبیعت نہیں لگ سکی تھی اور [illegible] پر شاک لگنے کی وجہ سے وہ جلد ہی چند دنوں ماں [illegible] کا تحریری ثبوت ہو چکا تھا۔
اچھا اسٹوڈنٹ کی حیثیت [illegible] کی تعلیم کو کسی طرح سے بھی مکمل کر لینا چاہ رہے تھے مگر اس وقت [illegible] کے ہاتھ سے نکل [illegible]
مرغے نے سب سے بڑے پروفیسر اور ڈاکٹر ٹی۔ ایم۔ نہرو نے مکمل طرح آرام کرنے کے لئے اکٹوبر کے آس پاس بھیجنے کی تاکید کی تھی [illegible]
ایک بیوی کی حیثیت سے تبدیلی آب و ہوا کی خاطر ہمارے یہاں دریائے ستلج کے کنارے کچھ مہینے گزارنے کو آ گئے تھے ان کے ہاتھ [illegible]
پانی پینے کا گلاس تک الگ تھا اور ان کے گھر والوں نے بڑی تاکید سے اس بات پر زور دیا تھا کہ ان کا آؤٹ ہاؤس کے ایک کمرے میں الگ تھلگ رکھا جائے
مہمان کے کھانے پینے کی چیزیں دوسروں سے بالکل علیحدہ رکھی جائیں۔ ٹی۔ بی کا کیڑا ابھی تک پکڑا تو نہیں تھا مگر پھر بھی احتیاط رکھنا ضروری ہے یہی خود [illegible]
ہونے لگیں۔ ان کے اپنے گھر کا اتنا عزیز لڑکا جو مدتوں کے انتظار کے بعد پیار پر دنیا میں آیا تھا۔ آج جو ان کی خوش قسمتی سے ان کے گھر کا مہمان ہوا تھا
تو وہ پام ولا کی اتنی بڑی شاندار کوٹھی کو چھوڑ کر اس کے آؤٹ ہاؤس میں جگہ دیں گی؟ اباجان کا چہرہ بھی بڑا افسردہ تھا انہوں نے بچپن میں کتنے پیار سے ان کو اپنی
گود میں کھلایا تھا۔ اور آج جب موت کا سایہ ان کے [illegible] پر منڈلا رہا تھا تو اماں کس طرح سے ان ہمارے کو دل توڑنا چاہتے تھے [illegible]
نہیں ملے گا۔ اب جو بھی ہو ہم تو ایک ہی ساتھ رہ کر گزاریں گے۔ اور اماں اباجان کے اس فیصلے پر بے حد خوش تھیں۔ یہ سن کی شروعات جنوری کی [illegible]
آموں کے باغ، شیشم، نیم اور ارجن کے جھنڈ اپنی ٹھنڈی ٹھنڈی ہواؤں میں ان کے سنے زندگی کو پیغام دیتے رہے۔ ہر لمحے کے رنگ بھرتے رہے [illegible]
جب نے۔ پیڑوں کے مینڈھے اونچے سنہرے ٹیلوں میں اب ان کے قدموں کی گنگناہٹ کا پھندا لگی تھی اور ستلج کے ساحل پر گھنٹوں اکیلے بیٹھے رہتے [illegible]
تصویروں میں رنگ بھرتے رہتے، بڑی اچھی اچھی نظمیں لکھتے رہا کرتے تھے۔ اور چاندنی راتوں میں پام ولا کے سامنے نہر کے کنارے چپ چاپ
بیٹھے ہوئے شیشم کے پتوں میں سے چھن چھن کر جھلکتی ہوئی بے قرار چاندنی کو دیکھتے ہوئے اپنی تازہ کہی ہوئی نظموں کو گنگنایا کرتے تھے اُن دنوں کی ہوئی
ہوئی نظم کا ایک ٹکڑا وہ یہی تھا۔

دل کی کلی کھلی ہی جو باد خزاں نے آ لیا
نغمے مچل رہے تھے کہ ساز مرا بکھر گیا
خندہ ابھی تھا زیر لب آنسو بہا بچھا گیا
اپنی خوشی کا آفتاب وقت سحر غروب تھا

امرتسر کی شاداب فضائیں، ہرے بھرے باغوں اور لہلہاتے ہوئے دھان کے کھیتوں میں جہاں وہ حیات نو پا رہے تھے، تو اسی جگہ میں وہ ایک ادیب
شاعر اور نقاد بھی بن رہے تھے۔ ان دنوں نیاز فتحپوری کا بڑا گہرا اثر ان پر چھایا ہوا تھا۔ بڑے بڑے الفاظ اور رنگین استعاروں کے ساتھ انہوں نے پہلی بار
اردو میں ہی افسانے لکھنے شروع کئے تھے۔ جن میں سے کچھ تو بہارستان پٹنہ میں چھپتے رہے تھے، اور انہی دنوں ان کا ایک افسانہ "نیا شوالہ" نگار میں
پہلی بار چھپ کر بہت مقبول بھی ہوا تھا۔ ان دنوں ان کی عمر بیس سال کی تھی۔ اور وہ اپنی بیماری کو اس حد تک بھول چکے تھے کہ گھنٹوں نہروں میں تیرتے
رہتے اور اونچے ریت کے ٹیلوں پر لمبے لمبے قدموں کے ساتھ گھومتے رہتے اور نہر میں دیر دیر تک کشتی رانی کرتے رہتے تھے۔ اور جب اتنے کاموں
کے بعد بھی وقت بچ جاتا تو "پام ولا" کے ہرے بھرے لان پر اوندھے منہ لیٹ کر وہ فطری مناظر کی تصویریں بناتے رہتے اور اس کے بعد پھر کوئی ناول
بھی پڑھا کرتے تھے۔ صحیح معنوں میں انکو اتنا بڑا ادیب اور شاعر امرتسر ہی نے بنایا ہے، وہ اپنے دل و دماغ میں ادب کا بیج لے کر تو ضرور آئے تھے
مگر ستلج کے ساحل پر ہی ان بیجوں میں سے کونپلیں پھوٹی تھیں اور ہرے بھرے پتے لگنے لگے تھے۔ چھ فٹ کا اونچا قد، دبلا جسم، لمبی گردن اور سیاہ ہیٹ
برش کئے ہوئے سیدھے بال، وہ سارے لوگوں میں نمایاں طور پر نظر آ جاتے اور لمبے لمبے قدموں والی چال سے وہ دوری سے پہچان لئے جاتے
تھے، نوجوانی کی چمک، روشنی اور زندہ دلی کے بعد بھی جب تک ان کے چہرے پر مسکراہٹ ہوتی دل کھول کر باتیں کرنے کو ہی چاہتا اور جہاں

[illegible] " کی اور " کہاں سے نیا [illegible] بہت کچھ [illegible] میں نے ہمیشہ [illegible] ایک ترتیب [illegible]
[illegible] لکھنے [illegible] ادیب اور [illegible] انتہائی [illegible]
[illegible] خیالات [illegible] ۔ دونوں کے [illegible] پڑھتے ہوتے تھے [illegible]
[illegible] تراب [illegible] ۔۔۔۔۔۔ دوسرے سال [illegible] کا انتقال ہو گیا تھا۔ ہم
سارے لوگ ایک ہی ساتھ [illegible] آگئے تھے [illegible] زمانہ [illegible] ان کی [illegible]
زمینداری اور کاشتکاری تھی [illegible] ساتھ تھی [illegible] صاحب [illegible]
زمینداری کا [illegible] ان کو [illegible] کھیت [illegible] ۔ [illegible]
وہ سال [illegible] آرام سے بیٹھے ہوئے [illegible] کھیت اور کھیتیاں [illegible] تھی [illegible]
[illegible] انہوں نے دور [illegible] تھا اور [illegible] جب [illegible] کے [illegible]
[illegible] گزرتے ہوئے [illegible] تب ٹھیک اسی وقت [illegible]
[illegible] سے [illegible] سنہری [illegible] ادھر ادھر بکھرتی [illegible] حیران [illegible] سے دیکھتی [illegible] 3
کہ وہ [illegible] شعر و ادب کی تفسیر بیان کرنے والا انسان کہاں چلا گیا۔

اب ان کی صحت ہر طرح سے اطمینان بخش تھی۔ چند مہینوں کی کاشتکاری کے بعد جولائی سے کام کھلنے والا تھا [illegible] کالج [illegible]
انھوں نے بڑی کوشش کی مگر [illegible] صاحب نے بڑی سختی سے روک دیا [illegible] نے بعد انھوں نے [illegible]
[illegible] صاحب [illegible] چکے تھے [illegible] جیسے ہی [illegible] زندگی [illegible]
[illegible] دونوں میں [illegible] انہوں نے [illegible] کی تیز اور [illegible] ادب کو گویا اپنی زندگی کا مقصد بنا لیا تھا۔ کبھی کبھی وہ بڑی حسرت
سے کہا کرتے کہ میں نے صرف [illegible] کی خدمت کے لئے ڈاکٹری پڑھنا چاہا تھا۔ مگر اب مجھے [illegible] ہوتا ہے [illegible] ادب [illegible] کے لئے پیدا
کیا گیا تھا۔ [illegible] کیٹس [illegible] کی نظمیں [illegible] کبھی [illegible] غالب [illegible] اقبال سے ان کا موازنہ کرتے ہوئے
مجھ کو ان کی خصوصیت [illegible] اس وقت ان کے الفاظ اور خیالات کی روانی کو دیکھتے ہوئے مجھے ہمیشہ یہ محسوس ہوتا [illegible] سمندر کسی بہت بڑے
ساحل سے ٹکرانے کو [illegible] ہے۔ [illegible] ۔۔۔ [illegible] سمندر کے [illegible] ایک ایسی [illegible] جس کے [illegible]
کسی سمندر کی [illegible] ایک دائرہ سا بنا کر تھوڑی دیر کے لئے اس میں ایک حسن پیدا کر دیتی ہیں۔ [illegible] کیٹس سے محبت تھی۔ [illegible] شاعری [illegible]
اپنے درد اور غم کی جھلک نظر آتی تھی اور اختر صاحب کو اس بات کا پورا یقین تھا کہ کیٹس ہی کی طرح ٹھیک ۲۰ سال کی عمر میں وہ بھی اس دنیا [illegible]
گے۔ کیٹس کا نام اور اس کی [illegible] شاعری ہی ان کے دل میں اپنے مرض کا غم بھر دیا کرتی تھی۔ ویسے اپنی بیماری کا احساس [illegible]
کر [illegible] تھا۔ [illegible] دنوں میں میں نے بھی اپنے بچپن سے لکھنے لکھانے کے شوق کو پورا کرنے کی کوشش شروع کر دی تھی اور اختر صاحب جس تیزی سے
[illegible] صحت یاب ہو رہے تھے اسی رفتار سے میں بھی چھوٹے چھوٹے انشائیہ لکھنے کی مشق [illegible] تھی۔ [illegible] ادب [illegible]
ایک ادیب [illegible] کچھ روشنی [illegible] ہے۔ میری اماں اور ابا جان کو اختر صاحب سے بے حد محبت تھی گھر کے اندر چھوٹے
چھوٹے بچے بڑے [illegible] تھے مگر ایک دن بھی اس گھر میں یہ محسوس نہیں کیا گیا تھا کہ کوئی [illegible] آیا ہے۔ ڈاکٹروں کا بھی خیال بہت کچھ بدل
گیا تھا اسی لئے [illegible] میں ۲۴ مئی کی [illegible] تاریخ کو وہ میری زندگی میں آگئے تھے۔ [illegible] گرمی کی چھٹیوں میں بند تھا اور [illegible] کے اونچے اونچے
ٹیلوں کی وجہ سے "پام ولا" کی [illegible] عمارت ایک [illegible] بن کر رہ گئی تھی، [illegible] گرمی سے تڑپتے ہوئے گزرتا مگر [illegible] کے [illegible]

بات کا تکمیل تک ہی لمحہ لمحہ [illegible] رہتا تھا۔

اختر صاحب نے انگلش [illegible] کے پڑھنے کی شان بڑی نرالی تھی انہوں نے جب یہ کتابیں دیکھیں یہ ایسی ہی صاف ستھرے جلد تھیں، آدھا گھنٹہ بھی ہم کو کھول کر پڑھتے تھے۔ ان کو اپنے کالج میں انگلش کا انگریز پروفیسر بل بہت پسند تھا۔ اکثر وہ ان کے لیکچروں کا نوٹ ہم کو سنایا کرتے تھے اس کی [illegible] سادگی کے سبب سے مداح تھے۔

اکثر ہم کو چھٹیوں سے پہلے ہی بیرے گھر پے یہاں کا سارا خاندان "پام ولا" میں آگیا تھا۔ منجھلے ابا ریٹائر ہو کر "پام ولا" کے قریب ہی اپنی کوٹھی بنوا لئے گئے تھے اچانک طبیعت بہلانے والے۔ ان سب کے ساتھ بڑے رنگین اور بہت ہی خوب تھے ایک تو ہم بہنوں کی ہی خاصی تعداد تھی اوپر سے ایک ہی ساتھ کئی ماموں کی پانچ لڑکیاں آگئی تھیں۔ دو بڑی بہنیں تھیں جب ہماری ہمعمر اور دو میری بہن ضیاء کی ہمعمر ان سے کچھ چھوٹی۔ بس پھر تو پام ولا میں جیسے پر لگ گئے تھے ہنسی خوشی کے شرارتوں کی دھوم تھی اور اختر صاحب کی کوئی نظموں میں اردو کی تپش تھی۔ راہیں منظر اور حسن کو سراہا گیا تھا ان کے ہر پیرے پر عقیدت کے پھول چڑھائے جاتے تھے اور ریشمی ہلکی ہنسی ہر مصرعے پر اٹھنے والی گدگدیوں کی طرح ہم اختر صاحب کے ان مصرعوں پر لپک لپک اٹھتے تھے۔

سبزۂ شاداب پہ شوخ بہاروں کا ہجوم - صحن گلزار میں رقصاں ہے عنادل کا ہجوم

شاعر سرشار کے رنگین خیالوں کا ہجوم

اور اختر صاحب اکثر ان چھٹیوں میں دو دن ہوائے تو ایک دم سے زیادہ اندر ہو گئے۔ وہ ان خوب سے یادگار دن پر گذرے ہیں ہم سب کو سب اختر صاحب کے گرد ایک گھیرا بنا کے بیٹھ جاتیں کسی کے ہاتھ میں ونگ رہا ہوتا اور کسی کے ہاتھ میں دیوان غالب ہر طرف بس دیوان ہی دیوان نظر آتے تھے مومن کی تیز تڑپ، میر کی چبھن، غالب کا انداز بیان سمجھا جاتا اور اقبال کے تخیلوں میں ماضی پر تبصرے ہوتے رہتے۔ اختر صاحب نے ایک خاص شاعرانہ ماحول پیدا کر کے ہمارے اندر امنگوں سے بھر دیا تھا۔ شاعری اور احساس شعریت سے ہم اتنے ہم آہنگ ہو گئے تھے کہ اچانک طور پر ہم سارے بہن بھائیوں نے ایک ہی ساتھ شعر کہنا شروع کر دیا۔ اختر صاحب حیران رہ گئے۔ یہ صحن کے میٹھے پانی ہی کے کرامات تھے جو ایک ساتھ ایسی لڑکیاں جذباتی شعر کہنے لگ گئی تھیں جو تعلیمی لحاظ سے بے حد کم تھیں۔ "پام ولا" پورے طور پر شعر و ادب کا گہوارہ بن کر رہ گیا تھا۔ آدھی آدھی رات تک بیت بازی ہوتی رہتی۔ مصرع طرح دیا جاتا شعر لکھے جاتے اور پھر مجلس مشاعرہ منعقد ہوتی۔ صدارت کی کرسی اختر صاحب کے لئے مخصوص تھی اور باری باری عائشہ شمیم، شکیلہ اختر، عزیزہ نگار، رضیہ، نفیسہ، ماہ زادہ، نسیمہ سب اپنا اپنا کلام سنا کر داد و تحسین وصول کرتیں۔ اندر سبھا کی محفل بنی رہتی اور اختر صاحب راجہ اندر بنے ہوئے جگہ پر استقامت رہتے۔ مگر ان ساری رنگینیوں کے ساتھ ساتھ [illegible] پابندی بھی تھی۔ اسلامی خصوصیات پر وہ بڑے سخت عامل تھے، روشنی ڈالا کرتے اور جمعہ کی نماز پڑھاتے ہوئے بہت ہی شاندار خطبے دیا کرتے [illegible] میڈیکل کالج تک میں ان کی پڑھائی کا ایک اعلیٰ ریکارڈ تھا اور کوئی نہ کوئی وظیفہ ان کو ملتا ہی رہا تھا۔ میڈیکل کالج میں اسکالرشپ کے [illegible] وہ تبلیغی سلسلے میں چندہ دے دیا کرتے تھے۔ پٹنہ یونیورسٹی میں میڈیکل کالج بڑے ہی ٹھاٹ اور فیشن کا کالج سمجھا جاتا رہا ہے مگر اسی کالج کے ہوسٹل میں اختر صاحب کے بستر پر مہینوں اس لئے چادر نہ بچھ سکی تھی کہ انہوں نے اپنے ناشتے کے پیسوں کے ساتھ چادر کی قیمت بھی غریب لڑکوں کی فیس میں دے ڈالی تھی اور ان کی غیرت نے صبح کے ناشتے میں چنا چبا چبا کر کھانا زیادہ پسند کیا تھا مگر گھر والوں کو اس کی خبر تک نہ پہنچنے دی تھی۔ اسی طرح سے جب وہ اردل پہنچے تھے تو ہم لوگ ان کے بستر میں کسی بچے کا تو شک دیکھ کر حیران رہ گئے تھے بعد میں معلوم ہوا گھر میں ایک بزرگ ضعیفہ کے پاس تو شک نہیں تھا اختر صاحب نے خود قینچی سے کر اپنے تو شک کے دو ٹکڑے کر دیئے اور وہ تو شک اب ایسی صورت اختیار کر چکا تھا۔ ایک دن "پام ولا" میں وہ سارا دن اپنے کوٹ کا گلا بند کئے ہوئے چلتے رہے۔ بعد میں پتہ چلا کہ باہر ایک سپاہی کے پاس کرتا نہیں تھا اختر صاحب نے اپنی قمیض اتار کر اس کو دے دی ہے اور اب اپنا کوٹ اس لئے پہنے پھر رہے ہیں کہ اس وقت کوئی دھلی ہوئی قمیض ان کے پاس نہیں تھی۔

اپنی طبیعت، مزاج اور آؤٹ لک کے لحاظ سے وہ بڑے عجیب و غریب انسان ہیں۔ ساری دنیا کا علم سمیٹ لینے کی تڑپ نے ان کو اچھا خاصا

[illegible] ہو گیا ہے ۔ ۔ جب ہی ۔ [illegible] کے پانچ کالج کے ہاسٹل میں پہنچ گئے تو [illegible] بن کر بکھر گئی تھی۔
[illegible] کا گروپ اکٹھا ہو گیا تھا۔ شہلا کی ساری سہیلیاں اس کے کمرے میں [illegible] سے جا
[illegible] ہاسٹل [illegible] کالج کے [illegible]
[illegible] تو پھر کالج کے دوسرے کمرے سے پہلے شکیل بھائی کال اسٹیشن پر لے جانے [illegible] حفاظت کے ساتھ
[illegible] جاتے ۔ پھر ان کے نام پر فاتحہ پڑھ کے ان کے لیے [illegible] دعائیں [illegible] دی جاتی تھی۔ [illegible] کر
ہوسٹل [illegible] اطمینان سے گزر جاتے تھے جیسے ان لڑکیوں [illegible] تاکید ہو گئی تھی ۔ [illegible]
[illegible] امتحان [illegible] اختر صاحب کے سامنے [illegible]
[illegible] صرف ایک [illegible] باقی رہ گیا تھا کہ [illegible] کے منہ سے خون آنا شروع ہو گیا۔ [illegible] پہنچا ہوا تھا
اب وہ آخری [illegible] امتحان [illegible] ہوسٹل کے [illegible] باہر خون تھوکتے ہوئے [illegible] اگر خون آنے کی بات [illegible]
کو پہنچتی تو پھر امتحان دینا تو دور [illegible] ہوسٹل کو ہی چھوڑ دینا پڑتا۔ مگر جیسے قدرت [illegible] انھوں نے شکیل بھیا کو ساتھ لے کر [illegible]
ہوسٹل [illegible] ڈاکٹر عبدالحق صاحب کے یہاں چلے گئے [illegible] ہوسٹل سے [illegible]
میں پہنچانے [illegible] کا شریک رہ چکا تھا۔ ڈاکٹر صاحب نے ان کی ہمت افزائی کی [illegible] ساتھ امتحان دینے
کی تاکید کر دی [illegible] اختر صاحب نے [illegible] انجکشن [illegible]
[illegible] حالت میں وہ امتحان دینے چلے گئے۔ ان کے [illegible] زرد چہرے پر [illegible]
میں [illegible] سیٹ پر بیٹھے ہوئے وہ امتحان کا پرچہ لکھتے رہے [illegible] خاموشی کے ساتھ [illegible] جیب میں [illegible]
چلے گئے وہاں سے باہر [illegible] شکیل بھیا [illegible] بیٹھے تھے اور [illegible] کے بعد [illegible] اختر صاحب [illegible]
جاتی تھی۔ خدا کا شکر ہے کہ امتحان کے کمرے میں [illegible] کسی نے نہیں دیکھی تھی اور جیسے [illegible] ہو گیا۔ خون آنے کا
وحشت ناک [illegible] امتحان کے بعد [illegible] ۲۲ میل [illegible] پہنچ گئے۔ [illegible] جیسے ایک [illegible] گیا۔ گھر والوں
کے سارے لوگوں کی ہمدردیاں [illegible] زیادہ [illegible] کے سامنے [illegible] ایک [illegible] رہ گئی [illegible] عیادت اور [illegible]
کے الفاظ میرے [illegible] گئے تھے۔ [illegible] جب کسی طرح سے خون آنا بند نہ ہوا تو [illegible]
لیا گیا میں بھی ساتھ تھی [illegible] کے ڈاکٹروں نے ڈھیروں ڈھیر دواؤں کی فہرست بھی [illegible] افسردہ چہروں کے ساتھ تسکین دیتے رہے۔ مگر اختر صاحب [illegible]
[illegible] وہ پٹنہ سے گھبرا کر پھر آرہ پہنچ گئے تھے اب [illegible] شکیل بھیا نے بڑی رفاقت کی تھی [illegible] والدین کو [illegible] ایک ڈاکٹر کے [illegible]
[illegible] نظر آتی تھی [illegible] انجکشن دیتے ہی [illegible] اختر صاحب کو بات کرنے کی سخت ممانعت تھی [illegible]
وہ بڑی حسرت سے صرف مجھی کو دیکھتے رہتے تھے میرا دل [illegible] جا رہا تھا لیکن کسی طرح سے ان کو بہلاتی اور تسکین دینے کی کوشش کرتی۔ [illegible] باتوں کو چھیڑ
چھیڑ کر کسی [illegible] وقت کاٹنا چاہتی تھی۔ میری شادی کو پورا ایک سال ہو رہا تھا [illegible] ناتجربہ کاری کے ساتھ میں نہیں جانتی تھی کہ اب میں کیا کروں! میرے جہیز کا
بستر بچھا ہوا تھا اور ان کے مرجھائے ہوئے زرد اور نحیف چہرے کے نیچے میرا [illegible] تکیہ کا غلاف [illegible] جس کو میں نے شوق سے بنایا تھا۔
کبھی کبھی ان کا دبلا کمزور پیلا سا ہاتھ آہستہ سے اٹھتا اور وہ میرے شانے کو بڑے پیار سے تھپتھپانے لگتے۔ وہ کیا کہنا چاہتے تھے میں نہیں جانتی لیکن خاموش
زبان کا اتنا پیارا اشارہ دل میں نشتر لگاتا آنکھیں [illegible] کر بے اختیار ہو جاتیں لیکن میں بڑی مشکلوں سے ان امنڈتے ہوئے آنسوؤں کو پی جاتی اور کسی پاگل کی طرح
ان کو آئندہ کے خواب سنانے لگتی: ہمارا اپنا ایک اچھا سا گھر ہوگا جہاں ہم پھول کھلائیں گے۔ ہمارا گھر کیسا اچھا سجا ہوا ہوگا اور ہماری چیزوں پر [illegible]

[illegible] کا ایک [illegible] ہے [illegible] کی [illegible] ایک [illegible] [illegible] کے [illegible]

[illegible] کے [illegible] ہوں کہ آخر میں کچھ [illegible] ہو [illegible]

[illegible] نے میرے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا ہم تو [illegible] خون [illegible]

آنتوں [illegible] سانپ کے زہر [illegible] ہے:

مگر جب رات کے گیارہ بجے اندر [illegible] شکیل بھیا قریب ہی کرسی پر بیٹھے ہوئے ہوں دیکھا کہ ان کے منہ اور ناک سے خون کی قے ہو رہی تھی۔ [illegible] سفید تکیہ خون سے بھرا ہوا تھا پہلو بدلے ہوئے [illegible] قمیض اور سارا بستر خون سے تر بتر ہو رہا تھا۔ پاس پڑے [illegible] خون تھا کہ منہ سے اُمڈا آرہا تھا۔ اختر صاحب نبض پکڑے بیٹھے رہتے ہیں [illegible] اور اختر صاحب ایک پتھر کے بت بنے خاموش سامنے کی دیوار کو دیکھ رہے ہیں یہ کیا تھا۔ یہ کیا ہو جائے گا۔ ہم سب کو [illegible] ایک دو انجکشن اور دے گئے۔ [illegible] اور برف کے ٹکڑے منہ میں ڈالے جاتے رہے۔ اس وقت انہوں نے اپنے کمزور ہاتھوں سے مگر بڑی مضبوطی کے ساتھ میرا ہاتھ تھام رکھا تھا جیسے موت سے ڈر رہے ہوں [illegible] ایک بے بس ہاتھ کے سامنے شاید زندگی سے مایوس ہو کر رہ جائیں گے۔ میری زبان پر [illegible] تھا لیکن میری روح خدائے تعالیٰ کے [illegible] ہستی کی جبیں [illegible] رہی تھی — دعاؤں کے لئے بار بار امام جماعت احمدیہ حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد ایدہ اللہ کی خدمت میں قادیان تار پر تار دئے جاتے رہے اور یہ دعاؤں کی قبولیت کا معجزہ اور خدائے تعالیٰ کا خاص فضل ہی تھا کہ وہ اندھیری رات [illegible] آخر کٹ ہی گئی۔ اور ان کو کسی طرح سے [illegible] لاکر [illegible] وارڈ میں داخل کرایا گیا۔ اختر صاحب [illegible] اور کھانسی کبھی تھی ہی نہیں مگر کمزوری بے حد بڑھ چکی تھی۔ اکثر شعر پڑھنے اور بات کرنے سے [illegible] ہو گیا تھا جن ڈاکٹروں نے میڈیکل کالج میں ان کو ایک اچھے اسٹوڈنٹ کی حیثیت سے کافی توجہ دے کر پڑھایا تھا وہ سب کے سب بڑی محبت سے دیکھنے اور علاج کے لئے مفت آتے رہے۔ میڈیکل کالج ہوسٹل کے ایک بزرگ عزیز ڈاکٹر [illegible] نے ان کے بے ترتیب بڑھے ہوئے بالوں کو اپنے سامنے حجام سے کٹوا دیا ان کی شیو کرائی اور کپڑے تبدیل کرانے واپس جاتے جاتے مڑ کے پھر بیٹھے اور قریب آکر ہنستے ہوئے بولے۔ "بالوں کی زیادہ فکر مت کرو گے یہ پھر بڑھ آئیں گے بس جلدی سے اچھے ہو جاؤ پھر ہم تو کو پروفیسر بنا دیں گے۔" ایک مردہ سی ہنسی ان کے لبوں پر آئی جیسے ان کا دل کہہ رہا تھا "پروفیسر! پروفیسر کون بن سکے گا؟" بلڈنگ کے سامنے تمام ڈاکٹروں کی یہی کوشش تھی کہ جہاں تک جلد ہو سکے دہلی کے پاس [illegible] میں ان کو داخل کر دیا جائے۔ مگر وہاں سے جواب آیا کہ کوئی سیٹ خالی نہیں ہے۔ ادھر زیادہ خون آجانے کی وجہ سے اختر صاحب کمزور بہت ہو گئے تھے وہاں تک جانا مشکل ہی نظر آرہا تھا ایک مہینے کے بعد آخر اس صورت میں اُن کی آجانے کی اجازت مل سکی تھی کہ اپنا ایک بڈا اور مریض کے استعمال کی ساری چیزیں خرید کر بھیجو۔ اور اتنی جلدی چیزیں خرید کر بھیجنے پر بھی برآمدے میں صرف لوہے کی ایک پلنگ بچھنے کی جگہ مل سکی تھی۔ میں یہاں بھی ساتھ ہی آئی تھی۔ میرے ہی سامنے ایمبولنس پر [illegible] پہلا مرکز وارڈ میں لایا جا رہا تھا [illegible] کے سپرنٹنڈنٹ نے سنتے کو مریض کو لینے سے صاف انکار کر دیا تھا ان کے پیلے [illegible] چہرے پر غصے کی ایک لہر دوڑ گئی "یہ ہمارا اپنا ہے اور آپ یہاں رہنے کی ہمیں اجازت دے چکے ہیں" ہڈیوں کے ڈھانچے صاحب بھی میں کو [illegible] بلند آواز نکل سکتی تھی۔ [illegible] کا ان کے لئے یہ پہلا موقع تھا یہاں آتے ہی ان کے چہرے سے پژمردگی دور ہو گئی تھی۔ اس دنیا کے سارے ہی لوگ ایک دوسرے کے ہمدرد اور غمگسار تھے [illegible] ان کا علم پرزیٹو ہو چکا تھا اور یہی خبر ان کے لئے بڑی اذیت رساں تھی۔ اب تک وہ یہی سمجھتے رہے تھے کہ کسی رگ کے پھٹ جانے سے خون آجاتا ہے۔ ابھی آکر ایک ہی ہفتہ میں زندگی اور زندہ دلی کے آثار نظر آنے لگے تھے [illegible] آنکھوں سے خوف و ہراس مٹتا جا رہا تھا اور باب وارڈ کے اندر مریضوں اور نرسوں کے چھیڑ چھاڑ میں دبے دبے طور پر وہ بھی دلچسپیاں لینے لگے تھے۔ ایک دن جب میں سو ڈیڑھ میل [illegible] سے کھڑکھڑاتی ہوئی ریل پر چل کر آئی اور [illegible] اسٹیشن سے پیدل چلتی ہوئی ان کے پاس پہنچی تو شاید وہ پہلے سے کسی بات پر ہنس رہے تھے اور اسی طرح سے ہنستے ہوئے انہوں نے ایک ساتھ تین نرسوں کو پکڑتے ہوئے مجھ سے ملایا "دیکھو بھئی یہ [illegible] ہے یہ ننھی سی پھدکتی ہوئی ڈولی اور یہ جادو

[illegible] اور ہی شدت سے غور ہی کے مقابلہ [illegible] سب [illegible] ساعت کو لکھنؤ [illegible] ایک ہی مہینے کے بعد [illegible]
[illegible] ہوگیا تھا ہمت کے ساتھ ان کی [illegible] صحت [illegible] کی تھی جب [illegible] سیٹی فریدہ میں [illegible] سب سے [illegible]
[illegible] صاحب کے پاس [illegible] [illegible] سے [illegible] تھے [illegible] سے [illegible]
اس کے ایک [illegible] کوشش [illegible] سیٹی فریدہ [illegible] کے تھے
تھا ان کا سوال [illegible] تھا مگر [illegible] کے سلسلے میں [illegible] کی تفصیل کے
ساتھ [illegible] ایک [illegible] ہمت کی [illegible] تو جہاں کی
[illegible] باتیں [illegible] اختر صاحب کی [illegible] کے [illegible] جاتے [illegible]
[illegible] کے [illegible] سیٹی فریدہ [illegible] نہ پڑتی تھی [illegible] کے
[illegible] کر [illegible] جاتے [illegible] اختر صاحب کے [illegible]
[illegible] ایک [illegible] کے بعد [illegible] اختر صاحب [illegible] تھے [illegible]
[illegible] تھا اس میں [illegible] مریضوں [illegible] ٹی۔ بی کے [illegible] رہتے تھے [illegible] کے سامنے [illegible] ہی تھی اور موت
کے [illegible] کی طرف تیزی سے بڑھ رہے تھے اور [illegible] ایک ایک [illegible] سے نکل جاتے تھے [illegible]
جسم میں [illegible] کر [illegible] موت کا مقابلہ کر سکے۔ اسی [illegible] کرنے لگے تھے اور [illegible]
سے [illegible] بھی ہونے لگی تھیں۔ چند ہی مہینوں کے بعد اختر صاحب [illegible] گیا تھا۔ [illegible] میں [illegible] تھا [illegible]
میں ان کا [illegible] تھا۔ [illegible] اختر صاحب بڑی خاموشی سے سیٹی فریدہ کے [illegible] پر اپنے [illegible] ہی طرف سے [illegible]
[illegible] انعام میں [illegible] سیٹی فریدہ [illegible] طرف سے [illegible] تھے [illegible]
[illegible] گئے تھے۔ انھوں نے یہاں [illegible] سیٹی فریدہ کا [illegible] تھا۔ [illegible]
پر چند ہی مہینوں میں [illegible] ہوگئے تھے [illegible] اور چہرے کے سفید [illegible] کے اندر سے [illegible] کی [illegible] تھی وہ ایک
میل سے زیادہ [illegible] لگے تھے [illegible] اور جنگلوں کی [illegible] میں بیٹھے ہوئے [illegible] کی تصویریں [illegible] سے [illegible]
دو میل [illegible] الگ مکان میں رہتی تھی وہاں سے [illegible] ملنے کراچی تو [illegible] کی [illegible] ہوتے [illegible] کی
[illegible] میں لگے رہتے [illegible] ان کو یہاں بھی [illegible] گیا تھا [illegible] سیٹی فریدہ میں [illegible] جب [illegible] اختر صاحب
[illegible] کو واپس جانے کو کہہ دیا تھا اس وقت اچانک ان کے منہ سے پھر خون آ گیا تھا [illegible] سے [illegible] ان کے پاس [illegible]
[illegible] وہ اکیلے پلنگ پر خاموش پڑے تھے دونوں بازوؤں پر سختی سے [illegible] ان کی [illegible] کو [illegible]
[illegible] میں [illegible] طریقے پر پھر انھوں نے میرا ہاتھ تھام لیا تھا ان کے چہرے پر [illegible] مسکراہٹ تھی۔ [illegible]
[illegible] ان کی آنکھوں میں بھی آنسو [illegible] ہوئے تھے وہ مجھ سے [illegible] چاہتے ہوں۔ اب تو [illegible] اچھا ہے بھابی۔ [illegible] اس نے [illegible]
دیا تھا۔ [illegible] بھابی [illegible] تو تیرے لئے [illegible] کر دی تھی۔ [illegible] جہاں [illegible]
[illegible] اکھ کے [illegible] کی — اختر صاحب نے اس سے پہلے جس ہمت سے اپنی بیماریوں کا مقابلہ کیا تھا اب ان کی طرف دیکھتے
ہوئے یہ لگتا تھا جیسے وہ اپنی [illegible] چکے ہیں۔ [illegible] خاموش رہنے کا [illegible] تھا اور وہ بے حس و حرکت ایک طرف سے لیٹے ہوئے سامنے سیٹی فریدہ کے اس
آفس کو دیکھتے رہتے جہاں اپنی بلند آواز میں وہ کئی تقریریں کر چکے تھے جہاں دھرے ہوئے فائلوں میں ان کے کئی اصلاحی نقشے موجود تھے اور جس جگہ اختر صاحب

[illegible] بیٹھے [illegible] ساتھ باتیں مزاتے رہتے تھے۔ ایک دن وہ [illegible] کے سامنے کہنے لگے [illegible]
[illegible] بہت ہی نازک [illegible] کو دیکھتے رہتے تھے ادھر ادھر پڑھنے لگے، وہ آہستہ آہستہ سسک رہے تھے اور ایک [illegible] شاعر
[illegible] انگلیاں [illegible] اور کانپتے ہوئے لبوں پر دھری تھیں۔ ان کے مرجھائے ہونٹوں میں اتنی حسین [illegible] کو دیکھ کر [illegible]
محسوس ہوتا تھا کہ وہ [illegible] ہاتھ [illegible] لگتی ہیں اور اب [illegible] شمع کی کانپتی ہوئی روشنی [illegible] بجھنے لگی تھی۔ ڈولی بڑے خلوص سے ان کی خدمت کر رہی تھی جب
[illegible] ہنسنے لگتے تب، ایک دن [illegible] کر سمجھاتی ہوئی کہنے لگی بھابھی بھیا کو سمجھا دے کہ وہ اتنے زور زور سے گرج گرج کر کسی کو ڈانٹا [illegible]
[illegible] نے اپنی زندگی میں اتنی کڑکتی ہوئی ڈانٹ کبھی بڑے صاحب کی بھی نہ سنی تھی — ان کبھی [illegible] چلانے سے منع کرتی رہنا۔ اختر صاحب جب [illegible]
ہوگئے تب [illegible] ڈولی نے کبھی وارڈ سرونٹ کو کچھ زیادہ ہی سے ڈانٹ دیا تھا جس سے اختر صاحب کو غصہ آ گیا اور وہ انسانیت کی [illegible] تضحیک [illegible]
[illegible] پہلے تو انھوں نے ڈولی کو سمجھایا [illegible] سے معافی مانگ لے مگر ڈولی نے صاف طور پر کہہ دیا تھا کہ "ایسے ایسے نوکر اس کی جوتی کی نوک پر [illegible]
رہتے ہیں۔" اتنی بات سن کر اختر صاحب اپنی [illegible] طیش [illegible] ٹوٹ کر رہ گیا۔ اور اسی رات کو سوتے سوتے ہی ان کے منہ
سے خون آنا شروع ہوگیا تھا۔ ڈولی اپنے گھر جا کر خوب روتی رہی تھی مگر جیسے ہی اس کو ان کی بیماری کی خبر ملی فوراً ہی [illegible] آ گئی۔

[illegible] سال [illegible] واپس [illegible] آئے تھے [illegible] صاحب نے ایک بڑی اچھی سرٹیفکیٹ دے کر ان کو [illegible]
[illegible] کر دیا تھا۔ ان کا وزن کافی بڑھ گیا تھا [illegible] بہتر [illegible] آرام کرنے کی سخت تاکید کر دی گئی تھی۔ وہ [illegible] چلے آئے تھے [illegible] ترش
مزاجی کے ساتھ شرارتیں [illegible] سے بھی یہ خیال نہ ہوتا تھا کہ کبھی ان کو دکھوں سے بھی واسطہ پڑا تھا۔ ان کی نگاہوں میں [illegible]
خلوص اور پیار [illegible] تھا مگر اس کے ساتھ ہی ایک چڑچڑاہٹ اور بیزاری کی جھلک بھی صاف نظر آنے لگی تھی۔ معمولی معمولی باتوں پر وہ [illegible]
[illegible] اور ایسا لگتا جیسے اپنے راستے میں [illegible] دیکھنا ان کو گوارہ نہ تھا۔ اتنی لمبی بیماری نے بھی [illegible]
تھا۔ دوسرے ہی سال اختر صاحب نے پرائیویٹ [illegible] ایم۔ اے کا امتحان دے دیا اور پھر فرسٹ کلاس فرسٹ آ کر ایک اور [illegible] کا میڈل
اور دوسری [illegible] کتابوں کا انعام پا لیا تھا۔ اب تک وہ صرف اپنی زندگی کو قائم رکھنے کی جدوجہد کرتے رہے تھے مگر اب ان کو زندگی گزارنے کا راستہ تلاش کرنا
تھا [illegible] میں زندگی گزارنے کا معیار [illegible] ان کو انسانیت سے بے حد محبت تھی اور انھوں نے [illegible] کے فرق کو کبھی [illegible]
[illegible] خود [illegible] رہتے ان کے دل میں انسانی زندگی کی قیمت بہت بڑھ گئی تھی۔ اور اختر صاحب شروع ہی سے [illegible] دوسروں کی [illegible] کو اپنا
ایمان سمجھتے تھے۔ شادی کے فوراً ہی بعد میں نے اپنا ایک جوڑا [illegible] جاتے وقت دے دیا تھا کہ میری [illegible] دیکھنے [illegible] وہ اس کو [illegible]
[illegible] خرید [illegible] گی۔ جب یہ واپس پہنچے تو میں نے بڑے اشتیاق سے ان کی اٹیچی کھولی۔ کپڑے کے [illegible] نکالے [illegible] تھے [illegible]
[illegible] کپڑے کا نام و نشان تک نہ تھا۔ وہ یہ تماشہ دیکھتے ہوئے بڑے سکون سے بولے "تمہارے کپڑے؟ وہ تو بڑے قیمتی کپڑے تھے۔ جنرل ہاسپٹل
میں بارہ بجے رات کو ایک لڑکی زبیدہ مر گئی تھی اس کا بھائی روتا ہوا ہوسٹل میں میرے پاس آیا ہسپتال والے مردے کو [illegible] روم میں [illegible] رہے تھے
مگر وہ بے چارہ شریف لڑکا اس خیال سے کانپ رہا تھا کہ جو لڑکی غربت میں عزت [illegible] مر گئی تھی اس کے بے جان جسم کو اب مردہ خانہ تک [illegible]
کے لئے [illegible] کے ہاتھ لگیں گے۔ ان لوگوں کے پاس ایک پیسہ تک نہ تھا۔ میں نے ڈاکٹروں سے کہہ کر لاش کو صبح تک اسپتال میں رکوا [illegible] اور سوچا
[illegible] تمہارے [illegible] کو اس بیچاری کو پہنا کر دفن کر دیا۔"

اختر صاحب ایم۔ اے کے بعد تلاش روزگار میں پریشان ہی تھے کہ ان پر [illegible] کا بڑا ہی سخت حملہ ہوگیا۔ جوڑ جوڑ میں درد کے ساتھ سارا جسم
[illegible] بن گیا تھا اور درد کے [illegible] کے ساتھ تیز بخار نے ان کو توڑ کر رکھ دیا۔ کسی طرح سے [illegible] ہوسٹل کے وارڈ میں داخل کئے گئے۔ [illegible] صاحب نے
دیکھا دل پر حملے کا اثر ہو چکا تھا [illegible] بیٹھنے [illegible] کی سخت تاکید کر دی گئی تھی۔ اس وقت جب ہم [illegible] سے

جاتے تھے ان کی گفتگو میں ذہانت اور طنز بھرا رہتا تھا۔ کوئی دوسری بات جو ذہن میں آتی ہو جو کچھ کہنا ہوتا وہ بلا جھجک کہہ دیتے تھے۔ مگر یہ
نسبتاً چند ہی لوگ رہتا تھا۔ دراصل ان کا اسلام سے بڑا تعلق تھا اور وہ اسے نہ اپنانے کے باوجود اس کو چھوڑ نہیں سکتے تھے۔ پہلے ہی
شاعری کی مدد سے پیشہ اختیار کر چکے تھے۔ مگر ان دونوں وہ اپنے متعلق کوئی فیصلہ نہ کر سکتے تھے کیونکہ تحریک پاکستان کا مستقبل ابھی کیا ہوگا
اس کا ایک اپنا حصہ تھا تو ان کے پاس کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔ ہو سکتی تھیں۔ ڈاکٹر شاد نے اسمبلی کی کرسی پر بیٹھ کر ان کے مستقبل پر غور کرتے
وقت جب کبھی ان کے سارے جسم کے جوڑوں پر کپکپی طاری ہو جاتی تو سفید بالوں والے ڈاکٹر صاحب بڑے پیار سے ان سے کہتے
اختر تم جلدی سے اچھے ہو جاؤ پھر تم کو پروفیسری ملے گی۔ ڈاکٹر گیلانی اور تیر قلمی نے تقریر ہی کی تھی۔ ستمبر کے
وسط میں ہی پہلے کی طرح اختر صاحب کو پٹنہ کالج میں اردو کی جگہ دی گئی تھی۔ پبلک سروس کمیشن نے جو کام دو دو ہفتے کے دوستوں کی
ساری کوششوں کو دیکھ کر بہت سے ہوئی تھی پہلے سے ایک کام کیا گیا ہے جبکہ کوئی کمیشن نے یونیورسٹی کے چند ہی دن پہلے نمبروں کے مطابق سے
سارے طور پر فسٹ کر دیا تھا۔ ذہنی بلندی اور اعلیٰ صلاحیت۔ یہ عقل اور بے ساختگی اپنا مقام کھو بیٹھی تھیں۔ ان کے مضامین دونوں ڈاکٹر ستیہ
محمود صاحب تھے اختر صاحب کے دوست علی اطہر صاحب کی طرح ان سب کی بھی اور ڈاکٹر سید محمود صاحب کا انہوں نے اس بات پر فیصلہ کیا تھا
کہ پٹنہ کالج میں مختلف طور پر اردو کے کلاس میں تینوں منٹ سکنڈ تقریر کرنے کے لئے امیدواروں سے پوچھا جائے گا۔ تب وزیر تعلیم خود یہ فیصلہ کریں گے کہ اس
جگہ کا اصل حق دار کون ہو سکتا ہے۔ یونیورسٹی اور کالج میں یہ ایک نیا تجربہ تھا۔ وزیر تعلیم کے ساتھ دو پارلیمنٹری سکریٹری، پرنسپل اور بہت سے پروفیسر
بھی سیکڑوں طالبوں کے ساتھ اردو کے کلاس میں پہنچ چکے تھے۔ اختر صاحب کے ہم چشموں نے یہ خبر مشہور کر رکھی تھی کہ پروفیسر محمد عبد الصمد صاحب نے خود کو
پہلے سے سوالات بتا دیے ہیں اور پروفیسر صاحب اپنی ڈاکٹر صاحب کو اختر سے پوچھنے کو کہیں گے۔ یہ بات کہاں کے دونوں امیدوار نے
مین مقابلے کے روز ہی ڈاکٹر صاحب سے جا کر شکایت کر دی۔ ڈاکٹر صاحب کو بات بہت بری لگی اور انہوں نے صاف طور پر کہہ دیا کہ ممتحن کچھ ہی
آیا ہوں لہٰذا کہو کہ پروفیسر کلیم الدین احمد صاحب۔ اس کے بعد وزیر تعلیم نے پہلے امیدوار کے سامنے اسی وقت ایک مضمون پیش کیا اور اس پر کلاس کے سامنے تقریر
کرنے کو کہا۔ جب وہ تقریر کر چکے تو ڈاکٹر صاحب نے بال جبریل سے چند اشعار دیے کہ اس کی تشریح کریں۔ جب وہ تشریح بھی کر چکے تو ڈاکٹر صاحب نے
فرمایا کہ اب آپ بال جبریل سے جو اشعار چاہیں اختر صاحب کو تشریح کے لئے دے دیں۔ پہلے صاحب نے کتاب لے کر بڑے غور سے ورق
شروع کر دیا کہ کوئی ایسا شعر منتخب کریں جو اختر صاحب کے بس کا نہ ہو۔ جب کئی منٹ صرف ہو گئے تو یہ چیز ڈاکٹر صاحب کو بری لگی اور انہوں نے
جلدی کرنے کی تاکید کی تو انہوں نے اشعار منتخب کر کے دے دیے۔ اب اختر صاحب کی باری تھی۔ اختر صاحب نے ان شعروں کی تشریح کر دی۔ پھر ڈاکٹر صاحب
نے غالب اور ذوق کے متعلق خود ہی اختر صاحب سے سوالات کئے اور اسی موضوع پر تقریر دینے کو بھی کہا۔ جب وہ تقریر دے چکے تو ان پر بہت سے
کہنے والے بال جبریل سے اشعار منتخب کرنے کا اتفاق سے وہ اشعار سمجھ کر طلبہ کے تھے جس کو تیسرے صاحب غلط طور پر پڑھ رہے تھے۔ کلاس کے دوسروں نے
اب ہنسنا شروع کر دیا تھا اور ہمارے طفیل احمد خان سلام بیدل اور مظفر نقوی نے چن چن کر سوالات کرنے بھی شروع کر دیے تھے۔

تینوں امیدواروں کی تقریریں اپنے اپنے نمبر حاصل کر چکی تھیں وہ کانگریس کی پہلی منسٹری کا دور تھا۔ اختر صاحب کے سوا دونوں امیدوار کانگریسی تھے
محمود صاحب ابھی پٹنہ کالج کے احاطہ ہی میں تھے کہ کالج کے لڑکوں نے اپنی کامیابی میں ایک بڑا ہی پرجوش نعرہ لگایا اور مسلم لیگ زندہ باد کی گونج سن کر محمود
صاحب نے متحیر ہو کر پوچھا یہ نعرہ کیسا تھا؟ علی اطہر صاحب نے ڈاکٹر صاحب کو بتایا کہ لڑکے اختر زندہ باد کے نعرے لگا رہے ہیں اور یہ کہتے ہوئے انہوں
نے ڈاکٹر محمود کو موٹر تیز چلانے کا اشارہ کر دیا۔ اختر صاحب کے دوستوں میں علی اطہر صاحب، شرف الدین احمد شرف عظیم آبادی، تمنائی، یحییٰ نقوی اور رضا
نقوی نے اختر صاحب کو ایک دولہا کی طرح سجا کر پہلے پہل لیکچرار کی صورت میں پٹنہ کالج بھیجنا چاہا۔ بکس کو کھولا گیا اس کے اندر کوئی سوٹ یا شیروانی نہیں تھا بس
ایک پرانا سا کرتا تھا کا اور کوٹ تھا جس کو جھاڑ جھوڑ کر دوستوں نے ایک ساتھ مل کر پہنایا۔ اب جوتے کا سوال رہ گیا تھا مگر جوتے ایسے تھے کہ مرمت کئے

کمرے کا اپنا تقرار ہے نہ ہی بعد میں کو پسند ہیں کہ کاروا صاف کر کے آخر کس طرح سے لطف اٹھاتے تو پھر ماہ صیام میں روزانہ کا دا [illegible] کرتے تھے ایک فہرست بنا کر سب کو ساتھ لے کر جاتے۔ آپ نے اپنے ابتدائی دن یاد کرتے ہوئے بتایا کہ وہاں تو ایک کمرہ تھا جو ان کی فہرست میں تھا پانچ سال تک بھی وہاں رہے سات میل پیدل سے ایک ڈاکٹر کے پاس جا کر دوائیں لاتے کو بیماری کے شدید حملے کے ساتھ کر لیا پہنچ گئے۔ وہ دن اختر صاحب کا بڑا مشکل تھا۔ بیماری تھا پھر کراچی کے سب سے بڑے ہی میڈیکل کالج کے جیدان کرتے۔ نئی تھی اس جگہ کو سنبھالنے کی ادبی محفلیں سے بھر پور شغف اور بعض بزرگوں کے ہم ناتھ۔ ان کی زندگی اچھی طرح گزاری رہی تھیں اپنی صحت و ناسازی بہت پیچھے نہ رہی کہ بہت جلد انہوں نے اپنی وہ مشکل بیماری کی حالت میں بی۔ اے کا امتحان دیا تھا۔ وہ اس حوصلے کے کرنے کرنے سے بے پناہ محبت تھی۔ اختر صاحب کے دوستوں کی مختلف پارٹیاں ہیں جن میں ان سے خاص خلوص سے وہ ملتے ہیں۔ زندگی سے کئی قدر ہر مکتبۂ فکر کے دوستوں میں شریک ہیں۔ تو کہ یہ لطف کے ان کے اپنی عمر سے بھی زیادہ عزیز ہیں اور اختر صاحب کو اس بات کی بے حد خوشی ہے کہ دو ستر سال سے صرف اپنے کلاس ہی کے نہیں بلکہ اکثر دوسرے کالجوں کے لڑکوں کے لئے بھی تابندہ مستقبل کی تعمیر کی صورت دیکھتے رہے ہیں ان کا تعلق شاگردوں سے جہاں اپنے عزیزوں کی طرح ہے وہاں ایک رفیق اور پر خلوص دوست کی طرح بھی۔ ہمارے کے پاس نے شاعر اور ادیبوں کے لئے اختر صاحب کی نگاہوں میں بڑی عزت بڑا احترام ہے۔ اس کے ساتھ ہی وہ نئی پود میں ادب اور شاعری کی ذرا سی بھی صلاحیت دیکھ کر اپنی خوشیوں کا اظہار کرتے ہوئے اس کو آگے بڑھانے میں کوشاں رہتے ہیں۔ مگر اتنے وسیع اخلاق کے باوجود بھی اختر صاحب کے مخصوص دوستوں کا ایک بے تکلف گروپ بھی تھا جو اب پاکستان بن جانے سے ٹوٹ کر رہ گیا ہے۔ دوستوں نے ان کے ساتھ جہاں محبت اور وفاداری کا بہت ساثبوت دیا ہے وہاں اختر صاحب کو بھی اپنے دوستوں سے بے حد محبت رہی ہے انہوں نے اپنے دوستوں کی خدمت کو ہمیشہ اپنی ضرورت سے زیادہ اہمیت دی ہے۔ ان کے ایک دوست کو اپنے والد کے ایک مقدمے کی پیروی کے لئے کچھ روپے کی ضرورت تھی اختر صاحب نے جب اپنی جیب خالی دیکھی تو انہوں نے بڑے اطمینان سے اپنے بی اے اور ایم اے کے امتحانوں میں اول ہونے کی میڈلوں کے ساتھ اپنے اور بھی جیتے ہوئے سونے اور چاندی کے میڈلوں اور کپوں وغیرہ کو بیچ کر روپے اپنے دوست کے حوالے کر دیئے اور جب اس فرض کو ادا کر کے وہ گھر لوٹے تو خوشی منانے آئے تو بیوی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ وہ یاد گار چیزیں گھر میں رہنے کی بجائے دوکانوں پر بک چکی تھیں۔ اور اسی دوران میں نے انگریزی اور اردو کی بیش بہا کتابوں کو جو انہیں انعام میں ملی تھیں ایک دن اپنے کمرے کی الماری میں بند کر کے مضبوط تالا لگا دیا تھا۔

ایک تو فتنوں کے بعد پیدا ہونے والی اداسی اور مصروفیت سے بالا ہو کر رہ جاتی ہے اس پر سے بچپن میں نامساعد حالات اور کئی بیماریوں نے ان کی طبیعت میں ملال۔ صحت اور حکومت پیدا کر کے بنا ہی آرام طلب بنا دیا تھا روز کچھ خاندانی ذہانت ہی تھی جو ہمیشہ کام آتی رہی۔ ان کا سارا بچپن بیماریوں میں کٹ گیا تھا اور وہ اکیلے لڑکے بچے تھے اپنی شفیق ماں کے اٹھ جانے سے اختر صاحب کے میٹرک پاس ہونے سے کچھ دن پہلے ہی خاموشی کے ساتھ قبر میں چھپ گئے تھے۔ نوجوانی کے عالم میں تمناؤں کی رنگینیوں سے بھی پہلے منہ سے خون کے چھینٹے آنے لگے تھے اور جب سینی ٹوریم سے اچھے ہو کر واپس آئے تو رہی مریض مرض کے سخت حملے کا اثر دل پر بھی پڑ گیا تھا۔ پھر بھی پھونک پھونک کر قدم اٹھاتے ہوئے وہ اپنی ملازمت کو نبھاتے آ رہے ہیں عمدہ غذا، ہوا دار مکان اور آرام ان کی زندگی کا ایک ضروری جزو بن کر رہ گئے ہیں۔ کالج کے فرائض کے ساتھ دنیا بھر کے کاموں کا ایک جھنجھٹ ان کے ساتھ لگا رہتا ہے اور اس کے ساتھ ہی ساتھ جلسوں میں گھنٹوں تقریریں کرتے رہنے کا ثواب جیسے پیشہ ہی بن کر رہ گیا ہے۔ اور اختر صاحب کے ساتھ سارے لوگ یہ جانتے ہیں کہ حضرت امام جماعت احمدیہ مرزا بشیر الدین محمود احمد ایدہ اللہ کی مخلصانہ دعاؤں کی قبولیت سے اللہ تعالیٰ نے معجزانہ طور پر ان کو بہترین طرح پر زندہ رکھ کر انسانیت اور قوم کی خدمت کا موقعہ عطا کیا ہے۔ ۱۹۴۲ء کے ہنگاموں سے لیکر جنگ اور فتنہ و فساد تک کی ہولناکیوں میں روزانہ کی زندگی کتنی دشوار گذار بن کر رہ گئی تھی اختر صاحب آج تک اس سے واقف ہیں آنے والے مہمانوں اور عزیزوں کی کثرت سے مجبور ہو کر بھی کسی وقت ان سے پرہیز کرنے یا چینی کی پرمٹ کے لئے درخواست لکھانے والے تو وہ صاف طور پر میٹھی چیزوں اور پکے ہوئے کھانا کھانے سے ہی انکار کرتے ہوئے اعلانیہ طور پر کہہ دیتے کہ وہ ایک ساتھ دو کام نہیں کر سکتے ہیں۔ یا تو وہ کھانا کھا ہی اور [illegible] کریں گے یا پھر پرہیز۔ اور میں قلم اور سادہ کاغذ لئے ہنسائی ہوئی ان کے کمرے سے نکل آتی۔ اختر صاحب کا گھر ان کی ڈاکٹری شروع [illegible]

کہ ساتھ ہی [illegible] ان کے اور میرے ساتھ [illegible] سے [illegible] کے ملنے میں ایک مدت تک رہی تو [illegible] سب سے [illegible]
[illegible] صاحب سے ملتے رہے۔ جب [illegible] حالات میں [illegible] میں [illegible] پہنچ تو وہ [illegible] سے ملتے [illegible]
کہ ہم لوگ ایک ساتھ دو کام نہیں کر سکتے ہیں یا تو [illegible] کر سکتے ہیں [illegible]
[illegible] لوگوں کو ساتھ لے کر [illegible] اور [illegible] صاحب کے گھر [illegible]
[illegible]
[illegible] ہے۔ زمانے میں کیا کچھ [illegible] اختر صاحب ابھی تک [illegible] ہو گئی تھی [illegible]
[illegible] سے [illegible] لکھا کرتے ہیں [illegible]
رہی ہے۔ ایک دفعہ [illegible] سے واپس [illegible] آتے ہیں [illegible]
تحفہ خرید لیا۔ [illegible] بڑی محبت سے [illegible] اور جب ان [illegible]
[illegible]
[illegible] آپ کے تحفے [illegible]
اردو کے محسن [illegible] اردو کے [illegible]
گھر کے اندر جہاں میرے ساتھ ان کی [illegible]
اور [illegible] لیکن جب [illegible]
اطمینان سے فرمائیں گے کہ [illegible]
بڑا عجیب ہے وہ بڑے سے بڑے [illegible] مشاعروں کے [illegible] پسند نہیں کرتے [illegible]
[illegible] رہنے کا [illegible] شوق ہے۔ جب کبھی ان کو کسی [illegible] کی دعوت
کرنی ہے [illegible]
[illegible] کوشش کریں گے۔ اس سے زیادہ [illegible] غصہ
آتا ہے جہاں پانچ روپے سیر گھی ہو اور ایک ایک مرغی [illegible] روپے [illegible]
ہوا لیجئے: [illegible] میرے سر [illegible] حساب سے [illegible] ایک دفعہ [illegible] کھلانے پر [illegible]
سوچ رہے تھے [illegible] فہرست تیار کر لی گئی کھلانے کے لئے [illegible] اچانک [illegible] برتنوں [illegible] اطمینان سے بولے کہ
[illegible] جو بھی برتن ہیں [illegible] کام چلایا جائے گا [illegible] میں نے صاف طور پر [illegible] برتنوں میں کھانا کھلانے سے انکار کر دیا۔ [illegible] انہوں نے اس بات پر [illegible]
بچارے لوگ تو پتوں پر بھی کھانا کھا لیا کرتے ہیں [illegible]
اپنی خوشی سے [illegible] نہیں سکتے ہیں اور [illegible] کافی لڑائی ہوتی رہی ہے۔ اور ایسے ہی [illegible] لڑائیاں ہم اکثر [illegible] رہتے
ہیں۔ اختر صاحب میں جو سب سے بڑا عیب ہے وہ یہی کہ معمولی سی معمولی بات کر ہی غصے میں اتنے زور سے [illegible] دیکھنے والا یہی
سمجھے گا کہ بڑی بھاری جنگ ہو رہی ہے اور وہ جہاں زور سے بولے بس [illegible] کا پارہ انتہا کو پہنچ جاتا ہے۔ [illegible] کوئی بات جو ذرا آہستہ سے
بول ہی نہیں سکتے: پھر وہ جیسے خود انتہائی سادگی سے رہتے ہیں اسی طرح سے اپنے [illegible] مہمانوں کو بھی رکھنا چاہتے ہیں [illegible]
شام کی چائے ختم ہوتے ہی وہ میرے پاس آئے [illegible] اسٹیشن پر جگہ [illegible] کر لینے جانا ہوں۔ [illegible] کوشش کی تھی

کہاں تک کسی کا بچہ ہر تاریخ میں شریک ہو لیکن انکار بھی تو نہیں ہو سکتا ہے اب یہی جب صاحب کہ اپنے ہی پاس رکھ لوں گا ...
چلے تاریخ گھر کی مسائل اور حقائق واقعہ دیکھا کہیں گے کہ کچھ ہر تیز لکھ ہی دیں گے۔ اور وہ پڑھ کر ہنستے۔ جیسے لوگوں کی شاعری ...
پر ... کہیں گے کیا ایسی کوئی خواب کا اتنی شدت ہو۔ شان بھتا پیروں میں ہم بیٹھے ہیں رہیے ہی دیں گے۔ اور جب اختر صاحب کے گھر
گھروں میں کہاں ساحر، حفیظ، سلام، عبادت بریلوی، سرور، احتشام، فراق، پنڈت ناتھ اشک، عرش ملسیانی، عبدالقادر سروری، جعفر علی خاں ...
جگر مراد آبادی جیسے معزز مہمان آتے رہے تو اگر ان دنوں میں پٹنہ میں رہتی تو بس یہی جی چاہتا ہے کہ مہمانوں کے سینے تک ... اس گھر سے کہیں ... وہ بھی ...
تاکہ اختر صاحب کے پھوہڑپن کا الزام مجھ پر نہ آئے۔ بس سے بیٹھے محترم مہمانوں کو وہ بڑی فراخ دلی سے اپنے گھر تک ٹھہرا کر خوشی محسوس کرتے رہتے۔
اور میں اتنے عرصے تک ان کی شایان شان خدمت نہ کر سکنے کے احساس اور غم سے تڑپتی رہتی ہوں۔ ... مجھ کو ... عزیز ہیں۔ اسماعیل کی جھوٹی فارسی ...
بھر میں مشہور ہے مگر اختر صاحب کا اصول نرالا ہے کہ وہ زمین پر چٹائی بچھا کر بیٹھ کے برتنوں میں بھی اپنے مہمانوں کو کھلا کر خوشی محسوس کریں گے اور میں ... اپنے
مہمانوں کو مرتے دم تک پر بٹھانے کی قائل ہوں۔

گھر کے اندر جب ہم دو اداس ہوں کی حیثیت سے گفتگو کرنے لگتے ہیں تو گھر میں آنے والے عزیزوں کو جھنجلا دیکھ پڑتا ہے کیا ادب، شاعری اور فلسفہ
پہ باتیں کرتے کرتے ہم مذہب اور قرآن شریف کی تفسیر کرتے تک پہنچ جاتے ہیں۔ جب تک ہر دو فریق ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ تب تک تو گفتگو میں اپنائیت
رہتی ہے مگر ایسا کم ہی دیر رہتا ہے پھر ہم الگ راستوں پر مڑ کر بحثیں شروع کر دیتے ہیں اور اس کا نتیجہ کبھی یہ بھی نکلتا ہے کہ ہم آپس میں دو دنوں تک ایک دوسرے
سے بول چال بند کر دیتے ہیں۔ اختر صاحب کا گھر کبھی مہمانوں سے خالی نہ رہا ان کے رشتہ داروں سے زیادہ میرے عزیزوں کی چہل پہل رہتی ہے لیکن
میرے عزیزوں میں تو میری بھانجیاں اور بھتیجے ہیں۔ جب کبھی ان کو کہیں سے روپیہ ملتا ہے وہ تاش کے پتوں کی طرح پھینٹتے ہوئے روپے کو بانٹ دیتے ہیں۔
روپیہ دینے کی عجیب عجیب صورتیں۔ جیسے یہی علاوہ اگر دو بہن بھائی ملیں گی تو ان کو دس روپے ملیں گے۔ شمیم نے اگر کسی ایک شعر کا بھی معنی بتا دیا تو اسے
پندرہ روپے ملیں گے۔ اور شہلا کو وعدے کا ایک ہفتہ کے اندر پلیٹ آ گیا اور اس نے بتایا سو پیسہ دے دیا تو پچاس روپے شہلا کے ہوں گے۔ کسی
افسانے کا فن سمجھنے پر انعام دیا جاتا ہے تو کسی کو زیادہ شعر یاد رکھنے پر۔ لیکن ابھی تک مجھ کو یاد ہے کہ شادی سے پہلے پانچ سو روپے کا لالچ دے کر انہوں نے
مجھ سے پورا شکرہ یاد کرا لیا تھا اور آج تک میرے وہ پانچ سو روپے باقی ہی رہ گئے ہیں۔ اختر صاحب کبھی آنے والی چیز نہیں ہیں۔ جوتے نہیں ہیں قمیضوں
کی سخت ضرورت ہے کوٹ میں سے پھوس نکل آئے ہیں کبھی کبھی کام پہ جاتے وقت کپڑوں کی تنگی کا رونا رویا جاتا ہے مگر پیسے جب آئے فاضل ہو گئے۔
اختر صاحب نے عمر بھر ان کا اپنا کوئی بچہ نہیں ہے مگر جو ایک نسل پہلے پڑھ کر نکلا ہے بہت ساری نئی نسل پڑھنے لگی ہے اس طرح سے خدا کا ایک
ہی ساتھ چھپر پھاڑ کر آٹھ آٹھ بچے دے دیئے ہیں۔ میں اور بھی اختر صاحب کے بھائی فضل احمد آئی۔ پی۔ ایس اور میری اپنی تیسری بہن صوفیہ شہناز کے بچے ہیں
اور جو چار سالوں کی عمر سے میرے پاس رہ کر کونوینٹ میں تعلیم پا رہے ہیں۔ میری منجھلی بہن رضیہ رعنا کا بچہ ہی سینٹ زیویر ہے جو تیسری بہن ... کی بچی ...
اور میرے بھائی ظہیر ... احمد کی بچی نسرین کونوینٹ میں بچہ کلاس میں ہیں۔ اور ... کی بہن شیریں اور میری سب سے چھوٹی بہن ... ہائی اسکول میں ہیں۔
اور اختر صاحب کے بھی ناد بھائی کا بچہ تاج مسلم اسکول میں۔ گھر۔ اب گھر نہیں ہے وہ ایک بورڈنگ ہاؤس بن کر رہ گیا ہے جہاں قدم قدم پہ ماسٹر جگہ جگہ
پہ پنسل، سلیٹ اور ماسٹروں کی کتابیں بکھری پڑی رہتی ہیں۔ صبح کو آٹھ بجے جب سارے بچے کونوینٹ اور اسکول چلے جاتے ہیں تو دماغ ہلکا ہلکا سا لگتا ہے
اور جب چار بجے رکشا موٹریں اور گاڑیاں ان سب کو لا کر پہنچانے لگتی ہیں تو پھر گھر سے کہیں بھاگ جانے کو جی چاہتا رہتا ہے۔ اور آئے ہوئے مہمانوں کی
کلاس فوراً سے بری طرح گھبرا گھبرا کر بھی کرنے سے باز نہیں رہتے۔ اختر صاحب کا دسترخوان ہمیشہ سے بڑا لمبا چوڑا بچھتا رہا ہے گھر کے سارے لوگ ایک ہی
ساتھ کھانا کھایا کرتے ہیں اور کھانے کے درمیان ایسی ایسی مزیدار باتوں کا سلسلہ چلتا ہے کہ گیارہ، بارہ بجے رات تک پانچ مہمان محفل جمی رہتی ہے جو جتنے
اتنی کوشش کر کے جھڑ جاتے ہیں پھر بھی کسی کا جی پلنگ بچھانے کو نہیں چاہتا ــــ

اختر صاحب [illegible] ایسے ہی [illegible] نہیں [illegible] جو کوئی خاص چیز نہیں [illegible] کو [illegible] نہیں دیا تھا سلسلہ [illegible] اس [illegible] سے [illegible] بلکہ [illegible] کی کسی سے [illegible] کی ایک [illegible] تو [illegible] کر [illegible] گیا۔ ان کے لکھنے کی [illegible] ہیں [illegible] جب [illegible] رہنے [illegible] غریب [illegible] قسمت [illegible] اختر صاحب [illegible] لکھنے کی [illegible] ہے [illegible] خیال [illegible] اپنی جگہ [illegible] تب وہ افسانہ [illegible] سفید [illegible] کاغذ [illegible] ہر [illegible] سلسلہ [illegible] اور [illegible] شام [illegible] تک [illegible] جانے [illegible] اختر صاحب [illegible] اپنی تفصیلی [illegible] خدمت [illegible] پیسے [illegible] کسی [illegible] وہ [illegible] نہیں [illegible] کی [illegible] اور [illegible] ہیں [illegible] ہی [illegible] اختر صاحب [illegible] چند [illegible] سے [illegible] ہو [illegible] جاتے ہیں۔

اختر صاحب [illegible] بہت ہے۔ [illegible] کے بعد وہ اپنا بجٹ بناتے ہیں۔ [illegible] ایک [illegible] تبلیغِ اسلام کے لئے چندہ بھیج دینے کے بعد [illegible] حساب بناتے ہیں بجٹ کے حساب سے [illegible] روپے [illegible] اگر [illegible] پیسے [illegible] کر لیتے ہیں۔ اختر صاحب [illegible] عادت نہیں ہے [illegible] سگریٹ [illegible] دبانے [illegible] ایک عادت [illegible] لگاتار [illegible] رہنے کی ایسی ہے جو سب عادتوں سے بڑھ چڑھ کر ہے ۔۔!

اختر صاحب کی اب تک [illegible] کتابیں شائع ہو چکی ہیں جن میں افسانے، ڈرامے، ناولٹ اور تنقیدی مضامین [illegible] انہوں نے ایک ناول [illegible] بھی لکھا ہے جو کئی سالوں سے لکھا ہوا بس [illegible] ہندوستان میں غریب [illegible] پاکستان [illegible] دورہ [illegible] ان کے افسانوں کا ایک مجموعہ اور ایک نظموں کا مجموعہ بھی مسودوں کی صورت میں [illegible] آنے والے [illegible]

اختر صاحب کو بہار کے آم اور [illegible] بہت پسند ہیں۔ جب وہ کام کرتے کرتے تھک جاتے ہیں تو سوچتے ہیں کہ [illegible] کی پہاڑی پر حضرت بدھ کی طرح بیٹھ کر سکون اور نروان حاصل کریں گے۔

اختر صاحب [illegible] سیدوں کے گھرانے سے ہیں۔ اور [illegible] کے بزرگ سید محمد [illegible] فیروز تغلق کے زمانے میں آکر بسے تھے اور [illegible] کارناموں میں انہوں نے جاگیر پائی تھی۔ میرا خیال ہے کہ اپنی [illegible] کے باوجود اپنی پُرمذاق طبیعت [illegible] کی علمی صلاحیت [illegible] کے ساتھ [illegible] ہی [illegible] آدمی ہوتے اگر چھوٹی چھوٹی باتوں میں [illegible] سے وہ الجھتے نہ رہتے۔

لہ نوٹ :۔ [illegible] کی بستی میں ایک پہاڑی ہے جس پر پانی زبان میں کتبے لکھے ہوئے ہیں اور بدھ کی [illegible] ہوئی ہیں کہا جاتا ہے کہ مہاتما بدھ نے اس پہاڑی پر آکر وعظ کیا تھا۔!

حیات اللہ انصاری

مسیح الحسن رضوی

جب کسی شخص کی زندگی ہنگاموں سے خالی ہو، اس میں گھن گرج کی کیفیت نہ ہو، بلکہ اس کے برعکس نرم رو دریا کی سی کیفیت ہو تو اس کے بارے میں کیا اور کیونکر کہا جائے؟ حیات اللہ انصاری افسانہ نگار ہیں، صحافی ہیں اور اب لیڈر بھی بنتے جا رہے ہیں۔ ان میں سے اگر کسی بھی حیات اللہ کو الگ کیا جائے گا تو دوسرے حیات اللہ کا ذکر ناگزیر ہو جائے گا۔ اس سے بچنے کا آسان نسخہ یہ ہے کہ آپ کے سامنے اس حیات اللہ کو پیش کیا جائے جو ان تینوں چیزوں کا مرکب ہے ـــ حیات اللہ جو انسان ہے اور سب کچھ بعد میں۔

اس حیات اللہ نے زمانہ کے بڑے سرد و گرم چکھے ہیں۔ عزیزوں کی خفگی، دوستوں کی بیزاری اور تمسخر۔ عزیزوں کی خفگی کے سبب ایک زمانہ میں فرنگی محل سے "بن باس" ملا اور دوستوں کی بیزاری کے سبب انجمن ترقی پسند مصنفین سے علیحدگی اختیار کرنا پڑی۔ اب جب کہ حیات اللہ انصاری اپنی راہ الگ ہی کامیاب ہو گئے ہیں تو دوست تو دوست عزیز بھی انہیں اپنا رہے ہیں۔ فرنگی محلیوں سے ملئے تو وہ آپ کو بتلائیں گے کہ حیات اللہ کا تعلق فرنگی محل سے ہے۔ دوست کہیں گے کہ انجمن ترقی پسند مصنفین کے بنانے میں حیات اللہ انصاری کا ہم سے کم ہاتھ نہیں ہے۔ بلکہ سوکا کانفرنس میں تو ڈاکٹر علیم نے یہاں تک کہہ دیا تھا کہ ایک زمانہ میں حیات اللہ ہم سے زیادہ گرم کمیونسٹ تھے اور ہمیں انہیں لگام دینے کے لئے کہنا پڑتا تھا کہ "ذرا سنبھل کے، آگے خندق ہے"۔ بہرکیف حیات اللہ انصاری خندق میں گرنے سے بچ گئے۔ اس میں ڈاکٹر علیم کا مشورہ شامل تھا یا خود حیات اللہ کی کوششوں اور سمجھ کا ہاتھ، یہ کہنا مشکل ہے۔ لیکن ان کی اس تبدیلی کا ان کے دوستوں پر بڑا ناگوار ردِ عمل ہوا جو بقول ان کے بزرگوں کے حیات اللہ انصاری کی صحبت میں پڑ کر خراب ہو چکے تھے۔ کمیونسٹ حیات اللہ گاندھیائی بن گئے تھے اور ہندوستان (ہفتہ وار لکھنؤ) کی ایڈیٹری کر کے بڑے زور شور سے گاندھیائی فلسفہ حیات کی تبلیغ کر رہے تھے۔ دوست ان کی اس تبدیلی کا مذاق اڑاتے پھر رہے تھے۔ اس مذاق اڑانے کا سلسلہ اب تک جاری ہے۔ چنانچہ جب انہوں نے چند سال ادھر اردو کو علاقائی زبان بنانے کے لئے دستخطی مہم چلائی تب بھی ان کا مذاق اڑایا گیا۔ جب انہوں نے صدر جمہوریہ ہند کی خدمت میں بیس لاکھ دستخط پیش کر دیئے تب بھی ان کا مذاق اڑایا

کہا جب چھوٹا تھا بچہ ہی ان کے متعلق اور بہنوں کے لئے نہ تھا بیشہ اپنی مسعود شوق کے خوف سے ہنسے اخبار میں شائع کیا اس میں پھر انہوں نے قسمت کی کا خاتمہ لایا گیا اسے ایک بہرے جلسہ میں مولانا آزاد نے حیات اللہ انصاری کا منظر نامہ پڑھ کر سنایا۔ اور ٹھیک کی کہ ایک تعجب ہوا کہ جب لکھنؤ کے ایک انگریزی روزنامہ میں کسی خیال نے بغیر اجازت کے چھپ گئے تھے کا نام لے کر ان کی تنقید کی اشاعت پر حیات اللہ انصاری نے اپنے اخبار قومی آواز میں لکھے گئے اس کے خلاف اتنہائی کا تب میں بعض ملتوں کی طرف سے ان اعتراض اٹھائے گئے اسی کو روز بہت سے بعض پسند کیا گیا۔ جب اردو کے تحفظ کے سلسلہ میں ایک بڑے جلسہ ہوا تو ڈاکٹر ذاکر حسین کی آواز بھی اس تحریک کا ساتھ دینا تھا۔ تو کہنا یہ ہے کہ حیات اللہ انصاری کی زندگی میں ذاتی اور مسلکی شیدائی کے بعد پہلو بھی ہے۔ لیکن دوست کے پاس کا پہلو سے ملنا ہے۔ وہ اپنے مسلک کے بھی دوست ہیں۔ مسلک دوستوں کے یار ہیں۔ وہ شخص کی زندگی ہیں جسے پھوڑ مرنے نکلتے ہیں پھر ان کے اچھے عہد کے سبب سے وہ اس شعر سے لے کر صفات کی صحت کا اعتراف کرتے ہیں۔ اور حال کے منظر کامیاب رہا ہے کہ اب ان کے تحسین بھی عوام کرنے لگے ہیں کچھ پاتے ہیں۔

اس مضمون کو آگے بڑھانے سے قبل میں آپ کے سامنے ۱۹۲۲ء کے حیات اللہ کا کچھ ذکر کروں گا۔

غالباً اس وقت حیات اللہ کی عمر تیرہ چودہ سال کی رہی ہوگی۔ فرنگی محل کے ایک حصہ میں وہ اپنے والد مولانا وحید اللہ وغیرہ کے ساتھ رہتے تھے۔ ایک بے چین بچہ جس کا اپنا کمرہ "حیات منزل" ایک عجیب و غریب قسم کی دکان تھا جس میں ہر طرح کی چیزیں تھیں۔ گھڑی سے خود چلنے والا پنکھا، توپ، انجینئر کے پرزے، ٹیلسکوپ کی مشین، عجیب و غریب میزیں اور کرسیاں، غرض ہر شے ایسی نظر آتی جو نئی ہو۔ یہ سب چیزیں خود حیات اللہ کی بنائی ہوئی تھیں۔ ان کے بچپن کی کیفیت تھی، ممکن ہے کہ اگر حیات کو انجینئری کی تعلیم دی جاتی تو وہ آج ملک کا ایک ماہر انجینئر ہوتا۔ ہندوستان کی تاریخ میں یہ وہ زمانہ تھا جب تحریک خلافت دم توڑ چکی تھی مسلمان اور خصوصاً اس کے علماء طبقہ میدان میں آنے کے بعد پیچھے ہٹ گیا تھا۔ حیات اللہ کا تعلق چونکہ علماء کے خاندان سے تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب سیاسی ذہن اور علماء کی آپس کی چپقلش کی وجہ سے فرنگی محل کی قیادت کا آفتاب بھی غروب ہو چکا تھا ان حالات اور ماحول میں حیات اللہ فرنگی محل میں تعلیم و تربیت حاصل کر رہے تھے۔ ان کی جدت پسندی، ذہانت اور روشن خیالی کا احساس اس وقت عام طور پر فرنگی محل میں کیا جانے لگا تھا۔ چنانچہ ان کے ہم عمر ساتھی لڑکے ان کی صحبت میں بیٹھنے اور اپنا وقت برباد کرنے کی اجازت نہیں تھی۔ لیکن فرنگی محل کے بچے اس وقت اپنے بزرگوں کے بچپن کے مقابلہ میں کم سادات سے واقف ہو گئے تھے اس لئے وہ چھپا چھپی حیات منزل میں پہنچ جاتے اور اس لڑکے کے کارنامے اور کھیل کود کی کشش کو اپنے جذبہ تحیر کو تسکین دیتے۔ اس زمانہ کے دو واقعات خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ایک مولانا کو فرنگی محل کے ایک مکان کے کمرہ میں "جلوہ طور" نظر آنا اور حیات اللہ انصاری کا مسجد آصفی کے عقب میں واقع ایک دوسری چھوٹی مسجد کے مینار سے چھلانگ لگانا۔

پہلا واقعہ اس طرح ہے کہ حیات اللہ کہیں سے ایک تیز روشنی والا دھاکا لے آئے۔ اور جب مولانا تہجد ادا کرنے کے بعد سو گئے تو انہوں نے اس دھاکے کو داغ دیا۔ چاروں طرف روشنی ہو گئی اور مولانا چلائے کہ —— "نور الٰہی، نور الٰہی ——" کہتے ہیں کہ اس واقعہ کے بعد مولانا ہمیشہ کے لئے مجذوب ہو گئے۔

دوسرا واقعہ راوی نے اس طرح بیان کیا ہے کہ ایک دن حیات منزل میں لڑکے جمع تھے۔ حیات اللہ نے ان سب سے اپنے مینار سے چھلانگ لگانے اور بانسوں کے درختوں کے ایک جھنڈ کے بانس کی مدد سے، جو مینار کی اونچائی تک پہنچتا تھا اپنے نیچے تک بخیر و خوبی پہنچنے کی حیرت انگیز داستان بیان کی۔ لڑکوں کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ اس واقعہ کے بعد حیات اللہ اس ٹولی کے مسلم لیڈر بن گئے۔ جب ان کی قیادت میں لڑکوں کی ٹولی گھومتی پھرتی ہوئی کبھی اکثر شہر کے دوسرے حصوں کو جاتی۔ اگر کبھی دیر ہو جاتی اور لڑکے اپنے والدین کے ڈر سے گھبراتے تو حیات اللہ ان کا اطمینان کرا

رہتے ۔ پھر فرنگی محل کی گلی میں جب یہ ٹولی داخل ہوتی تو حیات اللہ مولائی کی دکان سے جلیبیاں خرید کر ان ہی میں تقسیم کر دیتے اور کہتے کہ گلی کے اندر ہی میلاد شریف ہو رہا ہے۔ میلاد کے لئے جلیبیاں خرید نے سے اندازہ ہوتا ہے کہ حیات اللہ اپنی کم عمری میں بھی ماحول اور اس کی رسم سے کس طرح واقف تھے۔ لیکن یہ لڑکا جس کا نام حیات اللہ تھا محض حیات پسند اور شریر ہی نہیں تھا وہ اس کم عمری میں ہی خاموش طبع بھی تھا۔ حیات منزل میں ایک بار اس نے باپ سے چلنے والا پنکھا بنایا ۔ جس ڈبے میں بھاپ بند تھی وہ اتفاقاً پھٹ گیا۔ حیات اللہ کا آدھا منہ بھاپ سے جھلس گیا لیکن انہوں نے اس وقت شور نہیں مچایا۔ منہ پہ پانی بھی نہیں ڈالا۔ وہ خاموشی سے اس جگہ سے ہٹے اور فرسٹ ایڈ بکس سے انہوں نے کوئی دوا منہ پر مل لی ۔ یہ فرسٹ ایڈ بکس ان کی عمر عیار کی زنبیل میں دوسری چیزوں کے ساتھ موجود رہتا تھا۔

لوگ کہتے ہیں کہ اگر حیات اللہ اس وقت حافظ و مانی سے کام نہ لیتے تو ان کا منہ ہمیشہ کے لئے آدھا سیاہ اور آدھا سفید ہو گیا ہوتا۔ ان کی یہ زندگی بہت جلد کسی طرح ختم ہو گئی کہ مولانا حیدر علی کا انتقال ہو گیا۔ ان سے پہلے ہی ان کی ماں مر چکی تھیں۔ ان کے سر پر کوئی دست شفقت نہیں تھا۔ اس وقت میں انہوں نے فرنگی محل کے مدرسے سے سند حاصل کر لی تھی۔ یہ دینی تعلیم سے وہ بالکل مطمئن نہیں تھے۔ انہیں کوئی آگے کی راہ سمجھانے والا بھی نہیں تھا۔ ایک محبت کرنے والا ماموں زاد بھائی ضرور تھا۔ لیکن وہ خود طالب علم تھا جو انہیں محض مشورہ دے سکتا تھا۔ ان مشوروں کے طفیل انہوں نے دو تین سال میں انٹرنس پاس کر لیا۔ لیکن ان کے حوصلوں نے یہیں بس نہیں کی وہ کوشش کر کے علی گڑھ پہنچ گئے جہاں وہ اس زمانہ کے سب سے غریب پرور ہوسٹل آفتاب ہال میں رہنے لگے۔ یہاں کے قیام کے دوران میں ان کی ... کا اہم واقعہ یہ ہے کہ انہوں نے اردو میں تقریر کرنے کی مہم چلائی اور ساری یونیورسٹی میں ہنگامہ کھڑا کر دیا۔ اس سے قبل وہ لکھنؤ میں کمیونسٹ بن چکے تھے۔ جہاں انہوں نے وجود باری کے مسئلہ پر مولانا عبدالباری مرحوم کی مخالفت مول لی تھی۔ یہاں شاید یہ بتانا دلچسپی سے خالی نہ ہو کہ مولانا عبدالماجد دریابادی کی دہریت سے متعلق تحریروں نے حیات اللہ کی زندگی میں بچپن ہی میں زہر گھول دیا تھا۔ چنانچہ اس زمانے میں انہوں نے اپنے استاد اور بزرگ مولانا عبدالباری مرحوم سے وجود باری کے مسئلہ پر تلخ باتیں کیں تو مرحوم نے انہیں اپنی صحبت سے اٹھ جانے کا حکم دیا۔ حیات خاموشی سے اس محبت سے ۔ جس میں سید جالب دہلوی مرحوم وغیرہ شریک تھے اٹھ کر چلے آئے ۔ لیکن ابھی وہ اپنی "حیات منزل" تک کے راستہ ہی میں تھے کہ مولانا عبدالباری نے انہیں واپس بلایا۔ شفقت سے اپنے پاس بٹھایا اور ان کو مخاطب کر کے کہا کہ "میں عالمانہ سطح پر عقیدہ کے اس خلوص کا احترام کرتا ہوں ۔" اس واقعہ کے بعد وہ تا مرحوم حیات اللہ کا آخر وقت تک احترام کرتے رہے۔ عام مذہبی لوگوں کی کٹر ذہنیت کے خلاف مولانا کا یہ رویہ حیات اللہ کے لئے ایک نیا تجربہ تھا۔ نہیں کہا جا سکتا کہ آئندہ زندگی میں انہوں نے اس سے کس طرح فائدہ اٹھایا۔

علی گڑھ سے بی اے کی ڈگری لینے کے بعد اب جو حیات اللہ لکھنؤ واپس آتے ہیں تو کایا ہی پلٹ گئی تھی۔ کمیونسٹ حیات اللہ بقول مولانا محمد علی مرحوم کمیونسٹ پر رہنے لگے تھے۔ یہاں سے مکتبوں سے چھیڑ چھاڑ اور طعن و تشنیع کا دور شروع ہوا۔

ان کی زندگی کے اس دور (۱۹۳۵ء) میں میں ان سے متعارف ہوا ۔ اس وقت ان کے افسانوں کا مجموعہ "انوکھی مصیبت" شائع ہو چکا تھا۔ "آخری کوشش" جیسا غیر فانی شاہکار انہوں نے ابھی تخلیق نہیں کیا تھا۔ کمیونزم کو وہ خیرباد کہہ چکے تھے ۔ لیکن گاندھیائی ہوتے ہوئے بھی وہ غیر طبقہ واری سماج کے علمبردار تھے۔ میری طرح ان کی نظریاتی زندگی کا یہ معمہ بہتوں کی سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ آخر گاندھی ازم کو مارکزم کے غیر طبقہ واری سماج سے کیا نسبت ہے۔ لیکن اب بہت دنوں ساتھ رہنے کے بعد کم از کم میں نے اس معمہ کو حل کر لیا ہے۔ حیات اللہ ناک کو سر کے پیچھے ہاتھ گھما کر پکڑتے ہیں دوسرے اسے سامنے سے پکڑ لیتے ہیں۔ یہ طریق کار کا فرق ہے ۔ اس کی وضاحت اس طرح کی جا سکتی ہے کہ حیات اللہ سرمایہ داری کے اس لئے مخالف ہیں کہ اس میں فرد کو معاشی مساوات اور ترقی کے مواقع حاصل نہیں ہیں۔ اس کے ساتھ وہ کمیونزم کے اس لئے مخالف ہیں کہ اس میں ریاست کی جبریت کو بڑا دخل ہے۔ پھر ان کے سامنے سماج کی نابرابری کو ختم کرنے کے لئے کون سا فلسفہ حیات ہے؟ یہ فلسفہ حیات

ان کی تحریک آزادی میں نظام کے متعلق کوئی مدد نہیں مل سکتا۔ جس کی بنیاد معاشی مساوات کے اصول پر ہے اور جہاں سیاست کی بنیاد بحیثیت مجموعی عوام نہیں ہے اور یہ سب سے بڑی بات ہے کہ ان کے خیال میں گاندھی جی کی تعلیمات میں بھرپور Human Touch ہے۔

یہ ایک طویل بحث ہے جس کی یہاں چھیڑنے کی گنجائش نہیں۔ تاہم اس سے اتنا ضرور ثابت ہوتا ہے کہ حیات اللہ کو اپنے موقف پر ثابت قدمی کا میلان رہا ہے کہ ان کے دوست اور مخالف بھی انہیں رجعت پسند نہیں سمجھتے ہیں۔ بلکہ ان کی صداقت کا اعتراف کرتے ہیں۔ کسی زندگی کی اس سے بہتر کیا مثال ہو سکتی ہے؟

آج حیات اللہ جس مقام پر کھڑے ہوئے ہیں وہاں تک پہنچنے کے لئے انہوں نے ہر طرح کی مشکلات کا سامنا سرفروشانہ جذبہ کے ساتھ کیا ہے۔ دنیا میں شاید سب سے بڑی ذلت فاقہ کشی کی ہے۔ اس فاقہ کا خطرہ ہر وقت اس صورت میں ہو جاتا ہے جب آدمی اپنے اصولوں اور نظریات کے لئے کسی کی مرضی گوارا نہ کرے بلکہ حق کے سامنے سر نہ جھکائے۔ حیات اللہ ان دشوار گزار راہوں سے بھی بڑی خاموشی اور پامردی کے ساتھ گزرے ہیں۔ سنہ ۱۹۳۹ء میں جب سامراجی جنگ شروع ہونے کے بعد قومی جنگ چھڑ گئی تھی۔ اور حیات اللہ کے بیشتر ساتھی لیڈر، مشاورین اور پیشہ کے دوسرے فرائض سے مجبور ہو کر ہٹ گئے تھے تو اس وقت حیات اللہ لکھنؤ کی جاڑے کی سردیوں میں ٹھٹھرتی شیروانی پہنے اسی شان استغنا سے رہتے تھے اور چھلکے کو روپے سے زیادہ حاصل کرتے تھے۔ دوسرے جب شدت کم ہوتی تو جاڑوں میں جاتے تھے اور حیات اللہ بیٹھے گھر پر سانپ پالتے تھے۔ ان سانپوں کے پالنے کا قصہ یہ ہے کہ پنڈت برج کشن کول ایک عزیز مشہور سانپ والے ہیں اس زمانہ میں لکھنؤ یونیورسٹی میں تھے۔ ان کی کسی طرح سے حیات اللہ سے دوستی ہو گئی۔ پھر کیا تھا دونوں نے مل کر سانپ پالنا شروع کئے۔ میں کول صاحب کے بارے میں تو نہیں جانتا ہوں لیکن حیات اللہ کے بارے میں وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ انہوں نے اس فن شریف کو سیکھنے میں اپنا کافی وقت برباد کیا۔ اس زمانہ میں سانپوں سے متعلق کئی مضامین بھی لکھیں اور مجھے یاد پڑتا ہے کہ اس موضوع پر جب ریڈیو پر تقریر ہوئی تو ان کے اس اصرار پر ریڈیو کے ذمہ داروں میں کافی کھلبلی مچ گئی کہ تقریر سے پہلے مائک پر بین بجائی جائے۔ بہرکیف ان سانپوں کا قصہ یوں ختم ہوا کہ کول صاحب انگلینڈ چلے گئے اور حیات اللہ کی نامہ ازبری کے تلاش کے لئے دوسری راہیں نکل آئیں۔ انہوں نے پرانے لکھنؤ میں ندوہ کے ساتھ تعلیم بالغان کا کام شروع کر دیا۔ جو ایک عرصہ تک جاری رہا۔ اس کے ٹھیک پندرہ برس بعد انہوں نے بالغوں کی تعلیم کے لئے اور انہیں دس روز میں اردو لکھنا پڑھنا سکھانے کے لئے "حیات اللہ قاعدہ" تیار کیا۔ سنہ ۱۹۴۲ء میں ہندوستان ہفتہ وار لکھنؤ بند ہو گیا جس کی تیس چالیس روپے ماہوار کی نوکری چھوٹ گئی اور وہ اس وسیع دنیا میں جہاں ان سے ہمدردی کرنے والوں کا شدید قحط تھا وہ بالکل تنہا رہ گئے تنہا اس معنی میں کہ حیات اللہ نے ہندوستان کے ذریعے ادب اور صحافت کی بڑی خدمت کی تھی۔ آج کے بیشتر ممتاز ادیبوں اور شاعروں میں کم لوگ ایسے ہوں گے جنہوں نے ان کے اخبار میں نہ لکھا ہو۔ اس وقت اس ہفتہ وار اخبار کو جاننے والوں کی تعداد بہت کم ہو گی (کیونکہ ترقی پسند تحریک کے سلسلہ میں نقادوں نے کہیں بھی اس کا ذکر نہیں کیا ہے) لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ حیات اللہ نے اس پرچہ کے ذریعہ اپنے ان متوازن خیالات کا ریہرسل کیا تھا جن کو بعد میں انہوں نے قومی آواز کے ذریعہ پیش کیا ——

قومی آواز کا ذکر کئے بغیر حیات اللہ کی زندگی بڑی ادھوری رہ جائے گی۔ لیکن ان کی زندگی کے اس پہلو پر لکھنے سے قبل ان کی رضاکارانہ بے کاری کے زمانہ کا ایک قصہ اور تجربہ ان کے کردار پر روشنی ڈالنے کے لئے یہاں لکھنا ضروری ہے۔ جب ہندوستان کے تمام ممتاز ادیبوں نے ایک ایک کر کے فلمی لائن کو اختیار کیا تو حیات اللہ نے بھی قسمت آزمائی کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ انہوں نے چیتن آنند کے ہاتھ اپنی ایک فلمی کہانی "نیچا نگر" فروخت کی۔ اس سلسلہ میں وہ کئی ماہ بمبئی رہے۔ جب اس کہانی کا فلم تیار ہوا تو اس نے فرانس میں اکاڈمی انعام جیتا۔ لیکن اس عرصہ میں بمبئی کی فلمی دنیا نے حیات اللہ کو بدحواس کر دیا۔ چنانچہ وہ اپنی فلمی کہانی کے پیسے جیب میں ڈال کر بمبئی سے بھاگ نکلے اور لکھنؤ آ کر دم

تھا۔ یہاں رفیع احمد قدوائی مرحوم سے انہوں نے ملاقات کی اور انہیں ایک اردو روزنامہ نکالنے کا مشورہ دیا۔ قدوائی صاحب ان دنوں یوپی کانگریس کا الیکشن لڑنے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ وہ اخبار نکالنے پر آمادہ ہو گئے۔ حیات اللہ نے کام سنبھال لیا۔ اس وقت حسن عسکری ایڈیٹر تھے۔ جب پہلا پرچہ نکلا تو انہوں نے حیات اللہ کو جلا کر ایک مختصر کڑوا کسیلا خط لکھا۔ حیات اللہ حسن عسکری کا خط پی گئے۔ پھر اس کے بعد شاید دونوں میں کبھی خط و کتابت نہیں ہوئی۔ اس سلسلہ میں ان کا کمال یہ ہے کہ انہوں نے ایک الیکشن کے پرچہ کو اپنی کوششوں سے ایک باوقار روزنامہ بنا دیا اور آج یہ بات بلا خوف تردید کہی جا سکتی ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں کی مذہبی اور ثقافتی خدمت جس صحت مندانہ طریقے سے قومی آواز انجام دے رہا ہے۔ اس کی مثال آزاد ہندوستان میں مشکل سے ملے گی۔ قومی آواز کی بقا کے لئے انہوں نے اپنے معدودے ساتھیوں سے بھی اس طرح جنگ کی جس طرح وہ باہر اپنے ترقی پسند ساتھیوں اور فرقہ پرست جماعتوں سے لڑتے رہے تھے۔ انہوں نے خود پیٹ پر پتھر باندھ کر اور اپنے ساتھیوں کے پیٹ پر پتھر باندھ کر قومی آواز کو زندہ رکھا ہے۔ اس کی وجہ سے ادارہ کے اراکین میں تلخیاں پیدا ہوئیں۔ شرک پیدا ہوئے، نیت کا سوال درمیان میں لایا گیا۔ دوستی اور تعلقات میں فرق آیا لیکن وہ اپنی بات پر جمے رہے۔ بات پر جمے رہنا حیات اللہ کا بہت بڑا وصف اور کمزوری ہے۔ وہ جب سوچ سمجھ کر ایک بات کا فیصلہ کر لیتے ہیں تو پھر بڑی مشکل سے اسے بدلنے پر تیار ہوتے ہیں بلکہ بدلتے ہی نہیں ہیں۔ اس میں بعض اوقات کٹھ حجتی کو دخل ہوتا ہے۔ لیکن ایسا بہت کم ہوا ہے کہ انہوں نے کسی مسئلہ کے بارے میں خوش نیتی سے اپنی رائے نہ قائم کی ہو۔

لیکن خود ان کی بھی ایک کمزوری ہے۔ یہ کمزوری ان کے تخیل کی اڑان ہے۔ جس کو اگر آپ حیات اللہ کے ساتھ رعایت برتیں تو ان کی امید پرستی کا نام دے سکتے ہیں۔ وہ کبھی مایوس نہیں ہوتے۔ لیکن ان کے اس مایوس نہ ہونے کا ایک دوسرا پہلو یہ ہے کہ اگر آپ خدانخواستہ ان کی باتوں میں آ گئے تو یہ ممکن ہے کہ آپ امید کا دامن ہمیشہ کے لئے جھٹک دیں۔ مثلاً مجھے یاد ہے کہ ایک زمانہ میں انہوں نے اپنے ایک گورنمنٹ دوست لوکل چندر ستوگی کے ساتھ مل کر کوہ پیمائی کا بڑا عظیم الشان پروگرام بنایا تھا۔ اس کے لئے لکھنؤ کے نخاس سے سامان جمع کرنے کی ایک طول و طویل فہرست بھی بنائی گئی تھی۔ دن بھر یہ دونوں دوست کوہ پیمائی کے امور پر دلچسپ گفتگو کیا کرتے۔ غریب رستوگی اس گپ میں اتنا منہمک ہو جاتا کہ اس کی نوجوان آنکھوں میں ایورسٹ کی برفیلی چوٹیاں چمکنے لگتیں۔ لیکن کچھ دن کے بعد یہ ہوا کہ حیات اللہ کو اپنے تخیل کی اڑان کے لئے دوسرا مشغلہ ہاتھ آ گیا۔ رستوگی غریب آج کل فارمنگ کے چکر میں پڑ گیا ہے۔ شاید اسے اس بات کا علم نہیں ہے کہ تن سنگھ کے ایورسٹ کے سر کرنے سے قبل حیات اللہ انصاری اپنے تخیل میں اسے کبھی کا سر کر چکے ہیں۔ تو یہ تخیل پرستی یا امید پرستی حیات اللہ کی فطرت کا خاصہ ہے۔ جس کے سہارے انہوں نے اپنی زندگی کے کتنے ہی معرکے سر کر ڈالے ہیں۔ لیکن حیات اللہ کے اس اسکیچ کو پڑھنے والوں کو میرا یہ مشورہ ہے کہ وہ رستوگی کی مثال کو سامنے رکھیں۔ اور زیادہ اڑان بھرنے کی کوشش نہ کریں کیونکہ بسا اوقات حیات اللہ کو اس اڑان کا خمیازہ بھگتنا پڑا ہے۔ اس کا قصہ یوں ہے کہ ایک بار یوپی اسمبلی میں کبھی وزیر مالیات حافظ محمد ابراہیم نے اپنی بدقسمتی سے بجٹ تقریر میں اردو کا ذکر خیر فرما دیا۔ دوسرے دن جب یہ تقریر اخبارات میں چھپی تو حیات اللہ نے اپنی امید پرستی کے ہاتھوں اس کی بڑی مٹی پلید کی ——— اردو کی جیت اور ان کے تخیل نے سینکڑوں ہوائی قلعے بنا ڈالے۔ پھر یہ ہوائی قلعے از خود دھم کر کے اور بیچارے حیات اللہ دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے۔ اب یہ نوبت پہنچ گئی ہے کہ وہ اردو کے مقدمہ سے مایوس ہوتے جا رہے ہیں۔ لیکن اس پر بھی انہوں نے صبر اور تخیل کے دامن کو ہاتھ سے نہیں چھوڑا ہے اور اب وہ "سرد جنگ" کی تیاری کر رہے ہیں۔ وہ جمہوریت کی فتح پر بھرپور اعتماد رکھتے ہیں۔

ان کے تخیل کی اڑان کی ایک دوسری مثال بھی سنتے چلئے۔

۱۹۴۲ء میں غیر منقسم ہندوستان کی جو سیاسی صورت حال تھی اس سے کم و بیش سب ہی واقف ہیں۔ یہاں ان افسوسناک واقعات کا اعادہ

کرنے کی ہمت نہیں ۔ لیکن وہ [illegible] حیات اللہ مایوس نہیں تھے ۔ ان کے تحمل کی شان کا وہی حال تھا ۔ چنانچہ ۲ ، جولائی ۱۹۴۷ء کو یہ سطریں لکھیں ۔

" ۔۔۔۔۔ جو تحریک چلنے والی ہے اس پر مجھے پورا عقیدہ ہے ۔ اب ہندوستان کو آزاد ہو کر نفاق کو ختم کرنے کے آخری مہینوں کی وہ بات ہے ۔ یہاں ذرا تحمل کی ضرورت ہے "

مجھے اس کا اقرار ہے کہ کرشن کی طرح اس بارے میں بھی ان کے ساتھ برسوں کی جھڑپ پر جا پہنچا ۔ لیکن جب کبھی ملاقات ہوتی تو اس نتیجے سے مایوس کیا ۔ اگر میں کرشن کی جگہ ہوتا تو شاید میں بھی مذہبی مسلک کے چکر میں پڑ گیا ہوتا ۔ لیکن یہ نہ سمجھئے کہ حیات اللہ انصاری کی اس تحمل پرستی کا تعلق بالکل ناطہ توڑ لیا جاتا ہے ۔ میں نے شان کے ساتھ انہیں ہر قسم کے وقت اپنی پوزیشن سے مضبوطی سے قدم جمائے دیکھا ہے ۔ جب اس معاملے میں یہ ہمارا وہ مجھے یہ خط لکھا کہ اپنے دوست اور انگریزی ناول " کنسٹ " کے مصنف راجا راؤ کے تجربہ کی کوشش میں نکل طرح ہوئے کہ روحانی ماہرین کے کلام کی داستان کو غیر ملکی اخباروں میں شائع کرایا جائے ۔ یہ راجا راؤ بھی عجیب خیالی انسان تھے ۔ اپنے تخیل کی اڑان میں حیات اللہ سے ہزاروں ہزار ہاتھ آگے ۔ حیات اللہ دکھنیہ اسٹریٹ کے ایک کمرے میں بیٹھ کر برسوں کو سر کرنے کی ہمت رکھتے تھے ۔ یہ راجا راؤ تو ہوائی جہاز پر سفر کرتے تھے ۔ اس لئے وہ پر پہنچے ان کے تخیل کی اڑان ۔ اس کے پر سے پر ساتھ ہی اپنی ذہانت کے ذہنی حیثیت حقیقت پسندی سے دونوں کو پیک دیتے تھے ۔

اس وقت (۱۹۵۶ء) حیات اللہ انصاری قومی آواز ، دستخطی مہم اور فرقہ پرستوں کے خلاف جہاد کرنے کا دو سرا نام ہے ۔ دستخطی مہم کے سلسلے میں اوپر کہیں ذکر آچکا ہے ۔ جب انہوں نے اس مہم کو شروع کیا تھا تو بہت کم لوگوں کو اس بات کا یقین تھا کہ وہ بیس لاکھ دستخط جمع کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے ۔ اس زمانہ میں ہندوستان کا جو سیاسی مزاج تھا اس میں یہ بات ناممکن بھی نظر آتی تھی ۔ لیکن انہوں نے دیکھتے ہی دیکھتے ایک عظیم الشان تنظیم کھڑی کر دی ۔ جس نے پوری قوم کے ساتھ بیس لاکھ دستخط جمع کر کے صدر جمہوریہ ہند کی خدمت میں پیش کر دیئے ۔ تحریک کی کوششیں بار آور نہیں ہوئیں تو اس میں ان کا قصور نہیں ہے ۔ ہندوستان کے جمہوری مزاج کا قصور ہے اور جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے حیات اللہ کو ہندوستان کی جمہوریت پر اٹل بھروسہ ہے ۔ اس لئے وہ اس سلسلہ میں اپنے بس بھر کام کئے جا رہے ہیں ۔ اس مہم کے سلسلہ میں حیات اللہ نے اگر دیکھے میدانوں کو سر کیا ۔ بڑوں بڑوں سے ٹکر لی ۔ یہاں تک کہ انجمن ترقی اردو کے سیکریٹری قاضی عبد الغفار مرحوم تک کی مخالفت مول لی ۔ اس سلسلہ میں انسانی فطرت کی کمزوری کے پیش نظر ممکن ہے کہ دونوں میں قیادت کے لئے بھی رسہ کشی ہوتی ہو ۔ لیکن قاضی عبد الغفار کے انتقال کے بعد انہوں نے قومی آواز میں جو اداریہ لکھا اس میں اردو کی جد و جہد کا سہرا قاضی صاحب مرحوم کے سر باندھ دیا ۔ جو لوگ حیات اللہ کے مزاج سے ناواقف تھے انہوں نے منہ میں انگلیاں دبا لیں ۔ جب حیات اللہ کو اس حیرت کا علم ہوا تو انہوں نے اپنی مخصوص دلکش مسکراہٹ پر اکتفا کی ۔

اسی طرح کا ایک ہنگامہ مجاز مرحوم کے انتقال کے موقع پر اس وقت پیش آیا جب انہوں نے " مجاز رخصت ہو گیا " کے عنوان سے ایک اداریہ سپرد قلم کیا ۔ اس اداریہ میں حیات اللہ نے دل کھول کر مجاز کے فن کی تعریف کی ۔ صحیح معنوں میں اس اداریہ میں انہوں نے خون کے آنسو بہائے تھے ۔ لیکن اس کے ساتھ انہوں نے اپنی عادت کے مطابق کمیونسٹ پارٹی کی بھی خبر لے ڈالی اور اس بات پر اظہار افسوس کیا کہ " مجاز اس لئے چاند پر کمند نہ پھینک سکے کہ وہ ایک ایسی جماعت سے وابستہ تھے جو ادب کو اپنے مفاد کے مسائل اور ایک خاص سیاسی نظریے سے متعلق رکھنا چاہتی ہے ۔۔۔۔۔ "

علی سردار جعفری جو ان دنوں ایک مشاعرہ کے سلسلہ میں لکھنؤ آئے ہوئے تھے انہوں نے اداریہ کو پڑھا ۔ اپنے مخصوص انداز میں بالوں

دونوں ہاتھوں سے سر کے پیچھے پیٹا اور کہا کہ "حیات نے سب ٹھیک لکھا ہے مگر یہ ...... پر الزام کہ قرۃ العین نے بھیدی کو لکھایا، یہ غلط ہے اس موقع پر یہ دھوکا دینا چاہیے تھا۔"

واقعی اگر حیات اللہ اس موقع پر یہ فقرہ نہ کہتے تو اچھا تھا۔ یہ ان کا ذہنی معیار بھی تھا۔ ایک بات یہ ہے کہ ہمیں کتنے لوگوں میں ہے جو ڈاکٹر مجاز سے متاثر ہوئے بغیر بے باکی سے اپنے خیالات کو ڈنکے کی چوٹ پر کہہ سکیں۔ اس کے دوسرے دن لکھنؤ میں ایک جلسہ ہوا جس نے اپنے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ اس جلسے میں حیات اللہ بھی بولے۔ لیکن انہوں نے یہاں کچھ اور ... کی اور مجاز کی شراب نوشی پر ایک نئے انداز سے روشنی ڈالی۔

حیات اللہ بڑے پیارے دوست ہیں۔ ان کی سنجیدگی کے پیچھے ایک بڑی زندہ دل، ہنس مکھ اور چلبلی شخصیت چھپی ہوئی ہے۔ وہ اپنے دوستوں کی کمزوریوں کا مذاق اڑاتے ہیں۔ انہیں تنگ کرتے ہیں۔ خود ہی دوستی پر زندہ رہنے کی کوشش کرتے ہیں۔ لیکن انہیں عمدہ پلاؤ، قورمہ، کباب اور پلاؤ کھلاتے ہیں۔ دوستوں کی بیویوں کو شوہروں کے خلاف بغاوت کرنے پر اکساتے ہیں۔ چنانچہ جذبی کے ساتھ علی گڑھ میں ایک دلچسپ لطیفہ پیش آ چکا ہے۔ حیات اللہ کسی کام سے علی گڑھ گئے ہوئے تھے۔ جذبی ان کے پرانے رفیق اور دوست ہیں۔ ان کی بیوی نے بتایا کہ جذبی بیوی کے ساتھ باہر نکلتے ہوئے گھبراتے ہیں۔ حد یہ ہے کہ کبھی سینما تک ساتھ نہیں جاتے۔ حیات اللہ نے انہیں تسلی دی اور یقین دلایا کہ اس مرتبہ ایسا انتظام کر کے جائیں گا کہ جذبی ہمیشہ آپ کے ساتھ سینما جائیں گے۔ وہ ٹھیرا یہ اشارہ اور ... کا ایک پرواشاید ... کہ اس کے ... کو یہ معلوم ہو جائے گا کہ جذبی بیوی کے ساتھ نکلتے ہیں۔ جب اس دن جذبی گھر واپس آئے تو حیات اللہ نے انہیں دوسرے شو میں بیوی کے ساتھ سینما جانے کا الٹی میٹم دے دیا۔ جذبی گھبرا گئے۔ مگر مجبور تھے وہ خود اتنے شریف واقع ہوئے ہیں کہ اس خواہش کی مخالفت کرنا ان کے بس سے باہر ہے اس واقعہ کے بعد حیات اللہ لکھنؤ واپس آ گئے۔ معلوم نہیں جذبی کے طالب علموں کو اس بات کا علم ہوا یا نہیں کہ جذبی اپنی بیوی کے ساتھ سینما دیکھتے ہیں۔ طالب علموں کو چاہیے معلوم ہو جائے ہو ہمیں ہماری دعا ہے کہ اس کی خبر مولانا عبدالماجد دریابادی کو نہ ہونا چاہیے کہ حیات اللہ عورتوں کو سینما دکھاتا پھرتا ہے۔ کیونکہ اگر انہیں اس بات کا علم ہو گیا تو حیات اللہ کی خیریت نہیں ہے۔ اسی سلسلہ میں یاد آیا کہ قومی آواز جب شروع شروع میں نکلا ہے تو حیات اللہ نے مولانا عبدالماجد دریابادی سے بھی مضمون لئے تھے۔ لیکن حیات اللہ ٹھیرے شش مزاج کے انسان انہوں نے ... کے بجائے اس بھاری پتھر کو چوم کر چھوڑ دیا۔ خیر یہ تو جملہ معترضہ تھا۔ ذکر حیات اللہ کا اچھے اور دلچسپ دوست ہونے کا تھا۔ ہر شخص کی طرح حیات اللہ کا بھی ایک مخصوص حلقہ احباب ہے۔ ان کی روح کی گہرائیوں میں جھانکنے کے لئے اس حلقہ احباب میں شامل ہونا ضروری ہے۔ یہاں حیات اللہ ایک بالکل مختلف انسان ہیں۔ جو آپ کو سستے پھلوں کے خریدنے کے گر سے لے کر پیاس اور ناس کے سستے مال کے ذریعہ گھر کو سجانے کی ترکیبیں بتاتے نظر آئیں گے۔ حیات اللہ بچپن سے پیٹ کے مریض ہیں۔ شاید بچپن میں ماں کے قبل از وقت انتقال کی وجہ سے باپ نے بہت زیادہ لاڈ کیا ہو گا جس کی وجہ سے ان کا معدہ کمزور ہو گیا۔ بہرکیف وجہ کچھ بھی رہا ہو اس پیٹ کی بیماری کا سلسلہ آج تک قائم ہے۔ اور اب وہ اس کا علاج غذاؤں اور دواؤں کے ذریعہ خود کر لیتے ہیں۔ یہاں تک تو ٹھیک ہے لیکن آگے چل کر یہ معاملہ مذاق کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ یہ صورت اس وقت پیش آتی ہے جب ان کا کوئی دوست درد سر، بے خوابی یا اسی قسم کی کسی دوسری شکایت کا ذکر کرتا ہے۔ حیات اللہ فوراً سنبھل کر بیٹھ جاتے ہیں۔ "اچھا تو آپ کو یہ شکایت ہے۔" پھر اس شکایت کا تجزیہ تشخیص سے ملا کر کہیں گے: "سب پیٹ کی خرابی ہے۔ کبھی آپ کو قبض تو نہیں ہوئی؟" اب وہ بیچارہ دوست ذرا گھگھیا کر کہتا ہے کہ "جی نہیں قبض کبھی نہیں ہوئی۔ مجھے کیا میری سات پشتوں کو یہ موذی مرض کبھی نہیں ہوا۔" لیکن حیات اللہ اس کی بات کا اعتبار نہیں کریں گے۔ فوراً کھانے اور نہ کھانے کی ایک لمبی چوڑی فہرست گنا

یہی کہ معاملات میں شیعہ سنی کے [illegible] عقائد اور صفۃ وقت بتائے جاتا۔ [illegible] جب وقت آئے گا تو اس سے [illegible] پہنچیں گے۔ پھر حیات [illegible] ایسا [illegible] سے اس تالیف [illegible] کا بار سے جسے کا ان پہلو [illegible] نہیں آئی۔ چنانچہ تکمیل ہونے کی توقع ہے۔ دیکھو [illegible]۔ اگر [illegible] کے سوال جواب سے تنگ [illegible] حیات اللہ [illegible] ہوں گے [illegible] ہاتھ [illegible] گھبرا [illegible] [illegible] مسائل [illegible] سب [illegible] حیات [illegible] فرصت سے فارغ ہو جائے گا۔

اس سلسلے میں مجھے یاد پڑتا ہے کہ حال ہی میں انہیں اپنے قریبی [illegible] کے رشتہ دار کی صحت کی وجہ سے سخت تشویش پیدا ہو گئی۔ پہلے تو انہوں نے فوراً ڈاکٹر صاحب کو ان کی صحت کی اطلاعات کی طرف متوجہ کیا لیکن جب کسی نے نہیں سنا اور کہا [illegible] کی صحت [illegible] تو انہوں نے [illegible] والے سستے [illegible] ایک فہرست [illegible] چنانچہ [illegible] انہوں نے سب [illegible] کی کوشش کی کہ [illegible] کے ذریعہ بھی [illegible] حاصل کئے جا سکتے ہیں۔ [illegible] انہوں نے اپنی فرصت کے [illegible] تجربات [illegible] کا [illegible] اس سلسلے میں [illegible] کرنے کے قابل ہے کہ [illegible] وقت [illegible] جب [illegible] پیش خواب ہو [illegible] اور وہ [illegible] نہیں [illegible] ہوئے۔

چند سال پہلے حیات اللہ [illegible] شاہ جہاں [illegible] پوچھے [illegible] گے [illegible] ہے ایک زمانہ میں حیات اللہ خدا کے قائل نہیں تھے۔ لیکن اب [illegible] نے [illegible] ہے [illegible] کے سچائی کے [illegible] ہیں اور ایک صوفی کی طرح [illegible] دیکھتے ہیں۔ [illegible] کے [illegible] پوچھا گیا کہ آپ [illegible] الہامی کتاب مانتے ہیں یا نہیں ——— حیات اللہ ایک لمحہ [illegible] چپ ہو گئے۔ پھر [illegible] ان کی آنکھوں میں [illegible] ہوں۔ کس طرح؟ [illegible] اور پھر [illegible] ہو سکتی ہے [illegible] نا [illegible] سے اصرار کیا گیا۔ کہنے لگے میں ایک چھوٹا موٹا ادیب ہوں [illegible] فرض کیجئے [illegible] میں [illegible] یا یوں کہئے کہ کسی کی خودی مٹ جائے [illegible] ایک احمق [illegible] اب آپ اسے جو کچھ نام دے دیجئے۔"

ان کے اس استدلال کو ہم جیسے انسان تخیل کی [illegible] کا نام دیں گے۔ لیکن دل کی بات کو سمجھنے والوں کے لئے اس میں بڑا [illegible] پوشیدہ ہیں۔ حیات اللہ کا بچپن اور زندگی کا بیشتر حصہ لکھنؤ میں گزرا ہے۔ ان کا لکھنؤ کے علماء کے فرنگی محل کے [illegible] خاندان سے تعلق ہے۔ [illegible] حاصل کئے ہیں ان کی خاندانی روایات کا ہاتھ ہے یا ان کے گاندھیائی ہونے کا [illegible] اس بارے میں کچھ کہنا مشکل ہے۔ لیکن اگر اس سوال کا جواب دینے کے لئے حیات سے کہا جائے تو یقینی ہے کہ وہ گاندھی جی کی تعلیمات کو اپنے خدا تک پہنچنے کا وسیلہ قرار دیں گے۔

نفاست کے اعتبار سے حیات اللہ پورے لکھنوی ہیں۔ وہی ادب و لہجہ (لیکن تصنع سے پاک)، وہی بات کا اہتمام، وہی تہذیب کا رکھ رکھاؤ۔ لکھنؤ میں ان کا قیام شہر کی نئی آبادی والے حصہ میں ہے۔ عید بقرعید کے موقع پر وہ صرف اپنے بزرگوں سے ملنے فرنگی محل جاتے ہیں ورنہ اس بات پر شدت سے اصرار کرتے ہیں کہ ان کے چھوٹے ان سے ملنے کے لئے نئی آبادی آئیں۔ چنانچہ فرنگی محل جانے کا انہوں نے کچھ ایسا طریقہ اختیار کیا ہے کہ لامحالہ ان کے چھوٹوں کو ان سے عید ملنے کے لئے ان کے گھر جانا پڑتا ہے۔

لکھنؤ میں جہاں بہت سی خوبیاں ہیں وہاں ایک تہذیبی برائی یہ بھی ہے کہ مسلمانوں کے دو فرقے شیعہ اور سنی اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بنائے بیٹھے ہیں۔ لیکن حیات اللہ نے بہت شعوری طور پر اس خلا کو پر کرنے کی کوشش کی ہے۔ وہ شیعہ سنی علماء اور [illegible] شہر شہر کا یکساں احترام کرتے ہیں۔ وہ دونوں فرقوں میں یکساں مقبول ہیں۔ شیعہ علماء اور شرفاء کے گھرانے کی کوئی ایسی تقریب نہیں ہوتی ہے جس میں حیات اللہ کو مدعو

نہ کیا جاتا ہو۔ صورت یہ ہے کہ جب لکھنؤ میں مدح صحابہ اور تبرّہ کے سلسلہ میں باہمی تعلقات بہت خراب ہو گئے تھے تو ان ہی دنوں میں ایک صاحب نے شیعوں کی مشہور درسگاہ سلطان المدارس کے طلبا کے حقوق کے لئے ایک تحریک کی رہنمائی کی تھی۔ جس میں طلبا نے ایک لمبی ہڑتال کی تھی لیکن کسی مرحلے پر بھی حیات اللہ کو اس سلسلہ میں موردِ الزام نہیں ٹھہرایا گیا کہ وہ شیعوں کی درسگاہ کی تخریب کر رہے ہیں۔ وہ مختلف حلقوں کی شمولیت کے لئے ایسے ستے نہیں ہیں جیسے انہیں کار ساتے ہیں۔

اس مضمون کے شروع میں آنحضرت کی ذات کے متعلق ایک دو آزار اشتہار کا ذکر آ چکا ہے۔ اس سلسلہ میں حیات اللہ نے شہر میں جو مجلس عمل بنائی تھی اس میں دونوں فرقوں کے نمائندوں کو شریک کیا تھا۔ پھر جب مجلس عمل کے ایک عالم نے جو ان کے عزیز ہوتے ہیں مجلس عمل کے فیصلہ سے انحراف کیا تو حیات اللہ نے بغیر کسی قسم کی رو رعایت کے اخبار کے ذریعہ ان کا پول کھولا۔ اس واقعہ کے سلسلے میں ان کی وہ غیر فرقہ پرست شخصیت بھی کافی مجروح ہوئی۔ لیکن اس کی انہوں نے فکر پروا نہیں کی۔ جب ان سے کہا گیا کہ آپ اس تحریک کے ساتھ بہت دور تک چلے گئے ہیں تو انہوں نے نہایت ٹھنڈے لہجہ میں جواب دیا کہ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ حیات اللہ اگر اپنے اخبار میں اس تحریک کے خلاف کچھ لکھ دیں گے تو معاملہ ختم ہو جائے گا وہ معاملہ کی نزاکت اور مسلمانوں کے جذبات سے واقف ہی نہیں ہیں۔ لوگوں کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں تھا۔ لیکن اس وضع کے پکے شخص نے اس معاملہ سے نپٹنے کے بعد دوسرا سرا رخ سنبھالا اور بالآخر مخالفین کو یہ سمجھانے میں بڑی حد تک کامیابی حاصل کی کہ انہوں نے اس معاملہ میں جو رویہ اختیار کیا تھا وہ بالکل صحیح تھا۔

حالات نے اس وقت حیات اللہ کو سیاست میں حصہ لینے پر مجبور کر دیا ہے جس کے لئے وہ بالکل نادم اور شرمندہ نہیں ہیں۔ لیکن یہ ایک بہت افسوسناک بات ہے۔ دراصل وہ بنیادی طور پر ایک فن کار اور مفکر ہیں اور یہی ان کی جگہ ہے۔ چند سال ادھر وہ ایک صحافتی وفد کے ساتھ مصر گئے تھے۔ وہاں سے واپسی پر وہ اپنے ساتھ فراعنہ مصر کی داستانیں، بادشاہوں اور شہزادیوں کے قصے اور وادیٔ نیل کے سماج کی کہانیاں لے کر آئے۔ مصر کی سماجی زندگی کے اور بہت سے پہلوؤں کا بھی جمالیاتی نقطۂ نظر سے مطالعہ کر کے لوٹے۔ لیکن انہیں وہاں شاہ فاروق کے خلاف ہونے والی سازش اور اس انقلاب کی کوئی بو باس نہیں ملی جو ان کی واپسی کے چند ماہ یا شاید چند ہفتوں کے بعد رونما ہوا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مخصوص حالات کی وجہ سے وہ ایک سیاسی آدمی ہو گئے ہیں ورنہ اس سے انہیں فطری لگاؤ نہیں ہے۔

بعض لوگوں کا اب سے چند سال قبل یہ خیال تھا کہ کانگریسی حیات اللہ بس چند دنوں کی بات ہے کہ وزیر نہیں تو نائب وزیر اور وہ بھی نہیں تو پارلیمنٹری سکریٹری ضرور ہو جائیں گے۔ لیکن حیات اللہ کی ذات سے ایسا کوئی خطرہ نہیں ہے۔ انہوں نے اردو کی تحریک اور اقلیت کے حقوق کے لئے جس جان جوکھم کی منزل میں قدم رکھا ہے وہاں سے سرکاری کرسیاں بہت دور ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ بعض دوسرے لوگوں کی طرح حیات اللہ منزل سے پلٹ پڑنے کے لئے کوئی چور دروازہ کھلا ہوا نہیں رکھتے ہیں۔ جب وہ اپنی منزل پر سوار ہونے لگتے ہیں تو چور دروازہ تو چور دروازہ وہ معمولی دروازوں اور جھروکوں کو بھی بند کر دیتے ہیں۔ آج اپنی اس سچائی اور خلوص کی وجہ سے وہ پہچانے جاتے ہیں۔ اگر ہندوستان میں اقلیت کی تاریخ ختم نہیں ہو گئی ہے تو آگے چل کر حیات اللہ کا نام یقیناً ان چند گنے چنے لوگوں میں ہوگا۔ جنہوں نے ہندوستان کے جمہوری نظام میں اسے معزز جگہ دلوانے کے لئے کام کیا اور دوسروں کو ان کا کھویا ہوا اعتماد واپس دلوایا۔

حیات اللہ کو کسی نے غصہ آتے نہیں دیکھا۔ یہ ایک ایسی بات ہے۔ جو ان کے سب جاننے والوں کو معلوم ہے لیکن ان سے ان کے بارے میں استفسار کیا گیا تو وہ مسکرائے "سلطانہ نے یہ غصہ دیکھا ہے" ـــ اس عالمانہ سچائی نے استفسار کرنے والے کو غرقِ حیرت کر دیا۔ بعد کی تحقیقات سے معلوم ہوا کہ حیات اللہ کو بھی غصہ آتا ہے وہ چارپائی چھوڑ دیتے ہیں۔ روٹھ بھی جاتے ہیں اور وہ سب کچھ کرتے ہیں جو ایک عام شوہر کرتا ہے۔ لیکن اس داستان کی تفصیل بیان کا یہ موقع نہیں۔ پھر کچھ باتیں سلطانہ حیات کو بھی تو کہنا چاہئیں جو حیات اللہ کے ساتھ دس بارہ برس سے بڑی خوشگوار زندگی گزار رہی ہیں۔

اوپندر ناتھ اشک

کوشلیا اشک

اشک جی نے اپنی ایک ہندی نظم میں کہا ہے:

اور میں دریا
چر کا چلا
تھکا اور ہارا
منتھر گتی سے میدانوں میں بہنے والا
مون اور گمبھیر، شانت اور تراشت
یوون کی سب یاد بھلا کر
ٹوٹے پھوٹے کر
بہتا ہوں اوبرانت[1]

---

[1] اور میں دریا
بہت دیر کا چلا ہوا
تھکا اور ہارا
آہستہ آہستہ میدانوں میں بہنے والا
خاموش، گمبھیر، شانت
جوانی کی سب یاد بھلا کر
لوٹ اور لٹا کر
بہتا ہوں کھویا کھویا سا

ٹھیک طرح سے کر پاتا کہ مہاوت ہی کے ساتھ آہستہ آہستہ چپ چاپ الگ سے کمرے سے ہٹا دیا کی نا ایک پہاڑی جھرنے کی شکل میں بہا ... برسات کے موسم میں کناروں کو توڑ ... دے تھک کر ... قریب ... آہستہ آہستہ ہی بہتا ہوگا۔

دریا کی روانی کی یہی دو صورتیں اشک جی کے مزاج کی مظہر ہیں۔ ان کے مزاج کی ایک انتہا کو دیکھ کر اس کے بارے میں کسی طرح کا بھی اندازہ لگانے والا شخص جب اس کی دوسری انتہا کو دیکھے گا تو اسے حیرت ہوگی بلکہ اس نے اس یقین کو بھی صدمہ پہنچے گا۔

اشک جی سے اپنے تعارف اور اپنی شادی کے ابتدائی دنوں میں میری حالت اسی شخص کی سی تھی جس نے دریا کی طغیانی کا صرف ہولناک روپ ہی دیکھا ہو ۔۔۔۔ چھوٹی عمر ہی میں اشک جی کی شادی ہو گئی تھی، ایک بہت ہی ناخواندہ جاہل لڑکی کے ساتھ۔ وہ کسی قابل ہوئی تو دق کے موذی مرض کے باعث موت کی گود میں سو گئیں۔ اس کی وفات سے اشک جی کو بڑا صدمہ پہنچا۔ ان کے ساتھ پہلی بیوی کے ہوتے ہی رشتے آنے لگے تھے۔ اشک جی کو پہلی بیوی پسند تو نہ تھی لیکن چار برس کی رفاقت کے بعد اسے چاہنے لگے تھے۔ انہوں نے جلد ہی دوسری شادی نہ کی۔ سب جج بننے کے لئے قانون پاس کیا تھا لیکن مقابلے کے امتحانوں سے محض دو مہینے پہلے بیوی کے رحلت کر جانے کی وجہ سے افسردہ دل ہو کر انہوں نے سب جج بننے کا خیال چھوڑ دیا اور اپنے فطری رجحان کے مطابق ادب کی خدمت میں محو ہو گئے۔

لاہور کی زندگی ان دنوں کافی دلچسپ لیکن رسوا تھی۔ کوئی نہ کوئی سکینڈل ہر دن پھیلا کرتا۔ وہاں سے سکون کی تلاش میں نکلے تو وسط پنجاب کے ایک گاؤں پریت نگر میں جا پہنچے۔ وہاں بھی رسوائی نے پیچھا نہ چھوڑا۔ ایک لڑکی کے سلسلے میں خاصہ سکینڈل پھیل گیا۔ اشک جی اتنے تنگ آ گئے کہ انہوں نے اپنے بھائی کو لکھ دیا ۔۔ "میری شادی کہیں کر دو"۔ بھائی صاحب نے دیکھے بغیر ایک جگہ سگائی پکی کر دی۔ کچھ دنوں کے بعد کچھ سوچا تو محسوس کیا کہ خاصی جلد بازی ہو گئی ہے۔ پہلے بھی شادی کچھ ایسے ہی ہوئی تھی، تجربات کافی تلخ تھے۔ انہوں نے بھائی صاحب سے کہا۔ "سگائی چھڑا دیجئے" بھائی صاحب نے انہیں دور کے رشتے ہی میں سگائی طے کر دی تھی، وہ نہیں مانے۔ مذبذب اور شش و پنج کی ایسی ہی حالت میں جھنجھلائے ہوئے اور برگشتہ خاطر تھے، جب ان سے میرا تعارف ہوا اور میں نے ان کے مزاج کا وہی روپ دیکھا جس کا ذکر انہوں نے اپنی مسند جوبالا نظم میں کیا ہے۔

میں دینا نگر ضلع گورداسپور میں ہیڈ مسٹریس تھی۔ لاہور آتی تو سیشن روڈ پر اپنے ماما جی کے ہاں ٹھہرتی۔ اشک جی وہیں مجھ سے ملنے آیا کرتے۔ آتے تو خدا جانے کیوں ایسے چپ چاپ بیٹھ جاتے گویا منہ میں زبان ہی نہ ہو۔ کوئی بات پوچھتی تو اتنی دھیمی آواز میں جواب دیتے کہ قریب بیٹھا شخص بھی نہ سن سکے۔ ان دنوں میں سوچا کرتی تھی کہ ان کی اس تعفر اور اس زندگی کو کیسے بتا سکوں گی ۔۔۔۔ آپ میری حیرت کا اندازہ کر سکتے ہیں جب اپنی شادی کے ایک ماہ بعد ہی میں نے انہیں کھل کر قہقہے لگاتے دیکھا اور مجھے سننا پڑا کہ میں بے حد سنجیدہ مزاج ہوں اور شاید ان جیسے ہنس مکھ ظریف مزاج آدمی کے ساتھ نہ چل سکوں۔

کبھی اس حد پر اور کبھی اس کے عین برعکس دوسری حد پر چلنے والے اشک جی کے مزاج کا محض ایک پہلو دیکھنے والا جب اچانک اس کا دوسرا پہلو دیکھتا ہے تو وہ کچھ لمحے کے لئے حیران و ششدر رہ جاتا ہے ۔۔۔۔ اپنی ازدواجی زندگی کے گزشتہ سات برسوں میں (ہماری شادی ہوئے صرف سات برس ہوئے ہیں) حیرت کے ساتھ دیکھا سا لگنے والے ایسے لمحے کم نہیں آئے۔

شادی کے اولین دنوں کا ذکر ہے۔ ایک بار ہم نے کچھ احباب کو مدعو کیا۔ ان دوستوں میں کچھ اشک جی سے عقیدت بھی رکھتے تھے جو ان کو

[illegible] کہ میں نے سب سے ترقّی پسند کے لیے [illegible]۔ جب سب لوگ اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ گئے زمیں نے اپنے دائیں طرف کرنے پر بیٹھے ہوئے مہمان سے کہا کہ شروع کیجئے! انھوں نے پورا [illegible] اور محبت کے سبب پہلے بیٹھے ہوئے اشک جی سے کہا: "جی آپ ہی شروع کیجئے"، اور مجھے [illegible] کی طرف بڑھا دیا۔

اشک جی اپنی عادت کے مطابق [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] اپنی پلیٹ میں سالن ڈالا [illegible] [illegible] سالن وغیرہ اپنی پلیٹ میں ڈالتے گئے [illegible] [illegible] آپ نے کھانا شروع کر دیا۔

میں نے منہ ہی زبان سے کہا: "آپ نے کھانا شروع کر دیا [illegible]"

اشک جی نے نوالہ منہ میں ڈالتے ہوئے کہا: "[illegible] تکلف نہ کیجئے [illegible]"

اور یہ دستور کہنے سے۔

سب کچھ [illegible] ہو کر میں نے [illegible] آگے بڑھا دیا۔

اسی طرح ایک بار [illegible]۔ [illegible] مہمان زیادہ آ گئے۔ میں نے نہیں [illegible] سب ٹھیک ہے [illegible] کچھ کم ہے۔ [illegible] کوئی [illegible] نہ [illegible]۔ [illegible] آپ [illegible] سے [illegible]

بولے: "فکر نہ کیجئے، سب ٹھیک ہے اور کچھ چاہئے [illegible] ضرورت نہیں، میں سب سنبھال لوں گا۔"

میں نے کہا: "تھوڑا تھوڑا خود ہی سب کی پلیٹوں میں ڈال دیجئے گا۔"

بولے: "تم ذرا بھی فکر نہ کرو، میں سب دیکھ لوں گا۔"

اور پھر جا کر بیٹھ دوستوں سے باتوں میں [illegible] ہو گئے۔ میں بھی [illegible]۔

جب وقت پر سب کھانے کے لیے بیٹھے تو میں نے [illegible] کی پلیٹ کی طرف اشارہ کیا۔ انھوں نے [illegible] اور کافی مقدار میں اپنی پلیٹ میں ڈال کر بولے: "دیکھو بھئی یہ ترکاری بس اتنی ہی ہے۔ لیتے وقت ذرا دوسروں کا خیال رکھئے گا۔"

شرم کے مارے میرا [illegible] ہو گیا۔ میں نے کہا: "آپ تو دوسروں کا خیال رکھئے۔"

"ارے یار ۔۔۔۔!" کہتے ہوئے انھوں نے زور کا قہقہہ لگایا۔ "اب تو جو ہونا تھا ہو گیا، نہیں تو واپس ڈال دیتا۔" اور پھر مجھ سے معافی مانگتے ہوئے بولے: "غصے کیوں ہوتے ہو، یہ سب اپنے آدمی ہیں۔ یہاں کھانا کھانے تھوڑی آتے ہیں۔ اس بہانے کچھ دلچسپ گھڑیاں بن جاتی ہیں۔" اور دوستوں سے بولے: "لو یار تھوڑا تھوڑا۔ یہ تو اور بچانے لگی تھیں، میں نے روک دیا کہ تم سب اپنے آدمی ہو، تکلف کی کیا ضرورت ہے۔"

اشک جی کے لیے سبھی اپنے آدمی ہیں۔ جامعہ ملیہ دہلی کے پروفیسر محمد [illegible] نے ان کے بارے میں ایک جگہ لکھا ہے:

"اشک کی طبیعت میں اجنبی پن نام کو نہیں۔ پہلی ہی ملاقات میں آپ سب کو [illegible] دیں گے سب سے بے تکلف اور سب کے دوست۔"

اور مجھے ان کے ساتھ اپنی پہلی ملاقات کی یاد آ جاتی ہے۔

[illegible] مجھے پیار سے اور پینے میں دیر ہو گئی تھی لیکن بہار سے پہلے پہنچ گئے ... [illegible] کر آپ کا بیٹا بہاں ... معلوم ہوا کہ اشک جی کو اسے ہسپتال کے گھنٹے پر چھوڑ ... اصل میں ہیت خراب ہے ... [illegible]
یہ گھری چوٹ آگئی ہے اور اگر مجھے خاص تکلیف نہ ہو تو میں بھی اُدھر ہی چلوں۔

اشک جی کے ایک بہائی لاہور میں دانتوں کے ڈاکٹر تھے۔ پاٹیل سوسائٹی کے سامنے ان کی سرجری تھی۔ ان کے بہائی نے مجھے وہاں کا پتہ بتایا۔
میں نے کہا: "آپ ان سے کہئے کہ میں آدھ گھنٹے میں خود ہی وہاں پہنچ جاؤں گی۔"

میں نے اشک جی کو پہلے بھی دو ایک بار دیکھا تھا۔ سلک کا بنگالی کرتا اور باریک کاسے کی دھوتی پہنے۔ جنوبی سولجر لاہور کے جلسوں میں ان کی نظمیں بھی سنی تھیں لیکن وہ مجھ سے واقف نہ تھے۔ چند جملوں ہی کا تعارف تھا۔ وہ کان کی چق اٹھا کر میں اندر داخل ہوئی تو میں نے دیکھا کہ وہ جینز اور کھلے گلے کی قمیص پہنے بیٹھے ہیں۔ ایک آنکھ پر پٹی بندھی ہے جو نصف سر کرائی چھپائے ہوئے ہے۔ قمیص کے کف میں تیرتی سے بندھے ہوئے پینٹ کی پٹی میں تین بٹن نکلے۔ اپنی حیرت کو چھپا کر میں نے نمسکار کیا۔ میرے نمسکار کا جواب دئے بغیر بولے: "آؤ!" میں بیٹھنے ہی والی تھی کہ اُٹھ کھڑے ہوئے۔ بولے: "یہاں مریضوں کی بھیڑ لگی رہتی ہے۔ گھر میں پتا جی آئے ہوئے ہیں اور بچے ہوئے ہیں۔ چلو بیدی کے ہاں چلیں۔"
اس سے پہلے کہ میں کچھ جواب دیتی آپ نے باہر نکل کر تانگے والے کو آواز دی اور اگلی سیٹ پر جا بیٹھے۔

بیدی کا نام سُن کر نہ جانے کیوں میں نے سمجھا کہ ہم کسی ڈاکٹر کے ہاں جا رہے ہیں —— ڈاکٹر بیدی —— اور میرے تخیل میں جب ایک صاف ستھرا ایک مختلف روم گھوم گیا لیکن جب گھوڑ ہسپتال کے باہر سے ہو کر بیدی نگر کے باہر کی سڑک پر چلتے ہوئے تانگہ ایک کچی بستی کے سامنے جا رُکا اور مکانوں کے آگے بنے ہوئے چوبچوں کی عفونت کے مارے دماغ پھٹنے لگا (اس وقت تک رشی نگر میں نالیاں نہ بنی تھیں اور مکانوں کا گندا پانی ان کے آگے بنے ہوئے چوبچوں میں اکٹھا ہو جاتا تھا) تو میرا ماتھا ٹھنکا لیکن تانگے سے اتر کر میں چپ چاپ ان کے پیچھے پیچھے چل دی۔

جس کمرے میں ہم داخل ہوئے وہ نہ جدید تھا، نہ میرے تصور کے مطابق سجا ہوا تھا اور نہ بیدی ہی ڈاکٹر تھے۔ کمرہ چھوٹا سا تھا اس میں ایک پلنگ بھی بچھا تھا، ایک میز اور دو تین کرسیاں بھی تھیں اور "یہ کوشی بیدی" کہہ کر اشک جی نے جس شخص سے ہاتھ ملایا وہ منجھلے قد کا ایک سیدھا سادا سکھ نوجوان تھا۔ ننگے سر اور کچھا پہنے ہوئے۔

کمرے میں ایک نفیس سوٹ میں ملبوس ایک اور سکھ نوجوان بھی بیٹھا تھا۔ اشک جی اسے جانتے تھے یا نہیں: یہ تو میں نہیں کہہ سکتی لیکن اس پر ایک اُڑتی سی نگاہ ڈال کر یہ اپنے دوست کو دیکھتے ہوئے سانس میں لے گئے احساس سے بولے "یہ بھائی اپنے اس دوست کو جلدی چلتا کرو تو اچھا ہے، کتنا بھی ہو بیٹھو جو؟" میری طرف اشارہ کرتے ہوئے بولے: "ان کو ذرا ادھر جا کر بٹھاؤ اور مجھے کوئی پائجامہ لا دو کہ پائجامہ دو تنگ کی قید سے نجات حاصل کروں۔"
اور اپنے دوست کو جواب دینے کا موقع دئے بغیر پتلون پر دھو کر سوکھنے کی غرض سے ٹنگا ہوا اور سوکھا ہوا ایک پائجامہ لے کر یہ کہتے ہوئے "میں ابھی آتا ہوں" کہہ کر اندر کمرے میں چلے گئے۔

میں حیرت زدہ سی بیدی صاحب کے ساتھ (کیونکہ یہ بیدی اردو کے مشہور افسانہ نگار راجندر سنگھ بیدی کے علاوہ کوئی دوسرے نہ تھے) پچھلے اندر اس کمرے میں گئی اور جس کرسی کی طرف انہوں نے اشارہ کیا اس پر چپ چاپ بیٹھ گئی۔

کچھ جھینپ کے مارے اور کچھ اس لئے کہ میں اتنی دور سے اشک جی سے ملاقات کرنے آئی تھی، میں ان سب باتوں کے باوجود بھی جو نہایت غیر رسمی تھیں، چپ چاپ بیٹھی رہی۔ یہ جان کر کہ الفاظ سے کھیلنے والے یہ کوئی معمولی لوگ نہیں، میں نے اس وقت تک اشک جی کی کہانیاں ہی پڑھی تھیں اور نظمیں بھی پڑھی تھیں اور ان کے افسانوں سے میں روشناس نہ تھی، (کی بھی اس انہماک سے کھیل سکتے ہیں کہ آنکھیں کھلتی نہیں)۔ مجھے حیرت ہوئی تھی اور اگر چہ ان کی اس کرسی کے قریب اُلٹ پلٹ سب بے تکلفی کو دیکھ کر میں حیرت زدہ رہ گئی تھی لیکن اس عجیب پکھڑ پن کے باعث انہیں کچھ اور جاننے کا تجسس بھی

[illegible] پیدا ہو گیا تھا۔

مجھے بیدی صاحب کے اس جملے کی داد دینی پڑی۔ میں نے بعد میں انہیں نہایت مخلص [illegible] پایا ہے اور بیدی صاحب [illegible] کے بنگلے میں کچھ اپنے [illegible] کے معاملے میں بھی [illegible] پایا ہے۔ اشفاق جی کو کبھی بہت [illegible] بیدی صاحب کو ہم نے کبھی [illegible] سے روکھا سلوک کرتے نہیں دیکھا۔

مجھے پتہ تھا کہ بیدی صاحب اپنے ملاقاتی کو جلد رخصت کرنے کی خاطر اشفاق جی [illegible] اور سوڈے کا گلاس [illegible] کے سامنے رکھتے ہوئے بولے "لیجئے ڈاکٹر صاحب! آپ دیر سے آ بیٹھے ہیں کچھ کھا پیجئے نا؟"

ڈاکٹر صاحب (جو بعد میں معلوم ہوا کہ [illegible] ڈاکٹر بنانے والی کمپنی سے [illegible] کی ڈگری لے بیٹھے تھے) غالباً اپنے [illegible] تھے۔ مگر جو بیدی صاحب نے "آپ دیر سے بیٹھے ہیں" کے الفاظ کہے [illegible] دیا تھا لیکن اس لطیف اشارے کو وہ کیا سمجھتے۔ انہوں نے بڑے اطمینان سے تپائی کو اپنی طرف کھینچ کر اس کے نیچے [illegible] لگا دیے اور اپنی بات جاری رکھتے ہوئے [illegible] ایک ایک اٹھا کر منہ میں ڈالنے لگے۔

بیدی صاحب کے چہرے پہ ایک رنگ آنے اور ایک جانے لگا۔ اپنی کرسی پر بیٹھے بیٹھے پہلو بدلنے لگے۔ مجھے یہ باتیں [illegible] دوست کو کبھی نہ ٹال سکتے لیکن اشفاق جی نے [illegible] سنبھل کر آنکھوں ہی آنکھوں سے [illegible] اب آپ کا فرض ختم ہو گیا۔ کچھ وقت ہمارے لئے بھی رہنے دو۔

کوئی احمق ہی ہوگا جو اتنا سیدھا اشارہ نہ سمجھے۔ [illegible] ڈاکٹر صاحب اچانک اٹھ کھڑے ہوئے اور بیدی صاحب سے [illegible] کا وعدہ کر کے چلے گئے۔ اشفاق جی نے مختصراً بیدی صاحب سے میرا تعارف کرایا۔ بیدی صاحب پھر [illegible] دوسرے کی [illegible] ہوا اشفاق جی جا کر پلنگ پر تکیے [illegible] سے لیٹ گئے۔

وہیں لیٹے لیٹے انہوں نے [illegible] باتیں کر گئے۔

لیکن سب سے بے تکلف اور سب کے دوست کی [illegible] انتہا بھی ہے۔ یوں تو اشفاق جی دوستوں ہی سے نہیں [illegible] بعض سے بھی ایسی ایسی کھری کھری باتیں کر دیتے ہیں لیکن جنہیں وہ اپنا دشمن [illegible] ان کی توہین کر دے [illegible] تو اس سے دوبارہ ملنے پر بھی کبھی اس پر اپنا جذبہ ظاہر نہیں ہونے دیتے اور دس برس بعد بھی اپنی ہتک کا بدلہ لینے سے نہیں چوکتے۔ یہ بات نہیں کہ وہ اپنے کردار کی اس خامی سے بے خبر ہیں۔ بات چل پڑے تو اشفاق جی اس کا اعتراف کر لیتے ہیں۔ اسے وہ جہالت کا نشان بتاتے ہیں اور ہمیشہ اپنی اس عادت سے نجات پانے کی کوشش کرتے ہیں لیکن انہوں نے ایسے خاندان میں جنم لیا ہے جہاں [illegible] توہین کا بدلہ لیتے چلے آتے رہے ہیں اور جب بھی کبھی [illegible] کوئی ان کی ہتک کر دیتا ہے تو یہ پیدائشی جذبے سے مجبور ہو کر [illegible] سارا فلسفہ بالائے طاق رکھ کر اپنی اس توہین کا انتقام لینے کے لئے تل جاتے ہیں۔ نہ اس توہین کو بھولتے ہیں اور نہ اس وقت تک سکون پاتے ہیں جب تک اس کا بدلہ نہ لے لیں یا دوسرا معافی نہ مانگ لے۔

ان کی معافی کا قصہ بھی دلچسپ ہے۔ کئی بار ایسا ہوتا ہے کہ کسی سے [illegible] کی وجہ سے ناراض ہوتے ہیں [illegible] اس ہتک کا بدلہ لینے کی سکیمیں سوچتے رہتے ہیں کہ وہ اپنی اس حرکت پر اظہار افسوس کر دیتا ہے۔ بس یہ سب کچھ بھول کر اس کے گن گانے لگتے ہیں۔

ابھی تین چار برس پہلے ان کے ایک دوست نے [illegible] کے ساتھ [illegible] مرحوم بھائی کا جو سامان تھا [illegible]۔ اشفاق جی [illegible] جس کو اس نے

مکان والوں اور سب دوستوں سے انھوں نے ایک بات جانتے ہی کیونکر افسوس ظاہر کیا۔ تب نہ صرف اشک جی نے مکان والوں پر [illegible] شعور نہیں کی بلکہ ملک ملک کر کر کے حق کا سامان انہیں وہاں جانے کی کوشش کی۔ لیکن جس دوست نے ذکر کیا تھا اس سے تعلقات [illegible] سے پچھلے دنوں جب ڈاکٹروں سے صلاح مشورہ کرنے بمبئی گئے تو کہیں وہ بھی بمبئی ہی میں تھا۔ اسے ان کے وہاں ہونے کا پتہ چلا تو ملنے آیا۔ نہ جانے کیا کیا باتیں ہوئیں کہیں وہ معافی مانگ گیا۔ واپس آئے تو بولے "شاید . . . بچ گئی آئے!"

میں حیرت زدہ سی ان کا منہ تکنے لگی۔

تب بتانے لگے کہ کیسے وہ ملا۔ کیسے مسز بیدی کے ساتھ ملاقات سے ملنے آیا، کیسے بحث ہوئی اور کیسے انھوں نے اسے لاجواب کر دیا۔ کیسے پاکستان میں اس کا بڑا نقصان ہوا ہے اور کیسے اس نے اپنے کردار پر افسوس کا اظہار کیا ہے۔

جب اس معافی پر بھی میرے چہرے سے حیرت اور غصے کے آثار نہ مٹے تو بولے "جب اس نے معافی مانگ لی تو کیا میں اسے پھانسی پر لٹکا دیتا۔ بمبئی میں گری ہے، حال اس کا آج کل پتلا ہے۔ لاکھ برا سہی مگر آدمی دلچسپ ہے۔ میں نے اسے بچ گئی آنے کے لیے کہہ دیا۔ اب ہٹاؤ اس قصے کو۔"

اور یہ کہہ کر بے پروائی سے سر کو جھٹکا دے کر اپنے کام میں محو ہو گئے۔

اشک جی اپنے کپڑوں کے سلسلے میں بڑے بے پروا ہیں۔ لوگوں نے انہیں ہر طرح کا لباس پہنے دیکھا ہوگا لیکن سوٹ بوٹ، اچکن، نیلی قمیص شلوار، دھوتی کرتا وغیرہ ہر فیشن کے کپڑے پہننے کے باوجود انہیں تہ بند پہنے ننگے بدن رہنا زیادہ پسند ہے۔ پہلے پہل یہ سوٹ وغیرہ بھی پہنتے تھے جب انہیں سرکاری دفتر میں کسی سے ملنے جانا ہوتا ورنہ سارا دن گھر میں ننگے بدن تہ بند اور کبھی کبھی صرف کچھا پہنے بیٹھے رہتے (قمیص یا کرتا قریب ہی رکھتے، کوئی آتا تو جھٹ پہن لیتے) پھر جب خود سرکاری دفتر میں نوکر ہوئے تو اگرچہ ہمیشہ پینٹ وغیرہ کسے رہنا پڑا لیکن تہ بند سے ان کا موہ نہیں گیا۔ جب بھی گھر میں ہوتے تہ بند پہنتے۔

دلی میں یہ آل انڈیا ریڈیو میں نئے نئے ملازم ہوئے تھے۔ گرمی کا موسم تھا لیکن شامیں نسبتاً ٹھنڈی ہو گئی تھیں۔ ایک شام کھانا کھانے کے بعد بولے "چلو ذرا سیر کو جائیں؟"

اپنی عادت کے مطابق صرف تہ بند پہنے ہوئے تھے۔ مجھے تو بڑی بدتمیزی معلوم ہوتی تھی۔ لیکن نئی نئی آئی تھی زیادہ زور نہ دیتی تھی۔ آہستہ سے میں نے کہا "کپڑے تو بدل لیجئے!"

کہنے لگے "پھر سیر کا مزا کیا خاک آئے گا۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا میں ننگے بدن گھومنے کا جو لطف ہے وہ کپڑے ٹھونس کر جانے میں کہاں؟"

"میں تو نہیں جا سکتی۔"

بولے "اس وقت سڑک پر کون ہوگا۔"

"تو بھی" میں نے کہا "میں تو نہ جاؤں گی۔"

"تو میں ہو آتا ہوں، چہل قدمی کر لوں گا۔"

مہندر (اردو کے مشہور افسانہ نگار کرشن چندر کے چھوٹے بھائی ہیں اور خود بھی خوب لکھتے ہیں۔ ہمارے ساتھ ان کے گھریلو تعلقات تھے۔) مہندر بھائی کو ساتھ لے کر یہ ننگے بدن صرف تہ بند پہنے، اس کی ماڈلیں کر کر جالندھریوں کے خاص انداز میں اٹھلاتے چلے جا رہے تھے کہ [illegible] صاحب جو آل انڈیا ریڈیو میں شعبہ موسیقی کے انچارج تھے اور خود بھی بہت اچھے موسیقار تھے، آتے دکھائی دیے۔ ٹول روڈ پر بجلی کی روشنی تو ہے، لیکن

مطابق یہ ریت شہر کے گھڑیال کے باعث وہاں ذرا سا بجتا ہے۔ یہ ساعت وہاں سنا جاتا ہے۔ اس وقت تو زمانے نے ذرا وقت تھا مگر سوئی تھی۔ نظامی صاحب آسمان کی طرف منہ کئے کوئی دھن بناتے اور گنگناتے چلے آ رہے تھے۔

جھک کر اشک جی نے ان کے کندھے پر ہاتھ مارا: "کہاں بھٹکی ادھر!"

نظامی صاحب کا خیال ابھی ذہن میں تھا۔ سڑک پر ملگجی تاریکی تھی۔ چند دن پہلے اس مقام کے نزدیک ہی ایک ریڈیو انجینئر پیدل چلا جا رہا تھا۔ شاید جی کو اس حالت میں بھانپ کر وہ فوراً پہچان نہ سکے۔ ... پھر جب اشک جی نے اپنا ہاتھ ... اور منہ ... سے ... حیرت سے۔ انہوں نے پوچھا: "کیا بات ہے ایسے کیوں گھبرا رہے ہو؟"

اشک جی کو اس میں حیرت کی کوئی بات نظر نہ آئی تھی۔ ... سے ... پالش کئے جانے کے بعد ... میں بھاگتا پھرتا رہا ہو جیسے ... "..." سے ... نہیں ... لگا کے گھومنے میں کیا برائی نظر آ سکتی ہے۔ ... اشک جی ... سے ہاتھ ہلایا اور آگے بڑھ گئے۔

ادھر کچھ برسوں سے اشک جی نے تہبند پہننا شروع کر دیا ہے ... کے مطابق زیادہ وقت کپڑوں کے قید خانے میں بند رہتے ہیں لیکن ... تہبند کا جوڑا ... ننگے بدن بیٹھے ... جب جب گھر پر کام کرتے رہتے ہیں ... کے مطابق ہمیشہ ... یا بنیان ... ہی کام کرتے رہتے ہیں۔ یوں بھی کپڑوں کے معاملے میں کچھ عجیب طرح کی بے نیازی ان کے مزاج میں ہے۔ اکیلے تھے تو جو بھی کپڑا باہر ہوا یا ٹرنک کے اوپر پڑا وہی پہن لیتے تھے ... لیکن ... جب کبھی جی سے پہنتے ہیں تو نفاست پسندی کی حد کر دیتے ہیں۔ پہلے پہل مجھے یہ بے نیازی اور یہ نفاست عجیب سا لگتا تھا لیکن اب میں ان کے مزاج کی اس انتہا پسندی کی عادی ہو گئی ہوں۔

دلّی ہی کی بات ہے۔ یہ دیکھ کر کہ پاس میں پیسے ہونے کے باوجود یہ بڑے بھدے سے کپڑے پہنتے ہیں، سب کچھ ہی ہو، جب میں آئی تو آل انڈیا ریڈیو کی نوکری کے باوجود گرمیوں کے لئے ان کے پاس صرف تین پتلون اور تین قمیص تھیں ——— ... اور ... چلے جاتے تھے اور سردیوں کے لئے محض ایک ذلیل سا سوٹ تھا۔ میں نے آتے ہی ان کے منع کرنے پر بھی دو بڑھیا گرم سوٹ سلوائے۔ ایک دن جب میں نے نیا سوٹ پہننے کو نکالا تو ٹائی حسب پسند نہ ہونے کے باعث چھوڑ دیا۔ میں اسی شام کچھ بہت اچھی ٹائیاں لے آئی۔ کسرت کرتے، حجامت بناتے اور غسل لیتے ہوئے انہیں کچھ دیر ہو گئی تو ... لگے۔ جلدی میں کبھی یہ قمیص پہنتے کبھی وہ۔ آخر جب سوٹ پہن کر ... قمیص پہنی تو ٹائی پر کافی دیر لگی۔ بوٹ پر پالش کیا گیا۔ آخر جب پوری طرح اطمینان ہو گیا تو ناشتے کا وقت نہ رہا۔ کسی نہ کسی طرح زور دینے پر ناشتہ کر کے بھاگے۔ ان کے جانے پر میں حیرت زدہ سی کھڑی سوچنے لگی کہ کہاں تو اتنی بے پرواہی کہ کیا پہنتے ہیں کیا نہیں پہنتے اس کا ہوش نہیں اور کہاں اتنی نفاست پسندی کہ کالج کے لڑکے بھی مات کھا جائیں۔ کام کرتے ہوئے میں متواتر یہی سوچتی رہی۔

ان کو گئے پانچ چھ منٹ گزر گئے تھے اور میں منا رہی تھی کہ میٹنگ کے وقت پر پہنچ جائیں تاکہ اس دیر کا غصہ مجھ پر نہ اتارے ... کہ میں پھر ان کے جوتوں کی آواز سنائی دی۔ میں میز کی طرف بھاگی کہ کوئی فائل رہ گئی ہو تو دیکھ کر جلدی سے دے دوں۔ دوسرے لمحے آپ داخل ہوئے اور سیدھے اندر کے کمرے میں چلے گئے۔ میں نے پوچھا: "کیا ہوا؟ کیا رہ گیا ہے؟"

بولے: "کچھ نہیں۔"

بلکہ [illegible]

ان کا ماننا ہے کہ ایک ہی بات بار بار نہیں کہنی چاہیے۔ دلچسپ بات ہے کہ اس کی ایسی عادت ہے جیسے ہم جہاں تھے وہیں پہنچنا چاہتے ہیں۔ [illegible] کرتا ہے۔ ایک بار ریڈیو پر سے بھائی کی شادی پر ایک کرتا لے لیا۔ دوستوں نے اس کو عجیب کہا۔ [illegible] تھا اس پر کوئی شخص دیکھتا تھا مگر اس نے وہ ایک بار پہن کر رکھا اور پھر نہیں پہنا۔
ان دنوں اشک جی آنکھوں یا ذہن کی راحت میں پڑھتے تھے۔

ان کے اس روشن مزاج کا ایک اور ثبوت مجھے انہی دنوں پھر ملا۔ دلّی ہی کی بات ہے۔ میں نے اندر پرستھ گرلز ہائی سکول میں نوکری کر لی تھی۔ ٹیکسوں کے امتحان ہو چکے تھے اور پیپروں کا ڈھیر آ گیا تھا۔ انہی دنوں نوکر بھاگ گیا۔ کسی طرح رات کا کھانا پکا کر، برتن اور کپڑے وغیرہ کا ڈھیر چھوڑ کر میں پیپر دیکھنے لگی اور رات کے دو بجے تک دیکھتی رہی۔ یوں بھی میں صبح دیر سے اٹھنے کی عادی ہوں۔ اس دن کچھ اور دیر ہو گئی۔ اٹھتے ہی باہر جھانکا تو صحن میں رسّی پر سوکھنے کے لیے ڈالے ہوئے دُھلے دھلائے کپڑے تھے۔ حیرت ہوئی کہ یہ کس نے دھوئے۔ سوچا شاید ملازم کوئی نوکر مل گیا ہے۔ خوشی خوشی سے بھاگی اندر گئی تو دیکھا باورچی خانے میں باپ بیٹا (اشک جی کی پہلی بیوی سے ایک لڑکا ہے) بیٹھے برتن مل رہے ہیں اور اشک جی اپنے لڑکے کو برتن مانجھنے کے فن میں مشاق بنا رہے ہیں۔
میں بھونچکی سی چوکھٹ ہی پر کھڑی رہ گئی۔ پھر لپک کر میں نے کہا، "بھئی یہ کیا کر رہے ہیں، کیا میں مر گئی ہوں جو برتن مانجھنے آ بیٹھے ہیں؟"
کہنے لگے "مرنے کا نام نہ لو۔ چوتھی بیوی اب مجھے کہاں سے ملے گی؟"
میں نے کہا "ہٹائیے، یہ مذاق مجھے پسند نہیں۔"
لیکن انہوں نے مجھے برتنوں کو ہاتھ نہیں لگانے دیا۔ کہنے لگے "میرے ہاتھ تو سنے ہوئے ہیں، تم کیوں فضول ہی انہیں خراب کرتی ہو۔ تم سے بڑے نہیں ملوں گا، اس بات کا یقین رکھو۔ سکول کے دنوں ہی برسوں برتن ملے ہیں۔ جاؤ جلد تیار ہو جاؤ، سکول پہنچنے میں تمہیں دیر ہو جائے گی۔"
مجبور ہو کر مجھے ہٹنا پڑا۔ خوش قسمتی سے اسی دن نوکر مل گیا، نہیں تو جانے یہ کتنی دیر تک گھاٹ بنے رہتے۔
لیکن اس واقعہ کے چند دن بعد کا ذکر ہے، اتوار تھا۔ میں باہر صحن میں بیٹھی پیپر دیکھنے میں مصروف تھی اور اشک جی اندر کچھ لکھ رہے تھے کہ مجھے آواز پڑی۔ مجھے اٹھنے میں کچھ دیر ہوئی کہ پھر آواز پڑی۔ پیپر چھوڑ کر میں بھاگی۔ بولے "ذرا وہ ڈکشنری دینا۔"
ڈکشنری دو قدم کے فاصلے پر ریک میں پڑی تھی۔ میرے سامنے دو دن پہلے کپڑے دھونے اور برتن ملنے کا واقعہ گھوم گیا۔ ڈکشنری دیتے ہوئے میں سوچنے لگی کہ جو آدمی ایسی شاہانہ آرام طلبی کا مالک ہو سکتا ہے کہ دو قدم اٹھ کر چیز اٹھانے کی بجائے دوسرے کو بلائے، وہ کپڑے دھونے اور برتن ملنے جیسا مشکل کام کیسے کر سکتا ہے۔

لیکن یہی اتار چڑھاؤ اور انتہا پسندی اشک جی کے مزاج کا اہم جزو ہے۔ ان کا سبھاؤ ایسے سکون پسند آدمی کا سا نہیں جو پہاڑ کی چوٹی پر پہنچ کر وہیں ڈیرا ڈال لے، بلکہ ایسا چنچل راہی ہے جس کو کبھی پہاڑوں کی چوٹیاں پسند ہیں کبھی گہری گھاٹیاں، جو کبھی گنجان شہروں کو پسند کرتا ہے کبھی سنسان ویرانوں کو، جسے کبھی یہ انتہا مرغوب ہے کبھی وہ۔ کوئی ایک حد یا میانہ روی جسے پسند نہیں۔ بچپن ہی سے اشک جی کی زندگی حوادث سے پُر رہی ہے۔ انہوں نے نہایت کڑوے جام بھی پیئے ہیں اور بے حد میٹھے بھی، فراوانی بھی دیکھی ہے اور نقصان بھی۔ بے انتہا محبت بھی پائی ہے اور بے پناہ نفرت بھی اور نہ جانے کون پیدائشی سنسکاروں، ماں باپ کی کن خوبیوں اور خامیوں اور کن دوسری جسمانی، ذہنی، معاشرتی اور اقتصادی پیچیدگیوں کے باعث ان کا سبھاؤ

پسند ہو سکے بلکہ [illegible] کو بھی کچھ نہ کچھ کہتا رہتا ہے [illegible] لیکن ان کی پختگی ہی پر ان کی رکھائی بھی ہے [illegible] کا ارث سے [illegible] تو [illegible] نہیں سکیں ہو جائے۔ ایک طرف میں استغفار کر کے [illegible] جا سکے دوسرے اوقات [illegible] باتیں [illegible] کر لیتے ہیں۔ اس کا دھیان نہیں کیا کرتے ہیں اس کی پروا نہیں لیکن [illegible] پاتے نفاست پسند کہ اس کی [illegible] سے چھوٹی تفصیل کا خیال رکھنے والے اور اتنے [illegible] کہ منہ سے [illegible] قول [illegible] والے بھی اتنے فراخ دل کہ بڑی سے بڑی بات کو خاطر میں نہ لائیں اور کبھی اتنے تنگ دل کہ چھوٹی سی بات پر راتوں کی نیند حرام کر لیں اور جب تک اس کا انتقام نہ لے لیں چین نہ پائیں۔ کبھی ایسے کنجوس کہ [illegible] اور کبھی ایسے فضول خرچ کہ [illegible] کبھی [illegible] ایسے [illegible] کہ اپنی [illegible] زندگی [illegible] اور کبھی ارادے کے ایسے پکے کہ [illegible] فیصلہ کر کے [illegible] لیں بے حد [illegible] کبھی موم کی طرح پگھل جانے والے۔ کبھی اتنے شاطر کہ بڑے سے بڑے چالاک سے دھوکا نہ کھائیں اور کبھی ایسے سادہ لوح کہ عام آدمی بھی ٹھگ کر چلا جائے۔ انھی انتہاؤں کو لے کر اشک جی کے اس تفاوت بھرے مزاج کے سلسلے میں ایسے دلچسپ واقعات ہیں کہ چھوٹے سے مضمون میں ان پر پوری روشنی نہیں ڈالی جا سکتی۔

لیکن جس طرح کوئی عام اصول استثنا سے خالی نہیں ہوتا اسی طرح اشک جی کا یہ مختلف انتہاؤں پر چلنے والا مزاج بھی استثنیات سے خالی نہیں۔ میں نے پچھلے [illegible] برس میں ان کی طبیعت کے ایسے پہلو بھی دیکھے ہیں جن کی صرف ایک ہی انتہا ہے۔ [illegible] دوسری حد نہیں۔

ان کے لکھنے ہی کو لیجیے۔ لکھنا ان کو شک ہی ہے اور یہ شک انتہا ہی کا [illegible] ادیبوں کے اپنے [illegible] اور [illegible] اتفاقات ہوتے ہیں کبھی ایسا وقت آتا ہے جب ان کی تخیل بارش پر آئی ہوئی ندی کی طرح ایک سے بڑھ کر ایک شاہکار [illegible] آتی جاتی ہے پھر ایسا وقت بھی آتا ہے جب تخیل کی بارش اتر جاتی ہے اور ان کا دماغ اترے ہوئے سمندر کے پیچھے بے کیف سنسان ساحل سا ہو جاتا ہے۔ وہ ہفتوں مہینوں اور بار ہا برسوں کچھ نہیں لکھ پاتے۔ اشک جی کو میں نے دیکھا ہے کہ وہ ہمیشہ لکھتے ہیں۔ سردی گرمی برسات [illegible] میں متواتر بہنے والی ندی کی طرح ان کی تخیل ہمیشہ بہتی رہتی ہے۔ [illegible] لکھنے کے [illegible] وقت نکال لیتے ہیں۔ ان کے دوست ان کی اس عادت کو شک کا نام دیتے ہیں۔ [illegible] لیکن ان کی یہ شک ایک ہی انتہا پر قائم رہتی ہے۔ اس کی دوسری انتہا یعنی سستی یا بے حسی میں نے ان کے ہاں کبھی نہیں دیکھی۔ لکھے بغیر وہ رہ ہی نہیں پاتے۔ ابھی ایک برس پہلے، جب ڈاکٹروں نے دق کا فتویٰ دیتے ہوئے ہدایت کی کہ انھیں پورا آرام ملنا چاہیے تو میں بھی سمجھی کہ اب یہ کچھ دن چین لیں گے۔ میں نے انھیں الگ کمرے میں لٹا دیا اور دروازہ لگا دیا کہ شاید کوئی ہرگز نہ بات کرے گے۔ انھوں نے نہ کھانا [illegible] باتیں کیں لیکن بیٹھے بیٹھے یادداشت کے بل پر "دیپ جلے گا" کے نام سے ایک طویل نظم لکھ ڈالی۔ ایک مہینے بعد میں انھیں پنج گنی لے آئی اور چار مہینے تک انھیں کام کرنے کی اجازت نہ ملی۔ ان دنوں یہ لیٹے لیٹے ایک دوسری طویل نظم لکھتے رہے۔

عام طور پر اشک جی اپنے ناطے رشتے داروں سے اسی حد تک محبت کرتے ہیں جس حد تک وہ ان سے پاتے ہیں۔ لیکن بڑے بھائی، ماں اور سب سے چھوٹا بھائی اس سے مستثنیٰ ہیں۔ ماں اور بڑے بھائی خواہ ان سے کیسا بھی روکھا سلوک کیوں نہ کریں، خواہ کتنی ہی ٹھیس کیوں نہ پہنچا دیں یہ ان کی رکھائی اور بے اعتنائی کا جواب ہمیشہ ادب اور محبت ہی سے دیتے ہیں۔ ان کے برے سلوک سے رنجیدہ خاطر نہ ہوتے ہوں یہ بات نہیں کبھی کبھی کوئی چھوٹا سا واقعہ ان کی راتوں کی نیند حرام کر دیتا ہے۔ یہ ان کی بد سلوکی پر جلتے بھنتے رہتے ہیں، لیکن جب ان سے ملتے ہیں تو سب کچھ بھول جاتے ہیں اور ان کے دکھ سے دکھی اور ان کے تفکرات سے فکرمند ہو جاتے ہیں۔

اسی طرح دوستوں کے سلسلے میں بھی ان کی محبت ایک ہی انتہا پر رہتی ہے۔ اشک جی کا قول ہے کہ جسے ہم پسند کرتے ہیں اسے پیار کرتے ہیں،

جس کی دوستی کے خواہشمند ہیں اس کی خامیوں کو دیکھنا بے معنی ہے۔ اس کی دوستی میں جو مسرت ہمیں حاصل ہوتی ہے اسی پر قناعت کرنا چاہئے دوستی نیکلس کی طرح ہے۔ جسے ہم چاہتے ہیں اسے دوست بنائے رکھنے کے لئے اس کی کمزوریوں پر توجہ دے کر محبت سے انتقام کی تو بات ہی وہاں نہیں اٹھتی اور میں نے دیکھا ہے کہ اپنے عزیز ترین دوستوں کے سلسلے میں اگرچہ ان کی تعداد بہت کم ہے اشک ہمیشہ اپنے اس قول پر عمل کرتے ہیں۔

اشک جی کی ایک اور سنک تھی جس کی دوسری مثال اتنا مجھے نظر نہیں آئی۔ وہ تھی باقاعدہ صبح اٹھ کر ورزش کرنا۔ شادی کے بعد جب میں نئی نئی دلی آئی تو میں نے دیکھا کہ صبح اٹھ کر لنگوٹ لگائے تیل کی مالش کر کے ڈنڑ بیٹھک نکالتے اور فری ہینڈ کسرت کرتے۔ ابیدی صاحب ان دنوں دلی آئے ہوئے تھے۔ انہوں نے کبھی اشک جی کو فری ہینڈ کسرت کرتے نہ دیکھا تھا۔ اس اچھل کود کو دیکھ کر انہوں نے اشک جی کو "ہنومان" کے خطاب سے سرفراز کر دیا اور جتنے دن وہ رہے صبح صبح اشک جی کی کسرت ایک فلک شگاف قہقہے سے شروع ہوتی رہی۔ لیکن وہ دھن کے ایسے پکے ہیں کہ کسی مذاق یا پھبتی کو سن کر اپنی دھن نہیں چھوڑتے۔ اس لئے "ہنومان" کہلائے جانے کے باوجود بلا ناغہ ورزش کرتے رہے مجھے کمر کی پرانی شکایت ہے۔ دورہ پڑتا ہے تو نڈھال ہو جاتی ہوں۔ ایک دن مجھ سے کہنے لگے۔ "تم ورزش نہیں کرتیں اسی لئے تمہاری کمر کمزور ہو گئی ہے۔ پرانے خیالات کی ہندوستانی عورتیں گھر کے کام کاج کی صورت میں اور مغربی عورتیں ناچ گانے کی صورت میں کافی کسرت کرتی ہیں اور تندرست رہتی ہیں۔" ان سب کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے ورزش کی اہمیت پر چھوٹی موٹی تقریر کر ڈالی۔ سانس روک کر سینہ پھلا کر مجھے بتانے لگے ——— کس طرح کسرت کرنے سے کمر پتلی ہو جاتی ہے، سینہ چوڑا ہو جاتا ہے اور جسم کی ایک مخروطی شکل سی بن جاتی ہے۔ مجھے انہوں نے صلاح دی کہ اگر میں فری ہینڈ ورزش نہیں کر سکتی تو کم سے کم سانس روک کر سینہ پھلا کر رکھنے ہی کی مشق کیا کروں۔

ورزش کی اہمیت پر انہوں نے مجھے اتنے لیکچر دئے اور بیدی صاحب کے قول کے مطابق ہنومان کی طرح کود پھاند کر اتنی طرح کی ورزشیں بتائیں کہ میں بھی ورزش کے ذریعے اپنی بیماری دور کرنے اور کمر پتلی بنانے کی کوشش کر دیکھنے کو تیار ہو گئی (یہاں میں یہ بتا دوں کہ نہ اشک جی موٹے ہیں اور نہ میں، لیکن ان کی کمر تو سانس روکنے اور سینہ پھلانے پر الٹی مخروط کے نچلے زاویے کی سی بن جاتی تھی اور میری غالباً نہیں بنتی تھی) کچھ دنوں تک میں نے بھی کود پھاند کی لیکن ایک تو مجھے صبح جلدی اٹھنے کی عادت نہیں اور پھر کسرت کرنا مجھے نہایت خشک اور اکتا دینے والا کام معلوم ہوتا ہے۔ پھر میری آنتوں کو بھی کوئی فائدہ نہ پہنچا۔ کچھ ہی دن بعد میں نے ہتھیار ڈال دئے اور نہایت عاجزی سے کہا کہ کمر کی تکون آپ ہی کو مبارک ہو۔ مجھے کسی خوبصورتی کے مقابلہ میں تو بیٹھنا نہیں۔ مجھے تو آپ معاف ہی رکھیں۔

اشک جی نے پھر مجھے مجبور نہیں کیا۔ لیکن خود متواتر اچھل کود کرتے رہے۔ وقت ہوتا تو مالش بھی کرتے ورنہ ڈنڑ بیٹھکیں خواہ چھوڑ دیں۔ فری ہینڈ کسرت ضرور کر لیتے۔ کئی بار میں ناشتہ رکھ دیتی۔ یہ قریب قریب ناشتے پر بیٹھ جاتے، لیکن پھر کسرت کرنے کا خیال آ جاتا اور "بس چند منٹ کے لئے معاف کرو" کہہ کر بھاگ جاتے اور پیٹ دبا، سینہ پھلا، جسم کی تکون بنا کر اچھل کود کرنے لگتے۔ اگر اپنے ضبط اور باقاعدگی کی داد چاہتے کبھی کبھی آئینہ دیکھتے تو افسوس ہوتا کہ اتنی باقاعدگی سے ورزش کرنے کے باوجود ڈھلکتے چلے جا رہے ہیں۔ تب بازو کڑا کر کے ابھرے ہوئے پٹھے کی سختی دیکھ کر مطمئن ہو جاتے کہ چربی خواہ نہیں گھٹی لیکن ورزش کرنے سے پٹھوں میں لوہے کی سی مضبوطی آ گئی ہے۔

میں جب سے آئی ہوں میں نے انہیں باقاعدگی سے بلا ناغہ ورزش کرتے دیکھا ہے لیکن اتنی ورزش کے باوجود انہیں آنتوں میں تکلیف رہنے لگی۔ اپنی سنک میں انہوں نے ورزش کی مقدار کچھ اور بڑھا دی اور کسی شریف آدمی کے کہنے پر ابلی ہوئی ترکاریاں کھانا شروع کر دیں۔ اپنی عادت کے مطابق اس بات کو بھی انتہا تک لے گئے۔ نتیجہ یہ ہے کہ پچھلے سوا سال سے بیمار پڑے ہیں۔ وقت پر پتہ چل گیا کہ بیماری معدہ میں نہیں پھیپھڑے میں ہے ورنہ نہ جانے کیا ہوتا ——— جب علی الصباح اٹھ کر اور سانس روک کر جسم کی مخروط بنایا کرتے تھے اس وقت خود

اس وقت [illegible] کر اعتراف ہے کہ وہ ادب میں بیٹھ کر کام کرتے اور اپنی جوتی تیاریاں کی جائے وقت درخشاں کرتے۔ یہ سب معلوم ہوتا ہے کہ ہی ایک [illegible] آنکھ والا چاہتے ہیں لیکن اب اس کو ہی اجازت نہیں کیونکہ اس سے [illegible] نقصان پہنچتا ہے۔

مجھے یقین ہے کہ اگر یہ بیمار نہ ہوتے تو ان کو یہ شک ہمیشہ رہتی۔ اس کی دوسری مخالفت انتہا پر پہنچا — یعنی مکمل آرام پینے کے کبھی ملکہ نہ ہوتا۔

آپ وقت سے بیمار ہو کر ڈیڑھ برس پنچگنی کے سینی ٹوریم میں گزار کر الہ آباد آگئے ہیں۔ وہاں وہ درخ الکروڈ پر مصروف رہتے ہیں لیکن جسم سے آرام سے بیٹھ کر مجبور ہیں۔ کیا اس مجبوری نے انہیں تھوڑا بہت فلسفی بنا دیا ہے اور ان کی طبیعت اپنی انتہا پسندی چھوڑ کر میانہ روی سیکھ رہی ہے لیکن وہ پیادہ روی سیکھ پاسکیں گی اور مکمل طور پر صحت مند ہونے پر وہ سیکھتی رہے گی۔ اس میں کافی شک ہے۔

حفیظ ہوشیارپوری

ناصر کاظمی

۱۹۴۲ء کی بات ہے۔ خاصی سردیاں تھیں۔ رات کا وقت تھا۔ اسلامیہ کالج لاہور میں ایک انٹرکالجیئیٹ مشاعرہ تھا۔ رنگ رنگ کے طالب علم وہاں موجود تھے۔ بعض جانے پہچانے مقامی و غیر مقامی شاعر بھی تھے۔ سامعین اور اربابِ ذوق سے ہال کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ تاثیر نجیب آبادی حسبِ معمول کرسیٔ صدارت پر بیٹھے تھے۔ اُن کے ساتھ ہی سٹیج پہ یوں تو دو تین اور بھی اصحاب تھے لیکن ایک بہت دلچسپ اور عجیب سی چیز بھی تھی۔ گورا سا فولادی رنگ، پچکے ہوئے گال، خشک ہونٹ، ریشمی برف سے بال، اکہرا جسم، چھوٹی چھوٹی کنچوں سی آنکھیں، گردن پہ سے اُچکتی ہوئی ہڈیوں کی ایک مالا۔ شاعر مسند پر آکر اپنا کلام سُناتا۔ صاحبِ صدر دل بڑھاتے اور داد دیتے لیکن یہ صاحب اپنی حرکتوں میں گم تھے۔ خود ہنستے اور دوسروں کو بھی ہنساتے۔ شاعر ان کی طرف دیکھتا تو ایک دم سنجیدہ ہو جاتے اور سر کو نفی میں ہلا کر داد دینے لگتے۔ مشاعرہ ختم ہوا۔ شاعروں کو داد ملی۔ طلبا کو انعام ملے۔ پہلا انعام جسے ملا اُس کا نام نہیں بتاؤں گا۔ دوسرا انعام اعجاز بٹالوی کو ملا۔ میں عبدالمجید بھٹی کے ساتھ عرب ہوٹل میں آ کے بیٹھ گیا۔ پھر وہاں کچھ اور لوگ جمع ہو گئے۔ ڈاکٹر تاثیر مرحوم نے حفیظ ہوشیارپوری سے تعارف کرایا۔ میں دنگ رہ گیا۔ خیر یوں بھی ہوتا ہے زمانے میں۔

حفیظ نے کوئی ڈیڑھ درجن غزلیں سنائی ہوں گی۔ تاثیر صاحب نے آدھا دیوانِ غالب سنا دیا۔ ہاں یاد آیا اُن میں کچھ اُن کے اپنے شعر بھی تھے۔ ایک غزل داغ کے رنگ میں تھی باقی رنگِ غالب۔ حفیظ نے میری طرف دیکھا اور پھر دیکھا۔ میں نے بھی انہیں معنی خیز نظروں سے دیکھ اور ڈرتے ڈرتے دو ایک غزلیں سنائیں۔

اگلے دن میں سگریٹ لے کر کالج ہوسٹل کی طرف جا رہا تھا کہ وہی عجیب سی چیز ایک میل خوردہ گرے سا سوٹ پہنے ٹائی میں ٹھنسی سی گردن، دونوں ہاتھ پتلون کی جیب میں ڈالے دکانوں کے بورڈوں کی طرف دیکھتے ہوئے اردگرد کی چیزوں سے یکسر بے خبر کسی کو ڈھونڈتی ہوئی نہ جانے کدھر سے کدھر کو جلدی جلدی چلتی دکھائی دی۔ جیسے کہہ رہی ہو

ہم سے دیوانے رہیں شہر میں سبحان اللہ
دشت میں قیس رہے کوہ میں فرہاد رہے

سنا ہے حفیظ نے اپنا کلام شائع کیا ہے۔ ہوگا ایسی لے قرآن کے ہاتھ میرا ابھی تک کوئی کتاب۔ دیکھیں [illegible] کسی کتب خانے [illegible]
[illegible] دیکھا۔ جب اُس سے ایک دن مجھے یہ بتایا کہ اُس نے گورنمنٹ کالج لاہور سے نفسیات کا ایم۔ اے کر رکھا ہے تو میں [illegible] سوچ گیا کہ واقعی اس وضع
قطع کا صاحب علم بھی ہے۔ اس کا بڑی توجہ سے دیکھا۔ اور یہ نفسیات نہ جانے اُسے کیسے منظور ہوئی۔ آج کل کرنا بھی تو احساس [illegible] کرو۔ ایک ذرشتہ
[illegible] شفیق باپ اور بیٹا ہوں ایک ذمہ دار افسر بھی ہے۔ جب وہ چل بیٹھیں [illegible] ہو گیا تو میں دیکھو [illegible] پڑھنے [illegible]
[illegible] قرآن کی تو معرفیات کا خیال [illegible] بھی اُن دنوں پریشان [illegible] بیٹا [illegible] معذوری یا گندہ دل
[illegible] خاک چھانتا پھرتا تھا۔ سوچا اس بہانے حال میں حفیظ کو کیا ملوں۔ اُس حفیظ کو جس نے مجھے کبھی [illegible] دیکھا تھا۔ اُسے [illegible]
[illegible] ملنے تھے۔ راستے کوئی [illegible] بجے ہوں گے۔ [illegible] ایک [illegible] کی شمع جلائے [illegible] پڑھ رہا تھا [illegible]
[illegible] نے اٹھ کر دروازہ کھولا۔ حفیظ کہاں تھا؟ اُس نے پوچھا [illegible] نے کہا جی! اور حفیظ بولا [illegible]

[illegible] آخر میں [illegible] کہاں تک چھپاؤں گا

حفیظ میرے ساتھ اٹھتے بیٹھتے چپکے چپکے پڑھتے کا کوئی [illegible] ہے۔ [illegible] تھا لیکن اب مجھے معلوم ہوا [illegible]
[illegible] ایک درد مند انسان ہے۔ [illegible] سے اظہار [illegible] نہیں کرتا۔ [illegible] اس انداز کو کوئی [illegible] ہے۔ جب [illegible] صاحب حیثیت تھے
[illegible] تھا جب حزب الوطن ہو کر یہاں آیا تو اُس نے مجھ سے [illegible] امداد کی [illegible] سکتا تھا۔ اب سوچتا ہوں کہ اتنے
[illegible] کا کتنا احترام کیا! بھلا یہ ہو سکتا ہے کہ کوئی دوست ہو کر بھی کام نہ آئے یہ بات نہیں۔ حفیظ اول تو کسی کو دوست نہیں بناتا اگر بناتا ہے تو اُسے
[illegible] دیتا ہے۔ وہ [illegible] پسند ہے [illegible] دوستوں کو مصیبت میں دیکھتا ہے تو وہ [illegible] ہے مگر اُس کا دل [illegible] ہے۔ دراصل وہ اپنے
ساتھ بھی یہی کرتا ہے۔ مجھے اُس نے کبھی [illegible] تو نہیں دیا لیکن کرنے بھی نہیں دیا۔ اور ایک بار ایسی مدد بھی کی کہ میں آج تک اُس کی بدولت چین سے
[illegible] گزار رہا ہوں۔

تقسیم ملک سے پہلے جب میں اسلامیہ کالج میں بی اے میں پڑھتا تھا [illegible] ہوسٹل کے کمرہ نمبر [illegible] میں رہتا تھا۔ میرا کرہ [illegible] کی طرح [illegible] تھا۔ [illegible]
تھے۔ خاندانی جائیداد قائم تھی۔ خوشی برداشت کرنے کی بڑی ہمت تھی اور ہر وقت نئے نئے غموں کی جستجو رہتی۔ اُن دنوں میں [illegible] تھا۔ ویسے میں [illegible]
ادیب [illegible] شاعر لوگ تو کیا ہم جماعتوں سے بھی بالکل الگ۔ ویسے سب مجھے جانتے تھے یہ مجھے بعد معلوم ہوا۔ میں کمرے میں بیٹھا [illegible] کسی شخص کا انتظار کرتا [illegible]
تھا [illegible] دنوں ایک ہی شخص کا انتظار تھا۔ وہی غالب والا شخص ——— [illegible] میں دروازے پر دستک ہوئی میں نے کئی بار کہا کون؟
لیکن کوئی جواب نہ ملا۔ میں پھر اپنے دھیان میں لگ گیا۔ دستک پھر ہوئی۔ اٹھ کر دروازہ کھولا۔ وہی چیز میرے سامنے کھڑی تھی۔ مجھے کچھ ہنسی سی آگئی لیکن
ضبط کر گیا۔ اُن کے ساتھ پروفیسر عبدالمجید بھی تھے جن کے ذکر کے بغیر میرا یہ [illegible] مکمل نہیں ہو سکتا۔

"معاف کیجئے۔ آپ کو زحمت ہوئی" حفیظ نے بڑے پیار سے کہا۔ میری آنکھیں بھر سی آئیں۔ خوشی بھی ہوئی کہ ایک معروف سا آدمی میرے پاس خود
چل کر آیا اور پریشانی بھی کہ [illegible] کس اور کا تھا۔ حفیظ نے حسب معمول وقت کم ہونے کی معذرت کی اور فوراً جیب سے ریڈیو کا کنٹریکٹ نکال مجھے دستخط
کرنے کو کہا۔۔۔۔ میری عمر اُس وقت سولہ برس ہوگی اور میرے پاس صرف چار پانچ غزلیں ہی اس قابل تھیں کہ کسی ادبی مجلس میں سُنائی جا سکیں۔ میں کچھ
[illegible] سا ہو گیا۔ پھر خیال آیا کہ حفیظ سے میری کوئی دوستی بھی نہیں کوئی تعلق نہیں اور نہ ہی دنیائے ادب میں مجھے کوئی جانتا ہے۔ یہی سوچ کر میں نے دعوت
منظور کر لی۔ وہ دن اور آج کا دن ایسی سینکڑوں ہی دعوتیں مل چکی ہیں بلکہ بعض دفعہ تو ایسی دعوتوں کا انتظار سا بھی رہتا ہے۔ کیونکہ۔ قوم کا سوال ہوتا ہو
کبھی کبھی سوچتا ہوں کہ وہ کتنی بڑی گھڑی تھی جب میں ریڈیو کے مشاعرے میں شریک ہوا۔ نہ میں غزل پڑھتا نہ لوگ مجھے جانتے اور نہ ہی میری زندگی عروس
سخن کیلئے وسیلہ عام ہوتی۔ پھر یہ خیال کہ اور بھی تو کچھ لوگ تھے جنہیں یہ دعوت نامہ ملا تھا۔ لیکن اب اُن کا نام و نشان بھی نظر نہیں آتا۔ کوئی کلرک بن گیا کوئی

افسر ہر گز کوئی پالن ہوگیا وغیرہ وغیرہ۔

آج تک یاد پڑتا ہے حفیظ جیسا شخص پیدا کرنا مشکل ہے۔ شاید ہی وہ سیدھی سادی زندگی بسر کرتا تھا۔ اس کے افسر خود جل کر اُس کے کام میں آتے ہے۔ اب [illegible] ہے۔ اب بھی تیس سال سے میں اُس کے دفتر گیا۔ چپڑاسی کو پیش ری روانہ کر دیا۔ سکرٹ پیش کی اور پھر اپنے کام میں لگ گیا۔ کرسی پر دخل ہوتے ہی مجھے یوں معلوم ہوا کہ ڈائریکٹر صاحب سے کوئی دیہاتی رشتہ دار نہیں ملنے آئے ہیں پھر لکھ خیال آیا کہ یہ تو وہی حفیظ ہے۔ اتفاقیہ واقعات میں سے اُس سے اُس نے دفتر کے متعلق کبھی کوئی بات نہیں کی۔ نہ کسی افسر کی تعریف اور نہ ہی برائی۔ وہ دوسروں کے متعلق جتنی ہی کم باتیں کرتا ہے اتنا ہی محتاط ہے۔ صبح و شام سے چراغ جلنے تک کام کرنا تو خیر اس کا معمول ہے۔ دیانتداری اور محنت سے کام کرنا یوں تو اس کی فطرت میں شامل ہے لیکن اُسے میاں بشیر احمد صاحب کی بھی تربیت حاصل ہے۔ وہ میاں صاحب کے ساتھ ۱۹۴۳ء میں انجمن اردو پنجاب میں بحیثیت اسسٹنٹ سیکرٹری کام کرتا رہا۔ اور میاں صاحب اُن کے چہیتے لوگوں میں سے ہیں جنہیں وہ اپنا دوست سمجھنے کے علاوہ ایک نہایت بے ریا انسان بھی کہتا ہے۔

حفیظ کو پرانی اور نادر کتابیں جمع کرنے کا بہت شوق ہے۔ یہ شوق اسے اپنے بڑے بھائی راحل مرحوم سے ورثے میں ملا۔ اُس کی کتابیں دیکھ کر میں حیران رہ گیا کہ یہ شخص سو روپیہ ماہوار تنخواہ میں اتنی نادر کتابیں کیسے خرید لیتا ہے۔ پڑھتا بھی ہے۔ زبان فارسی و اردو کے تذکرے، پرانے شعراء کے دیوان کچھ قلمی نسخے جن میں بعض واقعی کمیاب ہیں۔ موسیقی، تصوف، تاریخ، لسانیات اور بعض تاریخی کتابوں سے اس کی الماریاں اٹی پڑی ہیں۔ وہ اپنی کتابیں کسی کو نہیں دیتا۔ بالکل اسی طرح جس طرح وہ کسی کو قرض نہیں دیتا۔ مجھے اُس کی یہ بات بڑی بری لگتی ہے۔ یہ ایک اچھا اصول ہی سہی لیکن اس میں خود غرضی کا ایک پہلو بھی نکلتا ہے۔ کتابوں کو جمع کرنا ایک خبط ہے۔ میرے خیال میں وہ صرف ورق گردانی ہی کرتا ہے۔ چھٹی کے دن جب میں نے پوچھا بھائی کہاں چلے ہو تو اکثر یہی جواب ملا چلے بیوی کو کچھ رشتہ داروں سے ملانے گیا تھا۔ اب کشمیری بازار جا رہا ہوں۔ شاید کوئی کتاب ہاتھ لگے۔ ایک دفعہ میں اُس کے یہاں بیٹھا تھا کہ راحل مرحوم سے فلو پر سے جرأت کا دیوان مل گیا۔ یہ بڑا کمیاب اور بڑا خستہ تھا۔ اُس کی بڑی بیٹی صبیحہ نے بجلی کا پنکھا بند کر دیا۔ کہنے لگی "اس کتاب کے اوراق جھڑ رہے ہیں آپ پڑھیں، میں پنکھا چلا دوں گی"۔ میں نے حفیظ کی طرف دیکھا اور مسکرا دیا۔ صبیحہ کی ذہنیت سے اندازہ لگاتا ہوں کہ اس کے بغیر حفیظ کی شخصیت ادھوری سی رہ جاتی ہے۔ وہ اور اس کے قریبی بھائی حفیظ کو فنی ہوشیار پوری کہتے ہیں۔ ماں باپ نے تو نام عبدالحفیظ رکھا تھا۔ جہل حفیظ نے خود بنا دیا۔ ہر ادبی محفل میں سے صبیحہ سے پوچھا کہ فنی کے کیا معنی ہیں وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی کہنے لگی "ایک تیر نے کہا ایک تیر" وہ شرما کر بھاگ گئی۔ صبیحہ کی فارسی دانی کا ایک لطیفہ یاد آ گیا۔ ایک دفعہ حفیظ نے مجھے خواجہ نظام الدین اولیا یا شیخ صلاح الدین کو چاہنے پر بتایا۔ حفیظ خود عالم کو قطب عالم کہتا ہے۔ صبیحہ فوراً بول اُٹھی "یہ عالم میں یا عالم! اور یہ قطب ہے یا کتب" ہم سب حیران رہ گئے۔ حفیظ بھی لفظوں کا رسیا ہے لیکن یوں لگتا ہے کہ اس سلسلے میں وہ اپنی بیٹی کا شاگرد ہے۔

حفیظ بڑی بزرگی، بے تکلفی اور بعض اوقات بے معنی باتیں بھی کر لیتا ہے۔ اس کے لطیفے اتنے خشک ہوتے ہیں کہ اُس کے بڑے سے بڑے عقیدت مند بھی اُکتا جاتے ہیں۔ بعض تو روٹھ بھی جاتے ہیں۔ لیکن مجھے اکثر یہی شک گزرا ہے کہ یہ شخص بہروپیا ہے۔ اس کا ظاہر کچھ اور باطن کچھ۔ لیکن یہ تو منافق کی تعریف ہے۔ وہ منافق نہیں۔

جانتے ہیں مگر دیکھ کے دلپسند ہوا

یعنی سر بر بزم فروزاں نہ ہو

اُسے تاریخ گوئی پر بڑا عبور حاصل ہے۔ اور یہ فن بھی اس نے راحل مرحوم سے سیکھا۔ [illegible] کو دیکھ کر تاریخ نکال دیگا۔ آپ کی باتوں میں سے تاریخی فقرے نکال دیگا۔ میں تو ایک دفعہ اس کی تاریخ گوئی سے آشنا تھا جب میں نے شادی کی۔ [illegible] سے فوراً چند ایک تاریخیں کہیں۔

<u>شام شب طرب شاداں شد</u> — مر قید سے آزاد تھا برجستہ ناصر کاظمی

شادی ہوئی تاریخ ہے <u>پابند ناصر کاظمی</u>

[illegible] سے ملاقات ہوئی۔ ۱۲ / ۱۹۵۳

[illegible] کے علاوہ [illegible] شرکت ہے۔

حفیظ میں بہت سی [illegible] کوئی بات نہیں۔ وہ فوراً جو [illegible] ہوتا ہے۔ مجھے بھی غزل سنائی [illegible] ایک شعر پر [illegible] قائل ہے جو [illegible] ہے۔ [illegible] استعمال [illegible] دشمنی بھی [illegible] شاعری [illegible] ہے۔ [illegible] اہمیت دے گا۔ [illegible] کی شخصیت بڑی زندہ [illegible] ہے۔ [illegible] باقی [illegible] ہیں۔ [illegible] کا جواب [illegible] آپ کو اہمیت کے [illegible] ہوں گے۔ [illegible] ہو جائے گا۔ [illegible] چھوٹی چھوٹی باتوں پر [illegible]

حفیظ کی غزل روایت سے [illegible] ہے۔ دراصل وہ اپنے آپ کو روایت سے کسی طرح بھی [illegible] غالب [illegible] استاد [illegible] قسمت سے [illegible] انگریزی [illegible] بھی پڑھی ہے [illegible] ہے۔ دیکھیے [illegible] اس نے اپنے ایک مقطع میں استعمال بھی کیا ہے۔

نقش ہے قول میر دل پہ حفیظ
کیا عمارت غموں نے ڈھائی ہے

مگر شیخ صلاح الدین نے اسے قائل کر لیا کہ اس پر میر کا بھی اثر ہے۔ شیخ صلاح الدین کا ذکر میں نے یہاں اس لئے کیا کہ وہ ایک ایسا شخص ہے جس نے [illegible] کبھی نہیں [illegible] خواہ وہ بھی جو اس میں کوئی [illegible] ہو۔

جس زمانے میں حفیظ سے اپنی دوستی ہوئی وہ زمانہ غزل کو شعرا [illegible] کا زمانہ تھا۔ [illegible] لیکن حفیظ اپنی روش پر ڈٹا رہا۔ وہ [illegible] کی طرح گھر میں [illegible] رہا اور اس نے اسی کنج تنہائی میں بڑے حوصلے سے دیوانگی کی۔ [illegible] اس کا مقابلہ نہیں کر سکا۔ غزل [illegible] اس کا معارض نہیں ہو سکتا۔ یہ ٹھیک ہے کہ [illegible] نے اسے عام قبولیت کے نظریے سے [illegible] محروم سا رکھا ہے لیکن اس سے اس کے مقام میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اس نے سینکڑوں ہی غزلیں کہی ہیں۔ لیکن یہ اسی کا حوصلہ ہے کہ اس نے ابھی تک صاحب دیوان بننا نہیں چاہا۔ میں کہہ رہا تھا کہ ان دنوں ادب پر روایت سے بغاوت کرنے کا بھوت سوار تھا۔ وہ الٹی سیدھی باتیں لکھ کر صرف [illegible] کرنا چاہتے تھے۔ [illegible] لیکن ابھی ان کے نام لیوا باقی ہیں۔ [illegible] کی تقلید ہی کو شاعری سمجھتے ہیں۔ [illegible] کا یہ حال ہے کہ [illegible] اس پورے دور کے جواب میں حفیظ کا یہ شعر کافی ہے۔

بہت بلند ہے اس سے مرا مقام غزل
اگرچہ میں نے محبت کے گیت ہی گائے

[illegible]

ن۔م۔راشد

عطاء اللہ سجاد

راشد اور میں زندگی میں ایک دوسرے کے اس قدر قریب رہے ہیں اور ہماری رفاقت اس قدر طویل رہی ہے کہ میرے لئے ایک خارجی مبصر کی حیثیت سے اُس کی ذات اور شخصیت کا تجزیہ کرنا بے حد مشکل ہے۔

راشد سے میری ملاقات آج سے قریباً ستائیس سال قبل دسمبر [illegible] کی ایک شام کو ہوئی تھی۔ غالباً وہ شام بھی دسمبر کی عام شاموں کی طرح بے حد خنک اور مضمحل کر دینے والی ہوگی لیکن میرے لئے اُس کے تصور میں آسودگی اور راحت کے احساس کے سوا اور کچھ بھی نہیں۔

[illegible] لاہور کے ایک محلے سے [illegible] میں ہمارے مرحوم دوست اشرف کا مکان تھا۔ اشرف نے جہاں تعارف کرایا۔ [illegible] میں نے دیکھا [illegible] رنگ کا ایک خوب رو نوجوان ہے جس کی [illegible] کے شیشوں میں سے بھی نمایاں تھیں۔ جن لوگوں نے گزشتہ چند سال میں راشد سے ملاقات کی ہے وہ شاید میرے اس بیان کو میری [illegible] تصور کریں کہ خود راشد کے چہرے پر [illegible] کی جاتی ہے۔ [illegible] ایک روشنی جھلکتی ہے جسے اس کی شاعری نے [illegible] کر دیا ہے۔

[illegible] راشد نے بے حد حساس طبیعت پائی ہے۔ اپنی ملازمت کے سلسلے میں وہ [illegible] لیکن وہ مکمل طور پر [illegible] اس کے [illegible] (BORN UN HAPPY) یعنی پیدائشی [illegible] تھی۔ [illegible] اس طبیعت [illegible] بعض لوگوں کے دلوں میں اس کی طرف سے [illegible] کا ایک احساس پیدا کر دیتی ہے۔ اس کے باوجود وہ اپنے مخصوص حلقہ احباب میں [illegible] اپنی پوری توانائیوں کے ساتھ جلوہ گر ہوتی ہے۔

[illegible] ہماری ملاقات ہوئی وہ اپنے نام کے ساتھ [illegible] جب میں اس سے [illegible] راشد [illegible] کے تجربات کا ذکر کرتے ہوئے جب اس نے [illegible] ایک نظم [illegible]۔۔۔ [illegible] اس نے مجھے [illegible] سنائی [illegible]

[illegible] معلوم ہو سکا کہ [illegible] راشد [illegible]
[illegible] تھا [illegible]
[illegible] تھا [illegible]
[illegible]
[illegible] تھا [illegible] اس وقت کی [illegible] کے [illegible]
[illegible] راشد [illegible] کی بنیاد ڈال گئے۔ وہ [illegible] اشرف [illegible] کے سامنے
[illegible] شعرا [illegible] سے پاس سے [illegible]
[illegible] کی [illegible] دیکھتے [illegible]
[illegible] راشد نے [illegible] کے چند مصرعے مجھے اب تک یاد ہیں۔

آہ وہ [illegible] وہ پری زادوں کے [illegible]

....

ہر گھڑی وہ جیسے [illegible] نہر پہ

اور تعفن چھوڑ جانا نہر کی ہر لہر پہ

وہ [illegible] کی جن۔ وہ جس کا نام آتا نہیں

جس کے [illegible] جسم کی [illegible]

راشد کی پیدائش [illegible] میں اُس کے آبائی وطن اکال گڑھ [illegible] میں ہوئی۔ اکال گڑھ [illegible] ضلع گوجرانوالہ کا ایک تاریخی شہر ہے۔ لیکن [illegible] پنجاب کا عشق [illegible] راشد کو شاعر تو بنا سکا ہے لیکن اُسے رانجھا یا مہینوال نہیں بنا سکا ہے۔ اس کی زندگی میں کوئی ہیر یا سوہنی داخل نہیں ہوئی [illegible] چند احباب عشقیہ نظمیں [illegible] لیکن اس کی کتاب حیات میں معاشقہ کا کوئی باب نہیں۔ البتہ اس نے [illegible] کے ایک شوقین مسلمان نوجوان کی طرح اپنی [illegible] کے لیے جو اس کی منگیتر تھی اور اب اس کی [illegible] ایک نظم لکھی تھی۔ ایک بند مجھے یاد رہ گیا ہے۔

حرم عفت و عصمت میں ہے قیام اُس کا

طوافِ خانۂ رحمت میں ہے خرام اُس کا

نجوم و ماہ سے بڑھ کر ہے احترام اُس کا

اُسی سے پیار مجھے ہے اُسی سے پیار مجھے

راشد افلاطونی عشق کا قائل نہیں۔ اختر شیرانی سے کسب فیض کرنے کے باوجود وہ اُس کے اس نظریے سے کبھی متفق نہیں ہوا کہ "[illegible] میں جوانی گنوا دیا تھا" اُس کی نظم "حزن انساں" افلاطونی نظریۂ عشق پر ایک طنز ہے۔ اُس کے نزدیک جسم اور روح دونوں کے آہنگ کا نام محبت ہے۔ غالباً اُردو کا یہ پہلا شاعر ہے جس نے اس جسارت کے ساتھ محبت میں جسموں کے آہنگ پر زور دیا ہے اور محبت کے افلاطونی نظریے کی تضحیک کی ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ راشد کی زندگی بھی "ایپیکیورین" کی زندگی رہی ہے بلکہ اس کے برخلاف وہ ان تمام "نفیس" ([illegible]) پر عمل پیرا رہا ہے جس کی تعلیم اس قسم کے لوگوں کو اپنے گھروں میں ملتی رہی ہے۔ البتہ اُس نے زندگی میں جنس کی اہم حیثیت پر ہمیشہ زور دیا ہے اور جنس کے متعلق اُس کا یہ نظریہ ہمارے [illegible] بحثوں کا موضوع بنا رہا ہے۔ [illegible] راشد نے اپنا [illegible] جس میں ایک عنصر تھا

میرے ہونٹوں نے مجھے پیدا کیا

میں نے ملک الاسر کہا ہے

میرے خوابوں نے مجھے پیدا کیا

ہونا چاہئے۔ راشد نے ملک کی اگر یہ جو نشیں کی جائے تو خوابوں کو دیں تو پیرا مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے۔

لاہور میں ہم قریباً تین سال قلعہ گوجر سنگھ میں مقیم رہے۔ میں اور چوہدری ابرار حسین اب مسٹر جسٹس محمد یعقوب علی خاں وہاں رہائش پذیر تھے اور راشد بھی۔ وہ پاس کرنے کے بعد مولانا تاجور کے نئے رسالہ شاہکار کی ادارت کرتا تھا۔ وہ زمانہ ہمارے لئے تنگدستی اور عسرت کا زمانہ تھا۔ ان سیکڑوں بے مایہ نوجوانوں کی طرح جو لاہور جیسے غدار شہر میں چند لقمہ کے لئے وارد ہوتے ہیں ہم لوگ بھی اپنے لئے راستہ بنا رہے تھے اور راستہ ہی ساتھ زندہ رہنے کے لئے تگ و دو کر رہے تھے لیکن ان منزل کی بے کلی۔ خود اعتمادی، صلاحیت کا اور سب کچھ تلاش کرتا ہوں تو کہیں نظر نہیں آتی۔ ہم نے اپنے مکان کا نام لانشیمن آشیانہ رکھا ہوا تھا۔ میں لا کالج میں پڑھنے کے علاوہ صاحبان کے فارغ وقت میں بھی منسلک تھا اور شام کو جب میں درس گاہ سے گھنٹوں کی مسلسل محنت کے بعد لانشیمن میں واپس آتا تو دوستوں کی پھبتیاں میرا استقبال کرتیں۔ تین تین قہقہے بلند ہوتے اور اس کے بعد تنگی کی ہر چیز مسکراتی ہوئی نظر آتی۔

لانشیمن میں ہمارے نقل مکان کرنے کا پہلا دن تھا کہ شام کے وقت پروفیسر احمد شاہ بخاری تشریف لائے۔ ہماری کتابیں ابھی چارپائی پر پڑی تھیں اور بخاری صاحب کو بٹھانے کے لئے اس وقت ہمارے پاس کوئی کرسی نہیں تھی۔ بخاری صاحب نے کتابوں کو چارپائی پر دیکھا تو

چارپائے بروکتابے چند

کی پھبتی کہی۔ راشد نے کرسی نہ ہونے پر معذرت کی اور چارپائی خالی کردی۔ اب بخاری صاحب جو بیٹھے ہیں تو علم و ادب کے دفتر کھل گئے۔ اتفاقات کے ایک ایک مصرعہ پر داد دی۔ راشد کی تشبیہات کے سلسلہ میں میتھیو آرنلڈ کی تشبیہات کا ذکر کیا۔ اس وقت کی انگریزی شاعری کے رجحانات پر سیر حاصل تبصرہ ہوا۔ راشد نے امریکہ کا ایک رسالہ دکھایا جس میں "اتفاقات" کا انگریزی ترجمہ چھپا تھا۔ انگریزی میں فرمایا "راشد تم سے انصاف نہیں ہوا"

غالباً یہ علمی صحبت دو ڈھائی گھنٹے جاری رہی۔ اور اس کے بعد صرف ایک بار پھر بخاری صاحب کی زیارت لانشیمن میں ہوئی۔

لانشیمن میں اختر شیرانی مرحوم، مولانا تاجور، راجہ مہدی علی خاں اور راشد کے دو ہم جماعت آغا عبدالحمید اور عمر فاروق بھی آیا کرتے تھے کبھی کبھی مولانا چراغ حسن حسرت بھی تشریف لاتے کیونکہ وہ "احسان" میں میرے رفیق کار تھے اور میں انہیں کھینچ لایا کرتا تھا۔ مولانا تاجور کا ہر معاملے کے متعلق بات کرنے کا اپنا ڈھنگ تھا اور ان دنوں "جوانی چنانکہ افتد ودانی" کے مصداق ان کی باتیں ہمارے لئے کئی ایک ایکٹ کے ڈراموں کا موضوع بن جاتیں۔

راشد کو مولانا ان دنوں غالباً پچیس روپے ماہوار تنخواہ دیا کرتے تھے۔ مولانا کا تمام کاروبار ان کے برادر نسبتی سلیمان خاں صاحب کے ہاتھ میں تھا۔ اور مولانا ایک مشکل صورت حال سے بچنے کے لئے ہمیشہ سلیمان خاں صاحب کو سپر کے طور پر استعمال کرتے۔ مثلاً اگر وہ راشد کے کسی اداریے یا نظم کی تعریف کرتے تو میں کہتا کہ مولانا بیچارے راشد کی تنخواہ میں بھی اضافہ فرمائیے تو کہتے "بھئی یہ تم نے بڑی مشکل بات کہی، اگر راشد کو ترقی دوں تو پھر سلیمان خاں بھی مانگے گا۔ اب تم ہی بتاؤ میں اسے کیسے انکار کرسکوں گا۔ وہ میری بیوی کا بھائی ہے۔ نہ بھئی ترقی کی بات اس وقت نہ چھیڑو میں چپکے سے راشد کی تنخواہ بڑھا دوں گا۔"

اگر کسی اخبار یا رسالہ میں مولانا یا شاہکار کے متعلق کوئی تنقید شائع ہوتی اور ہم لوگ مولانا سے اس کا تذکرہ کرتے تو مولانا بڑی سنجیدگی سے فرماتے "بھئی یہ تو حاسدوں کی ایک پارٹی ہے پارٹی۔ انہوں نے تو مجھے ختم کرنے کے لئے ہزاروں روپے چندہ جمع کر رکھا ہے"

قلعہ گوجر سنگھ کے قیام کا زمانہ راشد کی شاعری کا بہترین زمانہ تھا اس زمانہ میں اس نے "آنکھوں کے جال" "زوال" اور [illegible] جیسی نظمیں لکھیں۔ کبھی کبھی اس کی کسی نظم پر بحث کے دوران میں میں اس کی نظم کی پیروڈی شروع کردیتا۔ یہ اس کی دکھتی رگ تھی اور ایک دن تو اس نے بڑی

نمبر کے لئے [illegible] میں متعدد تحریک ہیں۔ ظاہر ہے کہ [illegible] بسلسلہ ملازمت [illegible] تھا صرف اسے ہی [illegible] تھا راشد نے ادب و شعر کی [illegible] مطلب [illegible] کے [illegible] کئے ہیں۔

راشد ایک بہت شاداب تخیل کا مالک ہے۔ اس تخیل اپنی مخصوص ۱۹۴۲ء [illegible] امیجری تشبیہات کے ذریعے ایک حسن [illegible] عظیم الشان [illegible] کا [illegible] کہ ایک تیرہ و تاریک [illegible] ایک شام [illegible] نے دیکھا کہ اس کے [illegible] سفید [illegible] میز کی سطح پر [illegible] تھا۔ چنانچہ اس کے [illegible] سے نظم [illegible] کے [illegible] ہیں اب یہ مصرعے پڑھتا ہوں تو وہ [illegible] شام [illegible] ہے۔

تو اتری میری محبت سے بال
میز کی سطح درخشندہ کو دیکھ
کیسے پیالوں کا عکس پیکر
اس کی بے اندازہ گہرائی میں ہے ڈوبا ہوا

"زوال" کا پس منظر ہمارے مکان واقع [illegible] کا صحن ہے جس میں گوندنی کے ایک درخت کے نیچے سے راشد نے پہلی بار ابھرتے دیکھا [illegible] ایسا ہی غصہ بخش جو اپنے تاثر میں "زوال" ہے۔

لاہور میں اسے کوئی ذریعۂ معاش بنانے کی سعی لاحاصل کے بعد راشد نے کمشنر ملتان کے دفتر میں کلرک کی ملازمت مل گئی۔ یہ اس کی زندگی کا تلخ ترین زمانہ تھا۔ تنگدستی، قلیل تنخواہ، متاہل زندگی کی ذمہ داریاں، متاہل اور [illegible] خاندانی [illegible] اور ملازمت کے لئے اس کی طبیعت کی نامناسبت ان سب چیزوں نے مل کر اس کی حساس طبیعت پر بہت اثر کیا۔ اس کی اس زمانے کی نظموں سے بھی دبی دبی [illegible] ہے۔ [illegible] اسی [illegible] کی [illegible] عنوان میں غالباً پہلی عشقیہ نظم ہے جو سیاسی پس منظر کے ساتھ لکھی گئی ہے۔

اس زمانے میں راشد خاکسار تحریک میں شامل ہو گیا اور سی۔ آئی۔ ڈی نے کمشنر ملتان کے خلاف رپورٹیں بھیجنی شروع کیں۔ دفتر کا سپرنٹنڈنٹ پہلے ہی اس سے مخالف تھا کہ راشد اس کے سامنے ٹوپی پہن کر نہیں آتا تھا۔ اس نے بھی رنگ آمیزی کی لیکن خوش قسمتی سے کمشنر [illegible] دوست [illegible] تھے انہوں نے ان سی۔ آئی۔ ڈی والوں کو ڈانٹ بتا دی اور راشد سے ان کا رویہ ہمدردانہ ہو گیا۔ اس کے بعد راشد کو ریڈیو میں ملازمت مل گئی۔ ان دنوں آل انڈیا ریڈیو کے ڈائریکٹر جنرل مسٹر فیلڈن تھے۔ راشد نے جاتے ہی ان سے کہا

"جناب میں خاکسار تحریک میں شامل ہوں، کیا اس بات کا میری ملازمت پر کوئی اثر پڑے گا۔"

فیلڈن صاحب نے مسکرا کر کہا "تمہارا ارادہ ہمارے کسی سٹوڈیو پر بم پھینکنے کا ہے؟"

راشد نے جواب دیا "نہیں"

"تو پھر جاؤ اپنا کام کرو۔"

دہلی کے دوران قیام میں بھی راشد کے لئے اس کا حد سے بڑھا ہوا احترام نفس اور [illegible] جس باعث زحمت بنے رہے۔ اسٹیشن ڈائریکٹر مسٹر ایڈمانی سے مسلسل [illegible] رہی۔ ایک دفعہ ریڈیو کے اعلیٰ افسران نے حکم دیا کہ پروگرام اسسٹنٹ پروگراموں کے نشر کے دوران میں [illegible] کیا کریں۔ راشد نے یہ حکم سنا تو کہنے لگا کہ ہم کوئی رجمنٹ ہیں کہ ہم پر ایسے حکم نافذ کئے جاتے ہیں۔ ایڈمانی صاحب کہنے لگے کہ [illegible] یہ بات افسران متعلقہ تک پہنچا دوں گا چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا اور راشد [illegible] اس وجہ سے افسوں کے ذریعے

یا اسی طرح ایک دفعہ دہلی کے ایک ریسیپشن میں چیف انجینئر سے لڑائی ہو گئی۔ راشد اتفاق سے کمرے میں ایک کرسی پر ٹانگیں پھیلائے بیٹھے تھے کہ چیف انجینئر صاحب داخل ہوئے اور انہوں نے کہا کہ دیکھو وہ ٹانگیں پھیلا کر بیٹھے ہیں۔ راشد نے اُن کی طرف دیکھ کر کہا کہ آپ تشریف لے جائیے میرا نام جو بھی ہے آپ کو اس بات سے کوئی تعلق نہیں کہ میں کس طرح بیٹھتا ہوں۔ چیف انجینئر صاحب نے رپورٹ کر دی اور معاملہ افسرانِ بالا تک گیا لیکن راشد اپنی پوزیشن پر اڑا رہا۔

دہلی کے دوران قیام میں راشد نے اپنی نظم "دریچے کے قریب" لکھی جس میں سیاسی نظم کا اظہار زیادہ شدت کے ساتھ کیا گیا ہے۔
راشد کی یہ پہلی نظم ہے جو اس نے براڈکاسٹ کی۔

جنگ عظیم کے دوران میں راشد فوج کے محکمہ نشر و اشاعت میں کپتان بھرتی ہو کر چلا گیا اور اس عرصہ ملازمت میں وہ قاہرہ، تہران اور عراق میں تعینات رہا۔ تہران کے دوران قیام میں اس نے وہ نظمیں لکھیں جو اب "ایران میں اجنبی" کے نام سے اس کے دوسرے مجموعہ کلام میں چھپ رہی ہیں۔

فوج کی ملازمت بھی راشد کو راس نہ آئی اور وہاں بھی اس نے افسروں کے رویہ تعصب کے خلاف احتجاج کے طور پر استعفیٰ دے دیا۔ ریڈیو کے محکمہ میں واپس گیا۔ آج کل وہ نیویارک میں یونائیٹڈ (U N O) کے ریڈیو یونٹ میں ڈپٹی ڈائریکٹر کے عہدہ پر تعینات ہے۔ یہ کام اسے بے حد پسند ہے اور وہ اپنی موجودہ ملازمت پر خوش معلوم ہوتا ہے۔

راشد ایک صاف گو انسان اور بے حد مخلص دوست ہے۔ اسے اپنی نفرت یا ناپسندیدگی چھپانے کے لئے عام الفاظ کا انتخاب کرنا نہیں آتا۔ وہ دوستوں کے وار بڑی خندہ پیشانی سے سینے پر سہہ لیتا ہے لیکن اگر اسے یہ شبہ ہو کہ فلاں گروہ سے فلاں بات اسے ذلیل کرنے کے لئے اور محض حسد اور بغض کی وجہ سے کی گئی ہے تو پھر وہ اینٹ کا جواب پتھر سے دینا جانتا ہے۔ دہلی میں جب ہمارے ایک مرحوم و مغفور دوست سے جن کے لئے میرے دل میں ہمیشہ بے حد محبت اور عزت رہی ہے، راشد کے تعلقات خراب ہو گئے اور جب انہوں نے ایک دوسرے کی طرف توپوں کے منہ پھیر دیئے تو راشد نے اپنی معرکہ آرا ہجو "اشتراکی" سے لکھی۔ یہ نظم ایک ہجو کی حیثیت سے اتنی کامیاب تھی کہ اس نے اچھے اچھوں سے بھی داد وصول کی۔ کچھ عرصہ کے بعد دونوں دوستوں میں مصالحت ہو گئی اور محبت کے شفاف پانی نے تمام گرد و غبار دھو دیئے۔

مرحوم کی وفات سے کچھ عرصہ پہلے راشد رخصت پر لاہور آیا ہوا تھا اور مرحوم نے کئی بار مجھ سے ذکر کیا کہ راشد اور بیگم راشد ان کی تیمارداری کے لئے ایک سے زیادہ بار آتے تھے۔

راشد ایک مخلص دوست، ایک شائستہ لیکن خاموش گو انسان ہے۔ وہ اپنی رائے کے اظہار کے لئے مبہم اور نرم الفاظ تلاش نہیں کرتا بلکہ جس انداز میں وہ کوئی بات محسوس کرتا ہے اسی انداز میں کہہ دیتا ہے۔ شاید یہ اس کے کردار کی خامی ہو کیونکہ آج کل زندگی کی قدریں بدل گئی ہیں اور لوگ سانپ کے زہر کی بجائے اس کے حسن پر فریفتہ ہو گئے ہیں۔

احمد علی

سید علی اکبر قاصد

میرے مضمون کا عنوان "احمد علی" بہت ادھورا اور نامکمل سا ہے — کبھی ہیرکٹنگ سیلون والے آپ کے سر کے بال زیادہ تراش دیں تو آپ کا چہرہ دو چار دن عجب اجنبی اجنبی سا لگے گا۔ اسی طرح احمد علی کا نام پروفیسر کے دُم چھلّے کے بغیر عجیب عجیب سا لگتا ہے — ہاں یہ ذکر خیر ہے پروفیسر احمد علی کا — "انگارے" والے احمد علی — "ٹوائی لائٹ اِن ڈیلی" والے احمد علی — لکھنؤ یونیورسٹی والے احمد علی اور حکومت پاکستان کے محکمۂ امور خارجہ والے احمد علی۔

آج سے کوئی پندرہ سال پہلے میرے استاد پروفیسر کلیم الدین احمد نے ایک بھری محفل میں کہا تھا کہ "احمد علی کے افسانوں میں زندگی کا سراغ ملتا ہے اور احمد علی نے تھوڑا ہی لکھ کر ادب میں اپنا ایک انفرادی مقام حاصل کر لیا ہے" — اس وقت میرے دل میں احمد علی سے ملاقات کی تمنا ابھری تھی — اور طالب علمی و کم عمری کا وہ جذبہ بھی دل میں پیدا ہوا تھا کہ کاش میں بھی احمد علی کی طرح لکھ سکتا! — میں "احمد علی کی طرح" لکھ تو نہ سکا مگر آج اس کی بجائے "احمد علی پر" لکھ رہا ہوں۔

پانچ برس بیتے — میرے دوست سلیم اللہ فہمی ایک شام مجھے احمد علی کے مکان پر لے گئے۔ وہاں پروفیسر احمد علی اور چراغ حسن حسرت مرحوم سے پہلی بار میری ملاقات ہوئی — یہ ملاقات میرے لئے ایک ڈرامائی تاثر رکھتی تھی — ایک عام پڑھنے والے کی حیثیت سے میرے ذہن نے بھی ان دونوں کی خیالی تصویریں بنا رکھی تھیں — چراغ حسن حسرت، دُبلے پتلے سے منحنی آدمی ہوں گے۔ دھیمے دھیمے باتیں کرتے ہوں گے — باتوں کا لہجہ اُن کے اشعار کا سا ہوگا ؎

آؤ حُسنِ یار کی باتیں کریں　　زلف کی رخسار کی باتیں

اور احمد علی پروفیسروں کی طرح ہوں گے — خاصے لمبے بھرکم — چندیا پر بال کم، چہرے پر فارغ البالی کے آثار — مگر یہ پہلی ملاقات ان ذہنی تصویروں کو لے ڈوبی — مجھے تھوڑی سی تکلیف ضرور ہوئی لیکن تھوڑی دیر بعد ذہن نے حقیقت سے مطابقت حاصل

کراں شام کے سائے گہرے ہوتے گئے۔ اور احمد علی کی شخصیت کے نقوش اُبھرتے گئے۔

احمد علی کو پہلی بار دیکھنے ہی سے پتہ چل جاتا ہے کہ یہ شخص انسانوں کے ہجوم میں شامل بھی ہے اور ان سے الگ بھی ہے ——— احمد علی صنف میں تو خوبصورت نہیں، چہرے پر گہری پلک اور دیپ کمار خوبصورت کہے جاتے ہیں لیکن ان کے چہرے کے گرد ایک مخزونی فضا ضرور ہے، مشترک ہے، اور آنکھوں کی چمک ان کی شخصیت کا بنیادی عنصر، مگر یہ چمک ویسی نہیں جیسی کسی ماہر مسمریزم کی آنکھوں میں ہوتی ہے بلکہ اس میں کچھ اُداسی اور خاکستری کیفیت بھی ملتی ہے ——— شعلے پر راکھ کا غلاف ——— احمد علی کی لمبی لمبی انگلیاں بھی مرد مرکز توجہ بن جاتی ہیں ——— منزل کے اس سفر میں کتنے ہی لوگوں سے ملا ہوں اور

قامت و چہرہ، وہ وہ دیکھا، کبھی نہ بھولے، یاد رہے

لیکن کسی کی انگلیاں احمد علی کی انگلیوں کی طرح مرکز توجہ نہ بن سکیں ——— ابھی پہلی ملاقات کی شام کی بات کر رہا ہوں ——— جب چائے آئی اور سب پینے لگے تو احمد علی بڑی نفاست سے پیالی اُٹھاتے، اپنے ہونٹوں تک لے جاتے اور پھر طشتری میں رکھ دیتے ——— ان کے اس عمل میں کچھ ایسی کیفیت تھی کہ مجھے محسوس ہوا جیسے احمد علی پیدائشی بلکہ موروثی طور پر بت تراش ہیں ——— احمد علی کے سر کے بال بڑے بڑے تھے اور بے ترتیبی میں بھی ایک ترتیب تھی جیسے غزل کے اشعار میں یا ستاروں میں ہوتی ہے ——— اُردو میں باتیں کرتے کرتے انگریزی بولنے لگتے اور لہجہ کا خیال رکھتے ——— پہلی ملاقات نے احمد علی کی شخصیت کے یہ تاثرات پیدا کئے اور یہ آج تک قائم ہیں۔ ان میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ ہاں قریب سے دیکھنے کے بعد اضافے ضرور ہوئے ہیں۔

لباس کے معاملے میں احمد علی ان لوگوں سے بہت الگ ہیں جو "جنٹلمین" کہلاتے ہیں، اگر کسی شام کسی ایسے آدمی سے آپ کی ملاقات کرائی جائے جو گہری ہری قمیص کے ساتھ سوٹ پہنے گہری سرخ ٹائی لگائے ہوئے (BRUTE AMERICAN CONTRAST) اور کہا جائے کہ "ان سے ملئے، یہ ہیں پروفیسر احمد علی" تو یہ کسی پریشانی کی بات نہیں، اور اسی لئے یہ بات میں نے آپ سے احتیاطاً عرض کر دی ہے ——— اس شوخ لباس کی نفسیاتی وجہ میرے نزدیک یہ ہے کہ احمد علی کراچی کی بے رنگ زندگی سے انتقام لے رہے ہیں۔ بھلا یہ بھی کوئی زندگی ہے، نہ تو موسیقی کی محفلیں جمتی ہیں، نہ رقص کی لہریں اُٹھتی ہیں، نہ ہم مشرب کہیں مل کر بیٹھتے ہیں ——— اس کی ایک اور نفسیاتی وجہ میری سمجھ میں یہ آتی ہے کہ غالباً احمد علی غیر شعوری طور پر اپنے آپ کو جوان رکھنے اور جوان پیش کرنے کے لئے یہ اہتمام کرتے ہیں ——— اُن کی عمر اب یہی کوئی چالیس پینتالیس سال ہے، پہلی نظر میں یہ عمر جچتی بھی نہیں لیکن جب ملنے والا اُن سے قریب ہوتا جاتا ہے تو وہ کم عمر معلوم ہونے لگتے ہیں، شوخ کپڑے، باتوں میں شوخی، حرکات و سکنات اور جنبشوں میں جوانوں بلکہ نوجوانوں کی سی بے چینی اور قوت کا اظہار، کچھ وارفتگی اور والہانہ پن، اور اسی ضمن میں گفتگو کرتے ہوئے چابیوں کے گچھے سے کھیلتے رہنا ——— یوں گردشِ ایام پیچھے کی طرف لوٹ جاتی ہے۔

احمد علی دیکھنے میں خاصے لمبے آدمی ہیں مگر اس لمبائی سے بہت زیادہ ان کے اندر گہرائی ہے، علم کی اور مطالعے کی ——— بلاشبہ وہ ایک بڑے فنکار ہیں، متوازن نقاد اور شگفتہ ادیب، ادب اور زندگی پر غائر نظر رکھنے والے ——— خوش گفتار اور دلکش مسکراہٹوں والے احمد علی ہمارے ادب اور کلچر کی تاریخ میں زندہ رہیں گے ———

احمد علی گفتگو کے فن کے بڑے ماہر ہیں ——— جس طرح اچھے بندوقچی کا RANGE بہت وسیع ہوتا ہے اُسی طرح احمد علی کی باتوں کا دائرہ بھی بہت وسیع ہے ——— جولیس سیزر اپنے بارے میں کہتا تھا کہ ——— "میں آیا ——— میں نے دیکھا ——— اور میں نے فتح کر لیا" ——— احمد علی بھی بڑے فخر کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ "میں آیا ——— میں نے باتیں کیں ——— اور میں نے فتح کر لیا"

ایک بڑی بین الاقوامی قسم کی محفل میں، میں بھی شریک تھا اور احمد علی بھی ——— احمد علی کے سامنے پیالہ و مینا تو نہیں تھے مگر چاروں طرف

خاص موڈ میں ہوں تو پھر دیکھئے اندازِ گل افشانیٔ گفتار۔ احمد علی بیک وقت ایک متوازن فیشنی خاتون، ایک انتہائی جاپانی خاتون، ایک ذہین چینی خاتون اور ایک مغرور ہندی پہاڑی خاتون سے باتیں کر رہے تھے اور کیسی تھیں؟ —— انڈونیشیا میں شادی کے لئے وجاہت، جاپان میں اطوار، چین میں دولت اور ہندوستان کے معاشی حالت، چین کا مستقبل —— پھر احمد علی کو پہاڑی خاتون کی ابروؤں میں سینے کی تیر کی جھلک نظر آگئی۔ عجیب! اور وہ آرٹ کے متعلق کتنے جامعیت سے گفتگو کرتے رہے —— کیسی کیسی احمد علی کی گفتگو عجیب انداز کی ہوتی ہے —— بظاہر ان کے عام تصنیفات و مقالات سے مختلف، ایسے موقعوں پر ذہانت کا وہ دروازہ کھلتا کہ حیرت ہو جائے گی —— کوئی صورت نئے ترتیب شدہ کیے۔ مثلاً، یہ افسانے کا مصنف بول رہا ہے؟ —— میں سوچ رہا ہوں اصل احمد علی کون ہے؟ —— یہ جیسے کہنے والا افسانے کا افسانہ نگار! بھائی جان (حسن عسکری مرحوم) اور اپنا ابن کشتی نے ترجمہ کیا اور ہر ہفتے کے پچھلے شمارے میں کسی کا یہ جواب دیا کہ —— "بندے کو خدا پر یہ فوقیت ہے کہ خدا مذہب رنگ سے واقف نہیں" —— میں نے پچھلے کے دو پرچے بھیجے وقت نئے نقطے پر شدید اعتراض تھا۔ بھائی جان اور کشتی کہتے کہ میں کب اتفاق ہے؟ یہ تو کسی کا قول ہے، ہم نے جواب دیا، آپ جواب دیجئے —— ایک دن شام کو احمد علی آگئے اور کشتی اور بھائی جان سے الجھ پڑے —— "صاحب! آپ نے یہ کیا جواب دیا؟ اس قول کے لکھنے والے نے خدا کے بلند و برتر کے بارے میں ایک منٹ بھی نہیں سوچا —— خدا تو علیم و بصیر ہے۔ وہ دانائے رموزِ کل ہے۔ سب سے بڑا فنکار ہے وغیرہ وغیرہ" —— کشتی بڑی معصومیت سے بولے کہ —— "یہ احمد علی صاحب بول رہے ہیں یا مفتی شفیع" —— احمد علی ہنس پڑے اور بحث ختم ہو گئی۔ لیکن وہ گفتگو بہت قیمتی تھا۔ خدا اور مذہب کے بارے میں احمد علی کے صحیح جذبات سامنے آگئے۔ احمد علی نے دہلی کی معاشرت کی آغوش میں پرورش پائی ہے —— وہ روایت شکن ضرور ہیں لیکن ان کی زندگی اور ان کی تحریروں میں وہ روایات بہر کچھ کچھ نئے در آتی ہیں —— اسی لئے وہ دلی والوں کی طرح کبوتر بھی اڑا چکے ہیں۔

احمد علی صرف کبوتر ہی نہیں اڑاتے بلکہ انہیں کئی اور جانوروں سے بھی دلچسپی ہے بکیشیدہ؟ پرند مکان میں رہتے ہیں لیکن یہ مکان بھی ان کے مذاق کا کسی حد تک آئینہ دار ہے —— چھوٹا سا باغیچہ —— چھوٹے چھوٹے پتھروں سے نمونے کی پہاڑیاں سی بنی ہوئی —— چھوٹا سا گڑھا گڑھے میں پانی —— پانی میں رنگین مچھلیاں —— جالیاں لگی ہوئی —— جالیوں میں ال —— رنگ برنگی چڑیاں، مگر یہ خرگوش اور ایک مور بل —— دروازے پر دو مور تھے —— سوتا کے سمدھی کی طرح، احمد علی شیر اور بکری کو ایک گھاٹ پر پانی تو نہ پلا سکے، لیکن یہ صلاحیت ان میں ضرور ہے بلی اور کتے کو رشتۂ رفاقت میں منسلک کر رکھا ہے، ایک زمانے میں تو وہ بڑی سنجیدگی کے ساتھ یہ سوچ رہے تھے کہ بلی اور کتے کو زنجیرِ مناکحت میں باندھا جا سکتا ہے یا نہیں؟ —— اس سلسلے میں آگے سے اگر کوئی شکایت ہے تو بس اتنی کہ ہمیشہ کاٹ کھانے والا کتا رکھتے ہیں

جانات سے احمد علی کو بہت شغف ہے۔ ان کا ملاقاتی کمرہ —— کمرہ کا ہے کو ہے ایک بڑا ہال ہے اور داخلے کا دروازہ ہنسلوی ہے۔ آپ ملاقاتی کمرے میں پہنچیں گے تو قالین، مجسموں، تصویروں، ایک بہت بڑے چوبی صندوق اور ایسے ہی الم غلم سامان کو دیکھ کر تھوڑی دیر کے لئے احمد علی کو بھول جائیں گے —— جب آپ اپنے عالم میں آئیں گے تو احمد علی کی آنکھوں کو مسکراتا پائیں گے —— "یہ صندوق دورِ شونگ شانگ کا ہے" "یہ منقش رنگ عہد چین چان چانگ سے تعلق رکھتا ہے"، وغیرہ وغیرہ —— احمد علی نے یہ سب سامان اپنے قیام چین کے زمانے میں جمع کیا تھا۔ جب وہ پاکستان کے سفارتی نمائندے کی حیثیت سے چین گئے تھے —— ایسے وہ پہلے بھی انگریزی کے پروفیسر کی حیثیت سے قیام پاکستان سے پہلے بھی چین ہو آئے ہیں —— اور وہ یہ سب سامان اسی بڑے چوبی صندوق میں بھر کر لائے تھے۔ جو اب اس کمرے میں رکھا ہوا ہے، بھابی بلقیس (بیگم احمد علی) کا کہنا ہے کہ جب گھر میں زیادہ مہمان آ جاتے ہیں، تو احمد علی اسی صندوق پر سوتے ہیں مگر اسی احترام و عقیدت سے کہ رات بھر سو نہیں پاتے —— یہ کمرہ عجائب خانہ بھی ہے اور نگار خانۂ چین بھی، اسی لئے یہاں ٹھہرنا مریض کے

ایمان کے لئے باعث ستم ہے کہ کوئی بیت چھوڑ کی اوٹ ہر وقت حائل رہتی ہے۔

آج کل احمد علی کو ایک ہی دُھن ہے — اپنا مکان بنوانے کی — یہ دُھن اُن کی تخلیقی قوت سے جانے کس طرح جُڑ گئی ہے۔ — اُنھوں نے آرکیٹیکچر بھی پڑھا، یہاں ہی ایک پلاٹ لیا ہے۔ بدقسمتی یا خوش قسمتی سے میرا تعلق بھی انجینیئرنگ سے ہے اور احمد علی ... اس کے علاوہ بھی وہ ماہر تعمیرات بھی بنتے ہیں، چنانچہ اب جب بھی ملتے ہیں اور اکثر ملتے ہیں تو مکان کا ذکر چھیڑ دیتے ہیں۔ کتابیں پڑھنے کی جگہ وہ جرمنی، انگلستان، فرانس اور سوئٹزرلینڈ کے مکانوں کے نقشوں کا مطالعہ کرتے رہتے ہیں — کسی مکان کی چھت پسند آتی ہے تو کسی کا برآمدہ — بال کی کھال نکالنے میں احمد علی اپنا جواب آپ ہیں۔ اُن کا تذکرۂ مکان اب تو قصّہ طلسم ہوش رُبا بن گیا ہے، اور میں بور ہونے کے باوجود احمد علی سے کہہ نہیں پاتا۔ بگڑتے ہوئے آئیں گے — "بھئی اکبر! — آخر کیا ہے؟ تم میرے مکان کی طرف بالکل توجہ نہیں دیتے، کل کوئی پتھر اُٹھا لے گیا — اور آج مٹی لے گیا۔ یہ سب کیا ہے؟" تت —

آج کل بلقیس بھابی اور احمد علی کے درمیان بچوں کے علاوہ اگر کوئی موضوع گفتگو ہے، تو یہی مکان کا مسئلہ — فرصت کے اوقات میں دونوں میاں بیوی مکان کا نقشہ بناتے رہتے ہیں یا جھگڑتے رہتے ہیں — "باتھ روم یہاں ٹھیک رہے گا" — "بھئی میں اپنی لائبریری پائیں باغ کے مشرقی گوشے میں بنواؤں گا" — "سامنے کی جالیاں ویسی ہی ہوں گی جیسی ..." یا پھر یہ ہوتا ہے کہ میاں بیوی کسی مکان کا نقشہ لے بیٹھے ہیں۔ چھت احمد علی کو پسند نہیں آئی اور دروازے بلقیس بھابی کو ناپسند ہیں — یہ سلسلہ اب معمولات کا حصہ ہو گیا ہے۔

احمد علی کی ازدواجی اور گھریلو زندگی بہت خوشگوار ہے، بھابی بلقیس اُن کے منفرد پن کی تلافی اور تکمیل ہیں، احمد علی کی طرح وہ بھی گفتگو کے فن کی ماہر ہیں۔ اس تسلسل سے بولتی ہیں جیسے کتاب پڑھ رہی ہوں — شادی شدہ خواتین احمد علی اور بیگم احمد علی سے مل کر اپنے شوہروں سے اور شاکی ہو جاتی ہیں: "میاں ہو تو ایسا — بیوی کا کتنا خیال رکھتا ہے، ہر بات مان لیتا ہے، ایک تم ہو کہ میری سنتے ہی نہیں" — اور بیچارے شوہر جل کر کہہ اُٹھتے ہیں — "بیوی میاں پر حاوی ہے" — حالانکہ ایسا کہنا حقیقت سے خاصہ دور ہے — احمد علی کے دونوں بچے عروج اور ارقم بہت پیارے اور ذہین ہیں — ان ناموں میں بھی احمد علی کی دو معصوم تمنائیں چھپی ہوئی ہیں — ایک بات اور — احمد علی کو جب بلقیس بھابی کے سامنے گھر سے باہر رہنے کا بہانہ تراشنا ہوتا ہے تو بہترین ذہانت کا ثبوت دیتے ہیں۔

زمانے کی طرح کراچی کا موسم بھی بدل گیا ہے اور اب کراچی میں آسمان پر بادل چھائے رہتے ہیں اور بارش ہوتی ہے تو ہوتی ہی چلی جاتی ہے، فضا کے ابر آلود ہوتے ہی لوگ سیر و تفریح اور پکنک کے لئے گھروں سے نکل پڑتے ہیں لیکن ایسے میں احمد علی کی مصروفیت دلچسپ اور مکمل طور پر انفرادیت لئے ہوئے ہوتی ہے، اپنی خاکستری "اوپل" میں اپنے دونوں بچوں کو بٹھا کر — بغیر نعرہ لگائے — ویرانے کی طرف نکل پڑتے ہیں، وہاں ان کے بچے مینڈکیاں پکڑتے ہیں اور احمد علی فورس اِن ریزرو (FORCE IN RESERVE) بن کر اپنے بچوں کو مینڈکیوں کی گرفتاری میں کمک پہنچاتے ہیں۔ جب اندھیرا چھا جاتا ہے تو واپسی ہوتی ہے اور ان کے ٹرنک میں شام کا ماحصل یعنی قسم قسم کی چھوٹی بڑی مینڈکیاں، بڑی احتیاط سے رومال میں بندھی پوٹلی ان کے گھر آ جاتی ہیں، مینڈکیاں پکڑتے وقت ان کی لمبی مخروطی انگلیوں میں نفاست کے ساتھ نشانہ بھی ہوتا ہے اور پوری پلاننگ بھی — احمد علی پلاننگ کے بھی بڑے ماہر ہیں۔ اس دلچسپ فنکارانہ کام میں بھابی بلقیس ان کی مدد تو نہیں کرتیں مگر اظہار ناپسندیدگی بھی نہیں کرتیں — وجہ ظاہر ہے، ایسے سہانے موسم میں انہیں احمد علی کی دوسری مصروفیتیں پسند نہیں۔

عرصہ سے احمد علی نے کوئی تخلیقی چیز نہیں لکھی — اُن کی زندگی اور مزاج کو سامنے رکھتے ہوئے جب میں اس بارے میں سوچتا ہوں تو کئی باتیں سمجھ میں آتی ہیں — ایک تو یہ کہ احمد علی اپنی گذشتہ تخلیقات سے مطمئن ہیں، دوسری بات یہ کہ انہیں کچھ یہ احساس ہے

کہ افسانے لکھنے کے اولین مرتبہ کا تعین نہیں کیا۔ اور اس احساس میں وہ حق بجانب ہیں ——— تیسری بات یہ کہ وہ موجودہ ادبی ماحول سے مطمئن نہیں، جس میں ادنیٰ مبتذل لکھنے والوں کا گرم شہرہ ہو گیا ہے۔ وہ رفتار میں [illegible] پیچھے رہتے ہیں ——— ویسے احمد علی بہت کم لکھتا ہے، ان کے دامن خیالات ابھی بہت کم ہے ——— کتنے ہی افسانے نامکمل پڑے ہیں ——— دوست انہیں لکھنے پر اکساتے رہتے ہیں۔ اور جب وہ سنجیدگی سے لکھنے کی طرف مائل ہوتے ہیں تو وہی دوست یا معتقدین ان سے جنگ کرنے بیٹھتے ہیں ——— جیسے شیخ صاحب گلگتی صاحب نے ان سے وعدہ کیا تھا کہ MERMAIDS IN LUCKNOW (ناول) کا اردو میں ترجمہ کیا جائیگا۔ وہ [illegible] شائع [illegible] جاری گی۔ وہ قید خانے کے اصلاح کا نصاب ایک جلدی میں شائع ہو جائے گا۔ ہر شام وہ گھنٹے [illegible] کیا جاتا۔ کتنی قدر وہ وعدہ کر کے ہندوستان چلے گئے اور صرف جیب دو پیسے تک سے بھی نہ نکلے۔ اب اس کا کیا علاج؟ ——— ایک ہی علاج ہے وہ یہ کہ احمد علی خود ہی دن کے دو چار گھنٹے ادب کے لئے وقف کر دیں۔

احمد علی بہت اچھے، مخلص، اور سچے دوست ہیں کیونکہ وہ اچھے آدمی ہیں۔ دوستوں کے لئے وہ بڑی سے بڑی قربانی کر سکتے ہیں ——— قرض سے کر بحث و تمحیص تک ——— بحث و تمحیص قربانی یوں ہے کہ اس کے لئے وقت کو قربان کرنا پڑتا ہے۔

یہ ایک ادھوری جھلک ہے، اس احمد علی کی جو باغی ہونے کے ساتھ ساتھ روایت پرست ہے ——— جسے بنگالی شاعری بہت پسند ہے ——— اور کبیر کے ایک دوہے یا میر کے ایک شعر کے سہارے زندگی کے کتنے ہی دن کاٹ سکتا ہے ——— جو آجکل طور پر خاموش ہے۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ یہ خاموشی ایک بڑے ادبی طوفان کا پیش خیمہ ہے۔

اختر انصاری

عزیز عرفی

اختر صاحب کی کیفیت ایک جھیل کی سی ہے۔ خاموش اور پرسکون۔ جس کی سطح پر ہلکی ہلکی لہریں ہوں جو حلقے بناتی ہوئی حلقوں میں ہی گم ہو جائیں۔ ساحل پر کھڑا ہوا کوئی شخص پتھر پھینک دے تو یہ پرسکون دھیمی دھیمی سی ساری جھیل میں لہریں ہی لہریں رقص کرنے لگیں۔ یہ گوشہ متحرک ہو جائے ـــــ اور پھر اس کے بعد ساکن سطح پر مسکراتا ہوا سکوت۔ وہاں فضا قہقہے مارتا ہوا سمندر معدوم ہے جو اپنی قوی ہیکل دھاڑتی ہوئی موجوں سے ساحل پر کھڑے ہونے والے خندہ زن تماشائیوں کو دو رنگ دکھائی دیتا ہے۔ وہاں کسی ندی کا جوش و زور اور مزہ بھی نہیں جو سنگلاخ چٹانوں کو کاٹتی گنگناتی اور اچھلتی اپنی منزل کی طرف دوڑتی رہتی ہے ـــــ وہ تو فقط ایک جھیل ہے پرسکون اور ساکت جس کی سطح کے نیچے ننھی ننھی سرخ و سبز سنہری ـــ مچھلیاں تیرتی رہتی ہیں ـــــ حسرتوں کی طرح چلتی رہتی ہیں ـــــ اور پھر ایک زمانہ آتا ہے کہ وہ مچھلیاں مر جاتی ہیں۔ جھیل کی سطح مرتعش ہو جاتی ہے۔ لہریں ساحل سے ٹکرانے لگتی ہیں۔ جیسے وہ ساحل کو توڑ کر ادھر نکل جائیں گی اور ایک پہاڑی ندی کی طرح سنگلاخ چٹانوں کا سینہ چیرتی ہوئی اپنی منزل کو پالیں گی ـــــ پھر ان کی حسرتیں دم توڑتے توڑتے بھی پنپیں گی ـــــ لیکن پھر جھیل کی سطح اسی طرح ساکت ہو جاتی ہے۔ اور جھیل کا پانی دھیمے دھیمے سرگوشیاں کرنے لگتا ہے۔ کون اس برسوں پرانے سکون کو چھوڑ کر چٹانوں سے ٹکرائے ـــ"

اس طرح یہ کہنا قطعاً وقت طلب نہیں کہ اختر صاحب میں دنیا سے لڑنے اور جھگڑنے کی ہمت نہیں۔ انھوں نے زندگی بھر حسرتوں اور ناامیدیوں کے آنسو بہائے ہیں۔ مرحوم آرزوؤں کا ماتم کیا ہے۔ لیکن دیوانہ وار نہ گریبان کو چاک کیا اور نہ دامن کو تار تار ـــــ بلکہ ناکامی، مایوسی اور محرومی پر مسکرانے کے لئے ایک چھوٹی سی دو تین کمروں کی جنت تعمیر کی۔ جہاں اب وہ چاروں طرف سے دروازے بند کئے اپنے کوچ پر بیٹھے آہستہ آہستہ پائپ پیتے رہتے ہیں۔ آخر میں ٹیبل پر شیلف میں رکھی ہوئی اپنی تصانیف کو، سجتے ہوئے فرنیچر کو، دیوار پر آویزاں شاہکار سرقوں کو، اپنے گرد پھیلی ہوئی قیمتی اشیاء کو دیکھتے رہتے ہیں اور مسکراتے رہتے ہیں۔ انھوں نے دروازوں کے شیشوں پر بھی رنگ کے غلاف چڑھا دیئے ہیں کہ مبادا ان کی ناکام حسرتیں جھانک کر رنگ میں بھنگ ملا دیں ـــــ لیکن یہ سب باتیں تعبیر طلب ہیں۔

اختر صاحب نے اپنی زندگی کا ابتدائی حصہ جامع مسجد دہلی کے اطراف کی گلیوں میں گزارا۔ ان کے والد دہلی کے سرکاری مدرس تھے۔ ایک شفیق باپ کی حیثیت سے ان کی خواہش تھی کہ اختر صاحب بڑے افسر بن جائیں۔ دوسرے نوجوانوں کی طرح اختر صاحب کی آرزوؤں کے بار آور ہونے کا وقت آیا ـــــ ان کے والد اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ اختر صاحب کا مستقبل رک گیا۔ تصورات میں جھلملاتا ہوا قصر ڈگمگانے لگا۔ لیکن اختر صاحب نے حالات کے سامنے سپر نہ ڈالی۔ اپنے اس قصر پایشاں کے کھنڈروں کے نیچے اتر گئے۔ مگر قسمت کے دربان نے محل کے دروازے ہی سے ناکام

[illegible] ہندوستان کی [illegible] عزت تھی —— [illegible] بھائی [illegible] اختر صاحب کے [illegible] تھے [illegible] لیکن [illegible] نے [illegible] توجہ نہیں کی۔ لہٰذا [illegible] کچھ دنوں۔ [illegible] اختر صاحب کے [illegible] ختم ہو گیا —— [illegible] تھے —— [illegible] ہیں۔

" [illegible] نے اکثر دہرایا ہے ——

" FOR SHIA FE[illegible] MIND MUST. BE PEN LESS. "

چنانچہ یہ حقیقت ہے کہ [illegible] اختر صاحب نے [illegible] اس سلسلے میں [illegible] بات کرتے ہیں —— [illegible] تکمیل نہیں ہوئی ہے —"

غیر مرتب باتیں [illegible] اختر صاحب کی ابتدائی زندگی کا [illegible] اختر صاحب نے ملازمت کے لئے ہاتھ پیر مارے۔ لیکن خاطر خواہ کامیابی نہ ہوئی۔ [illegible] ایک [illegible] انہوں نے [illegible] کام شروع کر دیا۔ اس وقت تک ان کے [illegible] یقین [illegible] سے جلد ہی نجات پا کر اپنی آرزوؤں کی تکمیل کر سکیں گے [illegible] نکل سکے۔

ماحول اور حالات کو اپنی خواہش کے مطابق ڈھالنا کچھ آسان بات نہیں۔ اختر صاحب کی آمدنی قلیل تھی اور اخراجات زیادہ —— بہن بھائیوں کی تعلیم اور پرورش ایک طرف —— اپنی آرزوؤں کی تکمیل دوسری طرف —— [illegible] انہوں نے اپنی آرزوؤں اور حسرتوں کا خون کیا۔ لیکن بہن بھائیوں کی تعلیم اور پرورش [illegible] اختر صاحب کو [illegible] سے۔ لیکن ان میں RISK لینے کی ہمت نہ تھی —— کیونکہ اختر صاحب [illegible] ذمہ داریوں نے جکڑ دیا تھا۔ [illegible] بڑی فیملی (BIG FAMILY) کی پرورش ان کا فرض بن چکی تھی۔ [illegible] حالات کو اپنا نصیب سمجھ لیا —— لیکن ان تمام باتوں کے باوجود اختر صاحب نے اپنی زندگی* کے لئے جو [illegible]

رہا کہ اب اس سے بلند تر بات [illegible] ہے — جب اختر صاحب [illegible] سے تنگ آکر [illegible] پر نظر آتی ہے۔

اختر صاحب کے چلے جانے سے اس وقت [illegible] جب میں ہائی اسکول کی پانچویں جماعت میں داخل ہوا — نویں دسویں جماعتوں کو انگریزی پڑھانا، خالی گھنٹے میں اسکول کے دالان پر پائپ منہ میں دبائے ٹہلتے رہنا۔ یہی ان کا روز کا معمول تھا۔ ان کے علاوہ بھی چند چار نئے اور بڑے عہدے کے اساتذہ بھی تھے۔

طلبا کا ایک خاص مشغلہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے اساتذہ کے متعلق مختلف اوقات میں مختلف زاویوں سے تبصرہ کیا کرتے ہیں اور زیادہ تر ان اساتذہ کا ذکر خیر ہوتا ہے جن سے براہ راست تعلق ہوتا ہے — لہٰذا آٹھویں جماعت تک کے تمام طلبا۔ ان کے متعلق بہت کم جانتے تھے لیکن اس کے برعکس ان جماعتوں کے طلبا میں اختر صاحب کو قریب سے دیکھنے کا شوق ہمیشہ رہا۔ اور وہ ہر جماعت میں عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھے گئے۔

میں پانچویں یا چھٹی جماعت میں تھا کہ ایک دن کسی ہم جماعت نے پوری کلاس کو اطلاع دی — "اختر صاحب بہت بڑے شاعر ہیں ..." یقین جانیے ہم یہی سمجھے کہ اختر صاحب انگریزی میں شاعری کرتے ہیں اور مدت تک ہم ایک دوسرے سے کہتے رہے —
"اختر صاحب انگریزی میں شاعری کرتے ہیں اور ان کی نظمیں لندن کے رسالوں میں چھپتی ہیں —"

اس کی دو وجہ تھیں۔ پہلی تو یہ کہ اختر صاحب ہمیشہ سوٹڈ بوٹڈ رہتے۔ جوتے کی چمکتی پالش سے لے کر فرانسیسی طرز کے تراشیدہ بالوں تک ہر چیز تک سک سے درست! کیا مجال کہ تہ کے پہ گرد پڑ جائے یا بالوں کی ایک آدھ لٹ پریشان ہو جائے — اور پھر عام طور پر مشہور تھا کہ اختر صاحب دو سوٹ تبدیل کرکے آتے ہیں۔ اگر پورا سوٹ نہیں تو کوٹ پتلون میں سے ایک چیز تو ضرور — اور اگر اتفاق سے دونوں میں سے کوئی چیز بھی تبدیل نہیں کی گئی تو ٹائی تو یقینی طور پر وہ نہیں ہوگی جو وہ کل باندھ کر سکول آئے تھے — پھر اس کی مناسبت سے سگریٹ کی بجائے پائپ منہ میں دبائے رہتے — پھر ہم لوگ یہ بھی جانتے تھے کہ اختر صاحب ولایت ہو آئے ہیں — اسی وجہ کی بنا پر ہم لوگ اختر صاحب کو مکمل "انگریز" تصور کرتے تھے — (یہ دوسری بات ہے کہ اختر صاحب کو رنگ کی بنا پر دور سے انگریزوں سے دور کا بھی واسطہ نہیں) اور ہم لوگوں کا مکمل یقین تھا کہ اختر صاحب گھر کے اندر بیٹھے کھاتے پیتے — حتیٰ کہ لیٹتے اور سوتے بھی مغربی انداز میں ہوں گے — بلکہ بیوی اور بچوں سے بھی انگریزوں کی طرح ملتے ہوں گے۔ انہی باتوں کے پیش نظر اختر صاحب کے چھوٹے بھائی ارشد سے جب میری اور دوسرے ساتھیوں کی ملاقات آٹھویں جماعت میں ہوئی تو ہم لوگ اس سے اکثر اختر صاحب کی گھریلو زندگی کے متعلق معلومات حاصل کرنے کی کوشش کرتے — اور وہ اکثر چڑ کر کہتا

"آخر تم لوگ اختر صاحب کو سمجھتے کیا ہو —؟"

جب میں نویں جماعت میں پہنچا تو اختر صاحب کو قدرے قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ جب کہ اختر صاحب انگریزی کے استاد کی حیثیت سے کلاس میں تشریف لائے۔

اختر صاحب کا معمول تھا کہ وہ ایک دھیمی سی مسکراہٹ لئے کلاس میں داخل ہوتے — ایک ایسی مسکراہٹ جس میں سنجیدگی کا عنصر کچھ زیادہ ہی ہوتا۔ ہم لوگ تعظیماً کھڑے ہو جاتے — اختر صاحب گردن کے ایک موہوم سے جھٹکے کے ساتھ بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کرسی پر بیٹھ جاتے — اختر صاحب کوٹ کی اوپری جیب سے رومال نکالتے — چشمہ اتار کر چہرے کو اچھی طرح صاف کرتے اور پھر چشمہ کو صاف کر کے لگا لیتے — رومال کی خوشنما تہ کرکے اسے پھر کوٹ کے اوپر کی جیب میں لگا دیتے — کبھی کبھی ٹائی کی ناٹ بھی

[illegible] — اس کے بعد کتاب [illegible] ہے

[illegible] ایک [illegible]

[illegible] حقیقت [illegible]

[illegible] اختر صاحب کی [illegible] ایک [illegible]

[illegible] جب [illegible] اختر صاحب [illegible]

[illegible] لیکن [illegible]

[illegible] اختر صاحب [illegible] شدید [illegible] — [illegible]

[illegible] کتاب میز پر [illegible] اور کافی دیر تک [illegible] — [illegible]

جب اختر صاحب ہماری کلاس میں پڑھا رہے تھے تو انسپکٹر صاحب [illegible] آ گئے — [illegible] اختر صاحب [illegible] لگے۔ اختر صاحب اطمینان سے پڑھاتے رہے — لیکن [illegible] پڑھانا شروع کر دیا — ہم لوگ [illegible] — [illegible] جب انسپکٹر صاحب چلے گئے۔ [illegible] کتاب میز پر [illegible] — [illegible] اور کافی دیر تک [illegible] رہے — جب کلاس [illegible] — [illegible] لوگوں کے سامنے [illegible] — [illegible] جس چیز سے ڈرتا تھا وہی سامنے آ جاتی ہے — [illegible] ہمیشہ قدم رکھا [illegible] — [illegible]

اسکول نے اختر صاحب کی زندگی پر کافی گہرے نقوش چھوڑے ہیں — اس کے دو پہلو ہیں۔ [illegible] اسکول میں رہتے ہوئے اختر صاحب کو فاضل وقت کافی ملا — چونکہ ایک اسکول ٹیچر کی مصروفیات بہ نسبت دوسرے شعبہ جات کے ملازمین کے کم ہوتی ہیں۔ سال میں چھٹیاں بھی کافی ملتی ہیں اور روزانہ کے اوقات میں بھی کافی فرق ہوتا ہے — دوسرا پہلو یہ ہے کہ ہمارے معاشرے میں اسکول ٹیچر کی جو وقعت ہوتی ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں — دراصل یہ سارا نظامِ تعلیم نہ اساتذہ کو اچھی تنخواہیں دیتا ہے اور نہ [illegible] ایک اسکول ٹیچر [illegible] جائز عزت دیتی ہے۔ ان حالات میں اول تو اس شعبہ کو اچھے دماغ ملتے نہیں — اور جو [illegible] مجبوراً آ جاتے ہیں تو ان کی ساری صلاحیتیں کچل کر رہ جاتی ہیں — لہٰذا اختر صاحب کی حساس طبیعت پر ایک اسکول ماسٹر کی حیثیت کا شدید احساس ہوا۔ ایک مرتبہ اختر صاحب اپنے کسی عزیز کے یہاں دہلی گئے۔ ایک شام ان کے میزبان نے کسی کلب میں وہاں کے معزز شہریوں سے تعارف کرایا ان لوگوں نے اختر صاحب کا بحیثیت شاعر اور ادیب بڑے تپاک سے خیر مقدم کیا لیکن جوں ہی ان لوگوں کو یہ معلوم ہوا کہ یہ ایک اسکول ماسٹر ہیں تو ان کے سارے اشتیاق پر جیسے اوس پڑ گئی —

ایک خط میں اسکول کی زندگی کے متعلق لکھتے ہیں: —

"یہ ۱۱ سال علیگڑھ میں جس ذلت، مصیبت اور پستی کی حالت میں گزارے ہیں ان کی یاد عمر بھر دل میں ناسور کی طرح رہے گی —"

اس قسم کی باتوں سے اختر صاحب گوشہ نشین ہو گئے۔ اسکول ماسٹری سے وہ کبھی مطمئن نہ ہوئے۔ لیکن اس ماحول سے نکلنے کے لئے انہوں نے کبھی جدوجہد بھی نہ کی۔ حالانکہ اسکول چھوڑنے کی خواہش ہمیشہ رہی —

یہی وجہ ہے کہ جب اختر صاحب نے گوشہ نشینی اختیار کی تو چند برس بعد ان کا فرار ہی ... پہلو یہ ہو کہ اختر صاحب ... تھے۔ لہٰذا جب انہیں اسکول ہی سے ملازمت مل گئی اس سے قطع نظر کہ وہ اس کے قابل تھے یا نہیں ––– نہیں پہلے ہی ... لہٰذا انہوں نے مطالعہ اور تصنیف کے لئے اسکول کے فاضل وقت سے ہی بھرپور فائدہ اٹھایا ––– ان کی تقریباً تمام ہی تصنیفات ... اختر صاحب کی زندگی میں ناکامی سے بھی ادب کو فائدہ پہنچا ––– اگر بالفرض اختر صاحب ان مہموں میں کامیاب ہو جاتے تو یقینی بات ہے کہ اختر صاحب کی حیثیت جو اس وقت اردو ادب میں ہے وہ نہ ہوتی ––– یا پھر جو انہوں نے اردو ادب کو دیا ہے وہ نہ دے سکتے۔

دوسری بات یہ کہ اختر صاحب کی مالی حالت اس قدر اچھی نہ تھی کہ وہ دنیا کے ہنگامہ میں حصہ لے سکتے لہٰذا انہوں نے اپنی قلیل آمدنی کو اپنی گھریلو زندگی پر ہی خرچ کرنا بہتر سمجھا ––– چونکہ اختر صاحب نے اپنی زندگی کے بیشتر حصے کو مرتب کیا تھا۔ اس کے حصول میں انہیں خارجی طور پر کامیابی ہوئی تھی لہٰذا اس کی تکمیل بھی خانگی زندگی میں کرنا تھی ––– اور انہوں نے رفتہ رفتہ اپنی ادبی تحقیقات کے ساتھ ساتھ ایک ... میدان میں بھی ملک پنے گھروں کو FURNISH کیا۔ ایک خط میں اپنے گھروں کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں :۔

"... میری شاعری اور دوسرے ادبی کام کو مشہور ہونا چاہیئے تھا۔ لیکن شہرت نصیب ہو رہی ہے میرے گھروں کو۔ یہ شہرت دور دراز کے مشہور شہروں تک پہنچ گئی ہے۔ ماشاء اللہ!"

ادبی تحقیقات کے علاوہ یہی گھر اختر صاحب کی زندگی کا ماحصل ہیں۔ ان کی تعمیر کردہ اپنی جنت ہیں اور وہ اپنی اس جنت کے تخلیق خالق کی حیثیت سے ان گھروں میں پڑے رہتے ہیں اور پاپ پیتے رہتے ہیں۔

اختر صاحب کی گوشہ نشینی سے جہاں انہیں ادبی کام کرنے کے لئے وہ ساری حسرتوں اور آرزوؤں کی ذاتی طور پر تکمیل کے مواقع ملے وہاں ایک سب سے بڑا یہی نقصان ہوا کہ وہ اس گوشہ نشینی سے مکمل طور پر آرام طلب اور سست ہو گئے ––– ان کی تخلیقی صلاحیتیں بھی ... ہو گئیں ––– اختر صاحب کے لئے یہ کہنا کہ وہ فطری طور پر شروع ہی سے آرام طلب اور سست تھے میرے خیال میں غلط ہے ––– جو شخص اپنی تعلیم کے دوران ہمیشہ نمایاں طالب علم رہا ہو ––– باپ کی موت کے بعد نامساعد حالات پیدا ہو جانے کے باوجود اپنے مقصد کے حصول کے لئے لندن کا سفر کرے اسے بنیادی طور پر آرام طلب اور سست نہیں کہا جا سکتا۔ بلکہ یہ وہ بعد کے واقعات اور حالات تھے جن کی وجہ سے اختر صاحب گوشہ نشین ہوئے اور گوشہ نشینی نے انہیں آرام طلب اور سست بنا دیا۔ ان کی جدوجہد کرنے کی قوت کو زنگ چاٹ گئی۔ ان کی حساس طبیعت مسلسل ناکامیوں اور محرومیوں کی وجہ سے سہم گئی اور مزید مصائب کا مقابلہ کرنے سے ہمیشہ کتراتی رہی ––– ان ہی وجوہ کی بنا پر وہ اپنی زندگی میں کسی انقلاب برپا ہونے کے بجائے انقلاب کے ہمیشہ منتظر رہے –––

اختر صاحب جب تک اسکول میں رہے انہیں تعلیم کے علاوہ علمی دنیا اور آل انڈیا ریڈیو میں جانے کے مواقع بھی ملے۔ لیکن وہ اسکول نہ چھوڑ سکے ––– ایک مرتبہ شاید [illegible] میں آل انڈیا ریڈیو سے کچھ جگہیں مشتہر ہوئیں اختر صاحب نے بھی درخواست دینے کا سوچا ––– احباب سے مشورہ کرتے رہے اور سوچتے رہے ––– حتیٰ کہ آخری تاریخ آ گئی ––– لہٰذا اب طے کیا گیا کہ دہلی جا کر ہی درخواست دی جائے ––– چونکہ ڈاک سے درخواست کا پہنچنا ناممکن تھا۔ لہٰذا اختر صاحب دن ہی صبح پہلی گاڑی سے روانہ ہو گئے ––– اردو بازار میں پنجاب بک ڈپو سے پھر مشورہ کیا ––– ان لوگوں نے کہا ––– "ارے آپ کس مصیبت میں پڑ رہے ہیں ––– یہ نوکری تمہارے بس کی نہیں ..." پھر ریڈیو کی ملازمت کے واقعات بھی سنائے ––– اور اختر صاحب بغیر درخواست دیئے بغیر ملازمت حاصل کئے واپس آ گئے۔

اسکول میں رہتے ہوئے وہ کوئی کام ... سے ترک نہ کر سکے۔ لیکن ... سے نہ ان کے لئے پڑھانا ... ––– شاید ... انہوں نے ایم۔ اے کرنے کا ارادہ کیا ––– ایک دو بار شاید ... امتحان میں ... ––– ایک دو پرچے ... سے آگے ... ہو سکے ...

[illegible] حبیب [illegible] صاحب پرنسپل ٹریننگ کالج [illegible] ایک دن اختر صاحب [illegible] صاحب کے پاس لے گئے اور انہیں [illegible] ایک [illegible] ہے —

[illegible] آپ [illegible] حبیب صاحب [illegible] صاحب

[illegible] ایک دن [illegible] اختر صاحب [illegible]

[illegible] جب اختر صاحب [illegible] اسکول [illegible] یونیورسٹی [illegible] ہیں [illegible]

[illegible] شعبۂ [illegible] ٹریننگ [illegible] گئے ہیں —

شعبۂ [illegible] ٹریننگ کا [illegible] اختر صاحب جب [illegible] پہنچے تو انہیں [illegible] ملازمت [illegible] اختر صاحب [illegible] ملا گئے ——

"میرے معاملے میں ابھی تک کچھ نہیں ہوا ——— جو صورت حال تمہارے سامنے تھی وہی اب تک ہے [illegible] اسکول واپس نہیں جاؤں گا — اگر شعبۂ [illegible] میں مستقل تقرر نہ ہوا [illegible] ہوں گا — [illegible]"

[illegible] ڈاکٹر [illegible] شادانی کی ڈھاکہ یونیورسٹی [illegible] انہیں [illegible] شادانی کی [illegible] کی تفصیل [illegible] —

"گرمیوں کی تعطیل میں میں نے ارادہ کر لیا کہ ڈھاکہ چلا جاؤں گا اور شادانی صاحب سے خط و کتابت کی۔ لیکن ایک ماہ سے زیادہ [illegible] میرے دماغ پر اس کا بہت برا اثر ہوا۔ دن کی نیند اڑ گئی اور طبیعت ہر وقت بے [illegible] پریشان [illegible] وحشت زدہ رہنے لگی ——— [illegible] شادانی صاحب [illegible] پر آ گئے۔ میں نے سوچا کہ جب ڈھاکہ جا رہا ہوں تو ان سے ملنا اخلاقی فرض ہے — چنانچہ [illegible] گیا — ان سے گفتگو [illegible] میں نے محسوس کیا کہ میرا [illegible] جانا حماقت ہوگی ——— تفصیل ممکن نہیں صرف اتنا کہہ سکتا ہوں کہ جب [illegible] پتہ چلا کہ [illegible] زندگی [illegible] ہے اور مکان نایاب ہیں ...... مجھے بڑی کوشش کے بعد ایک کمرہ [illegible] مل سکیں گے۔ تو میں نے دل میں کہا کہ کیا میرے دماغ [illegible] ہے کہ [illegible] دہلی کی جائداد چھوڑ دوں۔ علی گڑھ کا [illegible] سامان خاک میں ملا دوں [illegible] شروع کر دوں۔ اس وقت میں نے طے کر لیا کہ ہر حال میں یہیں رہوں گا — چاہے اسکول ہی [illegible] پڑے ——— چنانچہ [illegible]

جو میں نے اور حمید صاحب نے بخاری کی فرمائش پر گئی اور میں نہایت خوش طرح ہی گذرہ میں آیا۔ جب میں کراچی میں تھا کہ پرنسپل ٹریننگ کالج صاحب جو سب سے زیادہ میری مدد کر رہے ہیں اور مجھے اپنے یہاں لے جانا چاہتے ہیں لیکن میں نے اس بات کو زیادہ پسند نہیں کیا کہ خورشید صاحب کراچی گئے ہوئے تھے وہ نہیں تھا کہ میں رہ جاؤں گے اور شعبہ اردو میں ایک جگہ خالی ہوگی پھر کب تک میرا تقرر عارضی کیا جاتا رہے گا۔ گذشتہ سالوں میں بار بار ایسا ہوا کہ شعبہ اردو میں جگہ خالی ہوئی اور تخفیف میں لے لی گئی۔ ۔ چونکہ خورشید صاحب کے ذاتی طور پر میرا فائدہ تھا ۔ یہ دو واپس آ گئے ——— جب وہ واپس آ گئے تو میں دیر تک حبیب صاحب کی طرف جاتا۔ ۔ ۔ ۔ بہرحال یکم نومبر سے میرا تقرر مستقل کی حیثیت سے بغیر PROBATION کے ہو گیا ——— اور جی گذرہ میں ۔ سن پڑھ چلنے کے بعد میں نے پہلی دفعہ محسوس کیا کہ میں بھی ملازم ہو گیا ——— اب ٹریننگ کالج میں ہوں گو کہ طلباء کالج سے بڑھ کر آرام کی زندگی ہے ——— ۔ میں نے ایم ایڈ میں داخلہ لے لیا ہے۔ چند دن بعد کروں گا۔ اس کے بعد پی ۔ ایچ ڈی میں داخلہ لوں گا۔ اور اب اردو کے بجائے ایجوکیشن میں ہی ایچ ڈی کروں گا۔ ۔ ۔

(خط بنام اظہر حسین صاحب)

لیکن شاید آج تک وہ ایم ایڈ کر پائے ہیں اور نہ پی ایچ ڈی ———

اختر صاحب کا روزانہ کا معمول ہے کہ وہ کالج سے آتے ہی غسل خانے میں گھس جاتے ہیں ——— اس سے چشتر کہ پسینہ خشک ہو وہ اپنے جسم پر پانی ڈال لیتے ہیں ——— غسل کرنے کے بعد کھانا کھاتے ہیں اور پھر بستر پر چادر تان کر سو جاتے ہیں ——— دن کی نیند اختر صاحب کو رات کی نیند سے زیادہ عزیز ہے۔ رات کو دو ڈھائی بجے سونا تو معمول کی بات ہے مگر اختر صاحب کو رات جاگنا پڑے تو وہ تمام رات گزار دیتے ہیں لیکن دن کی نیند ختم کرنے کے لئے دوپہر کا کھانا تو نا ممکن طور پر ختم کرنا ہوتا ہے ——— سردیوں میں جب اسکول کا وقت تین بجے ختم ہو جاتا تو اختر صاحب شام چار بجے اسکول سے واپس آ کر سوتے ——— دوپہر کو دو تین گھنٹے ضرور سوتے ہیں۔ سو کے اٹھنے کے بعد کمرے کی صفائی ۔ ہر چیز کو صاف کرنے کے بعد اس کی مخصوص جگہ پر رکھنا روزانہ کا فریضہ ہے ——— کمروں کی صفائی اور چیزوں کی ترتیب کے معاملے میں اختر صاحب کو نوکر پر بھروسہ ہے اور نہ بیوی پر ——— لہٰذا اس کام کو وہ بڑے انہماک جوش اور شوق کے ساتھ خود کرتے ہیں۔ صفائی سے فارغ ہونے کے بعد پھر غسل کرتے ہیں اور بالوں وغیرہ کو سنوارنے کے بعد پینے کو بیٹھ کر پائپ سے شغل شروع ہو جاتا ہے ——— شام ہو جاتی ہے اور پھر ان کے جو ملاقاتیوں کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔

اختر صاحب سے ملاقات کرنے کا یہ مخصوص وقت ہے۔ لہٰذا ہر شخص یہ جانتا ہے کہ اگر کوئی شخص پیشتر آ جائے تو اس سے اختر صاحب کو تکلیف ہوتی ہے اور اس شخص کو بھی ——— چونکہ ان کے معمولات میں خلل پڑ جاتا ہے وہ کسی سے ملنے کے لئے تیار نہیں ہوتے اور ملنا پڑتا ہے ——— یا تو یہی ناامیدی ہوتی ہے کہ اختر صاحب سو رہے ہیں یا پھر برآمدے میں بیٹھ کر کافی سے زائد دیر تک انتظار کرنا ہوتا ہے۔

احباب سے ملاقات کا سلسلہ رات کے دس گیارہ بجے تک رہتا ہے ——— اس دوران میں ادبی محفلیں بھی ہوتی ہیں، مشاعرے بھی ہوتے ہیں، خوش گپیاں بھی ہوتی ہیں، اختر صاحب اپنی مرحوم حسرتوں اور شکستہ امیدوں کا ماتم بھی کرتے ہیں۔ قسمت کو گالیاں بھی دے لیتے ہیں اور کمرے کی سجی ہوئی چیزوں کو دیکھ کر ایک فاتح کی طرح مسکراتے بھی ہیں۔

اختر صاحب کے ملاقاتیوں میں اسکول کے طالب علم بھی ہوتے ہیں نیز بی۔ اے اور ایم۔ اے کے بھی ——— یونیورسٹی کے نوجوان لیکچرار بھی ہوتے ہیں اور پیرانہ سال بھی ——— شاعر اور ادیب بھی ہوتے ہیں اور غفور صاحب (لیکچرار ٹریننگ کالج) جیسے فلسفی بھی جو اکثر بیٹھے بیٹھے فلسفے کی گتھی سلجھانے میں محو ہو جاتے ہیں اور اختر صاحب منہ میں پائپ دبائے دوسری سمت دیکھتے رہتے ہیں یا دیگر احباب سے باتیں کرتے ہیں۔

اختر صاحب اپنے احباب کے حلقہ میں بہت زیادہ مقبول ہیں۔ وہ شروع کی چند ملاقاتوں میں بہت کم کھلتے ہیں اور ملنے والے کو یہ سب کرنا

[illegible] اختر صاحب [illegible]

[illegible] ہوتا ہے۔

[illegible]

[illegible] ہیں۔

[illegible]

[illegible] کی تصدیق کی۔

[illegible]

[illegible] اختر صاحب بری طرح بھاگتے ہیں — [illegible] اپنے شانے اور کوٹ کو اس طرح [illegible] شروع کر دیتے ہیں [illegible] پسینہ تک [illegible] ایک یک [illegible] بند کر دیتے ہیں [illegible] آجائیں۔

اختر صاحب کی زندگی میں دو چیزیں نہایت واضح ہیں — مایوسی اور خودی — مایوسی کی ابتدا ان کی عملی زندگی کے ساتھ ہوئی۔ میرے خیال میں ان کی زندگی میں کوئی ایسے غیر معمولی قسم کے واقعات تو ہوئے نہیں جن کا مداوا ہی نہ تھا — البتہ اختر صاحب کی نازک [illegible] حساسیت نے چھوٹے سے چھوٹے واقعہ کو بھی ایک پہاڑ بنا دیا اور ان میں اتنی جرأت نہ ہوئی کہ اس پہاڑ کو سر کرتے۔ کوشش کرتا تو [illegible]

صدمات کو بھلا کر کہاں سر چھپاتے۔ قسمت کو گالیاں دیں اور دنیا سے مایوس ہو کر گوشہ نشین ہو گئے۔ انہیں یہ بھی گلہ رہا کہ ایک تو ان کی مفلسی ہے، مگر ... کی طرف توجہ نہیں دیتا ـــــ لیکن انہیں یہ احساس کبھی نہیں ہوا کہ جلدی رسائی اس شخص کو ہوتی ہی نہیں جو لگاتار [illegible] ناخداؤں کے دربار کا طواف نہ کرے۔ خواہ وہ کتنا ہی قابل، عالم، فاضل کیوں نہ ہو ـــــ یہی حال ادبی دنیا کا ہے ـــــ انہیں شکایت ہے ادب والوں نے انہیں وہ جگہ نہیں دی جس کے وہ مستحق تھے اور انہیں اکثر و بیشتر نظر انداز کر دیا گیا۔ تو یہاں بھی ترقی چھپر کا لگا ہے ـــــ اختر صاحب [illegible] سے بچتے رہے ـــــ مشاعرے، لیکن مشاعروں میں کبھی نہیں جاتے خواہ مشاعروں کے منتظمین کے قریب ہی ہوتا ہے وہ گروہ بندی کے بھی قائل نہیں [illegible] بھی ایک گروہ یا حلقہ بنا لیتے تو آج انہیں قطعاً یہ شکایت نہ ہوتی۔

اختر صاحب کی زندگی میں مایوسی اس قدر سرایت کر گئی ہے کہ وہ ہر کام کی ابتداء ہی سے مایوس ہو کر کرنے لگتے ہیں۔ ـ چونکہ یہ کام میں کر رہا ہوں یہ کبھی نہیں ہو سکتا ـــ مایوسی اور حسرت سے گلہ اختر صاحب کی زندگی میں قدم قدم پہ ملتا ہے

"دوسرے سفر میں بھی کی تو بڑی شدت کے ساتھ چبھنے لگی اور ہونا بھی ایسا ہی چاہئے تھا میں نے ہر گھڑی کلنے کا ارادہ کیا تھا ـــ"

خط بنام ظفر حسین صاحب قادر

اسی خط میں آگے چل کر لکھتے ہیں ـ

"... غالب نے اپنے خطوط میں لکھا ہے ... خصوصیت کا ذکر کیا ہے میں نے جس سے عشق کیا اس کو مار رکھا اور جس فرمانروا کی شان میں قصیدہ لکھا اس کی سلطنت کا بیڑا غرق ہوا۔ تو بعض غالب کی کوئی یہ خصوصیت تو نہیں جو [illegible] کرتی، ... ایک بہ وصف جو ان میں تھا میرے نہ بدھ آہ پایا جاتا ہے ـــ مختصر یہ کہ اول درجہ کا منحوس ہوں ـــ جہاں جاتا ہوں اس نحوست کا اثر ساتھ جاتا ہوں ـــ آپ کو یاد ہوگا کہ آج سے ۳ سال پہلے ۱۹۴۴ء میں جب میں نے اسکول میں [illegible] تو یہ اسکول گویا [illegible] پیسے کی وہ فراوانی تھی کہ جب کسی طرح خرچ نہیں ہوتا تھا تو [illegible] INCREMENT دئیے جاتے تھے۔ میرے آتے ہی اس کی مالی حالت خراب ہو گئی اور بڑے بڑے استادوں کی سالانہ ترقیاں بند رہیں ـ اور اس کے بعد جب تک میں رہا وہ اسکول پنپ نہیں سکا اور اس کی مالی حالت گرتی ہی چلی گئی پھر جب میں نے خدا خدا کر کے ایم اے کیا اور شعبہ اردو میں لیکچرر ہو گیا تو میرے تقرر کے بعد ہی ۱۵ اگست ۴۷ء کو جو [illegible] آیا، چوبیس گھنٹے کے اندر اندر ہندوستان تقسیم ہو گیا، اردو کو اس ملک سے دیس نکالا مل گیا۔ اور شعبہ اردو دم توڑنے لگا ـــ گویا نہ میں اردو میں ایم اے کرتا نہ ہندوستان میں اردو کا ستارہ گردش میں آتا۔ اور صاحب! تکلف برطرف میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ دوسری بڑی لڑائی بھی صرف اس لئے لڑی گئی کہ ۱۹۳۹ء تک میری تنخواہ کسی قدر معقول ہو گئی تھی اور سخت ضرورت اس بات کی تھی کہ [illegible] بنگالی زیادہ سے زیادہ [illegible] میں بدستور [illegible] کا بنگالی بنا رہوں ـــــ پھر شاید آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ مجھے خاک دھول سے کس قدر وحشت ہوتی ہے ـــ آسمان پہ آندھی کا پہلا غبار نظر آتے ہی میرا چہرہ پیلا پڑ جاتا ہے اور خدا آپ کو یہ بھی معلوم ہو کہ [illegible] تیزی کے ساتھ [illegible] بڑھتا جا رہا ہے ـــ آپ کے سر کی قسم اگر میں پہاڑ کی چوٹی پہ سکونت اختیار کروں تو وہاں بھی خاک اڑنے لگے ـــ"

اس سلسلہ میں اختر صاحب نے مجھے اس طرح لکھا تھا۔

[illegible] میں جب سے [illegible] آیا تھا۔ بہت خوش خلق اور بہت ملنسار تھے "[illegible]" [illegible] کے متعلق [illegible] [illegible] ہونے والی ہے ۔۔۔ [illegible] [illegible] سے [illegible] اپنے [illegible] [illegible] جانے ہیں [illegible] [illegible] ۔۔۔ [illegible] معبود حقیقی نے [illegible] [illegible] [illegible] کی [illegible] پر ہی۔

[illegible] مایوسی نے اختر صاحب کو زندگی میں محرومی کا شدید احساس پیدا کر دیا ہے۔ [illegible] مایوسی [illegible] [illegible] نے سوچا رکھتے ہیں مگر اتفاق سے ان کے تصور کا موقع مل جاتا ہے تو ایک حقیقی [illegible] [illegible] ہیں۔

[illegible] جب اختر صاحب [illegible] میں آئے تو ان کی [illegible] بہت کافی [illegible] [illegible] ملازم ہونے [illegible] [illegible] لہٰذا اختر صاحب کے پاس [illegible] [illegible] کہنا ان کے بس کی بات نہیں۔ [illegible]

صاحب کے پاس [illegible] ہمیشہ فرصت [illegible] [illegible] RONSON [illegible] اختر صاحب سگریٹ نہیں پیتے [illegible] [illegible] آگیا خرید [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

[illegible] اختر صاحب گرلز کالج میں بھی PART TIME LECTURER ہو گئے۔ [illegible] [illegible] ایک پرانی سائیکل [illegible] [illegible] [illegible] سائیکل [illegible] [illegible] سائیکل چلانے سے [illegible] [illegible] [illegible] رہے۔

ایک مرتبہ [illegible] صاحب امراؤ سنگھ کی دوکان پر کھڑے تھے شوکیس میں [illegible] پسند آگیا۔ [illegible] صاحب نے قیمت دریافت کی، جواب ملا۔" صاحب یہ تو ہم دوکان کی شو کے لئے رکھتے ہیں فروخت کرنے کے لئے نہیں ۔۔۔ آج تک کسی نے طلب نہیں کیا۔" لیکن اختر صاحب بضد اور ہر قیمت پر خریدنے کے لئے تیار ۔۔۔ لہٰذا خرید لیا ۔۔۔ اسی طرح اختر صاحب نے اپنے [illegible] کی آرائش میں اضافے کئے ہیں۔

اختر صاحب جب بھی کوئی چیز خریدتے ہیں تو سب سے اعلیٰ کوالٹی کی پسند کرتے ہیں۔ عمدہ اور قیمتی چیز خریدنا ایک طرح سے ان کی HOBBY ہے۔ ان کے سامنے ایک ہی قسم کی اگر دو چیزیں رکھ دی جائیں اور ایک کی قیمت [illegible] ایک کی قیمت زیادہ بتائی جائے تو زیادہ قیمت کی چیز ہی پسند کریں گے ۔۔۔ وہ جب کبھی کسی دوکان پر جاتے ہیں تو خاموشی کے ساتھ دوکان کی اشیاء کا جائزہ لیتے رہتے ہیں۔ وہ عام [illegible] دوکان دار سے چیزیں کم طلب کرتے ہیں بلکہ مطلوبہ اشیاء کی طرف اشارہ کرتے جاتے ہیں اور دوکان دار پیک کرتا جاتا ہے ۔۔۔ قیمت [illegible] ان کے بس کی بات نہیں۔

اختر صاحب تنگ دست رہتے ہیں لیکن دل ہمیشہ غنی رکھتے ہیں۔ قرض مانگنے والوں کو صاف انکار [illegible] مایوس کرتے ہیں۔ پھر اس قرض کی

واپسی کا انتظار ہی کرتے رہتے ہیں ــــ ایک مرتبہ اسکول کا چپراسی ایک خط لے کر نواب تا رے کر آیا کہ آپ یا اسکول ملازمت سے مستعفی ہو جایئے ــ ان دنوں اختر صاحب ڈسٹرکٹ بورڈ میں ایک تھے اطلاق ملازمت ان لوگوں پر تھا ...کی آخری تاریخیں تھیں جیسے ہی ...سے ... چپراسی کو دے دیئے ــــ کیونکہ انہیں یہ گوارا نہ تھا کہ پیراسی ایک مدرسہ کے بعد گھر واپس خالی ہاتھ واپس جائے

اختر صاحب اشتراکیت کے حامی ہیں ــ انہیں دعویٰ ہے کہ انہوں نے اشتراکیت کو پڑھا ہے "مجاہد" ... سے اپنی فکریات ... لیکن اختر صاحب کی اشتراکیت ان کی ذات تک ہی محدود ہے وہ نہ کبھی کمیونسٹ پارٹی کے ممبر بنے اور نہ ان کے کسی جلسے میں شریک ہوئے ... میں کمیونسٹوں کی گرفتاریاں عمل میں آئیں ... شہر سے بھی چند طلباء اور ... گرفتار ہوئے۔ اختر صاحب کو پریشانی لاحق ہوگئی۔ چونکہ ... بھی تھیں جو وہ ادیب اور شاعر بھی گرفتار کئے جا رہے تھے جنہیں اشتراکیت سے ہمدردی تھی۔ ایک دن باتوں باتوں میں کہنے لگے ــ نظر بندی سے کوئی ڈر نہیں۔ لیکن بیٹھے بٹھائے سارا اسکول درہم برہم ہو جائے گا ــ"

مذہب سے اختر صاحب کو کسی قسم کی دلچسپی نہیں۔ وہ عید اور بقرعید کی نمازیں بھی نہیں پڑھتے۔ کبھی قربانی وغیرہ کرتے ہیں وہ بیوی کی خاطر کرتے ہیں ... حجاب کے لئے یعنی مذہبی نقطۂ نگاہ سے نہیں ـــ ... کا ... پیتے ہیں ـــ

گاندھی جی کے مرنے کی خبر سن کر انہیں ایک دھچکا سا لگا۔ کمرہ صاف کرتے کرتے ... وہ ... کرسی پر بیٹھ گئے ـــ لیکن ... ہندوستان کے بڑے لیڈر تھے۔ ہندو مسلم اتحاد کے حامی تھے بلکہ ... کردہ ایک ... تھے

ایک مرتبہ ... صاحب قادری نے دعوت افطار کی ـــ اختر صاحب کو بھی بلایا ـــ ... صاحب افطار کا وقت ... سب نے دریافت کیا "ابھی ... " جواب دیا ــ "... نہیں معلوم ہوتا کہ میں بے روزہ دار ہوں ... آپ لوگوں کے ... ــ ... اب آپ لوگ افطار کر چکے ہیں۔ باقی کے ... میں آپ کا شریک ہوں ـ"

آپ اختر صاحب سے گھنٹوں بیٹھے باتیں کرتے رہیئے۔ ان کے چہرے پر مسکراہٹ تیرتی رہے گی لیکن ... محفل میں کسی نشست میں ... لطیفے بیان نہیں کر سکتے جس سے سامعین کے پیٹوں میں بل پڑ جائیں ــ لیکن برخلاف ... کے سامنے ... واقعہ یا لطیفہ بیان کیا جائے تو وہ انتہائی لطف لیتے ہیں۔ خوب ہنستے ہیں ... بیان کراتے ہیں اور لطف اندوز ہوتے ہیں ــ

ایک مرتبہ اختر صاحب "ریڈیو ٹاک" کے سلسلے میں دہلی گئے ــ میں بھی ہمراہ گیا۔ غازی آباد سے عطا محمد ... جو کہ اب ... ہیں وہ بھی ... گئے ہیں ہم ہی ہمرکاب ہو گئے ــ اس دن اختر صاحب بہت خوش تھے ــ واپسی پر جامع مسجد سے ریلوے اسٹیشن تک ... بھی ... جب ہم لوگ اسٹیشن پر پہنچے تو ریل پلیٹ فارم پر آچکی تھی حالانکہ روانہ ہونے میں قریب دو گھنٹے باقی تھے ـــ عطا محمد ... اور پینٹ کا تکیہ بنا کر ... اپنے برتھ پر دراز ہو گئے ـــ اختر صاحب نے اسٹیشن کے باہر شرنارتھیوں کی دکانوں پر چاٹ کھانے کا ارادہ ظاہر کیا ہم نے کہا "اس وقت رات کے گیارہ بجے ہیں اور سنا ہے کہ یہاں رات میں مسلمانوں کے لئے نکلنا ٹھیک نہیں ــ بہتر یہی ہے کہ اسٹیشن پر رہیئے (یہ ۱۹۴۸ء کا واقعہ ہے جب کہ فسادات کو زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا) لیکن اختر صاحب نہیں مانے کہنے لگے ـ "ہم لوگ سوٹ پہنے ہوئے ہیں انگریزی میں بات کریں گے کوئی نہیں پہچانے گا ـ" بہرحال ہم لوگ اسٹیشن کے باہر پہنچ گئے ـ اختر صاحب نے خوب مزے لے لے کر چاٹ کھائی ہم لوگوں نے اس دوران میں بہت کم بات کی لیکن جو بات کی وہ انگریزی میں کی۔ مجھے تو کسی حد تک ڈر بھی محسوس ہو رہا تھا لیکن اختر صاحب بڑے اطمینان سے چاٹ کھاتے رہے ـــ اختر صاحب نے جب دوکاندار کو پیسے دیئے تو وہ کہنے لگا ـ

"بابو جی آپ لوگوں نے بڑی ہمت کی ـــ ویسے تو کوئی بات نہیں ــ لیکن سالے بدمعاشوں کو کون روک سکتا ہے ـــ آپ لوگ ا

[illegible]

ہے ہونے کا احساس [illegible] ہو چکا ہے۔

[illegible]

[illegible]

ناچیز لکھنے کے سلسلے میں سمجھتا ہوں کہ اختر صاحب کی زندگی اور شخصیت کے بہت سے پہلوؤں کی طرف اشارہ بھی نہیں کر سکا ——— اول تو ان کے ہونے کا ذکر بالکل نہیں آیا ——— تیسری چیز تو میرے نزدیک ہے وہ حاشی کیونکہ یہ اصل مقصد کا منصب ہے نہیں ——— دیکھیے یہ جملہ بہ حقیقت ہے کہ اردو کی دنیائے ادب میں اختر صاحب کی حیثیت معزز ترین ہے ——— "معزز ترین" کا لفظ میں نے سوچ کر استعمال کیا ہے، اس لئے کہ اختر صاحب اردو ادب میں شاعر، افسانہ نگار اور نقاد کی حیثیت سے مستقل مقام رکھتے ہیں ——— ہمارے لکھنے والوں میں متعدد حضرات ایسے ہیں جو دو حیثیتوں سے اعلیٰ درجے کی شہرت رکھتے ہیں ———

علاوہ ازیں اس مضمون میں میں اختر صاحب کی ان ذہنی اور نفسیاتی الجھنوں کا ذکر بالکل نہیں کر سکا جنہوں نے کوئی سات آٹھ سال سے انہیں معطل کر رکھا ہے اور جن کو بطور عذر کے اختر صاحب نے ایڈیٹروں کے خطوط کا برسوں سے مستقل جواب بنا رکھا ہے۔ یہ انسان کی زندگی کا نازک ترین پہلو ہوتا ہے اور نہایت گہرے اور تجزیاتی مطالعے کے بغیر اس کے ذکر سے عہدہ برآ ہونا قطعی ناممکن ہے۔ میں اختر صاحب سے قریبی واقف ہونے کے باوجود اس گہرے نفسیاتی مطالعے کا دعویٰ نہیں کر سکتا، اسی لئے میں نے اس چیز کا ذکر چھیڑنے سے عمداً اجتناب کیا ——— ان دو چیزوں کے علاوہ ——— میرا خیال ہے کہ میں اختر صاحب کی غیر معمولی ذہانت اور ان کے حساس بیدار اور مخلص صورت ضمیر کو بھی پورے طور پر بے نقاب نہیں کر سکا۔ جس کا سبب تنگ دامانی کے سوا اور کچھ نہ تھا، آخر میں اتنا اور کہوں گا کہ میں نے جو کچھ لکھا ہے وہ پانچ سال پیشتر تک کی معلومات کی بنیاد پر لکھا ہے۔ ممکن ہے پچھلے چند سالوں میں اختر صاحب کی شخصیت کی نئی تہیں نظروں کے سامنے آئی ہوں اور یقیناً آئی ہوں گی، تو ان سے میں بے خبر ہوں! . . .

شاد عارفی

طاہرہ اختر

ڈن ماموں ——— اگر آپ ایسے میں یہ تو عرض کروں کہ یہ نام ذہنی "میرا شاعر" غزل ماہنامہ ... لطف ... کرتا ہے
سے جنہیں ادبی حلقے احمد علی خان شاد عارفی کے نام سے پہچانتے ہیں۔ اور یہ سوچ بھی نہیں سکتے کہ ان دو ناموں کے علاوہ مرحوم کے دو نام اور بھی ہیں۔ ایک لطف علی خاں جو دوسرے پایا۔ پہلا نام حامد ہائی اسکول کے رجسٹر الف کے ماسٹر کی غلطی کا ممنون ہے جو اسکول کی ساتویں جماعت تک چلتا رہا اور پھر درخواست دے کر کوشش سے نام احمد علی خاں میں تبدیل کرا دیا گیا۔ مگر اس زمانے کے ساتھی انہیں آج بھی اسی نام سے جانتے ہیں۔ دوسرا نام "بابا" ڈن ماموں کے بھتیجوں سے ممنون ہے جو محلہ بھر میں "مقبول عام" کی سند حاصل کر چکا ہے۔

وہ جو کہا گیا ہے کہ ہر آدمی اپنے ماحول سے اثر پذیر ہوتا ہے اس لئے بالکل ٹھیک ہے کہ محلہ بھر کے بچوں اور جوانوں میں ڈن ماموں یا کا کردار اس خوبصورتی سے ادا کرتے ہیں جیسے علی گڑھ کے ابا علیم طلبا میں گھرے بیٹھے ہوں اور بچے یا جوان یہ محسوس نہ کر رہے ہوں کہ ان کے درمیان کوئی ان سے بڑی عمر کا آدمی بیٹھا ہے۔ نصیحت کرنے کا انداز بھی ان کا اپنا انداز ہے جس میں طنز اس طرح شامل ہوتا ہے کہ صاف نظر آتا ہے اور محسوس بھی۔ ——— مثلاً کوئی لڑکا بستہ بغل میں دبائے ہوئے پتنگ بازی دیکھنے لگے تو یہ اس سے ہنس کر کہیں گے کہ لاؤ بستہ مجھے دو اور یہ پتنگ اٹھا لو۔ لڑکا جب اس پر کچھ پشیمان ہونے لگے تو یہ کہیں گے ——— پھینکو بھی ان کتابوں کو ان میں کیا تفریح ہو سکتی ہے۔ اس کے علاوہ پڑھنے لکھنے والوں نے ہمیشہ تیل بیچا ہے۔ جب لڑکا شرمندگی کی حد پر آ جاتا ہے تو یہ اپنا آخری حربہ استعمال کرتے ہیں ——— کھیلو گے کودو گے ہو گے نواب ——— اور وہ لڑکا اب اسی میں عافیت سمجھتا ہے کہ سیدھا سیدھا مدرسے پہنچ جائے۔ بہرحال شگفتہ ڈن ماموں کو تلخ سے تلخ حالات میں بھی مغموم اور اداس نہیں دیکھا گیا۔ ہنسی ہر وقت ان کے ہونٹوں پر کھیلتی رہتی ہے چنانچہ ایک طرحی غزل کے مقطع میں انہوں نے اس طرف بہت واضح اشارہ کیا ہے اور یہی ان کا مزاج بھی ہے۔ فرماتے ہیں ؎

تلخیٔ وقت و گردشِ دوراں پہ قہقہے
کچھ شاد نے ہی رنج و محن کا دیا جواب

یہ نہیں کہ کسی بات کا جواب دیا انھوں نے بے حقیقت میں شامل کر دیا ہے۔ چنانچہ جب ان کی جیب میں خرچ کے پیسے رہ جاتے ہیں تو وہ انھیں کسی فقیر کو دے کر اپنی جیب خالی کر دیتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ان خرچوں سے پیسے کی وجہ سے اللہ میاں کو بیچ میں [illegible] ہے جبکہ گھر میں مال نہیں رہتا ہے تو پھر اللہ وہ مسبب الاسباب ہو کر وہ کوئی سبب پیدا کرے گا۔ چنانچہ وہ بھی کوئی نہ کوئی سبب پیدا کر رہتا ہے اور ان کا کوئی کام اٹکا نہیں رہتا۔ کوئی غلط بات نہیں۔ [illegible] ذہن میں تھا کہ آپ نہیں کچھ سات چھٹی کی بنیاد توہیں کی وجہ سے چھوڑ دیں۔ اگر کوئی پوچھے کہ آپ یہ کیا کرتے ہیں تو ہنس کر جواب دینے لگے کہ اللہ میاں کے پریشان کرنے [illegible] اپنے اطمینان کے لیے یہ ایک آدھ کا بات ہے سب سے بڑی بات ہے کہ اگر مر جائے تو اس کے گھر والے پریشان کرنے [illegible] ہوں گے [illegible] حالات ہوں [illegible] کہ جیسا کہ میرا عقیدہ ہے وہ اپنے [illegible] وہی ہوتا رہتا ہے۔

[illegible] یہ کہہ دی گئی کہ لڈن ماموں نے شعر میں اپنا تجربہ نظم [illegible] کے ساتھ شعر میں ادا کرتے ہیں۔ اسی سلسلے میں ان کا ایک شعر اوپر یاد آ رہا ہے جس میں انھوں نے زندگی کی دشواریوں کو جھیلنے [illegible] دیا ہے:

[illegible] نے [illegible] سے بدنام
ورنہ ظاہر بھی ہو جاتا کہ پرساں ہے کوئی

یہاں میں لڈن ماموں کا ایک [illegible] شعر [illegible] جاتی ہوں۔ اگر چہ اپنے شعروں میں کسی [illegible]
[illegible] ہیں:

جانے شیخ کہ جو ہشیاری میں [illegible] کی
شیخ صاحب ہیں میں کہ مسلمان [illegible]

یہ شیخ صاحب کے مسلمان ہونے یا نہ ہونے کی بحث تو خواہ مخواہ بیچ میں آ گئی ورنہ میں یہ کہہ رہی تھی کہ کچھ [illegible] سے رنج و غم کا سامنا واقعی طور پر لڈن ماموں نے [illegible] کا مقابلہ کیا اور بقول حضرت حالی ان کے لیے ہی ختم طفولیت کی صورت بھی رہ گئی تھی۔ جبکہ لڈن ماموں نے اپنے اوپر وہ حملے کیے ہیں کہ مایوس شاید۔ ان حملوں کی تفصیل طوالت ہے اس لیے میں مختصر نویسی سے کام لے کر بتاتا چلوں کہ ابھی آپ انٹرنس کا امتحان ہی دینے پائے تھے کہ ان کے والد خان عارف اللہ خاں کا انتقال ہو گیا۔ گھر کی تمام ذمہ داریاں ان پر آن پڑیں جنھیں موصوف نے خندہ پیشانی سے برداشت کیا۔ بھیا بھیجی کے پڑھانے لکھانے، شادی کرنے اور والدہ کی خدمت کو اپنا فرض تسلیم کرتے ہوئے شادی کا خیال ترک کر دیا۔ مگر ۵۹ برس کی عمر میں ان کی والدہ کی آنکھیں جاتی رہیں۔ بھتیجی کی شادی کر دی۔ بھتیجے کو بی۔ اے۔ بی۔ ٹی کرا کے اس کی شادی کر دی اور وہ سسرال میں رہنے لگے۔ والدہ کی خدمت کے سلسلے میں مجبوراً شادی نہ کرنے کا عہد توڑنا پڑا اور چالیس سال کی عمر میں شادی کر لی۔ ان کی نظم "نصف بہتر" اسی طرف اشارہ کرتی ہے۔ لڈن ماموں کی زندگی کا سب سے بڑا المیہ یہ رہا ہے کہ ان کی اطاعت شعار بیوی ڈیڑھ سال زندہ رہ کر داغِ مفارقت دے گئی۔

اگر یہ درست ہے کہ شخصیت کے سلسلے میں کسی شاعر کی جائے پیدائش اور خاندانی حالات سے اپنے تمام حدود اربعہ کے درج کیے جائیں تو مجھے یہ لازم آ جاتا ہے کہ اس بارے میں اختصار سے کام لے کر یہ بتاتی چلوں کہ لڈن ماموں کی وجہ افغانستان سے اور آپ ڈوڈال اور [illegible] قبائل سے تعلق رکھتے ہیں۔ مختار رام پور میں ہے۔ ان کی نانی رام پور میں پیدا ہوئی تھیں مگر نانی کے والد اور والدہ خالص افغانی تھے اور نسلاً [illegible]۔ لڈن ماموں کے نانا مولوی سید ولی حسن کا ذکر "تذکرۂ کاملان رام پور" میں موجود ہے۔ نواب علاؤ الدین خاں والی لوہارو کی خواہش پر ضیاء الدین ولی عہد لوہارو کے عربی معلم بن کر لوہارو چلے گئے جن کے ساتھ ان کے داماد مولوی محمد عارف اللہ خان یعنی لڈن ماموں کے والد بھی

مراد آباد آ گئے اور یہاں تحصیلداری کے عہدے پر فائز ہوئے۔ فدّن ماموں ۱۸۸۸ء میں وہیں مراد آباد میں پیدا ہوئے۔ ابھی پورا سال بھی ختم نہ ہوا تھا کہ
نانا اور والد کو ریاست سے پنشنیں مل گئیں اور یہ اپنے وطن رامپور آ گئے۔ چنانچہ فدّن ماموں بھی رامپور آ گئے۔ عربی فارسی کی تعلیم اپنے نانا اور
والد سے گھر پر حاصل کی، اردو بھی یہیں سے پڑھی۔ علم حاصل کرنے کی لگن سے تنگ آ کر خاندانی روایت سے بغاوت کرتے ہوئے اپنے
ماموں کرامت علی خاں کے ذریعہ جو اس وقت رامپور میں تعلیم سے وابستہ تھے ۱۲ برس کی عمر میں اسکول میں داخلہ لیا جس پر فدّن ماموں کے
والد عرصہ تک ناراض رہے اور کہتے رہے کہ کرامت علی خاں نے میرے لڑکے کو کرسٹان بنانے میں مدد دی ہے جسے میں کسی طرح معاف نہیں
کر سکتا۔ مگر ایک دن ہوا یہ کہ دہلی سے فدّن ماموں کے بڑے ماموں کا تار آ گیا اور یہ دیکھ کر کہ فدّن ماموں نے وہ تار حرف بحرف پڑھ لیا،
بہت خوش ہوئے اور بڑی ناراضگی کے ردعمل میں بڑے پیار سے سر پر ہاتھ پھیرا اور کہا میں غلطی پر تھا۔ زمانہ کا تقاضا یہی تھا جو تم نے کیا
اب تم شوق سے انگریزی پڑھ سکتے ہو۔ "مجھے بڑے کا اعتبار رہے نہ جانے پائے۔" مجھ پر بھروسہ کیجئے۔ فدّن ماموں نے جواب دیا اور
اس بھروسہ کو آخر تک نبھایا۔ چونکہ مدرسے سے نہیں علم حاصل کرنے کی رغبت دی تھی اس لئے ان کے مطالعہ کا یہ عالم ہے کہ رات گئے دیر
تک کتاب ہے اور فدّن ماموں ہیں اور آپ تعجب کریں گے کہ یہ شوق مطالعہ آج بھی کم نہیں۔ حسرت شعر و ادب کی دلچسپی بچپن ہی سے
پیدا ہو گئی تھی۔ سعدی علیہ الرحمہ کا ایک ایک شعر ان کی نظر میں ہے ان کا وسیع تر تقاضا یہی مطالعہ ورق گردانی کے طور پر نہ تھا بلکہ ہمیشہ مفہوم و
معانی میں ڈوب کر پسند و ناپسند۔ یہی وجہ ہے کہ وہ آج بھی سعدی کے ساتھ ساتھ حرف بحرف کر ترجیح دیتے ہیں اور رکھتے ہیں اس مرتبے
خود ساری اپنی قائم سنجیدگیوں کے ساتھ موجود ہے۔ یہ فدّن ماموں سے پہلے ہی ان کا محبوب ترین ہے کہ انہوں نے بڑے بڑے دیوانوں کا انتخاب
ایک ایک شعر میں مرتب کیا ہے۔ مگر یہ وہ شاعر ہیں جو بعض پسند نہیں پھر بھی ان کا کلام مطالعہ کر کے یہ انتخاب تیار کیا ہے۔ حضرت ذوق
یہ شعر جس کا مصرعہ ہے" یہ شمع سی نے قسم کیا" خاقانی ہند ذوق کے دیوان کا خلاصہ ملاحظہ کیجئے ؎

منعم مزدوری کے گھر کو اہل حاجت لوٹ لیں
مانگتا ہے کب کوئی جب تک کہ حاصل نہ ہو سے

تاریخ اور اس قسم کے دوسرے خشک شعرا کے متعلق کہا کرتے ہیں کہ ان حضرات نے اپنی عمر ضائع کی اور کاغذ بھی —— زیادہ سے زیادہ
ان لوگوں کے کلام سے رسالہ تذکیر و تانیث تیار کیا جا سکتا ہے یا وہ اردو لغت جس میں اشعار کے ذریعہ مثالیں پیش کی گئی ہوں۔ حضرت آتش
کا یہ مطلع " سُن تو سہی جہاں میں ہے تیرا فسانہ کیا" الخ —— رند کا یہ شعر جس کا آخری مصرعہ ہے "ورنہ دام کہاں میں کہاں کہاں صیاد"
حد یہ ہے کہ اپنے استاد فصاحت جنگ حضرت جلیل کو اس ایک مطلع کا شاعر کہتے ہیں ؎

نگاہ برق نہیں چہرہ آفتاب نہیں
وہ آدمی ہے مگر دیکھنے کی تاب نہیں

اگر آپ حضرت غالب کے دیوان کا خلاصہ چاہیں گے تو صاف صاف کہہ دیں گے کہ وہ تو خود انتخاب ہے، انتخاب کا انتخاب حماقت ہے
ہاں اگر آپ یہ پوچھیں گے کہ ان کے نزدیک غالب کا سب سے اچھا شعر کونسا ہے تو کہیں گے ؎

پرتو خور سے ہے شبنم کو فنا کی تعلیم
ہم بھی ہیں ایک عنایت کی نظر ہونے تک

دو چار دن کے بعد آپ اگر پھر یہی سوال کریں گے تو جواب ملے گا ؎

کتنے شیریں ہیں تیرے لب کہ رقیب   گالیاں کھا کے بے مزا نہ ہوا

اگر آپ بھی [illegible] ہوں گے تو ارشاد ہوگا ۔ اس شعر میں غالب کا وہی اپنا اخلاق و مقام ہے ۔ محبوب سے کہتے ہیں ہم [illegible] بھی [illegible] تمہاری [illegible] کسی کی ۔ مگر رقیب کے کامیاب ہو جانے سے [illegible] اندازہ [illegible] ہیں ۔ تیرے لبوں کی شیرینی [illegible] کوئی صدی ہیں رکھتی ۔ اس کے بعد اگر آپ یاد دلائیں [illegible] پہلے تو آپ سے غالب کا وہ شعر پسند [illegible] تھا اور تو اس شعر کو سب سے اچھا سمجھتا ہے ۔ زلف [illegible] [illegible] ہوں گے ۔ [illegible] شعر کہہ گیا ہے ۔ حضرت حالی کا یہ مقطع بہت پسند ہے ؎

[illegible] سے [illegible] ابھی کچھ لوگ [illegible]

ایک دن کہنے لگے تو ش [illegible] بہت اچھا شاعر گزرا ہے [illegible] لگ [illegible] [illegible] جانتے ہیں [illegible] سے پیدا ہوا [illegible] حضرت حالی نے [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] پڑھا تھا [illegible] لڈن ماموں [illegible] [illegible] جانے لگے کہ [illegible] میر حیاتی کو نہیں [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] دن کہنے لگے [illegible] [illegible] [illegible] میر حیاتی نے کلام میں شامل ہو گیا ہے ۔

بہرحال لڈن ماموں کی شاعری ایک حد تک [illegible] ہے [illegible] [illegible] کسی کلام کی گنجائش ہے ۔

شاعر کا اظہار ہوتا ہے [illegible] لڈن ماموں [illegible] [illegible] [illegible] جیسے [illegible] صاحب کے پاس [illegible] ہیں اور [illegible] [illegible] رہا ہے ۔ [illegible] بہت مشکل ہے تو [illegible] بہت بڑھ گیا ہے ۔ [illegible] [illegible] [illegible] حفاظت ہو سکتی ہے [illegible] کی چھوٹی دیوار ہے ۔ ایک چھوٹا سا پلنگ [illegible] [illegible] جب [illegible] ۔ یہ [illegible] شاعر نشاط عارفی کا مکان جس میں وہ شعر کہتا تھا ۔

لڈن ماموں روز غزلیں لکھا کرتے تھے [illegible] کے [illegible] [illegible] [illegible] کرتے تھے اور اب بھی یہی مشغلہ جاری ہے ۔ جیسا میں نے پہلے لکھا لڈن ماموں انتہائی خوددار [illegible] اور [illegible] آدمی ہیں [illegible] [illegible] کا اصول ہے [illegible] نہیں جانتے ۔ صاف دل اور صاف گو ہیں لگی لپٹی کے قائل نہیں ۔ خدا اور رسول پر پکا ایمان رکھتے ہیں ۔ اس لئے وہ لوگ جو ان کو دور سے دیکھتے ہیں ان کے متعلق مختلف رائیں رکھتے ہیں ۔ کوئی کہتا ہے وہ کمیونسٹ ہیں کسی کی رائے ہے دہریہ ہیں ۔ مگر میری رائے میں وہ ایک پکے مسلمان ہیں اور شاعر کے علاوہ کچھ نہیں ۔ کسی کا احسان لینا گوارا نہیں کرتے ۔ رام پور کے اکثر رئیسوں نے ان کی امداد کرنا چاہی مگر لڈن ماموں نے انکار کر دیا ۔ وہ کہتے ہیں اگر رئیسوں سے روپیہ لوں گا تو ان کے خلاف پھر غزلیں کیسے لکھوں گا ۔ میری شاعری کا مقصد ختم ہو جائے گا ۔

لڈن ماموں کی باتوں میں بلا کی کشش ہوتی ہے مختلف موضوعات پر بات چیت کرتے جائیں گے مگر درمیان میں لطیفے اور قصے بھی جاری رکھیں گے ۔ لڈن ماموں کبھی اکیلے نہیں رہتے یا دوستوں اور شاگردوں کا مجمع لگا رہتا ہے ۔ اگر شعر و شاعری سے فرصت ہے تو شطرنج ۔ چوسر جاری ہے ۔ اس کام سے فرصت ملی تو پتنگ بازی اور کبوتر بازی ۔ ان کے پرانے گھر میں بہت سے کبوتر پلے ہوئے تھے ۔ کبوتروں ، مرغیوں اور کتوں کے بارے میں بہت کافی معلومات رکھتے ہیں ۔ ایک دن میں نے پوچھا لڈن ماموں آپ نے اس قدر کبوتر کیوں پال رکھے ہیں کہنے لگے ان کے

ہے جیسے گھر کی تنہائی محسوس نہیں ہوتی ــــ زندگی چلتی پھرتی مسکراتی ہوئی ہے۔

ذکی صاحب زندگی کی معمولی سی معمولی بات اور منظر میں دلچسپی لیتے ہیں۔ وہ اسی سے اپنی شاعری کا مواد تیار کرتے ہیں۔ خود اعتمادی [illegible] دوست کسی کو شاعر کی حیثیت سے نہیں بخشتے۔ جس میں کوئی چار سو بیس قسم کی بات دیکھتے ہیں اس کی شان میں قصیدہ کہہ ڈالتے ہیں اور بعد [illegible] کر جاتے ہیں۔ دسہرہ، گنگا اشنان، مہترانی، نمائش وغیرہ نظمیں اسی سلسلے کی کڑیاں ہیں۔

ذکی صاحب نے کچھ دن ہوئے ایک غزل لکھی تھی جس کا مطلع تھا ــ

ہیں زندگی سے کنارا ہے ہوشیار

وہاں مستی ہے جیل خانہ میں

یہ شعراء کی زندگی کی ترجمانی کرتا ہے۔ مگر خدا کو رازق ماننے کی وجہ کہ وہ ان دنوں منہ سے کماتے ہیں۔ کون جانتا ہے کہاں سے آتا ہے؟ وہ جانے جو دونوں جہاں کا رازق ہے اور پتھر کے کیڑے کو بھی رزق پہنچاتا ہے۔

سیّد عبدالحمید عدمؔ

شاد امرتسری

۱۹۴۶ء کی سردیوں کی ایک شام تھی، کرسمس کے دن تھے۔ ہم ہیملٹن روڈ پر بنے چھوٹے سے ٹی سٹال میں بیٹھے تھے۔ دفعتاً یا شعر خانہ میں مراتب علی تائب
داخل ہوئے کہ ان سے ہر شام وہیں ملاقات ہوتی تھی۔ ان کے ساتھ ایک مرد تھا۔ وہ شخص گٹھے ہوئے قد کا تھا۔ دروازے کھلتے ہی جائے جیسے تائب صاحب
کے ساتھ آیا۔ گندمی رنگ، کشادہ پیشانی، چوڑا چکلا جسم، وہ کچھ ایسی بڑی بڑی آنکھیں جیسے ڈھلتے کٹورے جیسے اور ان کے جسم پر چپک گئے ہوں۔
ٹوپیدہ کوٹ کے ٹیلی ماتب، پاجامہ ماتنے ٹخنوں کی جھلک۔ ہاتھ سے پکڑ کر دو کپ ...۔ گردن ہر چپتی ہوئی سی ... معلوم ہوا
کہ یہ شخص کئی دن سے نہیں سویا۔ چہرہ مسکراتا ہوا اور آنکھوں میں ایک معصوم چمک۔ ... میں کچھ سوچتا کہ آج تائب صاحب اپنے
ساتھ کیا شے لے آئے ہیں انہوں نے مجھ سے کہا۔ شاد صاحب! آپ ہیں عدمؔ صاحب یعنی سیّد عبدالحمید عدمؔ، اُردو کے مشہور شاعر۔
میں یہ سن کر ہکا بکا سا رہ گیا کہ اس ڈیل ڈول کا شعر سے کیا تعلق ہو سکتا ہے مگر اتنے میں عدمؔ صاحب نے مسکراتے ہوئے ہاتھ بڑھایا۔ "حضور
آپ سے مل کر واقعی خوشی ہوئی۔" اتنا کہا اور بیٹھ کر سگرٹ پینے لگے۔ میں نے چائے منگانا چاہی مگر عدمؔ صاحب نے پھر مسکراتے ہوئے
کہا "حضور یہ چائے کا وقت نہیں اب تو شام ہو رہی ہے۔" یہ کہا اور پھر نہایت بے تکلفی سے معنی خیز انداز میں میری جانب دیکھا۔ تائب
صاحب بھی مسکرا رہے تھے۔ کچھ اِدھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ چائے ختم ہوئی تو ہم سب ٹی سٹال سے نکلے۔ باتیں کرتے کرتے اور چلتے
چلتے میکلوڈ روڈ تک پہنچے تو عدمؔ صاحب جھٹ تلعہ گوجر سنگھ کے باہر والی دیسی شراب کی دکان کی طرف چلے۔ میں اور تائب صاحب
بھی جھجکتے ہوئے دکان کے اندر داخل ہوئے۔ عدمؔ صاحب بوتل کو ہاتھوں میں لیے کھڑے تھے اور ان کے چہرے سے کچھ اس قسم کی معصوم
مسرت ٹپک رہی تھی جو ایک بچے کو اس کی پسند کا کھلونا مل جانے پر ہوتی ہے۔ بوتل کو کاغذ میں لپیٹ بغل میں دبا عدمؔ صاحب بولے
"حضور یہیں بیٹھ جائیں؟" میں ان دنوں دیال سنگھ کالج کا طالب علم تھا اور بعض وجوہ کی بنا پر رام کرشن ہاسٹل چھوڑ کر دین محمد روڈ پر
ایک دوست کے ساتھ رہتا تھا۔ میرے دوست مسٹر حسن کسی دفتر میں ملازم تھے۔ امرتسر کے تھے اور میرے عزیز دوست۔ میں نے دیسی
شراب خانے میں بیٹھنا مناسب نہ سمجھا اور کہا "عدمؔ صاحب گھر چلتے ہیں۔" عدمؔ صاحب کو جیسے کسی نے بہشت کی خوشخبری دے دی،

سبحان اللہ کہا اور ہم گھر کی جانب چل پڑے۔

بوتل کھولی گئی۔ اس سے پہلے میں نے دیسی شراب کبھی نہیں پی تھی مگر عدم صاحب نے اس خلوص اور بے تکلفی سے دعوت دی کہ مجھے محسوس ہوا کہ یہ شراب نہیں۔ چند ہی منٹ کے بعد شراب کا اثر ہوا اور عدم صاحب نے خود اپنا کلام سنانا شروع کر دیا۔ ٹھیک سے تو یاد نہیں، تین چار، و معلوم نہیں کتنی غزلیں سنا ڈالیں۔ دور چلتا رہا اور شعر ہوتے رہے۔ یہ محفل کافی دیر تک رہی اور آخر عدم صاحب کی یہ حالت ہو گئی کہ مجھے اور ثاقب صاحب کو انہیں پکڑ کر پلنگ میں لٹانا پڑا۔

عدم صاحب سے بظاہر یہ میری پہلی ملاقات تھی مگر مجھے کچھ یوں محسوس ہوا کہ وہ میرے بہت پرانے دوست ہیں اور عرصے سے جانتے ہیں۔

دوسرے روز شام کے قریب میں گھر پہنچا تو عدم صاحب کو موجود پایا۔ میری غیر حاضری میں وہ میرے دوست اور میرے کمرے کے ساتھی مسٹر حسن سے نہ صرف اپنا تعارف کرا چکے تھے بلکہ نہایت بے تکلفی سے گفتگو کر رہے تھے اور انہیں اپنی کئی غزلیں بھی سنا چکے تھے۔ مجھے تک یوں عدم صاحب نے اس طرح اکڑ کر میرا استقبال کیا جیسے وہ صاحب خانہ ہوں اور میں ایک مہمان کی حیثیت سے ان کے گھر آیا ہوں۔ تپائی پر رکھی ہوئی بوتل میز پر رکھی چینی کی پلیٹ میں اور ماس کی بو سے سارا کمرہ مہک رہا تھا۔ میرے دوست مسٹر حسن (جو اب بھی میرے ہمسایہ ہیں) شراب بالکل نہیں پیتے مگر پینے والوں کو نہ صرف برداشت کرتے ہیں بلکہ ان کے لئے سامان مہیا کرنا سعادت تصور کرتے ہیں۔ چنانچہ اس نشست میں کچھ کباب بھی پڑے ہوئے تھے۔ ان دنوں ہمارے اس کمرے میں جس کا نام ہم نے پاکستان فلاح رکھا ہوا تھا، شام کو روزانہ محفل آرا ہوتی تھی۔ مختلف قسم کے احباب جمع ہو جاتے تھے۔ ظہیر کاشمیری، سیف الدین سیف، مرزا ابن علی ثاقب، لطیف انور اور ہمارے ساتھی کرنل مسٹر خلیل شام ہوتے ہی چلے آتے۔ خوش گپیاں ہوتیں۔ خلیل صاحب لطیفہ بازی اور بذلہ سنجی سے ہمیں نوازتے۔ سیف صاحب کلام سناتے اور ہم سے بحثیں ہوتیں۔ ظہیر کاشمیری سے کمیونزم پر گرماگرم گفتگو ہوتی۔ علم و ادب کی باتیں ہوتیں اور کبھی کبھی تاش کا دور بھی چلتا۔ میرے دوست مسٹر حسن تاش کے بہت شوقین ہیں۔ ان کے بھی کچھ دوست احباب آجاتے۔ وہ الگ تاش میں مصروف رہتے اور ہم اپنے کام میں مگن گویا یہ کمرہ صحیح معنوں میں سعدی کے اس شعر کی تفسیر تھا ؎

بہشت آں جا کہ آزارے نباشد
کسے را با کسے کارے نباشد

عدم صاحب کے آنے سے اس دور کی محفل میں ایک نمایاں فرق یہ پڑا کہ شراب روز آنے لگی اور اکثر اوقات عدم صاحب اپنے ساتھ ہی بوتل لے آتے۔ وہ باقاعدہ شام ہوتے ہی دفتر سے سیدھے میرے ہاں چلے آتے۔ دوسرے احباب بھی جمع ہو جاتے۔ عدم صاحب شراب کے ساتھ ساتھ بیسیوں غزلیں بھی سناتے جاتے۔ ہمیں غزلوں سے اور خود کو شراب سے بے ہوش کرتے۔ عدم صاحب کا حافظہ بہت تیز ہے اور انہیں اپنی سینکڑوں غزلیں یاد رہتی ہیں اور خاص طور پر شراب پینے کے بعد تو انہیں تمام بھولے بسرے شعر بھی یاد آجاتے ہیں۔

عدم صاحب کے سلسلے میں یہ کہنا بالکل بے جا نہ ہوگا کہ شراب کے بغیر ان کی شخصیت بالکل بے معنی ہے۔ اس کے بغیر وہ مجسم اور بے حس بن کر رہ جاتے ہیں۔ ان کی گفتگو بے جان، بے معنی اور عامیانہ ہوتی ہے یہاں تک کہ وہ کسی بھی حسین شے سے ایسی حالت میں متاثر نہیں ہوتے۔ ان کا ایک شعر اس سلسلے میں سنئے ؎

شراب پی کے مجھے آنکھ کھول لینے دے
ابھی چمکتے ہوئے رخ کو بے نقاب نہ کر

یوں بھی عدم صاحب کا علم و ادب کا مطالعہ بہت محدود ہے۔ وہ کسی ادبی یا فنی نظریے یا کسی مکتب خیال کے اصولوں سے پوری طرح

[illegible] کسی نظریے یا کسی مکتبِ فکر کے اصولوں سے مطالعہ نہیں کیا اور نہ اس سلسلے کو [illegible] [illegible] اس مسئلے [illegible] فتح ہوا ہے [illegible] یا نظریے کا مطالعہ کرنے نہیں [illegible] [illegible] صاحب کے [illegible] [illegible] امتحان میں [illegible] [illegible] صاحب کی شخصیت کا [illegible] [illegible] صاحب کی شخصیت [illegible] [illegible] سے متعلق [illegible] کی شخصیت [illegible] [illegible] بعض موقعات پر معصومیت اور سادگی [illegible] ظاہر ہے بات عجیب [illegible] ہے کہ میں چاہتا ہوں [illegible] معصومیت [illegible] آپ بھی [illegible]

۱۹۴۸ء کے شروع میں جب [illegible] [illegible] کی محفل میں [illegible] [illegible] ہو جاتا تھا اس لیے [illegible] [illegible] غائب ہو گئے۔ مجھے تشویش ہوئی۔ [illegible] [illegible] کہنے لگے "میں اسی لیے تین چار دنوں سے نہیں آیا [illegible] [illegible] میاں میرے کوئی ٹانگے والے لاہور آنے [illegible] [illegible] [illegible] آمادہ کر لیا [illegible] راستے ہی میں [illegible] پولیس نے ٹانگے والے کا چالان کر دیا [illegible] [illegible] کو حوالات میں لے گئے۔ سپرنٹنڈنٹ پولیس کے استفسار پر [illegible] [illegible] [illegible] کا تھا "حضور! آج تاریخ ہے اور آج آپ کو میرے ساتھ کرفتار [illegible] [illegible] حضور شراب مفت میں حرام ہو جائے گی۔" چنانچہ میں کئی دن ان کے ساتھ [illegible] اور [illegible] کر کے قصہ پاک ہوا۔

اسی قسم کے بیسیوں واقعات ہوں گے جہاں ان کی سادگی اور معصومیت نے کسی نہ کسی حیثیت سے [illegible]

مدیم صاحب کا مزاج بالکل بچوں کا سا ہے۔ وہ بچوں کی طرح ضد بھی کرتے ہیں مگر جلد ہی [illegible] بھی جاتے ہیں۔ انہیں جھوٹ بولنا آتا ہی نہیں۔ یہ میں بالکل مبالغہ نہیں کر رہا۔ وہ اگر کبھی کبھار جھوٹ بولنے کی کوشش بھی کریں تو ان کے چہرے سے اس طرح عیاں ہو جاتا ہے جس طرح ایک ڈرپوک بچے کو جھوٹ بولتے وقت چہرے کے بدلتے ہوئے رنگ [illegible] نہیں رہتا۔ میں اکثر سوچتا ہوں کہ شاید انہی فطری [illegible] خوبیوں کی وجہ سے ان کے شعروں میں صداقتِ احساس اور خلوص کا اظہار ہوتا ہے ورنہ ان کی زندگی کا تجرباتی میدان بہت محدود ہے۔ وہ زندگی میں فقط تین کام کرتے ہیں۔ دفتر جاتے ہیں، شعر کہتے ہیں اور شراب پیتے ہیں۔ یہی ان کی زندگی اور کل کائنات ہے۔ زندگی کے بے شمار متنوع پہلوؤں کا مطالعہ کرنا ان کے بس کا روگ نہیں۔ وہ ریاکاری، سیاست بازی اور گروہ بندی سے اس طرح ناآشنا ہیں جس طرح آج کا کوئی انسان نہیں ہوتا۔ وہ فریب کھا سکتے ہیں دے نہیں سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ کسی خاص مکتبِ خیال کے مقلد نہیں۔ ان کی آزادیِ طبع اور آزادیِ فکر کسی ضابطے کی متحمل نہیں اور شاید کبھی ہو بھی نہیں سکتی۔ اس آزادی بلکہ آزادہ روی کی وجہ ان کا طبعی لاابالی پن ہے۔ میں نے اکثر غور کیا کہ

شش کی کہ انہوں نے شراب نوشی کو اس طرح اپنے آپ پر سوار کیوں کر رکھا ہے۔ مگر کوئی خاص وجہ کبھی سمجھ میں نہ آئی سوائے اس کے کہ یہ ان کی زندگی کا ایک غیر سنجیدہ سلوک کی تائید ہے۔ وہ کسی مسئلہ پر بھی سنجیدگی سے غور نہیں کرتے۔ ایک عجیب قسم کی بے راہ روی اور لاابالی پن ہے جو ہمیشہ ان کو اپنے سامنے رکھتا ہے۔ یہ بے راہ روی اور لاابالی پن اس طرح مستقل صورت اختیار کر چکا ہے کہ عدم صاحب اس کے اثر سے محفوظ نہیں رہ سکے۔ یہ بار خیال آیا کہ عدم صاحب نے کبھی یہ ایک معمولی بات تو نہیں ہو سکتی کہ ایسی کیا بے راہ روی ان کی زندگی میں اس قدر گھر کر گئی ہو تو نہیں گمراہ پر یہ عیاں ہوا کہ ایسی بات نہیں۔ یہ لاابالی پن اور ایک خشک سا زاویہ نگاہ ان کی شخصیت کا ایک فطری جزو ہے۔ یہ محض سستا ہے اس پر ہرگز نہیں۔ یہ کوئی سطحی نہیں بلکہ اصل ہے۔ بلکہ یہ حقیقت کچھ اور بھی واضح ہوئی جب میں نے ان کے تصورِ عشق پر غور کیا۔ غور کرنے سے یہ حیرت ہوئی کہ انہوں نے زندگی میں کبھی عشق نہیں کیا۔ عشق سے میری مراد بالکل وہی مجنوں اور فرہاد کا عشق نہیں بلکہ زندگی کا وہ ایک اور فقط ایک یادگار جذباتی واقعہ ہے جو اکثر اوقات لطیف احساسات میں ایک دائمی گداز پیدا کر دیتا ہے۔ کسی سے شدید قسم کا عشق نہ کرنے کا سبب ان کی وہی فطری بے راہ روی اور طبعی لاابالی پن ہے۔ عدم صاحب نے کسی سے بھی عشق نہیں کیا مگر پھر بھی وہ ہر حسین چیز کے عاشق و پجاری ہیں اور یہ احساس اکثر اوقات ہنگامی ہوتا ہے۔ یہ حسن پرستی اگرچہ ایک طرح کی قسم کے احساس انسان کی حسن پرستی نہیں تاہم اس حسن پرستی میں وہ تڑپ اور وہ دائمی گداز بھی نہیں جو زندگی میں سچا عشق کرنے سے پیدا ہوتا ہے اور جس سے ایک گہرا گھاؤ ایک دردمندی اور ایک ابدی دل سوزی پیدا ہوتی ہے جس کی دھیمی دھیمی آنچ میں گوہر پر نکھار آ جاتا ہے۔ مگر اس دردمندی اور کیفیت کی غیر موجودگی نے عدم صاحب کو زیادہ نقصان نہیں پہنچایا۔ انہوں نے اپنے آپ کو آتش سیال کی بھٹی میں ڈال کر کندن بنانے کی کوشش کی ہے۔ اس میں بڑی حد تک کامیاب ہوئے ہیں۔

عدم صاحب کی زندگی بھی منفرد نوعیت کی حامل ہے۔ منفرد میں نے اس لئے کہا ہے کہ بعض اوقات ان کی دیوانگی نے عجیب عجیب گل کھلائے۔ [illegible] ہی کا ذکر ہے۔ ان دنوں لاہور میں فسادات بہت ہی خطرناک صورت اختیار کر چکے تھے۔ ایک رات ظہیر کاشمیری اور عدم صاحب میرے ہاں سو رہے۔ قریب قریب صبح ہونے والی ہوگی کہ کمرے میں شور ہوا۔ میں ہڑبڑا کر اٹھا تو کمرے میں بتی جل رہی تھی اور کمرہ دھوئیں سے بھرا ہوا تھا۔ ظہیر کاشمیری چیخ چیخ کر پکار رہا تھا۔ معلوم ہوا کہ عدم صاحب کا تکیہ بالکل جل چکا ہے۔ بستر کی چادر جل رہی ہے۔ یہاں تک کہ عدم صاحب کے سر کے بال بھی جل رہے ہیں مگر انہیں قطعاً ہوش نہیں۔ آخر بصد مشکل میں نے اور ظہیر کاشمیری نے عدم صاحب کو جگایا۔ تکیے کو صحن کے دستی پمپ کے پانی سے بجھایا۔ عدم صاحب کو یہ معلوم کر کے بہت زیادہ حیرت نہ ہوئی کہ ان کی گردن جل رہی تھی۔ کہنے لگے "حضور ایسا تو کئی بار ہوا ہے۔" یہ کہا اور ایک سگرٹ جلا یا۔ خیر کچھ دیر بعد سب کے سب پھر سو گئے۔ ابھی بمشکل دو گھنٹے بھی نہ ہوا ہوگا کہ ظہیر کاشمیری کی آواز پھر گونجی۔ پھر اٹھے تو دیکھا کہ عدم صاحب کی قمیص جل رہی ہے مگر وہ بالکل بے سدھ پڑے ہیں۔ پانی کا گلاس ان کی قمیص پر ڈالا گیا مگر انہیں ہوش نہ آیا۔ صبح ہو چکی تھی۔ ظہیر کاشمیری نے کہا کہ اگر میں رات کو نہ جاگتا تو صبح اخبار میں خبر چھپ جاتی کہ سکھوں نے تین شاعروں کو جلا ڈالا۔ اسی قسم کا ایک اور واقعہ ہے۔ انہی دنوں کا ذکر ہے۔ ایک شام عدم صاحب تشریف لائے۔ ان کے ساتھ الطاف مشہدی بھی تھے۔ دور چلا۔ شراب ختم ہوئی تو الطاف مشہدی کے کہنے پر عدم صاحب ان کے ساتھ تلاشِ شراب میں نکل کھڑے ہوئے۔ ان کے جانے کے بعد کچھ دیر تک تو میں نے انتظار کیا پھر میں سو رہا۔ صبح سویرے اٹھا تو کیا دیکھتا ہوں کہ عدم صاحب لنگڑاتے ہوئے چلے آ رہے ہیں۔ منہ سوجا ہوا۔ کپڑوں پر نیلے نیلے داغ۔ پتلون پھٹی ہوئی۔ میں نے پوچھا حضرت کیا ماجرا ہے؟ الطاف کہاں چلا گیا لیکن چونکہ نشہ بہت تھا کوئی معقول جواب نہ دیا اور لیٹ گئے۔ میں نے ان دنوں سیکرٹریٹ میں عارضی طور پر ملازمت کر لی تھی۔ میں دفتر جانے کی تیاری کر چکا تو ثاقب صاحب آ گئے۔ اتنے میں عدم صاحب جاگے اور زور زور سے رونا شروع کر دیا "حضور میں مر گیا۔ حضور میں وفات پا جاؤں گا۔" ثاقب صاحب اور میں نے دیکھا تو معلوم ہوا کہ حضرت کو بہت سی چوٹیں آئی ہیں۔ خیر بڑی مشکل سے گھر پہنچایا گیا۔ چند روز بستر پر رہے۔ کوئی دوا وغیرہ استعمال کرنے کی بجائے پانچ روز مسلسل صبح و شام ٹھرا پیا اور ٹھیک ہونے پر بتایا کہ حضور اس رات الطاف مشہدی کے ساتھ انارکلی میں ایک سکھوں کے محلہ میں

[illegible] زندگی [illegible] سے جان بچا کر [illegible]
[illegible]

دل کشی کے [illegible] صاحب [illegible] کئی بار [illegible] کے لئے [illegible] ہے [illegible]
اور [illegible] اسی دل کشی کے سبب [illegible] نہیں [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] ایک جسم کو نہیں [illegible]
ہے۔ [illegible] اور بہت مشکل سے سنبھالا [illegible] اسی طرح [illegible] واقعات ہیں۔ [illegible]
[illegible] شراب [illegible]
[illegible] خلوص [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] مشاہدہ [illegible] تجربہ [illegible]
مشاہدہ [illegible] سادگی اور صحت [illegible]
صورت [illegible] سادگی، صحت اور خلوص شعر کے لازمی جز [illegible]
[illegible] کا حسن [illegible]
اور [illegible] سادگی بیان [illegible]
[illegible] زندگی کو جیسے دیکھتے ہیں اسی طرح اس کا اظہار کرتے ہیں۔ ان کے اشعار [illegible] تصنع [illegible] زندگی [illegible]
[illegible] انفرادی رنگ کی جھلک موجود ہے۔
زندگی کے متعلق چند شعر سنئے ؎

پیتا ہوں حادثات کے طوفان سے کے لئے ــــ ہے ایک تجربہ یہ تبسم روزگار کا
زمانے کی رفتار سے تنگ آ کر ــــ عدم کر لیا ہے کرے میں بسیرا
مے سی حسین چیز ہو اور واقعی حرام ــــ میں کثرت شکوک سے گھبرا کے پی گیا
سو بار لغزشوں کی قسم کھا کے چھوڑ دی ــــ سو بار چھوڑنے کی قسم کھا کے پی گیا
بادہ کشی حرام ہے یا زندگی حرام ــــ تصدیق کر رہا ہوں غم روزگار سے

عدم کی شاعری، شراب، حسن اور عشق کی شاعری ہے۔ اس میں اگرچہ کوئی سنجیدہ اور واضح فلسفۂ انداز فکر نہیں مگر اس کے باوجود ان کی تمام تخلیق میں

سے قیام ضیا دکی اپیل ... جس میں کئی کئی بہار رہیں ابھی ... [illegible]
میں لکھے ہے اشاعت ... چند شعر سنئے ۔

پچھے ہر حجابات دیر و حرم میں — گر بے تکلف نظر آ رہے ہو
بہار و خزاں کم نگاہوں کے وہم — بُرے یا بھلے سب زمانے تھے
ضمیرِ صدف میں کرن کا مقام — انوکھے انوکھے ٹھکانے ترے
جب بھی ہوتے ہیں ہم قدمؔ تنہا — یار سے ہمکنار ہوتے ہیں
مرثیہ ہر روایت ہے یا حقیقت ہے — شاعر ہے وہ جو ہر جگہ پہ بجتی ہیں
ایک ہی بار تری شکل کا عرفاں تھا محال — دوسری بار کوئی آئینہ حیراں نہ ہوا

آج کے شاعروں نے جہاں کئی شعری لوازم کو نظرانداز کر دیا ہے وہاں تغزل کو بھی کہ شعر کی بنیادی خصوصیت ہے قابلِ توجہ نہیں سمجھا۔ قدمؔ کے ہاں تغزل اور روانی مستقل طور پر موجود ہے۔ ان کی شاعری میں ایک اثر آفریں فضا پیدا ہوتی ہے جس میں گاتے ہوئے الفاظ اور دلکش ترکیبیں بھی اپنی بہار دکھا رہی ہیں۔ اشعار میں کہیں کہیں شوخی اور شرارت کے عناصر بھی ملتے ہیں مثلاً ۔

بے خودی میں مرا آغوش ہے کھو سے آگے — ہم مرحمت کیجئے میں شامل آغوش نہیں
تخلیقِ کائنات کے جرم سبب جرم پر — ہنسا ہو گا حضرت یزداں کبھی کبھی

قدمؔ صاحب میں ایک بہت بڑی خامی یہ ہے کہ وہ شعر بہت کثرت سے کہتے ہیں اور انہیں اس بات کا دھیان نہیں رہتا کہ کون سا شعر قابل ہے کہ رکھ لیا جائے اور کون سا حذف کر دیا جائے۔ یوں تو ہر شاعر کو اپنا ہر شعر عزیز ہوتا ہے مگر اس کے باوجود شعراء میں اکثر اس قدر تنقیدی شعور ہوتا ہے کہ وہ کون سے اشعار کو رکھیں اور کن کو حذف کر دیں۔ اُردو کے سب سے بڑے شاعر غالبؔ کے اسی تنقیدی شعور نے غالبؔ کو عصر ... آفاقی بنایا ہے۔

قدمؔ صاحب شعر بہت کثرت سے کہتے ہیں اور بعض اوقات رطب و یابس کو بھی چھپانے سے گریز نہیں کرتے۔ قدمؔ صاحب کی زود گوئی اور بسیار گوئی سے مجھے ایک واقعہ یاد آ گیا۔ ۱۹۶۲ء ہی کی بات ہے۔ ایک رات وہ زیادہ رہنے کے لئے میرے گھر ہی سو رہے۔ جب آدھی رات کا وقت ہو گا کہ یونہی میری آنکھ کھل گئی دیکھا کہ بتی جل رہی ہے۔ قدمؔ صاحب چارپائی پر بیٹھے ہیں۔ ایک ہاتھ میں سگریٹ دوسرے میں قلم لئے کچھ سوچ رہے ہیں۔ نوٹ بک سامنے تکیے پر پڑی ہے۔ میں پھر سو گیا۔ صبح میں نے پوچھا مولانا رات کیا بات تھی۔ کہنے لگے حضور نیند نہ آئی آنکھ کھل گئی خیال آیا کہ کچھ شعر ہی کہہ ڈالوں مگر فقط سات غزلیں کہہ کر ہی نیند آ گئی۔ اب جو شاعر گھنٹے دو گھنٹے میں سات غزلیں کہہ ڈالے اندازہ کیجئے وہ کس کثرت سے شعر کہتا ہوگا۔ کثرت سے شعر کہنا برا نہیں مگر ان سب اشعار کو من و عن رکھ لینا یقیناً برا ہے۔ وہ جو کچھ کہہ دیں اس میں کانٹ چھانٹ کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔ شعر اچھا ہوا برا ہوا بس ہو گیا۔ اب اس پر مزید غور و فکر کرنا ان کا اصول ہی نہیں۔ اسی وجہ سے بعض اوقات غزلوں پر بہت سے ہلکے شعر بھی ملتے ہیں جنہیں پڑھ کر افسوس ہوتا ہے کہ کاش یہ شعر غزل میں نہ ہوتے۔ مجھے یاد ہے میں نے کئی بار کہا کہ فلاں غزل میں سے فلاں فلاں شعر نکال دیجئے۔ انہوں نے وعدہ کیا کہ ہاں ضرور حذف کر دوں گا مگر جب غزل چھپی تو وہ اشعار موجود تھے۔ اصل بات یہ ہے کہ انہوں نے آج تک جتنے شعر کہے ہیں وہ انہیں قریب قریب سب کے سب زبانی یاد ہیں۔ میں نے پہلے بھی کہا تھا کہ حافظہ ان کا بلا کا ہے۔ اشعار کہنے کے بعد ان کو یاد ہو جاتے ہیں اس لئے بعد میں اگر وہ چاہیں بھی تو ان اشعار کو حذف نہیں کر سکتے۔ حافظے سے متعلق ایک واقعہ یاد آیا۔ اتوار کا دن تھا۔ مجھے دفتر سے چھٹی تھی۔ قدمؔ صاحب صبح ہی تشریف لے آئے۔ تھوڑی دیر بعد سبط صاحب بھی آ گئے۔ قدمؔ صاحب کہنے لگے حضور آج جو غزل کہی

[illegible] ترتیب دے کر [illegible] کو [illegible] حاصل کروں۔ میں [illegible]
[illegible] کی ضرورت ہے۔ [illegible]
[illegible] کے پاس پہنچتی ہیں تاکہ اردو کی شاعری بلند سے بلند تر ہو۔

آخر میں یہ عرض کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ [illegible] صاحب میرے دوست ہیں۔ میں نے ان کی شخصیت [illegible] کی کوشش [illegible] ہے۔ روایتی انداز اختیار نہیں کیا۔ [illegible] حاصل ہے۔ [illegible] کی ہے۔ اگر اس تصویر میں [illegible] صاحب کے [illegible] محسوس کریں۔

جذبی

انور عظیم

- کیا جھک مار رہے ہو؟
- جذبی کے متعلق اپنے تاثرات قلم بند کر رہا ہوں۔
- ف: جذبی سے متعلق؟ [illegible] کے متعلق؟ بھئی حد ہو گئی!

واقعی حد ہو گئی۔ ذرا اس شاعر پر ایک نظر ڈالیے۔ اس کی شخصیت میں کوئی ایسی بات نہیں جو اپنی پہلی جھلک میں لوگوں پر اپنا جادو چلانے میں کامیاب ہو جائے۔ اس کی شکل و صورت [illegible] اس کی باتوں کا انداز، کہیں کوئی بانک [illegible] کوئی تیکھا پن، کوئی جلوہ نظر نہیں آتا۔ اگر اس کی [illegible] میں کوئی چیز چمک رہی یا جولانی نظر آتی ہے تو وہ اس [illegible] کا صاف سپاٹ میدان ہے۔ اس چٹیل میدان کے کنارے دونوں طرف [illegible] بال [illegible] ہوئے ہیں جو وسط میدان میں دونوں طرف سے آکر مل گئے ہیں [illegible] انہوں نے اس چٹیل [illegible] رقبے کا احاطہ [illegible] ہے۔ [illegible] جتنا [illegible] آنکھیں اتنی ہی چھوٹی [illegible] چمک سے محروم ہیں۔ جذبی کو پہلی نظر میں دیکھیے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ ایک ایسے آدمی کے سامنے کھڑے ہیں جس میں [illegible] بیٹھنے کی صلاحیت بالکل مفقود ہے۔ [illegible] شاعرانہ شخصیت میں ایک تکلیف دہ [illegible] پیدا کر دی ہے۔ لیکن [illegible] سے باتیں کریں، گھل مل جائیں، پھر دیکھیے اس [illegible] چہرے پر عقل اور افسردگی [illegible] مسکراہٹ کا ایک کوندا [illegible] سب کچھ [illegible] وہاں بھی مایوسی ہوگی [illegible] جتنے بڑے بڑے اور [illegible] مسکراہٹ کی معصومیت اور جھنجھلاہٹ کی [illegible] خیال [illegible] کبھی بھی چمک کا شکار نہیں ہوئے۔ لیکن ان سے پہلی بار [illegible] ان کو پہلی بار دیکھنے کے بعد مجھے اس شخص پر ترس آیا تھا۔ میں نے [illegible] کے جذبات کے ساتھ سوچا تھا بے چارا اس جینے سے کس طرح بچا ہوگا۔ اگر میرا یہ خیال غلط ہے تو میرا یہ قیاس صحیح ہوگا کہ [illegible] جذبی کسی نازی اور ظالم [illegible] کا تختۂ مشق بن گئے ہوں گے۔ اور جراح نے اپنا سارا حوصلہ اسی ایک تختۂ مشق پر نکال لیا ہوگا۔

واقعی جذبی میں اتنی گھٹن، اتنی تلخی، اتنی قنوطیت (جو ان کے فن پر پوری طرح محیط ہونے میں ناکام رہی ہے) کیوں ہے۔ کیا ایک انسان جبلی طور ایسا ہوتا ہے؟ یا سماجی حالات اور زندگی کے تجربے اس کے مزاج اور اس کی مجموعی شخصیت کی تربیت اور ترتیب کرتے ہیں؟ کیا جذبی محض گھٹا ٹوپ خواہشوں کے گہرے [illegible] قنوطیت کے اندھیرے میں بھٹکتا ہوا، ایک افسردہ دل اور انجمن کو افسردہ کرنے والا انسان ہے؟ کیا اس خاکستر کے ڈھیر کے اندر چنگاریاں دبی ہوئی نہیں ہیں؟ کیا اس کی شخصیت میں اس کی داخلی دنیا کی، جذبات کی، اس کے شعور اور تجربے کی آئینہ دار اس کی شاعری میں ان چنگاریوں کے [illegible]

[illegible] شخصیت سے [illegible] کے ہیں دیکھا جاتا ہے۔ ان کی شاعری کی پوری آب و تاب [illegible] میں ان کی اپنی شخصیت [illegible] [illegible] بہت کم لوگ جانتے [illegible] جاتا ہے۔

[illegible] شاعری [illegible] زندگی کے [illegible] [illegible] بہت [illegible] شاعری [illegible] [illegible] [illegible] ساتھ ہی [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] لیا جاتا ہے۔

جذبی آج ہمارے سامنے [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] موجود تھا [illegible] [illegible] [illegible] کی زندگی میں ایک تمام [illegible] [illegible] [illegible] جائے گا۔

جذبی کا خاندان بہت پہلے [illegible] [illegible] منتقل ہو گیا تھا [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] کا نام [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] ماحول میں [illegible] [illegible] [illegible] معین احسن [illegible] [illegible] شاعروں کا [illegible] [illegible] [illegible] کرنے کے لئے [illegible] جاتا۔ یہاں [illegible] ہے

وہ [illegible] دیوانی [illegible]
[illegible] ہوئے [illegible]
[illegible] ماہتاب سے روشن [illegible]
نازک مزاج [illegible] سیہ چشم سربلند

[illegible] ادبی دلچسپیوں اور غزلیں اور نظمیں یاد کرنے کا [illegible] شوق [illegible] سال کی عمر [illegible] جناب نے [illegible] [illegible] ان دنوں جہانسی میں قیام تھا۔ وہ ساتویں آٹھویں جماعت کی طالب علمی کا دور تھا۔ [illegible] کا شمار ان دنوں استادوں میں ہوتا تھا۔ ان کے شاگرد تھے حامد شاہجہانپوری۔ وہ معین احسن کے گھر والوں کے پڑوسی تھے۔ ان کے یہاں اس ننھے شاعر کا آنا جانا تھا۔ ان سے تعلقات کا اثر تھا۔ عقیدت اتنی تھی کہ معین احسن نے ان کی پوری بیاض حفظ کر لی۔ ان ہی دنوں باقاعدہ شاعری کا آغاز ہوا۔ معین احسن نے اپنی ایک غزل دوسرے کے نام سے [illegible] [illegible] نے ایک آدھ شعر پسند کیا۔ اس طرح معین احسن [illegible] جو اس وقت نویں جماعت میں پڑھتا تھا۔ اور جس کی عمر اس وقت پندرہ سال تھی اپنا تخلص جذبی رکھا۔ [illegible] شاعرانہ زندگی کی پہلی منزل میں [illegible] داخل ہو گیا۔ ان دنوں دنیائے شاعری میں جگر، آرزو، فانی کے نام روشن تھے۔ ان کی غزلوں کا بڑا شہرہ تھا۔ ان دنوں نظموں کا رواج نہیں تھا۔ ایک ایسے زمانے میں ایک ہونہار شاعر نے اپنی فنی زندگی کے ابتدائی دور میں باضابطہ اصلاح حاصل کرنے کا بیڑا اٹھایا۔ غزلیں [illegible] تھا۔ وہ معین احسن ملال کے سامنے اپنی طبع آزمائی کے لئے [illegible] تھا۔ حامد شاہجہانپوری نے ملال کی [illegible] لگایا۔ [illegible] انہیں اپنے استاد

صادق دہلوی سے رجوع کرنے کے لئے کہا گیا۔ وہ ہر شعر پر غور کیا کرتے تھے [illegible] کرتے تھے۔ وہ بد خطی، ابہام وغیرہ پر اعتراض کرتے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ شعر کو سمجھانا مشکل ہو [illegible] تجربہ کا شاعری سے کیا تعلق ہے، وہ اس کے بعد زندگی کے واقعات کی تشریح کیا کرتے تھے۔ [illegible] ایک بار [illegible]۔ ان کے بعد ملال کے استاد نے کہا تمہاری غزلیں دوسرے درجے کے استادوں سے اچھی ہوتی ہیں۔ مگر دماغ خراب نہ ہو۔

آگرے میں تعلیم کا سلسلہ شروع ہوا تو وہاں اردو کے ایک اور شاعر سے ملاقات ہوئی۔ وہ شاعر تھا مجاز۔ مجاز ان کے ہم جماعت تھے۔ وہ بی سائنس کے طالب علم تھے۔ ان دنوں آگرے میں میکش اکبرآبادی وغیرہ کا دور تھا۔ کالج کا پہلا سال تھا۔ شاعری کی ترغیب ملی تھی اور [illegible] رہی تھیں۔ ان ہی دنوں ملال کو فانی سے ملنے کا موقع ملا۔

ایک دن حضرت [illegible] کے ساتھ فانی کے یہاں پہنچے تو وہ آرام کرسی پر بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک خاص [illegible] ان کا [illegible] شہرت تھی۔ دوسری طرف ایک خوش رو نوجوان [illegible] طالب علم شاعر جس کی ابھی [illegible] بھی نہیں بھیگی تھیں۔ لیکن جسے شاعری کا جنون اس دور کے ایک عظیم المرتبت شاعر کے یہاں کھینچ لایا تھا۔ وہ بڑی جرأت اور بیباکی سے پیش آئے۔

- کہئے کیا شغل ہے، فانی نے پوچھا

سائنس پڑھتا ہوں۔ یہ وہ الفاظ تھے جو جلدی سے تھرتھراتی ہوئی آواز کے ساتھ معین احسن ملال کی زبان سے ادا ہوئے۔

- شعر و شاعری کا شوق بھی ہے؟

- صاحب بس یوں ہی ایک جھک بیٹھا ہوں [illegible] بڑی مشکل سے نکلا۔

- کچھ سنائیے۔

ملال نے اپنی آنکھیں اٹھائیں۔ ان کے سامنے بڑی متانت کے ساتھ ایک کشیدہ قامت بزرگ، اچھے لباس میں بیٹھے تھے۔ ان کے [illegible] سے [illegible] اور بھی مربیانہ شان پیدا کر دی تھی۔

ملال نے اپنی غزل کا پہلا شعر پڑھا

دل کو ہونا تھا جستجو میں خراب   پاس تھی یہاں تو منزل مقصود

فانی نے شعر دہراتے ہوئے دوسرا مصرعہ یوں پڑھا

پاس تھی ورنہ منزل مقصود

نوجوان شاعر نے خاموشی سے اصلاح قبول کر لی اور نہایت سعادت مندی کے ساتھ دوبارہ اصلاح شدہ شعر پڑھا۔ فروزاں میں یہ غزل اصلاح شدہ شعر کے ساتھ شائع ہوئی ہے۔

پھر جذبی نے فانی کو ایک اور غزل سنائی ۔۔۔ فروزاں کی پہلی غزل جس کا مقطع ہے

ضبط غم بے سبب نہیں جذبی

جو اس وقت تھا ۔

ضبط غم بے سبب نہیں ہے ملال   خلش دل بڑھا رہا ہوں میں

فانی ایک دم سے [illegible] کر بیٹھ گئے۔ بیساختہ داد دی۔ کہنے لگے

بہت سے طالب علم قسم کے شاعر آتے ہیں۔ آپ سے التماس کروں گا ۔۔۔ اس خلش کو زندہ و تابندہ رکھئے۔

[illegible] چھپا لکھا معلوم ہے۔

[illegible] شاعری کا [illegible] ہے [illegible]

[illegible] جذبی [illegible] شعیب [illegible]

[illegible] شعیب بھی شاہ تھے، دونوں [illegible]

[illegible] کا [illegible] ایک [illegible]

[illegible]   [illegible]

دونوں شاعروں کی عمریں زندگی کے سالوں کی بندشوں اور تذکرہ سے ماورا جاتی تھیں

ان دنوں کا ایک دلچسپ واقعہ ہے جو [illegible] صاحب ہوتے تھے [illegible]

[illegible] ایک دوست [illegible] سے ہوتی [illegible]

کہاں جھگڑے ہے رات کا [illegible] بات سے   [illegible] صفات ہے
میں نے [illegible] آپ [illegible]   جب [illegible]

[illegible] دونوں [illegible] میں پڑھتے [illegible]

[illegible] تھے۔

[illegible] جذبی اور مجاز [illegible] جذبی [illegible] مجاز [illegible]

[illegible] ان کے [illegible] جذبی [illegible]

[illegible] کے بعد دونوں کو جدا جدا ہونا پڑا۔ جذبی [illegible] چلے گئے اور مجاز [illegible]

[illegible] ایک کام بھی ہو گیا۔ [illegible] جذبی [illegible] منتقل ہو گیا۔

یہاں بھی شاعری کا سلسلہ اسی مجنونانہ جوش کے ساتھ جاری رہا۔ کتابیں خوب پڑھی جاتیں [illegible] صاحب کی کتابوں کا خیال تھا [illegible] لکھنے لگے۔

[illegible] کی غیر شاعرانہ مضمون کتابیں کون پڑھے؟ نتیجہ ظاہر تھا۔ یہاں بھی فیل ہو گئے۔

جذبی پر اس کے بعد [illegible] وقت آیا۔ [illegible] اپنے صاحب زادے سے [illegible] کہنے لگے

میاں، شعر و شاعری میں تمہاری ناؤ ڈوب گئی۔ اب چھوڑو، چپ چاپ پوسٹ آفس وغیرہ میں کام کرو۔

جذبی جب ساڑھے تین سال کے تھے، ان کی والدہ فوت ہو چکی تھیں۔ سوتیلی ماں کی سخت گیریاں [illegible] ان کے نوجوان دل کو ڈستی رہی تھیں۔

ابا بھی ان کے مشورے سے متاثر تھے۔ اپنے فیل ہونے نے معاملہ اور بگاڑ دیا تھا۔ [illegible] عشق کے [illegible] بھی لگنا شروع ہو گئے تھے۔

جذبی کا کہنا ہے "غم عشق کیا ہے [illegible] دونوں طرف سے ایک معصوم اور مبہم خلش [illegible] ۱۹۳۳ء میں [illegible]

[illegible] پھٹ پڑا۔

"ایک شام جب ابا کی نظروں کے پھر جانے کا غم سینے پر ایک بوجھ بنا ہوا تھا۔ آسمان پر ہلکے ہلکے بادل تیر رہے تھے ۔۔۔ اگست یا ستمبر کا مہینہ تھا۔ تنہائی ذہنی کوفت کے عالم میں ایک مصرعہ ہو گیا

مرنے کی دعائیں کیوں مانگوں جینے کی تمنا کون کرے

...مشق میں غزل ہو گئی۔

اس غزل نے بعد میں جذبی کو مشہور کیا اور اس کو ایک قنوطیت پسند شاعر کا خطاب دلوایا۔ حالانکہ "ہنستی بجلی" یہ غزل بھی خاص طور [illegible] موڑ کی بے ساختہ ترجمانی کرتی ہے۔

اس غزل کی قسمت میں کوئی انعام وغیرہ نہیں تھا۔ دو سال تک پڑی رہی۔ ۱۹۳۵ء میں [illegible] کو بھیجی گئی۔ جہاں سے وہی غزل [illegible] میں شائع ہوئی۔

اس غزل کا نوٹس [illegible] لیا گیا۔ یہاں تک کہ ایک دن سوتیلی ماں سے سخت جھگڑا ہوا۔ جھگڑے نے اس غزل کے دل شکستہ شاعر کو گھر چھوڑنے پر مجبور کر دیا۔ [illegible] کے بھائی کے ساتھ حیدرآباد کی سمت کو چلے گئے۔ ٹرین میں ایک صاحب سے ملاقات ہو گئی۔ وہ [illegible] ان سے معلوم ہوا کہ [illegible] نظم مخفی [illegible] ہے۔ [illegible] اس زمانے میں [illegible] زیادہ [illegible] مسلمانوں [illegible] جذبی نے ان سے ایک خط لیا اور [illegible] میں آ دھمکے۔ وہاں مہینہ بھر خاک چھانتے رہے۔ [illegible] رہ گئی۔ [illegible] تھے۔ جو بچے تھے کھا لیے گئے [illegible] اس زمانے میں جذبی کے [illegible] تعلق [illegible] ساحل کنارہ ہو گیا تھا۔

ساحل کی تمنا اور [illegible] جذبی نے اپنے والد کو ایک خط لکھا [illegible] آپ [illegible] بھی [illegible] دکھوں۔ پھر متعلق مصیبت کا دور شروع ہوا۔ تعلیم دہلی میں شروع ہوئی۔ حالات ناقابل برداشت تھے۔ [illegible] کرتے تھے۔ اس دوران میں زبردست علالت کا حملہ ہوا۔ اور اس زمانے میں جذبی [illegible] سے [illegible] شاہ [illegible] پھر چھوٹ گیا۔ جذب کا [illegible] تھا [illegible] کو نفسہ نہیں آتا تھا [illegible] قابل تھا۔

پھر وہی مشکل [illegible] بیلی [illegible] کا میابی نصیب ہوئی۔ [illegible] ہو گئی۔ [illegible] انگریزی میں داخلہ لیا لیکن [illegible] سخت مخالفت کی اور پھر وہ دہلی واپس آ گئے۔ وہاں [illegible] اور مجاز ریڈیو میں ملازم تھے۔ [illegible] کے ساتھ جذبی کا قیام [illegible] مصیبت وہاں بھی منتظر تھی۔ مجاز [illegible] کر دیے گئے۔ دونوں کا قیام [illegible] دہلی [illegible] اس زمانے میں جوش بھی دہلی آ گئے تھے۔ وہ [illegible] مقیم تھے اور کلیم [illegible] نکال رہے تھے۔ اس زمانے میں شعر و شاعری کے جنون کے [illegible] سے بڑا کام [illegible] میں دو خواہشیں [illegible] کرنا تھا اور اس سے جو وقت بچتا وہ جوش کی صحبتوں میں گزرتا۔

ان ہی دنوں [illegible] کے ذریعے [illegible] کا سلسلہ نکلا۔ [illegible] میں ایک جگہ [illegible] یہ جگہ سیکرٹریٹ میں تھی۔ تین چار مہینے [illegible] گیا۔ پھر وہاں سے بھی [illegible] اور [illegible] بھوپال پہنچے۔ ۱۹۳۰ء میں سکول [illegible] اس اسکول کا نام ماڈل ہائی سکول تھا۔ جذبی نے [illegible] کر یہاں دس مہینے تک کام کیا لیکن تنخواہ کا مسئلہ طے نہ ہو سکا [illegible] تنخواہ [illegible] یا نہیں۔

آخر جی چھوٹ گیا اور یہ شاعر آوارہ لکھنؤ پہنچ گیا۔ وہاں سردار جعفری، سبط حسن وغیرہ [illegible] نکال رہے تھے۔ اس [illegible] میں سب ہی ننگے تھے سب کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ [illegible] سبط حسن ساتھ رہتے تھے ۱۹۳۹ء تک جذبی [illegible] افلاس اور تنگی۔ [illegible] کا آفتاب [illegible] پہنچ گیا تھا۔ یکایک اسکول میں دس مہینے [illegible] کا مسئلہ حل ہو گیا۔ دس مہینے کی تنخواہ شاعر کی مٹھی میں تھی۔۔۔۔ چھ سو روپے! شاعر کو اتنی خوشی ہوئی کہ بیمار پڑ گیا۔ دو سو تو کثرت [illegible] ڈاکٹروں کی نذر ہو گئے۔ باقی چار سو روپے لے کر موصوف علی گڑھ وارد ہوئے۔ اس وقت ایم اے کرنے کی دھن سوار ہو گئی۔ اس زمانے میں ترقی پسندی کی تحریک ابھر رہی تھی۔ اور جذبی کو بھی اس تحریک کا ایک [illegible] ترقی پسندی کا معیار [illegible] جوش کی نظمیں تھیں؛ اور اس وقت تک ترقی پسندی کی بنیاد ڈالنے والوں نے وضاحت بھی نہیں کی تھی۔

جذبی نے بھوپال کے دوران قیام میں "فطرت ایک مفلس کی نظر میں" لکھی تھی۔ اس کے بعد ۳۸ - ۱۹۳۷ء میں ایک اور نظم [illegible] کاش [illegible] لکھی۔

[illegible] جذبی کی صحت [illegible] خراب ہو چکی تھی [illegible] بیٹھ گیا تھا [illegible] وہاں ایک ایسا حلقہ ہو گیا [illegible]
[illegible] تھا [illegible] جب [illegible] ہاتھوں پہ بہت جاتی تھیں [illegible]
[illegible] سیاست [illegible] بات ہوتی [illegible] وہ کبھی [illegible]
[illegible] وغیرہ [illegible] جذبی [illegible] کی کیفیت [illegible]
[illegible] شکستوں [illegible]
[illegible] خیال کا [illegible] بہت [illegible]
[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] شہر [illegible]
[illegible] آنکھوں سے ٹپکے ہوئے [illegible] خون [illegible]

[illegible] بے ہیں۔

[illegible] کی داستان [illegible] محبت کی [illegible]
[illegible] شاعر کے [illegible] خوبصورت یادگار ہے۔ [illegible]

علی گڑھ سے جذبیت [illegible] ہو چکی تھی آج کل کی ملازمت مل گئی [illegible]
[illegible] شباب پر تھی [illegible] بچوں کے لئے ایک [illegible]
[illegible] پورا [illegible] ان سب [illegible] جذبی کا [illegible] زندگی کی [illegible]

[illegible] دلچسپ گزرے۔

لیکن اس نئی ملازمت کے کوارٹر میں بیٹھنے کے بعد جلد ہی جذبی کو محسوس ہوا کہ [illegible] آگے چل کر [illegible]
[illegible] ایک ایرانی [illegible] حکومت کا خاص [illegible] انگریز حکام سے زیادہ انگریزی حکومت کا وفادار تھا۔ [illegible]
جذبی کے رجحانات اور میلانات کا احساس ہوا تو قدم قدم پر روڑے اٹکانے لگا۔ ایک بار [illegible] ہندوستانی انگریز

لینے لگا جناب یہ تو سوویت رنگ ہے:

ایک انگریزی پروڈکشن کا انچارج تھا اس نے بھی یہی بات کہی۔ جذبی کے دل میں [illegible] اس کے بعد ایک [illegible]
[illegible] ترجمے کو ملا جس میں کہا گیا تھا کہ [illegible] زندگی بسر کر رہے ہیں جذبی نے اس کے ترجمے سے انکار کیا۔ کرنل
دہلی سے [illegible] ہو گئی۔ معاملہ پکتا گیا۔ جذبی نے آخر تنگ آکر اور اکتا کر تین مہینے کی چھٹی لے لی اور بمبئی چل دیئے۔ وہاں سبط حسن اور جعفری کے
ساتھ رہے۔ جذبی کو یہ خیال تھا کہ وہاں فلم کمپنی وغیرہ میں [illegible] گے۔ جاں نثار [illegible] کیفی وغیرہ [illegible] بندھا [illegible] انگلستان میں

... رہا ہیں کہ جیسے کسی ایک معمولی [illegible]

ڈاکٹر ضیاء الدین نے پوچھا: کیا آپ نباہ کر سکیں گے یا نہیں؟

جناب کیوں نہیں! کر سکیں گے۔ جواب حاضر تھا۔

جی! پہلے چند دن آئے یہاں لیکن نہیں جی سکے!

اس سے جذبی کو وحشت سی رہنے لگی۔ سمجھنے کی ایک حد ہوتی ہے: جذبی کو بمبئی کا ساحل اور شور شرابا راس نہیں آیا ... تنہائی میسر نہیں آتی تھی۔ اسی وحشت کے زمانے میں سر ضیاء الدین سے ملاقات ہوگئی۔ ان سے جذبی نے ... کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ انھوں نے ... دلا دیا۔ وہاں سے جذبی سیدھے دلی آئے۔ ... علی گڑھ میں کام کرنے لگے۔ اتفاق سے موقع ہاتھ آیا۔ یونیورسٹی میں ملازمت مل گئی۔ ... سے آج تک جذبی اسی علی گڑھ میں زندگی گزار رہے ہیں جس کے بارے میں ایک بار انھوں نے مجھ سے کہا تھا

"یہ ایک کنواں ہے جہاں ہم مینڈکوں کی طرح ایک محدود دائرے میں چکر لگاتے رہتے ہیں۔ جب کوئی مینڈک باہر سے آکر اس میں ٹپک جاتا ہے تو ... میں ہلچل ہو جاتی ہے۔"

یہ بات انھوں نے میرے اچانک ٹپک پڑنے پر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہی تھی۔

زندگی کا یہ سلسلہ جذبی کو یہاں تک لے آیا ہے۔ جذبی اور ان کو جاننے والے یہ جانتے ہیں کہ ایک شاعر کی زندگی کا مقصد یہاں ختم نہیں ہو جاتا۔ صبح سے شام تک وہ ... یونیورسٹی میں ایک لیکچرار کی حیثیت سے ایک خاموش زندگی گزار رہے ہیں ... ایک چھوٹا سا ... وہ اپنی بیوی اور بچوں کے ساتھ ... اپنی زندگی خاموشی سے گزار رہے ہیں۔

صبح آٹھ بجے سے یونیورسٹی کی ... شروع ہوتی ہے اور اس وقت سے ان کے فرائض کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ یونیورسٹی سے واپس آکر ... وہی بچے، وہی گھر اور وہی گھریلو تقاضے۔ اس چھوٹے سے کوارٹر میں ایک چھوٹا سا صحن باہر ہے یہی اس شاعر کا گھر ہے۔ یہاں ... آپ جب ... بیٹھیں گے تو ایک ترتیب اور بے ترتیبی سی نظر آئے گی۔ ایک میز، اس کے آگے ایک کرسی، ایک ... اس کے آگے ایک چھوٹی سی میز، اور اس میز پر کچھ کتابیں، کبھی چائے کا ... اور کبھی سگار کا ... نظر آئے گا۔

میں جب کبھی اچانک جذبی کے یہاں پہنچا ہوں تو ... تنہا پایا ہے۔ دو میزوں اور کرسیوں سے پرے ایک گوشے میں ... چارپائی پر دراز یا بیٹھے ہوئے۔ لیکن ایسا کبھی نہیں ہوا کہ میں کمرے میں گھس پڑا ہوں اور اس کے بعد شاعر کو میرے آنے کا علم ہوا ہے۔ ... ایسا کبھی نہیں ہوا۔ ابھی میں باہر ہی ہوں اور ابھی اس کا یقین بھی نہیں ہوا ہے کہ حضرت گھر پر موجود ہیں یا تیر کمان سے نکل چکا ہے کہ تحسین و آفرین کی لے میں ... کے پیچھے خیر مقدم کے نعرے گونجنے لگے۔

میری عمر اور جذبی کی عمر میں ایک پوری ادبی نسل کا فرق ہے۔ لیکن جذبی نے ایک لمحے کے لئے بھی اپنی عمر کی برتری کا سہارا نہیں لیا۔ اور بعض مباحث ایسے بھی آئے جب میں نے تلخ باتیں کہیں، اور سختی سے کہیں۔ لیکن جذبی کے انداز گفتگو اور دوستانہ لب و لہجہ اور برتاؤ میں فرق پیدا نہیں ہوا۔ میں جانتا ہوں اور جذبی بھی جانتے ہیں کہ ان کے بعض کٹر تصورات کو میں ان کے حد درجہ ... کا نتیجہ سمجھتا ہوں۔

جذبی میں بڑی سنجیدگی ہے مجھے ان سے مل کر کبھی تھکن، اکتاہٹ اور بوریت کا احساس نہیں ہوا۔ میں جب بھی ان سے ملا ہوں، مجھے محسوس ہوا کہ میں ایک مخلص اور ہمدرد دوست سے بات کر رہا ہوں۔ جب اختلاف کی بات ہوتی ہے اصولی ہوتی ہے۔ اور ہم دونوں نے کبھی بھی ایک دوسرے کو حلقہ بگوش اسلام کرنے والی ہٹ دھرمی سے کام نہیں لیا ہے میں نے ان میں وہ لچک بھی محسوس کی ہے جو ایک سنجیدہ اور منطقی گفتگو کو کسی نتیجے تک پہنچانے کے لئے ضروری ہے۔

جذبی کے متعلق یہ ... نہیں ہیں۔ یونیورسٹی سے باہر علی گڑھ میں اور علی گڑھ سے باہر آپ کو شاید ہی ... اتفاق ہوگا۔

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

جذبی [illegible] سے محبت ختم کر سکتے۔

منزل کی [illegible] پیدا کرے۔

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

ذاتی زندگی اور شاعری کا اتنا گہرا ربط اور خوبصورت آہنگ بہت کم فنکاروں میں دکھائی دیتا ہے۔

اس وقت جذبی کے مکان پر ایک سرسری نظر ڈالی [illegible]

وہ شام بھی مجھے یاد ہے۔ [illegible]

گیارہ بارہ بج رہے تھے ہم لوگ مسلسل زندگی کے مختلف مسائل پر بات کر رہے تھے۔ جذبی بہت جذباتی ہو گئے تھے۔ [illegible]

[illegible]

[illegible]

"[illegible] زندگی کی کشمکش میں [illegible]"

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] ادبیت کے [illegible] ہیں۔ [illegible] شکست خوردگی [illegible] شاعری [illegible] زندگی [illegible] ہے۔

جذبی کو اپنی موجودہ زندگی [illegible] موجودہ سماجی نظام [illegible] سے جو شکست کا سامنا کرنا پڑتا ہے [illegible] چاہت سے [illegible] تماشائی کی طرح [illegible] جب اس [illegible] ہے [illegible] انتظار کب تک ؟

جذبی مرزا جعفر کی شاعری سے متاثر ہیں [illegible] وہ شاعر [illegible] اپنی ذاتی زندگی میں [illegible] شاعر [illegible] اگر وہ [illegible] تو پھر وہ مرزا جعفر نہیں ۔

کبھی [illegible] سب دوستوں کو [illegible] شدت [illegible] کہیں گے [illegible] کے اختلافات [illegible] مجھے [illegible] :

جب کبھی فکر روزگار، محبت، دوستی، انسانیت، غرض عمل اور مستقبل کا ذکر ہوتا ہے جذبی [illegible] انسانی [illegible] آنسو [illegible] ہیں۔

جذبی [illegible] ایک [illegible] ہے کہ وہ ایک [illegible] آدمی ہیں لیکن [illegible] سال کا ذکر ہے [illegible] جذبی [illegible] وہ سب کچھ کیا جو وہ کر سکتے تھے۔

کبھی کبھی جذبی پر ایک غیر منطقی [illegible] کا دورہ پڑتا ہے [illegible] کیفیت ہوتی ہے۔

اس جذبی کو [illegible]

ایک رات [illegible] گیارہ بجے جذبی پر نمائش میں جانے کا دورہ پڑا [illegible] جگر مرادآبادی کے ساتھ نمائش میں گئے علی گڑھ کی نمائش وہاں کی زندگی میں بڑا اہم حصہ ادا کرتی ہے۔ رات [illegible] جذبی کے نام پر لوگوں کو اپنی طرف کھینچنے لگے [illegible] شاعر جگر مرادآبادی اور جذبی [illegible] کے لئے [illegible] رہے اور نمائش سے ایک بجے لوٹے۔

گھر پہنچ کر بھی دو گھنٹے تک گپ ہوتی رہی [illegible] جگر مرادآبادی [illegible]

جذبی [illegible] لمحات کم ہی آتے ہیں [illegible] ایک خاموش انسان کی طرح [illegible] سگریٹ پیتے ہیں [illegible] خاموش [illegible] زندگی کی [illegible] پشت ماضی کی طرف ہے اور نظر مستقبل کی طرف ۔

ابھی سموم نے مانی کہاں نسیم سے ہار
ابھی تو معرکہ ہائے چمن کچھ اور بھی ہیں ۔

جذبی کو راکھ کا ڈھیر سمجھنے والوں سے صرف اتنا عرض کروں گا کہ راکھ کے ڈھیر کو نظرانداز کر کے آگے بڑھ جانے سے پہلے ذرا رک کے اور اس ڈھیر کو کرید کر دیکھئے ۔۔۔ کون جانے اس کے اندر چنگاریاں دبی ہوں جن کو اگر ہوا مل جائے تو جنگل کی آگ بن جائیں۔

شکیلہ اختر

صوفیہ فضل

یہ گھونگھر والے سیاہ بال اور سنہرے رنگ والی آپا کو ہم نے ہوش سنبھالتے ہی دیکھا۔ جب بھی ان کی وجہ سے [illegible] تو بس ڈرتے ہی ڈرتے۔ سنا ہے کہ آپا کے آنے سے پہلے دو بھائی چھوٹے ہی چھوٹے اس دنیا سے جا چکے تھے، اب آپا جو آئیں تو ایک تو لاڈلی، اس پر سے پیار — اسی لئے اور لاڈ رہتے رہتے آپا بس آپا ہی بن بیٹھیں۔

پڑھنے لکھنے میں کچھ کچھ اہم اور اردو کہانی کہانی سیا، پھر جب میں ابھی چھوٹی تو آپا نے مجھ کو پڑھانے کے لئے یسرنا القرآن پڑھانا شروع کیا۔ جہاں تک لفظوں کی بات تھی ایک دو مہینے تک کی محنت میں سنا دیا کرتی مگر کمبخت پڑھے اور جڑے ہوئے الفاظ کسی طرح بھی میرے پلے نہ پڑتے تھے اور آپا کو ساتھ ہی ساتھ یہ دھن بھی لگی رہتی تھی کہ ایک ہی دفعہ ساری کی ساری کتاب وہ مجھے ختم ہی کرا دیں۔ جانے یسرنا القرآن کو لکھ کر کیسی اشد دشمنی کی [illegible] کوئی اور راہ ہی نہ [illegible] آتا تھا۔ ابھی ابھی دل و دماغ کو سنبھال کر [illegible] صاحب مدظلہ کی [illegible] کی مجبوریت، جیسے تیسے اس بلا سے ابھی نجات ملی ہی تھی کہ ایک دوسری بلا "کتاب شد" کی سر پر سوار — ابھی عربی، اردو حروف کی بحث میں دماغ خراب ہی ہو رہا تھا کہ ادھر سر اور پیٹھ پر آپا کے دھموکے پڑنے شروع ہو گئے۔ مارتے مارتے جب ان کا دل نہ بھرا تو ایک دن پھر مارتے مارتے آپا نے اونچی کرسی والے برآمدے سے مجھے نیچے دھکا دے دیا —— پھر تو بس اسی دن سے ہمارے نصیب بھی کھل گئے۔ اماں جان نے صاف طور پر کہہ دیا کہ ایسی پڑھائی سے باز رہو جس سے بیچی بچی کی جان ہی چلی جائے —— شام تک جب آپا کا غصہ اتر گیا تب انہوں نے بھی یہ مان لیا کہ یہ کتاب ہے ہی فضول۔ آخر آپا نے کھیلتے ہی کھیلتے دس سال کی عمر میں اپنی ساری پڑھائی کیسے ختم کر دی تھی؟ پھر اس دن سے کبھی آپا نے کسی کو پڑھانے کی ہمت نہیں کی۔ اب بھی کسی کسی بچے کی پڑھائی پر بس ہلکی سی نظر ڈال لیتی ہیں۔

شاید آپا کے مزاج میں سب سے پہلی چیز چڑچڑاہٹ ان کے گھونگھر والے بالوں نے ہی پیدا کی ہوگی جوان کو بے حد ناپسند ہیں اور اس کے بعد دائمی دمہ کی بیماری نے رہی سہی کسر بھی پوری کر دی۔ ہم سارے بھائی بہنوں میں آپا سب سے زیادہ خلیق، ملنسار، ہنس مکھ اور ڈٹ کر محنت کرنے والی ہیں مگر کبھی اچانک ایسے ہی ہنستے بولتے آپا کو طوفانی غصہ آ جاتا ہے جیسے پہاڑی علاقوں میں یک بیک بادل اٹھتے ہیں اور بجلیاں چمکتی ہیں اور پھر

[illegible] بالکل [illegible]

مسکراہٹ سے [illegible] ہم [illegible] یہ کہہ [illegible] جاتے ہیں کہ آپا کا غصہ [illegible]

[illegible] اور آنکھیں [illegible] اس وقت [illegible] آنکھوں میں [illegible]

[illegible] مسکراہٹ [illegible] اور ان کی آوازیں [illegible] ایک [illegible] نظر آئے گا۔ وہ ایک [illegible] جاتی [illegible] گھر کر بیٹھتا ہی۔

خاندان، محلہ یا باہر جیسی بھی محفل ہوگی آپا، حد درجہ چھا کر رہ جائیں گی۔ حیثیت سے [illegible] دیہاتی ماحول سے لے کر شہر کی اعلیٰ ترین سوسائٹی تک میں آپا کی قدر و منزلت اور عزت یکساں طور پر ہوتی ہے۔ ابھی ابھی آپا اگر ایک دیہاتی کنبے [illegible] میں بڑے خلوص کے ساتھ دلچسپ باتوں میں مگن ہیں تو شام کو بہترین ڈرائنگ روم میں نفیس صوفے پر اسی دلچسپی کے ساتھ مزے دار باتوں میں مگن نظر آئیں گی۔ ان کا دائرہ اتنا وسیع ہے کہ بس [illegible] گھر میں [illegible] نظر آتے ہیں۔ گیٹ پر [illegible] کی کار رکی ہے اور ڈرائنگ روم میں سے [illegible] بے تکلف اور چہکتی ہوئی آوازیں آ رہی ہیں، پھر اچانک [illegible] کمرے میں سے آپا کی آواز آنے لگتی ہے۔ فرق بس اتنا ہی ہوتا ہے کہ آواز کی رفتار اور لہجے میں وہ پہلی سی روانی نہیں رہتی۔ دوسرے کمرے میں کئی مہمان خواتین چوکی کے فرش پر [illegible] طریقے سے بیٹھی ہوئی ہیں، چہرے پر سنجیدگی چھائی ہے، [illegible] سنبھل سنبھل کر باتیں کر رہی ہیں۔ ٹھیک اسی وقت کچھ لوگ دروازے پر آ کر ایسے [illegible] سی باتیں کرنے [illegible] جاتے ہیں اور [illegible] آپا کی اخلاقیات [illegible] ان کی ہر طرح کی امداد کا یقین دلاتی ہے۔ ڈرائنگ روم اور دوسرے کمرے کی مہمان دوستوں کی تنہائی کا خیال کیے جب آپا دروازے سے پلٹتی ہیں تو برآمدے کے پاس سے گزرتی ہوئی چند ضرورت مند عورتیں انھیں اپنی دکھیا کہانی سنانے لگتی ہیں اور آپا کبھی اسپتال اور کبھی کسی کے نام کا خط لکھ کر ان کو دینے لگتی ہیں [illegible] کے کرایے کے ساتھ گھر میں اپنی موجودہ رشتہ داروں سے [illegible] دو چار روپے [illegible] اور اس [illegible] میں اگر وقت ہوا تو ڈرائنگ روم کی مہمان بیبیاں [illegible] کمرے کے [illegible] ساری کا سیدھا آنچل اوڑھے [illegible] حیران نگاہوں سے آپا کو [illegible] ہوتی ہیں۔

آپا کی مقبولیت کی کوئی انتہا نہیں۔ ان کو گھر صاف رکھنے کا جنون ہے اور اپنے مہمانوں کے ساتھ اخلاق برتنے کے ساتھ ان کو قسم قسم کی چیزیں کھلانے کی دھن سوار رہتی ہے۔ اکثر آپا کا گھر مہمانوں کی کثرت سے ایک چڑیا خانہ نظر آتا ہے۔ کئی کئی جوڑ کھانے کھائے جاتے ہیں اور سب [illegible] کو اس بات پر حیرت ہوتی ہے کہ آپا اپنے گھر کو ربڑ کی طرح کھینچ کر نہ جانے کیسے بڑا کر لیتی ہیں اور سارے مہمان جن کی تعداد کبھی کبھی [illegible] ہو جاتی ہے رات کو اپنے اپنے بستروں پر سوتے نظر آتے ہیں۔ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ آئے گئے لوگوں سے ان کا گھر خالی رہا ہو۔ اس گھر کی حالت بالکل [illegible] روم جیسی ہے۔ ایک بستر ابھی بندھ رہا ہے کہ گیٹ پر موٹر یا ٹیکسی لگی اور کسی کا بستر اور بکس اندر آ گیا۔ پٹنہ بہار کا مرکز ہے جس کی وجہ سے [illegible] کی ضرورت لگی رہتی ہے۔ پھر بھی کچھ لوگ ایسے ہیں جو بڑے اطمینان سے کہہ دیتے ہیں کہ "ان کا خرچ ہی کیا ہے؟ [illegible] میاں بیوی اور دو چار نوکر ہوں گے" [illegible] صاحب مستقل طور پر ان کے ساتھ [illegible] بچوں کی تعداد آٹھ ہے۔ اس پر [illegible] خالہ پھوپھو کے رشتہ داروں کا [illegible] آنا۔ پھر بھی گھر اکیلا کا اکیلا ہی ہے [illegible] مہمان داری کے [illegible] آپا [illegible] گھر میں [illegible] ایک غریب کی کٹیا کی طرح ہمیشہ خالی کا خالی ہی رہا یہاں تک کہ چپل، جوتے، کپڑے [illegible] تک کے [illegible] اسی جگہ پر [illegible] جاتے ہیں [illegible] ریڈیو کے [illegible] اور [illegible] کتابوں اور افسانوں کے جتنے بھی روپے ملتے ہیں وہ سب کے سب بڑے اطمینان سے [illegible] ہیں [illegible] ۲۰ تاریخ کے [illegible] گھبرائی گھبرائی سی رہتی ہیں۔

[illegible] رہا آپا ہمیشہ اپنی زندگی کے [illegible] اس کی [illegible] کے [illegible] وقت [illegible]

سنال میں [illegible] بہت بہتر تعلق ہوتا چلا گیا ہے جو ہسپتال کی مدارستات میں کیا جاتا
ہے اور [illegible] کا حرصلہ بڑھتا ہے۔

آپا کے دل میں [illegible] کے ساتھ ساتھ طبیعت کے مطابق بڑی بات ہے۔ بالکل سچ ہے وہ کسی کو بھی تو صرف میں ساری بہت
سے بیماروں کے بہت پاس بیٹھ کر اور ان کے ساتھ وقت گزارتے رہتے ہیں۔ کچھ بعد کے زمانے میں بہت
مصروف ہیں۔ ان کی طرف سے کوشش رہتی ہے کہ ایک مدرسہ کھولا جائے اور غریبوں کے پاس پہنچا جائے۔ بعض معنوں میں آپا نے
محبت کے ساتھ [illegible] ہیں۔ کوئی بھی ہو کوئی نہ کوئی کسی کو تکلیف ہوئی اور انہوں نے محبت بھری مدد کی ہے۔ آپا ایک [illegible]
میں ان کا بہت بڑا حصہ ہے جس کے [illegible] ہیں جس کا پھل بھی پایا ہے اور آج بھی ہر طرف
محبت اور بے غرض محبت بانٹ رہی ہیں۔ اس وقت تک جب تک کہ آخر ہسپتالوں کی ایک ایک بات
دواؤں میں [illegible] جو آپا کی بے پایاں محبت بھری خدمت اور سکون عطا کرتی ہے۔ [illegible]
ہوا۔ جہاں وہ مریضوں کی تسلی کا سبب بنی وہاں دو سال پہلے جب آپا کے پیٹ کا آپریشن ہوا تھا تو چند ہی دنوں کے بعد
[illegible] آپا نے ایک مریض اپنے سارے خاندان کے ساتھ آیا اور اس نے رات کو اس کی سانس اکھڑ گئی
[illegible] والی آپا پیٹ میں [illegible] بیمار کا معاملہ پتہ چلا تو [illegible]
وہ ساری رات انہوں نے نرس کی ڈیوٹی دے کر [illegible] کر گزاری۔

آپا کی طبیعت میں بے حد سادگی ہے۔ وہ کسی بڑی مجلس میں جہاں عظیم آدمی ہوتے ہیں اپنے طبقے کی شوخی اور بیش قیمت پوشاک سے علیحدہ
سادہ کپڑوں میں شریک ہوتی ہیں۔ کسی کی امارت کبھی بھی انہیں مرعوب نہیں کر سکتی ہے اور انسانیت ان کے نزدیک ہر کسی چیز کو بہت کم
اہمیت دیتی ہیں۔

جس طرح انجمن ترقی اردو کی میٹنگوں میں ان کی شرکت ضروری سمجھی جاتی ہے ویسے ہی مارکیٹنگ میں بھی جہاں وہ شعبہ خواتین کی ایک بہت ہی خصوصی ممبر
ہیں۔ چندہ جمع کرنا اور طبیعت کے مختلف کاموں کی ذمہ داری انہی پر ہوتی ہے۔ وہاں خاندان کے لئے رشتے کی تلاش اور شادی کا انتظام بھی ان کے بغیر
نہیں ہو سکتا ہے۔ آپا کے ہاتھوں کے پکے ہوئے باقر خانی اور مرغ مسلم سے لے کر چلغوزے، چار اور مربہ تک بہترین بنے جاتے ہیں۔ اسی طرح سے
سلائیاں گھر میں ہوں کشیدہ کاری اسی تک صرف آپا ہی ہیں۔ سویٹر کے نمونے اور دوسری چیزوں کے ڈیزائن انہی کے ذریعہ ہر لڑکی تک پہنچتے ہیں۔
[illegible] کاموں میں ہم شک سے جانتے ہیں آپا بڑے سکون سے ان کاموں میں لگی رہتی ہیں یہاں تک کہ بچوں کے جمپر سے لے کر گھر کے کام تک
[illegible] باتیں اور گڑیا بنا بنا کر انہیں دیتی رہتی ہیں۔

آپا کے دل میں محبت اور خدمت کا ایک اتھاہ سمندر چھپا ہوا ہے۔ ان کی طبیعت میں بلا کی نرمی ہے۔ چڑچڑاہٹ اور ضد کے ساتھ [illegible]
بھی۔ خاندان بھر میں ان کی جیسی بے لوث محبت اور اخلاص برتنے والی شخصیت نہیں ہے۔ لیکن وہ بے حد جذباتی ہیں اور بات بات پر ان کے آنسو
ٹپک پڑتے ہیں۔ ساری مجلسوں میں جہاں لوگ ان کو رو بھی سمجھتے ہیں اور ان کی ہنسنے ہنسانے والی پر لطف اور خلوص بھری باتوں میں ان کی طرف کھنچے چلے
آتے ہیں وہاں قہقہے پر قہقہے لگانے والی آپا گھر کے اندر بھی بڑے غصے سے مزاج بھی رکھتی ہیں۔ گھر کے سارے ملازمین اور بچوں کے لئے بس اتنا ہی کہنا
کافی ہوتا ہے کہ آپا آ رہی ہیں۔ یہ تھا ان کے رعب اور ادب کے بعد بھی سارے لوگ ان پر جان دیتے ہیں۔

ادب اور شاعری سے آپا کو بہت ہی بچپن سے لگاؤ رہا ہے۔ اماں جان اور ابا جان دونوں کو ادب سے گہری دلچسپی رہی تھی اسی لئے آپا نے ہوش
سنبھالتے ہی [illegible] کی دنیا [illegible] اور تہذیب ہی کو دیکھا [illegible] تو اسی وقت انہوں نے پہلی بار شعر

[illegible] تجربات کرنے [illegible]
[illegible] اپنے مطالعہ کو بہت وسیع کر لیا ہے اور اب وہ دنیا کے بہت سے [illegible]
وقت [illegible] دنیا بھر کی تاریخ اور جغرافیہ وغیرہ [illegible] کتابیں پڑھتی رہتی ہیں لیکن ان کو اسلامی تاریخ [illegible]
[illegible] اور کوئی ایک جنرل بات [illegible] تو پھر وہ سیدھی ہم لوگوں کے پاس چلی آتی ہیں اور پھر گھنٹوں انہی باتوں پر [illegible]
[illegible] آپا کو پڑھنے کی لت اس حد تک لگی ہوئی ہے کہ ناشتہ کھانے کے وقت بھی کوئی کتاب ان کے ہاتھ میں رہے گی۔

آپا کا سب سے پہلا افسانہ "رحمت" ۱۹۳۶ء کے ادب لطیف میں چھپا تھا اور اس کو بہت پسند کیا گیا تھا۔ اسی کے بعد سے آپ نے باقاعدہ طور پر افسانہ نگاری شروع کر دی تھی۔

اب تک ان کے جتنے بھی افسانے چھپ چکے ہیں وہ سارے کردار ان کی آنکھوں کے سامنے سے گزر چکے ہیں۔ ایک آدھ افسانہ ہوگا جو [illegible] کر لکھا گیا ہے تو اس طرح کہ نہ تو قلم ہی چلتا ہے اور نہ کہانی تحریر ہوتی ہے۔ "دلہن" "آنکھ مچولی" اور "ممی جی" ان کے تینوں مجموعے اب تک نکل چکے ہیں اور ان افسانوں کے کیرکٹر بھی جیتے جاگتے اور چلتے پھرتے انسان ہیں۔ آپا کے دو افسانے "مظلوم" اور "ٹوٹی" [illegible] گئی ہے کہ ان افسانوں کے چھپنے کے بعد "مظلوم" والی بڑھیا جن جن گھروں میں جاتی تھی لوگ وہ ہی ہے اس کو دیکھ کر پہچان گئے کہ یہی مظلوم والی بڑھیا ہے اور اسی طرح سے ہسپتال میں [illegible] کا ایک ایک نشان افسانے میں اس قدر نمایاں ہے کہ اس کو پڑھ کر بے اختیار اس کو یاد کرنے لگے اور آج مرنے کے بعد بھی وہ کہیں زندہ نظر آتی ہے۔

آپا کی افسانہ نگاری کی عجیب عجیب خصوصیتیں ہیں۔ [illegible] عصمت چغتائی کی طرح کبھی مسہری یا پلنگ پر پیٹ کے بل لیٹ کر [illegible] کے سہارے لکھتی چلی جاتی ہیں۔ ایک افسانہ ختم ہوا دوسرا شروع ہوا تیسرے کی باری آئی۔ شور ہو رہا ہے، شادی کے ہنگامے ہیں، لڑکیاں جھگڑ رہی ہیں [illegible] دھما چوکڑی مچا رہے ہیں، بلا کی گرمی پڑ رہی ہے، پسینے کے قطرے ٹپک رہے ہیں مگر آپا ہر چیز سے بے خبر اسی انداز میں جھکی ہوئی لکھتی چلی جا رہی ہیں۔ گھر سارا [illegible] رہا ہے، ہم لوگوں کی سلائی ادھوری پڑی ہوئی ہے۔ ایک ہفتہ دس دن اسی جنونی کیفیت میں جب گزر جاتے ہیں تب پتہ چلتا ہے کہ آپا نے ایک ساتھ چار افسانے لکھ ڈالے ہیں اور جیسے ہی انہوں نے اپنا قلم رکھا ہمارا یہ کام شروع ہو جاتا ہے کہ ان کے لکھے ہوئے افسانے [illegible] چلے جائیں۔ افسانوں کو سنا کر ان کی پسندیدگی کے بعد آپا اطمینان کی ایک گہری سانس لے کر ان افسانوں کو اپنے فائل میں بند کر دیتی ہیں اور [illegible] بھول جاتی ہیں کہ انہوں نے کبھی افسانہ بھی لکھا تھا ــ جب مہمان داری، شادی، مارکیٹنگ، خدمت خلق اور شعبۂ نسواں سے فرصت ملتی ہے تو کبھی [illegible] ایک آدھ افسانہ صاف کر کے کہیں بھیج دیا۔ آپ نے ایک بہت ہی یادگار چیز لکھنی شروع کی تھی "مسرت اور ساحل" [illegible] ۱۹۴۶ء کی کہانی تھی۔ بہت سے حصے لکھے جا چکے ہیں۔ اس کا ایک حصہ نیا دور کے فسادات نمبر میں "ایک دن" کے نام سے نکل بھی چکا ہے۔ مگر افسوس کہ وہ [illegible] چیزیں اب کہیں شائع نہیں ہو سکتی ہیں۔ ان دنوں وہ ایک ناولٹ لکھ رہی ہیں [illegible] چھپ چکی ہیں۔ پہلا حصہ [illegible] اور آخری حصہ [illegible]

آپا کو فطرت نے بہت ہی نرم دل اور دور رس نگاہیں بخشی ہیں جس میں گرد و پیش کے لوگ آسانی سے گزر جاتے ہیں آپا [illegible] کر رہ جاتی ہیں اور ان کی نگاہوں میں وہ سب کچھ آجاتا ہے جس کو ہم نہیں دیکھ سکتے۔ اگر روزمرہ کے اتنے سارے فضول کام آپا کے سپرد نہ ہوتے تو آج وہ افسانوی دنیا پر چھا کر رہ گئی ہوتیں۔

"[illegible]" اور "گھر یا ویرانہ" آپا کے اپنے افسانے ہیں [illegible] انہوں نے جو سب [illegible] پر کہانی لکھی ہے۔ آپا بچپن سے انیمیا کی مریض ہیں۔ مگر اب خون کی کمی نے خطرناک صورت اختیار کر لی ہے۔ ڈاکٹروں نے ان کو مکمل طور پر ریسٹ کرنے کی تاکید کی ہے مگر باغ کی دیکھ بھال، [illegible] ان کی کیاریوں اور پھولوں کی دیکھ ریکھ کون کرے گا؟ اسی لئے آپا ڈاکٹروں کی ساری باتوں کو ان سنی کر کے اپنی اسی پرانی ڈگر پر چلتی چلی جا رہی ہیں۔

۴

نواہا زندہ شد در شاخساراں

مولانا محمد علی

ضیاء الدین احمد برنی

محمد علی [illegible] [illegible] [illegible] تعلیم [illegible] حاصل کی۔

محمد علی [illegible] [illegible] آئی۔ سی۔ ایس [illegible] [illegible] ہزاروں [illegible] حالت میں مر گئے۔

ولایت سے آنے کے بعد وہ [illegible] رام پور کے محکمہ تعلیم میں ملازم رہے [illegible] بڑودہ چلے گئے [illegible] بڑودہ میں [illegible] سال تک ملازمت کی [illegible] محمد علی کا شوق [illegible] ان کی درخواست پر انہوں نے ملک کی سیاسی حالت پر چند مضامین لکھے جو بعد کو کتابی صورت میں بھی شائع ہو گئے۔

بعض باتوں کی وجہ سے وہ بڑودہ کی ملازمت سے دل برداشتہ ہو گئے تھے اور استعفیٰ دے دیا۔ انہوں نے دو سال کی چھٹی لے لی اور کلکتہ چلے گئے۔ پنجاب کے لیفٹیننٹ گورنر سر مائیکل اوڈوائر ان کے دوست تھے جب انہیں معلوم ہوا کہ محمد علی خالی ہیں تو انہوں نے [illegible] کی پیشکش کی۔ اسی طرح ایک دو اور ریاستوں نے بھی انہیں اپنانے کی کوشش کی مگر محمد علی نے ان پیشکشوں کو ٹھکرا دیا اور کلکتہ سے ہفتہ وار اخبار کامریڈ نکالنے کے انتظامات میں لگ گئے۔ کامریڈ کا پہلا پرچہ ۱۴ جنوری ۱۹۱۱ء کو نکلا۔ محمد علی کی پبلک لائف صحیح معنوں میں اسی تاریخ سے شروع ہوتی ہے ۲۰ سال تک ان کی ہنگامہ خیز شخصیت دنیا کے سامنے رہی اور بالآخر ۴ جنوری ۱۹۳۱ء کو لندن میں جہاں وہ برٹش قوم کے سامنے ہندوستان کا مطالبہ پیش کرنے کے لئے گئے تھے، انتقال کر گئے۔ ان کی تمنا تھی کہ وہ غلام ملک میں نہ مریں سو یہ دعا قبول ہوئی اور انہوں نے ایک آزاد ملک میں اپنی جان جان آفریں کے سپرد کی۔

محمد علی [illegible] ذہانت کے بے شمار [illegible]
یہ کیفیت تھی کہ [illegible] شعر [illegible] زبانی سنا دیتے تھے۔ شیکسپیئر کے ڈراموں کے بیسیوں صفحے انہیں از بر تھے [illegible] ایسا بھی ہوا تھا کہ بارہا [illegible] شعر کا کلام [illegible] مشاعرہ "آمد" کی بیسیوں طویل [illegible] آج بھی انہیں یاد ہیں۔

ابتدا ہی سے وہ بہت محنتی تھے۔ سالہا سال [illegible] طلباء العلوم محنت سے پڑھا کرتے تھے۔ یہ عادت آخر وقت تک رہی [illegible] سے کم و بیش کئی ہزار کتابیں پڑھی ہوں گی۔ وہ حکومت اور کانگریس کی شائع کردہ رپورٹوں کو بھی گھنٹوں بیٹھ کر مطالعہ کیا کرتے تھے۔ رات کو دیر تک جاگنے کے عادی تھے۔ ۱۹۱۲ء میں انہوں نے لندن ٹائمز کے اشتعال انگیز مضمون "ترکوں کی پسند" کا جو دندان شکن جواب دیا تھا وہ ایک ہی نشست میں جو ۲۴ گھنٹوں پر مشتمل تھی، لکھا گیا تھا۔ اس اثنا میں انہوں نے اپنے اوپر خواب و خورد حرام کر لیا تھا۔ صرف چائے اور بسکٹ اور کافی پی پی کر وقت گزارا کرتے رہے۔ مجھے وہ سماں اب بھی اچھی طرح سے یاد ہے۔ وہ بستر پر بیٹھے بیٹھے لکھ رہے ہیں، بیسیوں کتابیں ادھر ادھر بکھری پڑی ہیں، کبھی اس سے اقتباس لیتے ہیں اور کبھی اس سے۔ یہ مضمون نہ صرف انشا پردازی کا بہترین نمونہ ہے بلکہ معلومات اور دلائل کے اعتبار سے بھی وہ اس درجہ بلند ہے کہ محقق خواہ [illegible] چکرا جاتا ہے۔ لندن کی گول میز کانفرنس کے دوران میں باوجود علالت کے وہ مطالعہ کرتے رہے۔ بیمار ہیں مگر ملک و ملت کے مسائل پر غور کر رہے ہیں، اسکیمیں تیار کر رہے ہیں، انٹرویو دے رہے ہیں، تقریریں کر رہے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ اگر ان کا حافظہ اس حد قوی نہ ہوتا تو یقیناً ان کی تقریریں اور مضمون اتنے جامع نہ ہوتے۔ یہ سب ذہانت اور محنت کے کرشمے ہیں۔

علی برادران کی باہمی محبت:

محمد علی کو اپنے بڑے بھائی (شوکت علی) سے غیر معمولی محبت تھی۔ آج کل کے لوگ اس کا اندازہ نہیں کر سکتے۔ شوکت علی ان سے بہت کام لیا کرتے تھے۔ محمد علی جو بڑا ہوتے تھے مگر انہیں احساس تھا کہ وہ چھوٹے بھائی ہیں اور اس لئے انہیں بڑے بھائی کا کہنا ماننا چاہئے۔ ایک مرتبہ انہیں "در سگ باش برادر خورد مباش۔ خواہش برادر بزرگ مباش" کی مثل بتائی گئی تو اس کے جواب میں انہوں نے کہا "میں سگ بننا پسند کروں گا، لیکن یہ کبھی پسند نہ کروں گا کہ بڑے بھائی کہلاؤں"۔ علی گڑھ میں دونوں بھائیوں کے برادرانہ تعلق کے چرچے رہا کرتے تھے۔ شوکت علی انہیں چھیڑنے یا غصہ دلانے کی غرض سے یا کبھی کبھار دوسروں کے سامنے اپنی بڑائی کی دھونس جمانے کے لئے ان سے سب کے روبرو جھڑک جھڑک کر کام لیا کرتے تھے۔ مگر وہ اطاعت اور فرمانبرداری کے جذبے کے ساتھ ان کے ہر حکم کی تعمیل کرتے تھے۔

۲۳-۱۹۲۲ء میں جب دونوں بھائی بیجاپور جیل میں محبوس تھے، اس زمانہ کا ذکر ہے کہ شوکت علی کی بعض "حرکتوں" کی وجہ سے حکومت نے ان سے یہ رعایت چھین لی تھی کہ وہ بی اماں سے مل سکیں۔ اس وقت محمد علی نے نہایت ایثار سے کام لے کر اپنے ایک خط میں (جو جیل سے لکھا گیا تھا اور میرے پاس سنسر شپ کے لئے آیا تھا) بی اماں کو یوں لکھا:

> "...... میری جنت یا تلواروں کی چھاؤں میں ہے یا آپ کے قدموں کے نیچے ہے۔ تاہم مجھے یہ قبول ہے کہ آپ کو دیکھے بغیر آپ سے ہمیشہ کے لئے اس دنیا سے رخصت ہو جاؤں۔ مگر یہ ہرگز قبول نہیں کہ میں تو آپ کے دیدار سے سعادت اندوز ہوا کروں اور شوکت کی آنکھیں اس نظارہ کو ترسا کریں۔ وہ ہر حالت میں مجھ سے کہیں زیادہ آپ کی محبت اور اس انعام کے مستحق ہیں۔"

مذکورہ بالا عبارت دنیا کے ہر ادب کے لئے باعث فخر ہو سکتی ہے اس لئے کہ اس میں نہ صرف ماں کا احترام کر نہایت خوبی سے دکھایا گیا ہے بلکہ بڑے بھائی کی عزت کرنی جس خوبصورتی سے نبھایا گیا ہے وہ آپ اپنی نظیر ہے۔

انگریزوں سے دشمنی:۔ اسے آکسفورڈ کا اثر کہئے یا کسی اور سبب پر محمول کیجئے مگر یہ حقیقت ہے کہ محمد علی شروع شروع میں [illegible]

کی جماعت اسلامی [illegible] سالار تھے تھے ہندوستان میں پہلے [illegible] سب [illegible] گول میز کانفرنس کے زمانے میں ان کی جمعیت نے [illegible] انگریزوں سے [illegible] اور انہوں نے فیصلہ کر دیا کہ اب انگریزوں کو نکال کر ہی دم لیں گے۔ گول میز کانفرنس کی تقریر میں بھی یہ جذبہ [illegible] رہا تھا۔ میرے خیال میں وہ سب سے پہلے لیڈر ہیں جنہوں نے کانفرنس میں [illegible] مطالبہ کیا کہ [illegible] چکا ہے کہ [illegible] مستقل [illegible] ہے۔ ساتھ ہی انہوں نے انگریزوں [illegible] کی گئی تھی۔

انگریزوں سے مخالفت ہو گئے تھے۔ انہوں نے ملی و قومی [illegible] سر جیمس میسٹن جو یو پی کے لیفٹیننٹ گورنر تھے۔ ان کے خصوصی دوستوں میں سے تھے مگر جب انہوں نے دیکھا کہ ان کے مشورہ کے برخلاف وہ [illegible] تو [illegible] ان کے خلاف ہو گئے۔ یہ مخالفت [illegible] جب محمد علی سے [illegible] اور دوسرے انگریز دوستوں کی مدد سے لارڈ ہارڈنگ پر [illegible] کانپور مسجد کا فیصلہ [illegible] مسلمانوں کے حق میں [illegible] محمد علی کو نظر بند [illegible] ۱۹۱۵ء سے ۱۹۱۹ء تک۔ ایک [illegible] میسٹن کی مخالفت کی [illegible] ہے۔

مقدمۂ کراچی میں وہ عدالت میں انگریز [illegible] سی آئی ڈی [illegible] کی آمد پر کھڑے نہیں ہوتے تھے۔ [illegible] محمد علی [illegible] ایک دن پوچھ لیا کہ مسٹر محمد علی [illegible] کھڑے نہیں ہوتے [illegible] کہ میں خود بخود کھڑا ہو جاتا ہوں تو محمد علی نے جواب دیا کہ آپ کو تو [illegible] بات کی [illegible] ہے؛

اس معاملے میں شوکت علی بھی محمد علی کے [illegible] تھے [illegible] ایک تقریر کرتے ہوئے انہوں نے فرمایا: [illegible] یورپ سے [illegible] بستر سمیت نکال دینے کا [illegible] وقت [illegible] ایک [illegible] انہوں نے انگریزوں کے خلاف تشدد برتنے کا ذکر کرتے ہوئے [illegible] جب کبھی انہیں قتل کرنے کا خیال کرتا ہوں تو [illegible] آنکھیں [illegible] حائل ہو جاتی ہیں [illegible] ہو جاتی ہے۔ یہ صرف مفہوم ہے۔ اصل الفاظ اس وقت میرے سامنے نہیں ہیں؛

گول میز کانفرنس:

انگریز دشمنی کے باوجود محمد علی گول میز کانفرنس میں شریک ہوئے۔ ان کی شرکت [illegible] سب سے بڑا معاملہ [illegible] تھا۔ وہ اس وقت سخت بیمار تھے اور جہاز میں اسٹریچر پر ڈال کر لے جائے گئے تھے۔ روانگی سے پیشتر جب ان سے پوچھا گیا کہ آپ لندن کیوں جا رہے ہیں تو ان کی زبان سے بے ساختہ نکلا کہ مرنے کے لیے جا رہا ہوں۔ لیکن ایک بیان میں انہوں نے فرمایا تھا کہ حکومت نے [illegible] کا جو دروازہ کھولا ہے میں اسے بند کرنا نہیں چاہتا۔ اس موقع پر کئی ایک اخبارات نے لکھا تھا کہ جب اس کانفرنس میں کانگریس شرکت نہیں کر رہی ہے تو محمد علی کو بھی شریک نہیں ہونا چاہئے۔ اردو اخبارات میں مخالفت میں نظمیں بھی لکھی گئی تھیں۔ سنجیدہ و غیر سنجیدہ دونوں۔ غلام احمد خاں آرزو (مدیر ہندوستان [illegible]) نے بھی ایک سنجیدہ نظم لکھی تھی جس کے چند اشعار درج ذیل کئے جاتے ہیں:

اللہ کا سپاہی اور گول میز پنچایت

تیرا ہے قول فیصل [illegible] — ہندوستان بھر میں جس سے مچی تھی ہلچل
گمراہ ہو گیا خود ہم کو دکھا کے مشعل — وہ ولولہ وہ جذبہ سب ہو گیا معطل

اب دستِ جنوں اس کی جانب بڑھا ہوا ہے | جو داغ مسلموں کے غیروں کی نگاہ میں ہے
اغیار کا مدد پر کیسا تلا ہوا ہے | لیکن نہ جانے تیری غیرت کو کیا ہوا ہے

آزادیٔ وطن کیا لیں گے بے غیرت کی؟ | قربانیاں دیے بن فتح و ظفر ملے گی؟
لندن کے ہوٹلوں میں کیا کچھ ملے گی؟ | جیلوں ہی میں ملے گی وہ چیز اگر ملے گی

گول میز کانفرنس میں تقریباً سارے ہندوستان کی نمائندہ جماعتیں شریک تھیں۔ محمد علی اسٹریچر پر ... تھے اور گول میز والی تقریر میں انہوں نے اس واقعہ کی طرف اشارہ بھی کیا ہے۔

مگر محمد علی ان چیزوں سے قطعی متاثر نہیں ہوئے۔ وہ جس چیز کا ارادہ کر چکے تھے وہ اٹل تھی

جب محمد علی کانگریس سے علیحدہ ہوئے اس وقت وہ سارے ہندو پریس کے غصہ کا نشانہ بن گئے تھے۔ لیکن مرنے سے چند ہفتے قبل لندن میں جب انہوں نے معرکۃ الآرا تقریر کی تو ان مخالفت کے سارے تار و پود بکھر گئے۔ ملک کے سب سے ممتاز قوم پرست اخبار ہندوستان ٹائمز نے ان کی وفات پر جو خراجِ تحسین پیش کیا اس کا آخری حصہ ملاحظہ کیجئے۔

"مولانا محمد علی کی آخری تقریر سے اس توانائی، عزم، قوت اور اسپرٹ کا اظہار ہوتا ہے جو زندگی بھر ان کا نمایاں جوہر رہا ...... اگرچہ وہ کانگریس سے الگ ہو گئے تھے لیکن انہوں نے گول میز کانفرنس میں بے خوف ہو کر جو کچھ کہا کہ ہندوستان اب غلامی کو برداشت نہیں کرے گا ... اس جملہ سے کسی باوقار کانگریسی کو اختلاف نہیں ہو سکتا۔ ان کی وفات سے دنیا ایک دلچسپ اور ممتاز شخصیت سے محروم ہو گئی ہے۔"

محمد علی کی بے باکی:-

محمد علی ہمیشہ سے بے باک تھے۔ انہوں نے کبھی نتائج و عواقب کی پروا نہیں کی۔ وہ جو کچھ کہنا چاہتے تھے برملا کہتے تھے۔ گول میز کانفرنس میں انہوں نے جو کھری کھری باتیں کہیں وہ ہندوستان کے کسی اور لیڈر نے نہیں کہیں۔ اسی طرح پہلی اسلامی موتمر میں جو حجاز میں منعقد ہوئی تھی انہوں نے بلند گرجدار آواز میں سلطان ابن سعود مرحوم کو مخاطب کر کے صاف صاف کہہ دیا تھا:

"تو اپنے آپ کو اس مقدس سرزمین کا بادشاہ 'ملک الحجاز' کہتا ہے اور کہلواتا ہے جہاں رسولِ مقبولؐ نے اپنی زندگی بسر کی تھی حالانکہ تیرے پیش رو ترکوں نے ہمیشہ اپنے آپ کو خادم الحرمین کہا اور کہلوایا۔ تو بھی ان کی تقلید میں اپنے آپ کو خادم الحرمین کہہ اور ملوکیت پر جو حضرت معاویہؓ کی سنت ہے ہرگز ہرگز نہ چل۔"

یہ باتیں ایک سر پھرا ہی کہہ سکتا ہے اور محمد علی اپنے زمانے کا سب سے بڑا سر پھرا تھا۔ اعلائے کلمۃ الحق کی اس سے بہتر مثال اور کیا ہو گی؟

شانِ مذہبیت:-

محمد علی کی مذہبیت جنون کی حد تک پہنچی ہوئی تھی۔ بالفاظ دیگر ان کا ہر کام (دشمنی و دوستی) اللہ کے لئے تھا۔ نظر بندی کے زمانہ میں جب سپرنٹنڈنٹ پولیس عبدالمجید سی آئی ڈی کے افسر مسٹر سر چارلس کلیولینڈ کے ایماء پر چھندواڑہ پہنچے تاکہ رہا کرنے سے پیشتر علی برادران سے ایک عہد نامہ پر دستخط کرائیں جس میں یہ وعدہ درج ہو کہ وہ غیر آئینی طریقوں اور تشدد سے ہمیشہ محترز رہیں گے تو محمد علی نے اس عبارت میں یہ اضافہ کیا کہ سب سے پہلے مجھ پر اللہ کی اطاعت فرض ہے اور بادشاہِ وقت سے میری وفاداری اس شرط سے مشروط ہے کہ اگر دنیاوی قوانین خدائی احکام سے ٹکرائیں گے تو اس صورت میں میں صرف اللہ کے احکام کی اطاعت کروں گا۔ حکومتِ وقت نے اسے قبول نہیں کیا اور اس لئے دونوں بھائیوں کو مزید دو سال تک قید و بند میں رہنا پڑا۔

... [illegible] سکھ [illegible] قرآن ہاتھ میں لے لیا تھا،
[illegible] دیکھئے [illegible] وجود ہے
ایک [illegible] کتاب ہے ...... ہمارے مذہب کے [illegible]
[illegible] کتاب ہے .... آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ ہمارے مذہب کا [illegible]
کا ایک [illegible] احادیث کہتے ہیں [illegible]
نہیں ہے کسی آیت کے بارے میں کوئی [illegible]
بنیاد ہے اور اس کے بارے میں [illegible]
اس کے بعد انہوں نے [illegible]
[illegible] تاریخ سمجھو گے۔

محمد علی کے لطیفے :-

[illegible] باتوں کے باوجود [illegible]
[illegible]
ایک مرتبہ [illegible] محمد علی [illegible]
[illegible] محمد علی [illegible]
[illegible] استعمال ہے [illegible]
[illegible]
[illegible] دیکھتے ہی [illegible] کہاں سے آ گیا [illegible]
حکومت ہند میں ایک زمانہ میں [illegible] بہرے تھے۔ [illegible] اخبار [illegible] میں محمد علی نے لکھا
[illegible] کون کہتا ہے کہ اسمبلی میں گونگے بہرے نہیں ہوتے۔ [illegible] نہیں سنا؟ [illegible]
[illegible] ٹائمز میں بھی نقل ہوا تھا۔

انہی دنوں اینگلو انڈین اخبارات و بار [illegible] میں مہاراجہ بڑودہ کے طرز عمل پر نکتہ چینی کر رہے تھے۔ اس زمانہ میں بڑودہ کا ریذیڈنٹ [illegible] تھا جس کا [illegible] تھا۔ اس نے مہاراجہ کے خلاف زہر چکانی میں نمایاں حصہ لیا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ مہاراجہ کو بادشاہ کی شان میں بے ادبی کرنے کی بنا پر سخت سزا ملے۔ اینگلو انڈین اخبارات اور ریذیڈنٹ کی مہم کے جواب میں محمد علی نے اپنے سابق آقا کی حمایت میں کامریڈ میں COB [illegible] کی سازشوں کی دھجیاں بکھیر کر رکھ دی تھیں۔ COBWEB [illegible] AND HIS COBWEBS کے عنوان سے کئی ایک مضامین لکھے جن میں [illegible] کے جالے تار عنکبوت [illegible] ہیں۔ اس میں یہ رعایت رکھی گئی ہے کہ کوب کے [illegible] تار عنکبوت سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے۔ محمد علی [illegible] تھے لیکن سلسلہ مضامین شروع کرنے سے پیشتر انہوں نے استعفیٰ دے دیا تھا تاکہ یہ نہ کہا جائے کہ وہ مہاراجہ کے ملازم ہیں۔

محمد علی سیاسیات میں "نو چینجر" تھے یعنی وہ نہیں چاہتے تھے کہ ہندوستانی نمائندے اسمبلیوں میں جائیں اور تضیع اوقات کریں۔ برخلاف اس کے ایک طبقہ ایسا تھا جو اسمبلیوں میں رہ کر تخریبی مہم جاری رکھنا چاہتا تھا۔ انہی دنوں کا قصہ ہے کہ محمد علی اسمبلی کا تماشا دیکھنے کے لئے پریس گیلری میں جا کر بیٹھ گئے۔ پنڈت شام لال نہرو نے انہیں دیکھتے ہی کہا "مسٹر محمد علی! جب آپ یہاں تک تشریف لے آئے ہیں تو پھر نیچے آ جائیے" محمد علی نے

[illegible] جواب دیا "میں اپنی انہی عادات کی بنا پر ملک کے حق میں ہوں ـــــ میرا [illegible] ہے
I HAVE COME HERE TO LOOK DOWN.

"ہمدرد" کے آخری دور میں محمد علی کو ایک آرٹسٹ کی ضرورت تھی۔ چنانچہ عبدالسمیع خان جو بورڈنگ ہاؤس کے ایک طالب علم کی حیثیت سے قیام پذیر تھے، اس سلسلہ میں ان سے ملنے کے لئے گئے۔ محمد علی نے پوچھا کہ کہاں کے رہنے والے ہو؟ سمیع صاحب نے کہا کہ میں پور کا رہنے والا ہوں۔ محمد علی نے حیرت سے پوچھا کہ کیا سی۔ پی میں بھی آرٹسٹ ہوتے ہیں؟ سمیع صاحب نے برجستہ کہا: "آرٹسٹوں کو کھیت سے نہیں میں موتی پیدا ہوتے ہیں"۔ محمد علی پھڑک گئے اور اس قدر خوش ہوئے کہ انہیں فوراً رکھ لیا۔ محمد علی ہر اس جملے کو ضمیر اس کے بعد کو جب ہم سے ملنے کا تعارف کراتے تو کہتے کہ یہ سی پی کے موتی ہیں۔

محمد علی جب جانے لگے تو [illegible] سمیع صاحب کو بھی ساتھ لے جاتے تھے تاکہ وہ مختلف لیڈروں کی نشست و برخاست کے انداز کو اسکیچ بنائیں۔ یہ اسکیچ اخبار میں [illegible]۔ ان اسکیچوں کی سرخیاں محمد علی اپنے ہاتھ سے لکھتے تھے جو بہت برمحل اور معنی خیز ہوا کرتی تھیں۔ ایک بار ان دنوں بنگالی مسلمانوں کے مانند ہ۔ تھے۔ ان کے اسکیچ کے نیچے محمد علی نے لکھا: "THE WIT AND WISDOM OF BENGAL" یعنی بنگال کی نکتہ سنجی اور دانشمندی۔ ان صاحب کی تقریریں بہت دلچسپ ہوتی تھیں اور دوران تقریر وہ بے ساختہ مزاح کے پہلوؤں کو چھیڑ دیتے تھے۔ سرفریڈرک وائٹ کے اسکیچ کے نیچے انہوں نے نام کی رعایت سے لکھا: "WHITE MAN'S BURDEN" اس لئے کہ انگریز سیاسی حکمران کہا کرتے تھے کہ خدا نے برطانیہ ہندوستان کی حکومت کا بار ہمارے کندھوں پر رکھا ہے اور وہ ترقی کے لئے اس دلیل کو اپنے قیام کے جواز میں پیش کرتے تھے۔ انگریز (WHITE MEN) اس حکومت کو خدائی امانت سے ہی تعبیر کرنے کے عادی تھے۔ محمد علی نے ایک اسکیچ کے نیچے انہوں نے لکھا "THE BOMBAY DUCK NESTING" اس پر جان کے ماس کی عرفیت اتنا ہے اس بارے میں غیر معمولی طور پر محتاط رہا کرتے تھے۔ ڈک جنس کو کہتے ہیں جو سفید براق پروں کا پرندہ ہے۔ جان نے سفید براق بال کو بھی ترجیح دی تھی۔ اس بیارک کی معنویت کس قدر برمحل ہے۔

محمد علی کی مخالفتیں:۔

دارالسلطنت کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ محمد علی بھی کلکتہ سے دہلی آ گئے۔ کلکتہ سے "کامریڈ" کا آخری پرچہ ۴ ستمبر ۱۹۱۲ء کو نکلا تھا اور دہلی سے اس اخبار کا پہلا پرچہ تقریباً ایک مہینے کے بعد ۱۲ اکتوبر ۱۹۱۲ء کو شائع ہوا۔ محمد علی کے آتے ہی دہلی کے روایتی لیڈروں نے محسوس کر لیا کہ ایک نیا ستارہ افق دہلی پر طلوع ہوا ہے اور یہ کہ اب ان سب کی لیڈری ماند پڑ جائے گی۔ ان کی آمد سے پہلے خان بہادروں اور رائے بہادروں نے لیڈری پر قبضہ کر رکھا تھا مگر ان کے آتے ہی یہ بت گر کر پاش پاش ہو گئے۔ انہوں نے چیف کمشنر اور ڈپٹی کمشنر کے خوب ہی کان بھرے کہ اسے دام پر کرسیاں سے خارج اور ابلہ کر دینا چاہئے مگر ان کی کوششیں ناکام رہیں۔ محمد علی نے آتے ہی دو معرکے سر کئے۔ ایک تو انہوں نے قصاب ہاؤس زبردست ہڑتال کو مشن خوبی سے نمٹایا۔ دوسرے انہوں نے جامع مسجد والوں سے ٹکر لی اور زبردست اور مسلسل جہاد کر کے انہیں مجبور کر دیا کہ نمازیوں کی آسائش کی خاطر مسجد میں قناتیں اور شامیانے لگائیں۔ محمد علی کا مطالبہ عوام کا مطالبہ تھا اور اس لئے جامع مسجد کمیٹی کے ممبروں کا دل بیٹھ گیا اور انہوں نے مطالبہ کے سامنے ہزیمت خوردگی کے جذبہ کے ساتھ سر تسلیم خم کر دیا۔ محمد علی نے ایک بدعت یہ کی کہ آتے ہی جامع مسجد کو اپنی تقریروں کا خطیب خانہ بنا لیا۔ ان کی آمد سے پہلے یہاں صرف مذہبی تقریریں کی جاتی تھیں۔ خود بھی مسجد کی ماتحتی کے وقت منجملہ دیگر شرائط کے یہ شرط عائد کر دی گئی تھی کہ اس پر سیاسی تقریریں ہرگز نہ کی جائیں گی مگر محمد علی نے اس شرط کی مطلق پرواہ نہ کی اور بار بار تقریریں کرتے رہے۔ اس کی وجہ سے ان کے مخالفین کو ایک اور موقع مل گیا کہ وہ حکام کو اکسائیں کہ وہ محمد علی کو جامع مسجد میں سیاسی پرچار کرنے سے روکیں۔ مگر اس دفعہ بھی حکام کچھ نہ کر سکے۔ محمد علی کی دہلی میں

[illegible] بہت [illegible] کہ [illegible] دہلی سے [illegible] ہیں۔ [illegible] تو [illegible] تقریباً [illegible]
[illegible] اخبار [illegible] کے [illegible] اس [illegible] باقی [illegible] کرتے ہوئے [illegible] سے بچے [illegible] سب
[illegible] ہیں [illegible] آج بھی [illegible] کے سامنے ہے۔

بعد کو بہت سے [illegible] کی وجہ سے ہندوستان کے لیڈر [illegible] گئے۔ مثلاً [illegible] جنگ [illegible]
[illegible] خلافت [illegible] استعفیٰ [illegible] کے [illegible] پنجاب کے لیڈر
[illegible] اور [illegible] محمد علی [illegible] سب [illegible] تو [illegible]
[illegible] کے بعد [illegible] سے مخالف ہو گئے [illegible] مخالفت [illegible]
[illegible] تقریباً سب [illegible] گئے تھے۔

محمد علی کا ایک معرکہ [illegible] سے ہوا [illegible] جاری رہے [illegible]
[illegible] ذکر کروں گا۔ اس جنگ میں [illegible] محمد علی [illegible]
[illegible] کو [illegible] اور [illegible] محمد علی نے [illegible]
[illegible] کرنے سے مخالفت [illegible] محمد علی [illegible] میں لکھتے تھے [illegible]
[illegible] مضامین لکھنے شروع ہو جاتے تھے [illegible] محمد علی [illegible] مخالفت [illegible]
[illegible] میں [illegible] محمد علی [illegible] کے خلاف
[illegible] تھا۔

مضامین محمد علی میں ڈاکٹر اقبال کے خلاف چند مضامین ملتے ہیں [illegible] لکھے گئے تھے [illegible] اپنے [illegible] کونسل میں
[illegible] میں کہیں یہ کہہ دیا تھا کہ انہیں ہندوستانیوں پر اعتبار نہیں ہے اور اس لئے [illegible] انگریزوں کو زیادہ سے زیادہ تعداد میں تقرر
کیا جائے۔ محمد علی بگڑ گئے اور انہوں نے ان کی نظموں کے طویل اقتباسات پیش کر کے پوچھا کہ اقبال [illegible] تفاوت کیوں ہے؟
محمد علی کا انداز تحریر نہایت [illegible] ہے اور پڑھتے وقت یہ معلوم ہوتا ہے کہ مخالفت کے باوجود وہ ڈاکٹر اقبال کے [illegible] ہاتھ سے جانے
دینا نہیں چاہتے۔ اقبال بھی محمد علی کا غیر معمولی احترام کرتے تھے۔ "اسیری" اور "وفات" پر اقبال نے [illegible] نظمیں لکھی ہیں وہ [illegible] بیانی ہیں کہ
اقبال کو محمد علی کا کس قدر احترام منظور تھا۔

سر سید کے بعد غالباً محمد علی ایسے لیڈر تھے جنہیں سب سے زیادہ گالیاں دی گئیں [illegible]
گالیاں کھا کے بے مزا نہ ہوئے

پُر آشوب دور:۔

یہ حقیقت ہے کہ محمد علی نے بڑا پُر آشوب دور پایا تھا۔ جنگِ طرابلس، جنگِ بلقان اور پہلی جنگِ عظیم ان کے زمانہ میں ہوئیں۔ اس سے
قبل روسیوں اور انگریزوں کے ہاتھوں ایران کا گلا گھونٹنے کی کوششیں کی جا رہی تھیں۔ مصر انگریزوں کی غلامی میں تھا۔ طرابلس پر اٹلی نے اٹلی
کا غاصبانہ قبضہ تسلیم کیا تھا۔ افریقہ کی دیگر شمالی ریاستیں فرانس کے پنجۂ استبداد میں تھیں۔ الغرض سارا دنیائے اسلام ایسی ہیجانی کیفیت میں تھی
کہ اس کی مثال تاریخِ عالم میں نہیں ملتی۔ تھریس میں بلقانی ریاستیں ترکوں پر بے پناہ مظالم ڈھا رہی تھیں۔ محمد علی کو ایک ایک کا فکر تھا اور انہوں نے
چندہ کر کے طبی مشن روانہ کر کے، ترکوں کی حمایت میں جذبِ خلافت پیدا کر کے عالمِ اسلام کے مصائب کو ہلکا کرنے کی امکانی کوشش کی۔ ہندوستان کا

تشدد کی جدوجہد اس پر مستزاد تھی۔ ایک جان تھی جو دنیائے اسلام کے غم میں اضطراب کر رہی تھی مگر سارے ہندوستان میں اور دنیا میں تنہا جان نے محمد علی سے کیا کیا کام لیے۔

ذاتی خصوصیات:۔

پہلی جنگ بلقان میں جو دول عظمیٰ کی سازش کا نتیجہ تھی، ترکوں کی پے درپے ہزیمتوں نے محمد علی کے دل پر بہت چرکے لگائے تھے۔ دوسری جنگ بلقان میں جو لوٹ مار کی تقسیم پر بلقانی اتحادیوں میں برپا ہوئی تھی جب غازی انور پاشا نے دول عظمیٰ کے احتجاج کے باوجود ایڈریانوپل پر جو بلغاریہ کے قبضہ میں تھا قبضہ کر لیا تو جتنی خوشی محمد علی کو ہوئی اتنی کسی اور کو نہ ہوئی ہوگی۔ ایڈریانوپل کے قبضہ کا تار رات کو آیا تھا اور وہ سارے مسلمانوں کو اس مسرت میں شریک کرنے کے لئے سیدھے جامع مسجد پہنچے اور دھواں دھار تقریر کی جس میں ترکوں کو اس کامیابی پر مبارکباد دی گئی تھی اور دول عظمیٰ کی سازشوں کو بے نقاب کیا گیا تھا۔ یہ خبر دوسرے دن اخباروں میں نکلی تھی لیکن محمد علی نے انتظار نہیں کیا اور راتوں رات سارے شہر دہلی میں یہ دل خوش کن خبر پہنچا دی۔ وہ رات بھی کیا ہیجانی رات تھی۔

جب مولانا شوکت علی پہلی جنگ بلقان کے بعد ... اس پر شدید گفتگو ہوئی تحقیقات میں بہت کچھ سبب وقتی سے کام لیا۔ جیسا احسان الحق جو محمد علی اور خواجہ حسن نظامی دونوں کے دوست ہیں، سیدھے محمد علی کے پاس پہنچے اور انہیں صورت حالات سے واقف کیا۔ یہ وہ زمانہ ہے جبکہ خواجہ صاحب اور محمد علی میں قلمی جنگ ہو رہی تھی لیکن ذاتی تعصبات کو بالائے طاق رکھ کر انہوں نے دہلی کے ڈپٹی کمشنر بیڈن سے ٹیلیفون پر ایک گھنٹہ تک گفتگو کی اور انہیں معاملہ کے نشیب و فراز سے آگاہ کیا اور زور دیا کہ اس قتل کی پوری پوری تحقیقات کی جائے اور مجرموں کو قرار واقعی سزا دی جائے۔ محمد علی کے کیرکٹر کی اس بلندی کا ذکر آج بھی بھیا احسان بڑے فخر سے کیا کرتے ہیں۔

محمد علی ذیابیطس کے مرض میں مبتلا رہتے تھے۔ مرض کا مستقل علاج اس لئے نہیں ہو سکا کہ وہ پرہیز کے پابند نہ ہو سکے۔ ہر چیز کے شائق ہو گئے تھے۔ وہ آم کے عاشق تھے لیکن کسی طرح آموں کو چھوڑنے پر رضا مند نہ تھے۔ ایک دن خود بھی آم کھا رہے تھے اور دوسروں کو بھی کھلا رہے تھے کہ دوران گفتگو میں میرے ایک سوال کے جواب میں فرمایا: "خواہ جان چلی جائے مگر میں آم کسی حالت میں نہیں چھوڑوں گا۔" بعد کو ڈاکٹروں کے زور دینے سے ایک آم یومیہ پر قناعت کر لی تھی لیکن وہ ایک آم سائز میں کئی آموں کے برابر ہوا کرتا تھا۔

لباس کے معاملہ میں یہ کہنا ہے کہ ابتدائی دور میں وہ دوسرے محمد علی جناح تھے۔ آخر میں جب انہوں نے اپنی وضع قطع بدل لی اور ڈھیلا ڈھالا کرتا پہننا شروع کر دیا اس وقت بھی وہ اچھی قسم کا کھدر استعمال کرتے تھے۔ مدت تک محمد علی کوٹ پتلون میں ملبوس رہے۔ ان کے شباب کی فوٹو آپ کو اسی سوٹ بوٹ میں ملیں گے۔ وہ انگرکھا اور چوڑی دار پاجامہ بھی زیب تن کرتے تھے۔ ٹوپی سفید رنگ کی بالوں والی استعمال کرتے تھے۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ان کی ٹوپی میلی ہو گئی۔ جبل پور کے ایک خلافتی کارکن تھے جن کا نام اس وقت میرے ذہن سے اتر گیا ہے۔ وہ اس وقت لمبے بالوں کی نئی ٹوپی پہنے پاس ہی بیٹھے تھے۔ محمد علی نے اپنی ٹوپی اتار کر ان کے سر پر رکھ دی اور ان کی ٹوپی خود پہن لی۔ خلافتی کارکن اس عزت افزائی پر بے حد خوش تھے مگر اردگرد کے لوگ ہنس دئے اور بات آئی گئی ہو گئی۔ یہ حقیقت ہے کہ جو لباس بھی وہ زیب تن کرتے تھے وہ ان پر خوب سجتا تھا۔ تنگ مشن میں وہ فوجی لباس میں نظر آتے ہیں۔ اپنے ڈیل ڈول سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کہیں کے کرنل بیٹھے ہیں۔ یہ فوجی لباس بھی انہیں خوب زیب دیتا تھا۔

غالباً ۱۹۱۳ء یا ۱۹۱۴ء کا واقعہ ہے کہ تار گھر کا ہرکارہ ایک ضروری تار بہت تاخیر سے لایا اور جب اس سے پوچھا گیا تو خاطر خواہ جواب دینے کی بجائے اس نے اترانا شروع کر دیا۔ اس پر محمد علی نے آؤ دیکھا نہ تاؤ اسے خوب پیٹا اور پھر خود ہی تار گھر والوں کو ٹیلیفون پر اطلاع بھی کر دی۔ پوسٹ ماسٹر صاحب نے کہا کہ تار بہت دیر پہلے بھیجا گیا تھا، اس نے یقیناً راستہ میں وقت ضائع کیا ہوگا۔ پھر اس نے تار کے دیر سے پہنچنے کی معذرت چاہی اور کہا کہ آپ نے اچھا کیا کہ اسے سزا دے دی۔

ایک مدت تک وہ ہندوستان کے اخبار "خلافت" کے ایڈیٹر رہے مولانا محمد علی [illegible] کہ انہوں نے [illegible] اپنے یہاں رکھ لیا۔ [illegible] اس وقت انہیں [illegible] [illegible] قبول نہ کروں گا۔ اس کے بعد سے [illegible] تعلق اخبار "خلافت" کی [illegible] [illegible] ہو گیا۔ [illegible] بعد میں [illegible] محمد علی کی [illegible] مدیر کی حیثیت رکھتے تھے۔

اپنی زندگی میں انہوں نے بہت سوں کو [illegible] [illegible] دوست [illegible] [illegible] تعلقات [illegible] دوستانہ تھے۔

جب کبھی انہیں [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] نواب عبداللہ خاں [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

محمد علی ہر اعتبار سے [illegible] تھے۔ ان کے [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

وہ دوستوں کے جان نثار دوست تھے اور [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] محمد علی [illegible] خان، عبدالماجد دریا بادی، [illegible] پروفیسر [illegible] ڈاکٹر [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] محمد علی سے ہمیشہ [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] جو دوست [illegible] [illegible] [illegible] سید عبداللہ بریلوی ایڈیٹر بمبئی کرانیکل بھی اختلافات کے باوجود ان کے بدستور دوست اور مداح رہے۔

محمد علی کے ایک دوست نے جب ان سے غداری کی، اور گورنمنٹ کا [illegible] [illegible] جاسوسی کی طرف [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] محمد علی نے ان کا قصور دل سے معاف کر دیا [illegible] سے کبھی [illegible] نہیں۔ کہا کرتے تھے کہ میں معاف کر سکتا ہوں مگر بھول نہیں سکتا۔ یہ عین بشریت ہے۔

ایک دفعہ محمد علی نے مولانا شبلی کی دعوت کی۔ [illegible] کا زمانہ ابھی ختم ہوا تھا۔ اس دعوت میں راقم الحروف کے علاوہ اور بہت سے دوست شریک تھے جن میں پشاور کالج کے پروفیسر محمد شفیع بھی تھے۔ دعوت کے اختتام پر مولانا شبلی نے واقعہ کانپور پر اپنی رباعیات اور نظمیں سنائیں اور پھر ایک تقریر میں محمد علی کی خدمات کو سراہا اور انہیں خراج تحسین ادا کیا۔ اس کے بعد انہوں نے فرمایا کہ آپ جس کسی شخص کے نام میں محمد اور علی کا اجتماع دیکھیں تو سمجھ جائیے کہ وہ لازمی طور پر زمانہ کا بہت بڑا آدمی ہے، اور اس سلسلہ میں تاریخ اسلام سے اپنے دعوے کے ثبوت میں بہت سے نام پیش کئے۔ محمد علی سر جھکائے اپنی تعریف سنا کئے اور پھر یکایک بول اٹھے "سوائے محمد علی خاں رئیس رام پور کا بھی تو ذکر کیجئے" مولانا شبلی نے فوراً فرمایا کہ "یہ کلیہ کی استثنا ہے۔" اس پر زور کا قہقہہ پڑا[1]

بہرحال محمد علی کی شخصیت عجیب و غریب تھی۔ وہ بیک وقت لیڈر، افسانہ نگار، شاعر، صحافی، مقرر، مورخ اور زبردست انشاپرداز تھے

---

[1] چند ہمعصر از مولوی عبدالحق (بہ تغیر الفاظ)،

"کمرے میں کئی ... موجود ہیں۔ انہیں پڑھتے اور ان کی تحریرات پڑھتے۔ اگر یہ بات ہماری سمجھ میں آ جاتی ... سے ... ہوتے اور ... کے ... پڑھتے تھے۔

یہاں یہ ... کے بعد محمد علی کی جو کتابیں میرے پاس آخری بار ... دیکھنے کے لئے آئیں ان میں دیوان غالب کا ایک نسخہ بھی ۔ محمد علی کی عادت تھی کہ وہ پڑھتے وقت اچھے اچھے شعروں پر ایک 'صاد' یعنی نشانات وغیرہ لگا دیا کرتے تھے۔ جو نسخہ مجھے ملا ہے اس کے بارے میں ... رہا وہ نظامی پریس کا مطبوعہ تھا۔ بعض بعض جگہ وہ ریمارک بھی لکھ دیتے تھے جو بہت پرلطف اور ادبی ہوا کرتے تھے۔ ایک دو نمونے درج ذیل کی جاتی ہیں۔

غالب کا ذیل کا قطعہ ملاحظہ ہو:

نہ پوچھ اس کی حقیقت حضور والا نے　　مجھے جو بھیجی ہے بیسن کی روغنی روٹی
نہ کھاتے گیہوں نکلتے نہ خلد سے باہر　　جو کھاتے حضرت آدم یہ بیسنی روٹی

نظامی پریس والے ایڈیشن میں اس قطعہ پر جو شرح درج ہے اس پر محمد علی نے ذیل کے دلچسپ انداز میں نکتہ چینی کی تھی۔ فرماتے ہیں:

"اس لطیفہ کے آخری حصہ کا ستیاناس کر دیا۔ حکم ہوا کہ اسے چھنا تیری خیر اسی میں ہے کہ ہمارے سامنے سے دور ہو جا ورنہ کچا چبا جائیں گے۔ سب سے زیادہ پرلطف نہ دلا ہوا ہوتا ہے نہ پسا ہوا، نہ چھنا ہوا، نہ پکا ہوا بلکہ کچا پرانٹھ"

اسی طرح غالب کے اس غیر مطبوعہ شعر پر جو نظامی والے ایڈیشن میں درج ہے:

چند تصویر بتاں چند حسینوں کے خطوط
بعد مرنے کے مرے گھر سے یہ ساماں نکلا

محمد علی نے ذیل کی عبارت تحریر فرمائی تھی:

"تیور تو کچھ اور ہی کہہ رہے ہیں۔ مرزا ایسے ہرجائی نہ تھے کہ چند بتوں اور حسینوں کی یادگاریں ان کا ترکہ ہوتیں۔ مگر ممکن ہے کہ شعر مرزا ہی کا ہے۔ بہرحال کچھ اچھا شعر نہیں ہے۔"

افسوس ہے کہ غالب کا یہ ایڈیشن جامعہ ملیہ لائبریری میں محفوظ نہیں رہا۔

بہرحال امید نہیں کہ آئندہ محمد علی جیسا کوئی اور سر پھرا لیڈر ہندو پاکستان کی سرزمین سے اٹھے۔ خدا ان کی تربت پر اپنے انوار کی بارش نازل کرے

مولانا حسین احمد مدنی

رشید الوحیدی

مولانا حسین احمد مدنی ۱۲۹۶ھ ہجری میں یوپی کے ایک چھوٹے سے قصبے بانگرمئو ضلع اناؤ میں پیدا ہوئے جہاں ان کے والد مرحوم مولانا حبیب اللہ جب ایک اسکول میں مدرس تھے ابھی مولانا کی عمر بہت ہی تھوڑی تھی کہ ان کے والد بانگرمئو سے ٹانڈہ ضلع فیض آباد واپس آگئے مولانا مدنی نے ابتدائی پرورش اسی قصبے میں مکمل کی یہاں ان کے والد بانگرمئو کے مڈل اسکول میں ہیڈ ماسٹر تھے اس طرح آپ کی تعلیم کا آغاز یہیں سے ہوتا ہے۔ ابتدائی تعلیم حسب دستور گھر ہی پر شروع ہوئی اس سلسلے میں کسی چھان بین کی ضرورت نہیں مولانا خود اپنی سوانح عمری "نقش حیات" میں تحریر فرماتے ہیں:

"میرے والد مرحوم کو بچوں کی تعلیم و تربیت کا بہت خیال تھا ہر بچے کو چار برس کی عمر میں پڑھنے بٹھا دیتے تھے اور ان کی کوتاہی پر خاص طور پر لحاظ سخت کر دیتے تھے۔" اس طرح مولانا کو آزادی کے ساتھ کھیلنے کا صرف ۴ برس بچپن کا حصہ نصیب ہوا آگے تحریر فرماتے ہیں۔ "جب میں ۴ برس کا ہوا تو میں والدہ مرحومہ کے پاس قاعدہ بغدادی اور سیپارہ پڑھنا شروع کر دیا۔ صبح سات سے ۹ بجے تک تو گھر میں پڑھتا تھا اس کے بعد کھانا کھا کر والد مرحوم کے ساتھ اسکول چلا جاتا۔ آپ کے والد مرحوم بچوں کی تربیت کے خیال سے بچوں کو زیادہ تر باہر کے لڑکوں کے ساتھ کھیلنے کو منع کرتے تھے۔ چنانچہ مولانا اگر کبھی موقع مل جاتا تو اپنے ایک ماموں زاد بھائی کے یہاں جو ان کے گھر کے قریب رہتے تھے چلے جاتے اور گھر میں چھپ کر کھیلتے۔ اگر کبھی شامتِ اعمال سے اس کی اطلاع والد کو ہو جاتی تو خاصی مرمت ہو جاتی۔ اس طرح ماں باپ کے زیر تربیت اور سایۂ عاطفت میں آٹھ برس کی عمر تک وطن ہی میں قرآن شریف (ناظرہ) اور فارسی کی چند کتابیں مثلاً آمدنامہ، دستور الصبیان، گلستاں وغیرہ پڑھ لیں اور اسکول میں ساتویں درجے تک پڑھ لیا تھا اس زمانے کی تعلیم کا معیار نیز فنون کی کثرت کی وجہ سے اس درجے میں اکثر اقسام ریاضی حساب اقلیدس تاریخ عمومی تاریخ خصوصی مساحت عملی تحریر۔ املا۔ خط شکستہ، اردو کورس وغیرہ شامل تھے نیز ان تمام فنون میں مولانا نے اپنی ذہنی جبلت اور والد مرحوم کی تربیت سے بہت اچھی مہارت حاصل کر لی تھی۔ مولانا ابھی تیرہ سال کے ہوئے تھے کہ ان کے (.......) والد مرحوم نے ہو کر مذہبی اور دیندار آدمی تھے، مذہبی تعلیم کے لئے انہیں دارالعلوم دیوبند بھیج دیا جہاں انہوں نے رات دن کی محنت شاقہ سے اساتذہ

کی توجہ اور شفقت کا رخ اپنی طرف پھیر لیا۔ دیوبند میں غربت اور تنگی ناکافی کی سخت گرانی سے ہمیشہ پریشان رہے تاہم یہ ایک مدت خداوندی تھا۔ حسب قاعدہ دیوبند کے اہل شہر طلباء دارالعلوم کی علا کے خیال سے اپنے گھروں سے کھانا کھلایا کرتے تھے حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب نے جو کہ مردم شناسی کا جوہر رکھتے تھے۔ انہیں اپنے دامن میں پناہ دی اور ان کا کھانا اپنے گھر سے کر دیا تھا۔ ... سے صبح و شام مولانا کھانا اپنے شہر تشریف لے جاتے اس بے نیاز اور سچے طالب علم کی ضروریات بہت محدود تھیں صرف چند کتابیں چند سے کپڑے اور مٹی کا پیالہ جس میں مولانا آپ اور اپنے بڑے بھائی کا کھانا لاتے تھے ان کا ملبوس سامان تھا۔ ایک مرتبہ کسی طرح سے کھانا لاتے وقت ٹوٹ گیا آپ وہیں کھڑے ہو کر رونے لگے۔ حضرت شیخ الہند کے والد محترم ادھر سے گزرے رونے کا سبب پوچھا تو آپ نے کہا کہ ایک ہی پیالہ تھا وہ ٹوٹ گیا اب کس کس چیز میں لاؤں اور اگر مدرسے واپس جاتا ہوں تو بھائی ماریں گے۔ انہوں نے تسلی دی اور دوسرا پیالہ خرید کر دیا تو یہ نازک مرحلہ طے پایا۔ آپ کی محنت کا یہ عالم تھا کہ ہفتے میں ۲ دن شب و روز کتابوں میں لگے رہتے۔ ہفتہ ... دن پورا دن رات سو کر گزارتے حتیٰ کہ کھانے تک کا ہوش نہ رہتا صرف پانچوں وقت نماز پڑھنے کے لئے اٹھتے ... شاید تحائف بہت ... تھا نیند وہ تر نیند سے بچنے کے لئے تکلیں سادی چہ ... استعمال فرماتے تھے آپ کے تنفیک کتاب۔ درس گاہ۔ استاد کا ادب ... سچے علم کے حصول کے لئے ضروری تھی۔ اس سلسلے میں ایک واقعہ عبرت اور دلچسپی سے خالی نہ ہوگا ایک مرتبہ شہر میں بھنگیوں نے ہڑتال کر دی ... شہر میں پریشانی کا عالم تھا ... سختی کی ... پاخانے کی سڑاند اور بدبو بس ... کم نہ تھی شیخ الہند نے مولانا سے ... بلاوجہ کئی دن سے صفائی نہیں ہوئی ہے ابھی شاید ان کو بھنگیوں کی اس تحریک کا علم نہ تھا۔ مولانا صورت حال سے واقف تھے فوراً تعمیل ... گئے اور واپس آ کر گھر کے چپکے چپکے تمام گندگی صاف کر ڈالی حتی کہ ... بعد کو نالی تک بالکل صاف کر دی بہت دنوں تک شیخ الہند ... اس واقعہ کی اطلاع نہ ہو سکی ۱۳۱۶ھ میں مولانا کے والد محترم ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے گئے وہاں پہنچ ... کرنا پڑا وہ مولانا کی کتاب نقش حیات میں بالتفصیل درج ہے بہرحال ذرائع آمدنی کا فقدان اور خرچ کی ضرورت سے مجبور ہو کر ... دوکان کھولی مگر اس کی آمدنی زیادہ تر مکان اور دوکان کے کرائے پر صرف ہوتی۔ آخر مجبور ہو کر جیب پر کتابت شروع کر دی اور ... کے مطابق درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھنا بھی از حد ضروری تھا۔ چنانچہ حرم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں درس حدیث کا سلسلہ شروع کر دیا ... گھر کی ضرورت کے لئے مشک بھر کر پانی لاتے۔ دن بھر دوسری جگہ مصروفیات کے علاوہ درس دیتے تھے بعض وقت عسرت کا یہ عالم ... پاؤ موٹھ کی دال ایک ہانڈی بھر کر پانی میں نمک ڈال کر ابال لیا اور تھوڑا تھوڑا سب نے مل کر پی لیا اللہ کا شکر ادا کر کے اپنے اپنے ... ہو گئے۔ کبھی تربوز کے چھلکے ملا کر نمک ملا کر کھائے اور کبھی سبزی منڈی سے گری پڑی سبزی کو دھو کر ابال کر اس سے تار نفس کے قیام کا سہارا ڈھونڈا۔ ایسا بھی ہوا ہے کہ پیٹ پر پتھر باندھ کر حرم شریف میں درس دینے کے لئے تشریف لے گئے اس طرح مولانا گوناگوں تکلیفوں اور صعوبتوں سے گزرے اور امتحان میں پورے اترے۔ آخر جب اہل مدینہ سے متجاوز ہو کر حلقہ درس ترک و بخارا سمرقند قازان قزاق ترکستان مصر اور کابل کے طلبہ تک پہنچا تو مولانا نے خدا کے بھروسے پر کسب معاش کے اور ذریعوں کو ترک فرما دیا اور یکسو ہو کر درس حدیث میں منہمک مصروف ہو گئے۔ پھر ۱۹... ء میں حضرت شیخ الہند کے ساتھ گرفتار ... ہوئے اور مالٹا بھیج دیئے گئے۔ شیخ الہند کی تحریک آزادی جو عام طور سے ریشمی خطوط کی تحریک سے مشہور ہے۔ ہماری قومی زندگی کی تاریخ کا ایک اہم باب ہے شیخ الہند کا کیا منصوبہ تھا اور ہندوستان کو انگریزوں کے چنگل سے چھڑانے کے لئے انہوں نے کیا اسکیم بنائی تھی ہمارے سامراج کے C-i-D سے دامن بچا کر وہ کس طرح حجاز پہنچے تھے اور وہاں شریف مکہ کی غداریوں کا کس طرح نشانہ بنے تھے۔ یہ بڑی حیرت انگیز مجاہدانہ داستان ہے اور تاریخ کے صفحات میں محفوظ ہو گئی ہے۔ حجاز میں مولانا مدنی کو جب اپنے استاد محترم کے منصوبے کا علم ہوا تو دل سے ان کے ساتھ ہو گئے۔ یہاں سے

[illegible] شیخ العرب کے بعد مولانا نے ان کے منصب امین کو پھر سے اپنایا۔ مسند درس کی رونق بڑی بڑی [illegible]
[illegible] شیخ الہند کے رفیق کار رہے ہیں [illegible] انگریز حکام کی [illegible]
[illegible] شیخ العرب کا گرم جوش [illegible] مرض کی وجہ سے [illegible] وقت پر تھی مولانا کی [illegible]
[illegible] آپ ایک رکشا پالی [illegible] سے [illegible] کہ گرم [illegible]
[illegible] بہت دنوں تک [illegible]

شیخ الہند کا ایک حرف غیبی [illegible]

[illegible] حیثیت سے بھی [illegible] موجود [illegible] علماء کی سیاست [illegible]
[illegible] میدان سیاست [illegible]
[illegible] ثابت ہوئی جس سے [illegible] مولانا [illegible]
[illegible] کے عہد میں بھی [illegible] خدمت کے علاوہ [illegible]
[illegible] سے [illegible] شروع کی تھی۔ چنانچہ مولانا سے شیخ [illegible] کے بعد جس [illegible] تاریخ [illegible]
[illegible] ہندوستان چھوڑنے کی صورت میں [illegible] کے بعد [illegible] ترقی دی اس کے
[illegible] مولانا [illegible] ہندوستان [illegible]
[illegible] میں کسی ادبی پوزیشن [illegible] صورت [illegible] کسی تعصب [illegible]
[illegible] پردہ پوشی نا ممکن ہے۔ بشرطیکہ [illegible]
[illegible] زندگی میں تقریباً [illegible] آپ کا [illegible]
[illegible] کو ۱۲ بجے تک دار العلوم میں طلبہ کو حدیث شریف کا درس دیتے ہیں اس کے بعد [illegible] تصنیف و تالیف کے
[illegible] ۳۰ [illegible] مہمانوں کا ہجوم رہتا ہے جن
[illegible] کچھ کام کرتے ہیں۔ پھر [illegible] جاتے ہیں ان کے علاوہ آپ کے یہاں [illegible] وقت کی کوئی قید نہیں۔
[illegible] خود مولانا وقت دیتے ہیں [illegible] کے طعام و قیام کا [illegible]
ایک ایک ماہ بھی لوگ قیام کرتے ہیں جس میں پاکستان ہندوستان کے علاوہ [illegible] سورت [illegible] لوگ شامل ہوتے ہیں۔
مولانا کی محفل میں [illegible] شاعر ادیب [illegible] ہر طرح کے لوگ شامل ہیں [illegible] مولانا کی ذات میں اپنے جذبات و
[illegible] تسکین حاصل کرتے ہیں۔ کوئی مشکلات کا ذکر کرتا ہے جس میں [illegible] مسائل [illegible] ہر طرح کی مشکلیں شامل ہیں اور
مولانا ہر لمحہ نئے مسائل کے لئے اپنے آپ کو تیار رکھتے ہیں کہیں میر و غالب کی شاعری زیر بحث ہے تو مولانا ایک ایک شعر پر [illegible]
فرمائیں گے کسی وقت ڈاکٹر اقبال مرحوم کا ذکر آ گیا تو ان کے جذبۂ دینی اور خودی کے مسئلے پر سیر حاصل تشریح فرمائیں گے کہیں [illegible]
موضوع سخن ہے کسی وقت قسطنطنیہ، تیونس، مراکش کی موجودہ کشمکش [illegible] عنوان بحث بن گئے ہیں [illegible]
وقت آپ کسی دیہاتی سے معروف تکلم پائیں گے تو ربیع و خریف کی ہونے والی تمام فصلوں میں ہر قسم کے [illegible] پر مفصل [illegible] فرمائیں
گے [illegible] بڑا کسان اور زمیندار بھی [illegible] ادب [illegible] کھیت [illegible] حاصل کرے [illegible]
میں بالخصوص آم اور خربوزہ پسند فرماتے ہیں لیکن ان کے انتخاب میں کسی کے محتاج نہیں [illegible] قسموں پر [illegible] تشریح فرمائیں گے [illegible]

خلق کے سلسلے میں بس تو آپ کو مشکل ہی سے وقت ایک نہ ایک ظریف الطبع مل جائے گا جو مولانا کی طبیعت کا انداز کچھ نہ کچھ کر رہا ہے
اور پھر مولانا کو ایک اچھے رنگ میں دیکھ لیجئے کسی کو گلاب جامن سے کسی کو برفی سے کہہ رہے تو اس کو اسی طرح کچھ چیزیں دیں گے اور
زبانی بھی ہیں اسی سے مثلاً اگر آپ کو کوشش کے اگر کسی نے سلوک اور تصوف کے مسائل پوچھ دیئے ہیں تو اس قدر حالی کیفیت پیدا ہو
کو شہزادہ بھی ایک مرتبہ اپنی عبادت اور اطاعت پر شک ہونے لگے اور راہ ولایت کے ایسے ایسے مسائل پر گفتگو سے
اس طرح حل ہونے چلے جائیں کے کہ طالب راہ تصوف جیسا ان تب کے ساتھ وہاں سے اٹھے گا۔ غرض کہ ہر قسم کے اذواق کو اپنی ذہنی
تجربات اس محفل میں حاصل ہو جاتی ہے۔ مہمانوں کے سلسلے میں بعض اوقات تنہائی تکلیف دہ صورت اختیار کر لیتی ہیں کوئی امر کر رہے ہیں
بسم اللہ سے تشریف لے چلیں کبھی عقیقہ میں شادی وغیرہ یہ رسوم مولانا کے زحمت سفر کا اکثر باعث بنتے رہتے ہیں مولانا کچھ دیر تو کچھ نہ
کھاتے ہوتے پھر خوشدلانہ ... اخلاق کرواتے ہیں آپ انکار نہیں رہتی اور ڈائری میں تاریخ لکھ لی جاتی ہے۔ ایک
صاحب تشریف لائے اور آتے ہی پوچھا کہ حضرت موسیٰ کے والد کا کیا نام تھا مولانا نے اس کی طرز سوال کو بھانپ لیا فرمایا مجھے
بس پھر کیا تھا مہذب اور غیر مہذب گالیاں جس قدر آ سکے ... دارالعلوم کے وقت مولانا کے ساتھ دسترخوان پر کھانا کھایا اور
وہیں قیام کیا ایسے بھی مہمان آتے ہیں جو بقول مولانا میرے اصلاح نفس کے لئے آتے ہیں۔ مولانا کو ایک باپ کی حیثیت سے جہاں تک
سے شاید کوئی شفیق سے شفیق باپ باوجود کمال محبت و قدرت کے وہ درجہ حاصل نہ کر سکے۔

ابھی ابھی مولانا بمبئی کے طویل سفر سے واپس آئے ہیں اور درس کا وقت ہے تو فوراً مدرسے تشریف لے جائیں گے۔ وہاں سے
نیچے بھی نہ تھے کہ چاروں طرف سے ابا جی ابا جی کا شور بلند ہوا دوسرے لمحے کوئی پچہ پیروں سے چمٹا جا رہا ہے کوئی کرتے پہنچا جا رہا ہے وہی
پشت پر چڑھا ہوا گلے میں جھول رہا ہے مولانا غایت شفقت و محبت سے فرماتے ہیں ... تو جا دیکھ تیرے لئے کیا لایا ہوں ... تو عرض
جھڑکی کا شائبہ تک نہیں حیرت ہے اس برداشت پر اور تعجب ہے اصلاح دنیا اس طبیعت پر اور اخلاق مصطفوی پر۔ بچوں کو ہمیں عموماً
چلا رہے ہیں مگر بچوں کو تو مت سے بچھڑے ہوئے ابا جی کی ضرورت ہے اور والد محترم تھکے ہوئے دیر بعد تو موقع ملا ہے بھرپور قرب سے
ساتھ بچوں کی خوشی کے لئے نکالتے ہیں۔ چھوٹے صاحبزادے نے کوئی جلسہ منعقد کیا تو اس کی صدارت بھی ابا جی سے کرانا چاہتے ہیں
ابا جی پریشان ہو جاتے ہیں میرے پاس کہاں وقت ہے مگر اس وقت ایک شفیق باپ اور چھوٹے لخت جگر کا معاملہ ہے جہاں مدد اور سب تمام معمولات
سے وقت کو تنگ کیا فرصت کم ہوتا تو شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی کا عذر ہو سکتا ہے!

مولانا کے مکان پر مہمانوں کا ہجوم تو رہتا ہے اس کے علاوہ دارالعلوم میں طلبہ کی امداد کے سلسلے میں مولانا کی طرف سے کھانا جاری ہوتا ہے
بھی نہیں کنبہ پروری آپ کا ایک اہم ترین فریضہ ہے اور پھر کنبے میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو والد مرحوم کے زمانے کی بھائیں ہیں ان کے ساتھ
رہنے والوں میں جس قدر حاجتمند تھے سبھی مولانا کی امداد کے حقدار ہیں اور ان کا خرچ مولانا کے ذمے ہے۔ عید الفطر عید الاضحی کے مبارک موقع
پر بھی مولانا اپنے محلے کے ہر گھر میں تشریف لے جاتے ہیں اور بڑوں سے بچوں تک کو حسب مراتب عیدی تقسیم فرماتے ہیں۔ ... حضرت
شیخ الہند کے انتقال کو تقریباً ۳۰ سال کا عرصہ گذرا مگر ان کی صاحبزادیوں کے ساتھ وہ معاملہ ہے جو شاید ایک باپ اپنی بیٹی کے ساتھ نہ کر سکے
عید کے مبارک موقع پر اس گھر میں کافی رقم خرچ فرماتے ہیں اور خود بنفس نفیس تشریف لے جاتے ہیں تمام احوال دریافت فرماتے ہیں صاحبزادیوں
کے سامنے ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے اپنے کسی بہت بڑے سرپرست یا باپ کے سامنے ہیں گفتگو میں تابعداری انکساری کا رنگ نمایاں رہتا ہے۔

مولانا کو مہمانوں کے علاوہ درخت اور پرندوں سے بھی بہت انس ہے دارالعلوم جیسے عظیم الشان ادارے میں کافی خوبصورت وسیع و عریض
باغ صرف مولانا کے شوق اور طلب کا رہین کرم ہے جس میں بہت سے درخت بنگال۔ آسام۔ بمبئی۔ سورت۔ لکھنؤ سے مولانا کے اپنے حبیب خاص

مگر رہنے جانے میں ہم ان کا انہماک اور شغف اس سے زیادہ خود مولانا رکھتے تھے۔ کیونکہ حلقے میں سلسلے تصوف پر طبع سے سخت
پریشان رہتے تھے لیکن جب اگر کسی مسئلہ سے متعلق پوچھا اس وقت تو آپ سے بحث نہ ہوا اور اگر کسی مزید سے یا اتفاقاً کسی مسئلہ
سامنے ہو گا تو نہایت خوش ہو کر فرماتے ایک بار آپ صاحب سے تفصیلی بحث کر گئے آنے مولانا انہیں شوق سے وہ حضرات سب تھے اتفاق صاحب
سے جملہ تو بہت اچھا کی اور کسی جگہ سے مطلع ہو کر وہ نسخے بھیجے مولانا وہیں ختم ہو گئے۔ بعد ازاں اور دوسرے کی حالت اس وقت دیکھنے میں
بہت حیرت انگیز تھی۔ انہیں دیکھ کر خاموش اور متوجہ ہوئے کمرہ میں تشریف لے گئے اور پھر اس کے بعد کبھی اس پر اظہار خیال نہ فرمایا۔
ہماری حد پر مولانا کی زندگی بہت حسین منظر اور متاثر زندگی ہے جس کی یاد دلاتی ہو ماں کی سیر کا سامان بھی ہے۔

سید ابوالاعلیٰ مودودی

نعیم صدیقی

کہتے ہیں کہ پاکستان میں شرح خواندگی گر گئی ہے۔ تعلیم کی کمی ہے، اسکول کم ہیں — اور دوسری طرف آدمیوں کی بہتات ہے۔ لیکن سچ یہ ہے کہ یہاں سب سے خوفناک قحط آدمیوں ہی کا پڑ گیا ہے۔ کوئی قوم اگر آدمیوں کے قحط سے دوچار نہ ہو تو ہر چیز کی کمی وہ پوری کر لے جاتی ہے۔ جو نو کروڑ انسانوں کا ایک بے پناہ ہجوم پاک و ہند کے عظیم ٹھاٹھیں مارتے سمندر سے جو پاک زمین کے حصے میں آیا ہے — آٹھ کروڑ نفوس! — ان میں منسٹر بھی ہیں، لیڈر بھی ہیں، ایم ایل اے بھی ہیں، صحافی بھی ہیں، ادیب اور اہلِ فن بھی ہیں، تاجر اور صناع بھی ہیں، سپاہی اور سپہ گر بھی ہیں، لیکن انسان بہت ہی کم ہیں۔ نو کروڑ آدمی ہماری قسمت میں بہت لکھے گئے ہیں، لیکن آدمی ہمارے پاس نہیں ہیں! آج بھی ہمارے شہر زندگی کے گرد پیر رومی کا شیخ چراغ ہاتھ میں لئے سرگرداں ہے اور الاپ رہا ہے کہ "انسانم آرزوست"۔ ہو سکتا ہے کہ یہ ہمارے ہاں مردم شماری کا ریکارڈ کئی دفتروں کا بوجھ ہو، لیکن اگر ہم اپنے ان کے ہر فرد کو معاشی پیمانوں کو محض بطور مروّت انسان کہنا چھوڑ دیں تو پھر شاید مردم شماری کا سارا اندراج چاول کے ایک دانے پر ہو سکے گا! — یہ آپ نے سنا ہی ہو گا کہ ماہرین خطاطی چاول کے ایک دانے پر پورا سورہ یٰسین لکھ دکھاتے ہیں! یہیں آدمی بننے کیلئے جو اتفاقی حیوانی طلب اور کشش ناطے کی ہے آدمی گوشت اور ہڈی کے ان پتلوں اور چلتے پھرتے ڈھانچوں کو نہیں کہتے جن پر چند اندرونی خواہشات سواری کرتی ہیں۔ آدمی نام ہے شعور اور احساس کا، آدمی نام ہے اصول اور ایمان کا، آدمی نام ہے سیرت اور اخلاق کا — اور یہ مخلوق ہمارے ہاں ایک ناقابلِ ذکر اقلیت کا مقام رکھتی ہے۔

ابوالاعلیٰ مودودی اسی اقلیت کا ایک فرد ہے — ایک آدمی!

وہ اگرچہ ایک انقلابی مفکر بھی ہے، ایک سحر طراز ادیب اور خطیب بھی، لیکن اس کی بڑائی کا اصل راز یہ ہے کہ وہ ایک آدمی ہے۔ ایک ایسا آدمی جو پاکستان بھر میں نمایاں ہے۔ اگر ہم ہمالہ کی کسی چوٹی پر کھڑے ہو کر ارضِ پاک کے آدمیوں پر نگاہ ڈالیں تو شاید پہلی نگاہ اسی شخصیت کے حصے میں آئے گی۔ آخر کیوں؟ — اس لئے کہ یہ ایک ایسی شخصیت ہے کہ جس کی اہمیت کسی آبائی جاگیر، کسی سرکاری عہدے، کسی خاندانی منصب اور کسی مصنوعی شہرت اور نمائشی پروپیگنڈے کے سبب نہیں، بلکہ محض ایک نظریہ و مقصد، ایک سیرت و کردار اور ایک سرگرمیٔ عمل کے بل پر ہے۔ وہ بڑا آدمی ہے تو فقط اس بنیاد پر کہ وہ ایک آدمی ہے، وہ ایک انسان ہے!

[illegible] ایک بیان ... [illegible]

[illegible] سیاسی ... [illegible] ... مسائل ... [illegible]

[illegible] ... جذبے سے ہوتا ہے۔ [illegible]

[illegible] ... سعادت کو محروم کیا جانے ... [illegible]

[illegible] ... اس ... خدا کیلئے ... [illegible]

[illegible] ... پاکستان ... دنیا ... واقف ... [illegible] ... شام ...

[illegible] ... کو شخصیت کیا ہے۔

[illegible] ... شخصیت ... [illegible]

[illegible] ... آدمی ... [illegible]

[illegible] ... مودودی کی شخصیت ... [illegible]

[illegible] ... مودودی کی سوانح عمری ... [illegible]

[illegible] ... مولانا مودودی ... ملاقات ... [illegible]

[illegible] ... مولانا سندھی ... ملاقات ... [illegible]

[illegible] ... مولانا مودودی ... [illegible]

[illegible] ... شخصیت ... ڈاکٹر نذیر سندھی صاحب ... مودودی ... [illegible]

[illegible] ... نہیں ہے ... [illegible]

[illegible] ... قریب ... اور زیادہ ... ہو جاتا ہے۔

آج سے سترہ اٹھارہ برس پہلے کی بات ہے ______ اور اگر میں اس برس کو گنتی ... [illegible] ... واقعہ ہے

میں ابھی اپنے گاؤں ہی میں مقیم تھا اور آئندہ زندگی کے متعلق غور کرتے ... [illegible] ... کچھ لکھنے ... اور زیادہ تر پڑھنے ... لکھنے میں مصروف

[illegible] ... آبادی کے برانچ پوسٹ آفس میں ہر ہفتہ ڈاک کا تھیلا آیا کرتا تھا ... میرے نام کوئی نہ کوئی اخبار یا رسالہ ضرور

[illegible] رسالے میں ... کے نام سے جب پہلا مضمون میری نظر سے گزرا تو مضمون نگار کا نام ابوالاعلیٰ مودودی بڑا ہی عجیب لگا۔ یہ مضمون کسی

[illegible] کا متعلق نہیں تھا۔ کیونکہ اس میں محض ایک اسلامی نو آبادی ______ دارالاسلام ______ کے عملی قیام کی دعوت دی گئی تھی۔ اس تحریر

[illegible] کی بیان کا حسن تو تھا ہی، مگر اس کا خاص تاثر (جو اب تک میری کتاب ذہن کے اوراق پر ثبت ہے) یہ تھا کہ لکھنے والا ان تمام لکھنے والوں

سے مختلف ہے جنہیں میں جانتا تھا اور اس کے اندر بڑا غیر معمولی پن ہے۔ ہمارے ... کا تقاضا یہ تھا کہ اس ترغیبی مضمون میں ایک [illegible]

[illegible] انگیزی موجود ہوتی اور دوسرے روشن ہی روشن پہلو پیش کئے جاتے۔ لیکن نہیں، جذباتیت کے بجائے اس کا مزاج فکری تھا اور اس میں [illegible]

[illegible] کے ساتھ مشکلات و موانع کو بھی قاری کے سامنے رکھ دیا گیا تھا۔ اس کے باوجود بغیر صحافیانہ اور خطیبانہ لفظوں سے مدد لئے۔ لکھنے والے نے اس

---

* [illegible] ... علامہ اقبال ... ایک خطبہ ... [illegible] ... دارالاسلام کو

[illegible] ... اقبال ... کام کر رہا تھا

بہار کی ادبی ترقی میں رہ رہ کر پیدا ہوتی تھی۔ اس مضمون کے پڑھنے کے وقت میں ایک نئی قسم کی شخصیت میرے سامنے تھی جس کو پہچاننے سے تو میں قاصر تھا، لیکن جس کی انفرادیت نے مجھے محسوس کرا کے تشاؤ میں اپنی جگہ سے ہلا دیا۔ یہ کون آدمی ہے؟ یہ انوکھا سا تصور کس کا ہے؟ یہ کیا سکیم ہے، بس یہ سوالات سامنے تھے اور مضمون کو بار بار پڑھا جا رہا تھا۔ علامہ مرحوم سے ذکر کیا، ان کو پڑھ کر سنایا۔ اس رسالے کے مدیر نے اپنے نوٹ میں اور بھی مجوزہ سکیم سے دلچسپی کا اظہار کیا تھا، لہٰذا ان کو خط لکھا اور خط کے جواب میں سرسری سی ابتدائی معلومات مزید حاصل ہوئیں مگر ان معلومات نے مزید تشنگی پیدا کر دی۔ میرے دل میں اس سے قبل صرف ایک ہی ملی شخصیت سے غیر معمولی دلچسپی کارفرما تھی ——— میرا اشارہ اقبالؒ کی طرف ہے ——— لیکن اب ایک اور متوازی قسم کی شخصیت سے میری دلچسپی کا آغاز ہو چکا تھا ——— بعد میں غائبانہ تعارف کا سلسلہ دراز ہوتا چلا گیا

۱۹۳۸ء کے بالکل آغاز میں ہفتہ بھر کا پروگرام بنا کر لاہور آیا اور مقصد سفر یہی تھا کہ اقبالؒ اور مودودی دونوں سے ملاقات کروں گا بلکہ اپنے اس دور کے ذہن کے مطابق کہنا چاہیے "زیارت"! لیکن زیارت صرف علامہ اقبالؒ ہی کی حاصل ہو سکی جو بدقسمتی سے پہلی اور آخری بھی! چند ہفتے بعد اقبال اپنا نغمہ حیات افروز پورا کر کے ازلی و ابدی فضاؤں کی طرف پرواز کر گئے۔ ۱۹۳۸ء ہی کے وسطی حصے میں مودودی صاحب کو قریب سے دیکھنے کا اشتیاق لیے ہوئے پٹھانکوٹ کا عزم بالجزم کر کے دوسرا سفر کیا۔ غائبانہ تعارف تو اب کافی آگے تک جا چکا تھا، کیونکہ ماہنامہ ترجمان القرآن کے متعدد شمارے نگاہ سے گزر چکے تھے۔ غالباً سیاسی کشمکش حصہ اول کے فکر انگیز مباحث دل و دماغ میں اپنی جگہ پیدا کر چکے تھے اور مولانا کے ساتھ کام کرنے والے ایک کرم فرما سے خط و کتابت کا سلسلہ بھی جاری تھا۔ یہاں اس امر کا ضمناً تذکرہ کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ میں اگرچہ ایک غیر سیاسی علاقے کا دیہاتی نوجوان تھا اور عملاً پارٹی پالیٹکس سے الگ تھا، لیکن ملک میں مسلمانوں کو انگریزی استبداد اور متعصب ہندو اکثریت کی دوہری بلاؤں سے جو ہمت آزما کشمکش درپیش تھی اس سے فطری حد تک گہرا ربط رکھتا تھا۔ اپنی پوری قوم کی طرح میں بھی اندھیرے میں تھا کہ اب کیا ہونا چاہیے اور راہ نجات کیا ہے؟ مولانا مودودی کی تحریریں دیکھ کر امید کی ایک کرن ہاتھ آئی کہ شاید یہ شخص صحیح طرز پر سوچ رہا ہے اور ممکن ہے کہ اس کے ذریعے الجھنوں کے اس جنگل سے باہر نکلنے کا راستہ مل سکے جو واقعاتی تاریخ کی صورت میں دور دور تک پھیلا ہوا تھا۔ میری ابتدائی دلچسپی مذہبی سے زیادہ سیاسی تھی۔ لیکن خود اس سیاست کے اندر "مسلم قومیت" کی روح تہ نشین تھی۔ ہاں تو میں گھر سے چلا اور کچھ وقت دارالاسلام کی اسی نوآبادی میں رہ کر مولانا مودودی اور ان کے خیالات اور ان کی عملی سکیم کو سمجھنے کا ارادہ لے کر چلا۔ بس والوں نے اپر باری دوآب کی نہر کے کنارے اتارا۔ کچھ دیر کھڑا دیکھتا رہا کہ کوئی دیہاتی آئے اور مزدوری لے کر سامان پہنچا دے۔ آخر اس بستی کا خاکروب "فقیریا" ادھر سے گزرا اور جب اس کو معلوم ہوا کہ مجھے دارالاسلام جانا ہے تو اس نے سوٹ کیس اور بستر سر پر رکھ لیا اور ہم چلے۔ میرا یہ راہنما مجھے بسوں کی سڑک کے بجائے ریل کے پل کے رستے لے گیا جو نیچے سے بند نہیں تھا۔ اور ایک ایک قدم اس کے (غالباً ستر) سلیپروں پر رکھ کر اسے پار کرنا پڑتا تھا۔ پہلے تو اتنے لمبے پل اور اس کے نیچے شور کرتے اور بپھرے ہوئے رواں دواں پانی کو دیکھ کر دل دہل گیا۔ ارادہ کیا کہ واپس ہو کر جرنیلی سڑک کے راستے نہر کو پار کر لوں، لیکن پھر خیال آیا کہ ایک خاکروب کے سامنے مجھے ایسی کمزوری نہیں دکھانی چاہیے۔ چلا مگر دس پندرہ سلیپروں پر لمبے لمبے ڈگ بھرنے کے بعد سر چکرایا، بیٹھ گیا۔ لیکن ایک بار پھر اسی ہمت افزا خیال نے سہارا دیا اور میں فقیریا کے نقوش قدم پر آگے بڑھنے لگا جو بغیر پیچھے مڑ کر دیکھے بے ساختگی سے چلا جا رہا تھا۔ پل پار کرنے کے بعد جھاڑیوں، درختوں اور سبز گھاس کے بنے ہوئے ماحول میں چند کوارٹر دکھائی دینے لگے اور ان کوارٹروں کے درمیان مسجد اپنے میناروں کی دونوں باہیں اوپر کو پھیلائے کھڑی تھی۔ پہلے سے اطلاع تھی اور ایک دوست منتظر تھے۔

نہایا دھویا اور پھر ملاقات کا بے چینی سے منتظر رہا۔ غالباً مغرب کی نماز کا وقت قریب ہوا تو بستی کی مختصر سی آبادی ——— تین چار افراد ——— مسجد کی طرف سمٹنے لگے۔ اذان ہوئی اور اس کی آواز پر قریب کے ایک بڑے کوارٹر سے ایک شخص برآمد ہوا۔ ململ کا کرتہ، لٹھے کا غرارہ نما پاجامہ، سر پر

وہی ہلکی ایک ٹوپی (جو نماز کے لئے گویا خاص تھی) پاؤں میں فلاں بابا کے سیاہ رنگ کے سلیپر ——— یہ سادہ سی ہیئت تھی جو میری نظر میں عجیب شان سے نمایاں تھا ——— اس سادہ لباس کے ساتھ ایک روشن چہرہ، جلد کی سپیدی کے ساتھ جو سیرت کی تخلیق کی ٹھنک لئے ہوئے، جس پر سکتہ جدید تہذیبی معیار سے چھوٹی تراشی سیاہ رنگ کی داڑھی!! ——— کسی تعارف کے بغیر میں پہچان گیا کہ یہ وہی شخص ہے جن کے خیالات سے میں نے مقدور بھر استفادہ کیا ہے۔ آنے والے نے مسجد میں داخل ہوتے ہی ایک ایسے نمازی سے السلام علیکم کی جو آج تک میں نے کسی اور میں نہیں پایا۔ خوشدلانہ جھجک کے ساتھ مصافحہ کیا، کھڑے کھڑے دوستوں نے مختصر تعارف کرایا اور پھر نماز کھڑی ہوگئی۔ نماز داؤد بھی وہی شخص تھا دلچسپ یہ کہ نماز اور قرأت کا اسلوب بھی بے حد ندرت لئے ہوئے تھا اور اس میں بھی اس شخص کی سیرت کی جھلک موجود تھی۔

اپنے پروگرام کے مطابق دو مہینے کا عرصہ میں نے پٹھانکوٹ کے دامن میں آباد شدہ اسی چھوٹی سی بستی میں گزارا۔ مولانا مودودی کا بیشتر وقت ترجمان القرآن کی ادارتی ذمہ داریاں، تصنیفی کاموں اور خط و کتابت میں صرف ہوتا۔ مولانا سے ملاقات یا تو نمازوں کے اوقات پر مسجد کے شہ دہ صحن میں ہوتی اور کبھی نماز سے قبل اور کبھی نماز کے بعد بات چیت رہتی۔ یا عصر کے بعد مولانا جب سیر کو نکلتے تو ترجمان القرآن کے منیجر اور کاتب، مولانا صدرالدین اصلاحی، اور میں ——— اور کوئی مہمان آجاتا تو وہ بھی ——— سب ساتھ جاتے۔ دین و سیاست کے اہم مسائل پر بحثیں بھی ہوتیں، لطائف بھی ہوتے۔ بستی اور اس کی مقصدی سکیم سے متعلق معاملات بھی چھڑتے۔ ترجمان القرآن اور اس کے مکتبہ کے امور کا تذکرہ بھی ہوتا اور اہم اور دلچسپ خطوط اور باہر سے آئے ہوئے سوالات اور اعتراضات پر بھی بات چیت ہوجاتی۔ اس بزم متحرک کی دلچسپیاں اور ان کی یادیں تو اب دل و دماغ کا مستقل سرمایہ بن گئی ہیں۔ کبھی مغرب کے بعد کا کھانا یکجائی ہوجاتا اور سلسلۂ گفتگو عشاء تک جاری رہتا۔ اس بزم متحرک کا نشہ دو ہی چار دن میں اتنا تیز ہوگیا تھا کہ صبح ہی سے عصر کا انتظار رہتا اور اشتیاق کہتا کہ 'سورج خدا کے واسطے جو جا ڈھلے تلے'!

ابتدائی رابطے کے اس دور کی واقعاتی تفصیلات اب کچھ زیادہ محفوظ نہیں ہیں اور نہ گفتگوؤں ہی کا پورا مواد سینے میں رہ گیا ہے۔ البتہ وہ تاثرات میں بیان کر سکتا ہوں جن کو اپنے ساتھ لئے میں بعد کی اسلامی تحریک کے اس چھوٹے سے کیمپ سے رخصت ہوا۔

خیالات ہی کے مطالعے سے میں نے اندازہ کر لیا تھا کہ یہ شخص مولوی نہیں ہے (یہ بات مولویت کے جسے میں ہر طرح کے تحقیر آمیز تاثر سے الگ کر کے محض حقیقت پسندانہ نقطۂ نظر سے کہہ رہا ہوں)۔ پہلی بار چہرہ سامنے آنے پر میری نگاہ نے میرے اندازے کی تصدیق کر دی۔ بعد کی ملاقاتوں اور گفتگوؤں نے اس خیال کو قطعی بنا دیا۔ مگر حیرت مجھے اس بات پر تھی کہ یہ شخص مسٹر بھی نہیں تھا۔ وہ مومن اور مسلم اور دین کا مزاج شناس ضرور تھا، مگر اس کے گرد روائتی تقویٰ کی پرتکلف اور بوجھل فضا نام کو بھی موجود نہ تھی۔ وہ آزاد خیال اور وسیع النظر تھا، مگر اس میں وہ لاابالیانہ پن بالکل نہیں تھا جو اسلام تک کی حدود کو پامال کرتا کہیں کا کہیں جا پہنچتا ہے۔ اس سلسلے میں ایک گفتگو مجھے نہیں بھولتی جب کہ ہماری بزم متحرک میں داڑھی کی بات چھڑ گئی۔ مولانا مودودی کہہ رہے تھے کہ (الفاظ یاد نہیں صرف مفہوم ذہن میں ہے) داڑھی کو آج جو غیر معمولی اہمیت دے دی گئی ہے اسے وہ نظام دین میں نہیں تھی۔ مجھ ایسا روزانہ بدست خود شیو بنانے والا اور داڑھی کے متروک یا بار گراں سے ڈرنے والا نوجوان یہ الفاظ سن کر مطمئن بھی ہوا اور حیرت زدہ بھی! اسی حیرت کی میں بے اختیار میں نے سوال کیا کہ کیا داڑھی نہیں رکھنی چاہیئے؟ جواب ملا کہ میرا مطلب یہ نہیں، رکھنی تو چاہیئے لیکن اس کو دینی حلقوں نے جو حد سے بڑھی ہوئی اہمیت دے دی ہے وہ خود دین میں نہیں پائی جاتی ——— آج تو ایک مسلمان سے مذہبی حضرات کے ہاں جو اہم ترین اولین مطالبات کئے جاتے ہیں ان میں داڑھی سب سے پیش پیش ہے[1]۔ اس گفتگو سے مجھے یہ بھی اندازہ ہوا کہ یہ شخص متوازن مزاج اور انصاف پسند ہے۔ انصاف پسندی اور توازن کی

---

[1] اس سلسلے میں یہ بیان کر دینا مناسب ہوگا کہ لباس اور اسی طرح ہمارے طرز زندگی کے دوسرے پہلوؤں سے متعلق مسائل میں مولانا مرحوم اعتدال پسندانہ بھی تصریحات اور ان کے [illegible] یہ فیصلہ متوازن نقطۂ نظر کے درمیان مجھے اس کو استعمال کر دینے کا موقع [illegible] جو مدتوں سے [illegible] ان گفتگوؤں کے زیر اثر [illegible] مل گیا۔ اگرچہ مجھے اس وقت اس سوچ کا پورا شعور نہ تھا۔

ایک دوسرا اہم شخصیت جو میرے سامنے آئی اس نے مجھ پر گہرا اثر ڈالا۔ وہ مولانا مودودی تھے۔ میری والدہ مسلم لیگ کے لئے دل و جان سے کام کرتی تھیں۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ مولانا مودودی کی تحریروں کی بھی مداح تھیں۔ انہوں نے خاکسار تحریک کے بارے میں بھی جانتی تھیں اور مجھے کچھ کچھ بتایا کرتی تھیں۔ مودودی صاحب کے کہنے پر میں نے مشرقی صاحب کے نظریات کا بھی مطالعہ کیا۔ تعلیم کے متعلق رائے معلوم کی۔ میری ایک طویل ملاقات ان سے ہوئی اور مجھے جماعت اسلامی کے متعلق کچھ آگاہی ہوئی۔ مولانا نے نظریاتی اختلاف کی توضیح کرتے ہوئے بتایا کہ حقیقت میں مودودی صاحب نے اسلامی نظام کی جو تفصیل بیان کی ہے اس کا بہت سا حصہ پہلے سے معروف اصطلاحات کا جامہ پہنایا گیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے مشورہ دیا کہ میں ان باتوں کی بجائے پہلے مودودی صاحب کے اصل لٹریچر کا مطالعہ کروں اور اپنی رائے قائم کروں۔ چنانچہ میں نے کتابیں منگوائیں جو میرے پاس موجود تھیں۔ جن میں سے تذکرہ اور اشارات کو میں نے پڑھا۔ دونوں کتابوں پر مودودی صاحب کے حاشیے موجود تھے اور میں نے بڑی دلچسپی اور ذوق تجسس سے پڑھا۔ ان حاشیوں میں کہیں تو کتاب کے اعتراف اور کہیں تحسین موجود تھی، کہیں بر ملا اختلاف کا اظہار اور کہیں کہیں فکری لغزشوں پر سخت و جامع گرفت پائی جاتی تھی۔ ان حواشی کو پڑھنے سے مجھے خاکسار تحریک کی ماہیت سمجھنے کے ساتھ ساتھ مودودی صاحب کی سیرت کے ایک اہم گوشے کو بھی زیادہ اچھی طرح جاننے کا موقع ملا۔ میرے سامنے اب تک زیادہ تر ایسے ہی لوگ تھے جو نظریاتی اور سیاسی میدان میں اپنی مخالفت میں فوراً جذباتی ہو جاتے ہیں اور حامی ہوں تو غالی حامی! لیکن اس میدان میں مجھے پہلی بار ایک نئے کردار سے تعارف حاصل ہوا۔

یہ بات بھی میں نے محسوس کی کہ یہ شخص کوئی افسانہ ساز، قصہ گو آدمی نہیں ہے۔ نہ جامد اور سطحی اور منفعل قسم کی فطرت رکھنے والی شخصیت ہے۔ بلکہ یہ ایک اصول و مقصد رکھنے والے نایاب موتی کی طرح بازار زمانہ میں اپنی قدر رکھتا ہے۔ ہر قسم کی معلومات کی روشنی میں یہ بھی معلوم ہو چکا تھا کہ اس نے اب تک سفر مقصد میں قربانیاں دیتے ہوئے کتنے دکھ اور آفات اس کے سامنے معاشی نقصانات اور سیاسی مخالفتوں کے سنگین تر مراحل ہیں لیکن یہ اپنی منزل سے منہ موڑنے والا نہیں ہے۔

مجھے یہ بھی اندازہ ہوگیا کہ اس کے سامنے جو کچھ بھی اسکیم ہے (اور واقعہ یہ ہے کہ اس کی مکمل صورت میرے ذہن میں متشکل نہیں ہو سکی تھی) وہ ایک لمبا پروگرام اور شدید اطراق کار اور کسان کا سا صبر چاہتی ہے۔ یہ ہتھیلی پر سرسوں جما کر کام کے نتائج کی فصل جلد از جلد کاٹ لینے والوں میں سے نہیں ہے اور نہ ہی شعبدہ بازی کا مریض ہے جو ہماری قوم کا موروثی روگ بن چکا ہے۔

یہ رائے بھی میرے ذہن میں قائم ہوگئی کہ یہ جو کچھ بھی کرنا چاہتا ہے، اپنے ارادوں میں مخلص ہے اور اس کی متاع فکر و عمل ریا کی ملاوٹ سے پاک ہے۔

سب سے زیادہ مجھے جس چیز نے متاثر کیا وہ میرے جیسے ایک دیہاتی نوجوان کو جس کا علمی یا عملی، دینی یا سیاسی کسی بھی لحاظ سے کوئی مقام نہ تھا، مولانا مودودی کی نگاہوں میں ایک اہمیت حاصل تھی۔ میں نے کسی لمحے یہ محسوس نہیں کیا کہ ایک بڑا آدمی کسی اونچے مقام سے مجھے دیکھ رہا ہے۔ اور بڑے آدمیوں کے بارے میں میرا جو کچھ تصور چلا آرہا تھا وہ مودودی صاحب کے قریب آتے ہی ٹوٹ پھوٹ کر رہ گیا۔ وہاں بعد مراتب کے بجائے میں نے قرب اخوت محسوس کیا۔ یہاں یہ حقیقت بھی مجھ پر واضح تھی کہ مولانا پیرانہ سالی سے فرسودہ ہیں۔ اور ہر جوان سے بھی کم حصہ ملا کی دعا کے ساتھ قوم کی نئی نسل کی طرف روئے سخن رکھتے ہیں۔

الغرض میرے لئے یہ ایک نیا کردار تھا جس کا عنوان تجویز کرنا مشکل تھا۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا تھا کہ یہ ہمارے مستقبل کا کردار ہے۔ اگلے وقتوں کے لوگوں کے بالمقابل یہ آنے والے وقتوں کا کردار تھا۔ یہ کردار مرعوب کن نہیں بلکہ جاذبیت دار تھا۔ اس سے خوف نہیں آتا تھا بلکہ اس کے لئے محبت و احترام کے جذبات پیدا ہوگئے تھے! ان سارے تاثرات کے ساتھ مودودی کی ذات اور اس کی فکر سے ایک گہرا رابطہ استوار کئے ہوئے میں نے "دارالاسلام" کو الوداع کہی۔

یہی ہے وہ ایک آدمی جس کی شخصیت کا مطالعہ کرنا پیش نظر ہے۔ مطالعۂ شخصیت کا اصل مقصد اس جوہر سیرت کا سراغ لگانا ہے جس کا پرتو آدمی کی زندگی کے بعید ترین گوشوں تک جا پڑتا ہے اور جس کے سرچشمے سے زندگی کی کیاری کا ایک ایک ذرۂ خاک سیراب ہوتا ہے۔ کسی کے جوہر سیرت تک پہنچنے کیلئے جب ہم ذہنی سفر کرتے ہیں تو سب سے پہلے سابقہ "مظاہر شخصیت" سے پیش آتا ہے، اور آگے بڑھیں تو اخلاق و اطوار سے دوچار ہوتے ہیں۔ اور سب سے آخر میں جاکر نظریات و افکار اور اصول و مقاصد دیکھے جاتے ہیں۔ مولانا مودودی کی شخصیت کے فکری پہلو کو تو میں نے ایک الگ مضمون میں پیش کر دیا ہے۔ اخلاق و اطوار پر یہاں براہ راست بحث کرنے کا ارادہ نہیں، یہاں صرف مظاہر شخصیت کو پیش کرنا مطلوب ہے۔ "مظاہر شخصیت" سے میری مراد آدمی کے محسوس

[illegible] نشست و برخاست [illegible] کے اندر پائی جاتی ہیں [illegible] اس کی سیرت [illegible] یہ ایک حقیقت ہے [illegible] اپنے مضمون میں لکھتے ہیں [illegible] شخصیت کی چھاپ پڑی ہوتی ہے۔ کوئی شخص [illegible] جو کچھ وہ دکھا سکتا ہے [illegible] کی شخصیت کی [illegible] کسی شخص کے اصل [illegible] کی صحیح [illegible] کیا جاسکتا ہے [illegible] کے مطالعہ کے لئے [illegible] ہوتی ہے۔ ظاہری شخصیت کے مطالعہ کے [illegible] [illegible] ہوتا ہے اور [illegible] حاصل کرنے اور [illegible] اور وہ صرف [illegible] کسی معقول آدمی کا مشغلہ نہیں ہو سکتا۔

آدمی کا سراپا اس کی شخصیت کا آئینہ ہوتا ہے اور سراپا پر ایک نظر ڈالتے ہی انسانی کردار کا ایک راز اس کے اندر سے جھانکنے والی شخصیت کا [illegible] پا لیتا ہے۔ مولانا مودودی کا سراپا، بلکہ وجاہت دار چہرہ کسی بھی ماحول میں ہو ——— گھر میں، مجلس میں، دفتر میں، راستے، جلسے، کسی بھی نشست پر [illegible] میں ——— بالکل ممتاز اور نمایاں دکھائی دیتا ہے کہ وہ جس شخصیت کا آئینہ دار ہے اس نے [illegible] تصویر [illegible] مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس مضمون کے آغاز میں مولانا مودودی کی ایک قلمی تصویر پیش کر دی جائے۔ یہ تصویر میں اپنے قلم سے کھینچنا چاہتا تھا، مگر اس میں وقت زیادہ درکار ہے۔ وقت بچانے کیلئے میں اپنے صحافی دوست علی سفیان آفاقی کی مرتبہ تصویر مستعار لے لیتا ہوں:

• چھوٹے بالوں کے پٹے جن میں درمیان سے مانگ نکلی ہوئی، نکھرتا ہوا گندمی رنگ، چوڑا ماتھا، آنکھوں پر ہلکے ہلکے رنگ کے شیشوں کی عینک (جی ——— مولانا سفید شیشے استعمال کرتے ہیں۔ ن۔ س) دھیما دھیما تبسم اور مسکراتی ہوئی آنکھیں، بھرا بھرا چہرہ اور سفید ڈاڑھی پر جہاں تہاں سیاہی کی ترشح۔ ("ابوالاعلیٰ مودودی")

مولانا مودودی ان بہت کم لوگوں میں سے ہیں جن کے قامت پر توجہ نہیں جاتی۔ یوں قد بہت چھوٹا نہیں ہے، دوہرے بدن کی وجہ سے قد کم محسوس ہوتا ہے لیکن موزونیت اس درجہ کی ہے کہ مودودی صاحب کے سراپا میں کوئی بات کھٹکتی نہیں۔ دوہرے بدن کے باوجود رفتار کی چال ڈھیلی ڈھالی اور میل قسم کی نہیں ہوتی بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی شخص کسی خاص مشن پر جا رہا ہے۔ چال کے بارے میں ابھی دو دن تفہیم القرآن کے حاشیے میں خود مودودی صاحب نے بڑے علم کی بات لکھی ہے، ملاحظہ ہو۔

• مگر غور طلب پہلو یہ ہے کہ آدمی کی چال میں آخر وہ کیا اہمیت ہے جس کی وجہ سے اللہ کے نیک بندوں کی خصوصیات گناتے ہوئے سب سے پہلے اس کا ذکر کیا گیا؟ اس سوال کو ذرا تامل کی نگاہ سے دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ آدمی کی چال محض اس کے انداز رفتار ہی کا نام نہیں ہے بلکہ وہ درحقیقت وہ اس کے ذہن اور اس کی سیرت و کردار کی اولین ترجمان بھی ہوتی ہے۔ ایک عیار آدمی کی چال، ایک غنڈے بدمعاش کی چال، ایک

؎ [illegible] ظاہری شخصیت [illegible] اور اس کے نتیجے میں ہر آدمی کے [illegible] ظاہری شخصیت ایک امتیازی شکل اختیار کر لیتی ہیں۔ کسی کی شخصیت کا [illegible] کے مطابق [illegible]

؎ آفاقی صاحب [illegible] بالکل سیاہ تھی [illegible] عجیب بات ہے کہ مولانا کی ڈاڑھی کے بال غیر معمولی تیز رفتاری سے سفید ہوئے ہیں [illegible] سیاہ ہو گیا ہوگا۔

عام سیرت کی پہچان ایک حد تک چال سے ہوتی ہے۔ ایک بانکا، ایک بدمعاش کی چال، ایک غریب مسکین کی چال، احساس میں مختلف اقسام کے دوسرے آدمیوں کی چالیں ایک دوسرے سے اس قدر مختلف ہوتی ہیں کہ ہر ایک کو دیکھ کر بآسانی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ کس چال کے پیچھے کس طرح کی شخصیت جلوہ گر ہے۔ پس آیت کا منشا یہ ہے کہ رحمان کے بندوں کو تم عام آدمیوں کے درمیان چلتے پھرتے دیکھ کر ہی بغیر کسی سابقہ تعارف کے الگ پہچان لو گے کہ یہ کس طرز کے لوگ ہیں۔ اس بندگی نے ان کی ذہنیت اور ان کی سیرت کو جیسا کچھ بنا دیا ہے اس کا اثر ان کی چال تک میں نمایاں ہے۔ ایک آدمی انہیں دیکھ کر پہلی نظر میں جان سکتا ہے کہ یہ شریف اور حلیم اور ہمدرد لوگ ہیں، ان سے کسی شر کی توقع نہیں کی جا سکتی۔ (ترجمان القرآن - ج ۴۳ - عدد ۵)

میرا ذاتی تاثر یہ ہے کہ مولانا مودودی کی چال بتاتی ہے کہ یہ شخص احساس ذمہ داری کے عالم میں کوئی فرض ادا کرنے جا رہا ہے۔ مگر گھبراہٹ کے انداز سے نہیں بلکہ وقار اور طمانیت سے۔ بلکہ جو دوسروں کا تاثر کچھ اور ہو۔ لیکن آنا بہرحال ہر کوئی محسوس کرے گا کہ "یمشون علی الارض ھونا" کے معیار پر یہ چال پوری اترتی ہے۔

مودودی صاحب کے سراپا کا ایک جزو ان کا لباس بھی ہے اور میں پہلے ذکر کر چکا ہوں کہ وہ گھر اور دفتر میں رہتے ہوئے کیسا لباس پہنتے ہیں۔ سردیوں میں کھلے پائنچے کے تہ و سعادی دار قمیص اور اونی سویٹر استعمال کرتے ہیں۔ سر پر گرم اونی ٹوپی پہن لیتے ہیں۔ پاؤں میں جرابوں کے علاوہ چمڑے کے موزے بھی پہنتے ہیں اور بالاکلیوس کا بوٹ جوتا۔ گلے کا بہت سخت سردی ہو جانے پر سفید رنگ کی اونی قبا بھی اوڑھ لیتے ہیں جسے زیارت سے آتے ہوئے ساتھ لائے تھے۔ باہر جانا ہو تو تنگ مہری کا چوڑی دار پاجامہ، موسم کے مطابق گرم یا سرد شیروانی، دستار قمیص کی بنی ہوئی اونچی باڑھ کی سیاہ رنگ ٹوپی استعمال کرتے ہیں۔ گرمیوں میں باہر جانے کا لباس کبھی کبھی شیروانی سمیت بالکل سفید ہوتا ہے اور غالباً اس لباس میں مودودی صاحب کی شخصیت پوری طرح نمایاں ہو جاتی ہے ورنہ کھلے گلے کی کرتا اور موجود رہتی ہیں۔ لباس کے تنوع کا دائرہ محدود ملکی شخصیت کی ترجمانی اور زیبائش کے لیے ہمیشہ موزوں رہتا ہے۔ مودودی کے لباس کے اصل اجزاء ہیں ——— صفائی، سادگی اور حسن ذوق!!

آدمی جیسا ناطق ٹھہرا، نطق سے بڑھ کر اس کا کوئی ترجمان اور غماز نہیں ہو سکتا۔ نطق شخصیت کے بہاؤ کی رو گاہ ہے۔ آدمی نفسیات کی اساس کی حقیقت مکمل طور کی تانت باجی تو زمانے بھر نے راگ پالیا۔ "تا مرد سخن نگفتہ باشد" والی بات بیانی نہیں ہوئی۔ موضوعات کی پسند بیگی، زبان کا معیار، الفاظ کا انتخاب، لہجہ کا اتار چڑھاؤ، بولنے کی رفتار، آواز کی پستی و بلندی، بات چیت میں جذبات کی آمیزش اور اس کا تناسب، وہ چیزیں ہیں جو پانچ منٹ میں ایک آدمی کی ساری مخفی حقیقتوں کا خود اسی کی زبان کے لاؤڈ اسپیکر سے اعلان عام کر دیتی ہیں۔ کسی کا ذہنی و علمی معیار کیا ہے، کسی کا ظرف کتنا ہے، کسی کا ذوق کس نوعیت کا ہے، کسی میں سنجیدگی کس درجہ پائی جاتی ہے، کوئی کہاں تک با اصول ہے، یہ اور اسی طرح کے دوسرے بہت سے سوالات ہیں جن کا جواب ایک شخص دو چار فقرے ادا کر کے دے چکتا ہے۔ مگر بسا اوقات خود نہیں جانتا کہ اس نے اپنی کیسی کیسی حقیقتوں کو دوسروں کے سامنے رکھ دیا ہے۔

مولانا مودودی کی گفتگوؤں سے میں گزشتہ چودہ پندرہ برس کے زمانے سے بہرہ اندوز ہوتا رہا ہوں۔ مولانا کے انداز گفتگو پر چند باتیں جو مستقل تاثرات کی حیثیت میں میرے ذہن میں موجود ہیں، اس موقع پر بیان کرتا ہوں۔

عام طور پر دیکھنے میں آتا ہے کہ تحریر یا تقریر کے آدمی کو ہم جتنا بلند پاتے ہیں، وہی آدمی مجلسی زندگی میں گفتگو کرتے ہوئے انتہائی پست ہو جاتا ہے۔ مثلاً اس کی تحریر و تقریر میں اصول پسندی اور معقولیت ہوتی ہے، لیکن اپنی گفتگوؤں میں اس کا بے اصولاپن اور اس کی نامعقولیت صاف صاف نمایاں ہوتی ہے۔ اسی طرح تحریر و تقریر میں جو سنجیدگی اور معقولیت کسی کی شخصیت میں محسوس ہو رہی تھی بے تکلفانہ گفتگو کے ماحول میں علم کی وہ ساری چمک دمک غائب ہو کر رہ گئی۔ تحریر و تقریر میں علمیت و ثقاہت کے کچھ آثار جھلک رہے تھے لیکن گفتگو کے دائرے میں سامنے ہوتے ہی یہ کھل جاتا ہے کہ وہ سب کچھ تصنع کی کرشمہ سازیاں تھیں۔ اسی طرح تحریر و تقریر میں زبان کے محاسن موجود تھے لیکن بات چیت میں سب غائب! الغرض تحریر و تقریر کا آدمی جانے ہاں بالعموم اس آدمی سے بالکل الگ ہوتا ہے، جس سے ہم مصافحہ کرتے ہیں، جس کے ساتھ بیٹھتے اور جس سے بات چیت کرتے ہیں۔ لیکن مولانا مودودی اس معاملے میں اپنی مثال آپ ہیں کہ وہ نہ صرف تحریر و تقریر کے دوگونہ میدانوں میں ایک ہی سی حالت پر رہتے ہیں بلکہ وہ اظہار کے ان وسیع میدانوں سے اتر کر جب کبھی عام بات چیت کے نسبتاً محدود دائروں کی طرف پلٹتے ہیں تو بھی اپنی یکسانی کو برقرار

[illegible] ہیں [illegible] اللہ [illegible] انتخاب [illegible] کی [illegible] صحت کی [illegible]
[illegible] اسلام کا [illegible] اپنا [illegible] کی [illegible] صورت کی [illegible] ہے ۔

مسلمانوں کی ایک خصوصیت یہ رہی ہے کہ ان کے ہاں [illegible] جذباتیت پائی جاتی ہے اور جذباتیت کا اظہار گفتگو میں [illegible] طرح [illegible] ہوتا ہے ۔ جذباتیت [illegible] بہت ساری چیزیں [illegible] ثابت ہوئی ہیں مگر [illegible] سب سے زیادہ خطرناک ہے وہ یہ کہ آدمی کی [illegible] ہو جاتا [illegible] جب [illegible] ہو جاتی ہے تو [illegible] تمام [illegible] ساتھ ساتھ [illegible] گفتگو اس کے [illegible] سے متاثر ہوتی ہے اس عالم میں آدمی [illegible] بہت زیادہ بڑھ جاتا ہے [illegible] ہر موقع پر اپنے آپ کو نمایاں کرتا ہے ۔ [illegible] دوسروں پر [illegible] ہے اپنے آپ کی [illegible] ہے ۔ اپنے آپ کو تسلیم کرانا چاہتا ہے ۔ لیکن [illegible] اختیار نہیں [illegible] گفتگو سے [illegible] ہوتا ہے [illegible] کے [illegible] سے [illegible] جاتے ہیں ۔ مولانا مودودی کو [illegible] ہے ۔ اس [illegible] آپ کو [illegible] کی کوشش کبھی نہیں کی ۔ [illegible] مولانا مودودی کی گفتگوؤں [illegible] ہے کہ کسی بھی گفتگو کے دوران [illegible] بلکہ [illegible] یا دوسرے ساتھیوں [illegible] مولانا [illegible] مودودی [illegible] کوئی [illegible] بھی نہیں آیا ۔ [illegible] اور [illegible] پہلے سے کچھ زیادہ ہی خطرناک ! مودودی صاحب [illegible] ایک شخص کی [illegible] اور خود ان کو اپنی [illegible] کا موقع [illegible] ہر شخص کو بات [illegible] کا [illegible] مودودی صاحب کی شخصیت [illegible] ہے ۔ نہ جدید یا قدیم قسم کے مراسم و آداب !

ہمارے معاشرے کی ایک عام روایت بن چکی ہے کہ لوگ اختلافی گفتگوؤں میں [illegible] جھگڑنے پر اتر آتے ہیں ۔ ہمارے [illegible] کے [illegible] نہیں [illegible] کے [illegible] لیڈروں [illegible] حلقہ ، [illegible] اور [illegible] میں پائی جاتی ہے اور [illegible] اتنی ہی [illegible] جاتی ہے ۔ ہمارے ہاں گفتگو کا بنیادی [illegible] اپنی بات دوسرے سے منوانے کے [illegible] اس کے لئے [illegible] اختیار کئے جاتے ہیں : ایک جو عام طور پر استعمال میں آتا ہے وہ لجاجت کا [illegible] ہے ۔ یعنی [illegible] خوشامد کر کے اور [illegible] بات کے [illegible] مخاطب سے کوئی بات منوانا ! دوسرا [illegible] ہے [illegible] اور [illegible] استعمال ہے ۔ قوت غضبیہ کو کام میں لانے کا [illegible] ہے ۔ یعنی آپ نے بات کہی ، نہیں مانی گئی تو پھر [illegible] دہرایا ، پھر نہیں مانی گئی تو آواز [illegible] اونچی ہو گئی ۔ [illegible] منہ پر جھاگ آنا شروع ہو ۔ گردن کی رگوں کا ابھار بڑھ گیا ——— آخری حد نہ جانے کیا ہو !

مولانا مودودی اختلافی امور پر گفتگو کرتے ہوئے ان دونوں طریقوں سے [illegible] تیسرا [illegible] اختیار کرتے ہیں ۔ ان کا [illegible] افہام و تفہیم کا [illegible] ہے یعنی مقصد کلام دوسرے کی بات کو سمجھ لینا اور اپنی بات سمجھا دینا ہوتا ہے ! بارہا ایسا ہوا کہ مخاطب [illegible] اپنے موقف سے نہیں [illegible] اسی پر قائم رہا ۔ یا مولانا کے [illegible] کسی دوسرے عالم یا لیڈر کی رائے کو ترجیح دیتا رہا تو ایسے موقعوں پر مودودی صاحب ہمیشہ [illegible] انداز سے یہ کہا کرتے ہیں کہ آپ چاہیں تو وہ رائے رکھ سکتے ہیں ! ——— اس فقرے نے بارہا مناظرہ پسند لوگوں کی [illegible] کو درہم برہم کر دیا ہے ۔ مولانا مودودی کو [illegible] انداز کی گفتگو سے شدید درجہ کی نفرت ہے ۔ وہ ایسی گفتگو کو اول تو اپنے خاص حکیمانہ اسلوب سے افہام و تفہیم کے [illegible] پر لانے کی کوشش کرتے ہیں اور اکثر کامیاب ہوتے ہیں ۔ لیکن اگر کسی طرح کامیابی نہ ہو تو پھر قَالُوْا سَلَامًا کی قرآنی ہدایت کے مطابق [illegible] کا مظاہرہ کرتے ہیں ۔

معقول استدلال کو جب کوئی شخص محض [illegible] اور نامعقولیت یا [illegible] کی وجہ سے رد کر رہا ہو ، اور اندازہ ہو جائے کہ بار بار ایک ہی دلائل دہرانے سے کوئی فائدہ نہیں ہو سکتا تو ایسی صورت میں مودودی صاحب بالعموم صاف صاف اعتراف شکست کر لیتے ہیں ۔ [illegible] کہا کرتے ہیں کہ میرے پاس جو دلائل تھے وہ میں نے پیش کر دیئے ۔ اگر آپ ان سے مطمئن نہیں ہوئے تو اپنی رائے پر قائم رہیئے ۔ اور کوئی دلیل میرے پاس نہیں ہے ——— کم لوگ اس طرح اعتراف شکست کر

سکتے ہیں۔

ہر لفظ اور عالم اور زندہ آدمی کو خطیبوں سے سابقہ پیش آتا ہے۔ خطیبوں سے عموماً لوگ جوش کی کیفیات اور جذبات میں تلاطم پیدا ہو جانے کا تجربہ کم ہی نہیں ہوتا۔ خدا آگاہی نہیں ہوتی۔ وہاں کو اپنے علم و افکار پر کوئی قابو حاصل ہوتا ہے۔

اس طرح کے حضرات کہتے ہیں کہ لوگ طرح طرح کے مسائل، قسم قسم کی کہانیاں، رنگ رنگ کی باتیں لے کے مولانا مودودی کو مجلس شب ملاقات سے سرفراز ہوتے ہیں۔ طرح مسائل کی اس صنعت سے کہ آپ بحث کرنے لگیں یا ان کے خیالات کو ختم کرنے کی کوشش کے درپے ہو جائیں بلکہ آپ ان کے مقام تک پہنچ سکا۔ کسی کی کاوش میں لگ جائیں تو پہروں کی صبح اور زیادہ دلچسپ ہوتی ہے۔ پہروں سے گھنٹوں اور منٹوں گفتگو کرتے رہیے، بلکہ برسوں صرف وقت دیجیے، یہ اسی حالت پر رہیں گے۔ مودودی صاحب ایسے آدمی کو دو چار باتوں ہی میں پہچان جاتے ہیں اور بڑے بھاری ایثار سے کام لیتے ہیں۔ بعض اسے موقع دیتے ہیں کہ وہ بولتا چلا جائے اور خود چپ چاپ بیٹھے سنتے رہتے ہیں۔ کوئی اختلاف نہیں کرتے۔ کسی چیز کی تردید نہیں کرتے۔ کسی بات پر اعتراض نہیں کرتے۔ بلکہ سوالات کا حق بھی کرو جاتے ہیں۔ بھلا ایسا گستاخانہ عمل کیوں نہ ہو، مقابل سے کسی رد و قدح کے بغیر گھنٹہ دو گھنٹہ مسلسل بولنے کے بعد آخر ہمت ہار دیتا ہے۔ چنانچہ ان تجربات سے مولانا مودودی کو جو نے خود گزرتے دیکھا ہے اور کبھی یہ اندازہ کر لیا تھا کہ جو شخص اس شہادت کا نفس سے یوں گزر سکتا ہے اسے جیل اور پھانسی بھی متزلزل نہیں کر سکتے۔

ہم جماعتی عمر سے مولانا مودودی کے ساتھ ہیں دو باتوں کی شہادت ہم پورے وثوق سے دے سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ مودودی صاحب کو ہم نے ایک لمحے کے لئے بھی مغلوب الغضب نہیں دیکھا اور نہ آپ کو کبھی غضب آلود الفاظ میں بات کرتے سنا ہے۔ حد یہ کہ جن لوگوں کی گالیوں اور الزامات اور گالیوں اور صحیح ناواقفیت کا مولانا کو برسوں سامنا کرنا پڑا ہے ان کے رد عمل کے طور پر کبھی ایسا نہیں ہوا کہ مولانا کی زبان کا معیار پاکیزگی و سنجیدگی اپنی مقررہ حد سے نیچے گرا ہو۔ بہت سے گھٹیا الفاظ ہیں جن کو ادیب اور صحافی گفتگو ہی میں نہیں اخباری کالموں میں بھی بے دریغ استعمال کرتے ہیں۔ لیکن مولانا مودودی کے چمنستان قلم میں ان کا خار کی کوئی جگہ نہیں ہے۔ آج کل کے اسالیب میں جارحانہ قسم کی جذباتیت نے اپنے اظہار کے لئے وضع کر لئے ہیں اور جنہیں معززین اور شرفا روز مرہ ان کو استعمال میں لاتے ہیں لیکن مولانا مودودی کے یہاں نہ تحقیق میں ان کی سمائی قطعاً نہیں! مولانا کے حسن ذوق کا شعور رکھنے والے کسی آدمی کے سامنے آپ کوئی لفظ بول کے دریافت کریں تو وہ ٹھیک بتا سکے گا کہ مولانا یہ لفظ بول سکتے ہیں یا نہیں!

ایک شخص جس کی مادری زبان دلی کے شریف گھرانوں کی خاص بولی ہو، پھر اس بولی کو حیدر آباد کی علمی فضا نے سیراب کیا ہو اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اسے اسلام کے آداب اخلاق نے ایک خاص مزاج دیا ہو، اس سے آپ کو کس انداز گفتگو کی توقع کرنی چاہیے؟ —————— حلقۂ یاراں ہو یا مجلس بیگانگاں، سیاسی زندگی کے وسیع تر دائرے ہوں۔ یا گھر کی چار دیواری کے اندر کا حلقہ، بیوی بچوں سے ربط ہو یا نوکروں اور ملازموں سے، مولانا مودودی کی گفتگو نفاست، سنجیدگی اور پاکیزگی کے متعین معیار سے کبھی بھولے سے بھی نیچے نہیں گرتی!

مولانا کے انداز گفتگو کے بارے میں ایک خاص بات یہ ہے کہ وہ بڑے ٹھہراؤ کے ساتھ ایک ایک لفظ ٹھہر ٹھہر کر بولتے ہیں۔ بقول ملک غلام علی صاحب (مولانا کے خاص معاون کار) اگر کوئی شخص چاہے تو پوری گفتگو معمولی رسم الخط میں قلمبند کر سکتا ہے۔ یہ انداز گفتگو وہی شخص لے کے چل سکتا ہے جو خفت، تندی، جلد بازی اور ذہنی اضطرابات سے مغلوب نہ ہو۔ مولانا مودودی جیسی شخصیت کا ایک مستقل ابتلا یہ ہوتا ہے کہ طرح طرح کے لوگ آ آ کر ذریعۂ امتحان بنتے ہیں جن میں ذہنی الجھن کے مریض، خود پسند، تیز زبان، مناظرہ باز، بجھنے والے متشدد غرضیکہ قسم قسم کی مخلوق ایسے لوگوں کو تختۂ مشق بناتی ہے۔ ایسے لوگ بات کر کے مخاطب کا ذہنی سکون ختم کر دیتے ہیں اور ان کے مقابلے میں انضباط کو قائم رکھنا معمولی آدمیوں کے بس میں نہیں ہوتا۔ لیکن مولانا مودودی ایسے لوگوں کی گفتگوؤں کے ریلوں کے درمیان سنجیدگی و وقار کی چٹان بنے اپنے مزاج کو قائم رکھتے ہیں۔ غالباً اس سلسلے کے چند سخت کڑے "امتحانات" میں سے ایک وہ تھا جب ایک قادیانی پارٹی مولانا پر تبلیغ کرنے دارالاسلام پہنچی تھی۔ اس امتحان صبر و وقار کے موقع پر میں بھی شریک مجلس تھا۔ مگر چونکہ یہ روداد پہلے سے ملک غلام علی صاحب بیان کر چکے ہیں اس لئے انہی سے الفاظ مستعار لیتا ہوں۔ وہ لکھتے ہیں کہ:

۔ ایک بار میری موجودگی میں [illegible] مولانا [illegible] غضب [illegible] ۔ [illegible] بات [illegible]
[illegible] تھی ۔ وہی گفتگو [illegible] ۔ مگر [illegible] وضاحت [illegible] جاتے [illegible]
[illegible] کو نہیں [illegible] جواب دیتے جاتے ۔ گو مولانا کا چہرہ [illegible] تھی کہ [illegible] کوشش ہی کرتے
ہیں ۔ آخر کار جب [illegible] جانا ہی پڑا [illegible] ساتھ [illegible]
[illegible] اور برداشت کی [illegible] ۔ [illegible]
کرتے یا [illegible] اختتام [illegible] کرنے سے [illegible] گئے ۔ [illegible] ! (ماہنامہ [illegible] ابو [illegible])

مولانا کو [illegible] دیکھتے ہیں اور [illegible] کی [illegible] ہوتی ہے ۔ [illegible] مولانا گفتگو [illegible]
قسم کی [illegible] نہیں [illegible] ۔ [illegible]
[illegible] مصافحہ [illegible] ۔ [illegible] مجلس میں [illegible] بیٹھے [illegible]
سلسلہ [illegible] ۔ [illegible] فرمایا : [illegible]
" آپ یہاں سے تشریف لے جائیں ۔ " مولانا نے [illegible] مصافحہ [illegible] کیا [illegible] ۔ بس یاد آیا ___
جیل کے زمانے میں تنہائی اور [illegible] سے [illegible] کے ردِ عمل کی وجہ سے مولانا [illegible] کرتے تھے ۔ بعض لوگ مولانا کے طرزِ عمل کے اس ظاہری پہلو کو سرد مہری سمجھتے ہیں اور
مایوس ہوتے ہیں ۔ خصوصیت سے پاکستان کے [illegible] ایک [illegible] سے محسوس کرتے ہیں ۔ لیکن درحقیقت یہ مولانا کے مزاج کا ایک
مجموعی بہاؤ ہے جو علمی کاموں میں انہماک کی وجہ سے پیدا ہوا ہے ۔ اس مزاج کی [illegible] کے بجائے [illegible] ۔ چنانچہ [illegible]
کا یہ حال ہے کہ وہ [illegible] ملاقاتیوں سے ملے بغیر [illegible] مجلس میں کچھ وقت بیٹھے بغیر رہ ہی نہیں سکتے ___ چاہے [illegible] کام [illegible]
معاملات [illegible] ۔ [illegible] آدمی ہرگز نہیں ہیں ۔ [illegible] میں صحبت کرنے والوں
سے وہ خوب باتیں کرتے ہیں مگر [illegible] زبان چلانے اور گپ [illegible] کی [illegible] ان میں نہیں ہے ۔ [illegible] ایسا آدمی [illegible] نہیں
ہو سکتا ___

طبائع اپنے جوہرِ سیرت کے لحاظ سے اپنا ایک مستقل رنگ رکھتی ہیں ۔ کسی میں حرص و یاس کسی میں اضطراب کسی میں غضب و تنفر کسی میں شوخی و ظرافت اور
کسی میں [illegible] کا بنیادی رنگ نمایاں دیکھتے ہیں ۔ مولانا مودودی کا رنگِ طبیعت وقار کے ساتھ شگفتگی کے امتزاج سے بنتا ہے ۔ سنجیدہ شخصیتیں جو علمی تحقیق اور فکر
کاوشوں میں منہمک رہتی ہیں بالعموم شگفتگی کا جوہر کھو بیٹھتی ہیں اور نری سنجیدگی آخرکار خشونت بن کر رہ جاتی ہے ۔ دوسری طرف شگفتگی کا جوہر جن اشخاص میں اپنی
حدود پھاند جاتا ہے وہ وقار کا رنگ کھو بیٹھتی ہیں ۔ مودودی کی شخصیت دونوں جوہر صحیح تناسب کے ساتھ اپنے اندر لئے ہوئے ہے ۔ اس لئے حسنِ اعتدال
ضائع نہیں ہوتا ۔

مولانا مودودی پر [illegible] سے سابقہ پڑتا [illegible] لیکن تفریح اور بے تکلفی کے خاص الخاص لمحات میں بھی دامنِ وقار ہاتھ سے نہیں
چھوٹتا ۔ اسی طرح جب میں پچھلی تاریخ کو دیکھتا ہوں تو بے شمار واقعات ایسے سامنے آتے ہیں جو ایک پیکرِ خاکی کے لئے پوری طرح [illegible]
تھے اور ان کا اثر لازماً مودودی کے دل و دماغ پر پڑا ہوگا ___ بلکہ کبھی کبھی تو ہم قریبی ساتھیوں کو ان پر رحم بھی آتا ___ لیکن [illegible]
میں [illegible] اجتماعی [illegible] میں مجالسِ گفتگو میں اور سیر کے اوقات میں جب بھی سامنا ہوا تو ہمیشہ ایک ایسا چہرہ سامنے آیا جس پر گویا ایک غیر مرئی تبسم کی [illegible]
چھڑکی ہوئی ہو ۔ مضمون نگارانہ اور مصنفانہ کاوش کے لمحات ہوں ، جماعتی و تحریکی مسائل کی پیچیدگیوں کا معاملہ ہو ، مخالفین کی شرارتوں اور اپنوں کی نادانیوں سے

سیاق ہو، کسی بھی حال میں ان کا بیساختہ پن تکلف کا رنگ نہیں پکڑتا۔ یہ شگفتگی گفتار ہی جگہ جگہ مزاح کا رنگ پیدا کر دیتی ہے۔ سب جانتے ہیں کہ اس پر تو میں چند مثالیں بیان کرتا ہوں، جن سے مولانا کے مضمون میں مذہبی مزاح کا اندازہ ہو سکے گا۔

ایک مزاح نگار نے اپنے اخبار میں کئی برس سے مولانا مودودی پر خوب لطیفے کی عبارات فرماتے رہتے ہیں۔ ایک صاحب نے کسی مجلس میں مولانا مودودی سے کہا کہ ایک مرتبہ آپ ان کے بارے میں بھی کچھ لکھتے تو مناسب ہوتا: میں ان سے بالکل جانتا ہوں۔ مودودی صاحب، ویسے اخبار میں لکھ گئے "میں نے ان کی شخصیت کا خوب اچھی طرح مطالعہ کیا ہے۔ اس میں جرم نہیں، نہیں ہے بس زیر عذر بری زیر عذر ہے"۔

مرکز کی گاڑی کی چھت پر سامان رکھنے کیلئے ایک مربع شکل کا جنگلہ لگوایا گیا ہے۔ یاد نہیں کب کی بات ہے، ہم مولانا کے ساتھ گاڑی کے انتظار میں باہر کی کسی سڑک پر کھڑے تھے، دور سے اسی رنگ اور ماڈل کی کوئی گاڑی آتی دکھائی دی۔ کسی نے کہا کہ لیجئے گاڑی آگئی۔ مولانا نے ایک نگاہ ڈالی اور کہا نہیں ——— اس کے سر پر وہ ملا و کُر ہر یہ کا ساتاج نہیں ہے۔

قیام خانی دور میں پٹنہ جانے کے لئے مولانا مودودی گاڑی کے انتظار میں ہم کو ساتھ لئے پلیٹ فارم پر ٹہل رہے تھے۔ اور جماعتی اور سیاسی امور پر بڑی اہم گفتگو ہو رہی تھی۔ ایک صاحب میری توجہ کی زد میں آگئے جو ہمارے پیچھے پیچھے چلتے اور پھر جب ہم ایک سرے پر پہنچ کر مڑتے تو وہ پھر پیچھے ہو لیتے۔ گفتگو میں احتیاط کی ضرورت واضح تھی مگر مولانا ساتھ لگے ہوئے سائے سے بے خبر تھے۔ میں نے توجہ دلانے کی مختلف تدبیریں سوچیں، مگر بالآخر "ففتھ کالم" ہی اختیار کرنا پڑا۔ انگریزی میں کہا: "There is a fifth person behind us." (واضح رہے کہ ہمارا گروپ چار افراد پر مشتمل تھا۔) مولانا نے برجستہ کہا: "نہیں۔ کہنا چاہئے۔ a fifth-Colomnist "۔

ماہر القادری صاحب نے اپنے ایک مضمون میں ایسا ہی ایک مزاح آمیز نکتۂ لطیف درج کیا ہے۔ جس زمانے میں علماء کرام دستوری دفعات پر مشورت کر رہے تھے، ایک صاحب نے پوچھا: "مولانا علماء کی مجلس مشاورت کا کیا رنگ ہے؟" فرمایا: "صبغۃ اللہ![1]"

(ماخوذ از "مودودی ——— اپنی اور دوسروں کی نظر میں")

۱۹۵۳ء میں پہلی گرفتاری سے کچھ ہی قبل مولانا نے لائل پور اور جھنگ کا سفر کیا تھا۔ بہت سے لوگ ساتھ تھے، میں بھی تھا۔ ایک مقام پر کا کسی ضرورت سے رکنا ہوا۔ چودھری محمد اکبر صاحب غلط سمت بڑھ کر رک گئے تو مولانا نے پوچھا: "کیا پانی کہیں سے مل گیا ہے؟" چودھری صاحب نے کہا: "نہیں دوسری طرح کام چلانا پڑا۔" مولانا نے فرمایا: "اچھا تو یوں کہئے کہ ڈرائی کلیننگ کی ہے"۔ (ماخوذ از "مودودی ——— اپنی اور دوسروں کی نظر میں")

مرکز کی گلی ذیلدار پارک سے جہاں ملتی ہے، پہلے وہاں نشیب تھا۔ بعد میں مٹی ڈلوا کر راستہ اونچا کیا گیا جس کی چوڑائی بہت کم تھی۔ ایک دفعہ کہیں سے گاڑی پر آ رہے تھے تو ڈرائیور نے جب گاڑی کو گھمایا، مولانا نے کہا: "دیکھنا بھئی! احتیاط سے! کہیں فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ ہی نہ ہو جائے[2]" (حوالہ: ایضاً)

ایک لطیفہ ——— جو ہے تو پرانا پیٹ قسم کا، لیکن شاہکار درجے کا ہے، اسے راز نہیں رکھا جا سکتا۔ ایک موقع پر مولانا کی طرف سے چائے دی گئی، بسکٹ اور پیسٹری ساتھ تھی۔ مولانا نے باقر خاں کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا: "افسوس ہے کہ ہم باقر خانی کا انتظام نہ کر سکے!" ——— سب کا قہقہہ بلند ہوا۔ (حوالہ ایضاً)۔ بعد میں معلوم ہوا کہ اس لطیفہ کی موجد اصل بیگم ملک نصر اللہ خاں عزیز مرحوم ہیں جنہوں نے ایک بار باقر خاں صاحب سے پوچھا تھا کہ "آپ کی باقر خانی کا کیا حال ہے؟"

نعمانی جیسی کے لطائف میں سے ایک اور شاہکار عرض ہے جو حسن تمثیل و تشبیہ کا بھی ایک نادر نمونہ ہے۔ مولانا اختر علی خاں اپنی روانی کے لئے ہر جگہ

---

[1] مسلم سوسائٹی کے علماء کے بارے میں آیت قرآنی ہے: صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ۚ (ترجمہ: "یہ اللہ کا رنگ ہے! ——— اور اللہ کے رنگ سے اور کس کا رنگ بہتر ہو سکتا ہے؟")

[2] آیت ہے: وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ۔

یہ چیز ہے شوخی طبع [illegible] سے [illegible] اور [illegible] [illegible] ہو جاتا ہے۔ [illegible] مولانا مودودی کی
مخالفت کا تسلسل مولانا ظفر علی خان اور بعض دوسرے اصحاب کی [illegible] میں [illegible] حقیقت کو مودودی صاحب نے ایک لطیفہ میں سمو لیا: بات یہ
ہے کہ کوئی ایک شکار پھنس گیا ہے اور اس کے پیچھے [illegible] ہو گیا ہے۔ شک نہیں کہ [illegible]
[illegible] تمثیل و تشبیہ کے سلسلے میں دو تین چیزیں اور قابل ذکر ہیں

مطالبات [illegible] جماعت میں ایک [illegible] حکومت کی [illegible] کے مطالبہ واضح کرنے کیلئے [illegible]
بیان کیا: اس کی مثال بالکل ایسی ہے کہ جیسے ایک شخص سڑک سے [illegible] ہو اور [illegible] شخص [illegible]
آجاتی ہے۔

مودودی [illegible] کی طبیعت ہے۔ کسی نے آپریشن کرانے کا مشورہ دیا تو کہنے لگے: ایسا آپریشن کرا چکا ہوں گویا [illegible] کے جسم میں پتہ بنانے کی مستقل
فیکٹری کام کر رہی ہے۔

اضطرابات پنجاب [illegible] کے سلسلے میں [illegible] ایک [illegible]
کی سطح سے بلند سطح پر [illegible] ——— [illegible] شہری حقوق کی بحالی [illegible] اصولوں سے بے نیازی [illegible] اور قوت کے بیجا استعمال [illegible] سیاسی [illegible]
اور عوام کا صبر و تحمل سے بالاتر [illegible] اقدامات کرتے چلے جانے کی پوری تاریخ بیان ہو گئی جو پاکستان بننے کے بعد سے [illegible]
لطیف تمثیل استعمال کر دیکھئے!

"جماعت کی تاریخ اور [illegible]" میں ایک مقام پر یہ واضح کرتے ہوئے کہ [illegible] اشتراکیت مغربی [illegible] جماعت کے خلاف ہے، جماعت
کے خلاف مہم چلانے والے [illegible] حضرات کے بارے میں لکھا ہے کہ [illegible] کئے گئے ہیں۔"

ایک خاص [illegible] کے اندر مولانا مودودی [illegible] کے سلسلے میں کام کرنے کا نقشہ مجلس شوریٰ کے مشورے سے تیار کر رہے تھے۔ رفقا نے [illegible]
کی طرف اشارہ کیا۔ مسکرا کر فرمایا: "سانپوں سے کھیلنے جا رہا ہوں! ——— [illegible] ٹھیک پڑ گیا تو کامیابی [illegible] ڈس لئے جانے کا خطرہ واضح ہے۔"

ماہر القادری صاحب کا بیان کردہ ایک لطیفہ اور ہے۔ جی چاہتا ہے کہ اسے بھی [illegible] مولانا نے اپنے صاحبزادے (غالباً فاروق) [illegible] کو [illegible] تعلیم
حاصل کرنے کیلئے چھوڑ دیا تھا۔ ایک دن ہم [illegible] جا رہے تھے۔ مولانا کے صاحبزادے [illegible] کا بار بار ذکر [illegible] تھے۔ میں نے کہا
کہ اس [illegible] سے بہت دلچسپی ہے۔ مسکرا کر بولے: "باپ مودودی، بیٹا [illegible]!" ——— اپنی اور دوسروں کی نظر میں!

سود حصہ دوم میں اشتراکیت پر ناقدانہ بحث کرتے ہوئے [illegible] کے بارے میں دو تین صفحے کا ایک نوٹ لکھا ہے۔ اس نوٹ میں مذکور ہے
کہ جب کوئی کارکن اپنے گھر نہیں پہنچتا تو اس کی بیوی خود ہی سمجھ جاتی ہے کہ پکڑا گیا۔ [illegible] ایسا ہوتا ہے کہ اس کا بیٹا [illegible] واپس آجاتا
ہے۔ بس یہی اس امر کی اطلاع ہے کہ اس کا خاوند [illegible] پیارا ہوا۔ ...... اس کا فرض ہے کہ [illegible] کی طرح اس معاملہ کی بھاپ تک منہ سے نہ
نکالے۔ [illegible] ——— [illegible] پیارا ہوا [illegible] کی لطافت اس موقع پر ہر صاحب ذوق کو محسوس ہو گی۔

ہاں، وہ بھی تو ایک دلچسپ چیز تھی۔ "دارالاسلام" کے دور میں ایک مرتبہ ترجمان القرآن کا فرنیچر [illegible] ریل گیا تھا۔ [illegible] اسٹیشن سے [illegible]
فرلانگ دور لے جانا تھا۔ بالمعاوضہ حمال کا کوئی قابل ذکر انتظام تھا نہیں۔ اس لئے ہم سب مدیر ترجمان القرآن سمیت اس مہم کو نکلے۔ کرسیاں، میزیں

۱۔ مولانا کے صاحبزادوں کے ناموں میں "فاروق" [illegible] یعنی احمد فاروق، عمر فاروق، [illegible]

۲۔ پہلے یہ باتیں [illegible] کا مخالفانہ پروپیگنڈہ قرار دے کر مسترد کر دی جاتی تھیں۔ لیکن اب خود [illegible] اور [illegible] کے بیانات نے ان کی صداقت ثابت کر دی ہے۔

اور دوسری چھوٹی چیزیں تو ایک ایک صفحہ پر ہیں کہ غضب جس کی تھیں، ابھی ایک بڑی مدت باقی تھی تاہم اجمالی تقریباً تھا۔ ساتھ ساتھ اگر بعد میں کہ مضمون بھیجنے سے پہلے بھی یہی اندازہ سا معلوم بھی شامل تھے۔ وہ بھی وہ عرصہ بعد سے بھی عرصہ سے دیا گیا۔ اس موقع پر غالب کا "عاشقی کا جلادہ" معلوم ہے تم کو :

بے شمار پڑھے جانے والے اور پھیلائے جانے والے مقالات و نکات ہیں جن سے چند چیزیں ہی اس وقت مرتب کی جا سکیں۔ وہ خصوصاً لکھا جا سکتا ہے کہ مودودی کی شخصیت کے عناصر ترکیبی میں شگفتگی کا کیا مقام ہے۔ اور اس کی اصل تصویر ان کی اولیٰ تحریروں کے مقابلے میں کچھ ہے یا کہ وہ ہی وقت جو کہ بعض معتقدوں نے مرتب کیا ہے۔ ان کی اولیٰ تصویروں کے ذریعے جن لوگوں نے مودودی کو دیکھا ہے ان کی نظر میں ایک ایسا گروہ تھا اور ایک ایسی حیات کی ثقاہت بسا ہوا ہے کہ بسا اوقات وہ اسی وجہ سے ڈرائنگ روم کی طرح رات کو چونک چونک اٹھتے ہیں۔

ایک صاحب دعوت کی، کم سے کم اس دور میں، یہ بہت بڑی کمزوری ہو گی کہ وہ قوت سے جادو نہ کر سکتا ہو اور کاغذ کے میدان میں تلوار تازہ دکھا سکے۔ وہ دن جو محض زبانی ہی کے چٹخارے پر چل جاتی تھی، اب کا دور کبھی کا گزر چکا۔ ایسے بہت سے اہل زبان آج دفتروں میں زبان وابستہ ہو کر دولت کو شرمندہ پڑھتے ہیں۔ یہ لوگ کاغذ کے میدان میں ہو گئے۔ کیونکہ ہر دور میں جس طرح سے فکر کی غذا کبھی ہو ترقی زیادہ وہ سکتا تھا وہ فراہم نہ تھی۔ تقریر کی لیڈری آسان ہے، تحریر کی لیڈری مشکل ہے۔ مولانا مودودی جس دعوت کو لے کے اٹھے ہیں وہ زبان و قلم دونوں کو استعمال کئے بغیر اپنا راستہ نہیں نکال سکتی۔ خدا کی عطا ہے کہ مودودی کو اس نے قلم کی دولت سے بھی مالا مال کیا۔
قوت آدمی جو کچھ لکھتا ہے، اس کے معانی و مطالب سے قطع نظر، محض لکھنے کا ظاہری اسٹائل اور اس کا رسم الخط بول کر کہہ دیتا ہے کہ لکھنے والا کیا ہے کیا نہیں ہے۔ آدمی کی ہر تحریر میں، خواہ وہ ایک سطر بھر کی کیوں نہ ہو، اس کا اپنا ہاتھ اور اس کا اپنا قلم اس کی شخصیت کے احوال پنہاں کا غذ پر نقش کرتا چلا جاتا ہے۔ ہماری تحریریں گویا ہماری خود نوشت سوانح عمریاں ہیں ـــــــ معنویت کے اعتبار سے بھی اور ظاہری انداز کے اعتبار سے بھی۔ چنانچہ نفسیاتی مطالعہ و تجزیہ کا فن اب یہاں تک ترقی کر چکا ہے کہ ماہرین ایک آدمی کے اپنے لکھے ہوئے نام یا دو چار سطروں کے مشاہدہ سے اس کے احوال اطوار کے تمام خصوصی پہلو سامنے لا سکتے ہیں، اور اچھے اندازے بالعموم اسی پچاسی فیصد صحیح نکلتے ہیں۔
اسی نقطۂ نظر سے مولانا مودودی کی تحریر کا ایک جائزہ لینا تو نظر ہے۔ لیکن ہم ان کی تحریر کی ادبیت اور اس کی فصاحت و بلاغت پر نہیں بلکہ اس کے ظاہر پر ایک نظر ڈالنا چاہتے ہیں۔
مولانا مودودی کے لکھنے کا ہمیشہ ایک خاص ماحول ہوتا ہے۔ ان کا لکھنے کا کمرہ ـــــ جو دفتر بھی کہلاتا ہے ـــــ دوہری دیواروں پر مشتمل ہوتا ہے۔ اینٹ کا بیرونی دیواروں کی اندرونی جانب ایک چار دیواری الماریوں کی ہوتی ہے۔ جن میں دینی اور مغربی علوم کی کتابیں مولانا مودودی کی جائے نشست کے چاروں طرف صف بستہ حاضر رہتی ہیں۔ ایک طرف اگر مستند ملکی جلدوں کی قطار ہے تو دوسری انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کی جنت کھڑی ہے۔ اس طرف بخاری اور اس کی شروح ہیں تو اس ہاتھ دستوریات اور عائلیات پر اچھی اچھی انگریزی کتابیں ہیں۔ اور اگر اسلامی تاریخ پر بیش بہا قدیم عربی لٹریچر ہے تو یورپ کی نئی مذہبی اور فکری تاریخ سے متعلق انگریزی زبان میں جدید لٹریچر آراستہ ہے۔ اس الماری میں قرآن کی بھاری بھرکم تفاسیر ہیں تو اس الماری میں بائبل سے متعلق سیریز وغیرہ کی جلدیں موجود ہیں۔ کہیں فقہ اسلامی کی مستند کتابیں بھی ہیں تو کسی دوسری جگہ انگریزی دور کے کامن لاء پر جدید جدید تصانیف موجود ہیں ـــــ یہاں ابن خلدون جلوہ فرما ہیں تو وہاں افلاطون۔ وہ ابن تیمیہ ہیں تو یہ کارل مارکس۔
لکڑی کے فریم میں مرتب کی ہوئی کتابوں کی اینٹوں سے جو چار دیواری بنتی ہے اس کے درمیان ایک جہازی میز پھیلی ہوئی ہے۔ اس جہازی میز پر بائیں جانب کاغذات رکھنے کا چھوٹا سا خانہ دار ریک پڑا ہے۔ ریک کے ساتھ چند کتابیں قطار میں کھڑی ہیں۔ دائیں جانب نئی آئی ہوئی کتابیں، مسودے، پمفلٹ، خطوط وغیرہ رکھے ہیں۔ سامنے ایک لمبا چوڑا گدہ بچھا ہے اور اس پر لکڑی کا زیر مشق نشست کے بالکل سامنے وسط میں دھرا ہے۔ اس تختۂ نوشت کے

[illegible] مولانا کے [illegible] بیٹھنے پڑھنے [illegible] بیٹھتے ہیں۔ اس سے کمرے کی آرائش کا اندازہ [illegible]
[illegible] ایک [illegible] ایک [illegible] ——— مکمل سیٹ ——— ترتیب سے رکھا ہوا ہے۔ دو تین شیشے کے پیپر ویٹ بھی
[illegible] ہیں۔ ان چیزوں کی ہر چیز ترتیب سے رکھی پائیں گے اور ان میں سے ہر چیز اپنی جگہ پر جستی رہے گی۔ متعلق اور متفرق کی اس ترتیب
کو برابر قائم رکھا جائے کے بعد مولانا کا اقتضا ہے سے پہلے ان کی اپنی [illegible] طور پر بٹھا دیتا ہے۔ کسی چیز کا بے ترتیب رکھا ہونا ان
کے ذہن پر بڑی [illegible] گراں گزرتا ہے۔ کمرے میں اگر کبھی کوئی چیز بے ترتیب رکھی ہو [illegible] کوئی بچے والی [illegible] چیز [illegible] میز کے [illegible]
ہوں وہ [illegible] اپنے ہاتھ سے پہلے اسے ٹھیک کریں گے۔ دو ایک دفعہ [illegible] پر [illegible] بکھرے ہوئے [illegible] ہوئے [illegible] فرمایا "اس سے پڑھنے
والے کے ذہن کا منتشر ہونا واضح ہوتا ہے"۔

میرا ذاتی خیال یہ ہے کہ اگر مطالعۂ شخصیت کی صلاحیت رکھنے والا کوئی شخص مولانا صاحب کی عدم موجودگی میں ان کے کمرے میں داخل ہو اور
اس کمرے کا ماحول صرف پانچ منٹ دیکھنے کا موقع ملے تو وہ مولانا صاحب کی آدمیت تو ضرور صحیح صحیح بتا دے گا۔ اس پرسکون اور منظم ماحول میں
مولانا [illegible] صاحب سوچتے اور لکھتے ہیں۔ وہ صبح ناشتے کے بعد اپنے وقت مقررہ پر آکر کرسی پر بیٹھ جائیں گے۔ پان کی ڈبیہ اور تھوڑا سا تمباکو پاس رکھیں
گے اور دماغ میں فکر و کاوش کا پورا کارخانہ متحرک ہو جائے گا۔ بالعموم ان کا چہرہ بتا دیتا ہے کہ اس وقت وہ کسی مضمون یا کسی مسئلے پر کاوش میں ہیں۔ جب
پورا نقشہ ذہن میں مرتب ہو چکے گا تو وہ قلم اٹھائیں گے اور پھر ان کی [illegible] انہوں نے کبھی کچھ نہیں لکھا ——— کہ پہلے سے سوچے بغیر کوئی بھی کام
وہ نہیں کرتے۔ کیا عجب کہ وہ سونے اور کھانے کے لئے بھی پہلے سے سوچتے ہوں۔ پورا مواد اکٹھا کر لینے، حوالے جمع کر لینے اور سلسلۂ بحث کی کڑیاں حل کر
دل میں جوڑ لینے کے بعد وہ قلم کو حرکت میں لاتے ہیں۔ یوں لگتا ہے کہ خود ہی سارا مضمون یا کچھ اور ——— پہلے وہ اسے اپنے دماغ کے اوراق پر لکھتے ہیں اور پھر انہیں
صاف کر دیکھ دیکھ کر کاغذ پر منتقل کرتے جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے لکھنے میں بڑی روانی ہوتی ہے اور زیادہ قطع و برید نہیں ہوتی۔

مولانا کا قلم تنہا کاغذ پر رواں ہوتا ہے۔ ذوقِ نفاست کی وجہ سے وہ ہمیشہ اچھے اور دبیز کاغذ پسند کرتے رہے ہیں۔ حد کی کمی کے ایک وقت خود عملیت
بھی ہیں۔ مگر اب کاغذ ——— اور خصوصاً اچھے کاغذ ——— نایابی کے سبب دستیاب نہیں ہیں۔ تاہم اب بھی عمدہ قسم کا کاغذ موجود رہتا ہے۔ وہ
فل سکیپ سائز کے پورے تختے پر لکھنے کے عادی ہیں۔ کاغذ کی پرچیوں اور چھوٹی چٹوں پر کبھی نہیں لکھتے۔

لکھنے سے پہلے وہ شکن ڈال کر داہنی طرف کھلا حاشیہ چھوڑتے ہیں۔ میرے سامنے اس وقت مولانا کے دو قلمی مسودے ہیں۔ ایک [illegible] کا تقریر
اجتماع شمالی ہند منعقدہ دارالاسلام) دوسرا ماضی قریب کا (ترجمان القرآن کی ایک سابق اشاعت کے اشارات)۔ دونوں مسودوں کا حاشیہ ڈیڑھ انچ
چھوڑا ہے۔ بلکہ تقریباً اتنا ہی دیکھنے میں آتا ہے۔ عجیب بات ہے کہ [illegible] والے مسودے کے ہر صفحے پر پوری انتالیس انتالیس سطریں ہیں اور بعد کے مسودے
میں سینتالیس سینتالیس ——— یہ منظم سطر بندی سفید کاغذ پر بغیر زیر مسطر کے، ذہن کی اقلیدسی مہارت اور اعصاب پر اس کے انضباط کی دلیل ہے۔
دونوں میں سے کسی مسودے کے اوراق کو ذرا فاصلے پر پھیلا دیا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ ایک ہی تحریر کی مشینی نقلیں ہیں۔ قطع و برید بہت ہی کم ہے اور جو
کچھ ہے بھی اس کا زیادہ تر حصہ ایسا ہے جو نظر ثانی کرتے ہوئے ضروری محسوس ہوا ہوگا۔ [illegible] تمام کی تمام سطریں بالکل سیدھی ہیں۔ زیادہ سے
زیادہ یہ ہے کہ بائیں جانب سے عبارت صفحے کے آخر تک جا کر انچ کے دسویں حصے کی حد تک نیچے کو جھکاؤ رکھتی ہے۔ ہر پیراگراف واضح طور پر الگ سے شروع
ہوتا ہے۔ حروف کی اشکال بالکل یکساں ہیں۔ نقطے اشوشے، علامات، اوقاف اور واوین اپنی اپنی جگہ پر لازماً موجود ہیں۔ بلکہ الفاظ ضروری حرکات کے ساتھ اپنے
ساتھ لئے ہوتے ہیں۔ حلقہ دار حروف (مثلاً ص، ط، ق وغیرہ) کے حلقے اندر سے اتنے خالی ہیں جیسے کہ ہونے چاہئیں۔ جہاں کسی لفظ کو کاٹا گیا ہے یا کوئی لفظ
بعد میں بڑھایا گیا ہے وہاں ضروری علامتِ اضافہ (۸) دی گئی ہے۔ کٹی سطروں کے آدھ [illegible] ہی الفاظ بڑھائے [illegible] ہیں۔

اس طرز تحریر کو دیکھتے ہی جو رائے قائم ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ لکھنے والا بہت ہی متوازن مزاج آدمی ہے اور پورا پورا احساسِ ذمہ داری رکھنے والا ہے۔

وہ دوسروں کے حقوق ادا کرنے کا اہتمام کرتا ہے۔ اس کی زندگی میں ضبط و نظم پایا جاتا ہے۔ وہ جذباتی اور ہنگامی بے اعتدالیوں سے محفوظ رہتا ہے۔ یہ ستودہ صفات مولانا مودودی کی تحریر سے مثال ہے۔ اور ایسی ہی دوسری اہم خوبیاں انسانی شخصیت کے عناصر بنا کر رکھتی ہیں۔ یہاں میں کا مطالعہ کن نتائج کو حق پہنچانا استعمال کیا جائے کے پیش نظر شخصیت پر گراں ہے۔ بے صاف سے کے دائرے میں کام کے سلسلے میں جو قلم کے رسم الخط دیکھتا ہوں تو مجھے احساس ہوتا ہے کہ خطوط اور تحریرات کا اصل جوہر آپ کے ہاں نمایاں ہے، مقام کرنے والی شخصیت کا نمائندہ بنتا ہے اور عبارتیں شائستہ ہوتی ہیں۔ دیکھ کر ہی ابتدائی تاثر قائم ہو جاتا ہے۔ دوسری اور صاف ستھری شخصیتوں کے رسم الخط کے چند اہم نمونے میری نگاہ میں ہیں مگر یہ شہادت ہے کہ مودودی صاحب کے طرزِ تحریر کے ہم پایہ کوئی دوسرا نمونہ میرے تجربے میں نہیں آیا۔

تحریر ہی کے سلسلے میں آدمی کے خطوط کا طرزِ انشاء بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ مودودی صاحب کے لکھے ہوئے خطوط دیکھنے کا خاص موقع مجھے حاصل رہا ہے ایک زمانے میں ترجمان القرآن اور مرکز جماعت کی ڈاک کا کام مولانا کی نگرانی میں میرے ذمے رہا ہے۔ ان کی مستقل عادت یہ ہے کہ وہ ڈاک خود دیکھتے ہیں اور پوری توجہ سے دیکھتے ہیں اور مختلف شعبوں کے ناظمین کی رہنمائی کیلئے اشارات لگا کر مختصراً ہدایات لکھ دیتے ہیں۔ جن خطوط میں خود ان کو مخاطب کیا گیا ہو یا اسلام یا جماعت کے متعلق اصولی مسائل دریافت کئے گئے ہوں ان کے جواب وہ اپنے قلم سے لکھتے ہیں یا املا کراتے ہیں۔ وہ کم سے کم جوابی مضمون کا خلاصہ اور اس کی ترتیب زبانی بتا دیتے ہیں۔

اپنے قلم سے لکھے ہوئے خطوط میں مولانا مودودی کی چند مستقل روایات نمایاں طور پر محسوس ہوتی ہیں۔ وہی حاشیہ چھوڑنے اور پیرے بنانے اور علامات لگانے کی باقاعدگی اور سطروں کی سیدھائی اور تحریر کی صفائی خطوط میں اور بھی زیادہ اچھا معیار پیش کرتی ہے۔ ہر خط کی پیشانی پر تاریخ ضرور درج ہوتی ہے۔ بلا استثناء تمام خطوط کا مرنامہ "محترمی و مکرمی!" (خواتین کے لئے محترمہ و مکرمہ) "السلام علیکم و رحمۃ اللہ" کے الفاظ پر مشتمل ہوتا ہے۔ اس کے بعد تقریباً ہر جوابی خط کا آغاز "عنایت نامہ ملا" سے ہوتا ہے۔ خاتمہ ہمیشہ "خاکسار ابوالاعلیٰ" کے لفظوں پر ہوتا ہے جو خط کے نیچے بائیں کونے میں اپنے قلم سے لکھے ہوتے ہیں۔ خط کا پتہ ہمیشہ "بخدمت شریف جناب" کے مقررہ الفاظ سے شروع ہوتا ہے اور زیادہ تر تین سطروں میں مکمل ہوتا ہے۔ شہر یا مقام زیر خط کشیدہ ہوتا ہے۔ خط کے اس نقشے میں شاذ برسوں سے کبھی کوئی تغیر نہیں آیا۔ بے شمار خطوط کے سابق مطالعہ کے بل پر میں یہ کہتا ہوں کہ کسی خط میں مصنوعی ادبیت اور غیر ضروری طور پر مزاح کا استعمال نہیں ہوتا اور نہ غیر ضروری نفسِ مضمون پر غیر ضروری فقروں کا اضافہ کہیں محسوس ہوتا ہے۔ خطوط میں مضمون نگاری کے بجائے زیادہ تر گفتگو کا رنگ پایا جاتا ہے۔ عامیانہ گفتگو کا نہیں عالمانہ گفتگو کا۔

وہ لمبا عرصہ جس میں ڈاک میرے سپرد تھی، بالعموم بعد ظہر میں مولانا کے ہاں جاتا اور کبھی کبھی دفتر میں اور کبھی باہر آم کے بڑے پیڑ کے نیچے نشست رہتی۔ اہم علمی خطوط کے جوابات مولانا خود املا کراتے ——— کبھی آرام کرسی پر بیٹھے اور کبھی ٹہلتے ہوئے۔ کبھی کبھی تو مودودی صاحب مجھ سے خطوط پڑھوا کر پہلے سنتے بھی، لیکن اکثر محض یادداشت کی بنا پر بالکل اسی ترتیب سے جوابات لکھوا دیتے جس ترتیب سے خطوں میں سوالات درج ہوتے تھے ——— اور کمال یہ کہ سوالات آیات اور احادیث اور فقہ کے مباحث سے بھی متعلق ہوتے۔ پھر وہ املا ایسی روانی سے کراتے کہ کسی موقع پر جملے کا تسلسل اور بحث کا ربط نہ ٹوٹتا۔ بیچ میں اگر اٹھ کر جانا پڑتا یا کوئی صاحب آ جاتے تو بعد میں آتا پوچھتے کہ آخری فقرہ کہاں تک پہنچا۔ بعض اوقات کچھ خطوط میں اپنی میز پر ہی بھول آتا، لیکن مولانا اچانک کسی خاص خط کے بارے میں دریافت کرتے اور مجھے اٹھ کر وہ لانا پڑتا۔ ہفتہ دو ہفتہ کی آئی ہوئی ڈاک کے ایک ایک خط کا ان کو متعین طور پر خیال رہتا اور اس کا نفسِ مضمون مستحضر رہتا۔ لیکن سارے خطوط املا ہی نہیں کرائے جاتے بلکہ بعض کے متعلق مولانا صرف اشارات دے دیتے اور ان کو لکھنے کی ذمہ داری مجھ پر ڈال دیتے۔ اس احساسِ ذمہ داری کی وجہ سے میں بھی پوری کاوش اور محنت کرتا۔ یہ مولانا کا ایک مستقل طریق تربیت تھا۔

اکثر لوگ شرعی مسائل میں استفتاء بھیجا کرتے۔ ایسے ہر استفتاء کے جواب میں تمہیداً یا خاتمہ پر یہ ضرور لکھواتے کہ "میں مفتی نہیں ہوں۔ فتویٰ نہیں دیا کرتا، صرف اپنی معلومات کے مطابق رائے عرض کرتا ہوں۔ فتویٰ مطلوب ہو تو کسی دارالافتاء کی طرف رجوع کیجئے۔" اور رائے مسئلے کی ٹیکنیکل صورت بتانے

کے اختلاف میں کبھی پیش دستی کی تحریک نہیں کی۔ خاص بات یہ ہے کہ ان کی تحریر نے کبھی کسی کا دل نہیں دکھایا۔ مخالفت کرنے والے کی نیت اور
تحریر و تقریر کو مطلب سے خلط نہیں کیا۔ بلکہ ایسی چیزوں سے آنکھ بند کر لی جنہیں کا اثر وہ محسوس کرتے تھے۔ یہ واجب ہے ان کے الفاظ اور انداز سخت بھی کیوں نہ
ہوں۔ البتہ مخالفانہ اور طرزِ استدلال میں کا انہوں نے کبھی خیر مقدم نہیں کیا۔ اس لئے مخلص اور بنیادی شخصیت کے ساتھ وابستگی اور بڑے صاحب ذوق حق گوئی
مدد نہیں دے سکے۔ اختلافی مسائل میں بالعموم یہ لکھتے کہ میرا مطالعہ یہ ہے، آپ کو یہ قرین حق معلوم ہو تو قبول کیجئے ورنہ جس کو مانتے آپ کو صحیح معلوم
ہو اسی کو اختیار کیجئے۔ فرقہ وارانہ جھگڑوں کے متعلق مشورہ کبھی دو خوش آمدید نہیں کہتے تھے۔ وہ سوالات اور ان سے الجھاتے کہ ان جھگڑوں کے بجائے دین کی اصل
حقیقت کی جانب کی ضرورت ہے۔ فقہی اور فروعی اختلافات کے لئے باہم دگر وسیع نقطۂ نظر کا پیدا کیا جانا ضروری ہے۔ ایک مرتبہ ہی ایسا ہوا کہ ان کی
کتابیں مولانا کسی کی تحریک پر یا تفسیق ا۔۔۔۔۔ جا: یہ توضیح کا موقع یا شاید ہی کبھی اشتباہ میں ہو۔

چنانچہ مجھے ایک طرف اس خط و کتابت کے زمانے میں مولانا کی سیرت کا بہت سے پہلوؤں میں زیادہ قریب سے مطالعہ کا موقع ملتا رہا ہے۔ معلوم ہوا
میری فکری تربیت ہوتی گئی اور نظام اسلامی سے متعلق عملی کاوش کے دروازے مجھ پر کھلتے گئے۔ شاید میرے اسلوب نگارش پر بھی اس کا اثر ہے۔ میری
بات ا۔۔۔۔۔ ہر نئے آدمی کی طرح مولانا مودودی کو خطوط میں ترجمہ پیش کئے ہیں، جو موصول ہوتے اور کچھ لکھتے۔ ہر ایک خط میں کچھ نہ کچھ معلوم ہوتی ہیں۔ مگر
مرکزی قصبہ مقصد صاحب کے مزاج پر اثر انداز ہوا اور انکا یہیں کا رد عمل ہوا۔ ایک نیا سا مختصر کچھ اور میرے سامنے آیا۔ اس ڈاک کے ساتھ
علمی مسائل یا جماعتی معاملات سے متعلق ہوتی، بقیہ خطوط کو محفوظ رکھنے کا اہتمام مودودی صاحب نے کبھی نہیں کیا۔ روزانہ انبار جمع ہوتے تھے۔ ہم محفوظ شدہ
خط و کتابت اب رسائل و مسائل نامی مجموعے کی صورت میں مطبوعہ ہے۔

ان اشارات سے میں خود نتائج اخذ کرنے کے بجائے یہ کام اس مقالے کے قارئین پر ہی چھوڑتا ہوں

ہر صاحب دعوت کو زبان کی طاقت کی ضرورت ہے۔ محض قلم کے بل پر ہی کام کئے جا سکتے ہیں مگر عوام کے قریب ہو کر ان کو سمجھنے اور منظم کرنے اور کسی
تحریک کو آگے لے چلنے کیلئے وہ آدمی موزوں نہیں ہو سکتا جو اسٹیج پر گونگا ہو جائے۔ مولانا مودودی گونگے نہیں ہیں، خطیب ہیں۔
میں نے ان کا اولین خطاب دارالاسلام کی مسجد میں جمعہ کے موقع پر سنا۔ ان پڑھے لکھے دیہاتیوں کی کثیر تعداد کے اندر حد درجہ سے تعلیم یافتہ لوگ پٹھانکوٹ
اور سجان پور کے قصبوں اور قلعہ جمال پور کی مختصری آبادی سے آکر شامل تھے۔ مولانا نے ان دنوں اُردو زبان میں خطبات جمعہ کا ایک سلسلہ شروع کر رکھا تھا۔ (اور
اب وہ کتابی شکل میں شائع ہو چکا ہے)۔ اذان ثانیہ پر وقار سے اٹھے منبر کے (غالباً) پہلے زینے پر کھڑے ہوئے۔ آہستگی اور سادگی سے خطاب شروع کیا۔
۔۔۔۔۔ ایسے جیسے لوگوں سے باتیں کر رہے ہوں۔ یہ شخص کا ایک بڑا مقرر تھا۔ سیدھے سادے کلمات کا تأثر اس خاموش فضا میں پوری طرح نمایاں
تھا۔ بعد میں مودودی صاحب نے متعدد مواقع پر کالجوں اور یونیورسٹیوں میں اعلیٰ درجے کے علمی خطبے دیئے۔ ارکان جماعت کے مختصر اجتماعات میں باقاعدہ تقریر
کیں۔ سوالات کے جوابات دیئے اور ہدایات دیں۔ آہستہ آہستہ ان کی خطابت آگے بڑھتی جا رہی تھی۔ پاکستان بننے کے بعد انہوں نے بہت سے بڑے
بڑے جلسوں میں تقریریں کی ہیں۔ اور آئے دن یہ سلسلہ جاری رہتا ہے۔ اب وہ اپنی نوعیت کے بہت ممتاز مقرر ہیں۔
انہوں نے اپنی دعوت کی نوعیت کے لحاظ سے خطابت کے ایک نئے طرز کی بنیاد ڈالی ہے اور پرانے خلافتی مکتب خطابت سے الگ ہو کر ایک
نیا مکتب خطابت استوار کیا ہے۔ مولانا خطابت کو ایک اہم ذمہ داری سمجھتے ہیں اور ضروری قرار دیتے ہیں کہ ایک ایک لفظ پہلے سے غور کرنے کے بعد
زبان پر لایا جائے۔ کیونکہ ہزارہا بندگان خدا پر اس کا اچھا یا برا اثر پڑتا ہے۔ اور اس سلسلے میں آدمی کو آخرت کی عدالت میں جواب دہی کرنی ہے۔ بے ربطگی
اور گشت اور موضوع سے آزاد ہو کر پہاڑی نالوں کی طرح بہتا چلا جانا کہ بہنے والی تقریر کو وہ تعمیر و تربیت عوام کے لحاظ سے مضر سمجھتے ہیں۔ ان کا سوچا
سمجھا ہوا نظریہ یہ ہے کہ ہماری قوم میں سطحی جوشیلے پن کا مرض بڑھ گیا ہے۔ اور اس میں سنجیدہ اور تعمیری دعوت کو جذب کرنے کی صلاحیت کم ہو گئی ہے۔ نیز

مخالف صاحبوں نے اس کا اتفاق [illegible] کر لیا ہے۔ لہٰذا اب [illegible] تقریروں کی [illegible] سے بہتر کام [illegible]۔ [illegible] میں ایسی تقریر کی گنجائش نہیں [illegible]۔ لطیفے، کہانیاں، غزل یا منظوم [illegible]، شدید مبالغہ [illegible] چالیں [illegible] مکتب خطابت کی تکنیک سادہ، سنجیدہ، عقل اور منطق [illegible] کی ہوتی ہیں۔ ان کی تقریر [illegible] ہوتا ہے۔ مودودی صاحب [illegible] بھی کوئی ایسی بے سوچی تقریر نہیں کی جو ایک [illegible] اور سنجیدہ [illegible] آگے بڑھی ہو اور [illegible] بات [illegible] اشتعال [illegible] نعروں کی بہار [illegible] ــــ [illegible] بات کہی اور اسٹیج سے رخصت ہو گئے۔

تقریر کے [illegible] کے [illegible] مودودی صاحب پہلے سے [illegible] کی تیاری کرتے ہیں۔ [illegible] رہتے ہیں [illegible] کے اور پھر تقریر کے مطالب کی [illegible] مختصر اشارات کی شکل میں درج کر لیتے ہیں۔ جب یہ ہو چکتا ہے تو تقریر کے [illegible] ذہن میں آ جاتے ہیں۔ تقریر کرنے سے پہلے کے [illegible] سے [illegible] چہرے پر ایک خاص رنگ پایا جاتا ہے جس کو قریب سے جاننے والے ساتھی ہی پہچان سکتے ہیں۔ [illegible] اپنے [illegible] کے ذریعے [illegible] اپنی تقریر [illegible] ترتیب سے ادا کر دیتے ہیں۔ کئی بار ایسا ہوا ہے کہ ایک ہی تقریر مختلف مقامات پر کرنی پڑی تو بالعموم [illegible] دہرائی گئی ہے اور اس کی ترتیب میں [illegible] فرق نہیں آیا۔

اسٹیج پر تقریر کرتے ہوئے ان کا جو کچھ مخصوص انداز ہوتا ہے اس کے امتیازی [illegible] کو میں نے ایک خاص موقع پر قریب سے سمجھا۔ [illegible] کو [illegible] ڈرامائی [illegible] میں ماہر ہیں۔ خصوصیت سے مقررین کا [illegible] ریکارڈ بن کر [illegible] ڈال دیتے ہیں۔ انہوں نے ہمارے [illegible] پر ایک مرتبہ بڑی [illegible] کے ساتھ مودودی صاحب کی تقریر کا ریکارڈ سنا دیا۔ اس ریکارڈ کو سننے کے بعد اب میں بآسانی بتا سکتا ہوں کہ مودودی صاحب کے احتیاطات کیا ہیں۔ وہ اسٹیج پر زیادہ تر ڈائس کے سہارے کھڑے ہوتے ہیں اور کاغذات سامنے رکھ لیتے ہیں۔ [illegible] کا [illegible] حصہ کسی قدر [illegible] کی طرف جھکاؤ لیے ہوئے ہوتا ہے، ایک ہاتھ ــــ غالباً بایاں ــــ کمر کے پیچھے رہتا ہے۔ دوسرے ہاتھ سے وہ شیروانی کے تیسرے یا چوتھے بٹن کو ذرا ذرا چھیڑتے رہتے ہیں۔ یہی ہاتھ کبھی کبھی بڑی آہستگی سے مختصر سی اشاراتی حرکت کرتا رہتا ہے۔ لہجے کے اتار چڑھاؤ کے ساتھ یہ حرکت تیز یا سست ہوتی ہے۔ تقریر کی ابتدا دھیمی آواز اور انتہائی ٹھہراؤ سے ہوتی ہے اور الفاظ میں شخصیت کا وزن محسوس ہو رہا ہوتا ہے۔ آہستہ آہستہ آواز اور لہجہ چڑھاؤ کی طرف جاتے ہیں، مگر بس ایک متعین حد تک۔ اس حد سے آگے کوئی ایسا جملہ ہی جا سکتا ہے جس کے پیچھے شدت جذبات کام کر رہی ہو۔ ایسا بہت کم ہوتا ہے اور بہت کم دیکھنے کیلئے یہ رنگ آتا ہے۔ تقریر پھر اپنی متوازن مقدار اعتدال پر آ جاتی ہے۔ موضوع کے راستے پر مودودی صاحب [illegible] مستقیم چلتے ہیں اور ادھر ادھر کی آوارہ گردی نہیں کرتے۔ تقریر میں دردمندی کی روح ہمیشہ موجود رہتی ہے۔ انہوں نے دستور سازی، جمہوریت اور انتخابات اور دوسرے اہم اور پیچیدہ مسائل پر جب کبھی خطاب کیا ہے، اپنی بات کو عام فہم بنا کے پیش کیا ہے اور ہر پیچیدگی کا حسن و خوبی سے تجزیہ کر کے غیر تعلیم یافتہ سامعین تک کو متاثر کیا ہے۔ ان کا انداز تفہیم اپنی مثال آپ ہے۔

اس طرح کی غیر رنگین، [illegible] تقریر جس میں مجمع کا [illegible] دلچسپی [illegible] رنگین نہ کھلائی جاتی ہو، دو دو گھنٹے عوام کو بٹھا کر سنانا آسان نہیں۔ اس کے لئے مودودی صاحب نے جلسوں اور اجتماعات کی ایک نئی فضا برسوں کی محنت سے پیدا کی ہے۔ پہلے اپنے رفقا کو اور پھر ان کے ذریعے عوام تک کو ضبط و نظم اور سنجیدگی اور خاموشی کی تربیت دی ہے۔ "کھیل تماشے" کا عنصر اجتماعات سے بالکل خارج کر دیا ہے۔ خصوصاً پابندی وقت کے معاملے میں ایک نئی روایت قائم کی ہے۔ اس سلسلے میں ایک لطیفہ قابل ذکر ہے۔ گزشتہ کل پاکستان اجتماع کے موقع پر جلسہ عام بھی رکھا گیا تھا۔ لوگ آٹھ بجے سے جہانگیر پارک میں جمع ہو چکے تھے اور کچھ ابھی آ رہے تھے۔ ساڑھے آٹھ بجے مودودی صاحب کی تقریر ہونی تھی۔ اگلی صفوں میں بیٹھے ہوئے ایک صاحب نے قریب کے دوسرے ساتھی سے پوچھا "وقت کیا ہوا ہے؟" انہوں نے جواب دیا "ابھی آٹھ بج کر [illegible] منٹ نہیں ہوئے ورنہ مودودی صاحب کی تقریر شروع ہو گئی ہوتی۔"

بارہا ایسا ہوا ہے کہ کسی مخالف طاقت نے شرپسند عنصر کو تیار کر کے مودودی صاحب کی تقریر میں شرارت کرنے اور جلسہ خراب کرنے بھیجا، لیکن

[illegible] کی سیاسی و ملی زندگی میں مولانا مودودی صاحب کی شخصیت اور ان کے انداز تقریر نے ہمیشہ ایسی نظریاتی کشش کو کام بنایا، جس [illegible] بات ہے کہ مولانا مودودی (جو اپنے مسلک [illegible]) کی طرح کسی صلاحیت ہی کی [illegible] نہیں۔ جماعت کی جرات مندی اور اعتماد کے ساتھ ہر قسم کی مخالفت کا سامنا کرنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں اور خدا ان کو [illegible] میں کامیابی دیتا ہے۔

جلسوں میں جا کر وہ صاف صاف اور جوش و خروش سے بولتے ہیں۔ چنانچہ جب وہ پہنچتے ہیں تو ان کا [illegible] ہو جاتا ہے۔ بڑی [illegible] سے [illegible] ایک ایک کر کے پڑھتے ہیں۔ اور ایک مختصر جملے میں حاضر جوابی سے ان کے [illegible] ہوئے جواب دیتے چلے جاتے ہیں کہ سامعین [illegible] ہیں۔ [illegible] ایک صاحب نے سوال کیا کہ جب سب [illegible] نے مل کر ایک متحدہ صورت اختیار کر لی ہے تو آپ نے اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ کیوں بنائی؟ مولانا نے فوراً جواب دیا: "افسوس جہاں ڈیڑھ ڈیڑھ اینٹ کی الگ مسجدیں ہیں ان سے [illegible] مسجد بناتا۔"

تقریر کے دوران میں اگر مسلسل تکلیف کی وجہ سے، وہ [illegible] پانی پیتے ہیں۔ نعرے لگائے جانے کو وہ پسند نہیں کرتے۔ بس گوارا کرتے ہیں۔ تقریر کرنے کے بعد چند لمحے سستانے کے لئے کرسی پر بیٹھتے ہیں پھر جلد روانہ ہو جانا چاہتے ہیں۔ لیکن لوگ آ کر مصافحہ کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ رفقا راستہ بناتے ہیں اور ان کو جلد از جلد بھیڑ سے نکال لے جانے کی کوشش کرتے ہیں۔

میں نے مولانا کی ریڈیائی تقریریں بھی سنی ہیں (جو اب مطبوعہ صورت میں ملتی ہیں)، عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ مولانا مودودی کی آواز ریڈیو کی ضروریات کے مطابق بہت ہی موزوں ہے۔ آواز بہت صاف سنائی دیتی ہے، اچھی طرح پہچانی جاتی ہے اور تقریر کی پوری [illegible] محسوس ہوتی ہے۔ ریڈیائی تقریروں میں بولنے کی رفتار اکثر اوقات تیز ہوتی ہے کیونکہ [illegible] منٹ میں وہ موضوع سے متعلق اپنی پوری بات کہنے کی کوشش کرتے ہیں۔ لیکن اب تو مولانا مودودی پر ریڈیو کے دروازے بند ہیں، کیونکہ سیاسی آدمی ہونے کا قصور پاکستان میں ایسا قصور ہے جس کے بعد آدمی سے خالص علمی اور فکری اور دینی استفادہ کا بھی سوال نہیں رہتا۔

سالانہ اجتماع کی تقریر کا بنیادی نقشہ حسب مطالب مجلس شوریٰ کے مشورے سے جناب صادر امیر جماعت ______ خواہ وہ کوئی ہو ______ اسی نقشے کی پابندی کرتا ہے۔ مولانا مودودی اتنی اونچی شخصیت رکھنے کے باوجود اس پابندی سے کوئی استثنیٰ نہیں رکھتے۔ [illegible] کے سلسلے میں جیسے [illegible] خطابات ہوں۔ [illegible] بھی مجلس شوریٰ ہی کے اندر باقاعدہ منصوبہ بنتا ہے اور تقریر کے اساسی خطوط متعین ہو جاتے ہیں۔ البتہ فوری اور ہنگامی اور منفرد مواقع پر، جبکہ جماعت کی پہلے سے بنی ہوئی پالیسی کے اندر کام کرنا ہوتا ہے۔ مولانا مودودی اور جو کوئی بھی امیر ہو، تازہ مشورہ کئے بغیر خطاب کرتے ہیں۔ جماعت کا [illegible] اور داعی اول بھی اپنی امتیازی شخصیت کے باوجود جماعت کے نظم کی پابندی سے بالاتر نہیں ہے۔

نماز کے بھی کئی رنگ ہیں اور ہر رنگ میں شخصیت کا رجحان جھلکتا ہے۔ سیاسی آدمی کی نماز اور عبادت گزار کی نماز، بے سمجھے بوجھے کی نماز اور شعوری نماز، زندگی سے ہم آہنگی رکھنے والی نماز اور اس سے تضاد رکھنے والی نماز، جلد باز آدمی کی نماز اور مستقل مزاج شخص کی نماز، عادت کی نماز اور ارادے کی نماز، عام شخصیت کی نماز اور کسی ممتاز شخصیت کی نماز ایک دوسرے سے بالکل الگ الگ پہچانی جاتی ہیں۔

مودودی صاحب ہمیشہ پابندی سے مسجد میں نماز باجماعت ادا کرتے رہے ہیں، لیکن اب جب سے [illegible] کی تکلیف اور [illegible] کے پے در پے حملوں نے [illegible] تیسرے مرحلے میں آ کر ان کے اعصاب کو [illegible] مجبور کر دیا ہے، وہ بیشتر نمازیں مرکز کے لان میں رفقائے مرکز اور ملاقاتیوں سے مل کر ادا کر لیتے ہیں۔ پھر بھی جمعہ کو ضرور محلہ کی مسجد (مسجد [illegible] اچھرہ) میں جاتے ہیں۔ ہر قسم کے خطیبوں کے خطبے سنتے ہیں اور ہر سطح کے [illegible] کی اقتداء کرتے ہیں۔ اس شخص کو جس کے دوستوں دشمنوں کے حلقوں میں چرچے ہیں اور جس کے ساتھ حامیانہ اور مخالفانہ دلچسپیاں رکھنے والے ہزارہا انسان بیرون پاکستان کے مختلف ممالک تک میں پھیلے ہوئے ہیں، اگر آپ مسجد [illegible] اچھرہ کے کسی کونے میں ایک درویش بے نیاز کے انداز سے بیٹھا پائیں گے۔ اس کا رجحان ہوگا اور وہ خطبہ [illegible]

ساتھ سن سا ہو گا۔ فرض نماز کے بعد دعا پڑھتے ہیں تو لگتا ہے کہ ایک روح پرور کیفیت طاری ہو چکی تھی۔

دارالاسلام کی مسجد کی امامت بالعموم مودودی صاحب کرتے تھے اور اب بھی مرکز میں جماعت کے اجتماعات کے موقع پر وہی مصلیٰ پر کھڑے ہوتے ہیں۔ وضو ہمیشہ گھر سے کر کے چلتے ہیں۔ سنتیں کبھی گھر سے پڑھ کر آتے ہیں اور کبھی مسجد میں پڑھ لیتے ہیں۔ امامت کیلئے کھڑے ہوں تو سیدھے کھڑے ہوتے ہیں مگر مردانہ جذبات قیام کے اسلوب میں صاف جھلکتے ہیں۔ نماز کیلئے استقبال قبلہ کرتے ہیں تو ان کے اندر ایک خاص طرح کا احساس ذمہ داری پیدا ہوجاتا ہے۔ ان کی نماز ہمیشہ معتدل ہوتی ہے ——— نہ غیر معمولی طور پر طویل، نہ جلد بازی ——— سکون اور وقار اور سارے ارکان میں شروع سے آخر تک جھلکتا ہے۔ قرأت کا انداز بالکل ہی منفرد و مختلف ہے۔ ایک ایک آیت الگ الگ کر کے اور اس کے اجزائے مطالب کو واضح کرتے ہوئے قرآن پڑھتے ہیں۔ لہجے میں ٹھیک معانی و مطالب کے مطابق اتار چڑھاؤ ہوتا ہے۔ نہ تو معمولی درجے سے سُر بناتے ہیں اور نہ بے سُرے طریق سے عبارت کی طرح آیات پڑھتے ہیں۔ کیفیت بالکل ایسی ہوتی ہے اور وہ ساتھ نماز پڑھنے والوں پر یہ تأثر ہوتی ہے کہ جیسے کائنات کے فرماں روا کی خدمت میں کھڑے ہیں اور اپنے جذبات پیش کر کے ہم میں اور ادھر سے لطف و عنایت طلب کر رہے ہیں۔ مودودی کی نماز میں وہی جزئی مدرج پائی جاتی ہے جو ان کے کل کلام میں ہے۔ اس میں دلوں کو گرما دینے والا وجدان نہیں۔ جو جاہلی نمازوں پر دوروزہ ہوتا ہے یہ تو ظاہر ہے اور یہی کی وجہ سے اول تو نماز کی طلب ہی ختم ہو گئی ہے۔ اور اگر اپنے آپ کو گھسیٹ کر لے جائیے بھی تو وہ نماز ادھر پڑھائی ہے۔ فرض پڑھنے کے بعد مختصر سی دعا ہوتی ہے اور امامت کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد سنتیں پڑھ کر مولانا مودودی بھی جلسہ گاہ سے الگ ہو جائیں گے اور دوسرے لوگ بھی منتشر ہونے لگیں گے۔ مولانا مودودی صاحب نوافل مسجد میں نہیں پڑھتے کیونکہ قرآن و حدیث کے مطابق ان کا نظریہ یہ ہے کہ فرائض اجتماعی طور پر اور نوافل اخفاء کے ساتھ ادا کرنے چاہئیں۔ مودودی صاحب کی نماز اور امامت سیدھے سادھے طور پر دھیمی ہوتی ہے نہ بے کیف اور بے کیف! جہاں تک عرض کروں گا کہ پہلی نماز جو میں نے مودودی صاحب کے ساتھ ادا کی اس کا ذائقہ پہلے کی تمام نمازوں سے مختلف تھا۔ اس امامت میں نئی شخصیت جلوہ گر تھی۔ نماز اور قرأت کا یہ خاص اسلوب میں نے پہلے بھی اور بعد میں بھی کسی دوسرے میں نہیں پایا اگرچہ دوسرے حضرات کی نماز و امامت میں بھی طرح طرح کی خوبیاں اور اثر انگیزیاں محسوس کی ہیں۔ نماز کو اس میں نقشِ نماز بتاتا ہے اور نقشِ نماز نقشِ خدا پر مبنی ہوتا ہے۔ مودودی صاحب کی نماز میں ان کا انقلاب آموز تصور حاوی و طاری رہتا ہے۔ افسوس ہے کہ یہ چیز صرف نفسیاتی و روحانی تجربہ سے تعلق رکھتی ہے اور مقالاتی بحثیں اس کی متحمل نہیں ہیں۔

دارالاسلام میں میں نے دوسرے رفقاء کے ساتھ مولانا مودودی کے حلقۂ درس میں قرآن اور حدیث کا جو مطالعہ کیا ہے درحقیقت اس نے میرے ذہنی سانچے کو بڑی حد تک توڑ پھوڑ کر موجودہ شکل دی ہے۔ مسلسل پانچ برس یہ حلقۂ درس ایک استادی مربی کے انداز پر جاری ذہنی و اخلاقی تربیت کا ذریعہ بنا رہا ہے۔ درس بہت جگہ ہوتے ہیں، بہت سے بزرگ درس دیتے ہیں لیکن مجبوراً پھر وہی کہنا پڑتا ہے کہ مودودی صاحب کے درس کا انداز بھی بالکل مختلف پایا۔

طریقہ یہ تھا کہ نماز فجر یا نماز عصر کے بعد تمام لوگ حلقہ زن بیٹھ جاتے اور اپنے اپنے مصحف سامنے رکھ لیتے۔ اکثر اوقات ہم لوگ پہلے سے زیر درس آنے والے حصّہ کا مطالعہ کر لاتے اور اس کے بارے میں سوالات اور الجھنیں نوٹ کر لاتے۔ مولانا ہلکی آواز سے تعوذ اور تسمیہ کہہ کر آغاز کرتے پھر گزشتہ سلسلہ کلام کا خلاصہ ذہنوں میں مستحضر کر دیتے، پھر اگلی آیات کا معنوی ربط سامنے لاتے۔ اس کے بعد ایک ایک آیت پڑھتے، اس کا سادہ مگر جاندار اور اثر انگیز اور جدید اردو میں ترجمہ کرتے۔ پھر خاص خاص اصطلاحی کلمات کی وضاحت کرتے، جو مغالطے متعلقہ مضمون کے بارے میں عام طور پر پائے جاتے ہیں ان کو صاف کرتے اور آخر میں احکام اور تقاضے واضح کرتے۔ پھر اگلی آیت، پھر اس سے آگے ——— اور اسی طرح تقریباً ایک رکوع ہر نشست میں ہو جاتا۔ اس درس میں کبھی بھی صرف و نحو اور منطق اور بلاغت کی ٹیکنیکل بحثوں کا پرتو انہوں نے نہ پڑنے دیا۔ ان کا

مغرب عام طور پر ——— مصر اقتصیب پر ہوتا ——— کہ سمجھانے کا بہترین طریقہ اس کی ذہنی سطح کے قریب رہ کر اس کے پیش نظر رکھتے ہوئے حدیث و سنت کے مسائل کا کچھ بھی تعلق ہوتا آسانی سے ساتھیوں پر منکشف کرتے۔ نیز مختلف فقہی نقطۂ نظر کا تقابل کرتے ہوئے مدلل بحث کرتے۔ صاحب درس کے سامنے اس وقت یہ ہمارا مسئلہ تھا کہ قرآن کا اثر اپنے اندر پیدا کریں اور درس حدیث کے ذریعے اس کی تفصیل و وضاحت نمایاں کریں۔

درس کی ایک ایک سنت اور حدیث پر ہم پر بعض اوقات سوالات کی بوچھاڑ شروع ہوتی۔ سوالات ہر قسم کے ہوتے تھے۔ ہم بچے بھی قسم کے سوالات کرتے، جو بعض لوگوں کے پیدا کردہ، جدید طبقوں کے اٹھائے ہوئے، فتنے، نوازنے، جذباتی طرز کے ——— اور کبھی مقصود تو کبھی ماسوا شکوک، کبھی چیستان کی شکل میں چاروں جانب سے سامنے پڑتے۔ حکیمانہ و فقیہانہ اسلوب سے ہر بات کی وضاحت ہوتی چلی جاتی۔ کسی موقع پر مسئلے کے پیچیدہ پہلو بحث کا سلسلہ چل نکلتا اور اسی کی وجہ سے درس ایک ہی آیت یا حدیث پر رکا رہتا۔ بحث میں ہم ساتھی تیزی بھی دکھاتے اور بعض اوقات صاف صاف جملے بھی ادا ہو جاتے۔ مگر صاحب درس ٹھنڈے دل سے ہر بات کا جواب دیتے اور اصل حقیقت کو نمایاں کرنے کی سعی مسلسل کرتے۔ یوں بالآخر آخری جیت اسی کی ہوتی۔ خصوصیت سے جہاں کہیں معاشی اور سیاسی بحثیں پیدا ہوتیں وہاں بڑی بڑی گتھیاں پیدا ہو جاتیں۔ کمیونسٹ پروپیگنڈے کے پھیلائے ہوئے تصور مساوات کی بنیاد پر ہم لوگ بڑی شدت کے ساتھ اقدار کرتا پڑتا ہے کہ وہ ایک مقتول پر بھاری طرف سے زیادتی ہو رہی۔ خود وہ مجسمۂ استقلال، کبھی گھبرایا نہ کبھی برہم ہوا، نہ مایوس ہوا۔ کوئی اور ہوتا تو شاید لعنت ملامت پر اتر آتا، حلقۂ درس سے نکال باہر کرتا یا کم سے کم درس ہی کو برخاست کر کے چلا جاتا۔ مگر یہاں کمال کا ہم ہر دم مسکراتا چہرہ، وہی ٹھنڈا مزاج اور وہی تفہیمی انداز ہمارے سامنے رہا۔ ہمارے مقتدی صاحب کے نئے نئے عقیدت مند پیر و مرید کی معاملات ذہن میں لئے ہوئے آتے اور ہماری بے تکلفانہ اور آزادانہ گفتگو کو غیر شرعی اور غیر موقرانہ سمجھ کر خفا ہوتے۔ کبھی تو حلقۂ درس ہی پر ٹوک دیتے۔ ہم چپ ہو رہتے اور خود مولانا مودودی ہماری مدافعت کرتے اور ہماری آزادی اور ہمارے حقوق کی وکالت کرتے۔ مجھے یاد ہے کہ ایک بحث فلسفۂ مرتدہ کے سلسلے میں بہت طول پکڑ گئی تھی۔ اسی طرح ایک مرتبہ اَلسُّلْطَانُ ظِلُّ اللہ (حدیث) پر خوب خوب معرکہ آرائی ہوئی۔ غالباً ایک ہی صاحب تھے اور دوسرا میں تھا جن کو کسی علمی بنیاد کے بغیر اصرار تھا کہ یہ حدیث موضوع ہے اور قابل استرداد۔ مولانا مودودی نے مخالفت میں کہ ہم کو ایک ایسا مفہوم ہمارے سامنے رکھا جس پر کسی پہلو سے اعتراض وارد نہیں ہوتا تھا۔ ان کا مطالعہ یہ تھا کہ اَلسُّلْطَان کے معنی یہاں بادشاہ نہیں بلکہ حکومت و سلطنت بلکہ حاکمیت ہیں اور حدیث کا منشا۔ انہوں نے یہ واضح کیا کہ بادشاہت یا حاکمیت یا اقتدار اللہ تعالیٰ ہی کے اقتدار کا ایک پرتو ہے اور جو شخص اس خدائی امانت و عطیہ کو پاکر اس کی اہانت کرتا ہے خدا بھی اسے ذلیل کرتا ہے۔ یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے علم خدا کا ایک عطیہ ہے اور جو عالم علم کو غلط نیت کیلئے استعمال کرے وہ مجرم ہے۔ اس مفہوم نے نئے دروازے کھول دیئے۔ مگر حدیث کا جو استعمال ہماری تاریخ میں ہو چکا تھا اور اس کی وجہ سے جو اضطراب عام طور پر دلوں میں پھیلا ہوا تھا اس کی وجہ سے ہم اصرار کرتے تھے کہ ایسی حدیث کو آخر بنائے استدلال بنانا ہی کیا ضرور ہے۔ یہی صاحب تو بڑی صفائی سے یہ کہتے تھے کہ مولانا جب معلوم ہے کہ ہمارے بادشاہوں کے حفظ اقتدار کیلئے دنیا پرست عالموں نے حدیثیں گھڑی اور استعمال کی ہیں تو یہ جانتے ہوئے ایسی حدیثوں کو کیوں لیا جائے۔ صاحب درس نے بڑی مغز ماریوں کے بعد یہ اصول ہمارے ذہن نشین کرایا کہ اگر کوئی حدیث روایت و سند کی صحت رکھتے ہوئے کوئی ایسی تاویل و تشریح قبول کرتی ہو جو دین کے اصولوں اور اس کے مجموعی تقاضوں کے مطابق بیٹھ سکے تو محض بلاوجہ اسے رد کرنے کا کسی کو حق نہیں ہو سکتا ———

بہر حال اس آزادانہ فضا میں ہم نے دین کو کسی قدر تفصیل کے ساتھ سمجھا۔

درس ختم ہوتا تو ہم سب اپنے اپنے مصحف لے منتشر ہو جاتے۔ کسی دن جاتے ہوئے اپنی کسی فکری غلطی اور کسی عملی کوتاہی کا شعور و احساس لے کے جاتے اور اس کی اصلاح کا جذبہ بہ موجزن محسوس ہوتا۔ کسی دن دین کی کوئی نئی حقیقت دل کے دامن میں لئے ایک عجیب سی مسرت کے ساتھ ——— جسے مسرت علم کہنا چاہیئے ——— مسجد سے نکلتے۔ کسی دن ذہن کی کوئی الجھن اور زیادہ پیچیدہ ہو جاتی اور وہ اگلے روز سابق درس کے بارے میں از سر نو بحث چھیڑنے کا محرک بنتی۔ کسی دن مختلف الخیال رفقاء آپس میں بحث کرتے ہوئے نکلتے اور پچیس گھنٹے میں فرصت کے

موافق پر وہی بحث جاری رہا۔ بعض وقت یہاں تک کہ آگے وہی درس سامنے آجاتا۔ ایسا بھی ہوتا کہ درس کے بعد ہم لوگ مودودی صاحب کو ان کے کمرے تک گھیرتے اور دماغ کی بتی جلا کر باہر نکلتے۔ یہ سب کچھ ہوتا مگر بے تکلفی کے رنگ سے خود انہوں نے فضا کو پاک رکھا۔ گو کہ بنیادی طور پر وہ ایک عالم اور سب کا استاد بنے ہوئے تھا اور سب طالب علم تھے لیکن مناظرہ باز۔ نظریات ٹوٹتے اور بنتے، جامد خیالات پگھلتے اور نئی شکل اختیار کرتے۔ جامعیت کے دائرہ میں ایک انسان سالہا سال ذہنوں میں ہر لمحے آندھیاں چلا کرتے۔ اور ہم محسوس کرتے کہ ہمارے اندر تخریب و تعمیر کا متوازی عمل جاری ہے۔ ہمارے اندر کا پرانا انسان دم توڑ رہا ہے اور ایک نیا انسان ابھر رہا ہے۔ مذہب کے رنگ آلود مسلکی تعصبات اکھڑ رہے ہیں اور تحریک اسلامی کا نیا نقشہ دل و دماغ کی سطح پر چمک رہا ہے۔ المختصر ہم نے مودودی صاحب سے جو چیز بھی قبول کی ہے اپنی آزادی رائے کو برقرار رکھتے ہوئے اور دلیل و معقولیت کی بنیاد پر قبول کی ہے۔ عقیدت مندی کے ساتھ آمنا و صدقنا کا شائبہ کسی ایک امر میں بھی نہیں تھا۔ مودودی صاحب نے بھی اس طریق تعلیم و دعوت کو سوچ سمجھ کر اپنایا تھا۔ وہ دراصل اندھے مرید (followers) نہیں چاہتے تھے کہ جن کا گروہ بنا کر وہ اپنی عقیدت کے ناتے میں رکھیں اور ان کو اپنی کرامات کی جاگیر بنا کر ان کے گوشت اور خون اور اُن سے فائدہ اٹھائیں اور پھر دنیا سے رخصت ہوتے ہوئے یہ گروہ اپنی اولاد کیلئے بطور ترکہ اور جائداد کے چھوڑ جائیں ——— وہ ایک سوچ سمجھنے اور اپنے اندرونی جذبے سے حرکت کرنے والی طاقت پیدا کرنے کے اہتمام میں تھے جو اسلامی اصولوں پر ایک نئی دنیا بنانے کا پارٹ ادا کر سکے۔ ہمیں کبھی مغالطہ نہیں ہوا کہ ہم فی الواقع اس گراں بہا کام کے پوری طرح اہل بن گئے ہیں۔ احساس صرف یہ ہے کہ دارالاسلام کی تربیت نے ہمیں ایسے سوچنے سمجھنے والے پرزوں میں بدل دیا ہے جن کا سرچشمۂ فکر قرآن و حدیث ہے۔ اور جو اعتماد کے ساتھ مخالفانہ حالات کے مقابلے میں کوشش کر کے وہ میں آگے بڑھنے کا راستہ خود بنا سکتے ہیں۔

درس کا سلسلہ کبھی کبھی مرکز میں، اب بھی جاری رہتا ہے اور اب بھی سوالات اور بحثیں چھڑتی ہیں۔ مگر سچ یہ ہے کہ ہم دارالاسلام کے دور کے درس کو ترس گئے ہیں۔ کتنا اچھا تھا ہمارا وہ زمانۂ ناآشنائی! کتنے ناقابل فراموش ہیں وہ "اجنبیت کے مزے"!

اب اُس صاحب درس کی شخصیت کا نقشہ آپ خود اپنے ذہن میں کھینچ سکتے ہیں۔

آئیے اب ذوقیات کے دائرہ کی طرف!

مولانا مودودی کے ذوقیات کا مجموعۂ طبعیہ چائے اور پان سے سیراب ہوتا ہے۔ اور اس کی ٹہنیاں پان کے پتوں سے آراستہ ہیں۔ پان مولانا کے ہاں مسرت و تفریح کا ترجمان ہے اور یہی نازک سا برگ سبز پریشانیوں کے بار ہائے گراں اپنے کف حنائی پہ سہارتا ہے۔ لیکن سب سے بڑھ کر یہ کاوش و فکر کا رفیق ہے۔ دماغ میں جونہی سوچنے کی تحریک ہوتی ہے معاً مولانا مودودی کا ہاتھ ڈبیہ کی طرف بڑھتا ہے۔ ادھر زردے کا پہلا ذائقہ ابھرتا ہے اور ادھر خیالات ترتیب پانے لگتے ہیں۔ پان چبانے کے لئے جبڑوں کی ہلکی ہلکی جنبش تلازم افکار کی نرم خیز لہروں سے بالکل ہم آہنگ ہو جاتی ہے۔ مودودی کی تحریروں میں کوئی شک نہیں کہ پان کے پتے کی سبزی اس کے کراری پن، چھالیہ اور چونے کی تیزی اور زردے کی حرارت انگیز اور تحریک زا لطیف تلخی کے سارے پہلو شریک رہتے ہیں۔

کل ہی مولانا مودودی سے احباب کی مجلس میں (جو سفر حج سے واپسی پر فوراً ہی مرکزی دفتر میں منعقد ہوئی) دریافت کیا گیا کہ کیا پان اس لمبے سفر میں ملتا رہا۔ فرمانے لگے کہ اللہ تعالیٰ نے خاص انتظام یہ کیا کہ مفتی محمد شفیع صاحب کو ہم سفر بنا دیا۔ ان کے ساتھ پان کا ذخیرہ تھا اور وہ اسے دیر تک محفوظ رکھنے کا کوئی خاص طریقہ جانتے تھے۔ چنانچہ پان ملتا رہا۔ کوئی چار دن کا فاقہ کیا ہوگا کہ مکہ پہنچ گئے اور مکہ کے بارے میں تو اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ضمانت ہے ہی کہ یہاں رزق ضرور ملے گا۔ ایک صاحب نے پوچھا: "کیا مولانا! پان بھی رزق کی تعریف میں آتا ہے؟" ——— "اجی واہ، تو کیا روٹی اور سالن ہی کا نام رزق ہے" ——— مودودی صاحب خندہ آمیز انداز سے فرمانے لگے: "اصل رزق تو پان ہے۔"

بہرحال پرتقسیم صاحب نے یہ بھی ساتھ کی ہے۔

• ایک دلچسپ واقعہ یوں ہوا۔ میں نے مولانا سے کہا کہ آپ تو بڑے شوق سے مزہ لے لے کر تمباکو کھاتے ہیں۔ اگر یہ عالم ہے کہ جیل میں بھی ملنا جاری رہا تو اس عادت کو نہیں چھوڑ سکتا۔ مولانا نے جواب میں فرمایا کہ میں بھی پہلے بہت شوق سے کھاتا تھا لیکن ایک صاحب نے تمباکو کا پان کھلا دیا (میرا خیال یہ ہے کہ غلطی سے تمباکو والا پان دے دیا تھا) اس دن کے بعد مجھے تمباکو کی عادت پڑ گئی ——— مگر اس عادت پر اتنا قابو ہے کہ جیل میں جاتا ہوں تو پان یاد بھی نہیں آتی۔

(مولانا معتصمی ——— یعنی اور دوسروں کی نظر میں)

جیسے جیسے کا واقعہ بھی سن لیجئے جسے میں پہلے لکھ بھی چکا ہوں۔ پہلی مرتبہ گرفتاری (۲۸ مارچ ۱۹۴۸ء) کے موقع پر مولانا مع رفقاء پولیس کی گاڑی پر بیٹھ کر روانہ ہونے لگے۔ جب آخر میں رفقاء سے ملے اور پولیس کے سارے افسر کھڑے ہوئے تھے، بعض حضرات نے پان طلب کیا تو یہ تجویز ہوئی کہ آخری پان کھا لیا جائے۔ پوچھا گیا کہ آخری کیوں؟ ہنستے ہوئے فرمانے لگے "بس اب طلاق دے دی ہے۔ پان جیسے رفیق کو۔" اسی پر فیصلہ ہوا۔ پوچھا گیا کہ جیل کے بعد بھی یہ طلاق جاری رہے گی؟ تو فرمایا "نہیں یہ طلاق رجعی ہے، مغلظہ نہیں۔" اس پر سید نقی علی صاحب اور دوسرے رفقاء قہقہہ لگا کر ہنسے۔ یوں یہ شخص ہنستے ہنستے مصافحہ کر کے نامعلوم مدت کی قید کیلئے سخت پہرے میں جیپ گاڑی کے اندر بیٹھ کر روانہ ہو گیا۔

(مولانا مودودی ——— اپنی اور دوسروں کی نظر میں)

مولانا کی رائے میں پان کی ترکیب و ترتیب لاجواب ہے۔ فرماتے ہیں کہ ذرا اس کے اجزا کے تنوع اور ان کی باہمی مناسبت دیکھئے۔ کہاں کہاں سے اجزا لا کر جوڑ ملائے جاتے ہیں۔ انسانی ذائقہ محض عقل کی رہنمائی سے کہاں یہ ترکیب پیدا کر سکتا ہے۔

ایک بار جب کہ انگریزوں کا دور حکومت تھا، کہنے لگے کہ ان انگریزوں نے یہ بدعت جاری کی تو نا جس سے سامنے آتے ہیں کہ کاغذی ایک اور نیچے دو بنے کہ برتن میں شراب کے پیگ۔ کھانے کے اسٹینڈ لگا کر کھڑے کر دئیے راستے میں بھی ——— مروت بر تو پیچھے پیچھے ——— شراب کی چسکیاں لی جاتی رہیں۔ لیکن ان کمبختوں کو ہمارے پان کا لحاظ نہیں۔ آکال دان لگوا دئیے ہوتے۔ اسلامی نظام حکومت کبھی آ جائے تو آپ دیکھیں گے کہ دفتروں میں اگالدان ضرور رکھیں گے۔

دارالاسلام کے دور میں مولانا مودودی کے پاس ایک بڑا سا پان دان تھا جس پر نقش و نگار بنے ہوئے تھے۔ بالعموم دفتری امور پر گفتگو کیلئے جب مولانا مجلس شبانہ میں آ بیٹھتے تو پان دان بھی ساتھ ہوتا۔ حسن ذوق کا یہ نمونہ تاریخی حیثیت اختیار کر گیا۔ مگر کچھ مو رخین باہر سے آتے تو ——— سامنے تو نہیں ——— اِدھر اُدھر دبی زبان سے کہتے کہ یہ پاندان خلافِ شریعت ہے۔ ہم لوگ مسکرا کر رہ جاتے۔ بعض نے یہ راز کھلا کہ یہ حضرات اسے چاندی کا پاندان سمجھتے رہے تھے اور سونے چاندی کے برتنوں کو محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اُمت کیلئے حرام ٹھہرایا ہے۔ خود پان بھی بعض لوگوں کے فتووں کا ہدف بنے بغیر نہ رہتا۔ کچھ لوگ اسے ناجائز نہیں کہتے تھے مگر بڑی لجاجت سے مولانا سے درخواست کرتے تھے کہ عام تصورات کا لحاظ کرتے ہوئے آپ اسے ترک کر دیں۔ مگر مولانا مودودی دوسروں کو دکھانے اور دوسروں کو خوش کرنے کیلئے نہ کوئی چیز اختیار کرتے ہیں نہ کچھ ترک کرتے ہیں۔ ایک پان ہی پر کیا موقوف، اگر کوئی اگر میز کرسی کی نشست پر اعتراض کرتا، کوئی سفید اجلے لباس پر ہی ہنے اور کے نظرات کے دھبے ڈال دیتا۔ بلکہ ایک مرتبہ تو ایک مہذب قسم کے مہمان نے دورانِ گفتگو میں وہ لباس کی سفیدی کو بھی خلافِ اسلام قرار دیا۔ مودودی صاحب ان امور میں بحث کرنے کے بجائے خوبصورتی سے طرح دے جاتے۔

ضمناً ایک ضروری بات یاد آئی۔ مولانا مودودی ذوقیات کے معاملے میں گھٹے ہوئے مذہبی ذہنوں کے برعکس بڑے فراخ دل اور عالی ظرف واقع ہوئے ہیں۔ ہمارا تعلیم یافتہ طبقہ ہر ہر چیز پر اعتراض کی انگلی رکھتا ہے۔ خصوصیت سے پان اور چائے اور سگریٹ تو بہت ہی بڑے مظلوم ہیں۔ جماعت میں اپنے حالوں میں جو لوگ حقہ اور سگریٹ کے عادی تھے ان کی اکثر شامت آتی رہی ہے۔ خصوصاً مرکز میں چائے پینے والوں کو آئے دن کسی نہ کسی زاہد کی

مشقت سے عزت ساتھ رہتا ۔ میں خود اس تلخ تجربہ سے گزرا ہوں۔ مگر میرا احساس ہے کہ دوسرے رفقا کی طرح پناہ گاہ مولانا مودودی ہونے سے وہ کسی مسئلہ کو شریعت کا جزو نہیں مانتے اور نہ منزعات کے دائرے کو خواہ مخواہ وسیع کرتے چلے جانے کے قائل ہیں۔ بجلیوں کا مسئلہ ہے کہ باعث طہارت و نظافت سے خالی اضافہ کا اس کا کوئی کسی سے مطلب نہیں کر سکتا ۔ ابتدا میں احترام مولانا مودودی کے ساتھ بیٹھ کر سگریٹ نہیں پیتا تھا اور خطوط میں سکھے ہیں جب مولانا کے دفتر میں زیادہ دیر بیٹھنے سے اعصاب میں تلخی ہونے لگتی تو چپکے سے ان کے پاندان سے زردہ کے چند ریزے لے کر منہ میں رکھ لیتا۔ مولانا میری کمزوری سے جب آگاہ ہو گئے تو کسی مجلس میں بہ سلسلۂ حدیث و قرآن اشارۃً واضح کیا کہ سگریٹ جسے پینا ہو وہ پیئے، اس میں کیا برائی ہے۔ جب سے اب تک مولانا ہمارے سامنے پان کھاتے ہیں اور ہم ان کے سامنے سگریٹ پیتے ہیں۔ کسی طرف سے گلا ہوتا ہے تو ہم اس پناہ گاہ میں سمٹ جاتے ہیں۔ یہاں اب کئی سال کی تربیت سے اس قسم کے جملہ معاملات میں جماعت کی مجموعی فضا انتہائی فراخدلانہ قسم کی ہو گئی ہے اور کوئی بھی اب خوردہ گیریاں نہیں کرتا۔

میں نے جیل کی ڈائری میں (جس کے چند ہی اوراق شائع ہوئے ہیں) لکھا ہے کہ اپنی دو روزہ ۔ رہائی کے دوران میں بریفنا کے خلاف مقدمہ کا ردعمل سننے ہم فوجی عدالت میں گئے ۔ کارروائی ختم ہونے پر ملاقات ہوئی۔ برسبیل تذکرہ میں نے بیان کیا کہ سگریٹ چھوڑ دیا ہے۔ مولانا ہنس کر فرمانے لگے: "ایسے نہیں جیل میں آئیے تو چھوڑ دیجئے، باہر جائیے تو پھر پیجئے۔ پھر جیل آئیے تو پھر چھوڑ دیجئے۔"

مولانا مودودی چائے سے بھی خاص رغبت رکھتے ہیں۔ لیکن مولانا آزاد کے ذوق سے آپ کا ذوق بالکل برعکس ہے۔ مودودی صاحب اس معاملے میں پنجابی نسخہ کے قائل ہیں، یعنی چائے کی پتی بھی بہت ہو، دودھ بھی بہت ہو، شکر بھی بہت ہو۔ چنانچہ شکر کے تین چمچے آپ کے بڑے پیالے کو میٹھا کرتے ہیں۔ چائے کی گرمی کے ساتھ آپ کو برف کی ٹھنڈک سے بھی گہری دلچسپی ہے۔ ٹھنڈا پانی مولانا مودودی کی دلپذیر خواہش سے ایک ہے۔ مگر ٹھنڈے پانی کا مفہوم ان کے ہاں یہ ہے کہ آدھی برف ہو اور آدھا پانی۔ حتیٰ کہ جاڑے میں بھی وہ ٹھنڈے پانی کا مطالبہ کرتے ہیں۔ یاد ہے کہ جب دارالاسلام کے زمانۂ طلوع میں ملاقاتوں کو پہرے کا انتظام ہوتا تھا اور ڈیوٹی دینے والے گروپوں میں مولانا مودودی کی باری بھی جس رات آتی تھی تو آپ برف کا خاص انتظام کر لیتے تھے — گھنٹے گھنٹے بعد برف کی سل کو ٹھنڈے سے توڑا جاتا اور مولانا خود بھی برفاب پیتے اور دوسرے ساتھی بھی!

کھانوں میں مولانا مودودی کے گھر کا ایک خاص مرغوب کھانا شب دیگ ہے۔ یہ شب دیگ مولانا کی والدہ محترمہ کی ہدایت و نگرانی میں بالعموم عید الاضحیٰ کے موقعوں پر پکتی ہے اور سارے رفقا مولانا کے ساتھ مل کر کھاتے ہیں۔ واقعی یہ چیز خوب رہتی۔ تقسیم کے بعد شاید ایک بار اس قصۂ ماضی کی یاد تازہ کی جا سکی ہے۔

مودودی صاحب کے ذوقیات کے سلسلے میں کھانے کا ایک دلچسپ فلسفہ سنئے۔ ابھی گزشتہ رمضان میں ہمارے ایک پرتو فیروز دوست نے محمد آباد میں مودودی صاحب کو دعوتِ افطار دی۔ یہ دعوتِ افطار مکمل کھانے سے کسی قدر زیادہ تفصیلی تھی۔ دسترخوان فرش پر بچھا، لیکن چھری کانٹا موجود! دو چار دوستوں نے چھری کانٹا اٹھایا، مگر مولانا مودودی نے مشرقی وضع نہ چھوڑی۔ میزبان نے پلاؤ کے قریب چمچہ رکھ کر اپنا مشورہ پیش کیا۔ ساتھ ہی کسی صاحب نے پوچھا "چھری کانٹے سے کھانا اسلامی نقطۂ نظر سے جائز ہے یا نہیں؟" فرمایا "جائز کیوں نہیں، مگر دست و دہن کے درمیان اگر کوئی تیسری چیز حائل ہو جائے تو کھانے کا مزہ غارت ہو جاتا ہے۔" اب ایک لطیف سلسلۂ گفتگو چھڑ گیا جملوں اور ہلکی مسکراہٹوں کے ساتھ چل نکلا۔ مودودی صاحب نے باتوں باتوں میں کھانے سے متعلق ایک مکمل فلسفہ پیش کر دیا۔ خلاصہ یہ تھا کہ کھانے کا مزہ محض اُتنے تاثر کا نام نہیں جو ذائقہ کے ذریعے حاصل ہوتا ہے بلکہ اس میں مختلف حسیات حصہ لیتی ہیں۔ کھانے کا ایک رنگ اور اس کی ایک شکل ہوتی ہے جس سے آنکھیں بہرہ اندوز ہوتی ہیں۔ ایک خوشبو ہوتی ہے جس سے مشام متاثر ہوتا ہے۔ ان کے ساتھ مل کر ذائقہ کی حس لطف اندوز ہوتی ہے۔ کھانے میں لمس کا بھی ایک حصہ ہے اور وہ طبعی ہے کہ انگلیاں براہِ راست مس کریں۔ چھری کانٹے اور چمچے سے کھایئے تو لمس کا یہ حصہ غارت ہو جاتا ہے۔

ذوقیات کے دائرے میں اور بہت سی چیزیں قابلِ ذکر ہیں لیکن اس مضمون کیلئے اتنا ہی حصہ کافی ہے۔

بلکہ یہی مصنفین بلکہ یہی کہ آدمی کے ساتھ رہ بس کر ہی اسے جانچا پرکھا جا سکتا ہے۔ خصوصیت سے لیڈروں، دیندروں، علما، مصنفین اور صحافیوں کو قلم سے کبھی جانا ہی نہیں جا سکتا ہے۔ کتابوں اور مقالوں، تقریروں اور بیانوں میں بالکل دوسرا آدمی جلوہ گر ہوتا ہے جو تمام محاسن و کمالات کا جامع معلوم ہوتا ہے۔ اصل آدمی ان پردوں کے پیچھے بہت دور تاریکی میں چھپا بیٹھا ہوتا ہے۔ دنیا کس طرح بیوقوف بنتی ہے۔ شہرت شخصیت کا حجاب اکبر ہے۔ مولانا مودودی کے ساتھ ہم نے رہ بس کر دیکھا ہے۔ اور معلوم یہی دیکھنا مطلوب ہے کہ وہ رفقا کے درمیان کس طرح رہتا سہتا اور گفتگو کرتا ہے۔ مطالعۂ شخصیت کا یہی بہترین طریقہ ہے۔

اولین بات یہ ہے کہ مولانا مودودی اپنے ملنے والوں اور کسی طرح کا تعلق رکھنے والوں میں سے ایک ایک فرد کو یکساں اہمیت دیتے ہیں۔ خصوصیت سے ساتھ کام کرنے والے رفقا، چاہے وہ کسی عہدہ و منصب کا ہو یا نہ ہو اور دوسرے اوصاف کے لحاظ سے کسی بھی درجے کے ہوں، سب کے سب تنظیم میں ایک ہی طرح کی دوستانہ اہمیت رکھتے ہیں اور ایک ہی طرح توجہ حاصل کرتے ہیں۔ اپنے ہر ملاقاتی اور اجتماعات میں شریک ہونے والے تمام وابستگان جماعت پر وہ فرداً فرداً توجہ صرف کرتے رہے ہیں (اب چونکہ تعداد زیادہ ہو چکی ہے اور شرکائے اجتماع بہت زیادہ ہوتے ہیں اس لئے وہ دوران ملاقات ہی میں یہی پھر بھی ہر ایک سے انفرادی ربط رکھنے کی کوشش مولانا ضرور کرتے ہیں)۔ وہ تقریباً تمام ارکان جماعت کو فرداً فرداً نام اور شکل سے جانتے ہیں بیشتر صورتوں میں ان کے ذہنی ارتقا کے مراحل اور ان کے جماعتی اعمال دیکھتے ہیں، خوبیوں اور کمزوریوں سے باخبر رہتے ہیں، مقامی جماعتوں کے حالات کی یاد تازہ رکھتے ہیں۔ کئی کئی سال پہلے جن لوگوں کو کبھی ایک بار دیکھا تھا ان کو دیکھتے ہی پہچان لیتے ہیں اور اسی طرح گزشتہ صحبتوں کو مستحضر کر لیتے ہیں۔ گردہ کے آپریشن کے بعد ان کا حافظہ اگرچہ متاثر ہوا ہے اور اب کسی کسی موقع پر وہ کوئی چیز یاد لانے کے لئے ذہن کو ذرا سی کاوش کرنی پڑتی ہے لیکن متعلقہ افراد کو اہمیت اور توجہ دینے کی خوبی جوں کی توں قائم ہے۔ ہر ایک کو اہمیت اور توجہ دینا خود پسندی، علیحدگی پسندی اور اپنی ذات میں سمٹے رہنے کی عادت کے بالکل نقیض ہے اور مولانا مودودی کی شخصیت کی مستقل جاذبیت کا ایک سبب یہی ہے۔

اسی کے ساتھ ساتھ وہ ہر ایک کو اعتماد میں لیتے ہیں، شریک مشورت کرتے ہیں اور ذمہ داریاں سونپتے ہیں۔ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ انہوں نے ساتھیوں سے بات چھپانے کی کوشش کی ہو یا ان کے خلاف بے اعتمادی کا اظہار کیا ہو۔ ہماری ہزار کوتاہیوں کے باوجود مودودی صاحب کی اس افتادِ مزاج میں کبھی کوئی تغیر واقع نہیں ہوا۔ انہوں نے رفقا کے درمیان کبھی اقرب اور ابعد کا امتیاز نہیں کیا۔ ایک کے خلاف دوسرے کے سامنے کسی طرح کا اظہار شکوہ اور اظہار نفرت نہیں کیا۔ دارالاسلام کے دور سے لیکر اب تک ایسا ہوتا رہا ہے کہ جب کبھی کسی سفر سے آمد ہوئی، کسی ملاقات اور گفتگو اور مشاورت سے فراغت ہوئی، کوئی اجلاس شوریٰ ختم ہوا تو مولانا مودودی کے گرد رفقا جمع ہو جاتے ہیں اور بے تکلفی سے باتیں پوچھتے ہیں اور باتیں سنتے ہیں۔

مولانا مودودی بہ حیثیت امیر اگرچہ کارکنان مرکز اور باہر کے ماتحت امرا کیلئے نیز خاص طور پر دفتر ترجمان القرآن کے کارکنوں کیلئے افسر کی حیثیت رکھتے ہیں، لیکن برسوں کا تجربہ گواہ ہے کہ انہوں نے کبھی بھی افسرانہ اور تحکمانہ انداز سے نہ کوئی کام کسی کو سونپا ہے، نہ باز پرس کی ہے اور نہ بالادستی کے اظہار کے لئے اس طرز سے نگرانی کی ہے۔ سارا معاملہ دوستانہ انداز سے چلتا ہے۔ اسی دوستانہ انداز کی بات ہے کہ مولانا کے ساتھ رہ کر کام کرنے کا ہر کسی کو شوق رہتا ہے اور کوئی ان کا ساتھ چھوڑ کر جانے پر اس وقت تک آمادہ نہیں ہوتا جب تک جماعتی مصالح کا شدید تقاضا نہ ہو۔

سب سے بڑی بات یہ ہے کہ مولانا مودودی کے ہاں ہر شخص کو خصوصیت سے رفقا کو اختلاف اور تنقید کا پورا پورا حق حاصل رہتا ہے۔ علم اصطلاح کے اعلانات چھوٹے سے چھوٹا آدمی اٹھے گا اور جلسہ گاہ میں بیٹھا سے لے گا اور رو در رو ہر بات کہہ دے گا جو اس کے ضمیر کی آواز ہو۔ تنہائی تک ہی محدود نہیں، عام مجالس گفتگو میں کوئی رفیق کسی بات پر کہہ دے گا کہ مجھے اس سے اختلاف ہے یا آپ کا یہ نقطہ نظر فلاں جماعتی اصول سے یا آپ ہی کے فلاں قول سے ٹکراتا ہے۔ اور پھر اجتماع میں ——— رفقا اٹھ کر بے دھڑک سوالات کریں گے۔ اعتراضات سامنے لائیں گے اور اپنے اختلافات بیان کر دیں گے۔ جماعتی فیصلہ تو نظری اختلاف کے باوجود ہر رکن عملاً قبول کرتا ہے، لیکن مولانا کے علمی نظریات اور ذاتی تصورات سے اختلافات کئے جاتے اور مسلسل برقرار رہتے

ہیں۔ ہمارے ہاں عموماً مذہبی جماعتوں میں جمہوریت کا یہ پہلو بڑی اہمیت رکھتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ کسی اعلیٰ منصب پر آنے والا شخص ایک لمحے کے لئے بھی یہ گمان نہیں کرتا کہ بحیثیت سب سے بڑا منصب مرکزی امارت کا ہے۔ امیر مرکزی بھی پر معاملات و مسائل اور تنازعات کے بارے میں بے لاگ تنقید کا حق ہر چھوٹے بڑے کو حاصل ہے کا اسلام میں حکم ہے۔ تنقید کے حق کو اسلامی تقاضوں کے مطابق استعمال کرنے کی تربیت پاتے رہنے کے باوجود جماعت میں ہمیشہ ایسے افراد بھی موجود رہتے ہیں جو بعض وجوہ سے یا محض اپنے مزاج کی وجہ سے اس معاملے میں ہمیشہ تیز رہتے ہیں) جب وہ سختی سے تنقید کرتے ہیں تو مولانا مودودی اس پر چھوٹوں کا سا مقابلہ نہیں کرتے بلکہ تحمل کے ساتھ سنتے ہیں۔ اور ڈانٹ ڈپٹ یا ترش روئی کا کبھی مظاہرہ نہیں کرتے۔ انہوں نے اسلامی اصول کے مطابق اپنی پوری زندگی کو ایک کھلی کتاب کی طرح جماعت کے سامنے رکھ دیا ہے۔ اس کے کسی بھی صفحے کی کسی بھی عبارت پر ہر رفیق کو اظہار رائے اور تنقید بلکہ جب چاہے کرید کرید کر پوچھنے کا حق حاصل ہے۔ چنانچہ جماعتی امور سے آگے نکل کر مولانا کے گھر والوں کے بچوں کی تعلیم و تربیت اور دوسرے شخصی معاملات تک پر متعدد بار ورکروں نے کھل کر گفتگو کی ہے۔ زندگی کو اس طرح سب کے سامنے رکھ دینا اور تنقید و اعتراض کا عام حق دے دینا کوئی آسان کام نہیں۔ جسے آسان معلوم ہو وہ اسے ذرا کر کے دیکھے۔ اس مقام تک شاید کوئی پیشوا اور عالم دین مشکل ہی سے رسائی رکھتا ہوگا۔ اور رفقاء نے جس شخص کو بار بار اعتراضات کی چھلنیوں میں چھان کر، تنقید کے چھاج میں پھٹک کر دیکھا ہے وہی اس کی صحیح قدر پہچانتے ہیں۔ مولانا مودودی کو مصنوعی زندگی سے سخت گریز ہے۔ لباس، وضع قطع اور دوسرے پہلوؤں میں مختلف لوگوں نے ان کو طرح طرح کے مشورے دیئے ہیں، بجاجت سے اصرار کیا ہے۔ لیکن مولانا نے کسی کو خوش کرنے کے لئے کبھی کوئی ایسی تبدیلی اپنے اندر نہیں کی جس کے لئے دین خود تقاضا نہ کرے اور ضمیر کے اندر سے کوئی تحریک نہ ہو۔ بعض لوگ چاہتے تھے کہ آپ نوافل پڑھا کریں۔ بعض کا اصرار تھا کہ ڈاڑھی زیادہ لمبی رکھیں، بعض کا مشورہ تھا کہ سر کے بالوں کی ہیئت بدل دیں، بعض کا تقاضا تھا کہ اسلوب نگارش اور طرز گفتگو میں تبدیلیاں کریں اور کچھ یہ چاہتے کہ لباس میں پیوند لگایا کریں۔ لیکن مولانا مودودی دوسروں پر اثر انداز ہونے کے لئے کسی ادنیٰ سی ترمیم پر بھی کبھی راضی نہیں ہوئے۔ ساتھ ہی انہوں نے اپنی کسی عادت اور اپنے کسی معمول کو کبھی کسی سے اخفاء میں رکھنے کی کوشش نہیں کی۔ وہ ڈرامائی کردار بننے پر کبھی ایک لمحہ بھی تیار نہیں ہوئے۔

رفقاء کی عزت نفس کا مولانا کو ہمیشہ خاص خیال رہتا ہے۔ وہ ان کا پورا پورا احترام کرتے ہیں اور اسلامی آداب کے ساتھ ان سے مساویانہ معاملہ کرتے ہیں انہوں نے کبھی کسی رفیق کو ملامت نہیں کی، برا بھلا نہیں کہا، غضبناک ہو کر سخت گیرانہ معاملہ نہیں کیا۔

اس کے معنی یہ نہیں کہ ان کی تربیت سے تغافل برتا ہے۔ تربیت ہمیشہ مدنظر رہی۔ بس اس کا منصوبہ جداگانہ نوعیت کا تھا۔ مولانا مودودی کے طریق تربیت کا ایک جز تو یہی اعتماد میں لینا، احترام محفوظ رکھنا، ذمہ داریاں سونپنا اور دوستانہ سطح پر معاملہ کرنا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ کریم النفسی کا مظاہرہ کرتے ہوئے چھوٹی چھوٹی چیزوں پر گرفت نہیں کرتے اور اہم تر کوتاہیوں پر وہ ایک خفیف سے اشارے یا بامعنی طرز کے ایک جملے کے ذریعے ہنستے مسکراتے احساس دلا دیتے ہیں۔ اس سے آگے کا معاملہ ہو تو بغیر کسی کو کوئی آگہی کے پاس بٹھا کر تفصیل سے بات سمجھا دیتے ہیں۔ اظہار ندامت پر فراخدلی سے معاف کرتے رہتے ہیں۔ اگر کسی رفیق یا ملازم کی اصلاح سے لمبے تجربے کے بعد وہ بالکل مایوس ہو جائیں ——— اور ایسی صورتیں پورے گزشتہ دور میں شاذ و نادر ہی چار چھ آئی ہیں ——— تو خوبصورتی سے معاملہ ختم کر دیتے ہیں۔ مولانا مودودی کا یہ طویل المیعاد طرز تربیت نتائج کے لحاظ سے بہت ہی کامیاب رہا ہے۔ خصوصاً انہوں نے اپنی بیگم صاحبہ کی زندگی میں جو انقلاب پیدا کیا ہے وہ حیرت ناک ہے۔ ہماری یہ بہن ایک ایسے خاندان سے آئیں جس میں مغربیت تیزی سے چھا رہی تھی۔ مولانا مودودی کی والدہ محترمہ کے اصرار سے یہ رابطہ قائم ہوا۔ شادی کے بعد جب مولانا مودودی کے نظریات و عزائم زیادہ اچھی طرح واضح ہونے لگے اور پھر جب وہ ایک ایسے راستے کی طرف مڑ گئے جو دنیوی کامرانیوں کے باغ و بہار سے نہیں، بلکہ فقر و فاقہ کے خارزار سے ہو کر گزرتا تھا اور وہ خارزار عملاً دارالاسلام کی سیدھی سادی اور سادہ دیہاتی زندگی کی صورت میں بالکل سامنے آگیا تو ہماری ان محترم بہن کے سارے خواب درہم برہم ہونے لگے۔ وہ گویا عیش و مسرت کی ایک دنیا سے ایثار و امتحان کی بالکل ایک دوسری دنیا میں منتقل ہو گئیں۔ ہر دو دماغ میں جو ہاں ایسے انقلاب سے ہونی چاہیئے تھی وہ ہوئی۔ لیکن مولانا مودودی نے ٹھنڈے دل سے ایک مشفقانہ اسکیم کے تحت ان کی دلجوئی کرتے ہوئے آگے بڑھتے رہے۔ وہ کچھ درس سنتے سنتے، کچھ لٹریچر پڑھتے پڑھتے، اور ایک خاص ماحول میں رہتے رہتے آخرکار اپنی جگہ سے چل

نہیں ہوئی مسلک ہے۔ اسکا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ جماعت میں کسی ایک نوع کی شخصیت پیدا ہو گئی۔ بالکل اسی طرح مولانا مودودی اپنے کارکنوں کے لئے شعبہ
کے معاملات پر شدید غور و فکر کر کے لازمی تربیت دیا کرتے ہیں۔ لیکن یہ کسی طور حرکت کریں تو ایک حد تک" اگر —— اگر ——
بالخصوص ہو رہا ہے" ! —— بس یہی مولانا مودودی کا خاصہ تربیت ہے جسے وہ بچوں پر استعمال کرتے ہیں

تعمیر حیثیت مولانا مودودی کی شخصیت سے جرأت و استقلال پیدا ہے مولانا کی ذات کی بہت بڑی صفات ہے۔ وہ ایک ادارہ
شخصیت رکھتے ہیں جو چند ساتھیوں میں بھی منتقل کر دیتے ہیں۔ اور اسی طرح جرأت و استقلال کے پیکر ہی نہیں بلکہ جو پر ڈال دیتے ہیں۔ مارشل لاء
کے دور میں مولانا مودودی اور ان کے ساتھیوں کو سزا کو درست سمجھتے ہوئے ہر طرح سے تیار رہتے تھے۔ وہ گمان کرتے تھے کہ کوئی شخص
ہو یا ادارہ ایک جانور کے ساتھ کہ جانے کیونکر کسی طرح اس کی حفاظت ہو سکتی ہے۔ مگر جب مولانا سنتے ہیں گھر آتے۔ حالانکہ
معلوم تھا کہ نفرت و کدورت اور فتنہ و فساد کی آگ اور ہرا بادی کے نیچے کچھ دبی ہے۔ جب وہ فساد شروع ہو گیا تو ہم میں مولانا مودودی نے
نفس نفیس بستی کی حفاظت کے لئے فوجی نظام جو بہ اعتبار منصوبہ تھا۔ خود وہ اس نظام کے ماتحت تھے اور تمام متعلقات میں حصہ دار ہے۔

جن دنوں کشمیر کے نام پر ہمارے خلاف ہمارا اکبر (اخبار) کا ہم سے ایک وزنی سے (جسے جماعت اسلامی سے غدار کہا گیا ہے) ایک برطرف
کیا اور جہاد کی ہیں ہا کر نتوی دیا کہ یہ لوگ غدار ہیں۔ میں تسنیم کے دفتر میں شریک تھا۔ مولانا سے مشورہ لینے گیا۔ مودودی نوٹ لکھا چاہئے۔
مولانا مودودی مزاحا کہنے لگے تو دیکھیں کیوں —— صاف صاف کہیئے کہ ہم اقتدار کے بھوکے ہیں —— بس تب سے فیصلے نے مجھے اور دوسرے
ترکیب صلح کو ساتھ جرأت و جسارت سے مالامال کر دیا اور اسی وقت میرے ذہن میں ایک مصرع نمودار ہوا —— "تم لوگ اقتدار کے مجرم ہیں"
لگی سیف تک نظر منتقل ہو گئی۔ پھر جب یہ ہنگامہ زیادہ بڑھا اور جوابی وار کرنے کیلئے اخبارات کی طاقت بھی مرے مجھے ان کی ترغیب پاکستان کے بعد سے پہلے کرکے
بچی بات واضح کی جائے۔ مولانا یہ تھا کہ ابتدا کس حصے سے کی جائے۔ مودودی صاحب کہنے لگے کہ سب سے پہلے خطرات کے بڑے موقع کو دیکھئے۔ وہ ہر موقع پر ڈٹ
تھا۔ ان کے اس مشورے نے جو خاص مدت کارکنوں کے اندر پھونک دی اس کا آج تک ہمیں اندازہ ہے

اور پھانسی کی کوٹھڑی میں! —— اعزہ و رفقا ملنے جاتے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ آپ کو کسی چیز کی ضرورت ہے؟ تو جی ہاں عینک کے تاگے
درخلال کے چند تنکوں کی۔ یہ تھا اس شخص کا جواب جس کے لئے پھانسی کا پھندا تیار ہو رہا تھا۔ مولانا مودودی نے رحم کی اپیل کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ اس
سلسلے میں دریافت کرنے پر جو تین وجوہ آپ نے بیان فرمائے ان میں سے ایک یہ تھا کہ اگر میرے جیسے آدمی نے بھی جان بچانے کے لئے رحم کی اپیلیں کرنا شروع
کر دیا تو پھر اس ملک میں غیرت و حمیت کا بالکل خاتمہ ہو جائیگا۔

اور جب فوجی عدالت میں مقدمہ چل رہا تھا —— مولانا کے وکیل نے ایک راہ یہ سجھائی کہ آپ تسنیم کے شائع کردہ بیان کو اپنانے سے انکار کر
دیں۔ لیکن مولانا مودودی کی سیرت نے اس مشورہ کو مسترد کر دیا اور جب عدالت میں پوچھا گیا تو آپ نے کسی تردد کے بغیر کہا کہ ہاں! یہ پورا بیان میرا ہے"!
مولانا اپنے رفقا کے درمیان اس سادہ زندگی کی وجہ سے بھی محبوب ہیں جو ان کا تعلق دوسروں سے مساویانہ اخوت کی بنیادوں پر جڑتی ہے۔ ان کا لباس
ہمیشہ سادہ رہا اور بسا اوقات تو ان کے کرتے اور پاجامے پر خوبصورتی اور مہارت سے لگے ہوئے پیوند بھی ہم نے دیکھے ہیں۔ لیکن یہ نمائشی فقرے
ہمیشہ خالی پائے گئے۔ ان کے ہاں کے کھانے بارہا کھانے کا موقع ملا اور دعوتوں میں شرکت کی لیکن کھانا ہمیشہ سادہ پایا۔ دفتر میں بیٹھک کرسی ہمیشہ رہے لیکن صوفوں
اور قالینوں کو کبھی بار نہ مل سکا۔ کبھی کوئی ماما یا کوئی بچہ گھر میں ملازم رہتا ہے۔ لیکن تمام کاموں کے لئے نوکروں کا بیڑہ کبھی بھرتی نہیں ہوا۔ اس سبب سے مولانا مودودی
کو دن میں کئی کئی بار خود ہی اٹھ کر گھر جانا پڑتا ہے اور بچے دروازے پر دستک دے کر بلا وا دیتے رہتے ہیں۔ مولانا مودودی اپنے ہاتھ سے بہت سارے کام کر
لیتے ہیں اور ایسے کاموں کی فہرست بہت دلچسپ ہے مگر تفصیل کا موقع نہیں۔ یہ سادہ زندگی ان کے لئے رفقاء سے مساویانہ رابطہ رکھنے کو آسان بناتی ہے ——
دارالاسلام میں ہر روز شام کو کبھی کرسیوں پر کبھی چٹائیوں پر اور کبھی کچے پکے چبوتروں اور گھاس پر تکلف ہر طرف کر کے برادرانہ محفل جمتی اور مولانا مودودی ہی

میں یکلا دینا۔ یوں کہ بیٹھے بیٹھے بات کر اجتماعی کھانا ہوتا اور کھانے کا سلسلہ برابر جاری رہتا بعد ازاں وقت دعائیں ہوتیں۔ اجتماعی کھانے کا سہارا وہاں ہمیشہ مفتی صاحب تھے۔ وہ نہ ہوتے تو کھانا پھیکا ہو جاتا۔ اب لاہور میں صرف عید کے موقع پر اس اجتماعی کھانے کی یاد تازہ کی جاتی ہے۔

اجتماعات کی صورت میں کئی برس تک مولانا ایک عام رکن کی طرح قیام و طعام کے عام انتظام میں حصہ دار ہوتے۔ فرش پر سوتے اور سب کے ساتھ مل کر رہتے۔ اب ان کی صحت کی کمزوری کا لحاظ کر کے ان کے رفقاء نے ہر چیز کھانے کا انتظام شروع کیا ہے اور ان کو اجتماع گاہ میں قیام گاہ کا ایک گوشہ الگ کر کے دے دیا جاتا ہے تاکہ وہاں وہ ضروری امور کیلئے سوچ سکیں، تقریر کی تیاری کر سکیں اور آرام سے سکیں۔ مگر آرام کہاں! اسی طرح وہ سفر میں جب بھی رفقاء کے ساتھ جاتے ہیں تو اسی درجے میں سفر کرتے ہیں جس میں سب کے لئے سفر کرنا ممکن ہو ——— اور یہ تیسرا درجہ ہی ہو سکتا ہے۔ دو ایک کل پاکستان اجتماعات (۱۹۵۰ء ۱۹۵۱ء) میں کراچی تشریف لے گئے تو اسی آخری درجے میں سفر کیا۔ کسی ایک موقع پر کہیں ان سے کسی ملاقاتی کی جانب سے سوال کیا گیا کہ "کیا آپ اور تھرڈ کلاس میں؟" فرمایا "اگر کوئی چوتھا درجہ ہوتا تو اسی میں سفر کرتا۔"

اندازہ کیجئے کہ کیسی شخصیت ہے اور اس کے ساتھ اس کے رفقاء کی وابستگی کس نوعیت کی ہوگی۔

ہاں ——— اس سادہ زندگی کے پس منظر میں وہ ایثار کام کر رہا ہے جو اس زمانے میں اپنی مثال آپ ہے۔ جب اپنا نصب العین متعین کر کے آپ ذہنی کے راستے پر چل پڑے تو بار بار ایسے مواقع آئے کہ ترجمان القرآن سے کبھی ایک حلقے کے خریدار ٹوٹ جاتے، کبھی دوسرے حلقے کے، لیکن مودودی کے ایمان نے اس ٹوٹ پھوٹ کی کبھی پروا نہیں کی۔ آخر میں مسلم لیگی حلقوں کے ناراض ہونے کا تو رسالے کی خریداری پر نمایاں اثر پڑا۔ مگر حق کا دکھ پائی اپنے موقف سے نہیں سرکا۔ حالات کی اس گردش میں بار بار مولانا مودودی فقر و فاقہ کی بالکل سرحد پر جا پہنچتے رہے ہیں۔ اور دوسری طرف تن تنہا بہت ساری ذمہ داریاں اٹھانے کی وجہ سے رات کو دو دو بجے تک بیٹھ کر کام کرنے کے عادی رہے ہیں۔ ترجمان کے مقالات کے مجموعے کتابی شکل میں آئے اور دوسری کتابیں شائع ہوئیں تو یہ لٹریچر حد درجہ مقبول ہوا اور کئی کئی ایڈیشن اب تک نکلے ہیں۔ آمدنی کا یہ ایک جائز اور وسیع ذریعہ تھا اور اس سے مولانا مودودی اپنے مالی حالات کو ہمیشہ کیلئے مضبوط بنا سکتے تھے۔ لیکن انہوں نے یہ کتابیں تحریک کیلئے وقف کر دیں۔ اس وقت دو چار کتابوں کے علاوہ باقی کتابیں جن کی تعداد پچاس ساٹھ کے قریب ہوگی سب جماعت اسلامی کی ملک ہیں۔ اس ایثار کے ساتھ دوسرا ایثار یہ تھا کہ جماعت اور تحریک کے عائد کردہ مختلف فرائض کا بار شروع سے بلا معاوضہ اٹھایا ——— حالانکہ شرعاً اور اخلاقاً ناجائز نہیں تھا کہ مولانا اپنا پورا وقت دیتے ہوئے بقدر کفالت جماعت سے معاوضہ یا کم سے کم وظیفہ لیتے۔ اس کے لئے اصرار بھی کیا گیا، لیکن وہ قرض اٹھا اٹھا کر تو کام چلاتے رہے، یہ صورت بالکل قبول نہیں کی۔

سوچئے کہ ہمارے پاس کتنی ایک مثالیں ایسی موجود ہیں!

اس موضوع کے سلسلے میں ضروری ہے کہ مولانا مودودی کا پارٹ مجلس شوریٰ میں دکھایا جائے جو بیرونی دنیا کی نگاہوں سے بالکل اوجھل ہے۔

مودودی صاحب ہمیشہ مقررہ وقت پر پہلے سے ایوان (جو بیشتر ان کا دفتری ہوتا ہے) میں موجود ہوتے ہیں۔ لوگ آتے اور بیٹھتے جاتے ہیں۔ ماحول بڑا سنجیدہ ہو جاتا ہے۔ سابق کارروائی پڑھی جاتی ہے۔ ایجنڈا پڑھا جاتا ہے اور اکثر اوقات تمام ارکان شوریٰ باری باری اپنے اپنے علاقوں کے تحریکی حالات کے بارے میں معلومات پیش کرتے ہیں۔ پھر مسائل پر بحث شروع ہوتی ہے۔ مولانا مودودی بحث کے دوران میں نقطہ ہائے نظر کو سمجھنے کے موڈ میں پُرسکون طریق سے بیٹھے رہتے ہیں۔ ابتدائی عام بحث کے بعد آہستہ آہستہ دو یا زیادہ اختلافی آراء متعین شکل میں سامنے آجاتی ہیں اور ضرورت ہو تو ان کو مولانا مودودی اچھے منصفانہ تجزیہ کے ساتھ بیان کر دیتے ہیں۔ اب ان آراء کے حق میں مختلف افراد (جو کبھی مستقل گروہ بندیوں کی شکل اختیار نہیں کرتے) انفرادی طور پر استدلال کرتے ہیں۔ بحث اگر انضباط سے ذرا ادھر ادھر ہو تو مولانا تحمل سے انداز سے از سر نو تجزیہ کر کے اسے پھر راہ راست پر ڈال دیتے ہیں۔ اگر لوگ زیادہ بولنے لگیں تو کسی کسی موقع پر یکایک مولانا اٹھیں گے اور مسکرا کر کہیں گے "اچھا حضرات! آپ بحث جاری رکھئے، میں ذرا ڈیڑھ بجا کے آتا ہوں"۔ اس پر اکثر چہرے مسکرا اٹھتے ہیں اور لطیف تنبیہانہ انداز کی اس تنبیہ کو سمجھ کر بحث کا از خود سدباب کر لیتے ہیں۔ مولانا مودودی نہ تو اس دوران میں اپنی رائے کو سامنے لاتے ہیں اور نہ کبھی یہ محسوس ہوتا ہے کہ پہلے

[illegible] بحث سے بہت کچھ [illegible]
[illegible] اپنے مخصوص [illegible] انہوں نے کسی بات کو پیش کیا ہے [illegible] مولانا [illegible] کہتے ہیں تو وہ بحث کے بعد [illegible]
[illegible] پیش کر دیتے ہیں [illegible] اپنے رفقائے شوریٰ [illegible] الفاظ قبول کیا جاتا ہے [illegible]
[illegible] پاتے ہیں۔ [illegible] اختلافی معاملات کے درمیان جب بحث بہت طول کھینچ جاتی ہے تو مولانا مودودی ان کے [illegible]
[illegible] اس خوش اسلوبی سے پیش کرتے ہیں کہ بحث کا ماحول چھٹ جاتا ہے۔ [illegible] واقعہ یہ ہے [illegible]
[illegible] کسی مجلس بلکہ روایت یہ ہے کہ باہمی افہام و تفہیم کے بعد اتفاق رائے اور اطمینان قلب و ذہن کے ساتھ ہی معاملات طے پاتے ہیں۔ مجلس شوریٰ کی [illegible] مولانا مودودی کا ایک اہم پارٹ یہ رہتا ہے کہ جب بھی بحث کی فضا بوجھل ہونے لگتی ہے تو وہ ایک تبسم آمیز فقرے سے اس کو ہلکا پھلکا بنا دیتے ہیں۔ حقیقت باہر کے لوگوں کو معلوم نہیں ہوگی کہ ہمارے ان گنجلک مسائل پر [illegible] شوریٰ [illegible] جماعت سے بھی گفتگو کرتے ہیں [illegible] کی طرف سے یہ کوشش کی جاتی ہے [illegible] اپنے ہم خیال تیار کئے جائیں [illegible] ایوان کے اندر [illegible] گروہ بندی پیدا ہوتی ہے [illegible] اور [illegible] کہ وہ تمام [illegible] کی بنا پر کا حصہ دار ہے اور اس کی رائے ویسی ہی قیمتی اور اس کا استدلال ویسا ہی اہم ہے جیسے کسی [illegible]!

ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص میرے اس مطالعۂ شخصیت میں اچھے ہی اچھے پہلو دیکھ کر مجھ پر قصیدہ گوئی کا الزام رکھے۔ میں کسی کو روک نہیں سکتا۔ مگر اتنا عرض ضرور کرتا ہوں کہ قصیدہ گوئی کے لئے میرا مزاج بنایا ہی نہیں گیا۔ مگر دوسری طرف میرا مزاج یہ بھی نہیں ہے کہ خواہ مخواہ کا تکلف کر کے کچھ عیب کسی کے اندر نکالوں۔ مودودی صاحب کی شخصیت کا مجموعی ڈھانچہ بہت ہی صاف ستھرا اور نفیس ہے، اس میں کوئی بنیادی اہم قسم کی کجی یا فساد موجود نہیں ہے۔ یوں وہ انسان ہیں، رائے قائم کرنے، فیصلے دینے، معاملات کو سمجھنے اور تدابیر اختیار کرنے میں غلطیاں کرتے ہیں۔ ہم سب ایسی غلطیوں پر ان سے بحث بھی کرتے ہیں اور اگر ہمارے دلائل مضبوط ہوں تو مولانا مودودی قائل ہو کر تبدیلی بھی قبول کرتے ہیں۔ لیکن جہاں تک ان کے اخلاق اور کردار کی ساخت کا تعلق ہے اس میں کوئی رخنہ تلاش کرنے میں ناکامی ہوتی ہے۔ کمزوریاں ان میں ہوں گی مگر آخر تحریک کی چکی میں پڑ کر اپنے رفقاء کے ساتھ ساتھ خود مودودی صاحب بھی تو پسے ہیں۔ اور وہ تو ہم سب سے پہلے (سنہ [illegible] میں) اپنی اس سلگائی ہوئی چکی میں از خود پڑے تھے اور اس میں پستے ہوئے ان کو آج ۲۵، ۲۶ سال ہو چکے ہیں——

—— میں اپنے ضمیر کے سامنے بہر حال مطمئن ہوں کہ میں نے عقیدت مندی کے رنگ سے نہیں بلکہ تصویر و تعبیر حقیقت کے رنگ سے مرتب کی ہے ——

اور اتنی اچھی تصویر سامنے ہونے کے باوجود میں کہتا ہوں کہ مودودی ہرگز کوئی فرشتہ نہیں، وہ معصوم نہیں، وہ انسان ہے، وہ غلطیاں اور کوتاہیاں اور کمزوریاں رکھنے والا انسان۔

مودودی کی شخصیت کا یہ مطالعہ و تجزیہ ختم کرتے ہوئے میں [illegible] سفیان آفاقی کے چار فقروں کو دہراتا ہوں: "مولانا مودودی کی زندگی اس اعتبار سے دلچسپ ہے کہ وہ ایک انسان کی زندگی ہے۔" (ابو الاعلیٰ مودودی) اور ان الفاظ ہی کی روشنی میں تعصب کی ان دیواروں پر ماتم کرنا چاہتا ہوں جن کو لوگوں نے خود اپنے اور مودودی کے درمیان کھڑا کر رکھا ہے اور مخالفانہ پروپیگنڈہ کرنے والوں کو اذن دے رکھا ہے کہ ان دیواروں پر نت نیا پلستر لیپتے رہیں۔ مودودی صاحب سے جسے اختلاف ہو وہ اختلاف کرے، جو ان کے مذہبی تصور کو غلط سمجھتا ہو وہ اپنا کلامی اور فقہی نقطۂ نظر پورے زور سے سامنے لائے اور جسے ان کے سیاسی پروگرام سے بُعد ہو وہ سیاسی دائرے میں ان کا پورا پورا مقابلہ کرے —— مگر وہ اپنی نوعیت کے انسان اور ایک تاریخی شخصیت ہونے کے لحاظ سے ساری ملت کی ایک قیمتی متاع ہیں بلکہ انسانی دنیا کے بنیادی سرمایۂ شخصیت و کردار کا ایک جزو!

—— اور ان کی ذات میں علم اور عمل کے کچھ نہ کچھ ایسے پہلو موجود ہیں جن میں سے ہر ایک کی ہمیں ضرورت ہے۔ انہی پہلوؤں تک رسائی حاصل کرنے کا راستہ نکالنے کیلئے ان کا مطالعۂ شخصیت مفید ہے، ورنہ محض ایک شخص جس کا نام ابو الاعلیٰ مودودی ہے کسی دوسرے سے قابلِ ترجیح نہیں ہے۔

علامہ مشرقی

غلام جیلانی برق

یہ ۱۹۱۰ء کی بات ہے۔

کہ میرے گاؤں دبسال ضلع اٹک میں میرے والد صاحب کے مرشد و کرم بزرگ حضرت والا باحقیقت کے لئے ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ میں اور میرے ایک بھائی غلام ربانی عزیز بھی ہمراہ تھے۔ ہم نے بھی نذرانہ پیش کیا۔ مرشد نے پوچھا۔ کہ یہ بچے کیا کرتے ہیں۔ حضرت والد نے بتایا کہ سرکاری سکولوں میں پڑھتے ہیں۔ بڑا چھٹی میں اور چھوٹا تیسری میں۔ یہ سنتے ہی مرشد کے تیور بدل گئے۔ جلال میں فرمایا "ان کو آج ہی سکول سے اٹھالو۔" علم کی تحصیل بھی شروع ہوئی اور ہم دونوں بھائی مسجد میں بٹھا دیئے گئے۔ جہاں ہم نے چند فارسی کا نصاب ختم کیا۔ پھر دس برس عربی نحو۔ فقہ۔ منطق۔ فلسفہ۔ حدیث۔ تفسیر اور تاریخ پر صرف کئے۔

مسجد کے یہ تیرہ برس میری زندگی میں بہت اہم تھے۔ اوّل اس لئے کہ یہاں مجھے عربی زبان پر قدرت حاصل کرنے کے مواقع میسر آئے۔ اور دوم اس لئے کہ مجھے مُلّا و پیر کی اندرونی زندگی دیکھنے کا موقع ملا۔ چونکہ یونانی فلسفہ پڑھنے کے بعد تعقل کی گرفت ڈھیلی پڑ چکی تھی۔ اور تشکک آزاد ہو چکی تھی اس لئے میں نے اس مذہب کے ہر پہلو پر غور کرنا شروع کر دیا جو مُلّا پیش کر رہا تھا۔ بے شمار شبہات پیدا ہوئے۔ جن کا جواب مُلّا کے پاس موجود نہ تھا۔ رفتہ رفتہ یہ شبہات بے چینی میں بدل گئے۔ اور بے چینی نے بغاوت و الحاد کی صورت اختیار کر لی۔ ۱۹۲۰ء سے ۱۹۲۳ء تک میں خدا، رسول اور اسلام و قرآن سے باغی رہا۔ میرا کام رسولِ خدا کی تضحیک اور کتاب اللہ کا مذاق اڑانا تھا۔ اور رفاقت بھی ایسا کہ بڑے بڑے زندیق میرے سامنے کان پکڑتے تھے۔ اور ابلیس مجھ سے پناہ مانگتا تھا۔

میرا الحاد عین شباب پر تھا۔ کہ ایک دن (۱۹۲۴ء) ایک دوست علامہ مشرقی کی مشہور کتاب تذکرہ میرے پاس لائے۔ اور کہا۔ کہ اسے پڑھو۔ شاید تمہارے بعض شبہات کا حل اس میں موجود ہو۔ میں نے نفرت و حقارت سے کتاب کو اٹھایا لیکن چند ابتدائی جملوں ہی نے میری دنیائے دل میں ایک زلزلہ سا بپا کر دیا۔

"دنیا کی سب سے منظم اور مرتب اشیاء میں سب سے پیارا مذہب ہے۔ یہ پھٹا کیوں ہے۔ یہ بھٹکا کیا ہے۔ یہ رسمی عقائد۔ یہ شرعی مراسم۔ یہ برہمن کے قشقے۔ یہ بت پرست کی مورتیاں۔ یہ مسلم کی قربانیاں اور ہندو کے

... میں ... شعر، فارسی اور عربی کا بھی فرق کیا ہے۔ اس نے تسبیح ... کہ ایک ... خاص ...
... سیاست ... عبادت۔ مستقات۔ ... نماز ... عربی فارسی زبانیں ... تحریف۔ اصطلاح۔ جس ... شناس
... وغیرہ ...... کی اصلاح ... میں ...... کوئی ہر شخص نہایت عقیدت و التزام سے کرتا ہے۔ ان کے ... حیثیت
... کے حق ... ایک حرف ... پر ... مقابل ... انہوں ... سب ... مشترک ... سے ...
... رہنمائی ... کا منتخب ... ہوئے ہیں۔ ......
تعجب ہے مذہب کی طرف ... میدان ... کے باوجود ... آخر ... میں ... فیصلہ ... کر ... سکتا
سچا ہے۔ کونسا ... کائنات کی منشا کے مطابق ہے اور مذہب ... صحیح ... کیا ہے! ......
علم طبیعیات کے حقائق پر سارا جہان متحد ہے۔ ...... زمین کی محوری حرکت یا ... کے ... سکون پر
ساری دنیا متفق ہو چکی ہے ...... لیکن ہندو اور بدھ۔ یہودی ... عیسائی اور مسلمان ... میں اختلاف ... ہے
... ہے ... ۔ ... کی ... کیفیت کیوں ... سب کو کسی مشترک حقیقت پر جمع نہیں کرتی! ......
میرا یقین ہے کہ دنیا کے مختلف پیغمبر جہاں سے آئے تھے۔ ایک ہی پیغام ... تھے۔ انہوں نے ... ایک
ہی چشم تحیر سے دیکھا تھا۔ وہ انسان کو ایک ہی مقام ... سے ... تھے۔ ... اور ... سفید
ان کے بدنوں میں ایک ہی راہ سے داخل ہوتی تھیں ...... جو کہ مادہ سب ایک تھا۔ ... ایک تھی
... ایک تھی۔ ... ایک تھا۔ ... پیغام ایک تھا۔ جب تک یہ ... لوگ اس دنیا میں رہے۔ ...
... کرتے رہے۔ سولی پر چڑھ چڑھ کر ... ہو کر خلق خدا کو آمادۂ عمل کرتے رہے۔ سب کو ... نصب
العین اور ایک قانون پر متحد کرتے رہے۔ لیکن ان کے بعد جب ... حقیقت ... لوگوں نے ... کو سنبھالا
تو لوگوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ پیغام خدا غلاف کر اپنے پیچھے صفیں ... کریں۔ آج ... پر ... متضاد
عذاب الٰہی ... فساد ... سے ہے ...... یہ مذہب کی ... فی الحقیقت جہالت اور ناشناسی کی ... ہے
...... علم اور نبوت کی ضد قطعاً نہیں۔ علم جہاں ہوتا ہے اتحاد و اشتراک پیدا کرتا ہے۔ ... اسلام اور ... و
عمل پیدا کرتا ہے ...... اس کے ہوتے ہوئے ... سوال ... ہے ...... دو مخالف فریق آج تک اس
بات پر نہیں لڑے کہ پانی سیال نہیں۔ آگ ٹھنڈی ہے۔ یا ... آسمان کی طرف ... ہے ...... اسی طرح ... روئے
زمین کے تمام مذاہب علم کی کسوٹی پر پرکھے جائیں ...... تو ... نسل انسانی متحد ...... ہو سکتی ہے۔

(تذکرہ علامہ مشرقی۔ آغاز)

میں اس کتاب کو پڑھتا گیا۔ ان ... تشریحات کے متعلق میری دلچسپی بڑھتی گئی۔ یہ بات میرے کانوں ... پہلی مرتبہ پڑی۔
"دنیا کے مختلف پیغمبر جہاں سے آئے تھے ایک ہی پیغام ... تھے"
مجھے تو ... نے یہ سمجھایا تھا۔ کہ پہلے انبیاء کے پیغام نامکمل و ناقص تھے اور ان میں زبردست تضاد و تباین تھا۔ میں حیران تھا۔ کہ ایک خدا
نے ایک نسل انسانی کی طرف ... متضاد مذاہب کیوں بھیجے تھے۔ اور ... کر ... فرقہ و فساد کی آگ کیوں بھڑکائی تھی
علامہ مشرقی نے مجھے پہلی مرتبہ بتایا کہ
"انبیاء نے انسان کو اس زمین پر رہنے کا ڈھنگ سکھایا ...... اجتماعی بقا کی راہ دکھائی۔ اقوام کے ... کے ... اصل

[illegible] ثابت کر کے بنیادی سوال قائم کی۔ آخر میں [illegible]
[illegible] دیکھ رہے تھے۔ نظر اٹھا کر ان آنکھوں سے نظر آتی دکھائی گئے۔ یہی [illegible]
انبیاء کی بدولت کے [illegible] انہی کی بے مثال بصیرت کے باعث ہوا ...... کہاں خرما نخیل سے ہوا۔ [illegible]
ہے ہوا۔ عقل کے بام بلند سے تدبر کے اُفق اعلیٰ پر چڑھ کر ہوا۔ زمین سے کئی منزلیں بلند ہو کر ستاروں کی دنیا میں [illegible]
کرتا۔ نہیں نہیں۔ آسمان سے اور آسمان پر بسنے والے خدا سے ہوا۔ وحی اور نبوت سے ہوا اور عشق سے۔ تدبر اور تفکر سے ہوا .... دوسرے لفظوں میں ان انبیاء کی بدولت اصل دین کی تجدید و تکمیل ہوتی۔ یہ کوئی مختلف راہ عمل کوئی نیا دین یا جدا مذہب دنیا کے کسی نبی نے حتماً قائم نہیں کیا (تذکرہ صفحہ ...)

خدیو پیامبر کے علاوہ بات کہنے کا طریقہ اس قدر دلنشین، پرشکوہ اور مدلل تھا کہ بات دل میں اُترتی گئی۔ دور ابتداء میں انبیاء کے متعلق میری یہ رائے تھی کہ یہ سب لیڈری کے بھوکے اور دنیوی وجاہت کے شوقین تھے۔ یہ اپنے جلوس نکلوا کر نعرے لگوا اور پیری مریدی کی دکان چلا کر دنیا کو دھوکا دیتے تھے۔ علامہ نے میرے ان وساوس پر یوں آگ برسائی۔

"یہ سوال کہ کیا سب رہنمایانِ خلق اور اَحِبَّتُہُ اللّٰہ جو اپنی مدت العمر سعی و عمل کے بعد خلق خدا کو ایک راہ پر لگا گئے تھے جو اپنی دھن کے اس قدر پکے تھے کہ گردنیں کٹوا گئے مگر اپنی بات کو نہ چھوڑا۔ کیا یہ سب معاذ اللہ مجنون اور دغا باز تھے۔ کیا ان کا تمام ہنگامہ محض مکر و فریب کا جال تھا .... کیا ان سب کو نفس نے اس قدر دھوکے دے رکھا تھا کہ دھوکے میں جیتے رہے۔ دھوکے میں لڑتے رہے۔ دھوکے میں قوموں کو امن و امان کے فلک الافلاک تک پہنچا گئے۔ اور دھوکے میں مر گئے .... کیا موسیٰ فی الحقیقت ایک بے عقل۔ بد حواس۔ دُھن کا پکا اور مختل الحواس مجنون تھا جو فرعون کی مافوق الفطرت طاقت کے خلاف برسوں علانیہ برسرپیکار رہا۔ جو اپنی بے سروسامانی کے باوجود اس کو علی الاعلان ہلاکت کا اٹل پیغام سناتا رہا۔ جس نے ڈنکے کی چوٹ اُسکو اور اس کی قوم کو عذاب کی دھمکیاں دیں .... کیا عیسیٰ علیہ السلام محض ایک مرنجان مرنج۔ سادہ لوح۔ خالی الذہن۔ دنیا و مافیہا سے ناآشنا اور بھیڑوں کو چرانے والا گڈریا تھا جسے یہودی قوم نے افترا باندھ کر اُسے واجب القتل قرار دیا تھا .... جس کی سنجیدہ آنکھوں میں ایسے ہیبت و خوف نظر آتا تھا .... کیا بدھ علیہ الرحمۃ والسلام جیسا باکمال شخص جس کے پیروؤں کی تعداد آج دنیا کے سب نئے اور پرانے مذاہب کے ماننے والوں سے بڑھ کر ہے ..... فی الحقیقت ایک بزدل، کم ہمت اور نفس کش۔ ایک خشک مغز اور بے ہمت رنگین زاہد ہی تھا جس نے تخت سلطنت کو لات مار دی اور باشندگان زمین کو راہ راست پر لانے کیلئے وہ اندوہناک مشقتیں جھیلیں کہ سطح زمین یکسر کپکپا اٹھی اور قرنوں تک اس لرزش کا اثر پارہ وار آج عالم میں باقی رہا .... کیا وہ سالارِ انبیاء اور ختم المرسل محمد علیہ السلام والصلوٰۃ جس کے آسمانی شگاف علم و عمل کو دیکھ کر [illegible] کا مرسلا دعا رہتی دنیا تک زمین پر اپنا بالا تنا برقرار رہے گا۔ جس کے قانون بقاء و فنا کی تبیین پر ہر روز [illegible] اور شام [illegible] درود و سلام بھیجتے رہیں گے۔ جس کی قوت تغیر و انقلاب کا اندازہ کر کے ہم [illegible] جیسے کی دائمی آرزو رہے گی کیا وہ سرور عالم فی الحقیقت ایک کنج نشین۔ کم پوش۔ بے نوا [illegible] متوکل اور فاقہ کش متقی ہی تھا جس نے اتنی قلیل مدت میں عرب کی بے نام اور مجبور زدہ قوم سے علم و عمل کے وہ آتشیں فوارے اکناف عالم میں رواں کئے کہ تہذیب ہمیشہ اُن کے کارناموں کو سر کر پڑھا کرے گی۔ کیا یہ سب کے سب خلق اور

[illegible] ... [illegible] سے حقیقت
[illegible] قرآن [illegible]
[illegible] حکمت [illegible]
[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

اوّل [illegible] ایک [illegible]
[illegible]
[illegible] ہمیشہ [illegible] نشیب کی طرف [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

دوم [illegible] سے پیدا ہوتا ہے [illegible]
[illegible] گھٹاؤں اور ہواؤں کو مسخر کر سکتے ہیں [illegible]
[illegible] حکمت و دانش کے [illegible]
[illegible] کائنات اللہ کی تخلیق عمل ہے [illegible]
[illegible]
[illegible] خالق اکبر [illegible]
[illegible] دانش [illegible] نہیں پہنچ سکتا۔

علامہ نے اس سلسلے [illegible] چند نظریات پر [illegible] بحث کی ہے کہ دل لذتِ ایمان سے چھلکنے لگتا ہے۔

سوم۔ یہ مسئلہ مدتوں سے زیرِ بحث چلا آتا تھا کہ جب اللہ نے قرآن حکیم میں سینکڑوں مقامات پر صرف مسلمانوں سے خلافتِ ارضی کا وعدہ

[illegible] چند مقامات پر [illegible] کے بیشتر حصے پر کیوں حکمراں ہیں۔ "تذکرہ" علامہ مشرقی کی تصنیف ہے۔ [illegible]
[illegible] پڑھتے ہیں کہ اسلامی ... [illegible] ... ذکر تا ... [illegible] ... ہے [illegible]
[illegible] ... کے [illegible] ... اقوام ... [illegible] ... تعلیم ... [illegible]
[illegible] عالم گرامی ہو رہا ہے۔

"جس اُمت میں زبانی قول یا قول کا اسلام محض رسمی طور پر موجود ہوگا۔ جو قوم اپنی تو قوم خدا کا اتباع اپنے تن بدن کو ختم کر دینے [illegible] ...... وہ [illegible] اپنے نسب اور سب [illegible] خدا سے پوری طرح دور ہو چکی۔ وہ [illegible] منشور [illegible] اور [illegible] ہو جائے گی .... اگر خلیفۃ اللہ [illegible] اسلام [illegible] قرآن ہے۔ [illegible] عمل اور صرف عمل سے ہو سکتا ہے [illegible] قانون خداوندی آسانیاں [illegible] کر کے اس مقام جلیل کے برقرار رہنے کی امید رکھنا [illegible] اپنے آپ کو مسلمان [illegible] اُمت کا شیوہ ہے۔ اُس [illegible] ہے۔ ایک چھوٹے سے چھوٹا قدم بھی اس زبانی جمع خرچ اور لفظی عبادت کی کچھ پیدا نہیں کرتا۔ [illegible] اُسے ملازمت سے برطرف کر دیتا ہے۔ [illegible] ...... پس میری دانست میں اگر ایک شخص اپنے لفظی اور زبانی عقیدے پر عامل نہیں۔ تو اُس کا عقیدہ خدا کی نظروں میں کوئی حقیقت نہیں رکھتا...... کہنا اور کہہ کر نہ کرنا منافقت ہے [illegible] ... قرآن کو گناہ کبیرہ ہے.... حقیقت کا منہ چڑانا ہے...... برخلاف اس کے جو شخص عمل کر رہا ہے...... وہی اُس کے صحیح اعلیٰ ہونے پر سچا ایمان رکھتا ہے۔ وہی اُس کو صحیح معنوں میں مان رہا ہے۔ وہی اس کو دل سے آقا تسلیم کرتا ہے وہی مسلم اور مومن ہے........ مسلمانوں کو [illegible] قوم نے آج عمل کی تکلیف [illegible] عقائد کی آرام دہ مکاری پر تکیہ کر لیا ہے۔ اور اس [illegible] کے اندر ایک نیا مکر یہ پیدا کر لیا ہے۔ کہ نہایت [illegible] سے اس بات کے درپے رہتے ہیں کہ خدا کو خوش کرنے کے لئے عقائد کو درست کیا جائے۔ اعمال کے درست ہونے پر بحث قطعاً بند ہو چکی ہے۔ گویا ہم سے [illegible] اس لئے چھینے جا رہے ہیں کہ حاکم زمین و آسمان کو اس لاڈلی اُمت کے ملفوظات پسند نہیں ہے...... اسلام عمل اور صرف عمل ہے۔ جو عامل ہے۔ اُس کا عقیدہ بھی درست ہے۔ نہیں۔ بلکہ اُسے زبانی عقیدے کی ضرورت ہی نہیں خالی قول و عقیدہ ہر طرح کچھ نہیں۔ آج کچھ نہیں، کل کچھ نہیں اور ابدالآباد تک کچھ نہیں"

(تذکرہ صفحہ ۸۳-۸۶)

[illegible] صفحات [illegible] تقطیع، [illegible] یہ کتاب از اول تا آخر اسی طوفانی انداز کے ساتھ چلتی ہے۔ قدم قدم پر [illegible]۔ ترجمہ و تشریح کی جدتیں، [illegible] مسائل کی [illegible] تفاصیل اور ضابطۂ عروج و زوال کی ایمان افروز تفاسیر۔ کتاب کو پڑھ کر

ع۔ غل پڑا دنیا میں ایک کافر مسلماں ہو گیا

اُس زمانے میں میں اور میرے بڑے بھائی غلام ربانی عزیز (آج کل پروفیسر گورنمنٹ کالج [illegible]) گورنمنٹ ہائی سکول [illegible] میں مدرس تھے۔ وہ بھی "تذکرہ" پڑھنے سے پہلے [illegible] تھے۔ وہ بھی میری طرح اس کتاب سے متاثر ہوئے۔

اور شام تک ملاقات کر لیں۔ ... پہنچ گئے تھے۔ خوش ہوا کہ میں اور میرے بہت سے احباب آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔ اگر دو تین منٹ کو آپ کے ہاں آ گئے۔ تو آپ کو بڑی تکلیف ہو گی۔ اس لئے آپ ہی یہاں تشریف لے آئیں ... علامہ نے جواب میں مخت شرمندگی کا اظہار کیا ... مسلسل لکھتے رہے۔ اور ملاقات ... تو جھٹ سے کام لیتے رہے۔ آخر علامہ نے ... ڈال دی۔ اور میں ... عطاری ... ستمبر ۱۹۲۱ء کو آپ ... ہم ... گھنٹے تشریف ... کا ... حکیم ... مرحوم ... علامہ ... تھے۔ ... مقصد ... کار ... اطلاع ہو گئی ... کے قریب ... صاحب کے مکان کے سامنے ... ایک طرح ... خوش پوش۔ گندمی رنگ۔ ڈاڑھی ... سفید ... اور سفید ... مشرقی لکھتے ہیں۔ اور ... الامام ... علامہ ... سب ... تشریف ... وغیرہ ... اپنی ... کے ... آپ نے جنت و دوزخ پر ... روشنی ڈالی۔ اور فرمایا۔ کہ جنت و جہنم دنیا میں بھی موجود ہیں۔ ... ایک جنت ہے جو صرف قرآنی کردار سے حاصل ہو سکتی ہے۔ سلطنت بھی جنت ہے ... بھی جنت ہے۔ ... اور ... جنت ہے ... حقیقت بھی جنت ہے۔ اسی طرح تکالیف۔ امراض۔ پریشانیاں۔ افلاس، جہالت، غفلت۔ بدکرداری سب جہنم ہیں۔ ... جنتوں اور جہنموں میں محصور ہے۔ قرآن ایک ایسی زندگی کی تعلیم دیتا ہے۔ جس سے آپ اس زندگی میں بے شمار جنتیں جمع کر سکیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے جہاں دنیوی آسائشوں کا ذکر کیا ہے۔ وہاں جنات (جنت کی جمع) کا لفظ استعمال کیا ہے۔ اور چونکہ اخروی جنت صرف ایک ہے۔ اس لئے اسے جگہ "جنت" کہا، جنات نہیں کہا۔ آپ نے اخروی جنت سے متعلق فرمایا۔ کہ وہاں داخل ہو کر ہر جنتی کو ایک زبردست مسرت حاصل ہو گی۔ اللہ تعالیٰ نے اسے مسرت کو دائمی ... دنیوی تمام مسرتیں عارضی ہیں۔ ایک شخص کو زندگی کا ایک لاکھ روپیہ انعام ملتا ہے اصلی مسرت چار پانچ دن کے بعد کم ہو جاتی ہے۔ لیکن جنت کی خوشیاں اور مسرتیں لازوال ہوں گی۔ اگر دنیا میں جنسی لذت کے بعض لمحات کو لازوال کر دیا جائے تو یہیں جنت بن سکتی ہے۔

گفتگو جاری[1] تھی۔ کہ ظہر کی اذان ہو گئی۔ بیٹھک ہی میں صفیں آراستہ ہو گئیں۔ ہم سب مسرور تھے۔ کہ آج ایک عظیم مفکر و مفسر کی قیادت میں نماز ادا کریں گے۔ لیکن علامہ نے یہاں بھی جدت کو نہ چھوڑا۔ اور اپنے نابالغ بچے اکرام کو فرائض امامت سرانجام دینے کے لئے آگے کر دیا۔ بچہ پہلی مرتبہ امامت کر رہا تھا۔ کہ بے دھڑک آگے بڑھا۔ اور پوری صحت سے نماز پڑھائی۔ بعد نماز علامہ مشرقی نے اجازت چاہی اور واپس چلے گئے۔

۱۹۳۰ء میں اسلامیہ کالج لاہور میں مجھے عربی ایم۔ اے کے لئے جانا پڑا۔ اس سال دسمبر کے آخری ہفتے میں مجھے علامہ مشرقی کا ایک خط پشاور سے ملا۔ کہ میں مذاہب کی عالمی کانفرنس میں شامل ہونے کے لئے ہالینڈ جا رہا ہوں۔ فلاں تاریخ (غالباً ۳۰ دسمبر ۱۹۳۰ء) کو شام کے چار بجے مجھے میکلوڈ روڈ پر خواجہ فیروزالدین بارایٹ لاء کے مکان پر ملو۔ میں چند ہم جماعتوں کے ساتھ وہاں گیا۔ یہ صحبت رات کے ۱۰ بجے تک جاری رہی۔ ہم نے کھانا بھی وہیں کھایا اس دوران میں مختلف مسائل زیر بحث آئے۔ میرے حافظے میں صرف چار محفوظ ہیں۔

(۱) اس مرتبہ علامہ نے ڈاڑھی بڑھا رکھی تھی۔ میں نے اس "تغیر" کی وجہ پوچھی۔ تو کہنے لگے۔ اس کی وجہ ایک فوری جذبہ ہوا ہے۔ بات یوں ہوئی کہ جسٹس سر سلیمان مجھے ملنے کے لئے آئے۔ تو آتے ہی یہ ہنگ معذرت کرنے لگے ...

---

[1] ... میں کھانے کا کوئی وقفہ نہ تھا۔ اس لئے کہ سب مہمان اکرام بھی روزہ دار تھے۔ (برق)

[2] یہ سطور لکھ رہا تھا کہ کسی نے "زمیندار" میرے ہاتھ میں تھما دیا جس میں خواجہ صاحب کی وفات حسرت آیات کی خبر درج تھی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون (برق)

[illegible] (SHAVE) [illegible]:
[illegible] سے ساختہ [illegible] کہ اسلام تو بڑی چیز ہے۔ [illegible] [illegible]!
[illegible] سے [illegible] کے ساتھ [illegible] تو ایک مسلمان یقیناً [illegible] کے ساتھ [illegible] [illegible]
[illegible]

بات سن کر [illegible] گیا۔

۲۔ فرمایا:

"۱۹۳۰ء سال جب گرمیوں میں حسب معمول حکومت پنجاب و ہند کے دفاتر شملہ میں منتقل ہوئے۔ تو صوبائی و مرکزی دفاتر کے مسلمان [illegible] سی ایس افسروں نے ایک ادبی جماعت بنائی۔ اور مجھ سے التماس کی کہ آپ "تذکرہ" کی باقی نو جلدیں جلد از جلد شائع فرمائیں۔ ہم ساتھ ہی پانچ ہزار جلدیں خریدنے کا نہ صرف وعدہ کیا بلکہ بیس ہزار روپے پیشگی ادا کرنے کی پیش کش بھی کی"

"تو پھر آپ نے کیا جواب دیا: میں نے پوچھا

فرمایا: "میں نے انہیں لکھا ہے کہ کیا آپ لوگ "تذکرہ" کی پہلی جلد پر عمل کر چکے ہیں"

علامہ کے اس تیز سے جواب پر غصہ بھی آیا۔ اور مایوسی بھی ہوئی کہ اگر علامہ صاحب قوم کے عمل کا انتظار کرتے رہے۔ تو پھر ان [illegible] جو "تذکرہ" کے صفحۂ عنوان پر یہ الفاظ درج ہے۔

"قرآن حکیم کے صحیح مقاصد اور اس کے منجانب اللہ ہونے پر دس جلدوں میں ایک مکمل اور مبسوط علمی تبصرہ" کبھی شرمندۂ وفا نہیں ہوگا۔ تذکرہ کی پہلی جلد ۱۹۲۴ء میں نکلی تھی۔ آج پورے تیس برس گزر چکے ہیں۔ علامہ نے چھ جلدوں کے مسودے تیار بھی کئے۔ ان میں سے جلد دوم کا ایک مضمون "گاندھی اور چرخہ" (غالباً یہی عنوان تھا) میں نے بھی پڑھا۔ لیکن کوئی جلد قوم کے مشتاق ہاتھوں تک تاہنوز نہیں پہنچ سکی۔

۳۔ فرمانے لگے

"ابوالکلام آزاد کی تفسیر جلد میدان میں آرہی ہے۔ سنا ہے کہ آزاد نے نظریۂ عمل "تذکرہ" سے چرا لیا ہے۔ اور علمی بددیانتی کی حد یہ کہ اعتراف تک نہیں کیا:

جب چند روز بعد تفسیر آزاد کی پہلی جلد چھپ گئی۔ اور "مالک یوم الدین" کے تحت علامہ کے مشہور نظریۂ عمل کی تفاصیل پڑھیں۔ تو مسرت بھی ہوئی۔ کہ امام الہند علامہ کے اسلام سے نزدیک ہو گئے ہیں۔ اور افسوس بھی۔ کہ "تذکرہ" کا احسان مان لیتے تو ان کا کیا بگڑ جاتا۔ بہرحال میری مسرت بہت زیادہ تھی اور افسوس محض رسمی سا۔

۴۔ اللہ کے قول (الہامی صحائف) و عمل (کائنات) کا ذکر چل پڑا۔ تو ایک دلچسپ کہانی سنائی۔ جس کا تعلق انگلستان سے تھا۔

"۱۹۳۰ء کا ذکر ہے۔ کہ اتوار کا دن تھا۔ اور زور کی بارش ہو رہی تھی۔ میں کسی کام کے لئے باہر نکلا۔ تو جامعہ کیمبرج کے مشہور ماہر فلکیات سر جیمز جینس (SIR JAMES JEANS) پر نظر پڑی۔ جو بغل میں انجیل دبائے چرچ کی طرف جا رہے تھے۔ میں نے قریب ہو کر سلام کیا۔ انہوں نے کوئی جواب نہ دیا۔ دوبارہ سلام کیا۔ تو وہ متوجہ ہوئے۔ اور کہنے لگے "تم کیا چاہتے ہو" میں نے کہا۔ دو باتیں۔ اول یہ کہ زور سے بارش ہو رہی ہے۔ اور آپ نے چھاتا بغل میں داب رکھا ہے۔ اگر کوئی مصلحت مانع نہ ہو۔ تو چھاتا کھول لیجئے۔ سر جیمز اپنی بدحواسی پر مسکرائے اور چھاتا تان لیا۔

معلوم ہوا کہ یہ ہیں سر جیمز جینز جیسا شہرہ آفاق ماہر فلکیات ... بات یہ ہے کہ اس زمانے میں سائنس کے انکشافات اور نئے حقائق نے مذہب کو شدید نقصان پہنچایا تھا اور تعلیم یافتہ طبقہ مذہب کے نام تک سے بیزار ہو چکا تھا۔ میرے اس سوال پر پروفیسر جیمز جینز کی سلوٹیں گہری ہو گئیں اور میری طرف متوجہ ہو کر فرمانے لگے: "آج شام کو چائے میرے ساتھ پیجئے۔" میں شام کے وقت ان کی رہائش گاہ پر پہنچا تو لیڈی جینز نے کہا کہ "سر جیمز تمہارے منتظر ہیں۔" اندر گیا تو ایک چھوٹی سی میز پر چائے لگی ہوئی تھی۔ لیڈی جینز نے چائے بنا کر ایک پیالی مجھے اور ایک پروفیسر صاحب کو دی۔ پروفیسر صاحب تصورات میں کھوئے ہوئے تھے۔ کہنے لگے "تمہارا سوال کیا تھا؟" اور میرے جواب کا انتظار کئے بغیر اجرام آسمانی کی تخلیق، ان کے حیرت انگیز نظام، بے انتہا پہنائیوں اور فاصلوں، ان کی پیچیدہ راہوں اور مداروں نیز باہمی کشش اور طوفان ہائے نور پر وہ ایمان افروز تفصیلات پیش کیں کہ میرا دل اللہ کی اس داستان کبریا و جبروت سے دہلنے لگا اور ان کی اپنی کیفیت یہ تھی کہ سر کے بال سیدھے اٹھے ہوئے تھے۔ آنکھوں سے حیرت و خشیت کی دوگونہ کیفیتیں عیاں تھیں۔ اللہ کی حکمت و دانش کی ہیبت سے ان کے ہاتھ قدرے کانپ رہے تھے اور آواز لرز رہی تھی۔ فرمانے لگے "عنایت اللہ خان! جب میں اللہ کے تخلیقی کارناموں پر نظر ڈالتا ہوں۔ تو میری تمام ہستی اللہ کے جلال سے لرزنے لگتی ہے۔ اور جب کلیسا میں خدا کے سامنے سرنگوں ہو کر کہتا ہوں۔

"تو بہت عظیم ہے، تو بہت بڑا ہے"

تو میری ہستی کا ہر ذرہ میرا ہمنوا بن جاتا ہے۔ مجھے بے حد سکون و سرور نصیب ہوتا ہے اور ان سجدوں کے دوران میں جو مسرت محسوس کرتا ہوں۔ عام لوگوں کی صرف زبان نماز پڑھتی ہے۔ اور میری ہستی کا ہر ذرہ محو تسبیح و تمجید ہو جاتا ہے۔ مجھے دوسروں کی نسبت ہزار گنا زیادہ کیف نصیب ہوتا ہے۔ کہو عنایت اللہ خان! تمہاری سمجھ میں آیا۔ کہ میں گرجے میں کیوں جاتا ہوں؟"

پروفیسر جیمز کی ان تفصیلات نے عجیب کہرام سا میرے دماغ میں پیدا کر دیا۔ میری نگاہ میں قصص قرآن کریم کے طول و عرض کا جو نقشہ تھا اس میں ایک دلچسپ آیت سامنے آ گئی۔ میں نے کہا

"جناب والا! میں آپ کی روح افروز تفاصیل سے بے حد متاثر ہوا ہوں۔ اس سلسلے میں قرآن کی ایک آیت یاد آ گئی ہے۔ اگر اجازت ہو تو پیش کروں؟" فرمایا "ضرور پیش کرو۔" وہ آیت یہ تھی۔ ومن الجبال جدد بیض وحمر مختلف الوانها وغرابیب سود۔ ومن الناس والدواب والانعام مختلف الوانه كذلك انما یخشی الله من عباده العلماء

(قرآن)

(وہ دیکھو پہاڑوں میں سفید، سرخ اور سیاہ رنگ کی تہیں موجود ہیں۔ اسی طرح انسانوں، حیوانوں اور دیگر جانداروں کے مختلف رنگ ہماری حکمت کا تقاضا ہیں۔ اور مت بھولو کہ اللہ سے صرف اہل علم ہی ڈرتے ہیں)

"کیا کہا۔ اللہ سے صرف اہل علم ہی ڈرتے ہیں۔ حیرت انگیز۔ بہت عجیب۔ یہ بات جو مجھے پچاس برس کے مسلسل مطالعہ و مشاہدہ کے بعد معلوم ہوئی۔ محمد کو کس نے بتائی تھی؟ کیا قرآن میں واقعی یہ آیت موجود ہے؟ اگر ہے۔ تو میری شہادت لکھ لو کہ قرآن ایک الہامی کتاب ہے۔ محمد ان پڑھ تھا۔ اسے یہ عظیم حقیقت خود بخود کبھی معلوم نہیں ہو سکتی تھی۔ اسے یقیناً اللہ نے بتائی تھی۔ بہت خوب۔ بہت عجیب....." اور سر جیمز کئی منٹ تک اس آیت پر سر دھنتے رہے۔ اور محمد عربی علیہ السلام کی خدمت اقدس میں خراج عقیدت پیش کرتے رہے۔ اسی صحبت میں مجھے یہ خیال پیدا ہوا کہ قرآن کو سائنس کی نگاہ سے دیکھنے کی ضرورت ہے۔ اور اسی خیال نے مجھ سے "تذکرہ" لکھوایا۔"

ذرا سلسلۂ اسباب پر غور فرمائیے۔ مشرقی کا بارش میں باہر آنا۔ سر جیمز سے اتفاقیہ ملاقات۔ وہ شام کی چائے۔ وہاں وہ معلومات تخلیق و تکوین پر حیرت انگیز بحث۔ وہ مشرقی کے قلب و دماغ کا تلاطم۔ اور وہ "تذکرہ" کا تخیل۔ یہاں شاید یہ ذکر کر دینا بے جا نہ ہو گا کہ میں نے "ایک اسلام" ملکہ"

کے سلسلہ میں ہے۔ اور حضرت علامہ کی اس کتاب کی بعض تفاصیل سے پتا تھا۔

اسی صحبت میں علامہ نے ملازمت ترک کرنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ میں نے وجہ پوچھی۔ فرمایا۔ "والدہ اکرام بار بار طعنے دیتی ہے۔ کہ تذکرہ کے مصنف اسلامیہ کالج کی معمولی نوکری کا طوق گلے میں! یہ بات کچھ جچتی نہیں۔ چنانچہ آپ نے کچھ عرصہ بعد ملازمت ترک کر دی۔ اور جیسی کہ توقع تھی ملازمت چھوڑنے کی سعادت صاحب کو پہونچ گئیں۔

تیسری ملاقات

۱۹۳۷ء میں خاکسار تحریک پورے جوبن پر تھی۔ ہندوستان کے طول و عرض میں اندازاً چار لاکھ مسلح رضاکار "مصروف چپ و راست" کرتے نظر آتے تھے۔ میں ان دنوں گورنمنٹ کالج ہوشیار پور میں معلم تھا۔ کسی کام کو لاہور آیا۔ تو علامہ سے ملنے کی اُمنگ اُٹھی۔ تانگے پر بیٹھ کر۔ اچھرہ جا پہنچا۔ مجھے ایک خاکسار دفتر کی بالائی منزل میں لے گیا۔ یہ تھا علامہ کا خاص کمرہ۔ جس میں نہ کوئی کرسی تھی نہ میز۔ نہ قلم نہ کاغذ۔ فرش پر ایک پھٹی پرانی چٹائی بچھی ہوئی تھی۔ ایک مقام پر دو مربع فٹ میں چٹائی اڑی ہوئی تھی۔ اور فرش میں یوں گڑھا پڑ گیا تھا۔ جیسے پانی کا گھڑا برسوں ایک ہی جگہ پڑا رہے۔ اور اس کے نیچے گڑھا بن جائے۔ دس بارہ منٹ کے انتظار کے بعد زینے پر سے قدموں کی چاپ سنائی دینے لگی۔ اور چند لمحات کے بعد علامہ مشرقی بایں ہیئت نمودار ہوئے۔ کہ سر کے بال بے طرح بکھرے ہوئے اور گریبان کے بٹن کھلے تھے۔ شلوار کی بجائے کمر پر تہ بند۔ اور اوپر ڈھیلا سا پاجامہ کرتا۔ پاؤں میں ٹوٹی ہوئی چپل۔ میں تعظیماً اُٹھا۔ آپ نے خشونت سے میری طرف دیکھا۔ اور ریشمی سوٹ پر نظر ڈالی۔ بے دلی سے ایک ہاتھ آگے بڑھایا۔ مصافحہ کے بعد اس گڑھے والے مقام پر جا بیٹھے۔ اور ڈاک پڑھنے لگے۔ کافی دیر کے بعد میری طرف متوجہ ہوئے اور پوچھنے لگے۔ "آپ کون ہیں اور کہاں سے آئے ہیں؟" میں نے دیرینہ تعلقات جتاتے ہوئے کیمبرج میں آپ کی آمد کا ذکر کیا۔ تو جھٹ کہنے لگے۔ "وہ ریشمی سوٹ پہن کر بیس ہزار کی موٹر میں مزے اڑانے والا مشرقی فوت ہو چکا ہے۔ آپ کے تعلقات اسی مشرقی سے ہوں گے۔ یہ مشرقی آپ کو بالکل نہیں پہچانتا۔" اور پھر ڈاک پڑھنے میں کھو گئے۔ علامہ کی یہ طرز بہت سے ایک اشارہ تھی کیا تو ملازمت چھوڑ کر خاکسار تحریک میں شامل ہو جاؤ۔ اور یا مجھ سے تعلقات منقطع کر لو۔ لیکن میں اتنی بڑی قربانی کے لئے تیار نہ تھا۔ چند لمحات کے بعد میں نے اجازت طلب کی۔ اور یہ تھی علامہ سے میری آخری ملاقات۔ اس کے بعد نہ ملاقات کا موقع ملا اور نہ سلسلہ مکاتبت جاری رہ سکا۔

حالات زندگی

عنایت اللہ خاں ۲۵ اگست ۱۸۸۸ء کو امرتسر میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد عطا محمد خاں ایک باثروت زمیندار اور صاحب علم بزرگ تھے۔ ایف۔ اے تک امرتسر میں تعلیم حاصل کی۔ اور پھر فارمن کرسچین کالج لاہور سے ۱۹۰۶ء میں بی۔ اے (حساب) کی ڈگری لی۔ ۱۹۰۷ء میں ایم۔ اے (ریاضی) درجہ اول میں پاس کیا۔ اور یونیورسٹی کا پچھلا ریکارڈ توڑ دیا۔ پھر کیمبرج یونیورسٹی کے کرائسٹ کالج میں چلے گئے۔ جہاں ۱۹۰۹ء میں آپ ریاضی کے امتحان میں اول رہے اور فاؤنڈیشن سکالر کا خطاب حاصل کیا۔ ۱۹۱۰ء میں ریاضی ٹرائی پوس امتیاز سے پاس کیا۔ "سینئر رینگلر" کا خطاب پایا۔ ۱۹۱۱ء میں "ٹرائی پوس" کے دو امتحانات (عربی و فارسی) میں شامل ہو کر درجہ اول حاصل کیا۔ ہر "ٹرائی پوس" کی میعاد تین برس ہوتی ہے۔ لیکن آپ نے صرف چار برس میں تین "ٹرائی پوس" میں امتیازی کامیابی حاصل کی۔ جس پر لندن کے اخبارات نے آپ کو خراج تحسین پیش کیا۔ ۱۹۱۲ء میں آپ انجینئرنگ کے سب سے بڑے امتحان یعنی مکینیکل سائنس ٹرائی پوس میں شامل ہوئے۔ اور نہایت شان سے کامیاب ہوئے۔ اس پر آپ کو دنیا کے مختلف حصوں سے پیغامات تہنیت موصول ہوئے۔ اور اخبارات نے جلی سرخیوں سے آپ پر شذرات لکھے۔

انگلستان سے واپس آئے۔ تو مندرجہ ذیل اسامیوں پر فائز رہے۔

۱۹۱۳ سے ۱۹۱۶ تک اسلامیہ کالج پشاور کے وائس پرنسپل

۱۹۱۶ سے ۱۹۱۷ تک " " " پرنسپل

١٩١٠ سے ١٩١٩ تک انڈر سیکرٹری تعلیم۔ حکومت ہند۔

١٩٢٠ ء ١٩٣١ ء [illegible] انسپکٹر مدارس۔ ہیڈ ماسٹر و پرنسپل گورنمنٹ ہائی سکول پشاور

آپ کو ١٩٣٠ء میں آئی سی ایس بنا دیا گیا تھا جب آپ نے ١٩٣٢ء میں استعفیٰ دیا اس وقت آپ کی تنخواہ دو ہزار کے قریب تھی۔

١٩٣١ء میں آپ نے خاکسار تحریک کی بنیاد رکھی۔ جب ١٩٤٠ء میں حکومت پنجاب نے کچل دیا۔ تو یہ تحریک ١٩٤٧ء کے بعد بھی زندہ رہی لیکن مسلسل حکومت کے تعاقب میں رہی۔ پھر ہمیشہ کے لئے ختم ہو گئی۔

تصانیف

علامہ کی تصانیف یہ ہیں:-

١۔ تذکرہ۔ جس کے متعلق ایک یورپین نے علامہ کو لکھا تھا۔

"ساری کرۂ ارض میں صرف دو ہی بڑی کتابیں ہیں، قرآن ہے اور [illegible] تذکرہ۔"

جہاں تک قوموں کے فلسفہ عروج و زوال کا تعلق ہے حقیقتاً تذکرہ دنیا کی سب سے بڑی کتاب ہے۔ تمام اقوام پر آج [illegible] اہم کتابیں تصنیف ہوئیں [illegible] موخر الذکر تذکرہ کے بعد دوسرے درجے پر آتی ہے۔

٢۔ خریطہ۔ جس کا مضمون یہ ہے کہ شاعر دور زوال کی پیداوار ہے۔ جب کوئی قوم ترقی کے انتہائی نقطہ پر پہنچ جاتی ہے تو شاعر مفقود ہو جاتا ہے۔ اور جب زوال شروع ہوتا ہے۔ تو شعر ہوا ہوتا ہے۔ اس نظریہ پر قوموں کی تاریخ سے یقینی شہادت مہیا کی ہے۔ کتاب بہت دلچسپ اور فکر انگیز ہے۔

٣۔ اشارات۔ جس میں خاکسار تحریک کا پروگرام اور کچھ ہدایات درج ہیں۔

٤۔ قول فیصل۔ تذکرہ کے رنگ میں لکھی ہوئی ایک چھوٹی کتاب جس کا موضوع حرکت و عمل ہے اور اقتباس ملاحظہ ہو۔

"ہمارا مذہب، ہمارا دین، ہمارا اسلام، ہمارا ایمان سپاہیانہ ہے۔ دنیا کو فتح کرنے کے لئے ہے [illegible] کی طرح [illegible] ہے [illegible] مسجدوں میں نہیں [illegible] تمہارے اعمال کی پیروی کرتا ہے۔ اگر یہ نہ کرو [illegible] قوم مسلمان نہیں رہ سکتے ...... [illegible] بادشاہ بن کر نکلے تھے۔ بادشاہت تمہارا مذہب ہے۔ اور تم نے مذہب ہی [illegible] طاقت [illegible] ہوا ہے۔ اس لئے ہم اپنے مذہب پر چل رہے ہیں ...... تم اگر اس مذہب کو پسند نہیں کرتے تو [illegible] قرآن، حدیث اور [illegible] کی [illegible] تاریخ کو دنیا سے مٹا دو [illegible] اپنا مذہب چھوڑ دیں گے [illegible] مکار پیشواؤں اور خود غرض رہنماؤں کا پیش کیا ہوا اسلام ہم نہیں مانتے ...... کہ یہ [illegible] بزدلی کا اسلام ہے۔ فریب و مکر کا اسلام ہے۔ ہمارا مذہب وہ ہے جو [illegible] فتح کیا کرتا تھا۔ جب [illegible] کر دکھایا ..... [illegible] جس کے ایک [illegible] انگریز دنیا کے بادشاہ بنے بیٹھے ہوئے [illegible] اسلام کیا ہے۔"[1]

---

[1] پوشیدہ ہیں بیچارے مردوں کی نظر سے
شہباز و فلک سیر کے احوال و مقامات (اقبالؒ)

[illegible] رسول خدا صلعم نے ... کی ساس کے لئے ... اسے ... [illegible]
[illegible] ... سے استنجا کیا کرتے تھے۔ اس لئے پانی ہوتے ہوئے بھی ڈھیلے سے استنجا کر
...... [illegible] رسول خدا کے ہر چھوٹے سے چھوٹے عمل کو دین و ایمان کا جزو سمجھتے ہو۔ لیکن ...... [illegible]
[illegible] زندگی ... کے ہر وقت قرار اور تدبر کی سے ... رہتے ...... [illegible] کے پہ در پہ [illegible]
اُن کے [illegible] ...... اور ہر وقت سے عمل اور مستعدی کو شیر مادر کی طرح سمجھ کر ہضم کر جاتے ہو ...... اور [illegible]
[illegible] ... کے اعمال ... موجود نہیں .... رسول خدا سے تمہاری عشق و محبت کا ثبوت یہ ہے
[illegible] کہ جب کوئی شخص ... اُس کی زندگی، اُس کی محبت و مواخات، اُس کی حرکت و عمل اور اُس کی [illegible]
[illegible] ...... تو تمہارے آرام پرست جسم اور غفلت زدہ ... [illegible]
[illegible] ہے ... تم ... سے ... ہو۔ اس ... کر کے اپنا [illegible] ہو۔
اپنی [illegible] ... رسول خدا کے ... سے منہ موڑتے ہو ...... کیا خدا سے تمہاری صلح [illegible]
[illegible] ...... ایک مسلمان، ایک تم ... جیسے ... ہو کے [illegible]
جنت کا [illegible] ... قرآن کی آیت ... ہے ...... تمہاری ... زمین ... دوزخ [illegible]
[illegible] ... وقت ... ہے ... [illegible]
[illegible] ... ہے ... ہو ... دیتا ہے ... [illegible]
[illegible] ...... سے ... اسلام ... نہیں ... تمہاری غفلتوں
کی [illegible] ...... [illegible]
[illegible] ...... [illegible] کی غیرت۔

یا العجب

(صفحہ ...)

۵۔ مولوی کا غلط مذہب۔ یہ کتاب ... رسائل پر مشتمل ہے ... جن میں مولوی کے ... اسلام پر بُری طرح آتش ... کی ہے۔

لغزشیں

میرے مضمون کا تعلق علامہ کی ادبی، ثقافتی زندگی سے ہے۔ سیاسی زندگی سے نہیں۔ لیکن یہ مقدمہ ان کی سیاسی زندگی کو چھیڑے بغیر مکمل نہ تھا۔ اس لئے ... چند سطور بھی لکھنا پڑا۔

عام دستور یہ ہے۔ کہ جب کوئی مہم کامیاب ہو جاتی ہے۔ تو مہم ... کو بہادر، باتدبیر اور ہوشمند ... بتلایا جاتا ہے۔ اور ناکام ہو جائے تو مؤرخ اسباب ناکامی پر بحث کرنے بیٹھ جاتا ہے۔ نپولین اور ترک کامیاب ہو گئے۔ تو مشرق و مغرب کے مؤرخین نے ان کی جرات، شجاعت، تدبر اور دور اندیشی پر طویل مقالے لکھے۔ دوسری طرف نپولین کو واٹرلو میں شکست ہوئی تو اس کی لغزشوں پر بیسیوں کتابیں نکل آئیں۔ یہی حال علامہ مشرقی کا ہے کہ آپ نے عین اس وقت، جب خاکسار تحریک کی ہیبت سے برطانیہ کا ایوان تدبر کانپ رہا تھا، دو خطرناک قدم اٹھائے۔ پہلا ۱۹۳۹ء میں، جب علامہ شیعہ و سنی کے تصادم کو روکنے کے لئے کئی ہزار خاکساروں کے ہمراہ یوپی میں داخل ہو گئے۔ اور وہاں مسلح پولیس سے مقابلہ شروع کر دیا۔ اس تصادم میں درجنوں خاکسار مجروح و شہید ہوئے۔ اور مشین گنوں نے خاکساروں کی ہمت و استقلال پر کاری ضرب لگائی۔ دوسرا تصادم حکومت پنجاب سے ۱۹۴۰ء میں ہوا۔ اس زمانے میں دوسری جنگ عالمگیر چھڑی ہوئی تھی۔ اور حکومت جو چار لاکھ خاکساروں کی فوج کو اپنے لئے ایک خطرہ سمجھتی تھی۔ جنگ میں بعض اوقات حکومتوں کے خزانے خالی ہو جاتے ہیں۔ اور ہر سپاہی محاذ پر جا پہنچتا ہے ضعف و

[illegible] ہے۔ [illegible] حکومت نے [illegible]

[illegible] مشرقی [illegible]

[illegible] نقصان ہوا۔ [illegible] گرفتار

[illegible] آخر [illegible] حکومت [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] پاکستان کے لئے ایک مستقل خطرہ بن چکے ہیں۔ [illegible] ضرورت [illegible]

[illegible] جھوٹ اور [illegible] چھین لیں [illegible]

[illegible] قوت سے محروم [illegible]

[illegible] کے دشمن اور دولتِ [illegible] ہیں۔ [illegible]

[illegible] آزادی چھین لی جائے گی۔

فرض کی آواز

میری یہ محکم رائے ہے کہ علامہ مشرقی میں [illegible] کی بے پناہ [illegible] ہے۔ [illegible] لاکھوں دلوں میں [illegible] پیدا کر سکتا ہے۔ اُن کی مہیب آواز کروڑوں غفلت [illegible] کو خوابِ غفلت سے جگا سکتی ہے۔ [illegible] کی آتشیں تقریریں برباد و ویران دلوں میں ایمان و یقین کی بجھتی ہوئی چنگاریاں بھر سکتی ہیں۔

کیا علامہ صاحب اپنے فرض کو پہچانیں گے؟

نشانِ راہ دکھاتے تھے جو ستاروں کو
ترس گئے ہیں کسی مردِ راہ داں کے لئے
(اقبال)

ئے میں نے اس تحریک سے پوری ذہنی وابستگی رکھتے ہوئے اپنے غور کے ساتھ اپنی رائے کا اظہار کیا ہے۔ اس کے باوجود یہ باتیں اگر خاطر پہ ہوں تو معذرت خواہ بھی ہوں۔

سید عطاء اللہ شاہ بخاری

شورش کاشمیری

مولانا ابوالکلام آزاد کے پیرایۂ بیان کو ملحوظ رکھیں تو سید عطاء اللہ شاہ بخاری ۱۸۹۱ء مطابق ربیع الاول ۱۳۰۹ھ میں پٹنہ مدرسے کی مدرستی زندگی میں وارد ہوئے اور نعمت حیات سے متمتع۔ ددھیال کی طرف سے عطاء اللہ اور ننھیال کی جانب سے شرف الدین نام رکھا گیا۔ عوام نے شاہ جی والا پیر کہنا شروع کیا، عقیدت مند صرف شاہ جی کہتے ہیں۔ حضرت علامہ انور شاہ نور اللہ مرقدہ نے انجمن خدام الدین لاہور کے سالانہ اجلاس میں امیر شریعت کا لقب تجویز کیا، خود بیعت فرمائی، ان کے علاوہ پانچ سو علماء نے بھی بیعت کی جن میں مولانا ظفر علی خان مدیر زمیندار بھی شامل تھے۔

اسلاف خاندان بخارا سے سری نگر وارد ہوئے۔ سلطان زین العابدین والی کشمیر کے زمانہ میں انہیں بڑا رسوخ حاصل تھا۔ ان کی رحلت پر خاندان کی شاخیں ہندوستان کے دوسرے مقامات میں بس گئیں۔ ایک شاخ نے گجرات میں اور دوسری نے پٹنہ میں قیام کیا۔ —— آپ کے والد بزرگوار کی شادی اسی شاخ کے ایک بزرگ حکیم سید احمد شاہ اندرابی کی دختر فرخندہ اختر سیدہ فاطمہ اندرابی سے ہوئی۔ آپ ابھی بچے ہی تھے کہ ان کا انتقال ہو گیا۔ والدہ کی رحلت پر والد پٹنہ سے گجرات چلے گئے اور دوسری شادی کر لی۔ شاہ جی ننھیال ہی میں رہے جہاں نانی مرحومہ نے بیٹی کی نشانی سمجھ کر بڑی شفقت سے پالا۔ آپ کے نانا ابا کا مکان شعر و ادب کی محفلوں کا مرکز تھا۔ شاد عظیم آبادی آپ کی نانی صاحبہ کے عزیز اور روزمرہ کی صحبت کے لئے تشریف لاتے تھے۔ ان کی صحبتوں سے آپ نے بھی استفادہ کیا۔ رفتہ رفتہ شعر و شاعری اور زبان و کلام کا ذوق نکھر گیا ——

خالہ نانی صاحبہ کی وفات پر آپ نے پٹنہ سے گجرات کا قصد کیا۔ اثنائے سفر میں موانعات پیش آتے رہے۔ ایک آدھ جگہ ملازمت بھی کی۔ کچھ دنوں بنارس میں چاندی کے ورق کوٹتے رہے حتیٰ کہ امرتسر پہنچ گئے وہاں مختلف اساتذہ سے قرآن، حدیث اور فقہ پڑھی، لحن خوش الحان اور خوش الحانی کا یہ جوہر آپ کو نانا مرحوم سے ورثہ میں ملا تھا۔ وعظ شروع کیا تو سارا امرتسر گرویدہ ہو گیا۔ پہلی جنگ عظیم کے خاتمہ پر جب امرتسر کو گولیوں کا تحفہ ملا تو ملک میں ایک طوفان کھڑا ہو گیا، مولانا داؤد غزنوی کی تحریک پر آپ نے تحریک خلافت میں شمولیت اختیار کی —— دیکھتے ہی دیکھتے تمام ملک میں آپ کی خطابت کا شہرہ ہو گیا۔ حتیٰ کہ ہندوستان میں یہ بات متفق علیہ ہو گئی کہ اردو زبان میں آپ سے بڑا کوئی عوامی خطیب نہیں۔

شاہ جی اور خطابت ہم نشیں ہیں۔ آپ نے تقریباً تیس یا تیئیس برس زندگی کا زمانہ چھوڑ کر اس وحشت سرائے میں بسر کئے ہیں۔ برصغیر کی تقریباً دو نسلیں

آپ کے [illegible] حیثیت بھی ہیں۔ وکیوں آدمیوں کو آپ کی سیاست سے اختلافات رہا۔ اب بھی اختلاف کرنے والوں کی کمی نہیں لیکن کوئی شخص بھی اس سے اختلاف نہیں کرے گا کہ خطابت ان کی رگ رگ میں ہے۔ وہ بولتے نہیں موتی رولتے ہیں —— ان کی برجستہ گوئی، ان کی حاضر جوابی، ان کی بذلہ سنجی، ان کی نکتہ آفرینی، ان کی شعلہ بیانی، ان کی شستہ گوئی سے دلچسپی کا غرض —— ع

ہزاروں خوبیاں ایسی کہ ہر خوبی پہ دم نکلے

[illegible] ایک چھتا بہت شیریں الفاظ کا شکر بیز ہے۔ [illegible] کی ہمہ گیری [illegible] حیثیت [illegible] وہ ایک [illegible] دل سے خالی نہیں —— [illegible] ان کا مرتبہ استیفوسس [illegible] شریف صہبا ان [illegible] سے مقرر جا سکتا ہے۔ انہوں نے خطابت اختیار نہیں کی بلکہ خطابت نے انہیں اختیار کیا ہے [illegible] سے نکلتی ہیں۔ [illegible] ایک ایسا [illegible] جس میں رنگا رنگ تصویر ہے [illegible] ان کی خطابت کو نکھارنے سے تشبیہ دی جا سکتی ہے —— ع

[illegible] رنگ [illegible] [illegible]

ایک خوبصورت وجود میں مضمون شباب کی [illegible] ان کی خطابت میں ہیں۔ انہوں نے [illegible] بھی عشق ہے۔ [illegible] سے بھی اور مسلمانوں سے بھی لیکن انگریزوں کی مزاحمت ان کی تاریخ [illegible] مسلمانوں سے [illegible] کی تاریخ کے مختلف حلقوں سے ملتے ہیں۔ —— [illegible] ان کی عمر پیشتر برس کے لگ بھگ ہے [illegible] حصہ بھی سے زیادہ قید و بند میں بسر کیا ہے۔ —— ع

[illegible]

ان کی بھی محفلیں باغ و بہار ہوتی ہیں —— ع

اک ذرا چھیڑیئے پھر دیکھئے کیا ہوتا ہے

[illegible] جب [illegible] سے نہیں تھکتے اور آپ سننے سے نہیں تھکیں گے۔ [illegible] سے پھڑک [illegible] کرتے اور رنگ [illegible] نقش کا مجموعہ بیٹھے رہتے۔ ان کا مضمون زلف یار کی طرح پیچ در پیچ [illegible] نہیں ہوتا۔

تنہائی سے انہیں سخت نفرت ہے۔ غالباً اس کا تصور بھی ان کے ہاں نہیں۔ وہ [illegible] سمجھے [illegible] ہیں لیکن سب سے بڑا عوامی خطیب ہونے کے باوجود عوام کو کالانعام سمجھتے ہیں، غالباً ان کا خیال ہے [illegible] ان کے نزدیک ماشہ [illegible] نظم معری، بیکار راگ، مولانا کی سیاست اور غلام احمد کی نبوت عجیب و غریب پہیلیاں ہیں۔

دوستوں پر غایت درجہ اعتماد رکھتے ہیں۔ دشمنوں کو درخور اعتنا ہی نہیں سمجھتے [illegible] کے بعد سے سیاسیات سے [illegible] ہیں، انہیں انتخاب کے نام سے چڑ ہے، غیبت کرنے نہ سنتے ہیں [illegible] کی دوستی پر ترجیح دیتے ہیں۔ چنانچہ اختلاف فکر و عمل کے علی الرغم مولانا عبدالمجید سالک، ڈاکٹر محمد دین تاثیر، سید احمد شاہ بخاری اور صوفی غلام مصطفیٰ تبسم کی دوستی کا دم بھرتے تھے مگر جس زمانہ میں مولانا ظفر علی خاں، ڈاکٹر شیخ محمد عالم، ڈاکٹر سیف الدین کچلو وغیرہ سے اتحاد فکر و عمل تھا ان سے دل کی رسم و راہ کا کوئی معاملہ نہ تھا۔

جماعت احرار، سیاسیات میں ان کی "مساعی شکست انجام" کا ثمرہ ہے۔ اب تو خیر حکومت ہی نے اسے خلاف قانون قرار دے رکھا ہے لیکن ایک زمانہ میں احرار کا طوطی بولتا تھا۔ چودھری افضل حق مرحوم، مولانا مظہر علی اظہر، مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی ایسے لوگ آپ کے دست و بازو تھے۔ اب وہ سبو ٹوٹ چکا، صہبا چھلک گئی، میکدہ اجڑ گیا، آبگینے کے ریزوں میں تلچھٹ باقی ہے اور بقول اقبال ؎

بیا یک لحظہ با عاماں در آمیز   کہ خاصاں بادہ ہا خوردند و رفتند

[illegible] ہے ... سے ... کی آواز تک ... میں شوق ... کرتے ... [illegible] ہو سکتی ہیں۔ انہیں ... سے ... کی کتابیں ... کے الفاظ میں ... کے ... [illegible] سیر و سیاحت کے عادی نہیں۔ خود بھی چلتے سادہ غذا کھاتے اور ہنسی خوشی جیتے ہیں۔ اب کچھ دنوں سے طبیعت ... دوستوں کے بچھڑنے کا سخت رنج ہے۔ فرماتے ہیں:

"میاں اب آدمی بھی شریف نہیں رہا، شریف دوستوں سے ملنے میں تو لطف آتا تھا:"

چھوٹو خوش ... آواز ... ان کی ... ہیں۔ گو موسیقی فن میں ... مہارت کے قائل نہیں، صرف گلے کے رس سے لطف اٹھاتے ہیں۔ شعر و شاعری سے انہیں ایک گونہ دلچسپی ہے۔ تمام اساتذہ کے چیدہ چیدہ اشعار ازبر ہیں۔ ان کے ... سنتا ہوں بزم صحبت ... حاصل ہے وہ کسی اور کو نہیں۔ مولانا آزاد کی طرح ان کے حافظے کی گرہ بھی ... طبیعت شگفتہ ہو تو کبھی ... بکھری بھی جاتی ہیں۔ بقول شاعر ؏

وہ بڑی ذات ہیں اک ... مجمع ...

کبھی سرقامت تھے، اب ان کا قد بھی ان کے دل کی طرح اللہ کے حضور میں جھک گیا ہے۔ چہرہ پر ... عمر ... کی ... ماشاءاللہ، ... کی کائنات چاہتوں سے محروم۔ آنکھیں ... ایک زمانہ میں ... شراب کی ہی تھی ... اب چپ چاپ ... سوچتی ہیں ... شمس العلما کا بانکپن۔ قرآن پڑھیں تو قرن اوّل کا ... یاد آ جاتا ہے۔ شعر سنائیں تو بھی ... کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔

مولانا ابوالکلام آزاد کے الفاظ میں

"دنیا کسی کے لیے کبھی نہیں بدل سکتی۔ تمام دنیا کی نصف افسانہ اور نصف ماتم ... ہے ——"

اور اب اس مرحلہ میں ؏

مختصر حال چشم و دل یہ ہے
اس کو آرام اس کو خواب نہیں

رحمان

آثر صہبائی

مغربی پاکستان کی گورنمنٹ [illegible] جون ۱۹... کو [illegible]
[illegible] شیخ عطا الٰہی صاحب
کا [illegible] آپ کی والدہ ماجدہ [illegible]
[illegible] گورنمنٹ [illegible] دونوں [illegible]
[illegible] نصیب انسانوں کی قسمت میں لکھی تھی۔ [illegible] شیخ عطا بخش [illegible]
شیخ رحمت اللہ صاحب اپنی محنت اور ہمت کا پھل دیکھنے کے لئے زندہ ہیں۔ [illegible]
مقام ہے۔ ان کے احسانات کا آپ کو بڑا احساس ہے۔ آپ کی والدہ ماجدہ بھی اپنے [illegible] شاندار [illegible] دیکھنے کے لئے
۱۹...ء تک زندہ رہیں۔

آپ کی تعلیم فیروزآباد کے ایک مشن سکول میں ہوئی۔ بچپن سے نہایت ذہین و فطین [illegible] تھے۔ [illegible] نے
آپ کو بہت قبل از وقت سنجیدہ بنا دیا تھا۔ رحمان صاحب نے ۱۹... میں میٹرک کا امتحان [illegible] اور صوبہ بھر میں دوم رہے۔ یہ بہت بڑا
امتیاز تھا۔ اسلامیہ کالج لاہور میں داخل ہو گئے۔ آپ کے [illegible] بھائی رحیم [illegible] بھی آپ کے ساتھ تھے۔ دونوں
بھائی نہایت بھولے بھالے [illegible] اور سنجیدہ تھے۔ دونوں ذہین اور محنتی تھے۔ [illegible] شریف اور معصوم تھے۔ لیکن دونوں کے لبوں پر ایک
لطیف سا تبسم ہر وقت کھیلتا رہتا تھا۔ [illegible] دلکشی اور [illegible] رحمان صاحب [illegible] ذہانت اور قابلیت کے باعث بہت
ممتاز رہے۔ میں بھی ان دنوں اسی کالج میں [illegible] کا طالب علم تھا۔ اگرچہ ہم ایک دوسرے سے کچھ زیادہ متعارف نہ تھے تاہم میرے دل پر
رحمان صاحب کی قابلیت، ذہانت، سنجیدگی اور کردار کی معصومیت کا نہایت گہرا نقش تھا۔

ایف۔ اے کا امتحان پاس کرنے کے بعد آپ گورنمنٹ کالج لاہور [illegible] HONRS SCHOOL OF MATHEMATICS میں

ستیا اور [illegible] ہوا کرتے۔ دو سال کے بعد ریاضی میں ایم اے بھی کیا۔

[illegible] تو آپ نے شعر گوئی باقاعدہ شروع کی۔ آپ کے انگریزی کے استاد [illegible] کالج کے میگزین کے مدیر ہوا کرتے تھے۔ انگریزی کے مشہور پروفیسر سعود رضا رحمان صاحب کی انشاپردازی سے بہت متاثر ہوئے اور آپ کی حوصلہ افزائی فرماتے رہے جیسا کہ رحمان صاحب کی توجہ اردو ادب کی طرف مبذول کرانے میں بھی پروفیسر صاحب پیش پیش تھے۔ چنانچہ ۱۹۲۱ء کے لگ بھگ جب آپ ایف۔ اے میں تھے آپ نے اپنی سب سے پہلی نظم [illegible] لکھی۔ ظاہر ہے کہ اس نظم کی ادبی حیثیت زیادہ نہیں ہو سکتی ہے لیکن یہ اپنی تاریخی اہمیت کے اعتبار سے زندہ رہیگی۔

افسوس کہ ہمارے ملک کے بہترین دل و دماغ حکومت کی مشین کے کل پرزے بننے پر مجبور ہیں۔ انتظامی اداروں میں جو کشش ہے وہ ادب کی قدر دانی کے برابر بھی نہیں۔ کوئی ادیب آزادانہ طور پر محض اپنے ادب کے بل بوتے پر عزت کی زندگی بسر نہیں کر سکتا۔ ان حالات میں ہر ذہین شخص لازمی طور پر مقابلے کے امتحانات کی طرف لپکتا ہے۔ چنانچہ رحمان صاحب بھی آئی۔ سی۔ ایس کے امتحان میں شریک ہوئے اور ۱۹۲۶ء میں بڑے امتیاز کے ساتھ کامیاب ہوئے۔ مسلمانوں میں اوّل اور ہندوستان بھر میں تیسرے نمبر پر رہے۔ مزید تربیت کے لئے انگلستان چلے گئے۔ وہاں عربی اور فارسی بھی ان کے مضامین تھے۔ ۱۹۲۸ء میں سب سے بلند اعزازات کے ساتھ اپنے وطن عزیز میں واپس تشریف لائے اور مختلف مراحل طے کرتے ہوئے ۱۹۴۶ء میں لاہور ہائی کورٹ کے اور اکتوبر ۱۹۵۴ء میں مغربی پاکستان ہائی کورٹ کے چیف جسٹس مقرر ہوئے۔

کچھ جست بہاراں ہوتی ہے کچھ جست بیاباں ہوتی ہے

قطرے ہی سمندر بنتے ہیں، ذرّے ہی بیاباں ہوتے ہیں

المختصر۔ اس کے بعد رحمان صاحب سے پھر ایک مدت تک ملاقات نہ ہو سکی۔ کئی سال بعد غالباً ۱۹۴۲ء میں کشمیر میں اتفاق ہوا۔ میں ان دنوں وہاں وکالت کیا کرتا تھا۔ ایک دعوت میں ہم دونوں اکٹھے تھے۔ سرسری سی ملاقات رہی۔ اس وقت تک بھی مجھے رحمان صاحب کی شعر گوئی کے متعلق کوئی علم نہ تھا۔

۱۹۴۷ء میں قیام پاکستان پر مجھے بھی کشمیر سے ہجرت کرنا پڑی۔ اس دورِ پُرآشوب کا تذکرہ اب لاحاصل ہے۔ میں بھی انتہائی پریشانی کے عالم میں سیالکوٹ پہنچا۔ ناداری اور بیکاری ہزاروں پر تھی۔ آمدنی کی کوئی صورت نہ تھی۔ تمام کاروبار بند پڑے تھے اور احتیاجات پہلے کی نسبت زیادہ تھے۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ میں اپنے آبائی شہر میں بھی ایک اجنبی تھا۔ وکالت کا کام غالباً از سرِ نو میں شروع کیا۔ طبیعت میں بے کیفی تھی۔ آزردگی اور شکستہ دلی کے باعث کام کاج میں جی نہ لگتا تھا۔ انہی ایام میں رحمان صاحب کی ایک نظم "ناصبور منزل" جو بہت ہی رنگین نظم ہے [illegible] پسند آئی۔ حیرت بھی کہ اتنی پختہ اور دلآویز نظم رحمان صاحب نے کیونکر لکھی۔ بعد میں معلوم ہوا کہ آپ برسوں سے مشقِ سخن فرما رہے ہیں۔ ان دنوں آپ ہائی کورٹ کی ججی کے علاوہ کسٹوڈین کا کام بھی کیا کرتے تھے۔ میں نے ایک مختصر سا خط لکھا جس میں ضمناً اس وقت کی ذاتی پریشانی کا بھی کچھ تذکرہ تھا۔ چند دنوں کے بعد آپ نے مجھے سیالکوٹ میں ہی اسسٹنٹ کسٹوڈین مقرر فرما دیا۔ رحمان صاحب کی اس عملی ہمدردی کا مجھ پر نہایت گہرا اثر ہوا۔ چنانچہ شکریہ ادا کرنے کے لئے میں لاہور پہنچا۔ آپ نہایت تپاک اور محبت سے ملے اور دیر تک گفتگو فرماتے رہے۔ آپ نے اپنی افسریت کا مجھے مطلقاً احساس نہ ہونے دیا۔ شعر و ادب، سیاست اور زندگی کے دوسرے مسائل پر ایک [illegible] اور مخلص دوست کی طرح باتیں کرتے رہے۔ آپ کی ہمدردی اور انسان دوستی کا میرا یہ پہلا تجربہ تھا۔

دل بدست آور کہ حج اکبر است — از ہزاراں کعبہ یک دل بہتر است

اس کے چند ماہ بعد مجھے سیالکوٹ کا پبلک پراسیکیوٹر مقرر کیا گیا۔ اس تقرر کے سلسلے میں مجھے آنریبل مسٹر جسٹس ایم۔ آر کیانی با قاعدہ

[illegible] حکومت پنجاب کے [illegible] تھے۔ آپ کی [illegible] [illegible] رحمان صاحب کی [illegible] کے مضمون سے بہت خوش ہوتا تھا۔ ان سے ایک عجیب [illegible] [illegible] کی ملاقات ہوئی [illegible] باعث [illegible] ملاقاتیں [illegible] زیادہ قریب سے دیکھنے کے موقعے ملنے لگے۔

[illegible] اور محبوب شخصیت کے مالک ہیں [illegible] آپ استاد [illegible] اور [illegible] محبت سے [illegible] رحمان صاحب [illegible] رحمان صاحب کو کبھی [illegible] سے بہت زیادہ طویل اور بیکار گفتگو کی [illegible]

[illegible]

[illegible]

رحمان صاحب ہر شخص کی بات [illegible] خود [illegible] سے ملتے ہیں اور [illegible]

[illegible]

سیالکوٹ سے آتا تو علمی اور ادبی موضوعات پر بڑی دلچسپ گفتگو رہتی۔ [illegible] خواہش کا اظہار کیا تو آپ نے نہایت گرمجوشی سے اس کی تائید فرمائی [illegible] چنانچہ آپ کی اس توجہ خاص کے باعث میرا تبادلہ لاہور میں ہو گیا۔

دوسروں کے ساتھ نیکی اور احسان کرتے ہوئے رحمان صاحب کی انتہائی کوشش ہوتی ہے کہ دوسرا شخص ان کے احسان کے بوجھ کو محسوس نہ کرے۔ اس قسم کی لطیف خواہش بہت ہی کم لوگوں میں پائی جاتی ہے۔

[illegible] کے بعد مجھے رحمان صاحب کو اور زیادہ قریب سے دیکھنے کے موقعے ملتے رہے۔ رحمان صاحب کی سب سے نمایاں خصوصیت توازن یا اعتدال ہے۔ ان کے دماغ میں ٹھنڈک کے ساتھ ساتھ تیزی اور ان کے دل میں حرارت کے ساتھ ساتھ سلامتی طبع کا نہایت عمدہ رچاؤ ہے جس نے آج تک آپ کو خفگی یا برہمی کی حالت میں نہیں دیکھا۔ ان کی محبت اور گرمجوشی میں بھی رکھ رکھاؤ اور توازن پایا جاتا ہے۔ ان کے یہاں نہ خودی کا نشہ ہے نہ بے خودی کی لغزش۔ علم و حکمت ہے مگر پندار نہیں، خلوص و محبت ہے لیکن [illegible] وارفتگی نہیں، محنت و مشقت ہے لیکن یبوست اور تلخی نہیں، ہمدردی اور [illegible] ہے لیکن نمود و نمائش نہیں، [illegible] اور مذہبیت ہے لیکن تعصب اور تنگ نظری سے کوسوں دور۔

یہ عجیب اتفاق تھا کہ میں جب بھی رحمان صاحب کے پاس جاتا عام طور پر ایک معمر اور مفلوک الحال شخص وہاں ضرور آ جاتا اور اپنے آلام و مصائب کی داستان دہراتا رہتا۔ اکثر اوقات وہ باتیں کرتے کرتے رونا بھی شروع کر دیتا۔ بے چارے کو کچھ ثقل سماعت کی بھی تکلیف تھی اس لئے خود بھی چیخ چیخ کر باتیں کرتا اور رحمان صاحب کو بھی اپنی طبیعت کے خلاف کچھ اونچی آواز میں جواب دینا پڑتا۔ میں خود بھی اس کی حالت دیکھ کر متاثر ہوتا لیکن اس کا مسلسل [illegible] ایک ہی بات کا بار بار اعادہ اور چیختا چلاتا مجھ پر کچھ گراں سا گزرتا تھا۔ البتہ رحمان صاحب اس کی رام کہانی بڑے سکون [illegible] اور

بچوں سے [illegible] کی تربیت ... ہے اس کا دل ٹوٹ جاتا ہے۔ اس شخص کے لئے آپ نے [illegible] کیا، [illegible]
بات [illegible] کی امداد میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ [illegible] صاحب نے اس شخص کا کافی [illegible] ایک [illegible]
اور شریف [illegible] ایک متمول اور خوشحال انسان تھا [illegible]۔ [illegible] اس کا اکلوتا [illegible]
کو ہی سے ایک جگہ ملازمت [illegible] کی [illegible] ایک حادثے کا شکار ہو گیا اور اب یہ شخص زندگی کے [illegible] آلام و مصائب
کا پہاڑ اٹھانے کو تنہا رہ گیا ہے؟

یہ [illegible] [illegible] کے [illegible] [illegible] انسان [illegible] [illegible]
۲۴ اپریل [illegible] پہلا [illegible] [illegible] کوئی [illegible]
وقت ہو گا جو باتوں میں مصروف [illegible] اور [illegible]
آ [illegible] آواز دی [illegible] [illegible] صاحب [illegible]
[illegible] ہو گا [illegible] یہ مقررہ وقت سے پہلے [illegible] ہے؟
[illegible] اس عظیم المرتبت شخص کا [illegible]

آنچہ [illegible] [illegible] ست و [illegible]

[illegible] انسان [illegible] [illegible]

[illegible] [illegible] وارد

آپ اب [illegible] [illegible] کا [illegible] [illegible]
[illegible] [illegible] مجالس کی [illegible]
بزم اقبال اور [illegible] ادب [illegible] اور مجلس زبان دفتری کی [illegible] وغیرہ وغیرہ

عام طور پر مختلف مجلسیں بڑے بڑے آدمیوں [illegible] کے [illegible] نام [illegible] کیا جاتا ہے۔
[illegible] آدمی کو مجلس کے کام سے کوئی دلچسپی ہوتی ہے نہ مجلس کو اس [illegible] سروکار رہتا ہے۔ ایسے [illegible]
[illegible] اپنے [illegible] باعث [illegible] صاحب کی [illegible] [illegible] نہیں ہوتی۔ [illegible]
[illegible] آپ [illegible] دلچسپی لیتے ہیں اور ان کے پروگراموں کو کامیاب بنانے میں وقت اور [illegible] صرف کرتے ہیں۔ [illegible]
اپنے ذمے لیتے ہیں اس کو [illegible] مجلس زبان دفتری کے بعض اراکین نے مجھ سے بیان کیا [illegible] صاحب
اصطلاحات کے ترجمے میں پوری پوری دلچسپی لیتے ہیں۔ ترجمے کے الفاظ پر [illegible] غور فرماتے ہیں اور اکثر اوقات اپنی طرف سے [illegible] تجویز پیش
فرماتے ہیں جو عام طور پر قابل قبول ہوتی ہیں۔ دفتری زبان [illegible] کا کام [illegible] اور غیر دلچسپ ہے لیکن [illegible] کا احساس ہے کہ
اس کے لئے بھی وقت نکال لیتے ہیں۔

"ادارۂ الحمراء" پاکستان آرٹ کونسل [illegible] میں قائم ہوا۔ [illegible] صاحب اس کے [illegible] فنون لطیفہ کی ترویج [illegible]
کے سلسلے میں نہایت عمدہ کام کر رہا ہے۔ چغتائی اور زین العابدین وغیرہ کی تصاویر کی نمائش کر چکا ہے۔ شعر و نغمہ کی بڑی پاکیزہ اور [illegible] محفلیں
منعقد ہوتی رہتی ہیں۔

[illegible] اُردو ادب میں [illegible] شائع ہو رہا ہے [illegible] کتاب [illegible] یہ کتاب [illegible] شائع ہو چکی ہے [illegible] اقبال [illegible] ہو چکا ہے [illegible] ہیں۔

ریحان صاحب [illegible] ریحان صاحب [illegible] [illegible]

اگرچہ [illegible] افسوس کی حقیقت [illegible] انگریزی زبان میں [illegible] عربی زبان [illegible] اسلامی فقہ [illegible] عربی اور فارسی [illegible] آپ [illegible] [illegible] لکھنے [illegible] ضرورت [illegible] میری دلی خواہش رہی ہے کہ میں فقہ کی کتابوں کو انگریزی کا جامہ پہنا سکوں۔

آپ [illegible] بہت اچھے انسان ہیں اور آپ کا مطالعہ بہت وسیع ہے۔ قانون، انگریزی ادب، فلسفہ اور [illegible] ادب [illegible] آپ [illegible] مطالعہ [illegible] میں نے اردو کی بہت سی کتابیں سب سے پہلے آپ کی میز پر دیکھیں۔ [illegible] بلکہ آپ ہر کتاب کو [illegible] غور سے دیکھتے ہیں اور ایک بے لاگ رائے قائم کرتے ہیں۔ بڑے بڑے [illegible] ادیب [illegible] پوری کتاب پڑھنے کے بغیر ہی اپنا تاثر [illegible] ہیں [illegible] آپ رائے دینے سے قبل پوری کتاب [illegible] فیصلہ دیتے ہیں۔ آپ کی تنقید بے لاگ ہونے کے باوجود ہمدردانہ اور فیاضانہ ہوتی ہے۔

میں نے اپنی کتاب "بابِ رخصت" کا ایک نسخہ پیش کیا اور تبصرے کی خواہش کی۔ ایک دو ماہ بعد آپ سے ملاقات ہوئی تو خود ہی فرمانے لگے "بھئی میں نے بابِ رخصت ایک مرتبہ تو پڑھ لی ہے لیکن تبصرہ لکھنے سے پیشتر میں اس کو دوبارہ پڑھنا چاہتا ہوں۔" چنانچہ اس کے تقریباً ایک مہینہ بعد ریحان صاحب نے ایک سیر حاصل تبصرہ رقم فرمایا۔

در گرم روی سایہ و سرچشمہ نجوئیم   با ما سخن از طوبیٰ و کوثر نتواں گفت

آپ کو صرف اپنے کام سے کام ہے۔ آپ کی زندگی ایک پُر وقار خاموش اور تیز دریا کی طرح ہے۔ نہایت خاموشی اور پوری دیانت داری سے اپنے فرائض ادا کرنے میں منہمک رہتے ہیں۔ میں نے آج تک آپ کی زبان سے کسی کی تنقیص یا مذمت نہیں سنی۔ ریحان صاحب کو عیب جوئی کی نسبت عیب پوشی بہت زیادہ پسند ہے اور پھر آپ ہر شخص میں کوئی نہ کوئی خوبی کا پہلو ڈھونڈ نکالتے ہیں۔ نمود و نمائش، لاف و گزاف، خود ستائی، خود نمائی اور [illegible] طبیعت کے دھبوں سے آپ کی تصویرِ حیات یکسر پاک ہے۔

[illegible] شعر گوئی کا آغاز ہوا۔ آپ کی سب سے پہلی غزل ۱۹۲۳ء میں رسالہ "نیرنگِ خیال" لاہور میں شائع ہوئی۔ اس کے بعد کچھ عرصے ادبیا [illegible] اشاعت کے لئے بھیجی اور [illegible] خود کبھی [illegible]۔ پھر ایک مدت تک آپ کا کلام "[illegible]" [illegible] "[illegible]" [illegible] میں شائع ہوتا رہا۔ اس کا علم آپ کے بہت قریبی احباب کو تھا۔ علامہ اقبال کی فارسی مثنوی "اسرارِ خودی" کا منظوم ترجمہ آپ نے ۱۹۴۲ء کے لگ بھگ شروع کیا اور نہایت مستعدی اور خاموشی کے ساتھ [illegible] کیا۔ [illegible] مرحوم کے کلام کے ترجموں کا سب سے [illegible] [illegible] [illegible] تصنع، غرور اور [illegible] خود نمائی [illegible] آپ کے مزاج میں [illegible] ہے۔

آپ ۱۹۵۰ء میں پنجاب یونیورسٹی [illegible] مقرر ہوئے [illegible] بین الاقوامی مجلس [illegible] THE ORIENTALISTS کے اجلاس میں شرکت کے لئے قاہرہ بھیجے گئے [illegible] یونیورسٹی [illegible] کی [illegible] بہت [illegible] اعزاز تھا کیونکہ مجھے اس کا علم [illegible] وقت ہوا جب اس مضمون کے سلسلے میں میں نے آپ سے تفصیلی ملاقات کی۔ [illegible] اکثر احباب کو اس کا علم [illegible] ہوا ہوگا۔ آج تک آپ نے [illegible] [illegible] [illegible] تو آپ نے کبھی [illegible] نہیں کیا۔ انکسار اور بے نیازی کی مثال اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگی!

آں مسلماناں کہ میری کردہ اند — در شہنشاہی فقیری کردہ اند

ریحان صاحب کی روزمرہ زندگی میں ترتیب اور [illegible] کا نہایت [illegible] مزاج ہے۔ [illegible] لباس [illegible] [illegible] کا کرتہ اور [illegible] کی شلوار استعمال کرتے ہیں۔ [illegible] گفتگو [illegible] عام طور پر نہایت شستہ اردو [illegible] میں کبھی کبھی پنجابی میں بھی گفتگو ہوتی ہے۔ کھانا [illegible] سادہ اور [illegible] ہوتا ہے۔ [illegible] کے پابند ہیں۔ تلاوتِ قرآن روزانہ [illegible] ماہِ رمضان میں ایک مرتبہ قرآن [illegible] ختم کرتے ہیں۔ [illegible] کا شوق ہے اور [illegible] کھیلتے ہیں۔ [illegible] تو سیر کر لیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی صحت ماشاء اللہ بہت اچھی ہے۔ جسم مضبوط اور [illegible] ہے۔ زندگی میں [illegible] سادگی ہے [illegible] لیکن [illegible] نخوت نہیں، [illegible] لیکن بد مزاجی اور رعونت نہیں۔ حقیقت میں ریحان ایک [illegible] مسلمان ہے۔

ما قصۂ سکندر و دارا نخواندہ ایم — از ما بجز حکایتِ مہر و وفا مپرس

شرافتِ نفس اور خلوص و وفا آپ کے کردار کی نہایت ہی تابناک خصوصیت ہے۔ ۱۹۲۳ء میں آپ کی شادی آپ کے ماموں جناب شیخ [illegible] صاحب کی لڑکی سے ہوئی۔ [illegible] نہایت ہی [illegible] ثابت ہوا۔ ۱۹۴۱ء میں آپ کی رفیقۂ حیات ہمیشہ کے لئے آپ سے جدا ہو گئیں۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ اس وقت آپ صرف [illegible] برس کے تھے [illegible] کی تعلیم و تربیت تھی اور ایک اعلیٰ عہدہ پر فائز تھے لیکن اس جوانِ صالح نے [illegible] دور کر [illegible] سے گزار دیا۔

اس دور میں آپ نے صرف دو نظمیں لکھیں [illegible] "[illegible]"۔ یہ نظمیں اگرچہ [illegible] معیاری نہیں تاہم آپ کی [illegible] کی ترجمانی کرتی ہے۔ صرف ایک شعر اور وہ بھی فارسی کا [illegible] بے ساختہ اور لطیف شعر ہے:

اے تو زِ بند زندگی [illegible] — از ما [illegible] کجا [illegible]

یہ شفقت صاحب کے گھر کی [illegible] تھی۔ [illegible] میں [illegible] خدا کی قدرت [illegible] کسی شخص [illegible] ایک [illegible] شادی کرنے کی رغبت رکھتے ہیں۔ اگر آپ [illegible] تیسری شادی کر لیں [illegible] لیکن آپ [illegible] تعریف [illegible] خاموش ہو گئے [illegible] آپ کو [illegible] فرزند عطا فرمایا [illegible] آپ کے [illegible] ہے۔

[illegible] میں [illegible] وفا پرست شوہر کی شکل [illegible]

رحمان صاحب کی شفقت کا [illegible] روشن [illegible] آپ [illegible] پوری محنت کے ساتھ [illegible] ہے [illegible] رحمان [illegible] صورت اختیار کر لیتا ہے۔

جب آپ وائس چانسلر تھے تو کالجوں [illegible] ایک [illegible] مطالبات [illegible] جلسوں میں تقریریں کی گئیں، جلوس [illegible] نعرے لگائے گئے [illegible] رحمان صاحب [illegible] سامنے شدید قسم کے مظاہرے بھی کئے گئے لیکن [illegible] طلباء کے ساتھ [illegible] ہمدردی تھی [illegible] عجیب [illegible] مطالبات کے سامنے گھٹنے ٹیک دیے جائیں۔ [illegible] یونیورسٹی کو بہت سا مالی نقصان بھی برداشت کرنا پڑتا تھا۔ اگر رحمان صاحب [illegible] سامنے جھک جاتے تو یونیورسٹی کے امتحانات [illegible] اگرچہ [illegible] شہرت اور [illegible] حاصل کر لیتے اور رحمان زندہ باد کے بھی چند نعرے بلند ہو جاتے۔

دیانت داری اور فرض شناسی رحمان صاحب کو اپنے والد مرحوم سے وراثت میں ملی ہے۔ آپ کے والد محکمہ پولیس میں ملازم تھے۔ تنخواہ کچھ زیادہ نہ تھی اور کوئی ذریعہ آمدنی نہ تھا۔ بالائی آمدنی سے پرہیز کرتے تھے۔ ظاہر ہے کہ ان محدود وسائل سے بیوی بچوں کے لئے آسائش کے سامان مہیا نہ کئے جا سکتے تھے۔ آپ کی بیوی کبھی تنگدستی کا گلہ کرتیں تو آپ فرمایا کرتے "کیا میں ان بچوں کے لئے حرام کا لقمہ مہیا کروں؟"

رحمان صاحب نے فرمایا "ہماری والدہ ماجدہ ہمیں اکثر والد مرحوم کی اس قسم کی باتیں سنایا کرتی تھیں اور میں ان باتوں سے بچپن میں بہت متاثر ہوا کرتا تھا۔ ایک شریف، ایماندار اور غریب باپ حقیقت میں رحمت الٰہی ہے! انسانی سیرت اور کردار کی تشکیل و تکمیل ایسے ہی ماحول میں ہوتی ہے۔"

یہ فقرے رحمان صاحب نے بڑے رقت انگیز لہجے میں ادا فرمائے۔

میں نے پوچھا "آپ کا محبوب شاعر کون ہے؟" فرمایا "میرا محبوب ترین شاعر اقبال ہے۔" علامہ مرحوم سے آپ کو بے پناہ عقیدت اور محبت ہے۔ مرحوم کے کلام پر آپ کی بڑی گہری نظر ہے۔ بچپن سے پڑھ رہے ہیں۔ خدا معلوم ایک ایک شعر کتنی کتنی مرتبہ پڑھ چکے ہیں۔ آپ کی اس والہانہ عقیدت کا زندۂ جاوید ثبوت "ترجمان اسرار" (اسرار خودی کا منظوم ترجمہ) ہے جو کئی برس کی محنت کا نتیجہ ہے۔ اقبالؒ کے بعض مداحین [illegible] مرحوم کے [illegible] بدنامی کا باعث ہی ثابت ہوئے لیکن رحمان کی زندگی میں اقبالؒ کی تعلیم متشکل نظر آتی ہے۔ رحمان کے کردار کی تعمیر میں اقبال کے افکار کو بہت دخل ہے۔

"شاعری کے متعلق آپ کا کیا نظریہ ہے؟" میں نے دوسرا سوال کیا۔

فرمایا: "شاعری کے متعلق میرا نظریہ وہی ہے جو علامہ اقبال نے پیش کیا ہے۔ ادب میں اگر اخلاق اور روحانی اقدار نہیں تو وہ محض تفریح ہے۔ میں اپنا نظریہ "ماہِ نو" کے تبصرے میں وضاحت کے ساتھ بیان کر چکا ہوں:"

"ماہِ نو" کے تبصرے میں آپ یوں رقمطراز ہیں: "روایتی شاعری جدید قسم کی بھی ہو سکتی ہے اور قدیم طرز کی بھی۔ یہاں روایتی شاعری سے مراد وہ شاعری ہے جس کو ترقی پسندی کے غبار نے دھندلا کر دیا ہے۔ میرے نزدیک ہر وہ شاعرانہ تصنیف جو خلوص اور احساس پر مبنی نہ ہو بلکہ محض ایک مقبول طرز کی پیروی میں روا رکھی گئی ہو، روایتی ہے، خواہ اسے کسی دلیل کے انداز میں شکل دی گئی ہو اور خواہ "معیار" یا "میلانِ فکر" کے عنوان سے جدید رومانوی انداز میں اسے پیش کیا گیا ہو۔ ایسی شاعری درحقیقت شاعری نہیں ہوتی بلکہ قدماء کی اصطلاح میں محض "قافیہ پیمائی" اور ہر فرد کی نظر کے پیشِ نظر "آہنگ آرائی" کہلا سکتی ہے۔ حقیقی شاعری وجود میں نہیں آتی جب تک کہ خارجی واردات جذبات کی شکل میں منتقل ہو کر قلبی کیفیات میں تبدیل نہ ہو جائیں۔ دوسرے لفظوں میں اس قسم کی شاعری میں ذاتی تجربہ کا ضمناً یا براہِ راست اظہار ہونا چاہئے۔"

حال ہی میں "حلقۂ اربابِ ذوق" کے سالانہ جلسے کے موقع پر رحمان صاحب نے ایک نہایت ہی مختصر مگر جامع اور بصیرت افروز خطبۂ صدارت ارشاد فرمایا ہے۔ چند اقتباسات بلا تبصرہ پیش کرتا ہوں:

"ادب برائے ادب کا فرسودہ نظریہ اس حقیقت کی روشنی میں مرچکا یا مرحل ٹھہر سکتا ہے:"

"میری نظر میں تقلیدی ادب بے روح ادب ہے جسے مصنف کے ایقان و اخلاص نے جلا نہیں دی محض ہوائی ہے خواہ روایت پرانی ہو یا نئی۔"

"اس طبقے کے ادیبوں کا ایک گروہ تحت الشعور اور لاشعور کے گڑے مردے اکھاڑنے کو ہی ادبی خدمت سمجھتا ہے۔ اسی ذریعہ سے عریانی، فحاشی، جنسی کج روی اور رسوائے زمانہ نے جدید ادب میں راہ پائی ہے۔ افراط و تفریط سے نوبت یہاں تک پہنچائی کہ بعض من چلوں نے بغاوتِ محض کو اپنا شعار بنا لیا۔ سماج سے بغاوت، قانون سے بغاوت، مذہب و اخلاق سے بغاوت، خدا سے بغاوت، ہر بلند آدرش سے بغاوت۔"

"عظیم ادب وہی ہے جس کے پس منظر میں ایک صحت مند نظریۂ حیات، ایک جیتا جاگتا نصب العین کارفرما ہوتا ہے۔"

روایتی ادب کے علمبرداروں کے متعلق فرماتے ہیں:

"یہ لوگ محض دیرینہ یا جدید روایت کی لکیر پیٹ رہے ہیں۔ ان کے پاس کوئی ذاتی سرمایۂ خیال نہیں۔ ان کا تصورِ ادب سراسر میکانکی ہے، ان کی جدت یا ندرت محض الفاظ کے الٹ پھیر کا نام ہے۔ ان کی کیا صورت ہے معنی نہیں، جسم ہے جان نہیں، انہیں ایک طرح سے کاروانِ حیات کا پسماندہ غبار کہئے۔"

میں نے پوچھا: "آپ کے نزدیک زندگی کا بہترین نصب العین کیا ہے؟"

فرمانے لگے: "انسان کے لئے بہترین نصب العین وہی ہے جو اسلام نے پیش کیا ہے۔ اقبالؒ نے اسلام کی نہایت دلکش مگر حقیقی تصویر پیش کی ہے۔ اسلام کی موجودگی میں ہمیں کسی دوسرے نظامِ حیات کی حاجت نہیں۔ اگر ہم لوگ تخلقوا باخلاق اللہ کو پیشِ نظر رکھیں اور سرورِ کائنات خاتم النبیینؐ کے اسوۂ حسنہ کو اپنے لئے مشعلِ راہ بنائیں تو کوئی وجہ نہیں کہ ہم میں پھر صدیقؓ و عمرؓ اور عثمانؓ و علیؓ پیدا نہ ہوں۔ خود اعتمادی اور خدا اعتمادی ہی زندگی

[illegible] ہے۔ [illegible]
[illegible]
[illegible] ہے۔

[illegible]

[illegible]

[illegible]

رحمان صاحب ایک اچھے ادیب، بہت اچھے جج اور نہایت ہی اچھے انسان ہیں۔ جب بھی رحمان صاحب کے [illegible] میں اکثر احباب کو ان کی تعریف میں رطب اللسان پاتا ہوں ہر شخص کوئی نہ کوئی ایسا ذاتی واقعہ سناتا ہے جس سے [illegible] اپنے حسن انتخاب پر خوش ہو کر زیر لب یہ شعر گنگناتا ہوں ؎

ہر کس کہ دید روئے تو بوسید چشم من
کارے کہ کرد دیدۂ من بے نظر نہ کرد

حمید نظامی

شورش کاشمیری

پہلی دفعہ حمید نظامی سے ملنے پر آپ کے لئے یہ باور کرنا محال ہوگا کہ یہی وہ شخص ہے جس کا وجود قصرِ حکومت کے شہزادوں سے لے کر کافی ہاؤس کے کھنڈروں تک میں زیرِ بحث رہتا ہے، جو اپنے اخبار میں دھاڑتا ہونے کے باوصف اپنے وجود میں پُراسرار ہے، جس سے وزرا خوف کھاتے اور صحافی حسد کرتے ہیں، جس کی ذات پر پچھلے دس برس میں اتنی بے تحاشا تنقید کی گئی ہے کہ اس تمام مواد کو جمع کریں تو روایتی بھٹیاروں کی گالیوں اور طعن آوازوں کا ایک دفتر تیار ہو سکتا ہے لیکن اس نے اپنے بے حوصلہ نقادوں، کرم فرماؤں اور دلچسپ مزاجوں کی مثلاً عامر حق کی تاثرات درخورِ اعتنا ہی نہیں سمجھا اور حتی الامکان اس بے پرواہی سے انہیں نظر انداز کیا ہے جیسے وہ کوئی وجود ہی نہیں رکھتے ہیں۔ جن حکمرانوں سے اس کی ٹھن گئی ان کا ہر جہت سے تعاقب کیا۔ بالآخر بیشتر چاروں شانے چت ہو گئے۔ کتنوں نے گھٹنے ٹیک دیے اور اکثر اپاہج سے نظر آنے لگے۔ اس نے ہر معرکہ میں جم کر مقابلہ کیا، ہمیشہ تنہا لڑا، بارہا زخم بھی کھائے لیکن پیٹھ پر نہیں سینہ پر، کئی دفعہ موت و حیات میں ایک ہی قدم کا فاصلہ رہ گیا۔ غنیم نے شادیانے بجائے لیکن وہ ایک ققنس کی طرح اپنی خاکستر سے زندہ ہو گیا۔ اس کی دوستی محدود ہے لیکن جس سے ہے چند اصولوں کے تحت ہے اور پکی ہے، دوست اس پر اعتبار کرتے اور اس کی رفاقت میں خوشی محسوس کرتے ہیں۔

ـــ دشمنی وہ سخت ہے بلا سنگدل، اس کا تیر ہمیشہ نشانہ پر بیٹھتا ہے۔ کوئی وار خطا ہو جائے تو وہ اس سے پژمردہ نہیں ہوتا بلکہ تازہ دم ہو کر دوسرا وار کرتا ہے۔ ایک وار، دو وار، تین وار ـــ دس ہی وار ـــ آخر وہ پالا مار ہی لیتا ہے۔ اس کی دوستی میں مروت ہے لیکن اس کی دشمنی میں نفرت۔ اس نے حریفوں کے لئے اپنی لغت سے عفو کا لفظ ہی نکال دیا ہے۔ کسی مرحلے میں بھی وہ دشمنوں سے رحم یا تلطف کا عادی نہیں۔ وہ قبروں تک پیچھا کرتا ہے، اس کے ہاں حریفوں کے کفن بھی نوچ لینے کی چیز ہیں۔

ـــ ہندوستان اور پاکستان کی جدوجہد کے دو بڑے صحافی گزرے تھے۔ انگریزی صحافت میں الطاف حسین، اردو اخبار نویسی میں حمید نظامی ـــ حمید نظامی نے صحافتی اصولِ جنگ کے تحت ہر حربہ استعمال کیا، نتیجہ معلوم کہ میدان اس کے ہاتھ رہا ـــ جس سے تاریخِ پاکستان کی صحافت میں اس کا نام علامت [illegible] بن گیا۔ تاآنکہ اس نے اپنے گرد پاکستانی اذہان کی ایک بڑی کھیپ جمع کر لی جو میدانِ جنگ ـ

میں قوت ٹوٹ گئی۔ حمید نظامی کی کیسی انقلاب کے بعد بعض لوگ اقتدار سے جھک گئے۔ بعض نے سادہ سا انداز اپنا لیا۔ وشواری منزل کے سامنے سپر ڈال دی۔ بعض تاثیر کی نمائش میں تماشا ہو گئے۔

اس عہد میں ہم حیات علی، نواب شہاب الدین اور میاں ممتاز دولتانہ ——— یہ تین حضرات تھے جن سے حمید نظامی کی لڑائی کا آغاز ہوا۔ سب کیا تھے۔ وہ ایک اخلاقی منصوبہ کے طور پر ان کے مخالف تھے ———

پھر اُن کی تیوری پر کبھی بل نہیں آیا!

پھری پھری نظروں سے دوستی جاتی رہی

حمید نظامی کہاں سے آئے؟ اس سے پہلے کہ وہ خود اپنی طرف سے وضاحت کریں، نظامی نے بھی کچھ کہنا ہے۔ اسی طرح اس کے بعد ہونے لگے۔ کچھ ان کی جو چیز کسی کو چھوڑ دی جو نکلتی ہے انہیں اس وقت دکھ کر وہی حاصل کیا۔ ان کو بہت سے مشکل میں دیکھ کر بیان بدلا۔ لوگوں نے بات پوچھی۔ میں اپنی جانب سے ان کو پیش کروں گا۔ ان سے یہ بات حاصل نہیں ہو گی کہ وزیر ہو کر بھی وہ کسی کا حکم مانتے رہے ———

خواجہ صاحب کا ایک خط حمید نظامی سے ملا، جو ان کے پچھلے دنوں کے حالات بیان کرتا ہے۔ خواجہ صاحب فرماتے ہیں:

"جہاں میں بیٹھا ہوں وہاں تک میری صحت کی خبر کوئی نہیں لے سکتا۔ وہ جیسے ہیں، اللہ تعالیٰ کے فضل سے خیریت سے ہیں، اور میں دعا کر رہا ہوں کہ وقت گزر جائے۔ وہ دو مخالف میں پڑنے کی چیز ہے۔"

میاں ممتاز دولتانہ سے ملاقات کے لئے وہ پہنچے۔ انہوں نے کہا: بیٹھئے، کوئی کسی کا نہیں۔ وہ معاملات میں کبھی وقت نہیں دیتا۔ کہتے ہیں:

سانس بھی تو آتے جاتے

اور یہ اکثر جانے جانے

لیکن یہاں بھی حمید نظامی ہی سرخرو نکلے۔ گو وہ نظام دو وزارت ان کے سر پر تھی۔ ایک اخبار ان کا ایک اخبار بند ہو گیا۔ دوسرا اخبار بند ہونے کا سلسلہ شروع ہوا۔ پرچے پر چھاپنے سے انکار، ممدوٹ صاحب، جناب غلام محمد، خواجہ ناظم الدین، نواب مشتاق گورمانی ان کے معاملات میں کوئی فرق نہ آیا۔ وقت پر اٹھنا، وقت پر لکھنا، وقت پر کھانا، وقت پر پڑھنا، وقت پر سونا ——— ہفتہ میں دو بار سینما دیکھنا، رات ڈھلے پہنچ جانا۔ ماتحتوں سے گپ لگانا، ہنسنا کھیلنا اور گھر چلے جانا ——— دوستوں سے صرف دوستی کی بات کرنا اور بس ——— اس سارے عرصے میں انہوں نے کبھی دوستوں کو اپنی افتاد صبح و شام سے آگاہ نہیں کیا۔ ہر چند بار بار دوسرے تاریخوں کے ساتھ ان کے تمام احباب کو بھی اخبار ہی سے معلوم ہوتا تھا کہ گزشتہ روز نوائے وقت پر کیا گزری؟ "جہاد" کیوں بند ہوا؟ اور "نوائے پاکستان" کے ازمطبوعات نوائے وقت ہے ———

پھر ان کا یہ "رویہ" اپنے احباب ہی سے نہیں بلکہ اپنے گھر والوں سے بھی ہے۔ گورنر راج کے زمانے میں ان پر مقدمہ دائر کیا گیا کہ بغیر لائسنس کے پستول رکھا ہے، وارنٹ نکلے، گرفتاری ہوئی، ضمانت مل گئی ——— اگلے دن اخبار میں چھپا تو اہلیہ نے حیرت سے استفسار کیا۔ انہوں نے جو جواب دیا ملاحظہ ہو:

"اس کا گھریلو معاملات سے کوئی تعلق نہ تھا اور اب آپ نے اخبار میں پڑھ ہی لیا ہے۔"

ان کا کہنا ہے کہ وہ اپنے مصائب میں جب اپنی بیوی کو بھی حصہ دار نہیں بناتے جو حقیقتاً ان کی شریک حیات ہے تو پھر بھلا وہ ان لوگوں پر اپنے مصائب کا کوئی بوجھ کیونکر لاد سکتے ہیں جو محض ان کے شریک سخن ہیں ——— وہ استثنائی گھڑے ہیں۔ ان کے ہونٹوں سے کسی راز کا نکل جانا

[illegible] شکل ہے ... [illegible] ... کے یا دخل بڑھ جاتے ہیں ہی سے کوئی بات [illegible]
کی تحریر سے [illegible] کچھ نہیں چلا کر کتاب میں کیا ہے۔ انہیں خصوصاً [illegible]
پالیں اور خیالات ہیں بھی اس وقت وہ [illegible] لگتے ہیں۔ ان کے صفات ستھرے ماتھے پر شکنیں پڑ جاتی ہیں۔ [illegible]

یا اپنا گریباں چاک یا دامنِ یزداں چاک

اور جو "ماسخیروں" ہی کے گریبان ان کے ہاتھوں چاک ہوتے ہیں ——— آج جس گروہ کے ہاتھ میں ملکی سیاست کی باگ ڈور ہے اس کا خمیر
رجعت کی خاک میں گندھا ہے۔ ان لوگوں نے انگریزی عہدِ حکومت میں نہ صرف اپنے ہی خاندانوں کو پروان چڑھایا بلکہ اپنے آپ کو خلعت کا اہل سمجھا۔ ان کی ساری تاریخ، جمہور المسلمین پر ترآنے کی تاریخ ہے۔ بالخصوص مرحوم پنجاب کے شہر و قبائل انگریزوں کے خود کاشتہ پودے ہیں —
حمید نظامی ان کے رجحان پالیسی کا ایک نمائندہ نوجوان ہے۔ اس نے زندگی کی مراعات ورثہ میں حاصل نہیں کیں بلکہ جوڑ توڑ کر بنائی ہیں، اس نے معاشرہ کے خلاف جدوجہد کر کے اپنی راہ پیدا کی اور موجودہ مقام حاصل کیا ہے۔

سلطان عبدالحمید نے جنرل خلافت سے فرمایا تھا۔ "یہاں میں کہتا تھا کہ اگر خلافت کا تخت مجھے دوبارہ مل جائے تو میں سب سے پہلے ترکی کے اخبار نویسوں کو دار پر لٹکا دوں گا ——— یہاں جن خاندانوں کے ہاتھ میں عنانِ اختیار ہے ان میں سے کچھ افراد کی ایک [illegible] اس کی دوست بھی ہے اور وہ ہر خرابی اور نقص سے بے پرواہ ہو کر دوستانہ روابط نبھا رہا ہے لیکن ان کے اندرونی خیالات میں رفقا ماشاءاللہ طبقاتی نزاع موجود ہے۔

جہاں تک اس کے سیاسی خیالات کا تعلق ہے ظاہر ہے کہ وہ تحریک پاکستان کے افق ہی سے طلوع ہوا ہے۔ اس میں اور اس کے تمام امرا میں خیالات کا کوئی بنیادی ٹکراؤ نہیں، جو ٹکراؤ ہے وہ طبائع اور طبقات میں ہے اسی لئے ارباب اختیار کی انا اس سے کھٹکتی ہے اور وہ بھی زیر کرتے ہیں لیکن نظامی ان کی طبقاتی نخوتوں کے خلاف ایک تنقیدی قلعہ ہے۔ وہ غربا کے بیٹوں کا انتقام ہے، جو بڑی مدت کے بعد پنجاب کے باقتدار خاندانوں سے برسرِ پیکار ہے —

حفیظ اہلِ زباں کب مانتے تھے
بڑے زوروں سے منوایا گیا ہوں

اس نے اپنے نکتۂ نظر کو ایک خاص سانچہ میں ڈھال لیا ہے اس کی بعض کاوشوں میں اونچے طبقے کے عادات کی ملاوٹ ہے۔ اس خصوصیت نے اس کے "گرد و پیش" بعض ایسے عناصر پیدا کر دئیے ہیں جو محض تنور شکم کی خاطر اس پر گالیوں کا جھاڑ باندھتے ہیں۔ اس وقت اس کی عمر ۳۹ اور ۴۰ سال کے درمیان ہے۔ اس نے زندگی کی عمارت اٹھانے میں ایک ایک اینٹ خود چُنی ہے۔ وہ ان لوگوں میں سے نہیں جو اپنے خاندانوں کی وجہ سے پہچانے جاتے ہیں بلکہ اس کا شمار ان لوگوں میں ہوتا ہے جن کی وجہ سے ان کا خاندان پہچانا جاتا ہے۔

اس نے اپنے بل پر تعلیم حاصل کی، اسلامیہ کالج لاہور سے بی۔ اے اور ایف سی کالج لاہور سے ایم۔ اے (انگریزی) کیا۔ پڑھاتا رہا، کماتا رہا اور پڑھتا رہا ———

اس کو صحافی بننے کا شوق شروع سے تھا، اس کی طبیعت کے دروازے ادب و سیاست دونوں کے لئے کھلے تھے، ابتداً ہر ماہ رسائل میں لکھتا رہا۔ "شیرازہ" "ہمایوں" اور "ادبی دنیا" میں طبعزاد افسانے بلکہ پہلے مضامین اور خاکے لکھے۔ کئی تراجم بھی چھپے، آخر کار اس کی طبیعت کا ایک رخ بن گیا، ادھر سیاسیات کا ایسا چسکا پڑا کہ بحیثیت طالب علم ۱۹۳۶ء میں مسلمان طلبہ کی سٹوڈنٹس فیڈریشن کا سنگِ بنیاد رکھا اور صدر منتخب ہو گیا۔ ۱۹۳۸ء میں صحافت سے علیحدگی اختیار کر لی، پھر ۱۹۴۰ء میں قائداعظم کے ایما اور دوستوں کے اصرار پر مدیر بن گیا۔ اسی اثنا میں کالج کے مباحثوں میں حصہ لینا شروع کر دیا۔ زبان پر قابو تھا، خیالات تقریباً منجھ چکے تھے، بیسیوں مباحثوں میں شرکت کی اور کوئی پندرہ کے قریب انعامی کپ بھی

[illegible] ہے کیا زیست کا سوال سامنے تھا۔ [illegible]
[illegible] کے لئے جو آل [illegible] ہے ۔۔۔ ادبیات اردو کا
[illegible] ایک [illegible] آیا اس نے [illegible] اپنے نام سے چھاپا۔ پنجاب [illegible]
[illegible]

[illegible] وقت [illegible] ایک [illegible] عظم کی تحریک اور
[illegible] پاکستان کے لئے [illegible]
[illegible] اس سے پہلے [illegible] زیادہ [illegible] مسلمانوں میں صحافی [illegible] ایک ایڈیٹر کے لئے شاعر و
[illegible] جنہیں انگریزی
[illegible] بحیثیت [illegible]
انگریزی کی بجائے انگریزی محاوروں کو اردو اصطلاحات سے [illegible] چند انگریزی [illegible] اردو اخبار
[illegible] اداریوں کی خامیاں [illegible] پاکستانی انگریزی
[illegible] شوق سے پڑھا جاتا ہے ۔۔۔ ہمارے ملک کی سیاست [illegible] اس کے ساتھی و مخالفت [illegible]
[illegible] کرنے کے لئے اس کو ضرور پڑھتے ہیں ۔۔۔ [illegible] سیاست میں مسائل [illegible]
[illegible] پیدا کر لیتا ہے [illegible] ایک عام بحث شروع ہو جاتی ہے جس سے ایک خاص ذہنی [illegible]
اور عوام پنجاب کے اضلاع میں اس [illegible] بڑی اہمیت حاصل ہے۔

نوائے وقت میاں حمید نظامی لازم و ملزوم ہیں، دونوں کی شخصیت ایک دوسرے میں پیوست ہے ایک کی نفی سے دوسرا اگر ختم نہیں ہو سکتا
اس کی پسند و ناپسند بھی شدید ہے بلکہ سنگین، اسی طرح اس کے مخالف و موافق بھی افراط و تفریط پر ہیں ——— اس کے مخالفوں کی
سب سے بڑی تعداد اسی کے طبقے میں ہے۔ اس کا واحد جرم یہ ہے کہ وہ ان کے طبقے کا ہو کر ان سے آگے نکل گیا ہے ——— اس کے اداریوں کی
طوالت نام کو نہیں ہوتی۔ چھوٹے چھوٹے فقرے اور نپی تلی بات [illegible] کی ادبی حیثیت محل نظر ہو سکتی ہے لیکن اس میں ایک
ہلکی سی چوٹ ضرور ہوتی ہے جس سے ضارب و مضروب دونوں لطف لیتے ہیں۔

اکثر لوگوں میں اس کے متعلق یہ خیال عام ہے کہ وہ مغرور ہے لیکن وہ مغرور نہیں، صرف رکھ رکھاؤ کا عادی ہے عام لوگوں میں خلط ملط نہیں
ہونا۔ اس کا خیال ہے کہ ہر انسان اس قابل نہیں ہوتا کہ اس سے "رسم و راہ" پیدا ہو ۔۔۔ لوگ کسی نہ کسی وجہ سے عام ہو جاتے ہیں تبرک
کی طرح تقسیم ہو کر اپنی عزت کھو بیٹھتے ہیں۔

وہ ان تقریبوں میں بیٹھنے کے بجائے ان کی گالی کھانے میں اپنی عزت کو زیادہ محفوظ سمجھتا ہے۔
اور حمید نظامی کی ساری تصویر الفاظ کے ساتھ نسخ یا نستعلیق ہو ڈھلی ہیں ہے۔

آغا شورش کاشمیری

محمد وارث کامل بی اے)

لاہور کی وہ تہذیبی رہگذر جو اردگرد و پیش بنی ہوئی کہیں ناک کی سیدھ اور کہیں بل کھاتی ہوئی چلی جاتی ہے آج سے برس پہلے کسی جوان رعنا کے خرام ناز کو تکنے کا مشتاق نہ ہوئی تھی ۔ اس نوجوان سے میری آنکھیں تو صرف ایک دو بار لڑیں چار ہونے پر بھی کچھ تو اپنی مرادیں تھیں — باعث اور کچھ اس وجہ سے کہ اس جوان رعنا کی متانت بھری نگاہیں اذن خطاب تو درکنار کسی راہرو کو رسمی علیک سلیک کی اجازت بھی نہیں دیتی تھیں میرے اس جوان رعنا کے درمیان اجنبیت کی دیواریں حائل رہیں ۔ یہ عقدہ بھی نہ کھل سکا کہ آخر یہ نوجوان ہے کون ؟ لیکن آئینے پر اس نوجوان کے چہرے بشرے کے جو نقش ابھر آئے تھے میں تصور میں بھی کبھی ان سے ہمکلام ہوا ۔ اس ہمکلامی کو بزعم خود تعارف سے تعبیر کرتا رہا حالانکہ اس ہمکلامی اور اس تعارف کی حیثیت ایک طلسم خیال کی سی تھی ۔ اس نوجوان کی حیثیت کذائی جن خصوصیات کا حسین آمیزہ تھی قلم کی زبان شاید ان کا مرقع کھینچ سکتی ہے ۔ کتابی چہرہ، غلافی آنکھیں ستواں ناک ڈھلکے ہوئے رخسار ، شاداب ہونٹ ، پتلے کان ، کشادہ پیشانی ، گتھے ہوئے دانت ، گھمبیر سرخ داڑھی ، گھنی بھری ہوئی گردن ، خشخاشی بلکہ عادتاً سادہ لباس ، رنگ کھلا ہوا قد درمیانہ ، تن خاموش لیکن نگاہیں ہر لحظہ گردش میں ، چہرے پر متانت اور ذہانت سے آنکھ مچولی کھیلتی ہوئی ۔ تقاریر کرتے ہوئے فقرے چٹخارے دار ، گفتار والہانہ (اس کا اندازہ بعد میں ہوا) کہ پری شیشے میں اتر آئے عزم و حوصلہ کی یہ شان (چہرے کی تراش خراش سے یہ چیز ٹپکتی تھی) اس شعر کا مفہوم مجسم سمجھیے —

ہر چند کوہ سے بھی گراں تر ہے بارِ عشق
ہمت یہ کہہ رہی ہے کہ تنہا اٹھائیے

شاہی مسجد میں ایک جلسہ کا پروگرام تھا ۔ لوگ شہر کے اطراف و اکناف سے اس کثیر تعداد میں جمع ہوئے تھے کہ سماں گویا عرفات کا منظر پیش کر رہا تھا ۔ اس اجتماع میں میں بھی شریک تھا لیکن میری حیثیت ایک ایسے تماشائی کی سی تھی جس کی بے دلی نہ اسے درس عبرت دیتی ہے نہ اس کے لئے تسکین ذوق کا سامان فراہم کرتی ہے غالب نے بھی ایسے ہی تماشائی کی ذہنیت کا اس شعر میں ماتم کیا ہے —

بے دلی ہائے تماشا کہ نہ عبرت ہے نہ ذوق
بے کسی ہائے تمنا کہ نہ دنیا ہے نہ دیں

[illegible] کے قریب ہی [illegible] دن کا [illegible] صرف کیا تھا۔
[illegible]
[illegible] مولانا ظفر علی خاں [illegible]
[illegible]
[illegible] سے [illegible] ہو [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] پیش کرنے کے بعد جو کہا تھا

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

میں اس نوجوان کی تقریر کے دوران کچھ ایسا محسوس کیا [illegible]
اس نوجوان کی تقریر کے خاتمہ پر لوگوں [illegible] کوئی صاحب [illegible]
[illegible] صاحب [illegible] وارث صاحب [illegible]
خالہ زاد بھائی تھے۔ (یہ صاحب کیپٹن شفیق الرحمٰن ایم اے پی سی ایس [illegible])
شورش کی تقریر! یہ ہے قابلیت۔ ایک مدت سے ہم دونوں کتابوں کے ورق چاٹ رہے ہیں [illegible]
کہ ہم اس دھڑلے سے تقریر کر سکیں۔ وارث صاحب [illegible] اس تقریر کی ایک [illegible] ہے جس سے کسی کی شخصیت [illegible] ہو سکتی ہے۔ بھائی یہ کہتا کہ ہم نے
اتنے امتحان پاس کئے ہیں اور ہمارے پاس اتنی سندیں ہیں پھر دنیا کی نظروں میں ہمارا وقار اونچا نہیں کر سکیں مگر اس نے کہا بھائی صاحب اس نوجوان شورش
ایسی ہی طرح جانتا ہوں کئی ماہ برابر میری اور اس نوجوان شورش کی گذرگاہ ایک ہی رہی ہے۔ اندازہ تو مجھے پہلے ہی تھا کہ یہ نوجوان چھپا رستم ہے
اور جو نہ پوچھو تو اس کی گدڑی میں لال چھپے ہوئے ہیں لیکن یہ میرا کہنا کہ میں نے اس سے کچھ اور زیادہ قریب ہونے کی کوشش نہیں کی۔

یہ نوجوان شورش یہ جوان رعنا شورش جس کی کتاب زندگی کا ایک ورق میں نے اوپر کی سطور میں پیش کیا ہے آج صرف شورش نہیں بلکہ آغا شورش کاشمیری ہے۔ آغا شورش کاشمیری ابھی [illegible] کو نہیں پہنچے ایک سال کے بعد خدا انہیں عزت، وجاہت اور شہرت کی وہ معراج نصیب ہوگی جس پر ان کے اقران و امثال رشک کریں گے۔ یہ کوئی منجمانہ پیش بینی نہیں بلکہ ایک پیش قیاسی ہے جو میں نے ان کی عمر کی مناسبت سے کی ہے۔ آغا شورش کاشمیری

نے ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو اس وقت دل کی دھڑکن محسوس کی تھی جو اس صاحب سے [illegible] آپ [illegible] کی وجہ [illegible]۔ [illegible] آزادی کی تاریخ واقعات ۲۰ سال بعد ایک [illegible] اسلامی مملکت پاکستان کا معرض وجود ثابت ہوئی۔ یہ [illegible] [illegible] یا پھر ان خدمات کا صلہ کہنا چاہیے جو اس قومی سیاسی کی زندگی کا اوڑھنا بچھونا رہی ہیں۔

آغا شورش کاشمیری نے عملی سیاست کے میدان میں مجلس احرار اسلام کے سیکرٹری کی حیثیت سے قدم رکھا یہ ۱۹۳۵ء کی بات ہے۔ اس وقت ان [illegible] سال کے تھے جنگ کی شروع میں زمیندار کا مطالعہ بڑی باقاعدگی سے کرتے تھے۔ اور وہ اول شو پارے جو مولانا ظفر علی خان کے قلم سے نکلتے تھے بڑے شغف اور بڑے انہماک سے ان کے معانی و مطالب پر غور کرتے اور ان کے محاسن پر سر دھنتے تھے شعر گوئی اور نثر نگاری کی صلاحیتیں بھی [illegible] پوشیدہ تھیں، اعجاز و ابلاغ کے سعد سے ان کے [illegible] پر کچھ اور صیقل کر دیا تھا۔ ایک طرف مولانا ظفر علی خان کی ہمنشینی اور دوسری طرف مولانا آزاد ابوالکلامیت دونوں نے سونے پر سہاگے کا کام کیا اور آغا شورش کی شخصیت پر ادب و انشا، شعر و سخن، تقریر و خطابت، فکر و نظر کے ایسے [illegible] کر برصغیر کے طول و عرض میں ان کی دھوم مچ گئی۔ برطانوی دور میں جب تحریک آزادی کی مہم زوروں پر تھی تو ان کی زور دار خطیبانہ تقریروں [illegible] شعلہ مقالی اور آتش بیانی کے جھنڈے گاڑ دیئے اس حقیقت سے آغا شورش کاشمیری کے بدخواہ بھی انکار نہیں کر سکتے کہ جہاں تک فن خطابت کا تعلق ہے آغا کا کوئی سہیم و عدیل نہیں ہے۔ اسی سال جب یوم اقبال کی تقریب پر آغا نے تقریر کی تو پورے ہال کی روح کچھ کر آغا کی آنکھوں میں آگئی تھی۔ آغا کی تقریر [illegible] چیز میں مضمر ہے وہ یہ ہے کہ آغا اپنے خیالات کا اظہار زبان سے نہیں بلکہ دل سے کرتے ہیں۔ زبان و دل کی کامل ہم آہنگی کے ساتھ اپنی آواز کی بلندی [illegible] سے جب آغا شورش کاشمیری تقریر کرتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کے ذہن پر معانی و مطالب کی بارش ہو رہی ہے ان کے مطالب [illegible] نہیں ہوتے بلکہ الفاظ کو یہ ضرورت پیش آتی ہے کہ مطالب کے آگے سر تسلیم خم کریں۔ آغا شورش اپنی زبان لکھتے اور ایسی زبان بولتے ہیں جو عوام کے دل و دماغ کی گہرائیوں میں گھر کر جاتی ہے۔

آغا شورش کاشمیری کو تحریک آزادی میں شرکت کی یہ سزا ملی کہ برطانوی استعمار نے انہیں دس سال ۸ ماہ کی طویل مدت تک قید رکھا آغا نے ایک سال تین ماہ قید تنہائی کی سختیاں سہیں۔ [illegible] ماہ [illegible] دن بھوک ہڑتال کی۔ یہ قید ۲۶ (الف) ڈیفنس آف انڈیا ایکٹ کے ماتحت عمل میں آئی تھی۔ اسی طرح المیعاد اسیری کے عالم میں آغا شورش کو غالباً اپنی زندگی میں پہلی بار یہ تجربہ ہوا کہ انسانیت کا معیار کتنا گر چکا ہے! انسان سینے میں ایسے دوست انسانوں کے ساتھ کتنا بہیمانہ برتاؤ کرتے [illegible] عہدہ اور منصب کی ہوس میں لوگوں کا خون کتنا سفید ہو گیا ہے کہ وہ یہ سوچنے کی بھی زحمت گوارا نہیں کرتے کہ جس شخص کے ساتھ ہم وحشت [illegible] زندگی کا سلوک کر رہے ہیں وہ خود اپنی ہی قوم کا ایک فرد ہے؟ بیڑی، ڈنڈا بیڑی، ہتھکڑی، تو بڑے اور [illegible] جیل کے محو میں تیرتے ہوئے گندے [illegible] یہ ہیں وہ [illegible] جو کہ [illegible] پر جیل کے حکام نے آغا کے خلاف بڑی بے رحمی کے ساتھ استعمال کئے ۱۹۳۵ء سے ۱۹۴۵ء تک آغا کی زندگی کے دس سال آزادی سرگرمیوں سے الگ تھلگ رہ کر بسر ہوئے لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ آغا کی سیرت کی تعمیر اسی دس سالہ مدت کا حاصل ہے۔ اگر آغا کی زندگی کے دامن پر قید و بند کی صعوبتوں کے داغ نہ ہوتے تو غالب قیاس یہ ہے کہ ان کی شخصیت کا نقش کبھی نہ ابھر سکتا اور وہ مدت العمر کس مپرسی کی زندگی بسر کرتے۔

آغا شورش کاشمیری کوئی ۹ سال سے ہفت روزہ چٹان لاہور کے مالک و مدیر ہیں ۱۹۴۹ء میں مجلس احرار نے جب روزنامہ "آزاد" نکالا تھا تو کچھ عرصہ کے لئے اس کی ادارت کے فرائض بھی آغا نے سرانجام دیئے تھے اس وقت تک آپ کے قلم سے جو تصانیف نکل چکی ہیں ان کی فہرست یہ ہے۔

(۱) قیدی کا روزنامچہ (جسے جیل کے حکام نے پنجاب سی آئی ڈی کے مشورہ سے ضبط کر لیا تھا۔

(۲) آزاد ہند کے ذہنی عناصر (۳) اس بازار میں (۴) گفتنی و ناگفتنی (مجموعہ کلام) (۵) پس دیوار زنداں (زیر طبع) (۶) مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری (زیر ترتیب)

آغا شورش کاشمیری ایک خاص طرز نگارش کے مالک ہیں "چٹان" کے قارئین جو قریب پاکستان اور بھارت کے گوشے گوشے میں پھیلے ہوئے ہیں [illegible]

[illegible] ہے کہ ان کی گفتگو اور مضامین میں ایک ادبی سلسلہ جاری رہتا ہے [illegible]
[illegible] بے لگی و شگفتگی سے پیش آتے ہیں۔

"[illegible] ہیں جن کی شخصیت سے مجھے بڑی عقیدت ہے۔ [illegible]
[illegible] میری خواہش ہے کہ [illegible] جب تک میں [illegible]
[illegible] بحیثیت [illegible] میرے دل میں [illegible]
بچا ہوا [illegible] تیرا [illegible] ہے [illegible] سے کرتے
[illegible] لوگوں کو [illegible] بے وقت [illegible]
[illegible] مرحلہ بھی [illegible]
[illegible] پر یوں کر [illegible] گئے [illegible]
[illegible] ہے [illegible] شعر کی [illegible] خصوصیت [illegible]
[illegible] مقصد [illegible]
[illegible] کی ضرورت [illegible]
[illegible] ہے [illegible]
[illegible] مضمون اور [illegible]
[illegible] ایک [illegible] ہیں ۔

دامان باغباں سے کف گل فروش تک

بکھرے پڑے ہیں سینکڑوں عنوان تک سے "

آغا شورش کاشمیری کو واقعی یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ یہ کہیں ۔

بہت قریب سے دیکھا ہے رہنماؤں کو   بہت قریب سے [illegible] ہیں

[illegible] دستِ [illegible]   [illegible] ہیں

آغا شورش کاشمیری کی سیاسی اور ادبی زندگی کے چند پہلوؤں پر قلم [illegible] کہ [illegible] اور اس سے کسی مضمون کی آخری سطریں ذہن پر کچھ [illegible] نقش چھوڑ جاتی ہیں [illegible] حقیقت [illegible] زندگی انقلابات کے [illegible] ماحول میں بسر ہوئی ہے اور جس کے قومی [illegible] سیاسی رہنماؤں کو [illegible] اور نرالے اطوار کا مالک ہے۔ طبیعت میں بلا کا جوش مزاج میں غضب کی خشونت [illegible] ایسی ہے کہ کسی جنوری [illegible] ہوئی کنندہ [illegible] کی تراش خراش میں غیظ و غضب کے جذبات [illegible] اگر میں یہ کہوں تو کچھ مبالغہ نہ ہوگا ۔

تیور بدل گئے تو زمیں کانپنے لگی

ابرو کے اک اشارہ سے محشر بپا ہوا

مگر یہ عیب ہیں تو آغا شورش کاشمیری کا دامن ان سے ضرور داغدار ہے۔ آغا کی افتاد طبع ہی کچھ ایسی ہے کہ ان سے ان کے بہت سے متعارفین

اگرچہ کبھی آغا جی سے تپاک سے ملتے ہیں اور کبھی ان کی سرد مہری کا شکوہ رہتا ہے کہ بالآخر اپنا سا منہ لے کر رہ جاتے ہیں۔ مجھے ان کے قریبی [illegible] سے معلوم ہوا ہے کہ آغا شورش کاشمیری نے کبھی کسی کو نقصان پہنچانے کی کوشش نہیں کی۔ آغا شورش پنجابی زبان میں گفتگو کرتے ہیں۔ لیکن تقریر و تحریر میں ان کی زبان جو اہل صحبت کے سلیقے میں ڈھلی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ کبھی کبھی ان کے ہاں جوش پر جوش غالب آجاتا ہے لیکن یہ غلبہ صرف چند ساعت کے لئے ہوتا ہے۔ وہ فوراً اپنے جذبات پر قابو پا لیتے ہیں۔ آغا صاحب جب ٹیلیفون پر کسی سے گفتگو کرتے ہیں تو طنز و ظرافت کا ایک دفتر کھل جاتا ہے۔ چٹان کے مالک و مدیر کی حیثیت سے ان کا کردار بہت بلند ہے۔ کاتب، ادارہ تحریر، منیجر اور چپراسی سبھی ان سے خوش اور مطمئن ہیں۔ ان کا برتاؤ ان سب سے برادرانہ ہے۔ [illegible] اور اس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ آغا نے زمانے کے نشیب و فراز دیکھے ہیں اور ہر رنگ کی زندگی بسر کی ہے۔

---

(۴)

چمن کا جلوہ باعث ہے مری رنگیں نوائی کا

(غالب)

حیدرآباد کی چند شخصیتیں

تمکین کاظمی

بیس بائیس سال پہلے میں نے چند شخصی خاکے لکھے تھے جسے اہلِ علم نے بہت پسند کیا اور بعض لوگ برابر تقاضا کرتے رہتے کہ میں [illegible] یکجا کر دوں مگر میں اس طرف توجہ نہ کر سکا۔ البتہ چھ سات سال پہلے مجھے خیال ہوا کہ ان سب بزرگوں اور دوستوں پر جن کے شخصی خاکے لکھ چکا ہوں [illegible] اتفاق سے [illegible] ہوں، چنانچہ بعض کے متعلق الگ الگ میں نے لکھنا شروع کیا۔ [illegible] کی [illegible] بات کی [illegible] شخصیات نمبر شائع ہوا اور مجھے اس کے [illegible] کے بعد سے پاکستانی مطبوعات کا حصول مشکل ہو گیا ہے۔ [illegible] بڑی مشکل سے منگوا سکتے ہیں۔ [illegible] شخصیات نمبر [illegible] حاصل کر لی اور ایک طویل خط طفیل صاحب کو لکھا مگر [illegible] زیادہ [illegible] ہو گئے۔

گزشتہ مہینے میں محبی نسیم [illegible] نے مجھ سے خواہش کی کہ شخصیات نمبر کے لئے میں حیدرآبادی [illegible] کچھ لکھوں [illegible] ان کی فرمائش کی تعمیل کر دی اور انہوں نے [illegible] کا شخصی خاکہ طفیل صاحب کو بھجوا دیا اور پھر طفیل صاحب نے فرمائش کی کہ حیدرآبادیوں کے خاکے لکھ دوں۔

میری ولادت [illegible] کی ہے اور میرا گھرانا علمی ادبی رہا ہے جس کی وجہ سے بچپن ہی سے مجھے علماء، فضلاء اور شعراء سے واقفیت رہی ہے اور بیشتر مشاہیر سے میں بچپن ہی سے مانوس تھا۔ اس طرح میں سیکڑوں بزرگوں پر لکھ سکتا ہوں مگر میں نے چند بزرگوں کی ایک فہرست بنا لی ہے اور ان کے خاکے پیش کر رہا ہوں۔

شخصیات نمبر میں بعض لوگ مثلاً امجد، ذہین، [illegible]، وحید وغیرہ پیش کئے گئے ہیں اس لئے انہیں میں نے چھوڑ دیا ہے اور بعض [illegible] علیحدہ مستقل طور پر [illegible] لکھے ہیں اور وہ علیحدہ شائع ہو رہے ہیں اس لئے اس مضمون میں انہیں بھی نہیں لیا گیا ہے۔

علم و ادب میں [illegible] مجھے پسند نہیں اس لئے میں نے دونوں طبقے [illegible] ان کے [illegible] حیدرآبادی غیر حیدرآبادی کا بھی میں قائل نہیں ہوں۔ جو لوگ حیدرآباد آ گئے [illegible] وہ [illegible] دو سو سال [illegible] حیدرآبادی [illegible]

شبہ کرتا ہوں۔

مشکل یہ ہے کہ ہر شخص خدا کے ساتھ مستقل تعلق رکھتا ہے اور تمام نظر کے اقتباس ہی چاہتے ہیں اور ان تعینات کا ہونا ایک جگہ نہیں ہو سکتا، خدا بالکل مستقل چیز ہے اس کی حقیقت سمجھو اور اقتباس کی گنجائش نہیں۔ اس سے زیادہ خطرناک بات یہ ہے کہ لوگ کسی کے تعلق کی کیفیت سمجھنے کے لئے قطعاً تیار نہیں جو اخلاقی یا مذہبی لحاظ سے [illegible] ہو، زمانہ نازک ہے، چنانچہ حال ہی میں [illegible] آبادی پر میں نے ایک [illegible] میں [illegible] کی "نشہ بازی" پر کچھ روشنی ڈالی تو میرے بزرگوں نے خوب لے دے کی، حیران ہوں کہ کیا کروں بقول توفیق حیدرآبادی ؂

حیراں ہوں یا الٰہی! آؤں تو کس کو ترک دوں

پیمانہ ہاتھ میں ہے پیمان سامنے ہے!

بہر حال میں یہ کوشش کروں گا کہ جو بھی محسوس ہے محسوس کروں اور کچھ نہ رکھوں، واقعات ایمانداری اور دیانت کے ساتھ پیش کر دوں۔

آپ اس حصے میں ایسے بزرگوں کے خاکے ملاحظہ فرمائیں گے جو اللہ کو پیارے ہو چکے ہیں۔ ایسے لوگوں کے خاکے بھی دیکھیں گے جو [illegible] کے فضل سے اب بھی [illegible] ہیں۔ میں نے جو کچھ بیان کیا ہے اس کا سب کو علم ہے چاہے وہ مرحوم ہوں یا موجود۔ فقط!

علامہ عبداللہ یوسف علی

۱۹۲۰ء میں جب گلبرگہ میں مجھے [illegible] ریذیڈنسی کے سپروائزر کی حیثیت سے بھی کام کرنا پڑا ہے میرے تفویض شہر گلبرگہ کی [illegible] کی نگہداشت بھی تھی [illegible] مہمانوں کا استقبال اور ان کا انتظام بھی بعض اوقات میرے تفویض رہتا ہے۔ چنانچہ اسی سلسلہ میں بعض مشاہیر سے بھی ملنے کا موقع حاصل ہو گیا، جن میں عبداللہ یوسف علی بھی تھے۔

عبداللہ یوسف علی صدر المہام، سر رشتہ مال و صنعت و حرفت و تجارت کی حیثیت سے دورہ پر آنے والے تھے اور میں گورنمنٹ ہاؤس میں ان کا انتظار کر رہا تھا کہ دو تین موٹریں [illegible] گیٹ میں داخل ہوئیں، یہ موٹریں بیدر سے آ رہی تھیں اور بیدر کی [illegible] سے [illegible]۔ پہلی موٹر سے ایک [illegible] معمولی قد و قامت کا شخص [illegible] کا سوٹ پہنے ہوئے اترا اور اپنے سوٹ کی گرد جھاڑتا ہوا ادھر ادھر دیکھ کر مجھ سے کچھ پوچھنا چاہتا تھا کہ میں نے خود اس سے سوال کیا، صدر المہام صاحب کہاں ہیں؟ اس نے مسکراتے ہوئے میری طرف دیکھا اور پیچھے کی موٹر کی طرف اشارہ کیا۔ میں نے دوسری موٹر کی طرف رخ کیا تو اس میں [illegible] جنگ (عبد [illegible] خان) نظر آئے۔ [illegible] کے بعد میں نے ان سے بھی یہی سوال کیا تو انہوں نے سامنے کی موٹر کی طرف اشارہ کر دیا۔ میں نے ان سے کہا اس موٹر میں صدر المہام تو نہیں ہیں ان کا ڈرائیور ہے تو وہ ہنسنے لگے اور موٹر سے اتر کر مجھے ساتھ لے کر پہلی موٹر کی طرف بڑھے اور اس صدر المہام سے جسے میں ڈرائیور سمجھ رہا تھا میرا تعارف کرایا۔ اس طرح مجھے علامہ عبداللہ یوسف علی سے نیاز حاصل ہوا۔

عبداللہ یوسف علی بیدر سے موٹر پر آئے تھے راستہ بھی ناہموار تھا اس لئے تکان کا اثر چہرے پر تھا، میں نے گورنمنٹ ہاؤس دکھایا۔ اتنی دیر میں ان کے [illegible] بھی آ گئے اور وہ غسل خانہ میں چلے گئے غسل سے فارغ ہو کر لباس تبدیل کر کے چائے پینے کے لئے آ بیٹھے تو مجھے بلا لیا اور دیر تک باتیں کرتے رہے۔ [illegible] جنگ بہادر ان کے ساتھ بحیثیت ناظم انجمن امداد باہمی (رجسٹرار کوآپریٹیو سوسائٹیز) تھے چونکہ [illegible] جنگ سے میرے خاندانی مراسم تھے اور والد مرحوم سے انہیں بڑی محبت تھی، اس لئے وہ جب کبھی گلبرگہ آتے تو ہمارے ہی مہمان رہتے یا گورنمنٹ ہاؤس میں بھی ٹھہرتے تو ایک دو دن ہمارے گھر پر ضرور رہتے تھے۔

پہلی ملاقات میں علامہ نے ادھر ادھر کی باتیں کیں مگر دوسری تیسری ملاقات سے وہ کھل گئے اور بڑی دلچسپ باتیں کرنے لگے مگر

[illegible] سے بھی [illegible] اور جہاں [illegible] جاتے تھے۔ [illegible]
[illegible] اس [illegible] کامل [illegible]
[illegible] یکساں [illegible] ہو گئے۔

[illegible] کی دعوت [illegible] سے کہا [illegible]
[illegible] آپ [illegible] نہیں ہو سکتا۔
[illegible]
[illegible] نماز [illegible] قرآن [illegible]
[illegible]

[illegible]

[illegible] کے طریقہ تبلیغ کی وضاحت فرمائی۔

سنٹرل جیل کا معائنہ کیا تو کارخانہ جہاں [illegible] بنائے جاتے تھے بڑی تفصیل سے ملاحظہ کیا اور بہت پسند فرمایا اور [illegible] معاشرے میں جرائم اور ان کے ارتکاب [illegible] سزا اور اس کے اثرات [illegible] تقریر فرمائی [illegible] ہو گیا۔ ایک [illegible] جو ہر جگہ [illegible] کر کے [illegible]

[illegible] کا ملاحظہ کیا تو پوچھا۔ تم بتا سکتے ہو کہ کئی سو سال سے یہ قبریں [illegible] اور [illegible] روحانیات پر ایک افضل تقریر فرمائی اور ثابت کیا کہ روحانی اثر [illegible] نہیں سکتا اور تا قیامت [illegible] کیفیت رہے گی۔

[illegible] یہ [illegible] تھا۔

گلبرگہ شریف کا یہی [illegible] ہے کہ یہاں شہر میں راجا مہاراج کا راج ہے جس کی [illegible] سے علاقہ [illegible] ہے۔ علامہ نے وہاں
سامنے بھی کیا اور وہاں کے گلس اور [illegible] کے متعلق ہندو مسلم جھگڑے کا حال سنا تو فرمانے لگے " یہ حال ابھی سے ہم مسلمانوں کی حکومت ہے اور
اعلیٰ افسر مسلمان ہیں یہ حال ہے کہ مسلمان ہندو وہاں گلس چڑھانے نہیں دیتے جب کبھی ہندوستان آزاد ہو جائے گا اور جمہوری
حکومت ہوگی تو پھر ہندوؤں کی خیر ہے۔ مسجدوں کی یہ دونوں فرقے ایک دوسرے کے معابد کو ڈھا کر رہیں گے"۔

علامہ کا یہ خیال حرف بہ حرف پورا ہوا۔ شاید اسی کو وہ دیکھ نہ سکے اور ترک وطن کرکے لندن جا رہے۔

میرے بعض دوستوں ڈاکٹر عالم، ایم اے ایل ایل بی جو اب وزن ملیگاؤں سے ایل ایل بی کر رہے تھے اور عبدالمنعم سیدی ایم اے علیگ
جو حقانیہ سے ایل ایل بی کر رہے تھے ہمنے خواہش کی کہ علامہ سے انہیں ملاؤں۔ میں نے پہلے علامہ سے استدعا کی کہ میرے پاس چائے پر
تشریف لائیں اور ان لوگوں سے ملیں۔ وہ بڑی خوشی سے آمادہ ہو گئے۔ وہ شام کی چائے پر میرے یہاں آئے سب سے ملاقات کی۔ اکبر عالم سے سیاسیات
پر اور منعم سیدی سے مذہب پر دیر تک گفتگو ہوتی رہی۔ بعض اور طالب علم بھی تھے ان سے بھی دیر تک باتیں کیں۔ ایک طالب علم محمد صدیق
کے ایک غریب خاندان سے تھے میرے پاس رہتے تھے ان سے خصوصیت کے ساتھ بات چیت کی اور دوسرے روز انہیں ملنے کے لئے
کہا اور سب لوگوں کے سامنے اپنی طالب علمی کے حالات سنائے کہ کس طرح انہوں نے افلاس اور تنگ دستی میں طالب علمی کی زندگی گزاری
ایک جیتے شخص نے ان کی مدد کی۔ اپنے حالات بڑی بے تکلفی سے سنائے اور اپنی فلاکت اور تنگ دستی کے اظہار میں کوئی پس و پیش نہیں کیا۔
اللہ اللہ کیا لوگ تھے کتنے حقیقت پسند اور کیسے سچے اور حق گو۔ میں نے کسی بڑے آدمی کو اتنی صفائی سے اپنی سابقہ زندگی اور [illegible]
کرتے نہیں دیکھا۔ جن لوگوں پر یہ زمانہ گزر چکا ہے وہ بھی ہمیشہ اس کے بیان سے گریز کرتے رہتے مگر علامہ نے فخر کے ساتھ سب کچھ سنا دیا۔
کی مالیت اور ابتدائی زندگی کے حالات سننے کے بعد ہم لوگوں کے دلوں میں ان کی عظمت اور زیادہ بڑھ گئی اور ہم انہیں ایک فرشتہ سمجھنے لگے۔

یوں تو علامہ کے مضامین اور کتابیں میری نظر سے گزر چکی تھیں مگر جب وہ حیدرآباد تشریف لے گئے تو انہیں ایک دفتری عہدہ دار کی جگہ ملی
اس ملاقات میں معلوم ہوا کہ وہ بڑی معلومات کے بزرگ ہیں تاریخ پر ان کی بڑی اچھی نظر تھی۔ شاہ ابن جنید کا گنبد جو دیکھیں تو بڑے مزے سے اس کا
بیان کرنے لگے چونکہ ان دنوں میں نے گلبرگہ کی ایک مختصر تاریخ اور حضرت خواجہ بندہ نواز کی سوانح عمری مرتب کی تھی اس لئے میری معلومات تازہ تھیں
مجھ سے اس خصوص میں علامہ نے گفتگو فرمائی تو بہت خوش ہوئے اور میری معلومات کی بڑی داد دی اور بڑے اچھے مشورے سے سرفراز فرمائے۔ اسی طرح
مذہب پر بھی بڑی وسیع نظر تھی اور تصوف سے متعلق بڑی خاص معلومات تھیں اور ایک خصوصیت یہ تھی کہ عربی، فارسی، انگریزی، مرہٹی، گجراتی کے
علاوہ کنڑی بھی اچھی طرح جانتے اور روانگی سے بولتے تھے۔ عربی، لاطینی اور سنسکرت کے قائل تھے کہ یہ تینوں امہات ہیں بقیہ زبانوں کا آئینہ
ہوتے تھے، اردو بڑی صاف اور شستہ بولتے اور اردو کا بڑا ذوق رکھتے تھے۔

عبدالمنعم سیدی ان دنوں آسکر وائلڈ کے ایک ڈرامے کا ترجمہ کر رہے تھے۔ میں نے ذکر کیا تو فرمایا۔ یہ ڈراما جس کا ترجمہ کر
رہے ہو کوئی خاص چیز نہیں ہے وائلڈ کا ترجمہ کرنا ہو تو اس کے "پکچر آف ڈورین گرے" کا ترجمہ کرو مگر اس سے تم ابھی عہدہ برآ نہ ہو سکو گے اگر
تم دو برسوں کی مشق جاری رہے تو دس سال کے بعد اس فسانے کا ترجمہ کر سکتے ہو۔

علامہ یہ نہیں کہ خالی ذہن تھے ادب پر بھی خاصا عبور تھا۔ البتہ شاعری سے زیادہ دلچسپی نہ تھی مگر اس سے بے بہرہ بھی نہ تھے۔ اساتذۂ اردو
کے کلام سے واقف تھے۔ غالب اور اقبال کے اکثر شعر بھی یاد تھے اور میر کے شعر بھی سنایا کرتے تھے۔

بہر حال گلبرگہ میں ایک ہفتہ علامہ کا قیام رہا اور ان دنوں میں صبح سے شام تک میں ساتھ ہی ساتھ رہا۔ بعض دفعہ رات کے دس دس بجے
تک بیٹھے باتیں کیا کرتے تھے۔ میرے ساتھ بہت تک عنایات رہیں، واپس جانے کے بعد بھی ملاقاتیں ہوتی رہتی تھیں۔ میں جب کبھی حیدرآباد

[illegible] ایک [illegible] ایک تصویر [illegible] کہ اس کی [illegible] میں نے [illegible] بازار سے اس [illegible] کی تصویر ایک نقاشی کو پورانی تصویروں کی نقلیں [illegible] تھا کہ اس کی ایک نقل ہی کرائی۔ [illegible] کے بعد میں نے [illegible] کی بنائی ہوئی نقل اور فوٹو کی [illegible] پیش کی۔ [illegible] نے وہی اصل تصویر علامہ [illegible] پیش کی تو بہت پسند آئی [illegible] دونوں کو [illegible] دیکھتے رہے۔ [illegible] اور نقل [illegible] تعریف کی کہ [illegible] اچھا [illegible] خوب نقل کی ہے۔ پھر فرمایا کہ میں [illegible] ہوں۔ مگر [illegible] حیدرآباد سے تشریف لے گئے۔

[illegible] علامہ کی [illegible] بہت [illegible] ہمیشہ [illegible] سے ملاقات پر [illegible] ایک [illegible] علامہ [illegible] میں حیدرآباد سے [illegible] فرمایا [illegible] متعلق [illegible] ملاقات علامہ سے [illegible] علامہ سے [illegible] ہوگا۔ میرے [illegible] مضامین کا مجموعہ [illegible] بہت پسند فرمایا۔ [illegible] بہت پسند [illegible] لکھا کر [illegible] اور [illegible] مضامین [illegible] تذکرہ بھی لکھوایا [illegible] تحریر فرمایا کہ کتاب مجھے پسند [illegible] خاص [illegible] عجیب اتفاق ہے کہ [illegible] مجھے تحریر فرمایا تھا [illegible] اور اخلاقی نقادِ نظر میں [illegible] بخشے۔

علامہ کی سب سے زیادہ جو بات مجھے پسند تھی وہ ان کی علمی [illegible] بہت [illegible] سے [illegible] کرتے۔ [illegible] کی مدد فرمائی فرماتے اور بہت پسند کرتے تھے۔ جو دور علامہ سے مجھے نیاز حاصل ہوا ہے [illegible] چھپ چکے تھے جنہیں دیکھ کر علامہ نے میری بڑی بہت افزائی کی تھی اور بہت سے مفید [illegible] مشورے دیئے تھے جو [illegible] مشعلِ راہ ثابت ہوئے اور انہی کو پیشِ نظر رکھ کر میں نے مضمون نگاری کی۔

مطالعہ کا طریقہ اور اپنے مفید مطلب مضامین کے نوٹس لینے کے متعلق علامہ نے بڑی عمدہ ہدایات دی تھیں۔ علامہ نے بڑی تفصیل سے بتایا تھا کہ ابتداءً تو مطالعہ نہ چھوڑو ہر ایک کتاب پڑھو [illegible] اس کے مضامین اپنے دماغ میں محفوظ رکھا کرو۔ ایک ہی موضوع پر مختلف مصنفین کی کتابیں یکے بعد دیگرے غور سے پڑھا کرو اور ایک دوسرے میں کیا فرق ہے غور کیا کرو۔ کسی موضوع کو حقیر [illegible] پامال نہ سمجھو، ہر موضوع کا مطالعہ کرو، اس طرح اور بھی بہت سی باتیں علامہ نے بتائی تھیں۔

حقیقت یہ ہے کہ میرے ابتدائی مضامین جو ایک اٹھارہ سالہ نوجوان کی زمشقی کا نتیجہ تھے دیکھ کر اگر علامہ اظہارِ پسندیدگی نہ فرماتے تو میں [illegible] بیانی اور [illegible] زبانی دیکھ کر خاموش ہو جاتے تو میں اس قصے ہی کو ختم کر دیتا مگر علامہ نے میری بڑی ہمت افزائی کی اور مجھ میں خاص شوق اور ہمت پیدا کی جس کا نتیجہ نکلا کہ میں نثر ہو کر لکھتا رہا اور آج تک لکھ رہا ہوں۔ معلوم نہیں میری طرح علامہ نے اور کتنوں کو انشاپرداز بنا دیا۔ خداوندِ عالم علامہ کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے۔ آمین!

عبداللہ العمادی

طالب علمی کے زمانے سے علامہ عبداللہ العمادی کی تصانیف اور مضامین میرے مطالعہ میں رہتے تھے مگر کبھی ان سے مجھے نیاز حاصل نہیں تھا۔ دارالترجمہ کے قیام کے بعد جب عمادی حیدرآباد آئے تو مجھے یہ سعادت نصیب ہوئی اور پہلی ہی ملاقات میں انہوں نے مجھے اپنا گرویدہ کر لیا۔ میں ان کا حلقۂ کشش پر کر رہ گیا۔ معلوم نہیں کہ کس نے میرا تعارف کرایا تھا یا کسی اور نے بہرحال میرا نام سنتے ہی بے انتہا مسرور ہوگئے میرے بعض مضامین کا حوالہ دیا اور فرمایا کہ میں تمہارے مضامین پڑھ کر خوش ہوتا اور تمہارے لئے دعا کیا کرتا تھا۔ تم میرے لئے اجنبی نہیں ہو، میں مدت سے تم سے مانوس ہوں۔ ان کی اس شفقت و عنایت کا مجھ پر اتنا گہرا اثر ہوا کہ میں نے بھی انہیں اپنا شفیق بزرگ اور مربی سمجھ لیا اور یہ شفقتیں وہ تمام آخر وقت تک میرے حال پر مبذول رہیں۔

عمادی کم رو کم گو، کم سخن قسم کے بزرگ تھے نیا شخص ان سے مل کر نہ تو انہیں عالم سمجھ سکتا اور نہ ہی معقول آدمی بلکہ اجنبی اگر ان سے ان کے علمی اور عملی کارناموں سے واقف ہوتا تو انہیں خاطر ہی میں نہ لاتا، بظاہر کم گو تھے مگر مسائل علمیہ کے وقت ان کی زبان آوری غالب رہتی۔ جب کھل جاتے تو ان کی طلاقت لسانی ظاہر ہونے لگتی اور ایسے جواہر بکھیرتے کہ سننے والا مالا مال ہو جاتا، اس معاملے کی بات کا شوق ہی دیکھا گیا بالکل صحرائی بن جاتے، کہا ابھی اسی طرح ہوتا، مگر البتہ رہی ہوتی تھی کہ کمر بند رہ جانا اچھا تھا۔ طبیعت میں اس قدر مروت و انکسار تھا کہ میں نے اس قسم کے کسی بزرگ میں نہیں دیکھا، کوئی اپنی کتاب لا کر ضد کرتا کہ مرا تقریظ لکھ دیجئے، کتاب الٹ پلٹ کر دیکھی، سرسری طور پر پڑھ لیا اور برجستہ قلم تقریظ لکھ دی لطف یہ کہ صاحب تصنیف کی تعریف اتنی کر دی وہ پھولا نہ سماتا اور آخر میں ایک آدھ ایسا لکھ دیتے کہ جاننے والے جان جاتے کہ یہ سب ایک جنتری کی دل افزائی کے لئے لکھا ہے۔ معلومات کا یہ عالم تھا کہ کسی موضوع پر گفتگو کیجئے یہ معلوم ہوتا کہ وہ اس فن کے ماہر ہی ہیں۔ میں انہیں صرف عالم سمجھتا تھا فن تاریخ میں ان کی قابلیت مجھے معلوم ہی نہ تھی ایک دفعہ پوچھا کیا کر رہے ہو تو میں نے عرض کیا "ارسطو جاہ" پر کام کر رہا ہوں، آپ نے ارسطو جاہ کا نام اور پورے حالات بیان کر کے پوچھا۔ وہی ارسطو جاہ؟ میں نے عرض کیا جی ہاں وہی! بس ارسطو جاہ کی کارگزاریاں گنانے لگے تو معلوم یہ ہوتا تھا کہ میں نے آٹھ دس سال کی محنت سے جو چیزیں جمع کیں وہ عمادی کی زبان کی نوک پر ہیں۔ میں نے حیرت ظاہر کی تو فرمایا چونکہ تحقیق کر رہے ہو اور مسلسل اس موضوع پر کام کر رہے ہو اس لئے تمہیں حیرت ہو رہی ہے، تاریخ کے پورے مقامات میری نظر میں ہیں چنانچہ میں نے جب اپنی یہ کتاب پیش کی تو ملاحظہ فرما کر بڑی داد دی اور جہاں جہاں میں نے تحقیق کی تھی اور جو باتیں میں نے گمراہ کن مواد اور غلط اسناد کی بنا پر لکھی تھیں ان کی داد دی کہ یہ کام تم نے بڑا اچھا کیا ہے یہ مواد دوسرا شخص فراہم نہ کر سکتا تھا۔

طبیعت میں استغنا اور درگزر کا مادہ بہت تھا، ہمیشہ اپنی حالت پر قانع رہے اور بڑے سے بڑے مخالف کو بھی کبھی مخالف نہیں سمجھا ہر ایک کو دوست ہی سمجھتے تھے اسی وجہ سے ان کے مخالفین بھی بہت ہی کم تھے اور جو تھے بھی تو مخالفت کرتے ہوئے شرماتے تھے یا ان کے کمالات ہی کی وجہ سے دشمنی سے دور رہنے پر مجبور رہتے۔

ارسطو جاہ پر کام کرنے کے سلسلے میں میں نے نواب یوسف علی خان (سالار جنگ) کو دشمن بنا لیا تھا چونکہ ارسطو جاہ میر عالم کے آقا اور میر عالم کی زندگی بنانے والے تھے اس لئے ان کی سوانح حیات میں میر عالم کا چہرہ بے نقاب ہو رہا تھا، نواب صاحب نے ابتداءً یہ چاہا کہ میر عالم کے خلاف جتنی باتیں ہیں انہیں قلم زد کر کے شائع کروں مگر میں اس کے لئے آمادہ نہ ہوا تو انہوں نے کوشش کی کہ یہ کتاب چھپنے نہ پائے چنانچہ اپنے تعلقات سے کام لے کر حکومت سے جو امداد اس کتاب کی اشاعت کے لئے مل رہی تھی اسے رکوا دیا، اس پر مجبوراً میں نے "تحفۃ النساء" کا قصہ جو لکھے

[illegible] ثابت کر کے میں نے اپنے دل کا غبار نکال لیا تھا میں نے اس کو الگ کیا [illegible]
بڑا اشتیاق [illegible] میں نے مسودہ طلب کیا تو یہ کہہ کر کہ ابھی کچھ باقی ہے واپس کروں گا۔ دو تین روز کے بعد جب میں نے [illegible]
[illegible] کے بعد فرمایا کہ آپ میری کتاب کی خواہش کریں تو میں پیش کر دوں گا، میں نے عرض کیا ضرور۔ تو فرمایا اس مسودے کو ضائع کر دو
کتاب ہرگز شائع نہ کرنا۔ میں نے بحث شروع کی تو فرمایا بلکہ یہ ہے کہ اسے آگ کے حوالے کر دو۔ چنانچہ میں نے اسی وقت مسودہ چاک کر دیا
چاک کر دیا اور پرزے انھی کی میز کے نیچے رکھی ہوئی ردی کی ٹوکری میں ڈال دیے۔ حضرت اس عمل سے خوش ہو کر بہت دعائیں دیں اور فرمایا
یہ ایک بڑے گھرانے کی عزت کا معاملہ تھا، بیشک وہ شاعر بڑے سخن گو تھے لیکن آخر وہ عاشق مزاج تھے۔ خاندان کو ذلیل کرنا چاہیے
کہ جس میں ہر طرح سے مضمون طور پر آ جاتے ہیں اگر یہ رو رہے تو کچھ ساتھ ہندوستان کے لئے ذلت کی بات ہے۔ اپنے شعر میں ہتک کا خیال
کر لینا کیا بات! اچھا ہوا تم نے مسودہ چاک کر دیا۔ خدا تمہیں اس کی جزا دے گا۔ بعد میں سب نے غور کیا تو معلوم ہوا کہ وہ اس
مسودہ چاک کروا کر مجھ پر بڑا احسان کیا۔ اگر یہ طبع ہو جاتا تو بڑی بری بات تھی۔ اس طرح وہ اپنے بزرگوں کی زندگی بچا لے گئے۔

مومن خان مومن دہلوی پر میں نے کام شروع کیا تو بہت سا مواد اکٹھا کر لیا اور بڑی دلسوزی سے مشورے دیتے رہے کہ مومن کے
مومن کے فارسی کلیات کی نقل میں نے منگوائی تو بہت خوش ہوئے اور کتاب تصحیح کے لئے خود طلب کی اور پنسل سے متعدد اصلاحیں کیں
یاد رہے کہ باوجود لکھنؤ اسکول کے مقلد ہونے کے مومن کے معترف و مداح تھے اور مومن کے قصے بڑی دلچسپی سے سنا تے تھے۔

علمیت کا یہ عالم تھا کہ دریائے علم شعبہائے علوم پر حاوی تھے اور ہر شعبہ پر گہری نظر تھی۔ عام طور پر پرانے علماء کٹ ملا ہوتے تھے۔
سریش پر جمع ہوا صرف و نحو میں نیاز مند، صرف و نحو میں ماہر اور حدیث و فقہ میں کورے۔ مگر حماد کی نظر سب پر یکساں تھی۔ ادب الجاہلیہ اللغت العربیہ
قرآن و حدیث، فقہ سے لے کر تاریخ، جغرافیہ، طب اور علوم جدیدہ پر یکساں حاوی تھے اور جس فن پر بھی گفتگو کرتے معلوم ہوتا تھا کہ ساری عمر
اسی فن میں گزاری ہے۔ ایسے ہمہ گیر عالم کم از کم میری نظر سے ایک دو ہی گزرے ہیں ورنہ میں نے بیشتر علماء کو ایک آدھ فن ہی پر حاوی
پایا ہے۔

حیدرآباد میں ایک بزرگ حکیم ابراہیم جامعہ طبیہ کے پروفیسر تھے جو بڑے وضع دار اور زندہ دل تھے۔ ہزاروں شعر نوک زبان تھے۔ شعرائے جاہلیت
شعرائے اسلام، شعرائے ایران اور شعرائے ہند کے ہم معنی شعر ہزاروں یاد تھے جنہیں وہ گھنٹوں سنایا کرتے تھے گمان ہی نہیں حافظہ کا کمال تھا
نہ تھی۔ جلال الدین کے علاوہ حماد باوجود علمیت کے ان سے اچھے حافظے کے مالک تھے۔ قاضی تلمذ حسین نے ریاض خیرآبادی کی خمریات کا انتخاب
سے مقابلہ شروع کیا تھا۔ ایک روز معلوم نہیں قاضی صاحب نے حماد کو بلوایا تھا یا وہ خود پہنچ گئے تھے کہ خمریات کا دور چل رہا تھا۔ خوش نصیبی
سے میں بھی پہنچ گیا تو حماد نے کاغذ قلم میرے آگے کھسکا دیا۔ اب یہ ہونے لگا کہ قاضی صاحب ریاض کا شعر پڑھتے جسے سنتے ہی حماد اسی
کا شعر اسی مضمون کا سناتے اور پھر عرب کے دوسرے شعراء کے شعر یکے بعد دیگرے سنا کر اساتذہ عجم کے شعر بھی سناتے جنہیں میں لکھ کر قاضی صاحب
کو دیتا جاتا۔ یہ کہ قاضی صاحب کا بہرہ بن اتنا بڑھ گیا تھا کہ چیخنے پر بھی سنائی نہ دیتا تھا، اور نہ اس کے شعر قاضی صاحب کو بھی یاد تھے مگر دوسرے
شعرائے عرب اور ایران کے شعر بھی کر یا پڑھ کر قاضی صاحب پیش کرتے جاتے تھے۔

صرف شعر ہی حماد کو یاد نہ تھے بلکہ وہ عروض پر بھی حاوی تھے اور عروض کی غلطیاں بیشتر اساتذہ کے اشعار سے نکالتے رہتے۔ قاضی تلمذ حسین
نے ریاض کا کلیات چھپوانا شروع کیا تو سب سے پہلے حماد نے اس کی مخالفت کی کہ آتا رطب و یابس چھپا کر روپیہ برباد کرنے کی بجائے ریاض
کے کلام کا انتخاب شائع کر دو مگر قاضی صاحب بھی ضدی تھے اور انھیں کچھ ایسی عقیدت یا محبت ریاض سے تھی کہ انھوں نے آتا ضخیم کلیات
ریاض رضوان، کچھوا کر ہی ڈالا۔ اس سلسلہ میں حماد کے خیالات بڑے ترقی پسند تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ ہر شخص کے شاہکار ہی منظر عام پر آئیں

[illegible] ہونے [illegible] کسی [illegible] حیثیت سے [illegible] مقام پیدا کر سکتی ہو [illegible] شائع کر کے [illegible] پسند کر [illegible] صاحب تصنیف کی شمع کا کام کرتا ہے کیونکہ دنیا میں ایسے لوگ کم ہیں جو کاغذوں کو ہٹا کر پہلا ... سکیں بیشتر [illegible] تک [illegible] نہیں پاتے۔

عمادی صاحب ذوق آدمی تھے، شعر کی پرکھ تھی، جوش کے تغزل کے وہ حقیقی مداح تھے۔ جن دنوں نیاز فتحپوری ہندوستان بھر میں [illegible] تھے عمادی برابر ان کی خوبیوں کو سراہتے اور اس ہنگامہ آرائی پر مسکراتے تھے اور ہمیشہ نیاز کی انفرادیت اور ادب کی مدح کیا کرتے تھے [illegible] ذوق شعر کے معترف تھے۔

جوش ملیح آبادی چونکہ عمادی کے دارالترجمہ کے ساتھی تھے اس لئے جوش کا ساتھ بھی زیادہ رہا اور اس قربت کی وجہ سے جوش کی چھوٹی بڑی اور بیشتر کمزوریوں سے بھی زیادہ واقف تھے مگر انہوں نے کبھی بھی جوش سے نفرت نہیں کی اور نہ ان جوش کو حقارت کی نظر سے دیکھا۔ خوش قسمتی سے ان دنوں میں جوش کے ساتھ زیادہ رہتا تھا جوش کی اکثر رباعیاں میں نے لکھی تھیں کیونکہ جوش ان دنوں فی البدیہہ کہا کرتے تھے اور میں بھی لکھ لیا کرتا تھا، یہ رباعیاں میں سناتا تو عمادی پھڑک پھڑک جاتے تھے۔

حیدرآباد کے مولوی اور مشائخ طبقے نے جوش کی شکایتیں شروع کیں تو جوش نے رباعی کہی ؎

پندار شکم پرور بیٹھنے والو ۔۔۔ خوں قوم تہی دست کا پینے والو
تم اہل خرد سے کیوں نہ کرتے ہو عناد ۔۔۔ امداد پہ احمقوں کی جینے والو

یہ رباعی میں نے نکل پر چھپ دی۔ ایک عالم باش بزرگ نے عمادی سے اس کی شکایت کی۔ میں حاضر خدمت ہوا تو عمادی نے فرمائش پر جوش کا تازہ کلام سنا۔ ایک دن پہلے ایک فقیر قرآن پڑھ کر بھیک مانگ رہا تھا اس پر جوش نے فی البدیہہ کہا تھا ؎

اک گدا کی زباں پہ ہے قرآن ۔۔۔ واہ کیا شان کبریائی ہے
کل جو دیہیم تخت شاہی تھا ۔۔۔ آج وہ کاسۂ گدائی ہے

میں نے یہ قطعہ سنایا تو عمادی آبدیدہ ہو گئے۔ کہنے لگے اس ملحد کے دل میں کتنی روشنی ہے، یہ پہلی شکم والے قرآن کے الفاظ پڑھتے ہیں اور یہ ملحد اس کی روح تک پہنچ جاتا ہے۔

عمادی میں وسعت نظر خاص تھی وہ قطعاً تنگ نظر نہ تھے، بڑے ہی عالی ظرف اور وسیع النظر تھے۔ جوش انہیں اکثر چھیڑتے۔ کبھی جوش کے ساتھ ڈاکٹر کرنل اشرف الحق بھی عمادی کے پاس پہنچ جاتے دونوں مل کر فقرے، پھبتیاں کستے۔ ان کے ساتھ عمادی بھی ہنستے، اشرف الحق کی بذلہ کی داد دیتے اور خوش خوش ان لوگوں کو چلتا کر دیتے اور ان لوگوں کے جانے کے بعد بھی خفگی کا اظہار نہ کرتے تھے۔ کوئی ان کی اس بیہودگی کا ذکر بھی کرتا تو مسکرا کر کہتے یہ بھی ایک رنگ ہے یہ اسی حال میں خوش ہیں اللہ انہیں نیک توفیق دے۔

جوش کے شہر بدر ہونے کا افسوس عمادی کو بھی اتنا ہی ہوا جتنا جوش کے چاہنے والوں کو ہوا۔ میں جب بھی ملتا جوش کی خیر و عافیت پوچھا کرتے اور ان کے لئے دعا کرتے تھے، عمادی کو لوگ نہایت ہی مذہبی اور متعصب قسم کا ملا سمجھتے تھے وہ کسی طرح نہ تھے اور نہ ان میں [illegible] تھا جو مولویوں کا طرۂ امتیاز ہے عمادی ایک روشن خیال عالم اور اپنے شاگرد سید سلیمان ندوی سے زیادہ وسیع المشرب آدمی تھے، علم کے پیکر تھے، ادب کے پرستار اور طالب علموں اور ادیبوں کے سرپرست تھے۔ نہ جانے کسی میں کچھ کیفیت یا ادبی لگاؤ پاتے اس کی دل افزائی کرتے۔ انہوں نے جو علم، ادیب، سینکڑوں عالم بنائے اور لاکھوں جتنوں کی حوصلہ افزائی کر کے انہیں کارآمد بنایا۔ بے لوث خدمت علم و ادب کی عمادی نے کی ہے۔ اب ایسے لوگ کہاں؟

تسکی نور محلی

علامہ محمد تسکی علی شاہ ... تسکی اور ... حبیب و غریب بزرگ تھے ابتداً ... تخلص کرتے تھے پھر ... شاہ ...
مرید ہوگئے اور ... شاہ ... تسکی تخلص کرنے لگے۔ فقیروں کی اوقات اعمالات سے تھے۔ ... موافق ہوا ...
... کی شاگردی ... بڑی ... کو ... رنگ سے تعلق۔

تسکی خود ... شعر ... شاعر بنایا تھا۔ چنانچہ ... استاد ... کو ... شاعر ... کی
... تھے اس سے تسکی نے ... کی پرورش ... کھانا پینا اور شاعر ... بنا ... حیثیت ...
... اس سے ... سے ... گھر ... اور ... اس ... تھے ... میں ...
... اور ... پہنچ گئے اور یہاں بھی ... زندگی کرتے رہے۔

خوش نصیبی ... کلام تسکی ... کرتے تھے ... میں ... تسکی ...
... کیا کہ ... ہے اور ... تسکی ... اعتراض کیا تسکی ... ہے ... تسکی ...
... کرتے ... ہو ... انتقال کے بعد سے پہلے ... ضیا ... کیا ...
کرتے تھے اس لئے ضیا کا احترام بہت کرتے تھے اور ضیا اکثر ... آیا کرتے تھے ... تسکی ...
تسکی ... شعر ... مرزا ضیا ... غزل سنائی جس میں ایک شعر تھا ۔

اے ... کردہ ... ساقی ...

جام ... جام ... ہو

تسکی نے شعر سن کر ... ان کے ... ہوا ... کو مخاطب ہو کر کہا خود کیوں نہیں کہتے ... تسکی
کی طرف ... ہوگئے۔ ضیا نے پوچھا کیا ہے تو تسکی نے اطمینان سے کہا یہ ... کہہ رہا ہے کہ آپ نے اس فارسی کے شعر کا مضمون لیا ہے

... بہ اختیار ... ساقی

... شدہ جام ... ست

یہ سننا تھا کہ مرزا ضیا کے غصے کا پارہ چڑھ گیا اور انہوں نے ... جیب ... اور جھٹ سے ... دیوان خانہ سے
چلے گئے یہ قصہ اتنا جلد ہوا کہ ... مرزا ضیا کو روک بھی نہ سکے ... انہوں نے ... رسید کر دیئے جب ...
پٹ چکا تو تسکی صاحب نے بگڑ کر کہا ... خواہ مخواہ غریب پٹ گیا استاد! آپ کو کچھ کہنا ہی تھا تو اپنی طرف سے کہتے ... کی طرف سے
اس قسم کی باتیں کر کے اسے پٹوا دینا کیا بات ہے؟ جب تسکی نے اطمینان دلایا کہ میں نے کچھ نہیں کہا یہ استاد کی کرامت تھی تب ... غصہ
کم ہوا۔

یہ عادت استاد تسکی کی عمر بھر رہی۔ مشاعرے میں بھی کسی نہ کسی کے اشعار پر اعتراض کر دیتے اور ہنگامہ برپا کرتے تھے ... ایک
کتاب تسکی نے لکھی ہے ... اس میں صرف اعتراض ہی اعتراض ہیں۔ طریقہ اختیار کیا ہے کہ ... لکھ کر کسی نہ کسی کے
کلام پر اعتراض کیا ہے بعض اعتراضوں کا جواب بھی خود ہی دیا ہے اور بعضوں کی ... کی ہے۔
جس سے خوش ہوتے اس کی داد دیتے اور جس سے خفا ہوتے اس پر کچھ نہ کچھ اعتراض جڑ دیتے تھے چنانچہ ... کے ... آنے کے بعد

نظیر دہلی بھی آگئے۔ مہاراجہ نے بھی داغ کے مہاراجہ کشن پرشاد بہادر کے پاس بلا کر اپنا تعارف کرایا اور فضائل اور جلیل و فصاحت جنگ جو پہلے سے مہاراجہ کے پاس تھے نظیر کی مخالفت کرنے لگے اور ان دونوں نے ترکی کو بہار کے آگے کیا۔ چنانچہ جوش ہو گئے نظیر پر فقرے کسے اور داغ پر پھبتیاں اڑائیں۔ داغ چونکہ اس مشاعرے میں شریک نہ تھے اور نظیر نے غزل پڑھ کر مشاعرہ میں داغ کو سارا قصہ سنا دیا تھا اس لئے داغ نے مہاراجہ بہادر کو لکھا اور مہاراجہ نے ترکی کی خوب خبر لی اس طرح ترکی کی تنگی فاقہ ہو گئے اور راہوں نے بھیں اور آخر کو پھر ذکر نظیر سے دوستی کر لی اور پھر ایسے دوست ہو گئے کہ نظیر کے مرنے تک رفاقت کی بلکہ نظیر کے اس وقت رو رو کر بدحال ہو گئے، اس طرح ترکی کی دشمنی وقتی ہوتی تھی مگر دوستی کے معنی ترکی کے پاس اعتراض نہ کرنے کے نہ تھے وہ ہر پر اعتراض کرتے اور ہر ایک کی ہنسی اڑاتے تھے۔

مہاراجہ کشن پرشاد ان کے مربی تھے سو روپیہ ماہوار دیا کرتے اور عید بقر عید دیوالی دسہرے پر الگ سلوک کرتے پھر بھی ضرورت کا اظہار کر کے الگ لے لیا کرتے تھے مگر بار بار اس کے مرتبے پر نہ چوکتے بلکہ مہاراجہ کی ہنسی بھی اڑاتے تھے حیدرآباد کے متعدد مربی تھے مگر طوبیٰ شوستری، صف انگن جنگ (نواب تابش) ضیا یار جنگ، ملتمس وکیل، وزیر الدولہ، عبدالجبار خاں آصفی تجلی، محمد علی خاں ناظم، صولت جنگ عابد وغیرہ ہمیشہ ترکی کی مالی امداد کرتے تھے مگر یہ ان لوگوں کو بھی نہ بخشتے بلکہ موقع پر ٹوک بھی دیتے تھے۔

عبدالجبار خاں آصفی بڑے اچھے شاعر اور بڑے عالم تھے ترکی پر بہت مہربان رہتے تھے اور ڈرتے بھی تھے۔ چنانچہ آصفی اکثر کہا کرتے ہیں کہ برعکس نہند نام زنگی کافور کے مصداق "کاشیاداری" کا نام ترکی رکھا گیا ہے، جو کہ کاشیاداری مگر بدطینت اور منہ زور تھے اسی سے آصفی ترکی کو انہی صفات سے متصف پاتے تھے۔

ناصر الملک طوبیٰ شوستری بڑے عالم تھے۔ ایرانی نژاد تھے مگر عربی زبان پر بڑا عبور تھا اور باوجود عجمی ہونے کے عربی پر اتنی قدرت تھی کہ عربی ان کی مادری زبان معلوم ہوتی تھی۔ یہ بھی ترکی کے مربی اور محسن تھے مگر ترکی انہیں خاطر میں نہ لاتے تھے اور ہمیشہ ان پر اعتراض کیا کرتے تھے ایک روز آغا شوستری بیٹھے ہوئے ایرانیوں کی تعریف اور اہل ایران کی فضیلت بیان کر رہے تھے اور ڈینگ مار رہے تھے کہ ایرانی نہایت ہی فہیم اور ذکی ہوتے ہیں، ان کا دماغ نہایت رسا ہوتا ہے ہر چیز بڑی آسانی سے سیکھ جاتے ہیں چنانچہ ؎

عقل و دانش ہمہ با مردم ایراں دادند!

بالکل صحیح کہا گیا ہے، یہ گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ حضور نظام (مرحوم) کا چوبدار آیا اور کہنے لگا کہ حضور نے یاد فرمایا ہے۔ آغا شوستری نے کہا "تو چلو ہم آتا ہے" بس یہ جملہ منہ سے نکلا ہی تھا کہ ترکی جھاڑ کا کانٹا بن کر لپٹ گئے۔ کہنے لگے استاد! آپ پندرہ بیس سال سے ہندوستان میں ہیں اور ہم اردو بولتے اور لکھتے رہتے ہیں اب تک آپ کو اردو نہ آئی۔ ابھی آپ نے فرمایا "تو چلو، ہم آتا ہے" بخلاف آپ کے ہم ہندوستانیوں نے ایران کی صورت تک نہیں دیکھی نہ تو ایرانیوں سے صحبت رہتی ہے اور نہ ہمارا روزمرہ فارسی ہے۔ پھر بھی ہم صحیح فارسی بولتے، لکھتے پڑھتے ہیں اور شعر بھی ایسے کہتے ہیں جنہیں سن کر آپ بھی رشک کرتے ہیں، ایسی شرمگر یہ زبان تو ہم نہیں کہتے جیسی ابھی آپ نے کہی۔ اب فرمائیے ایرانی افضل ہیں یا ہندوستانی؟ اس طرح ترکی کسی کو نہ بخشتے تھے۔

امجد حیدرآبادی جو حیدرآباد کے مشہور اور ہندوستان کے واحد رباعی گو شاعر ہیں ترکی کے شاگرد تھے۔ شاید انہیں اپنی قابلیت کا زعم ہو مگر ترکی اسے برداشت نہ کر سکے بلکہ اپنی شاگردی سے نکال دیا اور اتنے خفا ہوئے کہ اپنے تذکرۂ سخنوران چشم دیدہ میں لکھ مارا:

"امجد تخلص، احمد حسین نام، حیدرآبادی، اسی سال عمر ہے وارد، قدرے از عربی ...

بسو بختِ عطائے خشک شد و شعر زدہ چند روز نامید وا ہر عطائے

کا نگر دو اللہ ہو مونا تاج کرو

فوراً ایک شعر جیسا مضمون قصیدہ طرح کا وزن بھی بختِ کا عاشق ضرب آورد سے کہ تھا وقت میں انگلی کو ملال دیکھا کو ساتھا جم

جو دور ہے تھا نستعلیق ایک مشاعرے میں دو قطعہ صاحب کے چند شعر مجھے یاد رہ گئے ہیں ؎

میری نظر میں تمہارے سب کو بتا — شاد ہو رہا ہے میں کہ ہے نور تیرا دو

ابھی کہا کہ چپ ہو بولے گر مٹے — عقل دیوانی و نہیں ستی و و آ گئی

ویسے وکھنے نے رنج ہے کہ نہیں — جو شافی ہوتی وہی کچھ بیٹھ رہو

ظاہر ہے کہ جو تکی صنف اگرچہ شفق اور سودا کی زمینوں کا ہو سکتا ہے کا سبب ہے وہ جدا تھا ورنہ آمدنی کی سامنے آخر کی

کیا بھلا وہ تنگ فقط انھیں لوگوں کی بے شمار سی تعریف کیا کرتے سے جو اس کے دور منقطع کی محفل سے دیکھتے ہو ئے بہت خوش تھی مگر

ایسے ہی نہ پیچھے بلکہ ان پر بھی اعتبار کرتے تھے ہو ئیں۔ سودا شیل اپنے تجھ سے تنہا سے اچھے آپ کو شعر کا شوقین سمجھتے تھے بقول ختمی

اور ہی خاصا کاشیا دہ ہی کہہ تھا وہ جیب شرعی سے منسوب ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ وہ صاحب نیک دل اور رقیق القلب تھے۔ شعر قصیدہ جو سے جب ان کی دوستی ہو گئی وہ ان کی حالت سے

واقف ہو گئے تو ان کی مرضی امداد و اعانت کرنے رہے ہیں ذاتی طور پر واقف ہونے کے لوگوں سے کہہ کر فقیر کی رقم، مدد دی اور خود بھی دیتے رہتے

کوئی کام ہوتے رہے جیسے وہ جنسوں کی مہاراجہ کے پاس پیش کر کے امداد دلواتے۔ نواب صاحب نازیں سے رقم دلوانے کی وجہ سے بھی

ہو سکا اس کی سفارش میں دریغ نہ کرتے تھے۔ اعتراض تو وہ بیچارے بھی کرتے تھے اس سے ان کی دانست میں زبان کا معیار کم کسی کو

ہونے کی کوئی وجہ نہ تھی اپنی قابلیت اور ذہانت کے اظہار اور تفریح سے غرض تھی اس لئے وہ اس کو اہمیت نہ دیتے تھے مشاعرے میں پہلے

اعتراض کر کے ناک میں دم کر دیتے اور دو ہوتے ہوئے اسی شخص کے شعر کا ترجمہ اعتراض ہو سکتے ہیں لیتے۔ ان کی بزرگی تھی کہ کوئی دوسرا کوئی

اعتراض کرتا تو خود آستین چڑھا کر معترض کے اعتراضوں کا ایسا دندان شکن جواب دیتے کہ وہ اپنا سا منہ لے کر رہ جاتا۔ ہزاروں شعر یاد تھے اور

موزوں بیان پیدا تھا سند میں شعر پیش کرنے میں کمال تھا ایسے سیکڑوں شعر سند کے سنتے اسی لئے ہر شخص ان سے ڈرتا تھا اس اعتراض

میں صرف یہ ہو تا تھا کہ آپ نے کسی پر اعتراض کیا اور اپنی تائید میں دس پندرہ شعر سنا دیے اور کسی نے یہ اعتراض شعر کو ایسے ہی کہتے ہیں اعتراض

بڑھیا اور موجود رہے تو فوراً معترض سے پہلے پہنچتے اور اس کے خلاف بحث کرنے لگتے اور اپنی تائید میں اساتذہ کے شعر بھی سناتے جاتے۔

اس طرح بحث بھی ان کی رہتی اور پیشانی ان کی غرض صرف یہ ہوتی کہ دیری رہا کہ بند ہی رہے اور میں سب پر چھایا ہوا رہوں۔ والد مرحوم ان کی اس

حرکت پر ہمیشہ ٹوکا کرتے مگر وہ ایک نہ سنتے تھے۔

دوسرا ان پر اعتراض کرتا تو بھی خفا نہ ہوتے بلکہ خوش ہو کر بحث کرتے اور معترض کو قائل کر کے دم لیتے تھے، ایک روز ہم سب دیوان خانے

میں بیٹھے ہوئے تازہ غزل سنا رہے تھے۔ مطلع کا دوسرا مصرعہ تھا ؎

رگِ لیلیٰ زند آں جا ز مجنوں خوں چکید از سر ما

مجھے چونکہ قیاس پر اعتراض کرنے کی تنگی نے چھیڑ دیا تھا اس لئے میں مرقع کا طالب ہی تھا یہ مصرعہ سنتے ہی میں نے کہا اشارہ لکھ دو کے مشہور مصرعہ

کھلا کے فصد لیلیٰ نے تو ریاں مجنوں کے خوں نکلا

کا ترجمہ ہے یہ سن کر سنا سا رہ گئے۔ والد مرحوم نے بھی مخالفت بتائی مگر قصیدہ دیکھ کے بعد اس نے مجھے شاباشی دی اور کہ بہ غور دیکھا یہی خیال

رکھا اور جہاں کسی کی پیٹھ نظر آئی فوراً کھینچ دیا کرتے تھے۔ چنانچہ ستارے اس کے بعد مشاعروں میں جب اپنا کلام سنانا شروع کرتے ہوتا اسی طرح اعتراض کرنا شروع کیا۔ اس طرح کہ کوئی شعر کہتا تو آپ کہتے یہ اعتراض کی بات ہے یا اعتراض کر دیتا تو اس پر خود صاد فرما دیتے کہ کوئی جواب دینا چاہتا تو آپ بحث کرنے لگتے اور سارے مشاعرے کو شعروں اور مطلعوں کی بحث کرنے والے کا اکھاڑہ بنا دیتے۔ مشاعرے تک ٹھیک ہوتا لگتا مگر کانفرنس میں بعد میں منتظمین نے مشاعروں میں ترکی کے پاس بیٹھنا کم چھوڑ دیا۔

ترکی کی یہ شوخی بعض وقت تکلیف دہ بھی ہو جاتی تھی۔ ایک صاحب غالباً غلام سرور نام تھا کسی آغا شاعر کے ترتیب یافتہ تھے اور فارسی خوب کہتے تھے، غالباً شرکت تخلص کرتے تھے۔ انہوں نے مشاعرے میں غزل (فرخی) فرمائی کی ردیف اور قافیہ چاہیں تھا۔ جب غزل انہوں نے پڑھنا شروع کی تو خیال شروع کی تھی اس سے آگے بڑھنے لگے۔ مطلع ختم ہوتے ہی ترکی نے اسی لہجے میں اور حلق پکڑ کر نعرہ بلند کیا۔ لوگوں کو ہنسی آ گئی، سب ہی سارا مشاعرہ دہرانے لگا اور سارا ماحول ہنسی سے منقلب ہو گیا۔ بیچارے شرکت غزل چھوڑ کر مشاعرے سے چلے گئے اور پھر کسی مشاعرے میں نظر نہیں آئے۔

ایک بزرگ شرکت جگرامی تھے، ان کی ایک کتاب ترجمہ رباعیات عمر خیام بھی شائع ہو چکی ہے۔ انہوں نے ایک دفعہ مشاعرے میں غزل پڑھی جس کا مطلع کا دوسرا مصرع تھا کہ

شکست تی ہوتی کیسا عذاب ہوتی ہوگی

ترکی نے تجنیس لفظی سے فائدہ اٹھا کر "ق" کو "ر" سے بدل کر "ق" کو "ر" سے بدل کر دیا کہ اس لفظ حلق سے ادا کرتے ہوئے مصرع اٹھایا پھر کیا تھا سارا مشاعرہ اسی طرح مصرع دہرانے لگا۔ بیچارے بھی خفیف ہو کر چلے گئے۔ اس قسم کی بھونڈی حرکتیں بھی ترکی کر بیٹھتے تھے جو ان کے شایان شان نہ ہوتی تھیں۔

ہزل سے بھی شوق فرماتے تھے اور فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں ہزل کہتے تھے۔ ہر جمعرات کی شام میں ایک مجلس ہزل گویوں کی منعقد ہوتی۔ اپنے گھر پر مجلس ہزل کرتے اور خود صدارت فرماتے۔ میری جرأت وہاں جانے کی نہ ہو سکی مگر بعض شریک ہونے والوں سے جو کچھ سنا ہے وہ لکھا نہیں جا سکتا۔ چرکین اور جعفر زٹلی کی روح بھی شرماتی ہوگی۔

غرض ترکی عجیب و غریب شخصیت کے مالک تھے، بچوں میں بچے، بڑھوں میں بڈھے، جاہلوں میں جاہل، شاعروں میں شاعر، عالموں میں عالم، چونکہ جہاندیدہ تھے اس لئے دروغ بافی بھی بہت فرماتے تھے۔ مگر یہ صرف تفنن اور خوش مذاقی کی حد تک ہوتی تھی، کبھی کسی کی غیبت نہ کرتے تھے۔

شاگردوں کی غزل کیا بناتے، اس کا اصلاح دیتے تھے نہ مشقوں کی آرائش، بس یہ ہوتا تھا کہ اس طرح کے الفاظ معنی کا مطلب بس حشو و لیجو، اپنی طرف سے دوسری غزل کہہ دیتے تھے اور پھر لوگوں سے کہہ بھی دیتے کہ فلاں نے بھی رباعیات غزل کہی تھی، میں نے پوری غزل کاٹ کر کے دی، خود غزل کہہ دی ہے۔ بعض ہی شاگرد ایسے تھے جن کی غزلوں میں لفظی ترمیم و اضافہ ہوتا تھا مگر یہ بھی کوئی خاص اضافہ اور ترمیم نہ ہوتی تھی۔ البتہ معائب شعری اور عروضی غلطیاں ضرور بتا دیتے تھے۔ اصلاح سخن میں وہ کامیاب نہ تھے چنانچہ ایک دو شاعر جو ان کے شاگرد ہیں انہوں نے بھی ہنر کی کمائی ہے۔

سفید پنجابی شلوار اور سفید کرتہ، ریشمی پیٹی کا کھلا کرتہ، جو گھٹنوں سے نیچے تک پہنا کرتے تھے۔ کرتے پر اکثر سرمئی رنگ کی شیروانی، اچکن یا ہمیشہ سرخ رنگ کی ہوتی تھی۔ سر پر اکثر کلاہ پر پگڑی باندھتے یا کبھی ٹوپی بھی اوڑھتے تھے۔ سردیوں میں شال دوشالہ بھی باندھ لیتے، سر پر بال لمبے لمبے کاندھوں تک تھے، داڑھی چہرہ بھرتے تھے مگر مونچھیں بڑی بڑی تھیں۔ ہونٹ کے بالوں کے ساتھ خشخشی ہوا کرتی تھی۔ کانوں میں بندے پہنتے تھے، سیدھی کمر کے جیب میں ایک چاندی کی ڈبیا، چھوٹی سی بٹوے اور ایک ماچس ہوتی تھی جس کو ایک شیشے کا خاص نمونہ تھی اور پان کا مصالحہ ہوتا گا یا کرتے تھے،

[illegible] منصب تھا۔ غذا بھی خوب تھی۔ آخر میں بہرا شوق ہوا [illegible] کہ ناپا [illegible] کرتے تھے [illegible] [illegible]۔

میرے والد مرحوم کو ترکی سے بڑا اعتقاد تھا اس کا ایک [illegible] وہ مشتاق تھیں کہ میری ولادت سے پہلے [illegible] ولادت کی دعا [illegible] اپنے [illegible] کے پاس ہیں [illegible] سے [illegible] [illegible] تک [illegible] چنانچہ والدہ نے [illegible] ان کا [illegible] ان کا [illegible] [illegible] مستحق نہیں [illegible] کو [illegible] تاریخ بر محمدی [illegible] کو [illegible] کر دی ہے وہ [illegible] والدہ [illegible] خاموش ہو گئے [illegible] نے کی چند روز ٹھہر چلے گئے ترکی صاحب [illegible] [illegible] چنانچہ [illegible] انتقال کیا اور [illegible] ولادت ہوئی چنانچہ [illegible] ولادت [illegible] [illegible] کا اور [illegible] ترکی [illegible] سے [illegible] [illegible] [illegible] جب بھی [illegible] سب سے پہلے ترکی [illegible] [illegible] ترکی جب [illegible] [illegible] کے [illegible] [illegible] [illegible] اگر [illegible] [illegible] پیالی [illegible] آدمی پیالی [illegible] ایک [illegible] پیالی [illegible] [illegible] لب [illegible] رکھا تھا۔

ترکی اپنے [illegible] [illegible] سب [illegible] اور سب [illegible] ایک ہی [illegible] سے [illegible] تھے کسی کی [illegible] [illegible] البتہ [illegible] [illegible] کرنے میں [illegible] وضع [illegible] تھی۔ [illegible] بہت تھا۔ طبیعت میں [illegible] اور [illegible] بھی تھی۔

مشاعرے میں پڑھنے کا انداز خاص تھا [illegible] [illegible] [illegible] ہوئے [illegible] [illegible] اور [illegible] کے لوگوں کو قریب بلا کر بٹھا لیتے [illegible] سے [illegible] پڑھنے کا انداز بھی [illegible] اچھا تھا۔ آواز اگر [illegible] بہت [illegible] اور [illegible] سے پڑھتے تھے۔ [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] وہ [illegible] سے غزل پڑھتے [illegible] [illegible] ہو جاتے کبھی [illegible] آگے بڑھ جاتے [illegible] [illegible] کبھی [illegible] ہو جاتے۔ ایک مشاعرے میں رباعی پڑھی ـــ

دیکھو برتر کو جو غالب کو نہیں دیکھا ہے
ذوق کی گر ہے ہوس تو رسا کو دیکھو

اور علی برتر کی طرف اشارہ کیا پھر مرزا غلام مصطفیٰ رسا کی طرف بتایا۔

اور ناسخ کی جو صورت کی ہے خواہش دل میں
ترکی مست کے انداز و ادا کو دیکھو

تیسرا مصرعہ تو سات سیدھے طریقے سے سنایا مگر پڑھتے وقت جب پر ترکی مست کہہ کر [illegible] ہوئے اٹھے اور بائیں پاؤں کے انگوٹھے کے بل کھڑے ہو کر سیدھا پاؤں اٹھا کر ایک چکر لگایا جس کی وجہ سے لمبا کرتہ چشپواز کی طرح پھیل گیا اور مجلس مشاعرہ دنگ ہو گئی۔ یہ

ترکی مست کے انداز و ادا

غرض ایسی ایسی حرکتیں مشاعرے میں کرتے کہ لوگ حیران ہو جاتے۔ [illegible] نامی ایک صاحب ان کے [illegible] باخلاص تو نہیں البتہ صاحب خاص

[illegible]

ضرور تھے جو غزل [illegible] کہتے تھے۔ [illegible] حیثیت [illegible] اردو [illegible] بہت [illegible] [illegible]
کان [illegible] ترکی کے ساتھ رہتے تھے چونکہ وہاں [illegible] اور [illegible] خوب گھٹتی تھی مگر تفضل [illegible]
تھے ہمیشہ [illegible] سے ہی تھے۔

ایک رات مشاعرہ کی ڈیوڑھی سے ترکی گھر واپس ہو رہے تھے تفضل ساتھ تھے ہری باولی کے پاس پہنچ کر ترکی نے کہا، [illegible]
سید صاحب کا مزار ہے، ہو آتا فاتحہ پڑھ [illegible] تفضل نے کہا چلئے۔ مزار سڑک پر تھا مگر [illegible] تفضل نے ترکی کو ایک مکان میں داخل کر دیا
جہاں چند عورتیں صحن میں سو رہی تھیں۔ ترکی نے زور زور سے فاتحہ پڑھنی شروع کی تو عورتیں نیند سے جاگ کر غل مچانے لگیں، سارے محلے والے
جمع ہو گئے اتفاق سے مکان [illegible] بہادر کے ایک [illegible] کا تھا وہ [illegible] انہوں نے پہچان کر دیکھا تو ترکی نظر آئے
پوچھا استاد کیا حال ہے تو کہا: میں سید صاحب کی درگاہ پر فاتحہ پڑھنا چاہتا تھا مجھے رات کو کچھ نہیں دکھائی دیتا ہے اس غرض سے تفضل کو ساتھ
لے آیا۔ غرض صاحب خانہ نے قندیل ساتھ دے کر اپنے ملازم کو بھیجا اور ترکی گھر پہنچے۔ ایسی دل لگیاں تفضل بہت کرتے تھے ترکی بھی
[illegible] سفارش کر کے [illegible] میں تفضل کو نوکر کرا دیا تھا۔ نوکری معاف تھے مگر [illegible] آ جاتی تھی۔ ایک مشاعرے میں
فارسی طرح تھی "یاد کرده اند" "شار کرده اند" تفضل نے نصف اردو نصف فارسی غزل پڑھی۔

وصل کے وعدے پہ [illegible] کر رہے ایک دوست کے تھے امیدوار کرده اند
وہ آئے تھے جو اُسے [illegible] ساتھ لائے دامن سارا ہی سے گل [illegible] کرده اند

اپنی نوکری کے متعلق بھی ایک شعر کہا تھا پہلا مصرع مجھے یاد نہیں آ رہا ہے دوسرا مصرع تھا

نظم میں [illegible] پیشکار کرده اند

ایک اور مشاعرے میں طرح ہوئی تھی جواں کن، بیاں کن وغیرہ تفضل نے بڑی دھوم دھام کی غزل پڑھی تھی مقطع تھا

تفضل جب کہ تو ہو جائے بڈھا
ذرا بیتے وقت میں جد رد جیاں کن

بہر حال ترکی اور تفضل کی خوب گھٹتی تھی۔

واقعہ یہ ہے کہ ترکی فارسی کے بڑے [illegible] شاعر اور مشہور شعر کے ماہر تھے مگر اردو میں انہیں کوئی حیثیت حاصل نہ تھی۔ اصولاً انہیں اردو میں
شعر نہ کہنا چاہئے تھا مگر [illegible] کے مرتے دم تک اردو کی ٹانگ بھی توڑتے رہے اور ایک دیوان بھی اردو کا چھپوا ڈالا تھا۔

بحیثیت مجموعی نہایت دلچسپ اور قابل شاعر تھے۔ ان ساری کمزوریوں کے باوجود بہت غنیمت آدمی تھے اور اپنی وضع کے ایک ہی تھے
ترکی کو انتقال کئے [illegible] سال ہو گئے مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کل ہی مرے ہیں۔ آج کل میں سلطان شاہی میں مقیم ہوں۔ ان کے مکان کے سامنے سے
اکثر گزرتا ہوں اور وہ مجھے بے تحاشا یاد آ جاتے ہیں اور شاید زندگی بھر یاد آتے رہیں گے۔

وجودی شاہ

میں نے نوکری سے پیچھا چھڑانے کی کوشش کئی بار کی یعنی چار دفعہ ترک ملازمت کیا، چھوڑیں مگر پھر آخر نوکری ہی کرنی پڑی۔ اسی طرح [illegible] میں
بھی میں نے متعدد ملازمت کو خیرباد کی اور اپنے حساب میں نوکری چھوڑ کر ایک ادارہ قائم کیا جس کا نام "ادارۂ علمیہ" رکھا اور [illegible]

سے جانشین [illegible] حضرت شاہ عبدالقادر صاحب اپنی ملک کا [illegible]
[illegible] ایک نامل ہو کے ہوئے کرامات پر [illegible]
[illegible] ایک [illegible] شاہ صاحب نے [illegible]
صحبت سے [illegible] کیا کہ پیر و مرشد [illegible] کا لقب [illegible] ارشاد کا رسیا ہے [illegible]
[illegible] خواہش کیسے کے متعلق سوالات [illegible] بعض وقت بعض کے متعلق گفتگو کی [illegible]
[illegible] گفتگو اور بحث فرماتے ہیں شاہ صاحب نے [illegible] پہلے ہی سے [illegible] کر رکھی تھی اس لئے پیر و مرشد نے [illegible]
[illegible] شروع کیا اور [illegible] حضرت کے معاملات [illegible] تفصیل [illegible]
[illegible] کر کے [illegible] گفتگو فرمانے لگے جب حضرت [illegible] اس لئے [illegible]
[illegible] پر گفتگو فرمانے لگے [illegible] سے [illegible] ناواقف تھا اس بارے ایک [illegible]
[illegible] کتب خانہ آصفیہ کی فہرست [illegible] دلچسپی نہ تھی اس لئے میں نے اس کا [illegible]
حضرت نے جب مجھے اس [illegible] سے ناواقف پایا تو اس کے فضائل [illegible] شروع کیا اور [illegible] حدیث [illegible] بیان فرمائی۔ بہرحال اس
صحبت میں پیر و مرشد نے مجھے خوب پکڑ لیا اور [illegible] کا [illegible] کے ساتھ ہی [illegible] دیکھنے کی خواہش کی
دوسرے روز صبح صبح شاہ صاحب نے مجھ گرفتار کر لیا اور میں اپنی کتاب [illegible] کہ شاہ صاحب کی [illegible]
[illegible] حضرت قبلہ میرے منتظر ہی تھے گرما گرم [illegible] کھلایا اور [illegible] جائے پلائی میں نے [illegible] کتاب [illegible] کی [illegible]
[illegible] کی تصویر دیکھ کر چیخ اٹھے "یہ پاشا بھائی [illegible] تھا [illegible] کہ یہ والد کا [illegible] پاشا میاں [illegible] ان کے [illegible]
[illegible] پاشا بھائی پکارا کرتے تھے اس لئے میں بھی حیران ہو گیا کہ حضرت [illegible] کر پاشا بھائی کیسے کہ رہے ہیں۔ میں نے جب بتایا کہ
[illegible] پاشا میاں کا بیٹا ہوں تو حضرت نے کھڑے ہو کر [illegible] سے چمٹا لیا اور آب دیدہ ہو گئے۔ [illegible] نے تذکرے کرتے رہے
[illegible] کی رقت کم ہوئی تو میں نے پوچھا آپ کب [illegible] کرتے تھے۔ فرمانے لگے تجھے [illegible] میں نے [illegible]
[illegible] تو [illegible] تھے۔ البتہ ایک [illegible] کہنے لگے ہاں ان کا کوئی بھائی بھی تھا؟ میں نے عرض کیا ہاں ایک ان کے
چھوٹے بھائی پاشا [illegible] تھے جو [illegible] کا شوق فرماتے تھے۔ کہنے لگے میں وہی بات تو [illegible] ہوں۔ پھر میرے بچپن کا حلیہ اور [illegible]
[illegible] کا پتہ نام [illegible] بتایا اور فرمانے لگے مجھ سے پہلی ملاقات [illegible] مجھے [illegible] پیدا ہو گیا تھا اور [illegible] تھا کہ [illegible] ہے۔ اب مجھے
بچا [illegible] پھر کیا تھا میں چچا پکارنے لگا۔ یہ تھے میرے شفیق بزرگ سید شاہ محی الدین پاشا قادری وحیدی شمسی۔

وحیدی تخلص فرماتے تھے اور چونکہ حضرت شمس الدین اورنگ آبادی کے مرید اور خلیفہ تھے اس لئے اپنے آپ کو شمسی فرمایا کرتے تھے
[illegible] تک بھی یہ حضرت ہمارے پاس آتے جاتے تھے اس کے بعد سے یہ نظر ہی نہیں آئے۔ ان دنوں جب یہ غریب خانہ پر تشریف لایا کرتے
تھے جوان تھے، چہرے پر خشخشی سی داڑھی اور سر پر انگریزی تراش کے بال تھے، دوہرا جامہ، پاؤں میں شوز یا پمپ شو ہوتا تھا سر پر ترکی ٹوپی
[illegible] اور نئی تراش کی رنگین شیروانی پہنا کرتے تھے۔ گویا اس زمانے کے فیشن ایبل لوگوں میں شمار ہوتا تھا۔ [illegible] اور [illegible] کے
ساتھ مشاعرے میں شریک ہوا کرتے تھے۔

اب جو چند سال کے بعد نظر آئے تو اس شان سے کہ سر پر لمبے لمبے بال شانوں پر گرتے ہوئے [illegible] لمبی داڑھی یک مشت و دو انگشت
جسم خاصا بھاری بھر کم [illegible] زمانے سے [illegible] سوا آواز اور بات کرنے کے طریقے کے کوئی بات سابقہ نہ تھی۔ بہرحال

بزرگ نے مجھے بتایا ایسا بتایا کہ میری حالت ... ہونے لگی بعض لوگ ... بعض ... سے کچھ خواہش مند اور کسی نے فقیرانہ، کیونکہ حضرت کے پاس ... کے لوگ زیادہ آیا کرتے تھے۔

کئی شاگرد بھی ہوتے کہ مریدین، معتقدین اور عقیدت مندوں کی آمد کا سلسلہ شروع ہو جاتا۔ مرید ... دیتے معتقدین خاص ضرورت کے تحت آتے مگر ایک جماعت ہر وقت بیٹھا کرتا گویں کی لگی رہتی جو حضرت ... جاتی بعض لوگ کمال عملیات تعویذ گنڈوں کے لئے بھی آ جاتے اور بعض محض روحانی برکتوں کی خاطر ... ہوتے تھے۔

میں جب بھی پہنچتا حضرت سب کو چھوڑ کر میری طرف متوجہ ہو جاتے میرے لئے چائے بنا تے یا باہر سے منگواتے اور شعر و شاعری، لطیفہ گوئی، بدیہہ گوئی، فقرہ، پھبتی، ضلع جگت سے ایک کیف شروع ہو جاتا اور بعض دفعہ بے تکلف مخفلات بھی ... ہو جاتیں۔

مریدین اور معتقدین حیران ہوتے کہ حضرت اس نوجوان سے اتنے مانوس کیوں ہیں مگر وہ فطرت انسانی سے ناواقف تھے حضرت بھی انسان تھے۔ بعض حدیث، فقہ، مسائل اور وحدت الوجود بیان کرتے کرتے تھک جاتے تھے۔ مریدین اور معتقدین سے دل لگی نہیں کر سکتے تھے اور نہ اس حلقہ میں کوئی اس کا اہل ہی تھا اس لئے اس تفریح کے واسطے انہوں نے مجھے منتخب فرمایا تھا۔ چنانچہ میرے پہنچتے ہی ایک ایک کر کے سب کو چلتا کر دیتے۔ بعض بے تکلف جو رہ جاتے وہ بیٹھے رہتے اور پھر سید شاہ وجودی صاحب فقط وجودی اور جانے والے ایک شاعر کی طرح بے تکلف ہو جاتے۔

حضرت شمس الدین صاحب قبلہ نے حیدرآباد میں بڑی مقبولیت حاصل کی تھی چشتیہ گھرانے کے بزرگ تھے قوالی سنتے ... علاوہ ... لوگوں کو حال آنے لگتے جس کے جسم پر ہاتھ رکھ دیتے وہ بندہ بے دم ہو جاتا۔ بیشتر طوائفوں کو تائب کرا کر نکاح کرا دیا چنانچہ ... اور ... وغیرہ جیسی مشہور رنڈیاں حضرت کے ہاتھ پر تائب ہوئیں اور لوگوں سے نکاح کر کے گھر بیٹھ رہیں۔ بیشتر ہندو خاندان بھی معتقد تھے جیسے شیوراج بہادر، رشالی پرشاد وغیرہ کا خاندان پورا معتقد تھا۔ جگن ناتھ پرشاد صاحب جو بعد کو جمیل الدین احمد بنے انہی شمس الدین کے دست گرفتہ تھے جنہیں بعد میں مولوی محمد حسین صاحب (ناظم ...) نے تیار کیا۔

... وجودی شاہ صاحب نے بھی بڑی خدمت کی، خود مرید کرنے کے خواہش مند نہ تھے لوگ مرید ہونے آتے تو انہیں پیر ... میاں یا اپنے خلیفہ نظام الدین وغیرہ کے پاس بھجوا دیتے۔

نہایت ہی نڈر، بے باک اور فطرتاً باغی تھے۔ حیدری صاحب صدر اعظم حیدرآباد جیسے پر رعب شخصیت ... بزرگ ... تھے حیدرآباد کے پیران باصفا حیدری صاحب سے طرح طرح فائدے اٹھاتے تھے میں نے جب یہ دیکھا کہ وجودی صاحب کی کوئی معاش نہیں ہے اور ان کی گزر بسر بڑی تکلیف سے ہوتی ہے تو میں نے کہا حیدری صاحب کو آپ کے پاس پہنچا دیتا ہوں ان سے اپنے لئے تنخواہ کرا لیجئے اور خانقاہ کے لئے کچھ نقد رقم منظور کرا لیجئے۔ یہ سنتے ہی مجھ پر برس پڑے، خوب صلواتیں سنائیں مگر میں نے بھی ان کا ناک میں دم کر دیا۔

مولوی محمد سجاد صاحب ہماری خاندان کے قدیم بزرگ تھے۔ مدرسہ دارالعلوم میں والد مرحوم اور چچا مولوی سید غلام حسین صاحب مرحوم کے ساتھ پڑھ چکے تھے اور اتفاق سے میرے ہی دفتر کے مددگار رہتے، یہ حیدری صاحب کے "روحانی سیکرٹری" تھے یعنی حضرت مولوی ... مجذوب وغیرہ حیدری صاحب سے ملتے وہ انہی کے توسط سے ملتے تھے اور یہ جہاں لیجانا چاہیں حیدری صاحب کو لے جاتے تھے،

اس لئے میں نے ایک دفعہ مولوی سجاد صاحب کو ساتھ لے جا کر وجودی شاہ صاحب سے ملا دیا اور شاہ صاحب نے سجاد صاحب پر وہ رعب گانٹھا کہ سجاد صاحب بس گرویدہ ہی ہو گئے۔ کہنے لگے "ارے! تمکین صاحب! یہ بزرگ تو بڑے صاحب کمال ہیں۔" میں نے کہا

[illegible] شاہ صاحب [illegible] چاندنی چوک [illegible] آ گئے [illegible] صاحب [illegible] کر دیا۔
[illegible] صاحب [illegible] شاہ صاحب کے [illegible] چنانچہ
[illegible] شاہ صاحب [illegible]
[illegible] صاحب تشریف [illegible] آپ [illegible]
[illegible]
[illegible] صاحب [illegible] حاضر [illegible]
[illegible] شاہ صاحب نے [illegible]
[illegible]
[illegible] تفصیل [illegible]
[illegible]
[illegible] حیدری صاحب [illegible] حیدری صاحب [illegible]
[illegible]
[illegible] چنانچہ [illegible] خاموش [illegible]
[illegible] صاحب [illegible] وجودی شاہ صاحب سے مل [illegible]
[illegible] نہیں کی۔ اس کا سبب تو وجودی صاحب نے بتایا۔ حیدری [illegible]
[illegible] حیدری صاحب رُک گئے۔

بہرحال وجودی شاہ میں یہ خصوصیت تھی کہ وہ بہت سے [illegible]
[illegible] اصل بات یہ تھی کہ انہیں سونا بنانا آتا تھا [illegible] سونا بنا لیتے [illegible] فروخت کر [illegible]
[illegible] ملازمین کی تنخواہیں، مکان کا کرایہ ادا کر دیتے [illegible]
[illegible] اس کے بعد پھر قرضوں کا سلسلہ شروع ہوتا [illegible]
[illegible] ایک روز کسی [illegible] سونا بنا لیتے [illegible]
خاص خاص لوگوں کے حوالے کرتے کہ [illegible] سے فروخت کر کے [illegible]
[illegible] فروخت کرتے۔ [illegible] وقت شاہ عبدالقادر صاحب کے اور میرے حوالے بھی آٹھ آٹھ تولہ سونا کیا کہ فروخت کر دو۔ [illegible]
[illegible] جن دنوں یہ سونا ہمارے ہاتھ سے فروخت کرایا گیا [illegible] ان دنوں [illegible] روپیہ تولہ تھا اور ان کا بنایا ہوا سونا پچیس [illegible]
[illegible] فروخت ہوا۔ اس طرح زندگی بسر عمدگی سے گزارتے رہے۔

یہ سونا بنانا انہوں نے کس طرح سیکھا کبھی بھی ظاہر نہیں کیا۔ بیشتر لوگ اسی چکر میں رہتے کہ ان سے کیمیا کا نسخہ معلوم کریں گے مگر انہوں نے کسی کو بھی نہیں بتایا [illegible] باہر [illegible] یورپ وغیرہ [illegible] عراق میں بھی بہت رہ چکے تھے نہ جانے کس سے سیکھا [illegible]
دیا تھا [illegible] کی ایک خاتون سے [illegible] تھا جو ساتھ رہتی تھیں۔ کوئی اولاد نہ تھی اکثر مریدوں کے بچوں کو اپنے پاس رکھ لیتے تھے۔
کبھی جی چاہتا تو رنڈیوں کا گانا بھی سن لیتے تھے [illegible] گٹھیا کے مریض تھے اور سلسلۃ البول بھی تھا اس لئے کہیں جانے [illegible] گھر پر ہی

بیٹھے رہتے۔ ویسے بھی حاضر جواب اور نفسیات داں تھے۔ حیدرآباد میں مشہور ہو گیا تھا کہ ایک [illegible]
یوسف شریفؒ کے تصرف سے ہوا۔ اسی شہرت کے زمانے میں ایک مرزا صاحب جو عالم العلوم کے خاندان [illegible]
میں تھے حضرت سے ملنے کے لیے آتے اور یہی ذکر کیا اور کچھ ایسی گفتگو کی کہ شاہ صاحب کو جلال آ گیا۔ جست سے آپ [illegible]
آدمی پر پکڑ کر دانتوں میں دبا لیا اور کہنے لگے سامنے مرزا ان دیو زادگی تو بڑے بندگ ہیں میں ایک ادنیٰ غلام ہوں کہ بھوں اور کیا ابھی تجھ کو
بنا دیتا ہوں۔ یہ کہتے ہوئے جو آنکھیں نکالیں اور چہرہ خوفناک بنایا تو مرزا ساری شیخی بھول گئے اور جوتیاں چھوڑ کر وہاں سے بھاگ گئے
مارے ہنسی کے میرا برا حال ہو گیا اور تھوڑی ہی دیر کے بعد حضرت بھی ہنسنے لگے۔ اس طرح بعض حرکتیں بھی بھی ضرب مار کر دیتے تھے

نواب خلیل خاں، جاگیردار جہانگیر آباد، بیٹو نواب مصطفیٰ خان شیفتہ اکثر حیدرآباد آیا کرتے تھے کیونکہ جسٹس خلیل الزماں سے ان کی قرابت
تھی۔ ایک دفعہ وہ ملنے آئے تو میں بھی بیٹھا ہوا تھا ان سے میرا تعارف یہ کہہ کر کرایا کہ میرے بھتیجے ہیں۔ بعد میں کہیں ان سے پھر ملاقات ہوئی
تو انہوں نے پوچھا جناب! آپ کے چچا صاحب کہیں گزر گئے ہیں اس لیے تکمیل نہ کر سکے اور باتیں کرتے کرتے یک بیک
ہیں سے کہا: "بچے ہی کیا تھے جو کہیں پیچ کر سکتے" اس پر وہ بہت مسرور ہوئے اور دیر تک شاہ صاحب کا ذکر کرتے رہے۔ وہ جب
کبھی آتے شاہ صاحب سے ضرور ملتے تھے۔

حضرت ابو تجمہ سے وجدی شاہ کی بہت دوستی تھی سید ابراہیم ادیب جو عربی کے پروفیسر اور صاحب الجا طیسکے بڑے جید عالم تھے
بھی ان کے بڑے مخلص دوست تھے۔ وجدی شاہ کا اور صاحب کو غالباً مدرسہ کا ساتھ تھا اس لیے دونوں میں بڑی بے تکلفی تھی صاحب دنیا ابجد
کو صرف کھیتی تھی مگر وجدی شاہ ہمیشہ ان سے یہی کہتے کہ "تمہارے تھوڑا سا تصوف پڑھ لو اور مدہنس کر خاموش ہو جاتے اور سید ابراہیم صاحب تو
وجدی شاہ سے باقاعدہ مسائل تصوف پوچھا اور سمجھا کرتے تھے۔

مریدوں کی تعداد خاصی تھی۔ کوئی دو تین سو مرید ہوں گے۔ چند خلیفہ بھی تھے۔ خالد میاں نامی جنگ کو بھی خلافت دی تھی اور خالد میاں شاہ کے
چہیتے خلیفہ تھے۔ اپنا کتب خانہ بھی انہی کو دے دیا تھا اور وصیت کی تھی کہ خالد میاں کے باغ میں دفنایا جائے چنانچہ خالد میاں نے انہیں اپنے
باغ ہی میں دفنایا اور مقبرہ بھی بنا دیا اور ہر سال بڑی دھوم سے عرس بھی کرتے ہیں۔

حیدرآباد میں بندگی دین ہمیشہ آیا کرتے ہیں ایک دفعہ ایک بندگ عوض علی شاہ تشریف لائے جو شاہ صاحب کے پاس بھی آنے
جانے لگے۔ چنانچہ انہوں نے مجھے وہاں اکثر دیکھا اور حضرت سے بے تکلف پایا تو ایک دفعہ میرے سامنے ہی پوچھا کہ یہ کون صاحب ہیں
تو کہا: "ایک سلسلہ میں یہ میرے پیر ہیں" انہوں نے پوچھا کونسا سلسلہ تو کہا: "ابلیسیہ" وہ حیران ہوئے کہ ابلیسیہ سلسلہ کیسا تو کہا آپ کو
شاید معلوم نہیں کہ معلم الملکوت نے بھی اپنے خلفاء بنائے ہیں چنانچہ یہ انہی کے خلیفہ ہیں اور سلسلہ ابلیسیہ میں صاحب خرقہ و سجادہ ہیں میں نے
اس سلسلہ میں انہی سے بیعت کی ہے۔ عوض علی شاہ یہ سن کر اتنے پریشان ہوئے کہ پھر انہوں نے وہاں آنے کی ہمت نہیں کی۔

اپنے قدیم ملنے والوں اور پرانے دوستوں سے وجدی شاہ کو بڑی ہمدردی تھی چنانچہ ڈاکٹر راحت اللہ خان کیوریٹر آصفیہ لائبریری کو جو
ان کے قدیم ہم مکتب اور دوست کے فرزند تھے بہت چاہتے تھے اسی طرح بعض اپنے قدیم دوستوں سے بڑی وضع داری سے ملتے تھے۔

وجدی شاہ کا خاندان بہت بڑا تھا مدراس، اورنگ آباد اور نیلور میں ان کے قرابت دار بہت تھے حیدرآباد کے مشہور صاحب قادری
کے گھرانے سے جو باغ محی الدین پاشا کا خاندان کہلاتا تھا قرابت قریبہ تھی۔ مشہور ہفتہ وار اخبار مخبر دکن مدراس کے ایڈیٹر اور مالک سید
عبدالقادر صاحب بھی قریبی عزیز تھے۔ اس طرح خاندان بہت بڑا اور پھیلا ہوا تھا مگر وجدی شاہ سب سے دور دور اور الگ تھلگ رہتے تھے
مجھے جہاں تک خصوصیت پسندی تھی وہ یہ تھی کہ دوسروں کی طرح مریدوں اور روپیہ جمع کرنے کے عادی نہ تھے بہت ہی خود دار اور وضع دار تھے

[illegible] کی کسی کو [illegible] بیٹے اور بیٹیاں [illegible] جلا دیتے تھے۔
شہر چھوڑ کر چلے گئے تھے وہاں قبول کر لیا تھا۔ اس میں بہت کچھ حصہ ان کے ایک [illegible] جنرل [illegible] صاحب نے دو سال ہوئے [illegible] کے تعلقات بہت زیادہ ہوئے ہیں۔

ہمارے حیدر شاہ صاحب بہت [illegible] تھے اور [illegible] جنگ [illegible] میں سے [illegible] ان سے [illegible] مضامین [illegible] کی [illegible] تاثر کرتے۔

کہتے ہیں [illegible] عبدالحق [illegible] گئے تھے اور [illegible] سے زیادہ [illegible] تھا ہے مگر وہ بات کہاں مولوی مدن کی سی!

مولوی سید محمد یوسف الدین

بعض لوگ اس نام کو پڑھ کر حیران ہوں گے کہ یوسف الدین صاحب کا شخصی خاکہ میں کس طرح لکھ سکتا ہوں کیونکہ ان کا انتقال ہوئے ۴۵ سال ہو گئے اور ان کی وفات کے وقت میری عمر ۱۰ سال کی تھی مگر واقعہ یہ ہے کہ مجھ سے بڑی واقفیت کی وجہ یہ ہے کہ مولوی صاحب میری والدہ کے حقیقی ماموں تھے۔ میرے نانا سید عبدالرحیم صاحب جو حکومت حیدرآباد کے اول تعلقدار (کلکٹر) اور [illegible] اسٹیٹ کے معتمد تھے، نے جس وقت انتقال کیا ہے میری والدہ کمسن تھیں۔ انہیں مولوی صاحب نے اپنے پاس بلا لیا اور خود ان کی نگرانی میں تعلیم و تربیت ہوئی۔ اس طرح شادی ہونے تک والدہ انہی کے پاس رہیں۔ شادی کے بعد اپنے گھر رہنے لگیں مگر مولوی صاحب ہر ہفتہ گھر سے آیا کرتے اور میں دو دو دن تک ان کے ساتھ ہی ساتھ رہتا تھا۔

یوسف الدین صاحب کی ولادت اور تعلیم حیدرآباد میں ہوئی تھی مگر عجیب و غریب دماغ انہوں نے پایا تھا، باوجود صلاحیت اور خاندانی شہرت کے معمولی ملازمت قبول کر لی اور ترقی کرتے کرتے چند ہی سال میں اول تعلقدار (کلکٹر) ہو گئے۔ حضور غفران مکان میر محبوب علی خان شاہ دکن کو آپ پر بڑا اعتماد تھا، چنانچہ [illegible] ریاست [illegible] اسٹیٹ کی معتمدی ان کو ملی مگر آپ نے وہاں کے حالات دیکھ کر کچھ اصلاح کرنے [illegible] کرنے کے بعد معذرت کر لی اور پھر تعلقداری پر چلے گئے۔

مولوی صاحب کی ایک بیٹی نفیسہ پاشا تھیں جن کے [illegible] ڈاکٹر [illegible]، نواب [illegible] جنگ (مرحوم)، نواب رحمت یار جنگ (مرحوم)، حاکم الدولہ کاظم علی صاحب معتمد تعمیرات، محبوب علی صاحب کمشنر کروڑگیری (کسٹم) اور مولوی [illegible] صاحب مولوی عبداللہ صاحب عرف [illegible] شاہ صاحب، خواجہ عبدالقیوم وغیرہ تھے

حیدرآباد میں یوسف الدین صاحب پہلے بزرگ ہیں جنہوں نے شہر سے دور جنگل میں [illegible] کے قریب [illegible] گولکنڈہ کے راستے میں ایک اونچی پہاڑی پر بنگلہ بنایا اس کا نام انہوں نے "جبل السلام" رکھا۔ یہ یورپین وضع کی خوشنما کوٹھی اب تک موجود ہے۔

ابتداً یوسف الدین صاحب نے ایک اینگلو انڈین گھرانے میں جو مسلمان ہو گیا تھا شادی کی، ان خاتون سے کئی لڑکے ہوئے مگر زندہ نہ رہے بالآخر اپنی بہنوں یعنی میری نانی اور دوسری تین بہنوں کے مجبور کرنے سے حیدرآباد کے ایک امیر گھرانہ میں شادی کی اور ان خاتون کے بطن سے کئی لڑکیاں ہوئیں جن میں سے بیشتر اب بھی موجود ہیں چنانچہ بیگم نواب ولی الدولہ ([illegible]) مرحوم [illegible] نظام [illegible] کی بیگم [illegible] ہیں۔

اس کا ایک بہت بڑا منصوبہ جو ریاست حیدرآباد میں تھا جس کی ابتدا تک پہنچ سکی کہ اسے بہت عرصے کی تحقیقات کے بعد مرتب کرایا۔ وہ تھا کہ حیدرآباد کو ایک ماڈل شہر بنایا جائے، چنانچہ ایک نفیس رپورٹ مرتب کی اور اس مقام کو سینی ٹریم بنانے کی تحریک کی، یہ رپورٹ اس قدر مقبول ہوئی تھی کہ حیدرآباد اس وقت شہر حیدرآباد کے متعلق کوئی بات پہنچی نہیں۔ وہاں ایک پیداواری کیفیت، آب و ہوا، جغرافیائی حالات، جنگلات کی جڑی بوٹیوں کے نام، اور اس کے خواص تک لکھے ہیں۔ اب پچاس سال کے بعد اس کی رپورٹ پر عمل کیا گیا ہے اور شہر آباد کر کے سینی ٹریم بنایا گیا ہے۔

اسی طرح تنگبھدرا پراجیکٹ کا خیال بھی سب سے پہلے یوسف الدین صاحب ہی کو آیا اور انہی نے اس کی ابتدائی رپورٹ لکھی تھی، مگر وہ تھے گئے۔ اب تک یہ دو رپورٹیں اور اب کہیں یہ منصوبہ پورا ہوا۔

مولوی صاحب کی ذہانت پیش سازش کا گہوارہ بنی رہی، چنانچہ حیدرآباد بھی اس سے نہ بچ سکا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ آج سے ساٹھ سال پہلے ایک منظم سازش یہاں شروع کی گئی تھی، ایک محضر بنایا گیا تھا جس میں سلطنت کو دوبارہ حضور نظام کی بے اعتمادی کا اظہار کر کے خواہش کی گئی تھی کہ یہاں پالیسی کا اثر کم کیا جائے اور اس محضر پر حیدرآباد کے بڑے بڑے لوگوں نے دستخط کئے تھے۔ یہ محضر وائسرائے کے پاس بھیجا گیا تھا۔
مولوی صاحب کو اس کی اطلاع ملی تو انہوں نے سب سے پہلے حضور نظام کو یہ اطلاع پہنچائی اور پھر اس کے انسداد کی فکر کرنے لگے۔ اس زمانے کا ریذیڈنٹ بھی سازشیوں سے ہمدردی رکھتا تھا اس لئے غالباً اس ... میں دلچسپی لی تھی اور حیدرآباد کے ریذیڈنٹ سے بھی اسی قسم کی کوئی رپورٹ حاصل کی تھی، بہرحال وائسرائے نے اس محضر کو مدراس شہادتوں کے ساتھ منسلک کر کے اپنی ذاتی رپورٹ کے ساتھ لندن بھجوانے کے لئے مہربند لفافہ تیار کر لیا تھا اور یہ لفافہ وائسرائے کے میز کے خانے میں محفوظ تھا کہ مولوی صاحب نے وہاں پہنچ کر کسی طرح یہ لفافہ حاصل کر لیا اور حیدرآباد واپس ہو گئے مگر مولوی صاحب راستے ہی میں تھے کہ گڑبڑ شروع ہو گئی اور وائسرائے کو معلوم ہو گیا کہ انہوں نے لفافہ حاصل کر لیا ہے چنانچہ ٹیلیگرام دوڑنے لگے اور مولوی صاحب جب حیدرآباد اسٹیشن پر ٹرین سے اترے تو انہیں گرفتار کر لیا گیا۔ مولوی صاحب نے راستے ہی سے بعض لوگوں کو تار دے دئیے تھے اور وقار آباد و بیگم پیٹ اسٹیشن پر بعض لوگ موجود تھے جنہیں مولوی صاحب نے اپنا اٹیچی کیس دے دیا تھا جس میں وہ لفافہ تھا۔ اس طرح لفافہ حیدرآباد پہنچ کر محفوظ ہو گیا اور مولوی صاحب نے گرفتار کنندوں سے جھگڑا شروع کیا کہ ریاست میں تحویل ملزمین کا قانون چونکہ نافذ نہیں ہے اس لئے ان کی گرفتاری غیر قانونی ہے۔ بہرحال حکومت برطانیہ کو اسی سلسلہ میں تحویل ملزمین کا قانون نافذ کرنا پڑا اور مولوی صاحب کو گرفتار کر کے ضمانت پر چھوڑ دیا گیا مگر مشکل یہ تھی کہ مولوی صاحب نے جو جرم کیا تھا اس کا اظہار کیا نہ جا سکتا تھا اس لئے چند فرضی الزامات مثلاً وائسرائے کی لاج کے ملازمین کو رشوت دینا وغیرہ کا مقدمہ چلایا گیا مگر پریوی کونسل نے مولوی صاحب کو عزت کے ساتھ بری کر دیا اور حکومت حیدرآباد نے دوران مقدمہ میں جو انہیں معطل رکھا تھا پریوی کونسل کے فیصلے کو دیکھ کر بحال کر دیا اور ایام معطلی کی پوری تنخواہ بھی دلوا دی اور پھر انہیں اول تعلقداری (کلکٹری) سے صوبہ داری (ڈویژنل کمشنری) پر ترقی بھی دی گئی۔

بیان کیا جاتا ہے کہ اس محضر کو حضور نظام نے ملاحظہ نہیں فرمایا یا ملاحظہ فرمانا بھی چاہا تو مولوی صاحب نے عرض معروض کر کے روک دیا اور پھر سربمہر لفافہ اسی حالت میں جلا کر خاک کر دیا گیا۔ البتہ چند سرغنے جو اس سازش کے بانی تھے حیدرآباد سے نکال دئیے گئے ؎

یہ سینہ بلا جلائے دے بخیر گزشت

یہ تو تھے مولوی صاحب کے سیاسی اور انتظامی کارنامے مگر ان کا سب سے بڑا علمی کارنامہ "خط النسخ الاسلامی" ہے۔ قصہ یہ ہے کہ مولوی صاحب کو اردو رسم الخط کی خرابیوں اور اردو ٹائپ کے بھدے پن کا بہت احساس تھا۔ چنانچہ انہوں نے مدت تک غور و فکر کر کے ایک

[illegible] اس سلسلہ میں [illegible] حیثیت سے [illegible]
[illegible] ہاتھ سے [illegible] تھا [illegible] حل [illegible] آپ [illegible]
[illegible] گزشت [illegible] ساتھ [illegible]
[illegible] سے [illegible] بھائی [illegible] مشکل [illegible]
[illegible] اور مولوی صاحب نے خط انتظامی [illegible]

اس [illegible] معاملہ کو مولوی صاحب نے [illegible] صاحب کے ساتھ [illegible] تھا اس لئے [illegible]
[illegible] گورنمنٹ [illegible] صاحب
[illegible] حصوں [illegible]
[illegible] مولوی صاحب [illegible] آگئیں۔

خط اسلامی کو ترتیب حروف [illegible] مولوی صاحب نے [illegible]
[illegible] کو [illegible]
[illegible] انتظامی [illegible]
[illegible] ٹائپ [illegible]
[illegible] چھپائی [illegible] خط انتظامی میں چھاپی گئی۔ اس
نئے خط کو حضور نظام نے بہت پسند فرمایا اگرچہ [illegible] خط انتظامی [illegible]
اور یہ ٹائپ عام ہو جاتا [illegible] مولوی [illegible] صاحب کو
اتنا شدید [illegible] بیمار ہو گئے اور ان کے گلے [illegible] رئیس اور [illegible] ڈاکٹر [illegible]
نہ کر سکے۔ بالآخر مولوی صاحب کو مدراس لے جانا پڑا مگر وہاں بھی علاج نہ ہو سکا [illegible] واپس [illegible] قیام گاہ [illegible]
چلانے کے لئے [illegible] اللہ کو پیارے ہو گئے اور مدراس [illegible] آسودہ ہو گئے۔

خط انتظامی مولوی صاحب کا کارنامہ ایسا کارنامہ ہے کہ اس پر ہندوستان [illegible] ناز کر سکتا ہے۔ [illegible] ٹائپ کی ضرورت محسوس
کی جا رہی ہے اور [illegible] ٹائپ [illegible] ٹائپ [illegible] اردو زبان کو [illegible] نقصان پہنچ رہا ہے [illegible] ضرورت کو محسوس [illegible]
یا لوگ اردو زبان کے لئے [illegible] رومن ٹائپ قبول کرنے کا مشورہ دے رہے ہیں اور [illegible] اللہ کی بے [illegible] پر زور دے رہے ہیں
اس ضرورت کو آج سے پچاس سال پہلے مولوی صاحب نے محسوس کیا تھا اور "علاج حادثہ قبل از وقوع" کے تحت اس کا حل بھی انھوں
نے نکال لیا تھا۔

مولوی صاحب کے انتقال کے بعد والد مرحوم کو خط انتظامی سے بڑی دلچسپی تھی مگر یہ حضرت [illegible] مولوی احمد شاہ قسم کے [illegible] تھے،
[illegible] تعلق کی وجہ سے اصلاح [illegible] بھی [illegible] اس [illegible] کچھ کر نہ سکے۔ مولوی صاحب کے تین فرزند تھے اور یہ تینوں بھی ان کے انتقال
کے وقت کم سن تھے، البتہ مرحوم کی صاحبزادی بیگم [illegible] نہایت قابل [illegible] تھیں جو بفضلہ اب تک موجود ہیں مگر انھیں
اپنے اسٹیٹ کے انتظامی امور سے فرصت نہ مل سکی جو اس ٹائپ کی طرف توجہ کر سکتیں۔ بڑے فرزند مولوی سید فضل الدین نے [illegible]
کو [illegible] گرانی میں [illegible] کیا [illegible] فرزند [illegible] سید نظام الدین گورنمنٹ [illegible] حیدر آباد کے نائب ناظم ہو گئے اور انھیں [illegible]

مگر ان میں بہادر خود اعتمادی جیسی قسم کے اردو ٹائپ ایجاد کئے اور نسخ کا لائنو ٹائپ ہی چلایا جا رہا ہے جس میں حرفوں کی صورت بگاڑ دی گئی ہے اور ٹائپ کے
گو اس میں حرفوں کی صورت ہوا و نشست اور کرسی کی آفت ہے۔

میں بچپن سے خط نستعلیق سے مانوس ہوں میرے سامنے اس کا استعمال ہوتا اور دس بارہ سال کی عمر ہی سے میں نے لکھنا سیکھی سیکھا اردو دنیا چونکہ نستعلیق ٹائپ کے چکر میں پھنسی ہوئی تھی اس لئے میں انتظار کر رہا تھا کہ نستعلیق ٹائپ کا دور کا سلسلہ ختم ہو جائے اور اردو دنیا نستعلیق کی ناکامی کو اچھی طرح سمجھ لے تو میں اس خط کو پیش کروں، خدا کا شکر ہے کہ اب وقت آ گیا ہے اور اردو زبان کے لئے ایک ایسے ٹائپ کی ضرورت محسوس کی جا رہی ہے جو منفرد حروف میں لکھا ہو، خوبصورت ہو، چھپنے میں آسان ہو، جس کا لائنو ٹائپ تیار ہو سکے بھی بن سکے اور ٹائپ رائٹر بھی بن سکے۔

اس سب خصوصیات کا حامل "خط انتظامی" ہے۔ چونکہ یہاں موقع نہیں ہے اس لئے میں اس خط کو پیش نہیں کر سکتا انشاء اللہ ... کے کسی آئندہ شمارہ میں خط انتظامی پیش کروں گا۔

معاف فرمائیے اس تفصیل میں زیادہ وقت ضائع ہو رہا ہے اور مولوی یوسف الدین کی نسبت ابھی بہت سی باتیں ہیں۔ مولوی صاحب سرخ و سپید بزرگ تھے انتقال کے وقت ساٹھ ایک سال کی عمر تھی پر اتنے بھاری بھرکم جسم، گول چہرہ بڑا ہی رعب دار، بھروان داڑھی جب خضاب لگایا جاتا تھا، سر پر انگریزی وضع کے بال، ہمیشہ سیدھی مانگ نکالا کرتے تھے، سر پر صرف منصب دار کی پگڑی، دستار ہوتی، دو سو ٹوپی کبھی کبھار پہنتے تھے، طیلسانی روایتی ۱۹۰۶ء سے پہلے میں نے انہیں سوٹ پہنتے ہوئے بھی دیکھا ہے مگر ٹائی نہ لگاتے تھے گو بد پیٹ لیا کرتے تھے۔ جس کپڑے کی شیروانی ہوتی اسی کپڑے کی پتلون بھی ہوتی تھی۔ صرف نماز کے لئے عیدین یا جمعہ کو مسجد جاتے تو ڈھیلا ڈھالا پاجامہ پہنتے یا گھر پہ پاجامہ رہتا ورنہ ہمیشہ پتلون اور شیروانی پہنا کرتے، گھر میں ململ کا کرتا اور پاجامہ پہنتے مگر یہ پہنے ہوئے یا تو اندر لیٹے رہتے یا پھر اندر ہی رہتے ہیں اس لباس میں نظر آتے، ڈرائنگ روم میں بغیر شیروانی کے نہیں آتے تھے، متانت و سنجیدگی کا یہ حال تھا کہ انہیں کھلکھلا کر ہنستے ہوئے کسی نے بھی نہیں دیکھا البتہ مسکراتے ضرور تھے، گفتگو نہایت مختصر کرتے بلکہ اشاروں سے مطلب ادا کیا کرتے تھے، تحریر اور تقریر دونوں مختصر، تقریر تو ان کی کسی نے نہیں سنی کیونکہ دو چار جملوں ہی میں اپنا مطلب ادا کر دیتے تھے۔

میری والدہ کو بہت چاہتے تھے اور وہ ان کی خدمت میں گستاخ بھی بہت تھیں چونکہ باتیں بہت کرتی تھیں اس لئے مولوی صاحب انہیں طوطی پکارا کرتے تھے۔ میری ولادت ہوئی تو مولوی صاحب نے میرا نام رکھا "ابو رضا سید مصباح الدین" یہ تاریخی نام تھا اور سنہ ولادت ۱۳۲۱ھ نکلتے تھے، مجھے ابو رضا پکارا کرتے تھے کبھی کبھی موڈ میں ہوتے تو "طوطا" بھی کہتے۔

میری تسمیہ خوانی (بسم اللہ) ہوئی تو مولوی صاحب نے مجھے سوٹ سلوا دیا اور اس کے بعد سے اپنے انتقال تک ہر مہینے مجھے ایک سوٹ سلوایا کرتے، اپنے بچوں کے لئے جب کپڑے بنواتے میرے لئے بھی بنوا دیتے اور اپنی لڑکیوں کے لئے جب کپڑے تیار کراتے میری والدہ اور خالہ کے لئے بھی بنواتے تھے۔

میرے نانا سید رحیم الدین صاحب کی جائداد سے جو روپیہ ملا تھا اسے مولوی عبدالباقر خاں وکیل حیدرآباد کے پاس محفوظ کرا دیا تھا۔ جب ضرورت ہوتی میری نانی مجھے بھیج کر وکیل صاحب کے پاس سے روپیہ منگوا لیتیں۔ مولوی عبدالباقر خاں سے مولوی صاحب کی بڑی گہری دوستی تھی کیونکہ ان کا ہر کام انہیں کے مشورے سے ہوتا تھا اسی طرح مولوی عبدالغفور صاحب وکیل سے بھی ان کے پر خلوص مراسم تھے انہی مراسم کی وجہ سے مولوی صاحب کی بڑی صاحبزادی مولوی عبدالغفور صاحب کے صاحبزادے سے بیاہی گئیں اور مولوی عبدالباقر خاں صاحب کے فرزند مولوی عبدالباسط خاں (جو بعد کو باسط جنگ ہوئے) کو مولوی صاحب نے دوم تعلقدار بنایا اور پھر صوبہ داری گلبرگہ کی مددگاری پر مقرر کیا تھا۔

مولوی صاحب کی [illegible] سنبھالا [illegible] حال تھا کہ کسی سے بحث نہ کرتے تھے [illegible] بعد [illegible] ہو گیا جاتے [illegible] ایک [illegible] مولوی صاحب [illegible] آپ نے شاید [illegible] جا کر دیکھ [illegible] کو شروع کیا [illegible] پھر جب سب [illegible] دیکھتے [illegible] ہے اور زندگی کے کوئی آثار [illegible] مولوی صاحب سے [illegible] کہ [illegible] سے [illegible] جاتے [illegible] دودھ [illegible] جائے [illegible] پیا [illegible] دودھ [illegible] ہوش [illegible]۔

ایک دفعہ مولوی صاحب بمبئی کے دورہ پر گئے ہوئے تھے واپسی پر گھر سے [illegible] خوب [illegible] مولوی صاحب ٹانگے سے اتر کر پیدل چلتے ہوئے گھر پہنچے [illegible] شام [illegible] پر [illegible] گئے [illegible] ہوتا تھا [illegible] کمرے میں [illegible] تھا اور [illegible] مولوی صاحب پلنگ پر بیٹھے اپنے پاؤں [illegible] اپنے پاؤں [illegible] تھا [illegible] مولوی صاحب [illegible] پلنگ پر بیٹھے اپنے پاؤں [illegible] پندرہ [illegible] پاؤں [illegible] نہیں کیا [illegible] اپنے پاؤں آپ [illegible] ہے۔

میری نانی جو مولوی صاحب کی پھوپھی بھی اور اپنے بھائی [illegible] مولوی صاحب کے گھر کا پانی تک نہ پیتی تھیں جب میں نے بڑی ہو کر ان سے پوچھا "اماں آپ ماموں جان کے گھر میں کھانا [illegible] ہیں [illegible]" تو انہوں نے کہا "بیٹا [illegible] مسلمان بنا لیا ہے اس لئے ان کے گھر کا کھانا پانی میرے لئے حرام ہے" [illegible] نہیں بتایا ایک روز جبکہ مولوی صاحب مجھے اپنے ساتھ سکندر آباد لئے جا رہے تھے میں نے خود ان سے [illegible] پوچھا [illegible] کہ مسلمان کیا [illegible] پھر میں نے سارا قصہ سنایا اور بتایا کہ اماں نے ایسا کہا ہے تو مولوی صاحب نے [illegible] قہقہہ لگایا اور کہا — [illegible] ایک سوسائٹی ہے [illegible] یہ ایک اخلاقی سوسائٹی ہے جس کے رکن [illegible] کسی مذہب کے پیرو [illegible] روحانیت کے قائل ہوں۔ میں بھی اسی [illegible] یہاں کے [illegible] اس سوسائٹی [illegible] مشہور کر دیا۔ یہی بات تمہاری نانی نے بھی سنی ہوگی، چنانچہ سکندر آباد سے واپس آکر مولوی صاحب نے اپنی بہن کو سمجھایا اور وہ اپنے بھائی کے گھر [illegible] کھانے پینے لگیں۔

مولوی صاحب کی وضعداری اور [illegible] حیدرآباد بھر میں مشہور تھا کسی کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔ [illegible] صدر اعظم اور معتمد [illegible] تھے اور [illegible] ان کے افسر تھے جب کبھی [illegible] دورے پر آتے مولوی صاحب صوبہ داری کی جھنڈی کی گاڑی اسٹیشن بھجوا دیتے اور [illegible] بیٹھ کر استقبال کے لئے جاتے اور اسٹیشن سے ساتھ لاتے مولوی صاحب اپنے ڈرائنگ روم میں آرام کرسی پر بیٹھے رہتے جب [illegible] دروازے میں پہنچ جاتے تو یہ کرسی سے اٹھ کر دروازے تک جا کر ان کا استقبال کرتے اور ہاتھ ملا کر ڈرائنگ روم میں لا کر اپنے برابر آرام کرسی پر بٹھا لیتے اور جب [illegible] واپس ہونے لگتے تو بھی انہیں چھوڑنے اسٹیشن نہ جاتے بلکہ [illegible] دروازے ہی میں کھڑے کھڑے خدا حافظ کر دیتے تھے۔

کرم … کی بیرسٹری … مستعفی روز … پکڑا … کے معتمد کے تھے کسی سلسلہ میں ان سے خفا ہو کر طلب … نے لکھا کہ … ڈاک … مرزا صاحب نے اس کے جواب میں … کر لکھا کہ مضمون بھی افسوس ہے اس نے … رشوت لی … اپنی حیثیت سے … چالیس پچاس روپے … گے یہ تو … نہیں کی جا سکتی۔ علاوہ ازیں یہ غریب ہندوستانی غیر مہذب ہے اس لئے … پر نہیں ہو سکتا۔ مہذب ٹھاکر ہے جس نے لاکھوں روپیہ قحط کا ہضم کر لیا اور ڈکار تک نہ لی۔" آخری خطوط … پر چسپاں کیا گیا تھا کیونکہ … قحط کے انتظامات میں غضب وارے نیارے کئے تھے۔

تحریر اور … مرزا صاحب ضرب المثل تھے … خانگی خطوط بھی سرکاری سیاہی سے نہیں لکھتے تھے، دفتر کا … سے خانگی کام … نہ لیتے تھے۔ انہوں نے کبھی سرکاری کاغذ خانگی تحریروں کے لئے استعمال نہیں کیا۔ ایک دفعہ محبوب نگر کے دورہ پر تھے۔ والد نے انہیں خط لکھا تو چند روز کے بعد جواب دیا اور شروع ہی میں لکھا کہ میں دورہ پر تھا، تمہارا خط … مل گیا میرے ساتھ … لفافہ نہ تھے اور نہ … مل سکتے تھے۔ تمہیں معلوم ہے کہ سرکاری لفافے کا غیر خانگی کاموں کے لئے استعمال نہیں کرتا اس لئے مجبوراً … کر جواب لکھ رہا ہوں۔

سلطان نواز جنگ حیدرآباد کے ایک بہت بڑے جاگیر دار تھے انہوں نے … سے بہت سا روپیہ لیا تھا اس کا مقدمہ چل رہا تھا بالآخر ایک کمیٹی مقرر ہوئی جس کے رکن مرزا صاحب بھی بنائے گئے۔ سلطان نواز جنگ کی بیوی میرے والد کی حقیقی خالہ تھیں۔ اس لئے والد نے خصوصیت سے مرزا صاحب سے سفارش کی مگر مرزا صاحب نے فوراً ہی ٹکا سا جواب دیا اور والد نے سلطان نواز جنگ کو بتا دیا۔ سلطان نواز جنگ نے اس خوف سے کہ یوسف الدین صاحب میرے خلاف تصفیہ نہ کر دیں حضور نظام سے عرض کیا۔ انہوں نے مرزا صاحب سے فرمایا کہ سلطان نواز جنگ سے رعایت کریں تو مرزا صاحب نے عرض کیا کہ معاف … سلطان نواز جنگ سے کوئی رعایت نہیں کی جا سکتی بہتر یہ ہے کہ کمیٹی میں میری شرکت ہی نہ ہو اور میری غیر حاضری میں دوسرے اراکین تصفیہ کر دیں ورنہ میں ان سے کسی قسم کی رعایت کرنے کو تیار نہیں ہوں، چنانچہ ایسا ہی ہوا اور مرزا صاحب کی غیر موجودگی میں مقدمہ کا تصفیہ ہوا اور … کی اقساط مقرر ہوئیں۔

رعب داب کا یہ عالم تھا کہ اول تعلقدار (کلکٹر) ان سے آنکھ نہ ملا سکتے تھے۔ کبھی کسی کو آپ کے سوا نہیں کہتے تھے … کا البتہ تم اور تو کہہ کر مخاطب کر لیتے مگر غیروں کو کبھی تم نہ کہتے تھے۔ ان کا بیٹا … بھی آپ ہی سے مخاطب کیا جاتا تھا۔ حیدرآباد کے امراء سے برابر سے ملتے تھے اور کسی سے مرعوب نہ ہوتے تھے۔ نظام الدین حسن بی اے ایل ایل بی چیف جسٹس ہوئے تو نہ جانے کیا بات ہوئی کہ مرزا صاحب سے سخت مراسلت ہونے لگی۔ مرزا صاحب نے اس شدت سے حملہ کیا کہ نظام الدین پریشان ہو گئے اور معافی مانگ کر جان چھڑائی۔

چونکہ مرزا صاحب کے والد حکیم زین العابدین بڑے اچھے طبیب تھے اس لئے انہیں بھی طب سے خاصا لگاؤ تھا اور اس فن کے معلومات بھی خاصے تھے۔ خود ذیابیطس کے مریض تھے اور پرہیز بہت سخت کرتے تھے۔ صحت کے متعلق مشورے بڑے عمدہ دیتے تھے۔ والد مرحوم جگر کی خرابی سے علیل ہو گئے تو انہیں مسلسل ہدایات لکھتے رہے یہ خطوط میرے پاس محفوظ ہیں اور بڑے کار آمد ہیں … لکھتے تھے۔ ان کی تحریر میں دکنیت کا شائبہ تک نہ تھا مگر بول چال بالکل دکنی تھی البتہ لہجہ دکنی نہ ہوتا تھا ہمیشہ دلی کے لہجہ میں بات چیت کرتے تھے۔

مظفر جنگ

اعلیٰ حضرت غفران مکان میر محبوب علی خاں شاہ دکن کی ہمشیرہ نواب مظفر جنگ سے بیاہی گئیں اور نواب موصوف کے بھائی نواب

[illegible]

[illegible] نواب مظفر جنگ [illegible]

[illegible]

[illegible] مظفر جنگ [illegible] ہیں۔

مظفر جنگ بہادر عالم فاضل [illegible] بزرگ تھے [illegible]

[illegible] نواب [illegible]

[illegible] جنگ کی ڈیوڑھی [illegible] تفسیر حدیث فقہ [illegible]

[illegible] نواب صاحب [illegible] بزرگ تھے سرخ و سفید رنگ [illegible]

[illegible] حاضری دیتے تھے۔

ڈیوڑھی کے [illegible] لال پردے میں ایک مسند بچھی ہوتی اس پر گاؤ تکیہ سے ٹیک لگائے نواب صاحب بیٹھتے اطراف حاضرین اپنی اپنی حیثیت کے موافق بیٹھ جاتے [illegible] حسب مراتب بعضوں کو سرفراز ہوتی۔ خاصدان میں پان رکھے رہتے سب لوگ بے تکلف پان کھاتے حقہ پیتے اور باتیں کرتے مگر اس بے تکلفی میں بے ادبی کا شائبہ تک نہ ہوتا۔ ادب آداب قاعدہ بھی سب کے پیش نظر رہتا۔

خاندانی کتابی ذخیرے کے علاوہ خود نواب صاحب نے بہت زیادہ کتابیں جمع کی تھیں وہ [illegible] کتب خانے کے تھے جس میں ہزاروں کتابیں تھیں اور بیشتر قلمی مخطوطات تھے، معتبر تھیں خود نواب صاحب کو تصنیف و تالیف کا شوق تھا کم از کم پچاس کتابیں خود انہوں نے لکھی تھیں جو اپنے دوستوں کو سنایا کرتے تھے میں نے ان کی ڈیوڑھی میں کبھی کوئی بات بیکار نہیں سنی ہمیشہ علمی ادبی مذہبی گفتگو ہوتی رہتی تھی۔

علاوہ خاندانی جاگیر اور منصب کے عہدہ "صدر الصدور" سے بھی سرفراز تھے اور غالباً صدر المہامی (وزارت) امور مذہبی اسی عہدے کا ضمیمہ تھی۔

اس وجہ سے سارے علما یہیں جمع ہوا کرتے تھے۔ طالب علموں سے نواب صاحب کو بڑی دلچسپی تھی ان کی بہت مدد کرتے تھے۔ مدرسہ منصب داران میں ایک لڑکا جماعت منشی میں میرے ساتھ پڑھتا تھا یکایک اس نے مدرسہ چھوڑ دیا چونکہ تیز اور ذہین لڑکا تھا اور مجھ سے خاص دوستی ہو گئی تھی اس لئے میں نے اس کا پتہ چلایا اور اس کے مکان پر جا کر ملاقات کی اور مدرسہ ترک کرنے کی وجہ دریافت کی تو اس نے کہا کہ اس کے والد نے یکایک انتقال کیا ہے اور چونکہ وہ ملازم تھے اور انہی کی تنخواہ پر خاندان کی گذر بسر تھی اس لئے اب کوئی ذریعہ معاش خاندان کا نہ رہا اور [illegible] حالت [illegible] کہ وہ [illegible] ہو سکے [illegible] نوکری کرے اس لئے اس نے تعلیم چھوڑ دی ہے۔

یہ سال بڑی [illegible] مصیبت کا تھا اور میں نے اس لڑکے کو اپنے ساتھ لے لیا اور نواب صاحب کے پاس لے کر چلا گیا۔ میں نے حالات سنائے تو نواب صاحب بہت متاثر ہوئے پھر مجھ سے فرمایا کہ اس لڑکے کی ماں کی طرف سے ایک درخواست اور دونوں بہنوں کی طرف سے دو درخواستیں الگ الگ لکھواؤ اور قلمدان منگوا کر ایک چٹھی ناظم تعلیمات کے نام لکھ دی کہ اس لڑکے کے نام وظیفہ یا سکالرشپ جاری کر دیا جائے۔ جب وہ رخصت ہونے لگا تو پچیس روپے نقد مرحمت فرمائے اور تسلی دلاسا دیا اور فرمایا کہ کل سے مدرسہ جایا کرو۔ تمہاری بہنوں کے نام اور تمہارے نام جو وظیفہ ہوگا ان سب کی مجموعی رقم تمہارے والد کی تنخواہ کے برابر ہو جائے گی چنانچہ ایسا ہی ہوا اور اس لڑکے نے اطمینان کے ساتھ منشی فاضل کامیاب کر کے تعلیمات میں ملازمت کر لی اور جلد ہی صدر مدرس و ہیڈ ماسٹر بھی ہو گیا۔

مولوی عبدالجبار خان آصفی امیر پائیگاہ کے گھر کے سامنے ایک بڈھا دربان رہتا تھا۔ اس کی بڑھیا دونوں آنکھوں سے معذور تھی۔ وہ بڈھا مر گیا تو مولوی صاحب نے بڑھیا کے سامنے ہی نواب صاحب سے عرض کیا۔ نواب صاحب نے درخواست پیش کرنے کے لئے فرمایا۔ دوسرے روز مولوی صاحب نے بڑھیا کے ہاتھ سے درخواست لکھوائی اور خود اس پر تصدیق کی اور پانچ روپیہ ماہوار تنخواہ کی سفارش بھی لکھی اور مجھ کو دیا کہ پیش کر دو۔ میں نے پیش کیا تو درخواست پڑھ کر نواب صاحب نے دس روپیہ ماہوار کی اجرائی کی تجویز کی اور دوسرے مہینے ہی سے تنخواہ جاری ہو گئی۔

نواب صاحب کے انتقال کے وقت کئی صاحبزادے تھے۔ نواب محب اللہ خاں جو علی رضائی کے نام سے مشہور ہوئے، بڑے علم دوست اور ادب نواز اور اچھے شاعر تھے مگر طبیعت میں لاابالی پن تھا۔ حیدرآباد میں رہتے تھے۔ ارباب ادب کے نام سے ایک ماہوار رسالہ اور اسی انجمن سے ایک ماہنامہ "تحفہ" بھی نکالتے رہے جو ایک آدھ سال سے زیادہ نہ چل سکا۔ آخر میں علی رضائی نے ترک دنیا کر دیا تھا اور تقریباً گوشہ نشین ہو گئے تھے۔

نواب صاحب کے دو اور صاحبزادے نواب سردار جنگ اور نواب قادر جنگ ان کے انتقال کے وقت کم سن تھے۔ بعد کو تحصیل تعلیم کی غرض سے یورپ گئے اور بیرسٹری کی سند لی۔ سردار جنگ بہادر اب مجسٹریٹ ہیں اور قادر جنگ بہادر نے معتمدگی کے عہدہ پر پہنچ کر وظیفہ (پنشن) لے لیا ہے۔

مرحوم کی کتابیں نہ تو علی رضائی نے چھپوائیں اور نہ سردار جنگ اور قادر جنگ نے۔ معلوم نہیں مسودے باقی بھی ہیں یا تلف ہو گئے۔

حیدرآباد میں محرم میں جو تماشے اور مخرب اخلاق حرکات ہوتی تھیں ان کے سدباب کی طرف سب سے پہلے نواب صاحب ہی نے قدم اٹھایا اور مکہ مسجد میں شیخین کے فاتحہ اور خاص خاص ایام میں نمازوں اور وعظوں کا بندوبست بھی شروع کیا۔ اضلاع میں واعظین مقرر کئے اور حیدرآباد کے مسلمانوں کو حقیقی مسلمان بنانے کی طرف توجہ کی مگر قدرت کو یہ منظور نہ تھا۔ شرک و بدعت کو بھی عمر دی گئی تھی اس لئے نواب صاحب کی عمر کم ہو گئی اور انہوں نے ایسے وقت انتقال کیا جب کہ حیدرآباد کو ان کی شدید ضرورت تھی۔ اس خاندان کا علم و فضل انہی کے ساتھ ختم ہو گیا۔ سچ ہے

فخر ہوتا ہے گھرانے کا سدا ایک ہی شخص

انواراللہ خان

مولانا انواراللہ خان المخاطب بہ فضیلت جنگ بہادر مرحوم حیدرآباد کے قدیم علماء میں سے تھے۔ آپ کا خاندان قدیم دکنی تھا اور مشہور بزرگ حضرت شاہ رفیع الدین قندھاری قدس سرہ سے آپ کے خاندان کا تعلق تھا۔ بلحاظ فضیلت و علمیت حیدرآباد میں کوئی عالم آپ کے پایہ کا

[illegible] آپ کو [illegible] کے [illegible] آپ [illegible] اور اس کی بابت دیتا تھا۔ آپ کو [illegible] کی
[illegible] سے [illegible] ہو گئے [illegible] آپ [illegible]
[illegible] آپ ہی [illegible] رہا۔

آپ کے [illegible] "مجلس اشاعت العلوم" کی بنیاد آپ نے [illegible]
[illegible] کی [illegible] اور اپنی ساری توانائیاں اس کے لئے صرف کر دیں۔ [illegible] اس سے [illegible]
[illegible] کا آغاز سایت [illegible] سمجھا۔

[illegible] مل سکتے اور [illegible] کام میں مشغول رہتے تھے۔ چنانچہ [illegible] بھی [illegible]
[illegible] اس لئے سیاسی [illegible] صحت [illegible]
[illegible] رکھا تھا کہ [illegible] تعلیم کا [illegible] خدمت [illegible]
[illegible] اس کے ساتھ ہی ساتھ روشن خیال [illegible] چنانچہ [illegible]
[illegible] اب خود [illegible] جہاں [illegible] نے [illegible]
[illegible] رکھا گیا۔ [illegible] العلوم [illegible]
[illegible] نظامیہ [illegible] ایک [illegible]
سکا۔ اب بھی نظامیہ چل رہا ہے مگر اس کا معیار [illegible] جا رہا ہے۔

مولانا [illegible] "مجلس اشاعت العلوم" کا قیام تھا۔ اس مجلس سے [illegible] کی کتابیں [illegible] کی کتابوں کی
اشاعت بھی [illegible] اور یہ کام نسبتاً نظامیہ کے زیادہ فائدہ مند اور [illegible] رہا۔ مولانا نے [illegible]
[illegible] اس کے علاوہ فتنۂ قادیانیت کے خلاف بھی مولانا نے کئی کتابیں [illegible]
[illegible] فرمائی ہے۔ بہرحال عربی، فارسی، اردو تینوں زبانوں میں بہترین کتابیں اس مجلس نے شائع کیں [illegible]
[illegible] رہا۔

ان علمی کاموں کے علاوہ مولانا نے [illegible] کے دفتر میں "[illegible]" بھی قائم کر دیا تھا اور [illegible] قاضی [illegible]
[illegible] وغیرہ کے لئے نصاب تعلیم مقرر کر کے امتحان بھی مقرر کرا دیا تھا جس سے [illegible] کے مذہبی لوگوں کو فائدہ پہنچا چاہئے
تھا مگر بدنصیبی سے نہ پہنچ سکا۔ کیونکہ مولانا کے بعد [illegible] ایسے لوگوں کے ہاتھ میں چلا گیا جن کو ان باتوں سے دلچسپی ہی نہ تھی۔

میرے والد مرحوم سے مولانا کے مراسم بہت قدیم اور پرخلوص تھے جس کی وجہ سے مجھ پر بڑی شفقت و عنایت فرمایا کرتے [illegible]
[illegible] جب بھی حاضر خدمت ہوتا مجھ سے بڑی بے تکلفی کے ساتھ گفتگو [illegible] چونکہ میں بچپن ہی سے شعر و سخن کا ذوق رکھتا تھا [illegible] کلام
مجھے بہت یاد تھا اس لئے مجھ سے فرمائش کر کے شعر سنتے اور اگر کوئی اچھا ہوتا تو اپنے شعر بھی مجھے سناتے۔ میرا ذاتی خیال ہے کہ عالم شاعر
نہیں ہو سکتا، معاف کیجئے میں نے غلط لکھ دیا ہے "عالم شاعر نہیں ہوتا" اگر وہ شعر کہنے لگے تو شاعر ضرور ہو جاتا ہے مگر شاعری کی روح غائب
ہو جاتی ہے اور صرف موزونیت باقی رہ جاتی ہے خصوصاً عربی ادب کا ماہر اور عربی شعر کا واقف کوئی ہو اور اردو زبان میں شاعری کرنے لگے تو پھر
موزونیت کی بھی خیر نہیں ہوتی موزوں اردو شعر بھی عربی شعر کی طرح [illegible] ناموزوں معلوم ہونے لگتا ہے، چنانچہ یہی کیفیت میں نے
مولانا میں محسوس کی۔ مولانا کا پایۂ علم بہت بلند تھا۔ عربی ادب پر بھی خاصا عبور تھا اسی وجہ سے طبیعت میں ایک قسم کی [illegible] جو شاعری کے

مزاج تھی اس میں شک نہیں کہ مولانا صاف صاف جب شعر کہتے تھے کلام موزوں ہوتا تھا اور کبھی کبھی مولانا بات بات پر باوجود اس علم و فضل کے مولانا تقریر میں کوئی خاص بات پیدا نہ کر سکے اور مناظرہ تو کبھی نہ کر سکتے تھے کوئی اعتراضات کاٹ دیتا تو خاموش ہو جاتے پھر گفتگو ہی ختم فرما دیتے۔ ایک دفعہ میرے سامنے ایک شخص نے کچھ پوچھا اور مولانا اس کا جواب دینے لگے کہ اس نے کہا نہیں ایسا نہیں ہے ایسا ہے تو مولانا نے خاموشی اختیار کی پھر اس نے بہت کہا کہ فرمائیے مگر کوئی بات ہی نہیں کی اور شکل کھلے ... مخالف کو چپ کرا دینا بحث مباحثہ مناظرہ کرنا ان کی طبیعت کے خلاف تھا۔ نہایت متین، خاموش اور باوقار تھے۔ لکھتے خوب تھے اور علمی کو اس عمدگی سے تحریر فرماتے کہ پڑھ کر جی خوش ہو جاتا تھا، تحریر میں زیادہ شگفتگی نہ تھی مگر صاف اور مدلل تحریر ہوتی تھی۔

بدنصیبی سے ایک جماعت حیدرآباد میں ان کی مخالفت پر آمادہ ہوگئی تھی اس سلسلے کے خلاف خاصا پروپیگنڈا ہوا اور بعض غلط الزامات لگائے گئے اور مشہور کیا گیا کہ مولانا نے ائمہ متقدمین کے خلاف فتوے دئیے ہیں مگر یہ سب غلط تھا، مولانا نہایت محتاط اور شرع کے پابند بزرگ تھے۔

میں نے مولانا کی شاگردی باقاعدہ نہیں کی ہے مگر بیشتر فائدہ اٹھایا ہے چنانچہ جب کبھی حاضر خدمت ہوتا کوئی نہ کوئی بحث چھیڑ دیتا، پوچھ بیٹھتا اور مولانا اس کو بڑی عمدگی سے بیان فرما دیتے اس طرح میرے سامنے بہت کچھ پڑھ جاتا۔

بدقسمتی سے نظامیہ سے کوئی خاص ہستی نہ نکل سکی جو اس دارالعلوم کا نام روشن کرتی ورنہ جتنے فارغ التحصیل ہوئے ان میں محمد بادشاہ حافظ محمد سعید فرید پاشاہ، شاہ قادری، سید رشید پاشاہ قاضی، مفتی اشرف علی وغیرہ نسبتاً مولوی رکن الدین اور حکیم مصطفیٰ ... نکلے مگر جس طرح دیوبند مولوی شبیر احمد اور دیگر حضرات اور ندوہ مولانا سید سلیمان، مولوی معین الدین، مولوی عبدالسلام ندوی پر ناز کر سکتا ہے نظامیہ کسی کو پیش کر کے اظہار افتخار نہیں کر سکتا۔ میری رائے یہ ہے کہ یہ ملک کی بدنصیبی ہے ورنہ مولانا کی نیک نیتی میں کوئی کلام نہیں، انھوں نے تن من دھن سب نظامیہ کے لئے نثار کر دیا اور چونکہ وہ خود پرانے سلف کے بزرگ تھے اس لئے اسی طرح کا مدرسہ قائم کیا ان کے بعد نظامیہ کے کارپردازوں کو زمانہ کا ساتھ دیتے ہوئے روش بدلنی چاہئے تھی مگر افسوس ہے کہ ایسا نہیں ہوا۔

عبدالجبار خاں آصفی

مولانا عبدالجبار خاں آصفی کا خاندان بہار پوری تھا اور مولانا رام پور ہی سے حیدرآباد آئے تھے، پرانی وضع کے عالم اور متقی بزرگ تھے، مولانا حالی اور مولانا شبلی ان کے معتقد تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ جید عالم اور مستعد طالب علم تھے، کسی کو خاطر میں لاتے نہ کسی سے دبتے تھے علم و ادب میں لمبی پہلوانی فرماتے تھے، مغلپورہ ہی میں میرے مکان کے قریب رہتے تھے۔ والد مرحوم سے گہری دوستی تھی اور میرے خاندان کے بیشتر افراد سے محبت و مروت تھی اس لئے مجھ پر شفقت فرماتے تھے۔ ایک روز میں کتاب بغل میں دابے ان کے مکان کے سامنے سے جا رہا تھا۔ یہ گھر سے نکلے تو میں نے سلام کیا۔ پوچھا کہاں جا رہے ہو؟ میں نے عرض کیا فلاں صاحب کے پاس۔ کہنے لگے کیا پڑھ رہے ہو؟ میں نے عرض کیا ظہوری ہے۔ فرمانے لگے، بے وقوف وہ صاحب تجھے ظہوری پڑھا سکیں گے؟ اجی وہ خود پڑھ سکیں گے؟ تجھ سے کس بے وقوف نے کہا کہ اس جاہل سے پڑھے۔ میں نے کوئی جواب نہیں دیا فرمانے لگے کل سے میرے پاس آیا کرو۔ چنانچہ دوسرے روز سے میں نے باقاعدہ پڑھنا شروع کر دیا۔ فارسی کا ایسا طیار عالم میری نظر سے نہیں گزرا۔ ایک دریا تھا جو رواں تھا۔ اس طرح سے پڑھاتے کہ بغیر یاد کئے سبق ذہن نشین ہو جاتا اور لغات اس عمدگی سے حل کرتے کہ پھر ذہن سے نہ اترنے پاتے یہ وہ زمانہ تھا جب کہ آصفی مسٹر آصفی

[illegible] ایسا معروف [illegible] وقت [illegible] ہو سکا۔

[illegible] آپ کے [illegible]
[illegible] مسلسل [illegible]
[illegible]
[illegible] غزل [illegible]
[illegible] حافظ نے [illegible]
[illegible] غزل کسی کی [illegible]
[illegible] صفات [illegible]
[illegible] تھی۔

[illegible]
[illegible] تفسیر [illegible]

[illegible]
مولانا شبلی [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible] ایک لطیف [illegible]
[illegible] غزل [illegible]
[illegible] اصلاح شدہ غزل [illegible]
[illegible] پاس بھجوا دیں [illegible]
[illegible] کر دیا۔ [illegible]

[illegible] انھیں منایا۔

[illegible] اور مقطع میں ان کی تعریف کر دیتے جس [illegible]
تسکین نے انھیں بہت [illegible]
[illegible] آسی کی غزل [illegible]
[illegible] جب خفا ہوتے تو [illegible]
سب سے بڑی خصوصیت [illegible] طلباء کی امداد کرتے [illegible]
[illegible] تو صاف بھی ہو جاتے تھے۔ [illegible]
حاجت کی خدمت کرتے [illegible] کی خدمت بھی کرتے جاتے تھے۔

عبدالجبار خاں صوفی

مولانا عبدالجبار خاں صوفی ملکاپوری [illegible] حیدرآباد [illegible] کے [illegible] تھے۔ [illegible] حیدرآباد کے [illegible]

خاندانِ شاہی سے قرابت و قرب رکھنے والوں کے سے کام کیا کرتے تھے، یہ کلکتہ و مرحوم کے [illegible] ۔ سنہ ۱۹۲۰ء میں تعلیم پائی تھی اور صوفی صاحب [illegible]
بھی وہ پڑھے تھے اس لئے جب بھی وہ [illegible] بلکہ صوفی صاحب سے منسوب تھے احسان کے ساتھ [illegible] پڑھ [illegible]
استاد تھے اس لئے [illegible] ملاقات میں میرے احباب اکثر رہتے تھے [illegible] جایا کرتا تھا اور جب
[illegible] صوفی صاحب [illegible] گذشتہ دور کی معروفیات کا حال سناتے تھے ۔

تذکرۂ شعرائے دکن دو جلدوں میں، تذکرۂ اولیائے دکن دو جلدوں میں، اور تاریخ دکن کئی جلدوں میں مرتب کی تھی۔ تذکرے تو کل چھپ گئے مگر تاریخ دکن کی ایک ہی جلد طبع ہو سکی، مرحوم کو کاروبار کرنے کا ڈھب آگیا تھا اور بڑا سستا کام کر کے کارے دام وصول کرتے تھے اس سلسلہ وہ چار تذکروں کو سامنے رکھ کر اور چار چھ آدمیوں کے حالات حاصل کر کے تذکرے مرتب کر دیتے تھے اور انھیں بیچ کر بیس پچیس ہزار روپیہ ان کی چھپائی کے لئے بھی حاصل کر لیا تھا اس طرح خوب فائدہ اٹھایا۔

بڑے [illegible] پسند اور بزرگ [illegible] کے بزرگ تھے ایک دفعہ فرمانے لگے میاں! تصنیف و تالیف بڑی مشکل چیز ہے۔ خونِ جگر کھانا پڑتا ہے تب کہیں کتاب لکھی جاتی ہے۔ میں نے عرض کیا قبلہ ایسی کتاب جیسی کہ آپ نے شعرائے دکن لکھی ہے حکم ہو تو ایک ہفتے میں مکمل کر دوں۔ یہ سن کر بہت خفا ہوئے میں تو بھاگ کھڑا ہوا مگر آپ نے فوراً مولوی خادم الدین احمد [illegible] یار جنگ ہوئے سے شکایت کی۔ [illegible] بھی ان کے شاگرد و [illegible] کے [illegible] تھے انھوں نے میری خوب خبر لی اور مجھے صوفی صاحب کے پاس لے جا کر معافی منگوائی۔

نایاب کتابوں کے متعلق ہمیشہ فرماتے کہ میرے پاس موجود تھیں طغیانی میں تلف ہو گئیں۔ سنہ ۱۹۰۸ء میں حیدرآباد کی موسیٰ ندی میں ایک زبردست سیلاب آیا تھا جس میں اکثر مکانات برباد ہوئے اور صوفی صاحب کا مکان بھی شاید گر گیا تھا۔

[illegible] کے قطع نظر آدمی قابل تھے عربی فارسی کے فارغ التحصیل تھے اردو کا مطالعہ بھی اچھا تھا۔ شعر گوئی کا شوق بھی تھا مطالعہ بھی اچھا تھا۔ معلومات نہایت اچھی تھیں۔ بڑھاپے کے باوجود حافظہ نہایت ہی اچھا تھا اور ہر بات بڑی تفصیل سے سنایا کرتے تھے حیدرآباد کے بڑے بڑے لوگ مثلاً نواب [illegible] جنگ، صدر المہام مال، نواب [illegible] جنگ ناظم کروڑگیری، نواب خان [illegible] جنگ، انسپکٹر [illegible] وغیرہ ان کے شاگرد تھے جن کی شاگردی پر مولوی صاحب ناز فرمایا کرتے تھے۔

مولوی صاحب کا اصل کارنامہ تاریخ دکن ہے، دکن کا تاریخی مواد نہایت مبہم اور منتشر ہے مگر مولوی صاحب نے بڑی محنت سے اسے فراہم کیا اور بڑے ہی سلیقے سے مرتب کیا ہے چونکہ میں بھی تاریخ کا طالب علم ہوں اور تاریخ دکن میرا موضوع ہے اس لئے ان کی محنت کا اندازہ میں نے اچھی طرح کیا ہے۔

مختصر یہ کہ مولوی صاحب بڑی خوبیوں کے بزرگ تھے اور اپنے زمانے کے قابل لوگوں میں سے تھے۔ بیس پچیس کتابوں کے مسودے مولوی صاحب نے چھوڑے ہیں مگر ان کے ورثاء نے اس طرف توجہ نہیں کی۔

حکیم وحید الدین عالی

حیدرآباد سے سینکڑوں صاحبانِ فضل نکلے جن میں سب سے زیادہ قابلِ ذکر حکیم وحید الدین عالی ہیں۔ اتفاقاً حکیم صاحب [illegible]
مرحوم [illegible] اس لئے ہمارے گھرانے سے [illegible] تھے [illegible]

مثل یہ حکیم صاحب کے ساتھ تھے اس سے بھی زیادہ موزوں ہے۔

بنائے حکیم صاحب نہایت بے تکلف اور کھلے دل کے انسان تھے سے نظر آتے تھے مگر جو ذہن اور طبیعت کے ہیں وہ ذہین تھے یہی نہیں کہ مزاج کے خاص ... خلوص و محبت کا ماحول بنا رہتا تھا مگر وہ ایسی صلاحیت عجیب اعلیٰ درجہ کی تھی کہ بڑے بڑے علماء ان سے بات کرنے سے گھبراتے تھے ... جب بات چھڑ جاتی تو طبیعت کا یہ حال ہوتا کہ

وہ جب چلی بہوئی کس شے پہ پھر پتہ نہ تھی

... مستعد کا جواب لکھتے تو کبھی مشق کی جو داد دیتے تھے۔ کبھی صاحب قصیدہ ہو جاتے، ایسے جو کبھی خوش طبعی و رنگینی کو چھوڑ دیتے تو خوش ہو کر ... اور ذہین تھے۔

... عربی شعر میں ایک بڑے عالم اور قابل بزرگ تھے۔ عربی اور فارسی میں شعر کہتے تھے اور علمائے وقت میں ممتاز شمار ہوتے تھے۔ حضور رفقاء ان کی ... مگر ان کا سا شاعر ... عربی و فارسی میں ان کی نظیر ... محمد حمید الدین حالی ... کے سامنے ان کا چراغ بھی نہ جلتا تھا۔ عربی شعر صرف مشق تک ... عربی کی تحصیل اہل زبان سے کی تھی اور ایران میں فارسی کی تکمیل کی تھی اور ... خاص یہ کہ مادری زبان فارسی تھی بلکہ ان کے حالی نے ... عرب سے تحصیل کی تھی اور نہ حالی عرب کی صحبت میں ... مگر طبعی مناسبت، حالی کی کوشش اور خدا داد ذہانت کی وجہ سے عربی ادب اور خصوصاً عربی شعر پر ایسے حاوی تھے کہ عربی شعر کہتے تھے ... قدرت رکھتے تھے۔

حالی کے فرزند حکیم نظام الدین صاحب نے بعض قصائد اور عربی شعر کے چند نمونے شائع کئے ہیں۔ کاش حالی کے عربی اور فارسی دیوان کی اشاعت ہو جاتی میری خاص رائے یہ ہے کہ حالی کے جیسا عربی کا شاعر ہندوستان میں پیدا نہیں ہوا۔ ... نصیب تھی کہ

یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا

یہ حال عربی کا تھا۔ فارسی میں بھی خوب شعر کہتے تھے خصوصاً نعت بہت کہی ہے مگر افسوس ہے کہ فارسی کلام بھی شائع نہ ہوسکا۔

طب میں بھی غیر معمولی مہارت تھی، تشخیص بڑی اچھی کرتے تھے اور نسخہ نویسی میں بھی کمال تھا اور بہت سوچ سمجھ کر علاج کرتے تھے۔ طبیب کی حیثیت سے ملازم تھے اور باقاعدہ مطب بھی کرتے تھے۔ عثمانیہ یونیورسٹی قائم ہوئی تو عربی کی پروفیسری کے لئے انتخاب ہوا۔ ابھی یہ عہدہ بھی حاصل نہیں کیا تھا کہ انتقال ہوگیا۔ عمر بمشکل پچاس ہوگی کہ دنیا سے منہ موڑ لیا۔

عجیب و غریب بزرگ تھے۔ فنا فی العلم تھے کھانے پینے اور پہننے کا شوق مطلق نہ تھا۔ صرف مطالعہ کا شوق تھا جو کتاب پڑھتے اس پر نوٹ ضرور کیا کرتے۔ چنانچہ والد کے کتب خانے میں بیشتر کتابیں ایسی ہیں جن پر حالی کے نوٹس ہیں۔

ایک دفعہ والد کو درد گردہ ہوگیا اور بڑی تکلیف ہونے لگی حکیم محمود بھائی کا علاج ہو رہا تھا۔ مجھ سے راستے میں ملاقات [illegible] میں نے عرض کیا کہ والد عثمان آباد سے بیمار ہو کر آ گئے ہیں۔ درد گردہ ہے اور محمود بھائی کا علاج ہے۔ سن کر خاموش ہو گئے۔ دوسرے روز صبح تشریف لائے نسخہ ملاحظہ کیا نبض دیکھی، قارورہ رکھنے کے لئے کہا اور جوشاندہ جو اب بہار رکھا تھا پھینکوا دیا تو خود گھر جا کر دوا بھجوائی۔ دوسرے ہی روز سے تکلیف کم ہونے لگی اور ایک ہفتہ میں صحت ہوگئی۔

مشہور ہے کہ حالی مفت دوا نہ دیتے تھے مگر میں نے ہمیشہ ان سے دوا مفت ہی لی ہے کبھی مجھ سے دوا کی قیمت نہیں مانگی اور نہ دوا دینے سے انکار کیا البتہ کتاب انھوں نے مجھے بھی نہ دی کئی دفعہ میں نے بعض کتابیں مانگیں مگر وہ ٹالتے رہے نہ تو صاف انکار کیا اور نہ کتاب دی۔

علامہ صاحب بھی اصلاح سے آئے تو حالی سے مخصوص ہوگئے اور دن بھر حالی کے پاس گذارتے تھے ان کے مدرسے سے روز حالی مطب سے چلے گھر جاتے اور شام تک یہیں ٹھہرتے۔ علامہ کو عربی سے شغف نہ تھا اس لئے فارسی شاعری ہی موضوع بحث میں آتی اور معروف ایک مدرسے کا اپنا فارسی کلام سناتے ہیں۔ علامہ فارسی بھی کہہ لیتے تھے مگر حالی کی شاعری سے ان کی شاعری کو کوئی نسبت نہ تھی۔ ان کا سرمایہ فارسی میں پچیس غزلوں سے زیادہ نہ تھا اور حالی کا یہ حال تھا کہ ایک ایک نشست میں تیس چالیس غزلیں سنا دیتے تھے مگر قصیدہ وغیرہ دست درایک دوسرے کے اشعار کی دل کھول کر داد دیتے تھے۔

حالی کے انتقال سے دو ایک مہینے پہلے کا قصہ ہے کہ حالی صبح صبح تشریف لائے اور شام تک خوب خوب باتیں رہیں بس یہ پھر علامہ سے فرمائش کی علامہ نے ایک نئی غزل سنائی۔ اس شعر پر حالی پھڑک گئے رہے اور بہت دیر تک داد دیتے رہے ۔

بود جفائے آسمان خوف بفرش و بلند
جائے بہشت استوار چرخ چنان زمیں زمیں

ہندوستان میں عربی کا ایسا شاعر کوئی پیدا ہوا ہے اور نہ پیدا ہوگا۔ کاش بھائی حکیم نظام الدین صاحب علامہ کا عربی کلام چھپوا دیں اور دنیا کو معلوم ہو جائے کہ ہندوستان نے بھی عربی شاعر پیدا کئے ہیں۔

قطب الدین فاضل

مدرسہ [illegible] حیدرآباد کا صرف دو ہی آدمیوں کو یہ فخر حاصل رہا کہ ان کی کارگزاری مسلّم اور اس کا احسان حیدرآباد پر تھا۔ وہ تھے حکیم حمید الدین حاذق اور حکیم قطب الدین محمود علی فاضل تھے ۔

قطب الدین صاحب کا خاندان حیدرآباد کا قدیم خاندان تھا۔ ان کے دادا بھی قطب الدین ہی تھے جو بادشاہ کے خاص لوگوں میں سے تھے اور ان کے چچا غیاث الدین بھی بڑے ہی پایہ کے بزرگ تھے جو ہمارے خاندان سے قرابت قریبہ رکھتے تھے۔ غیاث الدین بادشاہ کے تعلقدار ہوتے تھے مگر جب حضرت علامہ محمود علی شاہ سے بیعت ہوئے تو تعلقداری سے اپنے بڑے بیٹے قطب الدین کے حق میں دستبردار ہوگئے اور پیری مریدی شروع کردی۔ نواب غیاث الدین خاں سے غیاث الدین شاہ بن گئے اور مرنے تک ایک ہی وضع پر قائم رہے۔ غیاث الدین شاہ صاحب سے میری پھوپھی بیاہی گئی تھیں اس لئے قطب الدین میرے پھوپھی زاد بھائی ہوتے تھے اور میرے والد ان کے ماموں تھے مگر عمر کی یہ حالت تھی کہ بھانجے ماموں سے تین سال بڑی عمر کے تھے اور دونوں ہم درس رہے اس لئے قطب الدین میرے والد کو ماموں کے بجائے صرف [illegible] پکارتے تھے۔

قطب الدین حیدرآباد ہی میں پیدا ہوئے اور تعلیم و تربیت بھی یہیں ہوئی۔ پنجاب یونیورسٹی سے مولوی فاضل اور منشی فاضل کیا پھر طب اور [illegible] کے امتحان بھی دئیے۔ ان دنوں حیدرآباد میں جتنے بھی امتحان ہوتے سب میں کامیابی حاصل کی۔ پڑھنے کا شوق جنون کی حد تک پہنچ گیا تھا۔ ان دنوں طب عربی اور فارسی دونوں زبانوں میں پڑھائی جاتی تھی۔ طب کا امتحان دیا تو ایک پرچہ ایسا نفیس حل کیا کہ ممتحن نے درجہ اعلیٰ کے نمبر دیئے ہوتے اگر [illegible] جس کے پورے نمبر [illegible] مگر یہ پرچہ کسی ایسے امیدوار نے حل کیا ہے جو عربی کا فاضل اور زبان پر دسترس اور انشاء پر قادرانہ عبور رکھتا ہے۔ عربی تحریر با محاورہ اور نفیس لکھی ہے کہ [illegible] ہندوستانی کو ایسی عربی لکھتے ہوئے نہیں دیکھا۔ یہ پرچہ قطب الدین کو سررشتہ طبابت نے اس رائے کی وجہ سے واپس دے دیا تھا [illegible]

[illegible] یاد تھیں بلکہ تمام [illegible] سنا دیتے تھے۔

تصنیف [illegible] عاشق [illegible] کتابیں [illegible] شروع [illegible] [illegible] مضمون پر [illegible]
[illegible] بادشاہ میں [illegible] پر [illegible] گئے تھے۔ [illegible] آپ [illegible] سادہ [illegible] سلوک [illegible] تھے۔

قصیدہ [illegible] ایک [illegible] کی [illegible] میں [illegible] تھے۔ [illegible] شعر [illegible] [illegible]
[illegible] تھا [illegible] حال کا [illegible] بہت محبت تھی اور [illegible] بہت [illegible]
[illegible] شاہ [illegible] ایک دفعہ [illegible] شعر [illegible] سے پوچھا آپ [illegible] [illegible]
[illegible] بہت [illegible] مگر قطب الدین صاحب سے [illegible] [illegible] حضور نے [illegible] [illegible]
[illegible] حضور نے فرمایا قطب الدین [illegible] [illegible] [illegible] تو عرض کیا [illegible] بادشاہ [illegible]
[illegible] الدین خان [illegible] وقت تک [illegible] نہیں [illegible] بادشاہ [illegible] سے [illegible] حضور
نے دیا [illegible] الدین خان سے کہہ [illegible] عرض [illegible] [illegible] حکم کی تعمیل [illegible] اجازت [illegible] لگے [illegible] نماز [illegible]
[illegible] گا۔ اس جواب سے حضور [illegible] متاثر ہوئے [illegible] فرمایا [illegible] بادشاہ [illegible] چنانچہ قطب الدین نے بادشاہ [illegible]
[illegible] سال کی عمر [illegible] استعمال کیا۔

[illegible] کی اطلاع جب ان کے والد بزرگوار کو دی گئی تو انہوں نے [illegible] صبر و استقلال سے [illegible] اور جنازہ [illegible]
[illegible] لانے کے لیے کہا [illegible] قطب الدین صاحب نے [illegible] کے مکان میں منتقل کیا تھا جب جنازہ
حافظ [illegible] کی مسجد میں لایا گیا اور غیاث الدین شاہ صاحب کو اطلاع دی گئی تو وہ اٹھ نہ سکے۔ [illegible] [illegible]
جب وہ اٹھے [illegible] نہیں [illegible] شہاب الدین اور عبد الکریم [illegible] اور [illegible]
[illegible] نہیں ادا کر سکے۔

بڑی اطلاع پا کر گر بیٹھ جانا [illegible] ضرور [illegible] مگر [illegible] غیاث الدین شاہ صاحب
کی واقعی کمر بیٹھ گئی تھی گو وہ [illegible] زندہ رہے مگر چلنے پھرنے کے قابل نہ رہے۔

قطب الدین صاحب مجلسی حیثیت سے زیادہ دلچسپ نہ تھے باتیں اکھڑی اکھڑی کرتے۔ باتیں کرتے کرتے اپنی دھن میں کھو
جاتے۔ وہ جھول جھول کر باتیں کرتے جس طرح کہ پرانے مکتبوں میں لڑکے جھول جھول کر پڑھا کرتے ہیں غالباً یہ جھولنے کی عادت انہیں
مکتب ہی سے ہوئی تھی۔

حافظہ غیر معمولی قوی تھا۔ بچپن کی پڑھی ہوئی کتابیں تک ازبر تھیں اور بے تکلف سنایا کرتے تھے ایک دفعہ مجھ سے پوچھا کیا پڑھتے
ہو میں نے جواب دیا سکندر نامہ۔ پوچھا بحری یا بری؟ مجھے معلوم نہ تھا کہ سکندر نامے بحری اور بری الگ الگ ہیں میں نے کہا وہی جو نظم
میں ہے تو کہا میاں یہ دونوں ہی نظم میں ہیں۔ تم جس سکندر نامہ کو پڑھ رہے ہو اس کا کوئی شعر سناؤ۔ میں نے شعر سنایا ؎

شنیدم ز پیران دیرینہ سنج
کہ زر زر کشد در جہاں گنج گنج

شعر سن کر کہا یہ سکندر نامہ بری ہے۔ پھر آپ نے سکندر نامے کے شعر سنانے شروع کیے اور تقریباً ڈھائی تین سو شعر ایک سانس
میں سنا دیئے۔ چند شعر جو میرا [illegible] نہیں آ رہے تھے میں نے بتائے تو انہیں بھی [illegible] گیا۔ •

عربی قصائد، فارسی قصائد اور غزلیات اور اردو کلام کا خاصا ذخیرہ موجود ہے، جن میں قصائد اور کلیات بھی ہیں مگر اشاعت کا کوئی ذریعہ نہیں ہے میر حامد علی خاں ایڈووکیٹ، ڈاکٹر سیادت علی خاں، ڈاکٹر ولی الدین انہی کے فرزند ہیں۔

قطب الدین صاحب کی کتابوں میں سے شرح محمدی بہت مشہور اور مقبول ہوئی قانونی کتابوں کے علاوہ ان کی دوسری کتابیں چھپ نہیں سکیں۔ مسودات غالباً ان کے صاحب زادوں کے پاس ہیں جو شاید تلف ہو جائیں گے کیونکہ اب کوئی امید ان کی طباعت اور اشاعت کی نہیں ہے۔

محب حسین

مولوی محب حسین یو۔ پی کے باشندے تھے، ابتداً حیدرآباد آکر افسر جنگ کے توسط سے فوج کے دفتر میں ملازم ہوئے اور امرا کی لڑکیوں کو پڑھاتے بھی رہے، آدمی معقول، پڑھے لکھے اور وضع دار تھے حیدرآباد میں بہت جلد مقبول ہو گئے۔ پردے کے خلاف تھے اور شدت کے ساتھ پردے کی مخالفت کرتے تھے، چونکہ ان کی دو تین صاحبزادیاں میری والدہ مرحومہ کے ساتھ پڑھتی تھیں اس لئے ہمارے گھر سے خاصے مراسم تھے۔ مہینے میں ایک دو بار یہ لوگ ہمارے گھر آتے اور ہم بھی ان کے گھر جایا کرتے تھے اس آمد و رفت کی وجہ سے میں بھی محب حسین صاحب سے مانوس تھا اور ان سے خوب باتیں کیا کرتا تھا۔ والد مرحوم ان کے مخالف تھے کیونکہ وہ انہیں دہریہ اور نیچری کہتے تھے مگر انہوں نے مجھے کبھی ان سے ملنے کی ممانعت نہیں کی۔

حیدرآباد کی مشہور خاتون صغرا ہمایوں مرزا کو محب حسین نے بہت مشہور کیا۔ اپنے رسالوں "معلم نسواں" اور "مشیر نسواں" میں ان کا پروپیگنڈا کرتے رہے۔ غالباً محب حسین کی بے پردگی کی اسکیم پر کاربند ہونے والی حیدرآباد میں سب سے پہلی خاتون یہی تھیں۔

محب حسین مترجم بھی اچھے تھے۔ میڈوز ٹیلر جو نظام کے دربار کے بعد کو سرجی بنے، کی دو بہترین کتابیں "امیر علی ٹھگ" اور "سیتا" پہلا نمبر اردو میں منتقل کیں خصوصاً امیر علی ٹھگ بڑا نفیس ترجمہ ہے۔ مدتوں تک دو ماہنامے نکلتے رہے اور ان میں اکثر ترجمے شائع کرتے رہے حیدرآباد میں علم و ادب کا ذوق محب حسین ہی نے پیدا کیا اور یہاں کے نوجوانوں میں علمی کاموں اور ادبی ہنگاموں کا شوق پیدا کیا چنانچہ حیدرآباد کے نوجوانوں کی ایک بڑی جماعت ان کی وجہ سے علم و ادب کی طرف مائل ہو گئی اور انہوں نے خوب کام کیا۔ نوجوانوں میں مباحثوں اور تقریروں کا شوق بھی محب حسین صاحب ہی نے پیدا کیا۔ ان میں سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ بالکل غیر سیاسی آدمی تھے اور ان کی طبیعت سازش کی طرف مائل نہ تھی اس لئے اطمینان سے ساتھ حیدرآباد میں کام کرتے رہے۔

عربی فارسی خاصی جانتے تھے اردو بھی اچھی تھی۔ انگریزی پر اتنا عبور تھا کہ اردو میں ترجمہ بڑی عمدگی سے کر لیتے تھے، باتونی بہت تھے بڑی اچھی باتیں کرتے تھے۔ عبدالحلیم شرر سے بڑا انس تھا اور دونوں میں خوب چھنتی تھی۔

اس زمانے کے فیشن کے مطابق داڑھی ضرور رکھا لی تھی اور مولوی صاحب مشہور تھے مگر بالکل غیر مذہبی آدمی تھے۔ کئی ایک کتابیں چھپوائی تھیں اب ان کے نام بھی مجھے یاد نہیں ہیں آخر میں بصارت سے محروم ہو گئے تھے اور مرنے تک اسی حال میں رہے۔ ۱۹۲۳ء میں جب میں گیا تو مجھ سے ملا۔ ۔ت لی اور رقعات محب ۔ کی بہت سی جلدیں فروخت کرانے کے لئے مجھے دیں مگر جب ۲۵ء کے اواخر یا ۲۶ء کے اوائل میں دوبارہ گیا تو انتقال ہو چکا تھا۔ دماغ بھی متاثر ہو گیا تھا۔ گلبرگہ میں ایک وکیل تھے علیم الدین جن سے محب حسین کی ایک صاحبزادی بیاہی گئی تھیں۔ علیم الدین کے انتقال کے بعد کچھ جائداد (مکان اور زمینیں وغیرہ) ان کی صاحبزادی کے حصے میں آئی تھی۔

[illegible] کی اشاعت کے لئے مجبور کیا کرتے تھے۔ اتفاق سے گزشتہ آخری عمر میں وہ تبلیغ مذہب سے ملحق رہے۔ ان دنوں ظرافت کرتے تھے [illegible] وہ ہمیشہ شگفتہ خاطر رہتے تھے [illegible] میں نے کہا حضرت! جہاں قادیان میں ایک پیغمبر ہیں ان کا نام ہے عبداللہ اور [illegible] مشہور ہیں۔ چونکہ مجھ کو بھی ان پیغمبر صاحب سے [illegible] ہے اس لئے [illegible] چلئے آپ [illegible] حضرت عبداللہ قادیانی سے کوئی [illegible] فرمانے لگے [illegible] ہم کو [illegible] رہا پیغمبر کے ایک [illegible] جہاں [illegible] آپ [illegible] ہمیں یہاں [illegible] کوئی جاہل [illegible] نے پیغمبری کا دعویٰ کیا ہے۔ میں نے کہا [illegible] خدائی [illegible] دعویٰ [illegible] تو [illegible] آپ بھی [illegible] ہیں۔ یہ سن کر [illegible] بڑی [illegible] بستر باندھ کر جانے کے لئے تیار ہو رہے تھے۔

اس طرح وہ ایک سال [illegible] کر [illegible] حسین نے انتقال کیا [illegible] وہاں [illegible] ایک [illegible] بھی [illegible] حال [illegible] ان کا ایک [illegible] گزشتہ [illegible] ڈاکٹر [illegible] ایک [illegible] سکندر [illegible] ہو گئے ہیں [illegible] ضیاء [illegible] میں [illegible] ضیاء حسین [illegible] ایل ایل بی [illegible] عدالت میں [illegible] ملازمت [illegible] سال [illegible] سکندر [illegible] ہو گئے تھے۔ [illegible]

[illegible] حسین صاحب کی علمی خدمات [illegible] ادبی [illegible] احسان ہے۔

عزیز جنگ ولا

مولوی احمد عبدالعزیز المخاطب بہ عزیز جنگ متخلص بہ ولا بڑے قابل بزرگ تھے۔ مولوی [illegible] الدین صاحب سے بڑے اچھے [illegible] تھے، موصوف کے بڑے فرزند مولوی [illegible] الدین احمد المخاطب بہ نواب [illegible] جنگ چونکہ والد مرحوم کے ہم مکتب تھے اس لئے بھی [illegible] سے [illegible] مراسم ہو گئے تھے۔ [illegible] ۱۹۲۶ء میں اتفاق سے [illegible] جنگ ڈاکٹر [illegible] سیشن جج ہو کر [illegible] مولوی علی الدین [illegible] عدالت مجسٹریٹ [illegible] اور مولوی رکن الدین احمد۔ وہاں پہلے ہی سے [illegible] اس طرح تینوں بھائی ایک جگہ جمع ہو گئے اور [illegible] ان حضرات کے قیام تک تقریباً روزانہ ملاقاتیں [illegible] بھی [illegible] گئے۔

عزیز جنگ بہادر کی خدمت میں [illegible] کے ساتھ اکثر حاضر ہونے کا اتفاق ہوتا تھا [illegible] وظیفہ لینے کے بعد ولا نے اپنی زندگی تصنیف و تالیف کے لئے وقف کر دی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ میں نے ایسا منتظم، ایسا سلجھا ہوا، ایسا دوراندیش، ایسا [illegible] حیدرآباد بھر میں کسی کو نہیں پایا۔ ولا مدراسی تھے اور مدراس کے شریف ترین گھرانے نائطہ سے تھے۔ خاندان اپنے رہن سہن، بود و باش، صحت [illegible] اور وضعداری میں اپنی نظیر آپ ہے۔ ولا اس نائطہ گھرانے کے [illegible] فرشتین اور [illegible] تھے۔ ابتداً چھوٹی سی خدمت پر مامور ہو کر ترقی کرتے کرتے اول تعلقداری [illegible] کلکٹری تک پہنچ کر وظیفہ لیا۔ مختلف محکموں میں مامور رہے اور جس کام کو بھی انجام دیا نہایت دیانت اور خوش سلیقگی سے انجام دیا۔

تعلیم باقاعدہ ہوئی تھی، عربی فارسی کی بڑی اچھی استعداد تھی، مطالعہ بھی بڑا اچھا تھا جوانی ہی سے تصنیف و تالیف کا ذوق تھا اور [illegible] لکھتے تھے چنانچہ کھجور کی کاشت سے لے کر انگور کی کاشت تک ایک ایک کتاب لکھی ہے اور ہر کتاب اپنے موضوع پر مکمل اور [illegible]

فن تاریخ گوئی پر ایک نفیس کتاب لکھ رہے ہیں۔ اس کے علاوہ میں تاریخ گوئی سے متعلق کوئی کتاب ایسی نہیں ہے جس میں تاریخی مادے [illegible] جمع کرکے نکالے گئے ہوں۔ "تاریخ" "آئینہ" "تاریخ" وغیرہ ناموں سے لوگوں نے کتابیں شائع کیں مگر فن تاریخ گوئی [illegible] اس کی ابتدا [illegible] اس کے ساتھ ولا نے قانون مال، قانون عملیات، اصطلاحات عملیات وغیرہ پر بیسیوں کتابیں شائع کیں۔ ان کی خوش قسمتی [illegible] نے کتب پر صلہ تصنیف دیا اور سرکاری طور پر جلدیں خریدی جاتی رہیں چنانچہ تصنیف و تالیف سے خاصا نفع انہیں [illegible] تھا۔

آصف اللغات کے نام سے ایک لغات کی ترتیب شروع کی اور [illegible] کر ساتھ ہی ساتھ چھپواتے بھی رہے [illegible] چھپا بھی دیں [illegible] بڑی اچھی اور خاص لغات تھی جو اب نایاب ہوگئی ہے۔ یہ تمام کتابیں ولا نے اپنے ذاتی پریس میں چھپائی تھیں [illegible] اپنے مکان [illegible] ایک پریس قائم کر لیا تھا۔ کاتب اور سنگ ساز بھی ملازم رکھے تھے اور اپنی نگرانی میں چھپواتے رہتے تھے۔

طبیعت میں انتظامی صلاحیت اور نفاست بہت تھی۔ سلطان پورہ میں ایک مکان اور باغ بنا لیا تھا۔ مکان [illegible] جو اتنا نفیس بنوایا پھر اپنے لڑکوں کے لئے الگ الگ حصے بھی بنوا دیئے تھے چنانچہ [illegible] کے لئے چار قطعات الگ [illegible] یہ چاروں ایک ہی جگہ رہتے تھے "عزیز باغ" ایک نمونے کا مکان تھا اس گھر کے پیچھے تک باہر نہ جانے تھے۔ اندر ہی [illegible] تھا جو اندر ہی اندر سے وصل تھا اور چاروں بھائی ایک ساتھ ہنسی خوشی رہتے تھے۔

ولا بہت ہی خوش قسمت بزرگ تھے ان کے صاحبزادے سب کے سب قابل اور کارآمد نکلے۔ غازی یار جنگ نے [illegible] سے اسسٹنٹ آفیسر کی حیثیت سے وظیفہ لیا۔ محی الدین احمد صاحب ناظم کروڑ گیری ہوئے۔ [illegible] یار جنگ [illegible] ناظم کوتوالی [illegible] پولیس ہوئے اور اب حضور نظام کے پرائیویٹ اسٹیٹ کی کمیٹی کے چیئرمین ہیں۔ رکن الدین احمد صاحب ڈپٹی اکاؤنٹنٹ جنرل [illegible] پر سبکدوش ہوئے اور اب بھی حضور نظام کے پرائیویٹ اسٹیٹ میں کارگزار ہیں۔

ولا کو شاعری کا شوق بچپن سے تھا۔ عربی، فارسی، اردو زبانوں میں خوب شعر کہتے تھے۔ اردو کا ایک ضخیم کلیات اور فارسی کا ایک [illegible] شائع کیے [illegible] رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سراپائے مبارک بڑا نفیس نظم کیا ہے جو طبع ہو چکا ہے۔

ولا نے حیدرآباد کی [illegible] جمع کرکے رائل ایشیاٹک سوسائٹی آف گریٹ برٹن اینڈ آئرلینڈ واقع لندن کو تحفۃً [illegible] جس پر سکالر علماء نے شکریہ کے ساتھ قبول کیا اور [illegible] "شمس العلماء" کا خطاب بھی پایا تھا۔

ولا نہایت وضع دار اور پابند بزرگ تھے [illegible] جن لوگوں سے جس طرح ایک وضع ملنے کی ڈالی اسے آخر تک نباہتے تھے [illegible] جاتا اگر کوئی چھوٹا [illegible] ہوتا تو [illegible] ورنہ معافی [illegible] اپنے باغ کے آم بھی کھلایا کرتے تھے ورنہ [illegible] نام بنام ہر ایک کی خیر و عافیت پوچھتے اور پھر [illegible] گفتگو فرمایا کرتے تھے۔ اپنی تصانیف بھی سرفراز کیا کرتے اور اس کے متعلق گفتگو [illegible] جانتے تو خوش ہوتے تھے

ایک زمانہ [illegible] کتب خانہ آصفیہ جانے کی عادت ہوگئی تھی۔ کوئی خاص کتاب مطالعہ میں نہ ہوتی تو اساتذہ فارسی کے دواوین کا مطالعہ کرتا اور ایسے شعر جن میں محاورات یا خاص خاص تشبیہات وغیرہ ہوتیں نوٹ کرتا جاتا اور ان کو جمع کرکے جب بھی حاضر ہوتا تو پیش کر دیتا۔ میری اس حقیر کوشش سے بہت خوش ہوتے اور مجھے دعائیں دیا کرتے تھے۔ شاید ہی ان میں سے کچھ چیزیں ان کے لئے کارآمد ہوتی ہوں گی مگر چونکہ میں محنت کرکے جمع کرتا اور ان کا خیال رکھا کرتا تھا اس لئے خوش ہوتے تھے۔

ولا کی اصلی زندگی اور پاکیزگی ضرب المثل تھی اور لوگ اس پر رشک کرتے تھے۔ یہی جھلک ان کے صاحبزادوں میں بھی ہے [illegible] یار جنگ نے [illegible] سب سے زیادہ اس [illegible] حصہ پایا ہے۔

کشن پرشاد شاد

ہز ایکسیلنسی سر مہاراجہ یمین السلطنت کشن پرشاد بہادر شاد [illegible] سے تھے [illegible] اور ادیب تھے [illegible]
[illegible] مہاراجہ بہادر نے ریاست کی گود میں پرورش پائی اور تعلیم و تربیت بھی شاہانہ طرز پر ہوئی [illegible] سے حضور [illegible]
[illegible] کی مصاحبت حاصل رہی اور حضور پرنور کے وصال تک [illegible] خدمت حاصل رہی۔

[illegible] شاعری اور ادب کا ذوق ورثے میں ملا تھا [illegible] چندو لال بھی شاعر اور ادیب [illegible] تھے [illegible]
[illegible] انہوں نے کئی کتابیں یادگار [illegible] شیخ حفیظ [illegible] [illegible]
[illegible] ہوئے۔

[illegible] بہادر نے بھی [illegible] سینکڑوں [illegible] اور [illegible] کی پرورش کی [illegible]
[illegible] ہر ایک کی پرورش کرتے اور ہر ایک کو [illegible] سے [illegible] رہتے ہے

[illegible] سرشار [illegible] ثاقب [illegible] تجلی [illegible]
[illegible] فانی بدایونی وغیرہ سینکڑوں شعرا کی [illegible] مہاراجہ [illegible] اور سینکڑوں شعرا [illegible]
[illegible] وغیرہ کی سرپرستی اور اعانت کرتے [illegible] حقیقت [illegible]
[illegible] ہوکٹ [illegible] مہاراجہ [illegible]
[illegible] حیثیت [illegible]
[illegible]

[illegible] کی تعلیم بہت اچھی ہوئی تھی۔ فارسی اچھی طرح جانتے تھے [illegible] سے انگریزی [illegible] وقت سے
[illegible] مہاراجہ نے سینکڑوں کتابیں لکھیں [illegible] قدر عجیب [illegible]
[illegible] سفرنامہ، نثر ادب سب پر تصنیف فرما دیئے۔ شعر بھی خوب کہتے تھے [illegible] مشورہ سخن [illegible]
[illegible] سے مشورہ کرنے لگے۔ [illegible] کے بعد [illegible] راجہ بہادر [illegible] خود بھی مشورہ کرنے لگے

مہاراجہ بحیثیت انسان بڑے کمال کے تھے [illegible] شخصیت [illegible] عفو و درگذر کا مادہ [illegible]
[illegible] میں نے ہزاروں آدمی دیکھے مگر ایسا وسیع القلب کوئی نظر نہ آیا۔ جن سے [illegible] معذرت [illegible] معاف کر
دیتے تھے۔

میرے گھر کے سامنے میر پاشا رسیوت الملک [illegible] کے [illegible] میں ایک کریم الدین نامی نوجوان رہتے تھے بہت ہی
معمولی حیثیت کے آدمی تھے۔ واجبی واجبی تعلیم یافتہ تھے۔ ترکی کو اپنا اردو کلام بتایا کرتے تھے۔ ایک روز مہاراجہ کے [illegible] ملازم نے
میرے پاس آکر ان کا پتہ پوچھا میں نے پتہ بتا دیا تو دس پندرہ منٹ کے بعد انہیں ساتھ لیتے ہوئے آیا اور میرے سامنے دو سو روپے انہیں
دے کر رسید لکھوائی اور مجھ سے گواہی بھی لکھوائی کر میرے سامنے یہ رقم کریم الدین کو دی گئی ہے۔ کریم الدین نے رقم لینے کے بعد کہا کہ انہوں
نے چھ آٹھ مہینے پہلے مہاراجہ کی خدمت میں ایک منظوم درخواست بھجوائی تھی کہ میں اجمیر شریف جانا چاہتا ہوں، زاد راہ سرفراز فرمایا جائے
چنانچہ اب مہاراجہ نے سرفرازی فرمائی ہے۔

چونکہ مہاراجہ اس قسم کی داد و دہش کے عادی تھے اس لئے مجھے کوئی حیرت نہیں ہوئی۔ دو چار روز کے بعد میں حاضر ہوا تو مہاراجہ بہادر کو یاد آیا اور انہوں نے پوچھا کیا بات ہے یہ تمہارے گھر کے پاس رہتا ہے کون شخص ہے۔ میں نے اس کے متعلق جو کچھ جانتا تھا عرض کر دیا اور یہ بھی کہہ دیا کہ استاد ذوق کو اردو غزلیں بتاتے ہیں۔ یہ سن کر مہاراجہ بہت محظوظ ہوئے فرمانے لگے کیا ذوق صاحب اردو زبان کے بھی استاد ہیں۔ میں نے عرض کیا وہ ہر زبان کے استاد ہیں۔ فارسی اور اردو دونوں پر انہیں یکساں عبور ہے اور اب تو شاعروں میں اردو غزل بھی پڑھنے لگے ہیں۔ اس گفتگو کے بعد مہاراجہ بہادر نے کمرے میں جا کر ایک لپٹا ہوا کاغذ لا کر مجھے عنایت فرمایا کہ اسے دیکھ کر مطلع کرو۔ یہ ایک بڑا کاغذ جو بڑی سائز کا تھا اور اس پر پورے قد سے ایک نہایت بیہودہ شعر مہاراجہ کے متعلق لکھا ہوا تھا جس میں بڑی غلیظ گالی تھی۔ اس شعر کو پڑھ کر میں نے فوراً اس کے پرزے کر دئے اور میرا چہرہ غصے سے متغیر ہو گیا۔ مہاراجہ صاحب دیکھ کر مسکرانے لگے اور فرمایا: "بات یہ ہے کچھ مہینے ہوئے اس شخص نے ایک تحریر بھیجی تھی کہ مجھے شریف جانا ہے، جاتا ہوں آمد و رفت کے لئے اخراجات بارہ سو روپے دئے جائیں۔ میں نے اس وقت توجہ نہیں کی۔ تو اس دو مہینے کے بعد پھر اس شخص نے ایک تحریر بھجوائی مگر میں نے اس پر بھی کوئی توجہ نہیں کی۔ اب دو مہینے کے انتظار کے بعد اس نے اس طریقے سے یاد دہانی کی ہے پہلا مصرع ؏

شاد ہو کر کیوں نہ صاحب شاد کی ؟

یہی کافی تھا دوسرے مصرعے میں اس نے گالی دے کر ہجو کی ہے۔ یہ عام طریقہ ہے شعراء پہلے قصیدہ پیش کرتے ہیں پھر ناکام رہتے ہیں تو ہجو کرتے ہیں۔ اس غریب نے بھی یہی کیا۔" میں نے عرض کیا بالکل صحیح ارشاد ہوا مگر کسی شاعر نے کسی امیر کی ہجو ایسی نہیں کی ہے۔ اتنی ... جو ہجو فردوسی سے منسوب کی جاتی ہے وہ بھی ایسی بیہودہ نہیں ہے۔ فرمانے لگے تم ٹھیک کہتے ہو مگر وہ فردوسی تھا اور یہ کریم الدین ہے ؏

فکر ہر کس بقدر ہمت اوست

بعد کو جب میں نے ذوق سے یہ قصہ کہہ دیا تو انہوں نے کریم الدین کو اپنے پاس آنے سے منع کر دیا تھا اور بیشتر شاگردوں کو یہ قصہ سنا بھی دیا تھا۔

غور فرمائیے ایک حیثیت سے بیہودہ شخص سے ایسی گالی سن کر دو سو روپے دینا مہاراجہ کے کردار کو کہاں پہنچا دیتا ہے!

ہمارے خاندان کے کسی بزرگ کی شاگردی مہاراجہ کے کسی بزرگ نے کی تھی اس کا لحاظ وہ مرتے دم تک فرماتے رہے اور میں ہمیشہ ان کی خدمت میں حاضر ہوتا رہا۔ وزارت سے علیحدہ ہونے کے بعد مہاراجہ سے جن جن لوگوں نے بے اعتنائیاں کی تھیں اور جو لوگ انہیں سلام کرنے سے، ان کا سلام لینے تک کے روادار نہ تھے ان سے جو جو سلوک مہاراجہ نے کئے ہیں میں بخوبی جانتا ہوں۔ صدہا غلط ... جانتے ہیں ان سب لوگوں نے پرورش کر دی، صدقے اتارے، پھول چڑھائے، قصائد، قطعات، تاریخیں پیش کیں اور طرح طرح سے آمد و رفت شروع کر دی اور مہاراجہ اسی طرح ملتے رہے جیسے مدار المہامی کے زمانے میں ملتے تھے۔ بیچ کے خلا کو انہوں نے بھلا ہی دیا۔ ایسا وسیع القلب اور درگزر کرنے والا شاید ہی پیدا ہو۔

مہاراجہ میں سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ کبھی کسی کا دل نہ توڑتے اور جو شخص جو بھی خواہش کرتا اس کی تکمیل کا وعدہ کر لیتے اور اپنی حد تک کوشش بھی کرتے تھے۔ اپنے آپ کو انہوں نے کبھی بھی بڑا آدمی نہیں سمجھا۔ ہمیشہ اپنے تئیں حقیر فقیر غریب ہی سمجھتے رہے۔ خود نیک ... الطبع تھے اس لئے ہر ایک پر اعتماد کرتے تھے۔ ابتداً ان کی پیشی میں مولوی محمد علی (نبیرہ مولوی کرامت علی محدث دہلوی) رہے ان پر اتنا اعتماد کرتے تھے کہ سارا کام انہی پر چھوڑ دیا تھا ان کے دستخط دیکھ کر خود دستخط کر دیا کرتے تھے اور محمد علی کا یہ حال تھا کہ انہوں نے بھی کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا اور ہمیشہ اعتماد بنے رہے۔ اسی وجہ سے لوگ ان کے مخالف ہو گئے چنانچہ لال خاں کوتوال نے فرضی خطوط اور جعلی کاغذات بنا کر محمد علی کو شہر بدر کرا دیا اور وہ حیدرآباد سے پونا چلے گئے اور بعد میں احمد نگر جا رہے جہاں ان کا انتقال ہو گیا اور وہیں دفن ہوئے۔ یہ مہاراجہ کی مدار المہامی کے زمانے کا واقعہ ہے

[illegible] کی [illegible] خلیق کے [illegible] نواب [illegible] جنگ [illegible] کے [illegible] [illegible] شریف [illegible]
[illegible] کیا جاتا کہ [illegible] کرتے تھے [illegible] سے [illegible] بھی [illegible] ہو گئے [illegible] صاحب [illegible]
[illegible] کیا مگر [illegible] نواز جنگ بہادر بھی [illegible] اور [illegible]
[illegible] ہے۔

[illegible] انتقال کے بعد ایک کتاب [illegible] جنگ [illegible] ہے [illegible]
[illegible] ایک [illegible] ہے۔

[illegible] علم و ادب [illegible] کے لئے
[illegible] ہے۔

[illegible] اور [illegible] کا [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] اور اپنی [illegible] کی [illegible] اور [illegible]
[illegible]۔

[illegible] اور [illegible] دیتے [illegible] کر وہ [illegible] رہتے تھے۔
[illegible] کرتے تھے [illegible] روپے [illegible]
[illegible] جاتے [illegible] اسی طرح [illegible]
[illegible] اور [illegible] کے [illegible] اور جب وہ [illegible]
[illegible] کر ایک [illegible] اور [illegible] دے دیتے۔ ایک [illegible] ایک ساتھ کھایا کرتے
تھے اور [illegible] کے کھانے پر روک [illegible] چنانچہ ایک [illegible] اور ایک روز [illegible] لفافے میں [illegible] پچیس اور [illegible]
سے زیادہ پچاس روپے ہوا کرتے تھے۔

۱۹۳[illegible]ء میں مجھے [illegible] ہو گیا۔ [illegible] علالت کی اطلاع ملی تو مکان پر تشریف لائے۔ جاتے جاتے سرہانے کے تکیہ کے نیچے نوٹ
[illegible] ایک سو روپے کے رکھ کر [illegible] گئے۔ اس طرح تین دفعہ تشریف لائے اور تینوں دفعہ ہی تکیہ کے نیچے نوٹ چھوڑ گئے روزانہ آدمی کو
بھیج کر خیریت دریافت کراتے اور یہ حبیب احمد صدیقی کا جواب ہے [illegible] کے [illegible] الگ روپے بھجوا کر کہلواتے
کہ علاج معقول کریں ضرورت ہو تو اور منگوا لیں۔

میں نے ادارہ علمیہ کے نام سے ایک بک ڈپو قائم کیا تھا جو عابد روڈ پر تھا۔ جب آتے جاتے تشریف لاتے اور کتابیں لے جاتے بل
بھجوانے سے پہلے رقم آ جاتی۔ میرا چھوٹا بھائی رشید اکثر چلا جاتا اور وہ جب بھی جاتا فرماتے "بھئی وہ کتابیں جو آئی تھیں ان کی قیمت لیتے جاؤ"
چنانچہ ساٹھ ستر روپے اسی وقت دے دیتے۔ اس طرح کتابوں کی قیمت چار چار دفعہ ادا ہوتی۔ یہ دینے کے بہانے تھے۔ عید، بقر عید، ہولی،
دیوالی کوئی تقریب ہو سرفرازی لازمی تھی۔ دیتے وقت اس کی حیثیت نہیں دیکھتے جسے دے رہے ہیں بلکہ اپنی حیثیت پیش نظر ہوتی۔ دل کھول کر
دیتے اور پھر شرماتے کہ میں نے کم دیا ہے۔ یہ بات میں نے نواب صاحب کے علاوہ صرف مولانا خورشید علی کا لم نویس دیوانی میں پائی ہے اور کوئی تیسرا

اس صفت سے متصف نظر نہیں آیا۔

مذہب کے معاملے میں مہاراجہ بہ گول تھے۔ صبح اللہ اکبر پڑھا بھی کرتے تھے نماز بھی پڑھ لیتے۔ وصیتیں گیارہویں کے مقدار مذکر شامل ہو جانے کی جاتیں۔ عرس وصحائم سے کرتے۔ گیارہویں کی نیاز بھی تزک واحتشام سے ہوتی اور محرم بھی نہایت عقیدت سے منایا جاتا۔ مشائخ کے ہاتھ چومتے اگر ہو بابا کے پاؤں پڑتے دونوں طریقوں پر چلتے رہے۔

ایک مسلمان خاتون سے عقد کیا تھا اور مہاراجہ میں اپنے آپ کو مسلمان لکھا دیا۔ مرتے وقت وصیت کی کہ ہندو طریقے پر جنازہ اٹھ... کیونکہ انہیں باور کرایا گیا تھا کہ اگر آپ نے وقت کوئی وصیت نہ کریں اور مسلمان طریقے پر دفن ہوں تو آپ کی موروثی جاگیر تو آپ سے نہ خواجہ پرشاد کو نہ ملے گی۔ نہ کر خواجہ پرشاد کی خاطر مہاراجہ نے چتا میں جلنا پسند کیا مگر بدنصیب خواجہ پرشاد کو جاگیر ملنا نصیب نہ ہوا... میں ایک ہوٹل کی بالائی منزل پر سے گر کر بیچارے کی جان گئی۔

جی تو نہیں چاہتا کہ مہاراجہ کا ذکر ختم کروں مگر لکھنا بہت ہے اور وقت کم ہے اس لئے مجبوراً ختم کر رہا ہوں۔

حیدرآباد کے دور قدیم کے بزرگوں میں سے میں نے صرف ان کا انتخاب کیا ہے جو وہ ہیں جن سے میں ذاتی طور پر واقف رہا ہوں اور جو باتیں میں نے لکھی ہیں اپنی آنکھوں سے دیکھی ہیں اور اپنے محسوسات کو ایمانداری سے پیش کیا ہے۔

پچھلے دو سرے دور کی چند شخصیتوں سے روشناس ہو جائیے یہ دور بڑا لمبا ہے اس میں سینکڑوں بزرگ آتے ہیں مگر میں نے صرف چند کا انتخاب کیا ہے۔

ضیاء یار جنگ

مفتی نور الضیاء مالدیپی المخاطب بہ ضیاء یار جنگ دکن کے قدیم شرفا سے اور حیدرآباد کے عالم فاضل بزرگ تھے۔ اورنگ آباد کے مشائخ گھرانے سے تعلق تھا۔ حیدرآباد ہی میں تعلیم و تربیت ہوئی تھی فارغ التحصیل اور نہایت ذہین بزرگ تھے۔ علم و ادب کے علاوہ قدیم مشاغل پتنگ بازی، شطرنج، شکار، شاعری، پکوان سبھی کا شوق تھا۔ تماش بینی میں بھی مشہور تھے۔ مختلف خوبیاں جمع تھیں۔

یہاں بھی پہلے وہی مصیبت ہے جس سے ڈرتا ہوں۔ ضیاء یار جنگ بہادر کی حیثیت حیدرآباد میں وہی تھی جو یوپی میں نواب صاحب جہانگیر آباد یا چودھری محمد علی ردولوی کی تھی۔ اس فن تماش بینی کو انہوں نے فن کی طرح استعمال کیا تھا۔ اس میں ماہر کامل تھے مگر تفصیلات نہ تو طفیل صاحب چھاپنا پسند کریں گے اور نہ حیدرآبادی بزرگ پڑھنے کے بعد مجھے زندہ رہنے دیں گے اس لئے ؎

کردم اشارتے و مکرر نمی کنم!

شطرنج رات دن بھر کھیلتے۔ پتنگ مسلسل اڑاتے مہینوں پتنگوں کے جلسے ہوتے جتنے لوگ شریک ہوتے انہیں کھلاتے پلاتے۔ ان کی عادت کے موافق ہر بات کا خیال رکھتے تھے۔ بہت مزخرفات، علمی حیثیت ایک چلتی پھرتی انسائیکلوپیڈیا تھے۔ مسائل علمیہ سے لبریز ہوتے ؎

اک ذرا چھیڑیئے پھر دیکھئے کیا ہوتا ہے

بڑے سے بڑا فتویٰ چلتے چلتے لکھا دیتے۔ اہم سے اہم مسئلہ شطرنج کھیلتے کھیلتے حل کر دیتے۔ اہم سے اہم مقدمہ کا ستہ گزگزاتے ہوئے

... لاکھ روپئے میں ... کی حیثیت سے بھی کام کیا اور ... کر رہے تھے قانون داں ... کی
... کی خدمت کی اس لئے تعارف اور تعلق ... قبول کر لیتے تھے مگر ... آباد ... ہے
... میں جب ... ہو گیا تو ... فرمایا کہ ... سید یوسف علی صاحب کے ... جگہ
... تو ایک روز صبح ناشتہ کر کے والد صاحب ... سے پاس جلسے میں ... ساتھ ہو گیا ... مرحوم کے ...
... ہوتے تھے اس لئے دونوں میں بڑی بے تکلفی تھی۔ والد کو دیکھتے ہی ... [illegible]
... شاعر ... اسلام ... گئے ... ملاقات ... [illegible]
... آباد میں ... کا جلسہ ہوتا تو ... [illegible] ... تھے۔
خوب ... اچھے تھے ایسی اچھی تقریر فرماتے ... خوش ہو جاتا تھا ... [illegible]
... تھے مگر بحث ... [illegible]
... ادا کرتے تھے۔
... فارسی غزل ... [illegible]
... پڑھتے تھے ... عبدالرشید خاں ... [illegible]
... صاحب ... [illegible]
... جنگ ہی کے خلاف ریشہ دوانی شروع کی ... [illegible]
... ہر کام کر لیا ہر بات ... آمادہ تھے
اگر ... میں ... اور وہ صرف علمی ادبی ... [illegible]
... انھوں نے ملک کی علمی، ادبی، سیاسی و مذہبی خدمت خاصی کی ہے۔ ... [illegible]
... پس ماندوں کو شعر و ادب سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔

غلام حسین داد

آج سے پچاس سال پہلے ایک بڑی اچھی جماعت نوجوانوں کی ... [illegible] ... علمی ...
... حسینی ... حضرت علی اور شریف الخاندان تھے، گھر کے بھی خوش حال تھے، طبیعت میں جدت اور ... خدمت کا جذبہ
تھا۔ ساتھ ہی ساتھ علمی، ادبی جدوجہد بھی کرتے تھے۔
چھوٹی چھوٹی نظمیں بڑی اچھی کہتے تھے، ان دنوں مرثیہ خوانی اور ... خوب عام تھی، جس طرح ... میں ... ہوتی ہیں اسی طرح
حیدرآباد میں ایک طبقہ ... کا تھا یہ نیچ ذات کی ہوتی تھیں مگر ہوتی غضب کی تھیں۔ ان میں سے کچھ "گارڈن" کی حیثیت سے ڈیوڑھیوں
میں نوکر رہتیں کچھ ... کی حیثیت سے گھروں میں نوکر رہتیں اور کچھ صرف "پیشہ" کرتی تھیں مگر یہ سب ہوتی تھیں ... حیدرآباد کا
نوجوان طبقہ ان سے بہت متاثر تھا۔ بیشتر لوگوں نے ایک ایک ... بطور "داشتہ آید بکار" رکھ چھوڑی تھی۔ شرفا اور امرا کم مگر متوسط
اور ادنیٰ طبقہ بہت زیادہ اس سے متاثر تھا۔ ان دنوں یہ معیوب بھی نہ تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ ... ہوتی بھی عجیب تھی۔ ایک وضع اس کے چکر میں

چھپنے کے بعد ملک میں مقبول ہوا۔ اکثر لوگوں نے اپنی بیاضوں میں اس کو نقل کیا تھا اور اس کے شعر لوگوں کی زبان پر تھے۔ ان کے اس نام کا معلوم کسی کو بھی نہیں تھا۔ سب سے پہلے ملام حسین نے ایک نظم کو اس کتاب میں ساتھ کے چار صفحوں کی صورت میں ہزاروں کی تعداد میں شائع کی۔ اس کا نام رکھا "مرلی کی بہار"۔ پھر سیندھی حرف پر ایک نظم کو، اور بہت سی نظمیں چھپوائیں۔ اس کے بعد مرلی نامہ، "بچوں کی دوستی" وغیرہ قسم کی نظمیں بڑی عمدہ عمدہ کتابیں شائع کیں۔

یہ نظمیں مولوی صاحب کی نہیں ہوتی تھیں۔ ان کے علاوہ عبدالحی باتوں میں رحلی، کیفی، ترجمہ زادہ وغیرہ کے بھی تھے جیسے ہی پڑھیں ہر روز بہ گراہک نظر ہوتی کرتے تھے ایک ایک کتاب کو روز اگر چھپوانے تو اسے ہزار سال اور اس کے طابع وغیرہ ہوتے تھے۔ سالگرہ شادی بیاہ پر سہرے، قطعات وغیرہ لکھے گئے تھے۔ تب بھی ایک بڑی کتابی صورت میں چھپوا دیا تھا۔ جب شادی پر سہروں کا مجموعہ واؔر نے چھپوایا، اس طرح بہت دوستوں کی خوبیاں بلکہ ملک کی خلاق و سماجی خدمت بھی انجام دیتے تھے۔ حیدرآباد میں بازار میں نہیں تب واؔر نے اپنی چھوٹی چھوٹی کتابوں کی معمولی قیمت رکھ کر لڑکوں کو دینا شروع کیا اور وہ گھوم پھر کر بیچنے لگے۔ اس طرح واؔر نے حیدرآباد میں بازار پیدا کئے اور پھیری والے کتب فروش بھی انہی تدبیروں کی وجہ سے بنے۔ ان تدبیروں کے ساتھ لوگوں نے آمدنی بغدادی قاعدہ وغیرہ بھی رکھ کر چلتے پھرتے بیچنا شروع کر دیا۔ واؔر کی نظمیں اتنی مقبول ہوئیں کہ بچے بچے کی زبان پر چڑھ گئیں۔ یہ سلسلہ واؔر اور ان کے ساتھیوں نے سات آٹھ سال تک جاری رکھا۔ میں نے ان تمام کتابوں کو اکٹھا کر کے جلدیں بنوا لی تھیں مگر میری زندگی "دشت گردی اور صحرانوردی" میں بسر ہوئی اور بیس سال سے حیدرآباد میں بھی تو محلہ نورد کبھی کرنول میں تو کبھی سلطان پورہ میں، کبھی عثمان پورہ میں تو کبھی سلطان شاہی میں۔ اس طرح کرایہ کے مکانوں میں رہنے سے میری کتابیں دیمک کی نذر ہو گئیں اور ادھر سے ادھر آنے جانے میں الگ ضائع ہوئیں۔ اب ان میں سے ایک کتاب بھی میرے پاس نہیں اور حقیقت یہ ہے کہ میں نے انہیں حقیر سمجھ کر ان کی حفاظت بھی نہیں کی۔ ہائے کتنے کام کی چیزیں میں نے برباد کیں۔

بچپن میں یہ نظمیں جیسے جیسے کہی جاتی تھیں میں یاد کر لیتا تھا کیونکہ ہمارے دیوان خانہ ہی میں یہ کہی جاتی تھیں۔ ایک نظم کے چند شعر آگے سن لیجئے۔ شانِ نزول یہ ہے کہ ایک صاحب بڑی بچوں کو گھر بار چھوڑ کر مرلی کے گھر پڑ گئے ہیں اور ماں کے بیوی بچے یوں دن گزار رہے ہیں:

ماں بے قرار ہے کہ پکانے کو کچھ نہیں بچے بلک رہے ہیں کہ کھانے کو کچھ نہیں
بیٹی کے پاس جسم چھپانے کو کچھ نہیں گھر کا یہ حال ہے کہ بچھانے کو کچھ نہیں
رے رے نرے بنٹے بچے کو سوا میرے

. . . .

بہرحال واؔر نے ملک کی بڑی خدمت کی۔ ایک پریس انہوں نے قائم کر لیا تھا۔ کتابت کبھی خود کرتے، کبھی کسی سے لکھوا لیتے۔ نہایت مرنجاں مرنج اور درد مند دل کے مالک تھے۔ مجھ پر بڑی عنایت فرماتے۔ جب کوئی کتاب چھپواتے سب سے پہلے مجھے عنایت فرماتے تھے۔ رہتے کہاں تھے مجھے معلوم نہیں کیونکہ ہم کبھی ان کے گھر جاتے ہی نہ تھے۔ یہی آتے اور بہت آتے بلکہ دو دو دن ہمارے پاس ہی رہتے تھے۔ سعید بن علی مصلی ایک عرب جمعدار والد کے دوست تھے وہ بھی بہت آتے تھے۔ واؔر سے ان کی بڑی بے تکلفی تھی۔ دونوں جب موجود ہوتے تو آپس میں خوب چھیڑ چھاڑ ہوتی تھی۔ اب تو بہت کم لوگ واؔر کو جانتے ہیں مگر اہلِ حیدرآباد کبھی بھلا نہیں سکتا۔

عزیز یار جنگ

نواب مشرف جنگ کے فرزند تھے۔ حیدرآباد سے [illegible] شاعر اور مشہور [illegible]
[illegible] تھے۔ حیدرآباد ہی میں تعلیم و تربیت پائی [illegible]
[illegible]

[illegible] سے یہ مضمون [illegible] مجھ [illegible]
[illegible] اپنے [illegible] عزت [illegible] ایسے ہر شخص [illegible]
[illegible] حاصل کرنے کا شوق [illegible] ہے

میں نے ان کی غلطی دور کرنے کی [illegible] ظاہر کر دی [illegible]
[illegible]
[illegible] تو [illegible] زیادہ [illegible]

داغ سے [illegible] پریشان ہو گئے تھے۔ آخر [illegible] اور عزیزی ان کے کھانے اور پینے کے ذمہ دار رہے [illegible] ناداں [illegible] کرتے رہے [illegible] ناداں [illegible] گئے اور [illegible] گئے۔ لوگوں نے پوچھا [illegible] سنایا۔

شمع سے کو جب ناز میں گرا
میں نے [illegible] کہاں ہے؟

ناداں کا کلام [illegible] میں تھا [illegible] ایک تکیے میں بھرے [illegible] عزیز یار جنگ کے پاس رہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ عزیز یار جنگ کے دیوان "ارمغانِ عزیز" میں کچھ حصہ ناداں کا بھی ہے، اور [illegible] جاتا ہے کہ تحقیق [illegible] مگر [illegible] کہ ایسا نہ ہوگا کیونکہ عزیز [illegible] اور اچھے شاعر تھے۔

[illegible] ڈاکٹر مس [illegible] سے بڑی دوستی تھی جس کی وجہ سے خود بھی بہت باقاعدہ زندگی بسر کرتے تھے۔ [illegible] میں یورپ کا سفر بھی کیا تھا۔ شعر و سخن کا ذوق بہت تھا دن بھر اسی کا چرچا رہتا تھا۔ مرنے تک یہی کیفیت رہی۔ بڑے وضع دار اور شریف آدمی تھے۔

اکبر علی

مولوی اکبر علی مدیر صحیفہ کے بقول صاحب نے ابتدا میں صحیفہ کے نام سے ایک ماہنامہ جاری کیا تھا مگر وہ ایک سال بھی نہ چلا آمدنی تھی، پابندی سے [illegible] نکالنے کے بس کا روگ نہ تھا۔ اس لئے رسالہ جلد ہی بند ہو گیا اور اسے اکبر علی صاحب نے لے لیا۔ چند پرچے ماہوار نکلے اور پھر ۱۹۱۱ء میں [illegible] میر عثمان علی خان بہادر کی تخت نشینی کی تقریب میں صحیفہ کو روزنامہ بنا دیا اور اس اخبار کو بڑی عمدگی سے چلاتے رہے۔ اکبر علی حیدرآباد کے ایک [illegible] خاندانی قریشی گھرانے سے تھے۔ [illegible] کامیاب ہو کے صدر محاسبی میں ملازمت کر لی تھی۔ پھر صحیفہ جاری کیا تو ملازمت چھوڑ دی اور بڑی محنت سے صحیفہ کو اپنے پاؤں پر کھڑا کیا۔ بڑے پابند وضع اور مخلص۔ جب مجھ سے ملتے بات بات پر [illegible] ہی [illegible]۔ والد کے دوست تھے اس لئے مجھ پر بڑی عنایت فرماتے تھے۔

۱۹۱۶ء میں جبکہ میں والد کے ساتھ عثمان آباد میں تھا، اکبر علی صاحب نے مجھے نامہ نگار بنایا اور ضلع کی ہفتہ وار خبریں بھیجنے کے [illegible] میں ۱۹۱۶ء سے ۱۹۲۳ء تک عثمان آباد اور گلبرگہ سے صحیفہ کی نامہ نگاری کرتا رہا۔ ہر دو چار مہینے کے بعد دو چار روپے کے ٹکٹ اور چھپے ہوئے فارم اکبر علی صاحب میرے پاس بھجوا دیا کرتے تھے۔ یہ معاوضہ دیتے تھے وہ نامہ نگاروں کو۔ عام حالات لکھنے میں کام آتے اور ٹکٹ لفافے پر [illegible] میں لگ جاتے۔

۱۹۲۶ء میں جب میں مستقل طور پر حیدرآباد آیا تو مجھ سے ترجمے کی خواہش کی اور میں نے صحیفہ کے لئے ترجمہ کرنا بھی شروع کیا مگر [illegible] نے اس کا معاوضہ نہیں دیا۔ عبدالرؤف صاحب بی اے ایل ایل بی جو بعد میں حیدرآباد میں وزیر بھی ہو گئے تھے [illegible] روزانہ تین چار گھنٹے صحیفہ میں بیٹھ کر ترجمہ کرتے رہے مگر مولوی جی نے انہیں بھی [illegible] کوئی معاوضہ نہیں دیا۔ کاتب [illegible] بھی تنخواہ [illegible] رہتے تھے۔ مولوی جی کے [illegible]۔

صحیفہ [illegible] کرکے خاصا نام اٹھایا۔ پھر دہلی اور کلکتہ کے سفر میں حضور نظام کے ساتھ جاکر سفر شاہانہ کا روزنامچہ مرتب کیا اور اس کی طباعت اور اشاعت کے لئے [illegible] اس طرح آمدنی کے ذرائع بہت محدود [illegible] مگر [illegible] کھلاتے۔ اس سے زیادہ ہمت نہ کرتے تھے۔ اس طرح بحالت ان کی طبیعت [illegible]۔ اس حالت کے باعث [illegible] سب تنگ تھے۔

اس سے قطع نظر آدمی بڑے ہی پابند اور دھن کے پکے تھے۔ جو بات ذہن میں آتی لکھتے [illegible] کسی کا بھی [illegible] کا خوف بھی نہ ہوتا تھا۔ البتہ سر اکبر حیدری کو بہت سراہتے تھے۔ ریلوے کے مسئلے پر سر اکبر کی موافقت کے پرچے چھاپے اور خود [illegible] سیڑھی [illegible] رات بھر حیدرآباد [illegible] کر دیواروں پر اپنے ہاتھ سے پوسٹر لگائے تھے اور سر حیدری سے روپیہ بھی پایا تھا۔

پرانی وضع کے آدمی تھے نئی باتیں نہایت ناپسند تھیں۔ اپنے اخبار میں ایک کالم نسوانی [illegible] کے نام سے [illegible] جس میں عورتوں کی [illegible] چھپتی تھیں اور بڑے مزے مزے سے عورتوں کی بدکرداریاں چھاپتے تھے۔ آج کل جس طرح صدق جدید [illegible] عورتوں کی باتیں کو مزے لے لے کر لکھتا ہے اسی طرح اکبر علی بھی لکھا کرتے تھے۔ ایک دفعہ ایک خبر ملی کہ کوئی لڑکی اپنے [illegible] کے ساتھ فرار ہو گئی مولوی جی نے سرخی بنائی [illegible] اس طرح بڑے مزے کی چیزیں چھاپتے رہتے تھے۔

بعض خرافات پر نیک دل سے خفا ہوتے اور بڑی عمدگی سے اس کے خلاف لکھتے اور یہ قلمی جہاد مسلسل کرتے رہتے تھے۔ غرض حیدرآباد کے قصر صحافت کے ایک ستون تھے۔ تقریباً چالیس سال تک صحیفہ چلاتے رہے اور بڑی عمدگی سے چلایا۔ ان کے انتقال کے بعد ان کے بیٹے پرچہ نہ چلا سکے۔ پریس اب تک چل رہا ہے جو انہی کی یادگار ہے۔

[illegible] بھی کچھ عرصہ تک ایک [illegible] احسان صاحب [illegible] ہو گئے [illegible] تک [illegible] تھا [illegible] بھی [illegible] شاعرہ [illegible] کر کے خود [illegible] جس میں [illegible] آتی ہے

راجیشور راؤ اصغر

حیدرآباد [illegible] رہنے والے [illegible] ہندوستان [illegible] ہو [illegible] زیادہ [illegible] میں مصروف رہے [illegible] بیٹے [illegible] چھوڑ کے رہتے [illegible] تصنیف کی کتاب [illegible] آخر تک [illegible] چھپائی [illegible] ہے ایک انتخاب شعر [illegible] ہے۔

ابتدا [illegible] سے [illegible] کے پاس [illegible] جاتے [illegible] طرف [illegible] ہوتے [illegible] گھر نکلے [illegible] سے [illegible] تھے [illegible] کو دکھاتے اور انہی کی معرفت چھپنے [illegible] پندرہ بیس سال ہو [illegible] کئی [illegible] سال [illegible] مضامین مجھے بتاتیں [illegible] چھپی [illegible] جیسی کتابوں کا [illegible] مصنف تھے۔

چونکہ [illegible] اور اپنا پروپیگنڈہ کرنا نہ آتا تھا اس لئے زیادہ مشہور نہ ہو سکے، احباب بھی ایسے نہیں تھے جو اچھالتے۔ بیچارے تقریباً گمنام رہے۔

مختار احمد

[illegible] اسلامی [illegible] ٹونک کے باشندے تھے مدتیں پہلے حیدرآباد آ گئے اور [illegible] کہیں [illegible] علمی خدمات کے سلسلے میں کچھ تنخواہ بھی مقرر تھی اور [illegible] سے [illegible] مل جاتی تھی [illegible] میں صرف ہوتی یا دعوتوں میں۔ تنخواہ آتی [illegible] دعوت کرتے خود کھاتے دوستوں کو کھلاتے تنخواہ ختم ہو جاتی تو فاقہ کشی کے بھی تیار ہو جاتے مگر اپنی فلاکت اور تنگ دستی زبان پر نہ لاتے۔ مجھ سے دوستی اس طرح ہوئی کہ ایک رسالے میں ان کا مضمون [illegible] میں مکتبہ ابراہیمیہ میں بیٹھا تھا کہ یہ تشریف لائے، بغیر کسی تعارف کے مجھ سے پوچھا آپ کیا پڑھ رہے ہیں میں نے رسالہ کا [illegible] پوچھا مضمون کس کا ہے [illegible] پوچھا آپ جانتے ہیں یہ کون ہے میں نے لاعلمی ظاہر کی تو پوچھا مضمون کیسا ہے، میں نے تعریف کی تو [illegible] میرا مضمون ہے اس کے بعد گھنٹے [illegible] تک گپ اڑاتے رہے پھر تو یہ حال ہوا کہ جہاں ملتے روک بیٹھتے۔ لمبی گفتگو ہوتی اور خوب باتیں ہوتیں، جغرافیہ ان کا خاص موضوع تھا۔ اسلامی شہروں کے متعلق بڑی معلومات رکھتے تھے اور اس قسم کے مضامین خوب لکھتے تھے مگر صرف جغرافیہ ہی کی حد تک معلومات محدود نہ تھیں تاریخ اور ادب پر بھی خاصا عبور تھا، عالم و فاضل بزرگ تھے۔

اپنے چھوٹے بھائی مولوی وقار احمد ایم اے، ایل ایل بی مدیر رہنمائے نظام گزٹ کی تعلیم و تربیت انہی کی محنت کا نتیجہ ہے اپنے

ایک چیدہ نشان محمد کرکے بڑی ہمدگی سے تیار کیا تھا مگر نصیب نے دماغ مفارقت دیا۔ تھی جو اب مقام گزشتہ کام کرتے ہیں انھوں نے غزل مختلف
مولوی محمد مصطفیٰ زیبی حیدرآبادی سے بڑی دوستی تھی۔ ایک لڑکے کی شادی ان کی شکل سے کی تھی۔
لغات پر بھی عبور تھا۔ محمد صاحب کی طرز پر بھی تھی۔ آخر میں تصنیف کی طرف بھی متوجہ ہو گئے تھے۔ دکنی زبان کی ایک لغات بھی مرتب کر رہے تھے
اپنے موضوع سے بحث اور دوسرے مصنفین پر کتابیں لکھے اور فروخت کر دیتے تھے بعض دفعہ اپنی کتابیں فروخت کر دیں جو دوسروں کے نام سے چھپیں۔
اور بعض اوقات اعتراض بھی ہوئے اپنے سو گزرتے ہے مگر ہمیشہ شاد و خرم تھے زندگی تکلیف میں بسر کی۔ آدمی وضعدار اور بڑے مخلص تھے۔
علمی فراخ دلی تھی اور ہر قسم کی مخالفت سے علیحدہ تھی طبیعت میں حسن و کمال مطلق نہ تھی۔

مانک راؤ وٹھل راؤ

جاگیردار اور حیدرآباد کے وہ بزرگ تھے جو عربی فارسی پڑھے ہوئے بزرگ تھے۔ تاریخ کا ذوق فطری تھا۔ تاریخ دکن پر شروع کی تھی۔ بستان آصفیہ کے نام سے ایک سلسلہ شروع کیا تھا جس کی کئی جلدیں چھپیں۔ وہ چونکہ جدید طرز تحقیق اور طریقہ ترتیب سے ناواقف تھے اس لئے پنی کتابیں پرانے طریقے پر مرتب کیں اور چھپوائیں۔ مگر مواد نہایت ہی عمدہ جمع کیا ہے۔ آنے والی نسلیں اس مواد کو اپنے حسب منشا استعمال کر سکتی ہیں جو ہر طرح کارآمد ہوگا۔

ان میں خصوصیت یہ تھی کہ نہایت متدین قسم کے بزرگ تھے تعصب و تنگ نظری مطلق نہ تھی۔ تاریخ کو تاریخ ہی کی طرح مرتب کرتے تھے مستند واقعات سے تاریخ مرتب کرنے کے قائل نہ تھے۔ سو سال پہلے ایک مورخ غلام حسین خاں نے مدرسہ میں ہو بہو جیسی کی ترتیب دی تھی۔ انھوں نے ایک نفیس تاریخ یادگار لکھی جس میں مرتب کی تھی اور جس میں ریاست وار سے واقعات مرتب ہونے تھے ان کے بعد مانک راؤ ہی کا نمبر ہے۔

مجھے یاد نہیں ہے کہ میری ملاقات راؤ صاحب سے کب ہوئی مگر دو تین سال سے ملاقات تھی۔ جب کبھی حسینی علم کی طرف جانا ان سے ملتا اور وہ جب بھی چار مینار کی طرف آتے مجھ سے ضرور ملتے تھے تاریخ کی ترتیب کے سلسلے میں مشورہ کرتے تھے گزشتہ سے پیوستہ کرتے تھے بلکہ پیارے نام ہی پر ترتیب دیتے تھے۔

کام کرنے کا ڈھنگ بڑا اچھا تھا۔ اخبارات کے کٹنگ بڑے سلیقے سے جوڑ رکھے تھے اور الگ الگ عنوانات۔ الگ الگ کٹنگ جمع کرتے تھے اس طرح انھوں نے تاریخ مسلسل مرتب کی تھی اور بڑی عمدہ چیز محفوظ کر دی تھی مثلاً حیدرآباد کی طغیانیاں ایک جگہ کر دی تھیں بعض جلدیں مستقل بنا دی تھیں جو بڑی اہم تھیں گزشتہ تیس چالیس سال میں ایسا اچھا اور کارآمد مواد کسی نے بھی فراہم نہیں کیا۔

ذات کے برہمن تھے اور پابند مذہب بھی تھے۔ کھانے پینے میں احتیاط کرتے تھے مگر علمی رواداری اور مذہبی بے تعصبی خاصی تھی۔ طبیعت میں انکسار تھا اور بڑی خندہ پیشانی سے ملتے تھے۔ مرنے سے پہلے ایک جلد تیار کر رکھی تھی اور چھپانے کی فکر ہی میں تھے کہ انتقال ہو گیا۔ بہرحال پانچ چھ جلدیں جو انھوں نے چھپوا دی ہیں یہی ان کا بڑا کارنامہ ہے۔

سردار نواز جنگ

آج سے تیس پینتیس سال پہلے آپ نے انگریزی اخباروں میں "سید سردار علی کی کھلی چٹھی" پڑھی ہوگی۔ یہ کھلی چٹھیاں انھی نواب سید سردار علی خاں

نواب [illegible] جنگ کی [illegible]

[illegible] سالار جنگ [illegible] سے بہت متاثر ہو گئے۔

[illegible] میں [illegible] صاحب [illegible]

[illegible] صاحب [illegible] بہت [illegible]

[illegible] پاس کام کرتا رہا [illegible]

[illegible] آخر تک رہے

[illegible] انگریزی کے [illegible] واقف [illegible]

[illegible] شاہ [illegible]

[illegible] صاحب کی طرح کا انسان [illegible] صاحب [illegible]

[illegible] کے لیے ایک مسئلہ پیش کر دوں اور وہ اس پر غور کر سکیں [illegible] شخصیت [illegible]

کوئی مقام تجویز کریں تو بہتر ہوگا۔

مجھے ان کے پاس کام کرنے کی سعادت نصیب ہوئی ہے اور چونکہ میں [illegible] ان کی خدمت میں [illegible]

[illegible] اس [illegible] میں ان سے [illegible] کہ آپ کی یہ حرکت [illegible]

[illegible] انسانی فطرت میں [illegible] مسلسل نیکیوں کا [illegible] جب اس کی مسلسل نیکیاں دیکھتے [illegible]

گمان کر سکتے ہو [illegible] کرو۔

یہ تھا ان کا فلسفہ اور [illegible] بد نصیب [illegible] وضعداری کی وجہ

سے دوستی نباہتے رہے وہ بھی دل ہی دل میں ان سے متنفر تھے۔

عربی، فارسی تعلیم بڑی اچھی ہوئی تھی انگریزی کے [illegible] انگریزی کی [illegible] بڑی صاف

سلیس اور بامحاورہ اردو بولتے اور لکھتے تھے۔ مطالعہ [illegible] تصوف، فلسفہ [illegible] سائنس [illegible] منقولات

سب پر یکساں نظر تھی۔ جس موضوع پر گفتگو کرتے یہ معلوم ہوتا کہ [illegible] کے ماہر ہیں۔ [illegible] کے علاوہ قانونی اور [illegible]

معلومات کا بھی یہی حال تھا۔ اجمیر شریف سے واپس ہوتے ہوئے [illegible] ایک روز [illegible] مجھ سے [illegible] کے کالج اور [illegible]

اٹھایا سوسائٹی کو کیسا چلانا چاہتا ہوں۔ میں نے جاکر ان لوگوں کو اطلاع دی اور انھوں نے آنے کی اجازت دے دی تو سالانہ رکن بننا قبول کر لیا۔ بعد میں اور سوسائٹی کے جلسوں کو ایسا لبھایا کہ سب ان کا کر (؟) بعض تو ایسے گرویدہ ہوئے کہ اشتیاق سے خاص اہتمام کر گئے۔ جلسے کے بعد بیان نے بڑی حیرت سے پوچھا کہ آپ نے حیدرآباد میں ایسے قابل لوگ کس طرح پیدا ہوئے یہ تو ان کی غیر معمولی قابلیت اور جلسے کی کامیابی کے مالک ہیں۔ میں نے جواب دیا: آپ لوگوں نے فقط ایک ہی سوسائٹی کو دیکھا ہے ... صدر المہام ... ان سے زیادہ قابل ہیں مصلحتاً نہیں کی مگر حقیقت یہ ہے کہ ان دونوں کو سردار صاحب نے متحیر کر دیا۔ یہ حال ان کی قابلیت کا تھا۔

انگریزوں کے زمانے میں حیدرآباد کے متعلق بڑی گڑبڑ ہو رہی تھی چونکہ حالات نازک صورت اختیار کر چکے تھے اس لئے حضور نظام کو دہلی بلایا گیا تھا۔ سردار نواز جنگ نے حسن نظامی کو فراہم کر کے دہلی میں حضور نظام کے استقبال کی تیاریاں کر دی تھیں اور اس شاندار استقبال کو ایسا کیا کہ انگریز بھی دنگ رہ گئے۔ یہ سارا کھیل سردار صاحب نے حیدرآباد میں بیٹھ کر کھیلا۔ پھر جب حضور دہلی سے واپس ہونے لگے تو حیدرآباد میں خوشی اور چراغاں کرنے کی تحریک کی اور سب سے زیادہ خود سردار صاحب نے حصہ لیا۔ ایسے کھیل وہ بیٹھے بیٹھے کھیل لیتے تھے ... زیادہ انہیں یہ مشکل تھا کہ انگریز سخت ناراض ہو گئے اور ریذیڈنسی ان کی علیحدگی کا مطالبہ کرتی رہی اور انہیں وظیفہ پر سبکدوش ہونا پڑا۔ چونکہ میری آمد و رفت اس زمانے میں بھی سردار صاحب کے پاس تھی اور بیشتر واقعات میرے سامنے ہوتی رہی اور بعض خود مجھ سے مشورے لئے اس لئے میں اس راز سے واقف ہوں۔

سردار صاحب کو عبدالمجید صاحب ... سے بہت محبت تھی اور ان کا بہت احترام کرتے اور باقاعدہ پاؤں چھوتے تھے۔ گرجن کے متعلق انہوں نے سفارش کی تو وعدہ کر لیا کہ ان کی سفارش نہیں کے مگر ان کے جاتے ہی ان لوگوں کو ڈانٹ بتائی کہ میرے بلانے پر ... کو تم نے رپورٹ کر کے بہانہ بنالیا۔ میں نے ان کے کہنے سے وعدہ تو کر لیا ہے مگر یاد رکھو تمہیں اسی طرح سزا دوں گا۔

بعض لوگوں کو منصرم تحصیلداری دے کر بھجواتے پھر بعض لوگوں سے کہہ کر ان کے خلاف درخواستیں دلاتے اور ان درخواستوں کا مداوا کر کے انہیں تحصیلداری سے ہٹا دیتے یہ لوگ روتے پیٹتے آتے تو ڈانٹ ڈپٹ کرتے اور نرمی ترک کر کے پھر کسی تحصیلداری پر بھجواتے۔ اس طرح کے کام بہت کرتے اور اس سے خوش ہوتے تھے۔

فصیح جنگ ان کے بڑے مرشد، مربی اور ہمدرد تھے جنہیں وہ "حضرت محسنی" لکھتے اور کہتے تھے۔ ایک مرتبہ مشہور ہوا کہ سردار صاحب کو زوال بلند ہو رہے ہیں تو فصیح جنگ نے نواب حسین دوست خاں سے میرے سامنے ہی کہا کہ اے نواب! سردار صاحب کو زوال ہو رہا ہے میں تو اپنا بستر باندھ رہا ہوں، تم بھی اپنی جاگیر کا رخ کرو اب حیدرآباد کی خیر نہیں ہے۔ سردار صاحب بیٹھے ہوئے ہنستے رہے۔

کمال یہ تھا کہ اپنے ماتحتین کو معطل، موقوف، برطرف کرتے یا تبادلہ کرتے سردار صاحب یہ سمجھتے تھے کہ انہوں نے بڑا نیک کام کیا ہے اور خلق اللہ کو اس طرح فائدہ پہنچایا ہے۔

سردار صاحب کی دو خصوصیتوں کا میں قائل ہوں۔ ایک تو یہ کہ شاہ پرست تھے۔ مرتے دم تک شاہ پرست رہے اور دوسری یہ کہ چاہے کسی شخص کے کتنے ہی دشمن ہوں وہ مر جاتا تو اس کے بیوی بچوں سے اخلاقی ہمدردی کرتے۔ بعض لوگوں کا سردار صاحب نے تبادلہ کیا پھر انہیں معطل کیا اور پریشان کرتے رہے اسی پریشانی میں وہ مر گئے تو آپ نے ان کے بچوں کو جیب سے روپے دئے، بیوی کے وظیفے کی کارروائی کی، ذاتی طور پر سفارش کر کے وظیفہ منظور کرایا، بعضوں کے لڑکوں کے تقررات کرائے مگر زندگی بھر وہ لوگ معترف رہے۔

شیر دل ایسے تھے کہ کسی سے نہ ڈرتے تھے اور رعب سے اس کے بے اختیار ہو جاتے مگر پہل اپنی طرف سے نہ کرتے تھے۔ نہایت ہی سلجھے ہوئے طریقے سے ہر شخص سے پیش آتے اور وہ ذرا بھی بے اعتدالی کرتا تو پھر مقابلہ شروع ہو جاتا اور ایسا بھی کبھی کبھی ہو جاتا تھا۔

اکثر بیمار ... [illegible] صاحب کے ... [illegible] ... طبابت ... [illegible]

... [illegible] ... سے ... [illegible] ... [illegible]

... [illegible] ... ڈاکٹر صاحب ... [illegible] ... [illegible]

... [illegible] ... کر دیا جائے ... [illegible] ... جواب دیا کہ ... [illegible]

... [illegible] ... سے کوئی اچھا ... [illegible] ... ڈاکٹر صاحب کو ... [illegible]

... [illegible] ... ڈاکٹر صاحب ... [illegible] ... [illegible]

... [illegible] ... ڈاکٹر صاحب ... [illegible] ... [illegible]

... [illegible] ... ڈاکٹر صاحب ... [illegible]

... [illegible] ... [illegible]

... طبابت ... [illegible]

بہرحال ... صاحب کی شخصیت ... عجیب و غریب بزرگ تھے۔

توفیق

دکن میں شاعری کا جو رواج ہے اس سے بہت سے شاعر ہوئے اور ہیں مگر یہاں کی شاعری پر عشق کا شوق اور کچھ یکسانی سی رہی ... سے لوگوں نے اپنا تخلص مقرر کر لینا لازمی سمجھ لیا تھا جس طرح لوگ خواہ مخواہ اپنی کنیت رکھ لیتے ہیں اسی طرح یہ لوگ بھی ایک شعر ... کرتے تھے اور تخلص کی اطلاع رکھنے کے لئے غزل بھی کہ لیتے اور اپنا ... خواہ مخواہ ... [illegible] ... ان کے علاوہ بعض ایسے بھی تھے اور ہیں جنہوں نے عمر بھر دو ہی غزلیں کہیں مگر ... اپنے آپ کو شاعر سمجھتے رہے اور اب تک سمجھ رہے ہیں۔ ایسے لوگ صرف دکن ہی میں نہ تھے اور ہیں بلکہ ہندوستان اور پاکستان میں بھی موجود ہیں مگر خوش ہیں چند ایسے لوگ بھی پیدا ہو گئے جو واقعی شاعر ... [illegible] ... سمجھا جا سکتا تھا ایسے ہی لوگوں میں سید جلال الدین توفیق بھی تھے۔ بزرگ سید زادے اور سادات ... سے تھے ... [illegible] ... اور ... پڑھے لکھے تھے ضروریات شعری سے باخبر اور عروض و قافیہ پر اچھی نظر تھی، صدر محاسبی میں ملازمت تھی ... [illegible] ... بچپن سے شعر و سخن کا شوق تھا اور اچھی مشق تھی۔

طبیعت میں ... [illegible] ... سمجھ کر شعر کہتے اور احتیاط ملحوظ رکھتے تھے، ابتدا شعرائے لکھنؤ کی اتباع کی اور آتش و ناسخ کی پیروی کرتے رہے مگر جلد ہی اسے چھوڑ کر غالب و مومن کی طرف متوجہ ہو گئے اور ان دونوں اساتذہ کا مطالعہ اتنا گہرا کیا کہ خود بھی ان ... کی صدائے بازگشت بن گئے اس سے ... تو ہوا کہ ان دونوں استادوں کے رنگ میں بے تکلف شعر کہنے لگے مگر نقصان یہ ہوا کہ اپنا کوئی رنگ پیدا نہ ہو سکا۔

توفیق نے زیادہ کوشش مومن کا رنگ اختیار کرنے کی کی ہے اور ایک حد تک کامیابی بھی ہوئی ہے مگر تصوف اور اخلاق کی طرف جو ... مائل ہو گئے تو غالبیت آ گئی اور زیادہ تر غالب ہی کی پیروی کرتے رہے۔ توفیق فطرتاً شاعر پیدا ہوئے تھے، ان کی طبیعت شاعری کے ... [illegible] ... مگر مومن کا رنگ ان پر ... نہ تھا اس لئے کہ مومن کے پاس تغزل اور صرف تغزل ہی تھا اور اس کے لئے "رنگینی" کی ضرورت ... [illegible] ... اس لئے مومن کے رنگ میں جو کچھ کہتے گویا ... [illegible]

اس کی نہایت کامیاب ہونے کی تقلید کی ہے۔ بیدل کا [illegible] عاشق [illegible] محسوس ہوتے تھے ان کی بھی تقلید نہ ہو سکی۔ جس طرح آتش و غالب نے مضمون عاشقانہ کو سادہ بیان کر کے [illegible] کیا جا سکتا ہے اسی طرح توفیق نے بھی مصنف پر جیسا کہ مومن کا تتبع کیا جاتا ہے یہی وجہ ان کی ناکامی کی ہوئی۔

مرزا غالب سے اس کا انداز بیان ہی اور تھا۔ طرز بیدل ہی دیکھئے کیا توفیق سے کیا ہو سکتا اس لئے اس رنگ میں بھی وہ مسائل تصوف ہی بیان کر کے رہ گئے۔ آپ کا دماغ صاف اور ذہن نے اگر اپنے دماغ سے مومن و غالب کے تتبع کا خیال دور کر دیتے اور اپنے طور پر فکر شعر کرتے تو اچھے شاعر ہو جاتے مگر وہ اس طرف غور کر ہی نہ سکے۔

توفیق نے ابتدا مشاعروں میں بھی شرکت کی اور فرمائشی نظمیں، سہرے اور قصائد بھی کہے مگر میدان میں وہ بہت محتاط ہو گئے تھے ہی چاہے تو غزل کہتے ورنہ نہ کہتے بعض وقت روز رات تک ایک شعر نہ کہتے اور پھر شعر کہنے لگتے تو مسلسل کہتے رہتے۔

والد مرحوم سے توفیق کی دوستی تھی۔ صدر محاسبی میں توفیق کے علاوہ ایک اور شاعر صاحبزادہ حافظ مرزا سجاد الدین ضیاء گورگانی دہلوی بھی تھے جو شہزادہ مرزا ضیاء دہلوی کے فرزند اور داغ کے شاگرد رشید تھے۔ یہ بھی بڑے قابل اور عروض کے ماہر تھے۔ والد مرحوم نے ان سے عروض سیکھی تھی اور داغ کے متعلق بے شمار باتیں ان سے سنا کرتے تھے۔ صدر محاسبی کا دفتر آفتاب شہر میں سالار جنگ کی ڈیوڑھی میں تھا۔ آتے جاتے میں صدر محاسبی چلا جاتا اور پہلے ضیاء اور ان کے بعد توفیق سے ضرور ملتا تھا۔ مجھے توفیق سے مل کر خوشی ہوتی تھی کیونکہ نہایت منکسر، بہت ہی متواضع اور بڑے ہی مخلص بزرگ تھے۔ ضیاء جتنے بد دماغ اور رعونت مآب تھے یہ اتنے ہی نرم خلق اور خاکسار تھے۔ کبھی [illegible] نے مجھے شعر نہیں سنایا۔ شعر فرمائشی چیز ہے [illegible] کرنے کے بھی روادار نہ ہوتے تھے۔ سلام کا جواب دینا بھی ان کے لئے بار تھا۔ بخلاف اس کے ان کا یہ عالم تھا کہ سلام کیجئے تو کرسی سے اٹھ کر کھڑے ہو جاتے بڑی محبت سے جواب دیتے، مصافحہ کرتے اور پھر متوجہ ہو کر بڑی ہی محبت سے بات چیت کرتے۔ غزل کی فرمائش کی جائے تو کبھی سنا دیتے کبھی بڑی ہی لجاجت کے ساتھ معافی مانگ لیتے۔

میرے ایک عزیز ہاشم علی مرحوم سے توفیق کے بڑے گہرے مراسم تھے اور وہ ہاشم علی کے پاس بہت آتے جاتے تھے۔ وہاں گانے بجانے کا چرچا بھی رہتا تھا۔ کبھی کبھار اپنی غزل گا کر بھی سناتے۔ موسیقی سے بھی انہیں دلچسپی تھی اور واقف بھی تھے۔ اپنی غزلوں کی دھنیں خود ہی بناتے تھے اور کبھی کبھار ہارمونیم پر گاتے بھی تھے مگر مخصوص صحبت میں زیادہ لوگ ہوتے تو انجان ہو جاتے۔

اسی زمانے میں ایک دو طوائفوں کو بھی اپنا کلام دینا شروع کیا تھا جس کی وجہ سے ان کی غزلیں خاصی مشہور ہو گئیں۔ رنڈیوں سے پبلسٹی کا کام شاید سب سے پہلے داغ نے لیا۔ پہلے غزل کی پبلسٹی کے دو ہی طریقے تھے مشاعرے یا رنڈیاں۔ لوگ مشاعرے میں غزل سن کر اکثر شعر یاد کر لیتے جو مشہور ہو جاتے تھے یا پھر رنڈیاں غزلیں گاتیں قوالی سے سن کر عوام بھی گانے لگتے۔ داغ نے تو ایک دو رنڈیاں ہمیشہ نوکر رکھیں اور ایک قوال بھی ہمیشہ نوکر رہا۔ شام میں رنڈیاں آتیں داغ اپنی تازہ غزل دے دیتے وہ یاد کر لیتیں، دھن یا تو خود بتلاتے یا وہ خود دھن نکال کر سناتیں تو درست کر دیتے۔ اس طرح غزلیں گا کر سنتے۔ یہ غزلیں داغ کے پاس سے واپس جاتے ہی رنڈیاں اپنی سہیلیوں کو سناتیں، سکھاتیں اور دوسرے دن گاتیں ان کے چاہنے اور سننے والے ان غزلوں کو گلی گلی پہنچا دیتے اور غزل جس دن کہی جاتی اس کے دوسرے روز شہر بھر میں مشہور ہو جاتی۔ اسی طرح داغ کا قوال رحمت اللہ بھی ان کی غزلوں کی پبلسٹی کرتا۔

توفیق کو داغ کا یہ طریقہ معلوم تھا اس لئے انھوں نے بھی ایسی ہی کوشش کی مگر زمانہ بدل چکا تھا۔ داغ نے انیسویں صدی عیسوی میں اپنی غزل سے پبلسٹی کا کام لیا تھا مگر بیسویں صدی عیسوی میں رنڈیوں کا زور شور ختم ہو چکا تھا۔ رنڈیوں کی جگہ ناٹک نے لے لی تھی۔ اب وہی غزلیں مشہور ہوتی تھیں جو اسٹیج پر گائی جاتی تھیں۔ علاوہ ازیں وہ بھی رنڈیاں بھی نہ تھیں اختر جان جیسی، سیماب وش، صاحب جان جیسی اللہ رکھی داغ کی غزلیں گاتی تھیں [illegible]

[illegible]
[illegible] کے [illegible] تھا۔ بلکہ اس کے توقیق ترقی کی [illegible] غالب کا [illegible]
[illegible] کے سب سے مشہور [illegible] توقیق کی یہ غزل چند سال تک زبان زد خاص و عام رہی ہے

[illegible]

علامہ اقبال کی یہ غزل مشہور ہوئی ہے

کبھی اے حقیقت منتظر نظر آ لباس مجاز میں
کہ ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں مری جبین نیاز میں

[illegible] نے بھی اسی زمین میں ایک غزل کہی جو حیدرآباد میں خاصی مشہور ہوئی

کبھی [illegible] راز میں — [illegible] حقیقت اک [illegible] اور مجاز میں
[illegible] ان کے جلوے [illegible] کہاں کی [illegible] — کہ [illegible] آئینے [illegible] نگاہ [illegible] میں
نہ کروں سلام [illegible] نہ کروں جو سجدہ [illegible] کروں — یہ خیال بت مرے سامنے ہے کھڑا ہوا ہوں نماز میں

[illegible] پیشی اور پروپیگنڈے کے خواہشمند تھے مگر اس کے اصول اور طریقے [illegible] جانتے تھے [illegible] اس کی خبر [illegible] ان کا کلام [illegible] قابل نہیں ہے اس لئے وہ زیادہ مشہور نہ ہو سکے [illegible] سے ناواقف ہی رہے

[illegible]
[illegible]

[illegible] عوام کو کیا پسند آتے اس لئے توقیق خاص خاص لوگوں ہی میں مقبول رہے۔

توقیق کے معاصرین میں کیفی اور امجد تھے امجد سے غزل نہیں سنبھلتی تھی اس لئے انہوں نے ابتدا چند نظمیں کہیں اور پھر رباعی پر اتر آئے اور اپنے آپ کو رباعی کے لئے وقف کر دیا یہ اچھا بھی ہوا کیونکہ غزل میں وہ توقیق اور کیفی کا ساتھ نہ دے سکتے تھے۔ کیفی البتہ زمانہ شناس تھے اور عوام کے نزدیک رہنا چاہتے تھے اس لئے انہوں نے عام فہم اور روزمرہ کے شعر کہنے شروع کئے نتیجہ یہ ہوا کہ توقیق سے زیادہ شہرت [illegible] حاصل رہی اور اب بھی جس قدر کیفی مقبول ہیں توقیق نہیں ہیں۔

شاگردوں کی کثرت بھی وجہ شہرت ہو سکتی ہے۔ توقیق اس سے بھی اجتناب کرتے تھے ان کے چند ہی شاگرد تھے جو محدود حلقۂ احباب [illegible] تھے [illegible] بھی توقیق کو زیادہ اجاگر نہ کر سکے۔

بہرحال توقیق کو جتنا مشہور ہونا چاہئے تھا اتنی شہرت نہ ہو سکی حالانکہ ان کا ایک دیوان بہت پہلے چھپا پھر اس کا دوسرا ایڈیشن اضافے کے ساتھ شائع ہوا مگر پھر بھی کوئی [illegible] نہ ہو سکی۔ دوسرے دیوان [illegible] میں طبع ہوا ہے [illegible] نے [illegible] اچھا مقدمہ لکھا تھا مگر

ترقی کے مواقع کی نوبت نہ آئی۔ انگریزی میں بھی اشعار کا ترجمہ کیا ہے اور انگریزی شاعری سے بھی متاثر ہیں، ان کے ساتھ بہت کچھ لکھا گیا۔ ان کا انتخاب تحفہ جلیل وغیرہ میں شائع ہوا ہے۔ قریشی صاحب بیچارے بھی صدر کراچی کے کالج میں تھے، ان کا انتقال ۱۹۶۷ء میں ہوا۔ یہ انتخاب تحفۂ سخن سالہا سال سے نہیں یہ معلوم نہیں کہ شاعر کا کلام ایسا کوئی نشر ہوتا ہے جس پر کلام کے مستند ہونے میں شبہ ہو سکے، ایسا معاملہ ہے کہ نہیں۔

بہرحال باوجود اپنی کوشش اور اپنے بیٹے کی جدوجہد کے ترقی حیدرآباد میں زیادہ شہرت نہ پا سکے مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ بڑے اچھے شاعر، بہت خاص شخصیت کے مالک اور بڑے ہی نیک دل بزرگ تھے۔

تجلّی

سید محبوب الدین نام تجلّی تخلص تھا۔ سید بہادر جنگ کے پوتے اور بخت بلند جنگ کے نواسے تھے۔ والد کا نام سید ... جو ناظر دیوانی عدالت حیدرآباد تھے، اپنے والد کے انتقال کے بعد پیدا ہوئے، اماں نے گھر سے نکل کر پہلو سے جدا کر دیا، نانا بخت بلند جنگ نے اپنے گھر لے جا کر پرورش کی۔ آہستہ آہستہ ماں کو بیٹے پر صبر آیا تو بیٹے کو اپنے گھر بلا لیا اور بڑے چاؤ چونچلے سے پالا ... کی تھی کہ خدا اللہ کو پیاری ہو گئیں، بڑی بہن زیب النساء بیگم، غیاث الدین علی شاہ، اور خالہ نے پال پوس کر پروان چڑھایا۔ جنہوں نے غیاث الدین علی ... اپنی نگرانی میں اپنے بیٹے سید قطب الدین محمد علی فاضل کے ساتھ تعلیم و تربیت کی۔

ابتدائی تعلیم مدرسہ اعزہ میں ہوئی۔ پھر دارالعلوم حیدرآباد میں شریک ہو گئے اور وہیں سے فراغت حاصل کی۔ طبیعت پر تصوف کا رنگ غالب تھا، نوجوانی ہی میں آغا ماشاءؒ کے دست پر بیعت کی اور تصوف ہی کے ہو رہے۔ شعر و سخن کا ذوق بھی تھا، ادبی و موسیقی ذوق تھا کیونکہ والد اور نانا شاعر تھے اس لئے خود بھی شعر کہنے لگے۔ پہلے مشق کی اور پھر داغ حیدرآباد آ گئے تو داغ کو کلام دکھانے لگے۔ فارسی، اردو دونوں زبانوں میں فکر سخن کرتے تھے، فارسی میں پہلے استاد الملک آغا شوستری کو دکھاتے رہے، ان کے انتقال کے بعد سے ترکی پانی پتی کو دکھانے لگے ... منصب سے سرفراز تھے، سید عبدالرحیم اول تعلقدار کی صاحبزادی سے دوسرا مولوی سید محمد یوسف الدین صاحب گلبرگہ کی بھانجی ... یوسف الدین صاحب کے کہنے پر نوکری کر لی۔ ابتداً صوبہ داری گلبرگہ میں منصبدار ہوئے پھر ضلع مانکہ کے خزانہ اور ڈسٹرکٹ انجینئر ہو گئے ... سے عثمان آباد تبادلہ ہوا اور وہاں سے گلبرگہ تبادلہ ہوا اور گلبرگہ ہی میں اللہ کو پیارے ہو گئے اور خواجہ بندہ نوازؒ کے پائیں میں آسودہ ہیں۔ ... آٹھ دس لڑکے لڑکیاں ہوئے مگر تین لڑکے باقی رہے ۱۔ راقم الحروف ۲۔ سید رفیع الدین کاظمی ۳۔ سید رشید الدین کاظمی۔ رفیع الدین ... ہیں کہ انہوں نے شادی نہیں کی۔ راقم الحروف اور رشید الدین فقط اہل و عیال میں مبتلا ہیں۔

تجلّی کی نشو و نما حیدرآباد میں ہوئی ۱۹۱۸ء تک وہ حیدرآباد ہی میں رہے اور اس زمانے کی سوسائٹی میں خاصا رسوخ رکھتے تھے ... داغ، توفیق، کیفی، محفوظ، رسا، ناظم، جلیل، اختر، تنہا، ثاقب وغیرہ سے برادرانہ و دوستانہ مراسم تھے، دیوان خانہ میں چند گروں سے ملاقاتیں ... تھا، رات دن شعر و سخن، نظم و نثر کا چرچا رہتا تھا۔ ۱۹۱۸ء میں گلبرگہ چلے گئے تو بھی تعطیلات میں برابر حیدرآباد آ جاتے تھے اور ... ۱۹۲۳ء میں عثمان آباد تبادلہ ہو گیا تو آمد و رفت کم ہو گئی اور دیر دیر سے حیدرآباد آنے لگے۔ اس طرح حیدرآباد کی صحبتیں چھوٹ گئیں۔

... عثمان آباد، گلبرگہ اور ان اضلاع کے تعلقات میں رہ کر جہاں جہاں ... اپنے ...

[illegible]

[illegible] کے انتقال کے بعد جب [illegible]
[illegible] ہوتے تھے [illegible] سب [illegible] جب [illegible]
[illegible] ہوتا تھا
[illegible] اور ہمیشہ [illegible] استعمال کرتے تھے [illegible] کے استعمال سے پرہیز کرتے تھے۔
[illegible] نواب [illegible] خان [illegible]
[illegible] شکستہ [illegible]
[illegible] ایسا خط نہیں لکھنے

[illegible] خاندان میں سب بزرگ حافظ ہوتے تھے مگر [illegible] جاتا تھا اور [illegible] اپنے حفظ کا [illegible] تھے والد مرحوم نے دس پارہ [illegible] حفظ کئے تھے اس کے بعد چھوڑ دیا [illegible] دیکھتے [illegible] حافظ [illegible] تھے اس کے [illegible] ایک [illegible] مسجد [illegible] بنوائی تھی آپ نے [illegible] اور خود وہاں نماز پڑھنے لگے [illegible] مسجد میں پڑھتے تھے۔ رمضان آیا تو آپ نے اس مسجد میں تراویح کا انتظام کرنا چاہا۔ ایک حافظ جی کو [illegible] نے آپ سے اس مسجد میں تراویح پڑھانا طے کیا مگر [illegible] وجوہ سے پڑھا نہیں سکتے آپ کوئی [illegible] دوسرا حافظ ملا نہیں۔ مجھ سے کہا تو میں نے کہا آپ خود پڑھ دیجئے۔ آپ کو تقریباً [illegible] روزانہ [illegible] پارہ پڑھ لیجئے اور رات میں پڑھا دیجئے۔ ترکیب سمجھ میں آگئی [illegible] ایک دوست کو بھی پابند کر دیا کہ تم دونوں بھی [illegible] ایک پارہ خوب غور سے [illegible] کرو اور مسجد میں جب میں پڑھاؤں تو سنتے جانا غلطی ہو جائے تو لقمہ دینا۔ اس طرح تراویح پڑھنے لگے اتفاق سے [illegible] کا فرض [illegible] انجام دینے لگے [illegible] مگر [illegible] نے اس طرح تیس دن میں تیس پارے ختم کر دئیے اور [illegible] اپنے حافظ ہونے کا جو شوق تھا جاتا رہا۔

جوانی میں طب کا [illegible] عملی تجربہ [illegible] تھا اور خود [illegible] سے جب بھی کوئی حکیم نسخہ لکھتا اس میں کمی بیشی کر [illegible] اپنی [illegible] خراب کر لیتے یہ مرض جیسے جیسے عمر بڑھتی گئی بڑھتا ہی گیا۔

زود رنج [illegible] کے کچے ہر ایک کی بات کا یقین کر لیتے، فوراً بگڑ جاتے اور جلدی من بھی جاتے تھے [illegible] کیفیت ایسی تھی ذکر و اشغال میں منہمک رہتے تھے اور اوراد و وظائف کے پابند تھے۔ چونکہ مذہبی آدمی تھے اس لئے مجاذیب اور مزارات کے بڑے معتقد تھے ہر مجذوب [illegible] پکڑ کر گھر لاتے، کھلاتے پلاتے، کپڑے بناتے اور نذر دے کر رخصت کرتے تھے [illegible] بڑے اہتمام سے کرتے ہیں [illegible] اس طریقے کا مخالف تھا اس لئے [illegible] اور [illegible] حیدرآباد [illegible] چاہا کہنے لگے تم مجھے حیدرآباد لے چلنا چاہتے ہو [illegible] صاحب کے [illegible] اگر [illegible] ڈاکٹر عبدالسلام [illegible]

اس کی تکلیف کی کہ جب ملک دل ہونے کے لئے تیار نہیں ہیں تو کیوں سنبھالتے ہو۔ چنانچہ ان کے انتقال کے بعد خواجہ صاحب کے پاس ہی مسودہ پہلو ان کو کل لکھتے تھے ان چاروں کو اکٹھا کر کے ایک دیوان بنایا جو بہت ضخیم ہو گیا اس کی طباعت کے لئے ایک مرتبہ الاسلامی پریس الہ آباد سے معاملہ کیا الاسلامی سے مسودہ لے لو مسودہ بھجوا دیا مگر مطبع ہی برخاست ہو گیا اسی زمانے میں دیوان کو تاکید کی لوگوں سے نکالی [illegible] مرحوم [illegible] نام رکھا تھا اس دیوان کا انتخاب میں نے کیا ہے جس کی طباعت کی فکر کر رہا ہوں۔ انشاء اللہ چھپ جائے گا۔

مرحوم کی شاعری کا یہ حال تھا کہ طبیعت موزوں پائی تھی مگر ابتدا سے عشق و عاشقی سے مس نا بلد تھے مضامین ہجر و فراق پڑھتے تھے کہ کیفیات پیدا ہو سکے گی اور عشق بھی جاری رہی تھی جب چاہا تھا روزانہ دو دو غزلیں کہہ ڈالتے [illegible] مضمون نہ ملتے تو مشرکی کا طریقہ [illegible] قافیہ ردیف قافیے چن لیتے ان کو مصرعوں میں نظم کرتے پھر ان مصرعوں پر مصرعے لگا دیتے اس طرح غزل ہو جاتی۔ اس میں کوئی درد ہی آورد ہوتی تھی آمد نہ ہو ایک آدھ شعر صاف نکل آتا ورنہ سارا دیوان ایسا ہی ہے۔

آخر میں نعت بہت کہنے لگے تھے۔ موزوں میں شاید طبیعت زیادہ رواں تھی۔ [illegible] غزلیں کہہ لیتی تھیں مگر اپنے حسب حال شعر کہتے تھے

دشمن سے بھی جنگ کے طالب یہ تحمل شعار ہے میرا
لگا نا آگ دل کو [illegible] [illegible] تحمل تم
ذکر نا مل [illegible] کسی نا اہل انسان سے
نامردم اہل [illegible] تو کوئی مشکل نامردم بد ذات سے تو کوئی مشکل
نامردم [illegible] کرو معقول گر تو مشکل و گر نہ تو کوئی مشکل

اپنی امارت اور خاندانی وجاہت کا بڑا خیال رہتا تھا۔ دوستوں اور عزیزوں سے بھی کوئی کام نہیں لیا۔ مرحوم [illegible] فصیح جنگ کے نبی علت پایہ خار مگر کبھی فصیح جنگ سے اپنی مستقل تصیدداری کے لئے نہیں کہا میں فصیح جنگ کے پاس بہت جاتا رہتا مگر مجھے ہمیشہ منع کرتے تھے کہ خبردار میرے لئے یا اپنے لئے فصیح الدین سے کچھ نہ کہنا۔

داغ سے عاشقانہ محبت تھی جب داغ کا ذکر کرتے آب دیدہ ہو جاتے اور اس احترام سے "استاد داغ" کا نام لیتے جیسے کسی کا نام لے رہے ہوں۔ اسی طرح مولوی سید یوسف الدین صاحب سے بھی انہیں عقیدت تھی۔

حساب میں بہت کمزور تھے اس لئے تاریخ بھی کہہ نہ سکتے تھے۔ ایک روز بیٹھے بیٹھے تاریخ کہہ رہے تھے۔ میں نے پوچھا کیا ہے تو کہنے لگے جلال لکھنوی کے انتقال کی تاریخ نکال رہا تھا۔ ایک مصرعہ بڑا اچھا نکالا ہے۔ میں نے پوچھا کیا ہے تو کہا "جان کندنی سیف [illegible] جلال" میں نے کہا یہ تو وفات کی تاریخ نہیں کہنے لگے پھر کیا ہے میں نے کہا یہ نزع کی تاریخ ہے۔ جان کندنی ہی تو ہے وفات یا انتقال ابھی کہاں! کہنے لگے ٹھیک تو ہے مجھے خیال نہ رہا۔ ان کے استاد بھائی نواب [illegible] حسین [illegible] نے [illegible] تاریخ نام سے ایک کتاب شائع کی تھی جس میں تاریخی الفاظ جملے وغیرہ تھے اسی کی مدد سے بڑی محنت مشقت کے بعد تاریخ نکالتے تھے وہ بھی وفات جا کر جان کندنی ہو جاتی تھی۔

میری مضمون نگاری سے بہت خفا رہتے تھے۔ لاہور کے بعض رسائل میرے نام کے ساتھ "مولانا" لکھتے تھے کوئی مضمون مولانا تمکین کاظمی کے نام سے طبع ہوتا تو دیکھ کر جلتے خفا ہوتے کہتے میاں! ہم نے بڑی محنت کی ہے تم کو ابھی لوگ مولوی کہتے ہیں تو شرم آتی ہے کہ ہم اس لقب کے مستحق نہیں ہیں لوگ غلط اندازہ کر رہے ہیں اور تم ہو کہ بائیس سال کی عمر میں مولانا بن گئے وہ لوگ جو تمہیں مولانا لکھتے ہیں صورت دیکھیں تو کیا کہیں گے؟

حضرت اشتغال دہلوی کی شاعری پر میں نے ایک تفصیلی مضمون لکھا تھا جو رسالے میں چھپا تھا۔ یہ مضمون پڑھ کر بہت خفا ہوئے کہنے لگے کہ تمہیں [illegible] شاعری کہاں سے آئی تم ہو کہ اسے شاعری ثابت کرنے چلے ہو شعر کا تم کو ابھی شعور نہیں ہے استادوں کا کلام

[illegible]

عظمت اللہ خاں

[illegible]

عظمت مرحوم ان دنوں [illegible]

[illegible] بحث ہو رہی ہے [illegible]

[illegible]

[illegible] اور عظمت خاموش ہو گئے [illegible]

[illegible] بحث صرف یہ تھی [illegible]

پر اپنے جواب کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا اور سب لوگ [illegible] عظمت کا ہم خیال تھا [illegible]

[illegible] عظمت [illegible]

[illegible] بحث بڑی لمبی ہو گئی تھی بالآخر بغیر کسی تصفیے کے ختم ہو گئی [illegible]

[illegible] ساری زندگی [illegible] بیان کر دی اور مجھ سے [illegible]

ہوسے خاصے بڑے تھے مگر اس روز جو بے تکلف ہوئے تو اتنے کھل گئے [illegible]

کے بہت قریب ہو گئے تھے۔

کا اعتراف کرایا' اس طرح ہم ایک دوسرے سے بہت سے کام کرنے سے جھجکتے نہ تھے [illegible]

عظمت نہایت شریف' باوقار' مخلص اور قابل آدمی تھے' محنتی اور کارگزار بھی [illegible] انہیں نہ ملتا تھا اس لئے کہ لوگ بہت آ جاتے

بنانے میں تو ان کو کمال تھا' دفتری کام بڑے انہماک سے کرتے تھے۔ مگر یہ کام کرنے کا وقت [illegible] ایک شرط پر چھپوا سکتا ہوں کہ تم جمع کر دو

تھے' میں جب گھر سے آتا ان سے ضرور ملتا تھا ایک روز میں نے کہا اپنی نظمیں چھپوا دیجئے تو کہنے لگے [illegible]

ایک مضمون میری نظموں کے متعلق اپنے انداز سے لکھو' ورنہ مجھ سے نہ تو نظمیں جمع کرنا ہو سکے گا اور نہ اس پر کچھ لکھنا۔ بات آئی گئی ہو گئی [illegible]

کے بعد مجھے خیال ہوا [illegible] نظمیں [illegible] چنانچہ میں نے "اردو" اور "علیگڑھ میگزین" وغیرہ سے نظمیں نقل کر لیں اور ایک مضمون "عظمت اللہ خاں

اور ان کی شاعری" لکھا [illegible] اس وقت تک عظمت کو عام لوگ نہ جانتے تھے' "اردو" پڑھنے والے [illegible] علیگڑھ کے طلبا [illegible]

بالآخر اس مضمون کے [illegible]
بجائے [illegible] کو [illegible]
اس سے جو تخلیقی [illegible] کرتا ہوں [illegible]
بھی تھے [illegible] مہلت ہونے کی [illegible] پاس آیا کہ اب [illegible] شائع کرنے کی اجازت [illegible] ایک [illegible]
[illegible] اس مضمون کا ایک شعر عبدالرزاق [illegible] نقل کر لی تھی اور اس کے ساتھ ہی ساتھ انتقال کی اطلاع بھی دی۔

عظمت کی موت ناوقت ہوئی۔ ملک کو ان کی شدید ضرورت تھی ان کے جیسے مستقل لوگ بہت کم ہیں کہ خوش رہ اور [illegible] کام کرنے
عظمت کے [illegible] کی نظموں کا مجموعہ دونوں طبع ہو گئے ہیں مگر ان کے ترجمے نہیں چھپ سکے۔ عظمت نے سیکڑوں کو شاعر، مضمون نگار
ایڈیٹر کیا کچھ بنا دیا۔ فریق بیگ نے عظمت ہی کے مشورے سے ٹائپ کا کام سیکھا اور نمائش سجائی کیا۔ عزت اللہ بیگ اپنے مضامین بھی عظمت
ہی سے اصلاح لیا کرتے تھے۔ اپنے تمام مضامین عظمت نے عزت اللہ بیگ کو بھی دے دئے تھے۔ امجد صاحب عظمت کو رباعیاں سنانے
کے بعد صاف کر دیتے یا مجموعے میں چھپواتے۔ اسی طرح ذہین بچوں کے مضامین لکھ کر عظمت کو دکھایا کرتے، مسعود بیگ [illegible] عظمت سے
لیتے تھے۔ غرض عجیب و غریب آدمی تھے عظمت اللہ خاں:

بعض ایسے لوگ بھی ہو سے نکرے ایسے جو بظاہر بہت قابل شہرہ تھے ع

نام کیوں کر ان کو اللہ کے بندے ہوں گے

بہرحال عظمت ایک جینیس تھے جو نظم، نثر، انگریزی، اردو سبھی کچھ ڈھال لیتے تھے، [illegible] ان کے حصے میں [illegible]
کے حصے میں آئے۔

نہایت زندہ دل، رنجان مرنج آدمی تھے، ململ کا کرتا پہنے کہنیوں تک آستینیں چڑھائے بید کی آرام کرسی میں بیٹھے حقہ یا سگریٹ پیتے جاتے
باتیں بھی کرتے، شعر بھی کہتے، مضمون بھی لکھتے، اصلاح بھی دیتے، مشورے بھی دیتے، کبھی کچھ ہوتا، ہنسنے کھیلنے وقت گزار دیتے، خود خوش رہنے
اور دوسروں کو خوش کرتے تھے۔

پہلوانی سے لے کر رسم الخط تک، عروض سے لے کر تصوف تک، قدامت سے لے کر تانیثیت تک ہر موضوع پر جی بھر گفتگو کرتے اور
ہر بات کے تجربے بتاتے جاتے تھے، صورت سیرت نہایت بھلے، جیسے ہی وفادار دوست تھے۔

حکیم شمس اللہ قادری

حیدرآباد کے سب سے پہلے مضمون نگار تھے غالباً حیدرآبادی مضمون نگاروں میں حکیم صاحب پہلے ہیں جو ہندوستان کے بڑے پرچوں میں
تحقیقی مضامین لکھتے رہے ورنہ یہاں کے لوگ پہلے تو لکھنے پڑھنے ہی سے ڈرتے تھے اور لکھتے پڑھتے بھی تو حیدرآباد سے باہر کے رسالوں میں
چھپوانے سے بھی ڈرتے تھے۔

حکیم صاحب کی تحقیق کے قائل بڑے بڑے لوگ تھے چنانچہ شبلی نعمانی وغیرہ ان کو بہت مانتے تھے۔ حکیم صاحب سے بھی بڑے بڑے محقق
[illegible] کتابیں [illegible] حیدرآباد میں [illegible] کے لوگ۔ وہ تھے ایک [illegible] کتب خانہ [illegible]
[illegible] جو شخص [illegible] سے کتاب [illegible] اور سب [illegible] میں [illegible] پوچھا کہ کتاب کا

[illegible] گئے۔ [illegible]
[illegible] سے متاثر ہو کر
[illegible] گرمیت رائے عکم
[illegible]

[illegible] سے بہت قریب تھے، وہ ان کا بہت احترام کرتے تھے۔ چنانچہ حکیم صاحب نے حیثیت عنایت کی۔ [illegible]
[illegible] حکیم صاحب سے ناچاقی ہو گئی مگر مرزا صاحب نے مصالحت کرا دی اور پھر وہ پہلے جیسے [illegible]
[illegible] مکتوبات، کلیات ولی، [illegible] بیشتر [illegible] کر کے چھپوائیں۔ سب سے بڑا کام
[illegible] کی ترتیب تھی۔ [illegible] ان کی خدمت کی۔
عبدالحق [illegible] حکیم صاحب سے تعلق بہت [illegible] مولوی عبدالحق نے [illegible] چھپنا شروع کر دیا اور وہی زیادہ
[illegible] مولوی عبدالحق نے [illegible] بہترین [illegible] ایک بہترین کتب خانہ [illegible] حکیم صاحب کے
[illegible] اور کام اسی طرح چل رہا ہے۔
حکیم صاحب [illegible] دونوں تھیں مگر [illegible] تھا ان کی ذات سے ارگرد [illegible]
[illegible] کے لئے کافی ہے۔

یہ مضمون تھا جس سے آپ روشناس ہوئے۔ اس دور کے بہت لکھنے والے بزرگ
ہیں نے منتخب کئے ہیں اور ان کی فہرست ہے۔
اب تیسرے دور کو ملاحظہ فرمائیے۔ اس دور سے بھی چند شخصیتیں میں نے منتخب
کی ہیں۔

نظامت جنگ

حیدرآباد میں ایک خاندان بڑا مشہور، قابل اور دیانتدار گزرا ہے جس کے اراکین عماد الملک، عماد جنگ اول و دوم، رفعت یار جنگ وغیرہ
تھے۔ نواب سر نظامت جنگ بہادر ایم اے، ایل ایل بی، بیرسٹر ایٹ لا بھی اسی خاندان کے ایک رکن تھے۔ ابتدا سررشتہ عدالت میں رہے
پھر صدر المہام سیاسیات و پولیٹیکل ممبر ہو گئے تھے۔ دیانت داری کا یہ عالم کہ دفتر کا پانی بھی نہ پیتے تھے۔ احتیاط کا یہ حال کہ عزیز و اقارب آتے
تھے محض ملاقاتیوں کو بھی کوئی فائدہ نہیں پہنچایا [illegible] کام ہوتے رہے۔
شادی نہیں کی، تنہا زندگی بسر کی۔ چند عمدہ مکانات بنانے کا شوق رہا۔ ہل فورٹ بنوایا اور پھر اسے فروخت کر دیا۔ اسی طرح کئی مکانات اور
[illegible] نہایت ہی خاموش مگر گہری فکر رکھتے تھے۔ ابتدا وفتری آتی جاتی رہی۔ انگریزی ادب پر خاصا عبور تھا۔ نظم و نثر دونوں پر عبور تھا۔
حضور نظام دکن کی اکثر نظموں کو انگریزی میں منتقل کیا تھا۔ خود بھی انگریزی میں نظم کہتے تھے۔
حیدرآباد نے جہاں اردو، فارسی اور عربی کے شاعر پیدا کئے وہاں انگریزی کے شاعر بھی پیدا کئے ہیں جن میں پہلا نمبر ہے سروجنی نائیڈو کا اور

[illegible] کملا یا کرتے تھے۔

نواب صاحب کے ملنے والوں میں علیحدگی کے بعد ابتدا میں [illegible] ان کے لگے رہتے
اس کے بعد بھی عوام ہو گئے ہیں کہ بہت کم ملنے آتے تھے اس کے علاوہ میں بھی ان سے زیادہ ملتا تھا بہ لحاظ اپنے بیٹے بابا کی طرح کرتا،
گو میں سید عزیز جنگ کے اشتعال کے بعد تبادلہ ہوا اور ڈگری دو کلرک کے مددگار مقرر ہو گئے۔ ان دنوں نواب صاحب مکانات حال
کا مکان کوٹھی پر رہتے تھے اور خلیفہ امیر صاحب بھی ساتھ رہتے تھے۔ میں اکثر صبح کے وقت ان سے ملنے جایا کرتا تھا، وہ ناشتے کے بعد
برآمدے میں آرام کرسی پر بیٹھے اخبار پڑھتے نظر آتے۔ سامنے کرسی گو کہ انسپکٹر کا عہدہ وہ بیٹھا رہتا اور نواب صاحب اس طرح بیٹھے اپنی
کی نگرانی کرتے تھے۔ ایک لطیفہ مشہور ہے کہ گوالا دودھ روز لاتا ہوا ایک جھوٹی رقم لیا کرتا وہ دودھ [illegible] گھر لے جاتا تھا کسی [illegible] نے
یہ چوری پکڑی اور نواب صاحب کے سامنے شکایت پیش کی کہ اس طرح گوالا روزانہ چوری کرتا ہے۔ نواب صاحب نے ہنس کر بڑے غصے سے
فرمایا یہ تو ہم برسوں سے دیکھ رہے ہیں تم نے کوئی نئی بات معلوم کی؟" شکایت کرنے والے کو شرمندگی ہوئی اور معاملہ حسب دستور چلتا رہا۔

اخبار [illegible] سرگزشت جاری ہوا تو میں اس میں گپ کا کالم لکھا کرتا تھا۔ نواب صاحب نے شاید کبھی پڑھ لیا اور اس کالم پسند آگیا۔
مسلسل پڑھتے رہے اور پھر مجھے یاد فرمایا۔ میں نے دفتری تعلقات کی ترشی کے ساتھ ملاقات خوش اخلاقی اور گپ کے سلسلے پر داد دی اور مجھے خدمت
سے ملنے کے لئے فرمایا۔ ایک روز شامت جو آئی تو میں نے بنگلے حاضری دی۔ صبح کا وقت تھا وہ ناشتے کے بعد آرام کرسی پر بیٹھے ہوئے
میں نے اطلاع دی انہوں نے بلوایا اور اسی طرح بیٹھے بیٹھے گفتگو فرمانے لگے۔ میں فوراً سمجھ گیا کہ یہ تکبر ہے یا [illegible] مجھے پسند نہ آئی۔ نصیبی سے وہاں کوئی
بنچ تھی ایک اسٹول پر اخبارات رکھے تھے میں نے اخبارات اٹھا کر نیچے ڈال دیے اور اسٹول پر بیٹھ کر گفتگو شروع کی۔ نواب صاحب کو اس طرح
بلا اجازت میرا بیٹھ جانا بڑا ناگوار گذرا۔ باتیں کرتے کرتے خاموش ہو گئے۔ میں نے بھی خاموشی اختیار کی اور دو چار منٹ کے انتظار کے بعد چلا
گیا۔ اس کے بعد مجھے کبھی ان سے ملنے کی ہمت نہیں ہوئی۔

میرے ہم زلف مولوی محمد محسن صاحب منصبدار نواب صاحب کے قریبی عزیز ہیں ان کی لڑکی کی شادی میں اچانک سامنا ہو گیا تو صورت
دیکھتے ہی نام لے کر مخاطب کیا دیر تک گفتگو کرتے رہے اور شکایت کی کہ آپ ملتے نہیں۔ میں نے اس دن کا واقعہ دہرایا تو مسکرا کر فرمایا
معلوم نہیں کیا بات تھی مجھے یاد نہیں۔ مگر پھر بھی میں نے ان کے گھر جانے کی ہمت نہیں کی۔

وظیفہ پنشن لینے کے بعد بالکل مذہبی آدمی ہو گئے تھے قرآن کی تفسیر بھی لکھ رہے تھے بعض چھوٹی چھوٹی کتابیں بھی لکھی تھیں۔ ایک
انجمن "علم و عمل" کے نام سے قائم کی تھی جس کے لئے ایک مکان اور نقد رقم وقف کی ہے۔

مرحوم میں جو صلاحیتیں تھیں وہ ان کی کم گیری اور بے جا رکھ رکھاؤ کی وجہ سے بروئے کار نہ آسکیں۔ برسر خدمت رہنے تک مذہبی خدمت
نہیں کی بلکہ مذہب سے دور دور ہی رہے۔ وظیفے کے بعد جو مذہبی خدمت شروع کی تھی وہ ان کے شایان شان نہ تھی، معمولی صلاحیتوں کے لوگ
بھی یہ کام کر سکتے تھے۔ ان سے جو توقعات تھیں پوری نہ ہو سکیں۔

اپنی حد تک نیک، خیر اور رکھ رکھاؤ کے آدمی تھے بعض قرابت داروں کی مالی امداد بھی کرتے تھے مگر اپنے خاندان کی خوشحالی اور ترقی کی کبھی کوشش نہیں
کی، اتنا بڑا شخص سینکڑوں کو بنا سکتا تھا مگر وہ اپنے خاندان والوں کو بھی نہ بنا سکے اس کو بخالت کہو وہ رکھ رکھاؤ سمجھتے تھے، سماجی حیثیت سے بھی آج
انہیں کوئی اہمیت نہیں دیتا۔ ایک انگریزی شاعر کی حیثیت سے حیدرآباد ان پر فخر کر سکتا ہے۔ انگریزی نظموں کے چار پانچ مجموعے طبع ہو چکے ہیں
جو عام طور پر مقبول ہیں۔

بہادر یار جنگ

بہادر یار جنگ مشہور سیاسی لیڈر اور مذہبی خاندان سے تھے۔ بڑی غیر معمولی شخصیت تھی۔ بچپن سے تقریر کا شوق تھا۔ مشہور ہے کہ سولہ برس کی عمر میں [illegible] گئے تو والد نے اپنے دوستوں سے کہا کہ یہ خاص تقریر کرتے ہیں چنانچہ لوگوں نے مجبور کیا کہ کچھ کہو تو تقریر شروع کی اور [illegible] شروع کی کہ سب لوگ دنگ رہ گئے۔ [illegible] آپ کے آگے تقریر کا [illegible] میں [illegible] استعمال ہوتی تھی [illegible] استعمال بڑی خوش اسلوبی سے کرتے تھے ۔

حیدرآباد تقریر کے معاملے میں [illegible] ہمیشہ [illegible] بہادر یار جنگ حیدرآباد میں چند شخص ہی جنہیں قدرت نے [illegible] سے سرفراز کیا تھا۔ [illegible] ظاہری شخصیت ہی سے حاضرین کو مرعوب کر لیتے [illegible] تھا۔ [illegible] غضب ہی کر دیتے تھے ۔

ابتدائی تعلیم کچھ زیادہ نہیں ہوئی تھی مگر بہادر یار جنگ نے بعد میں [illegible] بڑی محنت سے پڑھیں اور خاصی قابلیت پیدا کر لی تھی۔ [illegible] عربی اور خاصی فارسی پڑھ لی تھی [illegible] مطالعہ بڑا اچھا تھا [illegible] حیدرآباد [illegible] کی کوشش کرتے تھے [illegible] طبیعت [illegible] تھی۔ ابتدا [illegible] تو حیدرآباد میں اپنے [illegible] تقریر بیان کرنا شروع کیا [illegible] شروع ہوئیں ۔

[illegible] کے چند [illegible] نے اتحاد المسلمین [illegible] ایک انجمن قائم کی تھی [illegible]۔ انھوں نے یہ دیکھا کہ بہادر یار جنگ غیر معمولی حد تک ابھر رہے ہیں تو اتحاد المسلمین [illegible] اور [illegible] اس طرح اتحاد المسلمین [illegible] کہ انجمن میں [illegible] ہو گئی اور وہ انجمن میں [illegible] ہو گئے ۔

سیاسی حیثیت سے ملک کا مفاد اور وطن کی محبت ان میں تھی۔ چونکہ [illegible] اگر چند برس اور زندہ رہتے تو غیر معمولی لیڈر ہوتے [illegible] جلسے [illegible] نہ صرف حیدرآباد بلکہ ہندوستان [illegible] شہرت حاصل کر لی تھی۔ [illegible] بہت پسند کرتے تھے ۔

علم و ادب سے بھی شغف تھا۔ ادبی کتابوں اور رسالوں کا مطالعہ کرتے رہتے اور کبھی کبھار شعر بھی کہتے تھے۔ عین جوانی میں [illegible] کے دورے کی وجہ سے اچانک موت واقع ہوئی۔ حقیقت یہ ہے کہ ناوقت موت ہوئی ۔ ع

این ماتم سخت است کہ گویند جوان مرد!

احمد محی الدین

حیدرآباد کے قدیم اور شریف خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ [illegible] کے خاندان سے بھی قرابت تھی [illegible] خاندان اب تک موجود ہے حیدرآباد ہی میں [illegible] تعلیم و تربیت ہوئی۔ حیدرآباد سول سروس کے لئے کوشش کی مگر انتخاب نہ ہو سکا [illegible] ہو کر ملازمت کی کوشش کی مگر [illegible] نہ مل سکی [illegible] پسند نہ آئی [illegible] بدل [illegible] ہے؟ ان دنوں [illegible] صاحب [illegible]

[illegible] کی میٹنگ کے [illegible] تھے ہم ان کے [illegible] تھے۔ جمعرات کی رات وہاں میاں فاضل [illegible]
[illegible] سے [illegible] بہت [illegible] احمد محی الدین، [illegible]
[illegible] صاحب [illegible] تھا وہ بہت [illegible] چاہتے، سیف اللہ [illegible] انہیں [illegible] کے لئے ہر جمعرات کی رات کو ایک [illegible]
[illegible] کی [illegible] مرتب ہوتی، "مسعود" نام تجویز ہوتا، ذیلی عنوانات بنائے جاتے اور ایک مکمل خاکہ تیار ہو جاتا اگر [illegible] سے
جانا [illegible] کسی جمعرات کی رات [illegible] کر دیتا، نام تجویز ہوتا [illegible] کے لحاظ سے "الوقت" ذیلی عنوانات تجویز ہوتے تمام کام زبانی
[illegible] ہوتا، کبھی [illegible] اور [illegible] اس کی تحریر ہوتی اس طرح رات دلچسپی سے گزرتی، صبح معین الدین صاحب [illegible] کا نفیس ناشتہ کرکے
اور سب لوگ واپس ہو جاتے، چند روز بڑی دلچسپی رہی اس کے بعد جب معین الدین صاحب نے [illegible] میٹنگ [illegible] تو جمعرات پامالی ہی
ختم ہو گئی [illegible] گیا اور [illegible] چونکہ [illegible] تھیں اس لئے سب بھول گئے، چونکہ [illegible] سے ہر ہفتہ حیدرآباد آنے کی عادت تھی
اس لئے ایک دفعہ حیدرآباد آیا تو "خداوند" و عبدالرحمن نے سیف اللہ کا نام رکھا تھا اور ہم لوگ انہیں خداوند ہی کہتے تھے نے فرمایا کہ احمد میاں
نے اخبار نکالنے کا ارادہ کر لیا ہے اور "الوقت" کی اجرائی کے انتظامات ہو رہے ہیں، مجھ سے ملاقات ہوئی تو احمد میاں نے کہا اخبار نکالنا [illegible]
کر چکا ہوں مگر نام [illegible] رہا ہوں، الوقت مجھے پسند نہیں۔ تجویز کی: مشیر دکن جیسا نام چاہتا ہوں۔ میں [illegible] نام کا مخالف تھا اسی لئے میں نے
اس [illegible] کی مخالفت کی مگر احمد میاں اسی طرف مائل تھے، آٹھ دس روز کے بعد پھر حیدرآباد آیا تو معلوم ہوا کہ "رہبر دکن" نام تجویز
ہوا ہے اور درخواست بھی دے دی گئی ہے چنانچہ منظوری ملی اور "رہبر دکن" بڑی آب و تاب سے نکلا، احمد میاں نے ایسی نیک نیتی سے اخبار
جاری کیا تھا کہ وہ ترقی کرتا ہی رہا اور جنوبی ہند کا سب سے کثیرالاشاعت اخبار ہو گیا اور قوم و ملک کی خدمت کی اور حق یہ ہے کہ حق خدمت ادا
کیا۔ حیدرآباد میں اس وقت دو معروف [illegible] نکلتے تھے ایک "صحیفہ" دوسرا "مشیر دکن"، یہ دونوں ہی اگلے وقتوں کے [illegible] تھے۔ ایک کے
ایڈیٹر [illegible] تھے دوسرے کے پنڈت جی۔ صحیفہ ایسا اخبار تھا کہ اشتہار چھاپنا خلاف شرع سمجھتا تھا، کسی جاندار کی تصویر صحیفہ میں طبع ہو نہ
سکتی تھی، مشیر کے پنڈت جی بھی اسی قسم کے تھے [illegible] مولوی حبیب احمد [illegible] مشیر کے [illegible] تھے مگر [illegible] کی حد تک ان کا تعلق تھا [illegible]
سے بے تعلق تھے، ایسے زمانے میں ایک روشن خیال اخبار کی شدید ضرورت تھی، اجرائی کے چند سال بعد ہی سے خاص نمبر یعنی سالگرہ نمبر [illegible]
[illegible] نکلنے لگے جو معرکۃ الآرا ہوتے تھے۔ شہزادگان والا شان کی تصویر پہلی بار رہبر دکن ہی میں طبع ہوئیں، غرض جتنی جدت ہو سکتی تھی ہوتی رہی، کارکن
بھی [illegible] مخلص ملے، احمد میاں کے بھائی یوسف الدین مہتمم تھے، عبداللہ خان پالیسی کنٹرول کرتے تھے اور زیادہ تر وہی اداریہ لکھتے تھے، [illegible] اور
دوسرے کارکن بھی [illegible] مستعد اور مخلص ملے اور خوب کام ہوتا رہا، کسی شخص اور ادارے نے اپنے عملے کے لئے اتنی سہولتیں مہیا نہیں کی تھیں جتنی
احمد میاں نے کیں، اپنے عملے کا کوئی آدمی مر جاتا تو وہ تجہیز و تکفین کے مصارف برداشت کرتے اس کے متعلقین کا [illegible] وظیفہ مقرر کر دیتے، تنخواہیں
خاصی فراخدلی سے مقرر کرتے اور وقت پر ادا کرتے، قرضے بھی [illegible] دیا کرتے اور دوسری سہولتیں بھی دیتے اس سلسلہ کا عملہ ان پر فدا رہتا تھا۔
رہبر دکن جاری کرنے کے [illegible] نواب اقبال علی خاں مہتمم تعمیرات کے مکان ہوئے تو میں نے بائیکاٹ کیا اس سے بہت متاثر ہوئے [illegible]
پاس منتقل ہو گئے [illegible] اور دو دن اقبال علی خاں کے مکان رہے، اس طرح دوستوں کا خیال رکھتے تھے، میں نے [illegible] بہم کئے [illegible]
[illegible] کو خریدار بنایا اور اتفاق سے [illegible] خریدار [illegible] نے فقط چندہ دے دیا وی پی کی ضرورتیں اتنی ہی تھیں۔ اس کامیابی سے [illegible]
[illegible] فراہم کئے۔

[illegible] عجیب بات ہے کہ [illegible] ایک [illegible] اعانتی نقرئی [illegible] خدمت [illegible] اور [illegible] احمد محی الدین جس کو حیدرآباد میں [illegible] صاحب
[illegible] خدمت نہیں [illegible] اپنا [illegible] اور [illegible] کوشش گزشتہ [illegible] ملا کرے۔

[illegible]

[illegible] بہت کم [illegible]

[illegible] بیان کرتے تھے۔

[illegible] ترتیب اور مضامین کے متعلق [illegible] صاحب [illegible] ایک [illegible] جاری رکھا۔ [illegible] کے بعد [illegible] پر چپ [illegible] بند کر دئے گئے [illegible] جو اس طریقے پر پایا جا رہا ہے مگر

وہ بات کہ جو کسی نے کسی کے سامنے!

فانی

فانی بدایونی کو مدت سے پڑھ رہا تھا، ان کی تصویریں بھی دیکھی تھیں مگر ان سے ملنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔ اتفاق سے ایک روز مغرب کے بعد [illegible] سے نکل ہی رہا تھا کہ ایک دبلے پتلے، متوسط قد و قامت کے شریف آدمی نے مجھ سے جوش ملیح آبادی کے گھر کا پتہ پوچھا۔ اتفاق سے میں جوش ہی کے پاس جا رہا تھا۔ جوش ان دنوں حیدرآباد میں رہتے تھے۔ میں نے کہا چلئے میں بتا دوں۔ وہ ساتھ ہو لئے۔ مجھے سائیکل [illegible] پیدل چلنا ہوا دیکھ کر راستے میں انہوں نے ایک دو معمولی باتیں کیں اور پھر خاموش جوش کے گھر تک پہنچ گئے۔ جوش [illegible] بیٹھے ہوئے تھے، چونکہ مدت سے ان صاحب کی شاید کبھی ملاقات ہو چکی تھی مگر جوش نے بھی انہیں پہچانا نہیں۔ تو انہوں نے [illegible] بدایونی ہوں۔ اس طرح معلوم ہوا کہ یہ دبلا پتلا گورا سا شخص فانی ہے۔ جوش نے بہت مجبور کیا کہ وہ ان کے مہمان ہو جائیں مگر فانی نے انکار کیا اور [illegible] ہوٹل کے قیام ہی سے خوش رہے، یہ تھی پہلی ملاقات فانی سے۔ اس کے بعد مسلسل ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ مہاراجہ بہادر کے پاس، جوش کے پاس، [illegible] چند روز رہ کر فانی چلے گئے۔ دوبارہ [illegible] اسٹیشن کے پاس [illegible] میں قیام کیا اور [illegible] میں اس مکان میں منتقل ہو گئے جو [illegible] کا مکان تھا اور مہاراجہ بہادر نے ان کے لئے مخصوص کرا دیا تھا۔ یہ قیام مستقل تھا۔ [illegible]

[illegible] شعراء میں سب سے زیادہ نکما شاعر میر تھا جس نے سوا شاعری کے کچھ نہیں کیا اور اگر شاعری کے علاوہ کچھ کیا تو [illegible] کی شاعری محتاج ہوتی ہے نفسیات کی اور غیر نفسیاتی شاعر شاعر نہیں کہلا سکتا۔ میر کے بعد کوئی غیر نفسیاتی شاعر اگر پیدا ہوا تو وہ فانی ہی تھا۔ فانی کو نفسیات سے چڑ تھی، وہ نفسیات کے پیچھے لٹھ لے کر دوڑتے تھے، انہیں دنیا اور دنیوی حقوق سے کوئی سروکار نہ تھا، [illegible] مجسم حزن و ملال، [illegible] بھی [illegible] ہوتی پائی تھی۔

[illegible] تاریک تھی، مجسم [illegible] فانی [illegible]

[illegible]

[illegible] ہے

فانی پر عمل [illegible]۔

یہ مسئلہ [illegible] کہ [illegible] کی [illegible] سے [illegible] ہو [illegible] کے [illegible]
[illegible] اور [illegible] سے [illegible] کر [illegible] ہے

سینہ کاوی سے زمیں ساری چاک کر ڈالے
کیا ملا دھوم بہت عرش پہ ڈالا کر ڈالے

[illegible] ہے۔

[illegible] کی [illegible] ہوتا تو دنیا [illegible] تھا، حیدرآباد پہنچا جاتا مگر فانی [illegible] کہتے ہیں [illegible] مہاراجہ [illegible]
[illegible] ہوئے [illegible] ملازمت سے [illegible] ہوگئے۔

واقع حیدرآباد آئے تھے [illegible] فانی [illegible] صاحب سے [illegible]
[illegible] کر کے [illegible] فانی [illegible] کے [illegible]
[illegible] فانی [illegible] نصیب [illegible] مگر [illegible] فانی [illegible]

فانی دکن میں آکے یہ عقدہ کھلا کہ ہم
ہندوستاں میں رہتے ہیں ہندوستاں سے دور

[illegible] حیدرآبادیوں [illegible] وطن [illegible] ہندوستان [illegible]
[illegible] ہندوستانی [illegible]
[illegible] انھوں نے حیدرآباد میں حیدرآبادیوں کی [illegible] زندگی
[illegible] حالات [illegible]
[illegible] فانی [illegible] حیدرآباد [illegible]
[illegible] بہرحال فانی [illegible] زندگی گزاری آخری زمانے میں ان کے حالات بد سے بدتر ہوگئے تھے [illegible]
[illegible] تھا [illegible] حالت [illegible] تھا اور رونے کی [illegible]؟

شام کے مرد سے کر کب تک روئیے!

مجھے فانی سے محبت تھی [illegible] شاید مرنے تک رہتا رہوں گا [illegible]
[illegible] اکبر و اقبال [illegible] فانی [illegible] آمین!

فصاحت جنگ

حافظ جلیل حسن جلیل مانک پوری [illegible] نواب فصاحت جنگ بہادر جلیل [illegible] امیر مینائی کے شاگرد تھے۔ امیر [illegible]
جلیل ان کے پاس پہنچ گئے [illegible] کام کرنے لگے [illegible] حیدرآباد [illegible]
[illegible]

[illegible]

اب جمیل غزل سکتا ہے [illegible]

جمیل صاحب نہایت خوش پوشاک [illegible] ایک سیاہ رنگ کے [illegible]
آمد و رفت رکھتے تھے [illegible]
[illegible]
سے جمیل اعتقاد [illegible] فرمایا تھا اس کی [illegible] ایک شعر تھا ۔

جمیل اعتقاد کو رکھ عشق میں زندہ رکھیو

[illegible] شاہ سے [illegible] ہو جاتا ہے

جب بھی جمیل تشریف لاتے [illegible] شعر گنگنایا کرتے [illegible]

[illegible] میں [illegible] چلے گئے اور [illegible] ۔ [illegible]
یا ماچہ میں [illegible] کے انتقال کے بعد [illegible]
تک یہی حال رہا ۔ اس زمانہ میں مجھے جمیل سے ملنے کا اتفاق کم ہی ہوا ۔ [illegible]
[illegible] ایک روز میں نے کسی ضمن میں [illegible]
میں سے یا [illegible] ۔ آج جمیل استاد [illegible]
[illegible] جمیل کے ایک شاگرد [illegible]
[illegible] استاد جمیل کی [illegible] جمیل کو سنایا [illegible]
[illegible] جمیل [illegible] ۔
چنانچہ [illegible] جمیل سے پوچھا [illegible]
کہا ہے کہ میری غزل میں ایک دو شعر [illegible]
پھر میرے متعلق پوچھا کہ کون ہے کہاں کا رہنے والا ہے [illegible]
تک بتایا [illegible] جمیل صاحب کے پاس پہنچا شام کا وقت
تھا میں [illegible] کیا آپ نے پہچانا [illegible]
کہاں دیکھا ہے ۔ میں نے عرض کیا آپ [illegible]
[illegible]
[illegible] جمیل غزل کے سامنے ہی [illegible] یہی حال رہا ۔

[illegible]

[illegible] ۔

[illegible] غزل [illegible]

[illegible]

بچوں سے پیار کرتے ہیں اور گھر میں [illegible] بہت [illegible] حافظ صاحب [illegible] عاشق [illegible] [illegible] بہت [illegible] محبت [illegible] ۔

حیدرآباد میں ہزاروں شاگرد ہیں اور حیدرآباد سے باہر [illegible] دیوان [illegible] اب تک نہیں چھپا [illegible] ۔

جلیل کے بیٹوں اور شاگردوں نے ایک [illegible] جلیل [illegible] شاعر [illegible] کی بجائے دیوان چھپوا دیں۔

واقعہ ہے کہ جلیل بہترین غزل کہتے [illegible] اسکول میں [illegible] اچھا غزل گو [illegible] نہیں ہوا۔

صفی اورنگ آبادی

[illegible] صفی اورنگ آبادی اورنگ آباد دکن میں پیدا ہوئے [illegible] بچپن ہی میں باپ کے ساتھ حیدرآباد آ گئے اور یہیں [illegible] پائی۔ باپ [illegible] خوش نویس تھے [illegible] پھر مہاراجہ [illegible] کے پاس خوش نویس [illegible] ملازم ہو گئے [illegible] شاعر [illegible] صفی تخلص کرتا ہے [illegible] حیدرآباد [illegible] نواب [illegible] جنگ [illegible] شاگردوں سے [illegible] گزر بسر کرتے تھے۔

ابتدا [illegible] کی شاگردی [illegible] حیدرآباد کے مشاعروں [illegible] آخر [illegible] کے شاگرد ہو گئے [illegible] ۔

حیدرآباد میں [illegible] شاعر [illegible] غزل [illegible] ۔

[illegible]

[illegible]

علی منظور

[illegible]

ہوش بلگرامی

کیفی حیدرآبادی کے ایک شاگرد تھے۔ راجہ بھوانی پرشاد [illegible] کے بانی "زکی منزل" میں رہتے تھے [illegible]
ہمسائی کی وجہ سے بھوانی راجہ سے میری بھی دوستی ہو گئی تھی اور بھوانی راجہ دوست تھے ہوش بلگرامی کے۔ اس طرح ہوش سے میری دوستی ہوئی [illegible]
کے دروازے کے قریب رہتے تھے۔
وقت کی بات ہے جب ہوش زندہ تھے اور چادر گھاٹ [illegible]
[illegible] میں ہوش شہر بدر ہو گئے اور یہ ملاقاتیں بھی ختم ہو گئیں۔ [illegible] میں پھر حیدرآباد گئے تو ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ [illegible]
میں ہوش [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

وہیں اور انہیں خوش کرنے کے لئے ایک کتاب لکھنے لگے جس میں حضور نظام سے لے کر اپنے بیوی بچوں تک کی مخالفت کی۔ [illegible] جوش جیسا آدمی [illegible] بعض احباب مجھے بھی مناسب [illegible] اور میں نے بھی سخت مخالفت کی تھی مگر کسی کی پیش نہ گئی اور جوش نے کتاب چھپوا ڈالی "مشاہدات" نام رکھا پھر چند سنجیدہ لوگوں سے مشورہ کیا تو انہوں نے بھی منع کیا اور بعض قانونی [illegible] بھی ظاہر کئے جس کی وجہ سے بعض صفحات نکال دیئے گئے بعض سطریں حذف کی گئیں [illegible] کتاب [illegible] ہو گئی۔

چند ہی نسخے فروخت ہوئے تھے کہ [illegible] شروع ہو گئی۔ تنقیدیں اور خلاف مضامین چھپنے لگے بعض لوگوں نے عدالت کا دروازہ بھی [illegible] اس کشمکش میں [illegible]

ستمبر [illegible] میں خود بیمار تھا [illegible] ابھی میں بیمار ہی تھا کہ جوش کے خلاف [illegible] میں ان سے ملنے کی فکر ہی میں تھا کہ [illegible] کا خط آیا جس میں انہوں نے لکھا تھا کہ جوش بیمار [illegible]

[illegible]

[illegible] ہوں گے۔

[illegible]

[illegible] ہو [illegible] گی [illegible]

[illegible] ہے۔

یہ دور ریود تھا۔ اس میں سے صرف چند شخصیتیں میں نے انتخاب کی ہیں، ورنہ فہرست بڑی طویل تھی۔

پیش اب دورِ چہارم کی چند شخصیتوں سے روشناس ہو جائیے۔ اس دور کے حضرات وہ ہیں جو بفضلِ تعالیٰ موجود ہیں اور مشترا بم خصوصیات کے مالک ہیں۔ یہ فہرست بھی طویل ہے، چونکہ مضمون بہت طول ہو گیا ہے اس لئے میں نے اس فہرست کو مختصر کر دیا ہے۔

مُردوں پر کچھ لکھ دینا آسان ہے مگر زندوں کے متعلق اظہارِ رائے کرنا بہت مشکل ہے اور پھر ان لوگوں کے متعلق لکھنا جو آج [illegible] بہت مشکل ہے، میں نے کوشش کی ہے کہ اخلاق و جرأت [illegible] سے [illegible] اپنی کوشش میں کس قدر کامیاب ہوا ہوں اس کا اندازہ آپ ہی کر سکتے ہیں۔

زین یار جنگ

[illegible] نواب زین یار جنگ [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

سید خورشید علی

[illegible] میں جب [illegible] طغیانی [illegible] سیلاب [illegible] گھر کا حال دیکھنے کے لیے جانے لگے اور میں [illegible] سید خورشید علی صاحب [illegible] خورشید علی [illegible] حیدرآباد [illegible]

[illegible]

[illegible]

بیت المقدس ... [illegible]

پندرہ سال سے زیادہ ہوا کہ آپ نے ... [illegible]

مجھے دو تین برسوں میں ... کے بعد بزرگانہ عنایت و شفقت فرماتے ہیں اور میں اپنے بزرگ کی طرح احترام کرتا ہوں ... خاندان میں ... کوئی بزرگ باقی نہیں رہا ہے مگر مولانا کی ذات کو میں اپنا بزرگ سمجھ کر ... عنایت و نوازش کا وہ اب تک مسلسل جاری ہے۔ نہ صرف یہ کہ خانگی زندگی بلکہ تصنیف و تالیف میں بھی مولانا امداد و اعانت فرماتے رہتے ہیں اور اپنے ذخیرہ کتب سے مجھے نوازتے رہتے ہیں۔

نہایت خاموش کارکن اور مخیر بزرگ ہیں۔ سینکڑوں زندگیاں آپ نے بنا دیں۔ "گپت خاندان" پر ہمیشہ عامل رہے یعنی جو لوگوں کی امداد کی اس طرح کی کہ دوسروں کو خبر تک نہ ہونے پائی۔ بیشتر ایسی ہستیاں آج نام و نمود حاصل کر چکی ہیں جو مولانا کی امداد پر تعلیم و تربیت پا چکی ہیں اور مولانا ہی نے ان کی زندگی سنواری۔ صرف یہی ایک صفت ایسی ہے جو انہیں ممتاز بناتی ہے۔

میں نے اپنی عمر میں دو ایسے آدمی دیکھے ... کہیں ... ایک ... اور دوسرے مولانا خورشید علی۔ ان دونوں کا یہ طریقہ تھا کہ اپنی حیثیت سے زیادہ دیتے اور پھر شرماتے کہ کم دیا ہے۔

[illegible] طبیعت کے رنگ ہیں۔ غصہ آتا ہے مگر جلد فرو ہو جاتا ہے ... اور صاف ... [illegible]

[illegible] ہو جاتے ہیں [illegible]
[illegible]
[illegible] زندگی گزار رہے ہیں۔

عبدالرحمٰن خاں

پہلے [illegible] جامعہ عثمانیہ [illegible] فاضل [illegible] ہیں [illegible] سائنس ہوئے۔ پھر عثمانیہ یونیورسٹی کے پرنسپل ہوئے۔ نواب سالار جنگ [illegible] کی صاحبزادی سے شادی کی [illegible] رشید الدین خاں [illegible] خان صاحب [illegible] شادی کے [illegible] جامعہ عثمانیہ کے [illegible] ڈاکٹر [illegible] آپ ہی کے [illegible] آپ ہی کے [illegible] طلباء کی [illegible] اور پھر ملازمت [illegible] خوش حال [illegible] مشہور و معروف ہیں۔

فلکیات سے آپ کو ذوق [illegible] اب تک [illegible] جاری ہے [illegible] مضامین چھپتے ہیں [illegible] آپ [illegible] کرتے ہیں۔

چونکہ آپ [illegible] سیاسیات [illegible] اس لئے آپ کو [illegible] لیکن آپ نے اس [illegible] اب بھی آپ [illegible] سائیکل پر ہی آجاتے ہیں۔ بہرحال خان صاحب [illegible] شہرت کے مالک اور حیدرآباد کی خاص شخصیت ہیں۔

علی یاور جنگ

آپ [illegible] آپ کے والد بزرگوار ڈاکٹر [illegible] جنگ بہادر تھے اور آپ کی والدہ [illegible] بیگم صاحبہ نواب [illegible] بہادر مرحوم کی صاحبزادی تھیں۔ آپ کی والدہ [illegible] حیدرآباد کی نسوانی دنیا میں تعلیم کی [illegible] آج حیدرآباد کی نسوانی ترقی اور تعلیم [illegible] بیگم صاحبہ کی [illegible] نواب علی یاور جنگ کی ولادت حیدرآباد ہی میں ہوئی [illegible] ابتدائی تعلیم و تربیت [illegible] آکسفورڈ یونیورسٹی سے سیاسیات میں ڈگری [illegible] حیدرآباد [illegible] کالج [illegible] سیاسی [illegible] اس لئے آپ [illegible] ناظم اطلاعات [illegible] ہو گئے [illegible] پرنسپل سیکرٹری [illegible] تعینات ہو گئے۔

حیدرآباد [illegible] اطلاعات [illegible] آپ ہی کے [illegible] حیدرآباد کی شخصیت [illegible] آپ [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

سجاد مرزا

[illegible]

[illegible] اب پھر حیدرآباد واپس ہو گئے ہیں۔

علمی خدمت کا جذبہ آپ میں اتنا ہے کہ حیدرآباد کی انجمن ترقی اردو کے [illegible]

[illegible] کاغذ [illegible] استعمال کرتے تھے۔

بڑی سوجھ بوجھ کے مالک، نہایت ہی دماغ دار اور شگفتہ مزاج، دوست نواز، وضع دار اور حلیم الطبع بزرگ ہیں [illegible] وضع [illegible] ہے اور جس سے جیسے ملاقات [illegible] سیکڑوں کتابیں لکھوا دیں مگر آپ نے کوئی کتاب اپنے نام سے نہیں چھپائی۔ نام و نمود سے قطعاً متنفر ہیں۔

کیقباد جنگ

کیقباد آپ کا نام ہے اور آپ کا خاندانی نام [illegible] ہے جسے پہلے [illegible] ہیں۔ حیدرآباد میں پارسیوں [illegible] سے [illegible] عدالت [illegible] کامیابی سے کر رہے ہیں۔ آپ کا تعلق [illegible] ہے۔ آپ نے [illegible] عدالت [illegible] نائب کو [illegible] پرائیویٹ سیکرٹری [illegible] بعد وظیفہ حسن خدمت حاصل کیا [illegible] صاحب [illegible] جنگ [illegible] کتب خانہ بے نظیر ہے۔ [illegible] آپ [illegible] حافظہ نہایت قوی [illegible] فارسی آپ کی [illegible] مادری [illegible] واقف ہیں اور فارسی کے ماہر ہیں۔

غالب [illegible] نے بڑی تحقیق [illegible] جب [illegible] آپ کو [illegible] پہلے [illegible] ایک [illegible] نسخہ [illegible] کیا [illegible] غلطیاں نظر آئیں [illegible] آپ نے غلطیاں نوٹ کر کے مجھے دیں [illegible] بات یہ ہے کہ [illegible] غلطیاں آپ نے [illegible] کتنا [illegible] مستقل ہے۔

مجھے تیس ایک سال سے [illegible] آپ کے کتب خانے سے فائدہ اٹھا رہا ہوں۔ [illegible] میں مبتلا ہونے سے [illegible] گزشتہ مہینے میں آپریشن بھی ہوا ہے جو سنا ہے کامیاب رہا مگر ابھی [illegible] کرنے کے قابل نہیں ہیں۔ آپ کے فرزند [illegible] ساتھ ہیں خیریت معلوم ہوتی رہتی ہے۔ خداوند عالم [illegible] صحت و سلامت واپس لائے۔

مہدی نواز جنگ

حیدرآباد کے شرفاء سے ہیں۔ ابتدائی تعلیم حیدرآباد ہی میں ہوئی اور محکمۂ مال میں ملازم ہو گئے۔ غالباً وہ تعلقدار (ڈپٹی کلکٹر) تھے کہ مہاراجہ بہادر صدر اعظم ہوتے ہی آپ کو معتمد باب حکومت (رجسٹرار) بنا لیا اور مہاراجہ کے معتمد علیہ کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔ آپ نے جس دیانت، محنت، سلیقہ اور تجربے سے معتمدی کی ہے سارا ملک واقف ہے۔ اس اہم خدمت پر رہ کر سب کو خوش رکھنا ناممکن تھا چنانچہ اکبر حیدری آپ سے خفا ہو گئے اور جب صدارت عظمیٰ پر فائز ہوئے تو آپ کو بڑی آزمائش میں مبتلا کر دیا مگر مہدی نواز جنگ نے جس بہادری سے ان آزمائشوں کا مقابلہ کیا [illegible] وہ بڑے سے بڑے معرکے میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔

جب تک ملازمت رہے ملک کی خدمت کی پھر وظیفہ حسن خدمت پر سبکدوش ہو کر بھی خدمت کرتے رہے۔ گزشتہ انتخابات میں دوست احباب نے مجبور کیا تو کانگریس کی طرف سے آپ بھی کھڑے ہو گئے اور منتخب ہو کر بحالی وزارت سے سرفراز ہوئے۔

سلطنت حیدرآباد کے تین جنگ ایسے ہیں جنہوں نے انقلاب کے باوجود اپنے آپ کو کامیاب و کامران بنا لیا۔ پہلے نواب زین یار جنگ، دوسرے نواب علی یاور جنگ، تیسرے نواب مہدی نواز جنگ۔ اب وزارت طبابت سے سرفراز [illegible] کارگذار ہیں۔ خدمت ملک بہر حال کی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ نواب سالار جنگ بہادر کے اسٹیٹ کی کمیٹی کے صدر نشین ہیں اور [illegible] سے اسٹیٹ اور [illegible] کی ترقی دکھا رہے ہیں۔

[illegible]

ڈاکٹر عبدالمقیت

[illegible] ... قانون ... [illegible]

[illegible]

ڈاکٹر سیادت علی خان

آپ مرزا [illegible] الدین خاں [illegible] ہیں۔ حیدرآباد میں تعلیم و تربیت ہوئی۔ [illegible] ایل ایل بی کرنے کے بعد جامعہ عثمانیہ [illegible] یونیورسٹی سے بی سی ایل اور [illegible] ڈاکٹریٹ [illegible] حاصل کی۔ حیدرآباد آکر جامعہ عثمانیہ کے قانون کے پروفیسر ہو گئے۔ پھر سررشتہ عدالت میں منتقل ہو گئے اب ہائی کورٹ کے جج ہیں۔

جسٹس ڈاکٹر میر سیادت علی خاں ملک کے ان [illegible] میں ہیں جن پر ملک ناز کر سکتا ہے۔ عربی، فارسی، اردو، انگریزی پر یکساں عبور ہے۔ مذہب، ادب، و قانون پر [illegible] نظر ہے مگر اپنے مخاطب کو اپنی علمیت سے مرعوب کرنے کے قائل نہیں ہیں۔ مرنجان و مرنج [illegible] ہیں۔ [illegible] ان کا [illegible] ہمیشہ پیش نظر رہتا ہے۔ ان کے والد [illegible] وہ میرے بھتیجے ہیں مگر عمر میں ہم دونوں میں چند ہی مہینوں کا فرق ہے۔

آج کل قانون کی طرف زیادہ مائل ہیں۔ شرح قانون شہادت بڑی نفیس لکھی ہے جو بہت مقبول ہے اور بہت سی شرحیں لکھی ہیں مضامین خوب لکھتے ہیں مگر آج کل عدالتی مصروفیات کی وجہ سے کم لکھ رہے ہیں۔

ڈاکٹر ولی الدین

آپ جسٹس ڈاکٹر میر سیادت علی خاں کے چھوٹے بھائی ہیں۔ حیدرآباد میں تعلیم و تربیت ہوئی۔ منشی فاضل، ایم اے، ایل ایل بی کرنے

[illegible] ڈاکٹر [illegible] کے ساتھ یورپ گئے [illegible]

تصوف کا مطالعہ [illegible] آج کل مذہب اور تصوف [illegible] [illegible]

ایک بڑی شخصیت کی سی [illegible] بہت [illegible] ہوتی۔

خاموش کام کرتے ہیں۔ [illegible] الیٹ [illegible] مشرق [illegible]

جو وقت بچتا ہے وہ مطالعہ اور تصنیف و تالیف میں صرف کرتے ہیں [illegible]

ڈاکٹر نظام الدین

حیدرآباد ہی کے ایک خاندان کے فرد ہیں۔ مولوی فاضل کامیاب کرنے کے بعد بی۔ اے کیا کرنے کے لئے لندن چلے گئے وہاں تحقیقی کام کر کے فارسی میں پی ایچ ڈی کیا۔ حیدرآباد واپس آکر جامعہ عثمانیہ کے فارسی کے پروفیسر ہو گئے۔ حال ہی میں وظیفہ پر سبکدوش ہو گئے ہیں۔

عماد الملک، قطب الدین فاضل، محمد یار جنگ نے ایک ادارہ اشاعت "دائرۃ المعارف" کے نام سے قائم کیا تھا جس کا مقصد عربی کی نایاب اور کمیاب کتابیں شائع کرنا ہے۔ جب اس کا تعلق جامعہ عثمانیہ سے ہوا تو ابتدا پروفیسر الیاس برنی اس ادارے کے ناظم رہے اور پھر ڈاکٹر نظام الدین کے سپرد ہوا۔ ڈاکٹر صاحب عربی کے نہ صرف فارغ التحصیل ہیں بلکہ انہیں عربی زبان و ادب سے عشق بھی ہے اس لئے انہوں نے بڑی دلچسپی سے دائرۃ المعارف کو چلایا اور اب وظیفہ پر سبکدوش ہونے کے بعد بھی نہایت ہی مستعدی سے چلا رہے ہیں۔

ڈاکٹر نظام الدین بھی نہایت خاموش کام کرنے والے ہیں۔ فردوسی اور [illegible] ایران [illegible] یادگار [illegible] حیدرآباد سے بطور نمائندہ آپ ایران بھیجے گئے اور جشن ہزار سالہ فردوسی میں شرکت کی۔ بہرحال آپ ملک کے [illegible] ڈگری میں شمار ہوتے ہیں۔

مجھ سے پچیس تیس سال سے واقف ہیں، دوسرے باہر والے ملک کی طرح آپ بھی اپنا پراپیگنڈہ نہیں کر سکتے اور نہ [illegible] کو مرعوب کر سکتے ہیں، خاموشی سے علمی و ادبی خدمت کئے جا رہے ہیں مگر چونکہ عربی کی نایاب اور کمیاب کتابیں آپ ایڈٹ کر کے چھپاتے ہیں [illegible] عوام ان خدمات سے ناواقف ہیں۔

ڈاکٹر یوسف حسین خان

مولوی غلام حسین خان وکیل حیدرآباد کے مشہور اور قابل وکلاء میں سے تھے۔ ڈاکٹر یوسف حسین خان انہی غلام حسین خان صاحب کے فرزند ارجمند اور ڈاکٹر ذاکر حسین خان کے بھائی ہیں۔ ولادت اور ابتدائی تعلیم و تربیت حیدرآباد ہی میں ہوئی اور پھر علی گڑھ یونیورسٹی میں شریک ہوئے۔ تحریک خلافت کے زمانے میں جامعہ ملیہ قائم ہوئی تو آپ اس میں شریک ہو گئے اور وہاں سے لندن جا کر پی ایچ ڈی کیا۔ پھر حیدرآباد آ کر شعبہ تاریخ کے [illegible] ہو گئے آج کل جامعہ عثمانیہ کے تاریخ کے پروفیسر ہیں۔

نہایت سنجیدہ [illegible] اور متین شخص ہیں۔ دفتر دیوانی کے ممبر کی حیثیت سے [illegible] تاریخ ادب [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

علی گڑھ کی چند شخصیتیں

خلیل الرحمن اعظمی

شعر و ادب کا مطالعہ کرنے والوں کے لیے الفاظ و معنی کے پیچھے چھپے ہوئے فنکار کی تلاش کے ساتھ ساتھ فنکاروں کی شخصیت سے دلچسپی لینا ایک فطری امر ہے۔ کوئی کتاب، کوئی شعر، کوئی ڈراما، کوئی ناول اور کوئی کہانی جب ہم پر اپنا تاثر چھوڑ جاتی ہے تو اس کے ساتھ ہی ہم اسے دیکھنے میں اس فن پارے کے خالق کا چہرہ ابھرنے لگتا ہے۔ ہر کتاب اور اچھی ادبی یا فنی تخلیق اپنے پڑھنے والے کے اندر بھی ایک طرح کے تخلیقی جذبے بیدار کر دیتی ہے اور وہ اس طرح کہ ہمارا ذہن اس فنکار کی شخصیت اور اس کے خد و خال کی ایک مکمل تصویر بنا لیتا ہے۔ بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی ادیب یا فنکار سے متاثر ہونے کے بعد ہم اپنے ذہن میں اس کے خالق کی جو تصویر بناتے ہیں وہ اتنی خوبصورت اور دل آویز ہوتی ہے کہ اس کی اصل تصویر دیکھ کر ہمیں کچھ مایوسی سی ہوتی ہے اور دل کو عجیب دھکا سا لگتا ہے۔ شاید اسی لیے رشید احمد صدیقی نے ایک جگہ لکھا ہے کہ دنیا کی تمام تصانیف کی کوشش صرف منافقت یا تکمیل کا نمونہ ہیں۔ دوسرے الفاظ میں ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ ان تصانیف میں مصنف نے اپنا اصل چہرہ چھپانے کی کوشش کی ہے۔ اسی لیے جس طرح قدیم زمانے کے پیغمبروں اور صوفیوں اور ولیوں اور رشیوں منیوں کی شخصیت کے گرد انسانی تخیل نے ایک ہالہ اور خوبصورت ہالہ بنا رکھا ہے اور مختلف صدیوں اور مختلف ادوار کے انسانوں نے ان کو اپنے زاویے سے دیکھ کر ان کی تصویریں بنائی ہیں اسی طرح بعض شاعروں ادیبوں یا مصنفوں کے ذاتی حالات اور ان کے کردار اور شخصیت کے بارے میں ہماری معلومات کا دائرہ محدود ہے ان کی تصویریں بھی صنم گری کی حد میں آتی ہیں۔ گوتم بدھ، رام چندر، کرشن، مسیح، زرتشت اور دوسرے روحانی پیشواؤں کے مجسمے اور تصویریں ہزاروں اور لاکھوں کی تعداد میں ہیں اور ان سب تصویروں میں اصل شخصیت سے زیادہ روایات اور تصورات اور کسی قوم یا کسی فرد کے اپنے ذہن کی پرواز کا عنصر نمایاں ہے۔ قدیم فلسفیوں اور شاعروں کے بارے میں بھی ہم زیادہ تر اسی صنم گری کے شکار ہیں۔ ہومر، کالیداس، فردوسی، دانتے، اور شیکسپیئر وغیرہ کی تخلیقات پڑھ کر ہمارے ذہن میں ان فنکاروں کے جو خد و خال ابھرتے ہیں وہ اصل سے کہاں تک مطابقت رکھتے ہیں یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جو اکثر ذہنوں کو پریشان کرتا رہتا ہے۔ غالباً یہی جذبہ محرک بنا کہ دنیا میں جو لوگ قوم، ملک اور آنے والی نسلوں

[illegible] کی شخصیت [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] ہے

کچھ جلتی بجھتی سی [illegible] آنکھ [illegible]

[illegible] ہے۔

"حالی [illegible] کی [illegible] شخصیت کی تمام جزئیات [illegible] [illegible] [illegible]"

[illegible] کی شخصیت [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] Subject [illegible] (Data) [illegible] [illegible] اس شخص کا تماشا دیکھ جس نے معاہدۂ عمرانی کی تشکیل کی ہے۔

اردو زبان میں سیرت و سوانح کی تاریخ ابھی سو برس سے بھی زیادہ کی نہیں ہے۔ "آب حیات" پہلی کتاب ہے جس میں محمد حسین آزاد نے اردو کے مشہور شعرا کی تصویریں کچھ اس چابک دستی سے بنائی ہیں کہ ہم انہیں اپنی آنکھوں کے سامنے چلتا پھرتا دیکھ سکتے ہیں لیکن صاحب آب حیات کے پاس ماضی کے شعرا کے بارے میں جو مواد تھا اس کی حیثیت "مشتبہ" کی سی تھی۔ اس میں آزاد کی [illegible] اور ذہانت نے اتنی رنگ آمیزی کی ہے کہ یہ نقوش دستاویزی ہونے کے باوجود افسانہ طرازی کے نمونے بن کر رہ گئے ہیں۔ غالباً اسی لئے موجودہ دور کے ایک ذہین افسانہ نگار نے ایک بار لکھا تھا کہ اردو کے پہلے افسانہ نگار محمد حسین آزاد ہیں اور افسانہ لکھنے کا ڈھنگ میں نے "آب حیات" سے سیکھا ہے۔ خالص سیرت نگاری میں اولین حیثیت حالی کی ہے لیکن حالی نے "یادگار غالب" اور "حیات جاوید" دونوں کتابیں اس اعتقاد کے ساتھ لکھیں کہ ابھی ہمارے ملک کی اخلاقی حالت اس قابل نہیں ہے کہ بڑے آدمیوں کی تصویر کا ہر رخ پیش کیا جائے یہی وجہ ہے کہ بعد میں جب

غالب کے سوانح نگاروں نے ان کی شراب نوشی، قمار بازی، قرض سے محبت اور ان کی دوسری کمزوریوں کا ذکر کرنے سے گریز کیا۔ آخر بعد کو "غالب زعمِ مرثیہ" لکھنے والا پیدا ہوا۔ شبلی نے حالی کو مقطع دیانت کا حیات جاوید کے لقب سے نوازا تھا لیکن خود شبلی کے سوانح نگار سید سلیمان نے اپنے ممدوح کو شبلی ثابت کرنے کے بجائے "فرشتہ" بنانے کی کوشش کی اور جب دوسرے لوگوں نے عطیہ فیضی کے نام شبلی کے پرائیویٹ خطوط کو مرتب کر کے شائع کیا اور حیاتِ معاشقہ کے نفسیات داں کو موقع ملا تو اردو کے گوا زیر دستاں شبلی بھی بھیں ہو گئے۔ شیخ محمد عطاء اللہ نے علامہ اقبال پر کتاب لکھی تو اس کی پہلی جلد کی اشاعت محض اس لئے روک دی گئی کہ اس سے اقبال کے عقیدت مندوں میں ایک کھلبلی مچ گئی اور کتاب سے ان حصوں کو خارج کر دیا گیا جن سے اقبال کی شخصیت یا عظمت پر کوئی دھبہ آ سکتا ہو۔

اب ادھر کچھ دنوں سے ہمارے یہاں اخلاقیات کا یہ تصور تبدیل ہو رہا ہے۔ غالباً سب سے پہلے منٹو ہی نے اس جمود کو توڑنے کی جرأت کی ہے اور اس حیثیت سے "اعمال نامہ" اس صنف ادب کا شہ پارہ کہلاتا ہے۔ اب نقوش کے ایڈیٹر محمد طفیل نے یہ خطرہ مول اپنے اوپر عائد کیا ہے کہ ہماری روایات کو توڑ کر ادبی شخصیتیں جو ہمارے درمیان موجود ہیں ان کے پیچھے کچھ حسب حال ڈھیلے جو "معلومات" قسم کے انکشافات مرتب کریں اور وہ حضرات جو ہماری محفلوں سے رخصت ہو چکے ہیں لیکن ان کا کوئی ذکر کر کے ہم صحبت اب بھی حلقہ یاراں میں بیٹھے ہیں دفن کئے ہوئے ہماری بزم میں رونق افروز ہے وہ بس دبے ہوئے خزانے کو باہر نکالنے تک وہ متلاشی ہیں جو اصل کام ہے جو ہم نے کام آنے۔ یہ کام جتنے جان جوکھوں کا ہے۔ کس میں اتنا پتہ ہے جو اس بال سے باریک راستے پر چل سکے اور قدم نہ ڈگمگائیں۔ مشاہیر کی تاریخ پیدائش، تاریخ وفات اور ان کے کارناموں کا بھی ذکر کرتے ہوئے اپنے واقفوں کا حال مزے لے کر بیان کرنا اور اس طرح کا صفحے سیاہ کر دینا تو محض مضمون نگاری، سوانح کا سامان فراہم کر دے۔ نفسیات داں کو خود شخص کو جیسے ہیں ویسے ہی قائم کرنے کا موقع دے لیکن اس سے اصل مقصد کہاں تک پورا ہو گا۔ یہ سوچنے کی بات ہے۔ کم از کم مجھے یہ اعتراف کرنے میں کوئی باک نہیں ہے کہ میں یہ کام دیانت داری سے کرنا چاہوں تو خون تھوک دینا پڑے گا۔ اول تو جن لوگوں کے بارے میں مختصر سے بہت نقوش و تاثرات ذہن پر نقش ہیں ان کی حیثیت اس تصویر کی سی ہے جو اس کیمرے سے کھینچی گئی ہو جو قریب قریب زاویۂ تصویر سے باہر (out of focus) ہو۔ دوسرے یہ کہ بعض باتیں ایسی ہیں جنہیں بیان کرنے میں "خوف فساد خلق" کا اندیشہ ہے۔ میں ایک معمولی دنیا دار آدمی ہوں حق کا نعرہ لگا کے منصور کی طرح دار پر چڑھنے کا مجھ میں حوصلہ نہیں۔

طفیل صاحب کا اصرار ہے کہ میں علی گڑھ والوں پر قلم اٹھاؤں لیکن مجھے بار بار یہ احساس ہوتا ہے کہ علی گڑھ کی علمی و ادبی شخصیتوں اور یہاں کے مشاہیر سے میرا واسطہ اس طرح پڑا ہے کہ کسی کو صرف دور سے سڑک پر چلتے پھرتے دیکھا ہے۔ کوئی صاحب لان سے اپنی خوبصورت کار میں میرے پاس سے گزر گئے ہیں۔ کوئی صاحب اسٹیج پر تقریر کرنے یا تحقیقی و علمی مقالہ پڑھنے آئے ہیں اور علم و ادب کا دریا بہا کر چلے گئے ہیں۔ کسی صاحب کے کلاس میں ایک طالب علم کا بھیس بنا کر کہیں پچھلی صف میں بیٹھا ہوا اونگھتا رہا ہوں۔ کسی کو کسی ڈنر یا ایٹ ہوم میں بیٹھے ہوئے گل افشانی گفتار کرتے اور اپنے احباب میں ہنستے بولتے دیکھ لیا ہے۔ کسی سے بطور عقیدت ملنے گیا ہوں اور ان کے آراستہ ڈرائنگ روم میں ڈرا سہما بیٹھا رہا ہوں اور ہر وقت یہ اندیشہ لاحق ہو رہا ہے کہ کہیں کسی شیشے کی نازک شے سے ٹکرا جاؤں اور مجھے خفت اٹھانی پڑے۔ کسی کے پاس اپنی ڈگری کے لئے سفارش نامہ یا کسی دوسرے بڑے آدمی سے ملنے کے لئے تعارفی خط لکھوانے گیا ہوں اور چند منٹ باادب با ملاحظہ بیٹھ کر واپس آ گیا ہوں۔ گیارہ سال کی زندگی میں علی گڑھ کے ان صاحبانِ جاہ و جلال کے گھروں کے اندر جھانکنے کا بھی موقع نہیں ملا اور نہ ہی استری کئے ہوئے صاف ستھرے کپڑوں سے ہٹ کر شب خوابی کے لباس یا لنگوٹ باندھ کر ورزش کرتے یا اپنے بیوی

[illegible]

[illegible]

[illegible]

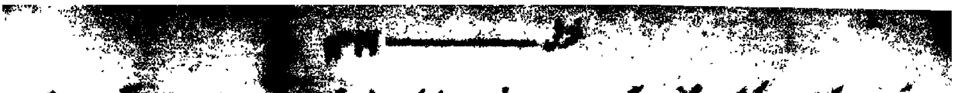
[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

تہذیب الاخلاق اور انسٹی ٹیوٹ گزٹ کی ترتیب و تدوین سید کے مبارک ہاتھوں یہیں کہیں ہوتی تھی۔ حالی نے مقدمہ شعر و شاعری یہیں کہیں [illegible]
[illegible] سرسید کے بنگلے کے قریب [illegible]
ذکاء اللہ، محسن الملک، وقار الملک، وحید الدین سلیم اور عنایت اللہ [illegible] سڑکوں پر پھرتے [illegible]
[illegible]
محمد علی، شوکت علی [illegible] حسرت موہانی [illegible] ظفر علی خاں [illegible]
[illegible]
[illegible]



شعبہ ... کے ... کی [illegible] ... اس حیثیت سے کوئی [illegible]
[illegible] ... حیات ... خواجہ احمد عباس، مجاز، جاں نثار اختر ... [illegible]
کر دی۔ اب یہ لوگ ... یہاں آ گئے ہیں۔

اس تحریر کا لکھنے والا آج سے گیارہ سال قبل ۱۹۴۸ء میں ایک کم سواد طالب علم کی حیثیت سے علی گڑھ میں داخل ہوا تھا۔ ... جو ان کی تعمیر کے بعد ... اس کی نسل ... علی گڑھ کی ... کہ اس ... کر آپ ... خاک میں ملا دیا ... سوچتا ہوں کہ ... ہوگی ... ان کے ... کے بارے میں مختصراً لکھتا ہے۔

نواب صدر یار جنگ حبیب الرحمن خاں شروانی مرحوم

علی گڑھ اسٹیشن سے اترتے ہی سید کی جو بستی ... سے گزرتی ہے اس طرف دو سڑکیں جاتی ہیں۔ ایک یونیورسٹی ... دوسری ... پرسی روڈ۔ اب اس سڑک کا نام تقسیم ہند کے بعد تیاگ راج ... روڈ ہو گیا ہے لیکن یہ نام صرف بورڈ پر لکھا ہوا ہے، سب ... پرسی روڈ ہی کہتے ہیں۔ سڑک پر چلئے تو ایک فرلانگ آگے جا کر نواب چھتاری کی کوٹھی سے متصل ... نواب صاحب مرحوم ... کوٹھی کے مقابل ایک شاندار اور خوبصورت عمارت ملے گی جس پر حبیب منزل لکھا ہوا ہے۔ یہ نواب صدر یار جنگ کی کوٹھی ہے۔ علی گڑھ میں اتنی وسیع اور پر شکوہ عمارت شاید ہی دوسری ہو۔ نواب صدر یار جنگ بھیکم پور ضلع علی گڑھ کے رہنے والے تھے اور شروانیوں کے مشہور خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ وہاں انہوں نے ... نام سے ایک بستی بسائی جس کا نام حبیب گنج ... ان کا کتب خانہ جو ہندوستان کے نادر ترین کتب خانوں میں سے ہے وہیں ہے۔ علی گڑھ کی اس کوٹھی کی تعمیر سے متعلق یہاں یہ روایت مشہور ہے کہ جس زمانے میں نواب صاحب مرحوم حیدرآباد میں صدر الصدور امور مذہبی کے مشیر اعلیٰ تھے اسی دوران میں ایک بار ... کسی وجہ سے آپ پر عتاب نازل ہوا۔ وہاں سے علیحدہ ہو کر حبیب گنج چلے آئے اور اپنے علمی مشاغل میں مصروف ہو گئے لیکن نظام دکن کے جی میں نہ جانے کیا آئی کہ انہیں اپنے اس رویے پر ندامت کرنی پڑی اور ... سال کے بعد دوبارہ نواب صدر یار جنگ کو اسی عہدے پر مامور کیا اور اس عہدے کی تمام ... عنایت فرمائی۔ اسی رقم سے نواب صاحب مرحوم نے "حبیب منزل" تعمیر کرائی اور وہاں سے سبکدوش ہونے کے بعد ان کا مستقل قیام علی گڑھ میں رہنے لگا۔ اب یہ مکان ہندوستان کے تمام مشاہیر علم و ادب کی جولان گاہ تھا۔ نواب صاحب نہ صرف اس دور کے زبردست عالم اور صاحب تصنیف بزرگ تھے بلکہ ان کی شخصیت ایک ادارہ کی تھی۔ وہ مشرقی تمدن کا آخری اور بے مثال نمونہ اور علم و فضل کا مجسمہ تھے۔ ہندوستان کی کوئی قومی و مذہبی تحریک ایسی نہ تھی جس کے وہ مددگار نہ رہے ہوں۔ ندوۃ العلماء، ایجوکیشنل کانفرنس اور علی گڑھ یونیورسٹی تینوں آپ کی قیادت سے مشرف ہو چکے ہیں۔

آخر عمر تک مسلم یونیورسٹی کی دینیات کی فیکلٹی کے ڈین بھی تھے۔ حسن اتفاق سے علی گڑھ آتے ہی مجھے مرحوم کی خدمت میں حاضر ہونے کا موقع مل گیا۔ میں بچپن ہی میں نواب صاحب کے علم و فضل اور ان کی عظمت سے واقف ہو چکا تھا۔ میرے والد مولوی محمد شفیع صاحب مرحوم نے علامہ شبلی نعمانی اور مولانا حمید الدین فراہی کے ایماء پر ... میں ایک عربی درسگاہ مدرسۃ الاصلاح کے نام سے سرائے میر اعظم گڑھ میں قائم کی تھی اور مسلمانوں کی معاشرتی و تمدنی اصلاح کے لئے ایک انجمن اصلاح المسلمین کی بنیاد بھی رکھی تھی۔ اس درسگاہ سے نواب صاحب مرحوم کو بھی دلچسپی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ جب میں اعظم گڑھ سے علی گڑھ کے لئے روانہ ہونے لگا تو مولانا سید سلیمان ندوی مرحوم نے مجھے نواب صاحب کے نام ایک تعارفی خط دیا اور فرمایا کہ علی گڑھ جا کر سب سے پہلے نواب صاحب کی خدمت میں حاضر ہونا۔ اس زمانے میں نواب صاحب

[illegible] نواب صاحب کے یہاں [illegible] ۔ [illegible] نواب صاحب [illegible] مرحوم کو نواب صاحب سے [illegible] ملاقات کے [illegible] نواب صاحب [illegible] استفادہ [illegible] ۔ نواب صاحب کی خواہش [illegible] ۔ نواب صاحب کے یہاں تمام [illegible] ۔ نواب صاحب [illegible] صاحب کے [illegible] صاحب [illegible] حضرت نواب صاحب کے یہاں [illegible] اپنے مکانات میں [illegible] اس عرصہ میں کچھ فرق نہیں آیا۔

نواب صاحب کا جب بھی ذکر آتا تو علی گڑھ والے اس بات پر [illegible] علی گڑھ کی [illegible] سمجھتے [illegible] نہیں آتا۔ مرحوم کے بڑے صاحبزادے [illegible] ہو گئے ہیں اور مستقل طور پر [illegible] حبیب گنج [illegible] بچے ہیں [illegible] فرزند عبید الرحمن خان صاحب شروانی آج کل مسلم یونیورسٹی کے زیر [illegible] آیا۔ عبید الرحمن صاحب کے صاحبزادے بھی نواب صاحب کے پوتے [illegible] عربی کے استاد ہیں۔ [illegible] خدا کرے نواب صاحب کی روایات کو زندہ رکھنے میں کامیاب ہوں۔

[illegible] میں علی گڑھ میں نواب صاحب کا انتقال ہو گیا۔ ایسے لوگ صدیوں میں پیدا ہوتے ہیں۔ ان کے مرنے سے مشرقی علوم و فنون اور وضعداری کا آخری چراغ گل ہو گیا۔

مرحوم جہاں مذہبی علوم، تاریخ و فلسفہ اور فقہ اسلامی کے زبردست عالم تھے وہاں شعر و ادب کا بھی اعلیٰ اور ستھرا ذوق رکھتے تھے۔ میر حسن کا تذکرہ اور دیوان خواجہ میر درد کی ترتیب و تدوین اور ان کے مقدمے ان کی یادگار ہیں۔ شاعر بھی تھے اور حسرت تخلص کرتے تھے۔ "کلام حسرت" کے نام سے ان کے کلام کا مجموعہ شائع ہو گیا ہے۔ مرحوم کی خط و کتابت حالی و شبلی سے لے کر پچھلے دور کے تمام مشاہیر ادب اور علماء سے تھی اور ان کے کتب خانے میں یہ خطوط محفوظ ہیں۔ مولانا ابوالکلام آزاد کی خلوت پسند طبیعت نے اپنے افکار و خیالات کے اظہار کے لئے مولانا شروانی کو اپنا مخاطب بنایا اور احمد نگر کے ایام نظربندی میں جو خطوط لکھے وہ "غبار خاطر" کے نام سے شائع ہو کر مقبولیت حاصل کر چکے ہیں۔ ان خطوط کی اشاعت نے نواب صدر یار جنگ کی شخصیت کو اور بھی دلکش بنا دیا اور ابوالکلام کا یہ حبیب سارے ملک کا محبوب بن گیا۔ کاش ہندوستان کے اہل علم مولانا شروانی کے نادر کتب خانے سے صحیح طور پر استفادہ کر سکیں کیونکہ اس مرحوم نے جس عرق ریزی سے یہ موتی جمع کر رکھے ہیں ان کی صحیح قیمت کا پہچاننا موجودہ نسل کا سب سے بڑا فریضہ ہے۔

خان بہادر شیخ عبداللہ

میرس روڈ پر حبیب منزل سے چند ہی قدموں کے فاصلے پر ایک مکان ہے جس کا نام ہے عبداللہ [illegible] وہ مسلم گرلس کالج کے احاطے میں ہے۔ اس کی [illegible] سال کے ایک [illegible] پرانی وضع کی عمارت کے بنگلے میں [illegible] ہوگی۔ انہیں علی گڑھ والے "پاپا" کہتے ہیں۔ یہ شیخ عبداللہ ہیں جو مسلمان قوم کی تعلیم نسواں کے [illegible] ہیں۔ سرسید نے جب علی گڑھ میں مدرسۃ العلوم قائم کیا تو [illegible] مقصد سے اپنی قوم کو ابھارا۔ [illegible] قدامت پرستوں نے ان کی سخت مخالفت کی اور انھیں [illegible] دنیا کو معلوم ہے۔ [illegible] تعلیم نسواں کے سلسلے میں [illegible] کسی کو کچھ ہمت نہ ہوتی تھی۔ [illegible] سرسید نے [illegible] کی تعلیم کے لئے بنیاد ڈالی [illegible] اس کی تکمیل شیخ عبداللہ کے ہاتھوں ہوئی۔ شیخ عبداللہ [illegible] کہ یہ ایک کشمیری برہمن تھے۔ [illegible] مشرف بہ اسلام ہو کر علی گڑھ کی درسگاہ میں داخل ہو گئے تھے اور سرسید کی تربیت نے کچھ اس طرح [illegible] گرلس کالج کی بنیاد ڈالی اور تعلیم نسواں کی تحریک علی گڑھ سے [illegible] خاتون [illegible] کے اس کام میں ان کی [illegible] بیگم [illegible] سب سے پہلے خود شیخ صاحب نے اپنی [illegible] اور تعلیم [illegible] کے [illegible] مردوں [illegible] کوشش [illegible]۔ ان کی صاحبزادی رشید جہاں نے [illegible] پہلی بار [illegible] نگاری شروع کی۔ [illegible] "انگارے" [illegible] افسانہ نگاری اور ترقی پسند [illegible] تحریک میں ایک تاریخی حیثیت رکھتی ہے۔ [illegible] سجاد ظہیر اور احمد علی کے علاوہ ان [illegible] کہانیاں بھی ہیں جو قدامت پرستی کے خلاف بغاوت کا [illegible] ادبی [illegible] ہیں۔ دوسری صاحبزادی ممتاز جہاں [illegible] تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد گرلس کالج کی پرنسپل ہو گئیں۔ [illegible] خورشید جہاں بھی شیخ صاحب کی لڑکی ہیں جنہوں نے ایک زمانے میں [illegible] نام سے فلمی دنیا میں شہرت حاصل کر لی تھی۔ ان کے صاحبزادے محسن عبداللہ بھی ایک عرصے تک فلم سے وابستہ رہ چکے ہیں۔ محسن عبداللہ کی بیوی یعنی شیخ صاحب کی بہو شاہدہ خاتون بھی فلمی دنیا میں چلی گئیں اور [illegible] کے نام سے اداکاری کے کمال دکھائے۔

مسلم گرلس کالج نے آہستہ آہستہ اپنے قدم جمائے اور ہزاروں مسلم خواتین اس کالج سے تعلیم پا چکی ہیں۔ عصمت چغتائی بھی اسی کی پروردہ ہیں۔ ان کے بیشتر افسانے اور ان کا مشہور ناول ٹیڑھی لکیر یہیں کے مشاہدات پر مبنی ہے۔

شیخ صاحب باوجود پیرانہ سالی کے ایک دلکش شخصیت کے مالک ہیں۔ ان کے چہرے پر ایک عجیب طرح کی نرمی اور معصومیت ہے۔ چہرے پر داڑھی نہیں ہے لیکن مونچھیں موجود ہیں۔ اب جھک کر اور آہستہ آہستہ چلتے ہیں۔ لوگوں کی باتیں بڑے انہماک سے سنتے ہیں اور ضرورت مندوں کے ساتھ بڑی شفقت سے پیش آتے ہیں۔ وہ گرلس کالج کی تمام بچیوں سے باپ کا سا برتاؤ رکھتے ہیں اور اپنی بیٹی ممتاز جہاں کے کام میں اب تک ہاتھ بٹاتے ہیں۔ یونیورسٹی میں ہر سال سرسید کے یوم وفات کے موقع پر ایک جلسہ ہوتا ہے جس میں شیخ صاحب کا شریک ہونا ضروری ہے۔ اس موقع پر ہر سال وہ ایک تقریر کرتے ہیں اور سرسید کی باتیں کر کے آبدیدہ ہو جاتے ہیں۔ ابھی حال ہی میں ان کی خدمات کے اعتراف میں ان کی جوبلی منائی گئی۔ اس سلسلے میں یونیورسٹی کے اندر اسٹریچی ہال میں بھی ایک جلسہ ہوا۔ شیخ صاحب نے جو تقریر کی اس کا ایک فقرہ بہت ہی دلچسپ تھا۔ طلباء کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ "جس جگہ آج تم بیٹھے ہوئے ہو انہی کرسیوں پر کبھی پہلے میں بھی بیٹھا کرتا تھا اور میری طالب علمی کے زمانے میں جب کوئی بڑا آدمی آتا تھا تو سوچا کرتا تھا کہ کیا کبھی ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ میں بھی اسٹیج پر آ کر تقریر

[illegible]

خان بہادر حبیب اللہ خاں

[illegible]

[illegible] ... اپنا سلام ... بے تکلفی سے نام لکھ دیتے۔

روایت ... علی گڑھ ... [illegible] ... خود ڈپٹی صاحب سے ... [illegible] ... سرسید ... [illegible] ... ڈپٹی صاحب ... [illegible]

ڈپٹی صاحب اب کافی ضعیف و ناتواں ہوگئے ہیں۔ ... [illegible] ... پڑھے لکھے مولوی محمود الحسن صاحب کو ... جاتے ہیں۔ ... صاحب بھی لکھتے ہیں ... بچوں کے اسکول میں مدرس ہیں اور ڈپٹی صاحب کے پرائیویٹ سیکرٹری بھی۔ ہر ... کے ساتھ تانگے پر بیٹھ کر ... اس وقت شرعی اور ترکی ٹوپی میں ملبوس ہوتے ہیں۔ نماز جمعہ کے بعد سرسید کے مزار پر فاتحہ پڑھتے ہیں ... علی گڑھ کی کوئی بات اس وقت تک مستند نہیں سمجھی جاتی جب تک ڈپٹی صاحب اس کی تصدیق نہ کر دیں۔ یونیورسٹی نے ان کی خدمات کے اعتراف میں انہیں اعزازی ڈاکٹریٹ کی ڈگری بھی دی ہے۔

مولوی محمد مقتدی خاں شروانی

یہ بھی ... اسی سال کے لگ بھگ ہوں گے۔ نورانی داڑھی اور مقدس چہرہ، سر پر چوگوشیہ ٹوپی اور ہاتھوں میں ... ایک ... [illegible]

جن کی وجہ سے کافی شہرت حاصل ہوئی۔ یہ کام علی گڑھ کے لئے فخر کی بات ہے۔ سرسید [illegible]
اس کا انتظام [illegible] کے سپرد تھا۔ [illegible] مسلم یونیورسٹی گزٹ کی ادارت [illegible]
شروع کئے [illegible] سے کافی [illegible] ہوئے۔ یونیورسٹی پریس کی کتابت و طباعت کے [illegible]
کام کر چکے ہیں۔ نواب اسحاق خاں مرحوم نے ایک زمانے میں میر [illegible] کے کلیات [illegible] مستند [illegible] سے مرتب [illegible]
[illegible] کے اہتمام میں شائع کرائے تھے اور اس کام کے لئے ایک [illegible] مولانا حبیب الرحمن خاں صاحب [illegible]
[illegible] آباد سے نکالتے تھے تو ان کی طباعت علی گڑھ میں محمد مقتدی خاں شروانی کے اہتمام میں ہوتی تھی۔ [illegible]
بھی ان کے اہتمام میں [illegible] پریس میں چھپا کرتا تھا۔

فارسی و اردو کتابوں کی [illegible] طباعت و اشاعت کے اہتمام کے علاوہ مقتدی صاحب خود بھی [illegible]
ہیں اور متعدد علمی و تاریخی کتابوں کے مصنف ہیں۔ دنیا کے بڑے بڑے کتب خانوں میں جو مخطوطات و نوادر ہیں وہ سب آپ کی
نظر میں رہتے ہیں اور اس پیرانہ سالی میں بھی وہ ان کی اشاعت اور ترتیب و تدوین کے منصوبے بناتے رہتے ہیں۔ [illegible] میں جب
ایم اے کرنے کے بعد مسلم یونیورسٹی گزٹ کی ادارت کا کام میں نے سنبھالا تو اس کا چھاپہ [illegible]
دئے اور بڑی مسرت کا اظہار کیا اور اس کی ترتیب و اشاعت سے متعلق اپنے تجربات مجھے بتاتے رہے۔ اس وقت جو تعلق [illegible]
اب تک قائم ہے۔ اب بھی جب کہیں راستے میں نظر آ جائیں گے تو رک کر گھنٹوں باتیں کریں گے۔ اپنے مجموعے سے کچھ کاغذات نکال کر
دکھائیں گے اور اپنی اشاعتی [illegible] دیں گے۔ ان کے اس ذوق و شوق اور محنت کو دیکھ کر ہم نوجوانوں کو شرم آتی ہے۔

ایک زمانے میں علی گڑھ میں انجمن ترقی اردو کے اہتمام میں ایک اردو کانفرنس ہوئی تھی جس میں خطبہ دیتے ہوئے مولانا سید
سلیمان ندوی نے محمد مقتدی خاں شروانی کی خدمات کو بہت سراہا تھا اور کہا تھا کہ یہ شخص واقعی اس قابل ہے کہ اردو زبان کی ایک اکیڈمی یا
ریسرچ انسٹی ٹیوٹ قائم کیا جائے اور اس کی باگ ڈور ان کے سپرد کر دی جائے۔

محمد مقتدی خاں شروانی یہاں کے اخبار "علی گڑھ" اور "جمہور" میں [illegible] مزاحیہ اور ظریفانہ مضامین بھی لکھتے رہتے ہیں جن میں
ان کا اپنا اسلوب نگارش ہے۔ ان مضامین پر "گلشن" لکھا ہوتا تھا۔

وہ جب کسی سے باتیں کرتے ہیں تو ان کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ کہتے جائیں اور دوسرا ہمہ تن گوش ہو کر سنتا رہے۔ سننے والا اگر بے صبر ہے
اور بیچ میں اپنی کوئی بات چھیڑ دیتا ہے یا انہیں کچھ بتانے لگتا ہے تو وہ فوراً ٹوک کر "معلوم معلوم" کہیں گے اور اگر اس پر بھی وہ بولتا رہے تو "معلوم
معلوم معلوم" بہت تیزی سے کہنا شروع کر دیں گے۔ یہاں تک کہ وہ بے چارہ گھبرا کر خاموش ہو جائے گا اور پھر انہی کی سننے لگے گا۔

شروانی خاندان کے شجرہ اور اس کی تاریخ سے بھی آپ کو خاص دلچسپی ہے اور اس سلسلے میں کئی کتابیں لکھ چکے ہیں۔ نواب [illegible] خاں
شروانی کی سوانح حیات بھی مرتب کر رہے ہیں اور آج کل جب ملتے ہیں تو اسی موضوع سے اس کا ذکر کرتے ہیں۔

منشی نجم الدین

چھوٹے قد کے ایک خستہ حال معمر بزرگ ہیں جن کی اہمیت سے علی گڑھ کے پرانے لوگ واقف ہیں۔ یہ سرسید کے ملازم تھے۔ ان کی وفا
شعاری اور خدمت گزاری کی وجہ سے سرسید انہیں بہت عزیز رکھتے تھے اور پیار سے "میاں نجو" کہا کرتے تھے۔ چنانچہ یہ نام ایسا چلا کہ اب
تک انہیں "سرسید کا نجو" کہا جاتا ہے۔ ان کے پاس سرسید، حالی، شبلی، محسن الملک، [illegible] وغیرہ کی تصانیف [illegible]

[illegible] تھی۔ [illegible] کے بعد [illegible]
[illegible] صاحب سے متعلق ایک [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

مولوی اکرام اللہ خاں ندوی مرحوم

بہت [illegible] خاندان کے [illegible] ندوہ [illegible] تعلیم [illegible] [illegible] تھے۔ [illegible] انگریزی [illegible] ترقی [illegible] [illegible] وقار الملک [illegible] [illegible] صاحب ندوہ کے [illegible] [illegible] اور [illegible] [illegible] تحقیق [illegible] شاہجہاں [illegible] انتقال ہوا اور بھیکم پور [illegible] رہے۔

سلطان حیدر جوش

اردو افسانہ نگاروں کے دور اول میں [illegible] میں [illegible] تھے۔ علی گڑھ کے گریجویٹ تھے۔ [illegible] [illegible] تھا لیکن ریٹائر ہونے کے بعد [illegible] میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ [illegible] لیکن چہرے پر [illegible] تھے اور [illegible] معلوم ہوتے تھے۔ [illegible] سر کے بال تقریباً غائب ہو چکے تھے اور داڑھی [illegible] [illegible] ایک بار [illegible] صدیقی کے ساتھ ان سے ملنے گیا۔ [illegible] تقریباً بہرے ہو چکے ہیں۔ صدیقی صاحب کانوں کے پاس [illegible] باتیں کرتے رہے اور میں خاموش بیٹھا رہا۔ [illegible] علی گڑھ ہی میں انتقال ہو گیا۔ ان کے صاحبزادے احسان حیدر صاحب مسلم یونیورسٹی [illegible] اسکول کے ہیڈ ماسٹر تھے۔ بعد میں پاکستان چلے گئے اور اب [illegible] کراچی میں ہیں۔ جوش صاحب کی صاحبزادی محمودہ [illegible] گرلس کالج میں لکچرر ہیں۔

ظفر عمر

"نیلی چھتری" اور "بہرام کی گرفتاری" کے مصنف ظفر عمر علی گڑھ کے پرانے گریجویٹ تھے۔ وطن [illegible] ضلع بلند شہر تھا۔ ان کے نام کے سلسلے میں ایک روایت یہاں سننے میں آئی کہ اصل نام ظفر علی تھا۔ ان کے باپ [illegible] شیعہ [illegible] نے [illegible] حضرت آپ سنی ہیں لیکن "علی" کا

پہچانا نہیں چھوڑتے۔ ان پر ان کے باپ نے مقدمہ قائم کر دیا۔ علی گڑھ سے ناراض ہو کر نکلنے کے بعد پولیس کے محکمے میں ملازم ہو گئے اور یہیں کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ ان کے جاسوسی ناول اسی زمانے کے تجربات پر مبنی ہیں۔ ان ناولوں نے اتنی مقبولیت حاصل کی کہ ان سے اتنی آمدنی ہوئی کہ کئی ناولوں کے نام پر ملیح آباد میں انہوں نے ایک بڑا مکان بنوایا "نیل چھتری"۔ [illegible] کا قلب [illegible] تیمن کر کے ہیں شگفتہ [illegible] سے شہر کی طرف جانے والی سڑک پر ہیں۔ "نیل چھتری" میں خود رہتے تھے۔ ایک بار دوسرے ہمیں دیکھنے کا موقع ملا جب وہ ریٹائر ہو کر مستقل طور پر یہیں مقیم تھے۔ وہ بیمار تھے [illegible] ایک ٹانگ کاٹ دی پڑی۔ آخر عمر میں [illegible] سے بہت دلچسپی لیتے تھے اور اس کے زبردست [illegible] کی صاحبزادی سے جو حسین [illegible] علی گڑھ ہی میں شادی ہوئی۔ تقسیم کے بعد پاکستان چلے گئے اور وہیں انتقال ہو گیا۔

پروفیسر عبدالعزیز میمن

اس وقت پوری دنیا میں عربی زبان کے مسلم الثبوت ادیب اور محقق ہیں۔ عربی علوم کے سلسلے میں آپ کا نام طٰہٰ حسین اور پروفیسر گب کے ساتھ لیا جاتا ہے۔ آپ کی بے شمار تالیفات [illegible] مصر [illegible] سے شائع ہوئی ہیں اور عرب کے اہل زبان سے خراج تحسین وصول کر چکی ہیں۔ ہندوستان میں [illegible] عربی زبان کے ماہر تھے اور پڑھنے والے بہت کم۔ جب پیدا ہوئے ہوں گے میمن صاحب راجکوٹ، کاٹھیاواڑ کے رہنے والے ہیں۔ تعلیم [illegible] مدرسہ میں حاصل کی [illegible] کے نام [illegible] تھے ان کے پاس ہے۔ مختلف علماء کی خدمت میں [illegible]۔ ان کی خست اور کنجوسی بھی میمن صاحب سے منسوب کی جاتی ہے۔ ظاہری وضع قطع [illegible] اور خود ایسے معمولی طور پر رہتے ہیں کہ باہر سے آنے والا شخص پہچان بھی نہیں سکتا کہ یہی علامہ عبدالعزیز میمن ہیں۔ شکل و صورت سے [illegible] معلوم ہوتے ہیں۔ چوڑا چکلا چہرہ [illegible] ہاتھ، خشخشی داڑھی اور چوڑی مہری کا پاجامہ۔ سر پر [illegible] ٹوپی [illegible] ایک پرانی بوڑھی سائیکل سے بازار کی طرف جاتے ہوئے نظر آئیں گے۔ سائیکل پر [illegible] بازار سے سبزی ترکاری [illegible] سارے تمام ضروریات کی چیزیں خود خرید کر لائیں گے اور [illegible] ایک ایک پیسے پر گھنٹوں تکرار کریں گے۔ ایک بڑا سا مکان بھی خرید رکھا ہے۔ اور اس کے مختلف حصے کرائے پر اٹھا رکھے ہیں۔ کرایہ اس سختی سے وصول کرتے ہیں کہ کوئی سود خوار پٹھان اپنا قرض بھی اس طرح نہ وصول کرتا ہوگا۔ نہ صرف روپے پیسے کے معاملے میں بلکہ علم کے معاملے میں بھی ان کا بخل اسی طرح کا ہے۔ ان سے کسی سلسلے میں استفادہ کرنا اور کچھ معلوم کر لینا یا اپنی ریسرچ کے سلسلے میں مدد لینا آسان کام نہیں۔ میرے علم کے مطابق اب تک اس مقصد میں صرف ان کے شاگرد مختار الدین آرزو صاحب کامیاب ہوئے ہیں۔ [illegible] میمن صاحب ان کو ریسرچ میں مدد دینے کے لئے [illegible] تھے لیکن آرزو صاحب کو بھی کام کرنے کی وہ دھن تھی کہ دو سال تک بلا ناغہ حاضری دیتے رہے اور کام ختم کر کے چھوڑا۔

میمن صاحب ویسے کافی ظریف اور بذلہ سنج آدمی ہیں اور ادھر ادھر کی باتیں خوب مزے لے لے کر کرتے ہیں جہاں کسی نے بیچ میں کوئی علمی مسئلہ چھیڑ دیا تو فوراً لپک گئے "ارے حضرت آپ کن دھندوں میں پڑ گئے چھوڑیئے اس کو۔ بتایئے کشمیر کے سلسلے میں پاکستان نے اب کیا بیان دیا ہے؟" میمن صاحب کے مکان میں نہ تو کوئی آراستہ ڈرائنگ روم ہے۔ اور نہ ہی بیٹھنے کا کوئی کمرہ۔ کھری چارپائی پر بیٹھے ہوئے حقہ گڑگڑاتے رہتے ہیں۔ تمباکو بڑا اچھا پیتے ہیں اور طرح طرح کے تمباکوؤں کو ملا کر تجربہ کرتے رہتے ہیں۔ اپنے شاگردوں سے تمباکو اور ملیح آباد، لکھنؤ میں کاکوری کے یہاں کی بنی ہوئی خوبصورت چلموں کی فرمائش کرتے ہیں۔ شام کو ان کی نشست اکثر [illegible]

[illegible]

[illegible] جاتے ہیں۔

[illegible]

پنڈت حبیب الرحمن شاستری

[illegible]

مولانا ضیاء احمد بدایونی

دیوانِ مومن کے شارح و مرتب مولانا ضیاء احمد بدایونی فارسی و عربی کے زبردست عالم و محقق اور اسلامی فقہ و تصوف، فلسفہ و منطق اور عروض و بیان کے مسلّم الثبوت ماہرین میں سے ہیں۔ آپ کا شمار ہندوستان کے ان چند علماء میں ہوتا ہے جن سے اردو کے بلند پایہ محقق و تنقید نگار اور علمی و ادبی کام کرنے والے استفادہ کرتے رہتے ہیں۔ علی گڑھ میں جب کوئی علمی مسئلہ حل نہیں ہوتا تو مولانا کی طرف رجوع کیا جاتا ہے اور وہ اسے باتوں باتوں میں پانی کر دیتے ہیں۔ یہاں کے ایک نوجوان اور ذہین ادیب مولانا کے تبحرِ علمی کے اس لیے قائل نہیں تھے کہ انہوں نے [illegible] کتابوں کی تصنیف نہیں کی ہے اور نہ ہی پیشہ ور مصنف کی طرح نام کمایا ہے۔ ایک بار یہی حضرت جو غالب پر ریسرچ کر رہے تھے [illegible] کے

حسن شوہر کے قابل مسائل کے سلسلے میں بھی ذات کے [illegible] کے شعبہ [illegible] جب مولانا کے پاس تشریف لے گئے [illegible] چند علمی مسائل میں دقتیں حل کر لیں اس کے بعد [illegible] صاحب [illegible] پوچھنے [illegible] تو یہ شخص شیخ غدیر کا گھر ہے۔ اس تقریب میں جہاں [illegible] صاحب کی ذات اور مولانا کے [illegible] اور چال ڈھال کا بھی اندازہ ہو جاتا ہے۔ پچاس سال سے زیادہ عمر ہوگی، [illegible] شکل آئی ہے۔ خوش وضع خوش قامت [illegible] باتوں میں [illegible] آہستہ آہستہ [illegible] ہیں اور پہچانے جا رہے ہیں۔

مولانا بدایوں کے ایک علمی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ شرافت و وضعداری اور [illegible] علم و فضل [illegible] جو ہمارے بیشتر علما [illegible] کو سمجھانے میں [illegible]۔ مولانا شبلی کے طرز [illegible] نظمیں بھی لکھتے ہیں [illegible] ان کی نظموں کا مجموعہ تجلیات کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ [illegible] جلسوں میں رشید صاحب کے اصرار سے اپنی نظمیں ترنم سے پڑھتے ہیں۔ انہیں جب بھی میں نے معصومیت سے پڑھتے سنا ہے تو بے ساختہ مرحوم حسرت موہانی کی یاد آ جاتی ہے۔

علی گڑھ میں اپنا ذاتی مکان [illegible] میں بیت الحبیب کے نام سے بنوایا ہے۔ [illegible] ہیں اور ہر وقت مطالعے میں مشغول رہتے ہیں۔ افسوس ہے ان کی اولاد میں بھی کوئی ان کا جانشین نظر نہیں آتا۔

خواجہ منظور حسین

علی گڑھ کے ان چند فرزندوں میں ہیں جن پر علی گڑھ نے ہمیشہ ناز کیا ہے۔ ان کے علمی وقار اور تنقیدی نظر کا نہ صرف ہندوستان کے [illegible] معترف رہتے ہیں بلکہ انگلستان اور فرانس وغیرہ میں ان کا قول سند مانا جاتا ہے۔ ٹی ایس ایلیٹ اور ای ایم فارسٹر جیسے مشہور [illegible] Elder's Play [illegible] of Dream خواجہ صاحب کے نام معنون کی ہے۔ [illegible] نے چین کی بہترین کہانیوں کو پہلی بار اردو میں خواجہ صاحب کے ہی ایما سے منتقل کیا ہے اور انہی کے نام اپنی کتاب "زندہ چین" کا انتساب کیا۔ آل احمد سرور جیسے فاضل نقاد خواجہ صاحب کے تربیت یافتہ ہیں۔ ان کی کتاب "تنقیدی [illegible]" خواجہ صاحب کے نام معنون ہے۔ پروفیسر وقار عظیم نے "نیا افسانہ" کے نام سے جو کتاب لکھی ہے اس میں بہت کچھ خواجہ صاحب کی رہنمائی کو دخل ہے جس کا انہوں نے اپنے دیباچے میں اعتراف کیا ہے۔

علی گڑھ میں خواجہ صاحب شعبۂ انگریزی کے صدر تھے۔ آکسفورڈ سے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے بعد انہوں نے علی گڑھ کو اپنا مستقر بنایا تھا اور یہیں اپنا ذاتی مکان [illegible] میں بنوایا تھا۔ ان کی شادی یہیں کے پروفیسر ایم ایم شریف (سابق صدر شعبہ فلسفہ) کی صاحبزادی سے ہوئی تھی اور اس طرح میاں افتخار الدین اور احمد شاہ بخاری پطرس کے ہم زلف ہوتے ہیں۔ دہلی کے شرفا میں سے ہیں۔ ان کے اسلاف میں سے ایک باکمال شخص [illegible] صاحب گزرے ہیں جن کا ذکر اشرف صبوحی نے اپنی کتاب "دلی کی چند عجیب ہستیاں" میں کیا ہے۔

خواجہ صاحب خوبصورت آدمی ہیں۔ گورا چٹا رنگ، میانہ قد، کلین شیوڈ، شیروانی اور چوڑی دار پاجامہ عام طور پر پہنتے تھے۔ گفتگو میں انگریزی کا ایک لفظ بھی استعمال نہیں کرتے تھے۔ ان کی زبان دہلی کی خالص ٹکسالی زبان ہوتی تھی۔ ان کو میں نے صرف ایک بار انگریزی میں تقریر کرتے ہوئے سنا ہے۔ جب ای ایم فارسٹر علی گڑھ آئے تھے اور یونین ہال میں خواجہ صاحب نے ان کا خیر مقدم کیا تھا۔ شعبۂ انگریزی کی "ریڈنگ لٹریری سوسائٹی" میں خواجہ صاحب ہر سال کسی نہ کسی موضوع پر ایک وقیع مقالہ انگریزی میں پڑھتے تھے۔ اس مقالے کو سننے کے لئے لوگوں کو کتنا اشتیاق ہوتا تھا اور کتنے مشاہیر اس مجلس میں موجود ہوتے تھے اس سے علی گڑھ والے خوب واقف ہیں۔

[illegible] خواجہ صاحب کی [illegible] جب [illegible] مطبوعہ ہوئی [illegible] ہاتھ آئی تو ذکر [illegible]
[illegible]

[illegible] اس زمانے میں [illegible] خواجہ صاحب [illegible] نظریت [illegible] آپ نے شعر ہی میں [illegible] خواجہ صاحب [illegible] شاعری [illegible] خواجہ صاحب [illegible] عرصہ ہوا [illegible] خواجہ صاحب کو [illegible]

[illegible] خواجہ صاحب [illegible] مستقل کتاب شائع نہیں کی [illegible] خواجہ صاحب [illegible] ہیں۔ [illegible] خواجہ صاحب کے [illegible] دیکھے جا سکتے ہیں [illegible] خواجہ صاحب [illegible] شائع کرانے کے لئے [illegible] یہی سبب ہے [illegible] کتاب [illegible] اگر خواجہ صاحب کسی طرح چھپانے کے لئے آمادہ ہو جائیں تو بہت خیال ہے [illegible] خواجہ صاحب کی گپ شپ اور ان کی باتیں سن کر علی گڑھ کے بہت سے طالب علم اور ٹیچر ادیب اور نقاد ہو گئے۔ ادبی دنیا میں شہرت حاصل کی۔ خواجہ صاحب کا مزاج دیکھئے کہ وہ بڑی بڑے نہیں بنتے شہرت کی خواہش کبھی [illegible] ان کے دل میں نہیں پیدا ہوئی۔

اپنی طالب علمی کے زمانے میں خواجہ صاحب علی گڑھ میگزین کے ایڈیٹر تھے۔ اس زمانے کے میگزین دیکھنے کے قابل ہیں۔ ان میں خواجہ صاحب کے اس دور کے مضامین اب بھی اپنے طرز انشاء اور سوجھ بوجھ کے لحاظ سے [illegible] کی چیز ہیں۔ سجاد انصاری خواجہ صاحب کے عزیز ترین دوست تھے۔ اردو میں اپنی نوعیت کے اچھوتے فلسفیانہ اور فکر انگیز مضامین خواجہ صاحب کی تحریک سے لکھے گئے جنہیں خواجہ صاحب نے ان کی وفات کے بعد "محشر خیال" کے نام سے مرتب کر کے شائع کیا۔ سچ تو یہ ہے کہ اگر یہ کتاب اس شکل میں مرتب ہو کر شائع نہ ہو گئی ہوتی تو آج اس جواں مرگ ادیب کو کوئی نہ جانتا۔

۱۹۴۷ء میں خواجہ صاحب پاکستان چلے گئے اور آج کل گورنمنٹ کالج لاہور کے پرنسپل ہیں۔ سنا ہے اقبال پر ایک کتاب لکھی ہے اور اسے شائع کرنے کا ارادہ بھی رکھتے ہیں۔ کاش وہاں کے لوگ اس قیمتی متاع کو خواجہ صاحب سے حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں۔

قاضی عبدالغفار

"لیلیٰ کے خطوط" کے جواں طراز اور جواں نگار مصنف جب تقسیم ہند کے بعد انجمن ترقی اردو (ہند) کے سیکرٹری ہو کر علی گڑھ تشریف لائے تھے اس وقت ان پر خزاں کا عالم تھا۔ صحت جواب دے چکی تھی اور طبیعت بجھ سی گئی تھی پھر بھی شائستگی و نفاست اور تہذیب و شرافت کا ایک پیکر تھے۔ ان کو دیکھ کر کسی ایسے شخص کا گمان ہوتا تھا جو ابھی ابھی دھل دھلا کر آیا ہو [illegible] کا ہلکا سا نشان بھی نہ ہو۔ [illegible]

[illegible] کی [illegible] سے قاضی صاحب بھی مولانا ابوالکلام آزاد کی طرح ایک [illegible]
[illegible] پسند تھے [illegible] اقبال [illegible] [illegible]
[illegible] قریب [illegible] ان کی شخصیت کا ایک جاذب [illegible]
[illegible] قاضی صاحب کی [illegible] زندگی میں [illegible]
[illegible] انجمن کا کام [illegible] خطوط کا جواب خود دیتے [illegible]
نوجوان ادیبوں کی بہت [illegible] قاضی صاحب کا [illegible]
میں [illegible] آج سے کئی سال پہلے [illegible]
[illegible] تعریف کی [illegible]
[illegible] انجمن سے شائع [illegible]
خرچ سے طبع کراؤں گا [illegible] قاضی صاحب [illegible]
کا زیادہ وقت [illegible] انجمن کی [illegible]
[illegible] آ سکے۔

[illegible] ترقی پسند مصنفین کی طرف سے [illegible] قاضی صاحب [illegible]
بازار [illegible] چندہ کی [illegible] موقع پر [illegible] قاضی صاحب نے صدارت [illegible]
گزشتہ کی [illegible] مضمون [illegible] لکھ [illegible]
قاضی صاحب نے یہ فرمائش پوری کی [illegible] اخبار کے علاوہ کہیں [illegible]
کے چند اساتذہ نے آج سے دو سال قبل ایک [illegible] رسالہ "فکر و نظر" کے نام سے شائع کرنے کی اسکیم [illegible]
چندہ کیا۔ اس سلسلے کے لئے قاضی صاحب نے سب سے پہلے چندہ دیا اور انجمن کی طرف سے "فکر و نظر" کے لئے اشتہار بھی دو دیا۔ [illegible]
[illegible] قاضی صاحب نے خود [illegible] بیان کیا۔ اس موقع پر انہوں نے ایک پُر تکلف دعوت بھی کی۔ میں ان کے قریب [illegible]
[illegible] قاضی صاحب نے [illegible] چیزیں میری طرف بڑھا دیں اور کہنے لگے میں تو اپنی ضعیفی اور علالت کی وجہ
سے مرغن غذائیں ہضم نہیں کر سکتا لیکن میں نے آپ نوجوانوں کی دعوت اس لئے کی ہے کہ خود آپ کو کھاتے دیکھ کر مجھے ایک تسکین سی ہوتی ہے۔
علی گڑھ میں ہر سال ایک آل انڈیا مشاعرہ ہوتا ہے۔ جس میں مشاہیر شعراء تشریف لاتے ہیں۔ اس موقع پر قاضی صاحب کے یہاں ایک دعوت اور
شعر و شاعری کی نشست ضرور ہوتی تھی۔ اس میں علی گڑھ کے شعراء کو بھی [illegible]۔ اتنی ستھری شعر و سخن کی بزم میں نے کہیں اور نہیں دیکھی۔

قاضی صاحب کا وطن مراد آباد میں تھا۔ علی گڑھ کالج کے تعلیم یافتہ تھے اس کے بعد صحافتی دنیا میں داخل ہوئے اور مولانا ظفر علی کے ساتھ
[illegible] کا مرتبہ [illegible] اور پھر مولانا ابوالکلام آزاد کے ساتھ کلکتہ میں کام کیا۔ خود بھی اعلیٰ درجے کے اخبار نکالے جن میں "جمہور" اور "صباح" کلکتہ
سے اور "پیام" حیدرآباد سے نکلا اور صحافت نگاری کی تاریخ میں ایک نمایاں مثال قائم کی۔ قاضی صاحب کے قلم سے ایک سطر بھی ایسی نہ نکلتی
تھی جو ایک مخصوص طرز نگارش کی حامل نہ ہو۔ اس درجہ کے صحافی اردو زبان میں کم ہی گذرے ہیں۔

علی گڑھ میں ان کا قیام صاحبزادہ آفتاب احمد کی کوٹھی "آفتاب منزل" کے ایک حصے میں تھا۔ ان کے ڈرائنگ روم اور خوابگاہ وغیرہ
میں جانے کا بارہا اتفاق ہوا۔ وہاں نادر ترین کتابوں کے علاوہ مولانا ابوالکلام آزاد کی جوانی کی تصویر [illegible] قاضی صاحب کے [illegible]

[illegible]

[illegible]

ڈاکٹر ذاکر حسین

[illegible]

[illegible] ہے کہ وہ اپنے ملنے والوں سے بہت زور دیتے ہیں کہ زندگی میں جو چھوٹے چھوٹے کام، چھوٹی چھوٹی ذمہ داریاں ہیں جو بظاہر معمولی معاملات ہیں انہیں حقیر سمجھ کر نظر انداز کر جاتا ہے۔ وہ کہتے ہیں جو شخص ان چھوٹے چھوٹے کاموں کے کرنے کا سلیقہ اور ظرف نہیں رکھتا وہ بڑے بڑے کام بھی نہیں کر سکتا اور نہ ہی بڑی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہو سکتا ہے۔

ذاکر صاحب کی ایک اور چیز سے میں بہت خاص متاثر ہوں اور وہ ان کا لکھنے کا طریقہ ہے۔ ذاکر صاحب اگرچہ پیشہ ور ادیب نہیں ہیں۔ خود تا ہی کبھی کبھی مضمون یا خطبہ لکھتے لیکن ان کی ایک ایک سطر میں ان کا طرز نگارش عجیب جادو جگاتا ہے۔ میرا خیال ہے ذاکر صاحب ایک صاحب طرز ادیب ہیں اور ان کی اس خصوصیت کو ہمارے بڑے بڑے پیشہ ور ادیب اور نقاد نہیں پہنچے جنہوں نے ادب ہی کے لئے عمریں گزار دی ہیں۔ ان کا لکھنے کا انداز خاص تخلیقی ادب کا سا ہے۔ عموماً اس وقت لکھتے ہیں جب پانی سر سے گزرنے والا ہو لیکن اپنی تحریر میں ایک

شخصیت کا [illegible] رہتے ہیں [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] کی طرح کا سینہ [illegible] کامیابی [illegible]

ڈاکٹر صاحب [illegible] ذہانت اور سلیقہ دونوں [illegible] ہے [illegible]
[illegible] لکھتے ہیں [illegible]
[illegible] ڈاکٹر صاحب کی [illegible] اس موضوع پر [illegible]
باتیں [illegible]
[illegible]
[illegible] ڈاکٹر صاحب [illegible] متفق نہیں ہیں۔

علی گڑھ کے [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
یہاں کے اساتذہ ان کے [illegible] کے لئے پھر نہیں چھوڑنا چاہتے۔

رشید احمد صدیقی

رشید صاحب کے مضامین کا جادو تو مجھ پر اسی زمانے میں چل گیا تھا جب میں [illegible] کا طالب علم تھا اور [illegible] کہ ان کے مضامین علی گڑھ کے بارے میں پڑھ پڑھ کر میں علی گڑھ کا گرویدہ ہو گیا تھا اور یہی مضامین مجھے یہاں کھینچ کر لائے۔ رشید صاحب کی تصویر مضامین رشید میں دیکھ چکا تھا اور ان کی شخصیت کے بارے میں ذہن طرح طرح کے نقوش بناتا رہتا۔ [illegible] سے چلنے لگا تو [illegible] کے پرنسپل بشیر احمد صدیقی صاحب نے جو رشید صاحب کے [illegible] نسبتی بھائی تھے مجھے تعارفی خط دیا لیکن علی گڑھ میں اس تعارفی خط کا رشید صاحب پر کوئی خاص اثر نہیں ہوا سوائے اس کے کہ انہوں نے کہا کہ میرے پاس صرف اسی وقت آئیے گا جب آپ کو ڈپلی سوسائٹی سے قرض کی ضرورت ہو۔ اس قرض کی مجھے کئی بار ضرورت پڑی اور رشید صاحب کے یہاں جانا پڑا۔ گھر پہ بار بار جاتا اور واپس آ جاتا کیونکہ اول تو مکان اس قدر لق و دق ہے کہ سامنے سے گھر کے اندر باوجود چلانے اور دروازہ کھٹکھٹانے کے آواز نہ پہنچتی دوسرے یہ کہ اگر کوئی نوکر یا مالی برآمد بھی ہوا تو اس نے فوراً جواب دیا کہ رشید صاحب گھر میں نہیں ہیں۔ ناچار پھر شعبۂ اردو کا چکر لگاتا اور وہاں بھی موجود نہ ہوتے تو شعبۂ اردو کے چپراسی میاں خاں کی ہدایت کے بموجب بشیر الدین صاحب لائبریرین کے کمرے میں جاتا۔ یہی اکثر کارگر ہوتا اور رشید صاحب [illegible] مقصد سمجھ جاتے اور درخواست پر رقم مطلوبہ کی منظوری لکھ کر مجھے کہتے کہ اسے خاں صاحب (عبدالمجید خاں آفس سپرنٹنڈنٹ ڈپلی سوسائٹی) کے پاس لے جائیے۔ چنانچہ اس کے بعد ڈپلی کے فارم کی خانہ پری اور رقم کی ادائیگی کا چیک حاصل کرنے میں خاں صاحب کے [illegible]

[illegible]

رشید صاحب کی شخصیت [illegible]
[illegible] طالب علموں سے گھرے رہتے [illegible] بہت [illegible]
[illegible]

رشید صاحب سے میرے [illegible]
[illegible] رشید صاحب
[illegible]
پھر تو رشید صاحب [illegible]
[illegible]

رشید صاحب سے قریب آنے کے بعد پہلا تاثر [illegible] شخصیت میں دلکشی [illegible]
جملے فقروں میں مزہ آنے لگا۔ اور یہ اندازہ ہوا کہ وہ [illegible] مزاح نگار ہیں۔ [illegible] میرے پاس [illegible]
کی حیثیت سے نہیں تھا۔ میرا ارادہ فلسفہ یا معاشیات میں ایم اے کرنے کا تھا لیکن [illegible]
کرنے کا ارادہ کر لیا اور ان کا طالب علم ہو گیا۔ رشید صاحب کلاس میں لکچر نہیں دیتے [illegible]
ہی لیکن ہم لوگوں کو اندازہ ہوتا کہ وہ انتہائی ذہین [illegible] آدمی ہیں [illegible]
معلومات چاہیے امتحان کے لئے کام نہ آتیں لیکن زندگی میں [illegible] ثابت ہوئیں۔ رشید صاحب [illegible]
کے [illegible] اساتذہ سے باتیں کرتے [illegible]
میں بیٹھ کر [illegible] ہم سب [illegible] باتیں سنتے اور مزے لیتے۔ [illegible] رشید صاحب کی [illegible] دیکھنے کے
قابل ہوتی۔

رشید صاحب کی ایک خصوصیت کا میں نے اندازہ لگایا [illegible] وہ ہر طرح ساتھ دیتے ہیں چاہے وہ کتنی ہی غلطیاں کرے
اور غیر ذمہ داری کا مرتکب ہو۔ [illegible] کے چپراسی میاں خاں [illegible] صاحب [illegible] سے اساتذہ اور طالب علم
بھی شامل ہوتے۔ وہ کہتے ہیں کہ میرے دوست کے مقابلے میں اگر حضرت جبرئیل بھی آسمان سے اتر کر آئیں تو میں دوست ہی کی حمایت کروں گا۔
رشید صاحب صحیح معنوں میں ایک تخلیقی فنکار ہیں۔ کتابوں سے زیادہ ان کی توجہ زندگی کے مشاہدات پر ہوتی ہے۔ کہتے ہیں کہیں
[illegible] اور احساس [illegible] اور قوت [illegible] کے کچھ بہت زیادہ

[illegible] کی صحت [illegible] کے [illegible] کی [illegible] [illegible] [illegible] جب [illegible] [illegible] انسان کی [illegible] [illegible] شخصیت کی [illegible] [illegible] محروم کر دیا ہے۔ غالباً یہی سبب ہے کہ [illegible] کوئی کتاب [illegible] نہیں [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] صاحب [illegible] جاتے ہیں۔

[illegible] صاحب [illegible] دیکھنے میں [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] ہیں۔

رشید صاحب [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

ڈاکٹر عبد العلیم

ڈاکٹر عبد العلیم [illegible] [illegible] شخصیت [illegible] سوچتے [illegible] [illegible] کا ایک [illegible] [illegible] خوبصورت [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] وہ کسی مجلس میں بیٹھے [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] بیٹھے ہوں [illegible] باتیں کریں گے [illegible] مزاج کا پہلو [illegible] [illegible] علیم کا اصل جوہر ان کی تقریر میں [illegible] [illegible] تنقید و بحث [illegible] [illegible] کے بارے میں [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

ڈاکٹر علیم یونیورسٹی میں شعبہ عربی کے صدر اور ادارۂ علوم اسلامیہ کے نگران ہیں [illegible] درست نہیں کہ وہ عربی کے ادیب یا محقق ہیں جیسے [illegible] علامہ عبد العزیز [illegible] وغیرہ۔ علیم صاحب نے جرمنی سے عربی میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری [illegible] ڈاکٹر صاحب [illegible] دراصل وہ ایک ماہر تعلیم ہیں اور انہوں نے کسی ایک موضوع میں اختصاصی حیثیت حاصل کرنے کے بجائے اپنے علم کا دائرہ وسیع رکھا ہے یہی وجہ ہے کہ انہیں فلسفہ، نفسیات، تاریخ و معاشیات، سیاسیات، علم مدن، شعر و ادب اور لسانیات پر یکساں عبور ہے اور ان پر سے ہر ایک پر بڑی پختگی سے [illegible] سکتے ہیں۔ انہوں نے اردو میں بہت کم تنقیدی مضامین لکھے ہیں لیکن یہ مضامین اپنی گہرائی اور جامعیت کے اعتبار سے بڑی بڑی کتابوں پر بھاری ہیں۔ آج اردو کا کوئی ایسا ادیب نہیں جو اتنے کم صفحات لکھنے کے باوجود ادبی دنیا میں اتنی وقعت و احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہو۔

تنظیمی صلاحیت اور کسی ادارے کی نگرانی و رہنمائی کے لئے علیم صاحب بہت موزوں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب سے انہوں نے [illegible] میں شعبہ عربی کی باگ ڈور سنبھالی اس کے نصیب جاگ گئے اور اس وقت سارے شعبوں میں یہی شعبہ سب سے زیادہ ترقی کر رہا ہے اور

[illegible]

[illegible] صاحب کا [illegible] ہے۔ [illegible] کی حیثیت [illegible] ہے۔

آل احمد سرور

[illegible] صاحب [illegible] علی گڑھ [illegible] کی [illegible] شخصیت [illegible] ۔ [illegible] تنقیدی [illegible] سرور صاحب [illegible] انگریزی [illegible] تنقید [illegible] سرور صاحب [illegible] رشید احمد صدیقی [illegible] ہیں۔

سرور صاحب [illegible] ان کے ایک ایک فقرے میں [illegible] ہوتی ہے۔

شعر و شاعری کے اعتبار سے سرور صاحب خوش انداز غزل گو ہیں [illegible] ان کے [illegible] بہت خوش [illegible] یونیورسٹی کی پروفیسرشپ کے علاوہ قاضی عبدالغفار مرحوم کے بعد انجمن ترقی اردو [illegible] کے [illegible] ہے اور اس میں شک نہیں کہ جب سے سرور صاحب نے یہ کام اپنے ذمہ لیا ہے [illegible] کام بڑی رفتار سے ہو رہا ہے۔

علاوہ تنقیدی مضامین کے علاوہ آل احمد سرور صاحب نے پھر شاعری کی طرف توجہ کی ہے اور پچھلے سال اپنا مجموعۂ کلام "ذوق جنوں" شائع کر چکے ہیں۔ اب مشاعروں میں بھی شرکت کرنے لگے ہیں اور اپنا کلام تحت اللفظ میں سناتے ہیں۔

معین احسن جذبی

جذبی صاحب ۱۹۴۱ء میں اُردو میں ایم اے کرنے کی غرض سے علی گڑھ تشریف لائے ایم اے کرنے کے بعد کچھ دنوں کے لئے

وسلہ آف گیا، علی گڑھ میں نائب مدیر کی حیثیت سے کام کرنے سے پہلے ۱۹۴۵ء میں [illegible] اسی سال [illegible]
میں دے دیا۔ ۱۹۴۸ء میں شعبہ اردو میں لکچرر کی حیثیت سے میرا تقرر ہو گیا۔ میں اسی سال [illegible] جذبی صاحب
لیکچرر ہو کا بہت دنوں سے مشتاق تھا اور انہیں دیکھنے اور ان سے ملنے کی بڑی آرزو تھی۔ [illegible]
کی ملاقات کے سلسلے میں حسن کے توسط سے میں جذبی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جذبی صاحب سے ملنے کے بعد تھوڑی دیر
تک میں سوچتا رہا کہ کیا یہی وہ آدمی ہیں جن کی یہ خیالی تصویر بنا رکھی تھی وہ اور کیا تھی۔ ان کی شخصیت اور ان کے طرز گفتگو سے مجھے
[illegible] بھی چار دن [illegible] احساس ہونے لگا کہ جذبی صاحب ایک سیدھے سادے بے تکلف اور مخلص آدمی ہیں وہ
اپنے ملنے والوں پر اپنی شاعری یا اپنی قابلیت و ذہانت کا رعب نہیں جماتے اور نہ ہی ان پر اپنی شخصیت کو مسلط کرنا چاہتے ہیں۔ [illegible]
جماعتوں اچھا اور معقول نظر آتا ہے [illegible] سے دوستانہ اور برابر کی سطح پر تعلقات پیدا کر لیتے ہیں۔ چاہے وہ طالب علم ہی کیوں نہ
ہوں ان کے لئے چائے منگاتے ہیں اور سگریٹ پیش کرتے ہیں اور بے دھڑک پوچھ بیٹھتے ہیں "کچھ صنعت کرلی" [illegible] وغیرہ بھی کہتے
ان کی اسی طرز ادا نے بہت جلد دل کو [illegible] کر ادب کی دنیا کے پجاری تھے آہستہ آہستہ ان کے گرد جمع کر دیا۔ اشرف [illegible]
مرحوم، قاضی سلیم، [illegible] نیمی، [illegible] منہاج الدین، فرحت بخش نامدار، ریاض الدین قیصر، [illegible] ہم سب کی ایک
[illegible] ہو گئی اور کچھ دنوں میں جذبی صاحب کے ایما سے اور ان کی رہنمائی میں ہم لوگوں نے یہاں انجمن ترقی پسند مصنفین کی بنیاد ڈالی [illegible]
صاحب اس کے پہلے سکریٹری منتخب ہوئے۔ وہ زمانہ واقعی عجیب زمانہ تھا نئی نئی کتابوں اور نئے رسالوں کی تلاش رہتی اور جوں ہی جذبی
صاحب کی ڈاک میں کوئی چیز آتی ہم سب اسے چاٹ جاتے۔ لکھنے کا جنون تھا اور [illegible] کے سننے سیاہ کئے جاتے۔ انجمن کے
جلسے [illegible] میں ہوتے جو اس زمانے کا ایک خوبصورت ریستوران تھا، ہر جلسے میں حاضرین کی چائے، بسکٹ اور نمک پاروں سے تواضع کی
جاتی۔ جذبی صاحب کی وجہ سے انجمن کے ہر جلسے میں خواجہ منظور حسین صاحب تشریف لاتے، ڈاکٹر ابواللیث صدیقی، ڈاکٹر مسعود حسین اور
[illegible] انصاری وغیرہ بھی آنے لگے۔ باہر سے مولوی عبدالحق صاحب، قاضی عبدالغفار، حیات اللہ انصاری، اختر حسین رائے پوری یا کوئی
بھی ادیب آ جاتا تو جذبی صاحب اسے انجمن کے جلسے میں کھینچ لاتے۔ اس موقع پر ہم سب یوسف صاحب کو فوری جلسہ کے لئے [illegible]
[illegible] ممبروں کو اطلاع دینے کے لئے بڑے شوق سے سارا علی گڑھ چھان مارتے۔ اس زمانے میں یہاں کی انجمن ترقی پسند مصنفین
ملک کا سب سے بڑا ادبی مرکز اور شعر و سخن کی نشست بن گئی اس میں جو مضامین پڑھے جاتے، جو تنقیدیں ہوتیں اور جو بحثیں آپس میں کی جاتیں
[illegible] کئی دن تک یہ چلا رہتا۔

[illegible] صاحب ہم لوگوں کے یہاں بعض اوقات ہوسٹل میں پہنچ جاتے اور اس وقت جو بھی مل جاتا سب کو [illegible] کلب کے
کمرے میں جہاں ان کا قیام تھا آتے اور اپنے [illegible] کو چائے بنانے کے لئے آواز دیتے اور پھر گپ شپ، شعر و شاعری اور شخصیات پر گفتگو
چھڑتی۔ جذبی صاحب شعر و ادب سے متعلق اپنے نظریات اور تخلیقی عمل سے متعلق اپنے ذاتی تجربات بیان کیا کرتے اور ہم لوگوں کو اپنی
نظم و نثر کو زیادہ سے زیادہ موثر اور خوبصورت بنانے کے لئے مشورے دیتے۔ ان کی گفتگو میں اکثر خواجہ منظور کے اقوال کا حوالہ ہوتا۔
کبھی کبھی مجاز، سردار جعفری، سبط حسن، مخدوم، اختر حسین رائے پوری، فیض، تاثیر، راشد، میراجی وغیرہ کا ذکر چھڑ جاتا اور پچھلی
صحبتوں کا ذکر بڑے لطف سے کرتے۔ ان شاعروں اور ادیبوں کی پرائیویٹ زندگی، ان کی آپس کی چشمکیں، ان کا خلوص و محبت اور ان
کے ساتھ گزرے ہوئے لطیفے جذبی صاحب کا خاص موضوع ہوتے۔ اب یہ اندازہ ہوا کہ جذبی صاحب بہت ہی دلچسپ اور باغ و بہار
آدمی ہیں، ان کے پاس اتنے تجربات اور اتنی باتیں ہیں کہ زندگی ختم ہو نہ آئیں ان صحبتوں کے [illegible] ہم [illegible]

[illegible]

[illegible] جذبی صاحب کی بھوپال میں شادی ہوئی ۔ [illegible]

[illegible] نہیں آیا ۔ [illegible] گرم ہو [illegible]

[illegible]

[illegible] ختم ہو گئی ہے ۔ [illegible] شاعری [illegible]

[illegible] اس ملازمت [illegible] جذبی صاحب تقریباً [illegible] سال تک رہے ۔ [illegible]
کی ہمیشہ کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکے ۔ آخر [illegible]
[illegible] ایک [illegible] مکان [illegible] جذبی صاحب کی زندگی [illegible]
پرورش کا بوجھ ان کے کاندھوں پر ہے ۔ ایک لڑکا اور دو لڑکیاں ہو چکی ہیں ۔ [illegible]
بچوں سے بے انتہا پیار کرتے ہیں ۔ اور کئی سال سے مسلسل [illegible]
ہے جس کی وجہ سے شعر کہنے کی رفتار [illegible] کم ہو گئی ہے [illegible]
میں آ سکتے تھے غم جاناں اور غم دوراں ۔ جذبی نے ایک تیسرا غم ایجاد کیا ہے [illegible]
سے نجات حاصل کر لی ہے کیونکہ [illegible] ان کا تھیسس مکمل ہو گیا ہے ۔

اختر انصاری

جن لوگوں نے اختر انصاری کے رومانی قطعات اور "درد بھری" غزلیں پڑھی ہیں ۔ وہ اختر انصاری کو دیکھتے ہیں تو یقین نہیں آتا کہ یہی ہیں ۔ بھاری بھرکم آدمی ہیں اور اعلیٰ درجے کا سوٹ پہنتے ہیں اس لئے بادی النظر میں گمان ہوتا ہے کہ کوئی آئی سی ایس قسم کے آدمی ہیں ۔ جس زمانے میں پہلی بار ان کے مکان احاطہ حیدر آباد ہاؤس میں ان سے ملنے کے لئے سید یوسف حسین کے ہمراہ گیا تو اختر صاحب مسلم یونیورسٹی ہائی اسکول میں ٹیچر تھے لیکن ان کا آراستہ ڈرائنگ روم اس میں مجسمے ، مصوری کے شاہکار ، رنگا رنگ شیشے کی بنی ہوئی [illegible] وضع اور فیشن کے فرنیچر ۔ ایک قیمتی کتب خانہ جس میں ضخیم کتابیں اور تمام مشہور رسالوں کے مکمل فائل

دیکھا کرتے تھے۔ [illegible] یونیورسٹی کس طرح [illegible] پروفیسر [illegible] نے اس [illegible] ایک [illegible] پر [illegible] اور [illegible] ہیں [illegible] اختر صاحب یونیورسٹی میں [illegible] کے ممبر ہو گئے اور [illegible] سے [illegible] ہیں [illegible] اختر صاحب [illegible] کا شکار ہیں۔ [illegible] وہ واقعی آگے [illegible] کے خواب دیکھا کرتے تھے [illegible] والد کے انتقال سے خاندان کا شیرازہ بکھر گیا [illegible] ذکر نہیں کیا جا سکتی [illegible] اختر صاحب نے [illegible] اسی طرح [illegible] ان کی تخلیقی [illegible] تقریباً ختم ہو کر [illegible] ادبی افق سے غائب ہونے لگے۔ اختر صاحب کو اس کا بہت احساس تھا لیکن ان کے مطالعے اور [illegible] قارئین کے پڑھنے سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ کس طرح [illegible] کے تمام [illegible] کیا ہے [illegible] ان کے متعلق ایک [illegible] یونیورسٹی [illegible] پروفیسروں [illegible] کی بات نہیں۔

یونیورسٹی میں آ جانے کے بعد اختر صاحب کی زندگی میں ایک گونہ تبدیلی ہوئی لیکن ابھی اس نئی حالت کی [illegible] اختر صاحب کی شعبہ اردو میں ملازمت ختم ہو گئی کچھ دنوں وہ بہت پریشان رہے۔ آخر [illegible] کالج میں انہیں ایک لیکچررشپ مل گئی [illegible] انہوں نے بڑی [illegible] سے کام کیا اور کالج میں مقبولیت حاصل کی اور ایک مدت تک اس بات کی کوشش بھی کی کہ اپنے [illegible] مجتمع کرکے اپنی کھوئی ہوئی ادبی زندگی کو دوبارہ واپس لائیں۔ اس مقصد میں انہیں [illegible] بہت کامیابی ہوئی ہے اور [illegible] ایسی چیزیں لکھی ہیں [illegible] یادوں کے چراغ کے نام سے اپنی آپ بیتی بھی لکھ رہے ہیں جس کے بعض اجزاء [illegible] اس میں شک نہیں کہ مکمل ہونے پر یہ قابل قدر ادبی تحفہ ہوگا۔

ڈاکٹر مسعود حسین خاں

مسعود صاحب ذاکر صاحب کے بھتیجے اور قائم گنج کے پٹھان ہیں لیکن ان کے مزاج میں ایسی نرمی اور ٹھنڈک ہے جو بنگلہ کی سرزمین میں ملتی ہے۔ وہ ہندوستان میں لسانیات کے چند مسلم الثبوت ماہرین میں سے ہیں اور اس موضوع پر پیرس سے ڈی لٹ کرکے آئے ہیں لیکن ان تمام مرحلوں سے گزرنے کے بعد بھی وہ اس نرمی پر کوئی پردہ نہ ڈال سکے۔ ان کا مزاج خالص ہندوستانی ہے۔ انھوں نے اپنی شعری تخلیقات کا مجموعہ "دو نیم" کے نام سے شائع کیا ہے اسے پڑھنے کے بعد میرا کچھ ایسا اندازہ ہے کہ ان کے کلام میں گیتوں کا حصہ سب سے زیادہ جاندار ہے اور "روپ بنگال" ان کی ایک کامیاب تخلیق ہے۔ مسعود صاحب نے ابتدا میں اپنی شاعری میں ہندی کے کچھ عناصر کو سمویا اور ایک نئی زبان کا تجربہ شروع کیا تھا اس سے ادھر وہ کچھ ہٹ سے گئے ہیں لیکن اس طرز کو اگر پورے طور پر پھلنے پھولنے کا موقع ملے تو مسعود صاحب کے ہاتھوں اردو شاعری میں زبردست اضافہ ہو سکتا ہے۔ مسعود صاحب نے ہندی اور سنسکرت ادب کا گہرا مطالعہ کیا ہے اور بنگالی زبان سے بھی واقف ہیں اور یہ سارے اثرات ان کی شخصیت میں رچ بس گئے ہیں اس لئے اس نوع کی شاعری کے لئے ان سے زیادہ کوئی موزوں نہیں۔

مسعود صاحب [illegible] ہیں۔ وہ بہت خلوص اور خلق سے ملتے تھے۔ [illegible] صاحب [illegible]
اتنا مستقل [illegible] مسعود صاحب کے سلسلے میں ہو سکتا ہے۔ [illegible]
میں [illegible] نہیں [illegible] بات [illegible]۔ اصل حقیقت میں شاید کسی کو علم نہیں ہے۔
[illegible] مسعود صاحب کی شخصیت میں [illegible] ہیں [illegible] مسعود صاحب نے [illegible] کسی کی ذاتی [illegible]
موضوع نہیں بنایا۔

مسعود صاحب خوبصورت [illegible] آدمی ہیں اور [illegible] ان کی [illegible] ہے۔ بہت ملنے
سے [illegible]۔ [illegible] ایک [illegible] اور [illegible] ہے [illegible]
[illegible] ہیں [illegible] صاحب [illegible]۔ [illegible] نہیں
[illegible] ہیں [illegible] ہیں [illegible]
[illegible] ہیں۔ [illegible] کے [illegible] ہیں۔ [illegible]
[illegible] کا قانون ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔
آج کل شعبۂ اردو میں ریڈر ہیں۔

ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو

علی گڑھ میں آرزو صاحب کی شہرت پہلے پہل ان [illegible] کی وجہ سے ہوئی [illegible] تحقیقی مقالے بہت
سے [illegible] رسالوں میں شائع ہونا شروع ہو گئے تھے۔ [illegible] معارف [illegible] سید سلیمان ندوی [illegible]
ادبی دنیا میں [illegible] کی تاریخ [illegible] ایک [illegible] تحقیق کا ذوق آرزو صاحب کو
عبد الودود صاحب کی صحبت میں ملا۔ ان کی ادبی زندگی کا آغاز [illegible] جب وہ [illegible] پٹنہ کے طالب علم تھے
اس زمانے میں آرزو صاحب پٹنہ کے مشاعروں میں ایک [illegible] شاعر کی حیثیت سے [illegible]
[illegible]۔ غزلوں [illegible] قاضی عبد الودود صاحب سے [illegible]
[illegible] تحقیق کی طرف آ گئے۔ قاضی صاحب کا آرزو صاحب پر گہرا اثر ہے۔ علی گڑھ کی [illegible] آرزو صاحب کی [illegible]
ان کی شخصیت کی تشکیل علی گڑھ آنے سے قبل ہو چکی تھی [illegible] آرزو صاحب کے [illegible]
کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ البتہ علی گڑھ میں انہیں اپنے کام کے لئے ایک وسیع میدان ملا اور [illegible] تحقیق کے نتائج [illegible] اشاعت کے
مواقع ملے۔ ان کا قول ہے کہ ایک جگہ [illegible]

آرزو صاحب بقول رشید صدیقی زبردست "گورکن" ہیں۔ پرانی کتابوں اور قلمی نسخوں کی تلاش کا ایسا چسکا ہے جو کہیں بھی ساتھ
نہیں چھوڑتا۔ ایک بار اورینٹل کانفرنس لکھنؤ میں مجھے ان کے ساتھ شریک ہونے کا موقع ملا۔ اس موقع پر مخطوطات و نوادر کی ایک
نمائش بھی ہوئی تھی۔ اس وقت ان کا ذوق و شوق اور انہماک دیکھنے کے قابل تھا۔ مسلم یونیورسٹی کی لائبریری کا ایک ایک [illegible]
[illegible] کہیں کوئی قیمتی خزانہ دبا پڑا ہے۔ اس کی ان کو اطلاع ہے۔ ابھی دو سال قبل راک فیلر فاؤنڈیشن کے اسکالرشپ
پر عربی میں ریسرچ [illegible] یونیورسٹی گئے تو جرمنی، فرانس اور دوسرے ملکوں کا [illegible] سے متعلق [illegible]

آخر وہ بہت کچھ ساتھ لے کر آئے۔ [illegible] آج کل بھی وہ ہر ماہ ... کا ایک [illegible]
جو انہیں پیش ہی ہے۔ جو تحقیق کی مدد سے یہ آمدنی کا قیام تو یہ غلط قرار پایا ہے۔ یہ تو اصل ایک حقیقت ہے۔ دیکھنے پر
بھی اور کیا سمجھتے ہیں۔

باوجود محقق ہونے کے آزاد صاحب خشک آدمی نہیں۔ ان کی شخصیت میں بڑی رنگا رنگی اور [illegible]
لطف لینے کی بڑی صلاحیت ہے۔ محفلوں اور دعوتوں میں شریک ہونا، رقص، موسیقی اور کلاسیکی کا ذوق بھی رکھنا، چنانچہ
چاندنی راتوں میں ٹہلنا اور ریستورانوں میں بیٹھ کر احباب کے ساتھ گرم چائے اور سگریٹ پینے کا سلیقہ بھی آزاد صاحب کو آتا ہے۔
صاحب کے اندر مزاح کی حس بہت بڑھی ہوئی ہے۔ وقت پر ان کو فقرے خوب سوجھتے ہیں۔ ان کی گل افشانی گفتار سے میں
چند ہی واقف ہیں۔ جس زمانے میں مسلم یونیورسٹی گزٹ کا ایڈیٹر تھا اور میرا قیام ۵ - مال روڈ پر تھا اسی زمانے میں آزاد صاحب سے
تعلقات بڑھے اور اتنی قربت ہوئی کہ آزاد صاحب مستقل میرے ساتھ قیام پذیر ہو گئے اور دو سال تک اسی طرح گزرے ہیں [illegible]
کا ایک ایک لمحہ "[illegible]" ایک مدرسے کے سینے میں محفوظ ہے۔ ۵ - مال روڈ پر ہم [illegible] مشتاق حسین صاحب
[illegible] کے ساتھ وابستہ ہو گئے تھے اور Paying Guest کی حیثیت سے رہتے تھے۔ مشتاق [illegible]
کی عجیب و غریب ہستیوں میں سے ہیں۔ ان کی شخصیت جدت طرز کی [illegible] ایک [illegible] سے کم نہیں۔ اگرچہ انہوں نے [illegible]
کام نہیں کیا لیکن ان کے علم، ان کی ذہانت اور ان کی سوجھ بوجھ کے سب قائل ہیں لیکن سب سے زیادہ جو چیز [illegible]
ہے وہ ان کا خلوص، جاں نثاری اور دوست نوازی ہے۔ ۵ - مال روڈ پر شام کو محفل جمتی تھی۔ جس میں مشتاق صاحب [illegible]
اور ادھر ادھر میرے اور آزاد صاحب کے علاوہ [illegible] حنیف خاں [illegible] اور سید [illegible] ایک
[illegible] ہوتے۔ چائے کا دور چلتا اور دنیا بھر کے مسائل پر بحث مباحثہ ہوتا ایسے موقعوں پر آزاد صاحب کے لطیفے اور فقرے
مقابلے اس قدر دلکش ہوتے تھے۔ [illegible] وقت [illegible] رہتا۔

انگلستان سے واپسی پر آزاد صاحب نے ایک عمدہ مکان [illegible] لے لیا ہے اور اب وہ اہل و عیال کے ساتھ مقیم ہیں۔
دو [illegible] طارق اقبال اور خالد اقبال بڑے پیارے ہیں۔

آزاد صاحب مستقل مزاج کے آدمی ہیں اور زندگی بھر [illegible] نہیں آتا ہے اپنی صلاحیتوں کا ایک شمہ بھی انہوں نے
نہیں چھوڑا ہے اور ہر طرح سے کامیابیوں کی امید ہے۔

مسعود علی ذوقی

اختر انصاری صاحب کے آئی سی ایس [illegible] شخص ہیں جو ایک زمانے میں اپنی فطرت نگاری اور رومانی نظموں اور گیتوں کے لئے مشہور
تھے ان کی تخلیقات "ہمایوں" اور "نیرنگ خیال" میں بڑے اہتمام سے شائع ہوتی تھیں۔ انہوں نے شاعری کی بساط بہت جلد الٹ
دی۔ کوئی مجموعہ مرتب کر کے نہیں چھپا سکے اس لئے آج ادب کے طالب علم ان کا نام تقریباً بھول چکے ہیں۔ ذوقی صاحب ایک [illegible]
اور [illegible] آدمی ہیں اور آج کل مسلم یونیورسٹی ہائی اسکول کے ہیڈ ماسٹر ہیں [illegible] کے ڈائرکشن سے بھی شغف رکھتے ہیں چنانچہ ایک
زمانے میں نیاز فتحپوری کے ساتھ مل کر ایک فلمی کمپنی کھولنے کی اسکیم بنائی تھی جو کامیاب نہ ہو سکی۔ فلم کے سلسلہ میں کئی سال تک بمبئی میں
بھی قیام رہ چکا ہے اور متعدد فلموں کے اسسٹنٹ ڈائرکٹر رہ چکے ہیں جن میں محبوب کی فلم "[illegible]" [illegible]

[illegible] مسعود حسین صاحب [illegible] ہیں [illegible]
[illegible] کے [illegible]

ڈاکٹر محمد عزیز

تاریخ صحت [illegible] کے مصنف ڈاکٹر محمد عزیز [illegible] استاد ہیں [illegible] سے [illegible] [illegible]
[illegible] ہے [illegible] سے شائع ہو چکا ہے
عزیز صاحب [illegible] بہت [illegible]
[illegible] پڑھانے میں [illegible] نہیں سکتے [illegible]
[illegible] بیٹھا [illegible] ہیں [illegible]
سادہ وضع ، [illegible] ہیں [illegible]
[illegible] ہیں ۔

اسلوب احمد انصاری

شعبۂ انگریزی میں استادوں میں اور خواجہ منظور حسین کے عزیز شاگرد اور تربیت یافتہ ۔ خواجہ صاحب کی نظر میں اسلوب صاحب نے
[illegible] اس میں شک نہیں کہ خواجہ صاحب کے [illegible] سے
اسلوب صاحب [illegible] اسلوب صاحب نے [illegible] کتابوں کے [illegible]
[illegible] ہے ۔ [illegible] تعلقات بڑھانے یا متاثر کرنے [illegible] نہیں [illegible] کے زمانے [illegible]
[illegible] شروع سے آج تک ہمیشہ [illegible] حاصل کی [illegible] زندگی [illegible]
سے ان کی شخصیت اور زندگی کے بعض [illegible] تکمیل ہونے کا اسلوب صاحب کو احساس ہونے لگا [illegible] کا کام نہیں
[illegible] چند سالوں میں انہوں نے اپنے آپ [illegible] ہے ۔ [illegible]
[illegible] کا ملکہ بھی پیدا کر لیا ہے ۔ عمل کرنے اور قہقہے لگانے لگے ہیں ، معاشرت [illegible] سے بھی
محفلوں میں بہت دلچسپی لینے لگے ہیں ۔ اپنی بات منوانے کے لئے ذرا بلند آہنگی سے بولنا اور اپنی بات پر اڑ جانا بھی سیکھ لیا ہے ۔ عزیز اسلوب
صاحب آہستہ آہستہ کتابوں کے اس بھاری بوجھ کے نیچے سے نکلنے کی کوشش کر رہے ہیں جس نے ان کی قابلیت و لیاقت میں تو یقیناً
اضافہ کر دیا تھا لیکن شخصیت کا سارا رس چوس لیا تھا ۔ عنقریب انگریزی ادب کی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے آکسفورڈ جا رہے ہیں ۔ امید
ہے وہاں یہ توازن مکمل ہو جائے گی ۔

اسلوب صاحب ادب کے معاملے میں کسی رو رعایت کے قائل نہیں ۔ خواجہ منظور کی طرح وہ ہر تخلیق کا معیار اور اس کی سطح دیکھتے ہیں ۔
اور اس کے تخلیقی عناصر اور رنگ و آہنگ سے متاثر ہوتے ہیں ۔ ان کو خود بھی شہرت کی کوئی خواہش نہیں اور نہ ہی ان لوگوں سے بالکل مرعوب
ہوتے ہیں جن کا ادبی دنیا میں ڈنکا بجا کرتا ہے ۔ اسلوب صاحب کے نزدیک ایسے لوگ ادبی درجے کے اشتہار باز ہیں ۔ ایک نوجوان
ادیب کا ذکر ہو رہا تھا [illegible] اپنی تصانیف کی تعداد میں اضافہ کر رہے ہیں اور اپنی صلاحیتوں کو کسی ایک مرکز پر مرتکز کرنے کے

بلکہ انہیں تو ہر ایک کی ملازمت کی طرح چھوڑنے کے حق سے محروم ہے۔ ان کے تنقیدی مضامین اور تبصرے [illegible] اسلوب صاحب نے
کہا، صاحب جہاں ادیب یا افسانہ نگار کے دل پر جائیں گے جو بیچ رہے تھے [illegible] ہو یا کسی مشہور رسالے کی ایڈیٹری ہی کے بل پر
فاؤں کے مدیر اپنی پبلسٹی کرا سکیں۔ یہ وہ لوگ ادیب یا دانشور نہیں، ادبی کاروباری ہیں۔ اسلوب صاحب [illegible] قسم کی
وستہ یت یا اس طرح کا بعد کا مصنف بننے کی کبھی کوشش نہیں ہوئی۔ میری خواہش ہے کہ زندگی میں چند ہی مضامین کی
کتاب کیوں نہ چھوڑ جاؤں لیکن اپنے ضمیر کا خون نہ کروں۔

اسلوب صاحب نے بلاشبہ اپنے سارے مضامین میں محنت کا حق ادا کیا ہے اور اچھا قاری اگر کبھی ان سے ملنے جائے [illegible] بار کہنے لگے کہ ایک دوست نے مجھ سے محض اس لئے بہت تعلقات بڑھائے کہ اس پر بھی مضمون لکھ دوں اور اپنے مضمون میں عظمت عطا کروں جو خود ان کے اپنے خیال کے مطابق انہیں ملنی چاہیے۔ اس پر میں نے لب کر جتنی باتیں اس طرح کا کام کرتا ہوتا تو ایسے ذی رتبہ لوگ پڑے ہوئے ہیں جن کی تعریف اور قصیدہ خوانی کر کے اپنا شمار بنا دوں تو مادی منفعت حاصل کر سکتا ہوں [illegible] آپ کا یہی انتخاب کیوں کروں گا۔

اسلوب صاحب ۱۹۴۳ء سے لکھ رہے ہیں۔ ان کا پہلا قابل ذکر مضمون رسالہ جامعہ میں "اقبال کا ذہنی ارتقا" کے عنوان سے شائع ہوا تھا۔ اس عرصے میں کوئی اور پیشہ ور یا تجارتی ادیب و اشتہار باز ہوتا تو نہ جانے کتنی کتابیں اس کی بازار میں بکتیں۔ اسلوب صاحب کا یہ حال ہے کہ برسوں میں کہیں ایک مضمون لکھیں گے اور اسے بھی بہت غور و فکر اور نظر ثانی کے بعد چھپنے کے لئے دیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ رسالوں میں ایک لمبے وقفے کے بعد ان کا کوئی مضمون شائع ہوتا ہے۔ تو چھپا ہوا نام دیکھ کر عام قاری منتظر نہ کر دیتا ہے یہ اہل نظر ہے۔ سچ نہیں چھپتی سارا کا کوئی مضمون ایسا نہیں جو سرسری یا صحافتی اور سطحی قسم کا ہو۔ اصل در حقیقت اہل علم نے [illegible] میرا خیال ہے اسلوب صاحب کی یہ روش انہیں ادب میں وہ پایہ مرتبہ دلائے گی اور ان کی کتابیں چاند کی چاندنی ثابت ہوں گی۔

اسلوب صاحب کا ذہن بہار پور ہے۔ [illegible] انصاری کے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ ایک خوب صورت اور وفا شعار بیوی کے شوہر اور دو معصوم بچوں کے باپ ہیں۔ گھریلو زندگی پُرسکون ہے۔

منیب الرحمٰن

آٹھ سال انگلستان میں رہنے اور وہاں سے فارسی میں پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری لینے کے بعد دو سال پہلے اپنی پرانی درسگاہ علی گڑھ میں وارد ہوئے جہاں سے انہوں نے فارسی کے علاوہ تاریخ میں بھی ایم اے کیا تھا۔ منیب صاحب جب علی گڑھ سے انگلستان گئے تھے تو اپنی شاعری کی وجہ سے مشہور تھے۔ انہوں نے اردو شاعری میں جدید میلانات اور ہیئت کے نئے تجربوں کو آگے بڑھانے میں بڑا سرگرم حصہ لیا تھا لیکن واپس آئے تو اسکالر بن کر۔ شاعری سے زیادہ ریسرچ کو ترجیح دینے لگے اور جب اسلامک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ میں ان کا تقرر ہو گیا تو وہ اور بھی آہستہ آہستہ شاعری سے دور ہوتے گئے۔ انہوں نے اپنے کلام کا کوئی مجموعہ مرتب نہیں کیا ہے۔ اپنی پچھلی نظموں کو ناقابل اشاعت سمجھتے ہیں اور نئی نظم لکھنے کی انہیں فرصت نہیں۔

منیب صاحب ایک دلکش شخصیت کے مالک ہیں۔ قد و قامت، جسم، رنگ اور چہرے کے نقوش ہر اعتبار سے علی گڑھ کی اصطلاح میں انہیں "سویٹ" کہا جا سکتا ہے۔ اپنے والد اکرام حسین صاحب ریٹائرڈ ڈی آئی جی اور اپنے بڑے بھائی حفیظ الرحمٰن صاحب ہیڈ [illegible] مسلم یونیورسٹی کے ساتھ اپنی خوب صورت اور شاندار کوٹھی "گل رعنا" میں رہتے ہیں اور [illegible] کا ایک حصہ [illegible]

[illegible] ہیں ۔ [illegible] صاحب شاعر [illegible]
[illegible] شاعر [illegible] ہیں ۔ [illegible] صاحب شاعر [illegible]
[illegible]

ڈاکٹر عشرت حسین انور

مذہب اور فلسفہ میں ایم اے ہیں اور اقبال کی ابعد الطبیعیات پر تحقیقی مقالہ [illegible] فلسفہ [illegible] جہاں [illegible] ایک [illegible] ۔ [illegible] اسی کتاب سے [illegible] عشرت صاحب [illegible] ۔ [illegible] مشرق و مغرب کے [illegible] فلسفیوں [illegible] اور اقبال کی مثنوی اسرار خودی کا جواب [illegible] ۔

عشرت صاحب ایک صوفی منش بزرگ ہیں [illegible] ہوتے ہیں ۔ [illegible] زیادہ [illegible] کے شاگرد ہیں ۔

ڈاکٹر محمد حسن

علی گڑھ میں [illegible] پی ایچ ڈی [illegible] ۔ [illegible] اصل وطن مراد آباد ہے [illegible] خاندان سے تعلق ہے ۔ [illegible] تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد عرصہ تک صحافت کے پیشے میں رہے ۔ [illegible] یونیورسٹی کے شعبہ اردو میں استاد ہیں ۔

محمد حسن صاحب ایک [illegible] آدمی ہیں ۔ وہ انگریزی اور اردو دونوں زبانوں کے ادب پر [illegible] لکھتے ہیں ۔ [illegible] دوسرے فنون پر بھی مضامین لکھتے رہتے ہیں ۔ ریڈیائی ڈرامے [illegible] پر تبصرے اور مختلف موضوعات پر [illegible] لکھنؤ اور دوسرے ریڈیو اسٹیشنوں سے نشر ہوتی رہتی ہیں ۔ ہندی ادب کی تاریخ [illegible] لکھی ہے اور "ہندوستانی جمالیات" پر کام کرنے کا ارادہ ہے ۔ علی گڑھ میں [illegible] تھیٹر کی بھی بنیاد ڈالی [illegible] خود ہی لکھتے ہیں [illegible] کی حیثیت سے بھی آتے ہیں ۔۔۔ محمد حسن صاحب ایک مرنجاں مرنج اور با اخلاق آدمی ہیں ۔ لکھنؤ میں ان کی صحبتیں مجاز [illegible] اور شوکت صدیقی وغیرہ کے ساتھ رہتی تھیں [illegible] ۔ علی گڑھ میں آنے کے بعد اگرچہ [illegible] لکھنؤ کی نسبت یہاں زیادہ اچھی ہے ۔

بہار کی چند ادبی شخصیتیں

شاہ ولی الرحمٰن کاکوی

ماہنامہ نقوش نے مجھ سے خواہش کی تھی کہ بہار کے ادیبوں سے متعلق ایک مضمون لکھوں۔ انہوں نے موضوع کی وضاحت نہیں کی کہ شعراء بھی ادیبوں میں شامل ہیں یا نہیں۔ تاہم میں نے شعراء بہار کو بھی اس فہرست میں شامل کر لیا ہے کیونکہ ادبیات میں شاعری بھی شامل ہے۔

مخدوم شیخ احمد شرف الدین بہاری

آپ کا نام احمد ... قصبہ منیر ... مقدس ... حضرت ... کے پوتے مخدوم شیخ یحییٰ ... منیری کے صاحبزادے تھے۔ شیخ ... بہت ... مذکرہ ... شہاب الدین سہروردی ... سے مرید و خلیفہ تھے۔ آپ کا مزار ... درگاہ ... میں ... پٹنہ سٹی سے ... مخدوم بہاری ... میں پیدا ہوئے ... ہوئی۔ آپ ... عرصہ تک ... شاہ آباد اور ... کے جنگلوں اور پہاڑوں میں ... ریاضت و مجاہدہ میں ... آپ کی پیدائش منیر ... میں ہوئی تھی جو پٹنہ سے ... ایک قصبہ ہے اور بہار شریف میں وفات پائی جہاں آپ کی درگاہ ... خلائق ہے ... عظیم الشان عرس ہوتا ہے۔ آپ سے ... قوال ... منسوب ہیں مثلاً ... وغیرہ۔ لیکن آپ کے علم و فضل کا اصل تماشا آپ کے فارسی مکتوبات ہیں جن میں اسرار تصوف پر مدلل بحثیں ہیں۔ آپ علوم ظاہری و باطنی میں کمال رکھتے تھے۔ آپ کے ... بھائی مخدوم شاہ شعیب ... نے مناقب الاصفیاء کے نام سے ایک کتاب فارسی میں لکھی۔ آپ کا مزار شیخپورہ ضلع مونگیر میں ہے۔

قاضی سید عنایت اللہ مونگیری (سال پیدائش ...) فتاویٰ عالمگیری کی تدوین میں شریک تھے۔ ملا غلام یحییٰ (متوفی ...) ضلع پٹنہ کے ایک گاؤں میں پیدا ہوئے۔ ان کی قابلیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ انہوں نے میر زاہد پر حاشیہ لکھا۔ یہ مرزا مظہر جان جاناں (متوفی ...) کے مرید تھے۔ ان جیسے سیکڑوں علماء و فضلا بہار میں تھے جن کا ذکر نظر انداز کرتا ہوں۔

مرزا عبدالقادر بیدل عظیم آبادی (۱۰۵۴ھ - ۱۱۳۳ھ)

مرزا بیدل ... میں پیدا ہوئے۔ ان کی جائے پیدائش میں اختلاف ہے۔ کوئی بخارا کہتا ہے کوئی ... کوئی دہلی، کوئی اکبر آباد

[illegible]

بیدل کا [illegible] شاعرانہ [illegible] سے [illegible]

[illegible] نکات بیدل ، رقعات بیدل [illegible]

[illegible] غالب نے بیدل کی پیروی [illegible]

[illegible] بیدل کے [illegible]

[illegible]

بیدل [illegible]

[illegible]

ہمہ عمر با تو قدح زدیم و نرفت رنج خمار ما
چہ قیامتی کہ نمی رسی ز کنار ما بہ کنار ما

بیدل اردو میں بھی شعر کہتے تھے لیکن صرف دو شعر مشہور ہیں جن کو میر نے نکات الشعرا میں درج کیا ہے ۔

مت پوچھ دل کی باتیں وہ دل کہاں ہے ہم میں
اس تخم بے نشاں کا حاصل کہاں ہے ہم میں

جب دل کے آستاں پر عشق آن کر پکارا   پردے سے یار بولا بیدل کہاں ہے ہم ہیں

مولوی محمد حسین (متوفی ۱۲۳۱ھ)، بیدل کے تربیت یافتہ اور فارسی کے شاعر تھے۔ مرزا محمد حسن فرحت (متوفی ۱۲۳۲ھ) نے فارسی میں اردو شعرا کا ایک تذکرہ لکھا۔ شاہ کمال علی کمال (متوفی ۱۲۳۸ھ) .... (عظیم آباد)

کے رہنے والے تھے۔ دیوان اردو کے علاوہ فارسی اور ان کے مکاتیب کا مجموعہ ہے۔ حضرت حق عظیم آبادی (متوفی ۱۲۴۰ھ) نے اردو دیوان کے علاوہ تصوف میں چند رسالے بھی تصنیف کئے۔ یہ بزرگ مرزا علی فدوی کے شاگرد تھے اور فدوی سے اصلاح لیتے تھے۔ نواب میر عبد اللہ خاں ضبط عظیم آبادی (متوفی ۱۲۴۵ھ) ایک قابل قدر ادیب اور شاعر تھے۔ ان کا تذکرہ ابراہیم خلیل (۱۲۰۲ھ) اردو شعرا کا ایک بلند پایہ اور مستند تذکرہ ہے جس کا مختصر خلاصہ .... میں شائع ہو چکا ہے۔

مدت ہوئی ہے دل کو گرفتار غم ہوئے   یاں تک نہیں رہی ہے کہ آہ و بکا کرے

سید غلام حسین خاں (۱۷۲۷ء - ۱۸۱۵ء) بڑے پائے کے مورخ اور ادیب تھے۔ انہوں نے زندگی کی فارسی تصانیف میں سیر المتاخرین فارسی زبان میں ہندوستان کی تاریخ تین جلدوں میں ہے اور اس کا ترجمہ انگریزی میں بھی ہو چکا ہے۔ ان کا وطن حسین آباد تھا جو عظیم آباد کے قریب تھا۔ یہ شاعر بھی تھے اور شیخ علی حزیں سے بہت عقیدت رکھتے تھے۔ اپنے نانا کی طرح اردو و فارسی کے شاعر تھے۔ ان کا انتقال ۱۲۳۰ھ میں ہوا۔ ان کے اشعار حسب ذیل ہیں

نیست ملے نہ رکھ خویش تنی خورشید را   دل بہ ستم تری بود رنگ سنگر شیشہ را

جن کی نظر جانے میں صحبت نادری میں گئی   عمر کئے کرتی پر کیا ہی خواری میں گئی

بلبل کو باندھیے تو رگ گل سے باندھیے   دل باندھیے تو یار کی کاکل سے باندھیے

شیخ وحید الدین عشق عظیم آبادی نے تیرہویں صدی ہجری کی ابتدا میں اردو شعرا کا ایک تذکرہ فارسی میں لکھا۔ انہی کے شاگرد آغا حسین قلی خاں عاشق عظیم آبادی نے دو جلدوں میں فارسی شعرا کا تذکرہ لکھا جس کا نام نشتر عشق ہے۔

شیخ غلام علی راسخ عظیم آبادی

راسخ اردو زبان کے اچھے غزل گو اور مثنوی نگار تھے۔ شاد عظیم آبادی نے لکھا ہے کہ راسخ ۱۱۶۳ھ میں پیدا ہوئے لیکن یہ صحیح نہیں ہے تاریخی حیثیت سے ..... ۱۱۶۳ھ کے لگ بھگ پیدا ہوئے تھے۔ ..... راسخ کا دیوان شائع ہو چکا تھا جو اب نایاب ہے۔ انہوں نے فدوی سے اصلاح لی تھی مگر لکھنؤ جا کر میر سے مستفید ہوئے۔ ۱۲۳۸ھ میں وفات پائی۔ انتقال سے چند سال قبل ایک رسالہ لکھا جس کا نام خلاصہ اسرار ہے۔ یہ رسالہ ہنوز غیر مطبوعہ ہے۔ راسخ کے چند اشعار یہ ہیں

ہم سے بے حیائی کی کراہ نہیں کچھ جاتا ہے   دیکھئے کیا پر شاخ تاک دل تو بہت گھبراتا ہے

عقل والوں کی صحبت تو نہ آئی کچھ کام   اب تو شیدا اپنا کریں گے کسی سودائی کو

تا خواب مرگ ذکر ستا ان کا زبان پر   نیند آئی ہمیں تو اسی داستان پر

نہیں ہوش والوں پہ کچھ صدمے مجھ شکستہ تر انہوں پہ ہے   جو بیٹھے جلسے کے خستہ حال بے خبری ہی

اشعار مثنوی

کیا کہوں آہ محبت کیا ہے   کیا کہوں اس میں مصیبت کیا ہے

[illegible]

[illegible]

اس سلسلے میں چند اور شعراء بھی قابل ذکر ہیں، مثلاً سید شاہ باقر علی باقر گیاوی، شاگرد غالب، شاہ [illegible] شاگرد غالب، جن کی کتاب [illegible] شائع ہو چکی ہے، شاہ امین احمد شوق بہاری مصنف مثنوی [illegible] وغیرہ۔

سید فرزند علی صفیر بلگرامی (۱۲۴۹ھ - ۱۳۰۷ھ)

آپ کی پیدائش مارہرہ میں ہوئی۔ بچپن ہی میں بلگرام آ گئے اور کچھ ہی دنوں کے بعد آرہ اپنے والد کے ساتھ پہنچ کر یہیں کے ہو رہے۔ ان کی [illegible] کا پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے رشک، سحر (تلامذۂ ناسخ)، غالب اور مرزا دبیر سے اصلاح لی ہے۔ دو کلیات شائع ہو چکا ہے۔ بہت پرگو شاعر تھے اور نثر نگاری میں خاص درجہ رکھتے تھے۔ رشحات صفیر، ترجمۂ بوستان خیال، چشمۂ کوثر، تحقیق اللسان، مردم دیدہ، اور جلوۂ خضر (تذکرۂ شعرائے اردو) خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ کہنہ مشق استاد تھے اور شاگرد بنانے کا خاص شوق تھا۔ کلام کا نمونہ یہ ہے

خاک سے میری بگولا پھر عیاں ہونے کو ہے
یہ غبار اڑ کر بھی آسماں ہونے کو ہے

بادۂ عشرت [illegible] جام لیا
ہائے یہ جرأت ساقی نے کی [illegible]

کسی حالت میں اے واعظ نہیں نقصان رندوں کا
جو شیشہ ٹوٹ جاتا ہے تو پیمانہ ہوتا ہے

مولانا حکیم عبدالحمید پریشاں (۱۲۷۵ھ - ۱۳۳۲ھ)

آپ نہایت ذی علم بزرگ تھے طبابت میں خاص مہارت حاصل تھی۔ شاعر بھی بلند پایہ تھے۔ مسلک صوفی تھا آپ کے بھی بہت سے شاگرد تھے۔ فارسی اور اردو دونوں میں شعر کہتے تھے۔ شاد عظیم آبادی سے برابر قلمی جنگ رہی۔ آپ کے دو چار اشعار فارسی و اردو کے سن لیجئے۔

قامت اعجاز نیرم بخمیدن بے تاب
جیسے خنجر ناز مرا بطپیدن بے تاب

دست بربستہ نگوید بسیدن کوتاہ
پائے بشکستہ نوشتہ بدویدن بے تاب

ہماری الجھنوں کو دل محبوب جانے ہے
پریشاں کی پریشانی پریشاں زلف جانے ہے

مرگ مرگ نہ دیدی زندگی ہوش کرو
کون کی صورت میں بہبود چراغ کشتہ ہے

خان بہادر سید علی محمد شاد عظیم آبادی

آپ ۱۲۶۲ھ / ۱۸۴۶ء میں پیدا ہوئے اور ۱۳۴۵ھ / ۱۹۲۷ء میں وفات پائی۔ اردو، فارسی اور عربی کی تعلیم کے بعد آپ نے ابتدائے شباب ہی سے شعر کہنا شروع کر دیا تھا۔ صوبہ بہار میں شاد جیسا کوئی غزل گو نہیں پیدا ہوا۔ تقدم زمانی کے لحاظ سے آپ یقیناً قابل احترام ہیں۔ ان کا قصیدہ رنگینیات کی داد دیتا ہے۔ بیان کی شگفتگی، زبان کی سلاست، جذبات و احساسات کی شدت و صداقت، اخلاق و تصوف، حسن و عشق، صدق و محبت کی ہر قسم شاعری کے لحاظ سے شاد کا خاص مقام ہے۔ اور آپ کی شاعری ایک مسلک کی حیثیت رکھتی ہے۔ نیز اپنے معاصرین کے غیر مطبوعہ رنگ تغزل کو ترک کر کے پاکیزہ رنگ تغزل اختیار کیا۔ آپ کا کلام ابتذال سے پاک ہے اور غزلوں میں انفرادی شان نمایاں ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں: ―

اب بھی اک عمر پہ جینے کا نہ انداز آیا
زندگی چھوڑ دے پیچھا مرا میں باز آیا

اسیر جسم ہوں میعاد قید لا معلوم
یہ کس گناہ کی پاداش ہے خدا معلوم

سنی حکایت ہستی تو درمیاں سے سنی
نہ ابتدا کی خبر ہے نہ انتہا معلوم

چشم سیہ میں سرمہ دے زلف سیاہ میں شانہ کر
قتل جہاں کے واسطے تازہ پھر اک بہانہ کر

اہل مجلس بھی ہوئے تیرے حریف میکشاں
پیر مغاں الٹ دے خم بند شراب خانہ کر

وہ عالمگیر جلوہ اور وہ حسن مشترک تیرا
خدا جانے ان آنکھوں کو ہوا کس پر شک تیرا

جہاں ہے مکتب حیرت سبق ہے چپ رہنا
بڑا گناہ یہاں ہے الف سے بے کہنا

یہ بزم مے ہے یاں کوتاہ دستی میں ہے محرومی
جو بڑھ کر خود اٹھا لے ہاتھ میں مینا اسی کا ہے

ذرا آئینہ کا قصہ صفائی حال شانہ کہتے ہیں
حقیقت میں جمال یار کا افسانہ کہتے ہیں

ترے کمال کی حد کب کوئی بشر سمجھا
اسی قدر اسے حیرت ہے جس قدر سمجھا

یوں حبابوں کا نہ دل توڑ خدا سے ڈر موج
انہی قطروں کی بدولت تو ہے دریا تیرا

دیئے تھے سب مجھے صبر کا حوصلہ
جس کی طلب تھی ساقیا اس سے کبھی سوا دیا

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] نقاد [illegible] کتاب [illegible]

[illegible] سے [illegible]

[illegible] آپ کے [illegible] عزیز [illegible] آپ [illegible]

نواب نصیر حسین خیال ۱۸۶۴ء-۱۹۳۴ء

نواب خیال شاد عظیم آبادی کے شاگرد تھے۔ آپ نے ابتدائے شباب ہی سے اردو نثر [illegible] ایک رسالہ اردوئے معلیٰ [illegible] جاری رہا [illegible] آپ کو سیاسی و تعلیمی امور سے بھی دلچسپی تھی [illegible] ادبی [illegible] لکھنؤ کی صدارت [illegible] آپ کے [illegible] پر [illegible] داستان اردو [illegible] شائع ہو چکی [illegible] آپ [illegible] محمد حسین آزاد کا پرتو تھا اور آپ کی نثر [illegible] ایک خاص درجہ رکھتی ہے۔ اس کے علاوہ آپ کے متعدد مضامین [illegible] بھی قابل ذکر ہیں۔ ضرورت ہے کہ آپ کا تمام ادبی سرمایہ شائع ہو کر منظر عام پر آجائے۔ [illegible]

سید عبدالغفور شہباز عظیم آبادی (متوفی ۱۹۰۸ء)

[illegible] نے [illegible] ایک اخبار جاری کیا [illegible] کچھ دنوں کے بعد [illegible] اخبار [illegible] جاری [illegible] نواب [illegible] سے [illegible] کچھ عرصہ کے بعد [illegible] ملا جمال الدین افغان سے بھی [illegible] مقالے و مضامین [illegible] شہباز [illegible] خیالات [illegible] مضامین شائع ہوتے تھے [illegible] شائع کیا اور نظیر کی سوانح عمری بھی [illegible] کے نام سے [illegible] شائع ہو چکی ہے۔ نواب [illegible] ایک ادیب تھے۔ ان کے [illegible] مضامین [illegible] چھپتے تھے۔ [illegible] شہباز نے خیالات آزاد کے نام سے شائع کیا اور ان کی سوانح عمری بھی [illegible] شہباز [illegible] مثلاً [illegible] حیات [illegible] خیالات شہباز وغیرہ [illegible] رباعی [illegible] پیدا [illegible] شہباز نے [illegible] پر ایک نظم لکھی۔

کہیں [illegible] کہیں [illegible] کا
غرض [illegible] کا
[illegible]

شہباز کی ایک رباعی [illegible] سے

[illegible] نقش [illegible] باندھا   [illegible] باندھا
اک [illegible]   [illegible] باندھا

۱؎ مضمون سید [illegible] صاحب [illegible]

نواب بہادر سید [illegible] ۱۸۶۲ء - تجمل ۱۹۳۳ء

[illegible]

علامہ سید سلیمان ندوی ۱۳۰۲ھ - ۱۳۷۳ھ

[illegible] علامہ شبلی کے خاص تربیت یافتہ [illegible] [illegible] سیرۃ النبی [illegible] [illegible] علامہ ندوی [illegible] [illegible] علمائے ہند [illegible] [illegible] مضامین اور تصانیف [illegible] [illegible] عربی زبان [illegible] آپ [illegible] مضامین لکھتے تھے۔

علامہ ندوی کے سلسلے میں مولانا سید [illegible] آپ بھی ایک عالم و ادیب تھے [illegible] [illegible] آباد کے شعبۂ دینیات کے صدر رہے۔ آپ نے مذہبی، علمی، دینی موضوعوں پر [illegible] یادگار چھوڑے ہیں۔

مولوی مسعود عالم ندوی [illegible] بہت [illegible]

۱؎ آپ کے صاحبزادے سید [illegible] ہیں [illegible] کی [illegible] پاکیزگی ذوق [illegible]

۲؎ [illegible] مضمون نگاری پر [illegible]

سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد آپ کی [illegible] میں [illegible] میں ایک مدرسہ جاری کیا جس کا نام [illegible] ہے۔ بعد ازاں خدا بخش پبلک لائبریری پٹنہ میں شعبۂ عربی کے فہرست نگار مقرر ہوئے۔ اس سلسلہ میں عربی کے مختلف مخطوطات کی فہرست کی ایک جلد مرتب کی جو شائع ہو چکی ہے۔ ان کی ایک کتاب [illegible] شائع ہو چکی ہے۔ مولانا سید [illegible] کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔ [illegible] مختلف رسالوں میں شائع ہو چکی ہے۔ ان کے علاوہ انہوں نے متعدد تاریخی مضامین لکھے جو [illegible] میں شائع ہوئے۔ ایک رسالہ [illegible] کے ایڈیٹر تھے اور کئی سال تک اس کی ادارت [illegible] سے [illegible] ایڈیٹر بھی رہے۔ آجکل مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ کے پرنسپل ہیں۔

افسانہ نگاری میں بھی [illegible] ہے۔ شاعری میں [illegible] کے علاوہ [illegible] محمد [illegible] شائع کیا جس کا نام [illegible] ہے۔ [illegible] کی اشاعت کی [illegible] سید علی سجاد عظیم آبادی کا ذکر بہت اہم ہے۔ [illegible] شاعر بھی تھے اور [illegible] زبان [illegible] ہے۔ ان کی شاعری [illegible] ان کی [illegible] شاعرانہ [illegible] اور [illegible] مشہور [illegible] ہے۔

موجودہ دور میں [illegible] پروفیسر [illegible] پروفیسر [illegible] قابل ذکر ہیں۔ [illegible] عظیم آبادی [illegible] بھی ان کے [illegible] افسانے [illegible] رسالوں میں شائع ہو چکے ہیں۔ [illegible] لکھتے ہیں۔ [illegible] خاص طور پر ممتاز اور انفرادی حیثیت کے مالک ہیں۔ [illegible] ان کے متعدد [illegible] شائع ہو چکے ہیں۔ فن تنقید میں ان کی کتابیں [illegible] اور تنقید [illegible] قابل تحسین ہیں۔ [illegible] گیا کے رہنے والے ہیں [illegible] نظمیں [illegible] شباب ہی سے لکھتے تھے۔ [illegible] ۱۹۲۳ء میں جب انہوں نے [illegible] جاری کیا [illegible] کے علاوہ افسانے بھی [illegible] ندیم ہی میں [illegible] شائع ہونے لگے۔ [illegible] افسانے [illegible] دو مجموعوں میں شائع ہو چکا ہے۔ ایک کا نام [illegible] ہے۔

ڈاکٹر عظیم الدین احمد پی ایچ ڈی مرحوم۔

ڈاکٹر عظیم [illegible] تعلیم پائی [illegible] عربی و فارسی [illegible] بصیرت [illegible] رکھتے تھے۔ اور [illegible] پبلک لائبریری پٹنہ میں شعبۂ عربی کے فہرست نگار مقرر ہوئے۔ اس کے بعد حکومت سے وظیفہ حاصل کر کے جرمنی گئے اور [illegible] لسانیات [illegible] پی ایچ ڈی کی ڈگری لے کر ہندوستان واپس آئے۔ پنجاب یونیورسٹی میں عربی کے پروفیسر [illegible] تقریباً [illegible] سال کے بعد [illegible] واپس آئے اور پٹنہ کالج کے شعبۂ عربی و فارسی کے پروفیسر مقرر ہوئے۔ آپ [illegible] بلا امید [illegible] جن کا ذکر اوپر کیا جا چکا ہے۔ ڈاکٹر صاحب شاعر بھی تھے۔ آپ کی نظموں کا مجموعہ شائع ہو چکا ہے جس کا نام [illegible] ہے۔ اس میں آپ کے [illegible] کلیم الدین احمد صاحب [illegible] ایک بصیرت افروز مقدمہ بھی شامل ہے۔ ڈاکٹر صاحب کو قرآن پاک سے خاص تعلق تھا اور [illegible] انہوں نے گہرا مطالعہ کیا تھا۔ قرآنی آیات [illegible] یاد تھیں کہ [illegible] تقریروں میں برجستہ پیش کر [illegible] تھے۔ قرآن پاک کی تفسیر بھی لکھ رہے تھے جو تمام نہ ہو سکی۔ آپ کی ادارت میں پٹنہ کالج سے ایک قابل قدر رسالہ نکلا جس کا نام معاصر ہے۔ یہ رسالہ ابھی تک جاری ہے۔ [illegible] میں ڈاکٹر صاحب کے تین قابل قدر مضامین شائع ہوئے تھے۔ میر تقی میر کی شاعری پر ایک تبصرہ [illegible] عظیم آبادی اور فلسفۂ عشق مجازی۔

سید وصی احمد بلگرامی

[illegible] بلگرامی [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] کی ادبی خدمات [illegible]

[illegible] تصنیف و تالیف [illegible] شاعری [illegible] لیکن ان کی تصنیفات و مضامین [illegible] بہت [illegible] سید [illegible] ندوی صاحب [illegible] کالج [illegible] پرنسپل تھے [illegible] کتاب "[illegible]" کا اردو ترجمہ [illegible] ایک اقتباس علامہ سلیمان ندوی کی کتاب [illegible] نقش سلیمانی میں [illegible] ہے۔

قاضی عبدالودود بارایٹ لاء عظیم آبادی

قاضی صاحب عظیم آباد کے ایک رئیس خاندان کے چشم و چراغ ہیں۔ ابتدائی تعلیم کے بعد کچھ دن [illegible] میں تعلیم پائی پھر علیگڑھ [illegible] داخل ہو گئے [illegible] کالج کے ٹوٹ جانے کے بعد پٹنہ میٹرک اور آئی اے اول درجہ میں پاس کیا اور [illegible] میں [illegible] کے ساتھ بی اے کی ڈگری لی [illegible] میں انگلینڈ جا کر بی اے کینٹب اور بیرسٹر ہوئے [illegible] میں واپس آ کر علم و ادب کی خدمت میں مصروف ہیں۔ قاضی صاحب کو بچپن ہی سے کتب بینی کا شوق ہے۔ ذہانت [illegible] اعلیٰ درجہ کا ہے۔ فارسی و اردو کا مطالعہ بڑا وسیع ہے اور وہ صحیح معنوں میں ایک گراں پایہ مستشرق کی حیثیت رکھتے ہیں۔ معلومات کا دائرہ اتنا وسیع ہے کہ انہیں فارسی و اردو ادبیات کا ایک [illegible] دائرۃ المعارف کہنا چاہیئے۔ انہیں تحقیقات کا ذوق فطرت سے عطا ہوا ہے اور بلاشبہ وہ موجودہ دور کے محقق اعظم ہیں۔ علمی و تحقیقی مضامین کا انہوں نے ایک انبار لگا دیا ہے۔ یہ مضامین ملک کے مختلف رسائل میں شائع ہوئے ہیں۔ اگر تمام مضامین کو کتابی شکل میں شائع کیا جائے تو کئی ضخیم جلدیں تیار ہو جائیں۔ قاضی صاحب کی تحقیقات کے کچھ نمونے درج ذیل ہیں۔ خان آرزو کا سال ولادت مصحفی کے تذکرہ "عقد ثریا" میں

[illegible] ہے کہ یہ قاضی صاحب سے عبارت کا تعین [illegible] بھی [illegible] ہے [illegible]
[illegible] ہے۔ [illegible] قاضی صاحب سے [illegible]
[illegible] کی تاریخ وفات [illegible] کی بجائے [illegible] قاضی صاحب کی تحقیق [illegible]
[illegible] تھا۔ قاضی صاحب نے وفات کے [illegible] ثابت کر دیا ہے۔
غالب کا [illegible] تھا۔

قاضی صاحب نے اس سلسلے میں ڈاکٹر [illegible] کا ذکر بھی کیا ہے [illegible] صاحب [illegible] تحصیل علم کی [illegible] سے [illegible] حاصل کر کے [illegible] ایم اے اور فارسی کی ڈگریاں ہیں۔ پھر پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کرنے کے لیے وظیفہ پا کر ولایت [illegible] صاحب [illegible] مختلف رسالوں میں شائع ہوتی رہتی ہیں۔ [illegible] کی شکل میں "احوال غالب" کے نام سے چھپ گئے ہیں۔

کلیم الدین احمد

کلیم الدین احمد صاحب ڈاکٹر عظیم کے نامور فرزند ہیں۔ انگریزی میں بی اے [illegible] ایم اے کی ڈگریاں حاصل کیں اور دونوں [illegible] میں ولایت گئے اور کیمبرج یونیورسٹی سے ٹرائی پاس کرکے وطن واپس آئے اور پٹنہ کالج کے لکچرار ہوئے۔ آج کل پٹنہ کالج کے [illegible] ہیں۔ کلیم الدین نے تربیت یافتہ دماغ [illegible] ادب کی قدر و قیمت میں اضافہ کر دیا ہے۔ ان کے تنقیدی مضامین [illegible] سب سے پہلے ان کی معرکۃ الآرا کتاب "اردو شاعری پر ایک نظر" منظر عام پر آئی۔ اس کے بعد "اردو تنقید پر ایک نظر" اور "اردو زبان اور فن داستان گوئی" یہ سب کتابیں اردو میں ہیں۔ انگریزی میں بھی تین رسالوں کی ایک [illegible] شائع ہو چکی ہے جس کا نام "[illegible] اینڈ لٹریری کریٹیسزم" ہے۔ کلیم الدین صاحب اردو شاعری کی صحت تسلیم نہیں کرتے۔ وہ [illegible] شاعری کے سرمایہ کو مغربی عینک سے دیکھتے ہیں۔ انتہا یہ ہے کہ وہ غزل گوئی کو نیم وحشی صنف سخن سمجھتے ہیں۔ حالانکہ غزل گوئی وہ صنف ہے جس نے فارسی میں حافظ اور اردو میں غالب کو بقائے دوام کا خلعت دیا ہے۔ اس لیے کلیم صاحب کا یہ فیصلہ [illegible] قابل تسلیم نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح اردو تنقید کو بھی وہ اقلیدس کا خیالی نقطہ اور معشوق کی موہوم کمر قرار دیتے ہیں لیکن یہ ارشاد بھی قابل تسلیم نہیں۔ کلیم صاحب میں ایک عیب یہ بھی ہے کہ اپنے والد ماجد کے کلام پر تنقید کرنے میں انہوں نے غیر جانبداری سے کام نہیں لیا۔ "اردو شاعری پر ایک نظر" میں ان کی تیغ قلم سے تقریباً ہر شاعر کا کلام مجروح ہو گیا لیکن ڈاکٹر عظیم کا کلام اس کی زد سے محفوظ رہا۔ ایسی روش ایک نقاد کے دامن کمال پر بدترین داغ ہے۔

پروفیسر جمیل مظہری

جمیل مظہری ضلع سارن (صوبہ بہار) کے باشندے ہیں۔ [illegible] میں ایم اے کرنے کے بعد ان کی ادبی و صحافتی زندگی کلکتہ کی فضا

۱؎ مقدمہ نقش جمیل۔

[illegible]

[illegible]

[illegible] شاعری [illegible]

[illegible]

[illegible] شاعر [illegible]

[illegible] اشعار [illegible]

[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]

جمیل [illegible] شاعری [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] جمیل کی شاعرانہ [illegible] اس شعر کا مصداق ہے۔

[illegible] داری [illegible]

جمیل کے ساتھ پروفیسر اختر حسین [illegible] شائع ہو چکا ہے۔ [illegible] خیالات [illegible] بیان فصیحانہ و شاعرانہ ہے۔ [illegible] خیالات کی [illegible] نظر آتے ہیں۔ [illegible] حیرت [illegible]

عظمت و حیرت [illegible] تین اشعار سن لیجئے۔

اس انقلاب قدم قدم پہ حیات [illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]
ہم تو شگفتہ سری سے [illegible]	آپ سے کیوں [illegible]

اس سلسلہ میں پرویز شاہدی اور [illegible] عظیم آبادی کو فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ یہ دونوں حضرات عظیم آباد کے باشندے ہیں۔ پرویز شاہدی کا شمار ترقی پسند شعراء میں ہے۔ ان کے افکار میں رعنائی اور فنکاری [illegible] کر رہی ہے۔ ان کی شاعرانہ صلاحیتوں [illegible] شاعری پر ان کی شاعری کو ترجیح دیتے ہیں۔ ان کی غزلیں اور نظمیں رسالوں میں شائع ہوتی رہتی ہیں۔ اس وقت میرے سامنے ان کا کلام موجود نہیں ہے۔ اس لئے نمونہ پیش کرنے سے مجبور ہوں۔

تو حیدرآباد خصوصاً دکن کی ادبی ریاست میں بہار کے شاعروں کا ادبی حصہ ہی بہت ہے جن کے کلام سے بہت بڑا استفادہ کیا گیا ہے۔

میں تو سمجھتا ہوں کہ بہت سے شاعروں کا ذکر نہیں کیا۔ وہ ایک ذی علم جنہوں نے بھی ہر صنف کی خدمت کی، لیکن اس وقت ان کی کوئی کتاب نہیں۔ وہ نثر نگاری پر بھی قدرت رکھتے ہیں چنانچہ شوق نیموی کی مشہور کتاب "اصلاح سخن" کے جواب میں انہوں نے "ایضاح سخن" ایک کتاب لکھی جس پر علامہ رشید شادانی نے "معاصر" میں تبصرہ کیا تھا۔

حق نیموی کے شاگردوں میں ضیا عظیم آبادی مرحوم بھی ہر طرح پر قابل ذکر ہیں۔ انہوں نے دنیا بھی حسب حال تھی اور ان کے کلام کا ذخیرہ کافی ہے لیکن افسوس ہے کہ ان کا کلام بہت ضائع ہو گیا اور کوئی مجموعہ شائع ہو کر سامنے نہیں آیا ہے۔ ان کی شاعری میں سلاست اور روانی پائی جاتی ہے اور ان کے ایک شعر پر تو بہت سے شعرا وجد کرتے ہیں۔ چنانچہ ضیا عظیم آبادی کا یہ شعر بہت مشہور ہو چکا ہے ۔

اک جس جگہ جو ٹھوکر ہے اک دن دل ہی پر لگتا ہے   بھاری کرنا قطرہ ہے جب سارا عالم ہوتا ہے

صحافتی دنیا میں بھی عظیم آباد گمنام نہیں ہے۔ ۱۸۵۷ء میں عظیم آباد سے پہلا اخبار "اخبار الاخیار" نام ایک جاری ہوا تھا جو ہیئت میں ہفتہ وار شائع ہوتا تھا۔ اس کے ایڈیٹر منشی فرمان علی خاں تھے۔ پٹنہ سے ایک تیرا اخبار نکلا جس کا نام "البیچ" تھا اس کا مزاج بھی اودھ پنچ لکھنؤ جیسا تھا۔ اس نے سالہا سال تک ظرافت کے پھول کھلائے۔ اس کے ایڈیٹر منشی عبدالکریم تھے۔ نواب سید نصیر حسین خیال کی ادارت میں پٹنہ سے "مخزن" نکلتا تھا جس میں بھی اعلیٰ مضامین شائع ہوتے تھے۔ چند اور اخبارات و رسائل کے نام یہ ہیں۔ "اتحاد" (ادارت سید منظر علی ندوی مرحوم)، "حسن مشرق"، "ندیم"، "بزم حسن" (ادارت ناظر گیاوی)، "قدیم" (زیر ادارت عبدالباری ساقی، تصویر، جمیل مظہری وغیرہ)، "ساقی"، "ندیم"، "سہیل"، "مشاہد" (گیا)، "تہذیب" (پٹنہ)، "صبا" (پٹنہ)، "معاصر" (پٹنہ)، "پیغام" (پٹنہ) وغیرہ۔ "ندیم" انجمن کی ادارت میں جاری ہوا۔ ریاست کا ندوی اور اس کے بعد حسن امام صاحب اور محی الدین ندوی ایڈیٹر ہوئے۔ اس جریدے نے ۱۵-۲۰ سال تک اردو کی خدمت کی جس پایہ کا معیار قائم رکھا اس کی زندگی نے وفا دی۔ قاضی عبدالودود صاحب اس کے ایڈیٹر تھے۔ ان کا نام ہی اس کے معیار کا ضامن ہے۔ "معاصر" اب تک جاری ہے۔ اس میں زیادہ تر قاضی عبدالودود صاحب، کلیم الدین صاحب، اختر اورینوی صاحب، حسن عسکری صاحب کے مضامین شائع ہوتے ہیں۔ حسن عسکری صاحب پٹنہ کالج میں شعبہ تاریخ کے پروفیسر ہیں۔ اردو قابل قدر محقق۔ ان کا ماخذ تاریخی معلومات کا مخزن ہے۔ وہ بہت انگریزی کتابوں کا مطالعہ کرتے ہیں بلکہ فارسی کتابوں کا بھی۔ اخباروں میں پائی کل "صدائے عام" زیر ادارت نظیر حمید صاحب وکیل اور "ساتھی" زیر ادارت غلام سرور جو ایک (زبان ادب میں) جاری ہے۔

یہ مقالہ کچھ طویل ہو گیا ہے لیکن موضوع ہی اتنا وسیع تھا کہ اس سے زیادہ اختصار ممکن نہ تھا۔

سرگذشت عہد گل را از نظیری می شنو
عندلیب آشفتہ تر می گوید ایں افسانہ را

سلہ بیتاب بیاتی عظیم آبادی نے جاری کیا تھا جو ایک خوش فکر ترقی پسند شاعر ہیں۔ اس کی ادارت ضیا عظیم آبادی کرتے تھے۔

سرحد کی ادبی شخصیتیں

سید فارغ بخاری

صوبہ سرحد کی ادبی تاریخ پر نظر دوڑائی جائے تو ایسی بے شمار ادبی شخصیتیں نظر آتی ہیں جن کی صحبت میسر ہے جنہوں نے اپنے اپنے دور میں نمایاں نام پیدا کئے اور اپنے اپنے ادوار کا احاطہ کئے ہیں ہمارے ادب کی ... ان میں بڑی بڑی قد آور شخصیتیں بھی ہیں جو کسی طرح سے بھی چھپائے نہیں چھپتیں۔ انہوں نے ایک دور مقصود، ایک ماحول میں رہتے ہوئے بھی اپنے آپ کو ... گزرنے کے لئے کوئی نہ کوئی راہ نکال ہی لی۔

عنوان کے اعتبار سے یہ موضوع نہایت وسیع ہے اتنا وسیع کہ اگر صوبہ سرحد کی تخصیص نہ کی جائے اور صرف ... سلسلہ میں لکھنے بیٹھے وقت لکھا جائے جب بھی شاید اس عنوان کی وسعت کا حق ادا نہ ہو سکے کیونکہ اس طرح موضوع صرف اردو شعراء تک ہی محدود نہیں رہتا بلکہ اس میں پشتو، فارسی اور ہندکو زبان کی ادبی شخصیتوں کا ذکر بھی ناگزیر ہو جاتا ہے۔ دوسری طرف تین چار صدیوں میں پھیلی ہوئی اردو ادب کی بیسیوں شخصیتوں کی تفصیل بیان کرنے کا بھی یہ مختصر مضمون متحمل نہیں ہو سکتا۔

اس صورت میں میں نے موضوع کو سمیٹنے کی غرض سے اپنے لئے ایک درمیانی راہ تجویز نکالی ہے وہ یہ کہ ان حضرات کو یہاں ان حضرات کے ذکر تک محدود رکھوں جن سے میں نہ صرف بالمشافہ مل چکا ہوں بلکہ ان سے نیازمندانہ مراسم کا شرف بھی حاصل رہا اور نہایت قریب سے ان کی شخصیت کے مطالعہ کا موقع بھی ملا۔

مضمون کو زیادہ جامع اور مکمل طور پر پیش کرنے کی غرض سے میں نے ایک تدبیر یہ سوچی ہے کہ پشتو، فارسی، ہندکو زبانوں اور خود اردو کے قدیم اساتذہ کی ادبی اور علوم شخصیتوں کا سرسری جائزہ لیتے ہوئے آگے بڑھوں اور صرف اردو کے ادیبوں اور شاعروں ہی کا تذکرہ کروں۔

پشتو ادب کی تاریخ تقریباً دو ہزار سال پرانی ہے اس لیے چوڑے عرصہ میں اس نے ہزاروں شاعر اور ادیب پیدا کئے انہیں بنظر غائر دقت نظر سے دیکھا جائے جب بھی سینکڑوں ایسی کثیر ادبی شخصیتیں نظر آتی ہیں جنہیں کسی صورت میں بھی نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔

بیرونی دنیا تو صرف خوشحال خان خٹک اور رحمان بابا کے ناموں ہی سے واقف ہے اس میں شک نہیں کہ پشتو ادب کی تاریخ میں ان بہت بلند

اردو ادب کا آغاز سرحد میں بیسویں صدی کے اوائل میں ہو چکا تھا۔ [illegible] ادبی مشق صاحب [illegible] ظفر کاظم [illegible] زبان نے
نثر میں نے پشتو ادب کی خدمت کی ہے ان میں بیسویں صدی [illegible] کو ایک امتیاز حاصل ہے۔
اس کے علاوہ [illegible] پشاور کا ایک عظیم شاعر ادیب ہے۔
دوسرے دور میں ریاض سرحدی، قتیل شفائی، احمد ندیم قاسمی، رضا ہمدانی، [illegible] شاد [illegible] سرحدی [illegible]
برق گجری، مصطفیٰ [illegible] وغیرہ قابل ذکر شخصیتیں گزری ہیں۔

شائق سرحدی

خصوصاً شائق سرحدی کو [illegible] انقلابی شاعر اور [illegible] کی حیثیت سے بہت [illegible] اہمیت حاصل ہے۔ حقیقی طور پر انہوں نے سب سے پہلے روایتی قدروں سے بغاوت کا نعرہ بلند کیا [illegible] اس پر عمل کر کے دکھایا۔ انہوں نے غزل کا رخ موڑ دیا [illegible] اس کی آواز اس وقت بالکل اجنبی تھی لیکن [illegible] پہلی جنگ عظیم کا زمانہ تھا [illegible] ہندوستانی عوام [illegible] اور [illegible] زندگی کا احساس [illegible] اس وقت تک ملک میں کوئی انقلابی تحریک موجود [illegible] دونوں کی منزلیں [illegible] شائق نے [illegible] عوامی مسائل کو اپنی شاعری کا موضوع بنایا۔ انہوں نے [illegible] شاعری کی روایتی قدروں سے انحراف کر کے نئے رجحانات کو جنم دیا اور [illegible] ماحول کی کایا پلٹ کر دی۔

شائق ایک مکتبۂ فکر، ایک تحریک، ایک ادارہ تھا۔ اس نے [illegible] ماحول میں ایسی انقلابی مشعل روشن کی جسے رجعت پسند [illegible] مخالفتوں کے جھکڑ بھی نہ بجھا سکے۔

مولانا عبدالرحیم پوپلزئی

مولانا عبدالرحیم پوپلزئی اسی مکتبۂ فکر کا ایک بیباک نمائندہ تھے۔ علم و فضل ترکے میں پایا۔ علمائے عصر سے حدیث، فقہ اور تفسیر کی تکمیل کے بعد دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے جہاں شیخ الہند علامہ محمود الحسن صاحب سے کسب علم کیا۔ ۱۹۱۲ء میں فارغ التحصیل ہو کر پشاور پہنچے تو اپنے استاد گرامی کے مشورے سے سیاسیات میں حصہ لینا شروع کیا۔

ان کی شخصیت بڑی دلآویز، بڑی جاذب نظر اور بڑی ہمہ گیر تھی۔ وہ بیک وقت ایک عالم اجل، شعلہ نوا مقرر، اعلیٰ صحافی، بے خوف رہنما، بلند پایہ ادیب اور ایک انقلابی شاعر تھے۔ آپ کی تمام عمر قید و بند میں گزری۔ دوران اسیری ہی میں فالج کا عارضہ ہو گیا۔ [illegible] میں رہا ہو کر آئے تو بستر علالت پر ایسے پڑے کہ پھر اٹھ نہ سکے اور آخر [illegible] کو اس عالم فانی سے رخصت ہوئے۔

آپ سرحدی عوام کے محبوب رہنما تھے۔ اپنی عمر کا غالب حصہ انگریز سامراج کے خلاف جنگ آزادی میں گزارا۔ سرحد میں نوجوان بھارت سبھا اور کانگریس کے بانی مبانی تھے۔ صوبہ سرحد کا نوجوان طبقہ آپ کے خیالات سے بے حد متاثر تھا۔ میں نے طالب علمی کے زمانے میں انہیں کبھی منبر پر خطبہ دیتے دیکھا تو کبھی خاکساروں کے جلوس کی قیادت کرتے پایا اور کبھی کسی عظیم الشان عوامی اجتماع کے سامنے دھواں دھار تقریر کرتے نظر آئے۔

سیاسی الجھنوں اور قید و بند کے مصائب نے آپ کو شعر و سخن کی طرف متوجہ ہونے کا کم موقع دیا تاہم انہوں نے جو کچھ کہا وہ فن کی [illegible]

[illegible]

سائیں احمد علی

[illegible] ہوا تھا [illegible] سائیں [illegible] ——— [illegible]

سائیں نہایت وضع دار [illegible] کے پابند تھے ہر وقت ادب میں بات چیت کرتے۔ صحت زبان و تلفظ کے معاملے میں [illegible] کوئی غلط لفظ استعمال کرتا تو برہم ہو کر فوراً ٹوک دیتے۔

حیات سرحد کا تیسرا دور سرحد میں اردو کی ادبی سرگرمیوں کا دور تھا اور ان تحریکات کی وجہ [illegible] سائیں کی عظیم شخصیت تھی۔ انہوں نے سب سے پہلے پشاور میں پبلک مشاعروں کا آغاز کیا جو [illegible] ایک نہایت موثر ذریعہ ثابت ہوا [illegible] کے ارتقاء [illegible] بزم سخن کی بنیاد رکھی جس نے ادیبوں کو متحد اور منظم کر دیا۔ [illegible] کوششوں کا نتیجہ [illegible] بزم سخن کے تیسرے [illegible] ایک ایسی شمع روشن ہوئی کہ سرحد کے گوشے گوشے سے ادبی [illegible] سائیں کے شعری ذوق اور ان کی عظمت کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ انہوں نے [illegible] شعر و ادب کی بیش بہا خدمات انجام دیں۔ آپ عروض سے بھی واقف تھے اور فن شاعری پر بھی پوری دسترس رکھتے تھے۔ [illegible] پشاور کے شعراء آپ کی عظمت کے قائل تھے اور ان میں سے اکثر آپ سے مشورۂ سخن کیا کرتے تھے۔

آخر عمر میں طبیعت میں تلخی اور چڑچڑاپن آگیا تھا بہت کم بولتے تھے۔ دور دور سے لوگ شوق ملاقات لئے آتے لیکن بسا اوقات بیٹھے بیٹھے رہ جاتے کسی کو جرأت نہ ہوتی کہ انہیں چھیڑے یا سلسلۂ گفتگو چھیڑے ——— کبھی موڈ میں ہوتے اور شعر سنانے لگتے تو بھی کسی کو داد دینے یا لب ہلانے کا حوصلہ نہ ہوتا ——— کوئی بھولے سے داد دے بیٹھتا تو فوراً سوال کرتے۔ بتائیے کیا کہا ہے؟ ——— شعر سنانا بند کر دیتے اور اس کی وہ خبر لیتے کہ آئندہ کے لئے بیجا داد دینے سے وہ ہمیشہ کے لئے توبہ کر لیتا۔

انہیں نمود و نمائش سے نفرت تھی وہ ہمیشہ خاموشی سے سنانا اور سننا پسند کرتے ——— خود بھی بہت کم داد دیتے۔ چپ چاپ سر جھکائے سنتے جاتے ——— کہیں غلطی ہوتی تو سر اٹھا کر معنی خیز نظروں سے دیکھتے اور فوراً اصلاح کر دیتے ——— کبھی کوئی شعر پسند آتا تو سر ہلا دیتے بس یہی ان کی سب سے بڑی داد تھی۔

سائیں کا مشق سخن رات دن جاری رہتا وہ آخر عمر میں چوراسی کو پہنچ گئے تھے عمر کی زیادتی کے باعث قویٰ مضمحل ہو گئے اور عناصر میں اعتدال

زیبا۔ گرکٹی کے پاس بیٹھ ایک شخص دست حبیب سے ایک شعر کے سامنے پہلوانی پیش کرتا ہے بلکہ بہت ملتا ہے۔

اُردو میں غالب اور ذوق سے استادی میں ملتا اور ظرافت سے بہت متاثر تھے۔ استاد کی کسی شعر میں مشغول تھے۔۔۔ گفتگو نہایت سلیقے سے چپکی کرتے۔ کرنیل میں ان کا درجہ بہت بلند تھا۔ بیدل اور ظریف کے وقت طلب شعر آپ کے پاس آتے اور آپ سنتے ہی مع چند شاعروں سے مشکل سے مشکل شعر کر صاف کر دیتے۔

لباس نہایت سادہ پہنتے۔ جوتوں کپڑے پہننے کا شوق نہ تھا بالکل جنوبیوں کی طرح پیشہ رہتے لیکن ایک وقار تھا ان کا بھی۔

بظاہر معاش کا کوئی ذریعہ نہ تھا لیکن آخر وقت تک بڑی شان سے وقت گزارتے رہے۔ ۱۰ اپریل ۱۸۴۲ء کو پانچ بجے بیدل کی مزار پر غالب علم خوب بزرگ شیخ حبیب صاحب کی خدمت کے پاس کے دروازے کے سامنے سپرد خاک کیے گئے۔

بیدل پشاوری

مرزا محمد خان بیدل پشاوری سرحد میں اپنے دور کے اردو اور فارسی شاعر تھے۔ وہ صوبہ سرحد کے قدیم شعراء میں تہا خوش نصیب شاعر ہیں جن کا دیوان ان کی زندگی میں مرتب ہو کر شائع ہو گیا۔ دیوان شائع ہونے سے پہلے برصغیر کے شعراء جیسے ہندوستان کے مشاہیر شعراء حضرت یزدانی، حضرت فصاحت جنگ جلیل، حضرت ریاض خیرآبادی اور حضرت نوح ناروی نے ان کے دیوان کی اشاعت پر خراج تحسین پیش کیا۔

اردو فارسی دونوں زبانوں کے بلند پایہ شاعر تھے فن شاعری میں بھی درک حاصل تھا۔ کلام ہموار ہے ان کی شاعری خاص داخلی شاعری سے کلام میں تغزل اور خود ستائی بہیں گرچہ جاننے والے جانتے ہیں کہ یہ چیز ان کی طبیعت میں جو بعد آخر پائی جاتی تھی اپنے معاصروں کا قدر کرتے کیا وہ تو میر غالب اور اقبال کو خاطر میں نہ لاتے تھے ہر ایک کے سامنے بڑھ چڑھ کر ان پر نکتہ چینی کرتے اور اپنے آپ کو ان سے بہتر اور بلند شاعر قرار دیتے ——— ممکن ہے اقتضائے عمر کے باعث آخر وقت میں یہ بات ان کی طبیعت میں پیدا ہو گئی ہو۔

بیدل نے طویل عمر پائی۔ آخر میں ان کا دماغ تقریباً ماؤف ہو چکا تھا بعض اوقات بڑبڑاتے اور بے دھیان گلی کوچوں میں گھومتے نظر آتے ——— راستے میں جو بھی ملتا اسے با آواز بلند اپنے اشعار سنانے لگتے۔ ہر شعر پر داد طلب کرتے اور دوسرے شعراء کا مضحکہ اڑاتے یہ چیز اتنی بڑھ گئی کہ دوستوں نے ان سے ملنا جلنا ترک کر دیا۔ محلے کے ملنے والے انہیں دیکھتے تو کترا کر نکل جاتے ——— مشاعروں میں کھڑے ہو کر سنانے لگتے تو بس سناتے ہی چلے جاتے، لوگ اکتا جاتے، منتظمین تنگ آ جاتے لیکن آپ کو ذرا احساس نہ ہوتا۔ کوئی ٹوک دیتا تو ناراض ہو کر چلے جاتے۔ یہاں تک کہ انہیں مشاعروں میں مدعو کرنے سے گریز کیا جانے لگا۔ سادگی ان کے کلام کی بڑی خوبی اور سلیقہ بڑا عیب تھا۔ آپ نے ۱۰ اپریل ۱۸۴۲ء کو پشاور میں انتقال کیا اور وزیر باغ کے قریب دفن ہوئے قاضی تصانیف رومی نے قطعہ تاریخ وفات کہا۔

سالِ رحلت رومیٔ آشفتہ حال   گفت بیدل شاعرِ شیریں مقال

۱۲۵۸ھ

رعنا کاظمی

اگر انسانی طبائع میں ذہنی وراثت کو واقعی کوئی دخل حاصل ہے تو مجھے یہ کہنے میں باک نہیں کہ شعر و ادب سے میری طبیعت کا لگاؤ دراصل میرے ننھیال کا عطیہ ہے یوں تو ددھیال میں علم و فضل کی کمی نہ تھی لیکن وہاں شعر و سخن کا رسیا کوئی نظر نہیں آیا۔ برخلاف اس کے ننھیال میں جہاں

[illegible]

[illegible] ہندوستانی کو اس قدر صحیح فارسی بولتے نہیں سنا:

[illegible]

جگر کاظمی

یہ ہیں وہ دوسرے شاعروں میں جو تقریباً ۸۰ برس کی عمر میں بھی مسلسل مشق سخن جاری رکھے ہوئے ہیں۔ یہاں کے بیشتر مشہور شعراء آپ کے حلقۂ تلامذہ میں ہیں جن میں سے حضرت ضیا جعفری اور رضا کاظمی کے نام قابل ذکر ہیں۔ خود [illegible] اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتا کہ شعر و سخن کی طرف میرا رجحان انہی کی توجہ کا مرہون منت ہے [illegible] شاعری کی جانب میں نے کوئی [illegible] اختیار کیا ہوتا۔ [illegible] جب کبھی گھر آتے [illegible] یہ صاحبزادہ شاعر بنے گا؟ پھر مجھ سے پوچھتے "کہیں بتاؤ شاعر بنو گے؟" میں آمادگی میں سر ہلا دیتا اور وہ [illegible] خوشی کے مارے نہ سماتے ——

جگر صاحب یہاں کے اولین ادبی ادارے بزم سخن کے مؤسسین میں سے ہیں اور یہاں کے ادبی ہنگاموں میں ہمیشہ پیش پیش رہے ہیں۔ اردو کے علاوہ فارسی کے بھی بلند پایہ شاعر ہیں خصوصاً اس لئے کہ اس زمانے میں بھی قصیدہ کی صنف آپ ہی کے دم قدم سے یہاں زندہ ہے۔

جگر صاحب ایک متوسط گھرانے میں پیدا ہوئے نو برس کی عمر میں والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ [illegible] کے ہمراہ کلکتہ چلے گئے جہاں مدرسۂ عالیہ میں پانچ سال تک پڑھتے رہے۔ [illegible] میں تعلیم چھوڑ کر دہلی کی طرف کا رخ کیا —— [illegible] نہ ہونے کی وجہ سے سال بھر دہلی میں رہے۔ پشاور پہنچ کر چند دن قیام کیا اور پھر ایک عزیز کے ہمراہ کشمیر جا پہنچے جہاں فارسی عربی کی تعلیم مکمل کی۔

کلکتہ میں قیام کے دوران میں حضرت قیس کلکتوی سے اصلاح لیتے اور مشاعروں میں شامل ہونے لگے۔ ان دنوں داغ مرحوم کی وجہ سے ادبی ہنگامے زوروں پر تھے جگر نے ان صحبتوں سے پورا پورا فائدہ اٹھایا —— دہلی پہنچے تو ایک دن پھرتے پھراتے ایک مشاعرے میں جا پہنچے یہ مشاعرہ حضرت داغ دہلوی کی صدارت میں ہو رہا تھا آپ نے اجازت لے کر غزل پڑھی ایک شعر پر داغ مرحوم نے چونک کر جگر کو دیکھا اور پوچھا "کہاں کے رہنے والے ہو؟" آپ نے بتایا "سرحدی ہوں" —— یہ سن کر انہیں بڑا تعجب ہوا اور بڑی تعریف کی اپنے برابر بٹھایا اور فرمایا ——

ہم نے یکجا کئے ہیں سرحد کی بلندیوں کا ملک جو ہماں نمود کرتی جاتی ہیں وہ ہر کہیں تبدیلی زبان و ذوق میں مضبوط شیخ مسعود ہیں۔ نظم و تربیت تحت لکھے ہیں مسلوب مکاتب لکھے ہیں —— جنا و بہار قسم کے آدمی ہیں طبیعت میں بلا کا جوش ہے لیکن تحریر نہیں —— بنتہ سادہ زندگی میں لیکن طبیعت میں جولانی ہے۔ بحث اعلیٰ اور ذوق میں اعتدال ہے —— شاعری سے زیادہ نثر پر توجہ مرکوز ہے ہیں وہ اس سلسلہ میں لگے ہیں جو شعرا اور احباب کرد کی پکڑ میں۔

جگر صاحب عہد قدیم کے ناموں میں آپ نے محصوروں کے سے صرف کامل صفات حیات ہیں۔ آپ بہادر مرحوم نے سعد کی تربیت کے سلسلہ میں قابل قدر خدمات انجام دی ہیں وہ ایسے وقت میں اور کی شمع روشن کی جب کہ یہاں کا ماحول تیرہ و تار تھا —— آپ نے عظیم مشاعرے اور ادبی ہنگاموں کے ذریعے لوگوں میں ادبی ذوق پیدا کیا اور آج سرحد میں ادب جس بلند مقام پر نظر آتا ہے اس میں آپ کی مساعی کا بڑا غالب حصہ ہے۔

قاضی محمد عمر قضا

قاضیوں کے مشہور گھرانے میں پیدا ہوئے علم و فضل ترکہ میں پایا۔ شعر گوئی کا ذوق گھر ہی میں پروان چڑھا کچھ عرصہ مرزا جری سے غائبانہ اصلاح لیتے رہے تمام عمر شعر کہتے اور حقہ پیتے گزر گئی۔ والد کی وفات کے بعد ایک معقول جائیداد ترکہ میں پائی۔ ساری عمر کوئی دھندا نہ کیا۔ بیٹھ کر کھاتے رہے اسی مشغلے میں تمام جائیداد پھونک ڈالی حتیٰ کہ رہائشی مکان تک نہ رہا۔ کتابیں جمع کرنے کا شوق جنون کی حد تک رہا —— ان کی لائبریری میں فرانسیسی، انگریزی، عربی، فارسی، انگریزی، پشتو اور اردو کتب کا ایک نہایت قیمتی ذخیرہ موجود ہے جن میں بڑے بڑے نادر نسخے بھی ملتے ہیں ابتدا میں گھڑ سواری، شطرنج کا بہت شوق تھا لیکن شاعری کے شوق نے باقی تمام شوق جلا دیئے۔

قضا عالم فاضل شخص ہیں اور اہل علم کی قدر کرتے ہیں لیکن نقادانہ طبیعت سے کوئی شخص بھی محفوظ نہیں رہتا۔ ان کی عمر اس وقت ۸۰ برس ہے سماعت جاتی رہی، بصارت کمزور ہو گئی، اعضا مضمحل ہو گئے لیکن دل و دماغ صحیح ہیں۔ ہوش و حواس قائم ہیں —— اب بھی باتوں میں وہی تیکھا پن وہی خشاس، وہی لذت —— مادری زبان ہندکو ہے لیکن ہمیشہ اردو بولتے ہیں یہاں تک کہ گھر پر بھی اردو ہی میں باتیں کرتے ہیں —— صاف اور شستہ اردو —— گو ٹھیٹ دہلی کی زبان ——

قضا نہایت مشاق اور ممتاز شاعر ہیں انہیں ادبیات سرحد کی تاریخ میں ایک نمایاں مقام حاصل ہے —— وہ اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہتے ہیں۔ اصناف سخن میں صرف غزل کو اپنایا اور اسے عروج پر پہنچایا۔

قضا کو ہم سرحد کا غالب کہیں تو بیجا نہ ہوگا۔ غالب کی طرح انہیں اپنے فارسی کلام پر ہمیشہ ناز رہا اور اردو مجموعے کو بے رنگ کہتے رہے لیکن ان کی شہرت و عظمت کا باعث یہی اردو مجموعہ ثابت ہوا —— غالب کی طرح بیدل اور نظیری سے بے حد متاثر ہیں اس لئے اوائل میں طبیعت نہایت دقت پسند تھی اور طرز بیدل میں ریختہ لکھنے کو اپنے نمود سخن کی معراج سمجھتے تھے چنانچہ ابتدائی غزلوں میں ان کا یہی مرغوب انداز ملتا ہے۔

یک جہاں جلوہ محو اضطراب ضبط دل
کاکم التار، سے قضا بر آئینہ سیماب تھا

لیکن رفتہ رفتہ سادہ اور سلیس زبان میں غزل کہنے لگے زبان اور محاورہ پر عبور حاصل تھا یہ اسلوب اتنا مقبول ہوا کہ انہوں نے اپنے لئے منفرد مقام حاصل کر لیا ——

آؤ دم بھر بیٹھیں بیدل کر ادھر چلیں ہے ربط ان کے ناز کو نا آشنا کے ساتھ

[illegible]

[illegible]

بہت سے ... [illegible]

کاپی پر منتقل کر لیتے ہیں۔

[illegible]

غلام محمد غوثی سرحدی

۱۹۲۳ء میں تعلیم ادھوری چھوڑ کر گھر سے نکلا اور تلاش معاش میں دہلی ہوتا ہوا کلکتہ جا پہنچا۔ وہاں پشاور کے جواں سال شاعر اختر امینی کے ذریعے غلام محمد غوثی سے تعارف ہوا۔ آپ صحافی بھی ہیں، شاعر بھی اور عروضی بھی ——

بیس برس کی عمر میں اپنے وطن مالوف پشاور کو چھوڑ کر کاروبار کے سلسلے میں کلکتہ آتے ہوئے اور وہیں کے ہو رہے۔ غزل کے شاعر ہیں۔ غزل قدیم رجحانات کی آئینہ دار ہے۔ آغا حشر مرحوم اور وحشت کلکتوی کے جلیسوں میں سے ہیں۔ نہایت ثقہ قسم کے بزرگ ہیں۔ نشست خیالات رکھتے ہیں۔ شروع ہی سے کانگرس کے ساتھ تھے اور آج بھی ان کی وضعداری اور اصول میں کوئی فرق نہیں آیا۔ بارہا قید و بند کی صعوبتیں بھی جھیلیں۔ تمام عمر بنگالہ بازار میں گزری —— صوفی منش بھی ہیں اور رند مشرب بھی —— ان کی زندگی عجیب ہنجار سے گزری۔ کبھی سونے چاندی میں کھیلے ہیں تو کبھی فقر و فاقہ —— خوش پوش اور خوش ذوق انسان ہیں۔ ہر وقت فکر سخن میں کھوئے نظر آتے ہیں۔ میری فنی تربیت میں غوثی صاحب کا بڑا حصہ ہے۔ اگرچہ میں نے

صرف چند اشعار غزلوں پر ہی ان سے ... کام ہے ... اپنی نظر کر دیتے ہیں اور سب سے ... [illegible]
انہیں کے سپرد ہے۔

[illegible] میں پشاور سے ملتان آئے۔ انہوں نے ملتان کی ادبی محفلوں میں شرکت کا موقع ملا اور میری ملاقات ان سے ہوئی ... اور یہ پشاور سے بالکل تبدیل ہو کر ان مشاعروں میں باقاعدہ حصہ لینے لگا۔

اس وقت ملتان کی ادبی جماعت بزم ... بڑی سرگرمی سے کام کر رہی تھی۔ وہ ... کے ساتھ جہاں حال ادبی اور ... کے لئے ملتان کی ... تھی۔ اس کے صدر محمد شاہ برق تھے۔

محمد شاہ برق

برق صاحب نہایت پرگو اور حاضر دماغ واقع ہوئے ہیں ہمیشہ مشاعرے ... بیٹھ کر ... غزل کہہ لیتے —— وہ ... کی ... کر کرامات کئے اور واپسی پر ایک ... میں ... —— تو ... شعر و سخن کے مشغلے ... برق تو ... کے ... یا میر عباس مرحوم کے قہوہ خانے میں جا بیٹھتے جہاں احباب جمع ہونے لگے ادبی بحثیں ہوتیں ... کی جاتی اور ... شعراء کے کلام پر اصلاح ... جاتی۔ یہاں تک کہ ایک ... بن جاتی ... اور آپ ... ایک ہی ... اب گوشہ عزلت اختیار کر لیا ہے اور ادبی دنیا سے بالکل کنارہ کش ہو گئے ہیں۔

ہنس مکھ اور ملنسار ... چائے پیتے اور سب ... شعر کہنے کی وجہ سے بدنام تھے لیکن ... کثرت چائے نوشی کا ... رہے ہیں۔

خالص ملکی

ملتان ادب میں ایک سفید ریش بزرگ کبھی کبھار تشریف لاتے تھے۔ ضعیف العمر، دائم المریض لیکن زندہ دل، سنجیدہ اور باذوق —— معلوم ہوا وہ یہاں کے مشہور اساتذہ میں سے ہیں اور انہیں خالص ملکی کہتے ہیں۔

دماغ ذہین پایا تھا مشرقی علوم پر عبور حاصل تھا خصوصاً شعر فہمی میں تو اپنی نظیر آپ تھے۔ طبیعت وقت پسند تھی۔ بیدل، نظیری اور غالب سے بہت متاثر تھے اور انہی کی تقلید میں خود بھی فارسی اور ... زبانوں میں نہایت الجھے ہوئے شعر کہتے تھے لیکن ... کے بڑے ماہر تھے یہاں تک کہ اس کی اصلاح میں غالب کی ... سے بھی دریغ نہ کرتے۔

خالص کے اصل حریف ... کے ... جگر ... تھے۔ ابتدا ہی سے ان میں ... اور یہ چشمک آخر تک قائم رہی۔ ان کا سب سے بڑا مشغلہ ایک دوسرے کی مخالفت کرنا تھا۔ خالص جہاں بیٹھتے جگر پر کڑی تنقید کرتے اور جگر ہر ملنے والے سے خالص کی شکایت کرتے —— لیکن خالص فوت ہوئے تو سب سے زیادہ قلق جگر کو ہوا۔ وہ ... کہتے تھے خالص کے اٹھ جانے سے ہماری شاعری ختم ہو گئی اور یہ حقیقت ہے کہ خالص کی وفات کے بعد جگر بالکل گوشہ نشین ہو کر رہ گئے۔

خالص آزاد مشرب اور وسیع النظر انسان تھے ان کے والد اہل سنت والجماعت سے تعلق رکھتے تھے۔ ہوش سنبھالا تو اہل حدیث ہو گئے پھر شیعہ ... اثنا عشری ہوئے۔ ... کہیں سے خواجہ ... سے متاثر ہوئے۔ کچھ دن عیسائیت کی طرف ... پھر ... صاحب کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور آخر میں سب ... آزاد ہو گئے۔ نہایت خوش خلق اور ... واقع ہوئے تھے ... [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] ——— [illegible]

[illegible] فروری [illegible] میں پشاور میں انتقال کیا اور وہیں دفن ہوئے ۔

رضا حسین رضا ہمدانی

اسی دوران میں رضا ہمدانی سے میرا تعارف ہوا جس نے آگے چل کر ایسے گہرے تعلقات قائم ہوئے کہ ہماری رفاقت دوستوں کے حلقے میں ضرب المثل بن گئی اور ہم ایک دوسرے کے نام سے پہچانے جانے لگے

رضا ہمدانی سے میری پہلی ملاقات بزمِ سخن کے ایک مشاعرے میں ہوئی اور پھر جان پہچان ہوئی تو یہ سلسلہ بڑھتا ہی بڑھتا گیا ——— میں نے [illegible] غزل [illegible] فارسی اور ترکمانی قابلیتوں میں رضا [illegible] میں پیش ہوئے بھی [illegible] دیکھا ——— رضا کی دوکان پر ہر وقت شعراء کا جمگھٹا سا رہتا ، اور وہ اپنے [illegible] روزی کے کمانے [illegible] میں مصروف

رضا بزمِ سخن کا جنرل سیکرٹری تھا ۔ بزم کا حقیقی دفتر رضا کی دوکان ہی تھی معاشی دھندے کے بعد اس کا سارا وقت ادبی خدمت کی نذر ہو جاتا۔ ایک مدت تک رضا کی انگلیاں [illegible] سوئی سے کھیلتی رہیں ——— وہ قمیضوں اور شلواروں کے [illegible] کرتا رہا اور معاشی [illegible] اس کے واسطے ناقابل رفو صورت بنی رہی ۔ یہاں تک کہ ایک دن وہ روزگار سے [illegible] کر کے [illegible] دیکھا گیا ۔ یہاں بھی ہم مشرب احباب کا جمگھٹا رہنے لگا ۔ [illegible] یہ سلسلہ کب تک چلتا ۔ آخر اس نے اس [illegible] سے بھی [illegible] میں ایک چھوٹی سی [illegible] کی دوکان کر لی [illegible] ——— جس میں شاعری زیادہ ہوئی اور دوکانداری کم ———

ماہنامہ بزم سخن کی باہمی چپقلش، شاعروں، ادیبات کے جھگڑے اور تحریکیں گرفتہ، ملک سے ہر جگہ مشکیں ان کا عمل ہوا اور شاعروں کی سرپرستی میں رہ
جانے کے بعد بھی بزم سخن کی حیثیت کا یہ عالم تھا کہ جب فاضل نے اسمبلی کی اس کو شکست دی ——— ملازم ہونے کے
کے ساتھ وابستہ تھا، اور منافع میں کبھی شامل تھا ——— ہم دونوں بزم روزانہ کے موضوع پر بروقت بیٹھتے اور کل مشاعرہ بعد
کی سرپرستی کو بھی دیکھتا ——— اس تحفہ کو پیش کرنے کے لئے ہم نے ایک ملک جماعت بنانے کا فیصلہ کیا اور تجویز ہی پیش کی بزم سخن اور
دائرہ ادبیہ سے قطع تعلق کر کے ادبستان کا سنگ بنیاد رکھا۔ ... رضا کی اہل سرگرمیاں مشاعروں کے صدر کی حیثیت سے شرکت کا سبب
اشتہار گرکی ماہنامہ ندا اور ہفتہ روزہ شہاب ابھی یادگار ہیں۔

جب معاشی بحران نقطۂ عروج کو پہنچ گیا تو رضا نے میری صحبت میں پشاور سے ہجرت کر کے راولپنڈی کو جا بسایا۔ وہاں بھی اپنی جاگیروں سے
ساتھ ہی چھاپہ خانہ بھی جاکر ہفتہ وار شہاب کا اجرا کیا اور جب شہاب بند ہو گیا تو اس کی جگہ صحافت کو ذریعہ معاش بنانے کی کوشش کی
لیکن وہاں بھی ہم لوگ رہے۔ چنانچہ بجلی ترقی اردو بورڈ کی سروے رپورٹ مسودہ سلسلہ کے تحت ۱۹۔ نمبر میں پڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ دلچسپ
کتابچے سالہ ادبی پروٹ۔ رضا ہی کے تذکرہ شعرا کا نتیجہ بھی ہو سکتے ہیں۔ اردو کی ایک مجلس کا نتیجہ ہے

دوسری جنگ عظیم کا دور بہار ملک کے اہل ادب سے متعلق ہے۔ ادبستان کی وہاں سے ہمیں والی تنگ پر کیا اور جب ہم پشاور پہنچے تو دوری
معاش کا سوال اپنی بھیانک صورت میں ہمارے سامنے آ کھڑا ہوا۔ اسی زمانے میں ہم دونوں نے طبی وزن اختیار کی۔ اور کچھ عرصہ بعد ——— قرطاس
قالینوں کی بجائے جسم انسانی کے زخموں کو رفو کرنے لگے۔

آج غیر شاعرو ادیب رضا ڈاکٹری کی حیثیت سے جانتی ہے۔ اب وہ ملازمت سے تو بے نیاز ہے لیکن شعر و ادب سے بے نیاز نہیں ———
سنگ میل کا جبری اجرا بھی اس کے تخلیقی جذبے میں شکست گزر نہ ہو سکا۔ چنانچہ اس وقت وہ بے شمار کتابوں کا مصنف ہے۔

رضا کی شاعری پر مقصد بھی ہے اور فن بھی ——— دل کی باتیں بھی ہیں اور دماغ کی بھی ——— ادب کی چاشنی بھی ہے اور حسن کی حرارت بھی
اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس میں وہ خلوص ہے جو شعر کو تصنع اور تعقد سے پاک اور منزہ رکھنے میں مدد دیتا ہے۔

رضا ادبیات سرحد کا ایک ناقابل فراموش باب ہے وہ سچا رفیق، مخلص فنکار اور ان تھک ادبی کارکن ہے ——— وہ سادہ وضع، سادہ دل
اور سادہ لفظ انسان ہے اس کی ادبی خدمات کا پلڑا بہت بھاری ہے اس نے پہاں دور جدید میں نہایت اہم پارٹ ادا کیا ——— وہ سب سے پہلا
سرحدی ادیب ہے جس نے پشتو لٹریچر کو اردو داں طبقے سے متعارف کرایا یہی کارنامہ اس کا نام زندہ رکھنے کو کافی ہے لیکن اس کے علاوہ بھی اس
نے بہت کام کیا اس کی نظم و نثر تحقیقات بے پایاں ہیں وہ گزشتہ پچیس برس سے خدمت ادب میں منہمک ہے۔ وہ گلشن ادب کا ایک سدا بہار پھول
ہے ایک مکتبۂ فکر ہے، ایک تحریک ہے ———

جعفر علی جعفری

جعفری کو میں نے دیکھا تو وہ نابینا تھے لیکن کہتے ہیں کچھ عرصہ پہلے ان کی آنکھیں اچھی بھلی تھیں دوکانداری کرتے تھے اور ان کی دوکان پشاور
کے شعراء کا سب سے بڑا مرکز تھی۔ بینائی کے ساتھ دوکان بھی جاتی رہی لیکن اس حادثے نے ان کے شعری ذوق کو مضروب کرنے کی بجائے اور جلا دی اور
وہ پہلے سے کہیں زیادہ بڑھ چڑھ کر شعر و سخن میں دلچسپی لینے لگے۔

جعفری بزم سخن کے خادم تھے اور اس بزم کی تمام تر سرگرمیاں انہی کی مرہون منت تھیں۔ مشاعروں کے لئے پنڈال سجانا، شعرا کو بلانا، طرح دینا
تقسیم کرنا ——— غرض کہ سب کچھ جعفری ہی کو کرنا پڑتا۔ اس کے علاوہ وہ تمام نوآموز شعرا کے کلام کی اصلاح بھی کرتے اور مشاعروں کو کامیاب بنانے

[illegible] ۔۔۔ [illegible] ضرور تھی۔

[illegible] ۔۔۔ [illegible]

[illegible]

[illegible]

ہائے [illegible]
جب [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] یہ حالت دیکھ کر دل بھر آتا [illegible] وہی جعفری ہیں جن کی باتوں سے پھول جھڑتے تھے [illegible] ان کے سامنے ہنستے ہنستے [illegible] جنہیں دیکھ کر لگتا آب حیات کا دور [illegible] متعلق لکھا ہے۔

[illegible] جعفری کی زندہ دلی کا جنازہ اس دن نکلا جس دن ان کی جوان سال اکلوتی لڑکی اچانک فوت ہوگئی۔ اس زخم نے جعفری کی زندگی کو بے کیف [illegible] اور ان کا دل یک لخت دنیا اور دنیا کے ہنگاموں سے اچاٹ ہوگیا۔ ادبی محفلوں میں جانا چھوڑ دیا اور گوشہ نشینی اختیار کرلی۔
جعفری نے تقریباً دو برس کی طویل علالت کے بعد جون [illegible] میں وفات پائی۔

ضیا جعفری و عبدالودود قمر

حلقہ ادبیہ میں یوں تو بہت سے نوجوان ادیب موجود تھے لیکن ضیا اور قمر اس ادارے کی روح رواں تھے۔ انہوں نے بڑے عزم سے بغاوت [illegible] حلقہ کی بنیاد رکھی اور اپنی انتھک کوششوں سے اسے انتہائی عروج تک پہنچایا۔ جب [illegible] حلقہ ادبیہ میں آیا تو ضیا اور قمر کا طوطی بول رہا تھا۔ اس وقت [illegible] کے طول و عرض [illegible] اچھے اچھے لکھنے والے موجود تھے لیکن ان دو شخصیتوں کے سامنے سب کے سب [illegible]

پاپیچے معلوم ہوتے تھے۔

ضیا اور قریشی کی رفاقت ادبیات سرحد کا ایک سنہری باب ہے۔ افسوس کہ صرف شاید ان کی سرگرمیاں [illegible] شکست ہو گئیں جیل کھول کر [illegible] نے یہ شعر انعام کیا ـــــ یہی تھیم اور جبیوں کی زبانی ہے۔ [illegible] کی نزدیک مقصد سے بنانت کیسے جو ملاقات کے [illegible] ہمراہی اور ستے لکھنے والوں کی صحت مند تربیت سے۔ ان کے ادب میں تند، تندوری اور جذب نگاہی کے جذبے کو ختم ہوا۔

ضیا اور قریشی کی ملاقات ... [illegible] قریشی جمال کا قرب ... [illegible] ضیا بھی [illegible] دونوں ایک دوسرے کو دیکھے بغیر گھائل ہوئے [illegible] دونوں [illegible] دونوں عروض کے شیدائی اور شعر و ادب کے رسیا تھے۔ ضیا نے قریشی [illegible] لگا کر ... [illegible] دونوں نے ایک ہی پیر کا [illegible] بیعت کی [illegible] ساتھی بن گئے۔

ضیا اور قریشی کو ایک دوسرے سے علیحدہ کر کے نہیں دیکھا جا سکتا۔ وہ دونوں [illegible] کی سرحد کے ادبی ماحول میں روشنی کا مینار ہیں [illegible] ادب [illegible] ان کے ساتھ [illegible] ادبی کاروں [illegible] ہوتا ہے [illegible] حصہ [illegible] دونوں [illegible] دینی تربیت اور لکھنے لکھانے کی ترغیب انہی سے [illegible]۔

ضیا اور [illegible] حیثیت حاصل ہے۔ [illegible] سب سے پہلے [illegible] انہوں نے [illegible] ادبیت کا ایک [illegible] وہ پہلی تنظیموں کی جماعت [illegible] ادبی ... [illegible] نہیں [illegible] بچانا ــــ

ضیا کے کلام کی سب سے بڑی خصوصیت ان کی روایت ہے۔ وہ صوفی منش بھی ہیں اور [illegible] ــــ ان میں فراخ دلی بھی ــــ ان کے ہاں جیسی [illegible] اور زندگی کے [illegible] ــــ وہ ان کے [illegible] ہیں اور مقصد کے شیدائی بھی ــــ

ضیا کی زندگی اور فن میں جتنی مطابقت پائی جاتی ہے وہ شاید ہی کسی ادب نگار کو نصیب ہوئی ہو ــــ صوفی منش ہونے کے باوجود روزمرہ زندگی میں ایک صلح کل انسان ہیں ــــ ہر مذہب، ہر فرقے اور ہر مشرب کے لوگوں سے گھل مل کر رہتے [illegible] خلوص و محبت سے پیش آتے [illegible] ــــ [illegible] ادب میں بھی وہ ایک [illegible] کی شخصیت رکھتے ہیں۔ وہ [illegible] کسی مخصوص [illegible] نہیں ہوتے۔ کسی ایک مکتبہ فکر سے وابستہ نہیں ہوتے۔ کسی خاص عقیدے سے [illegible] عقیدہ نہیں رکھتے۔

ضیا کی ایک بڑی صفت ان کی وسیع النظری ہے وہ تنگ نظری اور تعصب سے کوسوں دور ہیں اور جھوٹی وضع داری کے قائل نہیں۔ وہ [illegible] ہیں نہ بد خود غلط ــــ اسی چیز نے ان کے فن کو بڑا فائدہ پہنچایا اور انہیں ہمارا [illegible] بنا دیا۔ انہوں نے جو کچھ کہا سوچ سمجھ کر کہا۔ خلوص اور دیانت داری سے کہا ــــ

ضیا کی رعنائی، زندہ دلی اور بذلہ سنجی ضرب المثل بن چکی ہے [illegible] سنجیدہ نہیں رہ سکتے۔ [illegible] ان کی کمزوری بھی ہے اور خوبی بھی ــــ [illegible] علمی گفتگو میں بہت دلچسپی لیتے ہیں، گھنٹوں بولتے ہیں لیکن سنجیدہ سے سنجیدہ بحث کے دوران میں ایک آدھ فقرہ ایسا کہہ جاتے ہیں جس سے بحث کی ساری سنجیدگی درہم برہم ہو کر رہ جاتی ہے۔ در اصل زیادہ سنجیدہ فضا میں ان کی روح گھٹنے لگتی ہے۔ ان کی طبیعت میں مزاح بہت ہے اور جب انہیں مزاح کا دورہ پڑے یا کوئی چٹ پٹا فقرہ ان کے ذہن میں آ جائے تو اسے روکنا ان کے بس کا روگ نہیں ہوتا۔

ضیا محفل کی جان، مشاعروں کی رونق اور ادبیات سرحد کے بوستان کا لالہ احمر ہیں۔

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

سردار عبدالرب نشتر

نشتر صاحب کو شاعر کی حیثیت سے [illegible] سیاسی رہنما کی حیثیت سے زیادہ لوگ جانتے ہیں [illegible] اردو [illegible] ایک [illegible] حیثیت کے مالک ہیں۔ طالب علمی کے زمانے میں [illegible] شعر و سخن میں دلچسپی لینے لگے [illegible] کے چھپنے [illegible] پشاور میں [illegible] شعر بھی کہتے [illegible] ادبی محفلوں میں بھی شریک ہوتے رہتے۔ [illegible] آبادی [illegible] ہے۔

شروع میں نیشنلسٹ خیالات رکھتے تھے اور کانگرس کے سرگرم کارکن تھے۔ [illegible] نیشنلسٹ مسلمانوں کی طرح کانگرس کو متعصب ہندوؤں کی جماعت سمجھ کر اس سے کنارہ کش ہو گئے اور مسلم لیگ میں شامل ہو کر مسلمانوں کی علیحدہ ریاست کے قیام کے لئے کوشش کرنے لگے۔

انہوں نے ایک وکیل کی حیثیت سے اپنی زندگی کا آغاز کیا اور ترقی کرتے کرتے حکومت کے اعلیٰ عہدوں تک پہنچ گئے۔ پاکستان کے چوٹی کے رہنماؤں میں شمار ہوتے ہیں ——— فارسی، انگریزی، اردو اور پشتو کے نہایت اعلیٰ مقرر ہیں۔

اب عمر ڈھل چلی ہے لیکن [illegible] نہیں جاتا۔ آنکھوں کی چمک اور چہرے کی شگفتگی برقرار ہے انہیں دیکھ کر یہ بات بے حقیقت معلوم ہوتی ہے کہ شاعر

کے لئے یہ صورت [illegible] ہے۔

میر ولی اللہ

میر صاحب ضلع ہزارہ کی ممتاز ادبی شخصیت ہیں۔ وہ ادیب، محقق اور مستند نقاد ہیں۔ [illegible] تمام عمر خدمت ادب میں گزاری [illegible] شگفتہ اور علمی حیثیت کے لکھتے ہیں [illegible] [illegible] پیشہ [illegible] [illegible] ہے۔ قوی بحال اور صحت برقرار ہے۔

[illegible] آپ انگریزی، فارسی، عربی اور [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] ہندوستان کے [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] ہے۔

میر صاحب کی شخصیت جامع [illegible] [illegible] ایک وقت [illegible] [illegible] [illegible] لکھتے ہیں۔

میر صاحب [illegible] [illegible] کے حامل ہیں۔

میر صاحب [illegible] کے [illegible] ہیں جو تمام اصناف ادب پر [illegible] [illegible] [illegible] ہیں۔

آپ [illegible] [illegible] [illegible] ہیں [illegible] زیست کے اوقات میں تصنیف و تالیف کا محبوب مشغلہ ہے۔

وحید المؤرخین حاجی سرحدی

راولپنڈی کے قیام کے دوران [illegible] [illegible] ملنے کا اتفاق ہوا جو بڑی [illegible] شخصیت کے مالک تھے۔ [illegible] [illegible] تاریخیں ارشاد فرمائیں [illegible] [illegible] وقت [illegible] وحید المؤرخین حضرت حاجی سرحدی [illegible] ابتداء میں گورنمنٹ [illegible] [illegible] [illegible] کے [illegible] راولپنڈی [illegible] اور اس سرزمین [illegible] وفات بھی وہیں پائی۔

نہایت پر گو واقع ہوئے تھے عمومی طویل [illegible] [illegible] کا بے پناہ ذخیرہ ترکے میں چھوڑا لیکن بدقسمتی سے کوئی مجموعہ چھپ نہ سکا۔

حاجی سرحدی مرحوم اپنے دور کے ممتاز شاعر تھے لیکن ان کو شہرت ایک تاریخ گو کے طور پر ہی کی تاریخ گوئی میں انہیں جو مہارت تامہ حاصل تھی [illegible] پاک و ہند کی مشاہیر شخصیتوں نے انہیں بیسویں صدی کا سب سے بڑا تاریخ گو تسلیم کرتے ہوئے وحید المؤرخین کا خطاب دیا۔

جن حضرات کو حاجی مرحوم سے شرف نیاز حاصل ہوا ہے وہ اس امر کی تائید کریں گے کہ فی البدیہہ تاریخ کہنے میں آپ کس قدر ماہر واقع ہوئے تھے۔ باتوں باتوں میں یوں بے تکلف تاریخ کہتے جیسے [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] آپ نے دنیا کی مشاہیر شخصیتوں کے متعلق ایسی [illegible] تاریخیں کہیں جو اردو ادب کے گراں بہا ذخیرے کے طور پر محفوظ رکھنے کے قابل ہیں۔ آپ نے [illegible] بے بدل تاریخیں یادگار چھوڑیں۔ آخر عمر میں [illegible] تاریخ گوئی پر ایک [illegible] کتاب بھی لکھ رہے تھے جسے مکمل کرنے کی موت نے فرصت نہ دی۔

ذوالفقار بخاری

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] ایک ہی نشست میں غزل کہتے ہیں [illegible] اور اسلوب کا خیال رکھتے ہیں۔ اشعار کی [illegible] بٹھانے میں انہیں خاص کمال حاصل ہے۔

فہمیدہ اختر

[illegible] گھرانے کی [illegible] قدر کی یہ نوجوان خاتون ادبی حیثیت سے بہت اونچی شخصیت رکھتی ہیں۔ [illegible] بہت بڑی افسانہ نگار ہیں۔ ادبی ذوق گھٹی میں پڑا تھا۔ طالب علمی کے زمانہ ہی سے علم و ادب میں دلچسپی لینے لگیں۔ [illegible] گرلز ہائی اسکول میں سب سے پہلا ادبی انجمن بزم ادب کی بنیاد رکھی اور اس کی جنرل سیکرٹری مقرر ہوئیں۔

سرحد میں خواتین مسلم لیگ کی بنیاد پڑی تو آپ کو خیال ہوا کہ سیاست میں حصہ لینے لگیں اور قیام پاکستان کے سلسلہ میں انتھک کام کیا۔ [illegible] میں ادارۂ تعمیر نو میں شامل ہونے سے ادبی جذبہ پھر تازہ ہوا اور چند ایک اچھے افسانے پیش کرنے کے بعد پھر سیاست کی بھول بھلیوں میں کھو گئیں۔ لیکن ایک عرصہ تک سیاست کے خارزار میں بھٹکنے کے بعد احساس ہوا کہ ان کی توانائی کا ایک خاص حصہ [illegible]

چاہا ہے۔ مسلک [illegible] کے [illegible] انہوں نے [illegible] تھے وہ [illegible] بھی [illegible] تک [illegible]
[illegible] کی [illegible] آگئی چنانچہ انہوں نے نہایت محنت اور کاوش سے چند [illegible] حیثیت [illegible] ہوگئی۔

[illegible] کے [illegible] میں [illegible] ہے انہوں نے اپنے [illegible]
کی [illegible] خصوصیت ہے [illegible] نہیں [illegible] لکھے [illegible] ہے۔

نثار عزیز

[illegible] اپنی شخصیت [illegible] سے [illegible] ہیں [illegible] شادی کے [illegible]
[illegible] ہوتی [illegible]

[illegible] ہی لکھے ہیں [illegible] شہرت [illegible]
[illegible] کے [illegible] ہے۔

[illegible] کے [illegible] کے [illegible] ہیں [illegible] کے [illegible]
[illegible] نہیں [illegible] پھر بھی [illegible]
سے پڑھنا شروع کر دیا [illegible] کے [illegible]

قتیل شفائی

قتیل کو [illegible] اس وقت سے جانتا ہوں جب سے [illegible] ادب کے [illegible] اور قتیل کے [illegible] بہت [illegible]
وہ اس وقت شعر [illegible] ذوق [illegible] تھا۔ [illegible] کی [illegible] جنہیں اپنے [illegible]
کی بات ہے۔ وہ [illegible] سے [illegible] جب [illegible] میں [illegible] کی ملازمت [illegible]

تھوڑے عرصہ بعد ہی قتیل کا نام اخبارات اور رسائل میں نظر آنے لگا۔ وہ پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہ [illegible] کے [illegible]
اس ابتدائی ملاقات [illegible] یہی وجہ ہے کہ آج تک ہمارے مخلصانہ تعلقات جوں کے توں قائم ہیں۔

قتیل کی منفرد شخصیت میں اس کی خود [illegible] ہے۔ وہ بہ خود غلط انسان نہیں اپنی کمزوریوں کا بھی سے احساس ہے لیکن [illegible]
بھی اس سے ڈھکی چھپی نہیں۔ وہ محنتی ہے ذہین ہے اور اس کے ساتھ ہی ساتھ حوصلہ مند بھی ہے۔ اسے موجودہ مقام تک پہنچنے میں بڑی جگر [illegible]
سے کام لینا پڑا۔ قدم قدم ناکامیوں سے سابقہ پڑا لیکن وہ مایوس نہ ہوا اور ایک دفعہ جو قدم آگے بڑھایا اسے کسی قیمت پر بھی پیچھے نہ ہٹایا۔

قتیل دوستوں کا دوست اور دشمنوں کا دشمن ہے وہ منافقت نہیں جانتا۔ صاف دلی اور صاف گوئی اس کی وہ خصوصیات ہیں جو بسا اوقات
اس کے لئے بڑی نقصان دہ بھی ثابت ہوئیں لیکن مقتضائے طبیعت کے باعث وہ ان چیزوں کو ترک نہ کر سکا۔

قتیل کی شاعری کی ابتدا بھی گیتوں سے ہوئی اور شاید اس کی انتہا بھی گیتوں ہی پر ہو وہ [illegible] ہے۔ اور خوب [illegible] اس کا مزاج
گیتوں کے لئے بنا ہے وہ حسن اور رومان کا شاعر ہے گیتوں کا شاعر ہے اس کی غزلوں اور نظموں میں بھی گیت ہی بنتے بنتے نظر آتے ہیں۔

قتیل کے گیتوں کی نمایاں خصوصیت ان کی رفعت اور ہمہ گیری ہے اس کے گیتوں میں دیہات کے الھڑ اور سادہ باشندوں کے بے لوث اور
خالص جذبات و احساسات کی دھڑکنیں سنائی دیتی ہیں [illegible] جو اردو شاعری کی دوسری اصناف کو فارسی کی تقلید کی وجہ سے نصیب

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] سے بہت آگے نکل گئے [illegible]

[illegible] نے اپنے [illegible]

[illegible] زندگی گزار رہے ہیں۔

موسےٰ خان کلیم

سب سے پہلے [illegible] میں ماہنامہ "[illegible]" کے سلسلہ میں ان کا نام سننے میں آیا۔ انہی دنوں نہ صرف ان کا نام سنا بلکہ انہیں دیکھنے کا اتفاق بھی ہوا۔ وہ خود ڈیرہ اسمٰعیل خاں سے چل کر علمی معاونت حاصل کرنے کے لئے پشاور آئے۔ ڈیرہ جیسے دور افتادہ مقام سے ایک بلند پایہ ادبی پرچے کا اجراء کلیم ہی کا کام تھا اس پرچے کو کامیاب بنانے کے لئے انہوں نے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا لیکن ان ناسازگار حالات میں وہ پرچہ [illegible] اور وہ بمشکل تمام سال بھر تک زندہ رہ سکا۔

نام موسیٰ خاں تھا تخلص کلیم اختیار کیا، پرچہ نکالا تو وہ بھی "[illegible]" ——— ان تمام دائروں سے ان کے کلاسیکل ذوق کا اندازہ ہو سکتا ہے

انھوں نے پشاور سے ایم اے کیا اور [illegible]

مرحوم سے [illegible] — اقبال اور غالب سے بہت متاثر [illegible]

کرتے ہیں۔

شعر کم اور نثر زیادہ [illegible] تحقیقی مضامین لکھتے ہیں [illegible]

مضطر تاتاری

پشاور کے جدید شعراء میں سب سے پہلے میرا تعارف مضطر ہی سے ہوا تھا کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ بہت سوں کو معلوم ہوا کہ وہ بالکل [illegible] اس انکشاف نے صرف پہلے ہی نہیں بڑے بڑے لوگوں کو چونکا دیا۔ کیونکہ اس کی گفتگو، اس کے کلام اور اس کے بیٹھنے اٹھنے کے انداز سے کسی طرح یہ معلوم نہیں ہوتی کہ وہ سرے سے پڑھنا لکھنا جانتا ہی نہیں۔ چنانچہ جب ندیم قاسمی صاحب پر یہ راز کھلا تو انھوں نے کہا — "یہ شخص اگر پڑھا لکھا ہوتا تو بڑے بڑے [illegible] کی کرسیاں خالی کرا لیتا۔"

مضطر — ساغر، احمد ہی مرحوم کا شاگرد بھی ہے اور صحبت یافتہ بھی — اس کی شاعری کی ابتدا چند مرثیوں سے ہوئی — جب جوش اور اقبال کے سحر نے [illegible] شاعری کا تعلق [illegible] شاعروں سے وہ متاثر بھی نظر آتا ہے — سب سے پہلے مضطر نے [illegible] والے ادیب کے مشاعروں میں [illegible] اس نظم کی [illegible] اہل نظر نے [illegible]

مضطر نظم کا شاعر ہے یہ کہیے کہ [illegible] کی ابتدا غزل سے ہوئی ہے مضطر کے [illegible] کیونکہ اس نے تمام عمر غزلیں نہیں کہیں۔ مضطر ایک مخلص دوست اور سچا فنکار ہے۔ اس نے تمام [illegible] وہ ایک [illegible] ہے۔ [illegible] خوش [illegible] — وہ [illegible] کا خود رو پھول ہے۔ [illegible] ہے، ایک گیت ہے۔

فارغ بخاری[1]

فارغ سے میرا تیس بائیس برس کا ساتھ ہے۔ ہم دونوں اخبارات و رسائل میں مل کر کام کرتے رہے اور ادبی اداروں میں ایک ساتھ حصہ لیا۔ تصنیف و تالیف میں رفیق کار رہے، اور روزمرہ کی زندگی میں اتنا قریب رہے کہ اب تو ایک دوسرے کے بغیر زندگی کا تصور بھی محال نظر آتا ہے۔

اس عرصہ میں جہاں تک میں نے فارغ کا مطالعہ کیا وہ مجھے ایک بہت بڑا "شعبدہ باز" نظر آیا۔ وہ جو کچھ بظاہر دکھائی دیتا ہے درحقیقت ویسا نہیں بلکہ ذرا غور سے دیکھئے تو اسے بالکل اس کے برعکس پایئے گا۔ دراصل اسے لوگوں کو دھوکا دینے میں لطف آتا ہے اسی لئے اس نے اپنی شخصیت کو کتنے ہی مصنوعی خولوں میں چھپا رکھا ہے۔ مثال کے طور پر اس کا قد جتنا چھوٹا ہے شخصیت اتنی ہی بڑی ہے۔ وہ جتنا بڑا فنکار ہے اس سے کہیں زیادہ بڑا انسان ہے۔

فارغ کو پہلی نظر میں دیکھ کر انسان کو خاصی مایوسی ہوتی ہے۔ ٹھگنا سا قد، بے ڈھنگا سا ناک نقشہ، نہ گفتگو میں کوئی کشش، نہ شکل و صورت میں جاذبیت، نہ میل جول میں رغبت —— کیا یہی وہ فارغ ہے جس کی نظمیں لوگ جھوم جھوم کر پڑھتے ہیں جس کی تحریروں سے حکومت کو بغاوت کی بو آتی ہے، جو پوری ایک درجن کتابوں کا مصنف ہے وہ کتابیں جنہیں پڑھ کر اس کی عظمت کا قائل [illegible] جسم و ذہن [illegible]

---

[1] فارغ بخاری پر رضا ہمدانی نے لکھ کر اس سلسلے کو مکمل کر دیا۔ (مرتب)

[illegible] — [illegible] — [illegible] — [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

فارغ [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] ہے۔

فارغ [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] تصنیفات و تالیفات کا خیال ہوا تو نہایت قلیل عرصہ میں متعدد کتابیں لکھ ڈالیں۔

اگر آپ جلدباز واقع نہیں ہوئے اور پہلے ہی لمحے [illegible] کے متعلق کوئی فیصلہ نہیں قائم کر لیجئے تو دوسرے ہی لمحے سے بے تکلف پائیے گا اور پھر لمحہ بہ لمحہ اس مصنوعی سنجیدگی کے چھلکے اترتے جائیں گے اور [illegible] ایک سیدھی سادی اور دلآویز شخصیت ابھرتی آئے گی جسے آپ [illegible] اس جادو کو توڑنے کے لئے جس [illegible] کی ضرورت ہے۔ آیئے [illegible] وہ بھی آپ کو بتا دوں! عام طور پر لوگ اپنی تعریف سے خوش ہوتے ہیں۔ لیکن فارغ پر یہ تجربہ نہ کیجئے۔ ورنہ اس کا موڈ اور زیادہ بگڑ جائے گا۔ کیونکہ اسے خوشامد سے بے حد چڑ ہے۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ وہ جلد از جلد کھل جائے اور کھل کر اصلی فارغ سامنے آ جائے تو چپکے سے کوئی ادبی بحث چھیڑ دیجئے یا پھر شام کے بعد اسے ملئے۔ کیونکہ رات کے چوبیس گھنٹوں میں یہی ایک ایسا وقت ہے جب وہ اس موڈ میں ہوتا ہے جس کے متعلق غالب نے کہا ہے۔ [illegible] پھر دیکھئے انداز گل افشانی گفتار۔ ایک دفعہ اسے چھیڑ دیجئے اور پھر بیٹھے [illegible] لگتا جیسے محفل میں [illegible] بانٹ رہا ہو۔

فارغ کو اپنی شخصیت بنانے کے لئے بڑے پاپڑ بیلنے پڑے ہیں۔ وہ بچپن ہی سے بڑا حساس واقع ہوا تھا اسی شدت احساس کے

باعث اس نے اپنے والد مرحوم کی وفات کے بعد بھائیوں پر بوجھ بننا گوارا نہ کیا اور تعلیم ادھوری چھوڑ کر [illegible] معاش [illegible] دلی، لکھنؤ، کلکتہ اور بہار کے شہروں میں گھومتا رہا۔ اس نے صرف [illegible] کی مدت سے اپنی زندگی کا آغاز کیا ۔۔۔ پھر کبھی [illegible] کبھی منشی بنا تو کبھی کلرک، کبھی [illegible] کا کام، [illegible] کبھی کتابوں کا دھندا چلایا۔ زندگی محنت کر کے [illegible] بنایا لیکن اس کی بے تاب طبیعت کو کہیں بھی سکون نہ ملا۔ آخر سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر پھر سے حصول علم کے لیے جد و جہد شروع کر دی اور رات دن کی محنت شاقہ سے اپنی مشکل کو آسان کیا۔

آج اس کی زندگی بہت حد تک منظم ہو گئی ہے لیکن اب بھی یہ عالم ہے کہ وہ [illegible] کو ایک سوال بنا دکھائی دیتا ہے۔ [illegible] شاعر اور مصنف کے [illegible] ہوتا ہے۔

فارغ زندگی کی تلخی سے [illegible] ایسی ایسی [illegible] آگے [illegible] خود کشی [illegible] جانے [illegible] لیتا۔

[illegible] جیل [illegible] خط لکھے [illegible] قید کی صعوبتوں کا بھی [illegible] زندگی [illegible] تعجب سے [illegible] جیسے اسیری کے [illegible] وہ یہیں [illegible] رہا ہوں۔

فارغ جیل میں بھی [illegible] مطالعہ [illegible] فلسفے اور نفسیات کا مطالعہ کیا اور متعدد قیمتی کتابیں لکھیں۔ [illegible] نظموں غزلوں کا مجموعہ [illegible] جیل کی آپ بیتی۔

فارغ اپنی نظموں میں صبح کے اجالے اور [illegible] لیکن اس حقیقت سے بہت کم لوگ واقف ہیں کہ دراصل وہ رات کی تاریکی کا دلدادہ ہے ۔۔۔ دن کو تو وہ اپنی زندگی کا حصہ ہی نہیں سمجھتا، کیونکہ دن کا وقت تو اس نے محض نان و نفقہ کے حصول کی غرض سے محنت و مزدوری کے لیے وقف کر رکھا ہے۔ البتہ رات کو وہ صرف اپنی ملکیت کہتا ہے، [illegible] کسی کی مداخلت بھی برداشت نہیں کرتا۔ رات کو اپنانے کے لیے اس نے بڑے جتن کیے۔ بڑی بڑی منفعت [illegible] کو ٹھکرایا، نہایت معقول معاشی وسائل پر لات ماری، اس لیے کہ وہ اس کی دولت پر ڈاکہ ڈالنا چاہتے تھے۔ رات ہوتے ہی وہ ایک مطلق العنان بادشاہ کی طرح [illegible] شروع کر دیتا ہے۔ جس اہتمام سے وہ رات کی دیوی کا استقبال کرتا ہے اس کے چرنوں میں عقیدت کے پھول چڑھاتا ہے۔ اور جب وہ رات کی دیوی کی عبادت میں مصروف ہوتا ہے تو اکثر اوقات صبح کے تڑکے تک یہ ریاضت جاری رہتی ہے۔

فارغ کو دوستوں سے بڑا پیار ہے لیکن تنہائی اسے دوستوں سے بھی زیادہ عزیز ہے۔ اسے سگریٹ، کاغذ، قلم اور کتابیں مہیا کر دی جائیں تو شاید تمام عمر بھی وہ تنہائی سے نہ اکتائے گا۔

حسن، شراب اور شعر ۔۔۔ فارغ کی تین سب سے بڑی کمزوریاں ہیں۔ اس کی ان کمزوریوں سے بعض سیاسی دوستوں نے بڑے بڑے فائدے اٹھائے ہیں۔ وہ بت شکن کہلاتا ہے، اور واقعی اس نے بڑے بڑے بتوں کو توڑا بھی ہے، سب سے پہلے تو اس نے اپنے خاندان کے اس روایتی بت کو توڑا کہ مسندوں پر بیٹھ کر آباء کے نام کی سوداگری کرو اور سادہ لوح مریدوں سے روپیہ بٹور کر عیش کرو لیکن جہاں محنت کا نام آئے وہاں صاف انکار۔ اس کا خیال ہے کہ سیدوں نے اپنے آپ کو برہمن کی طرح کی کوئی ہستی سمجھ رکھا ہے جو مزدوری کو کسر شان سمجھتے ہیں، فارغ کو چونکہ شروع ہی سے روایتی باتوں سے چڑ تھی اس لیے اس نے محنت مزدوری کو کبھی عیب نہ سمجھا۔

[illegible]

[illegible]

اس حقیقت کو ... [illegible] ... بہت سے ... [illegible]

[illegible]

فارغ اپنی طبیعت کے تنوع کا خود بھی معترف ہے۔ وہ کبھی کوئی ایک کام بھی ... مستقل مزاجی سے نہیں کر سکا۔ ذریعہ معاش ہی کو لیجیے ... [illegible] ... اسی طرح ادب میں بھی اس نے ایک صنف پر قناعت نہیں کی۔ منظومات میں غزل، نظم، رباعی، قطعہ، مرثیہ، سلام، منظوم فیچر، گیت، نثر میں افسانہ، مضمون، تنقید، ڈرامہ، ناول غرض ہر شعبے پر ہاتھ مارنے کی کوشش کی۔

زندگی کے دوسرے شعبوں میں بھی اس کے تنوع کا یہی عالم ہے۔ لیکن جب ہم ذہنی میلانات کے تحت اس کی مستقل مزاجی اور وفاداری ... کو دیکھتے ہیں تو اس کی شخصیت کے اس واضح تضاد پر سخت حیرت ہوتی ہے۔

دراصل فارغ دوہری شخصیت کا مالک ہے۔ ایک اس کی انفرادی شخصیت ہے دوسری اجتماعی ۔۔۔۔ لیکن ان دونوں متضاد شخصیتوں میں اس نے کچھ اس خوبصورتی سے سمجھوتہ کرا رکھا ہے کہ ان کے درمیان کسی قسم کے تصادم کا امکان نہیں رہا۔ اسی طرح جس طرح اس کے نام "سید میر احمد شاہ" اور اس کے تخلص "فارغ بخاری" میں۔ ۔۔۔

انتظارية

سرسید احمد خاں

(شیخ محمد اسماعیل پانی پتی)

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

اس وقت تک [illegible] کچھ [illegible] پہ [illegible] سے [illegible] ملاقات ہوا۔ [illegible] وقت کی [illegible]
[illegible] کیا [illegible] ہو گیا۔ [illegible] رکھا [illegible]۔

اس سے پہلے [illegible] ریل [illegible] اسٹیشن [illegible] بیٹھ گیا [illegible] گاڑی [illegible]
والی سے [illegible] اور [illegible] دیکھتے [illegible] وقت [illegible] آگیا [illegible]
کسی اسٹیشن کی [illegible] نہیں [illegible] راستے [illegible]
[illegible] گئے [illegible] معلوم ہوا [illegible]
[illegible]
[illegible] شیشے [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] معلوم [illegible]

جب گاڑی اسٹیشن [illegible] جب [illegible] پلیٹ فارم [illegible] اور [illegible]
[illegible] اسٹیشن [illegible]
[illegible] طرف [illegible]
[illegible] اسٹیشن [illegible]
[illegible] سب [illegible]
شیشوں کی [illegible] نیچے [illegible] مسافروں [illegible]
[illegible] آج [illegible] ایک
[illegible] جب دیکھنے سے [illegible]
اسی حال میں چند [illegible] سفر کے بعد [illegible] کسی نے [illegible] گاڑی میں
بیٹھ [illegible] اسٹیشن سے [illegible] اس گاڑی میں بیٹھے اور [illegible] معلوم ہوا [illegible] ایک
بڑے بنگلے کے سامنے [illegible] آکر [illegible] ٹھیر گئی۔

[illegible] نے اب تک [illegible] دیکھے تھے بھی اُن کے اندر [illegible] گیا تھا [illegible] سے آ کر ہم لمبے کمروں میں
سے گزرتے تھے ایک بڑے کمرے میں آئے جو مجھے بہت وسیع معلوم ہوا اس کمرے کے سب سے بڑے دروازے پر خس کی ٹٹی لگی ہوئی
تھی اور پنکھا چل رہا تھا [illegible] کھینچنے والا نظر نہ آتا تھا۔ کمرے میں بہت سی خوبصورت کرسیاں [illegible] وضع کی رکھی ہوئی تھیں اور خس کی خوشبو کے
ساتھ کوئی اور خوشبو بھی وہاں موجود تھی جو بہت اچھی معلوم ہوتی تھی۔ خس کی ٹٹی کے قریب ایک میز پر جس کی پوشش سبز تھی بہت سے
کاغذ اور کتابیں اور کچھ چمکتی ہوئی چیزیں نہایت سلیقے اور خوبصورتی سے رکھی ہوئی تھیں۔ میز کے قریب ہی کرسی پر ایک بھاری بھرکم آدمی۔
سفید سر سفید داڑھی سفید لباس۔ موٹے موٹے پاؤں [illegible] سلیپر جیسے قالین کے ٹکڑے معلوم ہوتے تھے۔ شیر کا سا [illegible]

[illegible]

یہ دونوں بزرگ باتیں بھی کرتے جاتے تھے اور تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد قہقہے بھی لگاتے تھے۔ سید صاحب نے کچھ [illegible] والد [illegible] پڑھنے لگے تو سید صاحب لکھنے میں مصروف ہو گئے۔ تھوڑی دیر بعد سید صاحب نے لکھتے لکھتے قلم ہاتھ سے رکھ دیا اور ایک پھرتی سے بکس کی طرف ہاتھ بڑھا کر بڑی عجیب آواز میں کہا [illegible] فرش پر [illegible] گیا۔ سید صاحب نے بکس میں سے ایک چوٹ نکال کر [illegible] جلالی اور [illegible] چوٹ کے قریب [illegible] تو مجھ کو ان کا چہرہ اور بھی عظیم الشان اور خوفناک معلوم ہونے لگا۔ اب مجھے معلوم ہوا کہ خس کی خوشبو کے علاوہ جو خوشبو کمرے میں پھیلی ہوئی تھی وہ چوٹ کی تھی۔

اس آواز اور چہرے کا نقش دل پہ ہوتے ہی میں سید صاحب سے ڈرنے لگا [illegible] یہ اسی خوف کی ابتدا تھی جو ہمیشہ قائم رہا۔ [illegible] غائب بھی دل سے نکل گیا۔

کمرے میں سید صاحب کی نشست تھی اُس کے قریب ہی ایک کمرہ ہمارے لئے مخصوص کر دیا گیا تھا۔ یہ سب اسباب رکھ دیا گیا تھا۔ کچھ دیر سید صاحب کے پاس ٹھہر کر جب والد صاحب اس کمرہ میں آ گئے تو ہم دونوں بھائی بھی اُن کے ساتھ اس کمرے میں داخل ہوئے۔ اس کمرہ میں [illegible] نہ تھی [illegible] عجیب تھا کہ [illegible] سکتا ہوں۔ [illegible] بڑے بڑے آئینے اور خوبصورت میزیں رکھی تھیں [illegible] شیشے کی [illegible] رکھی تھیں۔ [illegible] روشنی تھی کیونکہ جہاں میں نے خوش ہو کر کسی چیز پر ہاتھ لگایا اور وہ آپ سے آپ روشن ہو کر پڑتی تھی۔

شام ہوئی تو سید صاحب [illegible] سے باہر آئے۔ کوٹھی کے احاطے میں ایک طرف ایک باغ تھا۔ اُس کے بیچ میں ایک [illegible] تھا۔ اس پر بہت سی کرسیاں رکھی ہوئی تھیں۔ کرسیوں پر بیٹھ کر سید صاحب اور دیر تک [illegible] باتیں کرنے لگے۔ [illegible] صاحب نے مجھے [illegible] منہ کھول کر [illegible] منہ میں سے [illegible] ہے۔ [illegible] تو میں کھڑا رہا۔ اس لئے دانت [illegible] ہو گئے تھے۔ میں نے [illegible] جلدی سے منہ بند کر لیا اور کچھ [illegible] بات سے

جب کچھ رات ہو گئی تو آدمی نے آ کر کہا کہ میز پر [illegible] سب لوگ اُٹھے اور کھانے کے کمرہ میں آ گئے۔ یہاں پر [illegible] آنکھوں کے لئے عجیب و غریب منظر تھے۔ میز پر بہت سفید [illegible]۔ چینی کے برتن۔ شیشے کے گلاس۔ چاندی کے [illegible] کے دستوں کی چھریاں میز پر رکھی تھیں۔ میز پر [illegible] لیمپ [illegible] تھے۔ پنکھا چل رہا تھا۔

اس سامان کو دیکھ کر مجھے اپنے گھر کا دسترخوان [illegible] یاد آیا۔ میری والدہ دسترخوان ہمیشہ اُجلا بچھایا کرتی تھیں [illegible] سفید پوش کی صفائی [illegible] سے اُسے کیا نسبت تھی۔ برتن تانبے کے قلعی دار ہوتے تھے۔ چینی کے برتن خاص خاص کھانوں کے لئے یا جب کوئی مہمان آ جاتے تو [illegible] شیشے کے گلاس صرف گرمیوں میں یا رمضان شریف میں افطار کے وقت نکالے جاتے تھے۔ [illegible] چاندی کے [illegible] کبھی خواب میں بھی دیکھے تھے۔ [illegible] اگرچہ روز مرہ سمجھا جاتا تھا مگر اُس کی [illegible] روشنی ان لیمپوں کی صاف اور تیز روشنی کے سامنے کیا حقیقت رکھتی تھی۔

باتیں کرتے اور قہقہوں پر قہقہے لگاتے سب لوگ میز کے گرد کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ تین چار سفید پوش ملازم اور ایک بہت بڑی لمبی داڑھی کا [illegible] سے ہر حیثیت [illegible] اور تیز خانساماں طرح طرح کے کھانے سامنے لاتا تھا۔ اور سب لوگ [illegible] سے حسب ضرورت کھانا اپنی رکابی میں نکال کر کھاتے تھے۔ ہم دونوں بھائیوں کی رکابیوں میں [illegible] نے خود ہاتھ سے کھانا نکال کر دیا۔ کھانے کے ذائقہ کی نسبت میں نے غور نہ کیا مگر یہ یقینی ہے کہ وہ گھر جیسا نہ تھا۔ اور سچی بات یہ ہے کہ میں نئی نئی چیزوں کے دیکھنے میں ایسا مصروف تھا کہ کچھ سمجھ ہی میں نہ آیا کہ کیا کھا رہا ہوں۔

جب ہم دونوں کھانا کھا چکے۔ تو سید صاحب نے ایک نوکر سے کہا کہ "ان بچوں کو ان کے پلنگوں پر لے جا کر سلا دو۔"

— صبح ہوتے ہی چڑیوں کی آواز پر آنکھ کھلی۔ میں بے انتہا خوش تھا۔ جتنی چیزیں اب تک دیکھی تھیں ان کی نسبت بیسیوں سوال والد سے کرتا تھا۔ اور بار بار پوچھتا تھا کہ الہ آباد میں یہ سب چیزیں ہوں گی یا نہیں؟ والد کبھی تو جواب دے دیتے تھے۔ کبھی ہنس کر چپ ہو جاتے تھے۔

والد نے علی گڑھ میں دو دن قیام کیا۔ پھر الہ آباد روانہ ہو گئے اور دوسرے دن صبح ابھی نہیں نکلا تھا کہ وہاں پہنچ گئے۔

[illegible]

[illegible]

ساتھ ہی لیڈری کی سمت نے پیدا کیا تھا تو شاید کچھ بیجا نہ ہوگا۔

[illegible] نظر میں مختصر سے پر معربات محض ہے ان کی بہت کثرت اور [illegible] لئے انہوں نے اپنے لئے صلاحیت اور معقولیت سے [illegible] خوش قسمتی سے [illegible] جامع شخصیت تھے یعنی ان کی ذات میں بیک وقت بہت سے اوصاف اور فضائل جمع ہو گئے تھے۔ وہ [illegible] ایک [illegible] میں [illegible] وہاں ایک جید ادیب بھی تھے۔ جہاں انہوں نے مسلمانوں کی تعمیر کی [illegible] ادب [illegible] ایک نئی زندگی جہاں انہوں نے [illegible] مدرسۃ العلوم مسلمانان قائم کیا۔ وہاں سائنٹفک سوسائٹی اور آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کی بھی بنیاد ڈالی۔ ایک طرف انہوں نے [illegible] تقسیم [illegible] دوسری طرف انڈین نیشنل کانگریس سے مسلمانوں کو [illegible] بڑا لیڈر بھی اس دعوے سے اپنے دامن کو [illegible] سرسید کی [illegible] نگاہ نے [illegible] نظر میں نہایت عاقبت اندیشی سے تاڑ لیا تھا کہ کانگریس کبھی بھی مسلمانوں کی حقیقی ہمدرد نہیں ہو سکتی۔ اس لئے سرسید نے مسلمانوں کو کانگریس سے الگ رہنے کی بڑے زور سے تلقین کی۔ یہی حقیقت تھی جو ہمارے [illegible] پر بڑے تلخ تجربوں کے بعد آخر میں ظاہر ہوئی [illegible] ایک ایک کر کے کانگریس سے نکل گئے۔ ایسے ہی موقع پر اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ سرسید کتنا بلند نگاہ، عاقبت اندیش، اور [illegible] انسان تھا۔

ہمارے بہت سے سیاسی لیڈر مذہب سے بالکل کورے ہوتے ہیں۔ اور ہمارے جبہ پوش مذہبی رہنما سیاست میں صفر محض کا درجہ رکھتے ہیں۔

قدامت پسندی کو سرسید [illegible] بات دلی [illegible] وہ جہاں مسلمانوں کی تعلیم اور ان سے معاملات پر ایک نظر رکھتے تھے وہاں مسلمانوں [illegible] پر بھی گہری نظر رکھتے تھے۔ [illegible] مولوی سید وحید الدین سلیم جو سرسید کے پرائیویٹ سیکرٹری تھے ایک واقعہ بیان کرتے ہیں جس سے کتب احادیث سے ان کی واقفیت کا کیسا حال معلوم ہوتا ہے۔ انھوں نے لکھا ہے:

"ایک رات میں بیٹھا سرسید سے باتیں کر رہا تھا [illegible] احادیث [illegible] کے متعلق [illegible] ایک بڑا [illegible] کے ایسے وقت [illegible] سید صاحب سے [illegible] ہوگئے [illegible] سرسید نے مجھ [illegible] ایک [illegible] اور تعلیم [illegible] سید صاحب نے [illegible] حدیثیں [illegible] پہ ایک مضمون تھا [illegible] دیکھا [illegible] مضمون میں [illegible] ہوا [illegible] چھوڑ دیا ہے۔ جیسے [illegible] سید صاحب [illegible] احادیث [illegible] ایک ایک حدیث [illegible] کاٹ کاٹ کر [illegible] مقامات پر چپکا [illegible] تھوڑی دیر میں تمام حدیثیں جہاں جہاں ان کے مقامات تھے وہاں چسپاں کر دیں۔ [illegible] حدیث باقی [illegible] احادیث پر اتنا عبور اور کتب احادیث سے اتنی گہری واقفیت دیکھ کر میری عقل چکرانے لگی اور میں حیران ہو کر سید صاحب [illegible] کتنے عجیب [illegible] شخص ہے اور اس کا حافظہ [illegible] درست ہے کہ [illegible] پہلے ہی سے سب [illegible] متعلق احادیث [illegible] کتنی [illegible] ان کی تعداد کتنی [illegible] مطلب کیا ہے [illegible] سید صاحب [illegible] بیٹھے [illegible] کیا وجہ [illegible] چھپنے کے لئے [illegible] پر وقت نہایت تیاری سے دیکھا۔"

ایسا معلوم ہوتا ہے [illegible] پہلے سرسید احمد خاں تھے جنھوں نے [illegible] قوم میں پیدا ہو [illegible] واقعہ ہے [illegible] جب پہلے [illegible] انقلاب برپا ہو گئے [illegible] جنگ سے پہلے مسلمانوں کے [illegible] ختم ہو چکا تھا۔ ہندوستان میں ان کی عظیم الشان سلطنت اور [illegible] تھا۔ ان کے [illegible] تعلیم اور تہذیب [illegible] ختم ہو گئی تھی [illegible] شاعری [illegible] ادب [illegible] عشق و محبت کے [illegible] ہو گیا تھا [illegible] قدرت نے سرسید احمد خاں کو پیدا کیا۔

جب غدر کا زمانہ گزر گیا اور مسلمانوں پر جو کچھ گزرنا تھا وہ بھی گزر گیا تو سرسید احمد خاں [illegible] قوم کی ہمدردی کا جذبہ [illegible] بدقسمت قوم کو [illegible] کے کام میں مصروف ہو گئے۔

انھوں نے سب سے اول مسلمانوں کو انگریزی تعلیم کی طرف توجہ دلائی۔ جس کے بغیر اس ملک میں ان کی حیثیت [illegible] کی ہو گئی تھی۔ [illegible] اپنے وطن کی حالت دکھا کر اپنی قوم کو غیرت دلائی اور اس کے نونہالوں کے لئے علی گڑھ میں ایک مدرسہ قائم کیا۔ جو مدت [illegible] تبدیل ہو چکا ہے یہی وہ مدرسہ ہے جس سے سارے ہندوستان میں تعلیم و تہذیب کی روشنی پھیلی اور مسلمان بھی اپنے دیگر اہل وطن کے دوش بدوش کھڑے ہونے کے قابل ہو سکے۔

اس مدرسے کی ابتدائی ترقی کا اندازہ اس امر سے لگائیے کہ ۱۸۷۵ء میں [illegible] طلبہ کی تعداد صرف ۳۰ تھی۔ مگر صرف دس گیارہ سال کے عرصہ میں چار سو تک پہنچ گئی۔

"مدرستہ العلوم مسلمانان کے قیام کے بعد سرسید نظم اردو کی اصلاح کی طرف متوجہ ہوئے، چونکہ خود شاعر نہ تھے (اگرچہ آہی تخلص کے ساتھ [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

مولانا حالیؔ نے ۱۹۰۱ء میں [illegible] سرسید [illegible] کے موقع پر ایک تقریر [illegible]

[illegible]

سرسید کی شخصیت میں سب سے بڑا [illegible] دلیری اور بے خوفی تھا۔ وہ جذبات و ہمت کے پیکر اور قومی خیر خواہی و ہمدردی کا مجسمہ تھے۔ [illegible] کہنے میں انہوں نے کبھی [illegible] جان و مال اور عزت و آبرو کے نقصان کی پرواہ نہ کی۔ ۱۸۵۷ء کا واقعہ مسلمانوں کے لئے ایک عذاب [illegible] قیامت صغریٰ سے کم نہ تھا۔ جس کے بعد انگریزوں کی نظر میں مسلمان سے زیادہ کوئی قوم مجرم [illegible] نہ تھی۔ اس وقت انگریزوں کے نزدیک

مسلمان اور [illegible] بالکل [illegible] تھے۔ اس وقت مسلمانوں کے حق میں [illegible] تو غضب [illegible] سارا [illegible]
[illegible] تھا [illegible] سے بڑا [illegible] قصہ [illegible] پر [illegible] چھپوانے [illegible]
[illegible] ساتھ [illegible] سب نصرت [illegible]
[illegible] کی [illegible] نہایت [illegible] کی [illegible] وقت [illegible]
حقیقت [illegible] وقت [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

خلاصہ [illegible]

[illegible] حضور [illegible] صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم [illegible] نہایت [illegible]
[illegible]
[illegible] اس غرض سے [illegible] قصد کیا [illegible]
[illegible] ہے [illegible] قیمت رکھی تھی [illegible]
[illegible] وہ بھی فروخت کر دیا اور [illegible] حاصل کیا اور [illegible]
سعادت سمجھتے [illegible] وہاں بیٹھ کر نہایت [illegible] اور خوبی کے ساتھ کتاب کا جواب لکھا مگر اب اس کے چھپانے کے لئے روپیہ نہ تھا مگر اس عاشق رسول نے
ہمت نہ ہاری [illegible] جو کچھ سامان باقی رہ گیا ہے سب بیچ ڈالا [illegible] ایک گھر باقی [illegible]
[illegible] پھر اپنے خاص خاص دوستوں کو لکھا [illegible] اس سلسلے میں اپنے دوست نواب محسن الملک کو خط لکھا کہ میں نے مصمم
ارادہ کر لیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت میں کتاب لکھی جائے۔ اگر تمام روپیہ خرچ ہو جائے اور میں فقیر بھیک مانگنے کے قابل ہو جاؤں تو بہتر
ہے۔ قیامت میں یہ کہہ کر پکارا جاؤں کہ اس فقیر مسکین احمد کو جو اپنے نانا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر فقیر ہو کر مرگیا حاضر کرو۔ [illegible]

[illegible]

[illegible] حضرت [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] تھا۔

انہوں نے جب [illegible] تفسیر [illegible] شروع کی تو اس میں انتہائی محنت و مشقت برداشت [illegible]

[illegible] جب [illegible] زیادہ [illegible]

[illegible] مصنفوں [illegible] تصنیف و تالیف کے وقت کامل سکون چاہتے ہیں [illegible]

[illegible] سر سید کے متعلق مولانا حالی لکھتے ہیں کہ [illegible] اور [illegible] کے ہجوم میں [illegible] خیالات منتشر ہو جاتے تھے [illegible]

[illegible] شام تک وہاں ہر قسم کے لوگ برابر آتے جاتے رہتے تھے اور ہر وقت دوستوں اور ملاقاتیوں [illegible] کام کرنے والوں کا مجمع رہتا تھا [illegible] اور سب کام کرتے تصنیف و تالیف کا [illegible] مشکل سے مشکل مضامین جو [illegible] خیالات کے برخلاف ہوتے تھے [illegible] قدیم علماء اور مصنفوں پر [illegible] کرنے کی [illegible]

[illegible]

یہ صحیح ہے کہ میں [illegible] ایک مدت سے [illegible] کے انتخاب میں حضرت [illegible] سے جو بعض [illegible]
سب ان کے خدمت میں بھیجے ہیں۔ ہم نے عمداً یہ سمجھ کر [illegible] دلچسپ [illegible]
اس قدر [illegible] ایک [illegible] مضمون [illegible] مستغرق ہے [illegible]
دوستوں کے حق و حکایت سے متعلق تحریر ہیں ہوں۔

[illegible] سید [illegible] جواب [illegible] سید صاحب [illegible]
[illegible] جواب [illegible] ہیں [illegible] اس [illegible]
[illegible] خود [illegible] اپنے [illegible]
[illegible] محبت [illegible] کے [illegible]
[illegible] کئے جاسکتے ہیں۔

[illegible] جواب [illegible] اپنے دوست [illegible]
[illegible] ایک خط [illegible] محبت اور دوستی کا عجیب [illegible] ہے۔ ملاحظہ فرمائیے۔

مخدوم و مکرم من

سید صاحب [illegible] محبت [illegible] آپ سے [illegible] کی محبت [illegible]
[illegible] ہے وہ حقیقت [illegible] ہے [illegible] ہو جاتا ہوں۔ اب آپ کو [illegible]
[illegible] دوستی [illegible] بھی پیدا نہیں [illegible] اپنے
حقیقی بھائی سے بڑھ کر سمجھتا تھا [illegible] دوستی [illegible] ایسا ہی [illegible]
[illegible] آپ یقین کیجئے کہ جس [illegible] اپنے بھائی کے مرنے [illegible] قریب [illegible] اللہ خاں [illegible]
[illegible] دوستی محبت کے [illegible]
[illegible] محبت اور دوستی کا [illegible]
نہیں ہے۔ [illegible] ایک [illegible] دوستی [illegible] انسان کی [illegible] محبت [illegible]
[illegible] تو اس شخص کو [illegible] بے ایمان سمجھتا ہوں
جو دوست کی نسبت یہ خیال کرے [illegible] خلاف دوستی و محبت کے کوئی بات [illegible] دوست کی کوئی [illegible]
[illegible] دوستی پر محمول [illegible] حقیقت دوستی ہی کے سبب سے [illegible] ہوتی ہے۔ [illegible] حقیقت میں خلاف محبت اور
دوستی کے کوئی بات ہو تو [illegible] شیشہ محبت [illegible] نازک ہے کسی طرح ثابت نہیں رہ سکتا۔ آپ خیال کیجئے کہ محبت اور دوستی ایسی
سخت [illegible] چیز ہے کہ کسی طرح نہیں ٹوٹ سکتی اور کوئی اس کو نہیں توڑ سکتا [illegible] نازک بھی ایسی ہے کہ باریک سے باریک شیشہ
اور حباب کو بھی اس سے نسبت نہیں ہے۔ وہ ہتھوڑوں اور ہزاروں صدموں سے بھی نہیں ٹوٹتی اور ایک ادنیٰ سی خلاف محبت کے
بات کرنے سے ٹوٹ جاتی ہے۔ اور جوں جوں محبت زیادہ بڑھتی ہے اس کی نزاکت زیادہ ہوتی جاتی ہے۔ [illegible] اللہ خاں کو اب
[illegible] اپنے بھائی سے کم نہیں سمجھتا [illegible] دل میں [illegible] اب تک کم نہیں ہوا۔ [illegible]
جو اس کے دل میں نہیں ہے۔ [illegible] جو اس کے دل میں نہیں ہے۔ ٹوٹ جاوے [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

میری قسمت [illegible] میرے خدا نے کیا [illegible] الحمدللہ [illegible]

[illegible] تقدیر میں تھا [illegible] کسی سے ناخوش نہیں [illegible] تخصیص [illegible]

[illegible] گزشتہ [illegible] سوائے [illegible] کتاب تصنیف کرنے [illegible] بات

[illegible] کرنے کا [illegible] والے تھے [illegible] خدا [illegible] تقلید

[illegible] ہدایت [illegible] پہنچایا ہے

[illegible] اسلام کے حق میں [illegible] ہے [illegible]

[illegible] اللہ [illegible] کر دیا ہے [illegible] سب مسلمانوں [illegible] آمین [illegible]

[illegible] سب سے پہلے ۔ آمین ثم آمین ۔ ثم آمین ۔ [illegible] غلام احمد [illegible] روز جمعہ تاریخ روانگی خط [illegible]

۔۔۔ سید نے نہایت [illegible] خط لکھے تھے [illegible] ۔۔۔ سید [illegible]
[illegible] واقف تھا۔

مخدومی [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] ۱۸[illegible]ء

۔۔۔ سید [illegible] عادت [illegible]

[illegible]

جناب راجہ صاحب [illegible]

[illegible]

سید [illegible] علیگڑھ ۵ جولائی [illegible]ء

مضمون بہت طویل ہو گیا اور ہم نے ابھی تک سید کی شخصیت کے متعلق بہت ہی کم بیان کیا ہے۔ گنجائش ہوتی تو ہم سید کی محبت و شفقت، زندہ دلی و خوش طبعی، غیر معمولی ذہانت و طباعی، سچائی و راست بازی، ہمت و استقلال، صاف گوئی و دلیری، عزیزوں کے ساتھ مہربانی، دوستوں کے ساتھ برتاؤ، نوکروں کے ساتھ تعلق، سیر چشمی و فیاضی، مستحقین کی امداد و دستگیری، وضع داری و رکھ رکھاؤ، جوانمردی و بہادری، فیاضی و داد و دہش، طلب علم کا ذوق و شوق، انتقام و خصومت سے پرہیز، نمائش اور شہرت سے اجتناب، عالی ظرفی و عالی حوصلگی، عفو و اغماض کی عادت [illegible]

خان بہادر مولوی بشیر الدین

محمد الدین بابری

مولوی بشیر الدین [illegible] حیرت انگیز حالی کی [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] ایک دنیا واقف تھی۔

علاوہ ازیں مولوی محمد امین [illegible] بہت مشہور [illegible] ملاقات کا حال اس [illegible]
کرنے پر مولوی صاحب [illegible]
میں [illegible] صاحب کہ انہوں نے [illegible] چلے گئے [illegible] کی حالی [illegible] اور یہاں [illegible]
سے [illegible]
کہا جاؤ مولوی صاحب کو بلا لاؤ۔ [illegible]
کے قریب [illegible] کہا کہ جاؤ۔ [illegible]
زور سے ہاتھ ملایا [illegible] اگر وہ [illegible]
سے میرے ذاتی معاملات اور دوستوں کے متعلق [illegible] گفتگو کرتے رہے۔

ظفر عمر (مصنف نیلی چھتری) اپنا ایک واقعہ سناتے تھے کہ جب میں بورڈنگ ہاؤس میں داخل ہوا تو چونکہ باہر جانے کی اجازت نہ تھی اس لئے لڑکے بیروں سے چیزیں منگوایا کرتے تھے۔ مولوی صاحب کو دیکھ کر میں نے سمجھا کہ یہ بھی ملازم ہیں اور ان سے سگریٹ لانے کے لئے کہا۔ جب ثقل سماعت کی وجہ سے نہ سن سکے تو میں نے دو پیسے ان کے ہاتھ پر رکھ کر سگریٹ کا اشارہ کیا جس کے جواب میں اس زور کا تھپڑ رسید کیا کہ چودہ طبق روشن ہو گئے۔ بھونچکا رہ گیا۔ مولوی صاحب نے فوراً سپرنٹنڈنٹ کو بلا کر حکم دیا کہ یہ لڑکا سگریٹ پینے کا عادی ہے اب سے

[illegible]

دسترخوان پر بیٹھے مگر [illegible] کہ آپ [illegible]
باول ناخواستہ کچھ کھایا کچھ نہ کھایا [illegible]
کرنے پر معلوم ہوا کہ [illegible] پر نقش بنانے کا مسئلہ زیر غور ہے [illegible]
تک کھانا نہیں کھایا۔ [illegible] بلکہ بعض اوقات جب کہا گیا کہ

کھانے کے بارے میں ان کی یہ لاپرواہی آخر تک قائم رہی۔ شاذ و نادر ہی کبھی خود دسترخوان طلب کرتے تھے بلکہ بعض اوقات جب کہا گیا کہ کھانا تیار ہے تو جھجک سے پڑھتے رہتے۔ اچھا کھانا کھا کر خوش ضرور ہوتے تھے لیکن دسترخوان پر جو کچھ ہوتا وہ بہ رغبت کھا لیتے [illegible] کبھی جب نمک بتایا نہ جاتے پتہ ہی نہیں چلتا کہ کیا کھا رہا ہوں۔ مسائل ہی ایسے پیچیدہ سامنے آ جاتے ہیں کہ اس طرف خیال کرنے کا موقع ہی نہیں ملتا۔ لیکن چائے کے معاملہ میں حالت بالکل جداگانہ تھی۔ اس کے لئے نہ کوئی وقت مقرر تھا نہ مقدار۔ جب جی چاہتا پیتے اور جتنی چاہتے پیتے۔ آخر میں بہت کم کر دی تھی مگر پھر بھی کئی کئی پیالیوں کا اوسط ہو جاتا تھا۔

باوجود اس انہاک کے حضرات کی بات پاس تھا جب کہیں جا لگتا تو اعزہ رشتہ داروں سے ملتے ... ان کی اور ان سے ملاقات کی جو ریاضت کرتے۔ اگر کوئی مر جاتا تو اس کی تعزیت کرتا اور جو پیدا ہوا ہو تو اس سے ملا کر پیار کرنا ضروری سمجھتے۔ یہ معمول بعض اوقات [illegible] تک جا لگتا اور اشتغالات سے زیادہ مصروف ہو جاتا۔ [illegible] پیل کرتے تھے۔ اس کے بعد [illegible] کسی زمانہ میں بھی کم [illegible] جس کام پر [illegible] ہوتا اور [illegible] تو طبیعت ہمیشہ [illegible] کمال ... اپنے دوست کے [illegible] بعض [illegible] عزیز اور دوست میں باہم رنجش ہوتی تو [illegible] کرتا تو دونوں کو باہم شیر و شکر کرنے کی کوشش کرتے اور اگر [illegible] نہ ملی تو سلجھا کر تمام رنجشیں [illegible] دور [illegible] صفات [illegible] جگہ پر۔

کانگریسی دوستوں کے ساتھ مسٹر [illegible] اور [illegible] پرست [illegible] سے ساتھ ان سے تعلقات یکساں خوشگوار اور [illegible] کو کبھی ذاتی دوستی میں حارج نہ ہونے دیتے۔ بلکہ جو لوگ اپنے [illegible] ان کی دل سے عزت کرتے [illegible] البتہ سخت متنفر رہتے اور [illegible] یہ لوگ [illegible] نہیں ... ان میں [illegible] ہے۔ [illegible] حالات کا مقابلہ کریں اور [illegible] کو شکست [illegible] اور خود [illegible] ہیں۔

مولوی صاحب کی شادی [illegible] جب [illegible] تھی۔ ان کو اپنے [illegible] سے [illegible] ضروریات کے حصول جائے گئے اور [illegible] سے کوئی دلچسپی نہیں لیکن [illegible] بچوں پر بھی نہیں بلکہ [illegible] کی اولاد پر بھی [illegible] رکھتے تھے۔ [illegible] تجویز کرنے [illegible] ہو جاتا تو اس کے معاملہ میں پورے انہاک سے کام لیتے تھے۔ مولوی صاحب نے دو لڑکے اور چار لڑکیاں [illegible] انہوں نے ان سب کو اعلیٰ تعلیم دلائی [illegible] علی گڑھ کالج کے مغربی ماحول میں۔ [illegible] جب سے دیکھنے والوں کو حیرت ہوتی تھی۔ لڑکیوں کو بھی معمولی [illegible] اور زیور کے استعمال کی اجازت نہ دیتے تھے۔ جب ان کی شادی ہوتی تو اس بات کا خاص خیال رکھا [illegible] جائے۔

ان کی زندگی کا سب سے بڑا المیہ [illegible] اور وہ بھی نیا وہ [illegible] عالم شباب میں۔ مولوی صاحب ان تمام حادثات کو انتہائی صبر و سکون سے برداشت کر [illegible] بیٹے صاحبزادے بشیر احمد مرحوم کے انتقال پر جب میں نے تعزیت کی تو کہنے لگے یہ سب [illegible] ہوتے ہیں [illegible] ادا کرنے [illegible] ہیں لیکن انسان کو اپنی عمر پر بھی تو اختیار نہیں۔

مولوی صاحب کو اپنی تمام اولاد میں بشیر [illegible] سے بہت محبت تھی۔ جب انہوں نے بی۔ اے پاس کر لیا تو ان کو بی۔ ٹی کرا کے اسکول میں ہیڈ ماسٹر مقرر کر دیا۔ اس سلسلہ میں یہ بتا دینا بھی ضروری ہے کہ مولوی صاحب اقربا پروری سے بالاتر تھے۔ اپنے رشتہ داروں کو [illegible] میں جگہ تو دیتے مگر ان پر کڑی نگرانی رکھتے اور سب سے زیادہ کام لیتے تھے تاکہ وہ آزمودہ اور تجربہ کار ہو کر اعلیٰ مدارج حاصل کر سکیں۔ جس زمانہ میں معاندین نے ان کے خلاف الزام تراشی کی [illegible] کر رکھی تھی تو سرشتہ تعلیمات سے اس امر کی بھی شکایت کی گئی۔ جناب [illegible] نے مولوی صاحب سے کہا کہ جس تنخواہ پر میرے [illegible] کام کر رہے ہیں اگر اس مشاہرہ پر اسی قابلیت کے استاد آپ مجھے دلا سکیں تو میں آج ہی سابقہ خدمات کا اعتراف کئے بغیر آپ کے حکم سے ان کو برخاست کر دوں گا۔ یوں بھی آپ دیکھ سکتے ہیں کہ اسکول میں سب سے زیادہ کارگزار یہی استاد ہیں۔ یہ دندان شکن جواب سن کر محکمہ کو بھی خاموش ہو جانا پڑا اور مخالفین کو بھی سانپ سونگھ گیا۔

مولوی صاحب کا خیال تھا کہ بشیر [illegible] کو اپنا جانشین بنائیں اور مرتے وقت اپنا اسکول ان کے سپرد کر جائیں لیکن افسوس کہ یہ [illegible]۔

[illegible]

[illegible]

[illegible]

۱

امیر مینائی

اسمٰعیل احمد مینائی

[illegible] امیر مینائی کے یہاں [illegible]
نام و نمود [illegible] یہ عجب شخص [illegible]

[illegible]

[illegible] تھے کہ حضرت [illegible] سے بیعت [illegible] کو سب میں تبدیل کر دیا۔ [illegible]
کا واقعہ خاصا دلچسپ ہے۔ خاندانی تعلق کے باعث امیر مینائی [illegible] حضرت شاہ مینا [illegible] حاضری دیا کرتے تھے [illegible]
[illegible] وقت سے ملنے جلنے کا موقع ملا تھا۔ امیر مینائی کی سعادت مندی کو دیکھ کر [illegible] کی کہ وہ [illegible]
شامل ہو جائیں۔ امیر مینائی کو حضرت مخدوم صاحب کی جانب سے [illegible] بشارت ہو چکی تھی کہ [illegible] شکل و صورت اور [illegible]
وابستہ ہونا ہے۔ [illegible] میں ان نشانیوں کو تلاش کرتے [illegible] ایک مدت ہو گئی [illegible] کے حال سے ان کو اپنی جانب کھینچا تھا
مخدوم صاحب کا [illegible] ایک روز [illegible] امیر مینائی حسب معمول مزار مبارک پر حاضر ہوئے تو دیکھا کہ ایک بزرگ
[illegible] مزار مبارک کی جالی سے ملے بیٹھے ہیں ــــــ ان کو خلوت مطلوب تھی [illegible] انتظار کیا کہ یہ فارغ ہوں تو خود بیٹھیں مگر وہ بزرگ
[illegible] بیٹھتے ہیں [illegible] ــ [illegible] ــ وہاں سے [illegible] تو دیکھا کہ وہ حضرت
بدستور بیٹھے ہوئے ہیں۔ ان کا معمول تھا کہ مزار مبارک کے داہنی جانب سرہانے سے متصل بیٹھ کر پڑھتے تھے۔ اس جگہ پر وہ بزرگ ڈٹے بیٹھے
تھے۔ غرض ان کو بڑی الجھن ہوئی۔ [illegible] کچھ دیر گزاری تا آنکہ مغرب کا وقت آگیا تو پھر مسجد چلے گئے۔ وہاں سے جب فراغت
پاکے آئے تو دیکھا کہ وہ صاحب اپنی جگہ سے ہلے تک نہیں ہیں۔ اب تو ان سے نہ رہا گیا۔ پاس جا کے کہا کہ حضرت کیا نماز مغرب کے لیے بھی مسجد
نہ جائیے گا۔ انہوں نے منہ پھیر کر ایک نظر امیر مینائی کو سر سے پاؤں تک بغور دیکھا اور فرمایا "میاں امیر! اب بھی نہیں پہچانا۔" یہ الفاظ
سن کر ان کا عجب حال ہو گیا۔ اب جو غور کر کے دیکھتے ہیں تو وہی شکل و صورت اور وہی حلیہ جو خواب میں ان کو دکھایا جا چکا تھا ـــ بس پھر کیا تھا بیتاب

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

سنہ ۱۲۴۴ھ میں لکھنؤ میں پیدا ہوئے [illegible] حضرت شاہ مینا [illegible]

[illegible] ہے۔

ہر کہ خواہد [illegible] [illegible] خاک [illegible]

لکھنؤ میں [illegible] وقت کے [illegible] صحبت [illegible] ذہانت و ذکاوت کے باعث [illegible] خاندانِ اجتہاد [illegible] محترم ہوئے [illegible] بادشاہ [illegible] شہزادہ نادر مرزا کی اتالیقی سپرد ہوئی پھر منصب افتا پر فائز ہوئے [illegible] غدر ہوا تو چند سے [illegible] جہاں حضرت تسلیم سے یکجائی ہوئی اور نعت گوئی کا چسکا پڑا [illegible] پھر لکھنؤ [illegible] کے شاگرد عزیز یوسف علی خاں والی ریاست رامپور کے [illegible] اپنے مرشد کے وطن ریاست رامپور میں آ کے رہ بسے یہیں وحید الزماں خاں [illegible] کی لڑکی اور [illegible] الزماں خاں سفیر ریاست کی بھتیجی سے شادی ہوئی اور یہیں پہلے مفتی عدالت و استاد شاہ پھر استاد شاہ و مقرب خاص اور آخر میں صدر نشین [illegible] تدوین امیر اللغات رہے اور یہیں سے [illegible] امیر اللغات کو پورا کرنے کی دھن کے بہانے موت (۷۲) سال کی ضعیف العمری میں ان کو کھینچ کر ماہ اگست [illegible] میں حیدرآباد دکن لے گئی۔ وہیں سپرد خاک کر دیے گئے جہاں وہ درگاہ یوسف صاحب شریف صاحبؒ کے احاطہ میں قیامت کی نیند سو رہے ہیں۔ تعویذ پر سامنے انہی کے شاگرد جلیل کا قطعۂ تاریخ مرقوم ہے۔

امیرِ کشورِ معنی امیر مینائی — خدا کے عاشق صادق دینِ نبی کے فقیر
گئے جو خلدِ بریں کو تو ان کی تربت پر — لکھا جلیل نے یہ روضۂ جناب امیر

اور چشت پناہ اس کی واقفی ہے جو حضرت میں کتنے اور ... کے سامنے حاضر ہو کر بے اختیار یہ کہتے ہو۔

بھی مزار پہ حباب فاتحہ پڑھنے ہیں   پھر اس تصہ کو بہانا نکلنے سے ...

... نے بھی بیان کیا تھا کہ جب حیدر آباد میں ... تو ... کے مزاروں پہ فاتحہ پڑھتے ... بیٹا خاص ... کے قبروں کی تلاش کی تو ... کا مزار قبہ مبارک کے سامنے ہو گیا ... فاتحہ پڑھ ... پھر خیال ... ہی ہو کا پہچان ... کوشش کرو ... پڑھ ... تلاش کرنے پر کہیں ... قبر ... آگے بڑھ گیا ... نے ... کی زیارت ... کی ... آہستہ آہستہ ... واپس جاؤ ——— ... شہر خموشاں ... کوشش شروع کی جب ... کی قبر سے آگی تو سب سے پہلے ... بیت پر نظر پڑی ... بے اختیار ... فاتحہ پڑھ ... مزار پہ جا کے ... سب ...

فن ... ، ... نقیر عشق اور حبّ ... کا مسلک ... کے حید وجود کا ... جس ... کی شخصیت ... آمیز ... منصرہ ... ——— زبانی ... بعد ... آپ ... چلے ... جب ... کر ... چلے گئے تھے ... ایک ... ایک ... کاوقت تھا ... کر ... آواز ... ——— ... واپس ہو گئے ... نے جب ... کیا ... میں ... لکھا ... کے مصروفات ... ایک بار کسی گلدستہ میں داغ کی غزل شائع ہوئی۔

... چڑھ ہوئی منزل میں رہتے ہیں   ... کی جان جیتے ہیں اس کے دل میں رہتے ہیں

بیٹے اور شاگرد سر ہو گئے کہ حضرت اس زمین میں غزل ہونی چاہئے حضرت ... جب ... پڑھ گیا تو ...
——— مجھے ... داغ کا ... سمجھتی ہے ... غزل پہ غزل کہی جاسکتی ... یہاں حالت یہ ہے کہ ... غزل ... غزل ... ایک شعر کا جواب ہونا مشکل ہے ——— میں اس زمین میں شعر ... داغ کی توہین ...
——— یہ تو ایک واقعہ تھا جو شاید دو چار حضرات ہی کو معلوم ہوا جنہوں نے اس کے بعد کمال ... مشکل ہی لکھا۔

امیر اچھی غزل ہے داغ کی جس کا یہ مصرعہ ہے   ... ہیں ...

بعض رسائل میں کبھی کبھی ان کے خلاف مضامین شائع ہوتے تھے یا چند حضرات ... اعتراضات ان کے کلام پہ وارد کرتے تھے ... اور ... شاگرد اس پہ سخت برہم ہوتے اور جواب لکھنے کی تیاریاں ... شروع ہوتیں مگر خود ان کو جب اطلاع ہو جاتی ... پڑھ کر ہر ایک کو روک دیتے۔

ہر کہ ...   ... باغ عمرش ... بے خار باد

داغ جب دوسری بار حیدر آباد ... سے ... تو امیر سے ملنے رام پور آئے۔ جلال کو خبر پہنچی تو وہ بھی لکھنؤ سے آگئے۔ امیر ہی کے یہاں ... روانگی سے پہلے شام کو ایک مختصر سی صحبت شعر و سخن منعقد ہوئی۔ جلال کے بعد داغ نے غزل شروع کی ... سودائی کا شیدائی کا ———
جب یہ مصرعہ پڑھا ؎ ہو گیا ... حسن سے کچھ اور ہی رنگ ——— تو جلال نے جھوم کر کہا واہ نواب مرزا خاں واہ کیا مصرعہ کہا ہے ———

؎ ہو گیا پرتوِ ... حسن سے کچھ اور ہی رنگ ——— پھر ارشاد ہو ... واللہ اعجاز ہے اعجاز ——— تعریف نہیں ہو سکتی ———

[illegible] ——— [illegible]
[illegible] ——— [illegible]

[illegible]

[illegible] ——— [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] ——— [illegible]

[illegible] ——— [illegible]

[illegible] ——— [illegible]

[illegible] ——— [illegible]

[illegible]

خود صاحب قلب کی ماں خلد آشیاں کی موت [illegible] کی شخصیت [illegible] مگر امیر مینائی کے فیض صحبت سے خلد آشیاں کی زندگی [illegible] صرف ایک [illegible] پر مشتمل تھا [illegible] زمانے کو دیکھتے ہوئے صرف یہی ایک [illegible] خلد آشیاں کی [illegible] صرف دو حضرات کے اثر سے تھا، امیر مینائی اور مولانا ارشاد حسین [illegible] جن سے خلد آشیاں بیعت بھی تھے ——— صوم و صلوٰۃ کے سختی سے پابند تھے [illegible] مسجد میں جا کر باجماعت نماز ادا کرتے تھے [illegible] کے اندر ادا کرنے لگے [illegible] اکثر پنڈلی پر بیٹھے بیٹھے پڑھتے تھے۔

چھپا کے متوکلوں سے سلوک کرنا درویش صفت ضیا کی خاص پہچان ہے۔ خلد آشیاں کا تمام اعمال کے بارے میں بھی [illegible] ہے اور یہاں بھی امیر مینائی کے ہاتھ کا عکس صاف جھلکتا ہے، حضرت ان کے استاد ہی نہیں مشیر و مقرب خاص تھے، اور گو ان کی افتاد مزاج بالعموم منکسرانہ و مصالحانہ تھی، اور مولانا عبدالحق کی طرح شمشیر برہنہ کبھی نہ تھے تاہم حق گوئی کا محل آجائے تو پھر حق کہنے یا طرح دے جانے کی توفیق بھی نہ تھی، خلد آشیاں کے بعد جب فردوس آشیاں بھی جلدی ہی اللہ کو پیارے ہو گئے، اور نواب حامد علی خاں کی کم سنی کے باعث ریجنسی کا دور عام ہوا

پھر بھی انگریزی ریزیڈنٹ کا سبب ... امیر الملک پر بھی آنچ نہ آئی ... یہ بات ممکن نہ ہو سکی۔ اساتذہ ... کو معاوضہ ... دفتر کے تمام ... کاتب ... وغیرہ کی تنخواہیں تک ... پہلے انہوں نے مرزا ... سمجھنے بوجھنے کی کوشش کی ... پہلے ... مگر ... بحیثیت ... کا ... امیر الملک کے ... کسی طرح دل پر نہ لیا —— انہوں نے بھی چونکہ بدستور چار سال ... بحال ... ٹھیک طرح ادا کیا۔ ... کے پاس ٹھہرے ... حاضرین ... تمام ... وہاں ... ڈھاکہ ... مرشد آباد ... واقعہ ... کیسی ... تھی ... کام ... تھا؟ —— ... مگر اس پرانے سال میں ... نہیں چاہتے تھے کہ امیر الملک ... اس قسم کا ... مارڈالے گئے اور نواب ... کسی طرح ... کی خبر ملی کہ حضرت ... جانے کی تیاری ... اور ان سے اجازت لے کر جانا چاہتے ہیں۔ ... صلاحیتیں ... نہیں ہوئی تھیں ... کی حیات ... کی کوشش ... ریاست ... امیر الملک کی ... امیر مینائی ... چاہتے تھے کہ کسی طرح ... اور ... تھے —— ... ایک دن ... انہوں نے ... سے ان کی گفتگو سن ... ہو گئے —— شرط یہ کی کہ میں ابھی سیدھا ... جاتا ہوں، وہاں سے واپس آ جاؤں تو آپ جائیے —— انہوں نے دریافت کیا کہ آپ کی عدم موجودگی میں انتظام کس کے سپرد رہے گا، ... کوئی سربراہ کار ہو گا —— غرض ان کی یہ تھی کہ شاید امیر الملک کے ... چپکا ہو جائے ... یہ سمجھے کہ یہ انتظامِ مملکت کے متعلق نظریے دریافت کر رہے ہیں۔ انہوں نے کہا حضرت آپ تردد نہ کریں، یہ سب انتظام کر دیا ہے، نظم و نسق خوش اسلوبی سے چلے گا —— حضرت نے جواب دیا کہ نواب صاحب آپ کی موجودگی میں ... تھا جو اب آپ کی غیر موجودگی میں بہتر ہو گا —— ... اٹھنے لگے تھے یہ سن کر پھر بیٹھ گئے ... کہا حضرت ... کرنے والے اور سرکار کے اقبال سے سب ٹھیک رہے گا ... آپ کے سوا کوئی نہیں ... پہلے ہی یہ ارادہ نہ تھا کہ آپ یہاں سے جائیں۔ اب تو کسی طرح آپ کو جانے نہ دوں گا بلکہ میرے واپس آنے پر امیر الملک کے لئے کوئی مناسب انتظام بھی کر دیا جائے گا" —— اس ایک واقعے سے ان کی صاف گوئی کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے، کتنا نازک وقت تھا، امیر الملک کی ناؤ ڈگمگا رہی تھی، والیِ ریاست نہ ان کی جانب ملتفت تھا نہ ان کے کام کی جانب، بظاہر مصلحت اندیشی، تملق کی خواستگار تھی، مگر انہوں نے سچی بات کہنے میں کوئی تامل نہیں کیا ——

تعلق ایک ایسی شاعرانہ لطافت سے ہے جو اردو فارسی کے کم و بیش ہر شاعر کے کلام میں پائی جاتی ہے۔ امیر مینائی کے کلام اور ان کے کلیات میں مگر اس "... " کے بڑے نادر و دلپذیر نمونے ملتے ہیں۔ مرزا محمد تقی ہوس لکھنوی ... شاعری کا ایک بڑا ... تھے۔ جناب امیرؑ کی منقبت میں ان کا ایک قصیدہ خلد آشیاں نے ان سے یا کسی اور سے سنا اور بہت پسند کیا اور بعد ... جو اجتماع ہوتا تھا اس میں بار بار مزے لے لے کر اس کی تحسین فرمائی، اور بالآخر یہاں تک کہہ دیا کہ "اب منقبت میں ایسا قصیدہ کہنا، اور اس زمین میں کسی کے بس کی بات نہیں۔" امیر مینائی کو خدا جانے کس وجہ سے یہ بات بہت شاق گزری، اور دوسری شام کو جب سب جمع ہو چکے تو عرض کیا کہ ایک نیا قصیدہ لکھا ہے پیش کرنا چاہتا ہوں۔ خلد آشیاں نے پوچھا کہ "قصیدے کا موضوع کیا ہے؟" کہا منقبت جناب امیرؑ —— اور زمین وہی ہے جو مرزا محمد تقی ہوس کے قصیدے کی ہے۔ خلد آشیاں اور سارے حاضرین ہمہ تن گوش ہو کے سننے بیٹھے۔ انہوں نے پڑھنا شروع کیا۔

[illegible]

اس شعر پر خلد آشیاں نے ہاتھ پکڑ لیا اور کہا "حضرت جب میں نے دعویٰ کیا تھا کہ منقبت میں اب یہ قصیدہ کہیں اور اس کی زمین میں کسی کے بس کی بات نہیں تو آپ کو منع کر دیا تھا ——— آپ تو سب کچھ کہہ سکتے ہیں"——

ایک مرتبہ خلد آشیاں نے طرحی مشاعرہ کیا ——— "دیا نے حسن و عشق کو رنگ دگر چمن ہوا" امیر مینائی نے جو غزل کہی تھی وہ مشاعرے سے پہلے خلد آشیاں کے ایما پر ان کو سنا دی۔ ان کو پسند نہ آئی تو کہا کہ حضرت معلوم ہوتا ہے اس غزل کے لکھنے میں آپ کا جی نہیں لگا ——— مشاعرے میں تقریباً مہینہ بھر باقی تھا، حضرت نے روزانہ ایک غزل اس زمین میں کہہ کر نواب صاحب کو سنانے کا معمول کر لیا۔ اکیسویں روز جب یہ مطلع پڑھا۔

جس غنچہ لب کو تیرے دیا خندہ تن ہوا
جس گل پہ ہم نے رنگ جمایا چمن ہوا

تو خلد آشیاں نے کہا "حضرت ہم غریبوں کے لئے بھی تو کچھ کہنے کو چھوڑ دیجئے" حضرت مسکرائے اور سلسلہ ترک کر دیا۔ مگر بعد کو ریاض کے استفسار پر کہا کہ ——— "بخدا اگر نواب نہ روک دیتے تو مشاعرے کے روز تک اسی طرح غزلیں کہتا رہتا"——

ان کی شاعری محض بتقاضائے زمانہ تھی، جوہر کمال رکھتے تھے جس فن کو لیا بانی کر دیا۔ اس عہد میں شعر کہنا شرفا کا شعار اور وقار تھا۔

انہوں نے بھی اس کو اختیار کیا اور ایمان کی بات یہ ہے کہ اپنے معاصرین میں سے کسی سے سب کے دور جدید لغات کی تحقیق و تلاش سر انجام دی مگر امیر مینائی نہ صرف بیان میں کسی سے کمتر نہ تحقیق و تلاش میں کسی کے پیچھے رہے اور پھر جس صنف سخن کو چھوا اپنے عہد کے اعتبار سے اس کو ممتاز و منفرد کر دیا۔ ان کے جو قصائد نہ داغ کے دیوان میں ملتے ہیں نہ جلال کے کلیات میں۔ وہ نعت گوئی کا امتیاز ہیں جس کے ماسوا —— جب کوئی ان کا ساکا سیہ ہے۔ معتبر قصیدہ سلام ان کے حصہ میں —— جلال و داغ کے لئے صرف ان کی شاعری ان کی ناموری کا ذریعہ تھی، امیر مینائی سے شاعری کا حربہ چھین لیا جائے تو بھی وہ نامور رہیں گے۔

ان کے ذوق و استعداد اور کتب نگاری سے ان کے دو خاص شاگردوں ثاقب کو بیاں اور ریاض خیرآبادی کی معلومات میں سے بیش قیمت محنت کے طفیل اہل ذوق اچھی طرح واقف ہو چکے ہیں۔ کم لوگوں کو معلوم ہے کہ سر زمین لکھنؤ کا یہ نامور مصنف گردون تذکرہ نویسی کا بھی ایک تابناک ستارہ ہے، اور جیسے میر تقی میر کا تذکرہ نکات الشعراء فارسی زبان میں اردو شعراء کے متعلق پہلی مستند تصنیف ہے امیر مینائی کا تذکرہ انتخاب یادگار غالباً بزبان اردو شعراء کا ایک پہلا تذکرہ ہے جس کو شاہی رامپور کے شعراء کے متعلق ایک فرد واحد نے خود مرتب کیا تھا۔ اس تذکرے کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں عربی، فارسی، اردو، دو ہے، چار زبانوں کے سخنوروں کا حال ملتا ہے۔

انہوں نے ماہ اکتوبر ۱۹۰۰ء ۲۱ (؟) سال کی عمر میں وفات پائی۔ اس طرح سن کے لحاظ سے عمر طبعی کو پہنچ کر مرے، مگر کہا جاتا ہے کہ بیمار ہو جانے اور پھر دوبارہ علاج ایک مہینے میں موت پا جانے سے ان کے انتقال کے بارے میں بہت سے لوگ اس غم غلط کرنے کے یہ خیال رکھتے ہیں۔ یہ خیال سے جاتے اور ان کی موت ان کی عمر کو طرح ناحق ہی تھی وہ بہ بعض ساتھی اور عزیزوں کے اعتبار سے تنگی اور آج تمام ملک ہے، اردو زبان و ادب کے صد ہا دفتر ہیں، جہاں حالی، آزاد کی نگیں اور طوطی و بلبل کی زمزمہ سنجیاں بھی بے چین ہیں۔ رسیدہ ترین سے آتے جاتے رہتے، وہ لفظ باغباں کا ذکر مشیر تر تھا۔ وہ یہ بھی ہے کہ اردو کی گوش نواز آسان ہے۔ لیکن ان کی آبیاری آسان نہیں۔ بچوں کو سینچنے کے لئے خون دل صرف کرنا پڑتا ہے اس لئے جو فکر و شعور، علم و فضل کی کسوٹی پر زبان کا معیار نکلیں ان کی کاوش سے شجر اردو کا پروان چڑھنا معلوم ——

امیر مینائی اپنے عہد کے افاضل میں تھے۔ زبان دانی ان کی میراث تھی، علم و فضل ان کا سرمایہ اور ان دونوں کے امتزاج صحیح نے ان کی پاکیزہ ہستی میں زبان اردو کی لغت تیار کرنے کے لئے سب سے موزوں اور ستدین محقق کر پالیا تھا۔ متدین کا لفظ میں نے بالقصد استعمال کیا ہے، امیر مینائی نے امیر اللغات میں اردو کے تمام اساتذہ کے کلام سے سند میں شعر دئے مگر اپنا ایک شعر بھی پیش نہیں کیا۔ حضرت اکبر الہ آبادی نے ان سے ایک بار دریافت کیا کہ منشی صاحب، جب آپ نے داغ و جلال، منیر و تسلیم کے اشعار سے سند لی ہے تو اپنے اشعار سے استناد میں کیا قباحت تھی، استادی اور استناد میں تو آپ کا پایہ ان سب پر بھاری ہے، حضرت نے فرمایا کہ "ایسا کرنے میں کبر کا پہلو پیدا ہوتا تھا، اور میری اپنی دانست میں یہ بات تقاضائے دیانت کے بھی خلاف تھی اگر میں خود ہی ایک لفظ کے معنی و محل استعمال کی صراحت کروں اور خود اپنے ہی شعر یا مصرعے سے اس کا ثبوت بہم پہنچاؤں۔"

مجھ سا ہیچمرز ہیچمدان، بھلا ان کی امداد، قدرتی طور پر مجھ کو یہ بات کہتے ہوئے تامل ہوتا ہے، لیکن دیانت کے ساتھ جو رائے قائم ہو اس کو بیباکی سے بیان نہ کرنا بھی حق گوئی کی توہین ہے، میری دانست میں ان کے بعد سے اب تک، زبان اردو کو ان سے اچھا کیا ان سا یگانہ عصر بھی، لغت کے کام کے لئے نہیں ملا اور یہی باعث ہے کہ میں ان کی وفات اداسی کے بین، معذور کو طبی ملتے ہوئے نظری ہی نہیں ادبی نقطہ نظر سے بھی اب تک ان کا ماتم گسار ہوں، لغت کے شعبے میں اردو زبان، فرہنگ آصفیہ، نور اللغات، اور انجمن ترقی اردو کی ڈکشنری کی موجودگی کے باعث تہی دامنی نہ سہی، مگر ان کی کم مائیگی میں کسی صاحب نظر کو کلام ہو سکتا ہے، گذشتہ پوری آدھی صدی میں اردو زبان و ادب کا دامن مخلص

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] ... خوش درخشید و لے شعلۂ مستعجل بود

میری دانست میں امیر اللغات اُن کا سب سے بڑا کارنامہ ہے۔ جس کی آب و تاب کو ناتمامی کا داغ اور نصف صدی کی ترقیاں بھی ماند نہیں کر سکیں۔ اسی لئے میں نے اُس کے بیان کو اُن کے تذکرے میں زیادہ جگہ دی ہے۔

مولانا محمد اسمٰعیل میرٹھی

مولوی محمد اسلم سیفی

مولانا اسمٰعیل میرٹھی [illegible] صاحب سے [illegible] سال بڑے [illegible]
اُن کی پیدائش [illegible] ان کے والد [illegible] میں [illegible] یہ محلہ مشائخاں [illegible]
کہلاتا ہے۔ یہ نام کی تبدیلی [illegible] سے محلہ [illegible] گئی ہے

جب مولانا کا خاندان قصبہ [illegible] سے آ کر میرٹھ میں آباد ہوا [illegible] کے مقابلہ میں ایک چوتھائی تھی۔ [illegible] ہی محلوں میں سکونت رکھتے تھے۔ ایک [illegible] وجہ [illegible] خاندان [illegible] کے پاس کچھ زمینداری بھی تھی۔ [illegible] انگریزوں کے تسلط [illegible] کر چکے تھے [illegible] خوش [illegible] تھے۔ [illegible] دستور کے مطابق ابتدائی تعلیم مکاتب میں ہوا کرتی تھی۔ اسمٰعیل کے بڑے بھائی [illegible] تھے [illegible] مدرس [illegible] تھے۔ ابتدائی کتابیں ان سے پڑھ کر [illegible] سب سے [illegible] مکتب میں جا داخل ہوئے۔ ان کے والد [illegible] خاموش اور [illegible] تھے اور اپنے [illegible] ماحول میں اجنبی تصور کرتے تھے ——— بچپن کے ماحول کا اور اس وقت کی زندگی کا پتہ نہیں تھا۔ عادتاً اسمٰعیل کی یہ مخصوص صفت دیکھنے میں آتی ہے کہ جو کام کرتے تھے اس پر پوری توجہ دیتے تھے۔ چنانچہ فن خطاطی ایک استاد کامل سے سیکھا اور خود بھی [illegible] حاصل کیا۔ مرزا رحیم بیگ فارسی کے مشہور استادوں میں شمار ہوتے تھے۔ مولانا کو بھی فارسی زبان میں [illegible] انہی کی صحبت میں حاصل ہوئی۔ اُن کے فارسی کلام کی خوبی ان نظموں سے ظاہر ہوتی ہے جو کلیات اسماعیل میں درج ہیں۔ مثلاً مثنوی [illegible] اور بہت سی فارسی نظمیں جن میں غزلیں، قصائد اور قطعات ہیں۔

۱۰ مئی ۱۸۵۷ء کو تاریخی غدر کا واقعہ پیش آیا۔ اس کی ابتدا میرٹھ ہی سے ہوئی۔ اس وقت اسماعیل کی عمر ۱۳ سال تھی۔ اس ہنگامہ کی اہمیت کو کچھ کچھ سمجھ سکتے تھے۔ برسوں اس کے اثرات کا تذکرہ زبان زد خاص و عام رہا۔ اسی زمانہ میں نارمل اسکول میرٹھ میں قائم کیا گیا تھا۔ اس میں پرائیویٹ طالب علم بن کر ایک سال تعلیم پائی۔ چند شفیق اساتذہ سے مستفید ہوئے۔ خاص کر [illegible] سے استاد سے۔

جو حالت میں نے مشاہدہ کی اس وقت مولانا کی عمر ۶۴ سال کی تھی۔ ایک نہایت متین اور خاموش بزرگ شخص معلوم ہوتے تھے۔ گھر میں کتنا ہی بچے شور و غل مچائیں، خواہ عزیز و اقارب مرد اور عورتیں جمع ہو جائیں اور پوری بلند آوازی سے بات چیت ہوتی ہو مگر وہ سر کے نیچے ہاتھ رکھے

[illegible]

[illegible]

[illegible]

میں سمجھتا ہوں [illegible] پیر و مرشد [illegible]
[illegible] مشرف ہوئے [illegible] شیخ نے [illegible]
وصال پر ترتیب [illegible] مثنوی [illegible] فارسی میں لکھی [illegible] شیخ کے وصال کے بعد [illegible]
[illegible] مولانا شاہ گل حسین [illegible] قریب [illegible]

غزل گوئی میں بہ نسبت فلسفے کے مضامین کو زیادہ پسند کرتے تھے۔ [illegible] دیکھ کر بہت متاثر تھے۔ اپنی نظموں میں جا بجا یہ مضمون بہت زور و شور کے ساتھ لائے ہیں۔ [illegible] ایک نظم جس کی سرخی [illegible] سے سنہ [illegible] میں لکھی [illegible] بانگ درا [illegible] تیسری مسلمان اور انگریزی تعلیم ہے۔ یہ سب نظمیں [illegible] ہیں [illegible] زندگی پر تصوف کا رنگ آخر وقت تک غالب رہا۔

کچھ پتہ نہ لگا کہ مرزا اسد اللہ خاں غالب سے کمذ کس طرح حاصل ہوا۔ مگر خود سے [illegible] اقبال کیا [illegible] استاد کی [illegible] غزلیں بھی اور ان کا ذکر بھی کیا کرتے تھے۔

اہل و عیال اور دیرینہ احباب کے ساتھ عمدہ سلوک کرتے تھے اور مالی امداد بھی در پردہ کیا کرتے تھے۔ غصہ کا اظہار یا ترک کلام کبھی نہیں کرتے تھے۔ اگر بہت ناراض ہوئے تو کلام کرنا ترک کر دیتے تھے۔ بہت سے مسودے ان کے میرے پاس ہیں۔ جن میں ایک میر تقی میر کی کلیات کا انتخاب ہے۔ اور اسی طرح اپنے مشہور استاد کے کلام کا بھی

بس ان کے نقوش میں سب سے بڑا نقش یہی تھا کہ وہ بروقت کام کرتے رہتے تھے اور کبھی دعویٰ استادی نہیں کیا۔

غزل گوئی اور مضمون بھی لکھا کرتے تھے اور شاعری کرتے تھے۔ ایک مجموعہ چھپا تھا۔ مولانا اسمٰعیل میرٹھی بعد میں ملازمت پر مقرر ہوئے ملازمت میں گزری۔ ایک مدت تک خدمت میں آئے اور اسی محکمہ میں رہے۔ انہوں نے انقلاب کی ملازمت کے بعد پنشن پائی۔ یہ بچے جنس کا بے حد خیال رکھتے تھے۔ بیشتر ان کی خدمات کے بعد انہوں نے کہا کہ اگر کچھ بھی کیا۔ کبھی ہمت نہ ہاری اور عزیزوں کے قصبہ اور مدت سے بھی ظاہر ہوتا ہے۔ خود بڑے خطاط تھے وہ شاعر بھی تھے۔ مرثیہ بھی واقع کی بہت کامیاب رہے۔
بعض کسی مشاعرہ میں شرکت سے انہیں ... سال بعد بھی رسائی حاصل نہیں۔ مگر یہ وہ وقت ہے کہ آج تک کبھی وہ شائع نہیں ہوئی

شاعر ہے کون جب وہ عشق ہوا	پی عشق ہیں سو گرامی کے معرف
مشہور یوں ہے اور ہے مدت	یار بدری ذرہ ہے مطلع صاف

اس قصیدہ کو ... وہ طرح سے مختصر کیا ہے مدرسہ کی ترغیب دی ہے۔ کہ اس پر وابستہ تھے۔

اس مدرسہ پر صنعت کی فضیلت	ہوا اس کا کرم اور بھی آسانی
تو لب پر ہنر ہے خوب	ہوا ہے حسن تیرے اعجاز کی

سنہ ۱۹۱۰ء ... ... میں ایک جلسہ منعقد ہوا۔ ... زمینداری کے موقع پر ...
... کی دعوت دی ... اس موقع پر پسند ... ایک ... سادہ طور میں ...
عمر ۶۰ سال قدرے ضعیف ... ہوتے تھے ... ... داخل ہوتے ... تعلیم کے واسطے کھڑے ہو گئے۔ جس پر ...
... تمام ... حضرات اس موقع پر ... کا مناسب نہیں خیال کرتے۔ اس پر ان ... جواب میں ...
تمام معززین شہر کی خواہش تھی کہ یہی موقع مناسب ہے۔ اس پر ... حضرات خاموش رہ گئے اور یہی رائے پسند خاطر رہی۔ یہ مولانا اسمٰعیل تھے۔

انہوں نے ... سال کی ملازمت کے بعد جو نصاب اُردو طلبہ کے واسطے مرتب کیا تھا وہ آج تک مقبول خاص و عام ہے۔ اسی لئے ان کا نام اب تک روشن ہے۔ یہ ادبی خدمت ان کی یادگار رہے گی۔

سر تیج بہادر سپرو

ڈاکٹر سید اعجاز حسین

[illegible] تھا مگر اس عہدہ پر وہ زیادہ دن تک نہ رہ سکے۔ مختلف وجوہ سے ڈیڑھ سال کے عرصے ہی میں ترک کر کے پھر الہ آباد ہائیکورٹ میں وکالت شروع کی۔ [illegible] سر تیج بہادر سپرو اسی شہر کے باشندے تھے جہاں [illegible] [illegible] ۱۹۴۹ء میں [illegible] انتقال ہوا۔

[illegible] وہ مسلمانوں کی طرز معاشرت، [illegible] کشمیری پنڈتوں میں بھی ترقی یافتہ تہذیب کے گرویدہ ہوتے ہیں لیکن تیج بہادر سپرو میں اس کا لگاؤ عشق کے درجہ تک تھا۔ نشست برخاست، زبان و تاریخ سے بے حد دلچسپی رکھتے تھے۔ کھانا پینا، اٹھنا بیٹھنا سب کچھ اسلامی تہذیب کا مرقع تھا۔ چنانچہ ان کے یہاں ایک باورچی مسلمان ضرور رہتا اور وہ طرح طرح کی چیزیں اپنے دسترخوان پر دیکھنا چاہتے تھے جو نوابوں یا مسلمان رؤسا کے یہاں ہوتی تھیں۔ غالباً اسی کا نتیجہ تھا کہ اردو زبان سے بے پایاں محبت کرتے تھے۔ شغف اتنا زیادہ تھا کہ وہ اردو کی کسی خرابی کو سننا گوارا نہ کرتے تھے۔ وہ اتنی شستہ اور پاکیزہ اردو بولتے تھے کہ میں نے کم لوگوں کو اس زمانہ میں اتنی اچھی اردو بولتے سنا ہے۔ شام کو روز ان کے یہاں دربار ہوتا تھا اس میں خاص خاص لوگ شریک ہوتے تھے۔ اس جلسہ میں عموماً اردو الفاظ، محاورات، شعر و شاعری پر گفتگو ہوتی تھی ان کی رائے اور سوجھ بوجھ ہمیشہ قابل احترام ہوتی تھی۔

[illegible] مشہور تھی [illegible] ایک وقت تھا [illegible] سے پہچانا جاتا [illegible] شاعر [illegible] کی کوشش کرتے تھے [illegible] شاعر [illegible] کرتے [illegible] نہایت [illegible] کوشش تھا [illegible] سے [illegible] رہا۔

[illegible] صاحب [illegible] ایک [illegible] صاحب [illegible] گفتگو شروع کی [illegible] نہایت [illegible] زبان [illegible] صاحب [illegible] صاف [illegible] تکلف نہیں [illegible] زبان کی حیثیت [illegible] اردو سے اپنی محبت [illegible] چنانچہ [illegible] واسطے [illegible] تھی [illegible] جاتی تھی۔

[illegible] صاحب [illegible] اس طرح [illegible] لوگ [illegible] تھا جیسے [illegible] صاحب [illegible] میں [illegible] اس لئے وہ پریشان رہتے تھے [illegible] جو ان کا [illegible] ہے۔

یہ بہادر سپرو میں بہت قابلیت کے علاوہ دیانت داری کی وجہ سے بھی تھی۔ مثال کے لئے اس وقت کو یاد کرنا ہے کہ جب وہ [illegible] وکالت کے [illegible] تھا [illegible] مجھے ڈسٹرکٹ میں [illegible] نہیں ملا اس لئے کہ [illegible] کیا۔ باوجود اس کے [illegible] بڑھتی جاتی تھیں [illegible] نے کبھی [illegible] کی سطح کو نیچے نہیں ہونے دیا۔ ان کی [illegible] اور عملی زندگی بھی ہر شخص کو یہ محسوس کرنے پر مجبور کرتی تھی کہ وہ نہایت دیانتدار اور با اصول آدمی ہیں۔

تیج بہادر سپرو نہایت حساس اور نازک مزاج آدمی تھے۔ عام طور سے مشہور تھا کہ ان کا مزاج شاہانہ ہے وہ ذرا سی بات پر خفا ہو جاتے ہیں۔ ترکو بھرا ماحول رہتے ہیں اور ذرا سی بات پر خوش ہو جاتے اور ہر ممکن کوشش کے لئے ان کو آمادہ کرتے۔ باوجود احباب پرستی اور وضع داری کے وہ اپنے معاملہ میں کبھی فرق نہیں آنے دیتے تھے۔ ہمیشہ کوٹھی کے برآمدے میں سوتے تھے۔ [illegible] بجے صبح بیدار [illegible] آجاتا تھا اور وہ پڑھنا شروع کر دیتے تھے پھر قانونی کتابیں اور کاغذات کا سلسلہ شروع ہو جاتا تھا۔ یہاں تک کہ ہائیکورٹ کا وقت آجاتا تھا۔ وہاں کی بحث و مباحثہ سے فراغت کے بعد گھر آکر ناشتہ وغیرہ کر کے ادبی و علمی کتابوں سے دن بھر کی کوفت دور کرنے کی کوشش کرتے۔ لوگ آتے رہتے وہ ملتے رہتے باتیں کرتے رہتے اور ہفتہ بھر کتاب زیر نظر کا مطالعہ شروع ہو جاتا اکثر ایسا ہوتا کہ وہ آنے والوں کو بھی کتابیں اٹھا کر دے دیتے کہ پڑھئے دیکھئے کتنی اچھی کتابیں ہیں۔ اس طرح صحبت کو بغیر بے لطف کئے ہوئے خود بھی مطالعہ کرتے اور بات کرنے والوں کو بھی چپ کرا دیتے۔ جیسے جیسے عمر بڑھتی جاتی تھی صحت خراب ہوتی جاتی تھی مگر باوجود علالت کے بھی مزاج کی شگفتگی کبھی نہ گئی۔ کبھی کبھی دوست احباب ان کو رائے دیتے کہ حضور آپ کچھ ورزش کیا کیجئے تاکہ صحت قائم رہے تو ہنس کر جواب دیتے کہ "اللہ نے مجھے ہر طرح کی عافیت دی ہے میں اپنے پر ایک مفید ورزش کے لئے کیوں بڑھا لوں۔ خواہ مخواہ کی بیہودہ حرکت اختیار کروں کون سی عقلمندی ہے۔ رہا صحت قائم رہنے کا سوال سو وہ خود ہی قائم رہے گی۔ خدا داد چیز ہے خدا خود اس کی

[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] کر سکتا۔

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]

لالہ سری رام دہلوی

ڈاکٹر رام بابو سکسینہ

لالہ سری رام دہلوی [illegible] بیشتر [illegible] شہزادے [illegible] شاہجہان [illegible] سے تھے۔
آپ [illegible] ۱۸۷۵ء کو پیدا ہوئے [illegible] دہلی [illegible] دونوں [illegible] ۱۸۹۵ء کو [illegible]
[illegible] ۱۸۹۸ء میں آپ نے [illegible] انگریزی کا امتحان پاس کیا اور [illegible] کا منصف کے عہدہ پر تقرر ہوا۔ ۱۹۰۸ء [illegible]
اس ملازمت سے استعفیٰ دے دیا۔ شعر و ادب کا شوق [illegible] اور مخزن میں ادبی مضامین لکھنے کا سلسلہ شروع ہوا [illegible]
زمانہ طالب علمی میں شائع کر چکے تھے۔ [illegible] داغ کے دیوان [illegible] داغ کے حقوق اشاعت بھی حاصل کئے [illegible] داغ نے [illegible]
دیکھ کر [illegible] شائع کیا۔ مرزا محمد تقی بیگ [illegible] اور بہاری لال مشتاق شاگرد غالب کے دواوین کو بھی [illegible]
کا ارادہ رکھتے تھے لیکن فرشتۂ اجل نے مہلت نہ دی۔ کتابوں کو جمع کرنے کا بے حد شوق تھا۔ ان کے ذاتی کتب خانہ میں عربی
اردو اور ہندی کی [illegible] نادر اور بیش قیمت کتابیں تھیں۔ ان کے علاوہ سینکڑوں مخطوطات، پانچ سو تصاویر، اعلیٰ ترین خطاطی کے
نمونے اور لاتعداد فرمان [illegible] وغیرہ ان کی وفات کے بعد بنارس ہندو یونیورسٹی کو بطور میراث دے گئے ہیں۔ تعصب یا تنگ
نظری انہیں چھو تک نہ گئی تھی۔ [illegible] شاعروں کی [illegible] کرنا اپنا فرض جانتے تھے۔ ان کی مایۂ ناز تصنیف خمخانۂ
جاوید کی پہلی جلد ۱۹۰۸ء میں شائع ہوئی۔ ۵ مارچ ۱۹۳۰ء کو جب ان کی موت ہوئی، وہ اس کی چار جلدیں شائع کر چکے تھے۔ پانچویں
جلد [illegible] کمیٹی نے ان کی وفات کے بعد شائع کی اور کہا جاتا ہے کہ چھٹی جلد ۱۹۴۷ء کے فسادات میں ضائع ہو گئی۔

میرے مراسم لالہ سری رام سے نہایت دیرینہ تھے۔ عرصہ تیس سال تک میں ان کی صحبت سے فیض یاب رہا۔ ۱۹۲۳ء میں [illegible]
مہاراجہ [illegible] سیاجی راؤ گائیکواڑ کے ہاں بطور پرائیویٹ سیکرٹری کے میری خدمات تفویض تھیں۔ مہاراجہ صاحب بنارس یونیورسٹی کے
سابقہ چانسلر تھے۔ جلسۂ تقسیم اسناد کا خطبہ پیش کرنے کے لئے وہ بنارس گئے۔ [illegible] ([illegible]) کا عارضہ انہیں پہلے سے تھا، [illegible]

[illegible]

[illegible] لالہ صاحب [illegible]

[illegible]

افسوس ہے کہ [illegible] کے ساتھ ساتھ یہ دلکشی متروک ہوتی جاتی ہیں۔ [illegible] لالہ صاحب شستہ ٹکسالی اردو میں باتیں کیا کرتے تھے۔ اپنے احباب اور واقعات زندگی کی [illegible] تصویریں پیش کرتے تھے [illegible] کی قدرت زبان پر حیرت ہوتی تھی۔ بات بات میں اردو کے برموقع اشعار موتیوں کی طرح ٹانکتے چلے جاتے تھے۔ ان کا [illegible] اور ہزاروں اشعار ان کی نوک زبان پر تھے۔ اس لحاظ سے کسی کا شعر [illegible]۔

لالہ صاحب اپنے خاندان سے [illegible] احساس پر انہیں بجا طور پر فخر بھی تھا۔ [illegible] کیا کرتے تھے جو پیارے لال آشوب کو باشندگان دہلی نے پیش کیا تھا۔ اس خطبہ کی غالب کی لکھی ہوئی چند سطریں بھی درج ہیں جن میں غالب نے پیارے لال آشوب کی خدمات کو سراہا ہے۔ جہاں ایسا موقع ہوتا لالہ صاحب بڑے جوش و خروش سے اپنے حسب نسب، اپنے خاندان کی شہرت اور صدیوں جائداد و املاک کا ذکر کرتے تھے اور اس قسم کے افتخار نے انہیں معمولی اور چھوٹی چیزوں سے بے نیاز کر دیا تھا لیکن اسی نے ان میں احساس برتری اور تنگ دلی بھی پیدا کر دی تھی۔ دہلی کی مشہور ہستی حکیم اجمل خاں اور ان کے عزیزوں، خاندان والوں اور شجرہ

[illegible] شروع ہوا۔ ناول نگار کیفی صاحب نے اپنے مراسم اور تعلقات کا ذکر وہ بڑی مسرت سے کیا کرتے تھے۔ کیفی صاحب نے [illegible] ان کی روشنی میں پیام کیا تھا۔ صاحب ذوق بھائی کرلا ڈاکٹر صاحب اکثر ذکر کرتے اور اس میں بھی بڑی بھائی بیند لکھتے تھے جس پر کیفی لکھنے پڑھنے [illegible] کیا کرتا تھا۔

لالہ سری رام شعر و ادب سے گہری دلچسپی رکھتے تھے۔ پنجاب گورنمنٹ ملازمت کی ابتدا سے ہی پڑھنے لکھنے کا مشغلہ رہا تھا۔ صحت کی خرابی کی وجہ سے ملازمت سے متعلقہ [illegible] فرائض باہر دورے کرنے سے معذور تھے اور شعر و ادب کے گوشے ہی میں خانہ نشین ہو گئے۔ قلمی نسخوں کا جمع کرنا ان کا محبوب مشغلہ تھا جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے یہ قلمی ذخیرہ اب بنارس ہندو یونیورسٹی کی زینت بنے ہوئے ہیں جس لالہ صاحب سے ایک خاص شغف معلوم ہوتا ہے۔

لالہ صاحب اردو زبان و ادب کے عاشقوں میں تھے۔ ان کی تصنیف خمخانۂ جاوید ایک یادگار کارنامہ ہے اور اردو ادب میں اس کی حیثیت انسائیکلوپیڈیا کی ہے۔ اس کی تالیف کے سلسلہ میں لالہ صاحب نے کئی ادیبوں اور اہل قلم حضرات کو ملازم رکھا۔ پنڈت [illegible] کیفی ان کے خاص معاون رہے۔ اس کی پانچ جلدیں ہی شائع ہو پائی تھیں کہ لالہ صاحب کی وفات کے بعد بھی ان کی کوشش جاری رہی۔ پنڈت کیفی لالہ صاحب کے ان کاموں کے معاون تھے۔ خمخانۂ جاوید کی تکمیل کے لئے وہ ایک عرصہ تک کوشش کرتے رہے لیکن افسوس کہ یہ کام پایۂ تکمیل کو نہ پہنچ سکا۔ [illegible] ادب کے لئے یہ ایک ناقابل تلافی نقصان ہے۔ لالہ صاحب کی وفات کے کئی سال بعد پنڈت کیفی نے خمخانۂ جاوید کی ایک جلد شائع کی لیکن پھر بعد میں سلسلہ منقطع ہو گیا۔ یہ کام جیسا ہے ویسا ہی پڑا ہے اور وہ [illegible] معیار ہے جو اعلیٰ ہو سکتی۔ خمخانۂ جاوید کی باقی جلدیں اب طبع نہیں ہو سکتیں اور اس طرح لالہ صاحب کا وقف شرمندۂ تکمیل نہیں ہو سکا۔ کیفی صاحب مستقل طور پر لالہ صاحب کے ساتھ رہتے تھے اور ان کے مشورہ سے خمخانۂ جاوید مرتب کرتے تھے۔ لیکن ناقدانہ تحقیقی کام ہونے کے باوجود یہ ان کے خاص معاونین تھے۔ لیکن افسوس کہ خانگی تنازعات اور کارکنان کی عدم توجہی سے لالہ صاحب کا خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہوا اور ان کے وقف کا صحیح مصرف نہیں کیا گیا۔

لالہ سری رام دریا دل تھے لیکن ان کی طبیعت میں مصلحت کوشی داخل تھا۔ جو کچھ وہ دیتے اس کا حساب بھی چاہتے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر خرچ حساب میں وہ بڑی احتیاط برتتے تھے۔

ان کی عمر کے آخری سال بیماری کے رنج و غم اور صدمہ و عذاب میں بسر ہوئے۔ خانگی تنازعوں نے ان کی خوشیوں کے سوتوں پر خاک ڈال دی تھی۔ اس دوران میں وہ ڈیرہ دون سے مجھے نہایت طویل خط لکھا کرتے۔ یہاں وہ تبدیلی آب و ہوا اور علاج معالجہ کے لئے تشریف لے گئے تھے۔

ان کی شخصیت بڑی پیچیدہ تھی۔ تہذیب، شائستگی اور شرافت کا وہ خلاصہ تھے ایک وضعدار ہندوستانی شریف کی تمام صفات ان میں بدرجۂ اتم موجود تھیں۔ ان کا حلقۂ احباب وسیع تھا۔ بڑی بڑی ہستیوں سے اور ہندوستانی ریاستوں کے مہاراجاؤں سے راہ و رسم پیدا کرنے اور ان سے تعلقات استوار کرنے کا بڑا شوق تھا۔ خوش سلیقہ، خوش اطوار اور خوش گفتار تھے لیکن مزاج نازک و زود رنج تھا۔ جب غصہ آتا تو طبیعت قابو سے نکل جاتی۔ ضبط، میانہ روی اور اعتدال جو متوازن شخصیت یا سچی سوسائٹی میں ہوتا ہے ان کے ہاں کم تھا۔ ان کے دوستوں کا دائرہ بھی محدود تھا اور ان کی دنیا میں صرف خواص کا گزر تھا۔

ان کی وفات پر مرزا فرحت اللہ بیگ نے ایک نہایت مؤثر مضمون لکھا تھا۔ پنڈت کیفی نے بھی اپنے ذاتی تجربات کی روشنی میں لالہ صاحب پر مضمون لکھے ہیں جو ان کی شخصیت کا عمدہ مطالعہ پیش کرتے ہیں۔

اپنی تمام خامیوں اور خوبیوں کے باوجود لالہ سری رام دہلی اپنے زمانہ کی نمایاں شخصیت تھے وہ اردو کے بے مثل مربی تھے اور اردو زبان کے احسانات بھلائے جانے کی چیز نہیں۔ ان کی موت دہلی اور اردو کے لئے ناقابل تلافی نقصان ہے آہ! ؏ آں قدح بشکست و آں ساقی نماند۔

سید علی بلگرامی

غلام پنجتن

[illegible] جو [illegible] [illegible]
بڑا کمیاب ہے جتنی [illegible] کے [illegible] میں [illegible] ہے لوگ [illegible]
ترتیب دینا چاہی کہ ان کے متعلق مفید اور سچی [illegible] کی اہمیت [illegible]
[illegible] بھی معقول [illegible] رکھتے ہیں [illegible] کے ساتھ [illegible]
[illegible] زندگی میں کیا چیز کیا اہمیت رکھتی ہے۔ [illegible]
[illegible] نہیں [illegible] بھی ہوتا ہے کبھی معمولی سی بات [illegible] ہو جاتا ہے۔
ہم حقیقت کی آنکھ ایک ہی رخ دیکھتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ قوموں کی تاریخ سے [illegible] ہے۔ [illegible]
لکھنے کے لیے ریکارڈ بھی ہوتا ہے اور یادگاریں بھی۔ لیکن کسی ایک شخص کی سوانح حیات تو [illegible] ہے جو ذاتی طور [illegible] جوں جوں زمانہ
گزرتا جاتا ہے ایسے لوگ کم ہوتے جاتے ہیں اور وہ وقت بھی آ جاتا ہے کہ ان میں سے کوئی باقی ہی نہیں رہتا۔ دور گزشتہ کے مشاہیر کے حالات
معلوم کرنے کا شوق [illegible] جاتا ہے مگر ایسے مواقع نہیں تھے کہ وہ یہ شوق پیدا کر سکیں۔ موجودہ دور میں کچھ ایسی ہوا چلی ہے اور ذہنیت
کچھ ایسی مفلوج ہو گئی ہے کہ پچاس برس پہلے ہم سے جو بزرگ جدا ہو چکے ہیں ان کا تذکرہ ہی کیا۔ مظہر الحق۔ سر علی امام۔ جسٹس شاہ دین۔
سر محمد شفیع۔ مولانا محمد علی۔ حکیم اجمل خاں۔ صاحبزادہ آفتاب احمد خاں کو یاد نہیں کیا جاتا۔ ایسے میں کار پردازان نقوش کا پرانے مٹتے ہوئے
نقوش کو ابھارنا قابل ستائش ہے مگر مجھ ایسے نالائق محض سے کچھ اس سلسلے میں توقع۔ لکھنا محض اس وجہ سے ہو سکتا ہے کہ ع

اسفل ہی سہی لیکن نسبت تو ہے اعلیٰ سے

سب جانتے ہیں کہ واجد علی شاہ کو مٹیا برج میں لے جانے کے دوسرے سال جب بہادر شاہ ظفر کو رنگون پہنچا دیا گیا تو اودھ وغیرہ

شمال و مغرب میں نواب آف پیدیش گھتی خوب ہو رہے گئے۔ مدار ہی اس وسیع صلے میں ایسے مسلمان گھرانے بھی گزے جہاں جدید کا ساتھ جھیں کر رہا تھا۔ ان میں سے ایک سادات بلگرام کا وہ گھرانہ تھا جس میں سید علی ۱۸۵۱ء میں پیدا ہوئے تھے۔ ان کے والد سید کرامت حسین صاحب کمشنر بنارس کے گورنر جنرل کے ... وہ ... اودھ کے ... نائب تھے۔ کرامت حسین صاحب نے اپنے معروف بیٹوں عماد الملک حسین اور زین الدین حسین کو کلکتہ کے مدرسہ عالیہ میں جو وارن ہیسٹنگز نے قائم کیا تھا تعلیم دلائی۔ یہ مدرسہ انگریزی زبان ہونے کے علاوہ علوم مشرقیہ کے مدار بھی تھے۔ آگے چل کر ان دونوں کو انگریزی سرکار میں ملازمت ملی۔ عماد الملک گورنر جنرل کے مشرقی زبانوں کے ترجمان (Oriental Interpreter) کی حیثیت سے ... تھے اور پھر ... ایجنٹ ہو گئے۔ صوبہ بہار میں ... دہشت کے ... اور ... کا خطاب پایا۔ دوسرے بھائی ... بہار و بنگال میں ۱۸۵۷ء میں ڈپٹی کلکٹری کے عہدے سے ... ریاست حیدرآباد ... خدمات کرتے تھے۔ ان سے ... بھائی سید حسین عماد الملک نے کلکتہ یونیورسٹی سے ۱۸۶۹ء میں ... امتحان پاس کیا تھا۔ اسی سال سید علی مدرسی ... تعلیم مکمل کر کے ... گورنمنٹ کالج ... داخل ہوئے۔ دو سال انہوں نے کیننگ کالج لکھنؤ میں تعلیم پائی تھی۔ ... بعد میں پٹنہ کالج سے ... کلکتہ یونیورسٹی سے بی اے کی ڈگری لی۔ بی اے میں ان کی اختیاری زبان سنسکرت تھی۔ دو سال ... تحصیل ... سکالرشپ انجینئرنگ کی تعلیم ... کالج میں ... لئے ... وہاں داخل ہو گئے۔ نواب سر سالار جنگ نے ۱۸۷۶ء میں یورپ کا سفر کیا۔ اس سفر میں ان کے بڑے بھائی مولوی سید حسین بلگرامی بھی ہمراہ تھے۔ اس سفر میں جو کچھ انہوں نے دیکھا اس سے متاثر ہو کر انہوں نے ... کہ حیدرآباد سے چند ہونہار نوجوان ... انگلستان تعلیم کے لئے روانہ کئے جائیں جو واپس آ کر ریاست کے مختلف عہدوں کو سنبھالیں۔ ایک ایرانی نوجوان مرزا مہدی خان ... جو اسسٹنٹ انجینئرنگ کے امتحان میں کامیاب ہو چکے تھے ان کے ہمراہ تھے۔ ان ... رائل سکول آف مائنز میں داخل ہو گیا اور جب ہندوستان واپس ... سید علی کو نوکری سے چھڑا کر ... اپنے اسسٹنٹ ... اور پھر تکمیل تعلیم کے لئے انگلستان بھیج دیا جہاں انہوں نے ۱۸۷۹ء میں لندن یونیورسٹی کا امتحان درجہ اعلیٰ میں ... کیا اس امتحان میں ... اختیاری زبان جرمن اور فرانسیسی تھی۔ انہوں نے کیمسٹری، طبیعیات، معدنیات اور ان کے متعلقہ مضامین کی تعلیم ... سال میں ختم کی۔ ... ذہانت و قابلیت کے تحسینی ... کئے ... ایسے باکمال پروفیسروں سے ... انگلستان چھوڑ کر فرانس، اسپین ہوتے ہوئے کچھ ماہ ... میں ... زبان سیکھنے کے لئے قیام کیا۔ سنسکرت اور بنگالی تو پہلے ہی سے جانتے تھے حیدرآباد میں ... نے مرہٹی اور تلنگی بھی سیکھ لی۔ ان کا حافظہ بلا کا ... تھا۔ جو ایک دفعہ پڑھ لیتے بھولتے نہ تھے۔ فرانسیسی زبان میں بے تکلف باتیں کرتے تھے۔ اور قلم برداشتہ لکھتے تھے۔ جس زبان کی کتاب پڑھتے پڑھتے ایک ہی نظر میں معنی و مفہوم سمجھ لیتے تھے۔ چودہ زبانیں ایسے جانتے تھے کہ یہ سب گویا ان کی مادری زبانیں ہیں۔ بنارس کے پنڈتوں کو ان کے سنسکرت کے لہجے میں ... شاستری کی جھلک نظر آتی تھی اور ان کے تلفظ پر بیاس جی کا شبہ ہوتا تھا۔ یورپ سے واپسی پر ... ڈائریکٹر جنرل معدنیات مقرر کر دیئے گئے۔ انہوں نے اور مرزا مہدی خاں نے جو ان سے ایک دو سال پہلے واپس آ چکے تھے مل کر باکمال ... اور ... معدنی تحقیقات شروع کی۔ جب ان کی ریٹائرمنٹ کا وقت آیا تو وہی ہوا جو ہوتا چلا آ رہا ہے بقول اکبر الٰہ آبادی ؎

کچھ قدر نہیں اس کی پرستش ہی نہیں اس کی
نیٹو کی لیاقت ہی مفلس کی جوانی ہے

سر سالار جنگ نے جو ریاست کی خوش انتظامی اور مالی فلاح کے منصوبے باندھے تھے اس میں رکاوٹیں تو انہی کی زندگی میں پیدا ہو گئی تھیں ان کے بعد یہ کیسے گوارا ہو سکتا تھا کہ سید علی اور مرزا مہدی ایسے کثیر المعلومات نوجوانوں کو مزدوری دکن سے سونا نکلوانے کی اجازت

[illegible] ایک [illegible] عماد الملک [illegible] ایک آدمی — یہی [illegible] ——— [illegible]
[illegible] سے محروم کر دیا گیا [illegible] تو علی [illegible] کے [illegible] صلاحیتیں [illegible]
[illegible] سید علی [illegible] تعلیمات [illegible] [illegible] میں [illegible]
[illegible] پر فیسر ہو گئے۔ [illegible] دونوں نے [illegible] ہاتھ سے [illegible] چلے [illegible]
[illegible] کی قوت [illegible] تھی [illegible] [illegible]

جب [illegible] سید علی [illegible] چند [illegible] حاصل [illegible] تھے [illegible] یونیورسٹی کے قیام کی تحریک [illegible]
[illegible] تھی جس کا [illegible] ہوئے گزشتہ سے [illegible] تھی۔ [illegible]
[illegible] تعلیم دینا چاہتی ہے جس کے لئے دیسی زبانوں میں [illegible] موجود ہیں [illegible]
[illegible] زبان میں [illegible] ہوگی [illegible] تعلیم دینا پڑے گی۔ [illegible] سید علی [illegible]
[illegible] [illegible] [illegible] تکمیل [illegible]
[illegible] صاحب [illegible] انہوں نے سنسکرت [illegible]
[illegible] امتحانات کے [illegible] گئے تھے۔ [illegible]
[illegible] زیادہ ہیں۔

نواب [illegible] جنگ ثانی اور نواب سر آسمان جاہ کی وزارت کے دور میں جو مجلسیں ہوتی رہیں [illegible] ہوئیں۔ [illegible]
[illegible] سے [illegible] ہو کر انھیں وزارت کا خیال [illegible] تو [illegible] مستحق [illegible]
[illegible] بھول جاتا ہے۔ [illegible] کے حق میں [illegible] ثابت ہوا۔ علیگڑھ یونیورسٹی کے ایل ایل بی کے [illegible] کے امتحان میں [illegible]
[illegible] گئے تھے لیکن انھوں نے فیس داخل کر کے امتحان کی تیاری شروع کر دی [illegible] تیاری [illegible] چھوڑ چکے
تھے امتحان میں بیٹھے اور یونیورسٹی بھر میں اول آکر طلائی تمغے اور یونیورسٹی کے اسکالرشپ کے حقدار [illegible]
حیدرآباد کے معاملات پر مسٹر [illegible] نے ایک پمفلٹ شائع کیا تھا۔ ایک گروہ کا خیال [illegible] یہ پمفلٹ [illegible] جس کے [illegible]
[illegible] سید علی بلگرامی اور محمد صدیق [illegible] بیرسٹر کہے جاتے تھے شائع [illegible] ہے۔ [illegible] فتح نواز جنگ کی [illegible] صاحب کی
نجی زندگی کے متعلق جو واقعات بیان کیے گئے ہیں ان کو اس ریاست میں سوائے عماد الملک اور سرور الملک کے کوئی نہیں جانتا [illegible]
عماد الملک آسمان جاہ کی وزارت کے حامیوں میں سے ہیں۔ اس لئے یہ مواد سرور الملک کے [illegible] کسی نے نہیں دیا [illegible] اس مقدمے کی پیروی کے لئے
[illegible] کی طرف سے [illegible] کے مشہور بیرسٹر مسٹر ایرڈلی نارٹن جو اس زمانے میں مدراس میں وکالت کرتے تھے اور بمبئی کے مشہور سالیسٹر [illegible]
بلائے گئے۔ یہ مقدمہ ایک کمیشن کے سامنے ۱۸۹۲ء میں بڑے زور شور سے چلا تھا۔ یہی مقدمہ درحقیقت [illegible] فتح نواز جنگ کو حیدرآباد سے
نکالے جانے اور سر آسمان جاہ کی وزارت کے ٹوٹنے کا پیش خیمہ ہوا۔ ۱۹۱۹ء یا ۱۹۲۰ء میں جب میں دہلی میں وکالت کرتا تھا ایک مقدمے
میں میرا اور مسٹر نارٹن کا اورنگ آباد آنا ہوا۔ اس مقدمے میں مسٹر محمد اصغر انصاری بیرسٹر (جو بعد کو ہائی کورٹ کے جج ہوئے) جونیر
کے طور پر کام کر رہا تھا۔ اکثر ہم تینوں کی تفریحی صحبتیں رہتی تھیں۔ مسٹر نارٹن بڑے بذلہ سنج اور ہنس مکھ تھے ان میں گورے کالے کی تفریق
کا مادہ بہت کم تھا۔ وہ اکثر ان صحبتوں میں بڑی شخصیتوں کا [illegible] تفریق کے مذاق اڑاتے رہتے تھے [illegible] اور اس زمانے کی "گندی سیاست"
کا تذکرہ کرتے ہوئے نارٹن نے کہا کہ اگر سید علی بی اے ایل کا امتحان دے کر حیدرآباد واپس نہ آتے اور کلکتے ہی میں رہ جاتے تو وہ بہت

جلد کلکتہ بازی میں نمایاں مقام حاصل کر لیتے۔ ان کا حافظہ قوی، ذہن تیز اور نظر وسیع تھی۔ جنیں [illegible] اور انہیں بہت [illegible]
کے واقعات معلوم رہتے ہیں مگر [illegible] خیال سے ان کا دل [illegible] ہوتا ہے [illegible] میں جو قانون پیشہ [illegible]
[illegible] ریاستوں میں ترکی شعبے کے تحت [illegible] مگر [illegible] ان کی خدمات کا اعتراف [illegible]
[illegible] میں [illegible] اور [illegible] یونیورسٹی نے ان کو [illegible] دیا۔ [illegible] انہوں نے ایک [illegible]
[illegible] تھا۔ [illegible] میں [illegible] نواب عماد الملک اور علامہ شوستری اور مولوی سید کرامت حسین صاحب
[illegible] کے [illegible] سے مضامین شائع ہوتے تھے۔ [illegible] علامہ [illegible] انہوں نے [illegible]
[illegible] کا ترجمہ [illegible] کا ذوق متعلق [illegible] کاوش [illegible] کی [illegible]

[illegible] ہزار روپیہ ملا۔

[illegible] کے زمانے میں دو حضرات جو سید علی صاحب [illegible] کے لئے [illegible] ثابت ہوئے [illegible]
علمی کاموں [illegible] سے مدد کی۔ انہوں نے اس موقع کو غنیمت جان کر ایک رشتہ علم و فنون قائم کر لیا [illegible]
کی [illegible] بہت سی کتابیں [illegible] ترجمہ [illegible] انہوں نے مولانا شبلی کا تقرر بحیثیت [illegible] رشتہ علوم و فنون [illegible]
[illegible] سید [illegible] صاحب [illegible] روپیہ ماہوار وظیفہ مقرر کرایا۔ ان کی تالیف [illegible]
[illegible] کے لئے انہوں نے [illegible] پیش [illegible] ایک [illegible] رقم منظور کرا کے ان کے حوالے کر دی۔

[illegible] انہوں نے ایک تحقیقاتی مضمون [illegible]
[illegible] سے [illegible] کتاب [illegible] کا ترجمہ [illegible]
[illegible] ہو گئے [illegible] جب [illegible] کے پروفیسر ہو گئے تو [illegible]
متعلق [illegible] مختلف نسخے [illegible] کے حوالے یا اقتباسات تھے اور [illegible]
[illegible] کا ترجمہ [illegible] ہندوستان آتے [illegible] جب [illegible]
[illegible] متوجہ ہو گئے [illegible] یونیورسٹی کا نصاب بنانے میں مشغول ہو گئے [illegible]
نے اس کے مرتب کرنے کے لئے یورپ اور مصر کی یونیورسٹیوں کے طریق [illegible] اور تعلیمی نصاب کا مطالعہ کیا۔ [illegible]
[illegible] بہت [illegible] یونیورسٹی سے متعلق [illegible] بہت کم ہو جاتی [illegible] بات تھی [illegible]
چانسلر ہوتے۔ [illegible] دونوں ان پر بھروسہ کرتے تھے۔

تمدن ہند اور تمدن عرب ان کے دو بڑے شاہکار ہیں جو ان کے نام کو ہمیشہ زندہ رکھیں گے۔ ان دونوں کتابوں کا مصنف موسیو لیبان ہے۔ یورپ میں یہ دونوں کتابیں اس [illegible] کی یادگار ہیں اور بڑی مستند ہیں۔ ان کتابوں کا ترجمہ انہوں نے [illegible] پورا [illegible] پڑھ لیتے تھے پھر قلم اٹھا کر اپنی زبان اردو میں لکھنا شروع کر دیتے تھے اور پھر مجال نہیں کہ مصنف کا منشا فوت ہو جائے۔ ان عظیم کتابوں کو پڑھتے وقت یہ محسوس ہی نہیں ہوتا کہ یہ کسی کتاب کا ترجمہ دوسری زبان سے اردو میں ہے۔ انہیں ہند کے پرانے تمدن سے بڑی دلچسپی تھی۔ [illegible] کے مشہور غاروں کی جس میں بعض تو اس وقت مٹی میں دبے ہوئے تھے بڑی چھان بین کی اور ان پر گائیڈ کے طور پر ایک کتابچہ لکھا جس [illegible] آئندہ چل کر ان لوگوں کو جنہوں نے پرانی یادگاروں کی تحقیق کی بڑی رہنمائی ہوئی۔ انہوں نے فارسی اور سنسکرت کی تعلیمی [illegible] کا تقابل کیا اور اس پر ایک پورا رسالہ لکھا۔ حیدرآباد کی اقتصادی حالت اور یہاں کے

[illegible]

[illegible]

... کتابوں کا ... [illegible] ... ترتیب ... [illegible]

[illegible]

... نسبت منسوب کرنا شروع کر دی ... جب ... اس وقت تک یہ کتاب ... رکھنے والوں ... [illegible]

... اس کی عکسی کاپیاں ہو چکی تھیں ... [illegible]

اردو اور عربی میں لکھا گیا۔ مقصد اس کتاب کو چھاپنا نہیں تھا بلکہ ... کتب خانے کا نام ... [illegible]

... میں بھی کامیاب ہو چکا۔ کیمبرج یونیورسٹی میں ان کی جو عظمت و توقیر تھی اور ان کی ... کے ساتھ دلچسپی کی جو شہرت تھی اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ کیمبرج کی لائبریری میں ایک پرانی کتاب ... تھی ... اس کتاب کے ... نسخے ... [illegible] ... کی مرتب ... [illegible] ... تقسیم ہو چکے تھے۔ صرف ایک ... پروفیسر صاحب کے پاس رہ گیا تھا جن کا اس سبجیکٹ سے تعلق تھا۔ سید ... صاحب سے جب اس کتاب کا تذکرہ آیا تو انہوں نے یہ کہہ کر کہ آپ اس کے مجھ سے زیادہ مستحق ہیں یہ کاپی ان کے نذر کر دی۔ انہیں مصر کی پرانی تاریخ پر ایک نایاب کتاب ہاتھ آ گئی۔ انہوں نے اس کے حصے رائل ایشیاٹک سوسائٹی کے جرنل میں طبع کرانا شروع کر دیے۔ انہوں نے کلام پاک کا ایک ایسا انڈکس بنوانا چاہا جس کے ذریعہ سے ہر موضوع پر آیات جس سورت میں ہو آیت اور سورت کے حوالے سے مل سکے۔ اسی طرح سے انہوں نے عربی مصنفین کا نام وار ایک انڈکس حیدرآباد ہی میں بنوانا شروع کیا تھا۔ جس سے ہر مصنف کی تحقیقات کا پتہ چل سکے۔ ان دونوں کو ان کا ارادہ یورپ میں طبع کرانے کا تھا مگر یہ کام بھی جوں کا توں ہی رہ گیا۔

شرافت کا پیمانہ اس کی ذات ہے کہ بچہ جس ماحول میں پرورش پاتا ہے۔ اس کا اثر غیر شعوری طور پر اس کے عادات و خصائل پر ضرور پڑتا ہے
سید علی اپنے وطن [illegible] سے دور ایک متمول صاحب عزت کے گھر میں پیدا ہوئے تھے۔ [illegible] کی تشکیل تو بچپن کے بعد جب [illegible]
[illegible] برس کی تھی [illegible] بچپن کا [illegible] ہو گئے تو [illegible] ہو گئی ہے۔ [illegible] برس کا [illegible]
جس ماحول میں [illegible] خوشحال خاندانوں کی [illegible] پر پلے ہوئے تھے۔ [illegible] انہیں اپنی خاندانی وجاہت کا احساس [illegible]
[illegible] تھا پھر ان کے [illegible] پر ان کی [illegible] سید صاحب [illegible] ہو گیا۔ [illegible]
[illegible] کے گھر کے [illegible] تھے [illegible] ہونے کے بعد [illegible] تھی [illegible]
[illegible] مستحق ہونے [illegible] کی شہرت بھی ہو رہی ہے۔ [illegible]
[illegible] تھا [illegible] صاحب [illegible] کے گھر سے [illegible]
[illegible] صاحب تھے۔ [illegible]
[illegible] کی بات ہے۔ [illegible]
ان راستوں [illegible] کی طرف ہوتے ہیں۔ جب [illegible]
مصروف ہوتے تو ان کے گھر پر [illegible] کی طرف کبھی نہیں [illegible]
تھے اچھا پہنتے تھے [illegible] رہتے تھے۔ ان [illegible] تھا مگر [illegible] آتی تھی [illegible]
کے یہاں آنا جانا رہتا تھا۔ [illegible] سے پاس [illegible] آتا اور [illegible] گفتگو [illegible]
کی بیگم صاحبہ غیر معمولی تھیں۔ [illegible] شوہر کی رشتہ داری کو مقدم رکھا۔ اپنے شوہر کے بھائیوں [illegible]
[illegible] اپنی [illegible] ان کے ساتھ گئیں [illegible] ہندوستانی کھانا کھاتی تھیں [illegible]
تھے آج تک ان کو محبت و احترام سے یاد کرتے ہیں۔ [illegible] ہندوستانی لباس چھوڑا نہ خاندانی رسم و رواج ترک کیا جس طرح [illegible]
وہاں بھی پا لیں۔ سید علی صاحب جب تک حیدرآباد میں برسرِ خدمت رہے۔ جہاں اہل غرض نے ان کو گھیرا وہ اس کی مدد کو تیار رہتے تھے۔
سفارش کرنے سے دریغ نہ کرتے تھے۔ بعض وقت تو اس بارے میں وہ حد سے زیادہ بڑھ جاتے تھے۔ مولوی خدا بخش خاں جن کی پٹنے میں
لائبریری مشہور ہے۔ وہاں وکالت کرتے تھے وہ درجہ دوم کی سند تھی۔ حیدرآباد میں ایک مقدمے کے سلسلے میں آئے سید علی صاحب [illegible]
کے والد دونوں سے ان کی واقفیت تھی اسی وجہ سے وہ مولوی صاحب کے یہاں ٹھہرے ہوئے تھے۔ انہوں نے خواہش کی کہ اگر یہاں ان کو
درجہ اول کی سند مل جائے تو اچھا ہے۔ سید علی صاحب نے کہا کہ یہ کیا بڑی بات ہے اور مولوی میر افضل حسین صاحب چیف جسٹس کے
پاس گئے اور پرانے تعلقات جو ان کے خاندان کے مولوی خدا بخش سے تھے وہ بھی بیان کیے۔ میر صاحب نے ان کو سوکھا جواب دے دیا۔
جب مولوی خدا بخش خاں صاحب کو یہ علم ہوا تو ان کو افسوس ہوا اور سید علی صاحب سے معذرت چاہی کہ آپ کو میری وجہ سے ایسا جواب
سننا پڑا۔ سید علی صاحب نے کہا نہیں مولوی صاحب میں آپ کو ایک نہ ایک دن یہاں کا میر مجلس کرا کر رہوں گا۔ چنانچہ جب وقار الامراء
کا دور شروع ہوا تو مولوی خدا بخش میر مجلس ہو کر ہی رہے۔ نواب سر عقیل جنگ بہادر کہتے تھے کہ میں حیدرآباد سے بیزار ہو کر بمبئی جانے والا
تھا۔ ملازمت کے وعدے تو بہت سے ہوتے مگر پورا ایک بھی نہیں۔ ایک دن میں اپنے چچا سید علی صاحب سے ملنے گیا اور ان کی دریافت
پر کہا کہ کل بمبئی جا رہا ہوں۔ انہوں نے کہا کیوں۔ سید عقیل نے کہا کہ میں بمبئی میں جا کر خود نوکری تلاش کروں گا۔ انہوں نے کہا کہ ایک دن تو اور ٹھہر
جاؤ اگر تم کو ملازمت نہ ملے تو جہاں دل آئے چلے جانا۔ کل صبح [illegible] میں ہیں مجھے وقار الامراء کی ڈیوڑھی پر ملو۔ چنانچہ صبح میں گیا۔ چچا بھی آئے

[illegible]

[illegible] نہیں تھا۔

[illegible]

[illegible] بھائی کی طرح [illegible] بیٹھنے والے نہ تھے۔

سید علی صاحب مرحوم اپنے [illegible] کی طرح مذہباً شیعہ تھے۔ ان کی [illegible] [illegible] کرتے تھے [illegible] سے دور بھاگتے تھے۔ [illegible] خلافت کی ایک [illegible] وقت تک جس کا اظہار [illegible] کے خیال کے مطابق [illegible] جاتا ہے اور جو [illegible] ان کے درمیان [illegible] مذہب ہے۔ مذہب [illegible] کے تابع کر دیا جائے۔ ان کو یہ دیکھ کر افسوس ہوتا تھا کہ اسلام کی [illegible] تہذیب مسلمانوں کے [illegible] ہو رہی ہے۔ جب علی گڑھ کی پروفیسری سے علیحدہ ہو کر واپس آئے تو اس کے کچھ دن پہلے ہی نواب وقار الملک اور مسٹر [illegible] کے درمیان [illegible] اسٹاف کے علی گڑھ کالج میں [illegible] کے متعلق سخت جھگڑا چل رہا تھا۔ درحقیقت [illegible] کے باعث شیعہ کالج بنانے کی تجویز پیدا کرائی گئی تھی۔ جب ان سے یہ تمام اندرونی باتیں بیان کی گئیں تو انہوں نے اس تحریک کو نہایت [illegible] کہا۔ ایک دفعہ [illegible] فرمانے لگے کہ تمہیں معلوم ہے کہ علی گڑھ کالج میں صرف ایک ہی مسجد کیسے بنی۔ جب سرسید اقامت خانے کا [illegible] کلاسوں اور دوسرے [illegible] کا نقشہ تیار کرا رہے تھے تو بورڈنگ کے احاطہ میں دو مسجدیں بنوانا چاہتے تھے میرے بھائی نے اس کی سخت مخالفت کی اور سید صاحب سے کہا اگر آپ ہی شیعہ سنی طلباء سے ایک مسجد میں نماز نہ پڑھوا سکے تو جب یہ یہاں سے تعلیم پا کر نکلیں گے تو آپ کے مشن کا کیا حال ہوگا۔ سرسید نے فوراً ہی دو مسجدوں کا ارادہ ترک کر دیا۔ [illegible] ایک ان کے بارسوخ دوست نے انہیں آل انڈیا شیعہ کانفرنس کی صدارت کے لئے لکھا کہ آپ شیعہ ہیں، عالم ہیں، صاحب مال و جاہ ہیں اس

عہدے کو قبول کر کے شیعہ قوم کی رہنمائی کیجئے۔ آپ نے جواب میں لکھا کہ میں شیعہ ضرور ہوں مگر عالم نہیں صاحب علم ہوں۔ علاوہ ازیں میں ذہنیت و ذہانت سے نا واقف ہوں۔ میں اس قسم کی کانفرنسوں کو پسند نہیں کرتا۔ مسلمانوں کے لئے ایک آل انڈیا ایجوکیشنل کانفرنس موجود ہے اس کی موجودگی میں ان کی حیثیت رہ گئی ہے۔ ان کے مزاج میں مزاح بھی تھا۔ اجمیر میں خواجہ صاحب کی درگاہ میں فاتحہ پڑھنے گئے تھے۔ وہاں سے درگاہ میں داخل ہوتے ہی مرقع سامنے دیکھ کر مجاوروں نے انہیں گھیر لیا۔ انہوں نے کہا کیوں گھیرتے ہو میں تو والی ہند ہوں۔ مولوی صاحب بیان کرتے تھے کہ ایک دفعہ وہ مولانا شبلی ۔ (تحریر) وغیرہ ان کے یہاں بیٹھے ہوئے تھے مولانا شبلی نے سید صاحب سے خطاب کر کے کہا کہ عبدالقادر جیلانی نے کوئی کتاب شیعوں کے خلاف نہیں لکھی تو شیعوں کو حضرت کے ساتھ اتنی عداوت کیوں ہے۔ سید صاحب نے جواب دیا کہ کتاب لکھنے نہ لکھنے کا سوال نہیں ہے انہوں نے جیلانی آدمی سلطنت چھین لی ۔ کہا کہ وہ کیسے۔ انہوں نے جواب دیا اگر وہ نہ ہوتے تو سب ہمارے اماموں ہی کی پرستش کرتے۔ اگر اس طرح آپ کی سلطنت چھن جائے تو آپ کیا کرتے۔ ایک مولوی صاحب نے آپ سے ایک کتاب نقل کرنے کو مانگی مروت کے واسطے انکار تو نہ کیا کتاب نکالی اور دیکھ دیکھنے لگے کہ کتاب تو نایاب ہے مگر جلد سازی کے پڑھنے کی ہے۔ مولوی صاحب نے واپس کی ۔ آپ کرتے تھے۔ ایک دن کچھ دوستوں کو شیعہ قوم کا حال سنانے لگے ایک صاحب نے کہا کہ کیا ابھی قوم باقی ہے۔ اس صحبت میں ایک پختہ رنگ مولوی صاحب بھی اتفاق سے موجود تھے مسکرا کر ان کی طرف اشارہ کر دیا۔

گرمیوں کا زمانہ تھا۔ ۳ مئی ۱۹۱۱ء کی رات میں کھانا کھانے کے بعد وہ اپنے برادری کے مکان میں ہنس کر بیٹھے ہوئے بھابی ۔ بیگم صاحبہ ۔ اپنی بچی رضیہ بیگم اپنی بچی کی سے ہنس ہنس کر باتیں کر رہے تھے کہ ان کے الفاظ میں:

> "آسمان سے ملک الموت بن کر ایک تارہ ٹوٹا جس کی روشنی سے سب کی آنکھیں چکا چوند ہو گئیں مگر ان کے پلک جھپکاتے ہی ان کی حرکت قلب بند ہو گئی۔ جو ابھی چند منٹ پہلے اپنے فرزندان سے ہنس بول رہے تھے وہ چیخ چیخ کر رونے لگے جو گھر ابھی عشرت کدہ بنا ہوا تھا وہ ماتم کدہ بن گیا"

منشی سجاد حسین

(ایڈیٹر اودھ پنچ)

ممتاز حسین جونپوری

منشی سجاد حسین ۱۸۵۶ء میں پیدا ہوئے۔ یہ وہی زمانہ ہے جس میں اودھ کے آخری تاجدار سلطان عالم واجد علی شاہ سے ساتھ ایک سنجیدہ مذاق کیا گیا اور انگریزوں نے انہیں کسی قصور کے بغیر تخت و تاج سے محروم کر کے مٹیا برج بھیج دیا۔ ان کے جانے کے بعد لکھنؤ کی بساط ہی الٹ گئی اور بڑے بڑے ادیبوں اور استادوں کا شیرازہ بکھر گیا۔ جو تھوڑی بہت کسر رہ گئی تھی وہ ایک برس بعد غدر کے ہنگامے نے پوری کر دی۔

یہ تھا وہ سیاسی پس منظر جس میں اودھ پنچ کے ہونے والے ایڈیٹر منشی سجاد حسین نے آنکھ کھولی۔ جہاں تک ادبی فضا کا تعلق ہے اس وقت اردو زبان نئے نئے خیالات کو اپنا چکی تھی اور اس پر انگریزی اثرات نمایاں ہو چکے تھے۔ انگریزی حکمرانوں اور حالات کی شدت نے ادبی حلقوں پر غور و فکر کی راہیں کھول دی تھیں۔ منشی سجاد حسین نے اسی فضا میں پرورش پائی اور بڑے ہو کر ان سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔

ان کے مورث اعلیٰ یوں تو بارہ بنکی کے مشہور اور مردم خیز قصبہ ردولی شریف سے تعلق رکھتے تھے لیکن کاکوری کی کشش انہیں کاکوری شریف کھینچ لائی تھی۔ یہ دونوں بہت پرانی اسلامی بستیاں ہیں اور اسلامیانِ ہند کے لئے یکساں باعث عقیدت و احترام۔ منشی سجاد حسین ایک اونچے اور معزز گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے والد شیخ منصور علی ڈپٹی کلکٹر اور ماموں نواب محمد حسین لکھنؤ کے مشہور نامی وکیل تھے جو بعد میں ریاست حیدرآباد کی عدالت العالیہ کے چیف جسٹس ہو گئے تھے۔ منشی صاحب نے ابتدائی تعلیم لکھنؤ میں اپنے ماموں کے پاس ہی پائی اور اردو فارسی پر عبور کے علاوہ عربی میں بھی شدبد حاصل کی۔ اس زمانے میں لکھنؤ برباد ہو چکا تھا لیکن شرفاء کے خاندانوں میں بڑی ٹکسالی زبان بولی جاتی تھی۔ بیگمات کی زبان اور محاورات مستند تھے چنانچہ منشی سجاد حسین کو بچپن ہی سے اچھی زبان سیکھنے اور اچھی اردو پڑھنے کا موقع ملا اور یہی وجہ تھی کہ وہ جوانی ہی میں زبان کے زبردست محقق تسلیم کئے جانے لگے۔ ان کی طبیعت شروع

ہی سے بڑی چلبلی تھی۔ پڑھنے زمانے کے سرری سپاہیوں کی غذا اور شریح حسین کے سبب ہی کیا غضب تھے۔ یہ اکثر اپنے استادوں کو سبق پڑھتے وقت پریشان کرنے میں بڑی دلچسپی لیا کرتے تھے۔

۱۸۷۳ء میں انٹرنس کا امتحان پاس کرکے اور کالج میں ایف اے تک پڑھ کے بھاگ نکلے اور فیض آباد میں فوجیوں کی فوج میں جمعدار پر مقرر ہو گئے لیکن جلد ہی گورنمنٹ ہی رہنا اور فوجیوں کی صحبت سے دل اچاٹ ہو گیا۔ لکھنؤ کی یاد ستانے لگی تو ایک دن نوکری پر دو حرف بھیج کر گھر چلے آئے۔

مضمون نویسی کا شوق بچپن ہی سے تھا اور چلتے پھرتے ادیب اور نقاد بننے کا بھی شوق تھا چنانچہ دوسری نوکری کا خیال ترک کرکے ماہوار کے منشی محفوظ علی رفیق جیسے نقاد ادیب کے اخبار ... کی طرز پر ۱۸۷۷ء میں لکھنؤ سے ہفت روزہ اودھ پنچ نکالا اور اسے چھاپنے کے لئے "شام اودھ" کے نام سے ایک چھاپہ خانہ بھی قائم کیا۔ اس زمانہ میں کچھ عرصہ لکھنؤ کے محلہ ... میں رہے پھر گولہ گنج منتقل ہو گئے۔

یہ وہ دور تھا جب کہ سودا کی ہجو اور ظرافت اور ... کے چٹکلوں کی جگہ پر یہ مذاق لکھنؤ کی محفلوں میں ... رنگ ... مقبول نہیں ہوا تھا ... اور بننے بنانے والے ادب کا چرچا لکھنؤ کے بچے بچے سے اہل زبان تھا اور ... بکنے والے گلی گلی تشبیب ... بستی سے ... جاتے تھے ... کے لئے اب بھی لکڑیوں ... کی تختیاں اور ... کی ... پر گنڈیریاں کرتا ... اور ... پھینکی جاتی تھی۔ جیسے ... مزاج ظرافت کی دوکان کے ... بیٹھے رہتے تھے۔

یہ تھا اس زمانے کا لکھنؤ جب منشی سجاد حسین نے ظرافت کا نیا معیار پیش کیا اور نثر کی ادب میں ایک نئی طرح ڈالی۔ انہوں نے مزاح کے پردے میں زبان اور محاورات کی اصلاح پر سارا زور قلم صرف کر دیا اور اس کوشش میں اخلاق اور سیاسی مقاصد بھی فراموش نہ کیے۔ اس لحاظ سے انہیں ایک ایسے سپاہی سے تشبیہ دی جا سکتی ہے جس نے اپنے قلم سے جہاد کیا اور ملک کی آزادی اور قوم کی فلاح کے لئے مذاق ہی مذاق میں وہ کچھ کر دکھایا جو بڑے بڑے سیاسی لیڈروں سے نہ ہو سکا تھا۔

منشی سجاد حسین کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے ایک ایسی ادبی اقلیم میں ظرافت کا اعلیٰ معیار قائم کیا جہاں پھکڑ پن اور جگت کا سکہ رائج تھا۔ منشی سجاد حسین نے مذاق اور ظرافت میں سنجیدگی اور توازن پیدا کیا اور اس سے بھی زیادہ یہ کہ ملک کے گوشے گوشے سے چوٹی کے مزاح نگار شاعروں اور ادیبوں کو ڈھونڈ کر انہیں دنیا سے روشناس کرایا۔

"اودھ پنچ نے سماجی، سیاسی، اقتصادی، علمی اور ادبی مضامین سے دیکھتے دیکھتے معاشرے میں انقلاب برپا کر دیا اور ملک کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک ہلچل سی مچ گئی۔ یہاں تک کہ اکبر الٰہ آبادی بھی "اودھ پنچ" کے جادو سے محفوظ نہ رہے۔ وہ اس وقت تک قصبۂ کڑا کے مشہور استاد وحید مرحوم سے سنجیدہ غزلوں پر اصلاح لیتے تھے لیکن "اودھ پنچ" ہی کے زیر اثر پرانا خرقہ و جبہ دور پھینک اور دقیانوسی رنگ تغزل چھوڑ کر دریائے ظرافت میں غوطہ زن ہو گئے۔

اکبر مرحوم کا پہلا منظوم خط ۱۸۷۷ء ہی کے اودھ پنچ میں شائع ہوا۔ جس میں انہوں نے بڑے پرجوش طریق پر "اودھ پنچ" کا خیر مقدم کیا تھا۔ اسی کے بعد انہوں نے ظرافت کا چولا پہنا۔ اکبر مرحوم اودھ پنچ کے لئے نثری مضامین بھی لکھتے تھے۔ جو کبھی ان کے اپنے نام سے اور کبھی فرضی ناموں سے شائع ہوتے تھے۔ اودھ پنچ میں شائع ہونے والا اکبر کا منظوم خط بعد میں ان کے دیوان میں بھی شامل کیا گیا اور اسے کسی شک و شبہ کے بغیر اکبر کی ظریفانہ شاعری کا سنگِ بنیاد کہا جا سکتا ہے۔

منشی سجاد حسین کے [illegible] میں [illegible] ہے۔ ان میں [illegible] نواب [illegible] سید [illegible] پنڈت [illegible] منشی [illegible] [illegible] حکیم [illegible] شامل تھے۔

بہت [illegible] اودھ پنچ [illegible] جنگ میں [illegible]۔

"اودھ پنچ" [illegible] منشی سجاد حسین [illegible] شامل تھے۔ [illegible] مرزا [illegible] ہے۔

اودھ پنچ [illegible] منشی سجاد حسین [illegible] میں شائع [illegible]۔

[illegible] مرزا مچھو بیگ ستم ظریف [illegible] منشی سجاد حسین [illegible] اودھ پنچ [illegible] جنگ [illegible] تیار کیا۔

اردو صحافت میں کارٹونوں کے ذریعے اخبار [illegible] منشی سجاد حسین ہی نے ڈالی [illegible] "اودھ پنچ" پڑھتے وقت [illegible] کبھی [illegible] کبھی کانٹ چھانٹ کر دیتے اور کبھی [illegible] ایڈیٹر [illegible]

منشی سجاد حسین کا جسم دوہرا، قد میانہ، رنگ گندمی اور چہرہ گول تھا۔ چہرے پر [illegible] موجود تھی۔ ان کے بیٹھک [illegible] بے تکلف دوستوں کا جمگھٹا رہتا تھا۔ منشی سجاد حسین کا مزاج [illegible] سے بھی زیادہ سادہ تھا۔ عام طور پر [illegible] کی [illegible] پہنتے تھے، پاجامہ کبھی چھوٹے پائنچوں کا ہوتا تھا کبھی بڑے کا۔ چہرے سے شگفتگی برستی تھی۔ لہجے میں نرمی اور مٹھاس تھی۔ [illegible] تھے اور اپنی گوناگوں خوبیوں کے باعث ہر فرقے اور طبقے میں یکساں مقبول تھے۔

ایک بار ایک اخبار کے ایڈیٹر پر مقدمہ چلا۔ یہ صفائی کے گواہ تھے۔ مستغیث کے وکیل نے پوچھا کہ کل کی گواہی کے بعد جب آپ اپنے وکیل سے ملے تو کیا باتیں ہوئیں؟ انہوں نے کہا جانے دیجئے یہ نہ پوچھئے۔ وکیل صاحب نے جواب دینے پر اصرار کیا تو کہنے لگے "آپ کے متعلق فرماتے تھے کہ ایسا ایسا بیوقوف بنایا ہے کہ باید و شاید" ساری عدالت ہنس پڑی اور وکیل صاحب شرما کے بیٹھ گئے۔

منشی سجاد حسین بڑے نڈر، مستقل مزاج اور قانع انسان تھے۔ روپے پیسے کی ذرا بھی پروا نہ کرتے تھے۔ جو کچھ لکھتے بیباکی اور دلیری سے لکھتے تھے۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ انہوں نے ایک ریاست کی بدنظمی کے متعلق پے در پے مضامین لکھے۔ اس ریاست میں ان کے کچھ عزیز بھی اچھے عہدوں پر فائز تھے۔ چنانچہ انہیں بھی ایک اعلیٰ عہدہ پیش کر دیا گیا لیکن وہ صاف انکار کر گئے اور اپنے مسلک سے ذرا بھی انحراف گوارا نہ کیا۔

منشی سجاد حسین پکے کانگریسی اور کانگریس کے بڑے پرجوش حامی تھے۔ ۱۸۸۷ء میں نیشنل کانگریس میں شامل ہوئے تھے اور مرتے
۱۹۱۵ء تک سوائے دم تک اس کے ہمدرد رہے۔ ان کے کانگریسی دوستوں میں بڑے بڑے ادیب اور شاعر اور کے پرستار شامل تھے جن میں پنڈت
بشن نارائن در، بابو گنگا پرشاد ورما، مالک و مدیر "اخبار" اودھ پنچ کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ان کے علاوہ ... راجہ رام پال سنگھ
محمد آباد، ان کے بڑے مخلص دوستوں میں تھے۔ منشی سجاد حسین اور "اودھ پنچ" نے ایسے نازک وقت میں کانگریس کی مدد کی اور اس کے مقاصد کی
اشاعت میں نمایاں حصہ لیا جبکہ ہر طرف اپنی مرضی چل رہی تھی۔ ملک کی آزادی کا خواب دیکھنے کی جرات نہیں کر سکتا تھا۔ چند گنے چنے اور بے
سامنے کا ہر شخص خوشامدی، تاریخ اور ... علما اور لکھنؤ میں تو کانگریس کی مخالفت میں ایک باقاعدہ انجمن "اینٹی کانگریس" کے نام سے کام کر رہی تھی جس کا ...
اور ان کے ساتھیوں نے جم کر مخالفت اور مقابلہ کیا۔

۲۸ دسمبر ۱۸۹۱ء کو لکھنؤ میں کانگریس کا جلسہ ہونے والا تھا۔ اس کے مقابلہ میں اینٹی کانگریس والوں نے بھی ایک جلسے کا اعلان کر دیا اور ایک
اشتہار شائع کیا جس میں لوگوں سے شرکت کی اپیل کی گئی تھی۔ اس اشتہار میں لیس بد قسمتی سے "متعلقین" کا ذکر کیا تھا۔ اس پر منشی سجاد حسین اور "اودھ پنچ"
... نے ... عنوان سے ایک چٹ پٹا مضمون لکھا کہ بچارے مخالفوں کو لینے کے دینے پڑ گئے۔

اینٹی کانگریس والوں نے لکھا تھا "اس جلسے میں گورنمنٹ کے خیر خواہ، بچے، امرا، اقربا، احباب اور متعلقین کے ساتھ شرکت فرمائیں۔"

جواب میں منشی سجاد حسین کے مضمون کی چند سطریں ملاحظہ ہوں ——

"اس نیاز مند کو یہ معلوم ہے کہ اینٹی کانگریس نے متعلقین کو جو تکلیف دی گئی ہے اس کا ... کیا گیا ہے کیونکہ ایسے صاحبوں سے کچھ بعید نہیں کہ ...
کی طرح متعلقین جلسے میں موجود ہوں۔

"ہم یہ جانتے ہوں گے کہ متعلقین ... گھر بھی ... اور بیگم ... صاحب ... معظم ... پچھاد ... لئے
ہیں جس طرح تھیٹر گھوڑ دوڑ کے جلسوں میں اکثر اتفاق ہوتا ہے یہاں بھی یہ ... ہوں گی اور جب سارا گھر شریک ہوگا تو ضرورت کا سامان بھی ہمراہ ہوگا جو پیش
پیش خدمتیں، شیر خوار بچے (جن کے ابھی ٹیکہ لگا ہوگا)، بچوں کا گہوارہ، پان، ... پھوپھی بکری کا بچہ، چند خرگوش، ... جھپے ... کا پنجرا
(خاص اس مصلحت سے آئے گا کہ بولنے والے کی بولیاں یاد کرے) باورچی خانہ کا دیگ ... کے صاحبزادے، ننھو ... کا بابا ... کہتے کا بچا۔
چھوٹی صاحبزادی کی گڑیاں کا بچہ، کبوتروں کی کابک، مرغی کا ٹاپا، ... کے بیگم صاحبہ کا پاندان، ... طشت ... چنگ، گیرے، پلنگ پلنگڑی ...
تھا ... ہو جائیں۔"

اس مضمون سے نہ صرف منشی سجاد حسین کے نقد قلم اور ظرافت کا پتہ چلتا ہے بلکہ اس زمانے کے لکھنؤ کی زندگی پر بھی روشنی پڑتی ہے۔

اودھ پنچ میں جب بھی اس طرح کا مضمون شائع ہوا تو چرچا ہو گیا۔ منشی سجاد حسین کی ایسی دھاک بندھ گئی تھی کہ ہر شخص ان سے ڈرتا تھا لیکن آخر عمر میں
ایسا باغ و بہار آدمی بھی فالج سے لاچار ہو کر سوچ بچار کا پھول بن کر رہ گیا۔ اور بلا آخر دنیا سے بیزار ہو کر ایسا گیا کہ پھر لوٹ کر نہ آیا۔

آخری عمر میں انہوں نے کانگریس کے اجلاس کے لئے صدر استقبالیہ کی حیثیت سے ایک خطبہ لکھا جو ان کی بیماری کے سبب چکبست سے پڑھوایا گیا۔
مرنے سے پہلے یہ اعزاز بھی شاید انہیں آخرت کے خوف سے عطا کیا گیا۔ ورنہ زمانے نے ان کی ناقدری ہی کی۔

اگر وہ انگریزوں کی چاپلوسی کرتے تو کم از کم خان بہادری کا سوکھا خطاب تو لے ہی مرتے۔ مگر ان کے کردار کی عظمت اور قناعت کا یہ عالم تھا کہ تمام
عمر انگریز عہدہ اور خطاب دکھاتے رہے لیکن وہ ٹس سے مس نہ ہوئے۔ انہیں قانون کی گرفت سے بچا کر رکھنے کا بھی بڑا سلیقہ تھا یہی وجہ تھی کہ وہ انگریز
اور حکومت پر بڑی سے بڑی چوٹ کرنے کے باوجود کبھی قانون کی گرفت میں نہ آسکے۔ البتہ قدرت کے قانون کی گرفت سے وہ نہ بچ سکے اور قضا کا فرشتہ
انہیں سب سے بڑی عدالت میں پیش کرنے کے لئے اپنے ساتھ لے جانے میں کامیاب ہو گیا۔

مرزا محمد ہادی عزیز لکھنوی

ن۔ جالسی

۱۹۰۸ء [illegible] بات ہے کہ میں [illegible] دوازدہ سالہ [illegible] مشہور [illegible] حیثیت سے [illegible] نہایت محدود تھا۔ میرے مدرسے کے [illegible] اور [illegible] دوست [illegible]

عزیز صاحب ان دنوں میں مجھ سے بڑے [illegible] سے [illegible] ان کے شعر بھی [illegible] ہوتے تھے۔ یہ [illegible] مجھے حکیم سید محمد صاحب آشفتہ مرحوم کے ذریعے سے [illegible] تھے اور میں انگریزی پڑھتا تھا۔ آشفتہ مرحوم مجھ سے [illegible] تین برس بڑے تھے [illegible] خود بھی لکھنے کی کوشش کرتے تھے۔ کوئی باقاعدہ استاد [illegible] نہیں مجھ سے مشورہ کر لیا کرتے تھے۔ مگر [illegible] صاحب سے [illegible] خاص عقیدت تھی۔

میں نے لکھنؤ چھوڑا اور اس کے بعد مجھے معلوم نہیں کب آشفتہ صاحب نے عزیز صاحب کا تلمذ اختیار کیا۔ بہرحال انہوں نے اپنے استاد کے فیض سے خوب استفادہ کیا حتیٰ کہ چند [illegible] شعراء میں شمار ہونے لگے اور [illegible] شہرت حاصل کی۔

بہترے شعر عزیز صاحب کے میں نے ان سے سنے اور اس زمانے میں سنے جب عزیز صاحب [illegible] انہیں [illegible] زیادہ تر نہیں ایک قصیدہ [illegible] دو مطلع جو آشفتہ مرحوم نے سنائے تھے اب بھی یاد ہیں:-

(۱) فراقِ یار میں ہمت کر لبوں پر اب تو جاں آئی — کہاں تک [illegible] دل [illegible] شکیبائی

(۲) میاں [illegible] گذر [illegible] دم پڑا ہے تیرا شیدائی — ذرا [illegible] جانے والے آج اعجازِ مسیحائی

یونہی میری طالب علمی کے دو سال لکھنؤ میں گزر گئے لیکن میں اور جناب عزیز ایک دوسرے سے [illegible] نہ ہو سکے۔ یہ غائبانہ تعارف نومبر ۱۹۲۶ء [illegible] ہوا۔ اس عرصے میں میں بھی شاعر کی حیثیت سے جانا جا چکا تھا اور ان کا تو ایک مجموعہ [illegible] کے نام سے شائع ہو گیا تھا جو انہوں نے ۱۹۱۹ء کے لگ بھگ مجھے بھوپال میں بھیجا۔ میں اس زمانے میں نوکری کے سلسلے سے بھوپال ہی میں مقیم تھا۔

اگر کسی اخلاق کے ماتحت کچھ اور نہیں، صرف یہی ایک بات ضرور جانے کہ عزیز نے بہت پہلے کا پتہ نکالنے کی زحمت گوارا کی اور یہ تصنیف مجھے مرحمت فرمائی، اور جس کے ذاتی تعارف کا ذریعہ [illegible] ان کے دامن خلق کی وسعت ثابت ہوتی ہے — پرچند ان دنوں میں اور بھی بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے۔

افسوس ہے کہ بڑی مدت تک میں ان سے [illegible] ان کی زندگی اور زمانے کی تاریخ کا استبداد کہ [illegible] قائم ہوں [illegible] چاہئے تھا میں [illegible] ملیح آبادی اشکیرؔ [illegible] شامل ہیں — [illegible] کی محبت [illegible] اخلاق [illegible] مجھے [illegible] رکھتے

عرض نومبر ۱۹۲۶ء [illegible] جوش [illegible] لکھنؤ کے [illegible] ہے۔ اور عزیز صاحب [illegible] آگرے سے لکھنؤ آیا ہوا تھا۔ ایک دن مجھے بھی جوش صاحب [illegible] اور جوش صاحب نے میرا تعارف ان سے کرایا۔ [illegible] ہے کہ مرحوم نے مجھے اور میں نے مرحوم کو دیکھا [illegible] ہے اور مجھے بھی [illegible] مسرت حاصل ہوئی۔ [illegible] شعر خوانی [illegible] ارشاد فرمایا۔ یہ مختصر سی [illegible] صحبت برخاست ہوئی [illegible] اپنی قیام گاہ پر آئے۔

دوسرے دن لکھنؤ [illegible] جناب عزیز [illegible] اور دیر تک شعر خوانی ہوتی رہی [illegible] مزے مزے [illegible]

میری رخصت ختم ہوئی۔ تیسرے دن میں آگرے [illegible] لکھنؤ کو اس قدر جلد چھوڑنا شاق گزرا، بہت شاق۔

اس کے بعد لکھنؤ کے بعض مشاعروں اور کبھی کبھی دوسرے مقامات [illegible] ملاقاتیں ہوئیں اور ہمیشہ، ہر دفعہ ان کی خوش کرداری کی عظمت دل میں بڑھتی گئی۔ [illegible] محبت، مروت، [illegible] اخلاق اور نیک نفسی کا سکہ زیادہ نمایاں ہو کر بیٹھتا گیا۔ تا اینکہ ۱۹۳۳ء میں میری طلبی ریاست محمود آباد سے ہوئی اور میں چند روز کے لئے وہاں چلا گیا۔ یہ وہ زمانہ ہے جب جناب عزیز راجہ صاحب محمود آباد کو ادبیات اردو و فارسی کی تعلیم دینے پر مامور تھے[1]۔ اس عہد میں کبھی کبھی مجھے بھی ان سے ملنے کی مسرت حاصل ہوتی رہتی تھی۔

درمیان میں میں پھر آگرے چلا گیا اور ۱۹۳۵ء میں ریاست جے پور [illegible] کے لئے بلایا گیا۔ جے پور جانے سے پہلے چند روز محمود آباد میں قیام رہا مگر عزیز صاحب مغفور وہاں سے جا چکے تھے۔ اور اپنے وطن میں [illegible] تھے۔

صاحب فراش [illegible] تھے مگر نقاہت بڑھ گئی تھی۔ اسی حال میں ایک روز [illegible] اور یہ میری ان کی آخری ملاقات تھی جس کے چند ہفتے کے بعد ۲۹ رجولائی ۱۹۳۵ء کو یہ چراغ جس سے محفل شعر و ادب منور تھی ہمیشہ کے لئے گل ہوگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مرحوم کے پسماندگان میں تین لڑکے اور دو لڑکیاں ہیں، لیکن ان میں باپ کا ارث شاعری سب سے چھوٹے فرزند مرزا محمد جعفر حیات لکھنوی

---

[1] عزیز صاحب مرحوم کو غالباً ۱۹۲۷ء میں مہاراجہ سر محمد علی محمد خاں صاحب بہادر کے۔سی۔ایس۔آئی والی محمود آباد نے اس خدمت کے لئے منتخب فرمایا تھا، اس وقت سے آخر عمر تک یہی شغل رہا۔

[illegible] ... [illegible] نظر سے گزرے ہیں ... [illegible]

[illegible]

[illegible]

عادات و اخلاق [illegible]

شاگردوں کے ساتھ خصوصی برتاؤ اور شفقت [illegible] ... گوپی ناتھ صاحب امن لکھنوی ... ستیہ پال صاحب آنند لکھنوی ... [illegible] ... مرزا تصدق حسین صاحب صدق ... [illegible] ... شاگردوں میں ممتاز درجہ رکھتے ہیں ... ایک صاحب ... [illegible] ... ان کا کلام دیکھا ہے، وہ بھی عزیز صاحب کے ممتاز شاگردوں کی صف میں آتے ہیں ... [illegible] ... کلام مدارس کی بعض نصاب کی کتابوں میں بھی داخل ہے —— [illegible]

جن تلامذہ سے واقفیت ہے ان سے بارہا عزیز صاحب مغفور کا ذکر آیا۔ سب نے ویسی محبت سے یاد کرتے ہیں جیسے کوئی اپنے شفیق باپ یا مربی کو یاد کرے۔ جوش صاحب قوم کے پیشانی ہیں اور ایسی باتوں میں یوں بھی کوئی مادی نفع یا منفعت نہیں۔ میں نے انہیں تو کبھی رنج و خلوص کے ساتھ استاد کو یاد کرتے نہیں دیکھا باقی سب کو تو ان کی شفقت اور شاعرانہ کمالات کا ذکر کرتے ہوئے گویا اشک بار دیکھا ہے۔

صداں صاحب کا انتقال حضرت عزیز مرحوم کی حیات ہی میں ہوگیا۔ لیکن مسلم یونی ورسٹی کے ایک مشاعرے میں ان کو میں نے کمال احترام و عقیدت اور خلوص و محبت سے عزیز صاحب کا ذکر کرتے ہوئے ان کی استادی پر مباہات کرتے ہوئے اور ان کی اصلاحوں کی مدح سرائی کرتے ہوئے سنا ہے۔ معلوم نہیں عزیز صاحب کا ان کے سامنے انتقال ہوتا تو اس صدمے کو وہ کیونکر برداشت کر سکتے۔

خاندان عزیز صاحب لکھنؤ کے ایک عالی نسب مغل خاندان سے تھے۔ ان کے دادا میرزا محمد علی صاحب کا شمار اس زمانے کے اکابر علماء

یہ تھا ... صاحبِ تصانیف تھے۔ ایک کتاب ... [illegible] ... تصنیف ہے ... [illegible] ... صاحب ... [illegible]
... [illegible] ... جناب عزیز کے ... [illegible] ... لکھنؤ کے ... [illegible] ... میں تھے ... [illegible]
تھے ... [illegible] ...

علم و فضل اور شاعری

شاعری کا ... [illegible] ... ہندوستان اور پاکستان کے گوشے گوشے میں شہرت ... [illegible] اور ... [illegible] ... علم و فضل کے ... [illegible] ... معلوم نہ ہوں گے ... [illegible] کے مستند عالم اور عربی کے ... [illegible] ... [illegible] ... اور فضیلتِ علمی کے ساتھ ... [illegible] ... علما و فضلا ... [illegible] ... میں ممتاز رکھا۔

اس مضمون میں ... [illegible] ... خصوصیات ... [illegible] ... زندگی ... [illegible] ... تجاوز کی مترادف ... [illegible] خارج ہوگا ... [illegible] ... حضرت ... [illegible] شاعری کے ... [illegible] ... تھے ... [illegible] ... [illegible] ... [illegible] ... نظر کی ... [illegible] ... ہو جائے گا۔

خواجہ عبدالرؤف عشرت لکھنوی

خواجہ شمس الدین

ماضی کے لکھنؤ میں عشرت جیسے باکمال اور زندہ دل لوگ پیدا ہوتے تھے [illegible] ان کا [illegible] بسے گا۔ جو اپنے رنگ میں بے مثل تھا۔ جس نے چودہ [illegible] اور جو طرز [illegible] خوش [illegible] آبیاری کے شہر کی گلیوں میں پڑی تھی۔ شگفتہ [illegible] سات [illegible] کہ لکھنؤ کا ہے۔ بیان کے رنگ [illegible] صحبت [illegible] کے [illegible] نے بیان کے خصوصیات کا [illegible] رنگ بدل دیئے ہیں اور کیا عجب ہے کہ [illegible] دور کے بعد لکھنؤ [illegible] ہو آتا ہے وہ ختم ہو جائے۔ لکھنوی خصوصیات کے حامل کچھ بیان نظر آتے تھے کہ دیکھتے دیکھتے [illegible] سے اٹھ گئے اور جو چند باقی ہیں اٹھتے جا رہے ہیں [illegible] بے انصافی ہوگی اگر ہم ان مشاہیر کو [illegible] سے بھلا دیں اور ان کا تذکرہ [illegible] جن سے لکھنؤ کی تہذیب و ثقافت تھی اور جن کی [illegible] ہستیوں پر لکھنؤ [illegible] فخر کر سکتا تھا۔ ایسے ہی حضرات میں ایک نمایاں اور قابل قدر شخصیت مرحوم خواجہ عبدالرؤف صاحب عشرت کی بھی تھی۔ جن کے ادبی خدمات اور علمی و لسانی کمالات پر [illegible] اس وقت [illegible] ایک مستقل کام ہے جس کے [illegible] کافی وقت اور فرصت درکار ہے [illegible] میں ان کے ذاتی اور شخصی حالات اور ان کے اخلاق و عادات پر مختصر کچھ لکھنا چاہتا ہوں کہ وہ کیا تھے اور کن صفات کے انسان تھے۔ اور نثر پر [illegible] انہوں نے جو گرانقدر اور عظیم الشان [illegible] ارباب ادب [illegible] سے پوشیدہ نہیں ہیں۔ [illegible] کوئی رسالہ یا اخبار تھا جس میں ان کے مضامین کثرت کے ساتھ شائع نہیں ہوئے اس کے علاوہ ان کے تصانیف [illegible] ہیں کہ مرحوم وہ کام کر گئے جو دوسرے نہ کر سکے۔ ان کی سیرت کے متعلق مجھے قلم اٹھانے میں [illegible] محسوس نہیں ہوتی وہ میرے ماموں تھے اور میری حقیقی بڑی بہن (اللہ ان کا سایہ [illegible] قائم رکھے) ان کی منسوب تھیں۔ والد مرحوم خواجہ قطب الدین [illegible] چالیس [illegible] کے شاگرد بھی تھے اور ان کو مثل باپ کے سمجھتے تھے۔ میں نے جب سے آنکھیں کھولیں اور ہوش سنبھالا ان کو دیکھا [illegible] رہتے

مولانا فاضل ... میں تھے اور چوک میں مولوی ... نے نامی پریس کی مطبوعہ کتابوں کی بڑی دوکان کھولی تھی جس کے تمام انتظامات اور کام ان کے
مردوں کے پیچھے بھائی خواجہ غلام محمد مرحوم کے زیر نگرانی ہوتے تھے، یہ دوکان چونکہ وسط چوک میں واقع تھی، جہاں کی آمد و رفت کے بیچ میں
تھی، بڑے بڑے رئیس اور علما و شعرا کا جمگھٹا لگا رہتا تھا، یہ ادبی مرکز اور علمی مرکز تھا، خاص و عام آتے، جب شام ہوتی ہے تو یہاں تمام جگہوں اور بازار
چوک سے ملتی تھی، تیسرے پہر سے دس بجے رات تک چوک کی گرم بازاری کا وقت تھا، تین بجے سے دوکان کے سامنے کے بیچ میں ایک بڑی صراحی سے
کل صحن تک پانی کا چھڑکاؤ کیا جاتا تھا کہ زمین ٹھنڈی رہے اور گرد و غبار بیٹھ جائے۔ پہر سے شہر کے اشراف، رؤسا اور لکھنؤ کے
زندہ دل نوجوان، صاحب ذوق لوگ اپنی کال تفریح، ملاقات احباب یا خریداری کے لئے یہاں آتے تھے۔ مختلف دوکانوں میں ان کی نشست گاہیں تھیں
جہاں شہر کے اہل علم و ادب اور چیدہ حضرات کی سب سے بڑی نشست گاہ خواجہ صاحب کی دوکان تھی، جس کو وہ کتاب دار اور پیش گاہ بنا کر
سے مدکا ادارہ قرار دیا ہوا تھا۔ اور یہیں کا جو مجمع لگا رہتا تھا اس میں اکثر آیا کرتا تھا۔ مولانا شرر، مرزا تسلیم، آغا حشر کاشمیری، رشید
صاحب عروج، عارف، حسرت موہانی، وفا، مرزا محمد عسکری، ثاقب، جوش، محشر، واسع، اور مرحوم اسیر آتے تھے، اہل علم اور شعرا آیا کرتے تھے۔
خواجہ صاحب مرحوم کہتے تھے کہ مولانا محمد حسین آزاد مصنف آب حیات بھی جب لکھنؤ آتے تھے تو تشریف لاتے تھے، میں نے نہیں دیکھا
وہ پنڈت رتن ناتھ سرشار، مولانا شبلی اور ابوالکلام آزاد کے متعلق بھی کہتے تھے کہ اسی دوکان اور حضرت کی نشست گاہ رہ چکی ہے، یہاں
بیٹھ کر شعر و سخن کا چرچا رہتا تھا، الفاظ و محاورات کی تحقیق ہوتی تھی اور زبان کے مشکل مسائل حل ہوتے تھے، یہ مجلس نو بجے شب تک
گرم رہتی، جب کہ چوک کی رونق اور چہل پہل، بام و در کی مکانوں، خوانچہ والوں اور طوائفوں کے جھروکوں سے نکلنے سے بہت بڑھ جاتی تھی، خواجہ صاحب
کو دس بجے شب تک دوکان کھلی رکھنی پڑتی تھی، وہ آنے والوں کی خاطر و مدارات بھی بہت کرتے تھے، جن میں پان اور پانی کی سبیل بھی
تھی، ہمیشہ چاندی کی سینی پانوں کی منقش گلوریاں سفید ورق شہد میں ہوتی تھیں، وہ خود تو پان بہت ہی کم کھاتے تھے مگر دوسروں کو اچھی چیزیں کھلانے
سے رغبت کرتے تھے، میں ان کا چہیتا تھا اور وہ بڑے چکنے تھے مگر جب میں ان کی دوکان پر جاتا، اسی وقت اپنے پاس سے کچھ دے دیتے
تھے۔ خواجہ صاحب شاعر تھے اور مجھ کو بہت چاہتے تھے۔ میرا بچپن کا زمانہ تھا، اکثر ضد کر بیٹھتا تھا اور ہر بات کی ضد کر بیٹھتا تھا، کر منہ
پھلا کر بیٹھتے تھے، ان کی والدہ مرحومہ بوڑھی ہی زمانہ کی تھیں، مجھ سے بہت محبت کرتی تھیں، جمعہ کی چھٹی میں اکثر ان کے پاس جا کر رہتا تھا تو بار بار
میری خاطر مدارات اور ناز برداری میں لگی رہتی تھیں۔ ماضی کو شاہی دستوں کے قصے سنایا کرتی تھیں اور میں بہت شوق سے سنتا تھا، میرا
مرغوب چیزیں خود اپنے ہاتھ سے پکا کر کھلاتی تھیں، خواجہ صاحب اور ان کے بھائی خواجہ غلام محمد اپنی ماں کے بیحد مطیع اور فرماں بردار تھے اور
اس صفت میں میں نے آج تک کسی شخص کو ان کے برابر نہیں پایا، ہر کام ماں سے پوچھ کر اور ان کے اشارہ پر کرتے تھے، ان کی جدائی کے خیال
سے شہر کے باہر کہیں نہیں جاتے تھے، خواجہ صاحب مرحوم کو لکھنؤ سے باہر سفر کرنے کا بہت کم اتفاق ہوا، لکھنؤ کے لوگ یوں بھی سفر کرتے
بہت گھبراتے ہیں اور وہ تو پورے لکھنوی اور شرفائے لکھنؤ کے صفات کے زبردست حامل تھے، ایک مرتبہ کسی نے پٹنہ میں ان پر کوئی جھوٹا دعویٰ
کر دیا اور ان کے نام سمن جاری کرا دیا جس کی جواب دہی کے لئے ان کو پٹنہ جانا پڑا، کیا بتاؤں کہ پٹنہ تک جانا ان کو کیسا کھلا ہے اور اس کے
لئے کتنے سامان کئے ہیں کہ شاید حج کے سفر کے لئے بھی کوئی اتنے سامان نہ کرتا، وہاں پہنچے تو پٹنہ کے قدر شناس لوگوں نے ان کی حد سے زیادہ
آؤ بھگت کی، آنریبل خواجہ محمد نور صاحب نے اپنا مہمان بنایا اور وہاں کے اکابر و امراء نے ان کی بہت عزت اور تکریم کی، جلسے جلسے ہوئے
اور وکیلوں نے ان کے مقدمہ کی مفت پیروی کی، ان کے اعزاز میں مشاعرے ہوئے اور دعوتیں ہوئیں۔ آخر مقدمہ میں کامیاب ہو کر گھر واپس آئے۔
اہل عظیم آباد کی اس قدر دانی اور ہمدردی کو ہمیشہ یاد کیا کرتے تھے، لکھنؤ کے لوگوں کا جذبۂ حب وطن تو واقعی قابل تعریف ہے اور خدا معلوم
یہاں کی زمین میں کیسی مقناطیسی کشش ہے کہ یہاں کے قدیم باشندوں کا تو کیا ذکر، باہر کے لوگ آ جاتے ہیں تو لکھنؤ سے جانے کو ان کا دل نہیں چاہتا

[illegible] بہت شوقین تھے ۔ خواجہ صاحب [illegible] بہت [illegible] تھے ۔ [illegible]
[illegible] معلوم کرتے تھے [illegible] بہت وقت [illegible]
[illegible] کے زمانہ میں اکثر بیمار رہا کرتے تھے ۔ [illegible] گیا [illegible] یا [illegible]
[illegible] اور سب سے [illegible] نہیں تھے ۔ [illegible]
[illegible] ان کے ساتھ [illegible] اپنے [illegible]
اور [illegible] وقت [illegible] لکھنؤ [illegible]
بہت [illegible] کے جاتے تھے ، [illegible] تو [illegible]
اخبار کا تماشا کسی کا ایک پیسہ [illegible] نہ تھے ۔ [illegible] بہت [illegible] کرتے تھے ۔
یہ نہایت تیز رفتار تھے اور پیدل چلنے سے کبھی تھکتے نہ تھے ۔ جب [illegible] چلتے تھے [illegible]
[illegible] تک چلے [illegible] لکھنؤ دیکھنے کے شوق میں [illegible] سارے شہر کے [illegible] دیکھتے اور [illegible] کے خصوصیت
اور تاریخ لکھنؤ [illegible] واقف [illegible] لکھنؤ کے تمدن ، معاشرت اور [illegible] کے متعلق انہوں نے
بے شمار مضامین لکھ ڈالے ۔ ان کی [illegible] زمانہ کے رنگ [illegible] تھے [illegible]
پہنچے [illegible] یادداشت [illegible] مضامین [illegible]
کے اکثر [illegible] حالات بیان کی گئی تھیں ۔ خواجہ صاحب لکھنؤ سے یہاں کی زبان سے ، یہاں کی بول چال سے ، [illegible] جس کے
معاشرت اور تمدن سے اور یہاں کے باشندوں اور یہاں کی عورتوں سے بے حد عشق تھا ۔ یہاں کے [illegible] حالات [illegible] ہمیشہ فکر رہتی تھی ۔
افسوس یہ ہے کہ انہوں نے یہاں کے متعلق مختلف عنوانوں پر مضامین تو بے شمار لکھے جو تمام ہندوستان کے اخبارات و رسائل میں برابر شائع
ہوتے [illegible] مستقل کتاب ترتیب نہ دی ۔ اب ان مضامین کا کہیں پتہ نہیں [illegible] لوگ ان کے مضامین کے بے حد گرویدہ تھے
اور رسائل و اخبارات کے ایڈیٹر [illegible] ہمیشہ ان سے [illegible] ہندوستان کے رسائل و اخبارات ان کے پاس ہمیشہ مفت
آیا کرتے تھے کہ پڑھنے کا بھی ان کو موقع نہ تھا ۔ اکثر ان میں سے بند کے بند [illegible] پڑا رہتا تھا ۔ [illegible] صاحب مرحوم نے یوں تو ہر موضوع پر
مضامین لکھے ہیں لیکن اردو اور لکھنؤ پر انہوں نے جو مضامین تحریر کئے وہ بے حد مقبول ہوئے اور ان کو خود بھی اس موضوع سے زیادہ دلچسپی تھی [illegible] شوق
[illegible] قلم اٹھاتے تھے ۔ مجھے یاد ہے کہ جب ان کا ایک مضمون قدسیہ بیگم [illegible] نصیر الدین حیدر [illegible] شائع ہوا اور غالباً زمانہ کانپور میں وہ
نکلا تھا تو تمام ملک میں اس کی دھوم مچ گئی اور بہت سے اخبارات و رسائل نے اس کو نقل کیا ۔ اسی طرح غازی الدین حیدر بادشاہ کے جلوس [illegible]
مضمون تھا ۔ ایک مضمون بادشاہ نصیر الدین حیدر [illegible] جن کے عہد میں لکھنؤ کا [illegible] شباب تھا ۔ ان کی دوکان [illegible] کے پرانے [illegible] لوگوں
کی سب سے بڑی نشست گاہ تھی ۔ ان میں ایسے لوگ بھی تھے جو عہد شاہی کا تماشا تیس تیس چالیس چالیس برس کی عمر تک دیکھے ہوئے تھے جو ان کو
[illegible] عہد شاہی کی [illegible] ان لوگوں سے تمام حالات پوچھ کر قلم بند کرتے جاتے ۔ اسی لئے ان کی معلومات بے حد وسیع تھے اور جب کسی عنوان پر قلم اٹھاتے
تو اس کا حق پورا کر دیتے ۔ مولانا شرر مرحوم نے بھی لکھنؤ کے تمدن پر بہت کچھ لکھا ہے مگر خواجہ صاحب کے معلومات اور مضامین ان سے بہت زیادہ تھے
شرر مرحوم کو لکھنؤ سے باہر رہنے کا بیشتر اتفاق رہا ہے اور جہاں تک ہمارا خیال ہے وہ مضافات لکھنؤ میں پیدا ہوئے ۔ خواجہ صاحب چند روز کے سوا
کبھی لکھنؤ سے باہر نہ گئے اور ان کی ولادت لکھنؤ کے مشہور محلہ [illegible] خاندان میں ہوئی ۔ خانگی تفکرات سے ہمیشہ آزاد رہے [illegible] کا جھگڑا نہ تھا ۔
گھر کا سارا کام والدہ کے ذمہ تھا جو بڑی منتظم اور محنتی تھیں ۔ انگریزی افسروں کو اردو پڑھانے کے چند ٹیوشن بیش قرار تنخواہوں پر جب مل گئے تھے ۔

[illegible] مرحوم کی ہی تک کر دی تھی ۔ [illegible] کے
مطالعہ اور تصنیف و تالیف، ترجمہ، مضامین [illegible]
[illegible]
پڑھا کرتے [illegible]
[illegible]
[illegible] مگر کسی نے پوچھ لیا [illegible]
بھی نہ جانتے تھے مگر اس کے بعد [illegible]
نے جو کچھ بھی پڑھتے رہتے تھے [illegible]
[illegible]
کی زبان یا شاعری کے متعلق [illegible]
اچھے رہے [illegible] بیماری کی [illegible]
منتقل ہو چکا تھا [illegible]
[illegible]
[illegible] آخر کار وقت [illegible] رخصت ہو گئے ۔ [illegible]
کا یہ نامور فرزند جو اس پر جان و دل سے نثار رہتا تھا، اپنے [illegible] خاندانی قبرستان کے ایک گوشہ میں ہمیشہ کی نیند
کے لئے محو خواب ہو گیا ۔

اے میرے عزیز دوست! تیرے ایسے چاہنے والے [illegible] تمام ملک میں تیری نیک نامی کو اس طرح پھیلانے والے اب کہاں پیدا ہوں گے
کیا لوگ تھے اور کیا صورتیں تھیں کہ دیکھتے دیکھتے غائب ہو گئیں ؎

وہ صورتیں الٰہی کس دیس بستیاں ہیں
اب جن کے دیکھنے کو آنکھیں ترستیاں ہیں

(میرؔ)

مولانا صفی لکھنوی

ممتاز حسین جونپوری

مولانا سید علی نقی صفی ۲ رجب [illegible] کو لکھنؤ کی شعر و ادب نواز سرزمین پر پیدا ہوئے اس وقت وہاں شعر گوئی اور ادب کے علاوہ شاہان اودھ کے درباروں میں پرورش پاتے ایک صدی سے زیادہ عرصہ گزر چکا تھا۔ وہ مرزا پور تہذیب [illegible] کی ادبی و علمی حلقوں کی صحبت میں حاصل تھی۔

مولانا صفی کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے لکھنؤ کی شاعری میں، اس عہد کے ادب میں انقلاب پیدا کرنے کا وہ کام انجام دیا جو دہلی اور پنجاب میں حالی اور آزاد نے انجام دیا۔ وہاں ان حضرات کو جو [illegible] گزرا جب ادب پرست حکام اور سرکار کی امداد میسر تھی۔ لیکن ان کی کوششوں کا اثر لکھنؤ پر نہیں پڑ سکا تھا۔ اس ضمن میں مولانا صفی نے جو کوششیں کیں ان میں وہ بہت بڑی حد تک کامیاب ہوئے۔ ان کے ثبوت میں ہم بعض دستاویزی شہادتوں کے علاوہ ان چشم دید گواہوں کو پیش کریں گے۔

جنہوں نے انیسویں صدی میں دبستان لکھنؤ کی آخری بہار دیکھی اور جو آج بیسویں صدی کا تیسرا حصہ ختم کر کے ستارۂ سحری [illegible] سمجھے ہیں۔ اس ضمن میں مولانا صفی کے کارناموں سے اردو ادب کی تاریخ خالی ہے۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ صفی نے خود اپنے ساتھ ناانصافی کی ہے۔

مولانا صفی ایک خاموش اور عافیت پسند شاعر تھے۔ آپ ایک گمنام عالم کی طرح اردو ادب کو کچھ دے گئے لیکن بہت کم لوگ آپ سے [illegible] ہو سکے۔ مختلف اصناف میں آپ نے ایک لاکھ سے کم شعر نہ کہے ہوں گے لیکن آج وہ سب تاروں کے خزانے کی طرح لاپتہ ہیں۔ [illegible] کے بعد آپ نے عمر خیام کی بارہ سو رباعیوں کی صحت کر کے ان کا منظوم ترجمہ کیا اور تصویروں کے خاکے بنائے لیکن ایسی [illegible] طباعت نہ ہو سکی۔ آپ کی زندگی کا بڑا حصہ ایسی تاریک گلی میں گزرا کہ [illegible] آپ لکھنؤ کے مشاعرے کے لئے غزل لکھتے [illegible] اپنے نام سے [illegible] صفی [illegible] کا ذکر [illegible]

عزیز لکھنوی

صفی نے سادی زندگی [illegible] بسر کی ہے اور [illegible] کا [illegible] ہے۔ آپ [illegible] مرحوم نے ان کا اعتراف اپنے ایک شعر میں یوں کیا ہے کہ

اب کاش کہ دور میں [illegible] ملا

مولانا صفی نے [illegible] کے پیش نہیں کیا۔ [illegible] فرصت حاصل کرنے کے بعد آپ نے [illegible] میں [illegible] دیوان کی [illegible] آپ کا دیوان آپ کی وفات کے بعد [illegible] چھپا اور [illegible] کوئی ایسا شعر [illegible] تھا جو [illegible] کے سامنے صفی کی حقیقی شخصیت [illegible] بات [illegible] ہر حال [illegible] حقیقت ہے [illegible] اصلاح زبان کے سلسلے میں مولانا صفی کے شاگردوں اور پھر ان شاگردوں کے شاگردوں کا ذکر [illegible] ہے [illegible] صفی کا کہیں ذکر نہیں۔ [illegible] مولانا حسرت موہانی نے [illegible] اور مرزا جعفر علی خاں اثر نے [illegible] بھی کی ہے۔ [illegible] تفصیل ذکر آگے آئے گا۔

لکھنؤ کی شاعری اور ادب کے رنگ اور اصلاحات کی داستان بہت طویل ہے۔ مشہور یہ ہے کہ ناسخ نے [illegible] کی [illegible] میں خدمت [illegible] کے سلسلے میں بڑا کام کیا ہے اور ان کے [illegible] تلامذہ نے بھی ترتیب [illegible] انجام دی ہیں۔ لکھنؤ سلسلے کے [illegible] رنگ کی [illegible] کے لئے مولانا صفی نے بھی ناسخ اور ان کے تلامذہ سے کچھ کم خدمات انجام نہیں دی ہیں۔ ذیل میں ان دونوں [illegible] کا شجرہ پیش کیا جاتا ہے۔

ناسخ (مصلح، مصلحین، تدوین لغات)

- رشک (مؤلف لغت اردو)
  - جلال لکھنوی (مصنف رسالہ تذکیر و تانیث و رسالہ عروض)
    - آرزو لکھنوی (مصنف نظام اردو)
- صبا
- خواجہ وزیر
- منیر شکوہ آبادی (مروجہ [illegible] وغیرہ)
  - شہید جونپوری (محقق)

صفی (مصلح خرد تخیل قدیم)

- مولانا عزیز
  - اثر لکھنوی
  - جوش ملیح آبادی
  - سفال
- ظریف لکھنوی (مبلغ و نشر زبان [illegible])
- صفیر مرحوم (ایڈیٹر [illegible])
- حامد (بیرسٹر) (آپ انگریزی شاعری میں [illegible] کرتے تھے)

[illegible]

[illegible]

واقعی مولانا صفی کی شخصیت ایک [illegible] اور اگر مولانا کی شخصیت میں [illegible]
[illegible]
سیاسی، سماجی تعلیم کے لئے [illegible] علامہ اقبال اور ڈاکٹر [illegible]
کے علاوہ ادب کے تمام [illegible] صفی [illegible] شخصیت کے قائل ہیں۔

صفی کی شخصیت میں شاعری کے [illegible] ملک و قوم کی سماج و ترقی کے ادبی گوشے تھے
ہیں۔ آپ نے لوگوں کے ذہنوں میں [illegible] جذبہ پیدا کیا۔ اپنی نظموں کے ذریعے کئی [illegible] منصوبوں کی داغ بیل ڈالی کالج اور سکول کھلوائے
یتیم خانہ قائم کرایا اور صنعتی ترقی کے لئے لوگوں کو عملی اقدام کی طرف مائل کیا اور یہ حقیقت ہے کہ آپ نے جو قومی نظمیں لکھی ہیں۔ [illegible]
تمام پابندیوں اور خوبیوں کو [illegible] اور ان کی شعری قدر و قیمت کے پیش نظر ہندوستان کے [illegible] سے بہتر نظمیں
جیسی کہی ہیں۔ آپ کی نظموں کے مجموعے "لخت جگر" اور "صحیفۂ [illegible]" ہمارے [illegible] کا روشن ثبوت پیش کرتے ہیں۔

مولانا صفی نے ملک کے مختلف فرقوں سے تعلق رکھنے والے بڑے بڑے پیشواؤں اور رہنماؤں کی منظوم سوانح عمریاں بھی لکھی ہیں
اور ایک لحاظ سے اردو میں یہ کام سب سے پہلے آپ ہی نے شروع کیا۔ اس کے علاوہ مولانا نے قومی نظموں میں [illegible] تاریخی اور جغرافیائی حالات
کا ذکر بھی [illegible] کے عنوان سے شروع کیا۔ جیسا کہ آپ نے خود کہا ہے ؎

نظم میں تاریخی و جغرافیائی پیش یاں   اس کی بنیاد کا موجد ہیں واقف ہے جہاں

مولانا صفی [illegible] کی طرح فارسی کے بھی بڑے زبردست ادیب اور شاعر تھے۔ [illegible] شاگردوں کو [illegible] لیکن آپ

کی شخصیت کی عظمت کا کچھ اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ ایک [illegible] مشاعرے کے وقت [illegible] اس کے بعد [illegible] ایک [illegible] گئے اور جب تک ان کا تعاون شامل رہا [illegible] اس تعاون کے چند شعر یہ ہیں:-

نغمے ہیں اگر زندہ دنیا کو جگا دیں گے | [illegible]
ہمارا [illegible] زمانے کے [illegible] ہے | [illegible] ہم آگ لگا دیں گے
[illegible] | کیا [illegible] سے اسلام مٹا دیں گے
اسلام کی فطرت میں [illegible] ہے | [illegible] ابھارا دیں گے

اس چنچل نظم کے جواب میں کراچی سوسائٹی کی طرف سے [illegible] شاعری [illegible] ایک نظم شائع کی گئی اور [illegible] سے بھی [illegible] لیکن [illegible] ایک اس سے بھی زیادہ [illegible] نظم [illegible] نے چھپنے نہ دیا۔ البتہ [illegible] مرحوم نے جواب میں "[illegible] کا روزنامہ" کے عنوان سے ایک بڑی دلچسپ نظم لکھی جو آج بھی [illegible] "[illegible]" [illegible] محفوظ ہے۔

ایک باکمال اور ذی علم ادیب دانشور [illegible] ایک عظیم شخصیت کے مالک تھے۔ اگر وہ [illegible] شاعری کو محسوس کرنے اور برتنے کی صلاحیت نہ رکھتے اور ہندوستان شاعری کی [illegible] نہ کرتے تو بھی ان کی ذات [illegible] قابل ستائش ہوتی۔ در اصل ان کی شخصیت کئی جہتوں کا مجموعہ تھی۔

انہوں نے عربی اور فارسی پڑھنے [illegible] حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ انٹرنس تک باقاعدہ انگریزی، حساب، جغرافیہ اور تاریخ کی تعلیم حاصل کی تھی۔ اس کے بعد سرکاری ملازمت، [illegible] کام [illegible] آرام اور دیگر ضروریات سے جو وقت بچ رہتا تھا وہ اسے کسی نہ کسی علمی یا فنی کتاب کے مطالعہ میں صرف کرتے تھے۔ کتب بینی میں آپ کی بے وقت مصروفیت کی تصویر کشی مشہور [illegible] اور ادیب سید [illegible] صاحب نے اس طرح کی ہے:-

"کسی وقت بھی کوئی جائے ۔ ۔ وہ مولانا کو کسی نہ کسی کتاب کا مطالعہ کرتا ہوا پاتا تھا۔ اکثر وہ مطالعے میں اتنا مستغرق ہو جاتے تھے کہ جب تک [illegible] قریب نہ پہنچ جائے آنے والے کو آنکھ اٹھا کر نہ دیکھتے۔ مگر جونہی آنکھ پڑ جاتی ان کا شگفتہ چہرہ پھول کی طرح متبسم ہو جاتا اور چمکتی ہوئی پر بصیرت آنکھیں اس طرح ٹکٹکی لگا دیتیں گویا انہوں نے اس سے قبل منظر کبھی دیکھا ہی نہ تھا۔"

مولانا صفی ہمیشہ سیر و شکار، تفریح، دوستوں کی بکثرت ملاقات، گپ بازی، میلوں، جلسوں اور کھیل تماشوں سے الگ تھلگ رہے۔ آپ سے میرے مراسم کم و بیش سات سال کے تھے اور اکثر مجھے ان کے یہاں مقیم رہنے اور ساتھ زندگی بسر کرنے کا اتفاق ہوا۔ ادبی ذوق اور [illegible] میں [illegible] ہم مشرب اور ساتھی رہا۔ بہت سے علمی و ادبی مباحث میں بھی تبادلۂ خیال اور بڑی بے تکلفی سے گفتگو کا موقع ملا۔

اس طرح میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ مولانا کی زندگی کا کوئی گوشہ مجھ سے پوشیدہ نہیں ہے۔ میرے نزدیک مولانا کی زندگی ایک پرسکون [illegible] کی مانند تھی جس کی سطح ہمیشہ ہموار اور دلکش رہتی ہے۔ اور جہاں تک میں جانتا ہوں وہ ایک انتہائی مضبوط کردار کے حامل فرد تھے۔ یہاں تک کہ ان کے قدم جوانی کی عام بدمستی کے عالم میں بھی نہیں بہکے، [illegible] ان کے چہرے پر [illegible] نہ تھا۔ [illegible] کے چہرے کا نکھار آج کل کے بیشتر نوجوانوں کے [illegible] اور [illegible] ہو سکتا تھا۔ اس کے باوجود تمام [illegible]

[illegible]

[illegible]   [illegible]

[illegible]

مولانا کا [illegible] ایک [illegible] مولانا کی [illegible]

[illegible] قطعہ [illegible] کو ٹال دیا لیکن [illegible]

[illegible] اس نظم کو نصاب میں داخل کر دیا۔ اس نظم کا عنوان [illegible] ہے اور پہلا شعر یہ ہے ؎

[illegible]   [illegible]

یہاں نظم کی فصاحت اور پردہ ہی پردہ میں اظہارِ خیال پر قدرت کا ذکر کرنا مقصود نہیں بلکہ صرف مولانا کے کمالِ اخلاق اور منکسر المزاجی کی طرف اشارہ کرنا چاہتا تھا۔

مولانا صفی نے طب، فلسفہ، اور حکمت غرض کہ سبھی کچھ پڑھا تھا اور اگر وہ شاعر نہ ہوتے تو کسی اور شعبہ میں اپنی عظمت کا لوہا منوا کر رہتے۔ لیکن یہ بھی ان کے کردار کی عظمت ہی کا ایک پہلو ہے کہ انہوں نے زندگی کو خاموشی کے ساتھ بسر کر دیا۔ وہ نور کا ایک ایسا سرچشمہ تھے جیسے آفتاب ہوتا ہے لیکن خود انہوں نے اپنے آپ کو تاریکی اور گمنامی ہی میں رکھنا پسند کیا۔ مولانا صفی لکھنوی پرانے بزرگوں کے اخلاق اور دلپذیر شخصیت کا نمونہ تھے۔ آج کل ریڈیو اسٹیشن جا کر غزل یا نظم پڑھنا معیوب نہیں سمجھا جاتا لیکن مولانا صفی اس میں شاعری جیسے پاکیزہ فن کی اہانت تصور کرتے تھے اور زیادہ سے زیادہ کی ترغیب کے باوجود کبھی گھر سے نہ نکلے۔ [illegible] کا معاوضہ دے کر اشاعت کی اجازت حاصل کرنے کی بارہا خواہش ظاہر کی گئی لیکن وہ عزت اور احتیاج کے باوصف ہمیشہ ایک گوشہ نشین فقیر کی طرح الگ تھلگ بیٹھے رہے اور سب [illegible]

سرنج پیدا ہوا انجلا اور مانے پیل کے متعلق ... ابھی جب وہ سسکے آنجلے کی [illegible] پیدا ہوئی اور
چھوٹی مگر ان کی غیرت نے گوارا نہ کیا اور یہ وجہ تھی کہ ان کی وفات ہو ... کے دنوں کے مرنے کے بعد [illegible] مشغول ہوئے
سے ان کا یہاں شادی کرنے کا عزت حاصل کر چکا۔

صفا زندگی بسر کی ... کے دوسروں پر ... سے گزر کرتے۔ ہے ... ان کی وفات پر جو شعر صفی نے کہا ...
ان کا ... طبیعت اور وضع داری کو ان اشعار میں خراج عقیدت پیش کیا ہے۔

" ... اور وہی عادت زمرہ شرکت ... وہاں ہو ... کے ساکن ... قائم رہتا ... ان کی ساکن خوبصورت۔
راحت اور سکون میسر آجاتا تو ایسی شاید کچھ اور بھی ہو جاتے ... کہ عمر بھر رہتی گئے ... ایسے میسر ہونے
جیسا کہ پہلے کہا ہے ... وہاں صحبتوں اور ناچ رنگ کے جلسوں سے بہت ... تھے مگر پہلے سے باخبر تھے۔ وہ
لکھنؤ کے ... اور ... کی خاص خاص صحبتوں ... ہو چکا تھا۔ میرے ایک وضع دار ... عقیدتمند ... ایک خاص شخص کا
ذکر فرماتے تھے کہ اس میں ... کے سوا سازندوں میں سے کوئی ... ہوتا تھا۔ بے تکلف ... صاحب کو احباب ... تے
تھے کسی کے سامنے ... ہوتا تھا۔ کسی کے ہاتھ میں ... کسی کے ... پر ... ستار ... ہو ... سے ... جیوڑ
اور سازندے ... یہی پر ... اور پرانے لکھنؤ کی صحبتوں کا ایک نقشہ ... جواب نظر نہیں آتا۔

صفی پوری ... کے ... سے ... اور ایسی صحبتوں سے باخبر تھے لیکن انہوں نے تمام عمر کسی ساز کو ہاتھ نہ لگایا۔ اس کے باوجود
وہ ایسی صحبتوں کا نقشہ ... اس پر ... کے ... ایک اتفاقی ... جادو ... زندہ جاوید شعر ... ہیں ۔

غزل اس نے چھیڑی مجھے ساز دینا ... ذرا عمر رفتہ کو آواز دینا

اس شعر پر میں نے اپنی ضعیف العمر نواب صاحب کو بار بار دور شباب کی یاد میں ... اور آنسو بہاتے دیکھا ہے۔

مولانا صفی ہمیشہ شیروانی ، اونچی دیوار کی ایرانی ٹوپی ، قمیص اور چھوٹی مہری کا پاجامہ اور بوٹ پہنتے تھے ۔ پان بہت کم کھاتے تھے۔ ...
حقہ کے عادی تھے اور کبھی کبھی سگریٹ بھی پی لیتے تھے ۔ تمام عمر مسکرات سے دور رہے کبھی کبھی نماز پڑھتے اور ... روزے رکھ لیتے
تھے ۔ مجالس اور میلاد کی محفلوں میں کم جاتے تھے ۔ نہایت غیر متعصب ... وسیع اور آزاد خیال تھے ۔ مذہب میں ریاکاری کو بہت برا سمجھتے
تھے اور نکتہ چینی اور اظہار رائے میں بڑے بے باک تھے ۔ بعض شاعروں کی طرح تملق ، دوسروں کی جو گوئی یا منقبت کبھی ان کا شعار نہ تھا۔ ...
... ملنسار ، خلیق ، وضع دار اور نرم دل تھے اور سب کے شریک درد رہتے تھے ۔ مرزا جعفر علی خاں اثر نے آپ کی وفات پر ایک مسدس
نظم صفی کے کردار اور شخصیت کے متعلق کہی تھی جس کے چند شعر یہ ہیں :-

وضع صفی نہ پوچھو اک رند پارسا تھا ... بیگانہ بھی تھا سب سے ہر ایک سے آشنا تھا
خلق خدا کی خدمت مقصد حیات کا تھا ... اس کے سوا نہ کوئی مطلب نہ مدعا تھا
جبلہ بدی کا نیکی دشمن کو دوست بنانا ... اس منزلت کا بس مرکیا کوئی دوسرا تھا
خلق حسن نے اس کے دل کو فزوں تر ... ہر کہ و مہ کو اپنا گرویدہ کر لیا تھا
صدق و خلوص و ایثار اس کی سرشت میں تھے ... جو قول یا عمل تھا بے عیب و بے ریا تھا
ظاہر سے تھی زیادہ باطن کی تاب ناکی ... عارف تھا خود نگر تھا صالح تھا پارسا تھا
غیرت کی پاسداری شیوہ تھا اس جری کا ... ایمان و حیا کو سمجھا وہ صاحب حیا تھا

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

بہرحال [illegible] ادب کے لئے یہ بات [illegible]
[illegible] کی شخصیت [illegible]
سامنے معلوم ہوتے ہیں ـــ

یہ صلہ ہے عمر بھر کی محبتِ برباد کا
سننے بیٹھے ہیں وہ افسانہ دلِ ناشاد کا

تاجور نجیب آبادی

محمد وارث کامل

علی ساغر کی مسجد کے عقب میں جہاں اپنے آخری موڑ پر پہنچ کر دم توڑتی ہوئی نظر آتی ہے کچھ نئی وضع کے مکانات بنے ہوئے ہیں۔ انہی مکانات میں ایک وہ مکان بھی ہے جو ایک مدت تک شمس العلماء علامہ تاجور نجیب آبادی کی قیام گاہ بنا رہا ہے۔ علامہ سے میری پہلی ملاقات اسی مکان کے ایک کمرے کے برآمدے میں ہوئی تھی جب ۱۹۴۳ء کے موسم گرما کا شباب ڈھل چکا تھا لیکن پھر بھی اس یک منزلہ مکان میں دن کو بھی جہاں شب کی سیاہی کا گمان ہوتا، اس بلا کی گرمی اور ایسی قیامت کا حبس تھا کہ دم گھٹا جاتا تھا۔ علامہ نے چارپائی پر بیٹھے بیٹھے اپنے بھاری بھرکم جسم کی ایک ارتعاشی حرکت سے میرا خیر مقدم کیا اور کسی تمہید کے بغیر مجھ پر طنز و ظرافت سے بجھے الفاظ کے تیروں کی بوچھار کر دی۔

"اچھا تو آپ ہی میرے ہم وطن مولانا محمد وارث کامل ہیں۔ خوب، ماشاء اللہ! آپ تو بڑے مستعد دکھائی دیتے ہیں۔ مولانا! آپ کافی عرصے سے لاہور رہ رہے ہیں کبھی بھولے سے بھی آپ نے ادھر کا رخ نہیں کیا۔ میرے جیسے ڈیل ڈول کا آدمی جو دوسری منزل پر بار گراں بنا ہوا ہو کہاں کہاں جائے اور کس کس سے ملے؟ یہ کچھ عمر کے تقاضے بھی تو ہوتے ہیں۔ آپ بھرے شہر میں کہیں چھپے ہیں۔ آپ کا یہ اخلاقی فرض تھا کہ مجھ سے اولین فرصت میں ملتے۔ تاجور بیچارا ہی سہی لیکن اتنا برا تو نہیں کہ اس کے پاس بھی نہ پھٹکیں۔ مولانا میں تو آپ ہی کی برادری کا آدمی ہوں۔ سالہا سال پہلے میں نے دارالعلوم دیوبند سے فضیلت کی سند لی ہے۔ میں نے خود ہی بلایا تو آپ تشریف لائے۔ مولانا! سچ تو یہ ہے کہ بار بار ملنے کی ملاقات پھر بھی آپ شکریے کے مستحق ضرور ہیں۔"

میں نے علامہ کی گفتگو خاموشی کے ساتھ سنی اور آخر میں اپنے غلط رویے پر معذرت طلب کی۔ علامہ سے میری ملاقات شاہکار کی ادارت کے سلسلے میں تھی۔ مگر یہ اختیار مجلہ کی طرح علامہ کی ملکیت تھا اور کسی شیخ ایسوسی ایٹ کے ہاتھوں میں اس کی باگ ڈور نہ ہوتی تو میں اس ملازمت

[illegible] ... [illegible] کا اقتباس ... [illegible]

[illegible] ... حضرت [illegible] ... [illegible]

[illegible] ... [illegible]

[illegible] ... [illegible]

[illegible] ... [illegible]

[illegible] ... [illegible]

[illegible] ... [illegible]

غضب کی بات ہے ... [illegible]
ہوا میں ... [illegible] جلتے ہیں
خدا ... [illegible]
کسی جہان میں ... [illegible]

[illegible] ... ایک صحبت [illegible]
ملا [illegible] اقبال احمد [illegible] ... [illegible]
بھی حضرت احسان دانش [illegible] ... [illegible]
[illegible] ... [illegible]
[illegible] ... [illegible]
[illegible] ... [illegible]
[illegible] ... [illegible]
[illegible] ... [illegible]
[illegible] ... احسان صاحب [illegible] ... [illegible]
[illegible] ... احسان صاحب [illegible] ... [illegible]

تو اب بھی اپنے آپ کو شاعر [illegible] سمجھتا ہے۔ مجھے اس بات کا مطلق احساس نہیں کہ دنیائے ادب
میں تیرا کیا مقام ہے۔ ایسی بھی کیا کور ذوقی کہ روز مرہ کے استعمال کی چیزیں بھی تیرے گھر میں نہیں۔
یہ پیالیاں کیا اس قابل ہیں کہ ان میں کسی مہمان کو چائے پلائی جائے۔ بھونڈی اور بھدی پیالیاں تیرے حسن
ذوق پر [illegible] تیرے ذوق کی کائنات [illegible] کر رہی ہیں مجھے [illegible] کپڑوں میں دیکھنا چاہتا
ہوں اور اس [illegible] کے ساتھ کہ تیرے گھر میں ہر چیز سلیقے کی اور [illegible] قرینے کی ہو۔ جا ابھی [illegible] سیٹ لا۔

چائے کے سیٹ کا مسئلہ تو حل ہو گیا اور ہم سب نے چائے پی بھی لی لیکن اس دوران میں جو لطف [illegible] سے باہر ہے۔ علامہ کی زبان سے جو فقرہ بھی نکلتا تھا کبھی طنز و ظرافت کی چاشنی بنے ہوتا اور کبھی قند و نبات کا مزہ دیتا۔ علامہ نے اس دوران [illegible] میں معاشرتی زندگی کے نشیب و فراز پر اس بالغ نظری کے ساتھ اپنے خیال کا اظہار کیا کہ ہم عش عش کر اٹھے [illegible] سے جب کوئی لب کشائی

کی ملاقات کرتا تو علامہ مشتاقانہ پوچھتے کبھی سفر کے دوران پڑھی ہوئی تراکیب کی تحقیق کرتے ..... کے ساتھ تعجب کرتے گویا سبھی کو علامہ سے نیاز حاصل ہو گیا اور کہا مولانا کہ ہمیں کیا معلوم تھا۔

علامہ : یہ بہر حال نا واقفیت اندیشی ہے کہ جو .... کاشت سے ہوتی ہے۔

علامہ نے ارشاد فرمایا کہ مولانا ! نا واقفیت اندیشی، .... ترکیب .... کہ جس کا ......

مستقبل اندیشی کے مقابل ہونا چاہئے ہم لوگ .... ہیں اولین خشت سے .... بات کہتی ہیں

کتاب ..... گزرتا ہے ..... ہوتا ہے .... کہ مضاف الیہ فریب ہو گیا ہے اور ان کا عنصر

جملہ ہے .... ہونا چاہئے تھا ہم .... ہیں۔

احسان صاحب نے کہا کہ .... علامہ کے تنقیدی .... ہیں .... ایک

وقت سے خطابت ہے زبان کھلتی ہے تو پھر میرے سامنے .... مگر وہ .... نہیں .... تو

کو نشست و برخاست اور .... تقریر .... ہے۔ علامہ سے میری گفتگو .... ہوتی رہی

اور میں کہا .... کہ یہ میری .... ہے کہ علامہ .... کسی لفظ .... کسی جگہ پر گرفت نہیں کر سکا۔ ....

.... تو میری زبان سے .... نکل گیا علامہ ....

.... کیا کہا آپ نے .... کس زبان کا لفظ ہے ہماری نظر سے تو آج تک یہ لفظ نہیں گزرا۔

میں : علامہ جدید تر جدید ہے تو آپ نے بھی .... کھائی ہوں گی۔

علامہ : مولانا ، آپ نے .... کیا ہے۔ یہ لفظ .... نہیں .... ہے .... آپ۔ اہل زبان ہوتے ہوئے

ایسی .... ، آپ لوگ تو پنجاب آئے ہیں .... ہوتے ہیں۔ .... اپنی زبان کو ہر قسم کی ....

سے محفوظ رکھا ہے۔ دوسروں پر اپنی زبان کے نقش بٹھانے ہیں کسی کی زبان ہم پر اثر انداز نہیں ہوگی .... میر و سودا

مصحفی و انشا ، آتش و ناسخ ، غالب و ذوق ، انیس و دبیر ، داغ و امیر ، جوش و جگر ، .... احسان ، اختر .... کی

زبان ہے .... شاہ کی زبان ، ہر زبان کے استاد .... ہیں۔

اس صحبت کے .... میں نے اپنے حافظہ کی مدد سے زیب قرطاس کئے ہیں ان سے علامہ کی معاشرتی ، اخلاقی اور ادبی

زندگی کے بہت سے پہلو نمایاں ہو جاتے ہیں۔ .... ادب میں ان کا جو مقام ہے اسے سمجھنے کے لئے ہمیں علامہ کی چند خصوصیات پر نظر

ڈالنی ہوگی اور وہ بھی .... کے ساتھ تاکہ بعد میں کسی تذکرہ نویس کو زیادہ کاوش نہ کرنی پڑے۔

علامہ فارسی اور عربی علوم میں اتنی کامل دستگاہ رکھتے تھے کہ ان کے اساتذہ کو بھی ان کے تبحر علمی پر ناز تھا۔ ....

میں اس .... فاضل دیوبند کے جو مضامین کسی دور میں شائع ہوئے ہیں۔ ان سے اگر کبھی وقت .... ہوتا ہے تو کبھی ....

.... ہے۔ علامہ کو .... میسر آتا تو معلوم وہ اپنے علمی ذوق کی تسکین کا سامان کس .... پر ہم پہنچاتے۔ ”میری

علمی اور ادبی زندگی“ کے عنوان سے علامہ نے ۱۹۶۲ء میں جو سلسلۂ مضامین سپرد قلم فرمایا تھا۔ اس میں ایک جگہ یہ الفاظ بھی نظر آتے ہیں

”....... اس فکر میں ہوں کہ قسمت موجودہ افکار لا حاصل سے رہائی بخشے تو ادب العربیہ

کے نام سے چند مجلدات میں ادب عربی (نظم و نثر) پر ایک ضخیم تصنیف سر انجام دے کر اسے زندگی

کی راہ .... منزل بنا لوں .... دیوبند میں پہلے .... مضامین شروع

[illegible]

[illegible]

[illegible] لکھتے ہیں۔

عزیز گرامی [illegible]

[illegible] سے [illegible] وقت [illegible] [illegible] [illegible] دل میں ایک خلا سا محسوس [illegible] [illegible] تم یاد آتے ہو تمہاری والدہ یاد آتی ہیں [illegible] [illegible] یاد آتے ہیں۔

اپنے بعض معاصرین کے بارے میں فرماتے ہیں۔

علم و ادب کا [illegible] طوفان پانچ سال کے [illegible] علم و ادب کی [illegible] میں [illegible]۔ اکثر معاصر اپنے اپنے ظرف و حوصلہ کے مطابق [illegible] چاہا۔ مگر ان کی [illegible] کچھ [illegible] انہیں اس طوفان سے بچانے [illegible] اس دور میں بہت [illegible] معاصرین کی حاسدانہ [illegible] دیکھنے میں آئے۔ [illegible] ادبی [illegible] ہوئے ہیں" ادبی دنیا کے [illegible] دیکھنے کا موقع [illegible]

[illegible] ... اس دور میں بھی ان کی تحریر میں تبدیلی نہ کر سکا تھا

جو آسکے دو جانے دو بڑھاپا ہی

کے متعلق کہا جاتا ہے ... علامہ تاجور نجیب آبادی ... [illegible] ... سال ... اس مختصری مدت میں ان کی ادبی شہرت کے آفتاب کی شعاعیں ملک کے گوشے گوشے میں پہنچ چکی تھیں۔ علامہ نے اپنی زندگی کے آخری دور میں خود اپنے رسالہ کا اجرا کیا۔ یہ رسالہ "ادبی دنیا" ۱۹۲۹ء تک شعر و ادب کا معیار ... ۱۹۳۱ء میں لاہور سے شاہکار ... رسالہ نکالا۔ علامہ نے ... [illegible] ... جاری کیا تھا جس کے ذریعے آپ ملک کے ... [illegible] خدا، مذہب، وطن اور بنی نوع انسان کی محبت اور ... [illegible] ... پیدا کرنا چاہتے تھے ... رسالہ ناز ... آفتاب، اردو (علیگڑھ) اور رسالہ تاج الکلام نجیب آباد سے ... جاری رہ چکے تھے)

یہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ آج پاکستان کے طول و عرض میں جو اردو روزنامے، ہفت روزہ اخبارات اور ماہنامے جاری ہیں ان کے ادبی محاسن کا ... علامہ تاجور نجیب آبادی کے ... [illegible] ... کے بارے میں علامہ نے جو نظریہ پیش کیا ہے کہ جو شخص بھی ... [illegible] ... اس کے اعمال پر اس کے منفی یا مثبت اثرات کی چھاپ ضرور پڑتی ہے، اس کی رو سے بلا شبہ ... مبالغہ نہیں کیا جا سکتا۔ اخبارات و رسائل میں جو اچھوتی بندشیں، لطائف و ظرائف، پرشوکت الفاظ، زبان کے محاورے اور ادب و تنقید کے سلجھے ہوئے اشعار جہاں کہیں بھی دیکھنے میں آتے ہیں، زبانِ حال سے علامہ کی عظمت کی گواہی دیتے ہیں اور علامہ کی بارگاہ میں خراجِ تحسین پیش کرتے ہیں ؎

تیرے نازک لبوں سے سیکھا ہے
ہم نے انداز مسکرانے ...... کا

علامہ کی شاعرانہ خصوصیت کو ہم نے اس لئے آخر میں جگہ دی ہے تاکہ ان حضرات سے جو میرے مخاطب ہیں یہ حقیقت مخفی نہ رہے کہ علامہ اپنی اس خصوصیت کو کوئی خاص اہمیت نہیں دیتے تھے۔ اور غالباً یہی وجہ ہے کہ وہ ... [illegible] ... اپنے کلام کا ایک مختصر سا مجموعہ بھی شائع نہ کر سکے۔ علامہ کا بیشتر غیر مطبوعہ کلام اپنے شاگردوں کی تحویل میں ہے۔ جو علامہ کے شاگردوں میں ... [illegible] ... خدا کرے کہ ان ... شعرا کی ... [illegible] ... اور علامہ کا بیشتر غیر مطبوعہ کلام پوری دیانت و امانت کے ساتھ منظرِ عام پر آئے۔ علامہ اتنے خوش اخلاق اور اتنے خوش فہم نہ تھے کہ کسی کو بھی تنقید کی جرأت نہ ہوتی۔ علامہ کا مزاج کچھ اس انداز کا تھا جس کی آئینہ داری انشاء کے اس شعر سے ہوتی ہے ؎

سلطنت بیچتے ہیں ذرۂ کشتانِ خاک کے مول
ہے یہاں سایۂ ہما کا خس و خاشاک کے مول

علامہ تاجور نجیب آبادی کے نام و نسب کے بارے میں اس دور کے ادبا کو بہت کم معلومات ہیں اس لئے ہم انہی کی زبانی جو ...

[illegible]

> [illegible] احسان اللہ خاں [illegible] تک [illegible]
> [illegible] تعلیم و تربیت [illegible]
> [illegible]
> [illegible] مطالب [illegible] ارباب [illegible] دیا تھا۔

[illegible]

[illegible] علامہ [illegible] زندگی [illegible] نہیں [illegible]

[illegible] حقیقت [illegible] علامہ [illegible] نہیں [illegible]

[illegible] علامہ [illegible] نہیں [illegible] علامہ [illegible] ان کے حق میں [illegible] شاگردوں [illegible] نہیں آ سکتی تھی۔

اگر چہ [illegible] ذوق [illegible] مجھے یہ بات کہنے میں بھی کوئی تامل نہیں [illegible] کا دماغ بھی علامہ کے دامن پر تھا [illegible] ذوق اتنا بلند تھا کہ [illegible] خیال انہیں ایک آنکھ نہیں بھاتے تھے۔ مجھے یاد ہے کہ ایک دفعہ ان کے ایک [illegible] مولوی صاحب کسی ضرورت سے ان کے پاس آئے تھے [illegible] یہ منظر میں نے دیکھا کہ جب تک وہ علامہ کے پاس بیٹھے رہے، علامہ کی تیوری چڑھی رہی [illegible] کہ یہاں تم کہاں آ مرے [illegible] کا نفسیاتی اثر پڑا اور انہوں نے بددل ہو کر رخصت چاہی [illegible] کے ساتھ انہیں الوداع

[illegible]

[illegible]

[illegible] میرے خیال میں یہ بہت بڑی زیادتی ہے [illegible] لیکن تقاضائے بشریت [illegible]

[illegible]
[illegible] کم ہوں گے
[illegible] کریں گے یاد [illegible]

دل شاہجہانپوری

شمیم روحانی

دہلی کی خوبی سے جو دل صاحب میں ہے [illegible]

[illegible]

بے۔ اوک، مبنی اعتبار الفاظ کے نکلتے ہیں۔

یہ ایک خوبی ایسی ضرور ہے جو دل صاحب میں نہیں ہے۔ اگر وہ خوب سے [illegible] ہو جاتا تو پھر جدت کو مذہب انسان پیدا کرنے کی ضرورت باقی نہ رہتی اور اس کا حسن پورا ہو جاتا — [illegible] ٹھیک ہی کہا تھا:

وہ باتیں تیری [illegible] اب تک نہیں آئیں — [illegible]
اتنے منسوب [illegible] اور دل صاحب [illegible]

دل صاحب کی نشوونما ایسے ماحول میں ہوئی جہاں [illegible] شکار کے [illegible] رہتے تھے [illegible] واقعوں کو [illegible] کرتے جاتے تھے، [illegible] ان دونوں مشاغل سے آپ کو بھی دلچسپی رہی ہے۔ [illegible] شکار کا شوق رہا [illegible] بندوق کی [illegible] نہیں اٹھتی تھی۔ [illegible] کا سامان ساتھ رہتا تھا۔ [illegible] کے جلسے ہوتے تھے، صبح [illegible] جماعت جنگل میں [illegible] ناشتہ کرتی تھی اور پھر سب لوگ شکار کیلئے نکل جاتے تھے۔ گاؤں کے لوگ جمع ہو کر جنگل کا [illegible] کرتے تھے۔ [illegible] نکل کر بھاگتے تھے [illegible] بندوقوں کی گولیاں [illegible]۔ شام کے وقت جو شکار مارا جاتا اس کا گوشت مختلف طریقوں سے پکایا جاتا۔ کوئی باورچی کباب پکاتا

گو ارسطو کہا کرتے ۔۔۔۔ میں سب سے ایک ساتھ دل چلتے کہا کہ … اور جنگل میں … آپ شکار … بہت … آپ سے ایک … شکار کیا تھا میں کے … رضا محمد نواب … پاس … تھے۔

ایک شکار میں آپ نے ایک بہت بڑا سانپ مارا۔ وہ اس قدر بھاری بھرکم تھا کہ اس کا ذبح کرنا مشکل ہوگیا۔ آپ کے ساتھ … خان صاحب بھی تھے۔ آپ نے ان سے کہا

"میں اس کا منہ پکڑتا ہوں تم ذبح کرو۔"

جب وہ چھری پھیرنے لگے تو سانپ نے … زور سے گردن ہلائی کہ دل صاحب سنبھل نہ سکے اور گر پڑے۔ خان صاحب نے … شاہجہاں پور کے پٹھانوں کا … خان صاحب … دل صاحب نے کہا "میں چھری چلاتا ہوں آپ منہ پکڑیے۔" خان صاحب نے … جسم کا پورا زور ڈال کر سانپ کی گردن دبائی مگر دل صاحب نے جیسے ہی چھری پھیری، اس نے گردن کو … زور کا جھٹکا دیا کہ خان صاحب … چلے گئے۔

دل صاحب … بہت … شکار … کیا کرتے … ایک دن … گاؤں سے … اتفاق سے آپ کے پاس سے گزری۔ آپ نے گولی چلا کر اسے گرا دیا۔ … بہت بڑے … شکار … شاہجہاں پور کے شکاری … بیان کرتے ہیں … دل صاحب … آپ … شکاری صاحب کو مار کر … رات کسی کو … شکاری صاحب نے … قدموں پر … گئے ۔۔۔۔ تو دل صاحب کی سفارش پر … ان کی جان بچ گئی۔

ایک مرتبہ شکار کے سلسلے میں آپ نیپال کی ترائی تشریف لے گئے۔ جاڑوں کا موسم تھا۔ … جنگل میں لکڑی کے ایک … تھا آپ وہیں ٹھہرے تھے۔ … گاڑیاں صبح صبح آپ کو … شکار کے … لے جاتا تھا۔ … جب آدمی … صبح کو … آتا تھا تو صرف … کے جسم پر … آپ نے اس سے پوچھا ۔۔۔۔ "اس موسم میں کیونکر بسر ہوتی ہے؟" اس نے جواب دیا "بڑے … مجھے … جوں اور بدن سینکتا ہوں۔" آپ نے گاڑی رکوا دی۔ وہ ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہوگیا۔ سمجھا اس سے کوئی غلطی ہوگئی ہے۔ دل صاحب کی آنکھوں میں آنسو … اپنی … اور گرم قمیص اتار کر اسے دے دی اور کہا "اسے پہنو اور گھر واپس چلے جاؤ … کپڑے پہن لوں ۔۔۔۔"

میرے ایک ماموں ظہیر الدین خان … قوال تھے اور تقریباً پندرہ سال وہاں رہے۔ جب باہر سے ان کے یہاں مہمان آتے تھے … میں … ہو جاتی تھی۔ … چاہتا تھا کہ ساری … لے جائے۔ فقرہ یہ تھا کہ … قوال مگر مزاج پایا تھا شاہانہ ۔۔۔۔ کرایہ … پانچ اور … دس ۔۔۔۔ یہی حال کچھ دل صاحب کا ہے۔ وہ سرکاری ٹھیکیدار بھی ہیں اور جب کوئی نیا کام نکلتا ہے تو جو مزدور ان کے پاس کام کرتے ہیں ان میں ہمیشہ جھگڑا رہتا ہے ۔۔۔۔ اور ہر مرتبہ دل صاحب کو جھگڑا چکانے میں بڑی دقت پیش آتی ہے۔

دل صاحب کا کلام سب سے پہلے "پیام یار" میں چھپا تھا۔ یہ پرچہ لکھنؤ سے نکلتا تھا اس میں اکثر امیر و داغ بھی شرکت فرماتے تھے۔ اسی کے مطالعہ سے آپ کو شعر و سخن کا ذوق ہوا۔ رفتہ رفتہ اس ذوق نے یہاں تک زور مارا کہ آپ نے خود شعر کہنا شروع کر دیا۔ ایک بار "پیام یار" میں طرح نکلی "جگر دیکھ لینا، نظر دیکھ لینا" اس میں آپ نے بھی غزل کہی تھی جس کا ایک شعر اب بھی محفوظ ہے۔ یہ شعر ۱۸۹۰ء کا ہے ~

چلا ہے ابھی تیر مژگاں کسی کا
ذرا اپنا اپنا جگر دیکھ لینا

دل صاحب کی نو مشقی کا زمانہ تھا کہ حکیم سید جعفر حسین صاحب … علاج شاہجہاں پور تشریف لائے۔ موصوف صاحب نظر شاعر بھی تھے۔

[illegible] دل صاحب [illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible] دل صاحب [illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]

[illegible] صاحب [illegible] دل صاحب [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible] شاہجہانپور میں [illegible] کانفرنس ہوئی تھی جس میں [illegible] نواب محسن الملک وغیرہ تشریف لائے تھے۔ [illegible]
[illegible] منشی صاحب [illegible] دل صاحب بھی اس جلسے میں شریک تھے۔

مدت تک کسی استاد کی اصلاح کے بغیر مشاعروں میں غزل پڑھتے رہے مگر بعد میں استاد کامل کی جستجو ہوئی۔ اس زمانے میں تین اساتذہ مسلم الثبوت تھے۔ امیر مینائی، داغ دہلوی اور جلال لکھنوی۔ حضرت امیر کا پایہ باعتبار علم و فن سب سے بلند تھا اس لئے آپ نے انہی کو استاد منتخب کیا۔ منشی صاحب ان دنوں دربار رامپور سے وابستہ تھے۔ غزلیں ان کے پاس اصلاح کے لئے جاتی تھیں اور وہ ترمیم فرما کر واپس کر دیتے تھے۔ استاد اور شاگرد میں پہلی ملاقات [illegible] میں ہوئی جب دل صاحب اپنے ماموں کے ہمراہ بتقریب [illegible] گئے۔ وہاں سے واپسی پر منشی صاحب کی زیارت کے لئے رامپور روانہ ہوئے۔ چونکہ بغیر اطلاع گئے تھے لہٰذا براہ راست منشی صاحب کی خدمت میں حاضر نہیں ہوئے۔ صبح کو حاضر ہوئے۔ صدر دروازہ کے اندر دو دروازے تھے، ایک زنانخانے کا دوسرا نشست گاہ کا۔ نشست گاہ بالائی منزل پر تھی وہاں حضرت جلیل مانکپوری موجود تھے۔ جلیل صاحب نے آپ کی آمد کی اطلاع کر دی۔ حضرت فوراً تشریف لائے اور بہت محبت سے گلے لگایا۔ فرمایا: "یہاں کیوں نہیں قیام کیا؟" مگر دل صاحب کے عذر معقول پر چپ ہو گئے اور پھر شعر و ادب اور علم و فن پر گفتگو شروع ہو گئی۔

دل صاحب وہاں سے جائے قیام پر واپس آئے ہی تھے کہ معلوم ہوا جلیل صاحب تشریف لائے ہیں۔ باہر آ کر دیکھا تو جلیل صاحب تشریف فرما تھے۔ ایک ملازم بھی ساتھ تھا [illegible] کی ایک سینی اس کے سر پر تھی۔ جلیل صاحب نے فرمایا: "قبلہ و کعبہ نے [illegible] بھیجی ہیں۔"

۱؎ دل صاحب کا اصلی نام حکیم ضمیر حسن خاں ہے۔

ولی صاحب نے کہا [illegible] شاگرد [illegible] میں پیش کیا [illegible]

جلیل صاحب نے کہا - منشی صاحب [illegible] مرشد کا [illegible] بیان [illegible]

آخر بحث کے بعد ولی صاحب نے [illegible] کر کے [illegible]

استاد نے فرمایا - میری [illegible] شعر [illegible] سے ظاہر ہوتا ہے کہ [illegible] شاعری میں [illegible] مستقبل بہت [illegible] ہوگا :

اس سلسلے میں حضرت داغ کا ذکر آیا - منشی صاحب نے فرمایا : بزرگ [illegible] خوش کرنے کے [illegible]

بھی جاتا ہے کہ [illegible] - داغ کی کوئی [illegible] کر سکتا ہے [illegible] کوئی اس شان کا شعر کہہ کر دکھائے -

خار حسرت بیان سے نکلا

دل کا کانٹا زبان سے نکلا

ولی صاحب نے [illegible] ایک ڈرامے کا [illegible] ذکر کیا کہ [illegible] تاریخ کے مسئلے پر تفصیل سے بحث کی گئی تھی [illegible] شہزادے کے [illegible] ہندوستان تشریف لائے تھے اور [illegible] دیکھنے کے لیے دور دور سے لوگ لکھنؤ میں جمع ہو گئے تھے -

ایک دن ولی صاحب نے لکھنؤ پہنچ کر مختلف [illegible] اشاعت کے بارے میں بات چیت شروع کی - ظہیر آباد میں حافظ [illegible] نامی ایک صاحب [illegible] رہتے تھے وہ بھی کسی پریس کے ایجنٹ تھے - انہوں نے مطالعہ کے واسطے ایک دن کے لیے کتاب مانگی - ولی صاحب نے [illegible] کر کتاب ان کے حوالے کر دی - دوسرے دن واپس لینے پہنچے تو حافظ صاحب غائب ، تیسرے دن غائب ، چوتھے دن غائب [illegible] دن غائب ——— ولی صاحب کو فکر لاحق ہوئی [illegible] ایک دوست رحمن حسین خان [illegible] ذکر کیا - رحمن صاحب [illegible] فوراً آپ کے ہمراہ حافظ صاحب کے مکان پر پہنچ گئے [illegible] آپ [illegible] ہیں؟ پھر [illegible] حافظ [illegible] مگر جواب ندارد - دوسری بار پھر پکارا مگر کوئی جواب نہ آیا تیسری بار [illegible] دروازے پر زور سے دستک دی [illegible] ——— آخر تنگ آ کر رحمن خان نے حافظ [illegible] کو ایک فصیح و بلیغ گالی کے ساتھ خطاب کیا تو اندر سے حافظ صاحب کی آواز آئی "کون بدتمیز ہے؟" رحمن خان نے چیخ کر کہا "تیرا باپ [illegible] ابھی معلوم ہو جاتا ہے" حافظ صاحب غصے میں بھرے ہوئے باہر نکلے اور پھر جو خان صاحب [illegible] ان میں خالص اردو [illegible] تو [illegible] نے کانوں پر ہاتھ دھر لیے - قریب تھا کہ ہاتھا پائی ہو جائے رحمان صاحب نے کہا "لا ولی صاحب کی کتاب واپس کر" -

حافظ صاحب جلے ہوئے تو تھے ہی فوراً مکان میں گئے اور کتاب لا کر پھینک دی "یہ لو اپنی کتاب" -

ولی صاحب کو صوفیائے کرام سے گہری عقیدت رہی ہے - آپ کے نانا حافظ احمد حسین خان صاحب سلسلہ قادریہ چشتیہ کے بہت بلند پایہ بزرگ گزرے ہیں - ان کی بارگاہ میں اکثر باریابی حاصل رہتی تھی - ان کا مخصوص قوال گندھیا جو بعد کو ملک میں بہت مشہور ہوا اس کے ریاض و تربیت میں ولی صاحب کا کافی ہاتھ رہا اور اس کو بہت سا کلام کہہ کہہ کر حفظ کرایا - ایک مرتبہ اس نے [illegible] پر کرم کے سجادہ نشین کو جبکہ وہ شریک محفل رہے تھے آپ کا یہ مطلع سنایا ؎

رنگ لایا ہے یہ ضبطِ الفتِ گیسوئے دوست

آخر اپنے پیرہن سے پھوٹ نکلی بوئے دوست

قوال کا گانا تھا [illegible] اثر ہوا کہ شیخ کی بساط [illegible] کر [illegible] اور دیر تک عالم رقص و وجد میں رہے - جب ذرا ہوش آیا تو کہا [illegible] پوچھا یہ شعر

[illegible]

[illegible] صاحب [illegible] بھی [illegible]

دلؔ صاحب [illegible] مشاعرہ [illegible] [illegible] ہوتے تھے۔ [illegible]

سید [illegible] دلؔ صاحب [illegible] صاحب [illegible] تھے۔ [illegible] دلؔ صاحب [illegible]

[illegible] دلؔ صاحب [illegible] ہے

[illegible] آتی [illegible]
[illegible]

دلؔ صاحب کے [illegible] تھے۔ [illegible] آپ غزل پڑھ چکے تو [illegible] بہت بڑی [illegible] حضرات [illegible] مخالفت [illegible] دلؔ صاحب نے [illegible] ان کا مقصد یہ تھا کہ [illegible] کے بعد جب پھر مشاعرہ شروع ہوگا تو آپ کی غزل کے اثرات لوگوں کے دلوں سے مٹ جائیں گے اور ان کی غزلیں کامیاب ہو جائیں گی۔ مگر جب بعد میں مشاعرہ شروع ہوا تو ان لوگوں کی غزلیں کوئی اثر نہ کر سکیں [illegible] لوگوں نے لکھنؤ جا کر دلؔ صاحب کے خلاف بہت پروپیگنڈہ کیا اور [illegible] بہار ادب نے مشاعرے میں مدعو کیا تاکہ کسی طرح [illegible] کا اعتماد لکھنؤ میں [illegible] سکیں۔

لکھنؤ میں سوائے دو ایک حضرات کے باقی سب دلؔ صاحب کے دوست تھے۔ مشاعرے سے ایک روز قبل نواب محمد عسکری [illegible] مرحوم نے آپ کی دعوت کی۔ بعد طعام محفل شعر منعقد ہوئی۔ تمام حضرات نے ایک ایک غزل پڑھی اور دلؔ صاحب سے بہ اصرار سات غزلیں سنی گئیں۔ بعد ختم محفل پروفیسر [illegible] مرحوم نے فرمایا: "یہ آپ کا امتحان تھا کہ آپ صرف ایک غزل بھی کہہ رہے ہیں یا آپ واقعی اچھا کہتے ہیں۔ مگر خدا کے فضل سے آپ اس امتحان میں کامیاب ہوئے اور مخالفین کو شکست نصیب ہوئی۔"

اس کے بعد آپ کو بہار ادب کا رکن بنایا گیا اور ہر سال مشاعرے میں بلائے جانے لگے۔ مشاعرہ وسط سرما میں ہوتا تھا۔ ایک سال مشاعرہ "[illegible] محل" میں ہو رہا تھا، دلؔ صاحب بھی تشریف فرما تھے، حضرت صفیؔ، عزیزؔ، یگانہؔ، آرزوؔ وغیرہ کے علاوہ حضرت شبیہ مچھلی شہری اور سائلؔ دہلوی بھی شریک تھے۔ غضب کی سردی پڑ رہی تھی، مشاعرہ اپنے شباب پر تھا کہ یکایک کسی نے بجلی کی روشنی بند کر دی اور پنکھے کھول دیے ـــــ [illegible]

[illegible] ـــــ دل صاحب کے پاس کوئی ان سے ملنے آیا [illegible] [illegible] آپ نے کہا کیوں نہیں [illegible] لیکن کچھ کہنے [illegible] کو کمل میں لے لیا۔ [illegible] [illegible] شروع کر دیے ـــــ عجیب منظر تھا۔ [illegible] [illegible] [illegible] اس واقعہ کے بعد شاعرہ [illegible] کے بجائے [illegible] میں بیٹھ گئے۔

[illegible] کے ایک مشاعرے میں بھی ایک ایسا ہی واقعہ پیش آیا [illegible] مشاعرہ تھا۔ دل صاحب کے علاوہ [illegible] مشاہیر شعرا شریک تھے۔ [illegible] صاحب نے [illegible] [illegible] بہت سے [illegible] کر پاس نہیں [illegible] ہو گئے قریب [illegible] مشاعرہ شروع ہوا [illegible] [illegible] [illegible] جب انھوں نے [illegible]

[illegible] کہا تھا [illegible] شعر [illegible] ہے

[illegible] کے شعروں نے دفعتاً بجلی کا [illegible] دیا [illegible] [illegible] [illegible] بعد میں [illegible] [illegible]

[illegible] ایک اور [illegible] [illegible] تھا [illegible] تھا [illegible] لکھنؤ میں یہ واقعہ [illegible] شعرا [illegible] کلام پڑھتے ہیں [illegible] مشاعرہ میں [illegible] صاحب [illegible] [illegible] تھے۔ جب [illegible] سامنے بیٹھے تھے۔ جب [illegible] لکھنوی نے [illegible] ایک شعر پڑھا [illegible] صاحب نے نظر اٹھا کر [illegible] صاحب کو دیکھا جناب [illegible] صاحب کے قریب ہی بیٹھے تھے [illegible] دل صاحب [illegible] [illegible] بعد میں دل صاحب نے جب [illegible] کا یہ شعر پڑھا ـــ

نیچے تک کھنچ گیا [illegible] کے نقشے
تلاطم میں بھی کشتی سامنے نظروں کے ساحل تھا

تو [illegible] صاحب نے نظر اٹھا کر دل صاحب کو دیکھا۔ [illegible] صاحب نے [illegible] کہا: دل صاحب کہنے لگے ـــــ آپ کے شعر کی [illegible] ہو گئی ہے۔

حضرت بیباک شاہجہاں پوری [illegible] سے دل صاحب کی [illegible] تھی۔ اکثر مشاعروں میں ساتھ ساتھ جاتے اور ساتھ ہی ساتھ قیام کرتے تھے۔ بیباک صاحب شاعر ہونے کے علاوہ [illegible] [illegible] [illegible] دیتے تھے [illegible] [illegible] تھا مگر صاف گو اور مغلوب الغضب بھی تھے اس لئے لوگ ان سے بہت ڈرتے تھے۔ [illegible] ایک مشاعرہ میں دل و بیباک کے علاوہ سیف شاہجہانپوری بھی شریک تھے۔ سیف صاحب بیباک میاں کے [illegible] [illegible] ہونے کے [illegible] [illegible] تھے۔ بعد مشاعرہ دل صاحب، بیباک میاں اور سیف صاحب سے نواب التفات رسول نے فرمایا کہ ڈپٹی کمشنر اور جج ضلع آپ لوگوں کا کلام سننا چاہتے ہیں۔ یہ حضرات انگریز ہیں۔ انھوں نے اردو نظم نہیں سنی لہٰذا آپ شام کو تشریف لا کر اپنا کلام سنائیں۔ جب روانگی کا وقت آیا تو سیف صاحب نے جانے سے انکار کر دیا اور برجستہ کہا: میں وہاں جا کر مسخرہ بننا نہیں چاہتا۔ دل صاحب اس وقت تو خاموش ہو گئے اور بیباک میاں کے ساتھ التفات رسول صاحب کی قیام گاہ پہنچے۔ ڈپٹی کمشنر اور جج ضلع کو اپنا کلام سنایا۔ چونکہ وہ اردو سے ناواقف تھے لہٰذا ایک مترجم نے انگریزی میں اشعار کے معنی ان کو سمجھائے۔

واپس آ کر جب دل، بیباک اور سیف اکٹھے ہوئے تو دل صاحب نے چھیڑا ـــــ کیوں سیف صاحب! جب آپ ولایت درزی کی دکان پر جا کر اس کو اپنی غزلیں سناتے ہیں جو بالکل جاہل ہے تو آپ کے لئے فخر کی بات ہوتی ہے مگر جب ایک ڈپٹی کمشنر جس کے اجلاس میں آپ دست بستہ کھڑے ہوتے ہیں، آپ کو نہایت احترام سے اشعار سننے کے لئے مدعو کرتا ہے تو آپ انکار کر دیتے ہیں کہ میں مسخرہ بننا نہیں چاہتا۔

یہ سننا تھا کہ بیباک میاں آگ بگولا ہو گئے: کیوں بے سیف کے بچے! تو نے یہ کیا کہہ کر کہا کیا ہم مسخرے ہیں [illegible]

[illegible]

[illegible]

شاہجہاں پور کے ایک مشاعرے میں [illegible] فیاض صاحب [illegible]

[illegible]

میکش صاحب نے [illegible]

دل صاحب نے برجستہ جواب دیا [illegible]

جب فیاض صاحب نے مطلع پڑھا ؎

فیض سے فیاض بنتے ہیں جناب دل سے ہم

تو میکش صاحب بہت شرمندہ ہوئے اور معافی مانگ لی۔

الہ آباد کی کسی تقریب میں دل صاحب شریک تھے۔ نجم الدین جعفری بار ایٹ لا بھی قریب ہی بیٹھے تھے۔ دل صاحب نے جعفری صاحب سے پوچھا: "آپ مجھ سے واقف ہیں؟"
جعفری صاحب نے فوراً جواب دیا: "کیوں نہیں، آپ تو ہر وقت میرے بائیں پہلو میں دھڑکتے رہتے ہیں۔"

کانپور کے ایک مشاعرے میں جب دل صاحب کا نمبر آیا تو ناظم مشاعرہ نے کہا: "آپ حضرت دل ہیں جو عاشق کے پہلو میں رہتے ہیں؟"
دل صاحب نے برجستہ کہا: "اب تو معشوقوں کی مٹھی میں رہتا ہوں۔"

مراد آباد کے ایک مشاعرہ میں دل صاحب بھی مع ایک شاگرد کے مدعو تھے۔ آپ کو مشاعرے سے قبل ایک میزبان کی تحویل میں دے دیا گیا۔ صبح سے دوپہر تک ملنے والوں کی آمد و رفت جاری رہی۔ دل صاحب چونکہ لمبا سفر طے کر کے آئے تھے اس لئے بھوک نے بہت پریشان کیا۔

[illegible] سے [illegible] صاحب [illegible] جب [illegible] گئے تو آپ سے [illegible] ہوا " بہت شکر گزار ہوں [illegible] ایک روز اور [illegible] آ جائیں"

[illegible] صاحب سے [illegible] بہت [illegible] دوسرے [illegible] دل صاحب سے " بہت شکر گزار [illegible] " [illegible] [illegible] تو الله [illegible] ۔

اس پر [illegible] بہت [illegible] اور دستر خوان بچھا دیا گیا ۔

[illegible] کے ایک مشاعرہ میں [illegible] صاحب اور [illegible] صاحب ساتھ ساتھ شریک ہوئے ۔ بعد مشاعرہ [illegible] [illegible] دل صاحب بیاض وہیں بھول گئے ۔ [illegible] بہت پریشان ہوئے ۔ بہت تلاش کی گئی مگر بیاض نہ ملی ۔ [illegible] تھے ۔ تمام شہر میں اطلاعات بھیج دیئے گئے کہ بیاض نہ ملی تو سخت مصیبت نازل ہوگی اور جو بیاض واپس کرے گا اسے انعام دیا جائے گا ۔

دوسرے دن [illegible] کے یہاں مشاعرہ تھا دل صاحب کی باری آئی تو انہوں نے مشکل چند شعر پڑھے ۔ جب مشاعرہ ختم ہوا کسی نے کہا " آپ کی بیاض مل گئی ہے "

دل صاحب خوشی سے اچھل پڑے ۔ " [illegible] "

جواب ملا —— " جی ہاں ، مگر وہ ایک رقاصہ کے پاس ہے اور [illegible] ہے کہ دل صاحب میرے مکان پر تشریف لائیں [illegible] کلام سنائیں پھر بیاض ان کو پیش کی جائے گی " دل صاحب [illegible] پر غور کرنے لگے ۔ نوح صاحب نے ان کے [illegible]

" [illegible] خانے میں ہوتا ہے [illegible] [illegible] تو
ایک رقاصہ سے یہاں جانے سے کیا گریز —— "

وقت مقررہ پر [illegible] نوح صاحب اور دل صاحب وہاں پہنچے بڑے تکلف سے چائے پلائی گئی ۔ اپنے ہاتھوں سے [illegible] رقاصہ نے دل صاحب کو چائے پیش کی ۔ دل صاحب [illegible] ہوئے جا رہے تھے اور نوح صاحب آنکھوں کے کونے دبا کر [illegible] شرارت پر مسکرا رہے تھے ۔ چائے کے بعد [illegible] ہوئی اور ماشاء الله [illegible] کے بڑے اعزاز سے بیاض دل صاحب کو پیش کی گئی —— بیاض کو دیکھ کر ان کی آنکھوں میں بے ساختہ آنسو آ گئے اور بیاض رقاصہ کے ہاتھ سے چھوٹ پڑی ۔ بعد میں معلوم ہوا کہ بیاض کسی لڑکے نے مشاعرہ گاہ سے اٹھالی تھی اور بازار میں اسے بیچنے لے گیا تھا ۔ اس کی گمشدگی کی باقاعدہ رپورٹ لکھی جا چکی تھی اور پولیس سرگرم تلاش تھی ۔ اتفاق سے رقاصہ کا بھائی ادھر آ نکلا اس نے لڑکے سے کہا " میاں صاحبزادے یہ کتاب میرے حوالے کر دو ورنہ گرفتار ہو جاؤ گے ۔ " لڑکا یہ سنتے ہی بیاض پھینک کے بھاگ کھڑا ہوا ۔

دل صاحب انکساری و سادگی کے مجسمہ اور وضع کے اتنے پابند ہیں کہ خواہ کتنا ہی وقت گزر جائے تاخیر مشاعرہ نہیں اٹھتے جب کسی بیرونی مشاعرہ میں شریک ہوتے ہیں تو میزبان کچھ نہیں کہہ سکتے اور بہ اصرار اپنے یہاں ٹھہراتے ہیں ۔ الہ آباد کے ایک مشاعرے میں شرکت کے لئے آپ گئے تو پروفیسر ضامن علی کے مہمان ہوئے ۔ پروفیسر صاحب کے اصرار پر ایک ہفتہ تک قیام رہا ۔ اس دوران میں ایک اور شاعر آکر ضامن صاحب کے یہاں ٹھہرے ۔ دل صاحب اور وہ ایک ہی کمرے میں سوئے ۔ نصف شب کے قریب انہوں نے دل صاحب کو جگایا کہ " شمالی ہوا مجھے تکلیف دیتی ہے کسی [illegible] کو بلا کر میرے پلنگ کا رخ تبدیل کرا دیا جائے " لہذا ضامن صاحب کو جگایا گیا ۔ ملازم کو سوتے سے اٹھایا گیا اور ان کے

[illegible]

[illegible] آپ کی [illegible] صاحب [illegible]
[illegible]
[illegible] ولی صاحب بھی شریک تھے۔

گذشتہ سال غالب [illegible] مشاعرہ [illegible] ولی صاحب [illegible] ہر سال ایک مشاعرہ
[illegible] غالب صاحب کے [illegible] تشریف [illegible]
[illegible] صاحب [illegible] مشاعرہ [illegible]
[illegible]
[illegible] ولی صاحب [illegible]
[illegible] صاحب [illegible] آپ [illegible]
آپ [illegible] سکتے ہیں۔

ولی صاحب ہیں۔ [illegible] اور یہاں [illegible] موجود ہیں۔ [illegible] شاہجہانپور [illegible] اپنی نسل سے مشہور ہیں۔ مگر
ولی صاحب نے اپنے [illegible] ۔ بقول صفا جالندھری [illegible] آپ [illegible]
[illegible] شاہجہانپور [illegible] آپ [illegible] غالب [illegible]
اکثر جب [illegible] تو سالانہ [illegible] شاہجہانپور [illegible] ولی صاحب کے یہاں [illegible]
اور بستر کھلوایا۔ نوح صاحب اکثر آپ کے مہمان رہے۔ جگر صاحب جب بھی شاہجہانپور گئے سب سے پہلے ولی صاحب کے یہاں [illegible]
جوش صاحب پہلے [illegible] شاہجہانپور [illegible] اس لئے [illegible] حضرت [illegible] لکھنوی [illegible] کے مسلم الثبوت
استاد حضرت داغ کے شہر سے ان سے ملے بغیر [illegible] گوارا نہ [illegible] ولی صاحب نے شاہجہانپور کو [illegible] کرایا [illegible] شاہجہانپور
اسی لئے مشہور ہے کہ وہ ولی صاحب کا وطن ہے۔

اوائل [illegible] ۱۹۳[illegible]ء میں سردار جگت سنگھ اور سید ولی محمد صفا جالندھری [illegible] شاہجہانپور تشریف لائے
[illegible] ان دنوں آموں کی فصل تھی۔ ولی صاحب [illegible] ان حضرات کو اپنے باغات کے آم کھلائے۔ صفا صاحب کا کہنا ہے کہ جن آموں کا ذکر
جلیل صاحب اور داغ صاحب نے اپنے اشعار میں کیا ہے وہ سب حضرت ولی کے باغات میں موجود ہیں۔

ولی صاحب آموں کے عاشق صادق ہیں۔ فصل انبہ میں آپ اپنے احباب کو آم کھلانے کے لئے لے جاتے ہیں، دعوتیں ہوتی ہیں، ڈال
اور پال کے آم کھائے جاتے ہیں، شکار کھیلا جاتا ہے اور شعر پڑھے جاتے ہیں۔

آپ کے ایک دوست آم کھانے باغات میں تشریف لے گئے۔ وہ بمبئی آم سے سخت نفرت کرتے تھے کہتے تھے "بمبئی تو ایسا
برا آم ہے کہ اس کو چھیل کر پیشاب کر دینا چاہئے۔" ولی صاحب کے کانوں تک بھی ان کی یہ بات پہنچی آپ نے ایک خوب تیار بمبئی چھیل کر ان کو
دیا۔ انہوں نے مزے لے لے کر کھایا اور بہت تعریف کی۔ نام پوچھا تو ولی صاحب نے کہا "[illegible]"۔ بہت حیران ہوئے تو آپ نے فرمایا "صاحب!

آپ تلامذہ کے کلام کی اصلاح بہت توجہ سے کرتے ہیں وقت سے زیادہ بار بار کہا جائے تو قطعاً برداشت نہیں کرتے:

آپ کا شغل طب صرف خدمت خلق کے لئے ہے خاص خاص مجربات آپ خود تیار کر کے مفت تقسیم کرتے ہیں۔ دل کے مکان پر چند مریض بیٹھے ہی رہتے ہیں مگر کبھی کسی سے کوئی معاوضہ نہیں لیتے۔ ایک بار ایک انگریز کا ہوا بہت سے علاج سے مایوس ہو چکا تھا آپ کے علاج سے صحت ہو گئی اس نے پانچ سو روپیہ بطور نذر پیش کئے مگر آپ نے اسے ایسی نظروں سے دیکھا کہ وہ شرما گیا اور جب تک بیٹھا رہا معافی مانگتا رہا۔

بڑے بڑے والیان ریاست اور حکام آپ کے یہاں آتے اور آپ کو اپنے یہاں عزت سے بلاتے ہیں۔۔۔۔ مگر آپ حکام کی تقریبات میں بھی اسی شان سے شریک ہوتے ہیں جس شان سے اپنے عزیزوں کے ساتھ اپنے وطن کے جلسوں میں۔

مشاعروں کے سلسلہ میں شعبہ کافی دل چسپ رکھتے ہیں۔ ایک ایک آنہ کے لئے ترستے ہیں۔ میں نے مشاہیر شعراء میں اکثر حضرات کے مقابلہ میں کبھی مشاعرہ سے دست و گریباں دیکھا ہے۔ اکثر صف اول کے شعراء تو معقول رقم سے بھی زائد طلب کر بیٹھتے ہیں۔ فرماتے ہیں مشاعرہ کیلئے گئی تھی شہاب سلطانی دو موضوع ہوئے۔ سوٹ کیس یا پچاس روپے صرف کئے۔ سیکنڈ کلاس کے بجائے فرسٹ میں سفر کیا۔ حالی صاحب نے پانچ سو روپیہ پیش کیا۔ شعراء کو ذوق نہیں سنتے تھے سپید پوش شعراء بھی اس میں مبتلا ہیں مگر دل صاحب نے تو ادب دوستی کو بیکار ہی کر دیا۔ آپ نے اپنا کبھی مشاعرہ سے کبھی کچھ طلب نہیں کیا۔ یہاں تک کہ بعض بعض جگہ آپ اپنی جیب سے کرایہ آمد و رفت صرف کر کے تشریف لے گئے۔ نواب اقتصادات رسول صاحب نے ہر چند آپ کو زاد راہ دینا چاہا مگر آپ نے کبھی قبول نہیں کیا ایک دفعہ بہت مصر ہوئے تو آپ نے فرمایا۔۔۔۔ آپ مجبور کرتے ہیں تو لئے لیتا ہوں مگر آئندہ آؤں گا نہیں۔۔۔ یہ سن کر اقتصادات رسول صاحب بہت شرمندہ ہوئے اور لفافہ واپس لے لئے۔

دل صاحب آج بھی شاہجہاں پور رہیں ہیں۔ زمینداری جو ان کا ذریعہ آمدنی تھی، حق سرکار ضبط کی جا چکی ہے۔ بقیہ اسی قریب قریب ختم ہو چکی ہے صبح کو مطب کے بعد اصلاح و تصحیح کا شغل اور شام کو لوگوں سے ملنا جلنا اب بھی جاری ہے۔ اب بھی شاہجہاں پور کی کسی شاہراہ پر چلنے کی چھڑی ہاتھ میں پہنا کے ہاتھ پشت پر باندھے اور سر جھکائے بے نیازانہ گزرتے ہوئے لوگ انہیں دیکھتے ہیں تو ادب سے ایک طرف ہٹ جاتے ہیں۔ مگر کبھی سلام کا موقع نہیں پاتے۔ کتنوں ہی نے مجھ سے کہا "کاش ہم کبھی دل صاحب کو پہلے سلام کر سکتے" دل صاحب خود سلام کرنا زیادہ پسند کرتے ہیں شاید وہ سارا ثواب خود ہی لوٹنا چاہتے ہیں۔

انقلابات زمانہ نے انہیں نیم جان کر دیا ہے مگر وضع کی پیشانی پر شکن نہیں آئی۔ ان کے بڑے صاحبزادے شبیر حسن خان جن کی عمر تیس سال کے قریب ہے وکالت کرتے ہیں چھوٹے صاحبزادے شفیق حسن خان جو پچیس کے لگ بھگ ہیں گھر کا کاروبار سنبھالے ہوئے ہیں اور تکلف چند برسوں سے شعر بھی کہنے لگے ہیں۔ کبھی کبھار ان کی غزلیں نگار اور ہندوستانی ادب میں نظر آ جاتی ہیں۔

چلتے چلتے حق شاگردی بھی ادا کر دوں۔ میں ان سے بہت قریب رہا ہوں اور میرا ایمان ہے کہ وہ مکمل انسان ہیں اور مکمل استاد بھی۔ انہوں نے کبھی مصرعہ کاٹ کر مصرعہ اور شعر کاٹ کر شعر نہیں لکھا۔ ان کی اصلاح شاگرد کی استعداد کے مطابق ہوتی ہے کبھی کسی مبتدی کا شعر آسمان پر نہیں پہنچاتے اس کو خود آگے بڑھنے کا سبق دیتے ہیں۔ شعر میں جتنی فنی اور اسلوبی احتیاطیں وہ برتتے ہیں کسی نے نہیں برتیں۔ اپنے تلامذہ کے خیال کی بلندی اور پستی، رنگ کلام اور انداز بیان پر وہ اپنے نظریات کا غلاف کبھی نہیں چڑھاتے۔ ان کے تلامذہ میں جہاں خالص کلاسیکی شعراء ملتے ہیں وہاں خالص انقلابی، رومانی اور ترقی پسند بھی۔ وہ ہر ایک کو اس کے اپنے انداز فکر کے مطابق راہ دکھاتے ہیں۔ ان کا اصول اصلاح یہ ہے کہ شعر میں فنی خامی یا زبان و بیان کا سقم نہیں رہنا چاہئے۔

ان کی اصلاح اتنی باریک اور اتنی نازک ہوتی ہے کہ مکینئے اور دیکھتے رہ جائیے بطور مثال ایک شعر پان کی اصلاح نقل کرتا ہوں شعر تھا —

جس کو فطرت سے ملی ہستی بے تابانِ سحر
گل نہ ہو بے شبنم سے بجھ کر بن بیٹھے ہیں

آپ نے نظامِ عشق میں بھی تجربہ و تحقیق کے تقاضے کو کمال اولا کر دیا [illegible] شعرائے حال پیدا کیا ہے [illegible]

جو فطرت سے ملی ہستی پر بے تابی سحر
گل نہ ہو بے شبنم سے بجھ کر بن بیٹھے ہیں

ولی صاحب کے کلام کی تعداد بہت طویل ہے۔ چند پاکستانی ہی کے گوشے گوشے میں ان کے معتقد ملیں گے جو ان سے فیض [illegible] ہونے کی وجہ سے اپنے شاگرد کا رتبہ رکھتے ہیں۔ [illegible] ان کے خلوص بہت بڑا سبب ہے جو اس زمانے میں بہت کم [illegible] معلوم نہیں ہوتا۔ وہ ہر طرف کے بہتر اساتذہ سے فیض حاصل کرتے رہے [illegible] [illegible] نہیں کہا ہے [illegible] ہیں۔ کلام اصلاح کی [illegible] ان کی وضع پرستی [illegible] [illegible] [illegible] شاگردوں میں [illegible] ، [illegible] ، [illegible] ، [illegible] ، [illegible] ، [illegible] ، [illegible] ۔ [illegible] ، [illegible] ، ساقی جاوید ، [illegible] ، [illegible] ، [illegible] ۔

ولی صاحب اب جو اس عمر میں ہیں ان کی پیدائش [illegible] کے [illegible] تمہیں بیٹھے [illegible] کہیں گے تو وہ کل ہی کہ سکے

[illegible] فطرت ہے [illegible]
میں [illegible]

———

فلک پیما

میاں بشیر احمد

مدیر نقوش نے چند روز ہوئے مجھے لکھا کہ میں اپنے عزیز ترین دوست میاں عبدالعزیز فلک پیما مرحوم پر چند خیالات کا اظہار کروں۔ پہلے تو کچھ عرصہ میں اس فرمائش پر گھبرا گیا۔ میں نے سوچا کہ فلک پیما پر لکھنا بہت مشکل کام ہے۔ فلک پیما کے خیالات کو سمجھنے کے لئے بڑی فلسفیانہ فہم درکار ہے۔ اُن کی گوناگوں شخصیت اور اُن کے کردار کا نقشہ کھینچنے کے لئے بڑے تامل اور تدبر اور تفکر کی ضرورت ہے۔ اور مختلف وجوہ سے میں آج کل اس قابل نہیں کہ یہ دشوار کام اپنے ذمے لے سکوں۔ سو میں نے دل میں فیصلہ کیا کہ میں یہ کام نہیں کروں گا [illegible] ہی اور مجھے ایسے دوست کی شان کے شایاں کچھ لکھ سکوں تو لکھوں ورنہ لکھ سکوں تو محبت و عظمت کے حضور میں گستاخی اور بے ادبی کی ہی رکھنے کا عزم بھی کروں۔ پھر ایک دن یک لخت دل میں ایک بجلی سی دوڑ گئی اور معلوم ہوا کہ فلک پیما پر میں بہت کچھ لکھ سکتا ہوں بلکہ صفحے سیاہ کر سکتا ہوں، اور جب کر سکتا ہوں تو حیف ہے کہ ایسا نہ کروں۔ انسانی محبت کا تقاضا ہے اُردو ادب کی مدح کا اہتمام ہے کہ میں ان دنوں میں نے اپنے آپ سے وعدہ کر لیا کہ وقت نکالوں گا اور اطمینان سے لکھوں گا اور اس لکھنے سے اور اس محنت سے فائدہ بھی اٹھاؤں گا اور لطف بھی۔ اُن کی کتاب "مضامین فلک پیما" ہے جو اب نایاب ہے اُسے پڑھوں گا سمجھوں گا سر دھنوں گا اور لکھوں گا۔ میری طرف اُن کے سینکڑوں خطوط ہیں۔ بڑے پرائیویٹ اور بے تکلف اور بے تحاشا۔ ان میں انسانی جذبات کی لہریں ہیں علمیت کے موتی ہیں لطیفے کے ہیرے ہیں۔ ان کو دیکھوں گا پرکھوں گا اور دوں کو دکھاؤں گا۔ کس قدر شاندار کام ہو گا۔ اور پھر ان ہزاروں ملاقاتوں پر ایک نگاہ ڈالوں گا جو ہمیں ان کی ہوتی تھیں اُنہیں یاد کروں گا دل کے کانوں سے سنوں گا اور شکریہ کی زبان سے دوستوں اور ہم جنسوں کو سناؤں گا اور مزے لوں گا واہ! کس قدر پُر لطف کام ہو گا!

لیکن صد حیف کہ فرصت نہ ملی پر نہ ملی حالانکہ مجھ سے آدمی کی بات یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ "فرصت ہی نہیں ملتی" انکا حیثیت کے؟ پھر کس قدر شرم کی بات ہے کہ میں نے کچھ دکھا، ہزاروں کاموں کے اندر جیسی بے شمار مصروفیتوں اور بے معنی "مصیبتوں" اور "فکروں"

[illegible]

[illegible] یہ تصویر [illegible]

[illegible] کی تصنیف [illegible]

[illegible]

[illegible] پڑھنے میں [illegible]

[illegible] بچے [illegible]

[illegible] والد محترم [illegible] سے [illegible]

[illegible] صاحب [illegible]

[illegible] شخصیت [illegible] سب کچھ [illegible]

[illegible] DECENCY [illegible] دیکھتے ہیں [illegible]

[illegible] مسکراتی [illegible]

مسلمانوں کی اس کوتاہ اندیشی پر رنجیدہ [illegible] پیغام یہ تھا [illegible]

[illegible] اور خوبصورتیوں کا [illegible] معاشرتی حلقوں میں کائنات کی

ان کا حل تلاش کرو [illegible] ایک تاریک پہلو

[illegible] بڑی خوبیوں اور خوشیوں کو ایک دوسرے میں دیکھا اور دکھایا [illegible]

منور ہے لیکن وہ موت ہے زندگی نہیں!

ایک دفعہ مجھے اپنے ایک خط میں لکھا کہ بشیرا مجھے جتنا رنج [illegible] ہوتا ہے [illegible] اور زیادہ ہنستا ہوں [illegible] ان کی زندگی کو

اس خیال کی تصویر پایا جیتی جاگتی بولتی چالتی تصویر۔ [illegible] مجھے ان کا یہ فقرہ یاد آگیا اور اس سے نہ صرف میری [illegible]

بلکہ میں بے اختیار ہنس دیا اور اپنے افکار کو [illegible]

یہ [illegible] ایک عیش پسند اور جسم پرست آدمی تھے۔ بعد میں ایک [illegible] کے اثر [illegible] ایک [illegible] کو [illegible] کے وہ پھر معروف اور عشق [illegible] سال [illegible] وہ [illegible] میں [illegible] اسلام سے [illegible] ہے۔ [illegible] کے [illegible] تھے [illegible] کے [illegible] اور [illegible] کے مشتاق تھے۔ وہ [illegible] باتوں سے نفرت [illegible] تھے لیکن [illegible] اور [illegible] کاموں [illegible] گزری۔ مگر ایک بڑی بات یہ تھی کہ [illegible] اور [illegible] کاموں [illegible] کی [illegible] اور متانت سے کہ [illegible] کے دل [illegible] پر [illegible] یہ وہ [illegible] کی [illegible] متانت اور [illegible] کے [illegible] زندگی کو خوشی کا نام [illegible] وقت سادہ اور [illegible] ہو گئی تھی!

[illegible] کائنات اور زندگی کے فلسفے کی [illegible] سے [illegible] فلسفہ [illegible] سے [illegible] سکتا ہے۔ وہ [illegible] کی ہوئی کتابوں [illegible] کرتے رہے۔ [illegible] کتاب [illegible]

چل رہی ہے یہ [illegible] کی [illegible]!

ہمایوں [illegible] تم ہی نے تو [illegible] کہا کہ کچھ لکھیے۔ لکھنے کے لیے میری مضمون نویسی کا زمانہ گزر چکا ہے۔ اب میں طالب علم ہوں اور [illegible] لیکن یہ مضمون نگار نہیں بننا چاہتا۔ مصنف بننا یا مشہور ہونا چاہتا ہوں۔ مجھے [illegible] آزادی سے جو کچھ میں [illegible] تمہارے لئے اور ہمایوں کے لئے لکھوں گا اور گمنام رہ کر لکھوں گا۔ میں نے اس شرط کو منظور کر لیا۔ [illegible] کتاب شائع ہوئی تو [illegible] کے تقاضے [illegible] اجازت صاحب کی [illegible] میں نے فلک پیما کو اپنے لئے Patent (مخصوص) کر لیا ہو۔ [illegible] وہ لکھتے کہ نہیں یہ ہمایوں کی بات کا [illegible] میں محبت کے لئے لکھتا ہوں کیونکہ میں محبت کے لئے جیتا ہوں۔ ہر حال تم اور ہمایوں [illegible] کیا لکھوں اور کس طرح لکھوں۔ "زیست" نہیں بھی نہیں۔ غنیمت ہے کہ اتنی دیر ہی فلک پیما [illegible] اور [illegible] دل دوست کی بات کچھ لکھ دیا تو اس سے کئی بندشوں سے آزادی مل گئی اور زندگی کی ذرا سی جھلک دیکھ لی۔

سے اس مضمون میں میں نے فلک پیما کے ادبی کارنامے پر نظر ڈالی۔ لیکن اتنا ضرور کہنا چاہتا ہوں کہ وہ اردو کے "برنارڈ شا" تھے جنہیں اب تک بہت کم لوگوں نے سمجھا ہے اور جن کی کما حقہ ابھی قدر نہیں ہوئی!

مالک رام

مختار الدین احمد

یہ مہینہ قاہرہ میں [illegible]

[illegible] ملک رام صاحب سے [illegible] مصر [illegible] قاہرہ [illegible]

[illegible]

[illegible] صاحب [illegible] سلام [illegible]

[illegible]

[illegible] صاحب کے [illegible]

[illegible] صاحب [illegible]

[illegible] اسکندریہ [illegible]

[illegible] میں نے قاہرہ سے اسکندریہ کا ٹکٹ لیا [illegible]

[illegible] اسکندریہ [illegible]

مالک رام صاحب کے خصائل و عادات کی بابت [illegible]

ٹرین اسکندریہ پہنچی تو پلیٹ فارم پر [illegible] مالک رام تھے۔ معانقے مصافحے کے بعد ہم لوگ

ان کے فلیٹ کی طرف چلے جو اسٹیشن کے پاس ہی تھا [illegible] اسکندریہ کے [illegible]

[illegible] مالک رام اپنے [illegible] اسکندریہ [illegible]

ہم لوگ [illegible] ایم سی اے کے دفتر پہنچے [illegible] تقریریں [illegible] لیکن [illegible]

[illegible] سوسائٹی میں انہوں نے اپنی خاص جگہ بنالی ہے۔

[illegible] عیسائی بھی تھے لیکن [illegible] تعداد مسلمانوں کی تھی۔ ملاقات کے ساتھ [illegible]

[illegible] ہمارا [illegible] جب ہماری میز پر پہنچے تو ملک رام صاحب [illegible] آپ [illegible] ۔ الحمد للہ [illegible] مجھ کو نہیں ملا۔

[illegible] رخصت کے بعد [illegible] جائیں گے۔

مصر میں ملک صاحب [illegible] تیمور [illegible] ملاقات [illegible] کرتے ہیں [illegible] گے۔ میں [illegible] تیمور صاحب کی لائبریری [illegible] آئی تھی [illegible] ملک صاحب [illegible] میری ملاقات [illegible] گزشتہ [illegible] مصر میں [illegible] ہیں۔

رخصت کے بعد ہوٹل کو پہنچے۔ [illegible] عربی کی خوب [illegible] کے مطالعہ کے [illegible] ہندوستان [illegible] کو پاس [illegible] جو مختلف [illegible] عکس منگوا [illegible] ملتی ہیں جو [illegible] فوراً چلا دیتے ہیں [illegible] وہ کتاب [illegible] قیمت [illegible] ایک صاحب سے جنہوں نے ایک کتاب [illegible] فرمائش کی [illegible] انہوں نے وہ کتاب حاصل کر کے ان کی خدمت [illegible] ایک خط میں لکھتے ہیں۔

> ان میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے [illegible] نسخہ [illegible] ہندوستان [illegible] کی زحمت کے لئے ممنون ہوں لیکن آپ نے یہ کیا مذاق شروع کر رکھا ہے کہ میں جس کتاب کیلئے آپ کو لکھتا ہوں آپ اس کے [illegible] نام لکھ کر ڈاک میں ڈال دیتے ہیں ـــــ آپ کی یہ روش مجھے آئندہ آپ کو زحمت دینے سے مانع ہو گی۔

وہ اپنے مطالعہ میں بیٹھے کوئی رات کے [illegible] تک کتابیں دکھاتے رہے اور اصلی باتیں کرتے۔ [illegible] دوسرے دن صبح کی چائے پی کر ایک [illegible] اصحاب سے ملاقات کرائی۔ [illegible] میں ہم لوگ تازہ مطبوعات دیکھتے رہے۔ کتابوں کا ایک پشتارہ ساتھ آیا۔ [illegible] کتابیں میں اپنے ساتھ [illegible] وہ میری طرف سے [illegible] رہیں گے۔

مجھے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ وہ دفتری جھمیلوں اور عجیب قسم کی غیر ادبی مصروفیات کے باوجود [illegible] وقت ادبی و علمی مضامین لکھنے کے لئے کس طرح نکال لیتے ہیں۔ وہ ذکرِ غالب پر نظرِ ثانی و اضافہ کر رہے تھے۔ امام احمد بن حنبل پر ایک مفصل اور جامع کتاب لکھنے کا منصوبہ بنا رہے تھے، بعض [illegible] کتابوں کے خاکوں کا خیال ان کا دماغ [illegible] رہا تھا۔ پھر بھی جب میں نے غالب کے سلسلے میں اپنے [illegible] مجوزہ گنجینۂ غالب کے لئے [illegible] موضوعات کا انتخاب ان کیلئے کیا تو وہ بلا تکلف ان پر مضامین لکھنے کو تیار ہو گئے اور انہوں نے جلدی اپنا وعدہ نبھا بھی دیا۔

چند [illegible] گھنٹے ساتھ گزارنے کے بعد جب ان سے رخصت ہوا تو ایسا محسوس ہوا جیسے ہم [illegible] برسوں سے ایک دوسرے سے واقف ہیں۔

ملک رام صاحب سے میری یہ ملاقات جولائی [illegible] کو ہوئی لیکن ان سے میرے تعلقات پہلے سے تھے اور میں ان سے واقف تو بہت [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] نے لکھا ہے وہ سب سے بہتر ہے۔

[illegible] قدیم روایات کے دل دادہ [illegible] جہاں تک ان سے ممکن ہو سکتا ہے [illegible] دوسروں کو مدد دینے پر تیار رہتے ہیں۔ جب بھی انہیں کسی کتاب یا کسی مخطوطے کے عکس کے لیے لکھا [illegible] بعض مرتبہ عکس کی بجائے خود [illegible] بھی مل [illegible]۔ ڈاکٹر عبدالستار صدیقی صاحب کو جوالیقی کی المعرب کی ضرورت تھی۔ یہاں بہت تلاش کی [illegible] کوشش [illegible] صاحب کو لکھا کہ کتاب چھپ کر فوراً بازار سے ناپید ہو گئی تھی انہوں نے بڑی مشکل سے کہیں سے ڈھونڈ کر ایک نسخہ [illegible] ڈاکٹر صدیقی کی خدمت [illegible] صدیقی صاحب سے ان کے تعلقات کی ابتدا [illegible] کتابیں [illegible] اہمیت کا خیال کر کے کبھی کبھی ایک بڑی رقم خرچ کرنے سے بھی گریز نہیں کرتے۔ [illegible] کچھ روپوں کی ضرورت پڑی [illegible] لڑکی [illegible] تعلیم کی تکمیل ضروری ہے [illegible] واپسی کی [illegible] جی چاہے واپس کیجئے جی چاہے نہ کیجئے۔

یہی نرمی اور مروت کہیں کہیں ان کے تحقیقی مضامین میں بھی جھلکتی ہے۔ کبھی کبھی ان کی تحقیق پر ان کی فطری نرمی اور صلح مندی غالب آجاتی ہے۔

اپنے ... مضامین ... ہے۔ [illegible] ... [illegible]
متعلق ایک مضمون شائع ہوا تھا ... کے متعلق ایک خط میں لکھتے ہیں:

"کاش آپ ... غالب ... سے متعلق نہ لکھتے۔ آخر آپ نے یہ مضمون لکھ ہی کیوں دیا ... [illegible]
خصوصاً ... کا حق ... ادا نہیں ہو سکا۔ یہ وقت ہے فائدہ ... [illegible]
میں یا اصطلاحات میں ... ایک ضروری ہے ... خلوص کریم کی صفت ...
و ... کا تقاضا ہے۔"

غالب کی تحریروں کا احساس ... سے ... بھی ... مضامین لکھتے ہیں ... [illegible]
سے بہت اہم ... واقف ہوتے ہیں ... کسی مسئلہ پر اختلاف ... تو ... سے بھی ... تو پھر ... [illegible]
اپنی رائے میں تبدیلی بھی کر لیتے۔

ڈاکٹر صاحب کے دوسرے ایڈیشن کا ایک نسخہ انہوں نے قاضی عبدالودود صاحب کو بھیجا اور ان سے خواہش کی ... [illegible]
... تبصرہ معاصر میں شائع ہوا۔ تبصرہ ... سخت تھا ... کے بعد ... کی تحقیقات ... [illegible]
... غالب کے ... قاضی صاحب نے بعض امور سے اختلاف کیا ... بعض باتیں ... [illegible]
کے لیکن بعض غلطیاں ... اس کی تصحیح کر دی۔

ڈاکٹر صاحب نفاست اور سلیقے کے بہت قائل ہیں ... صاف ستھرے کپڑے پہنتے ہیں،
صاف ستھرے مکان میں رہتے ہیں ... کمرہ ... آپ ... پائیں گے۔ بہت اچھے کاغذ پر
اور خط لکھتے ہیں ... ساری چیزیں ... چاہئیں۔ اپنی کتابیں اور مضامین صاف ستھرے ... پر چھپواتے ہیں۔ دوسروں کی مطبوعات بھی ...
صاف ستھری دیکھنا چاہتے ہیں۔ ... غالب نمبر کے مطالعے کے بعد انہوں نے مجھے لکھا:

"غالب نمبر کچھ ہفتے ہوئے موصول ہوا، شکریہ۔ لیکن یہ آپ نے کیا کیا؟ ایسا ... کاغذ ... [illegible]
معشوق ... عاشق ... کا لباس اس کی شان کے مطابق نہ ہو تو بدمزگی ... ہو جاتی ہے۔ یہی بات اس
نمبر پر صادق آتی ہے۔ اتنی محنت سے مضمون جمع کیے، اتنا خرچ کیا اور ... کاغذ ... کر دیا۔ مجھے
یقین ہے کہ آپ نے کچھ نسخے نسبتاً اچھے کاغذ پر بھی شائع کیے ہوں گے۔ اگر میرا گمان صحیح ہو تو ایک نسخہ اس کا
مرحمت ہو۔"

ایک دوسرے خط میں لکھتے ہیں:

"کتابت کی غلطیاں اتنی ہیں ... کیفیت کے لحاظ سے ... حیرت ہوتی ہے۔ پھر کتابت میں یکسانی بھی
نہیں رہ سکی۔ رنگدار بلاک الا ماشاء اللہ سب ... ہو گئے ... انہیں پڑھنا کم محال ہے۔ یہ آپ کو سوجھی کیا!
آخر انہیں سرخ رنگ میں چھاپنے سے فائدہ ہی کیا تھا۔ جتنے بلاک کالی روشنائی میں چھپے ہیں بالکل معقول اور ...
ہیں۔ ایسے ہی دوسرے بھی چھاپ دیے ہوتے۔"

اپنا مضمون ... غالب ... رسالہ اردو ادب میں دیکھ کر لکھتے ہیں:

"اردو ادب کے دونوں پرچے اور میرے مضمون کی دوسری قسط کے دس نسخے موصول ہوئے۔ ... [illegible]

[illegible] بھی لکھے ہیں:

[illegible] اگر پہلے ذکر کتب تصنیف ہیں:

[illegible] ایک جلد [illegible] کیا گیا ہے۔ [illegible] کتاب کا تعین نہیں [illegible]

[illegible]

[illegible]

ایک جگہ [illegible]

میں نے پہلے خط میں اپنے مقصد سے متعلق [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] ایسے آپ سے [illegible]

میری طرح آپ بھی ایسے کام [illegible] گے۔

جب [illegible] پہنچا تو [illegible] غالب کی [illegible] دیکھا جائے حضرت کی [illegible]

[illegible] جیسے ۹، ۱۱، ۲ وغیرہ [illegible]

[illegible] اس لئے [illegible] وغیرہ۔

خط و کتابت میں باضابطگی پر بہت زور دیتے ہیں۔ جواب میں تاخیر ہو تو غضب ہو جاتا ہے:

ایک دو مراسلت کے بعد خطوں میں [illegible] باقاعدگی [illegible] کسی بات

نہیں ہوتی کہ وہ کسی خط کے جواب نہ دیں۔

ایک مرتبہ ان کے خط کے جواب میں مجھ سے تاخیر ہوئی۔ انہوں نے فوراً لکھا

میں نے اتنے دن آپ کو خط نہیں لکھا اس کی دو وجہیں تھیں۔ اوّل تو یہ کہ میں اپنے [illegible] کی رسید کے

انتظار میں تھا۔ دوسرے یہ کہ میں نے خیال کیا کہ میرا خط کہیں بار خاطر نہ ہو۔ جب کوئی مجھے خط نہیں لکھتا یا

میرے خط کا جواب نہیں دیتا تو غلط یا صحیح مجھے یہ خیال گزرتا ہے کہ میں خواہ مخواہ دخل در معقولات کر رہا ہوں۔

ایک دوسرے خط میں لکھتے ہیں:

بھائی آج یہاں عید ہے اس لئے عید مبارک کہتا ہوں۔ آپ کے یہاں تو غالباً کل ہوگی۔ بار خاطر

ہوں یا خاطر نہیں بننا چاہتا۔ آپ نے اتنے دن خط نہیں لکھا میں نے بھی مخل صحبت ہونا پسند نہ کیا۔

خطوط کثرت سے لکھتے ہیں اور بڑے شگفتہ انداز میں، چند ٹکڑے دیکھئے:

اب سنیے لطیفہ۔ آپ نے [illegible] پر پتہ لکھا۔ عربی میں [illegible] اسکندریہ اور مصر تک۔

آپ کے یہاں ڈاک خانہ والے سمجھ نہ پائے کہ یہ کیا ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ کسی افسر اعلیٰ سے استصواب

کیا گیا۔ میں علی گڑھ سے [illegible] لکھا Try Barred [illegible]
[illegible] یہاں تک [illegible] ہے۔ [illegible] عجیب
[illegible] ہوگیا۔ [illegible] اگر آپ ریسرچ کریں تو حضرت [illegible] کی صحبت میں
رہیں کہ جنہوں نے [illegible] کو [illegible] غالب کو [illegible] داخل کیا تھا [illegible]
[illegible] ہے کہ [illegible] انگریزی [illegible]
اس [illegible] ایک [illegible] میں لکھتے ہیں۔

خدا کاش کہ آپ میری موجودگی میں یہاں آتے تو چند [illegible] سے ملاقات [illegible] لیکن آپ نے [illegible] سبب کیا ہے کہ یہاں [illegible] رہے ہیں۔ [illegible] کے بعد [illegible] ہی ہے جیسے کسی نے [illegible] بھیجے ہیں [illegible] بنارس میں۔ قیام کے خرچ سے متعلق کیا لکھوں۔ میرے خیال میں [illegible] روپے [illegible] میں اچھا خاصا چل سکتا ہے بشرطیکہ آپ قیمتی کتابیں خریدنا شروع کردیں [illegible] نقصان [illegible] برداشت نہیں کرسکتے۔ اگر آپ فیصلہ کرلیں کہ [illegible] تو ممکن ہے کہ میں بھی آپ کی [illegible] میں کچھ مدد کرسکوں۔ [illegible] لیکن آپ کا یہاں آنے سے مقصد کیا ہے۔ اگر [illegible] مدرسے [illegible] مطلوب ہے تو یہ واقعی معقول بات ہے۔ لیکن اگر آپ چاہیں کہ یہاں آکر [illegible] تو مجھے اس کا یقین نہیں۔ [illegible] عربی [illegible] لیکن کیسی عربی۔ مجھے یقین ہے کہ آپ ان کی [illegible] عربی [illegible] سمجھیں گے۔ [illegible] عالم و جاہل [illegible] زبان بولتے ہیں۔ البتہ لکھتے [illegible] ہیں۔۔۔ ہاں کتب خانوں کی بات دوسری ہے۔ ایسی ایسی نادر کتابوں کے قلمی نسخے پڑے ہیں کہ دیکھنے سے دل [illegible] ہو جائیں۔ لیکن [illegible] افسوس ہے کہ ان سے استفادہ کرنے والا کوئی نہیں۔ اگر آپ کو سیر کا شوق ہو تو ضرور کیجئے [illegible]

مرغانِ قفس کو پھولوں نے اے شادؔ یہ کہلا بھیجا ہے
آنا ہے جو تم کو آجاؤ ایسے میں ابھی شاداب ہیں ہم

میری یورپ سے واپسی کے وقت وہ دہلی میں مقیم تھے۔ ان کا خط آیا کہ علی گڑھ جاتے وقت مجھ سے ملتے ہوئے جانا۔ میں نے انہیں راستے [illegible] دہلی کی آمد کے وقت سے انہیں مطلع کیا ہے۔ میرے جہاز کے پہنچنے سے پہلے وہ دہلی کے ایروڈروم پر موجود تھے۔ جب تک کسٹم وغیرہ کے جھگڑے [illegible] وہ انتظار میں [illegible] رہے۔ گھر پہنچے [illegible] کمرے میں بیٹھے۔ [illegible] تمام کتابیں اور رسالے [illegible] پڑے تھے۔ پھر یورپ کی داستان سنی [illegible] ایسٹ کا [illegible] زیادہ تر وہ میرے علمی کاموں کے متعلق پوچھتے رہے۔ [illegible] اساتذہ کے متعلق جن سے یورپ میں ملنے ملانے کے مواقع ملے۔ پھر ہندوستان سے بات دہلی تک پہنچی۔ شاعرِ انقلاب کی ہجرت، جوش صاحب کی "خلافت" کا ذکر ہوتا رہا۔ پھر ذاکر صاحب سے ملاقات کا حال اور انجمن ترقی اردو کی داستان سناتے رہے۔

کھانے کے بعد ہم لوگ صرف غالب پر گفتگو کرنے بیٹھے اور ہم دونوں نے ایک وقت پوچھنا اور سنانا شروع کیا کہ غالب کے متعلق اب تک کیا نئی اطلاعیں ہم لوگوں نے حاصل کی ہیں۔ کیا کیا نئے خطوط اور تحریریں ہم لوگوں نے دریافت کی ہیں اور کیا کیا نئی کتابیں مرتب کرنے اور شائع کرنے کے

[illegible]

[illegible]

[illegible] آپ نے بھی [illegible] مسلمانوں [illegible]

[illegible]

[illegible] اس وقت [illegible] جب انہیں [illegible] کا تعلق [illegible] خاندان سے ہے ۔

اگر [illegible] مسلمانوں سے [illegible] کی طرح [illegible] جائیں گے ۔

احسان دانش

محمد وارث کامل

علم و فن کی دنیا و فکر و ادب میں ایسے شہسواروں کی جولانگاہیں رہی ہیں جو اپنے اسلاف کے نقش قدم پر اس شان سے چلتے ہیں کہ ان کی انفرادیت نے منزل کے کسی موڑ پر بھی ان کا ساتھ نہیں چھوڑا —— یہ ہے وہ سلوک کہ اس [illegible] نے [illegible] دیا تھا۔ دوسری نظر میں انفرادیت ہی ایک ایسا جوہر ہے جس کے آئینے میں کسی شخص کی عظمت کے خدوخال نظر آسکتے ہیں۔ تاریخ کے صفحات پر جن شخصیتوں کے نقوش کچھ ابھرے ہوئے سے دکھائی دیتے ہیں یہ وہی منفرد شخصیتیں ہیں جو زندگی کی تیرہ و تار راہوں میں ہر قدم پر روشنی کے مینار نصب کرتی رہی ہیں۔ ہر دور میں ایسی شخصیتوں کا سراغ ملتا ہے۔ لیکن کچھ تو زمانے کی قدر ناشناسی کے باعث اور کچھ اس سبب سے کہ قدرت اپنے نگار خانے کی نمائش کے سلسلے میں کچھ زیادہ فیاض واقع نہیں ہوئی ہے۔ ایسی شخصیتیں جہاں کہیں اور جب کبھی منظر عام پر آئی ہیں تو اتنے پردوں میں چھپی ہوئی آئی ہیں کہ عوام کی اچٹتی نگاہیں ان شخصیات کے من موہنے کونوں میں جا نہیں پاسکیں جہاں کمالات کے دفینے چھپے ہوئے ہیں۔

آج جب میں یہ دیکھتا ہوں کہ احسان دانش کی تاریخ ساز شخصیت کا جوہر ہنگامہ خیز جلوتوں کے باوصف راز درون پردہ ہے تو میں کبھی کبھی ششدر رہ جاتا ہوں۔ میری حیرت میں کچھ اور اضافہ ہو جاتا ہے اس چیز سے کہ آسمان شہرت کے اس کوکب درخشاں کی تابانیوں پر ظلمتوں کے اتنے غلاف چڑھے ہوئے ہیں کہ اس کے حاشیہ نشین بھی کبھی اسے عریاں نہیں دیکھ سکے۔ احسان دانش کی پراسرار شخصیت دراصل نتیجہ ہے عوام کے ذوقِ تجسس میں کمی کا۔

احسان دانش کا مقدر کردہ اس دور کا انسان ہے جس دور میں مغز و پوست، عرض و جوہر، صورت و حقیقت، الفاظ و معنی اور روح و مادہ ایک ہی پیمانے سے ناپے اور ایک ہی ترازو میں تولے جاتے ہیں۔ "اس دور میں سطح پر تیرتے ہوئے خار و خس کی تو قدر و قیمت ہے لیکن اگر وقعت نہیں تو اس گوہر شب چراغ کی نہیں جس کے دامن میں دریا کا اضطراب بھی محو ہو جاتا ہے۔"

احسان دانش کے بارے میں اتنا تو سب جانتے ہیں کہ یہ کاندھلہ (مظفر نگر یوپی) کا ایک شاعر مزدور ہے، ایک ایسا شاعر جس نے افلاس کی گود میں آنکھیں کھولیں اور ۱۹۱۴ء کی اس جنگ عظیم کے پر آشوب ایام میں سفر حیات شروع کیا، جس کے شعلے مشرق سے مغرب تک

[illegible] مستقل [illegible] ہے۔ [illegible]
[illegible] مستقل کی [illegible]
[illegible] ہے۔

[illegible] سب دیکھتا ہے
رہتا ہے [illegible] کا [illegible]

یہ بات بھی ذہن میں رہنی چاہیے کہ [illegible] ہے [illegible] شعلہ [illegible] کوئی [illegible] مخلوق [illegible] ایک دن [illegible] پر بیٹھے [illegible]

[illegible] سے [illegible]
[illegible] کہاں [illegible]

ادبی دنیا احسان دانش سے متعارف ہے [illegible] شعراء میں ہوتا ہے۔ نظم و نثر میں ادبی [illegible] مرہم، مقامات، گورستان، نغمۂ فطرت، شیرازہ، حدیثِ ادب [illegible] احسان کے وہ ادبی کارنامے ہیں جن کی بدولت [illegible] ترقی پسند شعراء بھی انہیں اپنی [illegible] کا شاعر سمجھتے ہیں اور یہ اس لیے کہ احسان دانش نے اپنی [illegible] میں [illegible] کی زندگی کے وہ گوشے اجاگر کیے ہیں جن کے ڈانڈے اکثر ترقی پسند شعراء کے نظریات سے مل گئے ہیں۔ دوسری طرف یہ بھی کہ احسان کا انداز فکر [illegible] سے [illegible] ہے۔ اصلاحی، تعمیری اور اخلاقی ادب کے علمبردار ادیب و شاعر بھی احسان کو اپنے زمرہ کا شاعر سمجھتے ہیں۔ اور یہ اس لیے کہ احسان کے کلام کا غالب عنصر اصلاح، تعمیر، اخلاق اور انسانیت کے موضوعات ہیں۔

رجعت پسند شعراء جن کا اوڑھنا بچھونا ادب برائے ادب ہے، احسان دانش کے کلام پر اس لیے سر دھنتے ہیں کہ اس نے اردو ادب کو ایسی اچھوتی بندشیں، ایسے نئے [illegible] استعارات، اور ایسی نرالی تشبیہات دی ہیں کہ بڑے بڑے شعراء اور اساتذہ [illegible] تحسین ادا کرنے پر مجبور ہیں۔ عوام احسان دانش پر اس لیے جان چھڑکتے ہیں کہ ان کے اشعار میں خود ان کی زندگی بول رہی ہے۔ ایسے ان پڑھ لوگ جو احسان دانش کے سیدھے سادے شعر بھی نہیں سمجھ سکتے ان پر احسان کے [illegible] کا جادو چل جاتا ہے۔

دیکھنے میں آیا ہے کہ احسان دانش کے پاس ہر مکتبۂ خیال اور ہر مدرسۂ فکر کے ادیبوں، شاعروں، صحافیوں، مفکروں اور فن کاروں کی نشست و برخاست رہتی ہے۔ زندگی کے دوسرے شعبوں سے تعلق رکھنے والے حضرات بھی آنے جاتے رہتے ہیں۔ ملاقاتیوں کا تانتا صبح سویرے سے لگتا ہے اور کافی رات گئے تک یہ سیلاب فرو نہیں ہو پاتا۔ پہلے پہل جب مجھے ملاقاتیوں کا یہ بے پناہ ہجوم دیکھنے کا اتفاق ہوا تو معاً یہ خیال آیا کہ احسان صاحب کی یہ [illegible] بڑے بڑے [illegible] ہوگی اور [illegible] وقت میں اس طرح کے [illegible] اپنے سپہ سالار کے ساتھ ہر قسم کا تعاون بھی کرتے ہوں گے۔ لیکن چند ہی روز کے تجربہ نے مجھ پر یہ حقیقت منکشف کر دی کہ [illegible]

خود غلط بود آنچہ ما پنداشتیم

مجھ پر یہ بات آشکارا ہوگئی کہ اس کی فوج کے بعض سپاہیوں کا ان نقشہ بھی کی سب سالار کے ذریعہ احسان صاحب کے [illegible] [illegible] لوگوں کی ہوتی ہے جو کسی نہ کسی مقصد یا کسی نہ کسی غرض سے آتے ہیں اور جب تک ان کی غرض پوری نہیں ہو جاتی احسان صاحب کے سر پر آسیب کی طرح سوار رہتے ہیں۔ میں نے دیکھا ہے کہ احسان صاحب ہر ملاقاتی سے خندہ پیشانی کے ساتھ پیش آتے ہیں اور پہلی ہی ملاقات میں کچھ اس بے تکلفی کے ساتھ باتیں کرنے لگتے ہیں [illegible] اجنبیت و غیریت کا احساس نہیں ہونے پاتا لیکن پہونچنے والے کو اس وقت تو کہ [illegible] [illegible] نہیں ہو تا کہ احسان صاحب نہیں [illegible] سے بھی ملاقاتوں میں خود ہی کوئی [illegible] تو پھر [illegible] شانے میں انہیں معلق کرنی تامل نہیں ہوتا۔ اگر کبھی جیسٹ ہو [illegible] [illegible] تو اپنے روایتی [illegible] کو چھوڑ دیتے ہیں۔ [illegible] صاحب ہی مرضی کے مالک اور اپنی دھن کے پکے ہیں [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] کی بات [illegible]

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ کراچی سے ایک نوجوان کسی [illegible] احسان صاحب سے ملنے آئے۔ احسان صاحب سے [illegible] کا عام قاعدہ یہ ہے [illegible] تو واضح [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] جب انہوں نے کسی [illegible] یا غزل و نظم کی [illegible] صاحب کے [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] ہیں [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] صاحب نے اس [illegible] کی خاطر احسان صاحب [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] کچھ [illegible] [illegible] [illegible] احسان صاحب [illegible] سے مس نہیں ہوتے [illegible] [illegible] ہے

[illegible] [illegible] کچھ کہیں [illegible]
[illegible] محروم رکھے [illegible] سے

احسان صاحب کو [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] ان کی معلومات کا حاصل [illegible] احسان صاحب کسی درسگاہ کے [illegible] نہیں۔ البتہ ۱۹۲۴ء میں انہوں نے پرائمری کا امتحان [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] احسان صاحب نے قرآن پڑھا اور [illegible] حافظ محمد مصطفیٰ سے پڑھے۔ پرائمری میں جب یہ زیر تعلیم تھے تو انہیں منشی عبد الرحیم صاحب [illegible] کی شاگردی کا شرف حاصل ہوا۔ یہ [illegible] استاد بھی اچھا خاصا علمی ذوق رکھتے تھے۔ [illegible] صاحب [illegible] کی توجہ سے احسان صاحب کے دل میں شعر گوئی کا ولولہ پیدا ہوا اور یہ ولولہ کچھ اس انداز کی تھی کہ اس کی بدولت ان کی آنکھوں کے آگے سے ذہنی تاریکیوں کے پردے سرکتے چلے گئے اور یہاں تک کہ ایک وقت آیا جب [illegible] [illegible] کی [illegible] کے لئے قدرت نے ان کا دامن نہیں [illegible] [illegible] سے اور [illegible] [illegible] سے [illegible] احسان صاحب نے اپنی شاعری کے ابتدائی دور میں خواجہ عزیز الحسن مجذوب کی آنکھیں دیکھیں۔ یہ شاعر بھی تھے اور صاحب دل مجذوب سالک بھی۔ ان کے اشعار میں بلا کا تیکھاپن ہوتا تھا۔ احسان صاحب پر ان کی نظر پڑی تو آنکھوں آنکھوں میں حریف [illegible] مرد افگن عشق بنا دیا۔

وہ عہد میں شمس العلما علامہ تاجور نجیب آبادی نے ان کے اندر زبان و بیان کی شوخیاں سمو دیں۔ ان کی صحبت کا سب بڑا اثر احسان صاحب کی شاعری پر یہ ہوا کہ آہستہ آہستہ ان کے کلام کو شرف قبول کی سند مل گئی۔ لطف ادا، شوکت الفاظ، جدت فکر، معاملہ بندی اور نغز گفتاری کے جو محاسن احسان صاحب کے کلام میں پائے جاتے ہیں۔ ان پر بہت بڑی حد تک تاجور کے حسن نظر کی چھاپ ہے علامہ تاجور احسان صاحب سے کافی محبت کرتے تھے اور ان کے ہر قسم کے ناز نخرے بھی سہتے تھے۔ احسان صاحب علامہ تاجور سے کچھ اتنے بے تکلف ہوگئے تھے کہ بعض اوقات خود ان کے منہ پر انہیں کھری کھری سنا دیتے تھے لیکن اپنی اس افتاد طبع کے باوصف احسان صاحب نے فرق مراتب کا لحاظ ہمیشہ رکھا۔ اگر کبھی کسی نے احسان صاحب کی موجودگی علامہ تاجور کے خلاف زبان کھولی تو پھر ان سے رہا نہیں گیا

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] تمام احسان صاحب [illegible]
[illegible] احسان صاحب [illegible] احسان صاحب کی
[illegible]

احسان صاحب [illegible]
[illegible]
صاحب کی [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] احسان صاحب [illegible]
[illegible]
[illegible] کسی کا یہ مصرع پڑھا تھا ۔

صبح دم وہ بھی نہ چھوڑی تو نے اے بادِ صبا
یادگارِ رونقِ محفل تھی پروانے کی خاک

احسان صاحب [illegible] ۔
غرض ہم دونوں [illegible] کمرے میں داخل ہوگئے ۔ جہاں کچھ ستاروں کی جھرمٹ میں چاند کی چاندنی دعوتِ نظارہ دے رہی تھی ۔ مولانا مودودی نے مسکراتے ہوئے ہونٹوں اور چمکتی ہوئی آنکھوں سے ہمارا خیر مقدم کیا ۔ میں نے احسان صاحب کا تعارف کرایا تو مولانا بولے کہ نام سے تو میں بہت پہلے سے متعارف ہوں البتہ کبھی دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا ۔ اچھا ہوا یہ ملاقات آج پوری ہوگئی ۔

باتوں باتوں میں ہوش کا موضوع چھڑ گیا ۔ احسان صاحب ٹھہرے [illegible] اس موضوع پر اتنا سیر حاصل تبصرہ کیا کہ سامعین (جن میں مولانا نصر اللہ خاں عزیز بھی شامل تھے) اور خود مولانا مودودی انگشت بدنداں رہ گئے

خامہ انگشت بدنداں کہ اسے کیا لکھیے
ناطقہ سر بگریباں کہ اسے کیا کہیے

علامہ سید سلیمان ندوی سے احسان صاحب کی ایک ملاقات بڑے عجیب عنوان سے ہوئی تھی ۔ احسان صاحب اور علامہ دونوں ٹرین میں سفر کر رہے تھے اور بیٹھے بھی تھے پاس ہی پاس لیکن نہ معلوم احسان صاحب کن خیالات میں ڈوبے ہوئے تھے کہ انہیں علامہ کی موجودگی کا احساس ہی نہ ہوسکا ۔ علامہ نے خود ہی مہرِ سکوت توڑی اور بولے ، احسان صاحب ، آخر اس نیازمند سے کیا خطا سرزد ہوگئی ہے کہ اسے درخورِ اعتنا نہیں سمجھا جا رہا ۔ احسان صاحب ان بولتے ہوئے نقوشِ سلیمانی کو اٹھا کر فوراً باادب ہو بیٹھے اور بڑے معذرت

میں کے اندر ہی اندر یہ نہایت بے تکلفی کے ساتھ [illegible] سے مصروف گفتگو رہے۔ [illegible] کے [illegible]
ان کی [illegible] تو [illegible] رخصت ہونے لگے اس عالم میں کہ [illegible] بالکل [illegible] تھی۔ [illegible]
[illegible] جہاں [illegible]
مولانا حسرت موہانی کا [illegible] کی شخصیت دنیا کو یہ پیغام دے رہی تھی کہ

پیکر بھی ہیں کچھ اپنے سفینے میں مسافر
دنیا کے تلاطم کو جو خاطر میں نہ لائیں

مولانا عبدالماجد دریابادی کے احسان صاحب سے [illegible] مراسم ہیں۔ پچھلے دنوں جب مولانا [illegible] کی وفات [illegible] احسان صاحب سے [illegible] بڑی محبت [illegible] اپنی سرگزشت [illegible] خصوصیت کے ساتھ یہ لکھا کہ [illegible] ان دو شخصیتوں سے ملنے کی حسرت [illegible] ایک حضرت احسان دانش ہیں اور دوسرے ڈاکٹر [illegible] مولانا [illegible] بہت دنوں سے دعا و نصائح پڑھتے ہیں اور شعر و ادب [illegible] لیکن یہ احسان صاحب کی خوش قسمتی ہے کہ وہ [illegible] اردو کا شاعر [illegible] رکھتے ہیں اور جب بھی ان سے ملتے ہیں بڑی محبت اور خلوص کے ساتھ ملتے ہیں۔

مولانا شبیر احمد عثمانی بڑی [illegible] شخصیت کے مالک تھے علوم [illegible] ان کا احترام خود [illegible] مولانا [illegible] تحریر [illegible] احسان صاحب کی جب ان سے پہلی ملاقات ہوئی تو مولانا نے کلام کی فرمائش کی۔ احسان صاحب نے [illegible] ایک تازہ نظم [illegible] شروع کر دی۔ ایک تو نظم ہی خود [illegible] اپنے [illegible] احسان صاحب کے گلے کا سوز بھی قیامت ڈھا دیتا ہے مولانا شبیر احمد عثمانی پر رقت طاری ہو گئی اور نظم کے ختم تک یہی کیفیت رہی۔

یہ تو یاد نہیں پڑتا کہ احسان صاحب کبھی مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی سے بھی ملے ہیں یا نہیں البتہ یہ بات ضرور ہے کہ مولانا بھی احسان صاحب سے اچھی طرح متعارف ہیں اور ان کے کلام سے بھی۔ مولانا نے ایک دفعہ [illegible] کے موضوع پر [illegible] کے ایک جلسہ میں تقریر کی تو ان کی زبان پر احسان صاحب کا یہ شعر بار بار آیا ؎

اس قدر کر دو [illegible] کی محبت کو بلند
دل کے ٹکڑوں کو شہادت کی دعا دینی پڑے

بہاولپور کے ایک عالم دین مولانا احمد یار بہاولپوری کسی بزم سماع میں شریک تھے قوالوں نے احسان صاحب کی ایک مشہور غزل شروع کر دی۔ جب وہ اس شعر پر پہنچے ؎

زخم پہ زخم کھا کے جی اپنے لہو کے گھونٹ پی
آہ نہ کر لبوں کو سی عشق ہے دل لگی نہیں

تو مولانا پر اس بلا کی وجدانی کیفیت طاری ہوئی کہ جاں بحق تسلیم ہو گئے۔

اوپر کی سطور میں جو کچھ میں نے تحریر کیا ہے یہ احسان صاحب کی زندگی کا عریاں پہلو ہے اس پر تھوڑی بہت واقفیت کے بعد ہر شخص کچھ نہ کچھ روشنی ڈال سکتا ہے لیکن ان کی وہ خصوصیات جن پر تہیں جمی ہوئی ہیں کہاں کسی کے علم میں آ سکتی ہیں۔ میں اس مضمون کے آخری حصہ میں [illegible] نقاب کشائی کا یہ اہم فریضہ سرانجام دینے کی جسارت کرتا ہوں۔

[illegible] حسرت موہانی، قاضی صاحب، بہار، بسمل صاحب کہتے ہیں [illegible] میں بہت کم لوگ جانتے ہیں۔ احسان صاحب کا اصل نام قاضی احسان الحق کاندھلوی ہے۔ [illegible] کے بعد کی نظمیں لکھتے تھے اور ان اوزان کی تشکیل کا ذمہ دار خود احسان صاحب تھے۔ احسان صاحب [illegible] اردو کا [illegible] اور فسانۂ آزاد، فسانۂ عجائب، آرائش محفل، باغ و بہار وغیرہ اپنے والد صاحب کو پڑھ کر سنایا کرتے تھے [illegible] جس کی وجہ سے بچپن ہی میں ذوق سماعت کا تجربہ ہو گیا۔ قاضی صاحب [illegible] ایک والد حسن صاحب کے نام کے سلسلے میں ایک عجیب لطیفہ یاد آ گیا جو حسرت کرتے ہیں۔ احسان صاحب کے [illegible] شاگرد ہیں۔ میں نے احسان صاحب کی موجودگی میں کہا حسرت صاحب اگر غزل کہنا چاہتے ہیں تو قاضی احسان الحق کاندھلوی کے شاگرد بن جائیے کیونکہ وہ بہت اچھی غزل کہتے ہیں۔

حسرت صاحب بگڑ کر بولے قاضی صاحب نے بہت سے دیکھے ہیں۔ یہ جتنے قاضی قسم کے شاعر ہیں میں انہیں برسوں تک شاعری کی تعلیم دے سکتا ہوں۔

میں نے نہایت متانت کے ساتھ کہا۔ برسوں کی بات تو چھوڑیئے آپ میرے سامنے ذرا احسان صاحب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ایک دو سیکنڈ ہی دیجئے۔ اچھا ہے بیا ...... [illegible] جب حسرت صاحب پر یہ حقیقت منکشف ہوئی کہ احسان دانش ہی قاضی احسان الحق کاندھلوی ہیں تو ان پر گھڑوں پانی پڑ گیا۔

۲۔ احسان صاحب کا شجرۂ نسب شیخ حسن [illegible] کا سلسلہ حضرت ابو بکر صدیق سے جا ملتا ہے۔ اس نسب اور اس نسبت سے احسان صاحب شیخ صدیقی ہوتے ہیں۔ خاندان قضاۃ جھنجھانہ مظفر نگر یو۔ پی کے متعلق [illegible] میں [illegible] سے ہندوستان کو اپنے علوم و فنون سے فیضیاب کر رہا ہے وہ خاندان ہے جس کے ایک فرد خواجہ شہاب الدین سہروردی بانی سلسلۂ سہروردیہ اور دوسرے وہ امام سعد زنجانی ہیں جن کے متعلق مشہور محدث خطیب بغدادی نے کئی زانوئے تلمذ کئے۔

قاضی محمد رشید زنجانی جو خواجہ سلسلۂ چشتیہ خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی کے پیر محبت ہوئے ہیں اور جنہوں نے اکبر کے دین الٰہی کی شدید مخالفت کی تھی۔ زنجانی سلسلۂ قضاۃ کے [illegible] سے تھے۔ قاضی شہاب الدین [illegible] جو علوم دینیات میں حجۃ الاسلام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے شاگرد اور مرید اور تیرہویں صدی کے مشہور شاعر باکمال تھے اسی سلسلے کی ایک کڑی ہیں۔ تذکرۂ طبقات الشعراء میں قدرت اللہ شوق نے ان کا تذکرہ کیا ہے۔ مولوی محمد حسین عرفی جو شوق دہلوی کے شاگرد اور صاحب دیوان شاعر ہوئے ہیں، اپنے زمانے کے باکمال بزرگ تھے۔ ڈاکٹر عبدالرحمٰن بجنوری مرحوم بھی اس باغ و بہار خاندان کے گل رعنا ہیں (حاجی محمد حسن صدیقی کنزروطہ پاک اکیڈمی اکا ڈمس مرحوم ڈاکٹر بجنوری کے داماد ہیں) تیرہویں صدی کے مشہور تاجر چاند پوری بھی قاضیوں کے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ یو۔پی کے وزیر حافظ محمد ابراہیم اور مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی بھی اسی خاندان کے خلاف ہیں۔ مختصر یہ ہے کہ احسان صاحب یعنی قاضی احسان الحق کاندھلوی جو آج کل شاعری کے پردے میں چھپے ہوئے ہیں ایک ممتاز اور علم پرور خاندان کے فرد ہیں۔

۳۔ احسان صاحب کی شخصیت ایک چیستاں بن کر رہ گئی ہے اور وہ اس لئے کہ یہ نہ صرف خلق بلکہ خلقی اعتبار سے بھی مجموعۂ اضداد واقع ہوئے ہیں۔ احسان صاحب شاعر بھی ہیں اور اس کے ساتھ ہی ناشر بھی ہیں، ادیب بھی ہیں۔ لیکن ایسے ادیب کہ ان کے ادب پر تنقید نظر کا خول چڑھا ہوا ہے۔ کبوتر بازی کا چسکا بھی ہے اور حسن پرستی کی لت بھی۔ بذلہ سنج بھی ہیں اور گھر بنی بھی، طب، تصوف، اسلامیات، فلسفہ، نفسیات، سائنس، انسانیت سے متعلق جو ذخیرۂ علم و ادب ہے اس پر بھی ان کی دسترس ہے۔ ان کی پوری زندگی کردار ہی کردار

[illegible] زندگی نہیں کسی نہیں [illegible] ان کا بیشتر وقت رومیں کے [illegible] وقت [illegible] جب [illegible] صاحب [illegible] ساتھ [illegible] مقابلہ [illegible] فراہم کی [illegible] کے بعد [illegible] غور [illegible] قناعت کے ساتھ [illegible] صاحب کی زندگی بسر کر رہے ہیں [illegible] سوالات کی حالت [illegible] بعد کچھ [illegible] نہ ملے گا [illegible] احسان صاحب نے [illegible] اشعار کی [illegible] کچھ [illegible] گذشتہ سالوں میں احسان صاحب [illegible] احسان صاحب کی صحت خراب [illegible] احسان صاحب [illegible] صاحب نے سنت [illegible] بھی [illegible]

احسان صاحب نقش پرست تو ہے [illegible] جو چاہے کھاس کے [illegible] احسان صاحب [illegible] بھی [illegible] مسافر سے بھی آپ کی [illegible] احسان صاحب [illegible] خیالی [illegible] نہیں بلکہ پختہ یقین کا ثمرہ ہے [illegible] اندازہ [illegible] احسان صاحب [illegible] اور جس [illegible] جب باتیں کرتے کرتے احسان صاحب [illegible] ساتھ [illegible] کو جب [illegible] احسان صاحب کے [illegible] نے بھی کچھ پایا ہے سب [illegible] دماغی کام نہیں کر سکتا۔ [illegible] کسی نے ؎

جب [illegible] کا [illegible] مستحسن ہوتا ہے
[illegible] وقت [illegible] جاتی ہے

احسان صاحب کی زندگی کا [illegible] سادہ [illegible] نہیں آج تک قرض لینے کی نوبت نہیں آئی۔ [illegible] تک کسی تجارت میں کامیاب نہیں ہو سکے۔ [illegible] دور میں [illegible] قرض [illegible] جس سے بظاہر ان کی معاشی زندگی وابستہ ہے۔ [illegible] نہیں ہوتی کہ [illegible] بسر کر سکیں۔ [illegible] جہاں تک مجھے [illegible] یہ مکتبہ دانش دل کا بہلاوا ہے یا دوسرے لفظوں میں اسے چند احباب کی نشست گاہ کہیے۔ مکتبہ دانش کی [illegible] ہیں۔ اس سے کہ دیکھنے میں آیا ہے کہ [illegible] اس لئے کہ [illegible] باقی رہنے دیے جاتے ہیں۔

۴۔ جیسا کہ میں نے کہیں وسط مضمون میں کہا ہے کہ احسان صاحب [illegible] زندہ دار ہیں [illegible] کی مزید وضاحت اس سے ہو سکتی ہے کہ جب سے ان کا باطنی رابطہ حضرت حافظ [illegible] حسین [illegible] سے قائم ہوا ہے ان کی زندگی اصحاب صفہ کی سی زندگی بن گئی ہے۔ فرش یا تخت پر سوتے ہیں۔ صرف ایک وقت کھانا کھاتے ہیں۔ اور وہ بھی بہت سادہ۔ ہر جمعرات کی صبح کو گورستان میانی جاتے ہیں۔ اور گھنٹوں مخصوص انداز میں نا محو رہتے ہیں۔ شام کے وقت حضرت داتا گنج بخش رح کے مزار پر بلاناغہ حاضری دیتے ہیں۔ احسان صاحب کا عقیدہ ہے کہ "میں زندہ مزارات کی عظمت کا قائل ہوں۔ پختہ مزارات کے ہجوم سے مجھے نفرت ہے۔ عورتوں کے مزار بھی میرے نزدیک وقعت نہیں رکھتے۔"

احسان صاحب [illegible] ہر قسم کے [illegible] ہیں [illegible] کا یقین ہیں [illegible]
[illegible] تو اپنا [illegible] دوست [illegible] ہے [illegible] شعر [illegible]
[illegible] سب سے بڑی قومی شاعری [illegible] ہے [illegible] بہت [illegible]
[illegible] صاحب کی عنایت کے [illegible] مستقل [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]

احسان صاحب میں یہ بڑی کمزوری ہے [illegible] جب کوئی شخص ان سے [illegible] احسان صاحب [illegible] باوجود [illegible] کر دیا جائے [illegible] صاحب جو ہم سے ہمکلام ہیں وہ حضرت احسان دانش نہیں ہیں [illegible]

ان کمزوریوں کے باوجود احسان صاحب بہت کچھ ہیں [illegible] آج بھی ان سے مشورہ لیتے ہیں ان کے شاگردوں کی فہرست بہت طویل ہے

احسان صاحب کے تعلقات عام شاگردوں سے دوستانہ ہیں [illegible] احسان صاحب کبھی کسی شاعر کو اپنا شاگرد نہیں بتاتے اور جب ان سے اس کا سبب پوچھا جاتا ہے تو نظیری کا یہ شعر پڑھ دیتے ہیں ۔

طائرے نیست کہ از تار ہوس بر پا نیست
صید یک مرغ نہ کردم ز کس دامے

احسان صاحب اس قدر کی شاگردی اُستادی کے قائل نہیں اور وہ اس لیے کہ اس دور کے شاگرد گرگٹ کی طرح رنگ بدلتے ہیں۔ اور اپنی زندگی کے ہر موڑ پر ایک نئے اُستاد سے اپنا رشتہ جوڑ لیتے ہیں۔ اس دور میں کالجوں اور سکولوں کی طرز تعلیم نے شاگردی کا معیار باقی رکھا ہے نہ اُستادی کا۔ جہاں وہ ہر سال کے بعد اُستاد بدلتے ہوں وہاں کیسی شاگردی اور کہاں کی اُستادی۔ شاگرد تو وہ ہوتے تھے جو عمر بھر کسی ایک اُستاد کے ہو رہتے اور نظر اُٹھا کر بھی دوسری طرف نہ دیکھتے۔ تاریخ ہمیں ایسے شاگردوں اور ایسے استادوں کے واقعات سناتی ہے جن کے رشتے اتنے مستحکم ہوتے تھے

[illegible]

کسی کے قلم حالات مرتب و مرتب تھے۔ حکیم کا بیان جو مرتب تھا [illegible] کے مطابق [illegible] وہ صحیح صحت
تھا، وہ اسے دیکھ کر حیرت کرتا ہے کہ انسان کی خدمت میں پہنچے، اور عوام و ملت کے خدمت کرتے [illegible] اس میں سکتا
صدی، جیسا کہ انسان کے حقوق کی حفاظت کرنے والا ہی ان کا یہ خواب کبھی پورا نہیں ہو سکتا۔

عبدالرزاق کانپوری

ابوالخیر مودودی

انیسویں صدی کے آخری دور کی یادگاروں میں تھے۔ ایسے ماحول میں پرورش پائی جس میں داستانیں، [illegible]، قصہ شاہ، قصہ چہاردرویش، قصہ حاتم طائی کے واقعات کی زندگی کی ایسی ہی جھلکیں، [illegible] روایتیں ذوق و شوق سے پڑھی سنی جاتی تھیں۔ طبیعت میں ایک جوہر تھا جس نے بیان میں داستان کی شان پیدا کر دیا۔ شعر کی [illegible] ایسے ماحول میں [illegible] ملک کے نئے تقاضے [illegible] تھے۔ تصنیف کا ذوق [illegible] کے مطالعے میں منتقل ہو گیا۔ طبیعت [illegible] [illegible] لکھنے [illegible] کی [illegible] [illegible] کی ایک جگہ پیدا کر لی۔ [illegible] [illegible] [illegible] نے [illegible] بنا دیا اور [illegible] [illegible] ہوا کہ جب تک [illegible] [illegible] ہو گئی۔

ان کے آباؤ اجداد فرخ آباد (صوبہ متحدہ) کے رہنے والے تھے۔ [illegible] ہندوستان کے ہنگامے کے بعد ان کے والد [illegible] نے [illegible] کو وطن بنایا۔ نسباً [illegible] تھے۔ بدلتے زمانے کا اثر تا قبول کر کے [illegible] ہو گئے۔ انگریزی لکھے پڑھے پر [illegible]، اور اپنے زمانے کے [illegible] [illegible] تھے۔ اس تقریب سے [illegible] کا [illegible] تھا۔

عبدالرزاق صاحب [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] سید تھے۔ فتح پور [illegible] [illegible] میں ان کی زمینداری تھی۔ [illegible] فتح پور میں ہوئی۔ وہیں مکتب پڑھا اور [illegible] [illegible] وہیں سے ہوئیں۔ کہتے تھے، فتح پور میں ایک [illegible] [illegible] صوفی میر حسن علی تھے، انہوں نے بسم اللہ پڑھائی، پھر انہی کے مکتب میں فارسی عربی پڑھی۔ یہ مکتب ان کے فرزند مولوی [illegible] نے قائم کیا تھا۔ [illegible] علاقے میں بڑے نامور اور [illegible] عالم تھے، جب ندوہ کی تحریک نے جنم لیا تو اس کے سرپرستوں میں ان کو بھی شامل کیا گیا تھا۔ [illegible] میں فارسی کے ایک ادیب منشی [illegible] علی تھے، [illegible] تک ان سے فارسی ادبیات پڑھیں۔ عربی متوسطات سے فراغت پائی تھی کہ مولوی [illegible] صاحب نے اپنے مدرسے میں فارسی، حساب اور ابتدائی درجے کی عربی پڑھانے کا کام سپرد کر دیا۔ والد نے یہ کہہ کر یہ تعلق منقطع کرا دیا کہ [illegible] نہیں چاہتا۔ اب [illegible] کانپور تک یہاں [illegible] سب [illegible] گئے پڑی۔ چھ سات برس یہ صحبت [illegible]، پھر [illegible] [illegible] [illegible] برس گئے کانپور رہی۔ ان کرامات میں منشی رحمت اللہ [illegible] کی ذات دل چسپی کا واحد سہارا تھی۔ اس [illegible] میں [illegible] پیدا کی۔ ندوۃ العلماء کے ناظم اول مولوی محمد علی صاحب مونگیری سے [illegible] حدیث پڑھی، اور مدرسہ فیض عام

[illegible] سے اس ملک کی [illegible] قائم ہے۔ [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

حالی گزٹ تحریک سے بہت متاثر تھے۔ سید صاحب کے فرزند اور ان کی [illegible] بڑی تھی۔ تاریخی ذوق کی وجہ سے [illegible] علامہ شبلی سے تھا۔ جب تک علامہ شبلی [illegible] ان کے بیان [illegible] سرسید کی خدمت میں بھی ان کو نیاز حاصل تھا۔ [illegible] گفتگو میں [illegible] مطالعہ کا شوق ہوا۔ چند سال گزرے تھے کہ [illegible] کا ناول [illegible] میں آیا کہ اس کی تردید میں ایک مضمون لکھوں [illegible] میں نے لکھ [illegible] شبلی صاحب کو بھی [illegible] علامہ شبلی [illegible]

عبدالرزاق صاحب دم بھر کو خاموش ہو گئے۔ ذہن نے کچھ ڈھونڈنا شروع کیا [illegible] جاہلانہ [illegible] تاریخ کا ذخیرہ [illegible] صاحب کی یہ بات سن کر میں زمین میں گڑ گیا ——— عبدالرزاق صاحب نے کہا: یہ مولانا شبلی صاحب کے جوہر کی بات تھی۔ کوئلے کو تو [illegible] بھی جوہری ہیرا نہیں بنا سکتا۔

میں نے بطور تفنن عرض کیا: [illegible] آپ نے بھی رسائل شبلی کے [illegible] پڑھا ہوگا؟ ——— خوش خلقی ان کے چہرے پر لہرائی ——— مگر یہ فطری بات تھی۔ عبدالرزاق صاحب نے کہا: جب آدمی اندھیرے سے دو پیسے کی تیز روشنی میں دفعتاً آئے تو چکا چوند ہو جاتا ہے۔

الفاروق کا مصنف اپنے اصل قد و قامت سے زیادہ بلند بالا ہو گیا۔ دماغ نے اس کے لئے ایک جگہ [illegible] ——— قدریں ان [illegible]

[illegible] عبدالرزاق صاحب علامہ شبلی کا تذکرہ [illegible] کے ساتھ یاد کیا کرتے تھے۔

[illegible]

[illegible] جب زمانہ [illegible] اور سلطنت [illegible]
بھی کر کھلے کا حق [illegible] جو ہر تھا۔

جب زمانہ [illegible] ہی بڑھ رہے تھے [illegible] وہ بھی مرحوم ہو گئے [illegible] اور بہت [illegible] کی بات تھی۔ ایک بھی اور
علمی [illegible] مشاہیر ادب میں [illegible] ان کے تعلق سے [illegible] ان سب کا ذکر کیسے مرحوم
نے کیا ہے اور تنقید و ترجمہ [illegible] بڑی جاں فشانی [illegible] مشاہیر ادب کے تعلقات کے [illegible]
[illegible] رحمت اللہ [illegible] زندگی کے [illegible] منزل [illegible] رہے [illegible]
مرتبہ کو پہنچے کہ عماد الملک [illegible] قدر افزائی کی — [illegible] اس عہد کے بڑے بڑے [illegible]
اس قدر افزائی پر بھی ان کو اتنا فخر تھا جتنا کہ [illegible] ان کا ذکر آتا تو [illegible] آواز میں [illegible] پیدا ہو جاتی۔

انہوں نے عمر بھر کتابوں سے آنکھیں لڑائیں اور مصنفوں سے آنکھیں ملائیں [illegible] تاریخ اسلام اور تاریخ [illegible] اور سفر نامہ [illegible]
پر حاشیے اور [illegible] رحمت اللہ کی [illegible] کے لئے تاریخی مضامین کے انبار [illegible] نظام الملک طوسی [illegible] کتابیں ہیں۔ [illegible]
تصنیف "ابرامکہ" ان کی آخری تصنیف یادگار [illegible] افسانہ با افسانہ [illegible] یہ بھی افسانہ با افسانہ — ایک داستان میں کئی داستانیں
ہیں جو [illegible] چلی آئی ہیں۔ آپ بیتی کی ایک داستان [illegible] افسانہ با افسانہ ایک داستان ہے۔ نواب مرزا داغ کی صحبت میں [illegible]

[illegible] یاد ایام اس وقت میرے سامنے نہیں ہے [illegible] اوراق [illegible] میں مرحوم نے بھیجے تھے [illegible] یہ اقتباس [illegible]
[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] شعر پڑھا کرتے ——

سب [illegible] ہوئی۔

[illegible] لال قلعے سے متعلق تھا [illegible] بتائی ہیں [illegible]

[illegible]

اے صبا بر برگ ہائے غنچہ وا بستہ یا

با سبلہ بندگی ما نا خوابیدہ مست

الحمدللہ منزل ختم ہوئی اور داغ کی بارگاہ تک پہنچ گئے۔ [illegible] ایک چبوترہ جس کی [illegible] اٹھائی اور ہم لوگ اندر داخل ہوئے۔ پہلے کمرے میں بٹھائے گئے جس میں ایرانی قالین کا فرش تھا [illegible] سیاہ رنگ کی تھیں چند منٹ کے بعد طلبی ہوئی۔ [illegible] جب تیسرے میں پہنچے تو دیکھا کہ ایک پلنگ [illegible] تمام [illegible] سے استقبال کو اٹھے [illegible] چلنے میں معذور تھے اور پنڈلیوں پر گرم اونی پٹیاں بندھی ہوئی تھیں۔ [illegible] بھاری بھرکم۔ رنگ سیاہ [illegible] چہرے پر [illegible] کے داغ تھے۔ بارگاہ کا یہ حصہ نہایت آراستہ تھا۔ ایک جانب چاندی کا پلنگ بچھا ہوا تھا۔ وسط میں قیمتی ایرانی قالین تھا۔ ذرا ہٹ کر چاندی کی ایک بڑی انگیٹھی میں آگ دہک رہی تھی۔ مرزا صاحب نے کھڑے ہو کر مصافحہ کیا۔ پھر [illegible] فرش پر بیٹھ گئے۔ ہمارے نام تو پہلے ہی معلوم ہو چکے تھے۔ اب نام بنام تعارف ہوا۔ بیٹھتے ہی میری طرف [illegible] شغل فرمایئے۔ میں نے عرض کیا: پیرو مرشد [illegible] سے مجھے اب تک محفوظ رکھا ہے۔ فرمایا کہ اس کا غم [illegible] اجازت [illegible] جام [illegible] بیٹھے [illegible] میری کتاب [illegible] میں شائع ہو چکی تھی اور مرزا صاحب پڑھ چکے تھے۔ اس کتاب کے مضامین پر گفتگو ہوتی رہی۔ اس کے بعد سلطان [illegible] کے متعلق مجھ سے چند سوالات کئے۔ میں نے جواب عرض کیا۔ بہت خوش ہوئے [illegible] فرمایا کہ اپنی تصویر [illegible] بھیجنا۔ میرے بعد منشی رحمت اللہ رعد سے مخاطب ہوئے اور فرمایا کہ جناب رعد! آپ تو میرے ہم مشرب [illegible] سنایئے۔ رعد نے معذرت کی کہ [illegible] حالی پڑھنے کے بعد شاعری سے تائب ہو چکا ہوں تاہم [illegible] غزلیں سنائیں [illegible] گھنٹہ کی بحث کے بعد طے ہوا کہ [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

جب [illegible] مرزا صاحب نے [illegible] افسوس کہ [illegible] ملاقات تھی :

• برسبیل تذکرہ ۔۔۔۔ کہانی میں ایک کہانی :

• میرے محترم دوست شمس العلماء شبلی نعمانی نے خود برسبیل تذکرہ فرمایا کہ حیدرآباد میں عید کے دن میں داغ سے ملنے گیا [illegible] ملاقات کے کمرے میں [illegible] ایک [illegible] دیواروں پر [illegible] آئینہ [illegible] ایک [illegible] مرزا صاحب [illegible] ملنے [illegible] آدم [illegible] داغ [illegible] افسوس ہے میں وہ نادر شعر بھول گیا، مگر اس کا مضمون [illegible] شعر سے مشابہت تھا۔

وقد سطع [illegible] من سکبہا　　　من [illegible] والقی الازار

اس روایت سے ظاہر ہے کہ داغ کے کلام میں شوخی اور عشق و محبت کی رنگینیاں کس قسم کے لوازم اور خارجی اسباب سے پیدا ہوئی تھیں۔ موصوف نے اپنے [illegible] کو ایک پرستان بنا رکھا تھا۔ قلعہ معلیٰ میں بچپن سے جوانی تک اسی ماحول میں پرورش پائی تھی، یہ بات دوسروں کو کہاں میسر ہو سکتی ہے [illegible] جو ہوا کی تصویر بنا کر کھینچ لیتے تھے "ایک داستان کتابوں سے اور ایک داستان مستوں سے" یہ تھے عبدالرزاق صاحب۔ [illegible] ملاقات ۔

اصغر گونڈوی

صغیر احمد صدیقی

۱۹۴۳ء کا ذکر ہے میں الٰہ آباد یونیورسٹی میں ایم۔ اے کا طالب علم تھا۔ ادبیات سے شغف تھا۔ میں نے ایک مسودہ مضمون بعنوان "[illegible]" پر ایک تنقیدی نظر لکھا۔ صاحب نے مشورہ دیا کہ یہ مضمون ہندوستانی اکاڈمی سے جو ایک سہ ماہی رسالہ ہندوستانی نکلتا ہے اس میں چھپوایا جائے۔ اصغر مرحوم اس وقت اس رسالے کے مدیر تھے۔ میرے ایک دوست جو اصغر مرحوم سے واقف تھے مجھے ان کے پاس لے گئے۔ اس زمانے میں وہ شہر میں رہتے تھے۔ ہم ان کے مکان پر پہنچ کر باہر کی نشست گاہ میں بیٹھ کر انتظار کرنے لگے۔

تھوڑی دیر میں اصغر صاحب تشریف لائے۔ ادھیڑ عمر کے بزرگ، خوبصورت انسان، لانبا قد۔ قد سے لمبا ہوا۔ چہرے پر خوبصورت فرنچ کٹ داڑھی، آنکھوں میں ایک غیر معمولی چمک۔ لانبا کرتا اور چوڑی دار پاجامہ پہنے ہوئے۔ روشن، صاف، صاف، نکھرے نکھرے، گندمی اور ان میں ایک خفیف سا صدیقی معلوم ہوتا تھا کہ نیکی اور شرافت کے بوجھ سے پیدا ہو گیا ہے۔ متانت اور وقار کے ساتھ چہرے پر ایک تبسم پذیرائی لئے ہوئے۔ مختصر یہ کہ شخصیت میں وہ جذب اور کشش جو اجنبیت اور بیگانگی کے احساس کو ختم کر دے۔

معمولی رسمی تعارف کے بعد میں نے وہ مضمون ان کی طرف بڑھا کر درخواست کی کہ اپنے رسالے میں اس کو جگہ دیں۔ مضمون کو جہاں تہاں سے دیکھ کر بولے کہ یہ زبان اور طرز بیان آپ کے شعبہ اردو کا نہیں معلوم ہوتا۔ میں نے عرض کیا "جی ہاں شعبے سے ابھی تک مستفید نہیں ہو سکا ہوں۔ جو کچھ آپ کے سامنے ہے اپنی کاوش کا نتیجہ ہے۔" کہنے لگے کہ "ہمارے یہاں تو بورڈ آف ایڈیٹرس ہے۔ وہ فیصلہ کرے گا کہ مضمون شائع کیا جائے یا نہیں۔ معاوضہ دیا جانا اب بند کر دیا گیا ہے۔ البتہ یہ تجویز ہے جو ابھی منظور نہیں ہوئی ہے کہ پھر معاوضہ دیا جائے۔ آپ چند روز بعد تشریف لائیے تو میں بتا سکوں گا کہ فیصلہ کیا ہوا۔"

میں چند روز بعد گیا تو انھوں نے کہا کہ مضمون اگر آپ چاہتے ہیں تو چھپ سکتا ہے مگر معاوضے کا مسئلہ ہنوز طے نہیں ہوا ہے۔ یہ کہہ کر انھوں نے مسکراتے ہوئے مضمون میری طرف بڑھایا۔ میں نے دیکھا تو معلوم ہوا کہ ایڈیٹوریل بورڈ کے ایک بزرگ نے جو مجھ سے بخوبی واقف تھے اور مجھ پر بڑی شفقت فرماتے تھے بعض حصوں کو حذف کرنے کے لئے نشانات لگا رکھے تھے۔ مجھے بہت ناگوار ہوا۔ میرے

[illegible]

[illegible] حضرت اصغر [illegible] میں پیدا ہوئے [illegible] ابتدائی تعلیم [illegible] [illegible]

حضرت اصغر کی ابتدائی زندگی، تعلیم و تربیت سے ناآشنا رہی۔ جوانی میں وہ بے راہ ہو گئے [illegible] گئے۔ جو لوگ [illegible] ان کی زندگی کے آخری [illegible] قریب سے دیکھے چکا ہوں۔ آج بھی ان پر حیرت کرتے ہیں۔ [illegible] اپنے چند [illegible] کی ایک فضا [illegible] [illegible] سبب تھی [illegible] کئے جنگل چلے گئے۔

قصہ مختصر ایک دن آیا جب اصغر نے محسوس کیا کہ جسمانی آسودگی روحانی تشنگی کو ناقابل برداشت حد تک تیز کر چکی ہے اور وہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر [illegible] شیخ کی تلاش میں روانہ ہو گئے۔ یہ سراغ مل چکا تھا کہ شیخ محمد عمر صاحبؒ کے [illegible] قاضی عبدالغنی صاحبؒ کے پیر بھائی تھے اور [illegible] میں رہتے تھے۔ مراد آباد پہنچ کر انھوں نے لوگوں سے پتہ پوچھا تو انھوں نے قاضی صاحب کی طرف اشارہ کیا کہ یہ شیخ محمد عمر کا صحیح پتہ بتا سکیں گے۔ قاضی صاحب اس وقت پلیٹ فارم کے ایک گوشہ میں نماز پڑھ رہے تھے۔ یہ ان سے پتہ پوچھ کر گاڑی کے ڈبہ میں آ کر بیٹھ گئے۔ کوئی چیز خرید کر پیسے گن رہے تھے جو کچھ ہاتھ سے چھوٹ کر پلیٹ فارم پر گر پڑے ٹھیک اسی وقت قاضی صاحب ادھر سے گزرے انھوں نے نہایت بے تکلفی سے کہا کہ ذرا میرے پیسے اٹھا دیجئے۔ قاضی صاحب نے نہایت فراخ دلی سے یہ خدمت انجام دی۔ پیسے چن کر ان کے ہاتھ پر رکھے اور خود بھی اسی ڈبہ میں بیٹھ گئے۔ گاڑی جب [illegible] پہنچی تو قاضی صاحبؒ اتر پڑے اور ساتھ ہی ساتھ اصغر صاحب بھی۔ قاضی صاحب نے کہا بھی کہ آپ کو تو آگے جانا ہے تھا اصغر صاحب نے جواب دیا کہ میں نے ارادہ بدل دیا ہے آپ کے ساتھ چلوں گا۔

میں سمجھتا تھا مجھے ان کی طلب ہے اصغر — کیا خبر تھی وہی لے لیں گے سراپا مجھ کو

قاضی صاحبؒ نے اسی وقت اپنے ایک مرید محمود علی صاحب تحصیلدار گونڈہ کو تاکید کی کہ افضل حسین صاحب کو مطلع کر دیں کہ ان کا لڑکا میرے پاس آگیا ہے۔

[illegible] کے [illegible] کی [illegible]
[illegible] ہمارے جیسے کے تھے۔

سب سے [illegible] اب [illegible]

تم نے جس [illegible] آ کے [illegible] ہے

[illegible] جو احمد صاحب کی صحبت کی انتہائی [illegible] کی گئی تھی [illegible]
[illegible] کے صحبت سے کیا جا سکتا ہے [illegible] ایک شعر میں [illegible] تہذیب [illegible]
کے [illegible] سے گئی ہو۔ صرف نظر سے [illegible] اور نظیر [illegible] صاحب کی [illegible] زندگی
[illegible] ایک [illegible] حیثیت سے اور ہر [illegible] ایک صاحب [illegible] حال ہے۔

[illegible] جس نے تو پھر ان کو [illegible] گیا۔ وہ [illegible] سے ان کو [illegible] کے [illegible]
ہوئی [illegible] کا نتیجہ یہ ہوا کہ [illegible] ان کی نئی زندگی کے شریک ہو گئے۔

اصغر صاحب کو اپنے پیر سے والہانہ شیفتگی تھی اور اکثر حاضری دیا کرتے۔ قاضی صاحبؒ بھی ان کے ساتھ خصوصیت برتتے [illegible]
کہا کرتے تھے۔ ایک دن ان سے کہا کہ تہجد کے وقت تمہاری آواز نہیں سنائی دیتی۔ تم بھی اٹھ کر ذکر کیا کرو۔ چنانچہ دوسرے دن سے انہوں نے
بھی اسی طرح ذکر کرنا شروع کیا۔ مگر تھوڑی ہی دیر [illegible] گئی اور [illegible] کے [illegible] ہے۔ پھر جب [illegible]
[illegible] ہوا تو ذکر کرنا ترک کر دیا۔ ایک دن قاضی صاحبؒ نے پھر کہا کہ بابا اصغر تمہاری آواز نہیں سنائی دیتی تو جواب [illegible]
رقت طاری ہو جاتی [illegible] نام سمجھتا ہوں۔ قاضی صاحبؒ نے کہا اچھا تو ذکر نہ کیا کرو۔ میں [illegible] فرض اور واجب اور سنت کے
ترک کی اجازت نہیں دے سکتا لیکن ان کے علاوہ جملہ عبادات ترک کر دینے کی اجازت دیتا ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ کسی نے اصغر مرحوم کو کبھی
اوراد و وظائف میں مستغرق نہیں پایا۔ وہ صوم و صلوٰۃ کے پابند ضرور تھے مگر اس میں کوئی غلو نہیں تھا اور نہ دوسروں سے اس معاملے میں سخت گیری کرتے
تھے۔ خود [illegible] بھی عبادت کرتے [illegible] کی انتہائی گہرائیوں کے ساتھ۔

اپنی زندگی کے آخری زمانے میں جب [illegible] سے [illegible] صاحب [illegible] تھے [illegible] حاضری دی۔
طبیعت [illegible] ہو گئے۔ مجھے ساتھ لے لیا۔ میری [illegible] سے واقف تھے۔ راستے میں مسکرا کر بولے [illegible] آپ [illegible]
صوم و صلوٰۃ کی [illegible] ہے آپ کیا کریں گے؟ میں نے کہا وہاں پہنچ کر پڑھنے لگوں گا۔ کہنے لگے [illegible] مسکرا کر [illegible]
ہے؟ میں نے [illegible] تہجد کی نماز وہاں کس وقت پڑھی جاتی ہے؟ بہت ہنسے کہنے لگے فجر کے وقت۔ میں نے عرض کیا ایک
فجر کا وقت وہ کہلاتا ہے جسے میں رات کا پچھلا پہر کہتا ہوں جب آسمان پر [illegible] ہیں۔ [illegible] اندھیرا
ہوتا ہے [illegible] ہیں۔ [illegible] وقت وہ ہے جسے [illegible]
آفتاب سے کچھ قبل ہوتا ہے اور [illegible] رہتا ہے۔ [illegible] آپ جماعت میں شامل [illegible] آفتاب سے کچھ قبل [illegible]
[illegible]۔ بہر حال [illegible] اٹھا تو [illegible] تھا۔ [illegible]
[illegible] تھا [illegible] تھا [illegible] تھا۔
[illegible] آسانی سے نماز نہیں پڑھ سکتا۔ نماز [illegible] کے [illegible]
[illegible] انتہائی ادب و احترام کرتے تھے اور [illegible] تھے۔ [illegible]

[illegible]

[illegible] یہی وجہ ہے کہ ان کے کلام سے ان کا فلسفۂ زندگی آسانی سے اخذ کیا جا سکتا ہے [illegible]

[illegible] مولانا آپ کے یہاں تنوع نہیں [illegible]

[illegible] معاملہ میں [illegible] ہے۔ ان [illegible]
[illegible] کی راست [illegible] شیدائی ہیں۔

[illegible] کے لیے پیدا کرتے تھے اور شاعر کی حیثیت سے اپنے کو پیش کرنا پسند نہ کرتے تھے۔ مشاعروں میں [illegible] علاوہ [illegible] اسی لئے بھی شرکت کرتے ہیں کہ آج کل مشاعرے شاعر اور وقت دونوں کے منافی ہو گئے ہیں۔ مشاعروں کی شاعری کی تہذیب [illegible] طرح سے ہو سکتے تھے۔ مشاعروں سے ان کی گریز پائی کا ایک واقعہ مجھے یاد ہے۔ [illegible] کا مشاعرہ تھا مشاعرہ [illegible] نے طرح جو بھیجی اور انہوں نے غزل بھی کہی۔ [illegible] سے اصغر صاحب کی مشاعرے میں شرکت حاصل ہو جائے گی۔ مگر جب وقت آیا۔ اور میں نے کہا کہ چلئے تو اصغر صاحب نے سخت انکار کر دیا [illegible] جب یہ شاعرانہ تکلف کا شائبہ بھی نہ تھا میں اس انکار پر بہت متحیر ہوا۔ پھر میں نے کہا غزل آپ نے کہی ہی ہے تو [illegible] غزل [illegible] کسی سے پڑھوا دیجئے۔ میں نے واپس آ کر احباب کو [illegible] کہ اصغر صاحب [illegible] تو لوگوں کو بھی [illegible] دیئے گئے کہ اس روز [illegible] صبح [illegible] کے پیچھے آ گئے [illegible] نشست گاہ میں پہنچ کر شیروانی [illegible] سے جواب دیا [illegible] جب اس مشاعرہ [illegible] ہو رہی ہے [illegible] تب میں [illegible] واپس ہو گا جب تک مشاعرہ میں حاضر ہونگا۔ اصغر مرحوم [illegible] تیار ہو گئے۔ محفل میں آ کر ڈائس کے پیچھے ایک تخت پر بے پروائی سے بیٹھ گئے۔ جب ان کی باری آئی تو غزل جناب حفیظ جالندھری کو پکڑا دی۔ انہوں نے ڈائس پر کھڑے ہو کر مطلع پڑھا۔

وہ نغمہ بلبل رنگیں نوا اک بار ہو جائے
کلی کی آنکھ کھل جائے چمن بیدار ہو جائے

اک شور تحسین و آفرین محفل سے بلند ہوا تو حفیظ صاحب نے اس داد کو جو انہیں مخاطب کر کے دی جا رہی تھی دونوں ہاتھوں سے سمیٹ کر اصغر صاحب کی طرف پھینکنا شروع کیا۔ پھر کیا تھا لوگوں کا اصرار بڑھا اور صدر مشاعرہ [illegible] بہار [illegible] درخواست کی کہ اصغر صاحب ڈائس پر تشریف لائیں۔ کشاں کشاں لائے گئے۔ بہت خاموشی اور وقار سے چہرے پر ایک خفیف سا تبسم لئے بیٹھے رہے۔ وہ شاعرانہ ادائیں کہ یہ شعر ملاحظہ کیجئے گا "ذرا غور کیجئے گا یہ شعر شاید کسی قابل ہو" ان میں کہاں۔ مرصع غزل تھی۔ ہر شعر پر محفل جھوم جاتی تھی۔ یہ کبھی کبھی تسلیم کر لیتے مگر داد طلب انداز سے نہیں۔

اصغر مرحوم وسیع المشرب اور کثیر الاحباب تھے۔ ان کی صحبت میں ہندو بھی شریک ہوتے اور مسلمان بھی۔ آزاد خیال حضرات بھی اور بہت ہی متورع و متقشف قسم کے بزرگ بھی۔ سب کو ان کی ہم نوائی پر ناز تھا۔ اپنے احباب سے بہت خلوص و محبت سے پیش آتے تھے۔ صحبتیں بہت دلچسپ اور مفید ہوتی تھیں۔ موضوعات گفتگو سنجیدہ اور متنوع ہوتے۔ مذہب و فلسفہ۔ شعر و ادب سبھی پر خیال آرائی ہوتی۔ اصغر مرحوم خوش مذاقی کو کبھی ہاتھ سے نہ جانے دیتے۔ طبیعت بذلہ سنج پائی تھی اور گفتگو کا انداز بہت دلنشیں تھا۔ خود ہنستے اور دوسروں کو بھی ہنساتے ان کی صحبتوں کی فضا بہت شگفتہ و پرسکون ہوتی اور کوئی بے کیف نہ ہونے پاتا۔

ان کے احباب نے ان کو کبھی مایوس، پریشان، ملول یا افسردہ نہیں پایا۔ یہ بھی ناظمی صاحب کا فیض روحانی تھا کہ اصغر صاحب ہر حال میں مسرور مطمئن اور شگفتہ رہتے تھے۔ یہی نہیں ان کی طمانیت و آسودگی اور سکون ان کے ہم نشینوں میں بھی منتقل ہو جاتا آپ کبھی الجھن یا پریشانی میں ہوتے تو اصغر صاحب کے پاس تھوڑی دیر بیٹھ کر چلے آئے قلب و دماغ کی فضا بدل گئی۔ حیرت تو اس پر ہے کہ [illegible] اس کے کہ وہ طول

[illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]

منشی محمد الدین فوق

محمد عبداللہ قریشی

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد جب دلی کے علم و ادب کے چند ٹوٹے ہوئے ستارے ٹوٹ کر ... کے اشاروں پر پنجاب میں پہنچے ان میں مولانا حالی - مولانا محمد حسین آزاد - مولانا فیض الحسن سہارنپوری ... خاص طور پر قابل ذکر ہیں ... جنہوں نے ... مرحوم کی ادبی ... سخن کی محفلیں جمائیں اور اس طرح سرزمین پنجاب کے رنگ اور ادبی سعادت اور تہذیبی و ثقافتی ... سے پہلی مرتبہ واقف ہوئے جو اس سے پیشتر ہی سے لکھنؤ - مرشد آباد - عظیم آباد (پٹنہ) ... حیدرآباد (دکن) میں ... تھیں - یوں سمجھنا چاہیے کہ پنجاب میں پہلی ... کے وہاں سے تو حالی - آزاد - فیض اور ... وغیرہ ... اردو ... پشت میں ... یہاں جو لوگ پیدا ہوئے ان میں محمد عبداللہ ... علامہ اقبال - خان احمد حسین خان - مولوی ظفر علی خان - چوہدری خوشی محمد ناظر - میر غلام بھیک نیرنگ - میاں شاہ دین ہمایوں - مولوی محبوب عالم - مولوی انشاء اللہ خان - مولوی محرم علی چشتی - پنڈت ... منشی محمد دین فوق وغیرہ کا نام سرفہرست ہے - یہ ... ہر وقت بھی کمال فن کے اعتبار سے ... تھے - اور آج بھی اس میدان میں ان کا کوئی مد مقابل نظر نہیں آتا - مولانا ظفر ... لکھنؤ ... ۱۹۱۳ء میں لاہور کے پنجاب میں اردو کی حالت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

> "اب سے پچیس تیس سال قبل منشی محمد دین فوق اور میر غلام بھیک نیرنگ کے سوا شاید کوئی تیسرا پنجابی شاعر ایسا تھا جس کا کلام ... کی معمولی غلطیوں سے پاک اور جس کی انشا صحیح اردو میں شمار ہونے کے لائق ہو - مولوی ظفر علی خان صاحب اس وقت اہل پنجاب میں شمار نہیں کیے جا سکتے تھے - مگر نئی نسل نے بہت سے ایسے اہل قلم پیدا کر دیے ہیں جن کی نظم و نثر اہل زبان کے معیار پر اگر نہیں تو زبان دانوں کے معیار پر ضرور پوری اترتی ہے اور آثار ظاہر بتاتے ہیں کہ ایسے اصحاب کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہوتا رہے گا۔"
> (نیرنگ خیال لاہور بابت اگست ۱۹۳۳ء)

منشی محمد الدین فوق فروری ۱۸۷۷ء میں موضع کوٹلی ہرنارائن (ضلع سیالکوٹ) میں پیدا ہوئے اور ... ستمبر ۱۹۴۵ء کو لاہور میں ...

[illegible] ایک [illegible] ہیں۔ ایک مصنف اور ایک شاعر کی حیثیت سے منشی [illegible]
[illegible] اپنے ہمعصروں میں ممتاز تھے [illegible]
[illegible] ثابت ہو گی اور یہ بات بھی ہے کہ وہ منشی صاحب کے نام کو ہمیشہ زندہ رکھیں گے۔

حکیم صاحب سے [illegible] شائع ہوتا تھا۔ اس سے میرا [illegible] ایک [illegible] نے [illegible] کے ساتھ [illegible] کشمیر [illegible] اور حضرت [illegible] مجھے [illegible] لاہور منتقل کر دیا گیا ہے۔ چونکہ حضرت صاحب سے [illegible] نیاز مندانہ تعلقات تھے۔ میں ان کے ہمراہ [illegible] ملنے کے لیے گیا۔ وہ [illegible] دروازہ کے اندر ایک مکان میں اقامت گزیں تھے۔ یہ مکان [illegible] قریب تھا جہاں سے کسی زمانے میں منشی [illegible] پنجاب کا سب سے پہلا ہفتہ وار اخبار [illegible] شائع کیا کرتے تھے۔ [illegible] کے علاوہ [illegible] چہرہ [illegible] تھے۔ سادہ لباس۔ سر پر ترکی ٹوپی۔ یہ [illegible] شخصیت تھی جس نے مجھے [illegible] طور پر اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ تعارف [illegible] حضرت صاحب نے ان الفاظ میں ان کی پہچان کرائی: کیا آپ انہیں نہیں جانتے؟ یہ آپ کے [illegible] مشہور [illegible] اور مورخ منشی محمد دین فوق ہیں۔ یہ میری اور منشی صاحب کی پہلی ملاقات تھی۔

اس کے بعد میں نے حضرت صاحب [illegible] کے اعزاز میں دعوت کی۔ جس میں [illegible] پروفیسر [illegible] حکیم یوسف حسن اور دیگر دوستوں کے علاوہ منشی محمد دین فوق بھی شریک تھے۔ اس محفل میں مختلف موضوعات پر [illegible] ہوئیں۔ سب نے اپنا اپنا کلام سنایا۔ [illegible] پہلی ملاقات میں منشی محمد دین فوق کے متعلق میرے دل میں جو [illegible] پیدا ہوا تھا وہ [illegible] گہرا ہو گیا۔ اور یہ شوق [illegible] آہستہ آہستہ ان کے قریب لے گیا۔

منشی صاحب شیرانوالہ دروازہ کے باہر رہتے تھے۔ جب تک اخبار کشمیری جاری رہا نیچے دفتر میں بیٹھتے تھے۔ اس کے بعد [illegible] میں اپنی نشست کے لیے ایک کمرہ مخصوص کر لیا تھا۔ جس کی بڑی بڑی الماریوں میں ہر قسم کی کتابیں بھری رہتی تھیں۔ ان میں [illegible] ذاتی [illegible] تھیں اور دوسری کتابیں بھی۔ منشی صاحب کو کتابیں جمع کرنے کا اتنا شوق تھا کہ [illegible] کے تمام اخبار نویسوں میں [illegible] اور [illegible] کے بعد آپ ہی کی ذاتی لائبریری قابل ذکر تھی۔ جس میں ہر سال [illegible] کتابوں کا اضافہ ہوتا رہتا تھا۔

میرا معمول تھا کہ ہفتہ میں ایک بار ضرور ان کی خدمت میں حاضر ہوتا۔ پریشان ہو کر جاتا تو ان کی صحبت سے ہشاش بشاش [illegible] گھر آتا تو [illegible] وہاں جاتا اور ان کی پر لطف باتوں سے غم غلط ہو جاتا۔ خالی الذہن جاتا تو معلومات کے ایسے نادر و لطیف نکتوں سے بہرہ مند ہو کر آتا جو شاید [illegible] کے مطالعہ یا مشاہدہ سے حاصل نہ ہو سکتے۔ خوش ہوتا تو وہاں مزید [illegible] جاتا اور جب کبھی [illegible] ہوتا تو وہاں جاتا۔ جب واپس آنے کی اجازت چاہتا تو آدھ گھنٹہ نہ دیتے۔ چائے، لسی، شربت [illegible] جو کچھ ہوتا اس سے تواضع کرتے اور اگر کسی وجہ سے میرے جانے میں ناغہ ہو جاتا تو دوسرے دن خود میرے ہاں تشریف لاتے اور نہ آنے کا سبب دریافت کرتے۔ ان کے اس [illegible] میں [illegible] تک فرق نہ آیا۔

فوق صاحب کے پاس اٹھنے بیٹھنے سے کشمیر کی محبت میری رگ رگ میں سما گئی اور میں دن رات کشمیر کے خواب دیکھنے لگا۔ میں ہر سال کشمیر جاتا۔ [illegible] اکثر میرے ساتھ ہوتے۔ کبھی وہ نہ جاتے اور میں اکیلا ہوتا تو فوق صاحب مجھے [illegible]

[illegible] ہو کہ وہ کسی مریض کی عیادت کے لیے [illegible] وہ سمجھ گئے کہ زندگی کے دن اب ختم ہونے والے ہیں [illegible] مریض صاحب ۔ آشپز، [illegible] انار، بادام، اخروٹ وغیرہ لیے بیٹھے ہوتے۔ چونکہ ان کے مشاغل میں [illegible] ۔ اتنے میں مریض کا تکلم وہ یوں کرتے کہ [illegible] صاحب ہمارے لیے [illegible] مریض خوش ہو کر آنکھوں پر بٹھاتے اور بچے بلاتے۔ اس طرح جب وہ ان تک پہنچتے تو اس میں مریض [illegible] عیادت کی عادت [illegible] اور گذشتہ شعرا کی ایک ادبی مشغولی تھی۔

فوق صاحب اپنے گھر میں نہایت سادہ زندگی بسر کرتے تھے۔ ان کے رہن سہن کے [illegible] میں کوئی خصوصیت نہ تھی۔ [illegible] کی باقاعدہ [illegible] ہوا کرتی تھی۔ عام طور پر صبح سویرے [illegible] ہو جاتے تھے [illegible] آخر عمر میں انہوں نے [illegible] ترک کر دیا۔

لکھنے پڑھنے کے سلسلے میں بھی وہ کوئی خاص اہتمام نہ کرتے تھے۔ کبھی میز کرسی پر بیٹھ کر، کبھی چھوٹی سی چوکی پر، کبھی جائے نماز پر [illegible] چارپائی پر بیٹھ کر تصنیف و تالیف کا شغل جاری رکھتے تھے۔ البتہ ایک عادت قابل ذکر ہے کہ جب وہ کوئی کتاب پڑھتے تو یونہی سرسری طور پر پڑھ کر ایک طرف نہ رکھ دیتے بلکہ اس میں سے قابل استعمال مواد پر نشان لگاتے جاتے تھے۔ کس موضوع پر کون سی چیز [illegible] استعمال ہو سکتی ہے؟ اس بارے میں ان کی نظر بہت گہری تھی۔ انہوں نے الگ الگ [illegible] بنا [illegible] رکھے تھے جن میں الگ الگ [illegible] جمع کرتے رہتے تھے پھر جب کوئی کتاب لکھتے تو ان تراشوں اور یادداشتوں کی وجہ سے حوالے تلاش کرنے میں انہیں کوئی دشواری نہ ہوتی، مہینوں کا کام دنوں میں ختم ہو جاتا۔

گھر والوں سے ان کا سلوک بہت مشفقانہ تھا۔ انہوں نے تین شادیاں کیں۔ پہلی دونوں بیویاں صاحب اولاد تھیں۔ تیسری سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ یہ ایک ایسا معاملہ تھا جسے گھریلو جھگڑوں کے لیے معقول وجہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ فوق صاحب کی زندگی میں یہ جھگڑے نہایت شد و مد سے سر اٹھاتے تھے لیکن ان کا ذہنی توازن ایسے حالات میں برقرار رہتا تھا اور وہ ہر ایک کے ساتھ منصفانہ برتاؤ کرتے تھے۔

فوق صاحب ہنگامہ خیزیوں سے الگ اپنے گوشۂ عافیت میں رہ کر خاموشی سے کام کرنے کے علاوہ خوش وضع [illegible] ۔ استقلال و ہمت، جرأت و شوق اور جذبۂ ایثار و ذوق خدمت کی دولت سے مالا مال تھے ؎

بہت لگتا تھا جی صحبت میں ان کی — وہ اپنی ذات میں اک انجمن تھے

ان کی بذلہ سنجی، حاضر جوابی، خوش اخلاقی، خوش مذاقی اور خوش مزاجی کی وجہ سے ان کے پاس بیٹھنے اٹھنے میں خاص لطف حاصل ہوتا تھا۔

یہ باتیں کچھ میرے ساتھ ہی خاص نہیں تھیں۔ ان کے تمام دوست اور ملنے والے ان کی شگفتہ مزاجی سے متمتع ہوتے تھے۔ وہ بچپن ہی سے ہنس مکھ تھے۔ ایسی بات بناتے اور اس قسم کے برجستہ فقرے چست کرتے تھے کہ بس مزا آ جاتا تھا۔ خود سنایا کرتے تھے کہ جب وہ گاؤں کا پرائمری سکول پاس کرنے کے بعد انگریزی تعلیم حاصل کرنے کے لیے قصبہ [illegible] کے مڈل سکول میں داخل ہوئے تو بورڈنگ ہاؤس ہی میں رہتے تھے۔ بورڈروں کی زندگی عام طور پر شوخیوں سے بھری ہوتی ہے۔ دن رات دل لگی، تفریح اور ہنسی مذاق کے سینکڑوں پہلو نکلتے رہتے ہیں۔ لڑکے عجیب عجیب حرکتیں کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ استادوں سے مذاق کرنے سے بھی نہیں چوکتے۔

ایک رات بورڈنگ ہاؤس میں رہنے والے لڑکوں کو شرارت جو سوجھی تو انہوں نے ایک تماشا کیا۔ کوئی استاد بنا، کوئی شاگرد۔ ایک لڑکے نے سبق سنانا شروع کیا اور غلط پڑھا۔ ماسٹر نے ٹوکا، اس نے پھر غلط پڑھا۔ استاد نے بنچ پر کھڑا کر دیا۔ اس کے بعد ایک طالب علم نے دوسرے طالب علم کو چھیڑا۔ اس نے ماسٹر سے شکایت کی۔ ماسٹر نے ایک کو جرمانہ کیا اور دوسرے کو رجسٹر سے نام خارج کرنے کی دھمکی دی۔ پھر

[illegible]

ذوق صاحب [illegible] آپ کے [illegible] ہے [illegible] نہیں پڑھ کر سنا [illegible] ہے ۔

[illegible]

مولوی صاحب [illegible] اس سے نجات دلا دی ۔ [illegible] ذوق نے

بڑھاپے کی [illegible] نے [illegible]

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ذوق صاحب پیسہ اخبار کے دفتر میں ملازم تھے۔ تنخواہ اس وقت دس روپیہ ماہوار تھی۔ جب میں [illegible] ان سے کئی گنا زیادہ مشاہرہ پر خود ملازم رکھے اور ماہوار اور کمیشن پر بہت سے ایجنٹ بھی پیدا کر دیے۔ بہرحال جیسا کہ عام پرائیویٹ ذریعوں کا دستور ہے آخری دس پندرہ دن ہر ملازم کو روپیہ دو روپیہ بطور قرض ملا کرتے تھے جو مہینہ کے آخر میں تنخواہ سے وضع ہو جاتے تھے۔ ایک دفعہ اکاؤنٹنٹ نے تمام ملازمین کے قرض کی فہرست بنائی۔ اس میں ذوق صاحب کے پانچ روپیہ [illegible] ختم ہونے تک زیادہ سے زیادہ روپیہ ہیں گے۔ اکاؤنٹنٹ نے اعتراض کیا۔ ذوق صاحب نے کہا آپ لکھ دیجئے۔ منیجر صاحب منظور کریں گے تو سہی۔ مولوی محبوب عالم کے چھوٹے بھائی عبدالعزیز منیجر تھے۔ ان کے پاس فہرست پیش ہوئی۔ وہ ذوق صاحب کے نام پانچ روپے دیکھ کر چونک اٹھے۔ انہیں بلایا اور کہا آپ اس سے پہلے تین روپیہ لے چکے ہیں۔ اب یک مشت پانچ کس طرح مل سکتے ہیں۔ کیا کسی اور نے بھی پانچ روپیہ لکھوا [illegible] اس وقت ایک روپیہ سے زیادہ نہیں ملے گا۔ ذوق صاحب نے کہا ایک روپیہ کیا، میں تو آپ کا تحفہ قبول کرنے کو بھی تیار ہوں۔ لیکن خواہش صرف یہ ہے کہ ایک مرتبہ زندگی میں پانچ روپے اکٹھے دیکھ لوں۔ منشی عبدالعزیز صاحب ہنس پڑے اور ایک کی بجائے دو روپے دے دیئے۔
اس واقعہ سے بھی یہ پتہ چل سکتا ہے کہ ابتدا میں ذوق صاحب کی مالی حالت کیا تھی اور کس چھوٹے درجے سے انہوں نے ترقی کی۔

لالہ دینا ناتھ حافظ آبادی جو ہندو اخبار نویسوں میں بڑے کامیاب اخبار نویس اور جرنلسٹ تھے۔ پیسہ اخبار کے دفتر میں ذوق صاحب کے ساتھ کام کرتے تھے۔ انہوں نے [illegible] میں اخبار ہندوستان جاری کیا جس سے ان کی بہت شہرت ہوئی۔ اس کے بعد انہوں نے جہاد اور دیش وغیرہ اخبار بھی نکالے۔ ایک روز ذوق صاحب ان سے ملنے گئے۔ وہ ایک گول میز کے گرد چند آدمیوں کے ساتھ بیٹھے خوش گپیاں کر رہے تھے۔ ان میں دو وکیل بھی تھے۔ گرمیوں کے دن تھے۔ ذوق صاحب نے مزاج پرسی کے بعد پانی طلب کیا۔ لالہ دینا ناتھ نے کہا۔ پانی تو ہے مگر گھڑے کا جوٹھا ہے۔ ذوق صاحب نے کہا۔ کوئی پروا نہیں۔ تمہارا جوٹھا تو نہیں۔ لالہ دینا ناتھ نے جب آپ

[illegible] ... [illegible] ... [illegible]
[illegible] ... [illegible]
[illegible] ذوق صاحب کے برجستہ اور [illegible] کی داد دی۔

ذوق صاحب سیر و سیاحت کے بڑے شوقین تھے۔ چنانچہ زندگی کا بیشتر حصہ سفر میں گزرا۔ [illegible] جہاں [illegible] جاتے کوئی جگہ پسند آتی وہاں رہ جاتے۔ [illegible] کئی مقامات کی [illegible] وہاں کے [illegible] کرتے اور اپنے تجربات و مشاہدات سے [illegible] فائدہ پہنچاتے۔

کشمیر کے علاوہ انہوں نے وسط ہند، راجپوتانہ اور کاٹھیاواڑ کی ریاستوں مثلاً ستارہ، [illegible] بیکانیر، [illegible] رامپور [illegible] دہلی، بھوپال، بنگال اور سرحدی علاقوں کے بھی متعدد سفر کئے۔ یوں سے ان کے مشاہدہ کا حلقہ وسیع ہو گیا اور تجربہ کو بڑھا دیا۔

ذوق صاحب بڑے محنتی تھے۔ شعر و شاعری کا شوق تو تھا ہی، قدرت کی طرف سے ودیعت ہوا تھا جس کی وجہ سے چھوٹی عمر [illegible] کہہ رہا تھا۔ چنانچہ ۱۸۹۳ء میں مڈل کا امتحان دینے کے بعد جو اس وقت پرائمری کا امتحان تھا۔ سیالکوٹ میں [illegible] کام سیکھا [illegible] بھروال سے کسی [illegible] ملازمت کی توقع پر [illegible] کا۔ [illegible] کئی ماہ کی ناکام کوششوں سے [illegible] کے پاس ملازمت حاصل کی۔ [illegible] شعر و شاعری کے [illegible] جب [illegible] کا [illegible] ٹوٹ گیا [illegible] گوجرانوالہ میں گزر کر ۲۰ جنوری ۱۹۰۱ء کو اپنے بڑے بھائی کے پاس لاہور چلے آئے۔ یہاں پیسہ اخبار کے دفتر میں ملازمت مل گئی جو چار سال تک رہی۔ اس عرصہ میں [illegible] کی مزید مشق کے 2 اخبارات [illegible] کی [illegible] اخبار عام اور خاص [illegible] شائع ہوتے ہیں۔ ان کے [illegible] ہفتہ [illegible] جو ذیل چار اخبار خود مرتب کرتے تھے

(۱) کوہ نور جو پنجاب کا سب سے پرانا اردو ہفتہ وار اخبار تھا اور [illegible] آخری ایڈیٹر ذوق صاحب تھے۔

(۲) گلزار ہند جو اگست ۱۹۰۱ء میں جاری ہوا۔

(۳) آفتاب پنجاب جو ۱۹۰۲ء یا ۱۹۰۳ء میں بند ہوا۔

(۴) [illegible] گزٹ جو منشی [illegible] نے [illegible] جاری کیا۔

اسی زمانے میں آپ نے شالامار باغ کی سیر ایک چھوٹی سی کتاب لکھی۔ اس سے حوصلہ اتنا بڑھا کہ کتابوں کی تصنیف و تالیف کا [illegible] چسکا پڑنے لگا۔ چونکہ ان دنوں ناولوں کی گرم بازاری تھی۔ آپ نے بھی ناول لکھے۔ نام نصیب، عصمت آرا [illegible] وغیرہ چند ناول [illegible] شہرت پر [illegible] مالی حالت بھی اچھی ہو گئی۔

اکتوبر ۱۹۰۵ء میں آپ نے پیسہ اخبار کی ملازمت ترک کر کے [illegible] اپنا اخبار اور پریس جاری کیا۔ اس اخبار کا نام پنجہ فولاد تھا جو [illegible] صرف [illegible] تیس کی تعداد میں چھاپا گیا جس کا افتتاحیہ یہ تھا:-

"خدا کے گھر پر سرکار کا قبضہ"

دراصل یہ شاہجہانی مسجد کے متعلق تھا جو دائی انگا کی مسجد کے نام سے مشہور ہے۔ اور ریلوے اسٹیشن کے قریب ہونے کی وجہ سے اس وقت محکمہ ریلوے کے قبضے میں تھی۔ ریلوے والوں نے اس میں ٹریفک سپرنٹنڈنٹ کا دفتر قائم کر رکھا تھا۔ اخبار [illegible] سب [illegible] تمام اخبار نویس دنگ رہ گئے۔ آخر رفتہ رفتہ دیگر اخبارات بھی اس معاملے میں [illegible] ہوئے اور لارڈ کرزن نے [illegible] آواز سے متاثر ہو کر اس مسجد کو واگزار کر دیا۔ آج کل یہ مسجد آباد ہے اور اس پر محکمہ آثار قدیمہ کا بورڈ لگا ہوا ہے۔

[illegible] ۔ کاتب اور طابع چھپائی [illegible] مدیر [illegible] [illegible] ۔ باقی [illegible] قسیم [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] ۔ [illegible] [illegible] جدید [illegible] میں ہفتہ وار ہو گیا ۔ [illegible] میں [illegible] اشاعت [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] ۔ [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] فوق صاحب کا اپنا بیان ہے :-

"ایک شخص جو بڑا چالاک [illegible] تھا ۔ چند دفعہ کی آمد و رفت کے بعد مجھ سے [illegible] ہو گیا [illegible] میرے ساتھ ہوتا تھا اور ایک معمولی سا [illegible] نام پر ایک اخبار نکال رہے تھے ۔ [illegible] پر اعتبار کیا اور یہ سمجھا کہ یہ شخص [illegible] [illegible] حالانکہ وہ محض [illegible] اس چال کی تفصیل یہ ہے کہ [illegible] اور پھر اخبار [illegible] [illegible] کہ اس نے جتنی [illegible] [illegible] [illegible] وہ چھپا ہوا کے [illegible] [illegible] اس قدر پڑا کہ [illegible] کے وارے پڑ گئے ۔ آخر مجھے مجبور ہو کر مطبع پنجۂ فولاد اور اخبار پنجۂ فولاد دونوں بند کر دیے گئے ۔ اس زمانے کا ایک شعر ہے :-

اخبار بند ہو رہے ہیں لکھتے ہیں [illegible]
اے فوق اب وہ پنجۂ فولاد نہیں ہے

[illegible] میں [illegible] ایک اخبار [illegible] جاری کیا ۔ [illegible] فوق صاحب کے [illegible] چنانچہ پنجۂ فولاد کے ساتھ اس اخبار کو بھی چار ماہ تک نہایت قابلیت سے چلاتے رہے ۔ آخر [illegible] سے مجبور ہو کر اس سے الگ ہو گئے ۔

[illegible] میں میاں جان محمد گنائی نے کشمیری گزٹ کے نام سے ایک ماہوار رسالہ جاری کیا ۔ جسے تین سال تک فوق صاحب مدیر اعزازی کی حیثیت سے مرتب کرتے رہے ۔ آخر چودھری جان محمد گنائی کی وفات کے ساتھ اس رسالے کا خاتمہ ہو گیا ۔ البتہ اس [illegible] رسالہ کشمیری [illegible] آیا جس کے ایڈیٹر خواجہ کمال الدین بی اے مسلم مشنری انگلستان اور اسسٹنٹ ایڈیٹر فوق صاحب تھے ۔ یہ رسالہ [illegible] تک جاری رہا ۔ اس کے بند ہوتے ہی [illegible] میں آپ نے ماہنامہ کشمیری میگزین جاری کیا جو غالباً پنجاب [illegible] سے پہلا [illegible] ہے جس نے [illegible] تصاویر چھاپنے کے علاوہ خاص نمبر نکالنے کی بدعت شروع کی ۔ چنانچہ اس کا ایڈیٹر نمبر [illegible] کے ایڈیٹروں کے حالات زندگی سے متعلق [illegible] ہوا تھا اب تک ایک یادگار تاریخی پرچہ تصور کیا جاتا ہے ۔

[illegible] میں کشمیری میگزین نے ماہوار سے ہفتہ وار اخبار کشمیری کی شکل اختیار کی ۔ اور اپنی مفید اور کارآمد تحریروں سے اہل علم میں [illegible] ہو گئی ۔ اس اخبار نے کشمیر میں بیگار کے مظالم کے خلاف آواز اٹھائی اور متواتر کئی سال تک پر زور مخالفت کرکے [illegible]

کے خلاف جدوجہد کی ۔ [illegible] کا قیام ۔ زمیندار ساہوکاروں کا جبر و استحصال [illegible] کی تحریروں کا نتیجہ ہے [illegible] کی جرأت ہے کہ اس وقت اخبار پر جس کے سبب بڑے بڑے عہدے داروں کی آنکھیں کھل گئیں اسکے سامنے نہ ٹکا ۔ اب چند [illegible] مسلمانوں کو ملی ہیں ۔ اس اخبار کی کوششوں سے مسلمانوں کی حکومت کی طرف سے میونسپل ملازمت شروع ہوئے ۔ کشمیری زبان [illegible] کی تدریس [illegible] کے لئے یہی اخبار پہلا کام [illegible] جب یہ اخبار بند ہوا [illegible] ہوتے تھے [illegible] جب ہر شخص [illegible] ہوتا ہے [illegible] کی انجمن کشمیری مسلمانان ۔ مسلم کشمیری کانفرنس اور [illegible] کشمیری انجمنوں کا قیام بھی فوق صاحب ہی کی تحریک کا نتیجہ ہے [illegible] پچاس ساٹھ سال [illegible] نظم و نثر میں [illegible] اب تمام صاحب [illegible] نظر آتا ہے ۔

اخبار کشمیری کے ساتھ ساتھ فوق صاحب نے یکے بعد دیگرے طریقت اور نظام وغیرہ [illegible] سلسلے جاری کئے جو [illegible] کی مدت کے بعد بند ہو گئے ۔

فوق صاحب گو ریاست میں مرنا نہیں چاہتے تھے ۔ لیکن [illegible] ریاست کے سینے میں ان کا احساس بہت گہرا تھا ۔ وہ ان لوگوں میں تھے جو مسلمانوں کی نہایت حالت سے ہمیشہ پریشان رہتے تھے ۔ بالخصوص کشمیری مسلمانوں کی پستی اور ڈوگرہ شاہی غلامی ان کے لئے سوہان روح کا باعث تھی ۔ وہ نسلاً کشمیری تھے ۔ اس لئے بھی انہیں کشمیریت سے والہانہ عشق تھا ۔ انہوں نے ساری عمر کشمیر اور کشمیریوں کی خدمت کی ۔ کشمیری تعلیم [illegible] اخلاق میں پست اور تہذیب و تمدن میں دنیا کے لوگوں سے پیچھے تھے ۔ فوق صاحب نے انہیں تعلیم کا شوق دلایا ۔ [illegible] دنیا کی ترقیوں سے آگاہ کیا ۔ ان کی سوئی ہوئی قوتوں کو جگایا ۔ اور ان کو ترقی یافتہ قوموں کے برابر کھڑا کرنے میں اپنی زندگی وقف کر دی ۔

فوق صاحب استقلال کو ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے ۔ انہوں نے تحریک کا سہرا [illegible] کبھی پسند نہ کیا ۔ اختلاف عقائد کی بنا پر کسی فرقے کو برا بھلا نہ کہا ۔ تمام عمر تعمیری اسکیموں کو سوچنے میں مشغول رہ کر اپنے آپ کو ایک ایسا ثابت [illegible] حاکم و محکوم کو [illegible] شدہ [illegible] تھا ۔ ان کا منشا صرف یہ تھا کہ کشمیر میں واقفیت عامہ ترقی کرے ۔ اہل خطہ روشن خیال ہو جائیں اور واقفیت عالم پر ان کی نظریں وسیع ہوں ۔ خدا کا شکر ہے کہ یہ توقعات ان کی زندگی ہی میں پوری ہو گئیں ۔ اور کشمیر میں ایک وسیع ذہنی سیاسی اور علمی انقلاب پیدا ہو گیا ۔

فوق صاحب نے کشمیر کے متعلق بہت سی کتابیں لکھیں جن میں تاریخ کشمیر ۔ مشاہیر کشمیر ۔ خواتین کشمیر ۔ ماہنامہ کشمیر ۔ حکایات کشمیر ۔ شباب کشمیر ۔ تاریخ اقوام کشمیر ۔ اور تاریخ بڈشاہی وغیرہ بہت مشہور ہیں ۔ ان کتابوں کے ذریعے سے انہوں نے کشمیر کے بھولے ہوئے افسانے نوجوانوں کو سنائے ۔ کشمیریوں کے شاندار کارناموں سے قوم کو روشناس کیا اور کشمیر کا نام ساری دنیا میں روشن کر دیا ۔

اس ادبی اور لٹریری کام کے علاوہ فوق صاحب نے کشمیری مزدوروں کو منظم کرنے اور ان کی پریشانیاں دور کرنے کے سلسلے میں بھی قابل قدر خدمات انجام دیں ۔ غالباً ان کی انہی بے لوث خدمات کا تاثر تھا کہ علامہ اقبال انہیں مجدد کشمیر کہا کرتے تھے ۔

فوق صاحب کی دیانت فکر اور پابندی وضع کا پایہ اتنا بلند تھا کہ اگر وہ کشمیر کے چکر سے نکل کر اپنے محدود دائرہ کو وسعت دیتے تو ہندوستان کے بہترین اخبار نویسوں اور مصنفوں کی صف میں شمار ہوتے ۔ لیکن اس صورت میں وطنی تاریخ کی تدوین کا کام معرض التوا میں پڑ جاتا کیونکہ اس دائرے میں بھی ان کا نعم البدل دستیاب ہونا مشکل تھا ۔ پھر بھی جب ہم ان کی تصنیف و تالیف [illegible] ۔ [illegible] (تذکرہ صوفیائے لاہور) حیات داتا گنج بخش ۔ تاریخ [illegible] تذکرۃ العلماء [illegible] [illegible]

[illegible] تاریخ اقوام کشمیر [illegible]

[illegible] ہوتا ہے کہ فوق صاحب انگریزی زبان سے ناواقف تھے۔ چنانچہ ایک [illegible]

[illegible]

انگلش زبان پہ ہے جو عاشق تم   اے فوق ! [illegible]

اس طرح اردو میں بھی چند مزید [illegible] اور عشق سے انہیں اخبار نویسی کا شوق [illegible] میں انہوں نے [illegible] پیدا کر دیا اور ان کا ایک ادنیٰ سا کارنامہ تھا۔ تاریخ کے مختلف واقعات [illegible] کر لطف و مزے لیتا رہتا تھا۔ اس لحاظ سے انہیں تاریخ و صحافت کا مجمع البحرین [illegible] حضرت [illegible]

فوق کی صحافت نگاری میں کشش ہے جتنی   خود مذاق [illegible] فوق ہے ہر اخبار پر

یہی وجہ ہے کہ آپ کا دفتر ہمیشہ اخبار نویس بننے کا سکول رہا ہے۔ بعض نوجوان جو [illegible] سے مستفید ہوئے وہ صحافت پر آفتاب و ماہتاب بن کر چمکے جن کی تعداد [illegible] چند نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

(۱) چوہدری رحمت علی [illegible] جو بعد میں انگلستان چلے گئے۔ وہ [illegible] "پاکستان" کا لفظ [illegible] (۲) شورش کاشمیری (۳) ملک [illegible] (۴) سید حبیب [illegible] (۵) ڈاکٹر عاشق حسین بٹالوی جنہوں نے بعد میں اخبار [illegible] جاری کیا اور آج کل انگلستان میں ہیں۔ (۶) [illegible] (۷) [illegible] (۸) [illegible] (۹) [illegible] (۱۰) [illegible] وغیرہ۔

فوق صاحب صرف تخلص ہی کے [illegible] نہ تھے۔ بلکہ فطری شاعر تھے اور غزل، نظم، قصیدہ، مرثیہ، [illegible] وغیرہ تمام اصناف سخن پر حاوی۔ ان کے کلام کے دو مجموعے "کلام فوق" اور "نغمۂ گلزار" چھپ چکے ہیں۔ کلام فوق کے [illegible] ایک [illegible] کا اضافہ کرنا بھی مشکل ہے۔

"کلام فوق بلاشبہ قابل داد ہے۔ جب خیالات اچھے ہوں تو کلام کیوں نہ اچھا ہو۔ کلام فوق میں فطری [illegible] شوخی کا اظہار ہے۔ قافیے برجستہ ہیں۔ بغیر تکلف کے کلام کا اثر [illegible] ہے۔ اور اثر پیدا کرنا ایسے ہی کلام کا کام ہے۔ بعض اشعار سے دلچسپ [illegible] رنگ قطرہ [illegible] کی طرح چمک رہا ہے۔ کئی اشعار گنجینۂ معانی ہیں۔ اخلاق و محبت [illegible] کی بھی کمی نہیں۔ بعض اشعار پر تو جی چاہتا ہے کہ داد دوں اور دوں۔ بہت سے اشعار میرے حسب حال ہیں۔ [illegible] کشمیر کے اخبار اور کشمیر کے نظاروں میں خوب جوش دکھایا ہے اور [illegible] کے شان نزول نے تو آپ کی [illegible] کا رتبہ بہت بلند کر دیا ہے۔"

محسن الملک

ڈاکٹر سید محمود

نواب محسن الملک کی شخصیت کو اچھی طرح سے سمجھنے کے لیے پہلے اس ماحول کا خاکہ سامنے رکھنا ضروری معلوم ہوتا ہے جس میں ان کی ذہنی نشو و نما ہوئی اور جو ان کے کارناموں کے نمایاں پس منظر ہے۔ اس سلسلے میں ان شخصیتوں کا تذکرہ بھی ناگزیر ہے جن سے وہ متاثر ہوئے یا جن کو انہوں نے متاثر کیا۔ اس لیے کہ غیر معمولی شخصیتوں کو بنانے میں ان کی ذاتی صفات اور خصوصیات کے علاوہ اس سیاسی فضا کا بھی بڑا دست (ہاتھ) ہوتا ہے جن میں وہ سانس لیتے ہیں اور جس میں وہ اپنے اصول زندگی اور لائحہ عمل مرتب کرتے ہیں۔

نواب محسن الملک جن کا اصلی نام سید مہدی علی تھا ۹ دسمبر ۱۸۳۷ء مطابق ۱۲۵۳ھ کو اٹاوہ کے ایک مشہور سادات خاندان میں پیدا ہوئے۔ ان کے نانا مولوی محمود علی ایک زبردست عالم اور صدر الصدور کے عہدے پر فائز تھے اور ایک مدت تک ریاست ٹونک میں منصب وزارت پر بھی سرفراز رہے تھے۔

ان کی ابتدائی تعلیم اس زمانے کے دستور کے مطابق خانگی مکتب کے علاوہ علماء و فضلاء کے حلقہ درس میں ہوئی جہاں انہوں نے عربی فارسی اور حدیث و تفسیر میں اچھی دستگاہ حاصل کر لی۔ انگریزی تعلیم انہوں نے باضابطہ نہیں حاصل کی تھی مگر اپنی غیر معمولی ذہانت اور مشق و مزاولت سے اچھی خاصی لیاقت پیدا کر لی تھی۔ یہاں تک کہ وہ انگریزی اخبار وغیرہ بے تکلف پڑھ اور سمجھ لیتے تھے۔

انہوں نے سترہ اٹھارہ برس کی عمر میں دس روپیہ ماہوار سے ملازمت شروع کی اور ۱۸۶۱ء تک سررشتہ داری اور تحصیلداری کے منازل طے کرتے ہوئے ڈپٹی کلکٹری کے درجے تک پہنچ گئے جو اس وقت مسلمانوں کے لیے معراج ملازمت تھی۔ یہ ترقی اس قدر جلد ہوئی جو غیر معمولی تھی لیکن ان کے جیسے صاحب دماغ اور ماہر نظم و نسق کے لیے لائق فخر نہ تھی۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ ایک وقت میں ایلن ہیوم ان کے بالادست افسر تھے جو بعد میں انڈین نیشنل کانگریس کے بانی ہوئے اور جنہوں نے ان کی قابلیت کے متعلق کہا تھا کہ باوجود ایسی اعلیٰ درجہ کی لیاقت اور کارگزاری اور ضلع کا سب سے انتظام کی صلاحیت رکھنے کے ابھی تک وہ ڈپٹی کلکٹری کے عہدے سے آگے نہیں بڑھ سکے ہیں۔

لیکن انہیں ابھی اپنے اصلی جوہر دکھانے کا موقع کہاں ملا تھا؟ اس لیے ۱۸۷۴ء میں انگریزوں کی ملازمت سے مستعفی ہو کر انہوں نے نظام حیدرآباد کے یہاں ملازمت کر لی۔ انہوں نے وہاں پہنچ کر انتظامی امور میں ایسا رنگ دکھایا کہ سر سالار جنگ سے لے کر انگریز ریذیڈنٹ تک بھی ان کے معترف ہو

[illegible] اور خود بھی سیاسیات [illegible] سے متاثر ہوئے [illegible] حکومت [illegible] ۲۲ [illegible] مدد [illegible] سیاسیات سے متاثر ہونے کی وجہ سے [illegible] میں ہندوستان کی [illegible] مسلمانوں کی [illegible] تعلقات [illegible] کے بعض حامیوں کا [illegible]

[illegible] محسن الملک کو ایک [illegible]

ان کی صحت [illegible] محسن الملک کو [illegible] کو پیش کیا تھا۔

غرضکہ وہ ملک کی سیاسی، تہذیبی اور سماجی زندگی سے ذاتی واقفیت کے [illegible] کے لیے مستعد ثابت ہوئے۔

نظام حیدرآباد ان کی [illegible] کی وجہ سے محسن الملک اور [illegible] دونوں کو [illegible] رہے۔
جب انھوں نے حیدرآباد چھوڑا تو خواص اور عوام دونوں کو [illegible] داغ جو ان دنوں حیدرآباد میں ملک الشعرا رہے [illegible] دلی جذبات پر قابو نہ پا سکے اور بے اختیار کہہ اٹھے۔

مہدی کو اگر محسنِ زماں کہتے ہیں یا محسنِ ملک اس کو یہاں کہتے ہیں
زیبا ہے کہیں محسنِ عالم اسے داغ جو چاہئے کہنا وہ کہاں کہتے ہیں

اس خیر کا انساں کوئی ہو تو سہی ذی مرتبہ ذی شاں کوئی ہو تو سہی
ہر شخص کو ملحوظ ہے خاطر اس کی یوں دل کا نگہباں کوئی ہو تو سہی

ایک طرف تو محسن الملک اپنی ملازمت کے سلسلے میں انتظامی امور میں دلچسپی اور حصہ لیتے رہے دوسری طرف سر سید احمد خان سے ان کے تعلقات

کالج کا معاملہ تو ... شروع ہی سے سرسید کے عقائد ... [illegible]

[illegible] ... ہے۔

سرسید کا خیال ... [illegible] ... تہذیب ... [illegible]

[illegible] ... کی سرپرستی ... [illegible]

[illegible] ... ہے۔

محسن الملک نے ... ۱۸۸۶ء سے شرکت کرنی شروع کی اور ... [illegible] ... ہندوستان میں ... ہندو مسلمانوں کے سیاسی مسائل کو سمجھنے کی صلاحیت پیدا ہونے لگی اور ... سرسید اور محسن الملک کی ... کوشش ... بیداری کے ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔

وہ حیدرآباد سے ۱۸۹۳ء میں مستعفی ہونے کے بعد علی گڑھ آ گئے تھے، جہاں سرسید کے تعلیمی اور اصلاحی مشن میں ... مسلمانوں کی زندگی میں وہ ان کے معتمد ... سب سے بڑے ... بن گئے۔

سرسید کا انتقال ۲۷ مارچ ۱۸۹۸ء کو ہوا۔ اس وقت ... [illegible] ... سے نجات ... اردو ہندی ... کا مسئلہ ... سامنے پیش کر دیا۔

سرسید کے بعد ان کے صاحبزادے جسٹس سید محمود سیکرٹری ہوئے مگر ... علالت کے باعث اس عہدے سے علیحدہ ہو گئے اور ۱۸۹۹ء میں نواب محسن الملک کو یہ عہدہ سونپا گیا۔

اس کے بعد سے ان کی حیثیت ... ہندوستانی مسلمانوں کے رہنما کی ہو گئی اور ہر اعتبار سے وہ سرسید کے جانشین ہو گئے ... [illegible] ... جوش و خروش کے ساتھ ... گئے۔

۱۹۰۰ء میں اردو ہندی کا قضیہ پھر ... [illegible] ... ہندو مسلم تعلقات میں تلخی پیدا کر دی۔

انہوں نے ایک طرف تو حکومت سے ... [illegible] ... دوسری طرف مسلمانوں کو صاف اور کھلے لفظوں میں سمجھایا کہ ... کے فوائد اور خواہش کے خلاف ... سے احتراز کریں۔ انہوں نے ... [illegible] ... مسلمانوں کی طرف سے حکومت میں پیش کیا ... سیاسی ... کی گویا عکسی تصویر ہے۔ نواب محسن الملک کی زندگی کا آخری دور ہندوستان کی تاریخ سیاست کا ایک اہم باب ہے اور ہندوستان کی جنگ آزادی کا ایک ایسا موڑ ہے جسے ... کوئی آنے والا سیاسی تحریکوں کا صحیح تجزیہ نہیں کر سکتا۔

یہی زمانہ تھا جب میں علی گڑھ ... انگلش اسکول میں داخل لیا گیا۔ میں نے شروع ہی سے علی گڑھ کی سیاسی اور ادبی سرگرمیوں میں دلچسپی لینی شروع کر دی۔ کیونکہ میرا مطالعہ عمر کے لحاظ سے وسیع تھا اور میں مولانا حالی، شبلی نعمانی اور مولوی نذیر احمد کی بیشتر تصانیف پڑھ چکا تھا۔ مسدس حالی کا ایک بڑا حصہ اور بہت سی دوسری قومی نظمیں مجھے یاد تھیں۔ ان سب باتوں کے علاوہ میں آتے ہی یونین کلب کے مباحثوں میں شامل ہونے لگا جہاں پہلے ہی سال میں اسکول کے طلبا میں اول رہا اور کالج کلاسوں کو ملا کر پانچواں ... مانا گیا۔

یہی وجہ تھی کہ کالج کے لائق اور ممتاز طلبا ہی نہیں بلکہ اساتذہ بھی مجھے اپنی صحبتوں میں شرکت کا شرف بخشتے تھے اور جلد ہی میری رسائی نواب محسن الملک تک بھی ہو گئی۔

جو لڑکے ان دنوں کالج کے ممتاز طلباء میں تھے اور جن کے ناموں سے آج بھی علی گڑھ کی تاریخ روشن ہے ان میں عبدالرحمن بجنوری (جو اس وقت ... درجے میں تھے)، تصدق احمد خاں شیروانی (جو مجھ سے دو تین درجے آگے تھے) اور قاضی تلمذ حسین (جو اس وقت کالج میں تھے) خاص طور پر

[illegible]
[illegible]
[illegible] ہو گیا۔

[illegible] ایک ساتھ [illegible] جب [illegible] [illegible] [illegible] بزرگ [illegible]
کہیں [illegible] پر شام کو [illegible] جاتے تو [illegible] سمجھ [illegible]
[illegible] شکایت کرتے کہ سب [illegible] ہو گئے [illegible] سب [illegible] ہو گئے ہیں [illegible]
[illegible] بزرگ کبھی کبھی سیاست پر گفتگو کرتے تھے انگریزوں کو [illegible] تھے [illegible] تھا [illegible]
انگریزوں [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] سے
[illegible] ہماری قوم ابھی ان خیالات کے سمجھنے [illegible] اس وقت [illegible] انگریزوں [illegible] [illegible]
بلکہ نواب صاحب سے کبھی کبھی گفتگو کرتے اور [illegible] وقت [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]
[illegible] اس وقت محسن الملک [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]
[illegible] [illegible] ہوں [illegible] [illegible]

ان کی [illegible] میں نواب صاحب نے [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]
[illegible] تعلیم اور قومی یونیورسٹی کا [illegible] مسلمانوں کے [illegible] [illegible] [illegible]
[illegible] جلسے میں [illegible] تقریر کی جس کا خلاصہ یہ تھا کہ مسلمانوں کی [illegible] سلطنت [illegible] [illegible]
[illegible] حاصل ہو سکتی ہے [illegible] سلطنت کی [illegible] ہے [illegible] سلطنت کا آفتاب [illegible] [illegible] [illegible]
غروب ہو گیا [illegible] اس کے [illegible] سلطنت کا آفتاب [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]
[illegible] ایک خطیبانہ جملے سے ظاہر ہے [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

۱۹۰۳ء میں [illegible] میں [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]
[illegible] احمد خاں شیروانی [illegible] [illegible] مولانا [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]
ان میں [illegible] اور [illegible] زندہ ہوں [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]
[illegible] اسلام [illegible] اور ہندوستان سے انگریزوں کو نکالنا تھا۔ طلباء کی یہ جماعت [illegible] [illegible] [illegible] ایک [illegible]
[illegible] اس پر سنجیدگی سے بحث ہوتی کہ [illegible] مسلمانوں [illegible] [illegible] جا سکتا ہے [illegible] انگریزوں کو ہندوستان سے [illegible]
نکالنے کی کیا تدبیر ہو سکتی ہے؟ یہ جماعت [illegible] کالج کے طلبا کے [illegible] انگریزوں کے خلاف [illegible] [illegible]
ایک [illegible] سر سید کی قبر پر جا کر اس بات کا حلف اٹھایا تھا کہ ہم لوگ جب تک انگریزوں کو ہندوستان سے نکال نہ دیں گے [illegible]
میں سے تقریباً ہر ممبر اپنی قسم پر قائم رہا۔

مسٹر [illegible] اس وقت ہیڈ ماسٹر تھے، یہ صاحب بہت بدزبان تھے اور ان کی بدزبانی کی وجہ سے طلبا ان سے بہت ناراض تھے۔ ایک روز طلبا کسی
کام سے ان کے پاس گئے، انہوں نے طلباء کو (Herd of Pigs) سوروں کے [illegible] کہہ کر اپنے بنگلے سے نکلوا دیا۔ اس پر طلباء میں بڑی برہمی
پھیلی۔ نواب صاحب تک شکایت پہنچی لیکن اس وقت کے حالات کے لحاظ سے وہ انگلش اسٹاف کو ناراض نہیں کرنا چاہتے تھے [illegible]

[illegible]

وہ مجھ پیار سے اور کبھی غصہ میں اکثر ... کرتے تھے ... جب شام کے وقت وہ لان میں سیر کرتے تو اکثر مجھے ساتھ لیتے اور سمجھانا شروع کرتے: تو سمجھتا ہے کہ میں ایک پیسے کا آدمی ہوں؟ انگریزوں سے ڈرتا ہوں؟ ان کا خوشامدی ہوں؟ وہ سکتے تھے تو یہ الفاظ زبان سے نہیں کہتا لیکن تیرے دل میں یہ باتیں جاگزیں ضرور ہیں۔ پھر وہ اپنے مخصوص انداز میں سمجھانے کی کوشش کرتے: میں کمزور نہیں ہوں اور نہ انگریزوں کا خوشامدی ہوں مگر تیری قوم ابھی ان خیالات کا ساتھ دینے کے لئے تیار نہیں ہے۔ کیا تجھ کو یاد نہیں جب سر انٹونی میکڈونل نے ہندی کا اجراء کیا تھا تو اس وقت اردو ڈیفنس کمیٹی کا میں صدر بنایا گیا تھا اور مسلمانوں کے بڑے بڑے جلسوں میں جو تقریریں میں نے کیں ان سے حکومت ڈر گئی۔ میرے خلاف خود کالج کے ٹرسٹیوں اور بڑے بڑے مسلمانوں نے شکایتیں کیں۔ مسٹر میکڈونل ... آتے تو ٹرسٹیوں کے جلسے میں کالج کو ... ٹرسٹیوں نے مجھے اردو ڈیفنس کمیٹی سے استعفا دینے پر مجبور کیا۔ جب تیری قوم کا یہ حال ہے تو پھر ان میں تیرے خیالات کو ابھی پھلنے پھولنے کی گنجائش کہاں ہے؟ میں جانتا ہوں کہ مسلمانوں کے جھگڑوں سے انگریز فائدہ اٹھاتے ہیں لیکن مسلمانوں میں اب تک سیاسی شعور نہیں پیدا ہوا ہے کہ اس بات کو سمجھیں۔ جب یہ شعور پیدا ہو جائے گا تو دیکھنا وہ تیری کانگریس سے بھی پیچھے نہیں رہیں گے۔ پھر کہتے: کیا تو نہیں جانتا کہ گذشتہ میں کیا ہوا؟ اس تحریک سے جسے انگریز وہابی تحریک کہتے تھے انگریزوں کے خلاف کیا کام کئے۔ ابھی چند برس پہلے تک انگریز مسلمانوں کے سخت خلاف تھے، سر سید اور ان کے ساتھیوں کی مسلسل کوششوں سے

[illegible] کی حکومت [illegible] ہندوستان [illegible] کی انتقال [illegible]
[illegible] سیاسی [illegible] کر گئے

[illegible] صاحب نے [illegible]
[illegible] سے منظور کیا

[illegible]

[illegible] صاحب [illegible]

[illegible] ہو جاتے۔

[illegible] صاحب نے [illegible] چلے گئے [illegible]

[illegible] علی گڑھ [illegible] کا مصداق بن گیا ؎

عاقبت مقبولیٔ کالج باید عاقبت [illegible]
ربیت گاہِ عزیزاں شد گزرگاہِ جہاں

جب جارج پنجم ابھی ولی عہدی کے زمانے میں ہندوستان میں بغرضِ سیر و سیاحت آئے تو ٹرسٹیان کالج کی کوششوں کے باوجود علی گڑھ آنا ان کے پروگرام میں شامل نہ کیا گیا لیکن نواب صاحب نے سر آغا خان کے ذاتی اثر و رسوخ سے فائدہ حاصل کر کے آخر کار انہیں [illegible] علی گڑھ بلوا ہی لیا۔ ان کی آمد کی یادگار میں سائنس اسکول کے قیام کا اعلان ہوا اور ولی عہد کی موجودگی میں سر آغا خان [illegible] نے ایک لاکھ دس ہزار روپے کا عطیہ دینے کا تار بھیجا۔ پرنس آف ویلز نے اسٹریچی ہال اور کالج کلاسز کا معائنہ کر کے [illegible] بارک اور بورڈنگ ہاؤس کے چند کمرے بھی ملاحظہ فرمائے جن میں سے ایک کمرہ [illegible] بھی تھا۔ اس میں شہنشاہ جرمنی اور کچھ ہندوستان کے سیاسی رہنماؤں کی تصویریں بھی تھیں۔ ولی عہد نے پوچھا کیا تم جرمنی کے بادشاہ کو پسند کرتے ہو؟ میں نے

[illegible]

[illegible]

[illegible] — [illegible]

معلوم ہوتا ہے کہ جس نے علی گڑھ میں [illegible] امیر حبیب اللہ خاں والی افغانستان کی تھی۔ [illegible] تشریف [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

نواب محسن الملک نے یہ موقع کے یہ اشعار پڑھے —

قیل اِنّ الالٰہ ذو ولدٍ ــــ قیل اِنّ الرسول قد کہنا

لوگوں نے خدا کو بھی صاحب اولاد [کہا] ــــ اور رسول کو جادوگر ــــ

ما نجا اللہ والرسول معاً ــــ من لسان الوریٰ فکیف انا

جب خدا اور رسول لوگوں کی زبان سے نہ بچے تو میں کیسے بچ سکتا ہوں ــــ

امیر افغانستان [illegible] نواب صاحب [illegible] [illegible] سوالات [illegible]

جب ترکیوں نے [illegible] [illegible] [illegible] ہو سکتا۔ اس جواب نے نواب صاحب کو انگشت بدنداں کر دیا۔

امیر افغانستان [illegible] [illegible] پابند ہیں اور جس طرح [illegible]

آخر کو جب وہ [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] تشریف [illegible] ایک طالب علم محی الدین نامی کو اپنے قریب بلا کر بٹھایا اور فرمایا کہ قرآن مجید میں سے جو تمہیں یاد ہو سناؤ۔ خدا کو [illegible] منظور تھا کہ وہ لڑکا اتفاق سے حافظ اور خوش الحان تھا۔ اس نے نہایت خوش لحنی کے ساتھ بعد تعوذ و تسمیہ سورۂ عمران کی یہ رکوع تلاوت کرنی شروع کی:

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ . . . الخ

دو چار ہی آیتوں کی تلاوت کے بعد ایک عجیب پُر اثر سماں بندھ گیا اور ہر شخص پر ایک وجد کی سی کیفیت طاری ہوگئی۔ ادھر شاہ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور قطرے ڈھلک ڈھلک کر رخساروں اور داڑھی تک بہنے آئے۔ رکوع ختم ہونے تک ان کا رومال آنسوؤں سے تر ہو چکا تھا۔

امیر افغانستان [illegible] نہایت جوش میں اللہ [illegible] بار بار کبھی اردو کبھی فارسی اور کبھی انگریزی میں فرمانے لگے [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

اس وقت مسٹر [illegible] نے کہا:

[illegible]

اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ جناب ایک [illegible] ہیں۔

اس کا امیر افغانستان نے برجستہ جواب دیا: [illegible]

[illegible] I am a soldier and I am a king

بے شک [illegible]

مسٹر [illegible] ہال میں ایڈریس پیش کیا گیا [illegible] تھا۔

[illegible] تقریر بہت مختصر تھی جس میں انہوں نے [illegible] مختصر طور پر بیان کئے [illegible] وہیں انہوں نے بیس ہزار روپے یکمشت دیئے اور [illegible] سالانہ وظیفہ [illegible] دوسرے لوگوں نے بھی [illegible] عطیات دئے۔

ابھی جوش و خروش ختم نہیں ہوا تھا کہ مسٹر گوکھلے علی گڑھ تشریف لائے۔ اس وقت علی گڑھ میں [illegible] موجود تھے۔ انہوں نے مسٹر گوکھلے کو فوراً طلباء کی طرف سے کالج میں آنے کی دعوت دے دی۔ پرنسپل [illegible] اس بات [illegible] مسٹر گوکھلے کو لکھا کہ آپ کو طلباء نے بغیر میری اجازت کے مدعو کر لیا ہے۔ اس پر بھی آپ تشریف لائیں تو مجھے امید ہے کہ آپ صرف تعلیمی مسائل پر گفتگو کریں گے۔ جب طلباء کو معلوم ہوا تو انہیں بہت غصہ آیا۔ مسٹر گوکھلے نے پرنسپل کو جواب دیا کہ آپ کے کہنے کے مطابق میں صرف تعلیمی مسائل پر طلباء سے گفتگو کروں گا۔ آپ مطمئن رہیے۔

طلباء میں ایسا جوش و خروش تھا کہ وہ چاہتے تھے کہ شہر جا کر جہاں مسٹر گوکھلے قیام پذیر تھے ان کی گاڑی خود کھینچ کر لائیں۔ بڑی مشکل سے انہیں اس بات سے روکا گیا۔ لیکن جب مسٹر گوکھلے کی گاڑی کالج کے صدر دروازے پر آئی تو طلباء نے ان کی گاڑی کھینچی۔ جس جوش و خروش کا اظہار کیا گیا تھا مسٹر گوکھلے کو مسلمان نوجوانوں کا سیاسی جوش دیکھنے کا یہ پہلا موقع تھا۔ ان کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور آواز بھرا اٹھی۔ ان کے ہر ہر لفظ سے دلی جذبات کا اظہار ہو رہا تھا اور ہر ہر جملے پر تالیوں کی گونج اٹھتی تھی اور مشکل سے روکی جا سکتی تھی۔

مسٹر گوکھلے نے وعدے کے مطابق صرف تعلیمی مسائل پر گفتگو کی لیکن اس انداز سے گفتگو کی کہ ان کی ساری تقریر سیاست وقت کی تفسیر تھی۔ آخر میں انہوں نے کہا کہ ملک کے ایک خادم کی جو عزت افزائی علی گڑھ میں ہوئی ہے اس سے مجھے امید ہو گئی ہے کہ آزادی میں اب زیادہ دیر نہیں ہے۔ انہیں معلوم ہو گیا تھا کہ مسلمان نوجوان بیدار ہو چکے ہیں اور کیسی آگ ان کے سینوں میں چھپی ہوئی ہے۔

[illegible]

[illegible]

پرنسپل اور انگلش اسٹاف کو طلباء کا یہ مظاہرہ جوش بہت ناگوار ہوا اور انگلش اسٹاف اور طلباء کے تعلقات خراب ہو گئے۔ نواب محسن الملک نے بمبئی میں تعلیمی کانفرنس کے اجلاس کے وقت اپنے متعلق جو کچھ کہا تھا وہ پھر یاد آ گیا۔ ظاہر ہے معلوم ہوتا تھا کہ نواب صاحب انگلش اسٹاف سے بہت مرعوب ہیں اور انگریزوں کے خلاف ایک لفظ بھی سننا پسند نہیں کرتے [illegible] اور طلباء [illegible] شامل [illegible] رجحان بڑھتا جا رہا تھا۔

اوپر ذکر کیا گیا ہے کہ گذشتہ میں ہم [illegible] نے ایک خفیہ سوسائٹی قائم کی تھی جس کا مقصد یہ تھا کہ انگریزوں کو کسی صورت سے ہندوستان چھوڑنے پر مجبور کر دیا جائے۔ اس سوسائٹی کے [illegible] کا پتہ چل [illegible] کانفرنس [illegible] کسی [illegible] کے لئے اساس بات نہ تھی۔

حکومت نے علیگڑھ [illegible] پر یہ تجویز پیش کی کہ [illegible] کالج بنایا جائے اور [illegible] تعمیر پر زور دیا جائے۔ [illegible] نواب محسن الملک پر جب یہ معلوم ہوا [illegible] انہوں نے اس تجویز کی نہایت شدید مخالفت کی اور صاف ظاہر کیا کہ اس تجویز کا منشا یہ معلوم ہوتا ہے کہ حکومت غالباً چاہتی ہے کہ مسلمان انگریزی تعلیم سے رفتہ رفتہ دور کر دیا جائے تاکہ مغربی علوم و فنون سے جو شورش ہندوستان میں پیدا ہو گئی ہے اس کے اثر سے مسلمان [illegible] محفوظ رہ جائے۔ پرنسپل مارسین نے [illegible] کوشش کی کہ حکومت کا منشا نہیں ہے بلکہ حکومت اس کو ایک مکمل مسلمانوں کا دارالعلوم بنانا چاہتی ہے لیکن محسن الملک کی شدید مخالفت کے باعث یہ تجویز کچھ آگے نہ بڑھ سکی۔

ہم اپنے رفقاء کے ساتھ جب ان کی خدمت میں حاضر ہو کر مسائل حاضرہ پر بے دھڑک بحث شروع کر دیتے تو وہ ہماری گستاخانہ جرأتوں کو برداشت کرتے ہوئے فرماتے کہ گھبراتے کیوں ہو بہت جلد ہی کے طلباء تم لوگوں جیسے خیالات کو ماننے والے ہو جائیں گے۔ گو اس وقت شاید میں زندہ نہ رہوں گا۔ سرسید کا بھی دراصل یہی منشا تھا اور میرا بھی یہی ہے کہ ہمارا ملک کے جانباز سپاہی پیدا ہوں لیکن آہستہ خرامی سے کام لینا ہی وقت اور مصلحت کا تقاضا ہے۔ ابھی تمہاری قوم میں تیز دوڑنے کی صلاحیت نہیں ہے۔

عجیب اتفاق کہ مسٹر [illegible] کے جانے کے کچھ ہی دن بعد علیگڑھ کی کالج میں ۹ فروری ۱۹۰۷ء کو ایک ایسا واقعہ ہو گیا کہ اس نے طلباء کی صفوں میں ہیجان پیدا کر دیا۔ راجہ غلام حسین سے جو کالج کے ایک ممتاز طالب علم تھے ایک پولیس کانسٹیبل کا جھگڑا ہو گیا۔ ایسے جھگڑے ہمیشہ ہی ہوا کرتے تھے مگر مسٹر مارسین ہمیشہ طلباء کا ساتھ دیتے تھے اور ایسے معاملات رفع دفع کرا دیا کرتے تھے۔ یہ بات کالج کی تقریباً روایت بن چکی تھی لیکن جب راجہ غلام حسین کے معاملے میں سپرنٹنڈنٹ پولیس نے پرنسپل آرچبولڈ سے شکایت کی تو انہوں نے بلا سوچے سمجھے راجہ غلام حسین کو کالج سے خارج کر دیا۔

انگلش اسٹاف اور طلباء میں کشیدگی تو پہلے ہی سے تھی۔ یہ واقعہ گویا کھلم کھلا جھگڑے کا شاخسانہ بن گیا۔ طلباء میں جوش اور غصہ کی لہر پھیل گئی اور انہوں نے بہت زور اور شور کے ساتھ احتجاج کا نعرہ بلند کر دیا اور جلسے کرنے شروع کر دیے۔ اس پر کالج کے انگلش اسٹاف کا غصہ اور بھڑک اٹھا

[illegible]

[illegible] اس کے بعد طلباء کی [illegible] بن گئی [illegible] اور [illegible] طلباء پر [illegible] جب انہوں نے پولیس کو اطلاع [illegible] کر لیں [illegible] طلباء کی اذیت پہنچانے کا خیال ہی [illegible] یہ اتفاق تھا کہ [illegible] ہی [illegible] گیا تھا۔ چاروں طرف [illegible] کھڑے ہو گئے [illegible] نہیں کر سکے اور اپنا سامان جمع کر کے [illegible]

طلباء کے وفد [illegible] تمام معاملہ [illegible] کر دیا [illegible] نواب [illegible] پاس دہلی آئے [illegible] نواب وقار الملک خود [illegible] بیانات سے بہت متاثر ہوئے [illegible] نواب محسن الملک تو مصلحت برتتے ہیں [illegible] کوئی مصلحت نہیں برتوں گا [illegible] طلباء [illegible] نواب محسن الملک [illegible]

ابھی اس کامیابی پر طلباء بہت خوش تھے لیکن جب [illegible] طلباء [illegible] آپ بھی نواب محسن الملک کا جادو [illegible] گیا۔

ایک خفیف واقعے سے طلباء [illegible] اور [illegible] بیدا ہو [illegible] دیا تھا اس نے نواب محسن الملک کو بے انتہا متردد اور بے چین کر دیا تھا [illegible] طلباء کالج سے [illegible] قومی [illegible] تھا [illegible] اور [illegible] تھا۔

ابھی طلباء کی اسٹرائک جاری تھی کہ ایک دن نواب صاحب نے [illegible] طلباء کو [illegible] متاثر ہوئے اور ان سے [illegible] ایک دن [illegible] طلباء نواب صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے [illegible] کو سمجھانے کا ایک خط [illegible] نواب صاحب [illegible] کے سامنے بیٹھ گئے اور ایک طویل خط اپنے ہاتھ سے تحریر کیا جس کی ابتدا "میرے [illegible] فرزندو!" سے کی

اس فقرے نے اور اس خط کے پورے مضمون نے طلباء پر جادو کا اثر کیا۔ جب نواب صاحب نے وہ خط ختم کیا تو رات کے بارہ بج چکے تھے۔ طلباء اب تک دوران اسٹرائک میں بھی نواب صاحب سے خفا تھے اور ان پر الزام رکھتے تھے کہ [illegible] کے ساتھ وہ کمزوری برت رہے ہیں اور ہمت کو راہ نہیں دے رہے ہیں لیکن ان کے [illegible] نے حیرت انگیز طریقے پر طلباء کی ناراضگی دور کر دی۔ ان کی تحریر کے لفظ لفظ سے طلباء کے ساتھ ان کی محبت ٹپکتی تھی۔ اس خط سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ علم نفسیات کے کتنے بڑے ماہر ہیں۔ [illegible] خط [illegible] وہ کام کیا جو تمام تر [illegible] اور [illegible] طالب علموں کی نصیحتیں نہ کر سکی تھیں۔۔۔

ظاہراً تو یہ طلباء کالج کی ایک اسٹرائک تھی لیکن حقیقتاً علی گڑھ کے طلباء کی یہ اسٹرائک مسلمان قوم کی سیاست کی سنگِ بنیاد تھی۔ اس اسٹرائک کے بعد ہی مسلم لیڈروں نے محسوس کر لیا کہ اب مسلمان نوجوان پرانی سیاسی پالیسی سے بیزار ہو چلے ہیں [illegible] ہو گیا ہے کہ ان کے لئے ایک سیاسی

[illegible] ہو گئے۔

[illegible] صبح کے وقت ان کی کوٹھی پہنچے۔ اس وقت نواب صاحب [illegible] تھے۔ نواب صاحب نے [illegible] کو مخاطب کرتے ہوئے کہا یہ تو سب خود باغی ہو اور میرے لڑکوں کو بھی باغی کر دیا ہے۔ تم سب [illegible] [illegible] سے پوچھا گیا کہ حضور کیا بات ہے تو فرمانے لگے کہ آج رات میں پاؤں [illegible] کی وجہ سے [illegible] [illegible] تھا جو کو محرر رہا تھا۔ میں نے اس سے کہا کہ تو جا کر ذرا کہہ کہ اس بیرے کو جو [illegible] کوٹھی میں رہتا ہے بھیج دے اور اس سے کہ مجھے کوئی اس کو کچھ انعام دوں گا۔ میں نے اس بیرے کو دوبارہ بلوایا لیکن اس نے آنے سے صاف انکار کر دیا۔ تب مجھ کو غصہ آیا اور میں نے کہلوایا کہ کل صبح میری کوٹھی سے نکل جائے۔ آج صبح کو میرے لڑکوں نے جب اس کو مکان سے نکل جانے کو کہا تو بولا کہ جاؤ نواب سے کہو کہ رات کی بات کو اب تک یاد ہے؟ ——— تو کہتا ہے ہم سموں کی طرح مجھ کو [illegible] سمجھتے ہیں۔ جب ہم سموں نے پوچھا کہ پھر کیا ہوا؟ تو فرمایا کہ بتا کیا میں چپ ہو گیا۔

اس ایک واقعے سے نواب صاحب کی مروت، نیکی اور شرافت کا پتہ چلتا ہے جس سے لوگ ناجائز فائدہ اٹھایا کرتے تھے۔

وہی تک محسن الملک کالج کی امداد [illegible] اور دیگر پیچیدگیوں سے [illegible] میں نواب صاحب کو کافی صدمے پہنچائے مگر باوجود ان تمام باتوں کے وہ قوم کی خدمت کرنے سے باز نہ آئے۔ [illegible] اس امر کا کافی ثبوت ہے کہ انہوں نے خدمت قوم میں جان دے دی۔ آخر ستمبر ۱۹۰۷ء میں وہ [illegible] سے اصلاحات کی اسکیم میں مسلمانوں کے حقوق کی توسیع وغیرہ کے لئے ملاقات کرنے شملہ تشریف لے گئے تھے۔ وہیں وہ زبردست طور پر علیل ہو گئے [illegible] اپنے خاص [illegible] سے علاج کروایا لیکن کوئی فائدہ نہیں ہوا اور ۱۶ اکتوبر ۱۹۰۷ء کو ۶ بجے شام اس حقیقی محسن الملک اور خادم قوم نے اپنی زندگی کا اجر حاصل کرنے کے لئے انتقال فرمایا کہ زبان وحی کا یہ قول صادق ہے کہ:

إِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ (خدا نیکی کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا)

حالی نے چند رباعیات میں نواب محسن الملک کی زندگی کی تصویر کھینچی ہے اس کو بھی سن لیجئے ؎

دم بھر نہ کبھی جان کو آرام دیا — خدمت کے لئے قوم کی مر مر کے جیا
پیری بھی نہ سد راہ اس کی نہ مرض — صدیوں کا تھا جو کام وہ برسوں میں کیا

پیری میں جوانوں کو کیا مات اس نے — آرام پہ اپنے ماری لات اس نے
تھے سب سے محنت سے دکھا دی سب کو — کالج کی ترقی میں کرامات اس نے

مدراس میں سوتوں کو جگایا جا کر — غل علم کا بمبئی میں مچایا جا کر
پیاسی بھٹی ہرنی جہاں قوم میں تھی — وہاں آب حیات ان کو پلایا جا کر

نئے ناول

قمر تسکین کا اسلامی تاریخی ناول

زینب

یہ تحریک سے جن مجاہدین کی کوشش ہے جس میں ... کی
آزادی کی ترجمانی ہو رہا ہے استقلال ہے مسلمانوں کے باوجود
... سپین کا ... ہے ... عیسائیوں کی ...
... آزادی کے ... کی سرگرمیاں اور
... میں محبت و نفرت کی کرتیں ...
دلچسپ اور دلکش پیرایہ میں پیش کی گئی ہیں۔ ناول
محض ... عظمت ... کا افسانہ نہیں ...
بھی اس سے حب الوطنی کے پاکیزہ جذبات ...
جا سکتا ہے۔ ضخامت ساڑھے تین سو صفحات
ٹائٹل سرورق چار رنگوں میں۔

قیمت صرف چار روپے بارہ آنے

محمد علی پاشا

قمر تسکین کا ایک اور اسلامی تاریخی ناول

محمد علی پاشا ایک جہاد آموز، حریت پرور اور
باطل شکن معرکہ آرائیوں کی خونچکاں داستان ہے
جس کو عشق و رومان کے چھینٹوں نے قوس قزح کا
رنگ دیا ہے۔ ضخامت چھ سو صفحات۔

قیمت سات روپے آٹھ آنے

رفعت سلطانہ کا ایک نیا ناول

اُستانی

ایک منفرد دلچسپ کہانی ہے جسے مشہور مصنفہ
ناول نگار رفعت سلطانہ نے اپنے مخصوص انداز
میں پیش کی ہے۔ ناول ... کی عکاسی کرتی
ہے جس میں ... سسکیوں ... گھر گھر ... ہو
... آہوں کو ... کیا ہے۔ ...
... خود ... کے ...
کی ترجمانی کرتی ہے۔ ضخامت ساڑھے تین سو صفحات
کتابت و طباعت دیدہ زیب، حسین گرد پوش۔

قیمت صرف تین روپے آٹھ آنے

پھول چنتی رہی

ساحر لدھیانوی نے کہا تھا ؎
میں کہا تجھ سے مگر تو میری راہوں کے لئے
پھول چنتی رہی، چنتی رہی، چنتی ہی رہی
ف۔ م۔ سوز نے اس شعر کی اس قدر دلنشین
دلچسپ اور موثر انداز میں تشریح کی ہے کہ آپ کا ...
... کبھی تو ... کبھی ... ایک ...
ناول ہے جسے ف۔ م۔ سوز نے آنسوؤں کے سمندر میں ڈوب کر
لکھا ہے۔

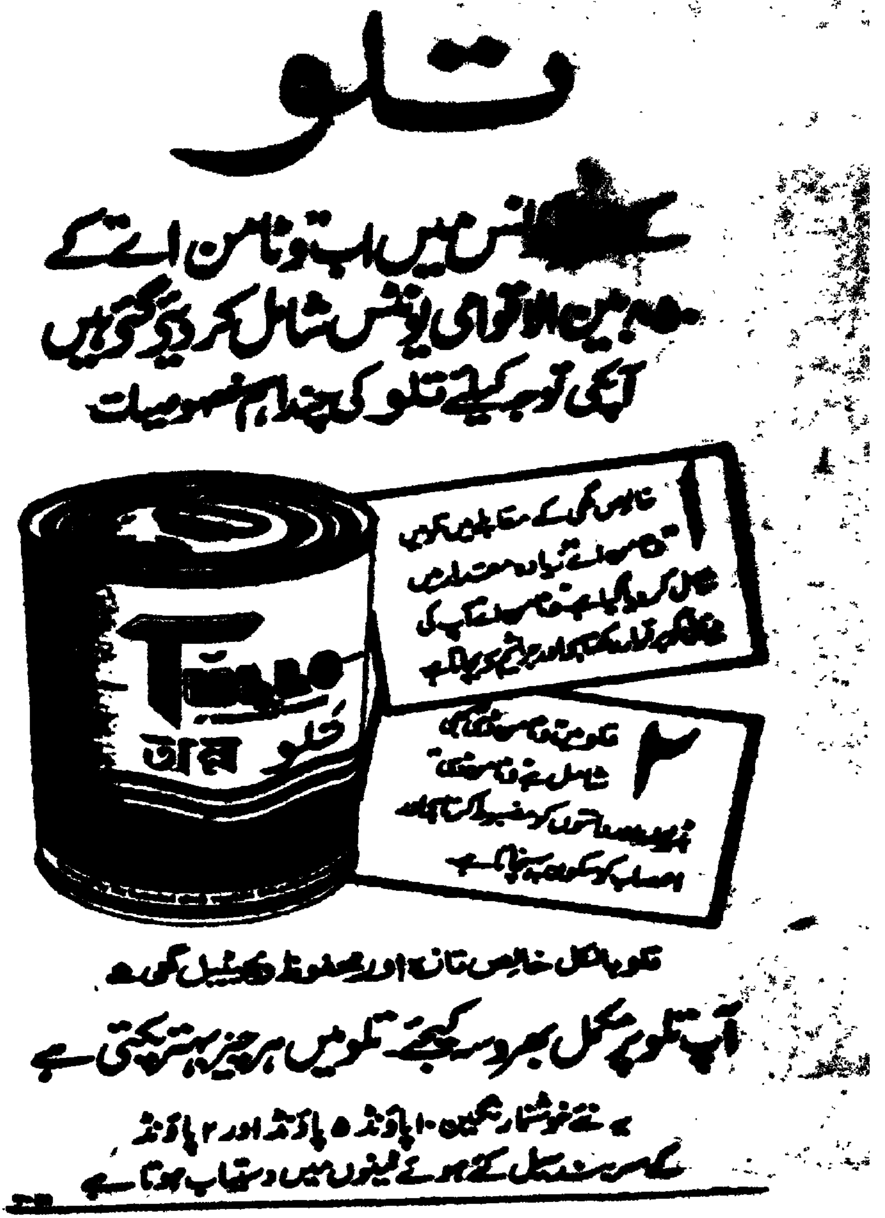
قیمت صرف تین روپے

ہر اچھے کتب فروش سے خریدیئے یا ہم سے منگوائیے

کتب مینار — ۱۰۔ اے مال روڈ — لاہور



بے حد چمک دینے والا سن لائٹ
کپڑوں کو سفید اور اُجلا دھوتا ہے
SUNLIGHT SOAP
سن لائٹ
صابن


تلو
میں اب وٹامن اے کے
بین الاقوامی یونٹس شامل کر دیئے گئے ہیں
آپکی توجہ کیلئے تلو کی چند اہم خصوصیات
۱
۲
تلو
آپ تلو پر مکمل بھروسہ کیجئے تلو میں ہر چیز بہتر پکتی ہے
یہ نئے خوشنما رنگین ۱۰ پاؤنڈ ۵ پاؤنڈ اور ۲ پاؤنڈ
کے سربند ٹکے ہوئے ٹینوں میں دستیاب ہوتا ہے



میں
لکس ٹائیلٹ
صابن
استعمال کرتی ہوں
چاند عثمانی
کہتی ہے
LUX
TOILET SOAP


سیدھی
ہڈی اور مضبوط
اعضا
کے لئے
اپنے ننھے بچے کو
یہ خالص دودھ دیجئے
آسٹرملک


تندرستی کا مسئلہ ہے
اسی وجہ سے میں ہمیشہ ڈالڈا
سے کھانا تیار کرتی ہوں
موجودگی ضروری ہے۔
ہمیشہ محفوظ اور پاک وصاف
کو صحت مند رکھیے۔
ڈالڈا برانڈ وناسپتی
کھانوں کو بہتر بناتا ہے



(محمد طفیل پرنٹر پبلشر و ایڈیٹر نے اشرف پریس لاہور میں چھپوا کر شائع کیا)

[illegible] زبان دا

[illegible] دے تاریخ

[illegible] زندگی دی ورقیاں وچ [illegible] کوشش نال پنجابی ادب تے شاعری دے [illegible] نال پنجابی بولی دی [illegible] وا واحد [illegible] اے

[illegible] شاعری ادب دے [illegible] کوئی کتاب [illegible] گئی۔

[illegible] پنجابی شاعراں [illegible] کلام نال [illegible] زندگی دے حالات دی [illegible]

[illegible] پنجابی [illegible] دا [illegible] دی زندگی دے [illegible] دی [illegible]

[illegible] شاعری دی [illegible] دا گھوڑا رنگ دے کے اوہدے [illegible] دکھایا گیا اے۔

[illegible] قومی دے [illegible] دے [illegible] حکومتاں دے دور [illegible] رنگ [illegible] شاعری دا [illegible] نال [illegible] دے [illegible] طریقے نال کیتے گئے نے۔

[illegible] کلاسیکل زباناں دے [illegible] وچ [illegible] دے اوہدے [illegible] گئے نے۔

[illegible] عام [illegible] کیہ اوہدے [illegible] کیہ [illegible]

[illegible] دیباچہ مولانا عبدالمجید سالک [illegible] لکھیا اے [illegible] جان [illegible] نے کر دتی اے۔

[illegible] چھپائی صاف ستھری نے دکھ بڑا سوہنا کاغذ سفید!

[illegible] جلد [illegible] کل دس روپے

[illegible] بک ڈپو اردو بازار لاہور (پاکستان)


آپ کو مال کس جگہ چاہیے؟
طبقہ کے خریداروں
کی سہولت کے لئے برماشیل
نے ملک کے ۹۵ اہم مقامات پر
اپنے ڈپو کھول رکھے ہیں جہاں سے
ضرورت کے وقت فی الفور رسد
حاصل کی جا سکتی ہے۔ پٹرولیم کی مصنوعات
کے نقل و حمل اور ذخیرہ اندوزی کے سلسلہ میں برماشیل کا وسیع
تجربہ اور کامل انتظام ملک کے گوشہ گوشہ میں بکفایت تقسیم کاری
کا ضامن ہے
برماشیل
ترقی پاکستان کا ایک حصہ ہے

مکاتیب نمبر

زندہ اور مرحوم مشاہیر ادب کے ہزاروں
نادر و نایاب علمی، ادبی اور سیاسی خطوط

★

ادبی دستاویزوں اور سیاسی نشیب و فراز کی یکجا تاریخ

چار جلدوں میں پیش کی جا رہی ہے

★ پہلی جلد میں مرحوم مشاہیر ادب کے خطوط ہوں گے۔ جس میں غالب، سرسید، حالی، محسن الملک، وقار الملک، نذیر احمد، محمد حسین آزاد، اقبال، صدر یار جنگ، شبلی، سلیمان ندوی، پریم چند، مولانا محمد علی، گاندھی اور قائد اعظم ایسے عبقری لوگوں کی تاریخی نوعیت کی دستاویزیں ہوں گی۔

★ دوسری جلد میں زندہ مشاہیر ادب کے خطوط ہوں گے۔ جس میں ابوالکلام، بابائے اردو، ظفر علی خاں، نیاز فتحپوری، مولانا عبدالماجد دریابادی، مولانا غلام رسول مہر، عبدالمجید سالک، رشید احمد صدیقی، جوش ملیح آبادی، جگر مرادآبادی، فراق گورکھپوری، حفیظ جالندھری، فیض احمد فیض، عصمت چغتائی، کرشن چندر اور احمد ندیم قاسمی ایسے زندہ رہنے والے شاعر اور ادیبوں کے خطوط ہوں گے۔

★ تیسری جلد میں پھر مرحوم مشاہیر ادب ہی کے خطوط ہوں گے۔ ادارۂ نقوش کی خواہش ہے۔ کہ تمام سرمایہ جو خطوط کی شکل میں ادھر ادھر بکھرا پڑا ہے۔ وہ تمام کا تمام یکجا کر دیا جائے۔

★ چوتھی جلد میں ادارہ کے تمام تاریخی نوعیت کے مطبوعہ خطوط کا انتخاب ہوگا۔ تاکہ خطوط کے سلسلہ میں نقوش کا یہ کارنامہ حرف آخر کا درجہ رکھے۔

★ یہ کام بڑی ذمہ داری کا ہے۔ جسے ادارہ نقوش تمام نزاکتوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے سر انجام دے گا۔

نمائش

ہمارے پاس تمام ہی بڑے بڑے زندہ اور مرحوم مشاہیر کے اصلی خطوط موجود ہیں۔ اس لئے ادارۂ نقوش کا ارادہ ہے۔ کہ وہ لاہور میں اصلی خطوط کی نمائش بھی کرے۔

منیجر نقوش لاہور